



پبلشرز: ۳۵۲۵  
برائش: ۲۳۸۹۸

ایڈیشن: ۵۳۱۲

زندگی آمیز، زندگی آموز ادب کا نایاب

# نقوش

اپ بیتی نمبر

جون ۱۹۶۳ء

نمبر

محمد طفیل

MIA LIB

۱۹۶۳

۱۹۶۳

ادارہ فروغ اردو — لاہور

قیمت ۲۰ روپے





## صدِ پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کا پیغام

نفقوش کے... اوین شمارے کی اشاعت پر میں ادارے اور اس کے مدیر کو مبارکباد دیتا ہوں جنہوں نے ذاتی محنت اور مسلسل کوشش سے نفقوش کو اس معیار پر لاکھڑا کیا ہے کہ آج یہ جدیدہ بین الاقوامی شخصیتوں کی خود نوشت سوانح پیش کر رہا ہے۔

مگر یہ بعض نہ وقتوں کی وجہ سے میں اس ادبی اجتماع میں شریک نہیں ہو سکتا، لیکن ذہنی طور پر اس ادبی جشن میں شریک ہوں۔ میں پاکستان کے ادیبوں اور فنکاروں کا ترحم ہوں۔ ان سے ہماری دست سی قومی اُمیدیں وابستہ ہیں۔ ادیب اور فنکار قوم کے عمار ہوتے ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ پاکستان کے ادیبوں نے آج تک ہم سے تعاون کا یادہ برعکاس رکھا۔ یہ ایک تعمیری رجحان ہے۔

نفقوش ادیبوں اور فنکاروں کا ایک نمایندہ مجموعہ ہے جو صحابہ اور بحیرہ ادب پیش کرتا رہا ہے۔ اعلیٰ ادب پیش کرنے والے زبدوں کی تعداد ہمارے ہاں بہت کم ہے۔ اسی وجہ سے ان کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ میری خواہش ہے کہ ایسے جدیدے تعداد میں بڑھیں اور ملک میں باذوق قاری پیدا کریں۔

محمد ایوب خان فیلڈ مارشل

۱۰۰ واں شمارہ



# فہرس

محمد طفیل  
محمد طفیل

طلوع  
تقریبات

## مکتوبات مضافہ:

۱۔ فیلڈ مارشل محمد ایوب خان	۲۲۔ وان ریگ برڈس
۲۔ سر وینس چرچل	۲۳۔ محمد معین
۳۔ جرنل آئزن ہاور	۲۴۔ والدہ بی میر نو کوکو
۴۔ ہیریٹ میکین	۲۵۔ چینی سفیر
۵۔ برٹوینڈرسل	۲۶۔ انفرمیشن مسٹر طلی
۶۔ ایلیا ابرل برگ	۲۷۔ امریکی سفیر
۷۔ شہت جواہر علی خورو	۲۸۔ انڈونیشی سفیر
۸۔ ٹی۔ ایس۔ ایلٹ	۲۹۔ سفیر متحدہ عرب جمہوریہ
۹۔ ایزار پاؤنڈ	۳۰۔ سفیر سعودی عرب
۱۰۔ لارڈ ڈول ہورن	۳۱۔ ترکی سفیر
۱۱۔ ہیریٹ جی فرج دیبا پملوی	۳۲۔ لبنانی سفیر
۱۲۔ ہیریٹس آغا خان	۳۳۔ سوڈانی سفیر
۱۳۔ ڈاکٹر رادھا کرشن	۳۴۔ برازیلی سفیر
۱۴۔ ڈاکٹر طاہر حسین	۳۵۔ سفیر یوگوسلاویہ
۱۵۔ رابرٹ فراسٹ	۳۶۔ برطانوی ہائی کمشنر
۱۶۔ جیمز ہڈر	۳۷۔ سفیر فلپائن
۱۷۔ ڈبلیو۔ ایس۔ ماہم	۳۸۔ ہائی کمشنر کینیڈا
۱۸۔ الڈوس کینے	۳۹۔ سفیر بلجیم
۱۹۔ اے۔ ای۔ سٹیونسن	۴۰۔ ہائی کمشنر آسٹریلیا
۲۰۔ ہمرٹ ماہم	۴۱۔ سفیر سوئٹزرلینڈ
۲۱۔ فیض احمد فیض	۴۲۔ ہائی کمشنر یوگوسلاویہ

## مضامین

۱۔ آپ بیتیوں کی اہمیت	مولانا غلام رسول مھر، ۳۶
۲۔ آپ بیتیوں کے چند نمایاں پہلو	مولانا غلام الدین سالک، ۴۰
۳۔ آپ بیتی	ڈاکٹر سید عبداللہ، ۴۰
۴۔ آپ بیتی کی مختلف صورتیں	یوسف جمال انصاری، ۴۸
۵۔ آپ بیتی کیا ہے؟	ریحانہ خاتم، ۶۴

## سربراہ مہلکت

۱۔ قائد اعظم	۲
۲۔ فیلڈ مارشل محمد ایوب خان	۱۵

۳۔ تیمور گورگانی	۸۵۳
۴۔ نجم الدین بابر	۳۳۱



۳۸۵	مکین بیگم	۵
۸۶۱	نور الدین محمد جاگیر	۶
۹۳۲	بہار آرا بیگم	۷
۹۴۶	اورنگ زیب عالمگیر	۸
۲۲۹	دایم علی شاہ	۹
۹۳۶	امیر عبد الرحمن	۱۰
۱۶۰۰	نور الدین	۱۱
۹۰۸	اودھت بند	۱۲
۵۳۹	موسیقی	۱۳

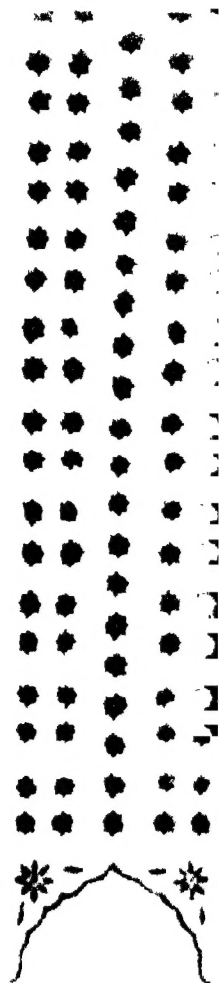
۸۹۸	دیوان آت و دہ سر	۱۴
۸۸۰	بہار جہان سر	۱۵
۸۶۱	رضاشاہ پیلوی	۱۶
۸۶۶	فرخ دہا پیلوی	۱۷
۸۵۰	مہاراجہ جتھ دوم	۱۸
۱۶۵۵	ونشن چرچل	۱۹
۸۴۱	آرتھر ہاور	۲۰
۸۴۵	لندن بی جانسن	۲۱
۹۶۳	جواہر لال نہرو	۲۲
۹۵۶	رادھا کرشن	۲۳
۱۸۱۲	پرنس آغا خان (چارم)	۲۴

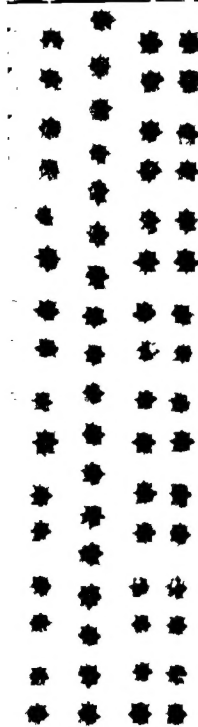
### اولیاء، صوفیاء

۱۵۳۱	مخدوم علی حجیری	۲۵
۱۵۵۳	سعدی شیرازی	۲۶
۱۵۵۶	امیر خسرو	۲۷
۳۲۴	محمد الف ثانی	۲۸
۱۵۰۸	شاہ محمد عوث	۲۹
۳۸۹	میرزا مظہر جان جاناں	۳۰
۹۱	سید عوث علی شاہ کلندرز	۳۱
۱۸۰۶	مولانا اشرف علی تھانوی	۳۲
۶۹۳	شاہ محمد حسین الہ آبادی	۳۳
۱۵۱۵	شاہ محمد سلیمان پھلواڑی	۳۴
۱۵۲۸	خواجہ حسن نظامی	۳۵

### علماء

۱۵۶۱	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۳۶
------	------------------------	----





۲۹۲	میر غلام علی آزاد گلگامی	۳۷
۱۷۶	مولوی محمد جعفر نقاشی سری	۳۸
۱۲۲۰	مولانا حبیب اللہ سندھی	۳۹
۱۶۲۸	نواب حبیب الرحمن شروانی	۴۰
۲۶۲	مولانا حسین احمد مدنی	۴۱
۲۷۷	سید سلیمان ندوی	۴۲
۱۳۰۹	اسلم جبراج پوری	۴۳
۱۴۵۸	مولوی محمد شفیع	۴۴
۱۰۶۷	حبیب الماجد دریا بادی	۴۵
۱۲۸۵	ابوالاعلیٰ مودودی	۴۶

### مؤرخ

۴۰۴	طاہر جلال اللہ دریا بادی	۴۷
۱۶۷۱	ابوالفضل	۴۸
۱۴۷۳	مولوی رحمن علی	۴۹
۱۴۷۶	حکیم سید عبدالحی	۵۰
۱۴۸۲	فقیر محمد حبیبی	۵۱
۴۲۹	جیش امیر علی	۵۲
۴۳۳	فتی ذکاء اللہ دہلوی	۵۳
۴۵۲	مولوی کریم الدین	۵۴
۵۵۷	لالہ سری رام	۵۵
۴۲۵	حبیب الزاق کانپوری	۵۶
۶۷۰	محمد دین فوق	۵۷

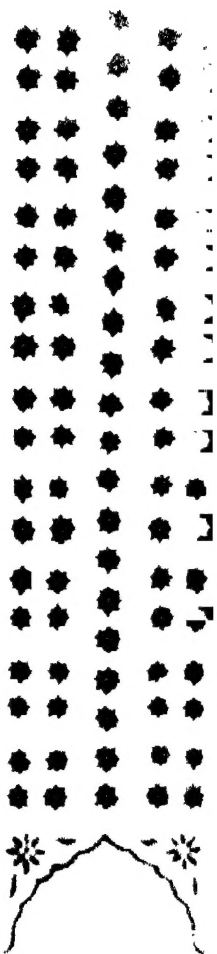
### مصلحین ، سیاست

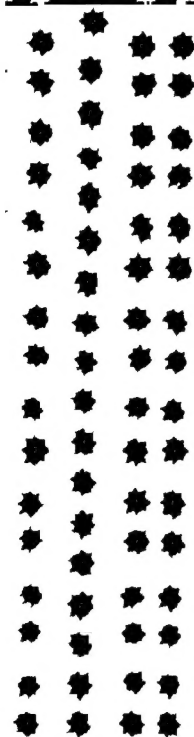
۶۱۴	میرزا ابوطالب اصفہانی	۵۸
۳۷۰	سیح الدین خان سیفراودہ	۵۹
۱۷۷۵	محمد عنایت حسین خان	۶۰
۴۲۵، ۱۱۱	مرسید احمد خان	۶۱
۲۱۲	دادا بھائی نوروجی	۶۲
۴۳۲	نواب محسن الملک	۶۳
۴۳۳	نواب وقار الملک	۶۴
۶۳۸	جیش محمود	۶۵
۳۴۶	گاندھی	۶۶
۷۷۵	مولانا محمد علی جوہر	۶۷
۲	ڈاکٹر محمد اقبال	۶۸
۷۳۱	مولانا ظفر علی خان	۶۹

۴۲۰	شیخ عبدالقادر	۴۰
۱۸۳۵	ابوالکلام آزاد	۴۱
۵۸۰	چودھری افضل حق	۴۲
۴۱۵	عطار اللہ شاہ بخاری	۴۳
۲۳۹	سرداس مسود	۴۴
۳۱۰	سرسید رضا علی	۴۵
۶۲۳	نواب آغا مرزا دہلوی	۴۶
۱۴۸۹	سیدہ ہارون مرزا	۴۷
۴۶۳	سرمہنٹ مرزا	۴۸
۱۸۱۳	راجہ غفیر علی	۴۹
۹۶۲	سرخلفہ اللہ خاں	۵۰
۹۰۳	شیخ محمد عبداللہ	۵۱
۱۵۸۲	ڈاکٹر اشرف	۵۲
۱۴۳۳	غنیق الزمان	۵۳
۱۴۱۲	میر تقی علی	۵۴
۱۲۱۱	شورش کاشمیری	۵۵
۵۴۰	یخ ناتھ جی	۵۶

## غیرملکی ادیب

۱۵۴۵	روس	۸۷
۹۴۳	جانی نینس	۸۸
۱۹۲۴	دوستو دسکی	۸۹
۸۱۲	گوریکی	۹۰
۷۸۳	چیخوف	۹۱
۹۱۹	آسٹرو آلف	۹۲
۱۸۳۱	برنارڈوش	۹۳
۱۶۷۶	رائندر ناتھ ٹیلور	۹۴
۲۴۹	ڈاکٹر طہ حسین	۹۵
۹۶۹	ایرسکی کا ڈول	۹۶
۹۸۴	جانی ایڈائیک	۹۷
۹۳۷	جرمن ڈوگ	۹۸
۹۸۵	دنک پیج	۹۹
۹۸۷	یوگنڈا ایک	۱۰۰
۱۵۹۱	نمن متھ ناتھ گپت	۱۰۱
۶۷۷	شیدہ بکرانی	۱۰۲
۹۸۸	سید حسین ناصر	۱۰۳
۹۹۰	دلیپی چائیم منام	۱۰۴





۹۹۱	بال جون جیفس	— ۱۰۵
۹۹۲	فیدی ویدی توغن	— ۱۰۶
۹۹۳	فیدی کوخو	— ۱۰۷
۱۳۸۲	لیونیو بریشی	— ۱۰۸
۱۸۵۱	محمد صین	— ۱۰۹

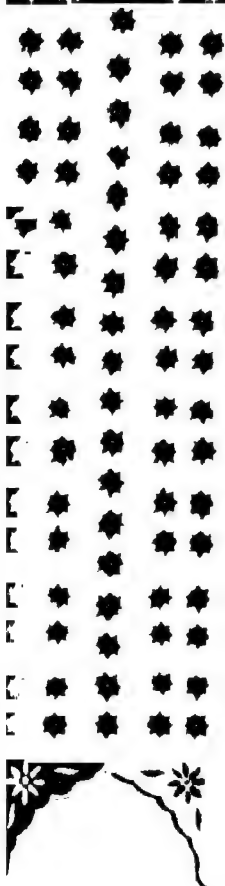
## ادباء ، شعراء

۱۸	میر تقی میر	— ۱۱۰
۲۸۷	میر تقی	— ۱۱۱
۲۴۱	عبد القادر بیدل	— ۱۱۲
۴۱	رجب علی بیگ سرور	— ۱۱۳
۱۲۸۷	سید رفیع جیدری	— ۱۱۴
۱۲۸۹	کاظم علی جوان	— ۱۱۵
۱۲۸۴	نہال چند لاهوری	— ۱۱۶
۱۲۸۲	برادر علی حسینی	— ۱۱۷
۱۲۸۳	شیخ حفیظ الدین	— ۱۱۸
۱۲۸۵	مرزا علی لطیف	— ۱۱۹
۱۲۹۳	میر شیر علی افروز	— ۱۲۰
۱۲۹۶	سید مظفر علی اسیر کھنوی	— ۱۲۱
۱۲۹۱	خواجہ قمر الدین خان راقم	— ۱۲۲
۲۲۹	سراج الدین علی خان آرزو	— ۱۲۳
۲۵۶	اسد اللہ خان غالب	— ۱۲۴
۲۹۷	مومن خان مومن	— ۱۲۵
۵۰۲	ظہیر دہلوی	— ۱۲۶
۲۹۷	مظفر علی سندیلوی	— ۱۲۷
۳۰۳	مینر شکوہ آبادی	— ۱۲۸
۷۰	مولوی غلام قادر محلی راہپوری	— ۱۲۹
۵۲۳	عبد الغفور لکھنوی	— ۱۳۰
۱۵۰۰	صغیر بکرای	— ۱۳۱
۱۵۰۲	سید غلام حسین بکرای	— ۱۳۲
۱۵۶۷	میر حسن دہلوی	— ۱۳۳
۱۵۰۶	جلال کھنوی	— ۱۳۴
۱۵۰۳	مسلم کھنوی	— ۱۳۵
۱۶۶۲	مصطفیٰ خان شیفتہ	— ۱۳۶
۱۳۸۶	غلام ہدایت مصطفیٰ	— ۱۳۷
۱۳۸۳	سعادت یار خان بکین	— ۱۳۸
۱۸۲۰	محمد حسین آزاد	— ۱۳۹



۴۲	دستی نذیر احمد	۱۴۰
۴۳۰	دآخ دہلوی	۱۴۱
۱۴۹۳	امیر سینائی	۱۴۲
۴۳۴	مولانا حالی	۱۴۳
۴۶۲	مولانا شبلی	۱۴۴
۱۳۵	مولوی عبدالغنی	۱۴۵
۱۵۵	ریاض نیر آبادی	۱۴۶
۵۷۳	نظم جلالی	۱۴۷
۴۳۷	دعبدلہ علی سلیم	۱۴۸
۵۶۴	عبدالمجید شرر	۱۴۹
۴۲۸	اکبر الہ آبادی	۱۵۰
۴۳۶	غنی رحمت اللہ رحہ	۱۵۱
۴۳۷	میر ناصر علی	۱۵۲
۲۱۶	ہوشنگ بگرامی	۱۵۳
۵۶۵	عزیز مرزا	۱۵۴
۵۶۶	احمد علی شوق قدوائی	۱۵۵
۵۶۷	مرزا رسوا کھنوی	۱۵۶
۵۶۹	یار سے لال آشوب	۱۵۷
۵۷۱	نظربرت لال درسن	۱۵۸
۵۷۲	اداد امام اثر	۱۵۹
۵۷۶	مرزا سلطان احمد	۱۶۰
۵۷۹	مولوی محبوب عالم	۱۶۱
۵۸۶	مرزا رحمت اللہ بیگ	۱۶۲
۶۰۵	شاہ عظیم آبادی	۱۶۳
۶۸۵	جگر سہوائی	۱۶۴
۶۹۰	طہر پڑوی	۱۶۵
۷۲۲	خواجہ غلام الحسین	۱۶۶
۷۴۹	ناطق کھنوی	۱۶۷
۷۵۶	جالب دہلوی	۱۶۸
۷۶۰	مولوی نعیم پشاد	۱۶۹
۷۹۹	امجد حیدر آبادی	۱۷۰
۱۳۹۶	حنایت اللہ دہلوی	۱۷۱
۱۴۰۶	احمد مارہروی	۱۷۲
۱۴۳۰	دیباخان عظم	۱۷۳
۱۸۳	پریم چند	۱۷۴
۱۴۳۲	آسی الدنی	۱۷۵
۱۴۳۵	دل شاہ جہانپوری	۱۷۶





۴۰۳	عبدالمجید سالک	— ۱۷۷
۱۴۲۸	اختر شیرازی	— ۱۷۸
۱۴۳۸	یکانه چنگیزی	— ۱۷۹
۱۴۴۰	بادی پهلوی شهری	— ۱۸۰
۱۴۴۳	میساب اکبر آبادی	— ۱۸۱
۱۴۴۵	علی اختر، اختر	— ۱۸۲
۱۴۴۶	رضا علی دشت	— ۱۸۳
۱۴۴۷	آزاد انصاری	— ۱۸۴
۱۴۴۸	نوح ناروی	— ۱۸۵
۱۴۴۹	فانی بدایونی	— ۱۸۶
۱۴۵۰	تاجور نجیب آبادی	— ۱۸۷
۱۴۶۱	جلیل بانک پوری	— ۱۸۸
۱۴۶۲	آقا حشر	— ۱۸۹
۱۴۶۴	صفی لکهنوی	— ۱۹۰
۱۴۷۱	ناقب لکهنوی	— ۱۹۱
۱۶۳۸	حسرت مولانی	— ۱۹۲
۱۷۰۲	جگر مراد آبادی	— ۱۹۳
۱۳۹۰	سعادت حسن منٹو	— ۱۹۴
۱۴۵۵	مجید لہوری	— ۱۹۵
۱۴۵۶	ماسٹر جلالت سنگھ	— ۱۹۶
۱۷۴۴	شوکت قاضی	— ۱۹۷
۹۹۴	چودھری محمد علی رودولی	— ۱۹۸

۱۰۰۱	نیا زنجبوری	— ۱۹۹
۱۰۰۷	رشید احمد صدیقی	— ۲۰۰
۱۰۵۹	جوش ملیح آبادی	— ۲۰۱
۱۰۸۰	حفیظ جانہدھری	— ۲۰۲
۱۳۶۳	فراق گورکھپوری	— ۲۰۳
۱۰۲۲	بجنوں گورکھپوری	— ۲۰۴
۱۰۱۵	قاضی عبدالودود	— ۲۰۵
۱۱۶۲	لطیف الدین احمد	— ۲۰۶
۱۱۶۶	مسعود حسن رضوی	— ۲۰۷
۱۳۷۲	اثر لکهنوی	— ۲۰۸
۱۳۵۵	حکیم احمد شجاع	— ۲۰۹
۱۱۳۹	عبدالقادر سردری	— ۲۱۰
۱۲۱۸	ڈاکٹر امجد علی حسین	— ۲۱۱
۱۱۰۲	ڈاکٹر سید محمد اللہ	— ۲۱۲

۱۱۳۳	جوش مسیانی	— ۲۱۳
۱۱۰۸	سموک چند محروم	— ۲۱۴
۱۰۹۷	انترادریوری	— ۲۱۵
۱۲۶۶	ڈاکٹر عبدالکبیر شادانی	— ۲۱۶
۱۲۸۲	آئندہ نرائی	— ۲۱۷
۱۱۵۰	شوکت سبزواری	— ۲۱۸
۱۳۳۴	نصیر الدین لاجھی	— ۲۱۹
۱۱۹۰	میکش اکبر آبادی	— ۲۲۰
۱۱۹۸	دوران سنگھ مفتون	— ۲۲۱
۱۷۸۳	شیخ محمد اسماعیل بانی بقی	— ۲۲۲
۱۰۹۳	صوفی غلام مصطفیٰ تبسم	— ۲۲۳

۱۰۳۳	کرشن چندر	— ۲۲۴
۱۰۲۷	حصص چغتائی	— ۲۲۵
۱۷۶۷	راجندر سنگھ بیدی	— ۲۲۶
۱۷۴۱	قرۃ العین حیدر	— ۲۲۷
۱۰۴۶	خواجہ احمد عباس	— ۲۲۸
۱۱۴۱	میتا ز مفتح	— ۲۲۹
۱۰۳۷	اجروہ مسرور	— ۲۳۰
۱۱۴۶	کنیلا لال کپور	— ۲۳۱
۱۱۰۵	خدیجہ مستور	— ۲۳۲
۱۱۱۳	شاد احمد دہلوی	— ۲۳۳
۱۳۴۵	منظور الہی	— ۲۳۴
۱۳۷۶	نثار احمد فاروقی	— ۲۳۵
۱۱۷۶	میرزا ادیب	— ۲۳۶
۱۲۹۳	اختر انصاری دہلوی	— ۲۳۷
۱۲۰۷	گہری چند نارنگ	— ۲۳۸
۱۱۷۰	ڈاکٹر یگان چند	— ۲۳۹
۱۱۳۷	ڈاکٹر محمد حسن	— ۲۴۰
۱۳۰۳	نفی محمد خاں خوجوی	— ۲۴۱
۱۲۶۹	ڈاکٹر غلام جیلانی برقی	— ۲۴۲
۱۲۵۲	شکیلہ اختر	— ۲۴۳
۱۲۵۸	جیلانی بانو	— ۲۴۴



## ترتیب (حصہ اول)

- ۱ - طلوع محمد طفیل
- ۲ - تقریبات محمد طفیل
- ۳ - قائد اعظم، ا
- ۴ - فیڈ مارشل محمد ایوب خان، ۱۵
- ۵ - مکاتیب، ۱۷
- ۶ - آپ بیتیوں کی اہمیت غلام رسول مر، ۳۶
- ۷ - آپ بیتیوں کے چند نمایاں پہلو علم الدین سالک، ۴۰
- ۸ - آپ بیتی ڈاکٹر سید عبداللہ، ۶۰
- ۹ - آپ بیتی اور اسکی مختلف صورتیں یوسف جمال انصاری، ۶۸
- ۱۰ - آپ بیتی کیا ہے؟ ریاض حسن نم، ۸۴
- ۱۱ - ڈاکٹر محمد اقبال، ۲
- ۱۲ - میر تقی میر، ۱۸، رجب علی بیگ سرور، ۴۲
- ۱۳ - ڈپٹی نذیر احمد، ۴۳
- ۱۴ - عبداللہ درغلیں رامپوری، ۷۰
- ۱۵ - سید فرحت علی شاہ قلندر، ۹۱
- ۱۶ - سر سید احمد خان، ۱۱۱، ۴۲۵
- ۱۷ - مولوی عبدالحمق، ۱۳۵
- ۱۸ - ریاض خیر آبادی، ۱۵۵
- ۱۹ - مولوی محمد جعفر خٹاوی، ۱۷۶
- ۲۰ - پیر چند، ۱۸۳
- ۲۱ - علی حمید نظم جہا جانی، ۲۰۹، ۵۷۳
- ۲۲ - داد جہانی نور دہی، ۲۱۲
- ۲۳ - ہوشنگ گلرانی، ۲۱۶
- ۲۴ - واجد علی شاہ، ۲۲۹
- ۲۵ - ڈاکٹر طلحہ حسین، ۲۴۹
- ۲۶ - مولانا حسین احمد مدنی، ۲۶۴
- ۲۷ - سید سلیمان ندوی، ۲۷۷
- ۲۸ - حالی، ۲۸۱، ۴۳۴
- ۲۹ - میراج دہلوی، ۲۸۷
- ۳۰ - میرزا مظہر جان جاناں، ۲۸۹
- ۳۱ - میر غلام علی آزاد گلرانی، ۲۹۳
- ۳۲ - سید مظہر علی سندیلوی، ۲۹۷
- ۳۳ - منیر شکوہ آبادی، ۳۰۳
- ۳۴ - سر سید رضا علی، ۳۱۰
- ۳۵ - مجدد الف ثانی، ۳۲۴
- ۳۶ - ظہیر الدین محمد بابر، ۳۳۱
- ۳۷ - گاندھی، ۳۴۶
- ۳۸ - مسیح الدین خان، ۳۷۰
- ۳۹ - گلبدن بیگم، ۳۸۵
- ۴۰ - قلم عبدالقادر بدایونی، ۴۰۴
- ۴۱ - محمد عبدالرزاق کانپوری، ۴۲۵
- ۴۲ - شبلی نعمانی، ۴۲۶، ۵۶۳
- ۴۳ - اکبر آبادی، ۴۲۸
- ۴۴ - سید امیر علی، ۴۲۹
- ۴۵ - داغ دہلوی، ۴۳۰
- ۴۶ - ذاب حسن الملک، ۴۳۲
- ۴۷ - فشی ذکا اللہ، ۴۳۳
- ۴۸ - مولوی محمد حسین آزاد، ۴۳۳
- ۴۹ - مولوی نذیر احمد دہلوی، ۴۳۴
- ۵۰ - ذاب وقار الملک، ۴۳۵

- ۵۱ - فشتی رحمت الله وده ، ۲۳۶  
۵۲ - مولوی عبدالحکیم مشہور ، ۵۶۲  
۵۳ - وحید الدین سیس پانی پتی ، ۲۳۷  
۵۴ - میر ناصر علی ، ۲۳۷  
۵۵ - مستبد محمود ، ۲۳۸  
۵۶ - سر سید لاس مسعود ، ۲۳۹  
۵۷ - عبد القادر بیدل ، ۲۴۱  
۵۸ - سراج الدین علی خان آرزو ، ۲۴۹  
۵۹ - مولوی کریم الدین ، ۲۵۲  
۶۰ - مرزا اسد اللہ خان غالب ، ۲۵۶  
۶۱ - مومن ، ۲۹۷  
۶۲ - نصیر دہلوی ، ۵۰۲  
۶۳ - عبد الغفور شاخ ، ۵۲۳  
۶۴ - مسولینی ، ۵۲۹  
۶۵ - لالہ سری رام دہلوی ، ۵۵۷  
۶۶ - عزیز مرزا ، ۵۶۵  
۶۷ - شوق قدوائی ، ۵۶۶  
۶۸ - مرزا محمد لادی رسوا ، ۵۶۷  
۶۹ - پایہ سے لال آشوب ، ۵۶۹  
۷۰ - بیچ ناہنج ، ۵۷۰  
۷۱ - شیخ برتھان ورمن ، ۵۷۱  
۷۲ - ادا امام اثر ، ۵۷۲  
۷۳ - مرزا سلطان احمد ، ۵۷۶  
۷۴ - مولوی محبوب عالم ، ۵۷۹  
۷۵ - چودھری افضل حق ، ۵۸۰  
۷۶ - مرزا فرحت اللہ بیگ ، ۵۸۶  
۷۷ - شاد عظیم آبادی ، ۶۰۵  
۷۸ - میرزا ابوطالب خان اصفہانی ، ۶۱۴  
۷۹ - نواب آغا مرزا دہلوی ، ۶۲۳  
۸۰ - محمد دین فرق ، ۶۷۰  
۸۱ - شعیب بھارتی ، ۶۷۷  
۸۲ - جگر سہوانی ، ۶۸۵  
۸۳ - اطہر لاہوری ، ۶۹۰  
۸۴ - شاہ محمد حسین آبادی ، ۶۹۳  
۸۵ - عبد المجید سالک ، ۷۰۳  
۸۶ - سید عہد اللہ شاہ بخاری ، ۷۱۵  
۸۷ - سر شیخ عبد الفتاح ، ۷۲۰  
۸۸ - خضر علی خان ، ۷۳۱  
۸۹ - خواجہ غلام الحسین ، ۷۴۴  
۹۰ - ناطق کھنوی ، ۷۴۹  
۹۱ - جاسب دہلوی ، ۷۵۶  
۹۲ - مولوی میثم پرشاد ، ۷۶۰  
۹۳ - سر مرزا اسفندیل ، ۷۶۳  
۹۴ - محمد علی جوہر ، ۷۷۸  
۹۵ - بیچنوت ، ۷۸۳  
۹۶ - امجد حیدر آبادی ، ۷۹۹  
۹۷ - گوہر کی ، ۸۱۲



قائد اعظم

اب ملک میں جمہوریت کا دور شروع

یہی اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ

یہی فضل و کرم سے پاکستان کو دیکھ فوٹمال  
وہ ترقی یافتہ ملک بنائے اور پھر ہمارے

قائم کرنے میں ہماری مدد کرے۔ آمین۔

محمد رفیع خان۔ نئی دہلی۔



فیلڈ مارشل محمد ایوب خان





PRESIDENT'S CAMP  
PAKISTANI

اب ملک میں جمہوریت کا دور شروع ہو گیا  
۱۱۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ  
اپنے فضل و کرم سے پاکستان کو ایک خوشحال  
اور ترقی یافتہ ملک بنائے اور اس کے مہماتر  
قائم کرنے میں ہماری مدد کرے۔ آمین۔  
مہر ایف خان۔ سیکرٹری مارشل۔



فیلڈ مارشل محمد ایوب خان



ظهیر الدین بابر



نور الدين محمد جهانگير



For

W. GORDON M. ...  
... ..

*Wright Thompson*

1925



لنڈن - بی - جانسن



شهنشاه ایران . فرح دینا پهلوی



جمال عبد الناصر





ایڈورڈ ہشتم اور سمسن



ملکه ایازبته دوم



سرولسن چرچل



جواہر لال نہرو



ایس رادها کرشن



آغا خان (چهارم)

شيخ محمد عبدالله  
١٩٦٥



شيخ محمد عبدالله  
١٩٧٢





صدر ظفر الله خان



راجہ غضنفر علی خان





ایزور : فوید



جان اپڈائیک

*Hand writing*

I was born in 1932, in the town  
of Shillington, Pennsylvania, a  
suburb of the city of Reading.

---



میرزا حسن

To Nugosh:

It gives me deep  
pleasures to think that the great  
public who read the Urdu language  
will become acquainted with my  
life story through your distinguished  
pages.

Sincerely  
H. M. H. H.



ونگ چے

我喜爱农村，经常住在农村里，并且有志于写作反映中国农村生活、新面貌、新气象、新人物的作品。虽然我已写作了二十多年，但万里长征我才迈出了第一步。艺术创作的高峰永远在前，我将努力地向前去。

闻捷 (Wen Chieh)

1963.9.8 于拉萨



三三三

这次我访问了欧洲、北非、中东，见到了巴基斯坦，那  
感到一种说不出的高兴。不仅由于这次访问是我前所未有  
的最长的旅行，更因为巴基斯坦是亚洲西南之隅，巴基  
斯坦勤劳而智慧的人民与中国人民是好朋友。在巴基斯  
坦美丽的土地上，在巴基斯坦热情的怀抱中，使我  
感到回到温暖的家之感。

1963年9月22日



211

## ایلیا اهرن برگ

Много грудного пришлось пережить мне, как и другим моим сверстникам. Меня часто обвиняли в желании многое проверить, в том, что несправедливо порои называют «скептицизмом». Я не люблю слепой веры, но люблю верность. Нужно уметь победить в себе вспышки обиды, отчаяния. Я до конца сохраняю верность и тем идеалам, которые смутно увидел в отрочестве, и погибшим друзьям, и советскому народу — он вонетину выстрадал свое право на счастье — и грудом, и душевной силой, и потом, и слезами, и кровью.

Шестьдесят семь лет — глубокая осень жизни, а пишу я эти строки в майский день. Уже зеленеют осины, и под моим окном цветут подснежники, крокусы. Я люблю весну, как любил ее мальчишкой, — значит, через все испытания я пронес самый прекрасный дар: надежду.



درفارو شا



دوستو و سکی



ڈبلیو. ایس. مادم



آسکر وانلڈ



ڈاکٹر طلا حسین



صلاح الدین الامیر





ممد حسين نصر





نیولیر برصفتن



ذوالفقار علی بھٹو



MINISTER FOR EXTERNAL AFFAIRS

RAWALPINDI

پورہ ۲ جون ۱۹۶۶ء

غیر کی سبھی شمارہ کی اشاعت کی منہ پر تمام چھپنے ہونے  
ان اشعار خدمات کا ذکر نہ کرنا زیادتی ہوگی جو اس چھپنے کے اسطرح کے  
اسی اشعار کے سلسلہ میں اشعار دی ہیں۔  
اب اس دور میں جسٹس فیاض پاکستان کے مسودہ روایات اور ہوائیہ و حسانات  
میں تبدیلی کی ضرورت پیدا کر دی تھی اس چھپنے کے اشعار ماحول میں خوشگوار۔  
صنعت اور سوجان تبدیلی پیدا کرنے اور ادب کو نئے رواج عطا کرنے میں بہت  
کڑا نڈر کام کیا ہے۔ یہیں نہیں بلکہ اس کے ادب دوست صحراء کے دوق کو  
صنعت دھار میں موانع میں بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔ یہ خدمات ہماری  
اسی تاریخ کا لکھ روٹن باب ہے۔  
میر نے اس اپ جس نے سحر کی اشاعت پر جس کو مبارکباد دینا چاہتا ہوں  
اور سبھان ہوں کہ یہ نمونہ کی زندگی میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

دولت علی بھٹو  
(ذوالفقار علی بھٹو)  
میر خارجہ پاکستان

# طُوع

میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میرا پاگل پن، کبھی مجھے اس حد تک بھی رسوا کرانے لگا کہ  
جھوٹری میں بیٹھ کر محلوں کے خواب دیکھوں گا۔

خاکسار، جو ادب کی خدمت کا قدمی ہے۔ اب کے بادشاہوں کے حضور جا پہنچا۔  
وہی بات ہوئی۔ کہاں راجہ بھوج، کہاں گنگواریلی!  
یقین کیجیے آپ کے اس گنگواریلی کو دیو جانس کبھی کی وہ بات پسند ہے کہ جب اس  
سے سکندر اعظم نے پوچھا تھا کہ —

”بتاؤ کیا چاہتا ہے؟“

تو اُس نے جواب میں کہا تھا — وہ دھوپ مجھ تک پہنچنے دے دیجیے۔ جو آپ  
نے روک رکھی ہے۔“

چلو چھوڑیں اس بات کو، میں تو کہنے یہ چلا تھا کہ اس گنگواریلی نے اب کے بڑے  
ادیبوں کے ساتھ بڑے لوگوں سے بھی غلطی مدد چاہی۔ یہ کوئی انہونی بات تو نہیں کہ ادبی بادشاہوں کے ساتھ  
دنیا دی بادشاہوں سے بھی ملاقات کر لی جائے۔ بادشاہ تو بادشاہ، میں تو اس نمبر کے ایسے ائمہ میاں  
سے بھی مضمون لکھوانے کا ارادہ کرتا۔ بشرطیکہ اس پر قدرت رکھتا۔

ایک طفلانہ سی بات یاد آئی

آپ نے سنا ہی ہوگا کہ ایک معصوم سے یتیم بچے نے اپنی ماں سے پوچھا تھا — اماں  
میرے آبا کاں ہیں؟

”اللہ میاں کے پاس!“

چنانچہ اس بچے نے اپنے آبا کو خط اللہ میاں کی معرفت بھیجا تھا۔ ایمان سے کہتا ہوں کہ  
میرا بھی دل چاہتا تھا کہ اس نمبر کے سلسلے میں اُس یتیم بچے والی معصومیت کو شعوری صورت دے دیتا  
— لوگ نادان ہی تو کہتے۔

اب جب کہ یہ نمبر آپ کے ملاحظہ میں آ رہا ہے۔ میں آپ سے ایک سوال کرتا ہوں:

”کیا اس نمبر کی تکمیل کے سلسلے میں اللہ میاں نے میری کوئی مدد نہیں کی؟“

پتہ نہیں آپ کا جواب کیا ہے۔ مگر میں بارگاہِ رب العزت میں اپنا سہرا جھکا دیتا

چاہتا ہوں۔



MINISTER FOR EXTERNAL AFFAIRS

RAWALPINDI

مورخہ ۲ جون ۱۹۶۴ء

غرض کہ سہیں شعار کی اشاعت کے موقعہ پر پیغام بھیجئے ہوئے  
ان شاداد خدمات کا ذکر نہ کرنا زیادتی ہوگی جو اس جہدے نے اس طے کے  
ادبی ارتقا کے سلسلہ میں انجام دی ہیں۔  
اپنے اس دور میں جبکہ تمام پاکستانی ترقی پسند و دانشور اور پرائے و جماعات  
میں تبدیلی کی ضرورت پیدا کر دی تھی اس جہدے نے ادبی ماحول میں خوشگوار  
صحنہ اور بیرون تبدیلی پیدا کرنے اور ادب کو ترقی دینے کے مقاصد میں بہت  
کوشاں کام کیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس نے ادب دوست حضرات کے ذوق کو  
صحنہ و ہمارے میں متاثر میں بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔ یہ خدمات عوامی  
ادبی تاریخ کا لکھ روٹن باب ہے۔  
میر نے اس باب میں "نیمبر کی اشاعت" اور جس کو ہمارے یاد دہانی کرتا ہوں  
اور سمجھتا ہوں کہ یہ نمبر کی زندگی میں اپنے سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

(ذوالفقار علی بھٹو)  
(ذوالفقار علی بھٹو)  
صدر خارجہ پاکستان

## ظُلوٰع

میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میرا بچہ، کبھی مجھے اس حد تک بھی رسوا کرانے لگا کہ  
مجموعہ پڑھی میں بیٹھ کر محلوں کے خواب دیکھوں گا۔

خاکسار، جو ادب کی خدمت کا قدمی ہے۔ اب کے بادشاہوں کے حضور جا پہنچا۔  
وہی بات ہوئی۔ کہاں راجہ بھوج، کہاں گنگو اتیلی!

یقین کیجئے آپ کے اس گنگو اتیلی کو دیو جانس گلی کی وہ بات پسند ہے کہ جب اس  
سے سکندر اعظم نے پوچھا تھا کہ —

”بتا تو کیا چاہتا ہے؟“

تو اُس نے جواب میں کہا تھا — وہ دھوپ مجھ تک پہنچنے دیجیے۔ جو آپ  
نے دوک رکھی ہے!“

چل چھوڑیں اس بات کو، میں تو کہنے یہ چلا تھا کہ اس گنگو اتیلی نے اب کے بڑے  
ادیبوں کے ساتھ، بڑے لوگوں سے بھی گلی مالد چاہی۔ یہ کوئی انہونی بات تو نہیں کہ ادبی بادشاہوں کے ساتھ  
دنیاوی بادشاہوں سے ملی ملاقات کر لی جائے۔ بادشاہ تو بادشاہ، میں تو اس نمبر کے لیے اہم ہیں  
سے بھی مضمون لکھوانے کا ارادہ کرتا۔ بشرطیکہ اس پر قدرت رکھتا۔

ایک طفلانہ سی بات یاد آئی

آپ نے شناسی ہوگا کہ ایک معصوم سے یتیم بچے نے اپنی ماں سے پوچھا تھا — اماں  
میرے آبا کہاں ہیں؟

”اللہ میاں کے پاس!“

چنانچہ اس بچے نے اپنے آبا کو خدا اللہ میاں کی معرفت بھیجا تھا۔ ایمان سے کہتا ہوں کہ  
میرا بھی دل چاہتا تھا کہ اس نمبر کے سلسلے میں اُس یتیم بچے والی معصومیت کو شعوری صورت دے دیتا  
— لوگ نادان ہی تو کہتے۔

اب جب کہ یہ نہر آپ کے ملاحظہ میں آ رہا ہے۔ میں آپ سے ایک سوال کرتا ہوں:

”کیا اس نمبر کی تکمیل کے سلسلے میں اللہ میاں نے میری کوئی مدد نہیں کی؟“

پتہ نہیں آپ کا جواب کیا ہے۔ مگر میں بارگاہِ رب العزت میں اپنا سہرا بھگا دیتا

چاہتا ہوں۔



## تصریحات

میں نے جو نہیں کو دیکھا کہ وہ ایک تعارض میں ایک دوسرے کے یکے پہلی جا رہی ہیں اور پہلی ہی جا رہی ہیں۔ یوں تعارض پہلے والی چیزوں سے لے کر کسی بھی دہائی پیدا نہیں ہوتی۔ بلکہ اُن کا دوا چوڑیوں سے دہائی رہی۔ جو تعارض سے ایک مخالفت سمیت پہلی جا رہی ہیں۔ میں نے اپنی ادائی دوا دوا دوا کے باب میں تعارض پہلے والی چیزوں کا ساتھ نہیں دیا۔ بلکہ اُن کا کوکا، اُداس پریشان ملاحات سے نبرد آزما ہونے والی چیزوں کا ساتھ دیا۔ جو اب سے بے خبر ہوں تو ہوں۔ مگر اس بات سے بے خبر نہیں کہ نئی منزلوں کا سراغ لگانے کے لیے ضروری ہے کہ نامعلوم دوا دوا کا رخ کیا جائے۔

ذہنی کی اسی فضا میں نے میرے لیے سوسائٹی پیدا کر رکھے ہیں۔ مگر میں آپ کو غیر ضروری باتوں میں الجھانا نہیں چاہتا۔ آئیے پہلے معاملے کی بات کریں۔

مجھے آپ سے ہمدردی ہے۔ آپ کو اتنا کچھ پڑھنا پڑے گا۔ مگر میری نادانی دیکھ کر سب سے بڑی غفلت غفلت کو جمع کرنا ہی بھلا ہوا اور اتنا کچھ کہنے پر بھی کچھ اور کہنے کی حسرت رہ گئی۔ ملک کوئی بھی ہو۔ دوسرا ضرور کہنے کی۔ سربازا نہ سہی سربصفت سہی! میں آپ کے سوسائٹی کا اتنا ہی مینا نہیں چاہتا کہ آپ کو تقریباً دو ہزار صفحات پڑھنے کے ساتھ اس بات پر بھی مجبور کروں کہ نائب پڑھا کر اچھی رہے۔

پہلے پہل تو میرا خیال تھا کہ کچھ اور نہ سہی، مگر اس خبر کی آپ جتنی ضرور کھوں گا۔ شروع بھی کی۔ مگر جب دیکھا کہ وہ کوئی سا صفات کا لے کر ڈالے تو اس کی اشاعت پر راضی نہ ہوا۔ سب کچھ لکھائے کو یہ کچھ کہ ایک طرف ڈال دیا کہ کچھ لکھا ہی نہ تھا۔ پھر اُن دنوں نے یہ بھی لکھا کہ کیا اس خبر میں اپنی آپ جتنی ضرور شامل کرینا۔ زندہ جاوید ہو جاؤ گے۔ میرا جواب یہ رہا کہ اگر یہ غیر زندہ جاوید نہیں بنا سکتا تو میری آپ جتنی بھی مجھے زندگی بخش نہ سکے گی۔ پھر میری آپ جتنی نقوش کے سما ہے بھی کیا جس دن یہ چراغ بج جائے گا۔ اُس دن سے اپنی زندگی پر سے یہ بھی کی قسمت بھی ختم ہو جائے گی۔

میرے نزدیک کسی کا مرنا اور جینا، اُس کے مقام اور اس کے کام پر منحصر ہوتا ہے۔ جتنے لوگ پہلے ہو رہے ہیں۔ مجھے اُنھیں زندہ سمجھنے میں تامل ہے اور جتنے لوگ دوسرے ہوئے ہیں۔ مجھے اُنھیں مَرْد سمجھنے کا کوئی حق نہیں۔

زندگی تو اپنا ایک دستور اس کے کوئی ہے اور گزر جاتی ہے۔ جو لوگ گزرتے ہوئے کلمات کو پڑھنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ ان کی نہ تو زندگی کوئی زندگی ہے اور نہ مستقبل کوئی مستقبل! ویسے اس دنیا کے رہنے والے بڑی دھمپ چیز ہیں۔ ان کے نزدیک اچھا آدمی وہ ہے جو مر چکا ہو یا وہ جو ابھی پیدا ہی نہ ہوا ہو!

آپ میری کہ ضرور پر بھی کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں رہی۔ اس لیے کہ اس خبر میں مجھ سے متبرک قسم کے دوستوں نے اس ضرورت کو یہ بھی پورا کر دیا ہے۔

مختصر مضمون میں آپ جتنی کسی انسان کی زندگی کے قربات، مشاہدات، محسوسات، نظریات اور عقائد کی ایک مربوط داستان جوئی ہے۔ جو خدا اس کے لیے جو دواست اور راست راست نظر بند کر دی جو مجھے پڑھ کر اس کی زندگی کے شیب و ذرا معلوم ہوتا۔ اس کے ناں غلوں کے پردے اٹھ جائیں اور ہم اس کی خارجی زندگی کے سما اس کی داخلی کیفیات کے جسم میں بھی جھانک کر دیکھ سکیں! اور!۔ میں بھی کیا محسوس کہ باتوں کو بے مینا۔ مجھے تو یہ چاہیے کہ اس خبر کی ترتیب کے سلسلے میں چند ضروری باتوں کی وضاحت



ایک ادبی رہے ہیں جن کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لیے ان کا اہتمام لازمی ہی تھا۔

ان میں ایک تصویر رضائی ادب صلاح الدین الایر کی بھی ہے۔ جو بے آخر وقت تک یہ کہتے رہے کہ میں نہ صرف اپنا مضمونی بھجوں گا بلکہ وہاں کے دوسرے ادیبوں سے بھی مضمونی مجراؤں گا۔ اسیر صاحب عربی زبان بولتے تھے میں عربی جانتا تھا۔ ترجمان میری ہر بات کے جو سبب ان کی طرف سے مدد کا اقرار کرتے تھے غرض اسیر صاحب کا ایک لفظ جو میرے ہر کالم کے جواب میں میری نگاہیں بھی آتا تھا وہ تھا۔ حاضر۔ میں تو اس کا مطلب اس کی طرف سے یہی سمجھتا رہا کہ میں اس کالم کے لیے حاضر ہوں۔ لیکن ہے یہ لفظ بھی میرا یاد رکھ لی زبان میں حاضر ہونا جس کے مترادف ہو جس کا مطلب وہاں یہ ہے۔ ہمارا ہوں۔ وہیں نہیں آؤں گا۔

ایزنا پادہ کی تصویر صرف اس لیے چھاپی جا رہی ہے تاکہ مجھ جیسے لوگ اس خط فنی میں نہ رہیں کہ یہ کوئی خاتون جس۔ پھر یہ تصویر ایزنا پادہ کی بوری نہ لے اس لیے مجراوی بھی کو چھاپی جائے۔ لہذا اس نکتے کی بھی اشاعت مناسب تھی۔

(۸) بیرون ملک سے ملے ہوئے بہت سے خطوط ہم نے نہیں چھاپے صرف وہ چند خطوط چھاپے ہیں جن میں کوئی نہ کوئی اصلاح ہے۔ اگر ان خطوط میں سے یہ پڑتا۔ ملے جس نے اپنی آپ بیتی لکھ تو رکھی ہے۔ مگر بچے کی موت کے بعد۔ یا۔ کسی ادیب کی بوری نکھیں کیسے غائبہ کا انتقال ہو چکا ہے۔ تو یہ اطلاع کسی نہ کسی حد تک سرائی معلومات کا درجہ رکھتی ہیں۔

(۹) یہ پرچہ دو جدولوں میں ہے۔ ان کی اپنی جگہ ایک کوئی حیثیت نہیں۔ صرف ضخامت کو دو حصوں میں بانٹ دیا ہے تاکہ بقول رشید احمد صدیقی ایٹ کر پٹھنے میں پسوں کے ٹوٹنے کا خطرہ نہ رہے۔

(۱۰) ہر سکتا ہے کہ یہ پرچہ جسے میں نے انتہائی محنت اور جدوجہد کی ذہنی اذیتوں کے بعد لکھ لیا ہے۔ آپ کے بے پوری ذہنی تشنگی کا باعث نہ ہو۔ مجھے بھی اس نثر کی سب کو زبان و رسم بیان معلوم ہیں مگر کتاہوں کو دور کرتا میرے اعتقاد میں نہ تھا اور غریب کیا کہے۔ آپ کے نزدیک کل نظر بھی ہو سکتی ہیں۔

(۱۱) یہ سطور لکھنا بھی باقی قیصر کہ نہت جو اہل نثر کے اشتعال کی غمراہی سخت صدمہ ہوا۔ مجھے ان سے نہ کہیں دو بارنے کا اتفاق ہوا۔ وہ فنی بھی باروں دو خانے غولہ قریب کا اثر محسوس کیا۔ اس نثر کے لیے بھی انھوں نے اپنی اپنی اور اپنی ذواپنے دستخطوں کے ساتھ مجراوی بھی۔ لوگ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک بڑا آدمی اٹھ گیا۔ میں کہتا ہوں ایک بڑا ادیب چل بسا۔ ساری دنیا کہہ رہی ہے کہ نہت ہی بڑے آدمی تھے۔ اگر آپ بھی اس کو واقعہ تسلیم کرتے ہوں تو آپ سے عرض کروں کہ صرف کے بعد بھی بڑے آدمی کے وجود و مہو کی چاندنی چاروں طرف چھیلی رہتی ہے۔

(۱۲) اب میں اپنے ملک کے صدر فیروز شاہ محمد یوسف کا حکم دے رہا ہوں کہ انھوں نے اپنی انتہائی مصروفیات کے باوجود میری درخواست کی آراء رکھی اور یوں ملی معاویہ فرما کر اس نثر کی قدر و قیمت بھائی۔ یہ فخری شاہ کی کسی رسالے کو حاصل نہیں ہوا کہ خود انھوں نے کسی (رسالے) کو اپنا کوئی مضمون رحمت فرمایا ہو۔ اہل قلم کے ساتھ جو ان کا واسطہ ہے وہ ہمیشہ یادگار رہے گا۔

پچھلے دنوں جب میں پڑانے آئے کہ افغانی تو اس کے سربراہ نے حال جبرائیل امر کے بارے میں لکھا تھا کہ ہمارے صدر نے کفایت سے بہت دور ہیں۔ عربی آوی ہیں۔ صدر درجہ نہیں۔ تو مجھے یوں لگا تھا کہ جیسے وہ اپنے صدر کی نہیں۔ ہمارے صدر کی باتیں کر رہے ہوں۔

ان تین یہ کہ راقا،

میں نے اپنی تاریخی ڈراموں کے باب میں تقاریر پڑھنے والی بیڑیوں کا ساتھ نہیں لیا۔ جگہ آؤ۔ اگر کوئی آؤ اس پریشانی کو راحت سے نبرد آزما ہونے لگی۔ جبرائیل کا ساتھ دیا۔ جو انھیں صدمہ نہیں ہوا۔ میری بات سے بے خبر نہیں کہ سرائی لکھنے کے لیے ضروری ہے کہ محسوس دایروں کا رخ کیا جائے۔

آخر میں ایک بات اور لکھیں:

محمدرک کی عمر اور ہوائی فوت اس واقعے کے ساتھ ہوتی ہے۔ جو ہر خط کے کو اپنی منزل کا ایک حصہ سمجھتا ہو۔ محمد طفیل

# قائد اعظم محمد علی جناح

گھر میرا نہ دلی نہ صفا ہاں نہ سمرقند

”میں پنجابی مسلم راجپوت ہوں۔ کئی پیشیں گزریں۔ میرے ایک جد کا ٹیٹا داڑھی لگے تھے۔ وہاں انھوں نے ایک خواہر کی لڑکی سے شادی کر لی اور انہی کے خاندان میں مل گئے۔ اس وقت سے ہم دگ خوجوں میں شمار ہونے لگے۔ میرے جد جو کا ٹیٹا داڑھی لگے تھے۔ ضلع فطری کے رہنے والے تھے۔“

[ ولادت ۲۵ دسمبر ۱۸۸۲ء کو بمقام کراچی ہوئی۔ تعلیم کا آغاز ۱۸۸۲ء میں مکتب سے ہوا۔ بعد ازاں کوکل دس پانچ اسکول بھی اور چند سال بعد مدرسہ ہائی اسکول کراچی میں پڑھا جس کے صدر دروازے پر یہ کتبہ لکھا ہوا تھا :  
ENTER TO LEARN GO FORTH TO SERVE  
یعنی علم حاصل کرنے کے لیے آؤ اور خدمت کرنے کے لیے جاؤ۔ ]

## محنت کی عادت

”میں زیادہ اس لیے پڑھتا ہوں کہ مجھ کو ایک دن بڑا آدمی بننا ہے۔ کیا آپ پسند نہیں کرتے کہ میں بڑا آدمی بنوں؟“  
[ ۱۹۰۷ء میں مشن اسکول کراچی سے ۱۶ سال کی عمر میں میٹرکویٹیشن کیا۔ والد جناح پوٹا کے ایک انگریز دوست مسٹر فریڈرک کرافٹ کے مشورے سے بیرمنگھم کے لیے انگلستان روانہ ہوئے۔ لندن پہنچ کر ”ملکن ان“ میں داخلہ دیا۔ ۳۵ رسل روڈ کنکشن کے ایک معمولی مکان میں قیام کیا ]

## لندن کا پہلا تاثر

”انگلستان میرے لیے ایک عجیب ملک تھا اور وہاں کے باشندے میرے لیے غیر مانوس۔ میرا وہاں کوئی واقف نہ تھا۔“

”یہ بات قائد اعظم کے منہ سے اس وقت نکل جب نواب صاحب باخفت نے کہا کہ آپ کا خاندان تو تجارت پیشہ ہے، پھر آپ میں یہ لگن کج کماں سے آئی؟ مدلی اس کے صیغہ احمد عباسی پرائیویٹ سیکرٹری نواب صاحب چٹاردی ہیں جو اس وقت مجلس ہر موجود تھے۔ (محمد عبداللہ قریشی)  
(قائد اعظم میری نظریں - ص ۲۳۹-۲۴۰)

انکو خداوند مفت و رحم کرنے لگے ہے جد پریشان کیا۔ یہی بہت جلد میرا دل لگ گیا اور میں خوش و غرم رہنے لگا۔

## برل ازم کا کیف و سرور

• انگلستان میں مجھے برل ازم کتب خیال کے بہت سے نماز راہنماؤں سے ملنے کے مواقع ملے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں اس نظریے کو سمجھنے لگا۔ اس وقت انگلستان میں لائبریری کے برل ازم کا سکہ چھپا تھا۔ میں نے انہی کے افکار و نظریات کو اپنایا اور یہ برل ازم میرے دل و دل میں سرباگ کر گئی جس نے مجھے جب خوشی اور مسرت کی کیفیت بخشی۔

## لندن کی شراذیں

جب میں وہاں پہنچا کرتا تھا تو ایک دفتر مجھے لندن میں پولیس سے بھی سابقہ پڑا۔ واقعہ یوں ہوا کہ ایک رات ہم کشتی رانی کے لیے گئے ہوئے تھے۔ راستے میں ایک چکر اڑ گیا۔ ہم سب دوست باہمی باری ایک دوسرے کو پھکڑے پکھنچ رہے تھے کہ اتنے میں پولیس آگئی اور سب کو پولیس سٹیشن لے گئی۔ لیکن انھوں نے مجھے کچھ نہ کہا اور بغیر کسی شرط کے گھر جانے کی اجازت دے دی۔

[میں دادا جانی نوروجی کے ایکشن کے ہنگاموں میں سرگرم حصہ لیا۔ اکیس سال کی عمر میں بیرٹری کا امتحان پاس کر کے کراچی چلا آئے۔ کچھ سال کراچی میں اور پھر مشن میں بمبئی میں پولیس شروع کی۔ مشن میں پریسڈنسی جیسٹریٹ بھی مقرر ہوئے۔ دادا جانی نوروجی کے پرائیویٹ سیکرٹری کی حیثیت سے لاگرس میں شرکت کی اور پھر ملازمت چھوڑ کر بمبئی ہائیکورٹ میں ایڈووکیٹ کی حیثیت سے کام شروع کر دیا]

## وکالت میں کامیابی

بمبئی کے فکرمند وکیل کے پٹناراج سرچارج اور پٹناراج کی پندرہ سو روپیہ ہوا گریڈ کی مستقل ملازمت کی پیشکش ٹھکرا دینے کے دو سال بعد جب سرچارج انگلستان سے واپس آئے جہاں وہ پٹناراج کے تھے تو اورینٹ کلب کے ایک جلسہ میں اتفاقاً میری ملاقات ان سے ہوئی۔ خود انھوں نے میرے پاس آئے اور پوچھا۔ کیسے گزرتی ہے؟ میں نے کہا۔ خدا کا شکر ہے، پوچھا۔ آمدنی کا کیا حال ہے؟ میں نے کہا۔ دو ہزار روپیہ سے زیادہ کمایا ہوں، یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے۔ شاباش! مجھے مسرت ہے کہ تم نے میری پیشکش ٹھکرا دی۔

[مشن میں پیرم پیریل کونسل کے بلا متبادل ممبر منتخب ہوئے۔ انڈیا کونسل کی بہت ترغیب پر سخت کوشش کی۔ وقت علی الاعمال کا مسودہ قانون پیش کیا جو منظور ہوا۔ مشن میں لاگرس کے ایک دفتر میں شریک ہو کر مسٹر کوکلی کے ساتھ لندن گئے تاکہ ان کے لیے اصلاحات کے سلسلے میں جبران پارلیمنٹ سے تبادلہ خیالات کریں]

یہ بات تاؤد علم غناس وقت کی جب سیاسی یڈر وڈاؤ حریقہ ہو رہے تھے اور آپ کسی نے پوچھا کہ آپ بھی کسی گرفتار ہوئے یا نہیں؟

## ٹائمز (لندن) کو طویل انٹرویو

”برٹش ایمپائر کا ہندوستان وہ تنہا ممبر ہے جو حکومت کے نظام میں نمائندگی سے محروم ہے اور دنیا میں ہندوستان وہ تنہا ملک ہے جہاں غائبانہ اور ذمہ دار حکومت کا وجود ہی نہیں۔“  
[مسلم لیگ اور کانگریس میں اتحاد کی کوشش (۱۹۱۷ء) آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس لکھنؤ کی صدارت (۱۹۱۷ء) شیان لکھنؤ کانگریس میں ہر دو معرزی اور سر ڈینیٹا پیٹ کی صاحبزادی مس رتن پیٹ کو مشرف بہ اسلام کر کے نکاح (۱۹۱۷ء) رولٹ ایکٹ پر بطور احتجاج اسپرل کونسل سے استعفیٰ۔ (۱۹۱۹ء)]

## رولٹ بل کی مخالفت

”مجرمانہ سیاسی سازش کا مسئلہ رولٹ کمیٹی نے اس طرح اٹھایا ہے جیسے کچھ جرائم پیشہ قبائل ہم میں دفعتاً نمودار ہو گئے ہیں اور اب ضروری ہے کہ ایک قانون بنا کر ان کا اعضاء اور قلع قمع کر دیا جائے۔ لیکن قانون بنا دینا مرض کا علاج نہیں تھیں (حکومت کو) اپنی پالیسی تبدیل کرنی چاہیے۔ یہ مجرمانہ سازشیں خود بخود دور ہو جائیں گی۔ اس کمیٹی نے (جو سرسٹنی رولٹ کی زیر صدارت تشکیل کی گئی تھی) ایسی سفارشات پیش کی ہیں جنہیں کوئی مذہب حکومت قبول نہیں کر سکتی۔ ان کا تصدیق نہیں کر سکتی۔ اگر اسے قانون کی شکل دے دی گئی تو سارے ملک میں اس سرے سے لے کر اس سرے تک ایک آگ لگ جائے گی۔“

## اسپرل کونسل سے استعفیٰ

رولٹ ایکٹ کی منظوری اور اس پر آپ (وائسرائے) کی مصلحتی نے عوام کو برطانوی انصاف سے برگشتہ کر دیا ہے۔ انصاف اور عدالت کے بنیادی اصولوں کو متاثر کر کے رکھ دیا گیا ہے اور قوم کے دستوری اور آئینی حق کو سوخت کر دیا گیا ہے۔ لہذا میں اس فیصلہ اور حکومت کی اس روش کے خلاف احتجاج اور اظہارِ برہمی کے طور پر اسپرل کونسل کی ممبری سے استعفا دیتا ہوں۔ ان حالات میں کوئی خود اراکمی حکومت سے تعاون نہیں کر سکتا۔ ایسی حکومت سے جو ایوانِ آئین ساز میں قوم کے منتخب شدہ نمائندوں کی آواز ٹھکرا دیتی ہو۔“

## سکوت مرگ آسا

”میرے بہت سے دوستوں اور رفیقوں نے پوچھا ہے کہ میں سیاست کے اس نازک ترین دور میں خاموش کیوں ہوں یا الگ تھلک کیوں ہوں؟ بلاشبہ صورت حال دشواریوں اور خطروں سے لبریز ہے۔ ایک طرف حکومت کا وہ خود سرانہ اور مفاکارانہ طرز عمل ہے جس نے

ملے یہ مکتوب مالا بارہل بمبئی سے ۲۸ مارچ ۱۹۱۹ء کو وائسرائے ہند کے نام بھیجا گیا۔

مادی کو جو کچھ کہنا ہے جس شخص میں ذہنی سیاسی بصیرت ہوئی وہ حکومت کو اس طرز عمل پر ملامت کیے بغیر نہیں رہ سکتا وہ جنگ عظیم جی جی ختم ہوئی ہے۔ اس میں ہندوستان نے اپنا خون بایا۔ مال و زر سے حکومت کی مدد کی۔ لیکن صلہ کیا ملا، دولت ایکٹ — لیکن دوسری طرف کھنے سے بھی باز نہیں رہ سکتا کہ گاندھی جی نے جن کی یہ عزت کرتا ہوں جو پروگرام اختیار کیا ہے وہ قوم کو غلط راستے پر لیے جا رہا ہے۔ آوازیں نہیں نہیں، ہم جانتا ہوں آپ یہ کہیں گے یہی ہیں آپ سے اتفاق نہیں کر سکتا۔ اگر یہ پروگرام قوم کو غلط راستے پر نہ لے جا رہا ہوتا تو اگر بچے بچے ہوتا کہ یہ صبح پروگرام ہے جس میں شخص ہوتا جو اس کی عملی تائید کرتا میں گاندھی جی اور ان کے دفاع کی عزت کرتا ہوں۔ اس کے بندہ قربانی کا معترف ہوں لیکن میں یہ کہوں گا کہ ان کا پروگرام قوم کو مطلقاً مستقیم کے بجائے ایک گڑھے کی طرف لیے جا رہا ہے۔ (آوازیں) نہیں نہیں، میری رائے میں صبح راستے میں تھا کہ کونسل میں جا کر دودھ دے دو اور کسی کا مقابلہ کیا جاتا۔ یہاں تک کہ حکومت کونسل کو توڑ دینے پر مجبور ہو جاتی۔ زار روس نے ڈومنا قائم کی۔ وہاں کے وطن پرستوں نے یہی کیا اور بالآخر زار روس نے مجبور ہو کر ڈومنا توڑ دیا۔ یہی ہمارے لیڈر یہاں بھی کر سکتے تھے۔

اب گاندھی جی کے پروگرام کی دوسری شق کو سمجھئے۔ یہ ہے سکوں کا مقاطعہ میں پوچھا ہوں آخر تو کیم کا مقصد کیا ہے، صرف چر کا تھا۔ اگر میں بات ہے اور گاندھی جی کہتے ہیں یہی بات ہے تو میں کہوں گا کہ یہ تحریک سیاسی تحریک بہر حال نہیں۔

گاندھی جی کے پروگرام کی تیسری شق ہے کھادی کا عام مدراج۔ اس پر خود کانگریس کے ٹولی ٹیٹ بھی عامل نہیں۔ اس طرح کامیابی نہیں ہو سکتی۔ یہ سیاسی پروگرام نہیں ہے۔ جذباتی پروگرام ہے۔ اس کے بجائے اگر یہ برتاؤ لوں پٹیس قائم کی جائیں اور جبرطانوی مال کا مقاطعہ کیا جاتا تو ایک بات عملی تھی۔ اس طرح سکول اور کالج جا بھاتا نام کھنے جلتے پھر طلباء سے باہر نکلے کہ کہا جاتا تو کون تائید کرتا؟

[ہندو مسلم اتحاد کے لیے ایک نیا فارمولہ پیش کیا (۱۹۳۲ء) اجلاس سلم بیگ لکھنؤ کی صدارت اور زبردست ملی جہد کا آغاز (۱۹۳۰ء) سامن کیسین کا بانی کاٹ۔ ہندو پورٹ کی مخالفت۔ برقی صلہ ہندو سے جھڑپ (۱۹۲۹ء) پہلی گول میز کانفرنس کے لیے لندن کو روانگی (۱۹۳۱ء) ۱۹۳۲ء سے ۱۹۳۳ء تک ہندوستان کی سیاست سے عارضی کنارہ کشی اور لندن میں قیام۔ ۱۱ فروری ۱۹۳۳ء کو مرکزی اسمبلی کے لیے مسلمانانہ کمیٹی کی طرف سے کاغذات نامزدگی، جناح و بعد پرشاد و فارمولہ (۱۹۳۵ء) ملی گڑھ و یورپی یونین ۵ فروری ۱۹۳۵ء کو پہنے قیام لندن کے اسباب اور جناح، راجد تخت و شہید پرودشتی۔]

## اتحاد کے امکان کا خاتمہ

میں جہان ہوں کہ میری قی خود واری اور وفادار کیا ہو گیا خاک میں کانگریس سے صلہ و مخالفت کی جھجک مانگا کرتا تھا میں نے اس کے صل کے لیے اتنی مسلسل اور غیر منتفع سماجی کیس کر ایک انگریزی اخبار نے لکھا: مسٹر جناح ہندو مسلم اتحاد کے مسئلے سے کبھی نہیں تھکے۔ لیکن گول میز کانفرنس کے مذا میں مجھے اپنی زندگی میں سب سے بڑا اندر پہنچا۔ جیسے ہی خطہ کے آئندہ نمایاں ہوئے۔ ہندویت —

دل و دماغ کے اعتبار سے۔ اس طرح نمایاں ہوئی کہ اتحاد کا امکان ہی ختم ہو گیا۔  
اب میں مایوس ہو چکا تھا۔ مسلمان بے سہارا اور ڈانواں ڈول ہو رہے تھے۔ کبھی حکومت کے یار و فاداران کی رہنمائی کے لیے میدان میں آکر موجود ہوتے تھے، کبھی کانگریس کے نیازمندان، خصوصاً ان کی قیادت کا فرض ادا کرنے لگتے تھے۔ مجھے اب ایسا محسوس ہونے لگا کہ میں ہندوستان کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ ہندو ذہنیت میں کوئی خوشگوار تبدیلی لا سکتا ہوں۔ وہ مسلمانوں کی آنکھیں کھول سکتا ہوں۔ آخر میں نے لندن ہی میں بودا باش کا فیصلہ کر دیا، پھر بھی ہندوستان سے میں نے تعلق قائم رکھا اور چار سال کے قیام کے بعد میں نے دیکھا کہ مسلمان حلقے میں گھرے ہوئے ہیں۔ آخر میں نے رخت مفر باندھا اور ہندوستان پہنچ گیا۔  
یہاں آنے کے بعد مسئلہ میں میں نے صوبائی انتخاب کے سلسلہ میں کانگریس سے مخالفت و مصالحت کی گفت و شنید اور ایک فارمولہ دو دوں نے مرتب کیا۔ لیکن ہندوؤں نے اسے منظور نہیں کیا اور معاملہ ختم ہو گیا۔“

## ناکامی کے اسباب

میں نے ہندو اور مسلمان کو ایک دوسرے کے قریب لانے کے لیے اپنی بہترین کوششیں صرف کیں۔ میری ہمیشہ یہ خواہش رہی کہ برصغیر ہندوستان کے یہ دو فرزند ایک دوسرے کو پہچانیں، کبھی ادب باہمی رواداری کے اور محبت کے رشتے میں منسلک ہو جائیں، کبھی میں نے محسوس کیا کہ انہوں نے وطن کے قلوب میں مسلمان کے لیے عزت و احترام اور مساوات و رواداری کے جذبات کو جو نہیں اور اپنا نہیں چاہتے کہ مسلمان بھی ترقی کے میدان میں ان کے دوش بدوش آگے بڑھ سکیں۔ میری قوم پروردہ کوششوں کو انہوں نے وطن نے اپنی ریشہ اور سازشوں سے ناکام بنانے کی مسلسل اور پیہم سعی کی۔ آزادی جسے کانگریس نے اپنا سیاسی نصب العین قرار دے رکھا ہے، چاہے انہوں نے وطن کی متعصبانہ سرگرمیوں سے ثابت ہوا، یہ ایک حسین فریب ہے اور اس آزادی کا مفہوم ایک قوم کی آزادی ہے بلکہ میں آ بھی ایک قدم آگے جاتا ہوں کہ کانگریس کی آزادی کا مطلب اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کی آزادی ہے اور اس آزادی سے وہ دوسرے فرقوں اور قوموں کو محروم رکھنا چاہتے ہیں۔

## الگ الگ تنظیمیں

”ہندو کا تعصب اور کانگریس کی سنگدلی مسلمانوں اور ہندوؤں کو ایک دوسرے کے قریب لانے کی بجائے روز بروز ایک سے دوسرے جانے کا باعث ہوئی۔ ہندو اور مسلمان کے مابین ایک ناقابلِ مصلحہ جوڑی ہو گئی اور دونوں قومیں اپنے اپنے اجاڑ و بکا کے دو الگ الگ نظریات کے ماتحت منظم ہونے لگیں۔ اس کی ذمہ داری کسی ایک جماعت یا فرد پر نہیں ڈالی جا سکتی بلکہ اس کا ذمہ دار تعصب ہے جس کا مظاہرہ انہوں نے وطن مروجہ، مروجہ کرتے رہتے ہیں۔“

مسلم لیگ کا ایجاد یہی وہ واقعات و حالات تھے جنہوں نے مجھے مجبور کر دیا کہ میں بھری ہوئی اور منتشر مسلم قوم کو آنے



خطرات سے باخبر اور ہوشیار گروں اور انہیں ایک مرکز پر لا کر ایک منظم قوم کی صورت سے دوں۔ یہی وہ جذبہ تھا جس نے مجھے مجبور کیا کہ میں مسلم لیگ کے قیام میں زندگی کی ایک نئی روح چمکوں مسلمانوں کی خفیہ قوتوں کو بیدار کروں ان کے جمود و کسل کو حرکت میں تبدیل کر دوں۔ یہ ایک بڑا کام تھا لیکن خدا نے میرے بڑے جسم میں جوانی کا خون دوڑا دیا۔ میرے کمزور بازوؤں میں خدائی طاقت آگئی۔ میں اس وجہ کو اپنے کمزور شانوں پر اٹھانے کے لیے تیار ہو گیا۔ میں نہیں جانتا کہ وہ کونسی ساعت تھی جب میں نے اپنی منتشر قوم کو یکجا اور اتارنے والے خطرات کا خاکہ اس کے سامنے پیش کیا۔ میری خفیہ آواز پر سوتی ہوئی قوم نے کروٹ لی اور مجھے محسوس ہوا کہ راکھ کے اس وسیع انبار میں زندگی کی چمک بایاں ہو رہی ہے۔ میری آواز صومرا میں اٹھ اٹھ کر ابھری۔ سو یا ہوا شیر ایک جہاں لے کر اٹھا اور اس کی گرج سے ہندوستان کی فضا میں ایک گرجا پیدا ہو گئی۔ آج میری گون بارگاہِ ربِ اعزت میں جھکی ہے۔ قوی بیداری کا دھارا ایک عظیم سیلاب کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ کچھ سے ہنسے اور منتشر ہوئے، انے قوت کی شیرازہ بندی ہو چکی ہے اور آج قوت کے دہرہ ایک نصب العین ہے۔ ایک لاکھ عمل ہے اور اس کی قومی آواز ہندوستان کی چار دیواری سے نکل کر بلا مغرب اور سوا دوشترق میں ہر طرف پھیل گئی ہے۔

[مسلم لیگ کے اجلاس میں کی صدارت مسلم لیگ کے مستقل صدر کی حیثیت سے انتخاب۔ نئی جدوجہد کا آغاز۔ ہندوستان بھر میں طوفانی دھندہ مسلم لیگ کی نئی انتخابی پالیسی کا اعلان (۱۹۳۶ء) مسلم لیگ کی نشاۃ ثانیہ مسلم لیگ کے اجلاس پکنو کی صدارت (اکتوبر ۱۹۳۷ء)]

## خطبہ صدارت

... میں جانتا ہوں کہ مسلمان اپنے اوپر اتحاد کرنا اور اپنی تقدیر اپنے ہاتھ میں لے لیں یہی ایسا صحیح عقیدہ اہل بہت اور صاحبِ عزم کی ضرورت ہے جو اپنے متعلقات کی حفاظت کے لیے تمام نیکے مقاصد میں تنہا ٹٹ جانے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہوں۔ ہمیں طاعن و عزم پیدا کرنا چاہیے اور یہ طاقت و عزم عام مسلمانوں کے باہمی انقباض، اتحاد اور وحدت کے بغیر حاصل نہ ہو سکے گا۔

## قرارداد پاکستان

... ہمیں جنوری ۱۹۴۷ء سے آغاز جنگ تک بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ناگہری میں دیا مند سکیم اور ہندوستان کے تمام حصوں میں واردہ حاکم کے مسلح پرتباری توجہ مرکوز رہی۔ کانگریسی حکمرانوں کے سروں میں ہیں تباہی اوردیا جا رہا تھا۔ ریاست جے پور اور پانچ گڑھ میں مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک ہو رہا تھا اس نے ہماری توجہ اپنی حق جذب رکھی۔ راجکوٹ کی مختصر سی ریاست میں ایک اہم مسلح پیدا ہو گیا تھا اور یہیں اس سے عہدہ بآہر تھا۔ راجکوٹ کے ساتھ کانگریس نے ایک آناٹھی مسلح بنایا تھا جو ایک شٹ ہندوستان پر اثر انداز ہوتا۔

اسی طرح مسلم لیگ جنوری ۱۹۴۷ء سے جنگ کے آغاز تک بہت اہم مسائل سے دوچار ہوئی۔ جنگ کے آغاز سے پہلے ہندوستان کو سب سے بڑا خطرہ یہ تھا کہ مرکزی حکومت میں فیڈرل سکیم نافذ کر دی جائے۔ ہم جانتے ہیں کہ اس مسئلے میں کیا دیشہ دانیوں جو رہی ہیں یہی سکیم

برطانیہ سے ان کی مخالفت کر رہے تھے۔ ہم سمجھتے تھے کہ مرکزی فیڈرل حکومت کی خطرناک سکیم جو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء میں وضع ہے ہرگز منظور نہیں کرنی چاہیے۔ برطانوی حکومت کو مرکزی فیڈرل حکومت کی سکیم سے دست برداری کی ترغیب میں ہم نے کچھ کم حصہ نہیں لیا۔ اس امر کو برطانوی حکومت کے ذہن نشین کرانے میں مسلم لیگ کا حصہ بھی کچھ کم نہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ انگریز ضدی، قدامت پسند اور چالاک ہونے کے باوجود دیرنہم میں جنگ چھڑ جانے کے بعد وائسرائے نے مسلم لیگ سے مدد کی درخواست کی۔ اور اسی وقت اسے معلوم ہوا کہ مسلم لیگ ایک طاقت ہے اس لیے کہ جنگ چھڑنے سے پہلے تک وائسرائے نے مجھے کبھی یاد نہیں کیا بلکہ گاندھی اور صرف گاندھی کو یہ شرف حاصل ہوتا رہا۔ میں بمبیسلم میں کافی عرصہ تک ایک اہم پادری کا لیڈر رہ چکا ہوں جو موجودہ پارٹی سے (جس کی قیادت کی عزت مجھے اب حاصل ہے) بھی بڑی تھی یعنی مرکزی اسمبلی مسلم لیگ پارٹی لیکن اس کے باوجود وائسرائے نے اس سے پہلے مجھے کبھی یاد نہیں فرمایا جس وقت جناب گاندھی کے ساتھ مجھے وائسرائے کا دعوت نامہ ملا ہوا تو میں حیران رہ گیا۔ کیا ایک برتنی کچھ بھٹی گئی؟ پھر سوچا کہ یہ مسلم لیگ کی وجہ سے ہے جس کا صدور جس اتفاق سے میں ہوں مجھے یقین ہے کہ اس سے کانگریس پارٹی کا مان کو سخت صدمہ پہنچا ہے اندکیوں نہ بچنا۔ میرا بلایا جانا ہندوستان کی دامن داندگی کے حق کے متعلق کانگریس کے دعوے کو ایک چیلنج تھا۔

جنگ چھڑ جانے کے بعد ہماری حالت یہ تھی کہ ایک طرف کنواں تھا اور دوسری طرف کھائی۔ میں نہیں سمجھتا کہ جنگ کے ساتھ ہی یہ حالت بھی ختم ہو جائے گی۔ بہر حال ہم نہایت داغ و طرح ہندوستان کی آزادی کے طالب ہیں لیکن یہ آزادی تمام ہندوستان کی آزادی ہونی چاہیے۔ یہ نہ ہو کہ ایک جماعت یا بدتر صورت میں کانگریس کو آزادی مل جائے اور مسلمان اور دیگر اقلیتیں غلام بنی رہیں۔

”قومیت کی تعریف چاہے جس طرح کی جائے، مسلمان اس تعریف کی ٹوسے ایک الگ قوم کی حیثیت رکھتے ہیں اور اس لیے اس بات کے متفق ہیں کہ ملک میں ان کا اپنا ارض وطن، ان کی اپنی الگ مملکت اور اپنی جدا گانہ خود مختار ریاست ہو۔ ہم مسلمان چاہتے ہیں کہ ہندوستان کے آئندہ ہم ایک آزاد قوم بن کر اپنے ہمسایوں کے ساتھ ہم آہنگی اور امن و امان سے زندگی بسر کریں۔ ہماری منشا ہے کہ ہماری قوم اپنی مددگاری، اخلاقی، تمدنی، اقتصادی، معاشرتی اور سیاسی زندگی کو کامل ترین نشوونما بخشنے اور اس کام کے لیے وہ طریق عمل اختیار کرے جو اس کے نزدیک بہترین ہوا۔ ہماری رائے میں ہمارے قدرتی عیال اور منصب ایمین سے ہم آہنگ ہو۔“ (لاہور - ۲۲ مارچ ۱۹۴۷ء)

ہم نہ ہوں گے تو ہمیں یاد کرے گی دنیا

آج ہندو مجھے کہتے ہیں نیکی مجھے یقین ہے کہ ایک وقت ایسا آئے گا جب ہندوستانی اور ان کی نسلیں دینی دنیا کے لیے اپنے افعال میں یاد کریں گی اور مجھے وعدہ دیں گی۔ گو اس وقت میں دنیا میں موجود نہیں ہوں گا۔ اس وقت تو میں ایک بہت ہی غلط سمجھا ہوا انسان

دہلی میں جناح فٹ بال ٹورنامنٹ کا افتتاح

”یہ میری زندگی میں پہلا موقع ہے کہ میں نے فٹ بال کو اپنے پاؤں سے ٹھوکر لگائی۔“

## زندگی میں پاکستان دیکھنے کی خواہش

ہم منزل کے قریب پہنچ چکے ہیں۔ میں دیکھا ہوں کہ میری بیٹی ایک طرح جو ہے۔ میری زندگی کی یہ انسانی تہلے کے مسلمانانہ ہند جو عظیم انگیزہ ایمات کے حامل ہیں جن کا ماضی درخشندہ ہے۔ میں ان کا مستقبل درخشندہ دیکھ سکوں۔ میرا دل چاہتا ہے۔ میری خواہش ہے کہ وہ اس کو اپنی زندگی میں قیام پاکستان دیکھ سکوں۔ میری انھیں مسلمانوں کو ہندوستان میں ایک قوم کی طرح سے سر بلند نظریا ب اور کامیاب دیکھ سکوں۔ اس کے بعد ان کے رت میں جی اہلے تو میں خوش خوش اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دوں گا۔ میری روح کو تسکین اور اطمینان ہو گا۔

## ناکامی کوئی لفظ نہیں

اخلاق قوت، ادبیری، محنت اور استقلال وہ چار ستون ہیں جن پر انسانی زندگی کی پوری عمارت تعمیر کی جاسکتی ہے اور ناکامی وہ لفظ ہے جسے میں جانتا ہی نہیں۔

## ہمارا قومی شاعر

آج میں اپنے قومی شاعر اقبال کی مقدس یاد میں اپنا بڑا حقیقت پس کر رہا ہوں۔ آج ہم اس شخص کی یاد مناسبتے ہیں جو ایک بہت بڑا شاعر، خدائاس و مدیث، فلسفی اور مفکر تھا۔ میں خدا تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ رح ابدی سکون سے ہم کنار ہو۔

آج اقبال ہمیں بوجھ نہیں دیکھیں ان کے شعر جو فریادناں حقیقت اختیار کر چکے ہیں ہماری دہائی اور ہمارے دلوں میں جو شعل پیدا کرنے کے لیے ہم میں ہمیشہ ہمیشہ موجود رہیں گے۔ ان کے شعرا اپنی ہیئت کی دل آویزی اور زبان کی شیرینی کے علاوہ اس عظیم المرتبت شاعر کے دل و دماغ کی صحیح سمز میں دکھائی دی کرتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے یہ محبوب شخصیت اسلام کی تعلیمات کی کس قدر گہرے مدنی اقبال حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک بچے اور شخص پر دتے۔ وہ اول و آخر مسلمان تھے۔ وہ اسلام کے ترجمان اور اس کی آواز تھے۔

اقبال صلی اللہ علیہ وسلم پر فلسفی تھے انھوں نے بہت و بڑاات، عمل و سہی ہم خود اعتمادی اور سب کے بڑھ کر ایمان باشر اور ہند اسلام کی جی دعوت دی۔ ان کی ذات گرامی حامل تھی۔ ایک طرف شاعر کی مثال پسندی اور دوسری طرف ایک ایسے آدمی کی حقیقت پسندی کی جو گرد و پیش کی چیزوں کو عملی نقطہ نظر سے دیکھنے کا عادی ہو۔ خدا تعالیٰ پر یقین لگ کر مسلسل اندھیمہ جدوجہد۔ مختصراً کہ اقبال کے پیام کی یہی خصوصیت اقبال کو ایک بچے مسلمان کی شکل میں ہمارے سامنے پیش کرتا ہے

اقبال کو اسلام کے اصولوں پر غیر متزلزل یقین تھا۔ اس کے نزدیک زندگی میں کامیابی کے معنی یہ تھے کہ اس کی ذات کی تکمیل ہو جائے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کا اقبال کی نظر میں صرف ایک ہی راستہ تھا اور وہ تھا حقیقت اسلام کی پیروی۔ اقبال نے انسانیت کو بھی یہی عمل اور تکمیل ذات ہی کے ذریعے اپنی فلاح و بہبود حاصل کرنے کی دعوت دی۔

بے شک اقبال ایک غیر شاعر اور فیسی تھے۔ لیکن ایک عملی ریاست دان کے علاوہ جی وہ کچھ کم حیثیت کے مالک نہیں تھے۔ دینی اسلام کے نصب امیں اور اس کے شاق دار مستقل پیشین کاں لکھنے کی وجہ سے اقبال ان معدودے چند افراد میں سے ایک ہیں جنہوں نے سب سے پہلے اس امکان پر سطح بجا کر کیا کہ عظیم ہند کے شمال مغربی اور شمال مشرقی علاقوں کو جو ہندوستان میں مسلمانوں کا تاریخی وطن ہے اس سے الگ کیے کے ایک اسلامی ریاست بنا دیا جائے۔

میں آپ لوگوں کے ساتھ یوم اقبال منانے میں غلوں میں دل سے شریک ہونا ہوں اور دھاکرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ ہمیں اس امر کی توفیق دے کہ ہمارے قومی شاعر نے جس اصولوں کی ہمیں دعوت دی تھی۔ ہم اپنی زندگیاں ان کے مطابق ڈھالیں تاکہ پاکستان کا مقصد ہمیں حاصل ہو اور اس میں جب کہ وہ قائم ہو جائے ہم ان اصولوں کو جن کی اقبال نے تعلیم دی تھی عملی جامہ پہنا سکیں۔“ (یوم اقبال ۱۹۷۳ء)

### جذبہ سرفروشی

ہم براہِ اِزام لگایا جاتا ہے کہ ہم نے اپنے مقصد کے لیے قربانیاں نہیں کیں ہیں اسلئے کہ ہم اس قسم کی قربانیاں کرنے سے قاصر ہیں جس کی لاگت اس قدر ہو کہ اس کو حاصل قیادت کے لیے پہلے ہمیں کبریٰ کی طرٹ لافنی چارج کے نیچے بیٹھ جانا۔ اس کے بعد جیل جانا پھر وڈ میں کمی کے ہمارے جیل سے رہائی حاصل کرنا۔ میں اس قسم کی جدوجہد میں بالکل یقین نہیں رکھتا لیکن اگر قربانیاں دینے کا وقت آتا تو میں یہ شخص ہوں گا جو اپنے سینے پر گولی کھاؤں گا:

میں کوئٹہ میں ڈاکٹروں کے مشورے سے بکالی صحت کے لیے آیا تھا۔ مجھے معلوم ہوا کہ لوگ میری تشریف رینا چاہتے ہیں۔ مجھے ان کا مطالبہ تسلیم کرنا پڑا کیونکہ میری تمام زندگی قوم کے لیے وقف ہے۔“ (کوئٹہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۷۳ء)

### سب کچھ غریبوں کے لیے

میں بوڑھا آدمی ہوں۔ مجھے خدا نے وہ سب کچھ دے رکھا ہے جس سے میں اپنی بقیت زندگی آرام و سکون سے بسر کر سکتا ہوں۔ مجھے کیا پڑی ہے کہ میں اپنا خون پسینہ ایک کر رہا ہوں۔ دن رات کا آرام اپنے اوپر حرام کر رکھا ہے۔ میں یہ سب کچھ مراد ہمارے داروں کے لیے نہیں سب لوگوں کے لیے کر رہا ہوں۔

### حقیقی مسرت

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میں ایک بہت بڑے سینڈ کے ان ممان تھا۔ صبح کو وضعت کے وقت میں نے حسب دستور اس کے علائم کو روپوں کی ایک صفوں قلم دینا چاہی۔ بوڑھے ملازم نے واپس کر دی۔ میں نے اس خیال سے کہ بہت بڑے آدمی کا ملازم ہے۔ شاید یہ رقم کو اپنی پوزیشن سے کم گھنٹا ہے۔ قلم کو ڈگنا کر دیا۔ ملازم نے پھر واپس کر دی۔ تین چار مرتبہ ایسا ہی ہوا۔ میں ہر دفعہ اضافہ کرتا اور واپس کر دیتا۔ میں حیران تھا کہ کہاں تک بڑھاتا جاؤں۔ آخر میں سنے دوا نکار کی وجہ پوچھی تو بوڑھے ملازم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

میں نے دھڑلے کا سبب پوچھا تو اس نے نہایت غور اور رقت انگیز لہجے میں کہا:  
 "مقاہدِ اعظم! آپ مجھے دھپے سے کھینچ کر لے جاتے ہیں۔ میرا بال بال آپ کی ان محنتوں اور جان کا ہیروں پر خوش ہے جو آپ  
 قوم کے لیے کر رہے ہیں۔ میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ میری باقی عمر آپ کو بخش دے تاکہ جو کام آپ نے اپنے ذریعہ سے اسے  
 پورا کر سکیں۔ یہ رقم جو آپ مجھے دیتے ہیں اسی کام میں صرف فرمائیں۔  
 برسے برسے مدار ہے باز اب جو میری تعریف کرتے ہیں مجھے اس سے کوئی خوشی نہیں ہوتی۔ ان لوگوں کی نیکیوں اور محلوں  
 سے میں خوب واقف ہوں۔ میری حقیقی مسرت غریبوں کے اخلاص میں ہے۔"

### کیا بڑی بات تھی ہونے جو سلطان بھی ایک

میں ۱۹۲۶ء میں پشاور آیا تھا اور دس دن ٹھہرا تھا۔ اب پورے نو سال بعد دوبارہ یہاں آیا ہوں میں دیکھ رہا ہوں کہ  
 اور تاج میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ۱۹۲۶ء میں سلیم لیک کچھ چیزیں تھیں مگر مسلسل محنت اور قربانی سے آج یہ حالت ہے۔ . . . کہ  
 کروڑوں مسلمان سلیم لیک کے ساتھ ہیں۔ سلطان کا خدا ایک ہے۔ سلطان کی کتاب قرآن ایک ہے۔ سلطان کا پیغمبر ایک ہے۔ سلیم لیک نے  
 کوشش کی ہے کہ سلطان بھی ایک ہو جائیں۔ ہمارا مقصد اور نصب العین یہ ہے کہ وہاں مسلمان کی اکثریت ہے وہاں مسلمانوں کی حکومت قائم  
 ہو۔ یہ بات اب اتنی عام ہو چکی ہے کہ محتاج وضاحت نہیں رہی۔ یہ حقیقت تھیں۔ دینی نشین رکھنی چاہیے کہ مسلمانوں کا کوئی دوست نہیں  
 ڈاکٹر بڑہندو۔ اب ہمیں اگر بڑہندو کی متحدہ طاقت سے ڈرنا ہے۔ یہ بھی بنایا ہے وہ بھی بنایا۔ اسلام بھی فیراٹھ سے ڈرنا نہیں کھاتا  
 ہم ڈٹ کر مقابلہ کریں گے اور انشاء اللہ کامیاب ہوں گے۔

"سب سے خراب مسلمان میں ہوں۔ میرا گناہ یہ ہے کہ سلطان کو ایک جھنڈے تلے اور ایک چٹیل فارم پر اکٹھا کیا ہے۔"  
 ۱۹۲۶ء میں آپ کے نمبر کے لیے اصلاحات ملے تھے ہم لڑ رہے تھے۔ میں اس کے لیے ہر طرح کوشاں تھا۔

جب تک میں جان ہے میں ایک مسلمان کے خون کا قطرہ ضائع نہیں ہونے دوں گا۔ اب یہ سوال سیدھا ہے۔ آپ کو کھینچ لیا جائے  
 قربانی کس وقت کرنی ہے کس موقع پر کرنی ہے۔ یہ آپ کے جو خیال کا کام ہے جو اپنے فرض کو اچھی طرح جانتا ہے یقین کرو کہ جب وقت  
 آیا تو میں سب سے پیش پیش ہوں گا۔ یقین میں ساتھ ساتھ کہ نکلوں گا اور ہر چیز میں مجھے نہیں ہٹوں گا۔ لیکن یہ نہیں جانتا کہ موت اس لیے جلی جاؤ  
 کہ باہر آکر لوگوں سے کہوں۔ میں جلی میں گیا تھا۔ میں اب جلی سے آیا ہوں۔ میں نے قربانی کی ہے۔ وہ فیروزہ وہ . . . ہم جانتے ہیں کہ جب آگے  
 بڑھیں تو شکست نہ ہو اور اگر شکست ہو تو آبدار زندان ہو ہم بے حوثی نہیں کر رہے ہیں گے۔ قوم کو ذلیل نہیں کریں گے۔

(پشاور۔ ۲۶ نومبر ۱۹۴۶ء)

### قیام پاکستان کے بعد زندگی کا نیا دور

میں دہلی کے باشندوں کو ایوانِ کتابوں جہاں ہر فرقہ سے تعلق رکھنے والے لوگ ملتے تھے دوست ہیں۔ اب یہیں ملنی کو دینی  
 کو رہنما بنایا ہے اور کوشش کرنی چاہیے کہ ہندوستان اور پاکستان کا دارالامور حکومتوں کی طرح اپنی زندگی کا نیا دور شروع کریں۔ (دہلی، ۱ اگست ۱۹۴۷ء)

## پاکستان کا پہلا میزانیہ

ہمارے دشمن کہتے تھے کہ پاکستان دیوالیہ ہو گا۔ وہ پیدا ہوتے ہی ختم ہو جائے گا۔ لیکن پاکستان کے میزانیہ نے دشمنوں کی امیدوں پر پانی پیر دیا۔ اللہ عزوجل نے دشمن کی ہرجال کو ناکام بنا دیا۔ دشمن نے پاکستان کو ختم کرنے کے لیے جو جنگیں قیام کیا تھا وہ خود اس میں پھنس گیا ہے۔ مسلمان فوجیوں نے اسلام آباد میں اپنا پیغام تمہارے لیے صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ ایک زندہ اور غیر قوم کی طرح قدم بڑھائے چلو اور میرے ان الفاظ کو اپنی زندگی کا موثر بنا کر ضبط و نظم، قربانی و ایثار اور خلوص و دیانت، انشا اللہ پاکستان بہت جلد دنیا کا ایک عظیم ملک بن جائے گا۔ مسلمان عورت، مرد، جوان، بوڑھے اور بچے کو اپنے خدا کے حضور میں کھڑے ہو کر صدق و صفا کے ساتھ اس امر کا وعدہ کرنا چاہیے کہ وہ جب تک پاکستان کو ناقابل تیز اور عظیم ملک نہ بنائیں گے۔ آرام و چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ اللہ باری مدد کرے۔

## پاکستان کی ترقی کے امکانات

مندانے پاکستان کو ہر چیز دے رکھی ہے۔ اس کے لیے ترقی کے امکانات بڑے روشن ہیں۔ پاکستان میں ہر وہ شے موجود ہے جو صنعتی ترقی کے لیے ضروری ہے۔ عزت و محنت، خلوص اور دیانتداری کی ہے۔ میری قوم میں یہ اوصاف پیدا ہو جائیں تو یہ دنیا کی بہت بڑی قوم بن سکتی ہے۔ یہیں مشکلات و مصائب سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ خدا ہمیشہ ان قوموں کو آدمائش میں ڈالتا ہے جنہیں وہ زمین کی نشتا سر نہ پا جاتا ہے۔

## قومی روایات اور تمدنی خصوصیات

قیام پاکستان جس کے حصول کے لیے ہم گزشتہ دس سال سے جدوجہد کر رہے تھے مذکورہ فصل سے آج وہ حقیقت بن کر کھائیے پائی ہے۔ اپنے لیے ایک وسیع مملکت حاصل کرنا ہمارا نصب العین نہیں تھا بلکہ یہ نصب العین کے حصول کا ایک ذریعہ تھا مختصر یہ ہے کہ ہم ایک ایسی مملکت کے مالک ہوں جہاں ہم اپنی روایات اور تمدنی خصوصیات کے مطابق ترقی کر سکیں۔

**تجارت** کسی ملک کی خوشحالی اور فلاح ابالی کا انحصار اس ملک کے تاجر طبقہ پر ہے۔ مسلمان تجارت کے میدان میں بہت پس ماند ہیں۔ اب انہیں پورا موقع مل گیا ہے کہ وہ اس میدان میں قدم بڑھائیں اور تجارت میں زیادہ سے زیادہ سرمایہ لگائیں۔ تاجروں کو ٹکسٹ، ناجائز منافق بازی، بددیانتی اور کم تو لےنے سے احتراز کرنا چاہیے۔ کیونکہ اسلام اور اخلاق دونوں اس کی اجازت نہیں دیتے۔

**کشمیر کا جھگڑا** کشمیر کا مسئلہ نہایت نازک مسئلہ ہے لیکن اس حقیقت کو کوئی انصاف پسند قوم اور ملک نظر انداز نہیں کر سکتا کہ کشمیر

قدنی، ثقافتی، مذہبی، جغرافیائی، معاشرتی اور سیاسی طور پر پاکستان کا ایک حصہ ہے جب بھی اور جس نقطہ نظر سے بھی نقشہ پر نظر ڈالی جائے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ کشمیر سیاسی اور مذہبی حیثیت سے پاکستان کی شریک ہے۔ کوئی ملک اور قوم اسے برداشت نہیں کر سکتی کہ اپنی شریک کر دہی کی خواہش کے نیچے اسے کثیر پاکستان کا حصہ ہے، ایک ایسا حصہ ہے جسے پاکستان سے الگ نہیں کیا جاسکتا بلکہ اسے کھینچنے پھینچنے کا حق نہیں ہے۔ یہ مسئلہ پاکستان کے ساتھ فزائیکل گورڈ اسپر کے ایک ایسے حصے کو جو آبادی کے لحاظ سے مسلم اکثریت کا علاقہ تھا، جس میں اس لیے ہندوستان کے حملے کر دیا گیا کہ ہندوستان کو کشمیر کے معاملات میں مداخلت کی آزادی مل سکے پاکستان نے ریڈ کلف اپرڈ کو وینڈری سے تسلیم کیا تھا لیکن ہندوستان کی نیت میں شروع سے خور تھا۔ اس نثر کا منظر کشمیر کا جھگڑا ہے۔

### ہماچل کا مسئلہ

قیام پاکستان کے بعد ہماچل کے مسئلہ نے مجھے بہت پریشان کیا۔ مجھے اس کا خیال نہ ہوا تھا کہ ہندوستان اور پاکستان میں آبادی کا تبادلہ ہوگا اور یہ تبادلہ آج سے آج کل میں آنے کا لیکن ہندوستان میں طے شدہ پروگرام اور سازش کے تحت مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا گیا۔ قتل عام اس تعدد و جمعیت پر ہوا کہ کسی مذہب، قوم اور ملک کے تصور میں بھی یہ بات نہیں آسکتی کہ دنیا کے کسی گوشہ اور خطہ میں اس تعدد و تنوع اور بربریت کا مظاہرہ کیا جاسکتا ہے۔ قتل عام کے بعد ہمارے دشمنوں نے ہمیں ختم کرنے کے لیے ستر لاکھ مسلمانوں کو ان کی ہری جڑ زمین پر پاکستان کی طرف دھکیل دیا۔ میں پورے یقین اور عزم کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس سیلاب کے سامنے مضبوطی سے منہ بولا نہ توہم سے مستحکم حکومت کی بنیادیں ہی تزلزل ہو جاتیں اور ایران حکومت مدح و ثناء سے زمین پر آرتا۔ ہماری مملکت تو قحطی کی زونہ تھی۔ یہی مملکت جسے مذہبی فوج پر اختیار ملا تھا۔ نہ وہ پورے طور پر نظم و نسق سمجھا سکتی تھی۔ غرض انہی خالی تھا، لکھنؤ کے قبضہ میں تھا لیکن اللہ نے ہماری مدد کی مسلمانوں نے جس حزم و ایثار، قربانی اور جوش کا اظہار اس موقع پر کیا جس سے کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ ہندوستان میں مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ ہوا اس سے مجھے روحانی اذیت پہنچی۔ میرے قلب پر ایک ایسی چوٹ لگی کہ جس کا درد میں زندگی کے آخری سانس تک مجھے محسوس کرتا رہا۔ ہوں گا مسلمانوں کی تباہی پر پیرا دل رات دن خون کے آنسو روتا ہے۔

### ہماری قومی زبان

پاکستان کی مشترکہ قومی زبان جو مملکت کے مختلف صوبوں کے درمیان افہام و تفہیم کا واحد وسیعہ ہو سکتی ہے۔ وہ اردو ہے۔ اردو کے سوا کوئی اور زبان نہیں۔

ملک کی سرکاری زبان بھی اردو ہی ہونی چاہیے۔ یہ دو زبان ہے جسے برصغیر کے لاکھوں مسلمانوں نے پرورش کیا ہے اور اسے پاکستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کہا جاسکتا ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اردو میں دوسری صوبائی زبانوں سے کہیں زیادہ اسلامی تہذیب و ثقافت کا بہترین سرمایہ موجود ہے اور اردو ہی دوسرے اسلامی ممالک کی زبانوں سے زیادہ قریب ہے۔

## دستور ساز اسمبلی

دستور ساز اسمبلی کے بارے میں میرا نظریہ ہے کہ اس میں غوام کے نمائندے ہوں گے اور ان کا انتخاب محدود حق رائے و زندگی پر نہ ہوگا۔ مجھے یقین ہے کہ جمہوریت ہمارے خون ہی کی ہوئی ہے۔ جمہوریت ہمارے گوشت پرست میں ہے۔ امتداد زمانہ سے وہ ہمارے خون میں منجمد ہو گئی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اب پھر خون میں روانی پیدا ہو چکی ہے۔

## شہری آزادی

میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو کسی جارحانہ کارروائی یا جرائم کی بہت افزائی کرتے ہیں کیوں میں تباہ دنیا چاہتا ہوں کہ میں نے آج بھی مضبوط کا بغور مطالعہ کیا ہے اور یہ محسوس کیا ہے کہ برائتیں میں سب سے زیادہ اہم شے شہری آزادی ہے۔ میرا اس بات پر پختہ ایمان ہے کہ حکومت بغیر مقدمہ چلائے اور بغیر جرم ثابت کیے ایک منٹ کے لیے بھی کسی انسان کی آزادی ضبط نہیں کر سکتی۔

## حقوق نسواں

دنیا میں کوئی بھی قوم اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک عورتیں مردوں کے شانہ بشانہ کامزن نہ ہوں۔ ہم بہت سی رسوم کا شکار ہیں عورتوں کو گھروں کی چادریوں کی بند کر کے رکھنا، انسانیت کے خلاف ایک جرم ہے۔ میرے کئے کا مطلب یہ نہیں کہ ہم مغرب کی پرائیویٹ کی تقلید کریں بلکہ اسلام کے معیار کے مطابق عورتوں کی پوزیشن کو سماج میں بلند کرنا چاہیے۔ آج جس حالت میں عورتیں زندگی بسر کر رہی ہیں۔ وہ اسلامی قانون کے منافی ہے۔ آپ اپنی عورتوں کو زندگی کے تمام شعبوں میں اپنا سماجی بنائیں اور ساتھ ساتھ مغرب کی پرائیویٹ سے بچنے کی کوشش کریں۔

## مرض الموت میں اپنے معالج سے

میں نے آج تک کبھی اپنی موت کی پروا نہیں کی اور نہ آئندہ کے لیے خیال کرنے کو تیار ہوں۔ موت اور زندگی سب خدا کی طرف سے ہے۔ موت وقت معین سے پہلے نہیں آسکتی۔ یہ ہر ایمان ہے۔ میں خداوند قدوس کی ذات کے سوا کسی دنیا میں کسی طاقت سے نہیں ڈرتا۔ موت کا خوف مجھے پروا ہی نہیں جب موت کو آئے اور ضرور آئے گا تو پھر موت سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ یہ تو تم جتنے ہی جو جب سادہ حیات کے تار ڈھیلے پڑ جائیں اور ایک ایک کر کے ساتھ چھوڑ دیں تو پھر ان کا جوڑنا خدا طلب کام ہو گا ہے۔ مجھے یہ کہنا ہے کہ آپ مجھے میری بیماری کے متعلق تمام صورت حال سے آگاہ کر دیں کہ مجھے کیا بیماری ہے۔ کس حد تک بڑھ چکی ہے۔ میں یہ اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ ہر مریض کو اپنے معالج سے یہ دریافت کرنے کا حق ہوتا ہے۔ بیماری کی نوعیت معلوم ہونے کے بعد میں آپ سے زیادہ سے زیادہ تعاون کر سکوں گا اور علاج میں آپ کو آسانی ہوگی۔ لیکن اگر طبی اصول و صورت حال بیان کرنے میں ملجھ ہوں تو پھر میں آپ کو مجبور نہیں کر سکتا۔



## میراکام ختم ہو گیا

میں اپنا کام ختم کر چکا۔ اب مجھے رہنے کا انوس نہ ہو گا۔ چند سال قبل یقیناً میری آندھنی کہ میں زندہ رہوں۔ اس لیے نہیں کہ مجھے دنیا کی تناسلی یا میں موت سے خوف کھاتا تھا بلکہ اس لیے کہ قوم نے جو کام میرے سپرد کیا تھا اور قدرت نے جس خدمت کے لیے مجھے چنا تھا، میں اسے پائیکمیل تک پہنچا سکوں۔ وہ کام پورا ہو گیا ہے۔ میں اپنا فرض ادا کر چکا ہوں۔ پاکستان بن گیا ہے۔ اس کی بنیادیں مضبوط ہیں۔ اب چند ماہ سے مجھے ایسے خیالات آتے رہتے ہیں کہ میں اپنا فرض ادا کر چکا ہوں۔ قوم کو جس چیز کی فوج ملتی رہے اس کی۔ اب یہ قوم کا کام ہے کہ وہ اس کی تعمیر کرے۔ اسے ناقابل تیز اور ترقی یافتہ ملک بنائے۔ حکومت کا نظم و نسق دیانت داری اور محنت سے چلانے میں طویل سفر کے بعد تک گیا ہوں۔ آٹھ سال تک مجھے قوم کے اقتدار و تعاون کے بل پرنا دو حیار اور مضبوط دشمنوں سے لڑنا پڑا ہے۔ میں نے خدا کے ہر دوسرے پرائنٹک کو کشش کی ہے اور اپنے جسم کے خون کا آخری قطرہ یکم جنوری پاکستان کے لیے صرف کر دیا ہے۔ میں تک گیا ہوں۔ امام جانتا ہوں۔ اب مجھے زندگی سے زیادہ دلچسپی نہیں ہے۔

مخالفات کے مطابق قدرت کوئی نہ کوئی آدمی ضرور پیدا کر دیتی ہے۔ گھبراؤ نہیں۔ خدا کی ذات پر کامل ہر دوسرے سکولار پٹناتی مخالفات کو قومی اور ملکی مفادات پر ترجیح نہ دو۔ خدا تمہیں بھ سے جی زیادہ کوئی لافٹ نہ بنا عطا کر دے گا۔

”کو میں آپ کے درمیان موجود نہیں ہوں گا کیسے آپ دیکھیں گے کہ اگر مسلمانوں نے خصوصاً دیانت داری اور فطرت و ضبط سے کام لیا تو چند ہی سال میں پاکستان دنیا کے عظیم ترین ملکوں میں شمار ہو گا۔ اس کی ترقی اور طاقت دنیا کو درمطہیرت میں ڈالے گی۔ اور کراہی کی ہر قوم اس کی دوستی کی خواہاں ہو گی۔“

## آخری دُعا

”پر فرم آگھوں سے اپنا منہ کھل سے دُعا ہے کہ بھرائی ہوئی آواز میں)

”مے خدا! تو نے ہی مسلمانوں کو یہ نعمت عطا کی ہے۔ تو ہی اس کی حفاظت کرنے والا ہے۔ میری قوم کو مزید بھلا دے اور بھلا

ابتدائی مراحل میں ہے۔ ابھی تو اس کی کبھی بھی دور نہیں ہوئی۔ تو ہی اس کا حامی و ناصر ہو۔“

[ وفات : ۱۱ ستمبر ۱۹۷۱ء - شب ۱۰ بجے ۲۵ منٹ پر بمقام کراچی ]



## فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں

میں جب اپنی زندگی کے ورثی اُٹسا ہوں تو جس تاثر کو بے حد نمایاں پاتا ہوں وہ میری والدہ ماجدہ (خدا ان کا سایہ تادیر بھر پر رکھے) کی تربیت ہے۔ میری والدہ پُرانی وضع کی بابت موصوم و مصلوٰۃ خاتون ہیں۔ اپنے بچوں کی تربیت میں انھوں نے دو امور کا خاص خیال رکھا۔ ایک مذہب سے لگاؤ۔ دوسرے لوگوں سے برابر کا سلوک اور ہمت۔ یہ دو جذبے میری زندگی میں جاری جاری رہے ہیں۔

اپنے والد (خدا انھیں جنت نصیب کرے) سے مجھے ضبط و تحمل کی تعلیم ملی۔ انھوں نے مجھے انتہائی تکلیف دہ حالات کا ضبط و تحمل سے متاثر کرنے کا عادی بنایا۔

یہ باتیں آج شاید عجیب معلوم ہوں مگر آج سے پچاس ساٹھ سال قبل مسلمانوں کی قسباتی تہذیب میں بچوں کی تعلیم و تربیت ماں باپ کی نظر سے شروع ہوتی تھی جس میں بزرگوں کا ادب، چھوٹوں سے شفقت اور اس پاس کے رہنے والوں کی خدمت پر خاص طور سے زور دی جاتی تھی۔

اگے چل کر ملک و ملت کی جو خدمت مجھ سے بنائی اس میں میری حقیر کوشش سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور میرے ماں باپ کی تربیت کا حصہ ہے۔

مغربی پاکستان کے شمال مغربی کونہ میں ضلع ہزارہ واقع ہے جو اپنے مناظر قدرت کی وجہ سے ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اسی ضلع کے ایک گاؤں ریمانہ میں ۱۹۰۷ء میں میں نے ایک پٹھان گھرانے میں آنکھ کھولی۔ بچپن میں چاروں طرف پہیلی ہوئی غربت کو دیکھ کر میں سوچا کرتا تھا کہ اسے دور کرنے کے لیے میں کچھ کرنا چاہیے۔ بل ٹل کر کچھ کرنا چاہیے۔ سوچنے کی یہ عادت زندگی کا معمول بن گئی میرے والد مریم متوسط طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ انھوں نے حوصلے اور دور اندیشی سے کام لے کر اپنے بچوں کو تحصیل علم کے لیے نہ صرف ضلع بلکہ صوبہ سے باہر بھیجا۔

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ مسلمان ہندوستان کی سب سے بڑی اور مرکزی درس گاہ تھی جہاں نہ صرف تہذیب و ثقافت اور ادب فن کی تحصیل ہوتی تھی بلکہ اس مائے ناز درس گاہ سے ایسے طالب علم تربیت پا کر نکلے جنھوں نے مسلمانان ہند کی سیاسی، سماجی اور تہذیبی زندگی میں فیصلہ کن حصہ لیا۔ میری انتہائی خوش قسمتی تھی کہ مجھے اس سرچشمہ علم سے فیضان کا موقع ملا۔ یوں علی گڑھ میں مجھے مسلمانوں کی دنیا کا جدوجہد کا قریب سے مطالعہ کرنے کا بھی موقع ملا۔ جب مجھے کالج یونین کا حصہ دار بنایا گیا اور تنظیم کا کام میرے سپرد ہوا تو مسلمانوں کی تنظیم سے گویا میرا پہلا رشتہ قائم ہوا۔

میں نے جیسے ہی مجھے فوج میں کشندہ ایئر کی ڈریجنگ کے لیے منتخب کر لیا اور شورملٹری اکادمی سینڈہرسٹ بھیج دیا گیا۔ جلا ۱۹۶۸ء میں مجھے کمیشن مل گیا۔ یہاں سے میری زندگی کا نیا باب شروع ہوا جو افواج پاکستان کی تنظیم پر منتج ہوا۔ پاکستان کے قیام کے بعد مجھے سرحدی علاقوں سے فوج کے اخلا کا کام سپرد ہوا اور بعد میں مشرقی پاکستان میں فوج کی کمان دی گئی۔ یہ ایک بڑی ذمہ داری تھی۔ پاکستان تو بن چکا تھا لیکن مصیبتوں میں گھرا ہوا تھا۔ ہمارے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ نہ وسائل تھے نہ روپیہ تھا۔ نہ سامان تھا نہ ہتھیارتے اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ پرانی تنظیم ٹوٹ چکی تھی۔ نئی عمل میں نہیں آئی تھی۔ لے دے کر ہمارے پاس کچھ چیز تھی۔ وہ تھی حرام کا بے پناہ جذبہ عمل۔ میں نے اسی جذبہ عمل کو ابھار کر مشرقی پاکستان کا فوجی دفاع تیار کیا اور اللہ کا شکر ہے کہ مشکلات پر قابو پایا۔

۱۹۵۱ء میں میری ذمہ داری اور بڑھ گئی چونکہ مجھے پاکستانی فوج کا کمانڈر انچیف بنادیا گیا اور میں فوج کی انٹر فو تنظیم میں منسلک ہو گیا۔ میں اس کام کو اپنی زندگی کا سب سے عظیم کام سمجھتا ہوں۔ آج جب میں لکھتا ہوں کہ پاکستانی فوج دنیا کی بہترین افواج میں سے تو میرا سر خدا کے شکر میں جھک جاتا ہے۔

تقدیری بات ہے کہ ہر نئے ملک کے قیام کے بعد ایک جمہوری دور آتا ہے۔ پاکستان میں بھی جمہوری دور آیا۔ سیاست غلط راستے پر چل نکلی۔ پاکستان میں حالات کا یہ نوع دیکھ کر ہمیں تکلیف تو ہوتی تھی لیکن ہمارے بس کی بات نہ تھی۔ دو ایک سہرتہ مجھے سیاسی مہم سے کی پیش کش ہوئی لیکن سیاسی کے لیے سیاسی و حندوں میں پڑنا طوئن گئی بات نہیں ہوتی۔ اس لیے دل نہ مانا۔

اکتوبر ۱۹۵۵ء میں حالات نے ناگاہ چٹا لکھایا اور مجھے پاکستان کی باگ ڈور کو اپنے ہاتھ میں لینا پڑا۔ یہ ایک ایسی ذمہ داری کا سنبھالنا تھا جس سے مہم برآ ہوا آسان نہ تھا خدا کی مہربانی اور اپنے جذبہ خدمت کے بھرپور پرائے بڑھایا۔ تو کوئی مورخ بھی مانگ سکتا ہے کہ میری سست ٹھکنے لگی یا نہیں۔ اپنی حوت سے میں صرت یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اپنی باطاعت سے بڑھ کر کام کیا ہے۔

مجھے اس بات کا احساس تھا کہ مارشل لا ایک جمہوری چیز ہے اور عوام کے فائدوں کا حکومت کے کام میں ہاتھ بٹانا ضروری ہوتا ہے۔ اس کے بغیر کوئی ملک پہل نہیں سکتا۔ حالات کے مطابق سے میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ مغربی پارلیمانی طرز کی جمہوریت یہاں نہیں چل سکتی۔ بہت سوج بچاؤ کے بعد میں نے جمہوریت کی شکل قائم کی۔ جس میں وہی نمائندے اوپر آسکتے ہیں جو عوام کے چمکے خادم ہوں اور ان کے اعتماد کے اہل ہوں۔ مجھے خوشی ہے کہ کچھ ملک اسے اپنا رہے ہیں۔

اب ملک میں جمہوریت کا دوسرا دور شروع ہو چکا ہے اور میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اپنے فضل و کرم سے پاکستان کو ایک خوشحال اور ترقی یافتہ ملک بنائے اور اسلامی معاشرہ قائم کرنے میں ہماری مدد کرے۔

PRESIDENT'S HOUSE  
Rawalpindi

No. D. 24127-Press/63

December 7, 1963.

Dear Sir.

As desired in your letters of 9th September and 25th October 1963, I am directed to send herewith the following material for inclusion in the Centurial issue of your journal entitled. آپ کی

- (i) a brief biographical sketch of the President,
- (ii) a copy of the President's autographed photograph, and
- (iii) a few words in President's own handwriting.

2. The delay is regretted.

Yours truly,

(A. Waheed)

Deputy Secretary to the President.

Dear Mr. Tufail,

I write on behalf of Sir Winston Churchill to thank you for your letter. Sir Winston is complimented by your thought of him, but he regrets that he cannot assist you, as he has now entirely ceased his literary activities.

I hope that you may be able to obtain the details you want from WHO'S WHO and from some of Sir Winston's books, perhaps My EARLY LIFE, THE WORLD CRISIS, and THE WAR MEMOIRS.

Yours sincerely,  
Private Secretary.

Dear Mr. Tufail

General Eisenhower has asked me to forward the enclosed photograph and biography which you requested in your letter of September 17th, to be included in the centennial issue of NUQOOSH Magazine along with other personalities of the world

With his best wishes.

Sincerely,  
ROBERT L. SCHULZ  
Brig. Gen., U. S. A. (Ret)  
Executive Assistant.

House of Commons,  
London.

Dear Mr. Tufail,

Mr. Macmillan has asked me to write on his behalf to thank you for your letter of November 5.

Mr. Macmillan was very interested to hear about "Nuqoosh", but very much regrets that he is unable to send you an autobiography of himself. He gets so many requests of this kind that he has had to make it a rule to refuse them unless the circumstances are exceptional. He is sorry about this, but very much hopes you will understand the position.

Yours sincerely,  
Assistant Personal  
Secretary.

Dear Mr. Tufail,

Thank you very much for your letter. I must confine myself to antinuclear work.

I enclose some literature concerning the recently formed Peace Foundations. It is our hope that we shall be able to secure very widespread financial support in the form of covenants of a set amount for a set period of time. This will be sought simultaneously with our accumulation of large sums. In this way, I am confident that we shall advance quickly towards the achievement of our more ambitious aims. I hope you can assist this and contribute. If you are able to suggest other people who might be willing to support the Foundations financially we shall be pleased to send them brochures.

With good wishes,

Yours sincerely,  
Bertrand Russell.

---

MOSCOU.

CHER CONFRERE,

JE VOUS PRIE DE M'EXCUSER MON SILENCE J'ETAIS LONGTEMPS ABSENT. JE VOUS ENVOIE LE TEXTE AUTOBIO-GRAPHIQUE QUE J'AI ECRIT POUR UN RECUEIL SUR LES ECRIVAINS CONTEMPORAINS, PARU CHEZ NOUS IL Y A QUELQUES ANNEES. JE VOUS ENVOIE DE MEME UNE PHOTO RECENTE.

JE VOUS PRIE DE CROIRE A MES MEILLEURS SENTIMENTS.

(For Ilya Ehrenburg)

---

Prime Minister's Secretariat,  
NEW DELHI - 11

نمبر ۹ (۲) ۶۳ - ایچ

مکرمی -

آپ کا خط مورخہ ۲۸ - ستمبر ۱۹۶۳ وزیراعظم

صاحب کو ملا -

آپ کی خواہش کے مطابق وزیراعظم صاحب کی

سوانح عمری اور ایک دستخط شدہ فوٹو آپ کو بھیجی جا

رہی ہیں -

آپ کا

ہران ناتھ ساہنی

ہرائیوٹ سیکرٹری

FABER AND FABER LTD ;  
Publishers,  
24-Russell Square London, WCI

Dear Mohammad Tufail,

As Mr. Eliot is at present abroad, I am writing to acknowledge your letter of January 4th.

I very much regret that it is not possible to send you Mr. Eliot's autobiography as he has not written one at all; neither is it possible to send you a photograph of Mr. Eliot as there are none available for circulation.

Yours sincerely,  
Secretary to Mr. Eliot.

Dear Mr. Editor, "NUQOOSH"

Your letter to my husband reached me here yesterday. My husband has been very ill, now improving, but is in a clinic in Switzerland, and I cannot trouble him at present with your request. Later on, I will give him your communication. He has still difficulty in concentration, and I have had to refuse several request.

Yours sincerely,  
(Mrs. Ezra Pound) D. Pound.

May I add a word of admiration for your lovely letter-heading.

I have found a copy of photo, for you.

HOUSE OF LORDS.  
S. W. I.

Dear Sir,

The Lord Chancellor has asked me to thank you for your letter of 5th November. I regret that it has remained unanswered for so long.

I understand that you have already received from the British Information Services in Lahore biographical notes and a photograph of Lord Dillhorne which I hope will meet your requirements. If you require further assistance I am sure the Regional Information Officer in Lahore will be very happy to assist you.

Yours faithfully,

## دربار شاهنشاهی

Cher Monsieur Tufail,

La lettre que vous avez presentee a Sa Majesti Pahlavi, l'Imperatrice de l'Iran, est bien parvenue a sa Haute Destination.

Mon Auguste Souveranie Apprecie votre aimable pensee et vous souhaite bonheur et bien etre.

Vieuillez agreer, l'assurance de ma consideration la meilleure.

Fazollah Nabil

Maitre de la Cour de sa Majeste  
Farah Pahlavi, l'Imperatrice  
de l'Iran.

P. S. Comme les regles protocolaires interdisent l'octroi de la photographie autographice, je vous envoie ci-joint une photographie non signee de mon Auguste Souverain ainsi que les renseignements que vous avez sollicites.

Dear Sir,

With reference to your letter dated 1st November, 1963 addressed to H. H. The Aga Khan, I am enclosing herewith a short autobiography for your centurial issue of "NUQOOSH" together with a photograph duly signed by His Highness.

Yours truly,  
G. Beguel  
Private Secretary.

PRESIDENT'S SECRETARIAT.  
Rashtrapati Bhavan,  
NEW DELHI-4

Dear Sir,

Kindly refer to your letter of October 21. I am herewith sending "My Search for Truth" which is a brief autobiographical sketch by the President. I am sure you will find this book usefull. You may quote from it any manner you like. A brief life sketch and an autographed picture of the President are also enclosed.

Please excuse me for the delay in complying with your request.

With best wishes.

Yours faithfully,  
(A. M. ABDUL HAMID)  
Public Relations Officer.



**FABER AND FABER LTD ;**  
**Publishers,**  
**24-Russell Square London, WCI**

Dear Mohammad Tufail,

As Mr. Eliot is at present abroad, I am writing to acknowledge your letter of January 4th.

I very much regret that it is not possible to send you Mr. Eliot's autobiography as he has not written one at all ; neither is it possible to send you a photograph of Mr. Eliot as there are none available for circulation.

Yours sincerely,  
 Secretary to Mr. Eliot.

Dear Mr. Editor, "NUQOOSH"

Your letter to my husband reached me here yesterday. My husband has been very ill, now improving, but is in a clinic in Switzerland, and I cannot trouble him at present with your request - Later on, I will give him your communication. He has still difficulty in concentration, and I have had to refuse several request.

Yours sincerely,  
 (Mrs. Ezra Pound) D. Pound.

May I add a word of admiration for your lovely letter-heading.

I have found a copy of photo, for you.

HOUSE OF LORDS,  
 S. W. I.

Dear Sir,

The Lord Chancellor has asked me to thank you for your letter of 5th November. I regret that it has remained unanswered for so long.

I understand that you have already received from the British Information Services in Lahore biographical notes and a photograph of Lord Dilhorne which I hope will meet your requirements. If you require further assistance I am sure the Regional Information Officer in Lahore will be very happy to assist you.

Yours faithfully,

## دربار شاهی

Cher Monsieur Tufail,

La lettre que vous avez presentee a Sa Majesti Pahlavi, l'Imperatrice de l'Iran, est bien parvenue a sa Haute Destination.

Mon Auguste Souveranie Apprecie votre aimable pensee et vous souhaite bonheur et bien etre.

Veuillez agreer, l'assurance de ma consideration la meilleure.

Fazollah Nabil

Maitre de la Cour de sa Majeste  
Farah Pahlavi, l'Imperatrice  
de l'Iran.

P. S. Comme les regles protocolaires interdisent l'octroi de la photographie autographiee, je vous envoie ci-joint une photographie non signee de mon Auguste Souveraine ainsi que les renseignements que vous avez sollicites.

Dear Sir,

With reference to your letter dated 1st November, 1963 addressed to H. H. The Aga Khan, I am enclosing herewith a short autobiography for your centurial issue of "NUQOOSH" together with a photograph duly signed by His Highness.

Yours truly,

G. Beguel  
Private Secretary.

PRESIDENT'S SECRETARIAT.  
Rashtrapati Bhavan,  
NEW DELHI-4

Dear Sir,

Kindly refer to your letter of October 21. I am herewith sending "My Search for Truth" which is a brief autobiographical sketch by the President. I am sure you will find this book usefull. You may quote from it any manner you like. A brief life sketch and an autographed picture of the President are also enclosed.

Please excuse me for the delay in complying with your request.

With best wishes.

Yours faithfully,  
(A. M. ABDUL HAMID)  
Public Relations Officer.

## مجمع اللغة العربية

السيد الأستاذ محمد طه

عضو اللجنة التنفيذية لمجلة "نقوش" لاهور  
 هاكتان اقدم الى سيادتكم احسن التحية .  
 وبعد ، فقد تلقى الدكتور طه حسين  
 رئيس المجمع رسالتكم الیه فی شان مجلة نقوش ،  
 واءتزامکم طبع جزء يتضمن تراجم شخصية ،  
 ورجبتکم فی الحصول علی تاریخ لحياته وصورة له .  
 ويسرنی أن ابلغکم شكر الدكتور طه حسين  
 لکم ، والطيب تمنياته لمجلتکم ،  
 وقد اشارت لا متعجبة لما رغبتم فيه ، ومع  
 كناسی هذا العامة أعدتها ادارة المجمع ، لیه  
 اصال للمراحل المختلفة والأعمال العلمية والأدبية  
 التي قام بها سيادته ،  
 وبمع أيضا صورة له .  
 وأنشز هذه الفرصة لا قدم اليکم والمر الاحترام ."  
 المدیر العام

### DARTMOUTH COLLEGE.

Dear Sir :

Your letter of the seventh instant, addressed to Mr. Robert Frost, has been referred to my attention for reply, Mr. Frost having died just a year ago.

I am sure that RF's estate would wish me to express regret that it was not possible for him to comply with your request that he prepare an autobiographical statement for your publication, *Nagooch*. It was gracious of you to have extended such an invitation.

With good wishes for the success of your forthcoming issue, please know me to be

Very truly yours,  
 Acting College Librarian

West Cornwall  
Connecticut

Dear Mr. Tufail,

I am sorry to have to tell you that James Thurber died in November 1961, and for that reason I cannot send you any autobiographical material, autographed photographs, or facsimile writing.

My husband would have been very glad to do this, I am sure. I regret very much that I cannot help you.

Sincerely yours,  
Helen Thurber.

15th January, 1964.

Dear Sir,

Thank you for your letter of January 3rd. You are mistaken in thinking that I have written an autobiography for publication. Such material as I have put together will not be published until after my death.

Yours sincerely,

**W. S. MAUGHAM**

I enclose a reproduction of a portrait recently painted of me by my old friend, Sir Gerald Kelly, K.C.V.O., P.P.R.A.

6233 Mulholland Highway  
Los Angeles 28, California  
U. S. A.

Dear Mr. Tufail:

I regret to tell you that my husband is not well at this time, and therefore cannot accept your kind invitation.

Sincerely yours,  
Laura Huxley.

UNITED STATES REPRESENTATIVE  
TO THE UNITED NATIONS.

SEAL

799 United Nations Plaza  
New York 17, N.Y.

YUkon 6-2424

October 11, 1963.

Dear Sir :

I appreciate greatly your kind invitation for me to contribute a statement to your magazine. I regret very much, however, that I am unable to do so because of the extremely heavy pressure of business in the United Nations General Assembly.

I wish for you the best of everything, however, and send you my good wishes and sincere regards.

Cordially yours,  
Adlai E. Stevenson.

Enc. Bio & photo

---

VILLA MAURESQUE,  
St. Jean. Cap Ferrat.

Dear Mr. Tufail,

I am acknowledging your letter to Mr. Maugham because Mr. Maugham is ill and unable to attend to his correspondence.

I am sorry, therefore, that your request cannot be complied with.

Yours very truly,

Mian Seark  
Secretary

---

Dear Mr. Tufail,

In answer to your letter to my husband, Van Wrek Brooks requesting his autobiography, signature, etc., I must tell you that my husband, Mr. Brooks, died on May 2nd 1963.

With many regrets.

Sincerely yours  
glodys Brooks  
(Mr. Van Wrek)

## دانش گاه تهران

Sir,

I have received your letter of November 1, 1963, for which I thank you.

I send you herewith a short autobiography together with a copy of my photograph signed. I hope you will succeed in finishing your Nuqoosh.

With best wishes

Sincerely yours,  
Mohammad Moin.

---

Sir,

My husband, Vladimir Nabokov, asks me to thank you for your letter of October 13.

He would have gladly sent you the material you want but unfortunately the heavy load of work does not allow him to find the necessary time. He suggests that you can find the information you need in the Who's Who or on the jackets of his publications.

Yours truly,  
(Mrs. Vladimir Nabokov)

---

Embassy of the People's Republic of China  
in Pakistan

Dear Sir,

I presume you have received the original copy of autobiography of Mr. Wen Chieh and Mr. Yuan Ying which I sent to you on Jan. 7, 1964. I take pleasure now in sending you the biographies of Mr. Kuo Mo-jo, Mr. Hsia Yen, Mr. Chao Shu-li, Madam Hsieh Ping-hsin, Mr. Chou Yang, Mr. Li Chi, Mr. Mao Tun and Mr. Tien Han together with a copy each of their autographed photos. Please acknowledge receipt.

I shall be much appreciated if you could kindly let me know about the use of these materials. If possible, please send us two copies of "AAP BEETI" which comprise these materials.

With kind regards,

Yours sincerely,  
(Hsu Ying-chieh).

ROMA,

Presidenza  
del Consiglio dei Ministri  
Servizi Informazioni E. Proprieta  
Letteraria Artistica E. Scientifica

In relazione alla lettera in data 21-10-1963, con la quale la S. V. chiedeva l'invio di fotografie di personalita della scienza e della letteratura italiana, si rimettono, con pacco a parte, n. 10 foto.

Si prega di inviare una copia dei giornali sui quali le fotografie saranno state utilizzate, al seguente indirizzo:

**PRESIDENZA DEL CONSIGLIO DEI MINISTRI  
SERVIZIO INFORMAZIONI  
DIVISIONE VII - Via Po, 14 - ROMA**

Si ringrazia e si resta in attesa di un cortese cenno di riscontro.

**IL DIRETTORE GENERALE**

---

**THE FOREIGN SERVICE  
OF THE  
UNITED STATES OF AMERICA**

Dear Mr. Tufail :

As the Ambassador is out of the city, I have been instructed to reply to your letter.

I have noticed that you have addressed a similar letter to the American Consul General and the Public Affairs Officer in Lahore with a request similar to that contained in your letter to the Ambassador.

In order to avoid duplication, please let me know if Lahore has been able to meet your request.

I am sure Lahore has the material that you have requested with the exception of autographed photos of President and Mrs. Kennedy. The latter are not obtainable at this time, but we do have excellent portraits of the President and First Lady available in Lahore as well as in Karachi.

Your centennial project sounds extremely interesting and I wish you success.

Yours sincerely,  
Clyde G. How  
Chief Information Officer

Kedutaan Besar  
REPUBLIK INDONESIA

Dear Mr. Tufail,

On behalf of H. E. the Indonesian Ambassador I have to thank you for your letter of 2nd October. Your idea of including short autobiographies of the Heads of State has been much appreciated.

However, your request has been duly forwarded to Djakarta to the relevant authorities and as soon as I receive reply from them I will contact you once again regarding this matter.

Yours sincerely,  
(Drs. Soenardi)  
First Secretary  
Press & Public Relations.

5, Cornwall

Avenue

London 3

۲۷ - اکتوبر،

مکرمی طفیل صاحب - تسلیم ،

میں لندن سے غیر حاضر تھا - اسلئے آپکے خطوط  
کے جواب میں تاخیر ہوئی ، معذرت خواہ ہوں -

مجھے دوستوں کی خوشنودی خاطر کا پاس بہت  
ہے لیکن بد قسمتی سے اب کے آپ نے ایسی فرمائش کی ہے  
جسکی تعمیل نہ ہو سکے گی ، اسے خودی کی ہستی سمجھنے  
کا کچھ اور لیکن مجھ سے اپنے بارے میں کچھ لکھا  
نہیں جاتا بلکہ میں تو حتی الامکان شعر میں بھی واحد  
متکلم کا صیغہ استعمال نہیں کرتا - یہ کوئی اصولی بات  
نہیں محض اپنی طبع کا تقاضا ہے چنانچہ اس بار آپکی محفل  
میں شرکت نہ کر سکوٹگا - یہ نمبر آپ میرے بغیر پورا  
کر لیجئے ، بعد کے کسی شمارے کے لئے کچھ لکھ  
بھیجوں گا ، فقط

مخلص

فیض



**EMBASSY OF THE  
UNITED ARAB REPUBLIC**

Dear Sir,

In reply to your letter of the 10th instant, we would advise you to contact the undermentioned address, for your requirements.

The Information Department,  
Soliman Pasha Street,  
Cairo. (United Arab Republic).

We regret we are unable to supply the autobiographies required by you, as they are not readily available at the Embassy, and in order to save time, we are advising you to contact the authorities in Cairo, directly.

Yours faithfully,  
(Mahmoud Osman)  
Third Secretary.

---

**Ministry of Foreign Affairs  
THE ROYAL EMBASSY OF  
SAUDI ARABIA**

Dear Sir,

With reference to your letter dated 10th October, 1963, we are sending under separate cover the desired information accompanied by pamphlets and photographs.

Yours truly,  
Secretary.

---

**TURKISH TOURISM AND INFORMATION OFFICE**

Dear Sir :

Please refer to your letter dated October 9, 1963.

We have today written to Ankara for biographies and photographs of Turkish statesmen. For the biographies of other prominent personalities of Turkey, we would suggest that you write directly to NEBIOGLU YAYINEVI, Istanbul; they are publishers of the biographies of important people.

We hope to get quick response to our request, for your magazine is already known as a venerable literary periodical, and your achievements in the last few years have been amply evident. We wish your magazine even more success in the future.

We shall communicate with you as soon as we receive a reply from Ankara.

With best regards,

Yours sincerely,  
Afsin Oktay  
Director.

**EMBASSY OF THE REPUBLIC OF LEBANON  
IN PAKISTAN**

Dear Sir,

With reference to your letter of October 3rd, 1963, please find enclosed herewith a photograph for General Fouad Chehab President of the Republic of Lebanon and another, for the Prime Minister Mr. Rashid Karame. In addition you'll also find brief life sketches and a magazine which contains some useful articles.

Yours faithfully,  
George Dib  
Secretary

---

**EMBASSY OF THE REPUBLIC OF THE SUDAN  
KARACHI.**

Dear Sir,

With reference to your letter of 13th October, 1963 addressed to H.E. the Ambassador of the Sudan. I am directed to send you herewith a photograph of H.E. the President of the Republic of the Sudan together with his biography.

Yours faithfully,  
Fiyaz Ahmad.  
for Ambassador of the Republic of  
the Sudan.

---

**EMBASSY OF THE U. S. OF BRAZIL**

Dear Sir,

We have for acknowledgement your letter dated the 30th September, 1963.

As requested, enclosed please find the autobiography of His Excellency Mr. Joao Blechior Goulart, President, of the United States of Brazil together with his photoorgph.

Yours truly,  
Carmo Faria  
Secretary.

**EMBASSY  
OF THE S.F.R. OF YUGOSLAVIA  
PAKISTAN**

Dear Sir,

Acknowledging the receipt of your letter dated 7th October 1963, addressed to His Excellency Mr. Nikola Milicevic concerning the autobiographies of Head of State and other important personalities of S.F.R. of Yugoslavia, I have pleasure to send you herewith the following biographies together with their photos:

1. JOSIP BROZ TITO - President of SFR of Yugoslavia
2. JOVANKA BROZ TITO - Wife of the President of SFR of Yugoslavia
3. ALEKSANDAR RANKOVIC - Yugoslav Statesman - Vice President of SFR of Yugoslavia
4. EDVARD KARDELJ - President of the Federal Assembly of SFR of Yugoslavia
5. PETAR STAMBOLIC - President of the Federal Executive Council of SFR of Yugoslavia
6. KOCA POPOVIC - State Secretary for Foreign Affairs of the SFR of Yugoslavia.

At the same time also enclosed you will find two books: "Josip Broz Tito" and "Tito Strategist of the Revolution and Founder of the People's Army".

Unfortunately, we are unable to send you autobiographies of the dignitaries because some of them are at present absent from Yugoslavia (President Tito, his wife and Koca Popovic are on a state visit to some Latin American countries, President of the Federal Assembly Edvard Kardelj is paying a visit to Austria). Other dignitaries are occupied with their work.

We hope that the biographies and photos of Yugoslav dignitaries will meet with your approval and you will print them in your issue of "APP BERTI" and we would be grateful to you if you could kindly send us two copies of your issue when printed.

Yours sincerely,  
(Florijan Kovac).

**BRITISH INFORMATION SERVICES****Office of the High Commissioner for the United Kingdom.**

Dear Tufail,

I am directed by the Acting High Commissioner to thank you for your letter of 27th September and for the interesting information about 'Nuqoosh' and your plans for the hundredth issue.

In response to your request, I enclose biographies and photographs of Her Majesty Queen Elizabeth II and H.R.H. The Prince Philip, Duke of Edinburgh. I regret that it is not possible to let you have the signed photographs or the personal notes for which you ask. As I am sure you realise, Her Majesty and Prince Philip receive so many requests of this kind that they have to make a general rule not to accede to them.

We shall be glad to help with biographical material on outstanding men and women in Britain and you may care to discuss your requirements in detail with our Lahore office at Racecourse Road. You would be very welcome. In the meantime, I enclose biographies and photographs of Sir Winston Churchill, Mr. Harold Macmillan, Lord Home, Mr. Harold Wilson, Sir John Cockcroft, Sir Malcolm Sargent, Benjamin Britten, Aldous Huxley, Earl Russell, Lord Dilhorne, Somerset Maugham and Lord Rootes.

Please accept our best wishes for the success of your issue.

Yours sincerely  
(E. BAILEY)

---

Philippine Embassy  
G.P.O. Box No. 225  
Karachi, Pakistan.

Sir,

I wish to acknowledge the receipt of your letter of November 10, 1963, and to inform you that your request has been referred by this Embassy to its Government for the desired materials.

As a leading writer of Pakistan, you might be interested in reading the enclosed copies of **News from the Philippines** (back number), containing worthwhile articles about the Philippines.

Very truly yours,  
R. S. BUSUEGO  
Ambassador

Office of the  
**HIGH COMMISSIONER FOR CANADA**

Metropole Hotel  
 Victoria Road,  
 Karachi, 17

November 5, 1963.

Dear Sir,

With reference to your letter to us of September, 30, 1963, we are pleased to enclose for you photographs and biographies of the following Canadian public figures :

H. E. Major-General Georges P. Vanier - Governor General of Canada.

Rt. Hon. Lester B. Pearson - Prime Minister of Canada.

The Hon. P. J. J. Martin - Secretary of State for External Affairs.

The Hon. W. L. Gordon - Minister of Finance and Receiver General.

The Hon. J. V. Lamarsh - Minister of National Health and Welfare.

The Hon. C. M. Drury - Minister of Industry.

The Hon. H. W. Hays - Minister of Agriculture.

Rt. Hon. J. G. Diefenbaker - Leader of the Opposition.

Mr. T. C. Douglas, MP

Mr. R. N. Thompson, MP

Yours truly,

Richard G. Seaborn.

Dear Sir,

I would like to thank you for your letter of September 30th 1963, concerning the special issue of your magazine NUQOOSH.

The matter is under consideration, but I should be grateful if you would add to the valuable information you have already given the Embassy the approximate publication date of your centennial issue. It would also be greatly appreciated if you could send the Embassy one of the past number of your magazine.

Hoping to hear from you very soon, I remain.

Yours sincerely,

J. C. SALMON  
 Ambassador of Belgium.

**AUSTRALIAN HIGH COMMISSION.**

9 Kutchery Road,  
**KARACHI.**

Dear Mr Tufail,

I would like to acknowledge and thank you for your recent letter regarding material for the Centennial issue of "NUQOOSH"

Whilst it is regretted that it is not possible to provide you with a personal message and autographed photograph from the Prime Minister of Australia, Sir Robert Menzies, I am pleased to enclose some biographical notes on the Prime Minister together with a photograph which I hope will be suitable for publication in your special issue of "NUQOOSH"

Yours sincerely  
(D.W. McNiel)  
High Commissioner

**EMBASSY OF SWITZERLAND**

In Pakistan.

Dear Sirs,

I acknowledge receipt of your letter of October 7, 1963, requesting me to supply you with material about the Swiss personalities. I have requested my home authorities to make such material available and will revert to the matter upon receipt of reply.

Yours faithfully,  
C. H. Bruggmann  
Swiss Charge d'Affaires a.

Office of the High Commissioner  
for Malaysia in Pakistan.

Dear Sir,

Further to our letter in this series dated 21st November, 1963 we have pleasure to forward herewith a copy each of the photographs of His Majesty the Yang di-Pertuan Agong (Supreme Head of State of Malaysia) and the Hon'ble Prime Minister of Malaysia, along with their brief biographies for publication in your special issue entitled "Autobiographies".

Please acknowledge receipt.

Yours faithfully,  
(Noordin bin Ariffin)  
Third Secretary

---

شیرین تر از حکایتِ مانیست قصه  
تاریخ روزگارِ سپاس نوشته ایم



غلام رسول مہر

## آپستیوں کی اہمیت

شیریں تر از ملکیت مائیت فقر

تاریخ روزگار سراپا نوشتہ ایم

شیخ علی قزلباش نے خود نوشتہ سرائے حیات "تاریخ احوال تذکرہ حال" کے آغاز میں فرمایا ہے کہ کارگاہ آفرینش میں انسان کے لیے تحصیلِ جنت سے زیادہ قیمتی سرمایہ کوئی نہیں۔ یہی سبب ہے کہ دانشمندان اور وقت کی قدر و قیمت پہچاننے والوں میں سے ایک گروہ نے کتبِ تاریخ کی تدوین اور احوالِ نیک و بد کی تحریر و تفسیر میں اوقاتِ حیات صرف کر دیے۔ خود میں نے اپنی عمرِ عزت پر نظرِ بازگشت ڈالی تو اسے فائدہِ جنت سے مالی نہ پایا لہذا جو کچھ یاد رہ گیا اسے اجمالاً معرضِ تشریح میں لکھتا ہوں:-

"وہ نقلِ احوال و دیگر اسباب باشند کہ ناقص را بر بنا سبب انعطاف و اشتباہ

افتد و انا دور شروع احوال خویش ہاں آن نیست"

مطلب یہ کہ انسان کے لیے دوسروں کے حالات سے براہِ راست استفادے پر آمگاہی ممکن ہی نہیں جس پر وہ اپنے حالات سے آگاہ ہوتا ہے۔ دوسروں کے حالات کلمے کا ترجمہ ناگوں اسباب کی بنا پر مختلف واقعات کے حصول سے شبہات پیدا ہوتے۔ ایسی مثالیں سامنے آئیں گی جن میں تناقض یا کم و بیش اختلافِ مروجہ ہو گا اور وہ قرائن ہی کے مطابق ایک رائے اختیار کرے گا۔ ممکن ہے اس طرح صحیح حالات میں نادانستہ غلط باتوں کی آمیزش ہو جائے مگر اپنے حالات میں تنقید یا شبہ کا کوئی امکان ہی نہیں۔

### بنیادی حقیقت

خود نوشتہ سرائے کی ترجیح و برتری کے متعلق یہ ایک بنیادی حقیقت ہے جو شیخ قزلباش نے سادہ سے افلاک میں بیانِ فہلوی۔ عجب گستاخوں کے صورتِ قیامت کی مشہور آیت "بل الانسان مل نفسه بهیرۃ" و "واعنی معاویہ" میں بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور صاف جہانگیری کا جو شعراںِ قریب کا ہوا ازمنان ہے اس میں بھی اسی بنیادی بات کوئی کمی ہے اگرچہ اس کا انداز و اسلوب مختلف ہے اور اس میں ایک ایسا پہلو بھی ملتا ہے جو دنیا گیا ہے جس کی توضیح ایک مصلحتِ تحریر کی متقاضی ہے۔

بہر حال کسی وجہ کے احوال و کوائف کو خود اس سے بہتر کوئی نہیں جان سکتا اور اس کی حرکات و سکنات کے محرکات کا صحیح زیرک اندازہ خود اس کے سراگتوں نہیں کر سکتا۔ کیا یہ معلوم نہیں کہ جب تاریخوں یا انفرادی سرگشتوں میں کسی بیان کی توثیق خود مسئلہ افراد کے اقوال و مضامین سے کر دی جاتی ہے تو اسے درست تسلیم کر لیتے ہیں کسی کے لیے بھی قائل کی گنجائش باقی نہیں رہتی؛ جب تمام سرائے خود صاحبِ سرائے کے قلم سے

ہوں گے تو انہیں اہم ماقم ملنے میں اختلاف کی کون سی وجہ ہو سکتی ہے؟

## ایک اعتراض

ابتر ایک اعتراض ہو سکتا ہے اور اعراض کے بجائے اس پر مشتمل بحث ہونی چاہیے تاکہ حقیقت واضح ہو جائے۔ یعنی شخص آپ جتنی کلمے اس کی اتنی کوشش طبعی ہوگی کہ اپنی زندگی کے صرف وہی پہلو نظر عام پر لاتے جو اس کے نزدیک شاہان و زیبا ہوں۔ ان کی زیبائش و آرائش اور تزئین و تخمین میں ہی کوئی کسر اٹھانے والے کا بلکہ مختلف برائیں کے چہرے پر لبی سخن و غول کا رنگ و سخن اس طرح چڑھا دے گا کہ وہ نگاہوں سے باطل اور جمل ہو جائیں۔

جس شب ایسا امکان موجود ہے مگر آپ غور فرمائیں گے تو معلوم ہوگا کہ اس معاملے کے لمبی دو پہلو ہیں۔ اول یہ کہ آپ جن چیزوں کو برائیاں سمجھتے ہیں حقیقتاً وہ برائیاں نہیں۔ آپ نے با تحقیق سمجھ لیا کہ وہ برائیاں ہیں۔ اگر حقیقت یہی ہے تو آپ کو کوشش ہونا چاہیے کہ آپ غلط فہمی سے محفوظ رہیں اور ایک شخصیت کے لئے جس میں بے انصافی کے ارتکاب سے بچ گئے۔ دوم یہ کہ صاحب تحریر نے مختلف یا تقریباً سے کام لیا۔ وہ کذب و دروغ کی انسانی باتیں میں مصروف ہو گیا تاکہ بدگوئی، بھڑک اور باطل کو حق کا لباس پہنا دے۔

## حقیقت حال

اس کا مطلب صاف الفاظ میں یہ ہوا کہ اس فرد میں کذب و دروغ کا جو ہر موجود تھا۔ اگر حقیقت یہی ہے تو اسے صرف خود فرشتہ سوانح نگار کیلئے محدود سمجھا جائے؟ یہ جو ہر اس فرد کے ہر بیان، ہر قول اور ہر تحریر میں نمایاں ہو سکتا ہے اور اس کی کوئی ناش و نمود شبہات کے ایراد سے محفوظ نہ رہے گی مگر اس بنا پر آپ جتنی کہہ سہے انہار کو ناقابل اعتبار قرار دے دینا کیونکر قرین حق و انصاف قرار پا سکتا ہے؟ اگر کوئی شخص بھڑک بولنے میں جبری اور دیر ہے تو اس کی آتش سے محض آپ جتنی ہی کا وہاں کیوں ٹوٹ سمجھا جائے؟ اس کی باقی چیزوں کو اس ٹوٹ سے پاک سمجھنے کی کوشش وجہ ہوگی؟ نیز اس امر کی دلیل کہ تاشو سادہ کے نام سے جو کچھ لکھا گیا یا لکھا جائے گا وہ ہر حال درست اور ہر شبہ سے پاک ہوگا؟

## استدلال صحیح اور فکر سلیم

ہم مختلف اسباق کے کتابیات یا تحریرات و مصنفات کو نگارشی احوال کا بہترین نمونہ کیوں قرار دیتے ہیں؟ محض اس لیے کہ انسان اپنے دستور کتابیات یا تحریرات و مصنفات میں جو کچھ کہہ جاتا ہے وہ زیادہ قابل اعتماد ہوتا ہے۔ یہ سب چیزیں لمبی مدت پر حاوی ہوتی ہیں اور یہ ظاہر ایسا امکان کہ جسے کہ انسان اتنی ہی مدت تک نبوت کا مسئلہ قائم رکھے اور حقیقت کسی نہ کسی شکل میں بے نقاب نہ ہو جائے لہذا آپ جتنی کو کیوں ناقابل اعتماد سمجھا جائے؟ پھر ہم اس لیے استدلال صحیح اور فکر سلیم سے کام لے کر ہر تحریر میں سے وضع و ساخت کا حصار کمرین شکل نہیں مگر پوری آپ جتنی ہی خوبصورت مگر کھینچیں؟ اس سے سامنے صرف ایک آپ جتنی نہیں ہوتی۔ ایک ایک عدد کے نسخہ کن آپ بیتیاں آجاتی ہیں۔ تاریخی کتابیں کسی جاتی ہیں۔ ہمارے سامنے شہادتیں کے بارگاہ جانتے ہیں جن میں قہقہہ زار و یادیں منکس ہوتے ہیں اور ہر جہاں جیتے رہتے ہیں زیادہ بترا و مستحکم قرار

پر پہنچ سکتے ہیں۔ فرض کیجئے کہ ایک کوئی فدیہ ہمارے پاس موجود نہ ہو تو ہم کیا کریں گے؟ کیا لڑکی میقیاس ماراں کے تھپکھپکے ہاتھ پکڑیں گے؟  
**قدماندہ نشان کے لوگ**

جس ملک میں اندازہ کر سکا ہوں انسان فی الجملہ وہ کچھ دیہی قسم ہی۔ پہلا گروہ اسی بلند ذہنیت اختیار کیا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ خلقت عطا کرتا ہے گروہ اس بنا پر اپنے گروہ پیش وضع و ساخت کی رنگ آؤں گے کیے بھی لکھ نہیں سکتے۔ اسی کی نفرت کہ بدعت سے کوئی مناسبت نہیں ہوتی۔ وہ ہر اسے بے تکلف کہہ دیتے ہیں جس طرح ماست باؤ آدمیوں کا شیوہ ہوتا ہے۔ نظریاتی لکے لکے جگہ لکے ہے۔

ہم راہ دشتی و زیبائی ماوراء نقر است      بنیہ بر طرف پردہ کاوے زرد ویم  
 یعنی ہماری دشتی و زیبائی ہماری بھائی اور اچھائی ہر شخص کی نظروں کے سامنے آشکارا ہے۔ ہم وہ لوگ ہیں کہ اپنے کسی کام کے چوڑے کے خلاف پہننے کی کوشش بھی نہیں کرتے کہ جو کچھ اندھ ہر لکھو وہ جہاں سے اور دھروں پر ظاہر نہ ہونے پڑے۔ ہماری ہر چیز سب کے سامنے ہے۔  
 یہ اسی گروہ کا نقشہ ہے جس کا ذکر میں کر رہا ہوں۔ مرزا غالب اس سلسلے کی ایک بترین مثال ہیں۔ یا تو یہ کھیر لینا چاہیے کہ ان لوگوں کو اپنی خلقت کا آئینہ نگاہ بنیہ ہوتا ہے کہ کسی نازیبا فعل کے احترام کو وہ اس میں باعث خلل نہیں سمجھتے یا وہ عظمت کے باب میں اس نقطہ نگاہ ہی کے قائل نہیں کہ کسی نازیبا فعل کا صدور اس کا علیہ لگاؤ سکتا ہے یا انہیں اپنی عظمت کے شوق تکلف اور بناوٹ سے کام لینا گوارا ہی نہیں یا وہ قدرت کے اس بنیادی اسطی پر کاربند ہوتے ہیں کہ جو شے خلق خدا کے لیے نفع بخش ہے وہ ہر حال قائم ہے گی اگرچہ اس کا ڈھنڈو داہنیے کی کوشش کی جاسکے یا نہ کی جاسکے۔ جو نفع بخش نہیں اس کے نیچے مٹ جاتا فہم ہے خواہ اس کے گروہ پیش وضع و ساخت کی گئی ہی بلند شکرم دیوار یا مثال بنیہ

## آپ جی کی حقیقی حیثیت

دوسرا گروہ وہ ہے جو عظمت کی بنیادوں پر پہنچنے کے لیے بابر اداۃ پاؤں مانتا رہتا ہے۔ اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ہمیں کوئی رخنہ نظر نہ آئے اسے جلدی سے بند کر دے تاکہ کوئی شخص اندھ جہاں تک حقیقت کا پتا نہ لگائے۔ وضع و ساخت کی اس جہت گروہ مسم آرائی کی بھی دوسری شاخیں ہمارے سامنے موجود ہیں اور اسی کی حقیقی حیثیت معلوم کر لینا ہرگز مشکل نہیں۔ یہ لوگ آپ جی کے سلسلے میں جو کچھ کہیں گے اسے پوری چھٹی میں کیے بغیر قریں نہیں کیا جاسکتا۔

غرض آپ جی پر ہر گروہ اتحادی کا خوب بھروسہ کیپنا مناسب نہیں۔ دنیا کے عام ذہن و نگاہ کی طرح آپ جی بھی نقد و نظر کی دھڑکی سے ہار نہیں۔ ہمارے یہ غرور ٹھکانہ اور چھائی کے نیچے سے ہر گروہ کی واقعات اندھ کر لینا شکل نہیں لیکن فرض مسلمات میرے فتنہ ٹھکانے دیکھنا ہوتے تو آپ جی کو ہر دھڑکے ذہن و نگاہ کی اور ابا پر جرت پر ترجیح حاصل ہے اور اس کے احترام میں تامل کیوں کیا جائے۔

## ایک خاص پہلو

آپ جی کا ایک خاص پہلو میرے نزدیک خصوصی قدر کا مقام ہے یعنی ذاتی سلامت کے علاوہ وقت و آمد اور اصول کی تصویر کے بغیر بھی

ہر ایک نوعیت کی تحریر قیام کرتی ہوگی۔ یہ مرنے کو دوسری جگہ مل نہیں سکتے مثلاً مرنا غائب کے مکاتیب بھی اس غرض سے نہیں لکھے گئے تھے کہ ان میں ذاتی سرائے ہوں گے یا ان سے صوفیائے کے بارے میں نہایت دلچسپ معلومات بتا ہو جائیں گی جن کا اور کوئی ذریعہ اور کوئی ماخذ نظر نہیں آتا۔ لیکن مرنا غائب کا کال ہے کہ انہی مکاتیب سے ان کے کل سرائے حیات تیار کیے جاسکتے ہیں اور سب نہیں تو اکثر دفاعی حیات کی تفصیلات معلوم کی جاسکتی ہیں۔ انہی مکاتیب سے ہم وقت کے اشتعالی، سیاسی، تمدنی اور معاشرتی خاکے کے ایک ایک خانے میں رنگ بھر سکتے ہیں۔ میرے سامنے اور شاید میں ہی جیسا لکھیں یہاں ان پر پوسٹ کارٹس بھی بیاں کھل جاتے تو اسے یہی شکل دے دیتے اور پھر بہت پہلے جاتے

### نقوش کا آپدیتی نمبر

مجھے یہ سوس کراتیں خوشی ہوئی کہ نقوش کے تحت طراندہ میرے آپدیتی کا خاص نمبر مرتب کیا اور اس کے لیے ذاتی سرائے کا بہت ذخیہ اکٹھا کر لیا۔ میرے وہ مرقع دیکھا نہیں اس لیے کہ نہیں سکتا کہ اس میں کیا کچھ آگیا ہے اور کیا کچھ باقی رہ گیا ہے لیکن یہ جانتا ہوں کہ آپدیتی کا ذخیہ کچھ کر دینا ایک نہایت فزونی کام تھا۔ دوسرے کاموں کی طرح اس کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے "نقوش" کو مسکن کے نقش سے مشرف کیا۔ خدا کے "نقوش" کے دوسرے خاص نمبروں کی طرح یہ نمبر بھی اپنی مثال آپ ہیں بلکہ اور اہم فوائد کے لیے نوشتہ ہوا کے علاوہ شیخ علی مرتضیٰ کے قلم کے مطابق حیرت و معجزات کا بہترین سرمایہ ثابت ہوا۔ ادب ہائے ادب "اکا کوئی مطلب میری کجی کو تک نہیں آیا۔" ادب ہائے ادب "نقوش" "ادب ہائے تزئین و آرائش" "ادب ہائے سرمدی انسانیت" "ایک شاہان نصب امین ہے جس کے لیے ایک باجمعت اور بلند حوصلہ انسان زندگی کے قیمتی اوقات بے دریغ قربان کر سکتا ہے۔ خدا کے "نقوش" کا یہ خاص نمبر اس اہم فرض کی بجا آوری کا بھی ایک قابل قدر نمونہ ثابت ہو۔

ایں دعا از سر و از بحر ہاں آہی باد



علم الدین سالک

## آپ بستیوں کے بعض نمایاں پہلو

سراج نگاری ایک قسم کی تاریخ ہوتی ہے۔ تاریخ میں ایک قوم یا ایک ملک کے واقعات مربوط کر کے بیان کیے جاتے ہیں مگر سراج نگاری میں انفرادیت کا پہلو غالب ہوتا ہے اور یہ ایک فرد یا واحد کی زندگی کے کارناموں پر مشتمل ہوتی ہے۔ یہ افسانے کا رنگ لگتی ہے مگر افسانہ نہیں ہوتی۔ افسانہ خیالی ہوتا ہے اور یہ حقیقت۔ اس میں صحت واقعات کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ البتہ اس میں کھسولے کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اسے اس انداز سے لکھے کہ یہ آرٹ کا ایک دلکش مرقع بن جائے۔

بعض حالتوں میں سراج نگار دوسروں کی کہانیاں لکھتے ہیں مگر گزشتہ کو موضوع میں بناتے ہیں اور جن واقعات کو وہ اپنے نقطہ نظر سے اہم اور ضروری سمجھتا ہے لکھتا ہے اور باتیں کو خواہ وہ دوسروں کی نظر میں کتنی ہی اہمیت کیوں نہ رکھیں نظر انداز کر دیتا ہے۔ بعض آپ بیتی لکھنے والے اپنی زندگی کے بڑے بڑے واقعات اور حادثات کو بیان کرنا آپ بیتی کے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔

آپ بیتی اتنی ہی پرانی ہے جتنا کہ انسان خود۔ اس کا آغاز انسان کے آغاز کے ساتھ ہوا۔ زمانے کی گردش نے آپ بستیوں کے نام و نشان میں بے تاہم بعض زبانوں میں آٹھ سے ہزار سال پہلے کی لکھی ہوئی آپ بستیاں موجود ہیں۔

فارسی زبان اور اردو زبان میں بڑا گہرا رشتہ ہے۔ اگر یوں کہا جائے کہ اردو فارسی کے بغیر فخر ہے کیونکہ اردو لکھی بے سنگ ہے تو یہ بے جا نہ ہوگا اردو میں ابھی تک کئی بیانی کے وہ شوق خورنے کم ہی ہیں جو ہمیں فارسی ادب میں ملتے ہیں۔ اردو زبان کی فکر بھی کتنی ہے۔ جمہور آٹھ دن۔ اس کے علاوہ فارسی زبان کو امراد اور زما اور درباروں کی سرپرستی حاصل رہی ہے۔ اردو کو جب شاہی درباروں کی سرپرستی نصیب ہوئی تو بادشاہیاں اور دربار ایک ایک کر کے مٹ گئے۔ تاہم اردو میں وہ خوبیاں موجود ہیں جن کی بدولت وہ ہر قسم کی سرپرستیوں کے بغیر اپنے مقام خود پیدا کر رہی ہے اور وہ وقت دور نہیں جب اس کے خزانے علم و ادب کے جوہر باروں سے مالا مال ہو جائیں گے۔

فارسی ادبیات میں تاریخی ادب ایک ممتاز مقام رکھتا ہے۔ اس میں تاریخ عمومی اور مقامی تاریخ کی بے شمار کتابیں موجود ہیں جن کے علاوہ طرز، سرنما، امراد اور شہزاد کے تذکرے بھی ہیں۔ تاریخ کی ان تمام اصناف میں ہر صنف نے تاریخ اور تذکرہ کے آخر میں آپ بیتی کے طور پر اپنے تذکرے بہت حالات کھودے ہیں۔ اگر انہیں یک جا کر لیا جائے تو آپ بستیوں کا ایک بیش بہا مرقع تیار ہو سکتا ہے۔ فارسی ادب میں مستقل آپ بستیاں بھی لکھی گئی ہیں جن کے مصنف بادشاہ، وزیر اور اویس ہیں۔ ان میں سے کچھ شیخ بہکائی ہیں۔ بعض ابھی تک مسودوں میں پٹی پڑی ہیں اور بعض گردش روزگار کا شکار ہو کر سفر دنیا سے ناہید ہو چکے ہیں۔ ان آپ بستیوں میں بعض بے حد دلچسپ ہیں۔ بعض میں حکمت اور مصلحت کے قوی ٹکٹے نظر آتے ہیں اور بعض اپنے زمانے کے تمدن، معاشرت اور مصلحت

کی منظر کشی کرتی تھی۔ اسی کتاب کی مدد سے تاریخ کے خشک واقعات میں رنگ بھر کر دکشی کے سامان پیدا کیے جاسکتے ہیں۔ آج ہادی تاجیک کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ واقعات کی کسوٹی اور رنگ و بدل کا ایک مریخ ہے جس میں درباری رسوم اور جنگ و جدل کی مار وھاڑ کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔ اگر اسی کے ساتھ آپ بیتیوں کو ملا کر پڑھا جائے تو وہ چیز جسے عوام کی سرگرمیوں کی تاریخ کہا جاسکتا ہے اور جس پر اعلیٰ یورپ کو نادمہ ہے، بڑی آسانی کے ساتھ مرتب ہو سکتی ہے۔ افسوس ہے کہ ہم نے ابھی تک انہیں درخور اعتناء نہ کیا اور اپنی قوم اس جانب ہزدل نہیں کی۔

بار کی تنگ ہر یافتہات فیروز شاہی، بھاگپڑ نامہ ہر یارتقات، حالگیری ہم زیادہ سے زیادہ ان کے بارے میں یہ کہہ کر خاموش ہو جاتے ہیں کہ واقعات و کش، زبان سلیس اور اندازہ بیان شگفتہ ہے یا اس سے بڑھ کر یہ کہہ دیتے ہیں کہ مصنف نے قدرتِ زبان کی بدولت فطرت واقعات بیان کرتے ہوئے وہ سماں باندھا ہے کہ اس کا ہر ہوشیار سانسے آگیا ہے۔ حالانکہ ان کتابوں کی قدر و منزلت ان باتوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔

ہر دور اپنی مخصوص تہذیب رکھتا ہے۔ اس کے بنیادی خدوخال تو صدیوں کے بعد تبدیل ہوتے ہیں مگر فروغی چیزیں ہر دور اور ہر زمانے میں بدلتی رہتی ہیں۔ ان کی نشاۃ ثانی عام تاریخی کتابیں نہیں کر سکتیں۔ ہیں ان کے لیے آپ بیتیوں کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ کیونکہ ان کی مدد سے ہم ایک قوم، ایک ملت اور ایک ملک کی تہذیب کی ابتدا اور عہد بہ عہد ترقیوں کا اندازہ لگا سکتے ہیں جو تاریخ کے علم کے لیے بڑی ضروری اور بڑی اہم ہے۔

ہندو اور مسلم دور کے ہندو جب بطنیہ کا زمانہ آیا تو بہت سے سپاہیوں، درباروں اور حکمرانوں نے اپنے سراخ جات مرتب کیے۔ ہر سب کتابیں سیاسی نقطہ نظر سے تیار ہوئیں۔ ان میں جو آپ بیتیاں بڑے بڑے ہمدیاروں نے لکھی ہیں ان میں بڑی عیاری اور ہر کاری کے ساتھ جھوٹ اور سچ کو آپس میں اس طرح مودیا گیا ہے کہ ان کا ایک دوسرے سے ملیمہ کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ وہ اپنی غیرو اور بُرائیوں کو ہنسنے کا رنگ دیتے ہیں۔ شستروں کو ایسے دھوکے کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ پڑھنے والے کو یقین ہو جاتا ہے کہ اگر وہ اس وقت پہاڑی کا راستہ اختیار نہ کرتے تو تباہی اور بربادی کا شکار ہو جاتے۔ ان کے مظلوم کی داستان اور ان کی ہمداریوں کے افسانے اسلحہ سامنے آتے ہیں کہ ہم خود اپنی نظروں میں ذہل ہو جاتے ہیں اور بے اختیار پکار اٹھتے ہیں۔

یہ قدرِ امتحانِ جذبہ دل کیسا نکل آیا

میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

اسی بنا پر سرمان کھینے اپنی مشہور کتاب "پانی فار" میں لکھا ہے کہ ہم جب کسی دیسی مکران کے علاقے پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں تو پہلے اس پہلے طرح کے الزام لگا کر اسے برباد کرتے ہیں، پھر اس کے ملک پر قبضہ کر لیتے ہیں۔ البتہ معمول سپاہیوں اور چھوٹے چھوٹے افسروں کی آپ بیتیاں یا ڈائریاں اس سے مستثنیٰ ہیں۔ وہ کہیں کاری کے بجائے صاف گوئی سے کام لیتے ہیں اور واقعات بلا کم و کاست بیان کر دیتے ہیں۔ ان سے تجربہ نگار تاری کا اپنا کام ہے۔

بایر نامہ فارسی اور اردو میں بے شمار آپ بیتیاں لکھی گئی ہیں، ان سب پر تبصرو کرنا اور ان کی خوبیاں کو اجاگر کرنا دشوار ہے اس لیے

مرد و عورت دونوں کے بعض خاص خاص پہنائیاں کیے جاتے ہیں تاکہ ان کے کپڑے گھٹے بے نقاب ہو جائیں اور کھنے والے کی ہرگز شخصیت کا کچھ اندازہ نہ ہو سکے۔ سب سے پہلے بابر کی آپتی میں بابر نامریا تزکیہ پہری ہمارے سامنے آتی ہے۔ اس کلب کو ہر اجیت حاصل ہے اور بادشاہوں یا شہنشاہوں کی آپتیں میں اسے ایک منفرد حیثیت حاصل ہے۔ اس کے پڑھنے سے ایک بات ہلکے سامنے واضح طور پر آجاتی ہے کہ اس کا مصنف قدرتِ انسانی کا بہت بڑا نمونہ ہے اور اس کی نظریات تک جاتی ہے۔ اس نے انسانی آغا کو مطالعہ کیا ہے کہ عمارتِ عمر کی نگاہ میں کچھ نہیں پہنچتا وہ مقام اس کے سامنے پیش پا افتادہ ہے۔ وہ جس علاقے کا ذکر کرتا ہے اس کی آپ وہاں کی پیراوار، زمین کی خصوصیات، انسانوں کے چلن چلن تک کہ زبان کے جوڑ جوڑ کو الگ الگ کتبے پہنے قاری کے سامنے رکھ دیتا ہے۔ ان چیزوں کو پڑھنے کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بابر نہ صرف انسانی قدرت کا راز دار ہے بلکہ وہ اس علاقے کے لوگوں کی سیرت اور کردار کو بھی خوب سمجھتا ہے۔ کہیں کہیں دھنسنے قربات بھی کرتا ہے مثلاً ایک دفعہ اس نے یہ دیکھا تھا کہ شراب جو مردوں میں فرستی پیدا کرتی ہے اس کا اخرویت کی حیثیت پر کیا ہوتا ہے۔ عورت کی زندگی کے اس پہلو کا مطالعہ کرنے کے لیے ایک عورت چلی آغا کو انتخاب کیا جاتا ہے۔ بابر ایک اوش میں ٹھہر جاتا ہے۔ اسے شراب پلائی جاتی ہے۔ شر کے ساتھ ساتھ اس کی جو حالت ہوتی ہے اور اس کی حیثیت میں جو تغیر و تبدل رونما ہوتا ہے باہر یہ کہہ کر بیان کرتا ہے کہ عورت کی حساس قدرتِ مغرب کے لیے موزوں نہیں ہے۔ یہ فقرہ بہت سیٹھا ہے۔ اس پر زیادہ گفتا اس وقت کے معاشرے کے انہی کے خلاف تھا۔

اس زمانے میں عورت کو معاشرے میں جو مقام حاصل تھا اس کے بارے میں یقیناً یا تفصیل کے ساتھ کسی مؤرخ نے نہیں لکھا عام طور پر خیال ہی کیا جاتا ہے کہ عورت محض کی زینت ہوتی تھی مگر بابر کی آپتی پڑھنے سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ عورت نہ صرف خود بخود جسے کارنامے انجام دے سکتی ہے بلکہ وہ اپنی اولاد کو بھی عظیم انسان بنا سکتی ہے۔ وہ با برنامہ کی ابتدا میں کرتا ہے کہ میری زندگی کو بنانے والی دو چیزیں ہیں۔ ایک میری نانی ایسا دولت اور دوسری میری ماں 'یقین نگار خانم'۔ انہوں نے مصائب و آوارگی و غم و غصہ، خوش حالی اور فادغ اہل 'خج و شکست میں سادہ سادہ طرح میرا ساتھ دیا۔ میں جو کچھ ہوں وہ ان کی دے سے ہوں۔ اس کے بعد وہ اپنی نانی کا ایک ایسا زہری کا راز بیان کرتا ہے جس سے اکثر خاندانوں کی تاریخ یکسر خالی ہے۔

بابر کا یہ بیان آلی بابر کے بچے شعل راہ کا کام دیتا رہا ہے اور اس کی بدولت اس خاندان نے جلیل القدر عورتیں پیدا کیں جن کی زندگی آٹھ بھی نہایت خوردہ دونوں کو پیغامِ حیات بخش رہی ہے۔ تاریخ کے اوراق پر ایسی جلیل القدر عورتیں کا ذکر آنا ہمارے معاشرے میں ایک ایسا خوشگوار تغیر ہے اگر سکتا ہے جو رفت کو ذہنی غلامی سے نجات دلا سکتا ہے۔

بابر ایک خوش خصلت سپاہی، رعایا نواز بادشاہ، غازی اور ترکی کا زبردست ادیب اور نگارہ نور نگار انسان تھا جس کا دامن طرح طرح کے کلمات سے بھرنا تھا۔ وہ تیمور کی چٹائی پشت سے تھا اس لیے اسے ورثے میں تیسرے کی طرح غازی اور ادیب ہندی ملی۔ اس کے ساتھ شہادت، مشعلِ مزاجی، حوصلہ مندی سے بھی اسے حقیر مافرد۔ اس نے اپنے واقعات زندگی لکھے۔ اس میں کئی جگہ ہیں مگر جو کچھ ہم سمجھ سکتے ہیں وہ بڑا دلچسپ متن ہے جس میں قسم قسم کی تصویریں جلوہ آرائی کرتی دکھائی دیتی ہیں۔ اس کے سامنے اس کا آپ کو شرفِ مرزا تھا۔ اس میں بھی تصویروں کی تمام خصوصیات بدرجہ اتم موجود تھیں۔ بابر اس کی کئی تصویریں پیش کرتا ہے:-

ان کے اخلاق و اطوار پر تھے۔ وہ صنفی مذہب رکھتے تھے اور بڑے خوش اعتماد انسان تھے۔ پانچویں وقت کی نماز پڑھتے تھے۔ بیشتر قرآن شریف کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ وہ خواجہ عبداللہ احرار کے مرید تھے۔ اکثر ان کی خدمت میں حاضر ہا کرتے تھے۔ حضرت خواجہ انیس فرزند کا کہا کرتے تھے۔ میرے والد اچھے خاصے بڑے گھمے انسان تھے۔ غصہ نفعی نعمت پر غرور اور دشمنی مولانا روم اور تاریخ کی کتب اکثر ان کے مطالعہ میں رہتی تھیں۔ شاہنامہ ملی اکثر ان کے زیر مطالعہ رہتا تھا۔ وہ موزوں طبع تھے مگر شعر گوئی کی جانب قریب نہ تھے۔

(توزک باری ص ۷۰)

بابر کا نامنا مکتوب یا کا خانہ اعظم دوس خاں تھا جسے اس کے ملی بھڑکی وجہ سے استاد دوس خاں کہا کرتے تھے۔ دوس خاں نے اپنی بیٹیوں کو بھی زبورِ علم سے آراستہ کیا تھا۔ بابر کو حکم کی دولت ماں اور باپ دونوں سے ملی۔ عمر شیخ نے اسے بلند پایہ استاد سے تعبیر دلائی۔ بابر اپنے ایک استاد شیخ فرید بیگ کی غریبوں کا ذکر کرتا ہوا کہتا ہے:-

”وہ میرے پہلے آئے ہیں۔ ان کے قاعدے اور قریبے بہت اچھے تھے۔ وہ بابر میرزا ابن بایں غفر میرزا کی خدمت میں بھی رہے تھے۔ عمر شیخ میرزا کی سرکار میں ان سے بڑا کوئی اہم نہ تھا۔“

اپنے ایک اور استاد مولانا قاضی عبداللہ کے بارے میں بابر کہتا ہے:-

”خواجہ مولانا قاضی کا نام عبداللہ اور عرف خواجہ مولانا تھا۔ باپ کی طرف سے ان کا نسب شیخ برہان الدین قیچ بیک اور ماں کی جانب سے سلطان ایلک بیک پہنچتا ہے۔ فرغانہ کے علاقے میں اس خاندان کے افراد پیشوائی شیخ الاسلامی اور ثقافت کے مجددوں پر فائز رہے۔ خواجہ مولانا حضرت خواجہ عبداللہ احرار کے مرید تھے۔ ان ہی سے تربیت پائی۔ مجھے ان کے ولی ہونے میں کوئی شک نہیں۔ مولانا عجیب شخص تھے۔ ڈراور خوف ان میں نام کو بھی نہ تھا۔ میں نے ایسا دلیر اور رنڈہ آدمی نہ کبھی دیکھا تھا نہ سنا۔ دنیا دار کہنے ہی بہادر کہیں نہ ہوں مگر انہیں کچھ نہ کچھ دھڑکا لگا ہی رہتا ہے۔ خواجہ اس سے بالکل پاک اور مبرا تھے۔“

توزک کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ بابر کو کلام پاک، سعدی کی گستاخانہ اور بوستانی فردوسی کے شاہنامہ خواجہ نظامی گنجوی کے غصہ، حضرت امیر خسرو دہلوی کے غصہ، سرفاثرات الدین علی یزدی کے غصہ، سرفاثرات الدین سراج جوزجانی کی حقیقت نامہ سے ایک خاص رغبت تھی۔ وہ ان کا ذکر توزک میں جابجا کرتا ہے۔ توزک زبان اس کی مادری زبان ملی جس میں وہ شعر کہتا اور بابتاؤں لکھتا تھا جسے آج بابر نامہ یا توزک بابر کا جاتا ہے۔

بابر کا زمانہ شعر و ادب کا زمانہ تھا۔ اکثر شاعر اس کے اہل راہ و رسم رکھتے تھے۔ بابر نے توزک میں ان کے کلام پر تبہ



بھی کیا ہے جس سے اس کے بھی اولیٰ نشان کا پتہ چلتا ہے۔ اس نے جس شاعر کے مطلق جو رائے دی ہے وہ اتنی سچ ہے کہ کوئی ماہر فن اس سے اپنی تحید نہیں کر سکتا۔

میر علی شیر نرائی کے حلق لکھتا ہے کہ وہ بے غیر آدمی تھا۔ ترکی میں شرکت تھا اور ایسا لکھتا تھا کہ دوسرا کیا کہے گا۔ اس نے علی میں چہ شریاں کھیں۔ اچھے غمہ نقالی کے جواب میں اور ایک مقام کی مطلق الطیر کہہ دیا پر ساری الطیر کے ہم سے اس نے خورن کے چارو پیراں چھوڑے۔ ان کے علاوہ اس کی اور بھی تصانیف ہیں جو ان سے کمزور رہ گئی ہیں۔ اس نے عروض پر ایک رسالہ بھی لکھا۔ اس کا ایک فارسی دیوان بھی ہے۔ فارسی میں وہ تان تخلص کرتا تھا۔ اس کے بعض اشعار بڑے نہیں مگر اکثر گرے ہوئے ہیں۔ اس نے فنی کر سیتی میں بھی اچھی چیزیں لکھی ہیں۔ وہ اہل فضل و ہنر کا بہت قہودان اور مرتب ہے۔ علی شیر نرائی جیسا دوسرا آدمی پیدا ہونا دشوار ہے۔

ایک شاعر ششم بیک تہیل کا ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے۔

”اس نے تہیل تخلص رکھا اس واسطے وہ شیخ سیل مشہور ہو گیا۔ وہ اس قسم کے شاعر ہے

جو میں ڈرائے اٹھا اور معانی جھٹکتے ہیں۔ اس کا ایک شعر ہے۔

شہد غم گرد باد آہم ز جانے برد گردن را

فرد بردار و پائے سیل اشکم ریح سکوں نا

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ اس نے یہ شعر مولانا عبد الرحمن جانی کے سامنے پڑھا۔ مولانا نے ہنس کر

فرمایا کہ آپ شعر کہتے ہیں یا آدمی کو ڈراتے ہیں۔ اس نے دیوان بھی مرتب کیا ہے اور شاعری

بھی لکھی ہے۔

بابر کے سامعین میں ایک شاعر آصفی بھی تھا۔ بابر کہتا ہے کہ ”اس کے اشعار باسنی اور رنگین جھٹکتے ہیں مگر وہ عشق و حال

دونوں سے خالی ہیں۔

ایک اور شاعر بنانی ہروی تھا۔ اس کا باپ استاد محمد بنایمن صہار تھا۔ اس کی خیزوں میں رنگ اور حال دونوں واقع ہیں۔

اس نے شریاں بھی کھیں۔ ایک حیرہ کے علاوہ میں ہے۔ یہ بڑی نثر ہے۔

ایک شاعر صیقی بخاری تھا۔ اس کی شاعری بقول بابر بڑی سہولتی تھی۔ واقعی بھی اسی دور کا شاعر ہے۔ اس نے غمہ کے

مقابلے میں شریاں کھیں جو یہ ایک تیسرا نام بھی ہے جو ہفت بیک کا جواب ہے مگر علی بنیوں اس کی مشہور شاعری ہے۔ یہ شاعری بھی

شہرت رکھتی ہے ویسی نہیں۔

بابر نے اپنے معاصرین میں سے اور شاعروں پر بھی اسی طرح تنقید کی ہے مگر اس کا اپنا سب سے بڑا کا نام بابر مر ہے

جس میں اس نے اپنی حیثیت کے خوب خوب جوہر دکھائے ہیں اور اس کے علاوہ سے سلیم ہمایہ کہہ دیاں پہنچاواں اس نے

انسانوں اور حیوانوں کا بڑا گرامر لکھا اور ان کے بارے میں اپنی بھی آئی رائے دی۔

جب بابر ہندوستان میں آیا تو اس نے اس ملک کے تمدن اور تہذیب کے بارے میں جو کچھ کھا وہ آج بھی کم و بیش کہیں اسی صورت میں موجود ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ ”اس کے آدمیوں میں نہ تو ظاہری خشیت ہے اور نہ وہ اچھی طرح میل ملاپ کر سکتے ہیں۔ ان کی طبیعت میں نہ تو اوراد کا ادب ہے نہ کوئی مروت“

آگے چل کر وہ لکھتا ہے: ”یہاں گھوڑا خوب نہیں، گوشت اچھا نہیں ملتا۔ انگور، خرگوزہ اور اچھے پورے میسر نہیں آتے۔ برف اور نشا پانی بھی نہیں۔ اس کے بازاروں میں عمدہ کھانا اور اچھی روٹی نہیں ملتی۔ یہاں حمام نہیں، بدر سے نہیں، شمع اور شعل سے یہاں کے لوگ واقف ہیں۔ شمعان نہیں۔ شمع کی جگہ شعل سے کام لیتے ہیں۔ یہاں ڈیڑھ ہوتی ہے جو بہت میل کیلی ہوتی ہے اور اکثر لوگ اسے ہی استعمال کرتے ہیں۔ شمعائی بنانے کے لیے لہے کو ککڑی میں ٹکا دیتے ہیں۔ ایک لاکھ میں تو نبی ہوتی ہے جس میں ایک تنگ سوراخ ہوتا ہے۔ یہاں سے تیل کی پتل دھاڑ شمعائی میں گرتی ہے۔ بادشاہوں اور امیروں کے ہاں اگر شمع کی فروزا پڑے تو قیاسی گندی ڈیڑھ پر چراغاں رکھ دیتے ہیں۔ باغ اچھے نہیں ہوتے۔ دکان میں عمارت ہوتی ہے نہ آب و ہوا کا بندوبست ہوتا ہے۔ ان کی عمارتوں میں صفائی اور ہوا کا گردش نہیں۔ لوگ ننگے پاؤں چلتے ہیں۔ ٹھٹھ بانہٹے ہیں۔ ان کی عورتیں دھرتی یا ننگی بانہٹتی ہیں۔ نصف سر کے اوپر تیلی ہیں اور نصف کر کے گرد بانہٹتی ہیں۔ ہندوستان میں دستکاروں صنعت کار بکثرت ملتے ہیں۔ ہر کام کے لیے پیشہ وارانہ درجہ وجود ہے۔ پیشہ باپ سے بیٹے کو ورثہ میں ملتا ہے۔ اگر وہ میں شگرتا ش بکثرت ہیں۔ اگر وہ میں جو عمارت میں بنوا رہا ہو ان میں روزانہ چھ سو اتالی (۶۰۰) کے قریب آدمی کام کرتے ہیں۔ اسی طرح سیکری، بیانہ (دروٹ پر)، گویا (دروٹ پر)، محل (گروہ) میں جو عمارتیں بنوا رہی ہیں ان میں روزانہ ایک ہزار چار سو چھیانوے (۱۴۹۶) تنگ تراش کام کر رہے ہیں۔ اس سے دوسرے پیشوں کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔“

بابر جب پہلی مرتبہ ہندوستان پر حملہ آور ہوا اور راجا کرنا پیر کو شکست پہنچا تو وہ اپنی پراسے ایک مقام پر سینیل کا درخت نظر آیا۔ اس نے اب تک اس کا نام ہی نہ سنا تھا اب اسے اچھی طرح دیکھا اور بہت خوش ہوا۔ وہ تنگ میں لکھتا ہے کہ ”سینیل کے درخت کی لکڑی خوش بونٹنی تھی۔ اس پٹاؤ پر وہ درخت دیکھا گیا۔ اس پہاڑ کے واسطے میں سینیل کے درخت کم ہوتے ہیں کہیں کہیں ایک دو کا ایک آدھ درخت ہوتا ہے لیکن ہندوستان کے پہاڑوں کے واسطے میں سینیل کا درخت کثیر تعداد میں ہوتا ہے اور بڑا تناور بھی۔“

(بابر نامہ ص ۱۴۶، بیسنی ایڈیشن)

گویا راجہ اس کا ایک مرتبہ پہنچا تھا۔ معلوم ہوا کہ وہاں سے چھ کوس کے فاصلے پر جنوب مشرق کی جانب ایک خوبصورت آبشار ہے۔ وہ اسے دیکھنے کے لیے روانہ ہوا۔ جنگل میں آجوس کے درخت نظر آئے۔ وہ انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اپنے ہمراہوں کو جنہوں نے ابھی تک یہ درخت نہیں دیکھا تھا بتایا کہ یہ آجوس کا درخت ہے۔ چنانچہ بابر نامہ میں لکھتا ہے:-

”درد منھو آجوس راکہ اہلی ہندو گوندہ مردے کے خدیہ ہونہ فردہ شد۔“ (ص ۲۲۶)

بابر کا قیام ہندوستان میں چھ برس تک رہا۔ اس عرصے میں اسے اطمینان کا سانس لینا نصیب نہ ہوا۔ زیادہ وقت خرمات اور اسی واماں کے قیام میں بسر ہوا تاہم اس نے یہاں کی زبان سے اچھی خاصی واقفیت حاصل کر لی۔ تنگ میں وہ یہاں کے جنوب

لا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے۔

”ہم حکم الہی و اوس فرامیہ آب سران ملک بہت میری۔ نام اصل اسلئے ہندوستان  
اور نہیں حرکت مالک ہے ماسک می خواندہ خانہ خبر ما خبری گویند۔ آندہ ما آندہ گفتہ اند۔ رخت

(ص ۱۴۱)

رخت بہت شد۔

وہ کام لا ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے:-

”میکے انہ امت۔ اکثر مردم ہندوستان“ ب۔ مالے حرکت خفہ کند۔

وہاں میں آم کو اب بھی انہ ہی کہتے ہیں۔ انہ بے صغریٰ میں متعال ہوتا تھا۔ بعض اسے نفزک کہتے ہیں۔ بابر کے ہندوستان

”چوں بد خفہ می شود بعض نفزک گفتہ اند“ پنا فیہ بر سر وقت۔

نفزک یا نفزکی ہستیں

نفز ترب میری ہندوستان۔

آم کا نام سلطان شمس الدین اقبال نے نفزک رکھا تھا۔ اس کی تائید سلطان الاولیاء حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے ہندوستان

سے ہوتی ہے۔

”سلطان شمس الدین فرمود کہ او وقتے در برداروں آمد نفزک چند پیش او آوردند پس جافزک

نیک شیریں باشد۔ چوں بخورد گفت ایں را چ گویند؟ گفتہ ایں را آم گویند اگر بزرگان تکلم

پہرے قیاس را گویند۔ سلطان فرمود ایں ما نفزک باہ گفت۔ چوں ایں نام بختہ مبارک اوخت

ہمیں نام شد۔

(فوائد اضرار (ص ۲۲۵)

ابری کہتا ہے کہ اہل ہندوستان کا خفہ ”س“ کہتے ہیں۔ بعض اوقات ان کو گواہیت ہے۔ مثلاً کاسے ہری کو ہندوستانی مل ہو

کہتے ہیں جو دراصل کالہرن ہے۔

مذہب و اعتقادات سے باہر ماسک اہمیت خود بخود واضح ہو جاتی ہے۔

جہاںگیر نامہ

جہاںگیر نامہ میں ترک جہانگیری بھی ایک مہم دستاویز ہے جسے شاہی آپتیں میں بڑا اور پختہ حاصل ہے۔ یہ اپنی جگہ ایک ایسی

کتاب ہے جس سے ہم جہانگیر کے مذاق کا نہایت صحیح اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اس نے واقعات کا تسلسل قائم رکھنے کے بہتے خفہ اور خفا

کا ذکر کیا ہے جو اس کی حیثیت پر اثر انداز ہوئے۔ وہ جس واقعہ کے بارے میں تحریر فرماتا ہے اسے بلا کدہ کا ست بیان کرتا ہے۔ وہ ناپنی

جہانگیر پر وہ ذات ہے نہ اپنی خویوں کو اجاگر کرتے وقت جہاں مسمیٰ کرتا ہے۔ وہ شراب پیئے کہ اس کا ذکر کرتا ہے اور مہم

کے کچھ پر اثر انداز کرتا ہے کہ اس کا اصل بھی کہتا ہے۔

جہاں گہر و حقیقت ایک فن کا ارتقا۔ اگر وہ شاعری اور معنوی میں پڑتا تو آج اس کا مقام اتنا بلند ہوتا کہ اس کے فن پر کتا جی کھس جاتیں۔ وہ حیوانات اور نباتات سے ایک خاص ٹکڑا دکھاتا ہے۔ وہ ان کا گہرا مطالعہ کرتا ہے۔ ان کے عصب اور غریبوں سے متاثر ہوتا ہے اور بعض حیرانوں کی خاص خاص خوبیوں کو تذکرہ بیان کرتا ہے۔ جو نتائج اس نے اندھ کئے ہیں آج بھی علم حیوانات و نباتات کی اتنی ترقی کے باوجود اس میں کوئی خاص اضافہ نہیں ہوا۔ اگر وہ نچرل سائنس کا پروفیسر ہوتا تو وہ بہت سے نئے نظریات آسمانی فصول کے لئے چھڑ جاتا مگر عظمت کے جھیلوں اور سیاست کے کبیروں نے اسے کہیں کا نہ دکھا۔ تاہم شعروادب کا تذکرہ ہر یا غلطی و معنوی کا اہلکار اور جھگڑوں کے حسین و جمیل مناظر ہوں یا پختے ہوئے پانی کی مست خروائی اور آبشاروں کی نرم ریزی ان سب کا ذکر وہ ایک دالہ انداز سے کرتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنا روزنامہ چھٹنے وقت ان سے محفوظ ہوتا ہے۔

معنوی کے متعلق تو اس کا دعویٰ تھا کہ :-

”مرا ذوقی تصویر و مہارت تیز اور بھلے دیکھ کہ از اسادایں گزشتہ و حال ہر کس بنظر درمی آید  
بے آہنگ نامش ذکر شود بدیدہ و درایم کہ کارخان مست“

اس سے بڑھ کر اسے بھی دعویٰ ہے کہ اگر ایک تصویر میں میں چند چہرے ہوں اور ہر چہرہ الگ الگ استادوں نے بنایا ہو تو میں بنا سکتا ہوں کہ یہ چہرہ کس نے بنایا ہے اور اگر ایک صورت کو کئی استادوں نے مل کر بنایا ہو تو میں بتا سکتا ہوں کہ انکے کس نے بنائی ہے اور کس نے تیار کیے ہیں اور چہرہ کس کے موافق کا تیار ہے۔ اس کی تائید ایک واقعہ سے ہوتی ہے جس کا ذکر جہاں گہر نے توڑک میں تو نہیں کیا مگر بعض تذکرہ نگاروں نے اسے بیان کیا ہے۔ ان میں سرخوش اور دائرہ افغانی کے ان اس واقعہ کی جزئیات میں کہ ایسا نیا خلق نہیں بنا۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک معنوی ایک تصویر لے کر جہاں گہر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تصویر یوں تھی کہ ایک عورت نہا رہی ہے اور اس کی بانیاں اس کا سنگار کر رہی ہیں۔ جہاں گہر نے تصویر دیکھنے ہی حکم دیا کہ اسے تین ہزار روپے دے دیے جاتیں۔ معنوی نے کہا کہ مجھے اس سے زیادہ اس تصویر کی قیمت ملتی رہی ہے مگر میں نے اسے فروخت ملیں کیا۔ میں جہاں پناہ سے اتنا دریافت کرتا چاہتا ہوں کہ حضور کس بات کی قدر افزائی فرما رہے ہیں؟ جہاں گہر نے کہا کہ نہانے کے بعد کو مذہبی بیگم کو جہانوں کر رہی ہے اس سے خفیہ کی گہری پیدا ہوئی ہے اس کا اثر تم نے تصویر کے چہرے پر دکھایا ہے یہ اس کی قیمت ہے۔ معنوی نے بڑھ کر قدم چوم لیے اور ہمیشہ کے لیے اس کا ہر ا۔

جہاں گہر کو معنوی سے اتنا لگاؤ تھا کہ وہ سفر و حضر میں اپنے ساتھ معنوی رکھا کرتا تھا۔ اسے اگر کئی منظر پسند آتا تو اسے اپنے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کرتا یا کوئی جانور و مردوں سے قد سے مختلف ہوتا تو فوراً معنوی کو حکم دیتا اور وہ اس کی تصویر بنا کر اس کے حضور میں پیش کر دیتا۔ تزک میں اس قسم کے واقعات بکثرت ملتے ہیں۔ وہ جب کبھی گھبراہٹ میں آتا تو اس کے منظر کے منظر درخون خود چہروں سبز و نارنگی اور لالہ لہندوں کی تصویریں تیار کرتا تھا۔ جہاں گہر کے اس ذوق کی بدولت کتابی معنوی مایہ و جود میں آتی۔ گو اس کا ابتدا اگر کرنے کی تھی مگر جہاں گہر کی سرپرستی میں اگر اس نے مزاح کمال حاصل کیا۔ اس نے اپنے ذوق کی تنیس کے لیے جسے ہٹا اساتذہ کے شاہکار جی کے کے رنگ جہاں گہر کی تیار کیا جو آج بھی مشرق و مغرب کے معنویوں سے خواہ مخواہ مقبول حاصل کر رہا ہے۔

تصویر اس کے جلالِ ذات کا ایک منظر ہے۔ اس نے تصویر سے گزر کر ایک تدمدار آگے بڑھا یا اور اپنی حرکت میں جا رہا خوبصورت اور مسرور کی باغات گماھے۔ کثیر کاٹا اور باغ اسی کی ڈھیر کا نتیجہ ہے۔ اس کی تختہ بندی قابلِ داد ہے۔ اس کا ایک ایک منظر اپنے اندر شانِ افسانہ رکھتا ہے۔ آبشار میں پانی کے جھرنے، آواز سے جوں یا جتنی ہوتی نہیں ان میں سے ہر ایک کا کثیر زامی دل ہی کثیر کر جا رہا صحت؟ اس کی بارہ درمی جے۔ نشیمن شاہِ بیگم۔ کتے ہی اپنے اندر عجیب و غریب کے سامان رکھتی ہے۔ اس کے گمراہ و غمراہ فارے اس کے عشق کو دوبلا کھتے ہیں۔

یہ تو جہانگیر کا وہ کارنامہ ہے جس کے ذریعے اس نے وطن کو کھسکا رہا ہے۔ اس کے علاوہ وہ شرواہب کے عشق سے بھی بچاؤ نہ تھا اس نے ایک بیاض رتب کی قی جس میں وہ استادہ کے اچھے شعر جو اس کے دل پر اثر انداز ہوتے نقل کر لیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک ہندی شاعر نے ایک اچھوتے مغلوں کی نظم اس کے حضور پیش کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ اگر آفتاب کے کوئی بیٹا ہوتا تو کبھی رات نہ ہوتی کیونکہ کبھی آفتاب چھپ جاتا تو اس کا بیٹا اس کی بجائے عالمِ افروزی کرتا۔ خداوند تعالیٰ کا شکر ہے کہ آپ کے والد کو اس نے ایسا بیٹا دیا کہ لوگوں نے اس کے انتقال کو محسوس نہ کیا۔ آفتاب کو اس پر رشک ہے کہ آپ کے نصیب کی روشنی اور عدالت کے نور کی وجہ سے سلطنت میں کہیں رات نہیں ہوتی۔ جہانگیر کو یہ مغلوں آفرینی بہت پسند آئی چنانچہ اس نے اس پر تبرہ کھتے چھتے کہا کہ ”ایں تازگی مغلوں از شعرا ہے ہند کم گوش رسید۔“ جہانگیر نے اسے ایک اہم مقام میں دیا اور درباری شعرا کے حکم دیا کہ اس مغلوں کو فارسی میں تبرہ لکھی۔ چنانچہ ایک شاعر نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے۔

مگر پسر داشتے جہاں اندر دوز  
شب نہ چھتے ہمیشہ بد سے دوز  
ذاکھ چوں او نفستہ افرز  
ہے فرد سے کلاہ گوشہ پسر  
فکر کہ بعد آں چناں چہ رے  
جانشیں گشت این چنیں پسرے  
کہ ز شکار گشتن آں شاہ  
کس بہ انم نہ کرد بار سیاہ

قلمحور سنی ماژند رانی ایک صاحبِ دل بزرگ اور شاعر تھے۔ زہد و تقویٰ کے ساتھ ساتھ ذوقِ شکر گوئی بھی رکھتے تھے۔ انہی نے نہایت جلد پایہِ ساق نام بھی کھاسا ہے اور ”بتِ خدا“ کے نام سے ایک بیاض بھی مرتب کی ہے۔ وہ ہندوستان آئے اور گوروں کے احمد آباد میں ڈیرے ڈال دیے۔ گجرات کا گورو زینت خاں کا بڑا متفقہ تھا۔ جہانگیر بھی ان کی ملاقات کے لیے بے تاب تھا۔ اس نے سین خاں کو کہا۔ اس نے قلمحور سنی کو اکبر آباد کی طرف روانہ کیا مگر وہ راستے ہی میں فوت ہو گئے۔ انتقال کے وقت انہوں نے یہ رباعی لکھی اور بادشاہ کے پاس بھجوا دی۔

اسے شاہ نہ تخت و نہ تختیں می ماند  
از بہر تو دو گنج زبیں می ماند  
صندوق خود و کاسہ درویشان را  
خالی کن و پر کن کہ ہیں می ماند

جہانگیر نے یہ رباعی پڑھی اور اس پر رقت طاری ہو گئی۔

جہانگیر کے ذوق شہ و سخن کے بارے میں مرزا ثانی نے شعرا و مجاہدین کو لکھا ہے اور ان کے اس معنوں کا ماخذ مرزا کو جہانگیری ہے۔ اس نے تخت نشینی ہوتے ہی دربار اور حرام کی بھلائی کے لیے ”دوازدہ احکام“ جاری کیے جن میں اس کی زنجیر بدل خاص طور پر بہتر رکھتی ہے۔ ان احکام پر اس نے عمل کر لیا اور وقتاً فوقتاً اصلاح معاشرہ کے لیے مزید احکام بھی جاری کرتا رہا۔ بنگال میں خواجہ براہوئے کدیمی رحمہ اللہ جاتی تھی جہانگیر نے اس انسانیت سوز رسم کو بڑی سختی سے ختم کیا۔

### فتوحات فیروز شاہی

فتوحات فیروز شاہی کا ذکر پہلے ہر جگہ ہے۔ میں اس میں سے چند اقتباسات یہاں درج کرتا ہوں جن پر اس زمانے کے اور بعد کے مؤرخوں نے بہت کم روشنی ڈالی ہے۔ شہ فیروز شاہ نے شریعت کی پیروی کرتے ہوئے سلطنت کے ڈھانچے کو بدلنے کی کوشش کی اپنے اس اقدام کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے:-

”مجھ سے پہلے بیت المال میں نامشروع اور حرام مال جمع کیا جاتا تھا۔ مثلاً نکاح کی منہی، دقوں کے بازار، تصاب، پہل پہنچنے والے تقبول، فخر فروش، مای فروش، خان صاحبان، ریشم فروش، مدھن گر، تہ بازار، قمار بازی، گاہ پرانی وغیرہ وغیرہ پر معمول چلنے لیا جاتا تھا۔ ہم نے الیہ دیوان کو ہدایت کر دی ہے کہ اس قسم کی تمام چیزیں کو ختم کیا جائے اور جو اس کی خلاف ورزی کرے گا اسے سزا دی جائے گی۔ بیت المال میں جو مال آئے وہ شروع مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور کتبہ و نبیہ کے میں مطابق ہونا چاہیے اور وہ یہ ہیں، زمین کا غنیمت، غنیمت، زکوٰۃ، اجزیہ، ہوارثوں کا مال، مال غنیمت، صدقات کا غنم۔ جو مال کام پاک کے حکم کے مطابق نہ ہو اسے بیت المال میں جمع نہ کیا جائے“

معاشرے کی اصلاح کے لیے اقدام کرتے ہوئے اس نے حکم دیا:-

”مسلمانوں کے دامن ایک ایسا رواج چھو گیا تھا جسے اسلام جائز قرار نہیں دیتا۔ متبرک دونوں میں یہاں تک جو عریں ہاں، ناکی، چھوٹے، ٹوٹے گھر ڈسے اور ادھار پر سوار ہو کر کیا جاتا تھا، جو پابندیوں کے باہر تھیں۔ مڑھوں پر حاضری دیتیں۔ شوہر کے بد معاش اور اوروں کے

اپنی فضائل و عبادت کی خاطر اس عورت کو چڑ کر خندہ غبار کیا کرتے۔ یہ خود عورتوں کا گھون  
 سے ابھرنا شروع ہے۔ ہم نے حکم دیا کہ کوئی عورت مزا دات کی زیارت کو نہ جاسکے  
 اگر کوئی ایسا کہے تو اسے مزا دی جلے۔ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اب مستورات گھروں  
 سے اب نہیں آتی، نرودہ زیارت کو جاتی ہیں۔ اب یہ بدعت دودھ ہوئی ہے۔  
 پہلے یہ دستور تھا کہ امیر لوگ سونے اور چاندی کے برتن دسترخوان پر استعمال کرتے تھے  
 کمزوروں کے چھینے اور ترکش سونے سے رقیق کر لیا کرتے تھے۔ میں نے اس کے بدلے میں  
 حکم امتحان جاری کیا اور اس کی بجائے ہتھیاروں کو ٹھکاری جانوروں کی ہڈیوں سے رقیق کیا،  
 اور وہ برتن استعمال کرنے شروع کیے جو شریعت کی نڈ سے ہائز ہیں۔

کپڑے رنگ ایسے پہنتے تھے جن پر تصویریں بنی ہوئی ہوتی تھیں۔ شاہی خلعت بھی اسی  
 قسم کے کپڑوں سے تیار ہوتے تھے اور لوگوں کو پہنانے جانتے تھے۔ اسی طرح ٹھام، انچہ، سراہا  
 کے دوسرے سامان، پیالے، مراہی، لوٹا، نیچے، پردے، تخت اور کرسی کے تمام ساز و سامان  
 تصویریں سے مزین ہوتے تھے۔ خدا کے احکام کی پیروی کرتے ہوئے اور لوگوں کی ہدایت  
 کی خاطر میں نے حکم جاری کیا کہ ان تصویروں کو مٹا دیا جائے اور فقط وہی چیزیں استعمال کی جائیں  
 جو شرعاً جائز ہیں۔ جو بیویاں اور ملکوں کی دیواروں پر یہ تصویریں نہ بنائی جائیں اور جو بنی ہوئی ہیں  
 وہ مٹا دی جائیں۔ لوگوں کا لباس اکثر دشمنی اور زردوزی پر مبنی تھا۔ مردوں کے لیے ہاتھوڑی  
 میں نے اسے ہمارا دکا۔ زردوزی کے جھنڈے، زربفت کی ٹوپیاں جن کا عرض چارواشل سے  
 زیادہ نہ ہو جائز قرار دی گئیں۔ اس طرح خلاف شریعت لباس بھی ختم ہو گیا۔

فیروز شاہ کی ان اصلاحات کا ہلکا سا خاکہ اگرچہ شمس سراہ ضیف نے تاج شاہی فیروز شاہی میں دیا ہے مگر تفصیلات صرف  
 ”تذکرۃ فیروز شاہی“ سے ہی لی جاسکتی ہیں جس کی وجہ سے اس کی بڑی اہمیت ہے اور زمانہ کا موجد اسے کسی طرح نظر انداز نہیں کر سکتا۔

### طغوفات

آپ بیتی کی ایک صورت سر فیاض کرام کے طغوفات میں بھی مرقعہ مذہب ہندوستان آئے تو وہ اپنے سابقہ اسلام کی مناسبت  
 اخت اور رسومات بھی دانتے۔ وہ جہاں بھی گئے ان کی محبت میں ہندو مسلموں اور اجماعت برابر حاضر ہوتے رہے۔ ان میں سے اکثر کے  
 اخلاق اور کردار سے متاثر ہو کر ہندو مسلم نے اسلام قبول کیا۔ دہلی، ایک وقت ایسا آتا جب ایک عام مجلس مشتہر ہوتی جس میں ہر شخص  
 مذہب و ملت کے اعتقاد کے باوجود شریک ہو سکتا تھا۔ یہاں زندگی کے اکثر مسئلوں پر گفتگو ہوتی۔ کبھی کبھی عدالت اور معاملہ بھی زیر بحث  
 آتا تھا۔ ہر وقت ان موضوعات پر بڑی بے تکلفی سے گفتگو کرتا۔ اس کے بعض مروجہ جو قریب کا درجہ رکھتے اشکات لکھتے جاتے مگر

جا کر انہیں مرتب کرتے اور ہر جب جماعت خانے (مضافہ) میں اپنے مشرکے ضروری بار یا بی حاصل کرنے کو اپنے لئے ہوتے موقوفات اپنے مشرک کو ملاتے۔ اگر وہ کہہ دیتا کہ تم نے میرے منوم کو بیچ بیچ کیا تو ایسے تو اس کے دوسرے مرید اس کی نقول حاصل کر لیتے۔ اس طرح یہ معلقہ خاصہ سے مل کر حوام کھسکتے جاتے۔

یہ موقوفات عام طور پر تانچہ دار مرتب کیے جاتے تھے۔ ہندوستان میں ان کے مرتب کرنے کا زمانہ شیخ نظام الدین اولیاء سے شروع ہوتا ہے، جنہوں نے بڑی احتیاط برقی ہے۔ اس سے پہلے میں قدر موقوفات مرتب ہونے ان کی حیثیت مشکوک ہے۔ موقوفات میں جہاں ایک صاحب سجادہ کے روزمرہ مشاغل کا ذکر ملتا ہے وہاں اس وقت کی سیاست، معاشرت اور لوگوں کی اقتصادی حالت کا علم بھی ہر جاتہ ہے۔ اس زمانے کی تعلیم و تربیت کے بارے میں سب سے زیادہ بیش بہا معلومات ہیں فقط ان ہی سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ ان کے پڑھنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بڑے بڑے خانہ، کشر کش اور شہنشاہی اکثر شکلات اور پریشانیوں کے تحت انہی بوریائشیں کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ چنانچہ شمس، لجن، جلال الدین علی، علاؤ الدین علی اور محمد بن قلندر شاہ اکثر ان جہانگیر میں حاضر ہو کر اپنی مذہبی حقیقت پیش کیا کرتے تھے۔

ہندوستان میں ہزار اصلئی گوروں ہیں۔ ان میں سے چند ایک کے حالات اور موقوفات ہم تک پہنچے ہیں۔ ان کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ جس بزرگ نے وہی کے اندر مجھ کر اسلام اور قرآنی تعلیمات کی اشاعت منظم طریقے پر کی وہ فقط حضرت شیخ نظام الدین علی تھے۔ انہیں ہم آج مختلف ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ کوئی انہیں بمسب الہی اور کوئی سلطان الاولیاء کہتا ہے۔ ان کے پیر پریت "بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ" نے ان کو خرد موقوفات عطا کرنے وقت یہ فرمایا تھا کہ میں نہیں "سلطان الہند" بناتا ہوں۔ سلطان کے لیے تمہارا لازمی چیز ہے۔ یہ کوڑا آئی پاک! یہی تمہاری تلوار ہے۔ جب تک اسے تقارے رہ گئے اور اس پر عمل کرتے رہو گے نہیں کامیابی ہی کامیابی نصیب ہوگی۔ انہوں نے اپنے مشرک کی ہدایت کے مطابق زندگی کے آخری لمحے تک قرآن پاک پر عمل کیا۔ آج وہ حقیقتاً سلطان الہندی۔ آپ کے موقوفات بہت سے لوگوں نے جمع کیے ہیں۔ ان میں امیر خسرو بھی ہیں جس کے بارے میں ان کے پیر جہانگیر نصیر الدین شاہ چودہوی نے ایک مجلس میں فرمایا تھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جماعت خانے میں ایک درویش آیا۔ اس نے مسرت اور تلک دستی کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا کہ آج کنذرتیہ تمہاری ہے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ اس دن قندہ میں ایک عقیں تک نہ آیا آپ نے فرمایا اچھا گل سی۔ دوسرے دن بھی ایسا ہی ہوا۔ اس کی پریشانی دیکھ کر آپ نے اپنی کنش اسے عطا کی۔ وہ اسے لے کر کوہ ہوا۔ حضرت امیر خسرو بادشاہ کے ساتھ شہر سے باہر گئے ہوئے تھے۔ واپس پہاس درویش سے ملاقات ہوئی۔ باتوں ہی باتوں میں امیر خسرو نے فرمایا کہ "مرا از تو بوسے ہر بدشمن غیر منی آید، شاید کہ از شیخ من نشانی نزد خود داری۔" درویش نے آپ ہی تھا جسے من کہ امیر خسرو نے فرمایا: اس نشان کو کیا کہو گے؟ مجھے دے، وہ اور مجھ سے پاچ لاکھ چاندی کے ٹکے لے کر درویش راضی ہو گیا۔ حضرت امیر خسرو نے کنش کا جوڑا لیا اور اسے سر پر رکھے اپنے پیر پریت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہیں سارا ماجہ سنایا اور کہا: درویش اتنی حیرت کم پر راضی ہو گیا۔ اگر اس جوڑے کے بدلے وہ مجھ سے جان والی طلب کرتا تو میں دینے نہ کرتا۔ اس زمانے کے استاد شاعر اور مرید کے تعلقات کی ایک گلی سی جھلک ہے جو بھی تاریخ کے صفحات میں نہیں مل سکتی۔



اس فلسفہ پر مشرین خانقاہ شیعہ قیود عالم داخل ہوتا تھا۔ خانقاہ گیارہ اعلیٰ تعلیم و تربیت کا بست ہمارا کرکھا جاتا تھا۔ بعض ادوات مرید اپنے بچے کی تعلیم شروع کرتے وقت اس کی بسم اللہ خوانی اپنے مرشد سے کیا کرتے تھے۔ حضرت خواجہ نظام الدین علیہ نے بھی ایک مرتبہ یہ رسم ادا کی۔ بہشت کا مدعا تھا۔ ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰ کو خواجہ سید دہلی اپنے مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ لانا منشا میں لگتے ہیں۔ میں اس روز اپنے خانے کے ایک چیمبے کے گوشے پر بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت سے اللہ تعالیٰ اسے قرآن شریف پڑھنا نصیب کرے۔ آپ نے دعا کی پھر تین پر دست مبارک سے چھارت لکھی: بسم اللہ الرحمن الرحیم نہایت تیز رفتوراً پڑھا۔ اب ت شیعہ ہوا نہایت مبارک سے یہ حرف تھے کہ پڑھا۔ اس کے بعد فرمایا: حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایسے لوگ بھی ہوں گے جن کو جبرائیل کبھی گوشت میں دیا جائے گا۔ اس حدیث کے حقیقی تین قول مشہور ہیں، ایک یہ ہے کہ وہ لوگ جو نیک ہیں جو جبرائیل کے پاس لائے جاتے ہیں اور جو بہشت کا حرم سے ملنے کو پہنچتے ہیں۔

اپنی ابتداء میں تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ: ہاں میں ایک شخص قرآن شریف ساتویں طرح کی قرات سے پڑھ سکتا تھا۔ وہ نہایت صالح اور صاحب کرامت تھا۔ وہ پہلے ہندو تھا بعد میں مسلمان ہوا۔ اسے شادی تھری لگتے تھے۔ اس کی کرامت یہ تھی کہ جو شخص اس سے قرآن پاک کا ایک ورق پڑھتا اور اللہ تعالیٰ اسے سارا قرآن کریم پڑھنے کی توفیق عطا کر دیتا۔ چنانچہ اس سے ایک پیارہ پڑھا۔ اس کی بکرت سے بچے قرآن شریف خطہ برکیا۔

اس کا آقا لانا ہر میں رہتا تھا جسے خواجہ بکری تھری کہتے تھے۔ وہ بھی بہت ہی ہنگ تھا۔ ایک دفعہ کئی شخص لاہور (دہر) سے آیا۔ شادی نے پوچھا کیا میرا آقا راضی خوشی ہے؟ اس کا آقا فوت ہو چکا تھا لیکن اس شخص نے نہایت سب سے پوچھا کہ اسے وفات کی خبر دے۔ اس نے کہا: ان اداہ سلامت ہے۔ پھر وہ جس کے صحت میں آنے شروع کیے۔ برسات برسے زور کی آنی جس سے کئی گھر بار ہو گئے۔ ایک مرتبہ آگ بھی لگی اس سے کئی گھر جل کر راکھ ہو گئے۔ جب وہ شخص اتنی باتیں بیان کر چکا تو شادی نے کہا: شاید میرا آقا زندہ ہو اس شخص نے کہا: ان اداہ نے کہا: اگر میرا آقا زندہ ہوتا تو شریف حادثات سے دوچار نہ ہوتا۔

شیخ نظام الدین علیہ اویا سے پہلے ایک مرید شیخ عثمان خیر آبادی کا ذکر کیا۔ وہ مسلم تھا اور قرآن پاک کا مفسر بھی تھا۔ آپ نے فرمایا وہ بہت بزرگ آدمی تھا۔ اس نے ایک فقیر بھی تیار کی۔ وہ شعلہ اور چند وغیرہ کی بڑی پکا پکا اور اسے فروخت کیا کرتا۔ اگر کئی شخص اسے کھانا پیہ دے جاتا تو وہ دیر و دانستہ اسے دے دیتا۔ لوگ سمجھتے تھے کہ اسے کھانے کھانے کی تیر نہیں۔ بہت سے آدمی کھانے پیہ دے کر کھانے سے ہلانے جاتے۔ جب وہ فوت ہونے لگا تو آسمان کی طرف نہ کر کے اس نے کہا: اے پروردگار عالم! تاج بھی میں جانتا ہے کہ لوگ مجھے کھانے پیہ دے جایا کرتے تھے، میں انہیں قبول کرتا اور کبھی نہیں دھانکتا تھا۔ اگر مجھ سے کوئی کھانے کا مستحق ہے تو اپنے فضل و کرم سے دے دے کہ نہ

حضرت فقیر الدین شاہ چولہا دہلی شیخ نظام الدین علیہ اویا کے مرید تھے۔ ایک دفعہ ان کی مجلس میں سلطان شاہ ظہیر الدین غلی کا بیٹا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے ایک احمدی کا خیال میرے دل سے نکلا ہے کہ لوگ باری نے عطا دیے غلی کو دیکھا کہ ایک پرہیزگار و پیرانہ شخص تھا جس کا نام میرا تھا۔ میں اس کے سامنے گیا تھا۔ میں اپنی ہڈیوں کو

ہے لہذا کہ کئی عرصے میں بادشاہ کو عجیب حالت میں دیکھا ہے۔ تم بھی آؤ، میں تمہیں بھی دکھانا ہوں۔ وہ میرے ساتھ اذرا گیا۔ ہم نے بادشاہ کو اس حالت میں دیکھا۔ ہم اس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اسے ہاتھوں میں لٹکایا گیا۔ ہاتھوں ہی ہاتھوں میں ہی نے عرض کیا۔ امیر المؤمنین! حکم ہو تو کچھ عرض کروں۔ بادشاہ نے اجازت دی۔ قاضی عید الدین نے عرض کیا کہ میں اندر آیا تو دیکھا کہ حضور رہنمائی پریشان حال تھے۔ مگر منہ میں۔ آپ کو کس بات کی فکر ہے؟ "بادشاہ نے کہا۔ سنو! مجھے چند روز سے یہ فکر دامن گیر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی مخلوق کا مالک بنایا ہے۔ کرنی ایسا کام کرنا چاہیے جس سے تمام مخلوق کو فلاح پہنچے۔ یہی سوجھ بوجھ رکھتا تھا کہ کیا کروں؟ اگر اپنا خزانہ تقسیم کر دو تو جی مخلوق کو کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اب ایک بات یہ سمجھیں آئی ہے کہ خدا کی امداد کی تدبیر کروں۔ اس سے اللہ کی مخلوق کو ضرورت مند پہنچے گا۔ اس کی صحت یہ ہے کہ بنجاروں کے ناگلوں کو حکم دوں کہ وہ حاضر ہوں۔ وہ جو غلہ اطراف ملک سے ہزاروں بیلوں پر لاتے ہیں ان کی قیمت اپنے خزانے سے ادا کر دوں اور ان کو ان کے ذاتی اور خانگی خرچہ کے لیے میسرہ رو بے دوں تاکہ وہ بے فکر رہیں اور اطراف ملک سے غلہ آکر میرے مقرر کردہ زونوں پر فروخت کریں۔ قاضی عید الدین نے یہ واقعہ بیان کر کے کہا۔ فقہ فقہ پر کہ بادشاہ نے ایسا ہی کیا۔ شاہ فرمایا جاری ہوئے۔ خلعت 'فرخ' اور قیمت شاہی خزانے سے ادا کی گئی اور غلہ بکھرتے منڈیوں میں آئے لٹکا۔ چند روز بعد گیسو سات جیل میں من بکنا شروع ہوا۔ مٹی، شکر اور دوسری اجناس بھی ارزاں بن گئیں اور تمام لوگ آسودہ حال ہو گئے۔ یہ فقہ بیان کرنے کے بعد حضرت نصیر الدین شاہ جہان دہلوی نے فرمایا کہ سلطان علاؤ الدین بھی عجیب خدا ترس اور غریب پرور بادشاہ تھا۔ ماضی میں مجلس میں سے ایک شخص نے کہا کہ لوگ اس کی قبر کی زیارت کو جاتے ہیں۔ خاتمہ پڑھتے ہیں اور اپنی مراد کی توفیق اس کے مزار پر باندھ آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی حاجتیں پوری کرنا ہے۔"

حضرت نصیر الدین شاہ جہان دہلوی کے مہنگات کو مرتب کرنے والے نے اپنا ایک ذائقہ بھی لکھا ہے۔ ایک روز جبہ کی نماز پڑھنے کے بعد میں سلطان علاؤ الدین کے مزار پر فاتحہ پڑھنے کے لیے گیا۔ مجھے کوئی حاجت نہ تھی لیکن پھر میں نے دستار سے ایک دھانکا نکال کر مزار سے باندھ دیا۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے تیری کیا حاجت ہے؟ میں نے کہا کہ کوئی حاجت نہیں۔

(خیر العیاس مجلس مفاد و مہتمم)

ان چند اقتباسات سے جس میں نے ایک ہی دور کے مرنے والے کے مہنگات سے لے لیے ہیں اس دور کے معاشرے کا کچھ اندازہ ہو سکے گا۔ یہ فقہ ایک ٹونہ ہے ورنہ یہ وہ بھر بے پایاں ہے جس کی تادی کے لیے عربی درکار ہیں۔

## مکتوبات

مکتوبات کہ کچھ دہندہ کے فارسی ادب میں ایک ممتاز مقام حاصل ہے۔ زبان سیکھنے انشا پر مبنی پر قدرت حاصل کرنا اور علم وادب سے مزاد پیدا کرنے کے لیے اسے قلم و دس میں مکتوبات پڑھتے جانتے تھے۔ ان مکتوبات کے مصنف جب اپنے ذاتی امر کی طرف مائل تھے تو مکتوبات آپ جتنے کے حدود میں داخل ہو جتے۔ ان کے علاوہ سے تاریخ کے بہت سے المذاور دور ہوتے تھے۔

تجدیدیں کا دور مکتوبات میں ادب کی بنیاد کا نشانہ ہے۔ اس دور میں مختلف موضوعات پر مکتوبات لکھے گئے۔ ان کے ذریعے سے

اکثر مضرعہ بدعت اور دیگر ایسی کثرت جماد کرنا اور حرام کو اس سبب سے روکنے کے لیے صفت آرہا تھا۔ اس کے علاوہ ان تمام طاقتوں کا  
کے استیصال کے لیے جماعہ کلم کے خلاف یروش کر رہی تھیں، ارا کی جتنی بندی کرنا اور عالموں کو رحمت مل دینا تھا کہ وہ کیا جہاد کر رہے ہو گئے۔  
اور اس پر عمل کر رہے۔ بعض کثرتات تھوڑے جے مدخل تھے اور جہاد کے لیے ایک قدم رکھنا چاہتے تھے انہوں نے فقط فتویٰ، طاعت، عیادت  
تصرف کو مضرعہ میں قرار دیا اور اسی کی تائید کی۔ علماء اور صلحاء خود ایک تھے مگر اپنی اپنی سے دوسروں کو تائید نہیں کر سکتے تھے ان کو کچھ جھجکا  
اس کا فریضہ یاد دلانا صاحبان کا تہنیت اپنا فرض سمجھا چنانچہ خواجہ باقی باللہ، امام تہائی مجدد السنہ تہائی، شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز فریم کے  
محکومات کا حامی انداز میں ہے۔ مالگیر، ابا الفضل فیضی، حکیم ابوالفتح علیانی اور دوسرے بڑے بڑے ائمہ پرہیزوں کے کثرتات میں سیاست  
معاشرت کا رنگ جھلک کر دکھاتا ہے۔ اگر ان تمام کثرتات کو ملنے لگے کہ کلک کی تائید کرتے ہیں، مدلل جاتے تو اس براظم کی تائید کا  
رنگ ہی بدل جاتے اور غیر مسلموں کی پیدا کی برقی خطبیاں دودھ بر جاتیں۔

### اُردو کا دامن

فارسی اور اردو میں بڑا گہرا تعلق ہے بلکہ انگریزوں کا جانتے کہ فارسی اور اردو ایک قصہ کے دو رخ ہیں تو یہ جہان ہر گاہ اس سے اردو کا  
دامن آپ تیروں سے خالی نہیں رہ سکتا تھا۔ اس میں کچھ آپ بیتیاں ہیں، کچھ سرفارے، کچھ غلوکات و کثرتات ہیں، کچھ ڈائریاں اور روزنامے ہیں کا  
رنگ بڑا شرف اور دلکش ہے اور بعض نہایت مٹیں اور رنگ ہیں۔

اردو میں یونپ کے اثر کی وجہ سے بہت سی مشہور آپ بیتیاں ترجمہ ہو گئی ہیں۔ سب کی سب انگریزی کے راستے ہم یکسر پہنچی ہیں کیونکہ  
انگریزوں کی زبان ہمارے مناسبت سے ایک ذیلی مضمون کی حیثیت سے بڑا حال حال رہا ہے اور اب تک ہے۔ اس طرح آپ تیروں کے سلسلے میں  
اردو دیگر شرقی زبانوں سے زیادہ مالا ہے۔

ہمارے یہاں آپ تیروں کا رواج ۱۸۵۰ء کی جنگ آزادی کے بعد شروع ہوا۔ جس قدر ملک ترقی کر گیا اسی قدر زیادہ آپ تیروں  
کسی حلقہ میں۔ چنانچہ سب سے پہلی آپ تیروں جو اردو زبان میں لکھی گئی وہ مولانا محمد جعفر کا "کاہان" ہے۔ اس میں مولانا محمد جعفر قاضی نے  
اپنی زندگی کے اس دور کا پرانا پرانہ نقشہ کھینچا ہے جو انہیں جو وطن میں بسر کرنا پڑا۔ مولانا محمد جعفر قاضی نے بہت بڑے کام کیے۔ انہوں نے  
وطن اور آزادی کی محبت میں بڑی سے بڑی مصیبت کا خدہ پیشانی سے غیر متقدم کیا۔ جیسا کہ تہذیب ہے کہ ملکہ کے جس گروہ کی بدولت وقتاً فوقتاً  
ہندوستان میں آزادی کی لہر پیدا ہوتی رہی جس کا آخری مظاہرہ ۱۸۵۰ء میں ہوا اسی جہاد جب انگریزوں کے استبداد سے جو رو دیا نے شہر  
سزا پر لکھنا پانی دانتھان پہنچے تو انہوں نے اس قید و بند کو بڑا معمولی واقعہ تصور کیا۔ وہاں ایک مرتبہ ہر طرح کی شیعہ دشمنی کے گروہ  
علم کے پھانسیوں پر لٹے۔ گلابی لکھی گئیں۔ بٹ جاتے ہوئے جس شخص پر سخت دھڑکی گرائی رہی اس نے کوٹنے سے بڑے امداد پانچا زندگی  
کے کچھ واقعات کو دیکھ کر بدیں ہی کے لڑائیوں نے نقل کر کے چھاپا ہے۔ مگر فیض حق غیر آزادی نے ۱۸۵۰ء کی جنگ آزادی اور اس کے  
پس منظر کو اسی طرح مرتب کیا۔ اس کے استقبال کی یہ حالت تھی کہ جس انگریز کے سلسلے میں کاتھرمیشی ہوا وہ خدا کا شاگرد تھا۔ وہ انہیں را  
کرنا چاہتا تھا۔ گراہوں نے بھی جبرشہ کی مدد کی اور مولانا کو بچانے سے انکار کر دیا تھا آپ ہی فرماتے رہے کہ میں نے خور سے ہر چند کچھ

اور میرے ہی ہیں اس لیے اس نے مجھ پر کہ آپ کو تحریک کی سزا دی اور تائید کرتی ہے کہ ہمارے دور آخر کا یہ عروج و سقوطات میں اپنی تحریک آپ تھا اور یہاں تک کہ اس کا کام کیا کرتا تھا۔ جب اس کا پیشاں کی زبان کا فرمایا ہے کہ انگریزوں پہنچا تو اس کا جائزہ قبرستان کی طرف دینے کرنے کے لیے مجھ پر کیا جاتا اور جب وہ مکان پر پہنچے تو دروازوں پر وہ کتاب لکھی کہ پانی گئی ہے جسے بدھ میں ٹورنٹا المذیہ کے نام سے شائع کیا گیا ہے اور اس کا ترجمہ ترجمہ ہر چلے ہے۔

دوسری قابل ذکر آپ جی جس کا تعلق اسی جنگ سے ہے تحریک دہلی کی "داستانِ ہند" ہے۔ انہوں نے اپنی زندگی کے واقعات کے ساتھ ساتھ اس جنگ کے کی داستان بھی بڑی تفصیل سے لکھی ہے۔ اس کے مطالعہ سے لالہ لکھنے کی زوال پذیر تہذیب اور معاشرت کے پسند و پسند سے نشانات ملتے ہیں۔ تحریک نے ہر چیز اقتصاد کے ساتھ بیان کی ہے۔ انہوں نے ہر قدم پر احتیاط کا سارا لیا ہے۔ وہ ایسا کہیں نہ کہتو حالات ہی ایسے تھے۔ بات بات پر زبان کھینچتی تھی۔ غالب نے اس دور کے تمام لکھنے والوں کی مسدودت پیش کرتے ہوئے ایک خزل میں یوں لکھا ہے۔

اں را زکر در سینه نمان ست زو عداست

بردار تو اں گفت بہ منبر نتواں گفت

اسی ایام میں خان بادل خورشید علی حسین نے "ایامِ ہند" لکھی۔ اس میں کوئی بہت اور مذمت نہیں۔ سیدھے سادے واقعات ہیں اور وہ بھی ایک خاصہ قلمی اور سادہ پر لکھ کر دیے گئے ہیں۔ ابتدا واقعات انگریز اس سے بہتر تصنیف ہے جس میں زوال پذیر معاشرے کی جھلکیاں ملتی ہیں۔

سیاسی آپ جی میں مولانا حسرت موہانی کی "تیر زنگ" کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ انہوں نے بڑی ذہان کے ساتھ جیل کی زندگی اور اس کی مصیبتوں کا حال لکھا ہے۔ یہی یاد رکھنا چاہیے کہ یہ اس زمانے کی تصنیف ہے جس زمانے میں آزادی کا نام بیابان ہے دل گردے کا کام تھا۔ جیل فلسفے کیا تھے؟ ورنہ کے طبقات تھے جہاں خاص طور پر سیاسی قیدیوں کو سخت محرومت دی جاتی تھی۔ مولانا نے جیل کے ایام پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مجھے جیل کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ اس نے میری زندگی میں سادگی، اعتدال، ضبط و انضام، ریاضت، ہنر، استقامت اور سب سے بڑھ کر توکل و قناعت کے ہر ہر حلقے۔ میرے شرمی اخراں کی بدولت پیدا ہوا۔ اس نے میری زندگی کی گایا لٹ دی اور دل سے ماسوائے کا خوف بدر کر دیا۔

چودھری افضل حق نے بھی "میرا افغان" اور "دو دن" لکھ کر اردو ادب میں دو نہایت اہم آپ جیوں کا اضافہ کیا ہے۔ دو دن ان کے ایام قید ہند کی دستاویز ہے۔ اس میں ایک چیز قابل ذکر ہے کہ حسرت موہانی والی جیل اور چودھری افضل حق والی جیل میں بڑا فرق نظر آتا ہے۔ وقت اور سیاست کے آثار پر حاذق کے ساتھ ساتھ جیل کے حالات بھی تبدیل ہوتے گئے۔ پھر بھی انہوں نے دوسرے قیدیوں کے ساتھ مل کر سیاسی قیدیوں کے لیے کچھ حقوق حاصل کرنے کے لیے بڑی جدوجہد کی۔

"میرا افغان" ایک قابل قدر تصنیف ہے جس میں چودھری افضل حق نے اپنی آپ جی بڑی بے تکلفی سے بیان کر دی ہے۔ یہ ہیں جس نے دہلی کے خلاف کی تحریک شروع ہوئی۔ اس تحریک سے قبل اسلام آباد کی فوجی سپاہ اس کی تفصیل کو جانے پہنچے۔ نقد و باتیں قابل ذکر ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ مسلمانوں میں بیداری کے آثار پیدا ہوئے اور انہوں نے سیاسیات کے تجربہ مند کی تحریکوں کی

دوسرے اس حرکت کی بدولت کم از کم اتنا خود لہا کہ حرام کے دھندلے انگریزوں کی وجہ انگریزوں اور انگریزوں کے درمیان  
 شہری کے رواجی حقوق کے دھندلے کی طرح ہے اعتبار ہوتا ہے۔ اس وجہ سے ان کے دل انگریز کی عزت سے بڑھ چکے۔  
 خواجہ حسن نکالی آزاد کے صاحبزادے کا بیٹا ہے۔ ان کی سزا ہے ہرن پر ہے۔ انہوں نے آپ جی بھی کھانسی لگائی  
 بھی مرتب کیا اور سفر و سیاحت کے معاملات بھی سمجھتے رہے۔ اگر ان تینوں کو کہا کر کے قریب چلتے سے رتب کیا جائے تو نہ صرف خواجہ  
 حسن نکالی کی آپ جی بلکہ اس دور کی سیاسی اسٹارٹی، ادلی اور راجہ کی سرگرمی کی منسلک تانہ تیار ہو گئے۔ کاش کہ ان کے دریا  
 میں سے کوئی اس کام کو اپنے ذمے لے۔ خواجہ حسن نکالی کا پہلا عمل اقدام خواجہ اسے سیاسی کھیلے یا ختمی کا پتہ رکھی اس کے نتیجے  
 سے شروع ہوتا ہے۔ یہ قطب مسلمانوں کی سیاسی پیداری کا پہلا دن تھا۔ انگریز کی مذہبی رواداری کا پہلا چمک ہوا اور ان کی پیدائشی  
 نمایاں ہرن۔ ہر شخص اس سے متاثر ہوا۔ مولانا شبلی نے ایک درد انگیز نظم لکھی ہے جن سرکار ضبط کر لیا گیا۔ ہندو شہر ہے۔

مساجد کی خلعت کو توپ توپوں کی حاجت ہے  
 خدا کو آپ نے شکر فرمایا حیات ہے  
 پناہ جا رہی ہیں مالیا دیں کو زنجیریں  
 یہ سنت سید سجاد مال کی امانت ہے  
 جب کیا ہے جو فریادوں نے سیکھ پٹے ہائیں دیں  
 یہ بچے ہیں انہیں تو جلد سر جہانے کی حاجت ہے

خواجہ حسن نکالی نے میرٹھ میں اس موقع پر بڑی دھماکا دھندلے کی جہ کا ختم کیا۔ "کوٹہ اکبر" تھا۔ اس تقریر کو ہندوستانی  
 کی کئی زبانوں میں ترجمہ کر کے شائع کیا گیا، یہاں تک کہ اس کا ترکی ترجمہ خانہ اور پاشا کی خدمت میں بھی پیش کیا گیا۔ اس کے دوستوں  
 کو لگتا تھا کہ خواجہ حسن نکالی میرٹھ میں گرفتار کر لیے جائیں گے مگر ایسا نہ ہوا البتہ تقریر ضبط کر لی گئی۔ خواجہ حسن نکالی نے اپنے سفر  
 کا شہادت اور پیش میں بہت سی دلچسپ تقریریں میں حصہ لیا۔ انہیں سے ایک کا ذکر خالی اردو پسند ہوا۔ یہی میں انہیں منع فرماتا  
 بڑے با اثر لیڈر اور پرنسپل کے بیڑ تھے۔ ایک خاص سبب سے میں فیصلہ کر کے کی ضرورت پیش آئی۔ کافی خورد و خوراک کے بعد  
 انہوں نے گھر جان لکھنے والی کو دیا۔ جو کیا اور اس کا گانا کر لیا۔ گھر میں خوراک کے علاوہ پانچ سو روپیہ بھی پیش کی جتنے  
 وہ وہ دیا رہی اس کے گانے پر مقرر رقم بھی ہرن۔ آخری تقریر پر اسے ایک سہری تھا اور انہیں کی نگاہ میں کی گئی۔ اس نے  
 غصے کا شکر ادا کرتے ہوئے بیس کی رقم کے علاوہ اتنی ہی رقم اپنی جانب سے چندہ کے طور پر پیش کی۔ گھر جان بڑی  
 صاحبہ کاں منتظر تھی۔ اس کی ذات میں بہت سی خوبیاں جمع تھیں۔ وہ کئی زبانوں پر قدرت رکھتی تھی اور ان میں نہ صرف فارسی  
 عربی بلکہ ہندی، انگریزی اور اردو سمیت تھیں۔ چنانچہ سرسفاٹ کے اعلیٰ درجے میں لکھا ہوا کی فائش کا ذکر کرتے ہوئے اس لکھت کو ان  
 اضافہ میں بیان کیا ہے:-

سور تبار کی منتظر تھی اس کے لیے ایک بہت بڑا پتھر لایا گیا تھا جس پر لکھا ہوا ہرن

آدی بیڑہ کھتے تھے۔ ایک طرف چھوٹا سا چوڑا قبا جس کو خوب سجایا ہوا تھا۔ چہچہتاہ اس کے پیچھے کی جگہ تھی، وہاں سے وہ گانا گاتی تھی۔ اس کی آواز میں جادو تھا۔ وہ ہندوستان کی ہر زبان سے واقف تھی۔ ابھی وہ ہندی گانا گارہی ہے :

مرام کرے کہیں نینا نہ اُلجے  
ای نینہ کی بان جڑی ہے  
اُلجے نیناں تھلھاتے نہ کھلے  
مرام کرے کہیں نینا نہ اُلجے

روگ سوری اور مزے کوٹ رہے ہیں۔ ایک عجیب سماں بندھا ہوا ہے۔ گیت ختم ہوتے ہی اس نے غائب کا کلام شروع کر دیا۔ اس کی تانیں دل میں اُتری جاتی ہیں۔ روگ عیش میں گر رہے ہیں۔ بعض اشارہ پر سر دھری رہے ہیں اور بعض گانے کا مزالے رہے ہیں۔ غرض ساری فصل کی فصل پر اس نے جادو کر دیا ہے۔ کوئی بھڑکتا ہے کوئی آہ کر رہا ہے اور کوئی واہ۔ یہ ابھی ہو رہا ہے کہ گھر جانی گیت شروع کر دیا :

”کامنوں مارناتیں پیڑے تھیں روڑے

چننوں چھپ میں دے“

ساتھ ہی ہیر رانجھے کے عشق و محبت کے بول شروع کر دیے۔ جب یہ ختم ہوا تو شہزادہ راگ چھیڑ دیا، اس کے بعد فارسی کی یہ غزل :

”از پنہ من چاک گریباں گلہ دارد“

اس کے بعد اس نے اپنی وہ نظم ہوا میر حبیب اللہ کی مدح میں لکھی تھی سنائی شروع کی۔ آواز کا جادو ہے کہ لوگ مجرم رہے ہیں، سڑی رہے ہیں۔ یکایک اس نے بنگالی راگ الاپنا شروع کیا۔ ہر طرف سے بنگالی میں چپٹی چپٹی کی صدا تھیں بلند ہوئیں۔ تمام فصل خاموش بیٹھی تھیں رہی ہے اور آواز کا طغی اٹھا رہی ہے۔ اس سے فارغ ہو کر مرہٹی گیت شروع کر دیا، پھر گجراتی۔ اتنے میں انگریزی میں گانا شروع کیا۔ غرض گانا ختم ہوا ہر شخص اپنی جگہ بہوت ہے مگر جانے کو جی نہیں چاہتا، یہی خواہش ہے کہ یہ فصل اور چلے۔“

الہ آبادی میں وہ حضرت اکبر الہ آبادی کی خدمت میں حاضر ہوئی اور جب وہ آپ سے رخصت ہونے لگی تو آپ نے فرمایا یہ تمہاری

رفت سے ہی لیتے تھے۔

خوش نصیب تھی بھلا کون ہے گھر کے سرا سب کچھ اٹھنے دے دیکھتے شہر کے سرا

مستند مطالعہ کی آپ بیتی "اعجاز" میں اس زمانے کی سیاست، ملکی حالات، اردو دہندی فضا اور عملی گڑبگ کی ہر گزیریں کا ذکر اس خاندان کی گئی ہے کہ پڑھنے والا اس حالات میں گمراہ ہوتا ہے۔ بعض حضرات اعمال نامہ کے بارے میں یہ بھی کہتے ہیں کہ کتاب آپ بیتی کے میدان پر پوری نہیں اترتی اور بعضوں نے نواں بین سے کام لیتے ہوئے اس کی خوبیوں کو نظر انداز کر کے فقط خامیوں کی نشاندہی کی ہے مگر جب اسے ایک مرتبہ شروع کر لیا جلتے تو پھر ختم کیے بغیر دل نہیں مانتا۔ میں نے خود اس کتاب کو ایک رات میں ختم کیا تھا اور اس کے گہرے نقش اب تک میرے دل پر نقش ہیں اس لیے میری نگاہ میں یہ ایک بہت کامیاب آپ بیتی ہے جو مسلمات اور فنی خوبیوں سے بھی بالا مال ہے۔

اب جب ایک اور آپ بیتی کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ یہ حکیم احمد شجاع کی "خوابِ ہنس" ہے جو ان کی زندگی کے پچاس سال کا مرقع ہے اس میں اس زمانے کے بہت سے واقعات پر روشنی پڑتی ہے۔ کتاب کا انداز بیان نہایت شگفتہ ہے اور اس کی فنی خوبیاں بے شمار ہیں۔ مجھے اس میں کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی جس کا کھروہ بعض نقادوں نے زبان سے کہتے ہیں۔

تقابلِ فراموشی فانی احمد یاسینی ہے۔ ہر واقعہ ایک تاریخ اور سبق ہے۔ دیوان سنگھ مفتون مدیر ریاست "بہت بڑے اخبار نویس اور نثر و صفا ہیں۔ منشی محبوب عالم مدیر جیسابار اور منشی محمد الہی فرق مدیر اخبار کٹیری" کی طرح مفتون نے بھی فنی صفا میں نام پیدا کیا ہے اور بہت بڑے بڑے پناؤں سے گزرل ہے۔ ان کی زندگی ایک ایسے انسان کی زندگی ہے جس نے نہایت بہت مقام قابلِ رشک ترقی کی۔ "تقابلِ فراموشی" میں محنت کی زندگی کے آثار پھر حاد زمانے کے نشیب و فراز ان کے ذاتی تجربات و مشاہدات ان کی اصول پرستی کی جھلکیاں جا بجا نظر آتی ہیں۔ یہ کتاب اس قابل ہے کہ پاک و ہند کا ہر نوجوان اسے پڑھے اور اپنے اندر وہ خوبیاں پیدا کرے جن سے انسان کا خیالی کامرلاج حاصل کرتا ہے۔

ان کتابوں کے علاوہ چند اور بھی آپ بتیاں ہیں جو معیاری کس جاسکتی ہیں۔ ان میں مولانا حسین احمد علی کی "نقشبِ حیات" رشید احمد صدیقی کی "آئینۂ بیانی میری" عبدالجبار سالک کی "سرگزشت" "ہمایوں مرزا کی" "میری کہانی میری زبان" مولانا عبدالرزاق کاندھلوی کی "تائیدِ ایمان" شاد کی کہانی شاد کی زبان" اور مرزا فرحت اللہ بیگ کی "یاو ایدام عشرت فانی" خاص طور پر مطالعہ کے قابل ہیں۔

میرے دوست منشی محمد الہی فرق مرحوم اپنے زمانے کے ایک قابلِ قضا انسان تھے۔ انہوں نے گزشتہ تینائی میں بیٹھ کر اور بہت کرات مار کر تانا کام کیا ہے کہ انہاں میرا ہی رہا ہے۔ وہ کامیاب صفا، فنور گو شاعر، نکتہ نگار کے تہذیب عالم اور اصلاح معاشرہ کے بہت بڑے داعی تھے۔ انہوں نے کشمیریوں کو پیدا کرنے کے لیے پچاس برس لکھ لیا اور یہ ان کی خوش نصیبی تھی کہ ان کی زندگی ہی کشمیری فتنہ و محنت سے مرثا رہ کر اپنے خیاوی انسانی حقوق طلب کرنے کے لیے میدانِ عمل میں کود پڑے۔ "سرگزشت فرق" اعلیٰ ملک و ملت کے زور سے آراستہ بتیں جوئی۔ وہ سودے کی صورت میں میرے دوست مولوی محمد عبداللہ قریشی کے پاس موجود تھے۔ اس کے سرسری مطالعہ سے چند ایسی باتیں ہمارے سامنے آتی ہیں جو کسی اور سرگزشت میں نہیں ملتیں۔ فنی صاحب بہت بڑے تیار تھے انہوں نے میری صدی کے آغاز میں ہندوستان اور راجہ تان کی سیاستوں کی سیاست کی۔ بنگال ملک پہنچے اور اپنے اثرات مرثا

درج کیے۔ ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ریاستی دنیا برطانوی ہندوستان سے بالکل مختلف تھی۔ راجے ہمارا جیسے ایسی ہستیاں  
ہیں جن کے بارے میں شیخ سعدی نے فرمایا تھا:-

”گاہے بہ سلاطین برتند و گاہے بہ دشمنان ملت ہی بخشد“

وہ رمایا کو پیر پکریوں سے زیادہ حیثیت نہ دیتے تھے بلکہ انہیں اپنا زرخیز غلام سمجھتے تھے۔ پڑھنا پڑھانا ان کے نقطہ نظر سے ایک فضول گوشش  
تھی اور یہ دروہ سرانہوں نے کبھی مول نہیں لیا۔ اخلاقی پستی حد سے گزرنے لگی تھی۔ انسانوں سے بیگاری ل جاتی اور قسم قسم کے ٹھیس وصول کیے  
جاتے تھے۔ پیر سائشوں کا یہ حال تھا کہ بڑے سے بڑا عہدے دار بھی اپنے آپ کو اس سے الگ نہیں رکھ سکتا تھا۔ اس کی عزت اور اس  
کا عہدہ اسی وقت تک محفوظ تھا جب تک ریاست کا سربراہ اس سے خوش رہتا۔ ان چیزوں کے علاوہ فوقی صاحب کی زندگی کے بعض  
دھپ و اخفات بھی اس میں موجود ہیں۔ اس آپ بیتی کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ فوقی صاحب خود اس کا مرکزی کردار ہیں۔ وہ ایک  
منٹ کے لیے بھی اس بات کو فراموش نہیں کرتے کہ وہ اپنی سرگزشت لکھ رہے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود جو شخص بھی ان سے ملا اس کا  
تذکرہ انہوں نے اس انداز سے کیا کہ اس کی خوبیاں نمایاں ہو جاتی ہیں اور وہ زندہ جاوید ہو جاتا ہے۔ ان کے بیان میں منات اور  
سجیدگی ہے۔ وہ جانفزاران سے کام نہیں لیتے مگر حقیقت کو ایسے انداز میں بیان کرتے ہیں کہ اس میں افسانے کا مزہ آتا ہے۔ ان  
کی زندگی میں حیرت انگیز انقلابات ہندوستان میں آئے کئی تحریکیں ابھریں، جماعتیں بنیں اور گزرب، بہانی قدریں مٹیں اور نئی ہستیاں آباد  
ہوئیں۔ ان سب کا ذکر اور اثر آپ کی زندگی کی ہر منزل میں نظر آتا ہے۔

اُردو میں غیر ملکی مشاہیر کی آپ بیتیوں کے ترجمے بھی ہو چکے ہیں۔ یہ بھی پڑھنے کے قابل ہیں اور ان سے وہ پس منظر تیار ہو  
سکتا ہے جس کے ذریعے اقوام عالم کی موجودہ کشمکش اور احوال جنگ کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے۔





ذاتِ مستبد عبد اللہ

## آپ بیتی

کیا کوئی شخص مکمل اور باریکیوں کی حد تک صحیح آپ بیتی کہہ سکتا ہے؟ اس کا جواب اگر نفی میں نہیں تو شک میں ضرور ہوگا۔ کسی فرد پر جو کچھ جتن ہے اس کا صحیح بیان بھی ممکن ہوگا جب دنیا کے وہ سارے باسی رجوع کی نظر سے کسی کی آپ بیتی نگاہ سے لگی ہوا فرشتے ہیں جہانیں کے جو تیسع و تبیل کے لیے مخلوق سمجھے ہیں (جیسا کہ فرشتوں نے ازل کی امتحان گاہِ اقل میں اعلان کیا تھا) یا تب جب کھنڈوا اس چٹان کی طرح ہر جانے گا جس کے سینے سے بے ساختہ چٹنے آبل پڑتے ہیں اور وہ اپنی سنگ دلی کے باوجود بے بس ہو جاتا ہے۔ جو کہ اس کے اندر ہوتا ہے اگل دیتا ہے یا جب پٹھنہ والا شاہِ بوط کی اس خشک شنی کی مانند ہو جائے گا جس میں پانی کا دریا کچھ بھی بہنے کے واسطے عرصہ میں نہ ہو کہ کیا ہو رہا ہے۔ کسی شاعر نے بھروسہ نہیں کیا تھا۔

مرا دروے است بلند دل اگر گرم زبان سوزد

وگر دم در کثم ترسم کہ مغز استخوان سوزد

یہ محض شاعرانہ تعلق نہ تھی بلکہ ایک ایسی حقیقت کا اعلان تھا جو مغزِ استخوان کی شہادت لے کر کھلے تھا اور حق یہ ہے کہ شاعر تو پہر ہی اتنا کہہ کہہ سکا کہ ایک اے ایسا دردِ مری کی رعایت حاصل ہے۔ کوئی دوسرا آدمی اگر مکمل آپ بیتی لکھنے کا دعویٰ کرتا ہے تو یقیناً بہت بڑی بات کا اعلان کرتا ہے جو اس کی قدرت سے باہر ہے یا ٹٹلنے کا بہانہ کرتا ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

رہی نکتہ مرے دل میں داستاں میری

نہ اس دیا میں کہا کوئی زبان میری

یہ شعر تبر کا ہے جنہیں اپنے حلق سب کہہ کہہ دینے کا بڑا شوق تھا۔ شہزادیاں کہیں، جوڑیں خوش اور خواب و خیال کہیں، منزل کو کہا کرتے کرتے "قصیدہ طور" کر دیا۔ ایک منزل سے نقل نہ ہوتی تو اس کا زمیں میں دو دروغ زمیں کہہ ماریں۔ چھوٹی سی بات لکھنے بیٹھے کامیاب بن گئیں۔

رتہ کہتے کھٹے کھٹے دستہ

شوق نے بات کیا بڑھاں ہے

پہر بھی داستاں نکتہ رہی اور چہ دیا اور کئی شہزادیاں اور ایک ذکرِ بیر کہہ کر بھی حالتِ ہی رہی کہ

تجے میر کہا ہے یاں کم کسو نے

اس کے باوجود دنیا میں لوگوں نے اپنی سوانح عمری لکھیں اور سب ہی کہتے جا رہے ہیں۔ لیکن اس قسم کی سوانح عمریوں

کی کثرت اس بات کا ثبوت نہیں کہ "آپ جیتی" واقعی کھس جاسکتی ہے۔ یہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ کسی دوسرے کی سوانح عمری لکھنا بھی مشکل کام ہے اور آپ جیتی تو از قبیل مہات ہے۔

مجھے یہ تسلیم ہے کہ اپنی ایک خاص قسم کی سوانح عمری (یعنی اپنے سوانح زندگی) لکھے جاسکتے ہیں مگر یہ سوانح عمری اور آپ جیتی میں فرق کتنا ہوں اور وہ اس لیے کہ اپنی سوانح عمری لکھ کر بھی ضروری نہیں کہ کوئی شخص آپ جیتی لکھ سکے۔ اپنی سوانح عمری اس تک آجوسکتی ہے کہ کوئی شخص اپنی زندگی کے پیچیدہ پیچیدہ واقعات لکھ دے یا زیادہ سے زیادہ تفصیلی دوران کے باطنی حرکات کا بیان بھی کر دے۔ لیکن یہ ممکن نہیں کہ کوئی شخص وہ سب لکھ دے جو اس پر اور اس کے دل پر گزری ہے۔ ایک لحاظ سے آپ جیتی یا خود زشت سوانح عمری کی صفت دوسروں کی کھس ہونے سوانح عمریوں کے مقابلے میں خاصی نارسا اور ناقص چیز ہوتی ہے۔ اس کے راستے میں دو بڑی رکاوٹیں جتنی ہیں۔ دوسروں کا خوف اور اپنے آپ سے محبت۔ ایک اچھا سوانح نگار اپنے فن کی لالچ رکھنے کے لیے بہت سی ایسی باتیں بھی بیان کر دیتا ہے جو خود زشت نہیں کے لیے ممکن نہیں ہوتیں۔ سوانح نگار اپنے ہیرو کے کردار کا بیج بن سکتا ہے۔ اس کی کمزوریوں کا شمار بھی کر سکتا ہے۔ لیکن آپ جیتی میں اپنی محبت اور دوسروں کا خوف ہر وقت دامن گیر رہتا ہے۔ وہ نہ اپنے فن میں کی صحت پر غور نہیں کر سکتا ہے۔ آپ جیتی میں "اگر گویم زبان سرزد کی عزت ہر گام برفروغ پانہ جاتی ہے۔" کھ کناہوں بھی مشکل ہے مگر اپنے متعلق کھ کنا دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ ان یہ صحت ہے کہ واقعات کی خارجی رد واد اپنے متعلق اور چشم دید تفصیل دوسروں کے متعلق بیان ہو سکتی ہے۔

دوسرے نے اپنے اعتراضات ضرور لکھے مگر مجھے دوسری رومان شوریڈیگ کے پیش نظر پورا بھروسہ نہیں کہ اس نے حقیقت سے بلند ہر کر کھا۔ اس نے اپنی زندگی کے بارے میں بہت کچھ بتا کر بڑی جرأت کا ثبوت دیا ہے لیکن یہ بھلا دیا جاتا ہے کہ دوسرے عہد میں اس قسم کے ادب کی مانگ تھی اور اس قسم کی اشتہار بازی سے شہرت کا بازار گرم کیا جاسکتا تھا۔ اس دور میں مغرب میں یہ خیال ہر چلا تھا کہ ادیبوں اور دانشوروں کے لیے جنسی بے راہ روی کوئی عیب کی بات نہیں۔ ایسی کہانیوں میں لوگ دلچسپی لیتے تھے (اور بعض اوقات شاید ایسی باتوں کو ادیب کی بٹائی کی علامت سمجھتے تھے) ممکن ہے دوسرے اشتہار بازی کی ہو۔ دوسرے بہت بڑا آدمی تھا۔ مجھے اس کی نیت اور ارادے پر شبہ نہیں مگر یہ وہ سو کے خفیاتی توازن کا قائل نہیں۔ ہر حال میں یہ ساری گفتگو بٹائی کے نقطہ نظر سے کر رہا ہوں۔ میرا مقصد دوسرے کی تنقید نہیں۔ میں تو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر بے لاگ بٹائی، سوانح عمری اور آپ جیتی کی شرط اول ہے تو یہ مقصد آپ جیتی صحیحی طرح پورا نہیں ہوتا۔ اس کے راستے میں بہت بڑے پہاڑ کھڑے ہیں یا بڑی خندق دلیں ہیں۔

میرا پانا خیال یہ ہے کہ براہ راست آپ جیتی ممکن نہیں۔ البتہ بالواسطہ کوششیں کامیاب ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ اپنے اسامات کی سرگزشت لکھنے کا بہترین ذریعہ ناول ہے جس میں "نثر و نثر" کو "حدیث و دیباچہ" بنا کر پیش کرنا ممکن ہے۔ غم دل پر دے میں پانہ ہر جاتا ہے اور یہاں اوقات تقادوں کو معلوم ہیں ہر جاتا ہے کہ ناول نگار دوسروں کی ننان اپنی ہی کہانی بیان کر رہا ہے۔ آپ جیتی کی ایک کمزوری یہ بھی ہے کہ اس میں مصنف یا قلمب کچھ چھپا جاتا ہے یا بہت بھنے کی کوشش کرتا ہے اور بٹانے سے

کام لیتا ہے۔ اس لیے AUTOBIOGRAPHY کی صفت (BURN) نے لکھا ہے کہ ارادے سے کبھی ہرئی آپ بیتی جڑی تاکام صفت ہے۔ اس میں قطع زیادہ ہوتا ہے۔ اظہار کے نام سے اخصائے حال کیا جاتا ہے اور لوگوں کو یاد کرایا جاتا ہے کہ میں پہلے وہ ہے کہ صاف گراور راست باز ہوں۔ اس صفت میں وہ روز بسکے بھی آجاتے ہیں جس میں اصلی ناموں کی جگہ ناموں کے حرف اول لکھ دیے جاتے ہیں شوق نے یہ کہا اور تاح سے میری یوں بات ہوتی۔ دینے یہ فرمایا اور قرآن میں بات کاٹ دی۔ دراصل یہ سب کچھ اپنی یادداشت کی سنگ تو شیک ہے اور کسی دوسرے سوانح نگار کے لیے اچھا مواد ہے مگر مستحالیہ کوئی خاص چیز نہیں۔ ایسے مغلطے اپنی ہی صفت میں نہ ہر اس کے لیے توہل سکتے ہیں مگر دوسروں کے لیے اس قسم کی رمز بے معنی ہو جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ آپ بیتی حد درجہ تاثراتی چیز ہوتی ہے۔ اگر یہ سوانح غری ہے تو اس کو سائنٹفک ہونا چاہیے۔ صحیح سوانح نگار اپنے مواد سے سربوختا ہوا نہیں کر سکتا لیکن آپ بیتی میں مواد اپنی ذات کے اندر سے نکلتا ہے۔ خود کدوہ خود کو کدوہ گر۔ خود ہی مجرم، خود ہی گواہ، خود ہی شہید۔ اگر کوئی یہ کہے کہ آپ بیتی لکھنے والا شاعر کی انداز اپنے تاثر پر انحصار کرتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ شاعر نے کبھی واقعات صحت کا دعویٰ نہیں کیا۔ اس کا طریق کار تاثر، تخیل اور فکر کو ڈھانا ہے۔ اس میں صداقت غور کی قدر ہوتی ہے۔ آپ بیتی میں صداقت و خصوص کی جستجو لازمی ہے۔ اس کے علاوہ اسے صحیح بھی بننا ہے۔ اور یوں لکھنے میں کوئی خاص وقت نہیں لیکن اپنا صحیح خود بننا ایک مشکل امر ہے۔ خود اپنی اصلاح کرتے رہنا کبھی بلکہ اکثر ہوتا ہے مگر یہ بل کر اپنے کو استبدادی مجرم بنانے والے بہت کم دیکھے گئے ہیں۔ یہ قانونی خط و ذات کے خلاف ہے۔ ان ناول کے پودے میں سب کچھ بیان ہو سکتا ہے۔

آپ بیتی کے خلاف میں نے جو کہہ کیا اس کے باوجود آپ بیتیاں لکھی گئی ہیں اور کئی جا رہی ہیں اور ان کا جو سرمایہ دنیا میں موجود ہے اس کو نظر رکھ کر آپ بیتیں لکھ کر ادو صاف مرتب کئے جاسکتے ہیں۔ چنانچہ اس کے اصول رو سکر کے اعتراضات ہی سے حاصل کر لیتے ہیں۔ دوسرے اعتراضات کی افحاشی جارت یہ ہے :-

”میں نے ایک ایسی مم کا بیڑہ اٹایا ہے جس کی کوئی نظیر نہیں اور شاید کوئی دوسرا آدمی اس کی تقلید رکی جرات، جس نے کر کے گا۔ میں کشتہ تقدیر غرق (ہی نوع) کے سامنے ایک انسان کی تصویر رکھ رہا ہوں۔ اور یہ انسان کون ہے۔ یہ خود ہوں۔“

میں اپنے دل کے ہیرو بناتا ہوں۔ میں نے دوسرے انسانوں کو بھی دیکھا ہے۔ میں ان میں سے کسی جیسا نہیں۔ ان سے بہتر ہونے کا دعویٰ تو نہیں کر سکتا ہر اتنا کہہ سکتا ہوں کہ مجھ میں کچھ نہایت ضرور ہے۔ کیا قدرت نے مجھے جس سہانے میں ڈھالا ہے۔ اس کو خود ہی توڑ کر کوئی اچھا کام کیا۔ اس کا فیصلہ میری کتاب کو پڑھ کر ہی کیا جاسکے گا۔.....

”میں نے چھائی اور رادیو آڈیو کے ساتھ اپنے عیب و ہنر کو بیان کیا ہے۔ میں نے ہر کونئی مجھ نہیں چھپایا۔ میں نے اپنی خوبیوں کو بڑھا چڑھا کر بیان نہیں کیا۔ اور اگر کہیں کہیں میں نے زیب و جاستی کا اد تکاب کیا ہے تو محض اس وجہ سے کہ میں بعض عیوب و قصور پر بری

یاد دینے پر اساتذہ نہیں دیا لہذا مجھے وہ علاوہ دوسرے کہنے پڑے۔  
 میں سمجھتا ہوں کہ میں نے بعض ایسی باتوں کو یقینی سمجھ لیا ہوں جو اخلاقی تئیں لیکن میں نے جان بوجھ کر  
 جھوٹ کو کچھ نہیں کیا۔ میں جیسا بھی تھا ویسا ہی میں نے اپنے آپ کو پیش کیا۔ کبھی بڑا اور قابلِ اعتراض  
 کبھی نیک طینت، کشادہ دل اور رفیع۔ میرے بنی فوج میرے ان اعترافات کو سنیں ابیری  
 ہستی پر شرمائیں، میرے دکھ پر کاپ جاتیں۔ اور اگر ان میں سے کسی کو جرأت ہو تو وہ اسی  
 غلوں اور جرأت کے ساتھ اپنے دل کو ٹوٹے اور اگر کہہ سکتا ہے تو صاف کہہ دے کہ میں اس  
 آدمی (دوسرے) سے بڑا آدمی ہوں۔

دوسرے کو غمزدگی میں غلوں کے ساتھ ساتھ خوف بھی پایا جاتا ہے۔ پہلی دوسرے یہ بتایا کہ ایک اچھی آپ بیتی کے لیے ضروری ہے کہ  
 وہ کچھ نہ چھپائے اور بیرونی ظامت و تمہین سے بے نیاز ہو کر ہر وہ بات کہہ دے جو اس کے کردار اور اس کی شخصیت کی ہر بہو نقل  
 ہی جائے۔ آپ بیتی سے سوانح عمری کے مقابلے میں ہماری توقعات کچھ زیادہ ہی ہوتی ہیں۔ سوانح نگار جی روموزد اسرار یا حرکات تک  
 پہنچ سکتا یا بڑی ہی کوشش سے پہنچتا ہے اور طویل و مسلسل چھان بین کے بعد نتیجے اخذ کرتا ہے۔ آپ بیتی لکھنے والے کو اس تکلیف کا  
 سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ وہ جن افعال کا خالق یا مصدر ہے ان کے اسباب خارجی و داخلی سے باخبر بھی ہوتا ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ اپنے کردار اور شخصیت کی ہر بہو نقل کے معاملے میں آپ بیتی لکھنے والے کو حق آسانیاں میسر ہیں اتنی ہی مشکلات  
 بھی ہیں۔ انہماک شخصیت کی ہر سنی انخانے شخصیت کے دست بدست چلتی ہے اور بہت کم لوگ ایسے نکل سکتے ہیں جنہیں رجحان کی  
 اخلاق یا فکری جرأت حاصل ہوتی ہے اس لیے آپ بیتی اکثر صورتوں میں کسی دوسرے کے ہاتھ سے لکھی ہوتی سوانح عمری کے مقابلے میں  
 بے وزن ہر جاتی ہے۔ چنانچہ اکثر آپ بیتیاں یا تو قرض منہ پٹ پر وہ درمی کا درجہ حاصل کر لیتی ہیں یا چند جدیدہ واقعات کے بارگزر  
 غمزدگی یا زندگی کا بیرونی خاکہ ہی جاتی ہیں یا اپنا اشتہار ہی کر تھارت کا ذریعہ بنتی ہیں۔

ہاں ہمہ آپ بیتیاں سوانح نگاروں کے لیے نہایت مفید مواد مہیا کرتی ہیں۔ بڑے بڑے جرنیلوں، سیاست دانوں، شاعروں،  
 مفکروں اور ادیبوں نے اپنے حالات جب بھی لکھے ان کے ضمن میں یہ فائدہ ضرور ہوا کہ ان کے فن، فکر اور کارناموں کے ارتقا کے  
 اسباب پر مستند مواد فراہم ہوا۔ اہم واقعات زندگی کی باریک جزئیات اور ان کے پس پردہ انسانی حرکات کا سلسلہ (ایک حد تک)  
 خود بخود سامنے آ جاتا ہے۔ آپ بیتی لکھنے والے کا مواد ذہن میں پہلے ہی سے موجود ہوتا ہے۔ اسے کتابوں کی ورق گردانی اور ڈائریوں  
 کی چھان بین نہیں کرنی پڑتی۔ سب کچھ اس کے پاس محفوظ ہوتا ہے۔ آپ بیتی میں اپنی طاقت یا اپنی تئیں کی طرف بے توازن جھکاؤ  
 بھی ہوتا ہے آپ بیتی دوسرے سوانح نگاروں کے لیے اولین اور مستند ترین مائخذ ثابت ہوتی ہے۔ اگرچہ یہ بھی درست ہے کہ آپ بیتی  
 کی پسینوں میں غلط فہمی کا دور کرنا سوانح نگار کے لیے قربا حاصل ہو جاتا ہے۔ سب سے اچھی آپ بیتی وہ ہوتی ہے جو کسی بڑے دوسرے  
 کے بغیر بے تکلف اور ساتھ احوال زندگی پر مشتمل ہو۔

اس ضمن میں گوتھے کی آپ بیتی پر غور فرمائیے۔ گوتھے کی شخصیت دلچسپ اور ہلکا مزید تھی اور اس کی آپ بیتی بھی دلچسپ اور

خیال افروز ہے۔ لیکن جب گھٹنے کی زندگی کسی تو اسے سب سے زیادہ اس کی خود نوشت سوانح عمری نے پریشان کیا۔ گھٹنے کا اٹھانویں بیان روان تھا۔ اس کی طبیعت میں گرم جوشی اور اس کے قلم کو حقیقتوں سے مل کر قہقہوں کی دنیا میں ٹھٹھٹ کرنے کی عادت تھی۔ وہ ذرا سی بات کو کچھ نہ کچھ بنا دیتا تھا۔ وہ اپنے یوم ولادت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:-

”سن ۱۸۴۹ء میں ۲۸ اگست کا دن تھا کہ میں ڈیٹنگرفٹ میں ٹیک نصف اٹھارہ بجے عالم وجود میں آیا۔ میرا نانچہ طالع مسود کا پتہ دیتا تھا۔ آفتاب بھ سنبلیلی اوج کے اتھال ٹھٹھ پر تھا۔ زہرہ اور مشتری کے تصرفات اس دن کے لیے بہت سازگار تھے۔ عطارد کی جانب سے دشمنی کے آثار نہ تھے۔ زحل اور مشتری غیر جانبدار تھے البتہ چاند جو تقریباً پورا ماہ چکا تھا سبزہ تھا۔ صحرشا اس لیے کہ اس کی نئی حالت اس تکلیف کے ساتھ جو میری ولادت کے ساتھ وابستہ تھی ہم آہنگ ہو گئی تھی۔ اس نے مجھے ملکوت وجود میں آنے سے روکے رکھا مگر وہاں حالت ختم ہو گئی :-

ایک آپ بیتی کا یہ آغاز عجیب و غریب ہے۔ علم نجوم کی یہ باہر آنہ گنجلو گھٹنے کی یاد کا حصہ نہیں ہو سکتی بلکہ بہت جھکاؤ پر مبنی ہے۔ اس پر بجا طور پر اعتراض کیا گیا ہے کہ آپ بیتی کا ہر لمحہ تجربے کی روشنی میں دیکھا رڈ ہونا چاہئے۔ مینی ولادت کی سہولت انسان کے تجربات کو اپنی زبان سے نہیں دوسروں کی زبان بیان کرنا چاہیے۔ کیونکہ ان سائنس دانوں کا تجربہ مصنف کی یادداشتوں کا حصہ نہیں ہو سکتا۔ کم سے کم دوسرے نے اس بات کا خیال رکھا ہے اور ایسی باتوں کو ردایتی پر مبنی کیا ہے۔ دوسرے نے اپنی ولادت کے دوران اپنی نالی کے انتقال کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

“my birth cost my mother, her life, and was the first of my misfortune. I am ignorant how my father supported her loss at that time but I know he was ever after inconsolable.

گھٹنے نے اپنے گھر کے متعلق اپنے بچپن کے جو تاثرات لکھے ہیں وہ بھی کچھ ایسے ہیں جو قہقہوں کی پیداوار کا جاسکتا ہے۔ اس میں تجربے کی ہی حقیقت معلوم نہیں ہوتی۔ اگرچہ یہ بھی باور کیا جاسکتا ہے کہ ان کے قہقہوں کا شور سے امداد ملے۔

مشہور ٹھٹھ ہے کہ آپ بیتی جہاں مفید اور (بعض امور میں) مستند صنف ہے وہاں اس کے خطرناک ہونے میں بھی کوئی شک نہیں۔ ۱۸۸۸ء نے خیال ظاہر کیا ہے کہ آخر عمر میں لکھی ہوئی آپ بیتی کے مقابلے میں مسلسل دو دن کے زیادہ مستند صنف ہے جو غریب طرح لکھے جاتے ہیں اور ان میں پیش آمدہ واقعات اپنے طے تاثرات کے سمیت درج ہوتے رہتے ہیں۔ ان کا اٹھانویں سوانح عمری یا آپ بیتی کی طرح پانچویں برتاؤ اور بعض واقعات کی وقتی جھلک دکھانا ہی کا مقصد ہے تاہم اس میں مصنف اکثر

کے گھٹے ہے۔ وہ وفات کا راز دار رہ جاتا ہے اور دنیا کا خوف نہیں کھاتا۔ مگر یہ یاد رہے کہ ہر روز نامہ نہیں ضروری نہیں کہ اپنے قلم کو اپنا راز دار بنائے۔ بہت سے روزنامے ایسے ہوتے ہیں جو دوسروں کے حالات و واقعات زیادہ اور اپنے کم لگتے ہیں۔ دنیا کے بارے میں ذاتی تاثر و انتقادی سے ظاہر کرنا بھی اگرچہ مشکل امر ہے مگر اپنے قلم کو دیانتداری سے اپنا عزم و رازوں بنانا اور بھی مشکل ہے۔

وہ آپ جتنی لکھنے والے بڑے فائدے میں رہتے ہیں جو دوسری تقلید نہیں کرتے۔ وہ اپنے کام کو محدود کر بیٹھے ہیں اور اپنے اہم واقعات یا کارناموں کی تفصیل اور حرکات و ماحول کا ایک بے تکلف، مخلصانہ، مستند، تعزیر و لا دیتے ہیں۔ اگرچہ یہ (زندہ) نے ایک سلسلہ ”خودنوشت“ شائع کیا۔ اس میں اہم منکریں نے اپنے اپنے اہم کارنامہ زندگی کو بیان کر کے اپنی زندگی کا ارتقا بھی دکھایا ہے۔ اسی سلسلے میں فراموشی کی خودنوشت بھی ہے جس میں بڑی سادگی سے مصنف نے زندگی کے اہم واقعات کو اپنے مرکزی فکر کے حوالے سے بانیہ انداز میں پیش کیا ہے۔ یہ آپ جتنی مکمل نہیں مگر مخلصانہ اور مفید ہے۔

بعض آپ بیتیاں ایسی بھی ہوتی ہیں جن میں مصنف مفضل صندوق میں محفوظ کر دیتے ہیں اور وراثت کو وصیت کر دیتے ہیں۔ ”سیری کی کتاب میری زندگی کے بعد چھپے“ یہ آپ بیتیاں یا تشدید خود پسندانہ اور تشدید جذباتی رویے کی حامل ہوتی ہیں یا ان میں دوسروں کے خلاف بہت کچھ لکھا ہوتا ہے۔ ان کے بارے میں اس قسم کی وصیتیں خوف کے تحت کی جاتی ہیں۔ یہ بھی ہر مسئلے کے ان کی اہمیت بڑھانے کے لیے ہو کر یہ بھی ترفیب کی ایک صورت ہے۔ بائیں ہر اگر یہ آپ بیتیاں ان تو قعات کو پورا کر سکتی ہوں جن کا دل میں پیدا ہونا یقیناً امر ہے تو اس میں کوئی خاص مضائقہ بھی نہیں۔ کیونکہ اپنے زمانے اور اپنے ماحول کے بارے میں ذاتی تعبیر موت کے بعد ہی ظہور میں آئیں تو مناسب ہے کہ چونکہ اس ضمن میں دوسروں کو بھی تعصبات کے موجب و محاب پکھنے کا بہتر موقع مل سکتا ہے اور میرا ذاتی رجحان یہ ہے کہ اپنی اپنی زندگی میں شائع کر دینے کے متبادل میں بعد از وفات شائع ہونے میں سہاٹی کے اظہار کی گنجائش کم ہو جاتی ہے۔ سہائوں کا اظہار بلا خوف اور جتنے بھی کرنا چاہتے تاکہ دوسروں کو اذیت و تفسیق کا موقع مل سکے اور اگر کوئی ایسے راز ہیں جن کے اظہار میں یہی حیات تامل ہے تو ایسے رازوں کو کہنے کے اندر ہی دفن رہنا چاہیے، عرض یہ ہے کہ آپ اپنی کو ذاتی جلوہ خالی، نمود و نمائش اور چھپ کر چھو کرنے کا ذریعہ نہیں بنانا چاہتے۔

آر دوسری آپ بیتیاں کئی طرح کی ہیں: (۱) مکمل حالات زندگی (۲) زندگی کے کسی حصے کی روداد یا ایسی سوانح حری میں کی، (۳) اپنے اہم فن یا اہم کارنامے کی ارتقائی داستان مرتب کی ہو (۴) روزنامے اور سفر نامے (۵) شخص جھکیاں یا شخص نامے (۶) کسی کی کہان اس کی زبان (۷) شخص انشا ہے۔

اس مختصر مضمون میں اب اس اقسام اور ہر قسم کی اہم کتابوں سے بحث دشوار ہے اس لیے میں ۱، ۲ اور ۳ کا تذکرہ نظر کرتے ہوئے مکمل آپ بیتوں کا ذکر کرتا ہوں۔

مکمل حری مردودہ خودنوشت سوانح حری ہے جو ابتدا سے زندگی کے اس حصے تک جب تک قلم نے ساتھ دیا ہو سکتا ہے مگر یہ سوانح حری میں مردودہ جنرل قلم کی کتاب کا وہاں کو مکمل نہیں کہ مکمل کیونکہ یہ جزوی ہے۔ داستان خود (ظہیر دہلوی) اگرچہ ابتدا سے

سے شروع کی گئی ہے پھر بھی عناصر پر داستانِ غریبہ ہے۔ چودھری افضل علی کی کتب میرا افسانہ، خواجہ حسن نظامی کی آپ جی مولوی جی کی  
کی خود روشنی اور اس طرح کی دوسری کتابوں کو مکمل نہیں کیا جاسکتا۔

میری دانست میں سید ہادیوں مرزا کی کتاب "میری کہانی میری زبان" وصال کا "اعلانِ مرگ" ویران شکر متعلق کی کتب قابلِ ذکر ہے  
عبدالحمید سادگی کی "سرگزشت" نعتی نظمیں کی "بر رفت" اور مرزا حسین احمد علی کی "تشریحِ حیات" آپ جی کی صنف کے اوصاف کو کس  
مد تک پورا کرنے والی کتاب ہے۔

ان مضمون میں سے ہر ایک کا ایک خاص نقطہ نظر ہے ہر ایک کی تعینیت میں جھلک رہا ہے۔ ہادیوں مرزا اپنی شخصیت اور  
"انجمنی" کی پیش کرنا چاہتے ہیں۔ رنالی ملک کی شائستگی کے فائنسے کی حیثیت سے ملک کی فزوقی ادبی تعلیمی اور قلمی سیاسی  
حالت کو اپنی تصویر کے پس منظر میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔ مثنوی سیاست کے ماحول اور جزئیات کے معاملے میں راز کشی کے جذبے سے  
کھر رہے ہیں۔ نعتی نظمیں ایک حساس اور جزئیات پر نظر کرنے والے آدمی ہیں۔ واقعاتِ زندگی کے رد و حل کے اچھے تر جہاں میں موعنا  
ساختہ ہو کر نکلتے ہیں۔ ان کا مقصد اپنے سے زیادہ دوسروں کے متعلق کہنا ہے اور مرزا حسین احمد علی کا مقصد یہ ہے کہ بطور تحریث  
فصحتِ خداوندی، اللہ تعالیٰ کے اس فضلِ درگم کا جو کہ لہر پر اور برے دلدلی اور غافلان پر سایہ گستر ہوا ہے اور اب بھی سایہ لگن ہے  
تذکرہ کروں اور اس کے شکر کے گیت لگا کر قلب و دماغِ ناخوش کو مسخر کروں : مرزا حسین احمد نے کوئی بڑا دعویٰ نہیں کیا مگر شمس  
کے فرض سے پوری حرا با خبر برتنے کے ادا ہو اپنی سوانح عمری "توق" اخلاق آمیزی اور واقعاتِ سیاسی کی خارجہ تفصیل کے مقصد سے  
مرتب کی ہے۔

اگر ہم میں سے کسی کو چہرہ پر اردو میں رد و س کے اعتراضات کی طرح کی کتنی چیزیں کھیں گئی ہیں تو اس کا جواب بھی ہر گز کشاید  
ایک بھی نہیں۔ وجہ ظاہر ہے کہ اردو کا آپ جی نگار مشرق میں چلے جہاں اس کے لیے فکس نہیں کہ سہانی یا کئی تصویر کشی کی آڑے کھانی  
ہوا میں ان کی تشریح کرتا پھرے اور حقیقت تو یہ ہے کہ جامعہ ادیبوں کی تشریح کی یہ حرکت خود مغرب کو بھی ملتی پڑی ہے۔ باختر، جہاں فزوقی  
کوتھانے بشریت کے لیے بھانے بشریت کا زیور بنا لیا گیا۔

نادول اور سوانح عمری میں حقیقت نگاری کی ترکیب بہت متبول ہونے کے باوجود اس بڑے نتیجے سے زندگی کی حقیقت کھجور  
انسانیت کے کپڑے نکال کر اپنی دکھانے والا ثابت ہوا۔ حقیقت نگار مصنفوں کا بھی آخری عمل ہوا کہ اچھے بچے متبول آدمی ہونے کے  
باوجود گھٹانے اور فردایہ (Sordid) موضوعات میں دلچسپی لینے کے اور اب حقیقت نگاری "پستی اور فردا علی" ہم میں سمجھ و حس  
ہو رہی ہے۔

مقدیم ہے کہ اردو میں کہانیاں کے "اُسے بڑی کی ترتیب کا لاد باور کیا گیا پھر انہیں کیر گریاں بڑی کوتھانے بشریت  
کھنے کے باوجود کوئی ایسی چیز نہیں لکھا جاتا جس کی تشریح جہاں ہے۔

یہ مضمون تذکرہ مرقعاتِ سلوک کے تذکرے کے بغیر ناممکن ہے۔ تذکرہ کا مصنف ذہنی طور پر دوسروں کو تذکرہ نگار تصور نہیں  
رہنے والے مضمون کے مست قریب رہا ہے اور تذکرہ ہر چند کہ آپ جی نہیں پھر بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ جی نے ہر گز آپ جی کی سوانح

کتاب ہے۔ اس کتاب نے یہ بتایا کہ آپ جتنی مرث (ہی ذات کے تجربات ملک محدود نہیں بلکہ ذات کے ہمہ پشت خاندان کے کئی صدیوں کے تجربات کا مجموعہ ہے جن کا ذکر کیے بغیر ایک مہول غلطی کی سرگزشت (جس کا دوسرا نام کسی کی ذاتی زندگی ہے) بھی مکمل نہیں ہو سکتی۔ ابواکلام آزاد کی رائے یہ معلوم ہوتی ہے کہ آپ جتنی بھی نہیں جاسکتی۔

”جتنی زندگی گزر چکی ہے مگر دن موڑ کر دیکھتا ہوں تو ایک نرو بخار سے زیادہ نہیں۔ اور جو کچھ سامنے ہے وہ بھی جلوتہ سراب سے زیادہ نظر نہیں آتا۔ . . . . اپنی سرگزشت دوزخ و عرکھوں تو کیا کھوں؟ ایک نرو بخار و جلوتہ سراب کی تلافی حیات قلبیہ ہو تو کیڑ کر ہو۔ ورنہ باہم جاب تیرتے ہیں، ہر امنی بخار اڑتا ہے، طوفان نے درخت گرا دیے ہیں۔ سیلاب نے عمارتیں ماریاں حکمت نے اپنی پوری تعمیر میں برسر کر دی، مرغ آشتیاں پرست نے کونے کونے سے چھوٹ گئے۔ جمع کیے۔ غرض و برق کا مسالہ، آتش و دش کا افسانہ ان سب کی سرگزشتیں لکھی جاسکتی ہیں تو کلمہ بچے۔ میری پوری سوانح عمری میں انہی میں مل جاسے گی۔ نصف افسانہ امیدار نصف مائیم یا اس!“

اس تمہید کے بعد مرقونہ ابواکلام نے ہیں، اگر کچھ بتایا بھی ہے تو وہ کچھ ایسا ہے کہ ہم اسے غرضی و برق کا استعارہ ہی سمجھنے پر مجبور ہیں اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ اور اگر غور کیجئے تو اس سے زیادہ کما بھی کیا جاسکتا ہے۔ بالآخر آپ جتنی کے سبب انہار کے لیے استعارے ہی تو رہ جاتے ہیں۔ اسی سے آگے بڑھنا چاہی تو شاعری کر لیجئے اور اگر یہ طبعی پیرایہ بھی حسب حال نہ ہو تو ناول کے سینچے میں بیٹھ کر صفحہ آب پر نقش کھینچتے جا بیجئے۔ پانی کی آن گھٹت ہو جن کی طرح اس کی وضعت بھی بے کراں ہے۔





## اپنی ذات اور اس کی مختلف صورتیں

ہماری ذات اور باہر کی دنیا

علم کو ہم آسانی کے ساتھ دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ایک علم تو وہ ہے جس کا تعلق خارجی عالم سے ہے اور دوسرا خود اپنی ذات کا علم۔ بظاہر یہ معلوم ہو گا کہ خارجی عالم اپنی ذات کے مقابلے میں وسیع تر ہے۔ اپنی ذات سے باہر جو کچھ ہمیں نظر آتا ہے وہ سب خارجی عالم ہے اور اس کے مقابلے میں خود ہماری ذات ایک حقیقی چیز نظر آنے لگتی ہے۔ لیکن نگاہ غور سے دیکھیں تو ہماری ذات میں اپنی جگہ ایک عالم ہے۔ ایک ایسا عالم جو ہمارے لیے خارجی عالم سے بھی زیادہ حقیقی اور ناقابلِ ادراک ہے خارجی عالم کو جاننے پر پہنچنے اور جاننے کے پہلے نہ موجود ہیں لیکن معرفت ذات کا کوئی پیادہ موجود نہیں۔ معرفت ذات اسی خارجی عالم کی ذاتیت سے کہیں زیادہ مشکل ہے۔ اپنی روح کی گرائیوں میں ڈوب کر اگر کوئی مرنے پر آمال بھی لائیں تو دنیا کے باہر میں اس کی تصدیقیت کا حقیقی آسان نہیں ہے۔

یہ کہنا بھی محض ایک دعویٰ ہے کہ علم کو حقیقی معنی میں یوں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ مواصل باطن و خارج میں باہم ایک ایسا رابطہ ہے کہ خارجی عالم کو بھی اپنی ذات کی معرفت کے بغیر پرکھا نہیں جاسکتا اور یہی حال معرفت ذات کا ہے۔ اس کو جاننے کے لیے بھی خارجی عالم کا سہارا لینا پڑے گا۔ بات یہ ہے کہ علم ذات اور علم خواص دونوں کے درمیان ایک مذہبی ہے اور ایک رابطہ باہم بھی باہر کی دنیا جاننے کے لیے اپنی ذات کا سہارا لینا ناگزیر ہے اور اسی طرح اپنی ذات کی تشریح کرنے کے لیے کل ہیئتوں کی مدد سے پہنچنے پر مجبور ہوں گے کہ خارجی ذات عالم خواص کے ذریعے بھی ہماری تجربہ آتی ہے اور باہر کی دنیا کو ہم اپنے آئینے میں دیکھ کر ہی پہچان سکتے ہیں وہ خواہ ہماری ذات جو یا باہر کی دنیا۔ یہ سمجھنا غلط ہو گا کہ اسے جاننے کے لیے ایسے اصول مضبوط کر سکتے ہیں۔ جن کا تعلق خود اپنے وجود سے ہو بلکہ مصروفیت نامکن ہے اور اسی طرح ممکن و اہلیت ہی قرین قیاس نہیں۔ اس کے باوجود آسانی کی خاطر ہم نے علم کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے اور ایک کا تعلق اپنی ذات سے اور دوسرے کا خارجی عالم سے ظاہر کیا ہے۔

معرفت ذات صرف مصروفوں کا مرکز نگاہ نہیں رہی۔ ابتدائے آفرینش ہی سے انسان سوچتا چلا آیا ہے کہ میں کون ہوں؟ اور کیا ہوں؟ اور یہ گہرے غور کی دنیا کیا ہے؟ اور میں یہاں کیوں آیا ہوں؟ کہاں سے آیا ہوں اور مجھے کہاں جانا ہے؟ یہ اور اس قسم کے سوالات ماحول ہم غور اپنی ذات سے پرچھتے ہیں۔ ان سوالات کا جواب بھی خدا ہی سے آتا ہے۔ قصورت اور روحانیت کا تعلق اگرچہ ان سوالات سے گہرا ہے۔ لیکن مزید یہ کہ صرف مصوفیاء ہی ان سوالات پر سوچتے آئے ہیں یا ان کی

جہاں بات دینے کے اہل ہوں۔ انسان میں ایک اجتماعی تجربہ بھی ہے اور ایک انفرادی تجربہ بھی۔ ان تجربوں کی روشنی میں اہل فکر اس قسم کے جواب تلاش کرتے آئے ہیں جب ہم ان سوالات کا جواب مرتب کریں تو وہ ایک تو خود ہمارا ذاتی جواب ہوگا۔ جس کا حقیقی انفرادی تجربے سے ہوگا اور دوسرا عالم انسانیت کا مشترکہ اور اجتماعی جواب۔ یہی وجہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنی سوانح حیات مرتب کرتا ہے تو دوسرے انخاص ان کو دلچسپی کے ساتھ پڑھتے ہیں اور ان میں اپنی ذات کا عکس دیکھ کر ان سے متعلق حاصل کرتے ہیں۔ ذرا غور کیا وجہ ہے کہ ایک شخص کے حالات میں دوسرے شخص کو دلچسپی کا احساس ہوتا ہے۔ ہماری زندگی خود وہ انفرادی ہو یا اجتماعی۔ گوناگوں قربات سے مرکب ہے۔ ہر سانس ایک تجربہ ہے اور ہر لمحہ ایک عالم ہے۔ یہی زندگی کا سفر طے ہوتا رہتا ہے۔ وقت کی مثال ایک حیوان کی سی ہے اور زندگی گویا ایک راہی ہے جو اُس میدان سے گزرے اور جب ہم اپنے سوانح حیات مرتب کرتے ہیں۔ تو گویا ہم ہر سانس کا محاسبہ کر رہے ہیں۔ ہمارا انفرادی ادب یوں شروع ہوا کہ ہم نے اپنے قربات سے فائدہ اٹھا کر تخیلی انداز میں قسمت ناموں اور شخصیتوں کے سوانح حیات مرتب کرنے شروع کئے۔ انفرادی انخاص دراصل ہماری ذات ہی کے حصے ہوتے ہیں۔ جو قربات ہم تخیلی کرداروں کے نام سے اپنے انسانوں میں پیش کرتے ہیں۔ وہ خود ہمارے ہی قربات ہوتے ہیں۔ افراط و تفریط سے قطع نظر ہم اپنے قربات خواہ وہ پچ پیش آتے ہوں یا ہم نے تخیلی کی مدد سے تیار کر لئے ہوں انفرادی رنگ میں پیش کر دیتے ہیں اس طرح ہمارا انفرادی ادب دراصل سوانحی ادب ہے۔ جو واردات ہمارے انفرادی کرداروں کو پیش آتے ہیں۔ اگرچہ تخیلی ذہنی آئے ہوں۔ تب بھی ان کی صداقت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ شاعرانہ صداقت اتنی تنگ اور سطحی نہیں ہوتی جتنی عام طور پر غیر شاعرانہ صداقت ہوتی ہے۔ شاعر کے دل پر وہ سب کچھ بیت جاتا ہے جو بغاوت پریشانی نہ آیا ہو۔ پس ہم اپنے انفرادی انسانوں میں جو کچھ دکھاتے ہیں۔ وہ ایک روحانی واردات ہوتی ہے جس کو شاعرانہ صداقت کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے۔

## سوانحی ادب انفرادی رنگ میں

افسوسہ سوانح میں ایک گمراہ بلا ہے۔ بعض لوگات ہم فرضی ناموں سے اپنے قربات پیش کرتے ہیں اور بعض اوقات اپنے نام سے دوسروں کے قربات۔ ان دونوں صورتوں میں کوئی ناقص نہیں۔ ایک تعاری کے لیے یہ بات کوئی اہمیت نہیں رکھتی کہ وہ کسی فرضی کردار کے سوانح پر مشتمل ہے یا کسی تاریخی شخصیت کی سوانح عمری۔ تعاری کے لیے شخصی اور فرضی انخاص میں تفریق کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ اُسے تو اس قدر مشترک کو انسانیت یا انسانی تجربہ کہتے ہیں۔ ہمارے سامنے جلیل العتہ بلا شاعروں کے نزدیک اور مشہور ادیبوں کے خود نوشت تذکرے موجود ہیں۔ ہمیں اس سے کیا تعلق کہ جو کچھ امیر تیمور یا شہنشاہ بابر یا جہانگیر نے لکھا ہے۔ وہ صداقت پر مبنی ہے یا اس میں جاننے کی رنگ آمیزی بھی شامل ہے۔ ہمیں تو اس سے تعلق ہے کہ جو کچھ ہم ان تذکروں میں پڑھتے ہیں۔ اس سے ہمیں کس حد تک دلچسپی ہوتی ہے۔ ان تذکروں میں اگر صداقت کی بجائے شاعرانہ صداقت اور حقیقت کی بجائے بلاغت آمیزی بھی ہو تو ان کے ساتھ ہماری دلچسپی کم نہ ہوگی۔ اب اگر کوئی انفرادی رنگ میں

کسی فرضی بلو شاہ کی سوانح حیات مرتب کرے اور اس میں ہمارے لیے دلچسپی کا پورا پورا سامان موجود ہو تو ہم ایسے افسانوی فنکار کو کسی دلچسپی کے ساتھ پڑھیں گے جیسے ان تاریخی شخصیتوں کے سوانح کو۔ نئی حال ادبی تذکرہ کار کا ہے۔ غرض دی نہیں کہ ان کی سوانح میں اس قسم کی صداقت کا شکی جہانے جو اس علمی اور ادبی حقیقت پر مبنی ہے۔ بعض لوگوں نے شمس العلماء محمد حسین آزاد کی آب و تاب پر یہ کہہ کر اعتراضات عائد کئے تھے کہ آب حیات میں جو روایات ملتی ہیں۔ ان میں سے بہت سی میں گھڑت ہیں۔ یہ اعتراض کہ کوئی روایت میں گھڑت ہے۔ اس لیے ناقابل قبول بھی ہوگی۔ محض سلی ہے۔ اگر کسی روایت میں عوامہ میں گھڑت ہی کیوں نہ ہو۔ نفسیاتی اور شاعرانہ صداقت موجود ہے تو وہ روایت انتہائی قابلِ قدر ہے۔ یہی حال ان روایات کا ہے جو ہمیں آب حیات میں ملتی ہیں۔ یہ آزاد کا انتہائی کمال ہے کہ کسی شاعر کی تصنیفات سمجھنے کے لیے انھوں نے اسی روایات کی تصنیف کیں جو جیسے اس شاعر کی تصنیفات کو سمجھنا ممکن ہو گیا بلکہ سچ تو یہ ہے کہ محض تخیل کے بل بوتے پر ان روایات کی تصنیف اصل تسم کی تخیل شاعری کی حیثیت رکھتی ہے۔ غرض کہ سوانح اور افسانے میں ایک گہرا ربط ہے جیسا کہ ادیبانہ کلامی پس منظر کا مصنف کو صیغہ و انداز متکلم میں اپنے فرضی کردار کے سوانح حیات مرتب کرنا پڑتا ہے۔ یہ ایک تسم کی ادبی سوانح عمری کہانی جانتی ہے۔ انگریزی ناول کے ابتدائیں یہ ایک عام دستور تھا کہ ہر ناول کو ایک سرگزشت کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ اٹھارویں صدی میں صلیامی دور میں جی عام تھامیں کا ادبی ذوق ناپختہ تھا۔ اگر کسی ناول پر یہ درج ہو کہ یہ محض فرضی کردار کا افسانہ نہیں ہے۔ سچ پچ کی سرگزشت ہے تو لوگ اسے اچھا نہیں دیتے تھے۔ ناول یا افسانے کو سوانح عمری یا سرگزشت کہہ کر پکارنا عام تھا۔ لوگ شعر و صداقت کی قدر و قیمت سے پوری طرح آگاہ نہ تھے۔ اسی لیے مصنفین کو لازم آتا تھا کہ افسانے یا ناول کو سوانح یا سرگزشت یا شخصی تاریخ کہہ کر پکاریں۔ اس صورت میں دو قسم کے اسلوب اختیار کئے جاتے تھے۔ پہلا طریقہ یہ تھا کہ ہر کسی ہیرو کے حالات بیان کرنا شروع کر دیے۔ یعنی مصنف اپنی ذات کو ظاہر کئے بغیر فرضی رنگ میں اصل یا افسانوی کرداروں کے حالات پیش کرتا تھا۔ دوسری صورت یہ تھی کہ ہیرو کو یا خود اپنے حالات بیان کر رہا ہے۔ بالفاظِ دیگر وہ اپنی خود نوشت سوانح حیات لکھ رہا ہے۔ خود نوشت سوانح حیات کو ہم آپ جی کہہ کر پکارتے ہیں۔ گویا یہ دوسری صورت افسانوی رنگ میں آپ جی لکھنے کے مترادف تھی۔ افسانے اور سوانح نگاری آپ جی اس طرح شاعرانہ تخیل کی تین صورتیں ہیں کہ ہمارے سامنے آجاتی ہیں۔ افسانے کا سوانح یا آپ جی سے الگ کرنا ممکن نہیں تخیل کے لیے اگر شاعر ادب صداقت موجود ہو جو افسانہ بھی سوانح حیات یا آپ جی سے مختلف نہیں اور اگر خیالی قدری مضبوطیوں تو سوانح حیات بھی بے جان ادبے معنی و افعات کا ایک تسلسل ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں۔

غرض کہ ناول کے انتخاب پر سرگزشت یا سوانح نگاری نے گہرا اثر ڈالا۔ سوانح نگاری کے دو اسلوب ممکن ہیں یعنی اصل یا افسانہ کے سوانح یا افسانہ کے حالات زندگی۔ اسی دو صورتوں میں دو مختلف اسلوب نگارش کے نمونے سامنے آتے ہیں جب ہم کسی ہیرو میں اصل یا فرضی سوانح لکھنے بیٹھیں تو اسلوب نگارش شاعرانہ اثر پیدا کرے گا۔ بالفاظِ آرائی۔ لکھیں اور شاعرانہ رنگ آمیزی کے بغیر اس قسم کے سوانح مرتب نہ ہو سکیں گے۔ اس کے برعکس لونی کو مدلل اور جزم

اشخاص کے اصلی یا فرضی سوانح کچھ وقت حقیقت پسندانہ نثر کے بغیر کام نہ چل سکے گا۔ ناول نگاری صرف اسی وقت ممکن ہے جب نثر اپنے ارتقا کی ایک خاص منزل تک پہنچ چکی ہو۔ اس نثر میں شاعرانہ اور حقیقت پسندانہ دونوں قسم کی کردار نگاری ملے گی۔ نثر نگاری کو اس سے غرض نہیں کہ یہ سوانح خالص اس سے کہ ان کا تعلق اعلیٰ کردار نگاری سے ہے یا ادنیٰ درجہ کے افراد کا۔ نثر یہ پیش کیا جا رہا ہے) اصلی ہے یا فرضی۔ کم از کم ان سوانح کو اس طرح پیش کیا جائے کہ ان میں انسانی نوعیت کا وجود ہو۔ سوانح کی ہر قسم کی کھجوریں ہوتی ہیں۔ اس لیے نثر کے ارتقا میں اور خصوصیت کے ساتھ ناول نگاری کے ارتقا میں سوانحی ادب سے بڑا فائدہ پہنچا ہے۔ سچ پوچھتے تو ادنیٰ کرداروں اور جرائم پیشہ اشخاص کے سوانح ناول نگاری کے لیے زیادہ مفید اور مددگار ثابت ہوئے ہیں۔ ان کی وجہ سے حقیقت پسندانہ اور سیدھی سچی نثر وجود میں آسکی۔ لیکن یہاں پر بحث چنداں مناسب نہیں معلوم ہوتی۔ اس لیے اسے ایک جملہ مقررہ کے طور پر لکھا جا رہا ہے۔ ناول نگاری پر بحث کے حوالہ شاید اس بحث پر کہ کھنا واقعی مفید مطلب ہو سکتا تھا۔

### سوانح نگاری اور انشائیہ

چھاپے کی ایجاد نثر کے لیے پیام رحمت بن کر آئی۔ اس کے ساتھ ہی نثر نگاری کے نئے نئے اسلوب جدید میں آئے گئے۔ انسانی ادب تو سچے سچے معروضی اور حقیقی انداز میں لکھ کر کے میں میں ہے۔ انشائیہ ایک خالصتہ داخلی طرز نگارش ہے۔ چھاپے کی ایجاد کے بعد اؤل فرانس میں پھر انگلستان میں انشائیہ وجود میں آیا۔ یہ نثر کی ایک خاص قسم ہے جس میں لکھنے والا اپنے احساسات و خیالات کو ظہور میں لکھتا ہے۔ یہ چھوٹے چھوٹے مضامین ایک طرح کی آپ بیتی ہوتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لکھنے والا بیٹھا سوچ رہا ہے یعنی وہ اپنے خیالات کو اپنے لیے نگاہ ہے۔ اس طرح انشائیہ میں ایک ذاتی صفت موجود ہوتی ہے اور انشائیہ کسی سوچنے اور لکھنے والے کے احساسات کا آئینہ ہوتا ہے۔ اعداد نثر کا ارتقا یورپین زبانوں کے مقابلے میں دیر سے ہوا۔ یہاں چھاپے کی ایجاد بھی دیر ہی سے پہنچی تھی۔ پھر جس طرح ہر زبان کے ساتھ ہوتا آیا ہے۔ اُردو زبان میں بھی انھیں اور غرض نہیں کہی گئیں اور نثر بعد کو وجود میں آئی۔ اُردو میں انشائیہ بھی انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے شروع میں وجود میں آیا اور اس کو مناسب ترقی تو پاسے زمانے میں ہوئی ہے۔ عبدالحلیم شرر، سجاد حیدر، لیدرم، مولجہ حسن نظامی اور دوسرے لکابر نے اُردو انشائیہ کو ترقی دے کر اُسے دوسری زبانوں کے بہترین انشائیداروں کے شاہکاروں کے درجہ بدوش لا کر دکھایا۔ سب قابلِ تہنیت یہ خواجہ حسن نظامی کے انشائے ہیں۔ انشائیہ اور سوانح نگاری ایک دوسرے سے بے حد ملحق ہوئے ہیں۔ ان دونوں اصناف میں گہرا تعلق ہے۔ اس وقت میرے سامنے خواجہ حسن نظامی کے انشائے کی ایک شاہکار کتاب ہے سی پائے دل پڑی ہوئی ہے۔ میں اس کے اداق پڑھا ہوں تو جا بجا مجھے سوانح نگاری اور خود نوشت سوانح نگاری کے نمونے نظر آتے ہیں۔ دیاسوائی کے زیر عنوان لکھتے ہیں۔ آپ کو کون ہیں۔ ناچرنگہ۔ اہم نثر دیاسوائی لکھتے ہیں۔ مگر ایک دھبہ کاغذی گھاٹ پر۔ دراصل کپڑے دھونے والا دھوبی نہیں۔ دھوؤں کے داغ دھبے

دھونے والے صوفی کی مرکز نشین ہے۔ کچھ کا سلوک یوں شروع ہوتا ہے۔ شیراز کے طبعی صوفی نے کہا۔ دھونے کے بہتے پر کھڑے  
 نرنگا کی صورت منتوش ہے۔ اس کے لئے سے معنوں میں تم کے کچھ کا خلقت امداد سے غور کر کا خلق صورت میں دھونے پر نرنگا  
 کیا گیا ہے لیکن دھونے کا نرنگا صوفیوں کے ذریعے روح کا مصفا ہے ثابت کیا گیا ہے۔ سونے کی لہن تھانی میں کلمے اور گورے  
 دونوں کے قہر و صافنے کا قصد ہے۔ پیر اذہر تو کیا اگرین اور کیا دیسی سب کچھ پھر میں غور کر ان انشائیہ میں خارج سے باطن  
 کی طرف رجوع ہے۔ بظاہر کھنڈے کا وہ رد عمل ظاہر کیا گیا ہے جس کا تعلق خارجی دنیا سے ہے لیکن گہری نظر سے دیکھا جائے  
 تو باطنی اشارے ملتے ہیں اور نرنگا صوفی کی طرف رہنمائی ہوتی ہے۔ دھونے کا انشائیہ کسی معصنف کے رد عمل اور ذاتی احساسات  
 و خیالات کا ذریعہ انجاس ہے۔ خود خواہ حسن نظامی نے جو اس فن کے موجدوں میں سے تھے۔ انشائیہ اور سوانح اور خود نوشت سوانح  
 میں تقریبی نہیں برتی۔ کہیں وہ خارجی اشیا کے اندر حقیقت کا جلوہ دیکھنے کے لیے ایک سیر میں بن جاتے ہیں۔ چیزوں کو جانچے پرکھتے  
 اور بیان کرتے ہیں۔ یہ انداز سوانح کی ہر کتاب ہے اور کہیں وہ خود مختلف اشیا کا مرجع جھڑکتے ہیں اور مختلف حالات اپنے اور وارد کرتے  
 ہیں۔ یہ صورت خود نوشت سوانح کی کسی ہے جیسے کہ میں کہ ایک دھونے "پھیر" اور "سونے کی لہن تھانی" میں اظہار نے اختیار  
 کیا ہے۔

بعض کھنڈے داروں نے انشائیہ میں اپنے احساسات کو بلا واسطہ پیش کیا ہے جیسے عبدالعظیم شراد اور بجا حیدر یلیدم کے  
 مضامین سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس قسم کے انشائیہ بغیر کوئی روپ بھرے اور کوئی واسطہ تلاش کئے اپنے احساسات و خیالات  
 میں ڈوب کر گورہ مقصود لاتے ہیں۔ اور پڑھنے والے کو احساس ہوتا ہے کہ جو کچھ کھنڈے دار نے پریتی وہ خود اس پر بیت رہی ہے  
 اس کے برخلاف ایک طریقہ یہ ہے کہ دھونے کے حالات یوں بیان کئے جائیں کہ قاری کو محسوس ہو جیسے وہ سب  
 کچھ اپنی آنکھ سے دیکھ رہا ہے۔ فرحت افندہ بیگ نے دلی کا ایک یادگار مشاہدہ کھڑا کر اس طرز تقریر کو معراج کمال تک پہنچایا  
 آخری تاہد اور دہلی بہادر شاہ نظر کے دود کا ایک ایسا مرقع ہمارے سامنے آجاتا ہے۔ جیسے ہم پرچ پچ اس حد میں سامنے  
 رہے ہیں۔ میں کہ اردوں کی سوانح نگاری کی گئی ہے۔ وہ جیسے مہکتے ہیں۔ گویا ہم سے طامات کر رہے ہیں۔ احوال غالب  
 میں مایک نام نے ایک مختصر معنوی میں مرزا غالب کے یہی سہی کو اجاگر کیا ہے مگر ایسے جاندار طریقے سے کہ سامنے حالات  
 جیتی جاگتی تصویریں بن کر پیش کے پردے پر ابھرتی ہیں۔ گویا ایک غالب کا پرستار اگر سے سے چل کر دہلی پہنچا ہے۔  
 اودھ مختلف مرقعوں پر غالب سے طامات کرتا ہے۔ غالب کے رہنے سہنے کا طریقہ غالب کے عادات و مزاج کا  
 کچھ معنوی کی تصویر کشی۔ غالب کے اجاب کا غالب کے ساتھ تسن خاطر۔ غرض کہ ایک پر ادور چند صفحات میں یوں  
 پیش کیا گیا ہے کہ دیکھنے والے جی بند ہو گیا ہے۔ سوانح نگاری کا یہ ایک از کما شاہکار ہے۔

### کتابت کے ذریعے سوانح نگاری

آپ بیک ایک صورت کا کتاب نگاری ہے۔ خط و کتابت ایک فطری اور بے تکلف طریقہ انجاس ہے جس پر

انسان اپنے حالات سے خواہش کو سیدھے سے طریقے سے ظاہر کرتا ہے۔ اردو میں سب سے پُر لطافت خط مرزا غالب نے لکھے ہیں۔ اسی خطوط کو ایک خاص ترتیب سے پڑھا جائے تو یہ خطوط مرزا غالب کے حالات کے مختلف احوال بن جاتے ہیں۔ مکتوبات ادب کا وہ شعبہ ہے جس میں صداقت پر مبنی خیال کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ناول نگاری کی داغ بیل پڑی تو لوگوں نے مکتوبات کے ذریعے ناول لکھے۔ یعنی پورا ناول مختلف خطوط پر مشتمل ہوتا تھا۔ اس طرح لکھنے کی ضرورت یوں پیش آئی کہ انسانوں اور نادلوں کو اس زمانے کے قاری صداقت سے خالی سمجھتے تھے۔ اس کے برخلاف خطوط کو وہ صداقت پر مبنی خیال کرتے تھے۔ خطوط کتابت خواہ وہ اہل ہوں یا فرضی ناول نگاری کے ارتقا میں ایک اہم کڑی رہ چکی ہے۔ قیامت یہ ہے کہ پچھلے کے تسلسل کو خطوط کتابت کا پیرائہ بیان غیر ضروری طویل پھیلا دیتا ہے۔ بہرہ ویسا ہی کہ کچھ حال بیان کرنا ہو تو اس کے لیے ایک لمبا خط لکھا جاتا ہے۔ ضروری ہے جس میں بہت سی غیر متعلق باتیں اس لیے بیان کی جائیں گی کہ وہ خط سیرج کا خط معلوم ہو۔۔۔۔۔۔ یہی وجہ ہے کہ آخر کار ہر اسلوب نگارش ناول نگاروں کو ترک کرنا پڑا۔ لیکن جہاں تک سوانح نگاری کا تعلق ہے۔ یہ ایک امر سلیس ہے کہ خطوط خود نوشت سرگزشت ہوتے ہیں۔ آج بھی مشہور ادبی و سیاسی شخصیتوں کے خطوط ہمارے ادب کا ایک قابل قدر سرمایہ ہیں۔ (خطوط غالب، اخبار خاطر از ادب الکلام آزاد۔ مکتوبات نیاز فتح پوری)

## روزنامے

آپ بقی یا سرگزشت لکھنے کا ایک طریقہ مدناچہ نویسی ہے۔ ڈائری یا مدناچہ ادب کا ایک شعبہ ہے۔ بعض مدناچے عالمگیر شہرت کے مالک ہیں۔ اٹلی اور انگلستان میں جن نامور ادیبوں نے اپنے مدناچے لکھے۔ ان مدناچوں سے نہ صرف لکھنے والے کے سوانح معلوم ہوتے ہیں بلکہ اس کے دور پر روشنی پڑتی ہے۔ ہم ایک پورے دور کو ایک شخصیت کے مدناچے میں جلوہ گر دیکھتے ہیں۔ ہمارے زمانے میں خواجہ حسن نظامی کے مدناچے بڑے مقبول ہوئے۔ یہ روزنامے اولاً رسالہ وندیش دہلی اور اس کے بعد رسالہ انصاری دہلی میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ یہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ جو مدناچے اشاعت کی غرض سے تحریر میں لائے جاتے ہیں۔ اسی میں ایک پہلو غائب کا ہو سکتا ہے اور دوسرا اخصائے حقیقت کا۔ یعنی لکھنے والا اس رنگ میں اپنے کو پیش کرنا چاہے اس رنگ میں پیش کرتا ہے۔ مدناچے کی بہترین صورت وہ ہے جب لکھنے والا اپنی یادداشت کے لیے مدناچے لکھے۔ نہ کہ اشاعت کی غرض سے۔ خود نوشت سوانح نگاری میں مدناچے کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس لیے کہ روزنامے میں مصنف کے مدونہ شب کا ذکر خود اس کے قلم سے ہوتا ہے۔ مدناچے کی ایک خاص ادبی صورت بھی ہے۔ جس طرح مرزا رسالہ نے ہر دو جان داد میں ایک طوائف کی سرگزشت لکھی۔ اسی طرح قاضی عبدالغفار نے سیلی کے خطوط اور جرنل کی ڈائری میں ایک طوائف اور ایک تاجر میں کے مدونہ شب کا حال قلم بند کیا ہے۔ یہ دونوں کتابیں ہمارے سوانحی ادب میں ایک خاص درجے کی مالک ہیں۔ امرتھان داد و راجل کی ایک طوائف کا اضافہ نہیں۔ یہ ہمارے معاشرے کی داستان ہے جس کی مرکزی کردار ایک زنی بانڈی ہے جو باغی خانہ دیگر طوائفوں کی مانند رہے۔ یہ کتاب کہ اردو نگاری کے مدونہ کمال تک پہنچی ہے جس حاشیہ کا

دکرا میں کیا گیا ہے۔ علامہ اقبالؒ میں ایک خاص حیثیت کی مالک ہوا کرتی تھی۔ طوائف کا کرشمہ اور انہوں کے لیے ایک تربیت گاہ سے ہم نہ قطعاً ان کے خطوط میں بھی طوائف کی ذہنیت کا ایک نہایت کامیاب تجزیہ ملتا ہے۔ یہ طوائف بھی ایک جیتی جاگتی حرکت ہے لیکن نقطہ منظر وہ نہیں جو مرزا رسوا کا تھا۔ یہاں طوائف جس خوں آشام کے مدب میں بھی نظر آتی ہے۔ وہ پہلو میں ایک دھڑکنے والا ہر اول نقطہ الیٰ حرکت کی صورت میں بھی۔ محراب طوائف کو وہ پہلا مقام حاصل نہیں۔ مجنوں کی ٹھانڈی میں ایک تاش میں جو ان کے سرخ ہیں۔ اس میں ان کو تاش میں بیٹھے پر ایک گداغز ملتا ہے۔

## شعری

ہمارے بانیہ ادب کی ایک اہم شاخ شعری ہے۔ شعری کے ذریعے شاعر اپنا حال بھی تاریخی تک پہنچاتا ہے اور وہ مردِ حال بھی۔ یوں تو ہم شعری کو اب جتنی سے کہیں بڑھ کر جب جتنی قرار دے سکتے ہیں۔ اس لیے کہ شعری میں بعض اوقات تاریخی تفصیل اور بعض اوقات فرضی کرداروں کے نقشے ہوتے ہیں۔ لیکن اب جتنی کا پہلو بھی اکثر وہ بیشتر شویات میں موجود ہوتا ہے۔ ہمارے شاعری شعری شعری کو ذمہ کا قائم مقام سمجھا جاتا ہے۔ مذہب شاعری میں ہر درخواست وہ انسانی ہر تاریخی کاروائی نمایاں انجام دیتا ہے۔ دنیا کی عظیم ترین شاعری مذہب شاعری ہی کو قصہ کیا گیا ہے۔ ہر مرکب ریشم، خودی کا شاہنامہ، عشق کا فردوس، گم گشتہ۔ ہندوستانی ادب میں رمان اور ماجرات، مضمون مذہب شاعری کے اعلیٰ ترین نمونے انہیں پرستے جاسکتے ہیں لیکن اعلیٰ کردار کے کارائے نمایاں بیان کرنے کا یہی ہر زبان میں پایا جاتا ہے۔ خواہ وہ خالصتہ مذہب کی حدود میں آتا ہو یا نہ آتا ہو۔ نظامی کا سکند نامہ۔ جامی کی پرتو زلیخا، وارث شاہ کی ہیرا میر حسن کی بددین اور دیاسکرپس کی گودار نیم اور اسی طرح اگر گئے چلے جائیں تو مشرقی ادب میں بانیہ شاعری کے اعلیٰ نمونوں کا فقدان نہیں ہے۔ جیسا کہ بانیہ شاعری کے نام ہی سے ظاہر ہے۔ ان نمونوں میں جو پہلا اظہار اختیار کیا گیا ہے وہ مصرعی ہے۔ یعنی ہم ان نمونوں کے ذریعے ایک تہذیب اور ایک دور سے پوری طرح واقف ہو سکتے ہیں۔ اسی لیے شعری کو جب جتنی کہہ کر پکارنا مناسب ہوگا۔ تاہم یہ بھی ایک تدبیر کو مستند ملاحظہ آتا ہے کہ اصل قصہ بیان کرنے سے پہلے شاعر خود اپنے دور اور اپنے حالات منقراً بیان کرے۔ اس سے کو آپ بھی کیا پہلے تو نا مناسب ہوگا۔ دونوں صورتوں میں شعری نظم کے پیرائے میں سماجی ادب کی اہم ضروریات کو پورا کرتی چلی آئی ہے۔

## تذکرے

مشرقی زبانوں میں تنقید اور تجزیے کی ابتدا دیر سے ہوئی۔ اس باب میں مغربی زبانوں کو اولیت کا شرف حاصل ہے۔ لیکن مشرق میں تذکرہ نگاری کا دستور شروع ہی سے رہا ہے۔ ہمارے ان تذکرہ ادب کے سلسلے میں بھی تذکرے ہی مرتب کئے جاتے تھے۔ میر تقی میرؒ کی سوانح حسنہ کے دور سے لے کر اب حیات جگرؒ خرم خانہؒ ہادیؒ تک میں شاعروں کے حالات و صفات مشورہ اختصار و غیرہ دی گئے ہیں۔ تنقید اس قسم کے تذکرہ میں بھی تو برائے نام۔ اس پہلے سے کم انکم تا



ہو کر اوروں کی ابتداء سے مرعوبہ زمانے تک مشہور شعرا کے حالات ضرور مرتب ہو گئے۔ سوانحی ادب کہ ان تذکروں سے بڑا تھا پہنچا۔ خود ہمارے دور میں ہندو ماہنامہ سے کچھ پہلے تذکرہ نویسی میں مغربی ادب خصوصیت کے ساتھ انگریز مصنفین کے زیر اثر ایک نئی شاخ پیدا ہو گئی۔ تذکرہ محض تذکرہ ہی نہیں رہا۔ اس میں صاحب معنوی پرا داس کے اعمال و افعال پر تذکرہ نویس کی طرف سے کئی تنقید بھی کی جانے لگی۔ مولوی عبدالحق کا تذکرہ چند ہم عصر مرزا فرحت اللہ بیگ کی "تذریح احمدی" کہانی کچھ ان کی کچھ میری کہانی" رشید امجدی کی "گنج گراغیاہ" اور بعض اس قسم کی دوسری تصانیف تذکرہ نویس کے ارتقا میں بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ بعض لکھنے والوں نے طوطا پنا تذکرہ اپنے قلم سے کیا ہے۔ یہ سلسلہ یوں تو میر اور رحمن اور مصطفیٰ سے شروع ہوتا ہے اور حیرت برائی تک چلا جاتا ہے۔ لیکن یہ بھی عجیب بات ہے کہ مشرقی مجر و انکسار نے ان تذکرہ نویسوں کو کھل کر اپنی ذات کے متعلق لکھنے کی اجازت نہیں دی۔ دوسروں کے حالات میں تو انھوں نے پوری کی پوری کتابیں لکھ دیں لیکن جب اپنی باری آئی تو اپنے متعلق چند سطروں ہی میں اشارہ کر کے رہ گئے۔ بہر حال ان اشادات کو جمع کر کے خود مصنف کے الفاظ کو اس طرح تربیت دیا جاسکتا ہے کہ اس کے خود نوشت ثابت کیا ہو جائیں۔ اور ان تذکرہ نویسوں نے اپنا حال بھی کھل کر بیان کیا ہوتا۔ تو ہمارے سوانحی ادب کو تذکرہ نگاری سے اور زیادہ فائدہ پہنچا یعنی وہ اسرار و معارف ہم تکس پر پہنچ سکتے جو مشرقی وضع و عہد و انگار کی نذر ہو گئے۔ ادب کوئی صورت معلومات کی باقی نہیں۔ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جو ایک فرد واحد کے علم میں موجود ہوتی ہیں لیکن کاغذ پر نہ آ سکنے کے باعث معدوم ہو جاتی ہیں اور دنیا ان سے محروم رہ جاتی ہے۔

## شخصیت نگاری

شخصیت نگاری کا کافی بھی ہم نے مغرب ہی سے سیکھا ہے۔ سنا دل سے پہلے مغربی ادب میں انشائیہ اور شخصیت نگاری موجود تھے بلکہ شخصیت نگاری تو انشائیہ سے بھی بہت پہلے سے ہوتی آئی ہے۔ شخصیت نگاری نہ ہوتی تو انشائیہ ادب میں کردار نگاری کا ارتقا ضرور طریقے پر ہوا ہوتا۔ بات یہ ہے کہ شخصیت نگاری دراصل ایک طرح کی کردار نگاری ہی ہے۔ اندازہ عمر و زمانہ مانی سا ہوتا ہے۔ کردار کے ضد و خلیوں، اوصاف جلتے ہیں کہ ذہن کے پردے پر کردار کی تصویر متنی جاگتی سامنے آ جاتا ہے اور نگاری کو محسوس ہوتا ہے کہ کچھ کچھ کردار سے اس کی ملاقات ہو رہی ہے۔ ایک اور طریقہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پیرائے اظہار و رابطہ نہ ہو بلکہ بیان ہی ہو۔ اس صورت میں تاثر و زما الفاظ کو پھیلا کر بیان کرنے سے پیدا ہوتا ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ کچھ زمانے کی بات یا دور کی جاتی ہے۔ دماغ ٹھیک لگامانی طرز میں، مثنیٰ کو اس طرح سامنے لایا جاتا ہے کہ وہ حال نظر آتا ہے۔ ہر ذرا و تحریر کوئی بھی کیوں نہ ہو مقصد ایک ہی پیش نظر ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ کردار کے حالات قاری تک پہنچائے جائیں۔

## بعض متفرق صورتیں

بعض لوگوں نے اپنے خود نوشت سماج ہم تک خطوط کے ذریعے پہنچائے ہیں۔ اس ضمن میں خطوط غالب اور غلام



کا نام اور پکا ہے۔ اس شخصیت سے کسی مشورہ شخصیت سے اس کے حالات میں کچھ گھٹنہ تو اس نے کتب کے نگار میں حالات کو دیکھ کر دیکھ کر کہہ دیا ہے۔ اس نے ان کتب کی روشنی میں شخصیت کے حالات مرتب کر لیے۔ ببا اقلیت ہوئی ہو اس کے اس نے اس کے کچھ ناخوایا اس کا کردار اس اعتبار سے جو اس کا توں نے یا اس شخصیت کے طبع میں دیکھ کر لیا۔ اس صورت میں اس کا گویا وہی ہے۔ جو صاحب سوانح نے اپنے خط میں انتقال کے۔ بعض اوقات شخصیت نگاری ایک اور ہی دیکھ کر لیا ہے۔ کئی صاحب شخصیت اپنی کتاب کا پیش منظر ہے حالات سے مرتب کرتا ہے۔ اور ان کی اپنی پوری شخصیت کو اپنے نظر پر لکھ کر اپنے الفاظ میں ظاہر کرتا ہے۔ ادب کو اس قسم کی تقریروں سے بڑا ناگوار ہے۔ اس لیے کہ ان تقریروں میں قیاس اور غوطہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ مصنف ہم کو اپنے ذہن کا آئینہ عکاس کرتا ہے۔ پرانی کتابوں میں یہ دستور عام تھا کہ اصل کتاب جہاں شروع ہو۔ اس سے پہلے مصنف حریفی حال کرتا تھا۔ یہ ایک تمہید یا پیش منظر کی صورت ہوتی تھی۔ یہ کتاب کیوں لکھی جا رہی ہے۔ یہ کتاب کس دور میں لکھی جا رہی ہے۔ اس کتاب کے نگینے کیا گویا ہے؟ اور اس کے حالات زندگی کیا ہیں؟ یہ اور اس کی قیاس کے حالات کا جواب دینا ہے کی صورت میں مصنف خود سے دیتا تھا۔

### مشاہیر کا انٹرویو

ہر دور زمانے میں مشہور شخصیتوں کا انٹرویو کرنے اور ان سے لسانی ان کے حالات و خیالات معلوم کرنے کا طریقہ نکلا ہے اور ہمارا دور ایک صحافتی دور ہے۔ اس دور میں رسائل و اخبارات کے ایڈیٹر ملک کے شعور و آراء کے پاس جاتے ہیں اور ان کی گفت میں ایک سوال کر پیش کرتے ہیں جس کا جواب تو ان کے ہر خواہش اور طویل۔ ان مشاہیر کے حالات و خیالات کو اپنے حریفی سے لے لیتے ہیں۔ یہ طریقہ صحافتی قابل تہنہ ہے۔ خصوصاً اس غنیاتی زمانے میں جب سوال نامہ میں ترتیب کیا جاتا ہے کہ ساری ضروری باتیں پوچھ لی جا جو اب مکمل اور شافی ہو۔

شخصیت نگاری کا یہ دور اصل مشاہیر کے سوانح نگار کے کافی ہے۔ خود نوشت سوانح تحریر اس کی زندگی میں نہیں آتی۔ ایک شخص دوسرے انہماک کے تحت اپنے تاثرات جن کو تقریر میں لکھتا ہے۔ بارے میں شخصیت نگاری پر غماص کام ہوتا ہے۔ صورت ان کے مولیٰ جدائی، رشید احمد صدیقی، جلالہ علیہ سالک، دیوان شکر مفتی اور ان کے علاوہ بھی بعض نمایاں شخصیت نگاروں نے اس فنی میں امتداد کی ہے۔ سارا مفتی کا شخصیات ہزار اس میں ایک انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت رکھتا ہے۔ قادی کا مکتبہ ہاں دھارہ جاتا ہے۔ جہاں ایک مشہور نگینہ دلا دوسرے مشہور نگینے والے پر اخبار خیالی کردار شخصیت نگاری ایک فن کے علاوہ ایک سائنس بھی ہے۔ جس کی وجہ یہ کہ ہر دور میں شخصیات اور تجزیہ نفس سنجہ ترقی کی ہے۔ وہ کچھ زمانے تک نہیں ہوتی تھی اب شخصیت کو نگینے کے بغیر بیان نہ ہوئے ہیں اور نئے نئے اصول بنائے گئے ہیں۔

سفر نامے اور رپورٹاژ زندگی کو ایک سفر اور دنیا کو عالم سائنس اور سائنس کا فیوچر کہہ کر پکارتا عام ہے۔ لیکن

کے چھپے و خفیات کلمہ کہہ رہے ہیں کہ انسان اس دنیا میں سفر کرتا چلا آتا ہے۔ یوں تو ہر سال ایک سفر ہے جو عمر و وقت میں  
انتہا کر دیا جاتا ہے۔ تشریحات سے قطع نظر بھی دیکھا جائے تو ابتدا میں انسان ایک جگہ رہ کر تمدن زندگی بسر کرنے کے بجائے جگہ جگہ  
گھومنا چھوڑتا تھا۔ یہ کیفیت ہزاروں جگہ لاکھوں برس قائم رہی۔ اس نے ہماری نفسیات پر ایک گہرا اثر چھوڑا۔ آج ہم کو شہری زندگی اختیار  
کئے ہزاروں برس کا راز گزرا۔ ابھی ہمارے تحت شعور میں کچھے قبر بات کا نقش موجود ہے اور یہ نقش غالباً مٹ نہیں سکتا۔ زندگی کو تو  
ہم سفر کے تشبیہ دیتے ہی آئے ہیں۔ موت بھی ہمارے لیے ایک سفر ہی ہے اور موت کے بعد ہی یہ تصور موجود ہے کہ سفر ابھی ختم نہیں  
ہوتا۔ بقول میر

موت اک مانگ کا دفعہ ہے      یعنی آگے چلیں گے دم لے کر

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہر شام عوامد نظر کسی منزل کی طرف سفر میں مصروف دھنک ہے۔ جیسے وہ اپنی جنت یا جہنم تلاش  
کر رہا ہو۔ اگر طرز و ظرف طبع ہے تو زندگی کا سفر اس امید پر طے ہو رہا ہے کہ اس کی منزل کوئی خیال جنت ہے۔ اگر شام اذیت پسند  
ہے تو گویا وہ دنیا کی طرف کشاں کشاں جا رہا ہے۔ یہ احساس آنا شدید ہوتا ہے کہ خود زندگی کی ہی جنت اور دوزخ ہر سال میں  
مٹی ہے۔ طعن کو کوئی لہر لہا کر سفر سے خالی نہیں۔ یہاں ایک پہلو اور بھی قابل غور ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان فطرتاً تجسس پس  
ہے۔ حد خیال کی دنیا میں اوجھتی دنیا میں تلاش و تجسس میں لگا رہتا ہے۔ گویا وہ ایک کولیس ہے اور اس کا مقصود کوئی نئی دنیا دریافت  
کرنے کے لیے ہے۔ طبیعت کے نکل کر چٹکوں جھگڑوں مارے مارے پرنا دیاروں اور مندوں میں طوفانوں کے مقابلے کرنا۔ طبع طبع کے ساتھ  
سے چار ہزار بے ثبات کرتا ہے کہ انسانی ہی ایک انسانی خواہش سفر کرنے کی ہے۔ انسانی ہی تجلیں دریافت کرنے کی ہے۔ یہی جو ہم  
کو ہر زبان کے ادبی سفر ناموں کی ہمتا ہے۔ ان سفر ناموں میں بعض اوقات بے سرو پا باتیں بھی ہوتی ہیں۔ سفر کرنے والے یہ کہ  
ہیں کہ جو کچھ ہم بیان کریں گے۔ اس پر پڑھنے والے پورا یقین کریں گے۔ چنانچہ وہ عجوبہ اور کچھ کو خطا مٹا کرتے آئے ہیں۔ ہر حال  
بالفاظ رانی سے قطع نظر بھی سفر ناموں میں بہت کچھ ہوتا ہے۔ ان میں دوسروں کے حالات بھی ہوتے ہیں اور اپنے تجربات بھی اور  
مشہور مقامات اور مشہور شخصیات کی تصویر کشی بھی ہوتی ہے۔ اس طرح جگہ جگہ جاتی کاسٹم اگر ملتا ہے تو سفر ناموں  
ان سفر ناموں کے پڑھنے سے ہماری فطرت کا ایک بنیادی تقاضا نیکیس پاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ سفر نامے اس قدر مقبول  
اور دوزبان ہیں بھی سفر ناموں کی کوئی کمی نہیں۔ علامہ شبلی اور علامہ حسن نظامی نے بلاد اسلامیہ میں اپنے سفر کا حال ایسے منفرد انداز  
لکھا ہے کہ ان کے سفر نامے ہمارے ادب کا جوہر بن کر رہ گئے ہیں۔

سفر کے تاثرات ظاہر کرنے کا ایک جدید طریقہ پیدائش ہے بنیادی حیر پر پیدائش کرنے کا ایک نئی ہے معنی جو کچھ دیکھ  
وہ بیان کر دیا جائے لیکن فنی صورت یہ ہے کہ ایک طویل متلے میں کسی سفر کے تاثرات کو راجا جاملے اور رنگ تحریر انسانوں  
فنی مغرب میں بھی ابھی جدید ہی سمجھا جاتا ہے اور خود ہماری زبان میں تو اس کو رائج ہونے چند ہی سال کا عرصہ گزرا ہے۔ میر  
پیدا اثر متعدد میں جو مشہور انسانانہ نگار کثرت چند سے لکھے۔ ان میں پرتاژوں میں سفر کی سرگزشت اور لکھنے والے کے  
کا ایک عجیب مزاج ملتا ہے اور ان کے پڑھنے میں سفر نامے اور افسانے دونوں کا مزہ آتا ہے۔ مناظر کی عکاسی کے۔

ہے احسانات کی حکایت بھی کی جاتی ہے اور یہ لکھا جاتا ہے کہ انفرادی طور پر جو کچھ لکھنے والے نے محسوس کیا۔ اجتماعی طور پر  
تکڑی بھی محسوس کر سکیں۔

## آپ جی کا مختصر متفرق احسانات سخن ہیں

نظارہ غزنی کے علاوہ دوسرے اصناف سخن میں اتنی گنجائش نہیں معلوم ہوتی کہ شاعر ان کے ذریعے اپنی آپ جی بیان  
کرے۔ یہی غزل کی صنف ایسی رنگارنگ ہے کہ اس میں سب کچھ لکھا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ لکھنے والا تجربہ بات یہ ہے  
کہ غزل انفرادی تجربے کا عمومی رنگ میں پیش کرنے کا دعویٰ کرتی ہے۔ اگرچہ غزل کا ایک خاص مہذب ہے اور کچھ ایسا ہے کہ غزل کے  
موضوعات بھی متضیق ہیں یہی غزل کا کمال بھی ہے کہ وہ بیک وقت عمومی بھی ہوتی ہے اور انفرادی بھی غزل کا شاعر ایک شخص  
شخصیت بن کر ہی ملتے آتا ہے اور اگر وہ عظیم شاعر ہو تو خود غزل کو اپنے انفرادی تجربے کا ذریعہ اختیار بھی بنا دیتا ہے۔ چنانچہ  
بڑے غزل گو دبی میں جنہوں نے غزل میں ایک انفرادی رنگ پیدا کیا ہے اور اپنے نفاذی حالات و تجربات غزل کے دہلیز میں پیش  
کئے اس سلسلے میں تیر، غالب، داغ، انبال اور جو جس کے نام پیش کئے جاسکتے ہیں جن کی شخصیت کا ذریعہ اختیار ان کی غزل  
ہے۔ مراد ناصر تروانی کی مثال بھی ہمارے سلسلے ہے جنہوں نے اپنے سیاسی تجربات قید بند کے حالات آزادی کی ترقی  
اداسی قسم کے دوسرے خیالات کو غزل کا جامہ پہنا یا ہے۔ قصیدے کے باب میں بھی یہی کہہ لیا جاسکتا ہے جو غزل کے سخن  
میں لکھا گیا ہے۔ ایرانی شعراء اور ان کے بعد پاک و ہند کے پارسی اور اردو قصیدہ نگار اپنے قصائد میں اپنے سوانح اور زمانے  
کے حالات کا تذکرہ کرتے پہلے آئے ہیں۔ اس ضمن میں عربی اور فارسی کے قصائد ایک خاص حیثیت کے مالک ہیں۔ ان شعراء کی  
آپ جی ان کے قصائد میں موجود ہے۔ یہی حال توردا اور ذوق کے قصیدوں کا ہے۔ توردا نے خصوصیت کے ساتھ شکایت زمانہ  
اور ذاتی حالات اپنے قصائد میں داخل کئے۔ ایک حد تک باہیات میں بھی آپ جی کی جھلک ملتی ہے۔ ہر چند کہ رومانی کی صنف  
چار مصرعوں پر مشتمل ہے اور چار مصرعوں میں اپنے حال کو ہر طرح بیان کرنا چندان آسان نہیں۔ شاعر کو اختصار اور گرائی سے  
کام لینا پڑتا ہے مگر اپنے حالات کی ایک جھلک دکھانے پر قناعت کئی پڑتی ہے۔ غزلیہ غزنی کے علاوہ غزل۔ قصیدہ اور  
رباعی بھی اپنے حالات بیان کرنے میں شاعر کی مدد کرتی آئی ہے۔

## سوانح عمری اور آپ جی

سوانح نگاری کے لیے چند شرائط ضروری ہیں۔ اول یہ کہ سوانح نگار اپنے فن سے پوری طرح واقف ہو۔ دوسری یہ  
کہ سوانح نگار زمانے کے بدلتے ہوئے طرائق کے مطابق شخصیت کے ان عناصر پر زور دے جو تاریخ کی نگاہ میں اہمیت  
رکھتے ہوں۔ تیسری یہ کہ سوانح نگاری کے ذریعے شخصیت نگاری کا فن ترقی کر سکے۔ بظاہر یہ شرائط کچھ ایسی اہم نہیں معلوم  
ہوتیں جیسا کہ تو غیر کسی فنی آگاہی کے صرف اپنے جو ہر قابل پر اعتماد کر کے سوانح نگاری کرتے آئے ہیں۔ یہی سوانح نگاری

کارنامہ ہے کہ نوازشتہ طبع پر وہ ان اموروں پر کاربند رہے ہیں۔ پہلی شرط کا تسبیح ترک و انحصار ہے۔ یعنی ایک اصلی یا فرعی شخصیت کے کون سے پہلو نمایاں کئے جائیں اور کون سے چھوڑ دیئے جائیں۔ کسی ہیرو کا حال بیان کرنے میں یہ لحاظ رکھا جاتا ہے کہ اس کے کارنامے نمایاں پر نمودار کیا جائے۔ اس کی زندگی کے اہم لمحات کا حال تھیں کے ساتھ بیان کرنا حاصل ہوگا۔ جن میں وہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں نگار دہو یا ایسے غیر ضروری کاموں میں مصروف رہا ہو۔ جن کے بیان سے قاری کو کوئی فائدہ نہ پہنچے جو لوگ خود اپنے حالات یا دوسروں کے سماج ایک خاص نقطہ نظر سے بیان کرتے ہیں اور اس نقطہ نظر کو سامنے رکھ کر اپنی یا دوسروں کی شخصیت کے خدوخال نمایاں کرتے ہیں۔ وہ سوانح نگاری کے نئی سے واقف ہوتے ہیں۔ سوانح نگاری ایک بڑی ذمہ دار صنعت ادب ہے جن شخصیتوں کے سوانح ماڈل یا نمونہ بنا کر دنیا کے سامنے پیش کئے جائیں۔ ان میں واقعی کوئی بات بھی ایسی ہونی چاہئے کہ پڑھنے والے کو احساس ہو کہ اس شخصیت کا مطالعہ کرنا ناگزیر ہے۔ یہی شخصیتیں سماج میں بہرہ دہی کر رہتی ہیں۔ ان کا میدان عمل خواہ سیاسی ہو یا روحانی یا ادبی یا دینی ہی ضروری ہے کہ وہ شخصیت کے سماج پیش کئے جائیں۔ ان کی صرف مدح سرائی ہی نہ کی جائے۔ سوانح نگاری کوئی تعصبات نگاری نہیں ہے۔ عام شخصیتوں کی نقلیں اور کوتاہیاں سامانِ جہت و بصیرت ہوتی ہیں۔ یہ کوتاہیاں اگر ظاہر نہ کی جائیں اور معروف شخصیتوں کو بہرہ دہا کر محض ان کی چٹپٹائی جلنے تو یہی سوانح نگاری کے ساتھ انصاف کرنا نہ ہوگا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہی ضروری ہے کہ صاحبِ سوانح کی غفلت کو پوری طرح سمجھا جائے۔ کسی بڑے آدمی میں وہ کونسی غریباں تھیں جس نے اس کو بڑا بنایا۔ جب تک یہ معلوم نہ ہو اور سوانح نگاری کے ذریعہ اسے علم تاریخ تک نہ پہنچا یا جاسکے۔ تاریخین کو پورا فائدہ نہ پہنچے گا۔ یہاں جنگ جیتی اور آپ جیتی میں کوئی فرق نہیں۔ چاہے میں خود اپنا حال لکھوں۔ لیکن جب تک مجھے اپنی کوتاہیوں اور شبہوں کا پورا احساس نہ ہو اور میں ان دونوں کو اپنے پڑھنے والوں تک نہ پہنچا سکوں میری آپ جیتی دوسروں کے لیے فائدہ مند نہ ہوگی۔

ذاتی زمانہ وقت کے ساتھ بدلتا رہا ہے وہ بدلتا رہے گا۔ شخصیت کے کئی پہلوؤں پر پچھلے دور کے لوگ زور دیتے تھے۔ یہ ضروری نہیں کہ موجودہ نسل کے لوگ بھی انہیں کو پسند کرتے ہوں نہ یہ ضروری ہے کہ ایک قوم یا ملک کے رہنے والے ہی شخصی خصوصیات کو پسند یا پسند کرتے ہوں۔ دوسری قوم یا ملک کے لوگ بھی انہیں کو پسند یا پسند کریں گے۔ ختلف زمانوں اور ختلف مقامات میں سوچنے کا وضع مختلف رہا ہے۔ دنیا انہی متغیر اور رنگارنگ ہے۔ سوچنے کے طریقے اور دشین وقت کے ساتھ ساتھ اس طرح بدلتے چلے گئے ہیں کہ گن جو چیز غیبی کہلاتی تھی۔ لیکن اب آج برائی نظرائے حد بار ماری کے دور میں جو تقدیر قابلِ تقدیر تھیں۔ جمہوری ناس میں ان میں سے اکثر پسندیدہ ہو گئی ہیں۔ سامنس کی تکی۔ سیر و سفر کی آسانیاں۔ علوم کی اشاعت اور ایسے ہی بہترے دوسرے وجوہات سے معاشرتی ناوبرائے نگاہ کو بدل دینے کے لیے کافی ہیں۔ چنانچہ کامیاب سوانح نگار وہ ہے جو اپنے دور کے تقاضوں کو پہچان لے۔ لکھتا ہے اور یہ جانتا ہے کہ کون سے پہلو اس کے اندر میں نمایاں کرنے کے قابل ہیں۔

شخصیت نگاری حیا کہ اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے۔ اب ایک نئی ہی نہیں ایک سامنس بھی ہے۔ ماحول و معاشرت کے بغیر شخصیت نہیں بنی۔ چنانچہ دورِ حاضر کا سوانح نگار اپنے یا دوسروں کے سوانح حیات اس طرح ترتیب کرتا ہے کہ تاریخی ہر کچھ کہیں نہ مبالغہ آرا کہیں خشک وراثت کا منت پذیر نہ ہو اور کہیں خشک ماحول کا احسان نہ دے۔ ماحول و معاشرت ایک متکامل ہم آہنگ ہیں اور ایک متکامل

آپ جی ادا عزت رات بقائے نسل کی خواہش کے علاوہ خود اپنی ذات کا نگہار ہے۔ ہماری جبلت میں داخل ہے ہمارے  
تہم فزون لطیف فی کاس کے انہار ذات کے ساتھ نہیں۔ خواہ وہ تاج محل جیسی سبک اور حسین عمارت ہو یا تیر و غالب کی اثر آفریں  
شاعری۔ یہ انسانی خاصہ ہے کہ وہ اپنی ذات کا کوئی نقش دنیا میں چھوڑ کر جانا چاہتا ہے۔ اس طرح فانی زندگی بقائے معلوم حاصل  
کرتی ہے۔ آپ جی بھی اپنی ذات کا ایک نقش ہی ہے جسے صغر عالم پر ثبت کرنا ہماری مرثیت میں داخل ہے۔ یوں تو مشاہیر  
کے حالات کھڑکے ایک تکیں مائل ہوتی ہے لیکن اپنے حالات کھنا اور بھی زیادہ روحانی تسکین دیتا ہے۔ آپ جی کا فانی بھی  
ایک کوئی مضبوط فی نہیں ہے۔ اس کے لیے یہ ضروری نہیں کہ تعداد صفات کی کوئی قید ہو۔ یا کوئی خاص طریق کار ہو جس پر کھنے والے  
کے لیے عمل پیرا ہو ضروری ہو آپ جی خواہ چند سطروں پر مشتمل ہو خواہ سیکڑوں صفحات پر فیض، ہر حال آپ جی ہی ہوتی ہے۔ دورانِ حیات  
خود نوشتہ سوانح عمری جو منوی طور پر آپ جی کی کتاب ہے۔ مگر ما ایک مفصل کتاب ہوتی ہے جس میں مختلف باب بستے ہیں ادا اس  
لحاظ سے اس کا فیض و فائدہ جتنا ہے۔ البتہ آپ جی کا مقررہ اپنے حالات کا اثر میں کھنا ہے یعنی بنیادی شرائط دو ہیں۔ اول یہ کہ  
مختص اپنے حالات خود لکھے اور دوسرے یہ کہ حالات شرمیں ہوں۔

آپ جی کراہانات کتا جا ہوا کہ یہ غلطی کسی دنیا سے مستعار ہے۔ یہی لکھا میں ہر شخص پر لازم آتا ہے کہ پلیدی کے  
مسلط اپنے حالت کا احترام کو اپنے غلطیوں کے احترام سے جو ناست ہوتی ہے۔ وہاں میں کہہ دیتی ہے اور اس  
کہ وہ اس کے اندر پاکیزہ ہوتا ہے۔ اس طرح دیکھا جائے تو آپ جی انسان کی خواست کا انکار ہے۔ اس لیے آپ جی کا  
ہر ایک اس کے لئے ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ قدرت انسانی کا ایک خاصا ہی ہے کہ انسان اپنی بہت میں آپ جی کے لئے  
ہر ایک اس کے لئے ہے۔ اس کے لئے ہے کہ اس کے لئے ہے۔ اس کے لئے ہے کہ اس کے لئے ہے۔ اس کے لئے ہے کہ اس کے لئے ہے۔  
اس کے لئے ہے کہ اس کے لئے ہے۔ اس کے لئے ہے کہ اس کے لئے ہے۔ اس کے لئے ہے کہ اس کے لئے ہے۔ اس کے لئے ہے کہ اس کے لئے ہے۔  
اس کے لئے ہے کہ اس کے لئے ہے۔ اس کے لئے ہے کہ اس کے لئے ہے۔ اس کے لئے ہے کہ اس کے لئے ہے۔ اس کے لئے ہے کہ اس کے لئے ہے۔

لین جیٹا گاڈھی خواجہ حسن نظامی ہنر۔ جو اہرلال نرو کے نام شامل ہیں۔

ہمارا دور ایک تنقیدی دور ہے۔ اچھا سرائح نگار آج کل وہ کہلاتا ہے جو اپنے موضوع کے ساتھ نہ صرف انصاف کرے بلکہ ممکن ہو تو صاحب سرائح کو بالکل نکال کر دے۔ ہر بڑے آدمی کے اندر ایک چھوٹا آدمی بھی ہوتا ہے۔ آج کا سرائح نگار صاحب سرائح سے مرعوب نہیں ہوتا۔ نہ اس کی تعقید خرابی کرتا ہے۔ وہ تجزیہ فیض کی روشنی میں اپنے موضوع کو جانچتا پرکھتا ہے اور عموماً اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ مشاہیر کو تاہم ان اور خامیوں سے متبر نہ تھے۔ ہمارا دور بہت شکن کا دور ہے نہ کہ بہر و پستی کا۔ اب یہاں یہ سوال پیدا ہو گا کہ آخر خود ذشت سرائح نگاری کو جانچنے پر کھنے کے ذرائع کون سے ہیں۔ ہم کسی دوسرے کے سرائح لکھیں تو یہ امر اختیار ہی ہے کہ ہم صاحب سرائح پر شکستہ چینی کریں یا اس کی مدح سرائی۔ عام طور پر ہمارے زمانے کا سرائح نگار یہ ثابت کرتا ہے کہ مشاہیر اکثر وہ بیشتر غیر منودی طور پر مشہور ہو گئے۔ ایک بڑا فاج جو اپنے کو بہادر جانا تھا۔ آج اس کی نسبت یہ لکھا جاسکتا ہے کہ وہ بہادر نہ تھا ڈر پرک تھا، مگر حالات ہی کو ایسے ہو گئے کہ وہ فاج بن گیا لیکن خود ذشت سرائح نگاری میں تنقید کے مواقع نہیں ہوتے۔ یہاں تو ہم اپنے کو جیسا تصور کرتے ہیں۔ ویسا یا اس سے بڑھ چڑھ کر ظاہر کرتے ہیں بلکہ ثابت کر دیتے ہیں۔ آپ جی پر ایمان لانا تاہم ان کے بے ضروری نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مشاہیر کی آپ بیتیوں پر بعد کے لوگوں نے اختلافی مضامین لکھے۔ یہ طریقہ آئندہ بھی جاری رہے گا اگر ایسا نہ ہو گا تو عام قارئین خود ذشت سرائح پڑھ کر صحیح نتیجے پر نہ پہنچ سکیں گے۔

## آپ بیتی کی سرگورنہ حیثیت

سوائی ادب کی عمر اور آپ بیتی کی خصوصیت سرگورنہ حیثیت ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا (۱) تاریخی حیثیت (۲) اخلاقی حیثیت (۳) یادگاری حیثیت۔ جہاں تک آخر الذکر کا تعلق ہے وہاں اشارہ کیا جا چکا ہے کہ بقائے نسل کی طرح اظہار ذات بھی انسانی جبلت میں شامل ہے۔ باقی دو قسم کے اقیانوسات جو سوائی ادب کو حاصل ہیں وہ تاریخی اور اخلاقی ہیں۔ سرائح نگاری خواہ وہ حقیقت پر مبنی ہو اور جیتے جاگتے ہوئے کے کرداروں کے سرائح پر مشتمل ہو اپنے دور کی تاریخ کو غور و بیش نظر کرتی کہلاتی ہے۔ چنانچہ ہم کسی دور کی تاریخ اس مسلک میں لکھ کر اس سے مرتب کر سکتے ہیں۔ اس ضمن میں مشہور انگریز محقق و سرائح نگار ہانس کارول کا قول ہے کہ "تاریخ بڑے آدمیوں کے سرائح کا نام ہے" اس قول میں دو نوعیت کا امتزاج ہے۔ اول یہ کہ بڑی شخصیتیں اپنے دور کی تاریخ بناتی ہیں۔ کارول کے لیے یہ کہنا اس واسطے درست تھا کہ اس سے پہلے وہ بستی کے خطے کو راجا دیا ہے۔ دوسرا یہ کہ اس قول کا یہ بھی ہے کہ کسی بڑی شخصیت کا مطالعہ اس کے تاریخی دور کے ایک دور کی تاریخ کا جاسکتا۔ چنانچہ سرائح نگاری میں کسی خاص شخصیت کے سرائح ہی نہیں ملتے بلکہ اس دور کی تاریخ کا عکس بھی ہوتا ہے۔ یہی بات جس طرح کہ آپ بیتی کے مطالعہ سے بھی کہی جاسکتی ہے۔ یہ کہ آپ بیتی کے مطالعہ سے سرائح جیات لکھتا ہے تو وہ اپنے دور کے حالات پر بھی عکس کرتا ہے۔ اس کے مطالعہ سے دور کی تاریخ پیش کرتا ہے۔ یہ سوائی ادب کی دوسری حیثیت کی طرف اشارہ ہے۔ یہاں اشارہ ہے کہ اس شخصیت کے سرائح کے مطالعہ سے دور کی تاریخ لکھی جاسکتی ہے۔ اس طرح کسی شخص کے سرائح جیات کی تاریخ لکھ کر اس سے دور کی تاریخ لکھی جاسکتی ہے۔ جب تک یہ نہ دکھایا جائے کہ کسی آدمی کی تاریخ لکھی

کارہائے غلیظ انہام میں، کمال کمال دو سرے عام انسانوں سے قطعاً جو کہ زندگی کی بنیادوں تک رسائی حاصل کی اور اس کے ساتھ ہی کسی طرح عام انسان کی طرح زندگی کے امتوں شکست کھائی اور عام انسان کمزوریوں سے بلند نہ ہو سکے، اس وقت تک سوانح شجری گویا اپنا فرض منصبی نبھانے میں ناکام رہی۔ حیرت اور شکست کو نمایاں کرنے سے سوانحی ادب میں انقطاع شائع پیدا ہوتا ہے۔ پھر جب کوئی اپنی آپ جیتی کھے اور زندگی کے آثار چڑھا کر دکھائے کہ کس طرح اس نے ایک بڑا کام کیا اور کس طور پر چھٹی پھرٹی غلیظ سے اعلیٰ مہل انسان کمزوریوں سے اپنی شخصیت کے راس کو پاک کر کے سارا اس کا یہ کھانا ایک عجیب مزادیتا ہے اور خود اس کی ہستی نردھنیت اور رقیہ حیرت بن کر ہماری آنکھوں کے آگے ابھرتی ہے۔

### نئی اور پرانی قدریں آپ جیتی میں

بچپنے زمانے میں اور ہمارے زمانے میں دو قسم کی مختلف قدریں رائج رہی ہیں۔ ایک دور صاحب فنی ہستی، انکسار، فقر و دوشی کو زندگی نگاہ میں سے دیکھا جاتا تھا۔ یہ دور زندگی کو ریاضت و عبادت اور رستہ ساری کا فدیہ سمجھتا تھا۔ ایسے دور میں جو ادب پیدا ہوا اس میں اصل یا فرضی شخصیتوں کو انسان کی زندگی کا مثالی نمونہ قرار دیا گیا جو مجاہد نفس، ریاضت و عبادت، فقر و دوشی اور انکسار و تواضع کو انسانی اقدار میں سر بلند تصور کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم اپنے بزرگوں کے حالات پڑھتے ہیں تو ان میں ہمیں دنیوی طبع و دوسری نفاذات خود نشانی، فقر و فقرات اور اسی قبیل کے دوسرے جنات نہیں ملتے بلکہ تمام تر زندگی دنیا سے الگ تھک رہنے پر اور اپنے آپ کو خدا کی خاطر دوسرے انسانوں کی بھلائی کے لیے فدا کر دینے پر ہوتا ہے۔ قدیم معاشرت میں خواہ وہ بند و معاشرت ہو یا پسگی یا اسلامی معاشرت یکساں طور پر انہی اقدار کی کارفرمائی تھی۔ چنانچہ جو لوگوں نے اپنے حالات کھے ہیں یا دوسروں کے سوانح پیش کیے ہیں ان اقدار کو سراہا ہے لیکن جب دور بدلا اور وہ دہائیہ یا نئی قدریں رائج ہوئی تو سوانحی ادب کے سانچے بھی بدلتے گئے۔ یورپ کی نشاۃ الٰہیہ کے بہرہ میں مسیحی و جہوری دور آیا تو نفس پرستی بڑھنے لگی۔ اپنی تعریف اپنے منہ کا قابل اعتراض نہ رہا۔ خود غرضی، خود ستی اور ہم چوں بدیہی کیستہ کا ڈھانچے بن گئے۔ چنانچہ آج کی خود پرستی کا دور دورہ ہے۔ ان حالات میں ایک سوانح نگار کا فرض یہ ہے کہ شخصیت کو نئی قدریں سکھانے سے نا پے۔ مراد یہ ہے کہ کس طرح کوئی شخص غلام و بچ کی بحث میں پسے بغیر چھٹی حیثیت سے بڑی حیثیت پہنچ گیا اور تنہا دولت و شہرت اور ہمارے منصب اس کے قدم چمکنے لگے۔ یہاں اس سے غرض نہیں کہ جو نتائج اس شخص نے اختیار کیے وہ اخلاقی تھے یا غیر اخلاقی، دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے مقصد میں کس قدر کامیاب یا ناکام رہا۔ ایسے دور میں آپ جیتی بھی خود ستی کے سوا کچھ نہیں ہوتی بلکہ کھنے والا فقر و تافاش کے ساتھ کھ سکتا ہے کہ اس نے کامیابی حاصل کرنے کی خاطر ہاتھ و پاؤں کوئی تیا نہیں دیا۔ اس کے باوجود آپ جیتی کی اہمیت کم نہیں ہوتی اس لیے کہ آپ جیتی پر حاکم کرنے کا کام مستقبل کا ہے اور کے مسلم کے مستقبل میں کوئی قدریں بدلی و بدلی ہوں گی۔

### آپ جیتی بطور اشتہار

ہمارا دور ایک اشتہاری دور ہے۔ اس معنی میں کہ آج کل اپنے منہ میں ان شرف و قابل ترین خیال کیا جاتا ہے۔ ایسے دور میں



ہستی کے لیے بڑا خطرہ یہ ہو سکتا ہے کہ انسانی مادی کمزوریوں کو ضدِ تحریر میں ڈالنے اور اخلاقی حال سے کام لے کر مستقبل کے قیامی حقیقت سے باخبر نہ ہونے دے۔ جو آپ بتیوں اس مقصد سے لکھی گئی ہیں کہ وہ چھپ کر شائع ہوں گی ان میں لکھے والے بجا طور پر منائے مال سے کام لے سکتے ہیں لیکن جو شخص اپنی آپ بیتی اپنی خاطر لکھے اسے کوئی ضرورت نہیں کہ اخلاقی حال سے کام لے۔ اور یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ آپ بیتی کی حیثیت اعتراضات کی سی ہوتی ہے۔ ایسی آپ بیتی انسانیت کے لیے مفید خدمت انجام دے سکتی ہے۔ سائنسی دور میں ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اپنے حالات بے کراست لکھے جائیں۔ تاہم جو باتیں چھپانے کے قابل ہوں، وہاں وہاں کے مخصوص ماحول کا حامل بنا دیا جائے۔ اصل ماحول صرف ان پر کھل سکے گا جو ان ماحول کو سمجھیں گے اور اس پیل کو جو ہمیں لگے ایسی آپ بیتی ماہرِ نفسیات کے لیے خاص طور پر کارآمد ہو سکتی ہے۔ فرض کہ اس انشائی دور میں بھی آپ بیتی کی اہمیت کم نہیں ہوئی بلکہ بڑھنے لگی ہے۔

### آپ بیتی اور خود شناسی

کہتے ہیں کہ خود شناسی شناختی ہے اور خود کو پہچاننے کے لیے معنی ظہری کافی نہیں بلکہ ذکر بھی ضروری ہے۔ یعنی جب ہم غم اپنے دل میں ایک بات کو دہرا رہے ہیں تو ہمارے خیالوں کی گتھی ٹکڑے جاتی ہے اور ہم اپنے افکار و اعمال کو سمجھ سکتے ہیں۔ اس نقطہ نظر سے آپ بیتی لکھنے وقت گویا ہم اپنے اعمال و افکار کو دہرا رہے ہوتے ہیں اور اپنی ذات لکھنے میں ہیں آسانی ہو جاتی ہے۔ پھر جب ہم سوچتے ہیں کہ جو مسائل ہمارے ہیں یا اس سے جتنے جتنے مسائل اس جمہوری دور میں، دوسروں کے بھی ہوں گے تو ہم یہ محسوس کرسکتے ہیں کہ اپنے حالات و احوال کو احاطہ تحریر میں لاکر نہ صرف یہ کہ ہم خود شناسی کی منزل تک پہنچ سکتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی اسی منزل تک پہنچا سکتے ہیں۔ وجودیت کے نقطہ نظر سے ہر سچی الگ اور منفرد ہے۔ جو وہ مادی و فطرت پر گزرتی ہے جو کہ صرف اسی کا علم ہو سکتا ہے لیکن جس طرح ہر ذرے میں نظامِ کیمی کا درجہ ہے اسی طرح ہر سچی کے جذبات و احساسات کا درجہ ہر ایک کیساتی ہو سکتا ہے۔ انسانیت کی قدر مشترک سب انسانوں میں موجود ہوتی ہے۔ آپ بیتی شخص کو آئینہ دکھاتی ہے۔ مصنف کی طرف سے نظر ثانی کا قیامی خود اپنی طرف دیکھنے لگتے ہیں۔ ہر ایک ماحول میں نظر آتا ہے۔

قلم اپنا بھی حقیقت میں ہے ورنہ ..... (غائب)

اس طرح انھوں نے اپنے پیداکرنے والے کی ذات کی طرف اشارہ کرنا ہو سکتا ہے۔ اگرچہ ظاہر میں اس کا مقصد اپنی روحانی واردات کو بیان کرنا ہوتا ہے۔







اس فن کے متعلق کوئی مرتبہ نہ تھا۔ فن میں آنے والی کئی کئی تصنیفات میں نظر نہیں آتی کہ ان کم ہمارے یہاں جس میں آپ بیتی کے فنی اور تنقید کا اہد بہد جان لیا گیا ہو۔ اگرچہ آپ بیتی سے متعلق مورخین بہت پہلے سے جرمیں آچکی تھیں مگر اصل میں جیرزینڈا ہیڈمان نے اس کی پیداوار ہے۔ مسلمانوں کے زمانے میں بھی آپ بیتی بے حدود نہیں رہی چنانچہ ان غلوں نے اپنی خود ساختہ آخری گئی۔ اس کے بعد بھی یہ سلسلہ قندسے بے ضابطہ صورت میں چلا رہا۔

پہلے میل فردوشنہت تاریخ میں فرق نہیں کیا جاتا تھا۔ جیسے ولوس اور زونون ویڈو کے کارناموں میں تاریخ اور غلو شت سراخ کا امتزاج خاصے فنیائی اور سرائی آپ بیتیاں مدین ہب سے کہیں جان شروع ہوئیں۔ سیدٹ آگٹاٹ (۳۲۱-۳۵۴) کے مدعائی قومیت کے تحت بھی پہلی دفعہ فنیائی لہند مدعائی قومیت پر مبنی مگر مذہبی مقصد کے تحت لکھے ہوئے امرزاعات ملتے ہیں۔ پہلی صدی عیسوی میں ڈاک کی دو خاص کتابیں قابلہ تصدیق ہو چکی ہیں جو مائیکلک اور فلکارانہ طور پر ذاتی تجزیہ کا نمونہ ہیں۔ ایک جیروم کارلان فریٹش کی تصنیف اور دوسری تصنیف BENEVENUTO CELLINE کی ہے اگرچہ یہی میں شروع شروع میں نظم میں آپ بیتیاں لکھی گئیں (جیسے ملے ہارن کی میں بعض شریک اور سرسری صدی عیسوی میں اگرچہ یہی میں بہت زیادہ آپ بیتیاں لکھی گئیں۔ مگر ۱۰۰۰ سے پہلے بہت کم شائع ہوئیں۔ ڈاکٹر گیڈنڈرٹ کا آپ بیتی نامی نالے میں لکھی گئی، پد میں مذہب کے مدعائی معاہدے کے تحت بن بیان اور کٹر کی مذہبی آپ بیتیاں ظہور میں آئیں۔ مگر اس فن کی نیچ میں مذہبی آحاد کی کو بھی دخل ہے۔

اٹھارہویں صدی میں ناول کے فن کے ساتھ بھی آپ بیتی کے فن کو ایک طرح سے ملا یا گیا۔ پھر انیسویں صدی میں آپ بیتی سے متعلق صحیح قسم کا لہر بھی ہوا۔ اس زمانے میں ہر برٹ پسنر، رولپ، ہیڈن، چارلس ٹارڈن، الفوڈ رسل کارڈنیل، نیر میں اور کارلا لاک و دیگر آپ بیتیاں لکھنے لگیں۔ میں نمایاں حیثیت کے مالک ہیں، ماہر زمانے میں آپ بیتی کے ساتھ جب قسم کا سلوک بھی ہوتا آیا ہے۔ خارج لہند نے آپ بیتی اور انسان کے فن کی آمیزش کی اس زمانے میں ایڈمنڈ گرس نے آؤیا تو گرائی اور ایڈمنڈ گرائی کو لادیا۔ اس کی تصنیف باب بیٹھنی خاصا بیڈسن اسی امتزاج کا نمونہ ہے۔ اس زمانے میں جان سٹراٹل کی آپ بیتی نہ صرف ذات کو بیان ہے بلکہ انیسویں صدی کے انگریزی خیالات کا ترجمہ بھی ہے۔ پہلی جنگ عظیم کے اثر سے سپاہیوں نے خوب آپ بیتیاں لکھیں اور انیسویں صدی میں ان سپاہیوں کے بہت سے نام لگائے جاسکتے ہیں جنہوں نے آپ بیتیاں تصنیف کی تھیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی قسم کا بحر ان میں زمانے میں پایا جاتا ہے۔ ٹھوکان نالے میں اپنی ذات کی طرف توجہ دہانی ذات کی بیان کرنے کا اہتمام ہوتا ہے۔ ان کی سرائی کو کششوں کے علاوہ خطاط امتزاعات نمایاں اور مدافحے بھی قابل ذکر ہو سکتے ہیں۔ فن میں آپ بیتی کے بکھرے ہوئے عناصر پائے جاتے ہیں۔ لیڈی میں شاک کی کسی مدلی یادداشتیں ۱۶۶۷ء کی تصنیف ہے۔ ذاتی تجربے کا بہت بڑا نمونہ ہے اس میں لیڈی میں شاک نے بیوہ غنہ کی کوشش نہیں کی ہے۔ اندر ہی بیڈی غول ہے اگرچہ یہی میں آپ بیتیاں لکھے ٹھوکان کی ذاتی غلطی ۱۸۱۹-۱۱۶۴ء میں لکھی گئی۔ تاریخ کے کششیں بڑی حد تک سمجیدہ اور عقلیاتی ہیں۔ انہوں نے اپنے تجربات اور زندگی و شخصیت کو بیان کرنے کی بڑی بہتر کوشش کی ہیں۔ سراج نادر نے ہلرہ بیڈیات پر عزت کی وضاحت کی ہے۔ یہی بیڈیات اور گھن کے MARRIAGE میں ذاتی خیالات کو سمجھنے اور بیان کرنے کی کوشش ملے ہے، نارتھ رود فورڈ۔ (RUTHN FORD) کی لکھی دست سرائی غریبی اور خوشحالی میں ہے۔ جس میں اس کی لکھی زندگی کو حیات اور اخلاقیات

کی جھکیں مکمل تھیں۔ سر کے اعترافات کی اس تداویس میں گئی ہے کہ اسے کہہ جیتی سے قتل کیا کہ اسے طاعن کا شہزادہ کہا گیا۔ اور یہ بھی کہ اس طرح کے حقائق اور باتوں سے پردے اٹھائے ہیں۔ ایسی ہی ہر ایک سے پیش رو کی جاسکتی ایسی ہیست مدد کی شادی نظر آتا ہے۔ مشرقی ادب میں مغربی انداز کی کڑی و تقریری اس انداز میں ذات سے قتل ہوئی تصانیف و تقریری ہیست کہیں۔ فارسی ادب میں مولانا بدشاہ اپنی زندگی میں لکھواتے کہ شاید اب تک یہ ادب اس منصفیاد سے محروم کی ہوتا۔

اگرچہ شہنشاہ، بابر کی زندگی میں اصل میں ترکہ داران میں تو کمر کے حکم سے اس کا فارسی میں مشعل کر لیا گیا۔ بعد میں اس کے تہجے اگر یہی اور لائیس نہ ان میں ہر سے ترکہ دار ہیں بادشاہ کی اپنی ذات کی جب تک زندگی کے حالات اس کے کرداروں کے علاوہ جو تاریک واقعات و حالات در بادشاہ کے کارناموں کے ضمن میں آئے ضروری قتل کئے ہیں۔ شاید وہ اور کسی جگہ مل سکیں۔ اگرچہ یہ ذات کا جان بھی خاص ہے مگر یہ ضرور حال ہی یا امت کی طرف منجان ہے۔

جس طرح بابر کی اپنی زندگی اور واقعات زندگی کو تحریر کرنے کا خیال آگیا تھا۔ ویسے ہی جہاں بھی اس کا نام آوے ہوا۔ بادشاہ جہاں گئے ذاتی مشاہدات اور ذاتی نقد و شوق کی تفصیلات خوب دی ہیں۔

جہاں گئے کے شوق و لذت کے تحت شکامیوں اور خوشیوں و غیوے و غیبت کا اظہار خوب ہوتا ہے۔ جہاں گئے کی اپنے والد کے ساتھ قیامت و معالائیں میں چلا رہی ہے۔ کئی کئی بار ان کی کہانیاں اور ملکہ و غیوے سب کچھ بیان ہوا۔ بادشاہ کا زمانہ زیادہ تر حقائق کے بیان کی طرف ہی نظر آتا ہے۔ وقت نشینی کے پہلے جشن و نغمہ میں داد و پیش اور کبھی دیکھنے کے لیے منشی اشیا اور پیش و پشت کا بندوبست بھی دکھایا گیا ہے۔ مشاہدات اور واقعات کا ذکر سب سے زیادہ ہے۔ ان دونوں بادشاہوں کی کاوشیں ہر لحاظ سے قابلِ مدح ہیں۔ یہ بات ہے کہ یہ تراکات خاصہ اور ہر لحاظ سے کامیاب آپ بیتیوں نہیں۔ خارجی واقعات و حالات کا بیان زیادہ ہے اور شاید وہ اس لیے کہ شاہی زندگی کا تمام احوال کے حقائق پر مبنی تھی۔

امیر تیمور کے طوفاں کا سراغ بھی ملتا ہے۔ یہ ترکہ دار اصل تھے۔ ابو طالب من نے ترجمہ کیا اور یہ یادداشتیں شاہ جہاں بادشاہ کو پیش کیں۔ ابوالباب کا بیان ہے کہ اس نے یہاں کے بادشاہ جعفر کی قابض بری میں یہ ترکہ دار پالی جس میں امیر تیمور کے اپنے ہونے کے ساتریں سال سے لے کر ستر سو میں ہر ہر سو میں سال تک کے حالات تحریر کئے ہیں۔ اس کے بعض حصوں کا ترجمہ انگریزی میں کیا گیا۔ اگر ہو سکتا ہے کہ اس کا ترجمہ بھی ہو۔ شہنشاہ تیرہ نے لکھی ہوئی ہیں کسی نے عزیز واد و حکم میں اس طرح مرتب کی ہے جیسے بادشاہ کی خود لکھی ہوئی ظہر کیا جاسکے اس کا ثبوت یہ ہے کہ برٹش میوزیم میں موجود جلد میں موت کی علامات اس طرح لکھی ہوئی ہے جیسے خود تیرہ مرتے دم بلکہ جب تک گفتار ہوا۔ مرض الموت سے بڑھ کر موت تک کا ذکر یوں ہے۔ تبصیر کے پینے کی مشوہ و صبح کی شام کو بادشاہ کہتے ہوئے میں نے ہر وقت خود یہ طوفاں زندگی تداویس کے حوالے کر دی ہیں کی طرف سے وہ ہیست ہوتی تھی۔ ۱۔

یہاں تک کہ کہتے ہیں کہ کسی ہر وقت تصنیف کر کے کسی نے اپنی موت سے ملکی زندگی کے آخری حالات کی باتیں بتائی ہیں۔ ہر حال یہ تصنیف ترکہ داروں کے نام سے برٹش میوزیم میں موجود ہے۔ یہ ترکہ دار بھی ہیں۔

ان تراکات کے علاوہ شیخ علی حیرن کی کہہ جیتی میں بھی ہے جس کا ترجمہ ہوا۔ یہ بھی۔ بعض نے انگریزی میں کر دیا ہے۔ یہاں

میں شیخ علی حزی کہتے ہیں کہ وہ اپنے ساتھ تین دولے بطرح کے واقعات اور حالات کی تبدیلیاں ہیں کا اشران پر ہوا بیان کر کے کہنے کے لئے  
ہیں اس تصنیف میں علی حزی نے اپنے ہمارے مولد پر آپ کے حالات کے ساتھ آپ جی کو شروع کیا ہے اپنی پیدائش اور بچپن میں پیش  
اور صفحہ پور کا خوب ذکر کیا ہے۔

ذہانت اور تعلیم کی جھلکیاں دکھائی ہیں اس آپ جی کا رخ بھی ذات کی طرف زیادہ ہو لے کی بجائے خارجیت کی طرف زیادہ  
ہے مشہور باتوں اور احوال کے کارناموں کا ذکر کیا۔ علامہ رضا نادر علی کریم خان محمد شاہ وغیرہ کے بہت سے حالات اور واقعات  
بیان کرتے چلے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ شیخ علی حزی کی زندگی کے بہت سے سفر و تحریکات بیان کیے ہیں، ان سفر و تحریکات کی تفصیل اور ان کے  
وقت کا خود اے حالات و واقعات کا بیان بہت کافی ہے۔ اس طرح شیخ علی حزی کی زندگی کہانی کے ساتھ ساتھ تاریخی اور سیاسی  
واقعات بھی چلتے ہیں، ان سب سرگزشتوں کے بعد اردو کے بڑے علما و نامور شاعر میر تقی میر کی آپ جی کی ذکر میرا بھی فارسی زبان میں بھی  
ہوئی موجود ہے، اس کا اردو میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔ اس آپ جی میں ذاتی بیان ہی سب کچھ ہے۔ میر کا زمانہ ہی دراصل ذاتی بیان اور کھٹا  
ذات کی طرف تھا۔ شاعری میں ذاتی بیان پردوں میں بھی ہوا جو کہ میریاداد و نامت نامی و ذہنی کیفیتیں بھی نظر آ جاتی ہیں۔ میر کی نظم  
پہنڈی کی ساری وجوہات آپ جی سے سمجھ میں آ جاتی ہے غم کے ساتھ نہا اور اس نظم کی وجہ احوال پر اثرات سب کچھ اور بہت  
سہجہ ہیں اس تصنیف میں نظر آتی ہیں، اور حق یہ ہے کہ اگر یہ حکیم شاعر اپنی آپ جی ایسا شاعر ہمارے معتقدوں کے لیے نہ چھوڑ جاتے  
تو ان کے حالات زندگی سے بہت کم کسی کو واقفیت ہو سکتی یا بالفضل نے بھی اپنی مختصر سرگزشت تحریر کی ہے اس کے علاوہ شاہجہان  
کے زمانے کے شاعر و شاعری کے لکھنے والے کو یاد دہاں آپ جی میں بھی گرا ایک خط میں اپنے بہت سے حالات اس طریقے سے لکھ دیئے ہیں  
کھٹنات کے بیان کا مرقع یہ کہہ دیا ہے، میر آندام غلغلا کا ذکر و سفر نامہ بھی آپ جی سے متعلق ہے حضرت داؤد خان کی تصنیف  
مکتبہ الحبیب میں بھی آپ جی ہی سے متعلق تحریریں ہیں، اردو میں پہلے پہل دکن کی شہزادہ علی قلی جی ہیں جن سے بعض شاعروں نے  
اپنے حالات زندگی کو مرقع بنایا ہے اس کے بعد ایک طویل عرصہ تک اس کام کی طرف کسی نے توجہ نہیں کی اور انیسویں صدی  
میں سے پہلے اردو میں اپنی ذات کے بیان کا رواج چھان کے طریقے پر نظر نہیں آتا۔

آپ جی کی کہ ہے: اس پر بحث و گفتگو کرنے سے قبل اس فن کا  
آپ جی، سوانح عمری کی حدود سے تفصیل و تفصاؤں سوانح عمری کے ساتھ مقابلہ و موازنہ پر نظر آتا ہے  
کہ کون کون سا فن کی بنا پر گرائی کی بہت کہا جاتا ہے۔

ایک شخص کے بارے میں کسی دوسرے شخص کی کہی ہوئی سوانح عمری اور خود اپنی کہی ہوئی سوانح عمری میں نمایاں اور پہلے فرق  
تو ہے کہ سوانح عمری کا فن کھٹنات سے کہ اس کا بیرونی دہ سے لے کر اندر تک نظر آئے سوانح نگار کا فرض ہے کہ پیدائش سے لے  
کر آخر زندگی تک کے حالات میں مدد بیان کر دے۔ مگر آپ جی کھٹنات سے مکمل زندگی کا ایک ایک اچس کہ لے کر تو قی  
جس کی جا سکتی بلکہ کھٹنات آپ جی بھی مکمل نہیں ہوتی۔

یہ اس حقیقت سے بھی نہیں جانی کہ زندگی کو پوری طرح دکھایا جائے دوسرے یہ کہ آپ جی کے حالات بیان کرنا جبکہ خود

[illegible]



پہلی بات تو یہ ہے کہ شاہزادہ سہماں کو دروغی سپاہیوں میں بٹا کر فرق سے شاہزادہ کو ہر طرح کے مہلکے کی اجازت ہے



کہ جتنی کھنے والے کو فائدہ پہنچا نہیں۔ شائع ہونے والے قصہ کی دوسری تصویر کسی بھی بنائے آپ جتنی کھنے والا صرف تحقیق و بیان کو سنا ہے۔ شائع نہیں ہے اور ہونا چاہتا ہے اس کا نمونہ بھی پیش کر سکتا ہے، آپ جتنی کھنے والا بغیر حقائق کے اور نیرت کے قلم بھی نہیں لکھ سکتا۔ پھر کہ شاعر طرزِ ابلاغ میں چاہے تصویر نگار سے مدد تک عطا کرے چاہے مدد مبالغہ ہم بھی ہمارے کہ مدد بھی انتہا ہو جائے آپ جتنی کھنے والے کو پیدا کیا ہو جو ہمارے کا حق حاصل نہیں اس کو ترصاوت، دسلوہ اور بیانِ کرمیت والا انداز اختیار کرنا پڑتا ہے مطلب کہ چھپانا اور اختلاف کے پر سے ڈالنا آپ جتنی کھنے والے کے لیے ایک ڈراما ہے۔ بہر حال آپ جتنی اپنی جگہ ایک صنعت ہے جس کے مقاصد اور حدود سوائے سوانح عمری کے شاید ہی کسی صنعت ادب کے ساتھ ملے ہیں۔

## آپ جتنی میں دشواریاں خامیاں اور اس نباہ کی صورت

اپنی حیثیت اپنی سرگزشت کی تمہید میں لکھی ہیں کہ ایک زندگی کی کہانی لکھنا مشکل بات ہے اور جب کہ یہ کہانی کسی کی اپنی زندگی ہر ذہن پر جتنی مشکل ہے۔

یہاں پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کوئی شخص کیوں اپنی زندگی کی کہانی سننا چاہتا ہے اس کا جواب بیوا جاتا ہے کہ میں

لکھنا اچھی ہوں۔

یعنی سب سے مشکل یہی ہے کہ انسان جو کچھ ہے وہ اس سے بڑھ کر اپنے لیے امانہ کرتا ہے۔ کسی انسان کا اپنے متعلق

بغیر غور و پندی کے بات کرنا دشوار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ

”تصویر بنانے والا ہوتا ہے کہ اس کے سامنے بیٹھنا کبھی بھی اپنی تصویر سے مطمئن نہیں ہوتا جب کہ اس سٹوڈیو میں جو تصویریں اسے نظر آ رہی ہیں وہ ان کی زندگی سے متاثر ہوتا ہے۔“

اس کی وجہ یہی ہے کہ انسانی فطرت یہ ہے کہ وہ اپنے متعلق اصل سے بہت بڑھ کر انداز کرتا ہے۔ انسان اپنے آپ کو لکھنا سمجھتا ہے۔ ڈکٹن اپنی آپ جتنی لکھنے والے کہتا ہے کہ انسانی فطرت میں جو غور و پندی ہے اور جو اپنی زندگی کے ساتھ محبت ہے اس کے لیے یہ بڑا دشوار ہے کہ وہ اپنی سرگزشت کا تجزیہ کرے اور اپنی فطرت اور خامیوں کو جمع کرے۔ ۱۔

انسان کی طبیعت میں ہے کہ شعوری یا شعوری طور پر اپنے آپ سے اسے محبت ہوتی ہے اور وہ یہ گوارا بھی نہیں کر سکتا کہ اس میں بھی خامیاں، اس لیے خاص اخص اور عام انسانی طبیعت خامیاں ہو سکتی ہیں۔ جہاں آپ جتنی لکھنے والا اپنی فطرت اور کمزوریوں کا اعتراف کرتا چاہتا ہے۔ دماغ اسے اپنا تمام سچا حال منظر ہو جاتا ہے۔ اور دوسری طرف اس کے پڑھنے والے کو اس وقت پڑھنا ناگوار اور دشوار ہو جاتا ہے جب کہنے والا اپنے متعلق ذرا سی غریبی یا تعریف سے متعلق کوئی جملہ کہے دیکھے یہ بات بھی صحیح ہے کہ آپ جتنی لکھنے والے کی اپنی محنت میں کوئی سے کوئی تنقید بھی ہو اور اصل کو غور و پندی نہیں تو کم سے کم فراخ دلی رعایت نظر انداز ہی اور مہربانی کے ماحول نظر آتی ہے۔ ۲۔

جب کوئی شعوری طور پر اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کرے کہ اس نے زندگی اچھا نہیں کیے کے ساتھ گزاری یا



اس فرض کے چلنے لگانے سے آپ کا ایک جزو سطح پر دیکھ سکے۔ اسے آپ کو عام زندگی سے جدا کر دیا۔ آپ اسے اپنے جسم سے جدا کر دیا۔  
 کے اصول و اقلیت اور عام حالت کے ذکر کو کچھ اور کچھ نکات سے جدا کیا۔ کیفیات و حالات کا یہ ایک جزو ہے۔  
 اپنی اولیت سے جدا کر کے اسے حسن و قبح کے ساتھ لایا۔ آپ نے اسے اس کے اصل پر لایا۔ آپ نے اسے اس کے اصل پر لایا۔  
 رزق و زندگی کا عام مصروفیت نکال دے۔ اسے اپنے آپ کو فاضل و فانی و اقلیت کا اصل تک محدود رکھا۔ ان میں اپنی خصوصیت کو نکال دے۔  
 کے لیے اسے اس کے قریب پیدا کر سکے۔ الٰہی ہندو سے جدا کر دیا۔

تہذیبی میں برقرار رکھ کر ان کو شکر و تحسین سے نوازنا یہ بات ناگزیر ہے کہ مصنف اپنی زندگی کے واقعات سے کچھ کہہ سکتا ہے۔ لیکن کہنے کی بجائے دینی ہرزی نامت کہنے کے لیے کسی جسٹس یا عدالت میں شہر کی زندگی بیان کرنا شروع نہ کرے۔ اس طرح زندگی کے حقیقی کٹے بکٹے نقاب ہم سے جدا ہاتھ ہیں۔ ایک کھلی کھلی مگر گروشت سے لیسے ہوئے بات ہے جو ہندول کے لیے کاشش و کشش ہے۔ خدا کا کہنے کے لیے ایک کھلی کھلی ہر ایک کی کاشش و کشش کہنا ناگزیر ہے کہ اگر خدا اپنی زندگی کے واقعات بیان کرے تو حقیقی تاثرات کی بجائے خیالات کا ترجمان کہنے لگے گا۔ جو غرض و نیت کی چھٹی آنکھ سے دیکھ کر لکھتے ہیں یہی سنا ہے حقیقی تاثرات کی بجائے بعض افسانہ نویس کی مدد سے بنانا ہے اور بعض فرض بھی کر لیتا ہے۔ وہ اصل اپنی کچھ وقت بھال کر اس کے تحت آئے والی حیات و بے الکی بھان گئی بھی کہہ سکتی ہے کھنڈالے لارہ بدست و ستان ہے کہ اپنی عقل اور جانب ہر ایک کی ہے کہ اس کے صحیح ہونے کا یقین بھی تو ہو سکتا ہے کہ انسان خود مانا انسان ہے کہ اپنی زندگی کے تمام کچھ ہرے پھل و گھاس سے اپنی طرح سے لگا کر اپنی انکسار کے کام لیتا ہے تو وہ اپنے ساتھ دھڑکا کر آج کے کچھ گھوڑے نہیں بھیڑا کر کچھ طرح کی لائن اور سے مگر انسانی جن باتوں کو چھپا کے رکھنا چاہتا ہے اس کی زندگی کا ترجمان نہیں کر سکتی۔ اس لیے اس کی زندگی کو اپنی پسند نہیں کرتا اس پر لکھ کر تصنیف اور بحث کے غولی چھوٹے حاشیہ وہ کچھ بھی نہیں ہوگی ہر انسان ہر طرح انسان ہے ہر انسان کی زندگی کے تمام پہلو جوتے ہیں۔ سوائے دنیا کے گئے چہ کچھ پاکیزہ و گروں کے کون ہر طرح کی خامی و غلطی سے پاک چھوڑ دینا کہ اپنی کھنڈ دلا اپنے آپ کو ہر طرح کی کمزوری سے محروم رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ حقیقی کی کوشش کرنے والے انسان کی کوشش کی گہری نظر رکھنے والے کو اس کی نیت پر شہرہ ہر ما آج سے ایسی تصنیف کا راجی اہمیت نہیں رہتا۔

اگر کوئی کہتا ہے کہ کام چھوڑ کر کسی قصہ پر کاہر گزرتا ہے تو یہ کہانے کے لیے مستعد ہوتا ہے۔ یہی ہے کہ ہر ایک اور صاحب اس کے قدم ہونگے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض شخصیات کو ان کی کتابیں ان کہ وفات کے بعد منظر عام پر آتی ہیں۔ اینڈریو کار نیگی <sup>NEGIE</sup> ANDREW CAR- نے اپنی کتاب جیٹس کہا ہے کہ وہ اپنی کہانی اس انداز میں بیان کر رہا ہے جیسے ہر ظہور مد سولہ صدی پختیاری وگوں کے ساتھ کہہ رہا ہے اس طرح نہیں جیسے کہ عوام کے سامنے بیان کر رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک کے سامنے اپنی زندگی کی کچھ کہانی دہراتے وقت انسان گھبرا آتا ہے۔ یہاں مصنف کو اپنے خیال پر جبر ہو چکا دکھاتا ہے کہ عوام کو شری نظر رکھ کر وہ باتیں کہی جانے کے قابل نہیں ہو چکا ہوتا۔

کے لئے اپنی حالت کے ساتھ انسانیت کے کام لیا اس سے جو کچھ ممکن پایا جا سکا۔

جبکہ سچا پکا ہسپتال کی ایک بڑی شائستگی تھی جس کے انسانی معاملات میں سے بعض اس وسعت کے بھی ہوتے ہیں کہ کہنے والا کھل کر کہہ نہیں سکتا۔ زندگی کے بعض خاص واقعات اور پہلوؤں کا تعین ان معاملات سے ہوتا اس لیے ان کا بیان بھی ضروری ہو جاتا ہے جو بیمار کا دل سلجھ سکے کہ اگر میں اپنی سامانج عمری شروع سے آخر تک بغیر کسی قسم کے اختفا کے اور بغیر کسی مجبور شدہ جگہ کے تکتی تو کسی خامی کے لیے نہ ہی میرے ملک کی ہمدردی کے لیے ایک تباہ دست و پاز ہوتی مگر شائستگی مانے سے وہ صرت بیان کرنا بلکہ انسانی زندگی کو سمجھنا بھی بڑا دشوار ہے۔ مگر یہ بیان کہنے والے عزم کرتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ کس قسم کے ہیں ان کی زندگی کی ہے اور کس طرح گزری ہے یعنی طور کرنا اور اپنے آپ کو سمجھ کر بیان کرنا ہی بڑی بات ہے۔ انسانی زندگی ساٹھ اور سیسے سا سو فیصد نہیں بلکہ ساری زندگی ایک تجربہ ہے اور عجیب تجربہ ہے۔ مگر کوئی آدمی نہیں سلا کہ عمر سے ان گفتات کے لیے طے کرنا کہ وہ حقائق جان کے تو ستر سال کی عمر تک ہے یہاں سکتا ہے کہ اس کی عمر کا ایک تہائی حصہ غلطیوں میں صرف ہو گیا۔ دوسرا تہائی حصہ ان غلطیوں کو دوسری خامیوں میں تبدیل کرنے میں اور آخری تہائی حصہ اس کوشش میں صرف ہو گیا کہ وہ انسانی زندگی کی غلطیوں کو واپس لیا جائے۔ یا انہی کی ہماری غلطیوں کو مٹایا جائے۔

کیا گفتگوئی زندگی کی غلطیوں کو مٹا دے یا اپنی ہی غلطیوں کو مٹا دے۔  
انسان جب بیمار ہو جاتا ہے وہ اپنی زندگی کے اختتام تک سوچتا ہے کہ اسے کچھ اندازہ ہو جائے کہ وہ کون سا شخص ہے بلکہ کون سا منزل  
کے آخر تک پہنچا ہے۔ اس سے زندگی کی تمام باتوں پر خود کو اندازہ رکھنے کے حقائق کو صحیح طریقے پر بیان کر سکتا ہی نہ کھٹن کام ہے۔  
انسان کا ذہن اگرچہ بڑا وسیع نظام رکھتا ہے۔ یاد رکھنے کی بڑی خفیتیں انسان میں موجود ہیں۔ مگر گزری ہوئی زندگی اور زندگی سے  
متعلق ہر بات کا یاد رکھنا کچھ ناگن سا ہے اگر سب کو یاد رکھ لیا سکتا تو انسانی فطرت کچھ ایسی ہے کہ انسان اپنے ماضی کو جھٹک کر مجھ لے  
تا۔ نیند وہ حالت ہے جو فکروں کا تھکا دینا چاہتا ہے جن کو یاد رکھنے میں سے تکلیف اور جھنم محسوس ہوتی ہے۔ پھر انسان کو یہ بین تصور  
ہی پھر مل چکا ہو کہ اس کی جگہاں ہلچل یا دیگر لوگوں سے سے غلط حالات بیان کر دیتے جاتے ہیں۔ آپ جتنی کھینچے مائے کر یہ بھی معلوم ہے  
کہ نہ ساری غلطیوں کو مٹا دے کہ یہ قابل گرفت ہو سکتا ہے۔

کہندہ سامی لفظاں شاعر کے لیے قابلِ کثرت ہر سلا ہے۔  
 پہلے انسان بھول جانے کی فطرت رکھتا ہے وہاں اس سے متعلق ایک چیز یاد بھی ہے کہ مجھ سے ہوئے واقعات کی جگہ زمین کی  
 تخلیقات کو دے دی جاتی ہیں انسان ذہن کی مدد سے بھول چکی تصویریں کی بہانے نئی نئی تصویریں بنا کر اپنی تصویر کو نگین بنا دیتا ہے  
 اس کے علاوہ دماغ دلیل و حجت سے لعل سے کام لینے کی ترغیب بھی دے دیتا ہے۔ بعض دفعہ انسان زندگی کے تلخ حقائق سے فرار حاصل  
 کر کے اور تصویریں بنالے کہتا ہو کہ وہ دنیا میں رہتا ہے اس کا رُخ ہر طرف ہے مگر دنیا کا نقشہ سامنے آتا ہے  
 ان سب باتوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مذہب کی کھٹی بھلی باتوں سے انسان کو اپنے ذہن کی ترغیب کے علاوہ اس کام کو  
 احسن و خیر سام دینے میں مدد دے سکتی ہے۔

کلمہ دینے میں مدد سے ملتی ہے۔  
 دیکھئے راجا مانو جی کہ کوشش کما حقہ نہ ہو گئیں اور کوشش ہر نکل کوشش بھی کتاب ہے مگر کتاب پختہ نہیں ہوتی

اس کی بھی کوشش کی صورت میں یکہ کو زندگیاں زندگیاں کی کہانی ذات محمد پسندوں کی اس طرحی تصور عقل کی مدد سے زندگی کی تصویر کے فقرش کو زندگیاں دینا یا کسی چیز سے اسے نفرت کرنا تصور یکہ زندگیاں شروع ہوا تو اسے اور یہ حقیقت سے بے گناہ نہیں کیا۔

بعض گھنٹے والے سبق سکھانے یا عقیدوں کے لئے کا مقصد بھی اپنے ساتھ لے بیٹھتے ہیں کسی بھی کہانی سے اگر کوئی سبق خود بخود پیدا ہوتا ہو تو وہ اس کی اتنے بڑے حاتمہ کے گرجب سرگ کو اس شعور کی کوشش سے سبق نکال کر سکھا یا جائے تو انسان غیر و شرعی و دہرائی کے چکر اور نتائج میں اس کو گرفتار سے مدد چلا جاتا ہے ظاہر ہے کہ جب اس سبق سکھانے کا مقصد ہر گز اسی لئے واقعہ کے بیان سے گریز کیا جائے گا۔

میں میں کوئی بھی نہ مانا تا پہلو نظر آ رہا۔

آپ جی گھنٹے والوں کے یہاں ایک اور علمان عالم نظر آتا ہے وہ اپنی ذات کے بیان کے دوران میں کسی بھی مذکر کو شروع کرتے ہیں تو اس کے ساتھ اس قدر کر رہا ہوتے ہیں اور پھر یہی چلے جاتے ہیں۔ بڑی مدد تک اس نے ہمارے ساتھ چلنے کے بعد انہیں خیال آتا ہے کہ وہ تو اپنی ذات کا بیان کر رہے تھے اور ابھر آدھر کے بیانات ان کا مقصد نہیں ہے۔ کسی شخص کا ذکر کرتے ہوئے کسی انسانی خصوصیت کا ذکر کر کے کسی انسانی خصوصیت کا بیان ہوتا ہے کہ ان کا ذکر ہر انسان کے متعلقہ موضوعات کا تو وہ اپنی ذات سے ہٹ کر اسی کے ساتھ منسلک ہو جاتے ہیں۔ میں اگر کوئی مدد سے یا ادب کا استاد اپنی آپ جی گھنٹے والے کو کہتے کہ میرا ذکر آجائے تو اس کے ذکر سے صفات یاد کر لے گا یا اس کا فقر کا موازنہ و مقابلہ لے بیٹھتا ہے یا اس کی قابلیت کے بیان میں پھیرا جاتے کہ اسے تو اپنی ذات کا بیان کرنا ہے۔ یہاں ذات کے ذکر کے ساتھ اپنی پسند و منفق کے بے تھوڑا بہت اس طرح کا اشارہ آجائے تو کافی ہے۔ دوسرا یہ کہ ایک بڑی خامی ہے اور یہ خامی ہے کہ کسی انسانی عام فطری بات کو اصل بنا کر اس پر توڑ کر جاتی ہے تاکہ یہ سیاسی زندگی سے واسطہ رکھنے والے لوگ اپنی ذات کے ذکر سے بڑھ کر دیگر سیاسی حالات کا جائزہ لینے لگتے ہیں یہاں تک کہ اس کی نظر نہیں آتا کہ اسے اس قدر جس شخصیت کا علم ہے مقصد ہے وہ پس منظر میں چلی جاتی ہے بعض گھنٹے والے اپنے نسب اور ہر ماں کے ذکر میں سوائے تصنیف کو زندگیاں بنا دیتے ہیں مگر اس نسب کا ذکر ایک شخص کی صورت میں ہوتا ہے بعض گھنٹے والے جہاں معاملات اور زندگی کے حالات کے ذکر میں ہی آپ جی کو مل جاتی ہیں جیسے ہیں ایسی ہی سیاسی تاریخی اور اجتماعی باتیں چاہے کسی ہی پر لطف اور امانت کی حامل ہوں۔ آپ جی جو مسئلے والے کو نہیں جانتیں وہ ان تمام عمل سیاسی زندگی میں پھرتے ہیں کہ ان کے ہر سانسے زندہ شخصیت اور ان کے ہر کرب و رجس اس کی زندگی کے شب و روز کے دیکھنا چاہتا ہے۔

ایسی ہی بے شمار خامیاں اکثر آپ جی گھنٹے والوں کے اس بیان والی پیر و اس کی تصنیف کی حد کو کم کر دیتی ہیں۔ یہ کہا تو سکتا ہے کہ گھنٹے والے نے غلط بیانی سے کام لیا یا بالفاظ انہما سے فائدہ اٹھایا لیکن یہ چیز جس میں نہیں رہتی بلکہ جی گھنٹے والے کی ذہنی کیفیت اس کے معیار اور فرق و شرق کا پتہ دیتی ہے جی گھنٹے والے کی کوشش کیسی بھی ہو اس کی ذات اس کی شخصیت سے مراد آجرتی ہے۔ یہاں اگر کوئی شخص صحیح سوانح لکھ سکتا ہے تو وہ خود صاحب سوانح ہو سکتا ہے بشرطیکہ وہ اپنی زندگی کے واقعات میں رنگ آمیزی کرے اور یہ بات انسانی لطائف سے باطل نامک ہے کیونکہ کوئی شخص غلط فہمی کی تفسیر کرنا ہے اپنے صاحب کا وجود و اپنی جانتا ہے یعنی باوجود اس مرتبہ بات کے کہ خود گھنٹے والے اپنی طرح انہما نہیں کر سکتا اس بات سے بھی

انگلہ نہیں کیا جا سکتا۔ خود داشت سوانح عمری ہی اصل سوانح عمری ہو سکتی ہے۔ اگر غرض لکھنے والا مندرجہ بالا معائب ہر آپ بیتی میں نظر آتے ہیں اپنے ذہن میں محکمہ مذہبیت خلوص مدعا یا انداز سے کام لے سکتے ہیں۔ یہ کہ اور جراثیم کا اثر سے تو آپ بیتی لکھنا ایک بہت اعلیٰ کام ہے۔ اور اس میں انارٹ کے پہلو بھی ہیں بقول بانی مینٹ۔

ہم سب کی ایک ہی سی پریشانیاں ہوتی ہیں ایک سے غم ایک سی ٹھنڈی دالی امیدیں ایک سی خواہشات اس لیے ہر ایک بہتر صورت بن سکتی ہے کہ کسی کی کہانی سب کی مدد کرے۔

ایک ترجمان دیدہ اشخاص کے تجربے مدد کرتے ہیں دوسرے جب ہم سمجھتے ہیں کہ ہماری زندگی میں بھی وہی گتھیاں ہیں جو دوسروں کے ہاں ہیں تو یہ بات ہمیں سکون دیتی ہے۔ بعض دفعہ آپ بیتی لکھنے والا اپنے عقیدوں پر روشنی ڈالتا ہے تو اسے اپنے آپ کو ناخوش بھی کر لے گا۔ وہ ان مسائل سے متعلق تا آج جو دوسروں کے لیے سوانح مدح بنے ہوئے ہیں۔ ایک آپ بیتی سے ہم ایک شخص کے ذاتی سرسرات جانتے ہیں اور اس کے علاوہ یہ کہ اس نے زندگی کیسے بسر کیا۔ کیسی چیز کو پسند کیا اور کس کو ناپسند کیا۔ انسانی سرشت میں داخل ہے کہ انسان اپنے احوال کو کیلید یا بننے کے لیے قریب کرتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کب تک وہ وقت وہ مجمع نہیں جاتا بلکہ یہ خلوص اور ہمدرد دوست یا قریب دار یہاں تک لکھنے والے کو تکلیف بھی نہیں ہوگی۔ کیونکہ وہ اپنے دل کو کھولنے اور اپنی پتیاں بیان کرنے میں اطمینان محسوس کرے گا۔ ہر گز آپ بیتی میں باریک بینی اور ذاتی تجربے کی ضرورت ہے جب ہم اپنی تصویر دوسرے لوگوں کے لیے بنائے لگتے ہیں میں اس بات کے لیے بیچارہ نہیں ہونا چاہیے کہ اگر تصویر پسندیدگی کے ساتھ قبول نہ کی گئی تو!۔۔۔ آپ بیتی خود بخود جا زیت رکھتی ہے اس کے بیان اور ابلاغ میں ہر اسان ہر شخص کی ضرورت نہیں اور یہ ہی پیکچر ہٹ اور جیکب مانع ہوگا۔ اگر انسان یہ کہنے میں جیاک ہے کہ وہ کچھ باتیں بھول گیا ہے یا کچھ باتوں سے متعلق شکوک میں مبتلا ہے یا کسی بات کے ذکر میں اپنے آپ کو بے تکلف نہیں پاؤں تو محسوس ہوتا ہے کہ اس نے کچھ کہہ دیا ہے اور مزہ تو رہا جاتا ہے کہ کچھ کہنے کی بات اور بھی تھی اور وہ نہ کہہ سکا۔ یہ حق محسوس کرے گا۔ یہ چیز لکھنے والے کی خلوت نگاہ کر رہی ہے کہ وہ چھپانے اور بچاؤ لکھنے کی عادت نہیں رکھتا۔ اپنی بعض باتیں جن کے خیال سے بھی انسان کو شرم محسوس ہوتی ہے بیان کرنے میں ذرا احتیال سے کام لے گا۔ یہاں پر مسلمانہ نہیں مگر مطلق چھپا جانے کے خلاف ہے۔ بشری عبادی ہستی باتوں کے اظہار میں موعمانے ہوتی ہے۔ وہ نہ مغربی ادب میں ایسے نمونے بھی موجود ہیں جن کے کھلے کھلے انداز پر حیرت ہوتی ہے۔ انسان کی زندگی جس حج کی رہی ہو وہ جس ڈگر پر چلتا رہا ہر طور پر حملہ زندگی میں عوامی۔ ہر احساس کے طریقہ اور اصول سب اس کی داستان حیات پر اثر انداز ہوں گے۔ ان اثرات کا واضح ہو جانا ممکن بہتر ہے لکھنے والوں واقعات کی صورت میں نہ کہ اس طرح آپ بیتی سما اعمال نامہ لکھنے کی بجائے انسان کا ہول بن جائے گی۔ یہاں نہ ہی اس طرح کی حرکت سے زیادہ جاگساری سے کام لیا جائے نہ احتیاط کا الزام عاید ہو۔ بعض دفعہ زیادہ انگڑی سے واقعات کا نمونہ ہوتا ہے فنی طریقے سے ہر واقعہ کو سب جگہ دی جائے نہ ہی کسی تصویر کا رنگ پیکچر پڑے نہ ہی ضرورت سے زیادہ گہرا ہو۔

شروع سے آخر تک اگر آپ بیتی پر غور کیا جائے تو اس میں بہت کچھ آتا ہے۔ اگر ہم انسانی زندگی کو اس طرح دیکھیں جیسے عہدہ محکمہ بننے کے لیے میدان ملا تو میں کہتا ہوں۔ ہم اس کے رنگ اور مختلف واقعات اور جملہ اہم پر غور کریں گے۔ ہر اس کی کنکریوں ریت اور چھو چھو چسپ کرے کہ بتا رہا اور اس کے ساتھ اس کے ماحول کے رد و عمل میں پھیلنے اور ٹکرنے کے انداز کو بھی لکھنا ہی آتی ہے۔



ہے آج جو سرگزشت اپنی  
کل اس کی کہانیاں نہیں گی

## ڈاکٹر محمد اقبال

ولادت — مجھ ۳، زینتہ ۱۲۹۵ھ (۱۸ نومبر ۱۸۷۵ء)

وفات — ۱۱ اپریل ۱۳۵۲ھ — مقام لاہور

**میری زندگی** | میری زندگی میں کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں ہوا۔ میں نے سنی آموزہ رکھے۔ ان خیالات کا تادیبی انقلاب  
البتہ سنی آموزہ ہر سکتا ہے۔ اگر کبھی فرست ہو گئی تو کھوں گا۔ فی الحال اس کا بعد صحت عوام کی فہرست میں ہے  
(اقبال نامہ، جلد اول، ص ۴۶)

میرے ہوم میں ایک چھوٹا سا بھت خانہ ہے کہ ہر بہت اس مسئلے کا رشک صنعت آندی ہے۔ اس پر انھے مکان کی کبھی میر  
کی ہے؛ خدا کی قسم ہمارے کا بازار فراموش کر جاؤ۔ (اقبال نامہ، حصہ دوم، ص ۳۵۹)  
میرا سینہ یاس آفریں اور غم انگیز خطاوت کا غزنیہ ہے۔ یہ خیالات میری روح کی تاریک باہر کی سانپ کی طرح نکلے چلتے ہیں۔ یہ خیالات  
ہے کہ میں ایک سپر این جاؤں گا۔ بھوں میں پھروں گا اور تماش بین لڑکوں کی ایک میٹر میرے پیچھے پیچھے ہوگی۔  
اگر وہ خیالات جو میری مدح کی گرائیں میں طوفان بپا کئے ہوئے ہیں۔ محام پر ظاہر ہو جائیں تو پھر مجھے یقین داتی ہے  
کہ میری موت کے بعد میری پرستش ہوگی۔ دنیا میرے گناہوں کی پادہ پرشی کرے گی اور مجھے اپنے آنسوؤں کا خراج عقیدت پیش  
کرے گی۔ (بنام حلیہ، ص ۱۰۰)

پس از من شعر من خوانند و دریا بند و لی گویند جانے ما در گروں کر دیک مردے خود آگاہ ہے

### من دیدم از زمین مردہ

میں بندہ نادان ہوں مگر شک ہے تیرا دکھتا ہوں ننان خانہ لاجوت سے پریند  
اک دلولہ تازہ دیا میں نے دلوں کو لاہوت سے تا خاکب بخانا و سمرقند  
تا شیر ہے یہ میرے نفس کی کہ خواں میں مرفان سحر خوں مری محبت سے ہی خد بند

لیکن مجھے پسید کیا اس دہیں میں تو نے

جس دہیں کے بندے ہیں غلامی پہ خاندانہ

میرے آباد اجاد اہل خطہ میں سے ہیں سے

تم گلے ز خیابان جنت کشمیر      دل از حرم حجاز و قوافل شیراز ست

کشمیر کا چین جو مجھے دلپذیر ہے      اس باغ جافزا کا پہ بلبل اسیر ہے  
دہشتے میں ہم کو آئی ہے آدم کی جائداد      جو ہے وطن ہمارا وہ جنت نظیر ہے

موتی عدن سے صل ہوا ہے یمن سے دُر      یا نافہ غزال ہوا ہے فتن سے دُور  
ہندوستان میں آئے ہیں کشمیر چھوڑ کر      بلبل نے آشیانہ بنایا چین سے دُور  
میرے آباؤ اجداد برہمن تھے۔ انہوں نے اپنی عمر اس سوچ میں گزار دی کہ خدا کیسے! میں  
اپنی عمر اس سوچ میں گزار رہا ہوں کہ انسان کیا ہے؟  
میں اصل کا خاص سوماتی      آبا میرے لاتی و ساتی

میر و مرزا بہ سیاست دل و دی باخستہ اند  
جز بر حسن پیرے محرم اسرار کماست

مرا بگر کہ وہ ہندوستان دیگر فی مینی  
برہمن زادہ رہن آشنائے روم و تبریز ست

نبت پرستی کو مرے پیش نظر لاتی ہے      یاد ایام گزشتہ مجھے شر ماتی ہے  
ہے جو پیشانی پہ اسلام کا ٹیکا آقبال      کوئی نڈت مجھے کتلب تو شرم آتی ہے  
کشمیر میں، ہمارے خاندان کی رانٹش موضع چک پر گزراؤ دن و تھیں کو کلام، میں حق دواں سے ہجرت  
کر کے سیالکوٹ آئے،

ہماری گوت | مجھے معلوم نہیں لفظ سپرو کے معانی کشمیری زبان میں کیا ہیں۔ ممکن ہے اس کے معنی رہی ہوں جو فوق  
نے تحریر فرمائے ہیں مگر وہ لڑکا جو چھٹی عمر میں بڑوں کی سی ذہانت دکھائے۔ طبیعت کشمیری برہمنوں کی بر  
گوت سپرو ہے، اس کی اصل کے متعلق جو کچھ میں نے اپنے والد مرحوم (شیخ نور محمد) سے سنا تھا، وہ عرض کرتا ہوں۔  
جب مسلمانوں کا کشمیر میں دھندلہ ہوا تو برہمن کشمیر مسلمانوں کے علوم و زبان کی طرف بوجہ قدامت پرستی یا اود  
دھرم کے توجہ نہ کرتے تھے۔ اس قوم میں سب سے پہلے جس گروہ نے فارسی و غیرہ کی طرف توجہ کی اداس میں امتیاز حاصل



کر کے حکومت اسلامی کا اہتمام حاصل کیا وہ سپرد کھایا۔ اس غلطی کے معنی ہیں وہ شخص جو سب سے پہلے پڑھنا شروع کرے یا جس نے سب سے پہلے پڑھنا شروع کیا، اس تقدم کے لئے کوئی زبان نہیں آتا ہے اور پھر کا روٹ دیکھو جو ہمارے صلیبی پڑھنا کا ہے۔ دوسرے درجہ کے لئے کہ یہ نام کشمیر کے برہمنوں نے اپنے اُن بھائی ہندوں کو اندازہ تعریف و تحسین دیا تھا جنہوں نے قدیم درجہ و صفات قری و مذہبی کو چھوڑ کر سب سے پہلے اسلامی زبان و رسوم کو سیکھنا شروع کیا تھا۔ دوسرے درجہ یہ نام ایک مستقل گوت برک شہر جو گندہ دیوان ایک چند ایم اسے جو پنجاب میں کشتہ تھے، ان کو متقی لسان کا بڑا شوق تھا۔ ایک دفعہ انبالہ میں انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ ننگہ سپرد کا تعلق ایمان کے قدیم بادشاہ شاپور سے ہے اور سپرد حقیقت میں ایرانی ہیں جو اسلام سے بہت پہلے ایران کو چھوڑ کر کشمیر میں آباد ہوئے اور اپنی زبان و لغات کی وجہ سے برہمنوں میں داخل ہو گئے۔ وہ مذہب

پنجاب میں جہاں تک مجھے معلوم ہے، کوئی مہر سلطان سپرد خاندان کا نہیں ہے۔ اعجاز کی شادی کے وقت اس امر کی خبر کوئی مئی تھی مگر ناکامی ہوئی۔

**ولادت** میری ولادت (۱۰ نومبر ۱۹۱۷ء) سے چند روز قبل میرے والد نے ایک خواب دیکھا کہ ایک بڑا ہی عجیب و غریب پرنس خدایں زمین کے قریب آکر اسے اندر بڑی کثرت سے لوگوں کا جرم ہے۔ اس جرم میں میں بھی ہوں۔ وہ پرنس کسی کی کوشش سے ہاتھ نہیں آتا لیکن خود بخود میرے دامن میں آگرا اور میں نے اس کو کچل لیا۔ اس کے بعد میں پیدا ہوا تو انہوں نے اس خواب کی یہ تادیب کی کہ وہ باقیال پرنس میں ہی تھا۔ (اقبال کالی ص ۳)

نعرہ زد عشق کہ خونیں جگر سے پیاشد

حسن لذت کہ صاحب نظر سے پیاشد

انہوں نے ہم اچھے زمانے میں پیدا نہ ہوئے۔ مسلمان امراء میں غافل و معتمد ہو چکے۔ مسلمانوں کا مغرب مذہب طبعیت بہت نفرت ہے۔

**تلاوت قرآن کی لذت** جب میں سلاطین میں پڑھا تھا تو میرے اٹھ کر مدنا قرآن پاک کی تلاوت کرتا تھا۔ حالہ مرحوم ہنر انداز و طائف سے فرصت پا کر کہتے اور مجھے دیکھ کر گندہ جاتے۔ ایک دن صبح کر میرے پاس سے گندے تو سلا کر فرمایا کہ کبھی فرصت لی تو میں تم کو ایک بات بتاؤں گا۔ میں نے دربار و خدمت خانے کا اتفاق کیا کہ فرمایا کہ جب امتحان دے رہے تھے۔ جب امتحان دے چکا اور لاہور سے مکان آیا تو فرمایا کہ جب پاس ہو جاؤ گے تب۔ جب پاس ہو گیا اور پھر فرمایا کہ باؤں گا۔ ایک صبح کہ جب حسب استعداد قرآن کی تلاوت کر رہا تھا تو وہ میرے پاس آگئے اور فرمایا۔ تیار! جب تم قرآن پڑھو تو یہ سمجھو کہ یہ قرآن تم ہی پاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ خود تم سے ہم کا کام ہے۔

ترے غیر پر جب تک نہ ہر نزل کتاب گرہ کشا ہیں نہ ملائی نہ صاحب کثافت

ابن ابی کثیر نے بتایا کہ تین مکتبہ شیخ ایمان احمد کے پیچھے میں شیخ علی محمد کے فرزند ہیں۔ تحصیل کے لئے منشی محمد عین اللہ کا کتاب کا بیچ انہیں کچھ دیکھنے جس کی تعلیم کے وقت اقبال نے ہر جہاں سے لکھا کہ یہ سطر کھینچیں۔

ان کا یہ فقرہ میرے دل میں اتر گیا اداس کی لذت دل میں اب تک محسوس کرتا ہوں۔  
 ایک دفعہ ایک سائل سوال کرتا تھا ہمارے دہانے پر آیا، اُس نے صدادی اور ربی طرح اڑ گیا۔ میرے شباب  
 خدا ترسی کی تعلیم کا نذر تھا۔ مجھے اس کی ضد پر غصہ آیا۔ میں نے اسے پٹیا اداس کی بھولی زمین پر ٹاٹ دی۔ باپ کا دل

اس بچے دھڑ پر بھر آیا۔ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔  
 محنت فردا آمت خیر الرسل  
 جمع گرد و پیش آں مولائے کل  
 خاندانِ قسب بیضائے او  
 حانظانِ حکمت رعنائے او  
 ہم شہیدائے کردی ماحبت اند  
 شش انجم در فضائے قمت اند  
 زامہ ان و عاشقانِ دل نگار  
 عالمان و عاصیانِ شہر واد  
 در میانِ انجمنِ گرد و بلند  
 نالہ آئے ایں گدائے درد مند  
 لے صراحتِ مشکل از بے مرگی  
 من چہ گویم چہ مرا پُرسدنی  
 انہوں نے فرمایا کہ قیامت کے دن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد تمام امت جمع ہوگی جس میں مجاہدِ حکیم، شہید  
 نامہ، صوفی، عالم اور گنہگار ہر قسم کے لوگ ہوں گے اداس مظلوم سائل کی فریاد پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے دریافت  
 فرمائیں گے کہ میں نے ایک بندہ مسلم کو تیری فرزندگی اور نگرانی میں دیا، تو اسے بھی آدمی نہ بنا سکا تو میں کیا جواب دے گا۔

اند کے اندیش و یاد آسے پسر  
 بازاہی ریش سفید من نگر  
 بر پد ایں حمد نازیبا مکن  
 غنیمت از شخاہ مصطفیٰ  
 از ہمارش رنگ و بو باید گرفت  
 از ہمارش دست دزدانِ شہرت  
 فطرتِ مسلم سراپا شفقت است  
 آخر کتاب از سرِ بخشش دو نیم  
 از مقام او اگر دور ایستی  
 اجتماعِ آمت خیر البشر  
 نرزدہ بیم و امید من نگر  
 پیشِ مولا بنمہ را دوسوا مکن  
 گل شر از بادِ ہمارِ مصطفیٰ  
 برہ از خلق او باید گرفت  
 در جہاں دست دزدانِ شہرت  
 رحمتِ او عام اخلاقش عظیم  
 از میانِ معشر مایستی

یعنی اس مجمع کا خیال کہ اند میری سفید داڑھی کو دیکھ۔ باپ پر اس قدم ظلم کہ کے آقا کے سامنے اس کو ذلیل نہ کر۔ تو  
 چمن عمری کی ایک گلی ہے۔ اس چمن کی ہمارے پھل بن کر گلیں۔ اسی چمن کی ہمارے تھکر کر رنگ و بو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 کے اخلاق سے ایک حصہ لینا چاہیے۔ مسلمان کی فطرت سراپا شفقت اداس کے ہاتھ اند زبانِ رحمت میں۔ جس نے ایک انگلی کے نشتر  
 سے چاند کو دو ٹوک کر دیا۔ اس کی رحمت عام اداس کے اخلاق نہایت بلند پایہ میں۔ اس لئے اگر تو اس کے تمام سے مدد ہے  
 تو ہماری جماعت سے الگ ہے۔ (دعوتِ مجیدی)

**اسلام کی خدمت کا احمد** | ایک دن والد مرحوم نے مجھ سے کہا کہ میں نے تم سے پڑھانے کھانے میں جو خدمت کروئی ہے، میں تم سے اس کا معاوضہ چاہتا ہوں۔ میں نے ہنسے ہوئے کہہ دیا کہ وہ کیا ہے۔ والد مرحوم نے کہا، کسی موقع پر بتاؤں گا۔ چنانچہ انہوں نے ایک دفعہ کہا کہ تم میری خدمت کا معاوضہ یہ ہے کہ تم اسلام کی خدمت کرنا۔ بات ختم ہو گئی۔ اس کے بعد میں نے استخوانِ دھیرہ سے کراہ کا حباب ہر کر لاہمد میں کام شروع کیا۔ ساتھ ہی میری شاہری کا چرچا پھیلا اور جو انہوں نے اس کی اسلام کا ترانہ بنایا اور دوسری نظمیں لکھیں ان لوگوں نے ان کو فوق و شوق سے پڑھا اور سنا، اور سامعین میں دلدادہ پیدا ہونے لگا، تو ان ہی دنوں میرے والد مرض الموت میں مبتلا ہوئے۔ میں ان کے دلچسپ کر لاہمد سے آیا کرتا تھا۔ ایک دن میں نے ان سے پوچھا کہ والد بزرگوار! آپ سے جو میں نے اسلام کی خدمت کا احمد کیا تھا، وہ پورا کیا یا نہیں؟ آپ نے بسترِ مرگ پر شہادت دی کہ ہاں من، تم نے میری خدمت کا معاوضہ ادا کر دیا۔

### والد کا انتقال

پدر و مرشد اقبال اذی عالم رفت  
ماہر دہم و اہل منزل و ملک ابد  
دلت از حضرت حق خواست و تلمیذ خلیل  
آہ آواز اثر ملت و آخر مشن شد  
۱۳۳۹ ۳ ۱۳۴۱ ۴

### والدہ مرحومہ

تربیت سے تیری میں انجم کا ہم قسمت ہوا  
محرر سے اہلاد کا سہ ماہِ عزت ہوا  
دفر جستی میں تھی دفری و دق تیری حیات  
حق سراپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات  
میر میر تیری محبت میری خدمت گزری  
میں تری خدمت کے قابل جب ہوا تو پہلی  
زندگانی حق تری متاب ہے تابندہ تر  
خوبتر تمام صبح کے تارے سے عجیب تر  
آسمان تیری حد پر شبنم افشانی کرے  
سبزۂ نور سے اس لکڑی نگہبانی کرے  
لحم خزاں پر سید اکبر الہ آبادی کا کیا تھا قطعہ ذیل ثبت کر لیا ہے

مادر محترمہ اقبال رفت  
سوئے جنت زہی جہان بے ثبات  
گفت اکبر بادل پر در و غنم  
رحلت محترمہ کا دیخ و فات  
۱۳۳۳ ۴

### میرا بھائی

وہ میرا دوست ثانی وہ شیخ محض مشق  
ہوئی ہے جس کی نوبت مستند جاں بگو  
جہانے جس کی محبت نے دفر میں تو  
ہر آنے پیش میں چلا، کیا جہاں بگو

دیا جی دہر میں مانسہ بھل رہے خنداں  
کہ ہے عزیز تر از جاں وہ جانِ ہاں بھگو  
(مستقلہ میں) میرے بڑے بھائی جان (شیخ طاہر) پر جو بلوچستان کی سرحد پر سب ڈوڑنی آئیس لڑی وکس تھے ان  
کے خانیہ نے ایک خوفناک فوجی قتلہ کر دیا ہے

ہوا گریو سٹ مرا زحمت کش جاہِ عالم      مہین آئے مصر آزادی میں پھر کیوں کر مجھے  
لیکن احمد طہ کے دشمنوں کے منہ میں خاک پڑی۔ بھائی صاحب بری ہوئے۔ اگرچہ دوپیر کثیر صرت ہوا، تاہم شکر ہے جلدی  
مصیبت کا خاتمہ ہوا۔ ہم جاتی رہ گئے اور جانی مصیبت دشمنوں کی کاش میں پھر بلوچستان کی طرف موڈ کر گئی۔ بلوچستان یحییٰ والے  
تو اسے ساتھ نا افسانی کرنے پر آمادہ تھے مگر خدا بھلا کر سے لارڈ کرزن کا کہ میرے لکھنے پر معاملہ دگر گئی ہو گیا۔ (۶ اگست  
مستقلہ۔ اقبال نامہ پ)

میں (اورنگ آباد) گیا اور عالمگیر علیہ الرحمۃ کے مزار پاک پر حاضر ہوا۔ میرے بڑے بھائی جی ساتھ تھے۔ کھنے لگے ہیں  
حقات کے اندر جاؤں گا کہ میری ڈاڑھی غیر مشروع ہے (۱۷ دسمبر ۱۹۲۹ء۔ اقبال نامہ حصہ دوم ص ۴۳)

حضرت مولوی سید میر حسن صاحب پروفیسر عربی سکاچ مشن کالج سیالکوٹ.... بڑے بزرگ عالم اور  
**میرے استاد** شرفیہم ہیں۔ میں نے انہیں سے اکتساب فیض کیا ہے۔ (۲۹ اگست ۱۹۲۹ء اقبال نامہ حصہ دوم ص ۳۹)

وہ شیعہ بارگاہ خاندانِ مرتضوی      رہے گاش حرم جس کا آستان بھگو  
نفس سے جس کے کھلی میری آندو کی کلی      بنایا جس کی مروت نے نکتہ داں بھگو

دعا یہ کہ کہ خداوند آسمان و زمیں

کے پھر اس کی زیارت سے شادمان بھگو

(۲۵ ستمبر ۱۹۲۹ء کو جب مولوی صاحب فوت ہوئے تو اقبال نے قرآن مجید کی اس آیت سے تاریخ نکال کر  
کتابان کی قبر پر ثبت کرایا جو سیالکوٹ کی عید گاہ کے پیچھے ایک قبرستان میں ہے، دما در سلطانہ آل احسنہ للعالمین

پروفیسر آرنلڈ کی یاد

فدہ میرے دل کا خورشید آتش بھنے کو تھا      آئینہ ٹوٹا ہوا عالم نما ہونے کو تھا  
نخل میری آندوؤں کا ہرا ہونے کو تھا      آہ کیا جانے کوئی میں کیسے کیا بھنے کو تھا

ابردمت دامن از گنبار من برجیدہ در رفت

اندکے پر خنجر اپنے آندو باریدہ در رفت

تو کہاں ہے لے کیم زندہ سینے علم      حق تری موج نفس باو نشاط افزائے علم

اب کہیں وہ شوق وہ پانی صحرائے علم تیرے دم سے قہار سے سر پہ بھی سدائے علم  
شہر سیل کو! کہ باز آدا نشیں سدا کند  
خاک جہنم ما خباہر خاطر صحرائے علم

## تعلیمی سفر انگلستان (۱۹۰۵ء)

جمن کریمچند کے نکلا ہوں ٹل تھکتا گل ہر جہ صبر کا غنجد امتحان گل  
جمن ہے لے کے دن کے نکلاؤ غلطے شراب علم کی لذت کشن کشن گل  
جب ہی ولایت گیا تو کہ اپنا مد پر میرے پاس سرحد قائمین زادہ تر دم میرے بھائی صاحب  
ڈگریوں پہ ڈگریاں | نے مجھ کو دی تھی۔ ولایت کے قیام کے دوران میں وقتاً فوقتاً مجھ کو روپے بھیجتے رہتے تھے۔ جب میں  
نے کیمبرج سے بی اے کر لیا تو انہوں نے لکھا کہ اب برسرِ شری لاکھس پر آکر کے واپس آ جاؤ۔ لیکن میرا ارادہ بی۔ ایچ۔ ڈی کی لڑائی  
لینے کا تھا، اس لئے میں نے ہر اہدیا کہہ کر تم بھیجے تاکہ جرمنی جاکر ڈاکٹری کی سند لے لوں۔ انہوں نے مجھ کو مطلوبہ رقم بھیج دی۔  
ان دنوں میں وہ ایک مدد سیالکوٹ میں اپنے بے تکلف دوستوں کی صحبت میں بیٹھے تھے کہ کسی شخص نے پوچھا۔  
”کیوں شیخ صاحب! سنا ہے اقبال نے ایک اور ڈگری لی ہے؟“  
بھائی صاحب نے ہر اہدیا۔

”بھئی کیا بتاؤں! ابھی تو وہ ڈگریوں پہ ڈگریاں لئے جا رہا ہے۔ خدا جانے ان ڈگریوں کا اجراء کب ہو گا؟“  
دائرا اقبال۔ ص ۱۳۶

ڈاکٹر آف فلاسفی | جرمنی کے تعلق میری معلومات اب دسمبر ۱۹۰۳ء کو پائی ہو چکی ہیں۔ تیرہ برس گز سے ہیں  
میں اس ملک میں تھا، اس کے بعد اس ملک کو تاریخِ علم کی ایک عظیم ترین جنگ سے دوچار ہونا پڑا  
اور اس وقت وہ ملک دنیا کی معاشی تاریخ کے ایک عظیم الشان دانی بحران میں مبتلا ہے۔ میرا خیال ہے کہ جرمنی کی درس گاہوں  
میں بڑی بڑی تہذیبیں رونما ہو چکی ہیں۔ میں تو صرف اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اپنا مقالہ ایران میں فلسفہ انبیاء کا ارتقاء  
میرنگ یونیورسٹی میں پیش کیا تھا جس کے ادب اختیار نے مجھ کو یونیورسٹی میں قیام کی شرط سے مستثنیٰ کر دیا اور مجھ کو اپنا مقالہ  
انگریزی میں لکھنے کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔ جرمن یونیورسٹیاں باہموم بین سالانہ یا ڈیڑھ سال کے لئے کچھ دنوں میں حاضری  
پر مبرا کرتی ہیں۔ حاضری کی مدت کا تعین امیدوار کی اہلیت پر جو تھامے اور عام طور پر مقالہ جرمنی زبان میں مرتب کرنے پر  
اصرار کیا جاتا ہے۔ مجھے اپنے کیمبرج کے استادوں کی سفارش کی بنا پر اس سے مستثنیٰ قرار دیا گیا۔ بی۔ ایچ۔ ڈی کا امتحان  
زبانی جرمن زبان میں ہوا جو میں نے دورانِ قیام ستر ڈی بہت سیکھ لی تھی۔

دائرا اقبال، نامہ، جلد اول، ص ۲۶۹-۲۷۸

**ذبیحہ کا خاص انتقام** | میں نے ڈاکٹر آرتھر صاحب سے یہ خواہش ظاہر کی کہ میرے قیام کا انتظام کسی ایسے گھر میں کر دیا جائے جہاں ذبیحہ کا خاص انتظام ہو۔ یورپ میں صرف یہودی اس بات کا خاص خیال رکھتے ہیں کہ اپنا ذبیحہ کہاں چھپا کر رکھے۔ ایک ایسے گھر میں میری رہائش کا انتظام کر دیا گیا۔ ان لوگوں میں ہست سی خربیاں تھیں۔ اپنی نماز باقاعدہ پڑھتے تھے۔ جب میں گھر میں جاتا تھا تو میں بھی شریک ہو جاتا تھا۔ میں نے ان سے کہا کہ مسلم ہونے کی وجہ سے حضرت موسیٰ میرے لیے بھی غیر ہیں اور میں ان کی روض پر چل سکتا ہوں۔ وغیرہ۔ یہی کچھ حصہ کے بعد میرا دل ان لوگوں کی طرف سے کھٹا ہو گیا۔ یہ لوگ ہر اس چیز میں جس کی کچھ ضرورت ہوتی تھی اور جس کو میں ان کے ذریعے منگاتا تھا، وہ کاندھاروں سے کیش لیا کرتے تھے۔ ان کی اس عادت نے ان کی تمام خوبیوں پر پانی پیر دیا۔

**اسلامی طہارت** | قیام انگلستان میں میرا ڈاکٹر صاحب سے ساتھ ہوتا تھا۔ چند روز اسی طرح گزرے۔ آخر میری میزبان یعنی مالک مکان (لینڈ لڈی) سے نہ رہا گیا۔ (یہ خاتون پچاس سال کے ٹک جگ تھی اور میرے ساتھ نہایت مہربانی سے پیش آتی تھی) مجھ سے ہونے لگی یہ چیز تم غسل خانے میں کیوں لے جاتے ہو؟ میں نے کہا کہ اسلامی طہارت کا ایک قاعدہ یہ ہے کہ فضائے حاجت کے بعد صرف کاغذ یا مٹی کے ڈبے کا استعمال کافی نہیں بلکہ پانی سے استنجا کرنا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ اس پر گفتگو شروع ہوئی۔ میں نے ان کے سامنے طہارت اور غسل کے اسلامی اصول بیان کیے۔ مثلاً غسل جنابت مسلمان مرد اور عورت پر اسی طرح فرض ہے جس طرح عورت پر غمر کا غسل پھر میں نے کہا۔ بڑی بی ایسی خاص غسل کی آپ کو حاجت نہ ہوگی البتہ طہارت کا پانی ضرور استعمال کیا کیجئے۔ یہ باتیں سن کر بڑی بی بہت خوش ہوئی اور فرمائے گی کہ میں ضرور ایسا کروں گی۔ مسلمانوں کے یہ قواعد نہایت پاکیزہ ہیں۔

**بے داغ جوانی** | انہیں نے یورپ کی آب و ہوا اور تہذیب و تمدن کا مطلق اثر قبول نہیں کیا ہے

غضب و انش حاضر سے باخبر ہوں میں  
کہیں اس آگ میں ڈال گیا ہوں شل غلیل

زستانی ہوا میں گرچہ تھی شمشیر کی تیسری

نہ چھوٹے مجھ سے لندن میں بھی آداب کفر غری

بندہ دوسیاہ کبھی کبھی تہجد کے لیے اٹھتا ہے اور بعض دفعہ تمام رات بیداری میں گزر جاتی ہے۔ . . . . اس وقت

جلالت الہی میں لذت حاصل ہوتی ہے ۷

”نماز بے ضرور از منی نیاید“

**شیطان کے پیغمبر** | کیمبرج کے زمانہ میں چند معصروں سے مذہب پر بحث چھڑ گئی۔ ایک صاحب پوچھنے لگے۔ شرابا  
یہ کیا بات ہے کہ بتتے بھی پیغمبر اور نبیان مذہب دنیا میں آئے، وہ بلا مشوارہ ایشیا میں مبعوث ہو۔  
یورپ میں ایک بھی پیدا نہیں ہوا۔ میں نے جواب دیا۔ مجھے شروع شروع میں اللہ دیاں اور شیطان نے اپنا اپنا پیغمبر احمایا۔ اللہ دیا

نے ایشیا کو ہند کی اہم شہنشاہی نے یورپ کو۔ اس لیے پیغمبر اللہ میں کی طرف سے آئے ہیں، ایشیا میں برصغیر ہونے۔ دو صاحب بول اٹھے۔ تو پھر ایشیا کے پیغمبر کا جنم ۹ میں نے جواب دیا۔ یہ تیسری بار ایشیا میں برصغیر کی سیاحت اس کے دوسری میں ۱۳۔ اس پر بہت تہنید تھا۔ (آثار قبل ص ۵۹-۶۰۔ اقبال کا دل ص ۹۲۔ اقبال کے چار دینے ص ۱۳-۱۴)

**تقریریں کا مشغلہ** انگلستان میں نہیں نے اسلامی مذہب و تقویٰ پر لکھیں کہ ایک بے بس شروع کیا ہے۔ ایک لکچر ہو چکا ہے۔ دوسرا اسلامی تعارف پر فوڈی (مشغلہ) کے تیسرے ہفتہ میں ہوگا۔ اسی لکچر میں کے عنوان ہوں گے، "مسلمانوں کا اثر تہذیب یورپ پر"۔ "اسلامی جمودیت"۔ "اسلام اور قبل ایشیائی" وغیرہ۔ (۲۰ فروری ۱۹۷۹ء اقبال نامہ جتہ دوم ص ۲۵۸)

انگلستان میں طالب علمی کے زمانے میں بھی تقریریں کے مشغلہ میں کچھ حصہ کے لیے مشغول رہا۔ لیکن بعد میں نہیں نے اسے بالکل ترک کر دیا۔ (ان خیال اور مصیبتیں اقام کو چھوڑ کر) جو لوگ بے ضرورت اٹھتے بیٹھتے تقریریں کرتے رہتے ہیں، ان میں رعایت کا فقدان ہوتا ہے۔

**ذاتی امتیازات** ۱۵ مارچ ۱۹۷۹ء (کو اخبار) خبر دکن سے معلوم ہوا کہ حیدر آباد کی کورٹ کی بجلی کے لیے چند نام حیدر نظام علی اللہ کے، کے سامنے پیش کیے گئے ہیں جو میں ایک نام ٹھکرا کر بھی ہے۔ اس خیال سے کہ میرا نام اور ناموں کے ساتھ پیش ہوا ہے اور یہ ایک قسم کا مقابلہ ہے چند اور آپ کے گوش گزار کرنا ضروری ہے۔ اس جگہ کے لیے فلسفہ ذاتی کی چنداں ضرورت نہیں۔ تاہم یہ کتنا فوڈی ہے کہ اس فن میں، میں نے چند دوسری اور یورپ کے ملکی انٹینسٹ انگلستان (کمپیوٹر) جرنل (میڈیکل) رینورٹیشن کے پاس کیے ہیں۔ انگلستان سے واپس آنے پر لاہور گورنمنٹ کالج میں مجھے فلسفہ کا اعلیٰ پروفیسر مقرر کیا گیا تھا۔ ۱۹۷۸ء تک کیا۔ ادیبوں اعلیٰ ترین جماعتوں کو اس فن کی تعلیم دی۔ گورنمنٹ نے بسا زان یہ مجھے آفر بھی کی مگر میں نے انکار کر دیا، میری ضرورت گورنمنٹ کو کس قدر تھی، اس کا اندازہ اس سے ہو جائے گا کہ پروفیسر کے تقرر کی وجہ سے میں بیکاپری نہ جاسکتا تھا۔ جہاں ہائی کورٹ کو گورنمنٹ کی طرف سے ہدایت کی گئی کہ میرے تمام تقاضات دن کے پچھلے بجت میں پیش ہوا کریں۔ چنانچہ ۱۹۷۸ء تک اسی پر عمل درآمد ہوتا رہا۔ مگر اس جملے کے لیے جو حیدر آباد میں خالی ہوا ہے غالباً حوی خالی کی زیادہ ضرورت نہ ہوگی۔ اس کے تسلی یہ امر سرکار کے گوش گزار کرنا ہے کہ عربی زبان کے امتحانات میں میں پنجاب میں اقل رہا ہوں۔ انگلستان میں مجھ کو مدنی طور پر چھ ماہ کے لیے لندن یونیورسٹی کا عربی کا پروفیسر مقرر کیا گیا تھا۔ وہاں پر پنجاب اور لاہور کی یونیورسٹیوں میں عربی اور فلسفہ میں بی۔ اے اور ایم۔ اے کے امتحان مقرر کیا گیا اور اب بھی ہوں۔ اصل میں لاہور یونیورسٹی کے ایم۔ اے کے دور پر چھ برس سے دس تھے۔ پنجاب میں بی۔ اے کی فارسی کا ایک پرچہ اور ایم۔ اے کے لیے دو پرچے میرے پاس ہیں۔ وہ وہی عربی ہیں کہ میں نے پنجاب گورنمنٹ کالج میں علم اقتصادیات، تاریخ اور انگریزی بی۔ اے اور ایم۔ اے کے جماعتوں کی پڑھائی ہے اور کامیاب امتحان سے تمہیں مل کر ہے۔

تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی ایک طرح سے جاری ہے۔ علم اقتصاد پر لکھ دو میں سب سے پہلے مسند کتب میں نے لکھی

انگریزی میں چھوٹی چھوٹی تصانیف کے علاوہ ایک مفصل رسالہ فلسفۂ ایلان پر بھی لکھا ہے جو انگلستان میں شائع ہوا تھا۔ میرے پاس اس وقت یہ کتابیں موجود نہیں۔ ورنہ ایصالِ قدرت کرتا۔

..... قطعہ اسلام میں اس وقت ایک مفصل کتاب بڑی انگریزی زیر تصنیف ہے، جس کے لیے میں نے مصر و شام و عرب سے سالہا سال جمع کیا ہے جو انشاء اللہ بشرطِ زندگی شائع ہوگی اور مجھے یقین ہے کہ اپنے فن میں ایک بے نظیر کتاب ہوگی۔ میرا ارادہ ہے کہ اس کتاب کو تفصیلی مسائل کا جذبہ سے ایسا بناؤں جس کی اہم نفسی کی جڑ ہے جو ساتھ جہدوں میں ہے۔ (شاد اقبال)

لاہور ایک بڑا شہر ہے لیکن میں اس ہجوم میں تنہا ہوں۔ ایک فرد واحد بھی ایسا نہیں جس سے دل کھول کر اپنے جذبات

**انجمن میں تنہا**

کا اظہار کیا جاسکے۔

ظنہ زن ہے ضبط اور لذت بڑی افشا میں ہے

ہے کوئی مشکل سی مشکل رازِ داں کے واسطے

لاڈلیکے کہتے ہیں "جتن بڑا شہر ہوا اتنی ہی بڑی تنہائی ہوتی ہے۔ سو یہی حال میرا لاہور میں ہے۔ اس کے علاوہ گزشتہ ماہ بعض مسائل کی وجہ سے سخت پریشانی رہی اور مجھے بسن کام اپنی فطرت اور طبیعت کے خلاف کرنے پڑے اور ان ہی میں طبعِ سلیم میرے لیے جیسے کام دے گئی۔ کیا غیب کہ گیا ہے عرقی۔

رستم ز مدعی بہ فتبول غلط ولے

در تاجم از مکتبہ طبع سلیم خویش (اقبال نامہ جلد ۲، ص ۳۵)

لاہور میں ضروریاتِ اسلامی سے ایک متنفس بھی آگاہ نہیں۔ یہاں انجمن اور کالج اور دیگر مناصب کے سوا اور کچھ بھی نہیں پنجاب میں علامہ اقبال کا پیدا ہونا بند ہو گیا اور اگر خدا تعالیٰ نے کوئی خاص مدد کی تو آئندہ جتن سال نہایت خطرناک نظر آتے ہیں۔ صوفیائی دکانیں ہیں مگر وہاں بیروت اسلامی کی متاع نہیں بکتی۔

کئی صدیوں سے علماء اور صوفیاء میں طاقت کے لیے جنگ رہی، جس میں آخر کار صوفیاء غالب آئے۔ یہاں تک کہ اب بانیہ علم و جہد برپا ہے کہ جو بھی جب تک کسی دینی فوادے میں بیعت نہ لیتے ہوں ہر دین پر نہیں ہو سکتے۔ یہ دوش گویا علماء کی طرف سے اپنی شکست کا اعتراف ہے۔ مہد الف نمانی، مالگیر اور ملتان اعلیٰ شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اسلامی بیعت کے احیاء کی کوشش کی مگر صوفیاء کی کثرت اور صدریوں کی جمع شدہ قوت نے اس گروہِ جہاد کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ اب اسلامی جماعت کا محض خدا پر عبور ہے۔ میں بھلا کیا کر سکتا ہوں۔ صوف ایک بے چین اور مضطرب جہل و کھٹا ہوں۔ قوتِ حمل مقصود ہے۔ اہل یہ آئندہ رہتی ہے کہ کوئی قابلِ فوجان جو دینی فوادے کے ساتھ قوتِ حمل بھی رکھتا ہے، مل جائے جس کے دل میں اپنا اضطراب منتقل کر دوں۔ (اقبال نامہ جلد ۲، ص ۳۸)

..... میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کو بھی تک اس کا احساس نہیں کہ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے اس ملک ہندوستان میں کیا جہد ہے۔ اگر وقت پر موجودہ حالات کی اصلاح کی طرف توجہ نہ کی گئی تو مسلمانوں اور اسلام کا مستقبل اس ملک میں کیا ہو جائے گا۔ ہم تو اپنا نادھیت میں غم کر رہے۔ آئندہ نسلوں کو کھوکھلا ہمارا فرض ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ان کی زندگی گونڈا اور پھیل اقوام کی طرح ہو جائے۔ اگر



ان مفاسد کی تکمیل کے لئے مجھے اپنے کام پھٹنے پڑے تو نشانہ اللہ چھڑ دیا گا اور اپنی زندگی کے اقی ایام اسی ایک مقصد تک پہنچنے کے لئے وقت کر دیا گا۔۔۔۔۔ ہم لوگ قیامت کے روز خدا اور رسول کے سامنے جوابدہ ہوں گے۔ (اقبال نامہ جلد دوم ص ۳۸۸)

ایک مرتبہ فارمن کرچن کالج لاہور کا سالانہ امتحان ہو رہا تھا۔ کالج کے پرنسپل ڈاکٹر لوکس نے مجھے بھی اس میں دعوت شرکت دی۔ اجلاس کا پروگرام ختم ہونے کے بعد چلنے کا بندوبست کیا گیا تھا۔ ہم لوگ چائے پینے بیٹھے تو ڈاکٹر لوکس میرے پاس آئے اللہ کئے گئے، چائے پی کے چلے نہ مانا، مجھے تم سے ایک فردی بات کرنی ہے۔ ہم چلنے پی چکے تو ڈاکٹر لوکس آئے اللہ مجھے اپنے ساتھ ایک کمرشے میں لے گئے اور کئے گئے، اقبال! مجھے بتاؤ کہ تمہارے پیغمبر پر قرآن کا مفہوم نازل ہوا تھا اور یہ کہ انہیں صرف عربی زبان آتی تھی، انہوں نے قرآن کریم عربی میں منتقل کر دیا یا یہ عبادت ہی اس طرح آتری تھی؟ میں نے کہا، یہ عبادت ہی آتری تھی۔ ڈاکٹر لوکس نے حیران ہو کر کہا، اقبال! تم جیسا پڑھا لکھا آدمی جس اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ یہ عبادت ہی اس طرح آتری ہے؟ میں نے کہا، ڈاکٹر لوکس! یقین! میرا تجربہ ہے، مجھ پر شعر پڑھا اترے کہ تو پیغمبر پر عبادت کیوں نہیں آتری ہوگی؟

جب شعر کہنے کی کیفیت مجھ پر طاری ہوتی ہے تو سمجھ لو کہ ایک ماہی گرنے میں چھلیاں پکڑنے کے لئے جال ڈالتا ہے۔ چھلیاں اس کڑت سے جال کی طرف کھینچی جاتی ہیں کہ ماہی گریں پریشان ہو گیا ہے۔ سوچتا ہے کہ اتنی چھلیوں میں سے کسے پکڑوں اور کسے چھوڑ دوں؟ یہ کیفیت تو مجھ پر سال میں زیادہ سے زیادہ دو بار طاری ہوتی ہے لیکن فیضان کا یہ عالم کئی کئی گھنٹے رہتا ہے اور میں بے تکلفی سے شعر کہتا ہوں۔ چر غیب بات یہ ہے کہ جب عربی عرصے کے بعد یہ کیفیت طاری ہوتی ہے تو پہلی کیفیت میں کہا گیا آخری شعر دوسری کیفیت کے پہلے شعر سے مربوط ہوتا ہے تو یا اس کیفیت میں ایک قسم کا تسلسل بھی ہے یا یوں کہنا چاہیے کہ یہ فیضان کے لئے، دماغ ایک ہی ذخیرہ کی مختلف کڑیوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جب یہ کیفیت ختم ہو جاتی ہے تو میں ایک قسم کی نکال، صبی اضمحلال اور پشیمانی کی محسوس کرتا ہوں۔

ایک مرتبہ چھ سات سال تک مجھ پر کیفیت طاری نہ ہوئی تو میں یہ سمجھا کہ خدا تعالیٰ نے مجھ سے یہ نعمت چھین لی ہے چنانچہ میں دلتے میں میں نے شعر لکھنے کی طرف توجہ کی۔ ایک بڑی ایک مدد پھر یہ کیفیت طاری ہو گئی۔ ان لمحوں میں میری طبیعت ایک عجیب لذت محسوس کر رہی تھی۔ بس ایسا محسوس ہوتا تھا کہ استاد کا ایک بھر مروج ہے کہ اُمڈا چلا آتا ہے۔ یہ کیفیت سرور و نشاط اتنی دیر تک قائم رہی کہ اس نے چھ سات سال کے مجرود و متصل اقباس کی تلافی کر دی۔

مشہور جو شاعر گزشتہ کے متعلق ایک کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ جب اس نے جرمِ مذہب میں قرآن کریم کا ترجمہ پڑھا تو اپنے بعض دوستوں سے کہا کہ میں یہ کتاب پڑھتا ہوں تو میری روح میرے جسم میں کانپنے لگتی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ شاعر کو بھی ایک قسم کا الہام ہوتا ہے جس نے جب وہ کوئی کتاب پڑھتا ہے تو اپنی روح کو اس کی مغزیت سے ہم آہنگ بناتا ہے اور اس کی طبیعت ایک خاص اہتر از محسوس کرتی ہے یہ چیز دوسروں کو نصیب نہیں ہو سکتی۔ (دعا گار فیر ص ۳۸-۴۰)

مجھے خبر نہیں یہ شاعری ہے یا کچھ اور عطا ہوا ہے مجھے ذکر و فکر و جذب و سرور

میں نے کبھی اپنے آپ کو شاعر نہیں سمجھا۔ اس واسطے کوئی میرا قریب نہیں اور نہ میں کسی کو اپنا قریب تصور کرتا ہوں۔ نئی شاعری سے مجھے کبھی دلچسپی نہیں رہی، ہاں بعض مقاصد خاص رکھتا ہوں جن کے بیان کے لئے اس ملک کے حالات و روایات کی دوسے میں نے قلم لا طریقہ اختیار کر لیا ہے، اور نہ ہے

نہ جینی خیر اذماں مرد فرود دست کو بر من تمت شعر و سخن بست (ذبور علم)

(اقبال نامہ حصہ اول میں ۱۹۵-۱۹۶)

**فارسی میں لکھنے کی وجہ** میں اقل اپنے کلام کو خاص لوگوں کے اندر محدود رکھنا چاہتا تھا اور اس سے میرا مقصد یہ تھا کہ پہلے یہ سمجھ دار لوگ میرے پیغام کو دیکھیں اور غور کر کے صحیح طور پر سمجھیں۔ پھر اس کو عوام تک پہنچائیں کیونکہ میرے خیال میں جب باریک باتیں عوام کے سامنے ہلاکسی واسطے کے پیش ہوتی ہیں تو کچھ لوگ سمجھتے ہیں اور کچھ نہیں سمجھتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کئے والے کا مطلب کچھ کا کچھ مان لیا جاتا ہے۔ لہ

**اردو کا مستقبل** جب میں بچے پس لکھنے لگا تو دہاں کے مشہور شاعر پیارے صاحب رشید زندہ تھے۔ لکھنے والے بعض شاعری سے دلچسپی رکھنے والے دوستوں نے میری آمد پر شعر و سخن کی ایک مجلس منعقد کی جس میں پیارے صاحب رشید بھی تشریف لائے۔ حاضرین سے نام بنام لانے کے بعد میرے جلس نے فرمائش کی کہ میں اپنا کلام سناؤں۔ چنانچہ ان کے ارشاد کی تعمیل میں میں نے اپنی چند نظمیں سنائیں۔ میں وہ مختصر اب تک نہیں بھولا کہ میں اپنا کلام سنا رہا تھا اور میرے ہر شعر پر پیارے صاحب رشید کے چہرے سے حیرت اور کوفت کے لئے مجھے جذبات کا اظہار ہوتا تھا۔ کبھی ان کی بھڑکی متنی تھیں اور بھلی محاتی تھیں، کبھی سکھیں ابدال کی کھلتی تھیں اور ابدال کی بند ہو جاتی تھیں۔ میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ ابرا کیا ہے۔ جب میں کلام سنا چکا تو ان کے پاس بیٹھ کر میں نے ادب سے پوچھا کہ آپ کے سامنے شعر پڑھنا ہے تو گستاخی، لیکن جو کچھ میں نے عرض کیا، آپ نے لا حظ فرمایا؟ انہوں نے قدرے تامل سے جواب دیا۔ ہاں صاحب سنا ہے لیکن کچھ پوچھے تو ایسی اور نہ ہم نے آج تک پڑھی ہے نہ سنی ہے، حیران ہوں کہ یہ فارسی ہے یا اردو ہے یا کوئی اور زبان ہے۔ (پھر کسی قدر تبسم کے ساتھ) اب دلی اور لکھنؤ کدو لوگ رخصت ہوتے جا رہے ہیں جن کے دم سے اردو شاعری کے ان دم کرکڑوں کی خصوصیتیں قائم تھیں، اور چند سال کی بات ہے کہ لکھنؤ، دلی، لاہور اور حیدر آباد دکن ایک سطح پر آجائیں گے۔

زبان کو میں ایک بُت تصور نہیں کرتا جس کی پرستش کی جائے بلکہ اظہار مطالب کا ایک انسانی ذریعہ خیال کرتا ہوں۔ زندہ زبان انسانی خیالات کے انقلاب کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہے اور جب اس میں انقلاب کی صلاحیت نہیں رہتی تو مردہ ہو جاتی ہے۔ ان تراکیب کے وضع کرنے میں ماقیہ سلیم کو ہاتھت زد دینا چاہیے۔ (۹ اگست ۱۹۳۷ء، اقبال نامہ حصہ اول میں ۵۶)

زبانیں اپنی اندرونی قوتوں سے نشو و نما پاتی ہیں اور نئے نئے خیالات و جذبات کے ادا کر سکنے پر ان کے ہتھکانا انحصار

ہے۔ (۹ ستمبر ۱۹۳۷ء، اقبال نامہ حصہ دوم میں ۸۵)

لہذا میں پہلی گلابینہ کاغذوں کے مرتبے پر ہندوستانی طالب علموں نے ڈاکٹر صاحب کے حوازی میں ایک اجتماع کیا جس میں انہوں نے اپنے تئیں کو بتایا کہ انہوں نے اردو، ہندی اور ہندوستانی فارسی میں کیوں لکھیں۔

اگرچہ میں اردو زبان کی کثرتِ زبان خدمت کرنے کی اہمیت نہیں دیکھتا۔ تاہم میری ذاتی حیثیت، ذاتی حیثیت سے کسی طرح کم نہیں۔ (میر تقی میر کا اقبال نامہ جلد دوم ص ۵۵-۵۹)

### نظرِ طبیعت

یہی سماجی اُتھاکے لئے وطن کو ایک بنیاد سمجھتا تھا۔ اس نے خاکِ وطن کا ہر ذرہ جیسے دیرپا دکھائی دیتا تھا اس وقت میر سے خیالاتِ ادبیت کی طرف مائل تھے۔ سرانے وطن کے لیے انسانوں میں اُتھاکے لئے کوئی دوسرا ذریعہ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اب یہ انسانوں کو صرف انہی اعلیٰ درجے کی بنیادوں پر متوجہ کیا جاتا ہے اور ادب بھی اس واسطے کا نظرِ استعمال کرتا ہے تو میری مراد اس سے کہی دو عالمی نظام ہے۔ اسلام اور سکھ میر سے ملے خاص اصطلاحات ہیں جن کو میر سے بیانات سمجھنے کے لئے بھی طرح سمجھنا ضروری ہے (رسالہ اردو اقبال نمبر ۹۳۹)

### حق گوئی

شعر ہے خدا سے خدا جلّال کی جس کے کچھ میں میری جان ادا آ رہی ہے اور قسم ہے اس بزرگ دروہ دور کی جس کی دوجو ہے مجھے خدا پر ایمان نصیب ہوا اور مسلمان کہتا ہوں، دُنیا کی کوئی قوت مجھے حق کچھ سے باز نہیں رکھ سکتی۔ (اقبال کی زندگی و سوانح، نیشنل بک، اس کا بولی میں ہے۔) (اقبال نامہ جلد اول ص ۲۰۶-۲۰۵)

کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق	نے ابڑا مسجد ہوں نہ تہذیب کا فرزند
اپنے گلِ خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش	میں ذہنِ عالمی کو کبھی کہہ نہ سکا فتنہ
شکل ہے کہ اک بندہ حق ہیں حق اندیش	خاشاک کے تودے کو کچھ کوہِ دماوند
بڑوں آتشِ فرد کے شعلوں میں بھی خاموش	میں بندہ مومن ہوں نہیں دانہ اسپند
پرسوز و نغسہ بازو، ٹکڑے ہیں دکھ آزار	آزاد و گرفتار دونی کیسہ دغورسند

ہر حال میں میر سے اول جے قید ہے خستہ

کیا چھینے کا غنیمت ہے کوئی ذوقِ شکر خند

### عقیدہ

میرا عقیدہ ہے کہ غلامی الزہد اور مسئلہ جود مسلمانوں میں بنیاد تو بڑھ (خستہ) مذہب کے اثرات کا نتیجہ ہیں۔ خواہ نقشہ بندی اور مجدد سرہندی میر سے دل میں بڑی عزت ہے مگر ان سے ہے کہ آج یہ مسئلہ بھی جمیت کے رنگ میں رنگ لیا ہے سبھی حال مسئلہ کا دیر کا ہے جس میں میں خود بیت دکھتا ہوں حالہ کہ حضرت می الدین (محمد تقی الدین گیلانی) کا مقصد اسلامی تعزوت کو جمیت سے پاک کرنا تھا (۱۳ نومبر ۱۳۲۵ء بنام سید سلیمان ندوی)

### طلازمت سے گریز

جس نے کچھ دنوں پر دھیرے کی اور اس نتیجے پر پہنچا کہ ہندوستانی کابلوں کی پدھیرے میں ملی کام تو ہوتا نہیں، البتہ طلازمت کی ذلتی ضرورت ہے جی ہاں کچھ کچھ یہ طاب طوں کی حاضری کے تقاضے کو رشتہ کلا کے پر پل سے کچھ جڑوا ہو گیا اور پر پل نے مجھ سے کچھ اس طرح گفتگو کی جیسے کوئی کرک کے بتا رہا ہے کہ جمیت طلازمت سے ایسی کٹی ہوئی کہ جی میں خائف ہوں کہ جہاں تک ہر کے کا طلازمت سے گریز کر دوں گا۔ (اُتھار اقبال ص ۱۲-۱۳)

میں ملی کرک کلا کی پدھیرے میں نامنکود کرنے سے ہدفِ طلازمت ہوتا ہوں مگر۔

شادم زطن حشوق کہ معرفت باغ عشق شاخہ کہ سنگ می رسد شمس آسمیاں کنند

(اقبال نامہ حصہ دوم ص ۳۵۹)

## جھوٹی شہرت سے نفرت

میں سیدھی سادی دیا مندارنہ زندگی بسر کرتا ہوں۔ میرا دل اود میری زبان ایک دوسرے کے ہاتھ کلیتا ہمنوا ہیں۔ لوگ دیا کاری سے حقیقت لکھتے ہیں اور اسی کا احترام کرتے ہیں۔ میں دیا کاری اور منافقت سے کوسوں دور جاتا ہوں۔ اگر دیا کاری اور منافقت ہی میرے لئے درجہ حصول عزت و شہرت ہو سکتی ہے تو خدا کرے میں اس دنیا سے ایسے تعلق اندیگانہ جاؤں کہ میرے لئے ایک بھی آنکھ اشکبار اور ایک بھی زبان فخر خزانہ نہ ہو۔ پبلک کے بت سے پیروں والے عزت کو اپنے انترام کا فضلہ دوسروں کو دینے دیجئے جو مذہب اور اخلاق کے بارے میں جھوٹے مطامع نظر کی مطابقت میں مل کر رہے ہوں اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔ میں ان کے رسوم و رواج کا احترام کرنے کی غرض سے جو انسانی دماغ کی فطری آزادی کو دبانتے ہیں، اپنے آپ کو جکائیں سکتا۔ بائرن، گوٹے اور شیپے کا ان کے زمانہ کے لوگوں نے مطلق احترام نہیں کیا اور اگرچہ میں شاعرانہ اعتبار سے ان سے کہیں کم ہوں تاہم فزیہ کہہ سکتا ہوں کہ اس بارے میں مجھے ان کی دفاقت حاصل ہے۔ (اقبال از عطیہ نغم)

دیوئی نقطہ نگاہ سے خطاب بھی ایک عزت ہے مگر عزت فقط اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔

جیسا وہ کیا جو ہر شخص میں ہمارے

شہرت کی زندگی کا جھروسا بھی چھوڑ دے

## حصولِ حیا و منصب

ہوس بھی ہو تو نہیں مجھ میں بہت ملک دناز  
ہزار شکر جیست ہے ریزہ کار مری  
مرے سخن سے دلوں کی ہیں کھیتیاں سرسبز  
یہ عقد ہائے سیاحت تجھے ملب لک ہوں  
ہوئے بزم سلاطین دلیل مردہ دلی  
نہا ہے عافہ رنگیں نواسے نازیہ فاکش

”گوت ہواست کہ باغضد ہمنشیں باشی

نہاں ز چشم سکند چو کی آب حیواں باشی“

میں ایک فیکر آدمی ہوں مجھے جو کچھ اعلیٰ حضرت (نواب صاحب جہاں) دیتے ہیں، میری ضروریات کے لئے کافی ہے۔ (رسالہ اردو اقبال نمبر ص ۱۰۴۱)

## استغناء

اعلیٰ حضرت نواب صاحب جہاں کی پیش قبول کرنے کے بعد کسی اور طرف نگاہ کرنا آئین جہاں مردی نہیں ہے۔

(اقبال نامہ ص ۳۶۸)

ادارت، عزت، اجراء، جاہ و شہرت عام ہے مگر دل ایک ایسی چیز ہے کہ ہر ایسے پہلو میں نہیں جوتا۔

اعلیٰ حضرت نواب صاحب بھوپال نے جو رقم میرے لئے مقرر فرمائی ہے وہ میرے لئے کافی ہے۔ اور کافی زندگی ہو تو میں کوئی ہیرا زندگی کا عادی نہیں۔ بہترین مسلمانوں نے سادہ اور ودیشی زندگی بسر کی ہے، غرضت سے زیادہ کی ہوس کو مار دیا یہ کالہا ہے جو کسی طرح بھی کسی مسلمان کے شایان شان نہیں ہے (اقبال نامہ ص ۳۴۴)

میں خود تو یہاں تک احتیاط کرتا ہوں کہ جو لوگ کتاب کو پڑھ نہیں سکتے وہ اسے خرید بھی کریں۔ کیونکہ ان کو خریداری کی ترفیب دینا ایک قسم کی نا انصافی ہے۔ باقی راہیں، تو میری طرح امت مروجہ میں سیڑیوں آدمی اگلے گڑھے میں جنہوں نے رکاوٹوں کے جوتے جوتے کام کیا ہے۔ مجھ سے جہاں تک ہر کے گاہنیش کی تقلید کروں گا۔ (۱۵ جون ۱۹۱۵ء بنام خان نیاز اللہ مرین خاں)

کہاں سے تونے اسے اقبال سیکھی ہے یہ مدد ملی کہ پوچھا بادشاہوں میں سے تیری بے نیازی کا

**زندگی کی تنگ دماناز** ہر شاعر، ادیب اور آرٹسٹ کا اس وقت تک ذہن رہتا ہے جب تک وہ زندگی کی تنگ دماناز میں شریک ہے۔ جو لوگ دنیا کے ہنگامے سے کٹ کر گوشہ حایت اختیار کر لیتے یا بغیر مشقت کے آرام و راحت کی زندگی بسر کرنا شروع کر دیتے ہیں وہ اس ایلام سے محروم ہو جاتے ہیں جو صرف زندگی کے آثار چڑھاؤ میں براہ راست شریک ہونے سے حاصل ہو سکتا ہے۔ ایک آرٹسٹ کا نقطہ نگاہ اور نصب العین عوام کے نقطہ نگاہ اور نصب العین سے مختلف ہوتا ہے۔ اس ذات و ذوقِ نثر کے باعث فرد اور سوسائٹی میں تضاد ناگزیر رہتا ہے اور بعض اوقات اس تضاد سے ایسی چٹکائیاں پھرتی ہیں جن سے آرٹسٹ کا فن حیات تازہ و حاصل کر لیتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ میرے اوقات کا بیشتر حصہ فکرِ معاش اور دنیوی کردار میں ضائع ہو جاتا ہے لیکن یہ بھی درست ہے کہ اگر میں زندگی کی کشمکش سے علیحدہ ہو جاؤں تو میری شاعری بھی اس ڈھپ سے محروم ہو جائے گی جس کا سب سے بڑا منبع خود زندگی ہے۔

**یوم اقبال فنڈ** سرسخت رجعت خاں نے انٹر کالجیٹ مسلم بورڈ کے نام جو پیغام دیدیا ہے اس میں انہوں نے میرے متعلق بہت سے محبت کیز جذبات کا اظہار فرمایا ہے۔ میں ان کا بے حد ممنون ہوں۔

سرسخت رجعت خاں نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ جو لوگ میرے کلام سے دلچسپی رکھتے ہیں وہ سب مل کر مجھے ایک تصویر پیش کریں۔ میں سمجھتا ہوں کہ موجودہ حالات میں ہماری قوم کی ضروریات اس قدر نیا وہ ہیں کہ ان کے سامنے ایک شخصی کی ضرورتیں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ ہر چند کہ اس شخص کی شاعری نے ہزاروں لاکھوں انسانوں کی روح کو جھلکیوں نہ بخشی ہو۔ فرد اور اس کی احتیاج ہر حال تمام ہوجانے والی چیز ہے لیکن قوم اور اس کی احتیاج ہمیشہ باقی رہے گی۔

آج وقت کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ اسلامی علوم کی تحقیق کے لئے قادیان کے اسویر کالج میں ایک سیریز قائم کی جائے جہاں جدید طریقوں کے مطابق ریسرچ ہوئی جائے۔ اسلامی تعلیمات، فطرت اور تصوف سے جس قدر جہالت پنجاب میں رہتی تھی وہ اب بھی ہے اور اس جہالت سے جس قدر فائدہ خیر مندوں نے پنجاب میں اٹھایا ہے اس کی مثال ہندوستان بھر میں کہیں نہیں ملتی۔

اب وقت آئی ہے کہ اسلامی فکر اور اسلامی طرزِ حیات کا بغور مطالعہ کر کے ہم عوام کو بتائیے کہ اسلام کا اصل مقصد کیا تھا اور اس

مقتصد اور پیغام کو کس طرح تہہ و تہہ پر دوں میں پچا دیا گیا ہے۔ نیز یہ کہ ہندوستان کے اندر موجود اسلام کی روش کو کچھ کڑی لیا گیا ہے۔ ان پر دوں کو اب اٹھانا چاہیے تاکہ نئی نسل کے نوجوان اسلام کی حقیقی شکل و صورت سے آگاہ ہو سکیں۔

مسلمانوں ہی کے لئے نہیں بلکہ غیر مسلموں کے لئے بھی یہ ادارہ بے حد مفید ثابت ہوگا۔ کیونکہ اسلام ایک حرف ایشیا کے باشندوں کی زندگی میں ایک زبردست عنصر کی حیثیت سے کارفرما ہے تو دوسری طرف اس نے نوع انسانی کے ذہنی اور فنی انقلاب میں بڑا نمایاں حصہ لیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ میری اس تجویز کو پنجاب کے وزیر اعظم پسند فرمائیں گے اور اپنے اثر و رسوخ سے اسے کامیاب بنانے کی کوشش بھی کریں گے۔ تاہم میں ایک سو دو پہلی حیر و دم میں قزاق خذ کی خدمت کرتا ہوں۔“ (رسول ایڈیٹری ڈسٹ لاہور نمبر ۱۱، ستمبر ۱۹۳۷ء)

**بیماری کا حال ۱۹۳۷ء**  
دو سال سے اوپر ہوئے۔ جنوری کے مہینے میں حیدر آباد کی مائیکروڈیٹھ داکٹر آجس کے ساتھ کھنڈی زکام ہوا۔ بعد ازاں پچھلے پر زکام بند پڑا تو کلا جیٹر لگا۔ یہ کیفیت دو سال سے جاری ہے۔ بند آواز سے بول نہیں سکتا۔ اسی وجہ سے مجھے باقاعدہ سرسری کام چھوڑنا پڑا۔ انگریزی اور ہندی زبانوں کا علاج کیا مگر کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا اس کے علاوہ مجھے کسی قدر دماغ کی شکایت ہو گئی۔ حکیم صاحب خفرائہ کہ تھاری بیماری ایک ہلکا سا دور ہے۔ کھانسی اس شدت سے آتی تھی کہ میں بے ہوش ہو جاتا تھا۔ اب یہ کیفیت نہیں ہے۔ صبح بول سکتی ہے۔ مگر ذائقہ کھانا کھانے کے بعد بھی مفید نہیں لگتی ہے جس کے کھانے سے آواز نسبتاً بہتر ہو جاتی ہے۔ انگریزی اخبار کی تفصیل یہ ہے کہ ایک دن مجھے کھانا کھانے کے بعد ایک وقت کے قریب ہے ایک مقام سے سہلی آتی ہے۔ سانس کا بند و دل کا ڈر پڑتا ہے جس کے سبب سے بڑے میں دقت ہوتی ہے۔ مگر ذائقہ اس کی تفصیل یہ ہے کہ کوئی بیماری ہے قلب کی دھیمے کمزور ہو گئی ہے جس سے عام کمزوری ہو گئی ہے اور مجھے کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہیے جس میں EXCITEMENT پیدا ہو۔ ذرا سی مت کھنڈی مچول جاتا ہے یہاں تک کہ کھل کھنڈی میں اپنے ہاتھوں سے اپنا بدن بھی اڑھوں تو دم چڑھ جاتا ہے۔ عام کمزوری بھی ہے جسے کھنڈی میں بھی لگتا ہے۔

۲۔ اپریل ۱۹۳۷ء کی رات ۳ بجے کے قریب (جب اس شب سو رہا تھا) میں نے سرسید علیہ الرحمۃ کو خواب میں دیکھا۔ پچھتے ہی تم کہہ رہے ہو۔ میں نے عرض کیا دو سال سے اوپر دقت زور گئی۔ فرمایا حضور رسالت مآب کی خدمت میں عرض کرو میری آنکھ اسی دقت لگتی تھی اور اس عرضداشت کے چند شرح و جواب ہو گئے ہیں میری زبان پر جاری ہو گئے۔ انشاء اللہ ایک ششوی فادہ کی جگہ پر باید کہ دوسرے اقوام شرقیہ نام کے ساتھ عرضداشت شائع ہوگی۔ ۴۔ اپریل کی صبح سے میری آواز میں کچھ تبدیلی شروع ہوئی۔ اب پچھلے کی نسبت آواز مضبوط ہے اور اس میں وہ دھج (جھنر) ہو کر رہا ہے جو انسانی آواز کا خاصہ ہے۔ مگر اس ترقی کی رفتار بہت سست ہے۔ جسم میں بھی عام کمزوری ہے (اقبال نامہ جلد اول ص ۴۱۷-۴۱۸)۔ بینائی میں فرق آگیا ہے۔ اختلاف بہت بڑھ گیا ہے۔ بہت کمزور نہیں ہو گیا۔ معلوم ہو رہا ہے کہ امتحان کا وقت آگیا۔ تعجب خیب ہو رہا ہے۔ ہم آؤں گی بھی جہاں سے لگے۔ انشاء اللہ! (۲۰ مئی ۱۹۳۷ء) (اقبال نامہ جلد اول ص ۱۶۸)

سرود دستہ باز آید کہ ناید  
نہیے از محباز آید کہ ناید؟  
مرآۃ دزدگار این فقیرے  
دگر دانائے راز آید کہ ناید؟

نجات گاہ اہل مسند و ہمت ہے لہ میری  
کہ خاک راہ کو میں نے بست یا راز الودعی (ترجمہ محمد بشیر تونسلی)

**آخری آرام گاہ**

# میر تقی میر

## میرے بزرگ

میرے آباء اجداد ملک بھارت کو غیر آباد کر، طرح طرح کی جنگیں اور مصیبتیں بھگتتے ہوئے ہندوستان میں پہلے پہل وکٹنی ساحلوں کی طرف آئے تھے اور وہاں سے یہ پورا قبیلہ احمد آباد (گجرات) میں آکر بس گیا۔ پھر ان میں سے کچھ تو مستقل طور پر دیہی رہ گئے اور کچھ نے آگے بڑھ کر تھیں دودھ گار لایمڈ کیا۔ چنانچہ میرے جد اعلیٰ دارالخلیفہ اکبر آباد (آگرہ) آئے لیکن آب و ہوا کی یہ اچانک تبدیلی انہیں راس نہ آئی اور بیمار پڑ گئے۔ اسی بیماری میں ان کا انتقال ہوا۔ انہوں نے اپنی یادگار صرف ایک ڈاکھوڑا تھا، جو میرے دادا رکھتے۔

میرے دادا بہت دلفریب و ذوق رکھنے والے تھے، پائیاں کار انہیں اکبر آباد کے نواح کی فوجداری کا حصہ مل گیا۔ وہ سالہ زرنگی گزارتے تھے۔ ان کی عمر پچاس سال ہوئی، مگر بیمار پڑ گئے۔ کچھ دنوں دوا دلوئی، مگر پوری طرح صحت یاب نہ ہوئے تھے کہ گویا رگسفر پیش آیا۔ زیادہ چلنے پھرنے اور بھاگ دوڑ کرنے سے مرض کا دوبارہ حملہ ہوا اور وہ گویا رہی میں انتقال فرما گئے ان کے دودھ کے تھے۔ بڑے کے دماغ میں خلل تھا، یہ جوانی ہی میں مر گئے، انہوں نے اپنی کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ چھوٹے میرے دادا تھے۔ انہوں نے ضرور درویشی اختیار کی اور مرتجع عوام کا ہری کی نقیص کے لیے، جن کے بغیر عالم منہجس پہنچا و شمار ہے، حضرت شاہ حکیم اللہ اکبر آبادی کی خدمت میں پہنچے، جو ایک خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ حضرت کی خدمت میں رہ کر میرے دادا نے ترک و تجرید اختیار کی اور کڑی ریاضت کا چھپنے پر ورشد کی رہنمائی سے درویشی کی اعلیٰ منزلیں تک پہنچ گئے۔

ہمیں از غرائفی بسیار دل بدست افتاد!

## والد کی سیرت

وہ صالح اور نیک سیرت جہاں تھے، دل میں مٹتی کی مٹتی تھے اور علیٰ حق کے خطاب سے مشغول ہوئے۔

کہتے ہیں کہ ایک دن انھوں نے اپنے پیر و مرشد سے عرض کیا کہ میں نے آپ کی خدمت میں رہ کر اپنے عقاید جیسا کچھ درست کر لیے ہیں وہ آپ پر واضح ہی ہے لیکن حاکم شام کے ہاں میں آپ کا کیا خیال ہے! حضرت شاہ صاحب نے فرمایا: ”کسی دن بتائیں گے!“

دلت کے بعد ایک صبح، منہ اندھیرے، عرم خان خواجہ سرانے شاہجہانی کی مسجد میں تشریف لائے، میرے والد کے خادم ان کے دھڑکے لیے پانی لانے کو دوڑے، مگر والد خود اٹھے، ٹوٹا لیا اور شاہ صاحب کو وضو کرانے لگے۔ اُس وقت شاہ صاحب نے فرمایا: ”میاں علی متقی! تمام عمر اس کا نام میری زبان پر نہیں آیا اس کے لیے میں خدا کا شکر کس طرح ادا کروں؟“ والد کہتے تھے، خدا کا شکر ہے کہ اس کے بعد میں نے بھی کبھی اس کا نام نہیں لیا۔

علی متقی دوزخ و شب خدا کی یاد میں غور پتے تھے۔ کبھی استغراق کی کیفیت کم ہوتی تو فرماتے ”بیٹا عشق کرو، عشق ہی اس کا ذخیرہ ہے، عشق کا چوٹنے والا ہے، اگر عشق نہ ہوتا تو نظام عالم قائم ہی نہ ہو سکتا۔ بغیر عشق کے زندگی وبال ہے، عشق میں ہی جان کی بازی لگا دینا ہی کمال ہے، عشق ہی بناتا ہے عشق ہی جو کرکندن کر دیتا ہے، جو کچھ ہے وہ عشق ہی کا طور ہے، آگ میں سوزش عشق سے ہے اور پانی میں دھانی عشق سے ہے۔ خاک میں عشق کا قرار ہے اور جہاں اس کا اضطراب ہے۔ موت عشق کی مستی اور زندگی اس کی بیداری ہے۔ جن عشق کی بیداری اور رات اس کی نیند ہے۔ سحان عشق کا جمال اور کافراں کا جلال ہے۔ لیکن عشق کا قرب اور گناہ اس سے فوری ہے۔ جنت عشق کا شوق اور دوزخ اس کا ذوق ہے۔ عشق کا مقام دمر تبرہ بندگی سے، زہد عرفان سے، سہائی اور غلوں سے، اشتیاق اور وجدان سے بھی بہت بلند بالاتر ہے۔ کچھ لوگ تو یہاں تک کہتے ہیں، کہ آسمانوں کی یہ گردش بھی عشق ہی کے باعث ہے یعنی وہ اپنے محبوب تک پہنچنے کی دھن میں برابر سرگرداں ہیں۔“

بے عشق بناید بود بے عشق بناید زینت

بے غلبہ کفانی عشق پیرے وارد

وہ دن بھر الحاح و ناری کرتے، راتوں کو جاگتے، اُن کی جبین نیاز ہر وقت بارگاہ الہی میں جھکی رہتی، ہمیشہ شہر شہیق سے سرشار رہتے، ان کا دامن تمام آؤ کٹوں سے پاک تھا۔ ان کا زورانی چہرہ مابدوں کی مثل کا رونق افزا تھا، وہ آفتاب تھے لیکن خلوت پسند تھے کہ اپنے سانس سے بھی گریناں، جب کبھی اپنے آپ میں آتے فرماتے: ”بیٹا۔ دنیا ایک ہنگامے سے زیادہ نہیں اپنے دامن کو دنیا داری اور مصیبت کی آؤ کش سے پاک صاف رکھو۔ اللہ کی محبت کو اپنا مشغلہ بناؤ اور عاقبت کی فکر سے غافل نہ رہو۔ جو صاحبِ نظر ہیں وہ دنیا کو ایک دھماکا جتے ہیں۔ زندگی ایک دم ہے اور دھم کی بنیادوں پر امیدوں کے گل بنانا پانی کو دھن سے ہانڈھنے کی سی و حاصل کے مترادف ہے۔ طول ال سے پہلے رہنا چاندنی کو گزروں سے پانا ہے۔ اسے نہ جھرو کہ نہیں دینا سے سخر کرنا ہے، زانو راہ کی فکر کہ تاکہ نقصان نہ اٹھو۔ اس فطرت کی طرف متوجہ رہو۔ کائنات کو جس کا آئینہ کہتے ہیں اور اپنی فطرت کو اسے سونپ دے دلی میں تلاش کرتے ہیں۔ مقصد کا خلاقی قیاس ہے بشریکہ ذوق طلب بجا ہو، اگرچہ ہر چیز میں اسی کا جلوہ ہے تاہم ہمیں اس کے انداز میں شرط ادب ضروری ہے۔“



# میر تقی میر

## میرے بزرگ

میرے آباؤ اجداد ملک جاز کو غیر آباد کر، طرح طرح کی مٹھلیں اور مصیبتیں بھینٹے ہوئے ہندوستان میں پہلے پہل وکٹنی ساحلوں کی طرف آئے تھے اور وہاں سے یہ پرماتما قید احمد آباد (گجرات) میں آکر بس گیا۔ پھر ان میں سے کچھ تو مستقل طور پر وہیں رہ پڑے اور کچھ نے آگے بڑھ کر تھاکشیں دودھ گارا کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ میر سے جن واسطے دارالخلافت اکبر آباد (آگرہ) آگئے، لیکن آب و ہوا کی یہ اچانک تبدیلی انھیں ماس نہ آئی اور بیمار پڑ گئے۔ اسی بیماری میں ان کا انتقال ہوا۔ انھوں نے اپنی یادگار صرف ایک ڈکلا چھوڑا تھا، جو میرے دادا اسٹے۔

میر سے دامائیت و زون بنگ دودھ گارا کی بیجو میں سرگمداں دہے، پایان کار انھیں اکبر آباد کے فراح کی موجودگی کا مدعو مل گیا۔ وہ سال زندگی گزارتے تھے۔ ان کی عمر پچاس سال ہوئی، اکبر آباد پڑ گئے۔ کچھ دنوں دوا دلوہ کی، اگرچہ طبی طرح صحت یاب نہ ہوئے تھے کہ اگر البار کا سفر پیش آیا۔ زیادہ چلنے پھرنے اور بھاگ دوڑ کرنے سے مرین کا دوبارہ حملہ ہوا اور وہ گواہیاں ہی میں انتقال فرما گئے ان کے دودھ لکھتے تھے۔ بڑے کے دماغ میں غلغلہ تھا، یہ جوانی ہی میں مر گئے، انھوں نے اپنی کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ چھوٹے میر سے حالہ تھے۔ انھوں نے فقر و درویشی اختیار کی اور مرد و عورتوں کا ہری کی تحصیل کے لیے، جن کے بغیر عالم سنی یکساں نہیں دشوار ہے، حضرت شاہ کلیم اللہ اکبر آبادی کی خدمت میں پہنچے، جو ایک خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ حضرت کی خدمت میں رہ کر میر سے اللہ نے ترک و تہجد اختیار کی اور کڑی ریاضت کچھ ہفتہ ہیر و مرشد کی رہنمائی سے درویشی کی اسٹے منزلوں تک پہنچ گئے۔

پس از غزالہ بسیار دل بدست افتاد

## والد کی سیرت

وہ صالح اور نیک سیرت جوان تھے، دل میں مٹھنی کی گری رکھتے تھے اور علی متقی کے خطاب سے مشہور ہوئے۔

کہتے ہیں کہ ایک دن انھوں نے اپنے پیروؤں سے عرض کیا کہ میں نے آپ کی خدمت میں رہ کر اپنے عقائد جیسا کچھ درست کر لیے ہیں وہ آپ پر واضح ہی ہے لیکن حاکم شام کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے! حضرت شاہ صاحب نے فرمایا: ”کسی دن بتائیں گے!“

مدت کے بعد ایک صبح، منہ اندھیرا، عرم خاں خواہہ سرانے شاہجہانی کی مسجد میں تشریف لائے، میرے والد کے ملازم ان کے وضو کے لیے پانی لانے کو دوڑے، مگر والد خود اُٹھے، لوٹا لیا اور شاہ صاحب کو وضو کرانے لگے۔ اُس وقت شاہ صاحب نے فرمایا: ”میاں علی متقی! تمام عمر اس کا نام میری زبان پر نہیں آیا اس کے لیے میں خدا کا شکر کس طرح ادا کروں؟“ والد کہتے تھے، خدا کا شکر ہے کہ اس کے بعد میں نے بھی اس کا نام نہیں لیا۔

علی متقی روز و شب خدا کی یاد میں غور رہتے تھے۔ کبھی استغراق کی کیفیت کم ہوتی تو فرماتے: ”بیٹا عشق کرو، عشق ہی اس کا بخاندہستی کا چلنے والا ہے، اگر عشق نہ ہوتا تو نظام عالم قائم ہی نہ ہو سکتا۔ بغیر عشق کے زندگی وبال ہے، عشق میں ہی جہان کی بازی لگا دینا ہی کمال ہے، عشق ہی بناتا ہے عشق ہی جو کرکندن کو دیتا ہے، جو کچھ ہے وہ عشق ہی کا نمودر ہے، آگ میں سوزش عشق سے ہے اور پانی میں دعائی عشق سے ہے۔ خاک میں عشق کا قرار ہے اور ہمایں اس کا اضطراب ہے۔ موت عشق کی مستی اور زندگی اس کی بستیاری ہے۔ دن عشق کی بیداری اور رات اس کی نیند ہے۔ مسلمان عشق کا جمال اور کافر اس کا جلال ہے۔ نیکی عشق کا قُرب اور گناہ اس سے فُوری ہے۔ جنت عشق کا شوق اور دوزخ اس کا ذوق ہے۔ عشق کا مقام دمر تبرہ بندگی سے، زہد و عرفان سے، سہائی اور غرور سے، اشتیاق اور وجدان سے بھی بہت بلند و بالا تر ہے۔ کچھ لوگ تو یہاں تک کہتے ہیں، کہ آسمانوں کی یہ گردش بھی عشق ہی کے باعث ہے یعنی وہ اپنے محبوب بلک پنپنے کی دُمن میں برابر سرگرداں ہیں۔“

بے عشق بناید بود بے عشق بناید رست

بہنہ کُفانی عشق پرے داد

وہ دن ہر الحاج و زاری کرتے، راتوں کو جاگتے، اُن کی جبینِ نیاز ہر وقت بارگاہِ الہی میں ٹھکی رہتی، ہمیشہ شریعت سے سرشار رہتے، ان کا دامن تمام آؤٹھوں سے پاک تھا۔ ان کا نورانی چہرہ مابدوں کی مثل کا رونق افزا تھا، وہ آفتاب تھے لیکن غیبت پسندانے کو اپنے منہ سے ہی گریزاں، جب کہیں اپنے آپ میں آتے فرماتے: ”بیٹا۔ دنیا ایک ہنگامے سے زیادہ نہیں اپنے دامن کو دنیا داری اور مصیبت کی آفتاب سے پاک صاف رکھو۔ اللہ کی محبت کو اپنا شغل بناؤ اور عاقبت کی فکر سے فاضل نہ رہو۔ جو صاحبِ نظر ہیں وہ دنیا کو ایک دھوکا سمجھتے ہیں۔ زندگی ایک دھم ہے اور دھم کی بنیادوں پر امیدوں کے محل بنانا پانی کو دستی سے باز رکھنے کی سعی و حاصل کے مترادف ہے۔ طولِ اہل سے چھوڑے رہنا چاندنی کو گزروں سے ناپنا ہے۔ اسے نہ جبر و کھسبِ دنیا سے سخر کرنا ہے، نہ اذیت کی فکر کرنا کہ نقصان نہ اٹھائے۔ اس فلت کی طرف متوجہ رہو۔ کائنات کو جس کا آئینہ کہتے ہیں اور اپنی فلت کو اسے سوپ دہے دلی میں فاش کرتے ہیں۔ تشہد کا خاتمی ہے بشرطیکہ ذوقِ طلب چھوڑ دو، اگرچہ ہر چیز میں اسی کا جبر ہے تاہم ہیں اس کے اظہار میں شرطِ ادب ضروری ہے۔“

خدا کا تعلق بدن کے ساتھ رہی ہے جو بدن کا جسم کے ساتھ ہے کہ تمام اور جو دل اس کے نہیں اور اس کی نور و غیر نور  
نہیں۔ یہ کائنات نور ہی آگے سے پہلے میں ذات حق اور نور و خودی کے بعد ہی ذات میں کائنات ہے۔  
مطلک حکایت است کہ ہر ذرہ میں لاس  
ماں ہی توں کہ اشارت بد گوئد

وہ دردیش اور درد شدہ است تھے شکستہ دل اور شکستہ قلب کے خفاں۔ ترانہ، بھری مجلس ہی تھا۔ وسیع شرب، فقیر لال  
اور کھڑوای — کبھی بیابان سے کچھ گرد میں لے جاتے تو میرا رنگ دیکھ کر فرماتے: اسے سرایہ پاں ایچ گئی آگ ہے جو تیرے دل  
میں ٹپک رہی ہے؟ یہ کیسی جلیں ہے جو تیری جان کے ساتھ ہے؟ اس پر میں ہنسا اور وہ روتے جاتے۔ افسوس کہ میں نے زندگی میں ٹپکا  
مقام نہ پہنچا۔ وہ ایسے اشفاق تھے کہ کہنے حال میں گم تھے، کبھی کسی کے لیے باوجود نہ رہتے۔  
لیکھ دن اشفاق کی ناز کے بعد میری طرف توجہ فرمائی۔ میں اس وقت کہیں گود میں محو تھا، دیکھ کر فرمایا: بیٹا! زمانہ  
مخت نیز دریا رہے کسی کو ملت نہیں دیتا۔ اپنی تربیت سے خائف نہ رہو۔ اس رشتے میں جسے نشیب و فراز ہیں، دیکھ جاں کر،  
پھر تک پھر کر تدم رکھو۔

نشان پاسے تو فرد صاحب زندگی است  
مستدم شمرہ ویدی کند خاک دہن بردار

یہ بھی کوئی کیل ہے جو دیکھتے ہو۔ کیسا نازیبا کام کہتے ہو، اس سے لڑکاؤ جس کے خرام ہڈ پر کائنات پھلا دو جو، جس کی ایک  
ایک ادا پر ہزار دل ادا جانیں تو رہیں ہوں۔ اس شاہرہ گل پر پیل ہی کہ خدا ہو جو سدا بار ہے۔ آسمان کسی کے لیے اپنی چال نہیں دلاتا  
جو کہ جسے جبر کر دے زندگی کی علت نیست کھرا ادا اپنی حقیقت کی تلاش کرو۔  
اُن کی بزرگ محبت باطن کا آئینہ تھی، وہ اس عالم اجسام میں ایسے بزرگ تھے جنہوں نے عجب اختیار بھی انہوں سے نہیں  
جانتے دی۔ دست پر ہیزگار کہ کسی تا عزم نے کبھی ان کے ساتھ پاؤں نہیں دیکھے۔ اگر آپ انہیں دیکھتے تو کہتے کہ کوئی فرشتہ آدمی کے  
روپ میں نکلیا ہے اور مایوسی غولی سے انہوں نے بھی استقامت کا ثوب کم ہی دیا ہے۔ اخلاق حمیدہ، اوصاف ستورہ، عجب مشکل ہے  
اور دل درد مند رکھتے تھے۔ آنکھیں نم اور ہر وقت ایک کیفیت سی طاری رہتی تھی۔

## لاہور کا سفر

کہتے ہیں کہ ایک دن پریشان حال گھر میں داخل ہرے، بوڑھی ماما بیٹی ہوئی تھی۔ اس سے کہا کہ آج بچے بڑے نہ دس  
کی بڑک لگی ہے، اگر غرضی سی روٹی ل جائے تو جان میں جان آ جائے۔ لمانے کہا کہ گھر میں تو کچھ ہے نہیں، انہوں نے پھر کہا کہ  
میکہ بچہ مرے۔ بیمار ماما اٹھی، بچے کی دکان سے آگیا اور گھسی وائی تاکہ روٹی پکائے۔ اس اثناء میں انہوں نے پھر شدت کر سٹی کا  
پکارا کیا۔ ماما مجھہ اٹھی اور تڑخا کر بولی، مصائب یہ فقیری ہے اس زمانہ میں یہ ناز غرضے میں چلتے۔ ماما صاحب نے کہا۔

”اچھا تو دل بھی سے دھڑکی چلا، میں ایک فقیرت سنے دھڑکا جا رہا ہوں۔ اس سے دل کے واپس آ جاؤں گا۔ یہ کہا اور اپنا رومال اٹھا کر جو گرنے نیم شبی سے تر تیر کر رہا تھا، پہل پڑے۔ ناما پریشان حالی ان کے پیچھے دوڑی اور واسن پکڑ لیا۔ ہر چند غر شاہ کی گھرانہ پر کوئی اثر نہ ہوا۔ آخر کھاردار کر بیٹری ادا آئیے پر پانی ڈال کر ٹنگون دیکھنے لگی۔ حوالہ صاحب جہاں منزل کرتے وہ کریم حضرت اپنی شان مذاقی سے کھانے پینے کا سامان بنیا کر دیتا۔ کچھ ہی دنوں میں لاہور پہنچ گئے اور اس مکان درویش سے ملے جو دریا سے راوی کے کنارے ایک بارہری میں رہتا تھا اور دنیا میں کو گمراہ کر رہا تھا۔ لوگوں میں وہ منطشان منو کے نام سے مشہور تھا۔ اس نے قادی کے کچھ فقرے یاد کر کے تھے، ناکھ لوگ جو اس کی دیالاری کو پرکھ نہیں سکتے تھے اس کے سامنے ناک سے فیریں کھینچتے۔ وہ کہنے لگا کہ میں تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین مبارک کی تائید و ترویج کر رہا ہوں اور جاہلی جھے گمراہ اور دھوکے بجھتے ہیں، میرے والد کو یہ سن کر غصہ آگیا اور فرمایا: ”اوپھینے ہمارے ہی غیر کا دین تمہاریوں کی تائید کا محتاج نہیں۔ خدا سب بات کر میرے ادا تیرے درمیان کھول رکھی ہے، ایسا نہ ہو کہ مارا جائے؟“

غرض کہ یہ پہلی ہی طاقات ہے مزہ ہو گئی۔ میرے والد بڑے ترش رو ہو کر اٹھے اور جا کے ایک فقیر کے پیچھے میں مانتا بسر کیا، جب صبح ہوئی، وہ دیا کار سعادت غرابی کے پیچھے آیا۔ میرے والد نے فرمایا کہ تیرا معافی مانگنا ہے فائدہ ہے، اکل کیا کھر کھری ستائی تھیں جو آج سڑوں گا، جب تیری روسیابی کا پردہ چاک ہو گیا تو اب سعادت کیسی؟ جا کہیں اور اپنا منہ کالا کر۔ اور نہ ہو کہ چھر چھڑ بنام دوسرا ہو جائے۔ اس پردہ شرم سے پانی پانی ہو گیا، مگر بڑی حد تک اس کی اصطلاح بھی ہو گئی۔ یوں یہ مجھ سے مزہ ختم ہوئی۔

### لاہور سے واپسی

یہ ایک والد صاحب کو لاہور سے واپسی کا خیال پیدا ہوا۔ اگرچہ کچھ نادار واپس نہیں تھا۔ تاہم محض اللہ کے جہود پر چل پڑے اور دس بارہ دن کی مسافت لے کر کے دہلی پہنچ گئے۔ یہاں شیخ عبدالعزیز عزت کے بیٹے قرا الدین خان کے مکان پر قیام کیا جو صوبے کے دیوان تھے اور جن سے کچھ قربت کا تعلق بھی تھا۔ شہر کے لوگ جو حق در حق ان سے نیاز حاصل کر کے لیے آئے اور بڑی تعظیم و تکریم کی۔ بتوں نے اس درویش خداست کے اہقوں پر بہت امداد بھی کی۔ ان کی نگاہ کے اثر بت لوگ فیض یاب ہوئے۔ ان کے دھوکا پانی بطور تبرک لے جاتے اور بریسوں کو پلاتے، اللہ کے فضل سے بیمار صحت یاب ہو جاتے۔

وہ اتنا روٹے تھے کہ بھگی بندھ جاتی۔ جواہ ان کے دل سے نکلتی، آسمانوں کا جگر حیر جاتی۔ شہر میں نفوذ کی گیا کہ وہ دہلی کا دل میں آیا جو اسے۔ امراء نے بھی طاقات کی آزد دعا ہو کر مگر انھوں نے قبول نہ کیا اور فرمایا کہ ”میں فقیر ہوں، امیر امیر آپ کو کیا قصی؟“ امیر اکبر احمد مصاصم الدولہ نے سابقہ تعلقات کا واسطہ دے کر انتہائی کچھ دولت دیوار سے انفرمایا، اجازت دیجئے کہ یہ دوسرا صیاد حاضر ہو کہ قدم بوس ہو۔ والد صاحب نے تہنم کیا اور کہا، ”طاقات کے پیچھے نہ“

خود ہی ہے، اس لیے کہ آپ کے سہوہ کے گریہ سے حال پرچہ زویں گئے: جب کثرت طلاق سے تنگ آ گئے تو ایک رات کو دوسرے میں آئے اور تمہارے غار پر چڑھ کر شہر سے گلے لگے۔ لوگوں نے بہتری کاوش کی کہ وہاں کی گود بانی نہ پاسکے..... دینج دن میں انکے آباد آگے سے یہی منزل اس طرف، بیاد میں حامد سے جو سادات اور شرکائی قدیم سیتی ہے اور یہاں ایک سہوہ میں قیام فرمایا۔

## سید امان اللہ

یہ تازہ میں ایک روحان سید نامہ نہایت حسین اور خوشو فخر سے گودا، آپ نے اس پر ایک نگاہ ڈالی اور مذہب کامل سے کچھ چاہا۔ اس پر ہی دل کی حالت ایسی ہوئی کہ دیر انداز رہے ہوش ہو کر آپ کے قدروں میں گر پڑا۔ اس کے حوزہ کچھ لگنے کے لئے کی حالت مدد میں کی نظر کے اثر سے دیگر گوں ہو گئی ہے۔ ان سے التجائی کہ اس روحان کی حالت پر دم فرمائے۔ آپ نے حقوڑا سا پانی مگر کیا اور کچھ دھارہ کر اس پر دم کیا۔ جیسے ہی پانی ملنے سے کچھ آراہ لڑکا ہوش میں آگیا اور نہایت ادب سے سلام فرما کر بیٹھ گیا اور عرض کی: "اگر آپ کہہ دن میرے صاف رہی تو میں بندہ نوازی ہوگی ورنہ تو میں جانتا ہوں کہ میں عالم میں آپ ہیں وہ ان تازہ گور میں نہیں، بے نیازی ہی بے نیازی ہے، حامد صاحب نے فرمایا کہ دوستی کی راہ سے دھت قبول کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن میں پابکار ہوں، گل یہاں سے دعا کی کا سو ہے۔" حاضر نے کہا: "ہم آپ کی مرضی کے تابع ہیں، اصرار کیا ہے ابلی ہوگی، لیکن اتنا ضرور ہے کہ اگر آپ اس لڑکے کے گھر فریٹ لے چیں اور کچھ تبادل فرمائیں تو آپ کی عنایت سے بعید نہ ہوگا۔"

جو کہ شہر کے حامد کا بڑی درخواست کا پاس تھا، فرمایا: "اچھا منظور ہے۔ لیکن فقیر کا دل کسی شاد رہتا ہے کبھی ٹول۔ کوئی ہلکے حال سے عرض نہ کرے۔" لوگوں نے کہا: "پہلی کیا حال ہے اور کسے یہ گویا ہوگا کہ حضور کے خلاف مزاح لکھی بات نمود میں آنے اور یہ سادات شکوات میں بدل جائے۔" عرض والد صاحب ان لوگوں کے ساتھ اس لڑکے کے گھر منتہن سے گئے اور وہاں کچھ کھانا بھی تناول فرمایا۔

## شادی کی مذمت

اتفاق سے اسی رات کو اس لڑکے کی شادی تھی۔ حقوڑی رات گئے وہ لڑکا کچھ لوگوں کو ساتھ لے کر خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ: "منصور ہی قدم رہ کر ہمارے محل شادی کی رونق افزائی کریں تو ہمارے لیے کھانا تمام ہوگا۔" فرمایا: "مہربان، تمہاری شادی خدا پرستی کی راہ میں حائل ہو جاتی ہے..... آدمی اس معاملے میں مجبور ہے۔ میں ہی ابتدائے زمانہ میں شہر میں سے سرشار تھا، مگر گور سمائے لڑکے کو تکلیف دہ ہے اور کچھ نہ حاصل ہوا۔ جب خدا نے رنگ لے لیے اس گور لڑکی سے عیادت دی تو میری نے اپنے تئیں مضبوط و مستحکم بنایا اور شیخ دار ایک ہنس پر چلنے لگا۔ اب تو ایک راکھ کے ڈھیر سے زیادہ نہیں

میں وہ دل ہی نہیں رکھا کہ جس پر ہوا ہو، نہ وہ دماغ کہ وہ دھب کی طرف مائل ہو، جسٹن شادی کی ان مشعلوں سے جو تمہارے ساتھ ہیں  
خیال کیا ہے کہ تم کیسے غزال رہا ہو، حیرت ہے کہ دم نہیں کرتے اور اس جاں سے نکل نہیں جاتے۔ اگر حق سیم ہے تو اس لئے کہ  
مجھ کو کہہ دیجئے میں باقی ہوں۔“

مختصر یہ کہ وہ دھب دھب کے گھر گیا، اور یہ درویش بے نیاز اس شہر سے چلے آئے۔ ڈیڑھ دن کا راستہ طے کر کے اکبر آباد  
پہنچے اور ایلنا سے اپنے گھر میں قیام کیا۔ جب اس حسین نوجوان کو معلوم ہوا کہ درویش شہر چھوڑ کر جا چکے ہیں تو بیوی کو مکان پر  
چھوڑا، خود پانی تک نہیں پیا اور اسی وقت گرتا پڑتا، آنسو بہاتا، ان کی تلاش میں جگہ کی طرف چل دیا۔ جو کوئی کہتا ہے میں مٹا اس  
سے درویش کا پتہ نشان پر چھتا، کبھی ادھر دوڑتا کبھی ادھر گر کوئی راہبران کا پتہ بتانے والا نہ ملا۔ ایسے ہو کر اس نے ایک  
آہ بھر غراش بند کی اور کہا: ”میرے بے غرض میں نادان پریشان و سرگرداں ہوں، آئیے اور میری رہنمائی فرمائیے۔“ اگر اس  
سبب میں میری دستگیری فرمائیں تو میں بھوک کے بجے بڑا غنا من لیا گیا۔ وہ داس ہے میں پھولوں سے بھر کر کھاتا آج جاں چاہا  
ہے، جو سر کبھی تکیہ ناز پر رکھا ہوا تھا اب اسی پر خاک پڑی ہے، میرے اوپر دم کیجئے کہ اب تو پاؤں بھی پہننے سے رو گئے  
ہیں۔ کرم کیجئے کہ سوائے آغا کی گئے اب اس دیرانے میں میرا کوئی ساتھی نہیں رہا۔ آپ خورشید ہیں اپنے اس حقیر ذرے پر بھی  
روشن ڈالئے۔ آخر یہ کیا ہے کہ آسودگی نے مجھ سے منہ موڑ لیا اور کیا ہوا کہ آدھار کی اور سرائیکی مجھ پر سوار ہے۔ کبھی کتا، بگڑے  
کی طرح دھستے آگاہ ہوں، شاید آپ نے مجھے فراموش کر دیا ہے۔ ہر چند مجھے اپنی نارسائی کا یقین ہے، لیکن میں آپ کے کرم کی  
آس ٹانے دشت و کسار میں آوارہ پھر رہا ہوں، ادھر رخسار جوگی ترے مشابہ تھے دھوپ کی تازت سے تڑپ گئے ہیں، وہ  
آنکھیں جس سے ہرن شرارتے تھے اب سفید ہو گئی ہیں۔ آپ آفتاب ہیں اور میں سایہ افتاد، آپ سوار ہیں اور میں پیادہ۔ کبھی  
دونوں سے بھی خبر اٹھتا ہے تو مجھے آپ کی آواز کا لگتا ہے جتنا ہے، لیکن جب آپ نظر نہیں آتے تو رورو کر اپنا گلا پھاڑتا ہوں، آپ تو  
تمام اجڑا کر عید سنی کا ل ہیں پھر ہم غلوں کے حال سے کیوں غافل ہیں؟“ نوجوان اسی طرح روتا دھوتا چلا جاتا تھا، کبھی کھڑکھڑا  
کبھی چلنے لگا کہ اچانک ایک بزرگ نمودار ہوئے اور انھوں نے بڑے ملحت اور نرمی سے فرمایا: ”اے نوجوان کیسے ڈھونڈتے ہے  
اور یہ کیا ہے جو تو کہہ رہا ہے؟ جا بے چینی اور اضطراب چھوڑ دے، علی تقی اکبر آباد میں نہیں گئے۔ یہ شہر وہی ہے کہ اس کے ہلی جیلوں  
کو توہ کیا۔ وہ وہ جس سے پہلے لگا اور خدا کا شکر ادا کیا۔ آدمی ملا کے قریب شہر اکبر آباد میں داخل ہوا، راستہ میں تلاش کرتا  
ہم وہ ظاہر پر چھتا آیا اور والد صاحب کے تدبیروں میں گرفتار ہوا، مارے غمی کے رخصانوں پر آنسو ڈھک آئے۔ ناکامی کا سارا سارا  
گھٹت صبر برداشت ہے، ہمارے والد کو خیال میں بھی نہیں تھی، وہ تو ہوئی۔ والد صاحب نے اس کے حق و جمال کی طرف ایک  
نظر کی اور اسی پاک خیر سے اُسے کامل بنا دیا۔ اتنی محبت سے پیش آئے کہ قہر میں نہیں سا سکتی اور اس سے ایسی دلداری ملتی تھی  
کہ کہ بیان نہیں ہو سکتا اس کا سر جاتی سے لگا اور بے حد محبت سے لڑایا: ”اے میرا مان، اللہ تم نے بڑے صاحب جیسے لڑائے  
کے سرور کرم کیسے غراب بدائی کا لکے نہیں آگیا، چاہے گا۔ اب میرا کہہ تم کو کہہ دو کہ اللہ میرے لڑکے ہائے سب تمہارے ہوا  
تو اس کو کہہ لے اپنی خیرات کا رشتہ ایک غیب دہ سے جو لڑایا ہے، سرور دہ کہ سرور سوس کے ماخذ تم نے اپنا دامن سب سے

مہذب ہے۔ اب دلچیز ہے کہ وہ بزرگ کے سب سے ملحق تھے۔ توڑ سے آپ میں تم رہو جہاں کو اپنی طرف سے

مرفی کردہ سید زادے دلچسپی کے ساتھ رہنے لگے۔ میرے والد افسانہ نویس اور مزاح نگار تھے۔ وہ بھی بچہ دہش اور پیش کی خدمت میں حاضر ہوتے اور کسب کمال کرتے۔ والد ایک لمحے کے لیے بھی ان کی دلجوئی سے غافل نہ رہتے، یہود نہ تھا۔ درویش کا ایک نیا باب ان پر کھول دیتے تھے۔ توڑی ہی مدت میں یہ درویش کالی ہو گئے۔ دیباہ تک ذہن بھی کر چکے تھے تو بڑا دلچسپ تھا۔ میرے والد اور زادہ کوڑے لڑکھٹائیوں پر جاتی۔ جب ان کے دوست اسباب تک یہ خبر پہنچی تو وہ ان سے بڑے اشتیاق کے ساتھ آئے۔ ان کی بڑی دق کے مرفی میں گرفتار ہو گئیں اور کچھ دنوں بعد اس دنیا سے چل بسیں۔

اقتضا ان کی والدہ بھی کچھ چاہو اور عقیدت مندوں کا جرم رہنے لگا تو انھوں نے لوگوں سے عداوت کرنے میں مصروف نہ ہوئی اور گھر گھر گئے۔ جب اسی حالت میں ایک سال بیت گیا تو والد صاحب نے کلو بھجا کہ اب دنیا والوں کے سنے اپنے فین کا دروازہ کھول دینا چاہئے۔ ایک شام کو اپنے گھر سے باہر نکلے، اس اٹھارے کو فرشتوں کو رشک آئے۔ بڑی دیش (میرے والد) کو سلام کیا اور قدموں پر گر گئے۔ والد صاحب نے فرمایا: "بڑے اہانت مرد ہو اور تم نے یہ بہت بڑا کام انجام دیا ہے، ہوس اور نفس دونوں انسان کے دشمن ہیں، ہوس انسان کو کشتی کی طرح سرگرداں رکھتی ہے اور نفس اسے مفرد و سرکش بنا دیتا ہے، تم نے قناعت کا پتھر پیت سے ہاندھ کر نفس کو زبرد کر لیا ہے۔"

ایں کار از تو آید و مرغان چہیں گنند

میں ان دنوں سات سال کا تھا، انھوں نے مجھے اپنے سے مانوس کر لیا اور گودے لیا تھا، یعنی مجھے میرے ماں باپ کے ساتھ نہ چھوڑتے تھے اور اپنا لڑکھٹائی کا، ایک لمحے کے لیے بھی مجھے اپنے پاس سے جدا نہ کرتے اور بڑے دلچسپ سے میری ہوا کرتے تھے، چنانچہ میں دن رات ان کے ساتھ رہتا اور ان سے قرآن شریف پڑھتا تھا۔

ایک دن وہ جہاز باز کی سیر کر گئے تھے وہاں ان کی نظر ایک درویش فروش کے رشک پر پڑی، جو ایک دولت مند مردان تھا اس کی محبت میں دل کھینچے اور بے قابو ہو گئے۔ جب اس رشک کی جانب سے انکسرت نہ پایا تو دل کی بہ قوی اور قریبی ہوا کو محسوس کرتے ہوئے گھر کی طرف نہ چلا تھا بلکہ رشک کے کندھوں پر اتر کر زمین پر قدم رکھتے تھے تب کہیں راستہ چھوڑتے تھے۔ اپنے ماں کے آگے سونے ایسا نہیں کوئی جی نہیں تھا۔ جو تو نے کیل کر اپنے تئیں کو جو ہا زور میں دھوا کر آیا تو خدا و استقامت کا وہ ہا یا ہے۔ اعتباری وہ بہ قوی..... دل ایسی چیز تھی کہ ایک بانڈی کو رشک پر چڑھا اور کو دی جانے..... اب یہی مرشد کے ساتھ نہیں ہو کر میری خدمت میں جا کر بیٹھا ہوں؟

چنانچہ اسی حال تھوڑے، اکھنڈ میں، اٹک اور یوں پر آئی ہے۔ ہونے صرف کی بناؤ کے قریب ذکر کے کدھار رشک کو درویش کی خدمت میں آئے، حاضرین نے تقسیم کی، حدیث نے اشارہ کیا، افسانہ میں جگہ دی گئی تو جانے لگا، آگاہی تھے، آگاہی ہی میں صورت دکھائی۔ انھوں نے عرض کیا، "جہاں والد کی سیر کرنے لگا تھا، توڑ نے شاید یہ نہیں

متحد مشرقی واند کہ سدا می کند

ویدین فلان تہا نادر سالی کند

جاذب اپنے جبر سے آندون رات تک باہر نہ نکلتا اور اس داستان کا ہرگز اعادہ نہ کرتا۔ اندر تعالے کریم ہے، شاید اس لڑکے کو پنہاں سے اور تمہاری قلع رکھ لے۔

اتفاق دیکھئے ابھی ایک ہفتہ بھی نہ ہوا تھا کہ شام کے وقت وہ جو دھویں کا چاند اپنے گھر سے نکلا اور سراسر وہ بے تاب یا دکان پر بیٹھ گیا۔ دکان کا دول بھی وہیں کھڑا تھا۔ اس نے پوچھا: "کیا بات ہے، آج تھارا رنگ ہی بدلا ہوا ہے اور بہت بے چین نظر آتے ہو؟" لڑکے نے کہا: "کیا باتوں جو دل پر گزری ہے زبان تک نہیں لاسکتا۔ مگر تجھے ہمدرد کچھ کہتا دینے میں مضائقہ نہیں؟ آج چشادق ہے ایک درویش اس راستے سے گزرے تھے۔ ان کی نگاہ میری رعنائی پر پڑی، کچھ دیر وارنگی کے عالم میں کھڑے رہے، میں نے غرور و تکبر سے ان کی جانب التفات نہ کیا تو اچھا روہ جیسے دل سے ایک ٹھنڈی آہ بھر کر چلے گئے، وہ دن قنارہ آج کا دن ہے ان کی صدمت میری نفروں کے ساتھ سے جدا نہیں ہوتی، نہ دل سے ان کا خیال جاتا ہے، سوتے جاگتے انہیں کا تصور اور انہیں کی یاد ہے، کیا کروں، دل کو کیسے بٹاؤں، ان کا نام کس سے پوچھوں، پتہ کہاں دریافت کروں، راستہ کیسے ملے گا اپنا غم کس سے کہوں؟" دلال نے کہا: "وہ تو بہت مشہور بزرگ ہیں، نہایت ملکہ سزاج، ایک حق ان کے آستانے پر مقاسمیت ہے ایک عالم اُن کا مرید ہے وہ سید علی متقی کے چھوٹے بھائی ہیں جو مددِ شری و زندگی میں اس آسمان کے نیچے کچھ دتہنا اور مشہور آفاق ہیں، ان کا آستانہ جس کی خاک تبرک کے طور پر سے جلتے ہیں، شہرِ پناہ سے باہر عید گاہ کے قریب ہے، تم میرے ساتھ آؤ اور غم سے چھٹکارا پاؤ۔" غرض وہ فرمایا اس لڑکے کو میرے والد کی خدمت میں لایا، انہوں نے حقیقت حال سُن کر فرمایا: "آخر عشق کی بے نیازی نے تغافل کا انتقام لے ہی لیا!" ایک ملازم کو حکم دیا کہ جا کر برادر عزیز سے کہہ دے کہ: "آؤ تمہارا محبوب تمہیں ٹھونڈتا ہے۔" جب یہ حکم، اس خوشخبری کے ساتھ اس جگر نشہ کو شہر نشین کو ملا تو کعبہ احزاں سے دست افشاں و پاؤں باں باہر آئے۔ پہلے پیر و مرشد کے قدموں میں سر پناہ پاؤں کی لیے بھکیا، پھر دست شوق لڑکے کی جانب بٹل گیر ہونے کے لیے بڑھایا، یعنی دل کی خواہش کے مطابق اپنے سینے سے لٹایا اور اپنی تنہا کے موافق اس غلج مراد کو دیکھا۔

والد نے دونوں کو اجازت دی کہ عیوہ بیچ کر بات چیت کریں، جب باتیں چھڑیں تو درویش (میرامان اللہ) نے کہا: "میرا حق، میں حقیر ہوں اور بے درعادل رکھتا ہوں مجھے اپنی زلف اسیر نہ بھتا، خدا ہی جانتا ہے کہ یہ دل کہاں پھنسا ہوا ہے اور یہ سراپا خواہش جان کس کی آندہ منہ ہے۔" خبردار تو ضرور نہ ہوتا اور ناگزیر سے نہ کرتا ایسا نہ ہو کہ افسوس کرے۔ مددش لوگ اگرچہ حائرہ آسمان سے باہر ہیں لیکن انہیں بھی ایک حال میں نہیں چھوڑا جاتا۔ اچھا اب جاؤ تم نے بہت رنج اٹھایا ہو گا۔

لڑکے نے کہا: "میں نے رنج تو اٹھایا ہے، مگر گچھا پایا ہے، اب میں اس آستانے کی جادوب کشی کو فرما رہا ہوں، امید ہے آپ مجھے حرم نہ فرمائیں گے اور میرے حال پر عنایت کی نظر رکھیں گے۔ پھر وہ ہر روز صبح اگر بیشمار اودول وہاں سے نہ نکلتا۔



مدری جگر میں (میرا) اللہ پہنچے ہیں ایک بار احسان اللہ نامی ایک خیریت جو ایک مرد آزاد تھا، طاقت کوئے  
چاہا کرتے تھے، اگر کسی میں عیادہ کے اس پار ایک لڑکے خیر لاکھ، تھا وہاں ان کا ساتھی تھا، جس کا نام لاری کا مکان تھا،  
جس کے صفائے پر یہ شکر لکھا ہوا تھا :-

فاخر احمد طرایی راہ آمد مشہد بہ بند

چاک در پیراں دیوار از دست و دست

مگر کوئی ان کا دروازہ کھٹکتا اور گھارتا تو خود آتے اور جواب دیتے " احسان اللہ گھر میں نہیں ہے۔ جلدی جاؤ، یہ گھر خالی  
ہے۔ ایک بار میرے چچانے ان کے طاقت کا امانہ کیا تو مجھے بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ جب صفائے پر پہنچے تو وہی جواب  
دیا " احسان اللہ گھر میں نہیں ہے؟ چچانے کہا " اگر احسان اللہ نہیں ہے تو احسان اللہ ہے "۔ چچے اور دروازہ کھول دیا۔ کچھ لکھتا  
ہوئی ایک لکھنے کے قریب سب جگہ کا ہوا ہے، غرض سوار۔ جس کی پیشانی سے جو سب سے خود ہے۔ اگر یہ چاند اور سے، مٹی  
بانہ اور نہایت پر جیت سرخ آئیں۔ گویا شیر مٹی اٹلی سے ان کے در پر سیاہ ہے۔ صفائے پر اللہ بیک کے سامنے ہیں  
پیشانی کے ایک دوسرے کی مزار پر کسی کی۔ فرمائے گئے، " اسے میرا احسان اللہ، میں نے گوشہ نشین اس سے اختیار کی ہے کہ جیت کے  
وہی انسان میں ہوتے ہیں، دل بہت چاہتا ہے۔ جب بکسٹم میں آتے ہیں تو غلام ہوتا ہے، اور وہاں، یہ بچہ کس کا ہے؟ چچا  
کہا " علی حق کا لڑکا اور میرا گودا ہے " فرمایا، " یہ بچہ اہل کم ہنر ہے، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے اگر اس کی تربیت ڈھنگ سے  
ہو گئی تو ایک ہی جیت میں آسمان سے بھی پرسے پڑے گا۔ اس سے کو درد ویش کی طاقت کو اپنا معمول بنائے، فقیروں کی جیت  
وہی طاقت ہوتی ہے۔ ہیرانی میں سبکی روانی کا ایک گھڑا لگا کر کھانے کے لیے لے دیا، میں نے اپنی طرف مذاکمی نہیں کھائی  
کے ایک اس کا زانو ہوا ہے۔

### احسان اللہ کے طفولیات

فرمایا، اسے بار حریف اگر فکیریں ہے تو مبارک ہے، تم اگر گھناڑے تو اچھا ہے، اور میں دل باریوں کا شکر کرتے  
ہیں تو کڑا شکر ہے، وہاں وہ نہ چاہتے ہیں، نہ کہ وہاں عیب دہنے کا زور اس کی طرف دیکھو جو پہلے تیار ہے، سب ہم لے  
سویں جو جو ساز ہے، گوشہ نشین ہوا اور لڑکی کر، اپنے اندر کھجانی اور ضرورت کی کو کھجانی میں تیار، یہاں ہوتے  
کھانا ہے، دل کر گھڑا ہوتا ہے تو کیا ہے۔

اسے بار حریف وہ گویا میں مشوق میں رنگ میں چاہتا ہے خود ہوتا ہے، کچھ چلے گئے ہیں میں ہے  
میں ایک کہ لوگ پہلے سے ہی خوش کہتے ہیں، جس رنگ سے خوش کرتے ہیں، ایک جیت میں کو جیت یافتہ ہے تو وہی  
مگر کوئی اتنی ہے، عیادہ کہہ کر کہنے کا حکم ہے۔ ایسی اگر ہو جائے جو اس کا کھانا نہ آئے اور وہی نہ ہو  
کے نہ تھے۔ دشمن اس وقت سب اسی کے ہی کہہ کر وہی ہوا اس کا قہر ہے، یہاں سے اس کا کھانا نہ آئے

ست اور شیار سب اسی کو ڈھونڈتے ہیں، حجاب اس کے امداد سے پیدا ہوتی ہے، اسے خانہ اس کی آنکھ سے ہیرا ہوا ہے۔ نقوش  
مستجابی مہدت و احاطت کرتے ہیں، ارندان خراباتی جام لڑھکتے ہیں۔ حجاب میں سر جھکا نا چاہئے اور غلبات میں رندانہ وضع سے نا  
چاہئے یعنی سر موقع کی رعایت اور مرتبہ کا لحاظ ضروری ہے.....

یہاں تک بات پہنچی تھی کہ شکر کے صوبہ دار کا مصاحب آیا اور اس کی درخواست پیش کی کہ نصرت یا رضا قدم بوسی کے لیے حاضر  
ہو رہا ہے۔ مددیش نے فرمایا: "خوش رہے، ہر چند وہ فقیروں سے ملاقات کا منہ نہیں رکھتا لیکن اب مجھے اس سے شرم آتی ہے، کئی بار  
نا کام لوٹ چکا ہے، اس بار بھی واپس ہو گیا تو خدا جانے پھر ملاقات ہو یا نہ ہو۔" جب صوبہ دار وہاں سے پر آیا، اعلیٰ سے آرا اور دوڑ  
کر شرف پاؤں سے جا مل گیا اور ہانک اٹھ کر فرمایا: "اسان اللہ نے فرمایا: "صوبہ آئے اور اچھا لائے" صوبہ دار نے عرض کیا، "میری  
خوش بختی ہے کہ آپ کی خدمت میں حاضری کا شرف پایا اور زیارت سے فیض یاب ہوا، دل کی مراد پوری ہو گئی۔" مددیش کی جانب سے  
انتظام دیکھا تو یہ بھی درخواست کی کہ کبھی کبھی جہرہ رو سیاہ کو ایک نگاہ کرم سے نوازتے رہا کیجئے۔ "اسان اللہ نے فرمایا: "دل قوی  
رکھو، کہ تم خدا سے عزت و جلال کی طرف سے نوازے گئے ہو۔ یہاں سرخ رو ہو تو غلبہ ہے کہ قیامت میں بھی نوازے جاؤ، اللہ کی نعمت کا شکر  
اٹھا کر دعاؤں کی مدد کرو۔" یہ عروت اور سنگ اپن نہ بڑے بے کسوں کو ذلیل نہ کرو، خدا سے ڈرو، غرور نہ کرو، غریبوں کی حاجت ڈالو  
میں جیلے ہوئے نہ کرو، دوا نہ دو لوگوں سے ہرگز نہ سوڑنا ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن ذلیل کئے جاؤ، اچھا اب جاؤ کہ یہ گمراہ یا رستہ  
دیر امن اللہ بہت نازک مزاج اور بے دماغ ہیں میں ان کی پاسداری کے لیے مہر رہوں۔ صوبہ دار نے نہایت اعتقاد سے اپنا اٹھا  
زمین سے لٹایا بغیر کے آستانے کو بوسہ دیا اور چلا گیا۔

اسی دوران میں گویتے کا ایک لڑکا اٹھو ٹھٹھیلے بال، کتائی چہرہ، عودی رنگ، کانوں میں سرنے کے چھتے پہنے، اس طرف سے  
گدڑا، بغیر کی ٹھکراس پہنچی، بے اختیار ہو گئے۔ میرے چپاسے فرمایا: "اس کو بلا کر یہاں بٹھاؤ۔" وہ لڑکا اٹھ کر بیٹھ گیا اور بغیر وہیں  
یہ شعر گانا شروع کیا:

بیا کہ عمر حرم بزم بہستورے تو رفت

نڈل زخمی دھام دراز نہ تو رفت

مددیش کو دھڑاٹھا، بہت محظوظ ہوئے، اس سے فرمایا: "اسے سزا آج رات فقیر کے ساتھ بسر کرنا اور ہر چیز میں تہن یاد  
میں بطور خدمت سزا لگائے گئے، "بسر و چشم۔" یہ تو میرے لیے سعادت اور بھلا ہوا ہے۔"

شام چمچاتی تھی، میں رخصت کر کے دوا نہ بند کر لیا اور یاد اٹھی میں بیٹھ گئے۔ پھر ٹٹا گیا کہ فقیر نے مشار کی ناز پڑھنے کا ارادہ  
کیا اور اشرم میں آگئے کے لیے رکھ دیا۔ اس سیاہ دل گویتے نے بجانب کیا۔ حقوڑی دیر بعد بٹا گیا اور وہاں سے دودھ کے لیے  
میں نہ ہرٹا گیا۔ بڑے اصول اور مصلحت سے مددیش کو پھینک کے لیے دیا، دودھ کا پیتا تھا کہ مددیش کی حالت دگرگوں ہو گئی۔ انھوں  
نے ادا پڑائی پچھنے شروع کئے۔ یعنی دھڑپا پکا کام کر گیا۔ وہ کم بہت نا بھلا شرفیاں اٹھا کر چلتا تھا۔ آدمی مات کو مددیش کی گاہ  
نے چاہی میں کی بند میں آگاہی، مگر اگر دوسرے تو مددیش کو جاں لب پایا۔ لوگوں نے اس حیار لڑکے کو بہت ڈھونڈنا مگر وہ رات

کی تہہ کی ہیں ایسا محسوس کیا کہ کہیں ٹھنڈا کیا۔ میں بھی تو مدینہ میں تھا کہ وہاں پر وہی شہر کے سرکردہ لوگ انتہائی دلچسپی کے ساتھ ان کے بیان سے یہی شریک ہوئے اور ان کی صحبت کے مطابق "غیر کے گچھے" میں وہ فن کو یاد دہا رہا۔ جبکہ روایت گوہر خوان ہے۔

### بازیرید

میر سے چچا کو مدد میں کی محبت میں جانے اور ان بزرگواروں سے ملاقات کرنے کا خواہش تھا ایک دن کسی سے سنا کہ کوئی غیر بازیرید نام کے، سرائے گیلانی کے ایک جبر سے ہیں اگر ضرور ہے۔ جب پتا لگا تو اشتیاق بڑھا اور سب طرف سے من اچاٹ ہو گیا، اچھے چھوڑ کر جاگم جاگم ان کی خدمت میں گئے، دیکھا ایک جوان ہے چند دہلا، نہایت مستی، گویا فرشتہ اس دنیا میں آگیا ہے۔ نہیں نہیں جان آدم سے زیادہ عزیز۔ پتھر لاکھ، خاک کا بھوتا، ہر وقت ہلکے ہوئے پر آمادہ، شکستہ دل، کھنکھارہ، سرفراز جاں، دلاور، خاک، اتادہ، متوکل اور مقصود دل سے برومند۔ اگر کوئی خوش چہم میں ان کے سامنے جانا تو اچھا لگا۔ نہ دیکھتے کسی سے ملاقات نہ کرتے، ابے کسی سے بسر کر رہے تھے۔ اکثر اوقات انھیں بندھ گئے۔ دل کسی وقت خدا کی یاد سے فانی نہیں تھا۔ روٹی اگر رنج سے نہ دیکھتے، اپنی بھی بھل حق سے انارتے، سخت کوش اور ہار یک میں تھے۔ غلغلہ نہ دینے کا لباس قریب تن تھا۔ چچا سے پوچھا، ٹھیک نام ہے اور کہاں رہتے ہو اور وہ زندہ عاشق پیشہ معلوم ہوتے ہو۔ چچا نے کہا: "اسی طرح رہتا ہوں، میرا نام اللہ میرا نام ہے۔" فرمایا، "بڑا ہاؤ، تمہارے ساتھ وقت اچھا کئے گا۔"

یہ پہلی ملاقات تھی، اگلے ہی ختم ہو گئی، غیر کو زیادہ زحمت دینا مناسب نہ لگا۔ چچا نے میر کے والد کی خدمت میں ان کا نام لگا سا احوال بیان کیا۔ والد نے کہا:

ہر گے مارنگ و پوسے دیگر است

ہم شرب و مدینہ کہاں سیر آتے ہیں، اٹھیں دیکھنے کے لئے اکثر جابا کرد:

پھر ایک دن صحر کی ناز کے بعد ان سے ملاقات کرنے گئے۔ اس بار چچے ہی ساتھ گئے۔ مدینہ میں بڑی منیت اور شفقت سے استقبال کیا اور اپنے سامنے بٹھایا۔ میں تو کم سن تھا، چچا سے غائب ہوئے اور میر سے ہاوسے میں دریافت کیا۔ چچا نے بتایا:

"میر علی تقی کا فرزند ہے" فرماتے گئے، "اور۔۔۔ پھر تم سے کیا پوچھتا۔ اس بچے کے والد تو بڑے عالم تھے، اسرار ہند کی وہ آجانبہ مدینہ کے غور فیہ، مشہور تھاں، جگہ جاب مدینہ میں، ایسا دریا میں سما کی ڈے تھی تھی تھی تھی، ہم غیر تو بے اہم ہیں، ہم سے کیا بن پڑتا ہے۔ میں ان کے میری طرف سے سلام نیاز کے پیر کے تھے کہ یہ حقوق ہے، ہاں کی کوئی تھی میں میری ملک مائتہ ہو گا، بلکہ شہزادہ کی اور بہت کی تیار دہی ہے، ہر جا ہوتا ہے کہ میں اس شخص سے تمام ہر دہی کے ہاں آپ بڑے بڑے ہیں آپ کی نسبت چھوٹا ہوں، بلکہ ایسے بے سرور کے بچے کسی خاص وقت میں دعا فرماتے۔"

اپنی باتوں میں رات ہو گئی۔ ہم نے اہانت چاہی، فرمایا: ”خدا حافظ؟“ وہاں سے آکر ہم نے والد صاحب کی خدمت میں درویش کا سلام اور پیغام پہنچایا، فرمایا: ”اُن کی عنایت ہے اب اپنے بچا کے ساتھ جاؤ تو میرا سلام بھی ضرور کہہ دینا۔“

ایک دن میرے والد نے کہا: ”اے برادر عزیز و باغِ ختم ہو رہا ہے، یعنی روز بروز ضعیف ہوتا جاتا ہے۔ اگر اسے قرآن مجید کے حفظ کرنے میں لگایا جائے تو کیسا ہے؟“ بچانے کہا: ”بہت اچھی بات آپ کے خیال میں آئی۔“ چنانچہ ڈیڑھ سال کی مدت میں قرآن حفظ کر لیا۔

ایک دن دونوں بیٹے (قرآن شریف کا) دورہ کر رہے تھے کہ اسد اللہ نامی ایک درویش نیلا لباس پہنے اور ندی ٹوٹی اوڑھے وارد ہوئے۔ جب والد کے سامنے آئے تو انھوں نے فرمایا:

”اے کبود جامہ کے سیرابہ پڑ تم نے اتنا دور دراز سفر کیوں اختیار کیا اور اسے ویران راستے کے شائد اپنے اوپر کیوں لگا رکھے؟“ وہ عزیز سامنے آکر قدموں پر ٹھک گیا۔ والد نے ان کا سر چھاتی سے لگایا اور اپنے پاس بگڑ دی۔ میرے چچا اس گرم جوشی پر حیران ہوئے اور پوچھا کہ کون بزرگ ہیں؟ والد نے کہا: ”میرے پرانے دوست ہیں۔“ چچا اور میری حیرت زدہ ہوئے، اور کہا اتنی گرمی دوستی کے لیے تو ملاقات کی کثرت شرط ہے، مگر میں نے ان بزرگ کو آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔“ والد نے فرمایا: ”میں اور یہ ایک ہی پیر کے مرید ہیں، یہ دو سال میں ایک بار پیر کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ ایک دن میں نے پیر و مرشد کی خدمت میں سوال کیا، کیا جو جو موت کے آثار پہلے سے مجھ پر ظاہر ہو جائیں، تاکہ میں آخرت کی تیاری میں مشغول ہو جاؤں اور دوسری باتوں میں دل نہ لگاؤں۔“ ارشاد ہوا: ”محب تم کبود جامہ کے اس تاجر کو دیکھو تو جان لینا کہ اگلے سال تک زندہ نہ رہے۔“ لہذا یقین کر لو کہ اب میری عمر بہت تھوڑی رہ گئی ہے۔

چچا یہ الفاظ سن کر بہت رنجیدہ ہوئے اور کہنے لگے: ”انشاء اللہ میں یہ واقعہ نہ دیکھوں گا یعنی اس منحوس دن تک دنیا ہی میں نہ رہوں گا اور یہ صدمہ نہ لگاؤں گا۔“ جب تازہ وارد درویش سے بات چیت شروع ہوئی تو اس نے بیان کیا کہ کچھ دنوں سے میری دکان نہیں کھلی رہی تھی، مال کا کوئی ٹکڑا بھی نہ تھا، رات کو مال تیار کرنا تھا، صبح کو ڈال دیتا تھا۔ جو کچھ جمع ہو جی تھی سب گھاسے میں چلی گئی۔ چار دیوڑھی ہو گیا۔ ایک دن اسی رات میں زمین پر لیٹا تھا کہ نیند کا جھونکا آیا اور سو گیا۔ دیکھا کہ ہر دو مرشد میرے سر پرانے کپڑے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اے اسد اللہ میرے چند سفر میں چڑی دشواریاں ہیں اور راستہ بھی لمبا ہے، لیکن ایک بار ملتی تھی سے تم ملاقات کرنا ضروری ہے میرے ان کے درمیان ایک اشارہ ہے، جیسے ہی تم پہنچے گے وہ مجھ جائیں گے، تمہیں چاہئے کہ فوراً روانہ ہو جاؤ اور کساد باندی کاظم نہ کرو، جب وہاں سے واپس آؤ گے تمہارا مال ایسا آخرتِ باقیہ کے گاہک تیرا ہو جائے گا۔“ میں نے سوچا کہ وہ کون سا شاعر ہے کہ ہر کی بات اور زاویہ کے لیے آدمی سوکھی روٹی سے کہہ لے گا۔ آخر میں ایک دنیا سے دوسری میں پہنچ گیا یعنی کبود جامہ سے آگے آیا اور اپنے دلی اشتیاق کے مطابق تمہیں دیکھ لیا۔ اب میری واپسی تمہارے انتظار میں ہے، اب یہاں سے دھنگے واپس جاؤں گا۔“ میرے والد مسکرائے اور کہا: ”اے اسد اللہ ایسے کیوں ہمارے محمدؐ سے پوچھو؟“



کے کچھول برسے اور فاتحہ پڑھی۔ نہایت مدد مر اٹھایا اور سوائے صبر کے کوئی چارہ نہ پایا۔  
 تیجہ کے دن جب شہر کے لوگ فاتحہ خوانی کے لیے آئے تو میرے والد نے کہا: "جس کا ایسا عزیز مر گیا ہو، اسے اگر عزیز مرنا  
 کہیں تو مجھ سے، آج سے مجھے عزیز مردہ کہا جائے۔ چنانچہ وہ شہر میں اسی لقب سے مشہور ہو گئے۔ دن میں سو سو بار روتے تھے اور نرگس  
 کے حال میں جیتے تھے، میں جرم و جہم چپا کا گودوں پالا تھا اور اپنی ساری مزدورتوں کو ان سے کہتا تھا، انھیں کے ساتھ سوتا اور کھاتا تھا  
 اب دن بھر انھیں یاد کرتا اور رات بھر آنسو بہاتا۔ والد ہر طرح میری دلجوئی کرتے اور کبھی مجھے آزدہ نہ ہونے دیتے، کبھی کہتے کہ بیٹے  
 میں تیس بہت چاہتا ہوں۔ مگر اس غم سے گھلا جاتا ہوں کہ میں بھی برسرِ راہ ہوں۔ کبھی فرماتے کہ، صبر میرے چاند اب تم کو دے گئے تھے تو  
 نہیں ہو، خدا کا شکر ہے دس سال کے ہو گئے، کیوں جی کرنا تھے ہو، آخر درویش زادے ہو، دل مضبوط رکھو اپنے تئیں خدا کو سب  
 دو، ہشاش بشاش رہو اور مجھے اپنا ناز بھار جانو۔ میری جان کیا تم دودھ پیتے پیتے ہو جو بروقت روتے رہتے ہو، اپنا غم کیوں لگتے  
 ہو، تمہارا وارث تو خدا ہے۔ جانے دے کسی میں آئے، انڈرنے دے منہ نہیں دکھاتے، بیٹے یہاں چلاؤ لگ رہا ہے جسے  
 میں دیکھتے ہو وہ آواز سفر ہے یہ مت سمجھو کہ دنیا تمہارے رہنے کی جگہ ہے۔"

## احمد بیگ

ایک دن رنج کے عالم میں بچا کی موت کا صدمہ تقسیم کر رہے تھے کہ ایک شکاری رنگ، خوش وضع نوجوان جس کا نام احمد بیگ  
 تھا، آیا اور دو تاجی لکڑی کے کچھ دانے ہاتھ میں رکھ کر نذر گزارنے۔ اور کہا کہ ابھی ولایت سے آ رہا ہوں اور رنج کے لیے جانے کا ارادہ  
 ہے۔ اس شہر میں آیا تو آپ کی دہلیشی کا آواز نہ سنا، شاق دینار جو کر خدمت ساری میں حاضر ہوا ہوں۔ والد نے فرمایا، پہلے خود کو پاؤ پیر  
 کچھ جاؤ، کچھ خیروں کے دل ہاتھ سونختے کا نام ہے اور مقصد ان جگر ریشوں کی قربت ہے، اگر خیروں کے دل کو متوجہ کر دو تو وہ بغیر  
 سنی و کوشش کے کچھ مراد دے دیتے ہیں۔ تم جو کچھ کہتے ہو حرم کے حرم بھی وہی کہتے ہیں۔ جسے تم ڈھونڈتے ہو خود کچھ بھی اسی کو  
 ڈھونڈ رہا ہے۔ دہلی کا حرام کد بھی کچھ کا حرام ہے، اپنے ہی جویا بنو! چھ مقصد یہی ہے۔ بغیر کا کوئی وجود نہیں اور کوئی شے  
 مشہور و معروف نہیں۔

مجھے تمہاری جوانی پر رحم آتا ہے کہ رنج اٹھاؤ گے مگر مقصود پیر بھی نہ پاؤ گے۔ درویشوں کی بات پوری تو جیسے سنو، کچھ دن  
 ٹھہر جاؤ یہاں سے نہ جاؤ۔ اس جوان نے جب درویش کو قنط پایا تو حکم سے سرتابی نہ کی یعنی ٹھہر گیا اور سخت ریاضت میں مشغول ہوا۔  
 ذی سیم رکھتا تھا، کتاب کیا اور سات جینے میں مرتبہ کمال تک پہنچ گیا۔ اتفاقاً پیر و مرشد کے پاس کہیں سے کچھ روپیہ آیا، انھوں نے جوان  
 سے فرمایا کہ اسے خرچ کر دو اور حجاز کے سفر پر جاؤ۔ صبح کی نماز کے بعد اسے زیرِ پنج دستار اور عبادۂ عمرانی عنایت کیا اور نصرت کر دیا۔

## والد کی وفات

ایک دن صبح چڑھے والد، میرا لکھنؤ کے جانے تو باحث کی حیثیت کے لیے، جو ایک عالم فاضل اور متون کا لکھتے

علاوہ کچھ کچھ، جو اگر سے کا مشورہ ملا ہے، شام ہونے کی تو وہاں سے گھر کی جانب جا رہی ہوئے، مغرب اور شمس اور نثار اپنا چہرہ  
امان کی۔ جب سوئے کے لیے بستر پر گئے اللہ میں حاضر ہوا تو فرمایا: بیٹے! آج سورج کی جلوت میرے درجے کا اثر اٹھا رہی ہوئی ہے، اس میں درد  
ہے، ایسا اسلیم ہوتا ہے بخار چڑھے گا۔ رات کا کھانا تائیں کیا یا اودھ گئے۔ صبح کو بیدار ہونے کو بہت تیز بخار چڑھا جو اقلہ کلمہ پڑھ کر  
جو ان کے پرانے علاج تھے آئے اللہ تعالیٰ پانی کو کچھ اخلاقیہ نہ ہوا، اودھش کو بخار پھر گیا میں روز شام کو چڑھتا اودھ ساری رات  
رہتا۔ بخار کوڑنے کی ان نعمت ترکیبیں کر دیکھیں لیکن کسی سے یہ عقدہ حل نہ ہوا ایک مہینے بعد بغیر بخار ہوئی کہ بخار نے قب کو بیٹ پیا ہے  
اودھ نہیں میں بیٹہ گیا ہے یعنی یہ عودش بغیر بھر لڑوں سے زیادہ نہیں، ادق میں جلا ہے۔

ایک دن مجھ سے کہنے لگے، "بیٹے، میری جان مرنا تو نیاز ہے اور ہم گھومنا چاہتا ہے۔ خدا سے ملحق رغبت نہیں، گھاتا ہوں تو گرائی کرتی ہے، جببہرہودامیج دیتا ہے وہ مجھ سے میں اگلی صبح تک ویسے ہی دھری رہتی ہے، چاہتا ہوں کہ اب موت آنے تک خدا چھوڑ دوں، بازار سے ٹکس کے چار پاکیا دستے آؤ تاکہ بشرط زندگی انھیں کبھی کسی سوگھدیا کر دوں۔ میں ارشاد اسکے بموجب لایا اور ان کے سامنے رکھ دیئے۔ جب آٹھ کھوتے دستہ ہاتھ میں لے کر سوگھتے اور فرماتے: "خدا کا شکر ہے، سیر ہو گیا۔" جب انھوں نے خدا ترک کر دی تو ہم بے کسوں کو اپنی زندگی سے بالکل ہی مایوس کر دیا۔ ہاتھ پاؤں کی طاقت جواب دے گئی، منصف حد سے بڑھ گیا بات بہت کم کرتے اور نمازی اشاروں سے پڑھتے تھے۔ ۲۱۔ جب کو حسب معمول شفا انی کو پیا دھرایا تو دردیش نے ناک بھون پڑھا جانی اور دوا پینے سے انکار کر دیا۔ پیالہ زمین پر ٹپک کر پڑا۔ اسے کہہ کر بولے، "اے کم بخت و دعا کا تاثیر کرنا تو مجھے اقل دن سے معلوم تھا مگر تیرا لحاظ کر کے ملی رہا تھا۔" انھوں نے اتنی سی بات نہ بھی جواب مجھے میرے حال پر چھوڑ دے، تا قیامت فہمی وہ مرض ہے جس کا کوئی علاج نہیں۔"

## حافظ محمد حسن

اس وقت حافظ الرحمن کو لایا جو میرے بڑے اور طاقی جانی تھے اور فرمایا کہ میں خیر ہوں میرے پاس کچھ آٹا نہیں، اس  
نہیں سوکتا ہیں میں وہ میرے سامنے لاؤ اور جانیں میں تقسیم کروں۔ وہ کہنے لگے : میں طالب علم ہوں اور میرا کتابوں سے بیشتر دماغ  
میں ہے۔ پھر نے جانی کہا کہ اس سے کوئی روٹی بھی نہیں رکھتے ان کے ذوق چاروازیں گئے ایک تنگ پائنتے گا اور سرائو ڈھانکنا پڑی  
جاسکا اگر آپ یہ سب کیا ہی کر سونپ دی تو اچھا ہے، ورنہ آپ غریب ہیں : والد کو ان کی برائی کا آغاز تھا۔ انھیں ٹانٹا اور  
کہنے لگے : اس سے کیا ہوتا ہے جو قوت نے فقیروں کا بیس بدل لیا ہے، تیری ملکادوی اور چلہ رازی تو اب تک نہ تیس تو رہا ہوتا ہے  
کہ ان بچوں سے وفا کرے اور میری آنکھیں بند ہوئے کے بعد اضنی نقصان پہنچائے، یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے عادیہ کو پسند  
کرنا ہے۔ غالب ہے کہ میری عزتی تیرا دوست مگر نہ ہوگا، اگر تو اس کے ساتھ دوسری چیز پیش کرتے تو کرم قبول کرتا اور تیری عزت کا  
نقص اس کے سامنے نہ بیٹھتا، اگر تو اپنے فشار میں کامیاب ہو گیا تو یکساں ملکہ کے لئے جس طرح کی خدمت کرے گا اور تیری عزت کا  
قابل اعتبار نہیں رہتا۔ اکل و مسدات و طاری کی ملاست ہے۔



طرح جو بہرہ سنے اور فرمایا، بیٹے میں بازار کے بیوں کا تین سو روپے کا مقروض ہوں۔ امید ہے جب تک وہ قرض ادا نہ کر دے گا تو میرا منہ نہ اٹھائے گا، کیونکہ میں معاملے کا صاف رہا ہوں اور تمام عرصے کو دھوکا نہیں دیا۔ میں نے عرض کیا کہ سوائے ان کتابوں کے اور کوئی اثاثہ نظر نہیں آتا۔ وہ کتابیں بھی آپ نے بڑے بھائی کو سوپ دیں، اب میں قرض کہاں سے ادا کروں گا۔ والد کی آنکھیں ڈبڈبائیں اور فرمانے لگے: باپس نہ ہوتا چاہئے، خدا کریم ہے، ہنڈی راستے ہی میں ہے اور نہ چاہتی ہے، چاہتا تھا کہ روپیہ آئے تک زندہ رہوں، لیکن عمر کے چند ہی لمحے باقی رہ گئے ہیں۔ اب ٹھہرنا ممکن نہیں۔ پھر مجھے دعا دی اور خدا کے سپرد کیا۔ کچر سانس اور آرائیں اس کے بعد انتقال فرمایا۔

### بھائی کی طوطا چٹنی

درویش نے آنکھیں موندیں تو سارا عالم میری نظروں میں تاریک ہو گیا۔ بڑا حادثہ رونما ہوا، آسمان بھر پر ٹوٹ پڑا، آٹھ گھنٹہ آنسو روتا تھا، مبر و شکیب جاتا رہا، دیواروں سے سر پھوڑا تھا، خاک پر ٹوٹا تھا، بڑا ہنگامہ ہوا گویا قیامت نورا رہ گئی میرے بڑے بھائی نے انسانیت کو بلائے طاق رکھ کر طوطا چٹنی اختیار کی۔ جب دیکھا کہ باپ غصے مرا ہے اور قرض خواہ میرے دامن گیر ہوں گے تو پہلو بچا گئے اور کہنے لگے: ”جو لاڈ پیار کے پاسے پوسے ہیں وہ جانیں اور ان کا کام۔ میں تو باپ کی زندگی میں ہی دیبل کار نہ تھا اور ترکے سے بھی درگزر، ان کے سجادہ نشین سلامت رہیں جو سر بیٹ رہے ہیں اور منہ نوچ رہے ہیں وہ جو مناسبت بھیجیں کریں گے۔“

میں نے بے کسی کا یہ تازہ صدمہ اٹھایا تھا۔ جب ان کی یہ ہجوری اور کہنی باتیں سنیں تو غم و غصہ اور بھی زیادہ ہوا، مگر ان سے کوئی اتھار نہ کی، بہت کو مضبوط رکھا اور خدا پر عبور نہ کر کے بیٹھ گیا بازار کے بیچے مزید دو سو روپے لانے اور بے حد خوشامد کی طرح میں نے درویش کی وصیت کا پاس کیا اور وہ روپے قبول نہ کئے۔ صاف اٹھارہ سو روپے کی کشتاید طول ہوں، باتوں میں گھٹا رہا۔ اتنے میں نیک عمل خاں، جو میرے ہم بزرگ ار کے مرید تھے، ان کا ذکر پاچ سو روپے کی ہنڈی لے کر آیا اور میرا شریک غم ہوا، میں نے تین سو روپے تو قرض خواہوں کو ادا کر کے فارغِ غم حاصل کر لی اور سو روپے سے فقیر کی تجویز و گفتگو کا انتظام کیا۔ اور پھر درشد کے پہلو میں انھیں دفن کیا۔

### میری سرگزشت

والد کی موت کے بعد میں نے غلک کی بے مروتی دیکھی، نہانے کے تم بچے۔ میں نہیں غلک یا نہانے کا کیا قصد، میرا ہی تھو خوس تھا کہ یہ کتاب کا نام میرے سر سے اُٹ گیا۔ مجھے بھی کیا میری قیمت نے کیا، سوائے میرے اپنے اُٹنے کے اور کسی کا اقتدار میرے سر سے نہ تھا مگر میں نے غیبت کا اہانت جانے نہ دیا اور ہرگز کسی کے دوا نہ ہر سال ہی کر دیا، نہ میرے دوستوں سے کسی سے کہنے لگے کسی چیز کی خرید و فروخت کسی سے میں نے امداد طلب نہیں کی، نہ کسی نے امداد کی۔



خدا نے کریم بنے کسی کا شرف و احسان نہ کیا اور بے میرے بھائی کا، جو مجھ سے کہنے رکھتے تھے دستِ بزرگ نہ ہوا۔ میں سات دن حدیث (دالہ) کا نام کرتا تھا اور تمام کام خدا کے آسمے پر چھوڑ دیے تھے۔ مجھے بھائی کو مگر بھائی کا ذکر نہ کرنا تھا۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میں نے کوئی حدیث نہ سنی تو پھر میں کا ذکر کیا، راستے کی صورتیں اپنے اوپر گواہیں اور سفر کے شہنائے چیل کوٹا بھان آباد ملی پہنچا۔ یہاں بھی بہت گھومنا مگر کسی کو شیعہ نہ پایا۔

خواجہ محمد باسل نے جو امیر احمد صاحب اللہ کے بیٹے تھے میرے حال پر عنایت کی اور مجھے خواب کے سامنے لے گئے۔ خواب نے مجھے دیکھ کر پوچھا، "یہ کس کا ذکر ہے؟" خواجہ محمد باسل نے کہا، "میر محمد علی کا؟" فرما گئے کہ "اس کے یہاں آنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دنیا سے گندھکے بھون گئے۔ پھر بہت افسوس منہ کھٹے کے بھون گئے تھے کہ ان کے ہم پر بڑے حقوق ہیں، ایک دو پیر روز میری سرکار سے اس لڑکے کو دیا جائے۔" میں نے انہیں کیا کہ، "اگر اتنی ہوائی کریں کہ مجھے دستِ بزرگ نہ دیں تو مستعد ہیں کہ چوں و چرا کرنے کی گنجائش نہ رہے گی۔

میں نے وہ دعائیں جیب سے نکالی، اچانک خواجہ محمد کی زبان سے نکلا کہ یہ "تقدیر کا وقت نہیں ہے؟" میں نے کہا کہ میں نے ششام، خواب نے میرے منہ کو دیکھا اور منہ سے سب پوچھا، میں نے عرض کیا کہ "آپ کی بات میری سمجھ میں نہیں آتی، اگر یہ فرماتے کہ تقدیر برباد حاضر نہیں، تو ایک بات میں حق دیا یہ کھٹیک تھا کہ یہ خواب کے دستِ بزرگ نہ دیں۔" تقدیر کا وقت نہیں؟ کتنا تو فی ترکیب ہے۔ تقدیر کا وہ ایک کڑی سے نیا وہ وقت و طیر وقت نہیں ہوتا۔ جس شخص کو بھی حکم دیا جائے اٹھ اٹھ گئے۔ خواب پھنسنے لگے اور مجھے کہ "معتدل بات کہتا ہے۔" عرض میری بات کو رد نہ کیا، تقدیر طویا اور درخت پر دھکا کر دیے۔ وہ بادشاہ کے دربار کا دن تھا، خواب تیار ہو کر پہنچ گئے اور بڑی عزت سے مجھے رخصت کیا۔

اس زمانے تک کہ نادر شاہ نے محمد شاہ پر چڑھائی کی اور خواب مذکور اس کے مقابلے میں مارے گئے، یہ روز بزرگ نہ ہوا رہا، اسی سے نان و نلک کھا کر گزارا کر دیا تھا۔

اس انقلاب (خلافتِ تادی) کے بعد پھر ملک ان زمانے نے مجھے ستیا، وہ لوگ جو درویش کی زندگی میں میری خاک پا ہی سرے کی طرح انگوٹوں سے ملنے لگے، اب مجھ سے آنکھیں چرمانے لگے۔ مجھ کو کہہ کر وہ سری بار دلی پہنچا، اور اپنے بڑے بھائی کے ماموں، سراج الدین علی خاں آرزو کا احسان اٹھایا، یعنی کہہ دن ان کے ساتھ رہا، اور شہر کے لوگوں سے ہندو کتابیں پڑھیں، جب اس قابل ہو گیا کہ کسی کا مخاطب بھی بن سکوں تو بھائی کا خط ماموں کے نام پہنچا، کہ "میر محمد علی قندہ روزگار ہے، اس کی تربیت ہرگز نہ کرنی چاہئے بلکہ دوستی کے پر سے میں کام تمام کر دینا چاہئے۔" وہ عزیز (آرزو) بچے دینا دار ستھے اپنے بیٹے کی عداوت دیکھ کر میرا برا بھلا کہنے لگے، اگر میں سامنے پڑتا تو پھٹا رہنے لگتے، اور نیک کر دیتا تو اول قول کہتے، بہر وقت ان کی نگاہیں میری عمرانی میں رہیں اور دشمنوں کا سایہ تاؤ ڈالتے۔ میں کیا بیان کروں کہ اس سے کیا سلوک دیکھا اور کس طرح کوں کر لیا راج اٹھائے، میں ہر چند بہرہ مند نہ تھا کہ احتیاج ہو مگر ان سے ایک روپیہ بھی نہ ملتا تھا، مگر وہ دشمنی سے باز نہ آتے تھے۔ اگر ان کی نافرمانی کا مجھ پر تفسیل سے بیان کروں تو ایک ٹیڈہ وہ ضرور کار ہے، میرا دکھا محمد اول اور میں زخمی ہو گیا اور میں پاگل ہو گیا۔ میری دشمنی ہو

بھئی اس کو ٹھڑی میں رہتا تھا۔ اس کا دروازہ بند کر دیتا اور اس جگہ انکار میں تنہا بیٹھ جاتا۔ چاند نکلتا تو میرے لیے قیامت ہوتی تھی اگرچہ میں اس وقت سے چاند کو دیکھتا آیا تھا جب نہ ڈھلاتے وقت دایہ چاند بھٹکتی اور میں آسمان کی سمت دیکھتا تھا، لیکن نہ اس طرح کہ دیوانگی تک نہایت پہنچ جائے اور دشت اتنی بڑھ جائے کہ لوگ مجھ سے ڈر کر میری کو ٹھڑی کا دروازہ بند کر دیں یا وہ مجھ سے دور جھانکے گئیں۔

فزا دین خاں کی بیوی نے جو میرے والد کی مرید بھی تھیں اور قریبی رشتہ بھی رکھتی تھیں۔ میرے علاج میں بہت روپہ خرچ کیا۔ خاص سببوں نے مجھ کو کھجور کی اور جیوں نے لحد کھولی بارے جیوں کا تیر نشانے پر میٹھا جب خریف کا موسم آیا اور بہار دھست ہوئی تو جنون خود بخود گھٹ گیا۔ جلد ہی پوری طرح صحت یاب ہو گیا اور ”کمزبات“ پڑھنے شروع کر دیے۔

ایک دن باناد میں ایک کتاب کے کچھ اجزاء ہاتھ میں لیے بیٹھا تھا کہ میر جی نامی ایک جوان ادھر سے گزرے، مجھے دیکھتا تو میرے قریب آئے اور ٹھڑی دیر وقت کر کے کہنے لگے، ”اے عزیز معلوم ہوتا ہے کہ پڑھنے کا نہیں شوق ہے، میں بھی کتاب کا کثیر پڑھتا ہوں، لیکن کوئی غائب نہیں ملتا۔ اگر تم چاہو تو کبھی کبھی آجایا کروں گا۔ میں نے کہا، ”آپ کی خدمت کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا، اگر مرض خدا واسطے آپ یہ زحمت گوارا کریں تو میں زندہ نوازی ہے۔“ کہنے لگے، ”اتنا ضرور ہے کہ ٹھڑا سانا شتہ مل جائے اس سے زیادہ مجھے کچھ نہیں چاہیے۔“ میں نے کہا، ”یہ مشکل خدائے کریم آسان کر دے گا، اگرچہ میرے پاس بھی کچھ نہیں ہے۔“ انھوں نے ان حشر اور انا کو مسلوں کے مطابق کر کے بچے دیا اور چلے گئے۔ اس کے بعد اکثر اس انسان نافرشتے سے ملاقات ہوتی، نہایت مہربانی سے پیش آتے، یعنی اپنا دماغ کھپا کر مجھے کھلاتے۔ میں بھی تابعدار ان کی خدمت کرتا یعنی جو کچھ مستحقان کے لیے خرچ کرتا۔ تاہم ان کے دین غنیم آباد سے کوئی خط آیا اللہ وادھر چلے گئے۔

مجھے دونوں کے بعد سعادت ملی تاہم کے ایک سید سے میری ملاقات ہوئی جو امر و پھر کے رہنے والے تھے اور انھوں نے مجھے ریختہ میں شعر کہنے کی ترغیب دی جو شعر فارسی کی طرح قلعہ شاہی کی زبان میں شاعری ہے۔ اور اس وقت بہت رواج پا رہی تھی۔ میں نے بھی بہت محنت کی اور اپنی مشق اتنی کر لی کہ شہر کے شاعروں میں مستند سمجھا جانے لگا۔ میرے اشعار گلی کوچوں میں پڑے جانے لگے اور ادنیٰ و اعلیٰ کے کانوں تک پہنچ گئے۔

ایک دن ماموں نے مجھے کمانے پر بلایا اور چٹا رٹا شروخ کر دیا۔ میں بہت کڑوا اور کھانے میں ہاتھ ڈالے بغیر اٹھ گیا۔ جب ان سے جتنی نہ کی تو شام کو ان کے گھر سے نکلا اور جامع مسجد کا رستہ لیا۔ اتفاق سے راہ لیول گیا اور قاضی حوض پر آکھلا جو وزیر الملک احمد اللہ ولد کی حویلی کے پاس ایک چھوٹی سی قبر ہے۔ یہاں میں نے پانی پیا۔ اس جگہ عظیم اللہ نامی ایک شخص میرے پاس آیا اور بولا، ”تم میری قبر پر آئے؟“ میں نے کہا، ”تم نے کیسے پہچانا؟“ بولا، ”تمہارا سودا نیانہ تو مشہور ہے!“ رایت خاں نے جو خیمہ اللہ خاں کا لڑکا اور احمد اللہ ولد کرادین خاں کا بھائی ہے، جب سے تمہارے اشعار سنئے ہیں تم سے ملاقات کرنے کا بہت ہی مشتاق ہے۔ اگر تم میرے ساتھ چل کر اس سے ملو تو میرے لیے بھی باریابی کا بہانہ ہو جائے گا۔ میں جا کر ملا۔ بڑی فرات سے شہر آیا اللہ مجھے اپنا رفیق بنالیا۔ اس کی ملازمت سے مجھے فائدہ پہنچا اور تنگدستی سے چھٹا رٹا مل گیا۔

ایک پانڈی رات میں خان کے سامنے ڈوم کا لڑکا بیٹھ گیا۔ خان نے مجھے روکنا تو کئے گا، میرا جواب ہے اپنے دو تین شعر رختہ کے یاد کرنا دیتے تو یہ اپنے ساز پر درست کہے کہ گئے گا۔ میں نے کہا، میرے لیے ہوتا ہے۔ میرا خاطر ہے، چھوٹے ملازمت کا پاس تھا، احوال دیکر ہاتھ کی ادا پانچ شعر رختہ کے اسے یاد کرادیتے۔ مگر یہ بات میری بیچ نازک پرست گراں گزری۔ آخر دو تین دن کے بعد گھر پہنچا۔ اس نے ہر چند بولیا، نہیں گیا اور اس کی نوکری چھوڑ دی۔ مگر اس شخص کی مروت نے مجھے بے روزگار دیکھنا گوارا نہ کیا۔ میرے بھائی محمد رضی کو، میرے حقوق رفاقت کے پیش نظر، اپنے پاس سے گھر کا اعانت کیا اور نوکر رکھ لیا ایک مدت کے بعد جب میں ہاکولا تو اس نے بہت ہڈ خرابی کی۔ میں نے کہا، منفر۔ گزشتہ راسولہ۔

جب اسی طرح کچھ دن گزر گئے تو میں نے اپنے بھادر کے ہاں ملازمت بکا ش کی۔ اسرار خان نے جو اس کی فوج کا بخشی تھا میرا احوال اسے سنا کر، گھوڑے اور نوکری کی شرط سنا کرادی۔ وہ (نواب باہاد) میرا لحاظ اور بہت ادا و احاط کرتا تھا۔ خدا اسے جزائے خیر دے۔

میں دونوں محمد خاں گلش کا لڑکا قائم خاں روہیلوں کی جنگ میں مارا گیا اور صفدر جنگ اس کے اہلک کی منہلی کے لیے اٹھ بھا، میں بھی ایک تقریب سے اسحاق خاں کیم الدولہ کے ساتھ اس طرف کی سیر کرنے گیا۔ قائم خاں کے چھوٹے بھائی احمد خاں سے بڑی بھاری جنگ ہوئی وزیر کی فوج نے منہ کی کٹائی اور اسحاق خاں بھی قتل ہوئے، میں اس بارے ہوئے لشکر کے سابق بڑی زحمت اٹھا کر شردہ ملی واپس آ گیا۔

جب انتظام الدولہ وزیر بھا، انھیں دونوں میں زمین کی نامساعدت سے تنگ آکر میں نے ماموں (سراج الدین بھٹا) آرزو کی ہسٹنگی ترک کر دی، یہ سوچ کر کہ وہ مجھے بلی نظر سے دیکھیں گے اور میرا نام مرحوم کی حویلی میں سکونت اختیار کی۔ (جو محمد شاہی حمد کے برے امیر تھے اور سلطنت کی دھنکی ہوئی رگ ان کے ہاتھ میں تھی نیز محمد آباد کی صوبہ داری بھی ان کے سپرد تھی۔) مخلص ان کا بھائی ہے۔ اپنی خوش سیلی اور شیرایمانی کے لیے ضرب اٹھائی، ان کی حویلی میں قتل ہو کر بڑی سیل بسر کرتا رہا۔

اس زمانے میں جب صفدر جنگ نے وفات پائی اور صوبہ (ادھ) کی ریاست اس کے بیٹے شجاع الدولہ کوئی، میرے ماموں خاں آرزو لاچ کے اسے نکل پڑے، امینی شجاع الدولہ کے لشکر میں اس توقع پر گئے کہ اسحاق خاں شہید کے بھائی وہاں ہیں وہ حقوق سابق کا عمل کر کے کچھ مراعات دیں گے، مگر کچھ ہاتھ نہ آیا۔ قسمت نے دکھایا تھا، ادھ میں مر گئے ان کی نسل وہاں سے مٹ کر انھیں کی حویلی میں سپرد خاک کر دی گئی۔

دو تین بیٹے کے بعد راجا جلی کشور جو محمد شاہ کے زمانے میں دلیل بگاڑتے اور بڑی جاہ و حشمت کے ساتھ رہتے تھے، مجھے گھر سے بلا کر لے گئے اور اپنے شاہراہ اصلاح کی خدمت سپرد کی۔ مگر میں نے اصلاح کی ناپیت نہ دیکھی اور ان کی اکثر تصنیفات پر غصہ کھینچا۔

ایک دن میں نے راجا جلی کشور کے سامنے روزگار کی شکایت کی۔ وہ حرم شرم سے پہنچ گیا۔ کئے گا، میں محمد مخلص ہوں، کچھ بھی ہوتا تو بزرگ تاش نہ کرتا۔ ایک سو سو سالہ ہو کر راجا باگرل کے ہاں گیا اور میرا تعارف کر کے لیا اور مجھ میں گیا اور

اس کے دیکھنے سے ملاقات کی بہت لطف دہنات سے پیش آیا، کھنے لگا، "دعوت شیراز حاضر ہے۔ میں تمہارا دستہ میں تھیں پہنچا ہے گا۔ جیسے اہلخانہ ہو گیا تو اٹھ کر واپس آیا۔ دوسرے دن ملاقات میں جب شعر خوانی ہوئی تو کھنے لگا، "میر کا ہر شعر موتوں کی ڈی ہے ہے اس شخص کا اسلوب بہت پسند ہے۔" ایسے ہی کبھی کبھار جاتا رہا، مگر کچھ ہاتھ نہ آیا۔ چونکہ ہاتھ تو ہڈی تک پہنچ گیا تھا، ایک دن سچ کی ناز کے بعد اس کے دروازے پر گیا، جو دروازوں کا میر وہ ہے سٹک نانی میرے سامنے آیا اور کھنے لگا: "یہ دربار کا کون سا وقت ہے؟" میں نے کہا: "اخضر کا عالم ہے!" "بولا: "تم لوگوں کو درویش کہتے ہیں تم شاید یہ نہیں جانتے کہ خدا کے حکم کے بغیر ایک ذرہ بھی حرکت نہیں کرتا۔ یہاں اپنی ریاست کے آگے تمہاری کسے فکر ہے۔ صابر و شاکر رہنا چاہئے ہر کام کا ایک وقت ہے ہاں تو تمہاری رسائی مشکل ہے البتہ ان کے بڑے لڑکے مل سکتے ہیں۔ میں نہایت شرمندہ ہوا اور واپس آ گیا۔

ایک دن اس دربار کے کھنے کے مطابق راجا کے لڑکے سے ملے گیا۔ دربار نے روک دیا بولا: "اس وقت ان ملاقات کرنا ممکن نہیں۔" مجبوراً واپس آ گیا۔ پھر عشا کی ناز کے بعد گیا۔ دیکھا تو ڈیوڑھی پر دربار نہیں ہے۔ میں نے پوچھا: دربار ہاں گیا؟ "لوگوں نے کہا: "آج اس کے سر میں ایسا شدید درد تھا کہ بیٹھ نہیں سکتا تھا" میں نے سوچا کہ تائید الٹی شامل حال ہے۔ یہ ان خانے میں داخل ہوا اور ملاقات کی۔ شعر خوانی کا بھی اتفاق ہوا خواجہ غالب نے جو ایک با اثر آدمی ہے اور مجھ سے واقف تھا، میرا حال منسل سنایا اور کچھ مقررہ کرادیا جو میں ایک سال تک پاتا رہا۔ ایک رات راجا کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے میرا ایک سال کی تحلوں سے کر لیا، "اکثر مجھ سے ملنے رہا کیجئے؟" اس دن سے عشا کی ناز کے بعد ملازموں کے طبقے سے ان کے ہاتھ باغ میں جاتا اور بعد گھڑی رات گئے تک رہتا تھا۔ اس خدمت کا پہل یہ تھا کہ چپن ٹکڑے سے گزارا کرتا ہوا بیٹھتی۔ (اہالیوں اور دروہیلوں کے ہاتھوں دلی کی تباہی کے ہیں) میں راجا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ زمانے کے انہوں سخت پریشانی ہوں چاہتا ہوں کہ شہر سے نکل جاؤں اور جہاں بیگ سائیں چلا جاؤں، مگر ہے اسی طرح کہ اس وقت غضب ہو جائے۔ انہوں نے میرے ساتھ رعایت کی اور مجھے رخصت کر دیا۔ میں بالی بکوں کو لے کر پیادہ چلا نکلا، کوئی منزل تو تھی نہیں خدا پرچہ ساگر کے ماسترے کرنا شروع کیا۔ دن بھر میں محل سے ۸-۹ کوس کی منزل ہو سکی۔ رات ایک میرا نے میں درخت کے نیچے زردی۔ اگلی صبح کو راجا محل کشور کی بی بی اور سرے گئے۔ اور ہم مجددی کی دھڑیری کی اپنے ساتھ برسانہ تک لے آئیں اور راجہ طرح سے سلوک کر کے دہرائی کی۔

ذی الحجہ کی آخری تاریخ کو وہ کاماں گئیں جو برسانہ سے تین کوس پرما جا ہے سٹک دھانی جے پور کی سرحد ہے۔ فقیر اپنے اہل و عیال کے ساتھ مشورہ محرم میں دیں (برسانہ) قیصر (برسانہ) سے اگلے دن (۱۱ محرم) وہاں سے نکل کر کھیر پہنچا۔

لکھنؤ

یہاں صدر جنگ کے سابق خزانچی لالہ راجہ کاشن کا بیٹا باور سٹک جو ان دنوں راجا کے ساتھ قیصر تھا۔ ایک شام کو باور مجھے اپنے ساتھ لے گیا اور میری امداد دیا مانت کی۔ میں اس کا احسان مند ہوں کہ اس نے دوستی کا حق ادا کیا اور کھیر پہنچا۔

میں ایک ہی کھانے پینے کا سامان نہ ہونے کے باعث پریشانی پیش آتا، جی میں آئی کہ احقر خاں کلاں (جو فردوس آباد) عرشہ کے عہد میں پیشل ہوا دی امیر اور نہایت کریم النفس انسان تھا، اس کے لشکے احقر خاں سے ملا جانے تو شاید کچھ دن ٹھکے گزر جائیں چنانچہ گیا اور سورج ل کے طریقے میں اس سے طرہ عمل کے خانہ خراہوں کی کئی جانے پنہ بنا ہوا تھا۔ اس عزیز نے، خواجہ، میری خیر و حافیت معلوم کی۔ میں نے اپنا دکھڑا سنا تو سننے دے بہت متاثر ہوئے۔ جب قہرہ اور حقہ وایا تو یہ شعر میری زبان پر آیا۔

اور روزگار میں حرفی ہم افتاد ہا ہم نگر تسم و گر تسم و گر تسم

ایسے ہی چند شعر میں نے پڑھے اور دو تین آنسو لگوئی سے گرائے چند لمحوں کے بعد دیکھا کہ خان کھڑے ہوئے۔ میں نے کہا، "آپ کس سوچ میں پڑ گئے؟" بولا، "کچھ نہیں۔ میں نے کہا، "کچھ تو ہے؟" کہنے لگا، "سب تم شہر دی میں آتے تھے تو ہم طرح طرح کی مٹائی اور قسم قسم کے حلو سے ملتا تھے اور دونوں کھاتے تھے۔ آج جب اتفاق ہے کہ کچھ کھاؤ میں میسر نہیں جو تمہارے لیے ایک پیارے شربت بنا سکوں۔ میں نے کہا، "میں ان سب چیزوں کا دیدہ نہیں ہوں۔ وہ بات بھی تم کو یاد ہو جاتی تھی۔ آپ تو جانتے ہیں کہ میں حرم میں اور لاہی نہیں۔ زمانہ بدلتا رہتا ہے۔ وہ شربت و شربتی کا وقت تھا، یہ عیناں جھیلے کا موسم ہے۔ یہی بات چیت ہو رہی تھی کہ ایک صورت سر پر خزان رکھے دروازے سے داخل ہوئی اور بولی، "سعید الدین خاں خانانہاں کی بہن نے آپ کو دعا کی ہے، کچھ حلوئے نزاکت اور شہبے کی نیاز کی شربتی بھی ہے۔" خاں نے خزان پرش اٹھایا اور اس کی غور حلو سے پر پڑی تو باغ باغ ہو گیا کہنے لگا، "میرے دیار پہنی قدر خوب جانتا ہے، ایک حلو سے فائدہ کئی پرمدار ہے۔ حلو سے اور شیرینی کا تو ذکر ہی کیا کہیں سے روٹی کا ایک ٹکڑا بھی نہیں آیا۔ تم میرے عزیز بھائی ہو، یہ سب تمہارا ہے۔ میرا حصہ مجھے دے کر باقی سب اپنے گھر بھیج دو۔ میں نے کہا، "یہ تو بت ہے، میں اتنے سارے کام کیا کروں گا؟" کہنے لگا، "تمہارے لشکے میرے حق میں کام آئے گا۔" غرض کہ اس پہلے مانس نے اصولہ کر کے حلو سے کی قاب اور مٹائی کا خزان میرے گھر بھجوا دیا اور مجھے ہنسی خوشی رخصت کیا۔ دو دن تک اسی مٹائی پر گزر ہوئی تیسرے دن راجا کے چوٹے لشکے بش سکھ نے مجھے بلایا اور حالات دریافت کرنے کے بعد کہا کہ مراجا صاحب کے آنے تک میرے پاس رہو۔ میں نے کہا کہ کھانے پینے کے لیے کچھ نہیں، بولا، "معنی رہو یہاں سب کچھ موجود ہے۔" خدا اسے خوش رکھے اس نے میری ضرورت کا سب سامان مینا کر دیا۔

اسی دوران کبیر میں راجا ناگر مل دوبارہ تشریف لائے۔ میں ان دنوں وہیں تھا، اتنا ہی کیا، "میں آپ کی تشریف آوری کا فخر تھا اب مجھے اجازت دیجئے کہ کہیں نکل جاؤں۔ کیونکہ تاسا زگار حالات کا مقابلہ کرنے کی سکت باقی نہیں رہی۔" راجا نے جو میرے حال پر بڑی عنایت فرماتے تھے کہا، "معلوم ہو تا ہے، بیابان مرگ، ہونے کا ارادہ ہے، اہاں اگر میں چھوڑ دوں تو چھپے ہوئے؟" اسی دن خرگ کے واسطے کچھ بھیجا اور میرا وظیفہ بدستور سابق وضع کے عنایت کیا۔

دیکھ زمانے کے بعد ملی آیا، ایک دن ٹھٹھا ہوا شہر کے تازہ دیرانوں سے گزرا، ہر قدم پر دوتا اور حیرت حاصل کرتا تھا۔

جوں جوں اُگے بڑھا، حیرت بڑھتی گئی۔ ملاؤں کو شناخت نہ کر سکا۔ آبادی کا پتہ تھا نہ عمارتوں کے آثار نہ اُن کے کمینوں کی خبر۔۔۔ گھر کے گھر سارے اور دیہاتیں شگستہ۔ خانقاہیں صوفیوں سے خالی خرابات رندوں سے۔ یہاں سے وہاں تک ایک دیرانہ خالی ووق۔ نہ وہ بازار تھے جن کا بیانیہ کروں، نہ بازار کے وہ حسین لڑکے، اب سُن کہاں جسے تلاش کروں۔ وہ یارانِ عاشق مزاج کدھر گئے۔ حسین جوان گزر گئے۔۔۔۔۔ تاکہ اس لمحے میں آنکھ جہاں میں رہتا تھا، جیسے کرتا تھا، شعر پڑھتا تھا، عاشقانہ زندگی گزارتا تھا، راتوں کو روتا، خوش قدموں سے عشق لڑاتا، ان کے سُن کی تعریفیں کرتا اور لمبی لمبی زخموں والے معشوقوں کے ساتھ رہتا تھا جیمنوں کی پرستش کرتا اور ایک لمحے کے لیے بھی ان سے جدائی ہوتی تو بے قرار ہو جاتا تھا۔ اب کوئی ایسا مانوس چہرہ نظر نہ آیا جس سے دو باتیں کریتا، کوئی معقول انسان نہ پایا جس کے پاس جا بیٹتا۔ اس وحشت انگیز مٹی سے نکل کر دیرانِ راستے پر آکھڑا ہوا ادحیرت سے تباہی کے چھوڑے ہوئے نشانات دیکھتا رہا۔ بہت صدمہ اٹھایا اور یہ عہد کیا کہ اب ادھر نہ آؤں گا اور جب تک رہوں شہر کا قصد نہ کروں گا۔

## سفرِ آگرہ

دالحے سال، میں تیس سال کے بعد آگرہ گیا اور پہنے والہ اور چپا کے مزارات کی زیارت کی وہاں کے شاعروں نے مجھے اس فن کا امام سمجھ کر اکثر ملاقات کی۔ میں صبح و شام دیریا کے کنارے سیر و تماشا کرنے کے لیے جاتا تھا۔ میری مٹی آفرینی کا شہرہ تو عالم گیر تھا۔ اختر حسین، سیاہ پکوں والے، اچھی دج والے، جامہ نرب اور پاکیزہ طینت شاعر مجھے نہیں چھوڑتے تھے دین بار سارے شہر میں گھوما۔ وہاں کے عالموں، فقیروں اور شاعروں سے ملا، لیکن کوئی ایسا مخاطب نہ پایا جس سے بات کر کے دل بے تاب نہ ہو۔ شہر کو ایک وحشت ناک دیرانہ پایا اور نہایت صدمہ اٹھا کر لوٹ آیا۔ چار بیٹے ومن ماروت میں گھلائے نصحت ہوتے وقت آنکھیں پھرائیں۔ سو دج لی کے قلعوں میں واپس آگیا۔

## لکھنؤ کا سفر

(بخت خان کی بیاری کے زمانے میں) فقیر خانہ نشین تھا اور چاہتا تھا کہ شہر سے نکل جاؤں مگر اسباب و وسائل کا فقدان قدم نہیں نکالنے دیتا تھا۔ بارے نواب آصف الدولہ بہادر کو خیال آیا کہ میر میرے پاس نہیں آتا۔ نواب سالار جنگ نے ان پہلے روباہ پر نظر کر کے جو میرے (سوتیلے) اموں خان آرزو سے تھے، کہا: "اگر نواب صاحب ازراہ عنایت نادراہ کے لیے کچھ محنت فرمادیں تو میر ضرور آجائے گا۔" حکم ہوا کہ ایسا کیا جائے۔ انھوں نے سرکار سے نادراہ لے کر مجھے خط لکھا کہ "نواب والا جناب تمہیں حب فرماتے ہیں، جس طرح میں بن پڑے خود کو میراں پہنچاؤ۔" میں تو دل برداشتہ بیٹھی ہی تھا خط پاتے ہی کھڑو بھاڑ ہو گیا۔ فرخ آباد سے گزرا۔ منظر جنگ نے جو وہاں کے رئیس تھے میر چند چاہا کہ میں کچھ دن ان کے ہاں شہر جاؤں مگر میرا دل نہیں مانتا، اپنے دن جودھانہ ہو کر منزل مقصود پہنچ گیا۔ پہلے نواب سالار جنگ کے گھر گیا، انھوں نے میری بڑی عزت کی اور میرے لیے چھوڑا

جزی بنیادی عالم کے کہہ کر مجھ اویں۔

ہاں کچھ روز کے بعد اتفاقاً ذاب علی جناب مرزا ڈالنے کے لیے تشریف لائے۔ میں بھی وہاں موجود تھا۔ حاضر خدمت ہوا۔ فرست سے تازہ کیا اور فرمائے گئے، ”میر محمد تقی ہو؟“ پھر بڑی عنایت سے بھل گئے جو نے اور اپنے ساتھ اپنی نشست گاہ پر بے گئے اور مجھے قیام کے اپنے اشارہ کرتے۔ میں نے کہا، ”سبحان اللہ۔ بادشاہوں کا کام۔ کلام کا بادشاہ ہو تاکہ۔“ فردہ مہمانی سے مجھے بھی شعر خوان کا موقع دیا۔ اس روز میں نے غزل کے چند شعر کہے۔ جب ذاب صاحب اُٹھ کر جانے لگے تو ذاب ساہر جنگ نے کہا، ”میر صاحب اطلب آئے ہیں اور اب بند گون مالی مزار ہیں، انہیں کوئی جگہ عنایت فرمائیں اور جب مرغی مبارک ہو خدمت میں ہوا۔“ میں نے ذاب صاحب نے فرمایا، ”میں کچھ مقرر کر کے تعالیٰ ہے پاس بھیج دوں گا۔“ دو تین دن بعد یوں فرمایا تو میں حاضر ہوا اور مداح میں جو قصیدہ لکھا تھا وہ سنایا۔ سماعت فرمایا اور بڑی عنایت سے اپنے ملازموں کی صف میں مجھے داخل کر لیا۔

### خاتمہ

انقص دنیا جب حادثہ گاہ ہے۔ یکے کیسے مکان خراب ہو گئے اور یکے کیسے جوان مر گئے۔ یکے باغ تھے کہ ویران ہو گئے اور کیا عطیں تھیں جو انسان نہ ہو گئیں۔ یکے کیسے پتوں کا گئے۔ کیا کیا رنگ گئے۔ کیسی کیسی مجلسیں اکھٹیں گئیں۔ یکے کیسے تافے کوچ کر گئے سڑکوں نے کیا کیا خوابیں دیکھیں اور یکے کیسے انسان جانوں کی بازی ہار گئے۔ ان بھرت میں نگاہوں نے کیا کیا دیکھا اور ان سننے والے کا دل نے کیا کیا سنی لیا۔

اس توڑی سی مدت میں اس ایک قطرہ غم نے مجھے دل کتے ہیں طرح طرح کے تم بھیجے اور تمام غم ہو گیا۔ میرا مزاج ہمارا تھا۔ ہر شخص سے مخاطب ہوا چھوڑ دیا۔ اب بڑھاپا آگیا ہے میں نے عمر بڑھا کر سال کی ہو چکی ہے اکثر اوقات بیاد رہتا ہوں۔ کچھ دن آنکھوں کی ٹیکٹ میں جھک رہا۔ بینائی کمزور ہو گئی اور صبح کی ضرورت پڑی۔ ساتوں کے درد کی بات کیا کہوں، میراں تھا کہ کب تک علاج کروں، آخر مجھ پر ہر ایک ایک دانت جڑ سے اکھڑا دیا۔

طرح طرح کو صحت فرمائی، بے دماغی، ناتوانی، دل ٹھٹھکی اور آئندہ خاطر سے یہ اندازہ ہو تاکہ کہ بہت دن زندہ ہوں گا۔ زندہ بھی زندہ رہنے کے لائق نہیں۔ اب اس سے دامن کھینچ لینا ہی اچھا ہے۔ خاتمہ بحیرہ ہو جانے۔ یہی آئندہ ہے ورنہ اختیار تو اسی ذات ہے ہمتا کے ہاتھ ہے۔

عطیں و ترجمہ ۱۔ شمار احمد قادری

رجب علی بیگ سرور

یہ پنہ دال چھوٹا مکرر متاں مقلد شمشکان سوا قصہ جب ملی یک تخلص مسودہ مترن حال خطابے نظیر لیدر رنگ گلشن خزان مسکن  
حمود فطال جائے مریخیزہ باشعے ہیں کے ذکی فہم قتل کتور گدیدہ اقصاف خطرات سے اس شہر کے دیکھے تیر ماہاں کی دید کی حسرت نہ ہے  
آکھ بند کرے۔ شر سید خواں بھی جس کا خوشہ چیں ہے وہ بے شک گفتو کی سرزمین ہے

سبحان اللہ بجزوہ عجیب شہر ٹوٹ ہے ہوگا کہ جو کچھ پانچ بار ہے شہر شخص اپنے علم پر واضح قطعاً ہے وہو یہ بانڈس گذرا کہ ہے  
ہو کہ کان میں ملے جتنا نیا کا ہے۔ میں اپنی خوش ملیقہ شیر مال کباب نکل نہادی جہاں کی نعمت اس آبادی کی جسکی برواس سے دل طاقت پائے  
دل منسلو ہو جائے فرشتہ کے تو سرنگی کھائی میں وہنا نہ رہی مہدی کے ہوگا ملک کاے و سرخ سرخ پیانے نہادی کا جگہ سربل جگہ شیر  
مال تنگوں کے سنگ کی نہ بھر تری ایک باکھلے کی نعمت کا رو پائے تمام ہوش پاشا رہ جائے۔ سرخوٹن کی دیکھو جتن آدمی ملک شمشاد کل  
میں ملو کہ تمام کھوے توینے سے چھندز ترے ملک سے ان کے دیکھنے سے کبھی کوئی کھلائی میاں کے کئے کھیر لگا دیہ کے کوئی منزل طبیعت  
یقوت ستانی مزہ گھر کا چھوٹو میں کس طرف یہ سلا آئی نہ گشت یہاں پوشہ کے کیلیک طوفان تغیر سرخوئی سے یہ دیکھو کیا کہنے ہولی شمل میں  
بچا چکر ہر دم پریم بھری کھنکی کا نہ کلا مہا لگو کر کلا۔ میرے جہد کلا ہے۔ کھیر ہونے سے آدمی میں کھرا لال ہے۔ مروتا نش بین کے واسطے شہر خواد  
ہے جہاں ہر کلا سے ہے بیکوار لگا شہر شکل کندہ تراش ملوان حجاب سے جاتے شہر سے میں چلا وضعہ لگے صبح و شام وہ بہر نظر  
آئی ہے کہ شہر ادھار بندس کی سر بھل جاتی ہے شہر نہیں مجھے میں سر ہر کلا لال یہاں حاصل ہے۔

مذکورہ بیان خلافِ عدالت و شرع ہے۔ چونکہ اس میں بڑی سخی و جناب تھا اس لئے شکر و حمد و ثناء کے لئے اس کا احوال مکمل نہیں کیا۔ یہ سب غرض سے اس کے احوال کے لئے تھا۔ اس لئے اس کا بیان نہیں کیا۔

حسب قضا ایک دم چند دست سادقہ ان صفا کیش در افق با ہم میشتا تا مگر تیری زندہ ہوا نہاد کیوی ملک سفلہ پدید  
لاؤ خواہد سے ملال ہیں نہاراں جو اندوہاں سے اوجہاں دانکارہ صحر و دہلیس تھے دل گرفتہ سین پیش دل و اس تھے نہیں نہ ملک  
جمہر کم تر پاس بیٹھے ہیں غریب فقیر سے یہ بننا بلاناہ جانے ترک کیا کہم فقیر سے

[illegible]



# دُپٹی نذیر احمد

أَنَا هَذَا فَلَا تَحْجَبْنِ عَلَيْنَا وَأَنْظُرْنَا لَعَلَّكَ الْيَقِينَا

**ابتدائی حالات** شرمیر منڈنگ کا آئندہ ہے۔ ہم لوگ بہت مزے تھے۔ نہ کھانے کو نہ دینے کو کچھ اور نہ نکتہ جس کے معنی مصیبت مند رشتہ داروں کی ہی دست کاری سے اندر میں کاشتکاری سے لگا بیٹ پائے۔ ایسی ہی صدی کے وسط میں باپ مولیٰ سلامت علی سے پہلے تھامے پر پڑنا شروع کیا۔ سب سے پہلے قرآن پڑھا۔ مگر وہی طرے کی طرح۔ میں نے جو قرآن کے اس پڑھنے کو طرے کی طرح لا پڑھا۔ کہ اس سے کوئی صاحب نہ کہیں کریں اس طرح کے پڑھنے کو نصیب وقت بچتا ہوں۔ ایک کلمہ سو پچ میں نے تحصیل علم کے میدان میں پہلا قدم رکھا ہے اس سے زیادہ ادا کیا کر ہی سکتا ہے۔ طرے کی طرح لا پڑھا۔ میں خاص کر مسلمانوں کے بچوں کے لیے فائدہ مند ہے۔ قرآن کے پڑھنے سے حروف عربی کے تار و پاز کی زبان کو مٹی ہے۔ جو اس کی جگہ ہے۔ ہر کلمہ میں بڑے علاوہ بڑی صوت کے ساتھ اس کا احسن کرنا ہیں کریری تعمیر کر کے شروع ہوتی۔ اس کے بعد میں نے خدای کی مثالوں کتابیں پڑھیں۔ اللہ سے پڑھیں۔ میں نے چاہا۔ وہ کی تیرا آئے ہیں۔ بھلا کر خدای کی کتاب کے اہل صدی کی تعلیم میں ہم کی کجایا کرتے۔ اس کی کو ادنیٰ لکھتے ہیں۔ خدای کی کتاب کو اب پیٹ بھر کر چھوڑا ہے۔ کہ جو تیرا ادا باندا اللہ محمد ہستی اللہ نوش کہ ادا ادا کی طاعت اللہ بیا اللہ خالق و دہرہ و ملوک و زیر کے ائمہ سے اس کو چینی بھرا کہ اب کتب ہرگز ہاوا میں کریں نے حق تو خدای کی طرح ہے۔ اس کی پڑھی کہ جو کر دے گا اس کی ہی نہ تھا۔ سارے پڑھی تو اپنے والد سے پڑھی۔ اس کی تعمیر تیرا حق خدای کی طرح ہے۔ کہ ہر کلمہ

ہیں مدرس سال ہی معنی خلق شدہ کلمات تانی کہ ہرانی است باد نمان و باد نمان ہرانی

اب ادا اللہ کہ پہلے کہ جو کر اس کا لالہ تیسو ہر کہ خدای قابل الیقین کر گھر میں اپنے کسی جہد کی تعلیم ہے۔ بشرطیکہ رنگ ضابطہ کا اللہ مستوفی کے معنی است۔ بھلا ہر دورہ و تیرا تعلیم اگر ہم نہ رسد۔ بل کر صرا اللہ علیہ صحت اسلام و جہد۔

**تعلیم** میرے والد مرحوم کا ارادہ تھا کہ وہی مدد روی ہلنے کا قصد میں کے لیے لہو کی حالت سادہ و سخی۔ مگر انھوں نے علی خاق میری طبیعت میں پیدا کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کر یا خا کہ میں بڑا ذہین خلق قلب قلب اسی خاق کے ہوتے معنی علم کے کہ ہے۔ اللہ کسی سادہ معنی کی صورت نہیں انھوں نے بھلا کر اپنی سر پرستی سے ملایا۔ کہ جب بروی خواہہ خلق صاحب مرحوم و دختر کے پیدا کر دیا۔ یہ کہ میرا خالق ہے۔ ان دونوں بھلا کر میں نے اپنی کلنگ تھے جو روادار نہیں۔ و طبیعت میں نہیں بھلا کر میں ہے۔ جہد و شجاعت۔ حکمت و علم و تقویٰ میری شجاعت۔ علم و ذہنی شجاعت و تقویٰ۔ انھوں نے نہ توئی صاحب کے سارے ایک شخص میں تھے نہیں۔ دیکھیں اس کی طبیعت کے اعتبار سے نہ توئی صاحب کے علم و ذہنی تعلیم کے بھلا کر ایک ہی صفت بھلا کر اپنے ساتھ ہے۔ رہتے تھے۔ ہر وہاں ہیں۔ دلوں کے ہاں۔ نہ توئی صاحب کے ہاں۔ اس کی مدد روی میں نے پڑھی

ای جہاں میں طرب بہ کثیر اُن کے مرنے کے بعد ہمدی تو زخمی کا نر اجاتا رہا۔

انہنگ آبادی سید مولویوں کے ایک خاندان کی ذریت میں تھی۔ ان میں اخلاق عقائد کی وجہ سے دہائی اور دہشتی دو گروہ تھے ایک دیگر گروہ سید کے طالب علم بھی ان دو گروہوں میں منقسم تھے۔ میں تھا رکابی مذہب بدر کچھ حق دیکھتا تھا اور صریحاً ہر دہائی میں نصر اللہ خاں صاحب نے دیکھ کر ہلے تھا۔ ان دونوں کی عزت سے میرے دل میں ایک طرح کی جنگ مانی اور نفرت پیدا ہو گئی تھی۔ یہ دیکھ لیجئے کہ کچھ جتنے طالب علم مولوی کی سرکردگی میں تھے۔ مولوی ان کی تہذیب کا دشمن اور تھا۔ جس طرح بعض مولوی نام کے مولوی تھے۔ اسی طرح بعض طالب علم نام کے طالب علم تھے جنہوں نے پیٹ بھرنے کے لیے گواہی کی یہ شان اختیار کر رکھی تھی کسی کا منہ لہجہ جس کو بچپن میں سنا کرتے تھے ہادیوں سمجھتے تھے کہ مولوی بہت ہی شریفوں پر وقت ہے۔ سات سات گنیں ہوں تو لاؤ گا بٹھا ہے۔ میں یہ کرنا شروع کر دیتی ہوں گا کر پڑھنے۔ اساتذہ شیخ ہر دل میں ناکر کہتے۔ مجھ سے کہوں کہ ایک وقت لے کر فراغ خاطر ہو کر پڑھنے پڑھنے میں کسی طرح داخل نہ واقع ہو، جو کتاب دیکھ کر دل میں وقت جلتے خواہ ہے کہ تھی شرارت کا کچھ جو ہر ایک کو نصیب نہیں ہوا کرتا۔ مجھ کو تو کسی مولوی نے داپ پڑھایا اور دہشتے دیا۔ تاہم میں نہیں بچایا۔ بہت ہے شکایت تو اس کی ہے کہ پڑھنے بھی نہیں دیا۔ بعض طالب علم دہشتی ہر کے اندھا نہ مجھ سے ملے میں نے ان کو علم کی طرف



آپ جتنی غبر، غمزد

[illegible][illegible]

وہمق ہندہ دانش

پارہے بدلتے رہے

اب ترانہ گزری کا اس قصہ وہ ہر ایک سے کہہ کر لکھادی مدارس کے طالب علموں میں خود بیرونی طالب علموں میں کسی طرح کی حالت مشترک باقی  
نہیں رہی کہ ایک کا دوسرے کے ساتھ متعلق کیا جائے مگر میری طالب علمی کے زمانے میں عربی ایسی کسی جہ میں نہ تھی اور دوسرے اور دوسرے کے  
عربی خواص طالب علموں کی ایک طرح کی مناسبت قائم تھی اور کہیں کہیں وہ دونوں گزریوں میں متحدہ بیٹے بھی ہو جاتے تھے، شہری طالب علم استعداد کے اعتبار  
سے ہم لوگوں کو بہت زیادہ نہیں سمجھتے تھے اور اسی میں ہی دوسرے لوگ شہریوں کی ٹھکر کے نہ تھے۔ درجہ کیا کہ شہریوں کے پاس سے دسے کہ ایک عربی تھی  
اور وہ بھی اختیار کی تھا، یہ ایک حد یہ لوگ مطالعے کے بڑے دماغ تھے، خاص فرخندہ فرشتیں تھیں جن کو کتب کو سے کر بیٹھے اس کی سیاسی رنگ چوس گئے  
تھے۔ یہ وہی تھے ان کا ایک مسووزر مسدا کا تھا۔

یہ کہ دل و غیو کنند دل بگردانم      کہ ہر مانع مانع شد چہ کہ با ختم  
 ہر مانع مانع شد چہ کہ با ختم      کہ ہر مانع مانع شد چہ کہ با ختم  
 کہ ہر مانع مانع شد چہ کہ با ختم      کہ ہر مانع مانع شد چہ کہ با ختم

چہ کہ کہنے کے بعد بدست معائنہ کے پر مشیت میں منتظر ہو جائے کہ اگر کوئی ایسی بات ہو جس سے اس کے دل میں شک ہو جائے  
 تو اس پر اس کے دل میں شک ہو جائے۔ لیکن اس کی ایک کتاب میں اس پر یہ فقرہ لکھا ہے کہ اگر کوئی ایسی بات ہو جس سے اس کے دل میں شک ہو جائے  
 جو اس پر اس میں شک ہو جائے۔ لیکن اس کی ایک کتاب میں اس پر یہ فقرہ لکھا ہے کہ اگر کوئی ایسی بات ہو جس سے اس کے دل میں شک ہو جائے  
 کہ اگر کوئی ایسی بات ہو جس سے اس کے دل میں شک ہو جائے۔ لیکن اس کی ایک کتاب میں اس پر یہ فقرہ لکھا ہے کہ اگر کوئی ایسی بات ہو جس سے اس کے دل میں شک ہو جائے

لیکن یہ دیکھا جائے گا کہ اس حیرت انگیز ہدیہ حیات کی کہ جسوں کے گھر پر ہر اس اندیشہ کا فیصلہ کیا جاتا تھا خاصاً اس کا فیصلہ کر کے کہ  
عربی و رومی کی خانی کی رہائش اندرونِ قریس میں کس طرح بھرت میں بیٹھیں سنا تھا۔ پس جب کہ اس عجب و جگہ پر آتا ہے میں اس کے لیے کافی  
سے جرح کہ بہر کی پڑھائی کا شکر گزار ہوں مگر یہ شکر یہ کہ کافی کی ایک طرف کو لگا رہے۔ کیوں کہ کافی کا فیض مجھے ہمیشہ دماغی زندگی میں  
کس طرح بے شک جہدی رکھ رہی نہیں سنا تھا۔ اگرچہ کافی نے عربی میں میری کافی مدد نہیں کی۔ مگر یہ ہے مگر سچی کی وجہ سے میرے سانس کو شرق  
سے نہیں پڑا لیکن صحت کی دست دہانے کی آزادی، تاریخی اعتبار سے، گزشتہ کی ایک طرف سے، اقتصاد میں، اہمیت پر، چڑی جو تسلیم کے عہد  
تھا۔ میں اندر حقیقت میں شرط زندگی ہیں۔ ان کو میں نے کافی میں سیکھا اور حاصل کیا اگرچہ کافی میں نہ تھا جتنا کہ میں بتاؤں کیا جاتا، مگر  
جتنا تک خیال، منصب، اکھنڈ، اپنے نفس کے اقتدار سے خارج، درمروں کے عجب کا تجسس پر مبنی۔

ترک و بیابانم آفریند و یقینیم و غله انداخته

کمال، مسالوں کا نام و صفت، تقدیر، وقت کی طرف سے انعام ہوا۔

اس زمانے میں سید احمد خاں غازی جماعت میں، فتنی ذکاوت اللہ صاحب کی جماعت میں اور ہمارے والد انگریزی کی جماعت میں پڑھتے تھے۔ میں عربی کی جماعت میں شریک ہوا۔ ایسا کہ شرق و درگاہ پر حاضری دے کر شیبا یا تیسرے ایک مکتون اور وہ بھی ایسا جس کا بچے کو بھی سے شرق و درگاہ پر بھی دونوں میں اپنی سب جماعت والوں کو دیا۔

[illegible]







میں سے ٹیکہ لگا دیا ہے۔ فرق لکھا ہوا ہے کہ میں نے اس کی پیداوار کی بدولت دولت مندوں سے خدا بھرپور نیک لڑکے میں کیے گریں اپنی قسمت کو دوتا تھا۔ کہ  
اپنی جتنی بات کر کر لی وہ سب اس حوض سے ہی تھیں کہ تھے۔ لوگ بھی کہتے ہیں کہ کتب کے نوشتے میں ہی کی عقل چرچنے میں ہر اتنا وقت لکھا میں  
موجود ہوا کہ اس کے اعتبار سے میں اس کو رحمت تقریبی سے تعبیر کرتا ہوں۔ میں جس وقت میں نے کئی چھوٹا حوض لکھا ہے کہ کئی کئی بار تھے۔ یا پھر کتب کے  
دو ہیں کہ یہ میں شاید مشکل سے دو دو لکھا ہوا ہے ہوں گے باقی سب جمل لکھے۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ مصلحت کی قوت دست برد نیساں سے  
محفوظ رہی۔

تو ہمیں توڑ دھلکا کر بڑی کادشس سے اسم کو میں نے ترے کندہ کیا ہے اس میں جب خدا کا شکر دانی صاحب کے یہاں چچی تو میں حدس ہیں خدا غرضان ہو چکا تھا بتر سے بہتر مکان پہنے کو کمریل صاحب کی خدمت میں کو گھوڑے ٹر سواری کو دو دن وقت صبح سے عہدہ کھانا دانی صاحب کے سر کیلیک پنجاب کا تیسرا چکر کرنا بند تھا چرچے میں گورنر نے پاتے تھے کہ میں نے کوئی دودھ میرا شہر تسلیم کے حکام کو حوض میں دلائی شروع کیں تاکہ نھر کو ان اطراف میں کہیں بگڑن ہلنے بارے ایک دم سے (دعا ۱۰۰۰) تھے صاحب کو کالی کی تردید کے حال حدس اندک کا یہ دل اس امر کو کہ کوئی نپلڑی میں نے آئندہ کی تو قعات کے لادنے کو ڈیٹی اسپیکر کی قہر کر لی۔ جہاں جاتے جہاں کا وہیں پڑے سو کا کچھ کی حدس کا ساتھ حال نہ تھا کہ منڈوں کے شیشے کے کڑا ڈیگر میں بھی گریب قریب جہاں آتش دلا رہے زکا کو تو پتہ نہ تھے پھر اتنے میں تو

یاران سہل امروزی گردنہ عشق

خدا کا وقت آیا میں نے مشیت کا شہرہ بندگان کی لڑائی کا اور کس پر خدا جیتے کے لئے چڑھ گئے خدا کے دنوں میں جب بائیسوں نے  
 وہاں کے سولاری میگزین کو کوٹا اور شواہد بازاری لوگوں میں کٹر کرانی بچا ہوا۔ جو کہ ان کی تہذیب و تمدن، پنجہ، ازار اور دے گیا ہے ہر  
 محلہ میں پانی کو شہر کی مشہور مسجد قس میں بیت سے مجاہدین ابھرے تھے۔ ان میں اکثر باہر کے گمراہ تھے اس خدائی لشکر کے۔ یہ کدوٹ سپاہیوں کا  
 حال یہ تھا کہ خداداد بنہدق چوٹا کسکا پھولوں کو بھرنے کا طریقہ بھی معلوم نہ تھا۔ ان لوگوں کی بڑی بڑی جماعتیں وحدا کرنے کا تھیں۔ شام کو فتح  
 پھر لوہے کے اندھیری دھماکی کی فتح ہوئی تھی، وہ چار دوسرے باغ اعلیٰ بھی جیتے لوگ ہنسنے کو ڈالی ان میں زخمی ہوئے ان کی بڑی تعداد و عزت ہوئی  
 گمراہ ڈالنے کے ذریعہ نہیں ہوتے تھے اس طرح ہر کہ بنہدق بھرنے چاہی شفا ایک پانچ ڈیڑھ اعلیٰ انھوں نے نامہ انیت کی دہ سے  
 بھر دی ایک باشت سراباشت اور ہر چار کرنے سے بنہدق چھٹی اور ہر چھٹی تھی۔ اپنی ہی طرف کے وہ چار دوسرے چہدہ، جس کا وقت آگیا  
 وہ لگنے بنہدق اپنے فرسے سے دھابوئی یہ مجاہد انھیں دس کر گایاں دیتے کہ ان ایسے عیسوں نے اسی دن کے لیے یہ دھوکہ بند تھیں بنا  
 بنا کر رکھی تھیں۔

انہوں نے وہاں پہنچ کر حضرت علیؑ کے اہل خانہ کو بھی دیکھا۔ انہوں نے کہا کہ اگر آپؑ کو یہاں بھیج دیں تو وہاں سے آپؑ کی جانی گم ہو سکتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر آپؑ کو یہاں بھیج دیں تو وہاں سے آپؑ کی جانی گم ہو سکتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر آپؑ کو یہاں بھیج دیں تو وہاں سے آپؑ کی جانی گم ہو سکتی ہے۔

چونکہ اس وقت کہ یہ سب تکلیفیں ہوتی تھیں اور اس لیے کہ اس سبب سے اس شخص کے دل پر بوجھ تھا کہ اس نے





[illegible]

مسبب کے زیر سایہ حسنِ ربات چاہیے

انگریزی تعلیم

**انگریزی تعلیم** | میرا یہی باپ کا بیٹا ہوں کہ وہ بی لکھ کے پرنسپل نے برہنہ کیا کہ میں انگریزی پڑھوں والد مرحوم نے ہلکے غریب آدمی تھے مگر اپنے وقت کے بڑے دین دار و احسان کہو یا کہ مجھے اس کا سرباز، مستعد اس کا جلیب لگانا قبول کرنا انگریزی پڑھنا گوارا نہیں اندھا دہی میں انگریزی کی محنت سے جنگیں ہی ساہوکار آباد ہیں عبد اللہ خاص مرحوم اپنی دولت نے مجھے مکان پر ٹھہرا دیا۔ جلیب سیری ان کی مشترک تھی ساتھ کے اٹھنے بیٹھنے سے معلوم ہوا کہ انھوں نے آدمی کی شد بڑے علاوہ شوقیہ میں انگریزی کی تعلیم میں پال ہے۔ یہ معلوم نہ کہ میں دیکھتا تھا کہ ان کی قرآن کریم کا سامان پڑا۔ ان کے ساتھ معلوم و معلول کے پانچ بار جو کہ انگریزی میں ابھی دیانت ہے مگر وضع کار طرز ماند و دورہ اندھ ٹھکرے کوئی جان نہیں سکتا کہ ان کی انگریزی سب سے غلطی ہے۔ عبد اللہ خاص نے وہاں اس کو میں نے بڑی وقت کی نگاہ سے دیکھا یہ تھی کہ مشہور کے فضلہ جو آج تک میں دیکھتا تھا۔ وہ اب تک پڑی ہوئی تھی۔ سنو دیکھ کر ہادی تھی توجہ لوگ نا کر دہ گناہ دشمنوں کی عمری پڑا



ہی نہیں ہی مستحق ہونے کی دے پندھی ہوگا اور جیسے ہی میرا صاحب انگریزی دہیں گے تو میں کیا کچھ نہ گا اور کیا جواب دوں گا۔ ایسے  
 خیالات نے مجھے رات بھر میں رکھا۔ اگلے دن زبیں دیکھے کہ کوئی دھڑا ہوا کی کرٹھی صاحب مجھ پہ کھڑے ہیں۔ جانا پڑا کرتے بھر  
 اگلے شخص کے میں نے ڈپٹی صاحب سے آکر تک نہیں دئی۔ ڈپٹی صاحب مجھے باہر بٹھا آپ اندر چلے گئے۔ میں کوئی چار پانچ منٹ کڑے ہیں  
 گئے کہ میری جی آئی۔ قریب ہلکے سام کیا۔ دیکھا کہ سخت عیدم الغرضت ہیں انگریزی کا مذمت کے بہت سے بڈل سامنے دھرے ہیں۔ سر جھکے  
 دیکھ دیکھ کر انہیں پہلے سے کچھ کھا اور ملک رکھ دیا۔ مجھے سوام کرتے کوڑ کیا دیکھی ہوگا۔ گریمری آہٹ پا کر مجھے تجھے اردو میں پوچھا کہ علم کس میں حاصل  
 کیا؟ عرض کیا کہ ای کالج میں۔ آتا میری زبان سے اور نکلا کہ جب حضور نے خدا سے پہلے کالج کا لا حضور فرمایا تو میں عربی کی اول جماعت میں تھا بلکہ حضور  
 نے مجھے تیسری کئی ایک تھیرہ میں پھونکا کرنا تھا۔ میں نہیں کہ سکتا کہ سروریم ہونے میری اس بات کو زور سے سنایا نہ سرنگر سامنے گڑ  
 کی تھیں ڈپٹی جی اٹھا کر مجھے دی اور فرمایا کہ میں سے اس کے ایک چہرہ کرنا کر کے آتا ہی کے دن اسی وقت مجھ کو دیکھا جانا۔ اس کے بعد ڈپٹی صاحب  
 میری دونوں رخصت ہونے میں ڈپٹی صاحب مجھے خوب اٹھے انہوں نے مکان پر پہنچنے کے ساتھ میں تو سزا باندھ کر تہجے کے پیچھے پڑا ہوا  
 سا چہرہ CHAPTER متکب کیا الفاظ کو دشمنی میں دیکھا اور مطالعے کے اندر سے مطلب سمجھا پھر ترجمہ کا نسخہ کا نواہ تھا۔ میرا دوسرے میں دن پہلے  
 میں نے اس قدر جو ڈپٹی صاحب کے پاس بیٹھا دیا کہ میری ایک تقریر دیکھ لیں۔ یہ ایسے جہاد کہ اسی وقت میرا صاحب کے پاس نے دوسرے انہوں نے  
 دیکھ کر پسند کیا اور فرمایا کہ نذیرا تہرہ کر کے اور دقا دقا تو صاحب میکر ڈی کو دیکھا تا ہے۔ ڈپٹی صاحب نے کہا کہ وہ سر مستہ تعلیم کا لازم ہے  
 اور ان کو دوسرے میں رہے۔ اسی پر میرا صاحب نے باؤٹیو پر شاہ صاحب کے نام ایک چٹ لکھ دی کہ نذیرا تہرہ کرنا تم ٹیکس ایکٹ کے تہجے  
 کے لیے اس کام سے سبکدوش کر دو۔ یہاں کا تقریریاں چھوڑا۔ یہاں سزا باندھنا تہجے کا بیان۔ میرا صاحب نے جو دن منظور فرمایا تھا میں نے ایک  
 دی پتے ڈپٹی صاحب سے جا کر کہا کہ اب کل مجھ کو لے چلے گا۔ ڈپٹی صاحب نے مد کے پیچھے ہر کر فرمایا کہ مجھ سے جو نذرانی ہونی تھی۔ میں نے اس کا  
 نہ دیا۔ اب تم ہاؤ اور میرا صاحب مانیں۔ میں نے بہتری ہی منت اور حاجت کی انہوں نے میرا صاحب تک پہنچنے کی مالی ہی نہ بھری۔ یہاں  
 تک کہ میں ہی کے دی میں نے مسج سے جا کر دھڑا دیا پھر میں وہ انگامی کہتے تھے۔ جب مجھے خوب نزع کر لیا اور میں دھڑا سا ہوا تو زور دیا کہ  
 حاضر میرے سامنے نہ لانا۔ اسی میں میرا صاحب کے دشمنی چٹ باؤٹیو پر شاہ صاحب کے نام تھی کہ نذیرا تہرہ کرنا تم ٹیکس ایکٹ کے تہجے کے لیے اس  
 کام سے سبکدوش کر دو فری میرا صاحب تہجے کے کام میں مشغول ہو گیا۔ آدھا ترجمہ کر چکا تھا کہ باؤ صاحب آدھے اور میں ان کی پیشی دوستی میں  
 ترجمہ کرنے لگا۔ اس سے مجھ کو بے دلی کی ہوئی مگر ڈپٹی صاحب نے سمجھنا کہ میرا صاحب اور صاحب تم کو جاب چکے ہیں۔ ان کا اتنا باخا تھا سارے لیے  
 میں کہ ہے۔ ڈپٹی صاحب تم سے کیے ہونے میں باؤ صاحب نے تو کچھ تعصبات نہیں کیا میں نے کہا ایک نقطے کا بھی نہیں۔ ڈپٹی صاحب جس تو  
 دلی میں آئے کی تہدی کر دیا کہ کچھ شفقت سے زیادہ پاس دیا اور اللہ عزوجل پر ہو کر اور باتیں کہتے رہے جیسے اُن کو میری آئندہ ترقی کا اذعان تھا یہی  
 ہے۔ عود و جہاں مقامی دستہ پر حفظہ ٹیکس ایکٹ کے ترجمہ پر تو اس کے سارے قابل مغفرت مرتب ہوئی نہیں کہ باؤٹیو پر شاہ صاحب نے  
 صاحب کے پاس میرا کہا جانا کہ نذیرا تہرہ کرنا کہتے تھے ان میری انگریزی کو اس سے بہت ناگوار تھا۔ میرا صاحب مجھ کو عربی کی تعلیم دانی  
 پڑا کر ٹیکس ایکٹ کے ترجمہ کا کام ہی کر میرے پاس باؤ صاحب نے کہا کہ میں نے تو صاحب سے ملگ کہ دھڑکے کئی مرکزہ ترجمہ کیے  
 اور میں باؤ صاحب کا جہاں کہ ترجمہ لکھ رہی تھی اس کی غریبی میں شیک ہو گئی اور مجھ کو لفظی اور قافیہ بندی اور جہاں اللہ استعانت

اور خیرات کے بہن سار میں شکر و شجاعت میں اعلیٰ صاحب کا شکر ادا کرنا چاہیے جس نے اس کو اس قدر شکر و شجاعت سے  
 ل میں پروردگار کی تعریف اور اس کے مقابل سرور و جلال میں شکر و شجاعت سے لیا ہے اور اس کی تعریف میں اس کا شکر ادا کیا ہے۔

### ترجمہ تعزیرات

اس طرح ہر کوئی کے نفسی طاقت اور تہجے کرتے پھر یہ شکر و شجاعت صاحب کا شکر ادا کرنا چاہیے جس نے اس کو اس قدر شکر و شجاعت سے  
 اور اس کی تعریف میں اس کا شکر ادا کیا ہے۔ اس میں سب کے بعد ترجمہ اصحیٰ ختم  
 کے لیے ملاحظہ فرمادے گا۔ تب کہیں جا کر وہ ٹھکانے سے جیتا ناٹ صاحب مولیٰ مرانی اللہ سے کے لیے ہند پر سے اترے  
 الیاد پہنچے میں ابھی ہند مشورے کی دیر ہے کہ یہ صاحب کی چھی میوے نام آئی کہ صاحب مروت دونوں آنا ہو ٹھکانے پر تیار رہے چلے جائیں گے  
 حضرت شاہ کرم بخش ان کے ساتھ مجھ سے آگے چلے جائیں گے میں چند دفعہ تعزیرات صاحب کشر کے بیان الیاد و شہر میں گھر تم کچری کے وقت  
 میں حضرت اللہ کا ترجمہ سنا دیا کہ ناچنا پڑا صاحب ان سے بھی اس کے لیے کے مطابق ہر دفعہ جانا اللہ میں طرح حاکم کے سامنے رہا  
 نواں جرتی ہے منشی حضرت اللہ کا ترجمہ مروری کرم بخش کا بنایا ہوا ریہ صاحب کو سنا کر چا آریہ صاحب جگہ جگہ کرتے اور کہیں کسی ناخوشی میں  
 ہوتے۔ مجھ پر نہیں ستر میں پر ستر و تہجے و وفات کہیں میں چلو گئے ہیں پاس پر ہیں۔ مجھے ہوتا تو آنا تھا کہ ترجمہ کسے کوئی اور یہ باتیں سنے کوئی  
 ٹھکانے میں یہ ضرور سنا گا کہ وہ آدمی جو اتنی جرات کتا تھا باہر تو پاؤں کی کتا تھا۔ جو اعتراض کرتا تھا وہ اٹھائے و افشا تھا۔ یہاں پر اس نے نہ سنے  
 کے اگر یہ غضب کیا اور مدد جتھتے تھے تو اچھے مدد کو دیکھیں مگر ترجمہ کی غلطیاں تھکتے تھے کہ وہ دلی دلوں کے کان پکڑا دیں۔ میں نے بھی ترجمہ دیکھا  
 اور اتنی کچھ بکھڑا کھڑا اسٹوم ہوتا۔ میں نے طبعی کی کہ ترجمہ احمد تو میں تم ٹھکانے کی میدان میں کہیں نہیں آجانا ابعد جانا ہے۔ فارسی جانتا ہے۔  
 رہا جانتا ہے۔ کہہ ڈی پوری انگریزی میں جانتا ہے۔ ان لوگوں سے اچھا نہیں تو کم سے کم ایسا ترجمہ تو کرے گا۔ میں تین چار دن تو یہ صاحب  
 اٹک ڈھک دیکھتا رہا کہ کچھ ہوتے ہیں وہ کس تکھے میں جب اس کی انگلی لگی تو میں سادہ پیر کی رائی و کشری ہال سے خرید لایا۔ رات کو لیپ  
 ہا پکڑے۔ انہر۔ ٹھوٹ بانہ۔ ترجمہ پہل پڑا۔ جن وفات کا ترجمہ دوسرے دن چلی ہونے والا تھا ان کا ترجمہ خود کو ڈالا دوسرے دفعہ ترجمہ جیب  
 میں ڈالا دفتر پہنچا۔ ڈاکٹر صاحب نے مجھے چایا اسان لوگوں کے ترجمہ کو کسی کو دہی گڑ بڑ شرواح کی خدا خدا کے شکل اُس میں ہوئی۔ میں نے  
 مار کتر میں بھی کچھ مرع کہ نہا ہونے ہے۔ کہ اچھا کہ میں نے جیب سے لاندھا وہ مجھے حسی ہے۔ پتے کہ ہاتھ جو حایہ میں نے کہا مرنے میں ہے  
 کی وفات کا ترجمہ میں نے کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب یہی کہ اچھل پڑے کھنے گئے تھے تھے؟ ترجمہ کیا ہے؟ تم کہہ ڈی پوری میں اکی پھر  
 جگہ کچھ کیا۔ میں نے کہہ ڈی پوری و کشری سے انھوں نے ہنس کر کہا تعزیرات کا ترجمہ دیکھو دیکھو میں نے کہا کہ میں نے کہا کہ میں نے کہا کہ  
 ہاتھ میں لے کر چلا تو صاحب ہا دیکھا انھیں میں نے کہا کہ وہ گئیں۔ کھنے گئے یہ ترجمہ نے دیکھا دیکھو دیکھو میں نے کہا کہ میں نے کہا کہ میں نے کہا کہ  
 ہاتھ کی ہمارے وفات کا ترجمہ کہے ہاتھ میں دوسرے دن لے کر گیا۔ بہت پسند کیا اللہ کا کہنے پہلے ہی کہیں نہ کہ کوئی ترجمہ کر سکتا ہوں۔ جو  
 واقعہ دیکھ مٹائی کر لایا۔ ہاتھ میں ان ترجمہ کہنے میں شریک ہو جلاؤ۔

رہ صاحب نے ترجمہ ترجمہ سے لیا اللہ صاحب کے نام کی ایک چٹھی میں سے جو نے کی کہ میں ہی ڈاک میں ہندی پہنچ کر یہ چٹھی  
 صاحب کے پاس پہنچ کر یہ ایک کہ میں ہی ان کے چوتھے دن صاحب کے کہ میں میں ہوں کہ میں ہندی پہنچا

مجلسِ محنت اعلیٰ درجہ کی مجلس کے ساتھ ٹائٹل اٹھائی ہائیٹی میرا منصب کرٹیز (CRITICIZE) میں نکتہ چینی تھا۔ میں نے اسی مجلس میں صاحبِ درجہ صاحبِ مدون کی نظر میں آنا اعتبار پیدا کیا کہ ترجمے کے ختم ہونے کے بعد میں بھی محنت اعلیٰ درجہ کی مجلس میں کر دیا۔ میں نے پانچ چھ سو کی میٹنگ کی تھی۔ مجلس کے دیکھنے کے اندام اور حلقہ گرد نشست وایت سے گنہ جو گنایا اور ڈیٹنگ کی کے لیے جوں کو کیساں نام لود کر دیا۔ اس کو جو ہر کچھ رکھ میں نے لکھ لکھ کر محنت کی نوکثر کے یہاں ترجمہ چھوایا۔ میں نے مذکور کس بنایا۔ میں نے وضاحت کے خلاصے لکھے۔ میری اس کامیابی سے میں تو جیسا کہ مہرے دہشت احباب سبھی خوش ہوئے۔ لیکن اردو کی خوشی خالی خوشی تھی ہاں کھڑے وہاں اگر جو میں صاحب کے مہم کو لیتا تو انھوں نے کہ تم نے بڑی دیر لگائی کا بعد میں ایک تفصیل داری خالی ہونے والی ہے۔ میں نے تمھارے منتقد میں اس کو رد کر رکھا ہے۔ ڈیٹنگ کی فہم و گون کے لیے کی ضرورت کی گریز سے نزدیک ہاں ہاں چھوٹا چھوٹا۔ اور میں میں مخترب لکھری پر چلنے والا ہوں میں نے سر ہاں۔ کھڑا رہا یہ گزشتہ کا دوزخ و انداز نیست و حبیب آیا تھا۔ دیسی و صاحب سے چھٹی سے کہ لا پندر کو روٹ گی۔

### تفصیل داری

تفصیل داری ہرگز سائنسی علم دریاؤں میں تھا اس کو چھ سے نا بد۔ علموں پر اپنا وقار قائم رکھ کر کام سے آگاہی پیدا کرنے کے لیے لکھ کر قانون اور ادب و ادب نامہ اور سر کرا اور دستور اعلیٰ اور مشن کے دیکھنے میں طالب علموں سے بہت کرنی پڑی اور شلیہ کا ردائی کے لیے میں اتنی محنت میں ذکر تفصیل و ادب کے امتحان میں تین چار بیٹھے اٹی تھے اور میں جدید الفہرست ہونے کا طرہ کرنا تو ضرور پڑا بھی ہوتا مگر میں نے کہا کہ بری دوزخ کے ڈر سے میں بے۔ میں نے جان تو گرا میں محنت کی دوزخ کے کام کو میں پسند نہ دھونے دیا اور ساتھ کے ساتھ امتحان کے لیے میں تیار کر رہا۔ اس محنت کا نتیجہ ہر اک ساتھ کے امتحان دینے والی میں سب سے اول رہا اب یہ وقت آیا تھا کہ میں دن بھر کا دیکر لکھنے جیسا تھا بچا کرتا گروہ جو کہتے ہیں کہ کام کرنے کو کام کی کی نہیں آتی ہی دونوں ایک ۵۰ سالہ جیسی کا اردو ترجمہ مضابطہ و جاری کرڈنٹ گزٹ میں شائع ہوا اور دیکر مضابطہ گزٹ قانونی تعزیرات جن کا مضابطہ چھوٹا تعزیرات ہو کر میں دیکر مضابطہ کا ترجمہ کرتے مگر کسی کو اس کا خیال نہ آیا اور مشر ولسن (WILSTON) مترجم کوٹ نے اپنے طور پر بلا لا تعزیرات ہند مضابطہ کا ترجمہ کر کے شیعہ گزٹ میں چھپوا دیا تو تعزیرات ہند مضابطہ میں اختلاف ہوا ہی چاہیے اور ہر اچھی۔ میں نے میرا نادر علی خاں ذوالفقار کے ذریعے سے بہت گزٹ کے کارڈنگ پہنچائی۔ اس وقت میں گزٹ میں نے فروگناشت کو تسلیم کیا اور آخر میں مضابطہ کا ترجمہ دست کرنا پڑا عرض تفصیل داری کا اندازہ دہرے سے متوازن تھا۔ کام سے آگاہی پیدا کرنے، بکا آدمی خدمت اور مضابطہ و جہداری کی اصلاح میں مشغول رہا۔

### ڈیٹنگ لکھری

ڈیٹنگ لکھری خود ڈیٹنگ ہے میں کا ایک ایک پرگن آبادی امداد گزاری اور وسعت رتبہ میں ہٹے ہٹے اصلاح کی ہر گز نہ ہے اور شدہ بقدر کم جیسا ضلع بڑا ہے۔ دیسی ہی دلی۔ نو جہادی کا معمولی کام بہت ہے اور بندہ بہت اس کے علاوہ کثرت کار دیکر کہ گزٹ لکھری تو کسی گزٹ میں ہر گز نہ ہے۔ اس وقت میں محنت کو کہ کام کو امرت و بغر وادار گزار پڑا ۵۰ سالہ مرے کہ دے شاہ۔ کثرت کار کے علاوہ ایک صحیح ڈیٹنگ لکھری کے امتحان کی آمد تھی لیکن محنت میں خدو نے برکت دی ہے۔ دلی بھلا کام کی آمد میں میں رہا مات کو امتحان کے لیے لکھری لکھری گزٹ کی۔ اسے تمام پرنسپل اور وکیل اور جہادی دلی دلی میں میں مائل رہا اور بقیہ امور امتحان کے چھپائی پائی۔ اس کے بعد میری دلی ضلع جالون میں ہو گئی۔





میں نے کچھ عرصہ تک غور کیا۔ کہیں تیرہ لگا۔ چار میں نے ہر ایک کے مناسب حالات آپ کتاب میں بتائی شروع میں بڑی دلی کے لیے مرآۃ الع  
چھوٹی کے لیے منتخب المکالمات بشیر کے لیے چند ہند۔ یہ نہیں کیا کہ کتابیں سالم کھڑی تب چھائی شروع کریں۔ نہیں جگر کتاب کے چار چار واپس  
پانچ صفحے کھو کر ہر ایک کے حوالے کر دیتے۔ غرور بچوں کو ایسی بیانیوں کو جس کو پادھن کے پڑھنے کی طاقت تھی وہ اسے صفحے کے لیے اور جو  
کی ایک صفحے کی استعداد تھی وہ مدق کے لیے مستحق تھا جب دیگر ایک ایک ذایک متقاضی ہے کہ میں ملحق کم رہی ہے میں اسی وقت تمام راجش  
کھڑا کر تھا ہر ایک کتاب کا پتہ لگانا پڑا ہوا۔ لکھنے میں تو کیسے صاحب ڈاکٹر کراؤت پہلے انٹرکشی وودہ کرتے کہتے صفحے کے سید کو اثر  
ادنی کے ہائی میں فروکش ہونے شام کے وقت مجھے کے باہر درختوں کے تلے ٹل رہے تھے کہ بشیر ہاگن پر سرور و تہی آدمی ساتھ لیے اور  
میں نکلا صاحب کو دیکر ہانگی پر سے تر سلام کیا۔ صاحب نے ہم دونوں کے بعد چاکا پڑھتے ہر، بشیر، چند ہند، صاحب یہ نام تو ہم نے پڑ  
منا، بشیر بڑی بھی اچھی نصیحت کی باتیں ہیں۔ صاحب۔ کھڑا کر وہ کتاب دکھا سکتے ہو۔ بشیر میں میں ہاگر کھڑے سے آتا ہوں۔ وہ تلے پار  
ہمدا ہی کھڑا دکھائی دیتا ہے۔ تھوڑی دور سے روٹ کر میں بڑی آبا اور چھوٹی آبا کی کتابیں بھی لیتا آؤں، وہ چند ہند سے بھی اچھی ہیں۔ بڑے مٹا  
کی باتیں ہیں۔ صاحب۔ غرور سب ڈاکٹر بشیر نے بتے کہ اب تیرہ سے لا صاحب کے حوالے کیا۔ شام کو میں کھڑی سے گھڑا تو بس جہاں لڑ پڑے تھے  
بہنوں کو کھانا تھی کہ ہماری کتابیں کیوں نہ آتے۔ میں نے ہی کو کیا کو کیا مضائقہ ہے۔ میں تم کو ان سے بہتر کتابیں بنا دوں گا۔ اگلے دن جویر  
کیسے صاحب سے آؤ انھوں نے شاید ان کتابوں کو کچھ دیکھ بھال لیا ہو گا۔ فرمایا ان کی نقیصہ کچھ ہوسن تک کا ہی پہنچا دو۔ یہاں سے ہاگر  
غصے کی صفائی میں بہت سے اجیر تھے۔ خوش خطا اد کتابیں بھی چھوٹے چھوٹے رسالے میں نے شیرازہ توڑا اداق تقسیم کر دینے شام  
شام نقل ہو کر آئے حق برٹی طبعی نہ ہوا کہ صاحب تو ہوسن تک کو کہہ گئے تھے۔ میں نے اگلے ہی دن کتابیں پہنچا دیں کوئی دو جیسے ہفتیناڑ  
کچھ کچھ صاحب کی چٹنی، آئی گر مرآۃ العروس کو کچھ کریں بہت ہی محفوظ ہوا یہ اپنے طرز قبول میں پہلی ہی کتاب ہے اور ہزاروں روپے کے  
انعام کی سزا ہے۔ اداسی طرز سے میں اس کو گورنٹ میں پیش کر دوں گا۔ ٹیلیٹ گورنٹ کے وہی سرورم ہر جن کی فراش سے میں نے انکم ٹین  
لاز جو کی قضا غفلت سے تو مرآۃ العروس کو آسای پر چڑھا دیا۔ ہزار روپے گورنٹ سے سرور و انعام دیا۔ ایک قیمتی الم میں میرا نام کندہ کر کے  
جیب خاص کے کیس صاحب نے اور پتے ریو کو گورنٹ ٹیکٹ میں چھپوایا۔ وہ جو کہتے ہیں کہ مزدور خوش دل کندہ کاری میں۔ میں نے بھی تعریف  
کا ٹڈ بکھول دیا۔ ادب بھی کچھ ہی سا ہے۔ ہاتھ کے ہتھکے کی جیسے پٹ بھڑ بیٹے ہیں۔ بند نہیں کیے۔ مرآۃ العروس کے بعد میں نے سید زو  
کا کھون کا ایک ناول بنات انش و لکیر کے لیے لکھا اداس کو میں بھی بطبع انعام سرکار میں چٹا کیا۔ ہر دو عہد نیست کو حوا غرور کے ڈاٹم ہاگر  
دو ہوسن پر بھی انعام دیا اور کچھ بار بشیر پر شاد نے اتنے ہی کی سفارش کی۔ میں اس پاس کو کھینچی پانسر کے بار بھٹا ہوں۔ صفحے حبان کا  
بندوبست ختم ہونے کو ہوا تو مجھ کو چھوڑ کر ہر بدل دیا گیا۔ بہت ہی کو گورنٹ ہاگر نام سو کو ڈیگیا تھا۔ ماس مرتبہ کام تھوڑا تھا اور تھوڑے  
دن کا بھی قاسد سے مدد ہند میں شکایت کیں جاری تھی کہ صفحے ہندی کے وقت صفحے گورنٹ میں جگہ بہت تھا اس کے  
بعد سنگاٹ سسٹر جگہ کٹ کٹ کو کافت ہو گئے۔ نیپوں کی تھان کے وگروں نے کچھ گھوڑں بایے حکام اور اعلیٰ کو کثرت کا سے  
دیں کو ہند کا مدد سے بہت عجیب ہے۔ مدد تھے وگروں کی مدد کا تمام میں شغل ہے۔ اسے ہر صفحے کو کہہ سے کہ مدد کٹ  
کو کھینچتے مستعد پیری تھان کی اس فرق سے تم کو صفحے میں کے کافت نہایت گھٹا جیکر سرکاری کام تھا تھا۔ دیا ہی ایک



اے بدستجیبیہ عربی ہاشمی

اعظم گروہ میں | اعظم گروہ کے قیام کا نذر تصنیف و تالیف کے اعتبار سے اچھا کامیاب رہا تھا جس نے اعظم گروہ میں ایک تو  
نثریہ انصوحہ لکھی۔ جو میری تعلیمات میں سب سے زیادہ مقبول ہوئی۔ وہ مذہب کا رنگ میں ڈولی ہوئی تھی مادہ  
فلسفہ کا رنگ نہشت کی طرح ڈھیلے پرانے *evolution* کے لحاظ سے تانے بکاردہ اس کو انسانی کتابوں کے شمول میں لے بھی سکتے  
ہوئے ہیں مگر کتاب کا پلٹ کچھ ایسا ہی ہوا تھا کہ فٹ صاحب کو پختہ ہی نہیں آئی۔ وہ کتب باوجود دیگر اسلام کے ماحول میں دھالی گئی تھی  
مگر میں یہ کہیں بھی کوئی ایسی بات نہیں تھی جس کو کوئی دوسرے مذہب کا آدمی دیکھ کر بڑا ہنسے اس پر میری گورنمنٹ نے ایک ہنسندہ  
آواز دے کر انعام دیا۔ انعام سے بڑھ کر ہر اک سول سولہ سو کے امتحان میں داخل کی گئی۔ میں جو کتابیں بنانا تھا صرف انعام کی سطح سے  
نیس بلکہ اس میں مجھ کو ان کتابوں کے ذریعے سے پہنچنے کی تعلیم منظور ہوتی تھی اور گورنمنٹ سے جو انعام مل جاتا تھے وہ  
میرے لکھی ہوئے۔

کا نظریں کے گہر اور ہونے کے علاوہ شہرت کا ایک ذریعہ تصنیف و تالیف ہے ادیب صاحبوں کو معلوم ہے کہ میں اس شہرت

نہ ایک تہہ نگار اور نہ کسی فینٹسٹک فنکار، چراگ کے لئے عریب اور غافل داخل تھے۔ درخت سے ریشہ بڑے کے بعد وہاں بڑا ہی خوشی کے پانچ تھا کہ اس پر صاحبِ دم سے اس کے دل کو لڑائی کا تپ پک نہ کر گئے تھے۔ انھوں نے ملاقاتوں سے دل آیت انصاف کی مگر زنی و بوی کی اور توجہ انصاف کی ایک سبب و شے سمجھ گئی ہے جس کی۔

[illegible]

دل میں کتنے مسوسے تھے وہ ایک پیش اُس کے روبرو د گیا

گو کہ سفر ہو تو کافر جبر | تمام اہل علم گروہ کی ہر بات میں سے دی وراثت وراثت دی بیٹ لٹھ (The least thought more the loose)

ایک مرتبہ کی مشہور کتاب گو کہ سفر ہو تو کافر جبر ہے یہ کتاب ایک فرانسیسی عالم نے لکھی مضمون تو سرکھ پیلا ہے۔ مگر مصنف نے ایسے دلچسپ پیرے میں لکھا ہے کہ قصہ معلوم ہو سکتے ہیں جو وہ جو سن میں توجہ ہوئی۔ پرنس سے آگے دیں۔ اب بدرون صاحب کو خیال آیا کہ اس کو اردو کیا جاتے تو کس میں ایک ہزار روپے کے انعام کا اشتہار دیا اور کہ جو شخص لکھی کریں نے اشتہار تو دیا ہے مگر میری نگاہ تو ہم پر ہے میں نے مل کر کیا کریں نے تقسیم نہ کرنا کہ مسئلے رکھا ہے اس میں میں نے کہہ کر اچھی بہت لکھ کرنا ہے۔ جب تک کہ بہت ہیں جو اس سے زیادہ فرصت نہیں پا سکتے مگر بزرگ علماء تو کیا کر سکیں کہ کچھ کہ لکھیں جدا ایتھے ان سرویسیم پر رکاوٹ ڈالو یا تا چاہے توجہ کرنا چاہے اور گیارہ تو جیسے ان میں سے کسی کو لکھنے کے بعد جس نے تصدیق کی کہ کچھ لکھائی۔ لیکن میں نے میرے ترجمے کو اب سے بستر تو مارا مگر ساتھ میں ہر نگاہ کی کاپ ٹوک (copy to the mark)

نہیں ہزار میں سے ہر دور کے قابل ہے جس میں کہ کاش کی تو ہو گیا سب کچھ لکھنے کے ہم پر چھاپا ہوں تو ہم نہیں جانتے اس قدر روایت کرتا ہوں اس مقام ظاہر نہیں کہ تہہ وہی وہ آج کا دن ہے میں فرانسیسی شاعری کے ساتھ اپنے خود پر مشتمل ہے چپ پر ہر دہائی میں لکھنے صاحب اس نگر میں پڑھ سکتا ہے اس کاپ ٹوک کے بعد بہت دن کے کان میں پڑی ہوئی تھی کہ حیدر آباد دکن میں ایرکیر جو مر سارہ راجہ اتل کے ساتھ کہ بچنے

آن قدر بے شکست و آن سال خانہ

انہم کو گھر میں ریٹھا صاحب نے فاضلت شروع کر دی تھی۔ جب اُدھر سے وہاں تک پہنچا کہ وہ شہر میں فروغ ہو گئی۔ انھوں نے پہلے  
 کوئی کیم کھانے سے دیکھا کہ کھانے کی طرح یہاں ہوتے۔ یہاں اس کی ضرورت ہوتی نہیں اور کھانے پر کام ماحول صاحب کے سپرد ہو سکتا  
 ہے۔ یہاں یہ صاحب کوئی کرینٹ کھانے کی نسبت کھانا اس میں مشق بہت کم ہے اس کام کو کرنے کی طاقت نہ تھی۔ غالباً جس المیہ کے  
 باعث یہ وہ کام اس کی مرضی منہ کرے گا۔

**حیدر آباد**  
 اس کے بعد سرحد تک لے کر کہیں آباد جا یا اور شروع ہی سے میری اتنی تھوڑی کڑی کارگیری میں ہو کر وہ بارہ سال  
 چنانچہ نصیب ہوئی اور تھوڑا کے علاوہ لکھنؤ، برہنہ کی ایک تھوڑا قرآن کے حصصائی تھی۔ میرے بیٹے ان کے کام کرائے  
 دین کو ان کے مہارت کو بہت

کہ جہنم دشمنوں کے لئے ہے

موت خاکی مرئی قہر کیا یک سزا دل و بدسم دیا، ملک ہے غیر از ان سے آشتی استور و راج سے، ہر تہذیب مرگتے

کے ساتھ مشق کرتے رہے۔ اس کے زور و محبت یہ ہے کہ یہاں نہ کوئی فرق ہے۔ حدیث کے ساری حکم کی غرض نہیں تھی بلکہ تو غرض کی تھی  
جس میں بات مسموم ہوئی تھی۔ یہاں نہ کوئی فرق ہے۔ حدیث کے ساری حکم کی غرض نہیں تھی بلکہ تو غرض کی تھی  
یہاں نہ کوئی فرق ہے۔ حدیث کے ساری حکم کی غرض نہیں تھی بلکہ تو غرض کی تھی

عمل جاری میں اچھا انتظام نہیں مگر خدا کرے کہ تو فیہ فیروا ہی ہے تو یہ ملک بچائے خود اور وہ کام چاہے اس میں بعض اطراف میں بہ مہارتیں سورا پے بیگنک ہے اگر ملک کی شرح پیشگی وجہ یہ ہے کہ مروتی کا دستور نہیں، اگر ملنے کا کوئی قاعدہ نہیں۔

نائب نظام کو اس ملک میں حضور یا بزرگ حالت عالی سے تعبیر کرتے ہیں اور عقد حضور جو عقلمند اور بااثر ہے۔ اس کا مترادف عقد تفسیر ہے

حضور کا یہ شریف چند برس کا ہے اس واسطے کہ وقت تک حضور نام سلطنت پہنے دست مبارک میں اسے نواب محمد علی الملک سرسار جنگ بہادر اور

نواب شمس الامرا ایک کیر بیلادر یکنٹ ہیں ان دونوں میں باہمی اختلاف ہے۔ انتظام سلطنت نواب محمد علی الملک کہتے ہیں۔ منصب سے بڑے

ہاگیر دارا میر کی ہے۔ جس کے خاندان میں حضور کی صاحبزادیوں یا بی بی ہاتی ہیں خدا اس سلطنت کو کراکھانوں کا قدیر فخر ہے اور میر سے بڑے توفیق

کا فوٹن ہے۔ نظام دینک قائم رکھے چون کہ ایک مشورہ جگہ پھر پھر کے سیاح اگر وہاں آئے تاتے رہتے ہیں۔ اور جب کوئی شہزادہ یا لارڈ

یا شہر میں سے کوئی شخص آئے ہے تو سرکار نظام کی طرف سے ملے قدر مراتب بڑی سیر شہر اور فیاضی سے اس کی ضمانت فرمادی جوتی ہے۔ کتر

کوئی سال یا اس وقتوں سے خال ہوتا ہوا۔ کچھ کچھ کچھ میں وہاں شریک ہونے کا اتفاق ہوا ہے اب یاد نہیں کہ کن آیا تھا مگر کھانہ کوئی بڑا

میل انعقد ہوا۔ یہ سولہ کے مطابق اس کو نور دیا گیا اس میں ریڈیو سس اور شیشی کے کل اگر زیر وزن اور سرکار نظام کے تمام سوزین دوسو تھے

اور ان وقت میں دولت محمد قریب کے ساتھ میز پر لگا آئین، بجز نواب محمد علی الملک سرسار جنگ اول صد نہیں تھے ان کے حاشیہ میں بڑے بڑے

انگریزوں کی بیویوں کچھ کو میر میرے جگہ دے دیے خود پر آج ہوئی تھی کہ میری پشت کسی قدر مسدود جنگ کی طرف کو ہوتی تھی۔ تو میں اسے اب

کے کسی قدر کی گئی تھی ۱۹۰۷ء (۱۳۲۶ھ) (خرقہ الی دوم سے میں یاد اور حرم سرسار جنگ کو دیکھتا جاتا تھا۔ ڈرگہ سلاطین کیا بیان کرتے

تھے یہ سلوک بہت ہی کٹر سرسار جنگ کی سخت سلطنت پر اسے نوابی کیسے دیا گیا کہ وہاں کی رعایا کو دیا گیا ہے۔ ساڈہ سلاور

(۱۳۰۷ھ ۱۳۱۷ھ) اور اس ہندی کی قبروں کا کھدول سے بڑی کی آوندوں کی اگر گمان ہے۔ جسے شاق کی تہیں بہرہ میں کھانے

کے بہرہ میں کھانے چوتھ سے ہے۔ یہ پھر تعمیر کا قضا ہے۔ آتش بازی ہے۔ انگریزی ہندوستانی ہے۔ یہ کہ سب کے دل تو مزہ بھر بھرتے

ہوئے۔ یہ وقت میں فرخ زور سرسار جنگ کو کھیت تھا نواب کی ملک ہمارے کو میں میرے دونوں ملک ہی میرے کھیت جاتا تھا کہ اس وقت کوئی

سکھ کے دل کو کچھ دے گا۔ اس کے ذیل مائٹ اور چند مائٹ کا۔ اگر گمان ہے۔ اللہ اللہ سرسار جنگ مرحوم دستگیر علی کے آئینے دے شیشی

اور ہاتھ اس کی میں میرے بار بار کھینے کو کہ کھیت مانگے ان نواب محمد علی الملک سے پرچہ اس میں ہے کہ داکست مرن کو دیا تو فرماتے





دین کی تعلیم کی بنیاد پر، اور نہ ہی یہ ہے۔

کے لیے یہی کیفیت مقرر کی گئی تھی۔  
 جسے ایک بار چننا ایسا کر ہی چھوٹ گیا  
 کہ کسی مشغہ فہر کا اچھی چھوٹ گیا  
 قرآن مجید کے لیے اچھی چھوٹ گیا  
 سرحد ہما مغلّتی ہی تراویح سفر

لاش جو کہ جوں کنے کچھ اس کا خفیہ  
جتنے مستقبل میں ہو جائیں گے وہ ایک مدد حاصل

۵۵۔ یہاں سے کہنے پر میں نے خدیجہ مری کے حور پاکہ سے

علی گڑھ میں آخر کار بن گیا      سب سے پہلے ہندو کہ منیا

تذکرہ القرآن

نہایت عزیز و محبوب ہے۔ اس کی تعریف میں کہیں کہیں کہہ دے کہ وہ ایک ایسی ہیروئن ہے جس کی نسبت ساری دنیا محبت و مہربانی سے معمور ہے۔



[illegible][illegible]





ہم کی تو ہے طبعی کہ محفل کے شہسوار غزل کی طرح ہر ایک گانے والے کے منہ میں ہوں انھوں نے ایک بڑی دھوم کا سندس مکہ کرایا بھی پھر نکلا کہ  
جہاں ہیں منہ میں ہیں تھے سب گئے اُن کی کہ میں گانے اور گنگانے والوں میں ہے آپ کا نیاز منہ میں ہے۔ میں نے بھی اسی طرح میں ایک سندس مکہ تھا  
حالی کے نظم نگار ملک ہندو اور شاعری اعلیٰ گوشتی ادیب ہر گئی سے بہت کچھ پاک ہو گئی۔ لیکن اچھی جوانی اور شاعری کا خالق کریم کریم ہیں ہر مسکن تھا کہ اس  
محرم اس خلق کا آدمی ایسی بی شاعری کے زہراں اُسے محفوظ رکھے گا۔

شیخ ہاجیم نقی کی ایک مشہور غزل کا مطلع ہے ۔

ہی دہی پنچوں کے را کیا جانے کیلکے کریں شاید اُس کو دیکھ کر صلی علی کسے کر ہیں

شاہ جہاں پدمیں کا لڑیں ہوا تو ایک صاحب نے جی کا نام اور شخص دونوں مجھ کو بھول گئے ہیں۔ سید احمد خاں کے غیر مقدم کے طور پر اسی  
دہن میں ایک نظم دیکھی تھی وہاں عساکر کے بدلے جو اس کا لڑنے کے پرہیز گار تھے اس نظم کی بڑی مدح کی تھی اور وہ مدح کی سنی تھی بھی مجھ کو  
خیال یا کریں میں اُن کی طرح صبح آدنی کوں۔ بے شک میں ان جیسے شعر نہیں کہ سکا ماد میں تے سدی عرش گزرتی کر پنا شہر میں ہیں بنایا یا نہ  
کہ ہندوستان کے پانگونی شخص بھی نہیں سکا اسیوں نصیحت کے منہ میں ہونے کی وجہ سے کبھی کوئی شعر منہ میں کر لیا تو اُن کی ہمیں نہیں کھانا مگر آغا کرنے  
نے میں شاعر نہیں ہو گیا اور نہ میں شاعر ہونے کا دعویٰ کرتا ہوں اور شاعر نہیں اور شاعری کا دعویٰ نہیں تو مدح کی توقع کیوں ہو مدح و ستائش دہی ہو  
تاہم یہ خاندہ کی کم ہے کہ مجھ جیسے نازی عساکر کی وجہ سے خواہ اطراف حسین حالی جیسے کلازنت کی حق تصدیق کہہ سکتے ہیں۔

وہ جس کے ہاتھ کے پلے شک میں ایسے شاعر ہو دتے کہ ہر شخص اپنی طرف کا استدعا کرے اسے قوی، مطمئن، نقلی معاش کی وجہ سے ہر شان  
اور جتنے نامی مستند شہداء و متقدمین و متاخرین ہندی اور بھی ہو گئے ہیں۔ یہ بھی کے کام سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ شاعروں کو اگر کسی نقیر کی بددعا ہے۔ کہ  
بیشر شک دست دہی رہا ہے ملک میں کب ہی خاں ایک شاعر تھے اُن کے شعر سے اس کی تصدیق ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں سے  
رنگ کتے ہیں کہ نہی شہر گزرتی عس ہے ۔ شوکت کتے ہیں ڈیٹی کلکٹر ہو گیا۔

میری زبان اُنہی ہے اور میں اُنہی ہوں گویا میں یا تو عربی الفاظ ہوتے ہیں اس واسطے کہ میں سلاطین ہیں اور مجھ کو اس بات کا فخر حاصل ہے  
کہ باہن تہہ معدنی سلاطین ہیں اور اپنے نسبتاً سے میں انفرادی سلطنت و دلی ملک جو فاضل شاعر اور مفتی اور علامہ کے نام چاہوں اور چاہتا ہوں کہ  
سب میری طرح کے سلاطین ہیں اور کہ سے کم اتنی عربی ہائیں جن میں مجھ کو اتنے سے یا میرے برے ہیں مگر یہی الفاظ ہوتے ہیں اس لیے اگر کار مگر یہی ملک  
خوار میں کسی صورت کا اہم دار میں تقریب حکام کا ہوتا ہے۔

دہی شہر سے سو دھرم نہ چو شہر زیر بارم لئے خواہ رحمت ز نغم شہر دارم

مگر یہ ہے کہ میری دہی کا نام نہ خوش حالی اور شہر کی رحمت ہیں اور چاہتا ہوں کہ سب سلاطین میری طرح رحمت ہیں اور کہ سے کم اتنی مگر یہی  
ہاں جن میں مجھ کو اتنے سے ہیں تو میری مگر یہی رحمت ہے کہ میں نہیں دیکھتا کہ میری رحمت ہے کہ میں طوں صاحب علی کا اتفاق ہے آج کل کا سا زمانہ نہ تھا  
کہ وہ دہی کے طرح کی ایک بے نرمی و اسی سے مگر یہی کا تعلق ہے۔ چنانچہ میں کہہ رہی ہوں کہ میری رحمت ہے تو مگر یہی چھوڑ دیں انھیں دیکھ رہے  
کہ مجھ کو سب سے بہتر مگر یہی چھوڑ دے۔ وہ تو یہ دتے تھے کہ خود سید احمد خاں سے میں پوچھا ہوا کہ مگر یہی تو تھے کہ کفر و جہالت اس کے گناہ کبیرہ  
اسنے کے ختم ہر عرصہ مگر یہی کہتے تھے کہ میں گویا سب ملک میں نہ دیکھتا ہوں مگر یہی انہی کے ختم ہر عرصہ میں مگر یہی

ہوئے اور ان کے لئے ایک گھر بنایا گیا۔ اس کے بعد وہ لوگ جو اس کو پہنچے (۱۰۰۰۰) لوگ اس کے گھر میں آئے۔  
 ۱۰۰۰۰۰ مسلمانوں نے اس کے لئے ایک عمارت بنوائی۔ اس کے بعد وہ لوگ جو اس کو پہنچے (۱۰۰۰۰) لوگ اس کے گھر میں آئے۔  
 اس کے بعد وہ لوگ جو اس کو پہنچے (۱۰۰۰۰) لوگ اس کے گھر میں آئے۔

اس کے بعد وہ لوگ جو اس کو پہنچے (۱۰۰۰۰) لوگ اس کے گھر میں آئے۔  
 اس کے بعد وہ لوگ جو اس کو پہنچے (۱۰۰۰۰) لوگ اس کے گھر میں آئے۔  
 اس کے بعد وہ لوگ جو اس کو پہنچے (۱۰۰۰۰) لوگ اس کے گھر میں آئے۔

اس کے بعد وہ لوگ جو اس کو پہنچے (۱۰۰۰۰) لوگ اس کے گھر میں آئے۔

اس کے بعد وہ لوگ جو اس کو پہنچے (۱۰۰۰۰) لوگ اس کے گھر میں آئے۔  
 اس کے بعد وہ لوگ جو اس کو پہنچے (۱۰۰۰۰) لوگ اس کے گھر میں آئے۔

اس کے بعد وہ لوگ جو اس کو پہنچے (۱۰۰۰۰) لوگ اس کے گھر میں آئے۔  
 اس کے بعد وہ لوگ جو اس کو پہنچے (۱۰۰۰۰) لوگ اس کے گھر میں آئے۔  
 اس کے بعد وہ لوگ جو اس کو پہنچے (۱۰۰۰۰) لوگ اس کے گھر میں آئے۔

اس کے بعد وہ لوگ جو اس کو پہنچے (۱۰۰۰۰) لوگ اس کے گھر میں آئے۔  
 اس کے بعد وہ لوگ جو اس کو پہنچے (۱۰۰۰۰) لوگ اس کے گھر میں آئے۔  
 اس کے بعد وہ لوگ جو اس کو پہنچے (۱۰۰۰۰) لوگ اس کے گھر میں آئے۔

اس کے بعد وہ لوگ جو اس کو پہنچے (۱۰۰۰۰) لوگ اس کے گھر میں آئے۔  
 اس کے بعد وہ لوگ جو اس کو پہنچے (۱۰۰۰۰) لوگ اس کے گھر میں آئے۔  
 اس کے بعد وہ لوگ جو اس کو پہنچے (۱۰۰۰۰) لوگ اس کے گھر میں آئے۔

اس کے بعد وہ لوگ جو اس کو پہنچے (۱۰۰۰۰) لوگ اس کے گھر میں آئے۔  
 اس کے بعد وہ لوگ جو اس کو پہنچے (۱۰۰۰۰) لوگ اس کے گھر میں آئے۔  
 اس کے بعد وہ لوگ جو اس کو پہنچے (۱۰۰۰۰) لوگ اس کے گھر میں آئے۔

پہلے سے ہے۔

ابھی اتنی محابثت بات ہے کہ کوئی چہرہ نہ چلتے ہوئے ٹھہراتا ہو۔

دنیا کے افیروں ایسے ملکوں میں بسر کرنے چاہتا ہوں کہ اپنے عقیدے ایک گوشہ عافیت میں ملتا ہوں۔

پتے ہی ہاتھوں مجھڑتے اور نہایتے ہیں وگ

کو سے جو چاہے تاقی گردشِ اَیام کو

(ترقیب: خلیفہ شاہی صدیقی)

مولوی عبدالقادر غمگین رامپوری

میرے ہر گز میں ساقی الہی اور انجان میں ایک ملائیگیٹھی غرض تھی۔ اگلے کے بیٹے اور اچھے بھروسے کا ساتھ دینا میرے  
بہن بھائی۔ کچھ عرصے تک کسی نے ان کو روک دیا۔ میں نے کہا کہ جو کچھ میری پس منظر اور خوشی میں غم ہو گیا۔ تب یہ میری طبیعت میں آئی اور میرے  
ملائیگیٹھی میں رہا۔ اس کی پہلی گئی ایک برائی شکی لڑکی سے تھوڑا بگڑ گیا۔ جس سے تین لڑکے اور ایک عظیم عظیم اور اسلام پر بیٹے سب نے  
ایک ہی گئی تھی۔ یہ میری عظیم اور اولیٰ میں غم میری اولیٰ کے راستے میں گھڑے سے اس کو جان میں تیسیر پر میری غم میری پہلی عظیم کے بغیر  
دیکھ کر ان کو نہ ہو گیا۔ اس کی پہلی عظیم کے راستے میں گھڑے سے اس کو جان میں تیسیر پر میری غم میری پہلی عظیم کے بغیر  
ساتھ ہو گیا۔ جب شہر میں اپنی سالانہ سرکاروں کے اختتام ہوا تو اس عظیم میری کے حکم سے اپنی بیوی اور بدست سالانہ کے عظیم کو جوڑ  
کے تمام عظیم کے حکم میں چلے گئے۔ وہاں سے وہاں پر کوئی اور شہر پہنچے۔ چند ماہ نہ رہے اس کے بعد وہاں سے کوئی اور شہر پہنچے۔ یہ میری عظیم کے حکم سے  
کے اختتام کے بعد میں ہر ایک گیا۔

علاوہ ازیں ایک مشق مدد کا کام کر چھوڑا جس کا سر یہ ہے کہ سامنے ہاتھ کے کوئی نقطہ اور پشت پر (خفیہ) بھی سے حرکات کے  
تھکا دیا۔ ان میں سے کوئی ایک یا دو ایسا کر کے تھکا دیا جائے۔ یہ بہتر ہے۔ انہوں نے بھی منظور کر لیا۔

[illegible]

عقلمندوں کا نام عورت نے سوا شرت اورین کہ خدمت میں تعلیم حاصل کی۔ غور سامانی۔ خلق بلسفہ سامانی  
دیوانہ کی اصول لکھا نصیب کی۔

سال ۱۹۹۹ء میں مولوی خیر الدین نے اپنے زمانے کے سہ ماہی میں کم سماں کا مضمون لکھ کر بغیر رائے خدشتہ  
مناظرت کے لکھ کر قلم فرمائیے۔ اس کا سامان اپنے اہل و عیال کے ہمسایوں کو کتاب خریدنے کی تحریک، تفسیر اور فرائض و عبادت

جس کا نام بھی نہ معلوم کیا گیا ہو۔ ہرگز نہ کہہ سکتا تھا کہ یہی علم ہیست سے بھٹے ہوئے گئی تھی۔ ان فنون سے بھی میں نے واقفیت حاصل کر لی تھی۔

کچھ عرصہ کے بعد ملا صاحب کی خدمت کا سلسلہ نظم علی خاں کی سرکار سے منقطع ہو گیا چند روز قادم علی خاں کے ساتھ گزارے اس کے بعد فتح علی چھ فراب نصر قند خاں کے ساتھ رہے۔ فراب کی ملازمت کے وقت والد نے فرمایا کہ میرا اور تمہارا ایک ہمارا ہمارا سب نہیں دیکھو یہاں چھوٹی کے شور سے سے حمایت اللہ علی کے سامنے میں نہ نام نکھایا۔ تنخواہ میں بھی اضافہ ہو گیا اس کے علاوہ جڑا دل اور شادی تھی۔ امانت کی اوقات تھیں لکنانہ سرخاں پر ساتھ ہوتا تھا درخت کبھی شعر و شاعری کبھی تاریخ کبھی حدیث کبھی پرگنے کی تفصیل و تفصیل کے متعلق شور رہا جس وقت بخفی گری کتابت اللہ خاں سے منقطع ہوئی اور فراب فیض اللہ خاں کے پیش کا درخام میں ٹاٹ ہو گئے تو محدثات و حاضری دیکھنے کے لیے جانا ضروری ہو گیا۔ جھان کے سامنے جانا گوارا معلوم ہوا کہ کوئی مولوی فیض الدین کے زمانے میں حضرت میرا ہم درج قصاب علم کوئی طرح نہ چاہا پاداد اکا نام نکھانے لکھ کر بندگی کے خیال سے میں زندہ اور جواب دیا جھے نوکری منظور نہیں خیال آیا کہ مراد تاجا جانا چاہیے جو صحت ہوگی اس پر کاربہر ہو جازن گا۔

چند روز شاہی سہلا اور تادامی جاتا۔ لکھ کر دیاں ہر قسم کے لوگوں کا جمع تھا جو کتاب لے آتے تھے حادثات تھا۔ لالہ خاں رام نے جو ہمارا ہاشم لپٹے کے عزیزوں میں سے ہے ایک مکان اپنے مکان کے پہلو میں میرے لیے کرائے پر لے آیا اور ضروریات میں مجھ کو لکھا۔

**کچھار کا عنایت کردہ** ایک دن فراب فتح قند خاں والدہ دوڑے خاں کے صاحبزادے شاد خاں، سری محمد پور کے رئیس کو اپنے ہمراہ لے کر ڈاکٹر..... صاحب کی وفات کو گئے میں بھی ساتھ ہو گیا۔ صاحب میرے حال کی طرف متوجہ ہوئے۔ دوسرے روز گھر پہنچے دوستی جے عمو سامان ایک سترہ چھریا۔ صاحب کے کہنے لے جا کر اطلاع دی کہ ایک مولوی صاحب وفات کے لیے آئے ہیں صاحب نے بلایا اور ہر بات سے پیش آیا۔ بخت عشرتے بعد میں ہانا اور حضور دی میرٹھ کر بلا آنا کبھی کبھی صاحب کو فارسی سکھوانے کی ضرورت پڑتی تو فرامیتے میں اس کو پورا کر دیتا۔ ڈاکٹر صاحب وہاں کے صاحبوں کے سامنے میرا ذکر بہت عمدگی کے ساتھ کرنے لگے یہاں تک کہ میں مولوی محمد ہر گیدہ دی خطاب ہے جو کہ کد کا عنایت کردہ ہے ڈاکٹر صاحب نے اس کی شامت کر دی اب یہاں سے جوتے لفظ سے تنگ ہوں مگر دنیا کی دنیا بند نہیں کر سکتا۔

ڈاکٹر صاحب نے میرے بارے میں کچھ کہ دیا۔ انہوں نے رخصت کے دن فرمایا کہ شنبہ کے دن جس بدلت چاہو آ جا کہ اگر جاوے تیرے کوئی کام اپنے صاحب سمجھ تو اس کی درخواست بھی دے دینا میں جانا تو تھا لیکن کوئی کام اپنے مناسب نہ لکھا۔ لکھ کر میں سبیل پر جا ہوا تھا کہ اگر اپنی ہاتھ سے کوئی کام عزیز فرامیوں کے توانی صوابیہ کے لحاظ سے اس کی فرامی کا جانب سے چشم فرامیوں کے اندر کسی کام کو ضروری بنا ہوتے تو دیکھنے استقامت میں کامیابی کیوں کر ہو۔ اس دھک پر میں نے کئی برس گزار دیئے تھا کئی کامیابیوں کے سامنے تشریف لے آئے۔ صاحبزادہ عنایت اللہ خاں نے عقد و شہد کر کے لیے جھے لکھ کر کے ساتھ لکھا۔



کامیاب ہو کر تم نے یہاں کیا ہے وہی کھدول یا کچھ اور یہی تھے جسے اس کے ہاتھ پاؤں پیول گئے اور کہنے لگا: اب تک کوئی افسر میرے سر پر ہاتھ نہیں رکھا۔ رات ہی یہاں سے روانہ ہو کر آپ کے تشریف لانے سے پہلے پہنچ جاؤں گا۔

یہاں ملازمت کے لئے ملاقاتی وقت تک کی ہے۔

**مقتانہ امروہہ** | اسی دن نے میں میری رادی عالم ہلاول کو سڑکی پر بھجوا کر کہیں دھار آباد رکھ دیا یہاں تک کہ آڑول صاحب بھی آگئے اور کڑی صاحب کے مکان پر قیام کیا۔ صاحب نے بندہ کو یاد فرمایا اور صاحب کے سامنے پیش کر دیا۔ صاحب نے یہودیہ مکان میں جا کر فرمایا کہ تم کو امر دہر بھیجا جاتا ہے وہاں پہنچیں وہاں پہنچے کی خواہ ہے جو رادی اور فارت گری کے ہنگامے بہت جلد بھٹ ملنے کے کچھ قارک نہ ہو سکا، منکر دروہہ بھیجا ہوں۔ کب جا سکو گے؟ میں نے عرض کی اگر اس وقت ارشاد ہو تو اسی وقت صاحب کی توجہ بندے کے حال پر پڑنے لگی مہینہ بھر میں ایک دو مرتبہ یاد فرمائیے۔ اور دوسرے عقاون شل جس پورہ بھگڑیوں، اور گھگھ پور کے انتظام کے لیے بھیج دیتے اور پولیس کے عملے میں جو کوئی لازم ہو تا میرے ذریعے سے ہوتا۔ جبکہ کبیری صاحب پر نڈرٹ پور میں مقرر ہونے تو مجھے معلوم ہوا کہ دونوں صاحبوں میں زبردست اختلاف راتے ہے اور دونوں جگہ جواب دی کر پڑے گی لہذا میں مستفی ہو گیا۔

کڑی صاحب بہادر دینا چاہر کے کلکٹر ہو گئے۔ ویٹور صاحب ایک ایسے شخص کی تلاش کر رہے تھے جو یہاں کی زبان ان کو سکھائے لہذا وہ لڑکے لوگوں نے کہا کہ صاحب کلراج بہت تیز ہے کوئی ایک ہفتے سے زیادہ نہیں رہ سکتا میں نے کہا اب تو چند دن ایسے صاحب کی کوئی ضرورت ہے تاکہ سخت اور تیز مزاج افسر کے ساتھ بسر و کثرت کرنے کا طریقہ بھی سیکھ لوں۔ چنانچہ کڑور کے مقام پر خدمت میں حاضر ہو گیا۔ آٹا خورد پانچور رہا یہی ہے کہ خواہ پاس تھے تیس دوپہ میرے لیے مقرر کیے باہر داری اور سفر میں میرے کامرانی اپنے ہی سر رکھ میں نے قبول کر لیا آخر زبنت یہاں تک پہنچ گئی کہ لوگوں نے اسے صاحب سے جا کر کہا صاحب فلاں شخص عبدالقادر کو کسی وقت بھی نہیں چھوڑتے۔

اس عرصے میں میرے خسر کا نکال ہو گیا میں جنس سے ایک دی کہ اجازت لے کر مراد آباد گیا اور ایک عرضی لکھی کہ جب تک حضور والا دوسرے عہدے پر متنازع ہوں بھگورخصت حمایت برتھیلی دھوہ بیان کرنا نہیں چاہتا یہ کہ کریں وطن چلا گیا۔ یہاں رہا مہینوں تک ایک عجیب بھی تھا کہ ایک خوب خصوصیتوں کے وفات ہو گئی۔ میں زمانے کی نیکیاں دیکھتا ہوں۔ اب کچھ مراد آباد کی کیفیت لکھتا ہوں۔ وہاں کے رئیس صاحبہ مت خاں کے چچا ناو جیانی دودھے خاں کے والدین میں چچا ایک عرصے تک وہاں کے ملک رہے۔ علی الدین خاں، حامی رفیع الدین خاں کا چچا ہے کہ صاحبین کی چچا دودھ خاں کی منظر و کلام سبھی کا ہے۔ تواریخ سے باخبر ہے۔

**حالات امروہہ** | زور سے ہی۔ مگر مراد، افسر، جاگیر ماراد، مہینہ خاں حقیقت میں سادات ہیں دوسروں نے جو کچھ حاصل کیا ہے وہی ہے کیا ہے۔ دیہات میں میرا، چھدی، لوٹ، مانڈ، غریب، ولسا، سانی، خب کرتے ہیں اور جو زیادہ آمد نیرنی اور غریبوں کی چھدی، بد جانوں کے گھڑوں کی ہادی کا کام کرتے ہیں اور جات چھدی نیرنی کرنے اور جو دسے فریج کے عادی ہیں نیز راجپوت بھی





میں کہ چند یا چھ ہوا مٹی میں گریبا چار۔

ایک راجا راجا ساتھ تھی بہت ہنار میندار ستادہ ملا ملک مڑ بولا کا چھوڑا جس کی عمر بہت کم تھی سرکار نے اس کی جیڑا کو لٹ آت اور دوسرے کے ماتحت کر دیا۔ میں سکین ناما نے بچہ پیر تانا کھڑکھا گیا۔

**سین بنگال** اب کچھ واں کی سرزمین کا حال لکھتا ہوں۔ عورتوں کا لباس ناف سے ٹھٹھٹھ تک ریشمی سین کٹا ہوا، کمر اوّل سے ڈھکی ہوئی، ہیزین آنکھوں والی جایت خوش چٹھان کے شب و ماں بال ناگوش کی سفیدی صبح کا مقابلہ کر کے۔ شیر خوار بچے کو اس کے وقت یکدم ہی میں کمر سے ہنڈھرتیں ہم بدن چھپنا پڑا اور جو رہنے کی صورت میں بھی پسند نہ کریں۔ دور کے باشندے (سافر) اسے تحفہ لکڑی اور جو کچھ اس کے پاس ہوتا اس کے سامنے لا کھتیں اگر وہ قبول کرتے تو اس کی ٹوٹی شمار کرتیں اور اگر صرف خود دوش پر کھٹکارتے تو مایوسی ادا کرتے۔ جلدنگی اسی اس کو چھوڑنا نہیں ہا تھیں تھیں۔ رنگین ریشمی ساڑھی دیا جاتا ہر کے شعلہ کی دور دور شوہر ہے اور دیریا ی تیل پانی کو شرماتا ہے۔

**سا کا** ناچیز بڑا نادانی یا عجز و جانی یا رنات مطلق کی روزی رسانی پر اعتماد کر کے ہوا ہا زت و اں دفر پر پورا سے بھاگ کر اٹھ کر بچا۔ میں نے دس روپے سے تین سو روپے تک کی دھڑکت کی ہے گرجاں جی۔ اہل محلہ سے زیادہ تمنا اور عزت اور سزا نہیں دے۔ میں دن فرور پر سے چلا تو پانچ روپے کے سوا میرے پاس نقد کچھ نہ تھا۔ دھکا کے میں کسی سے واقفیت نہ تھی۔ ناگاہ شخص آیا اور دیریا کے کنارے میرا نام لے کر پرچھارہ کوئی کشتی میں ہے؟ ملائے کہا یہ ہے۔ وہ میرے پاس بیٹھ میں نے پوچھا ہا کی نام ہے اور کون جو؟ اس نے جواب دیا میرا نام شعلہ ہے اور نواب نصرت جنگ کے پیش کار یہ محمد حسین خاں کا بیٹا ہوا تھا۔ ہا کی دریاں لے جانے والے مزدور ساتھ ہیں۔ سید محمد حسین خاں نے سلام کہا ہے اندیہ کہا ہے اگر ایک دور و زیاں عہد میں تھا میں ہوا گمانے پر چھارہ بھگے کیا نہیں۔ کہا آخیر فرزند خاں واں دفر پر پورا سے آکر ذکر غیر کرتے تھے اس بنا پر وہ مشتاق ہو گئے تین روز تک کا ہوا ہوا۔ نواب نصرت جنگ نے بھی یاد دہرایا اور بے حد نوازشیں فرمائیں ایک مہینہ اسی طریقے پر گزر گیا اس کے بعد روزانہ ایک چوڑی تھاپا کرتا اپنے لازم کو دیتا کہ دوتوں سے پرشیدہ فروخت کر کے کچھ کھائے کا بندوبست کرے۔ آخر یہ صورت بھی ذریعہ۔ اسی دن مجھے رہائی کر اب کیا کرنا چاہیے۔

ایک عورت دھندازے میں داخل ہوئی اور میرا نام لے کر پوچھا وہ کہاں ہے؟ کہنے لگی میں مراد آباد کی رہنے والی ہوں میرا نکاح نٹ کے تھوکن دو کھات خیر چپ لے صوبے لاسے فرما دیئے تھے مولار ہو گیا ہے مجھے اپنی باندی اور لڑکے کا باندی زادہ سمجھنے ہاں کسٹید پر پڑے جو میں نے کہا وطن جانے کا مارہ ہے مگر سامان کی فکر ہے۔ اپنا زید مارا اند کہا یہ دو سو روپے کا مال ہے لیکن بدتر کہ خیر کیجی میں نے عجب دیکھا کہ عورت پڑی تو لے لوں گا اس وقت اپنے ہی پاس رکھو۔ جب وہ عورت چلی گئی تو میرا کارہ نے رٹی صاحب کا خط لکھا دیا۔ مضمون تھا: میرا خط میں سوینتیں روپے لکھ دیکھ کے ساتھ افیشن صاحب کے پاس بھیج کر روپیہ وصول کریں۔ مگر نابراہ کالی چلو تو رہی تو کف کر کے بھگتیں میں سند پر دھول کے رسیدت عرضی کے افیشن صاحب کے بھیج دی۔ شام کے وقت اس عورت نے کھانا بھیجا۔

14

وہ کہہ کر ہنسی۔

1997

فروغت کیا اور میں روزِ رواں غلبہٴ آفریں پاں سے پھر کھٹو کو روانہ ہو گیا۔

لکھنؤ میں درود

[illegible]

مذبح سے پہنچ کر پتھروں کے سدا ہنسیا ہائیں جو دھن دھن میرے اور عدم محض میرے اور عدم محض شمس اس کا کیا مطلب ہے۔ خواہ کی مدد تھی کہ اسی سدا سے کھل کر جادو اعلیٰ کی شمع نہ، شمع سدا میں میں دیکھ چکا تھا میں نے یہاں کر دیا اور ایک ربا علی بھی پڑھ دی جس میں اجمالا یہ سدا میں نے نظر کیا تھا۔

نیو جگر کو بست در ملک زخو

خمیر لگی ز شہ جزئی موجود

برچہ زبیب کہ بود غالی سیاہ

پیدا است کہ جز من چہ خواہد افزو

حکیم صاحب بے حد خوش ہوئے اور جب کئے صحت جو کچھ ان کے دل میں آیا میراثا۔ اللہ خان سے کہہ دیا حکیم صاحب (میراثا۔ اللہ) خاں اور میر جہاں علی بیٹوں مجھ سے ملے آئے اور نوادش فرمائی۔

دوسرے روز میراثا۔ اللہ خاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اگرچہ شعر و شاعری میں شہو میں لیکن میری دست میراثا۔ اللہ خاں ابن علم عباسی اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ اس کام میں وہ یکتائے زمانہ کہے جاسکتے تھے۔ اور وہ فارسی، عربی، گھالی پورہ، امرتشی، کشمیری، ترکی اور افغانی لوگوں سے ان کی ہی زبان میں گفتگو کرتے تھے۔ فارسی شربے سکھت اور خوب رواں لکھتے تھے۔ تیر اندازی اور گھوڑے سواری اچھی جانتے تھے۔ دکات کے ذریعے جو کچھ مناسب جمع رکھتے۔ رندوں میں بہر خاں اور معلقہ شائع میں شیخ مصفاں بنے ہوئے تھے۔

ایک دن شاہو کی فصل میں جوانوں میں مرزا جعفر کے مکان پر ہوتی تھی میں بھی جا گیا۔ مرزا احمد حسین قلی، معصنی، میر نصیر دہلوی اس میں دوسرے میں سرگرد شہزادہ ہوتے تھے اور شیخ امام بخش ناسخ کو ان دنوں اس فن میں دن روزی شہرت حاصل تھی۔

معصنی ایک روز دیاں معصنی کے مکان پر جانے کا اتفاق ہوا خوب تفصیلی ملاقات وہی کنز سے لوگوں کو میراثات کی نگل کشی پڑھاتے تھے اور کنز لوگوں کے اشعار کی اصلاح بھی کرتے تھے۔ مگر یوں بہت ناں شہینہ کے متعلق سننے کہتے تھے کہ میری پیدائش میر جہاں علی میں ہوئی جو شاہ جہاں آباد کے قریب ہے۔

جس میں میں اس شہر میں آیا تھا اس کی وجہ سے اگر کہہ دوں اللہ خاں کے نائب داروغہ لال امرت لال نے کہہ ہے کہ انھیں شخص کو ہمداسلام پہنچا کر کہہ کہ مقام پانچا کے انبار نویسی کی تحریر سے نام، وطن، اولاد، کھتے سے لکھو تو انا مجھے معلوم ہو گیا تھا، چاہے شہر کی خبروں سے معلوم ہو اگر اس نام و نشان کا شخص گزشتہ میں گلی سے نو آباد شہر میں آیا ہے اور خاص پادشاہ کے قریب کاظم شیرازی کے مکان میں ٹھہر رہا ہے بدعزب اللہ اس وقت وہ لکھنے مکان پر دھپا ہوں گے قدم درخیز فرمائیں تو مفصل دادہ اور حالات معلوم کر کے امیر کے حضور میں لکھ دوں۔ میں نے سوچا کہ چاہا میں امرات کے دربار کے قابل نہیں نہ اختصار یہ ہے کہ اس کو بیچ کر یہاں تیارم اور سفر کا خرچ برداشت کر سکوں۔ اس کا انجام دشوار سمجھتے ہوئے میر جہاں علی کے گھر دراپور کو چل دیا۔ بریلی کے راستے سے اپنے شہر میں پہنچ کر والد صاحب کے قدروں سے آنکھیں میں دھواں کی سفر کر کے، مجھے دیکھ کر ان کے جسم میں تازہ جوش آگئی۔ بھائی بہن چاروں طرف سے جھپٹ پڑے۔ احباب مبارک بار



جس میں جی عقل سے اہم کو سچا پس میں کوئی قیامت پیدا ہوئی۔ مگر نہ صاحب اور سلطان صاحب کے بندوبست کو توڑا ماضی کو دیکھا ملک  
کا دروازہ کھلا ہوا ہے جسے پانی ہو گئی۔ اس کے باوجود فرزند نے صاحب ترقی نہ پائی بلکہ کسی نے اس کو چھٹی بھی نہیں تھامی اور وہ ادا ہوا نہ  
دائیں مانی نہ بائیں میں جاتا تھا۔ اور اب ہم محمد انجم کو پہنچا تھا اس کے سامنے کوئی کارکن راقم کے قلم یا حاکم کی لاشی سے زیادہ حقیقت  
میں نہ تھا۔ سمنے سے سخت کاموں کو لایا تو جہ سے اسان بھر لیا تھا۔ ہندو کا گمان ہے کہ وہ ایک مرتبہ ملک خود سکا میر کرے تو  
سرکاری مدد پر وصول کرنے کے موجودہ صورت سے بہتر طریقہ نکال سکتا ہے۔ جب تک کسی کی نیک نامی اور کارگزاری اس کے خیال میں نہ  
آجائے اپنے قول و فعل سے اس کے رتبے کا عطا نہیں کرتا تھا۔ اور ظاہر داری جو سفارت کے کاموں کے لیے ضروری  
ہے کی طبیعت کو پسند نہیں تھی۔

کرناں پرائیڈ شہر ہے۔ وہاں کی زبان اور رسم و رواج پنجاب سے ملتے جلتے ہیں۔ کرناں میں بھی بہت اوسنے کنبہ کا ایک  
عزیز اور ملی قلمند بر ہے اس کو بھی بریلی قلمند کی قبر کہتے ہیں۔ لوگ پانی پت والی قبر کو دہاں کے گور پرستوں کا قریب سمجھتے ہیں  
اور اپنے قول کی سند یہاں کرتے ہیں کہ بریلی قلمند کا قیام کرتے دم تک بڑا صاکیڑہ میں رہنا شفق علیہ ہے وہ جگہ یہاں سے بن کوں ہے  
قریب جگہ چھوڑ کر دیکھیں گے ہاتھ سے پانی پت والے کہتے ہیں کہ ان کے محبوب مبارز خیل کی قبر پانی پت والے قبر سے میں ہے قریب  
ہے کہ ان کو بھی حب و صیت میں لے آئے ہیں۔ پانی پت میں وہ مسلمان زیادہ ہے جو نیکیوں کی قبروں پر مردہ پرست لایا کرتے ہیں۔ انہیں  
ہستی کا میرین دھنوں، اکھیل مالوں کی ڈیل کوئی سمجھتا ہے۔ کیونکہ بے وقوف لوگ جن کا کام قبرستانوں کی آرائش ہے ہمیشہ عقل سے خالی  
باتوں پر فریفتہ ہو جاتے ہیں۔

پانی پت میں چند درخام کے بعد ویدور صاحب کا خط پہنچا کہ تنہا خود کرناں میں رہیں اور اپنا چاؤ میں رواد ہو کر اسی روز صاحب کی  
خدمت میں حاضر ہو گیا۔

نیرودا کے دو مے سہرا میں شری گم میرے آکا کے نیچے میں آئی۔ سوشن صاحب اس کے استقبال کو گئے اور میرے  
بیگم شہر و آکا کے ساتھ گزر چلی کے نیچے میں اس کو لے گئے۔ وہ پاکی بھی تھی اور دونوں امیر اس کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے  
ایک ایک سرکاری اس کا رتہ روز افزوں ہے۔ لارڈ کیمبرج پہ سالار نے والدہ کا خطاب اس کے لیے رکھا ہے اور کپتان میکن مبارک  
بشیر رکھا ہے اور شاہ دہلی کے دربار میں بھی اس کا لقب فرزند عزیز ہے اگرچہ اب آقا اب بام ہے گرجا بن سحر کی طرے  
گھر دیکھ کر رکھا ہے۔

یہ خاتون شہر کے مرنے کے بعد بھین خاں کے زمانے میں ہاد شہر کی سربراہ ہو گئی تھی اور اپنے اس بڑے کو جس  
نے خود سری اختیار کر لی تھی فراموش خاندانی میں بیچ دیا تھا۔ جن خاں کے بعد رئیس و فرزند میں سلامت روی سے اپنے مرتبے  
پر قائم رہی اور تخت نشین ہوئی کی خاندان اول اور احاطت کد مہر تھی رہی۔ باوجودیکہ اس پر وہ کار شاہ کی طرف زور و زور میرزا ہوا۔ بخلاف  
دھروں کے کہ کوئی جلاوتی دکاندار سے کسی تواری کی گلائی سے خانی اور خانی کے مرتبے پر پہنچ کر اپنے گزشتہ زمانے کو فراموش  
بیٹھے تھے کہ غلطی میرزا کی خاندان کی کہ ہم اپنے بے چند کہنے لگے۔

وہ ایک ایسا شخص تھا جسے جوہر میں کوئی نکتہ نہ تھا۔ پتھری کہ اس نے یہاں مذہب اختیار کیا ہے۔ یہاں بھی یہاں  
اس سے کہہ سکتے ہیں اس کا مقصد کیا ہے؟ یہ کہ اس نے یہاں مذہب اختیار کیا ہے۔ یہاں بھی یہاں  
مذہب اختیار کیا ہے۔ یہاں بھی یہاں مذہب اختیار کیا ہے۔ یہاں بھی یہاں مذہب اختیار کیا ہے۔

ناہ محمد العزیز دہلوی | دیگر شریکوں سے اپنے ملک کو اپنی پرگنی دار و صاحب ہو ڈال کر مدائن ہوتے ان کی خاتون سیتھی  
صاحبہ اور آقا بھی شاہ جہاں آباد پہنچے۔ ان لایم میں آقا و بیگم صاحبہ اور فیضیہ زجرل کی گیم کے  
اتھ شہر کی عورتیں دیکھنے کے لیے جاتے اور ہندو بزرگ ان شہر کی زیارت اور سوا محمد العزیز کی مجلس و عطا میں جاتے۔  
دار و صاحبہ اور آقا کے شاہ جہاں آباد شہر میں نہانے کا سبب لوگ یہ ظاہر کرتے تھے کہ صاحبہ مدورج بادشاہ اور شہر شانی  
ہو کر یہاں پھینکا جاتا ہے اور بادشاہ نہیں چاہتا۔

سیرت تصانیف | ۱۱۱۱ء شاہ عالم بادشاہ ملک میں نے ۹ رمضان ۱۱۰۶ھ بمطابق ۱۸۰۶ء ہندو شہر شانیہ اور شہر میں ۳۳ سال بعد  
۱۱۱۱ء ہجری میں سلطنت کر کے اس خاکراں کو چھوڑا اور خراج طلب کرنے کے لیے دوبارہ آرم گاہ اختیار کیا۔  
شاہ دہلی کے تخت پر بیٹھ۔ جو شہر کے زمانے سے شاہ عالم کی وفات تک ہر ایک بادشاہ کی مدت حکومت اور ہر ایک خاندان سے  
دوسرے خاندان میں سلطنت کے منتقل ہونے کے حالات کو یہ ایک بشت و کئی رسائے میں کھو گیا ہے۔

۱۔ تصانیف برہان برکات شیخ محمد اقصی دہلوی۔

۲۔ شرح حکم تفسیری در مناقب امیر دہلی معطوری۔

۳۔ سہر انجم علمائے اسلام۔

۴۔ ترجمہ رسالہ عقیدہ شاہ دہلی بادشاہ دہلی۔

۵۔ شرح رسالہ عقیدہ شاہ عبدالعزیز دہلی۔

۶۔ رسوم اسلام مسجدان ہند۔

۷۔ شرح پیرایہ اہل شاہ عبدالعزیز دہلی۔

۸۔ تصانیف برہان ترمذی۔

۹۔ کشف حقیقت راجا دہلی۔

۱۰۔ رسالہ عقیدہ شاہ دہلی اس رسالے سے صحیح ذہنی راستہ معلوم ہو سکتا ہے۔

۱۱۔ رسالہ عقیدہ شاہ دہلی۔

۱۲۔ شاہانہ کی چوک دہلی میں اس جگہ تھا جہاں اب جگہ تو نہیں ہے اور گیم کا باغ و شہر تھا۔ اس جگہ سربندی  
میں کھاتے ہیں۔ جتنے تھے۔

۳۰۔ قیصر ہون اور دوجویدر صاحب کے پاس رہ گئی،

۳۱۔ حکایت بزرگان اور دوسرے کے محاورات کہانیوں کے انداز میں،

۱۵۔ اسٹال ہنری رفاہی۔

۳۲۔ سیر پنج احوال اجیہ و ماژناژ داس کی نقل ویدر صاحب نے سرعان نامک کے پاس بھیج دی،

۱۶۔ رسالہ شرفی داس میں ہرن کے نر نے کیوں کی شکل میں بیان کیے ہیں،

۱۸۔ رسالہ آداب کالج۔

۱۹۔ رسالہ فوائد موسم

۲۰۔ برآں (جس میں ریل ٹیم جعفر شہنشاہی سردار خالی ترہہ استغاثہ وغیرہ کا

اطلاقی ٹیکہ بیتی و بیتی کے متعلق عقل و نقل و لائق تفسیر اور لکھے

کا حاصل ہوا بعد از دو کی حقیقت صاف صاف بیان کر دی ہے،

۲۱۔ رسالہ اسکان فرق و عادات

۲۲۔ تربیت و تعلیم و علوم و تربیت اطفال،

۲۳۔ طریق اشتہام تک

۳۳۔ رسالہ طرز تحریر در پند و نسی اور ایجنسی کی تحریر اور وہ طریقہ میں سے طویل مطلب کو مختصر اور مختصر کو ایسا

طویل کرنا کہ گراں نہ گزرے،

میرے بعد جس کے بھی اقتدار سائل نہیں اگرا ہے ہی ندم سے شائع کر دے تب بھی ہم خوش ہیں اگر کسی نا لائق کے احمق پڑ

گئے تو دماغ دشمن کے حوائے کر دے گا۔

اس شہر ریلی میں شاہ جہاں کا بنوایا ہوا قلعہ ہے میں کا اندازہ ہی بتا رہا ہے کہ یہ بادشاہوں کے رہنے کی جگہ ہے۔

**قلعہ معلیٰ کی جھلکیاں** محاورات و ماں کے جدا گانہ ہیں مگر بھی عجیب ہے۔ بادشاہ کسی کے سر پر ہاتھ نہیں رکھتا اور سب مراتب

علامہ باد کے سوا کوئی جگہ نہیں سکتا۔ مگر علوم کو خدمت کی عرض سے اجازت ہے شاہی مجاہد کو خاص تراش، خدمت گار کو خاص،

عالم آداب و ادب کو زوہب تاظر، مہتمم بریب کو مرد و تبر چاک سواد کو بک پڑا ایلہان کو زوہدار، قیدی کو جندہ، نیز کو متحدہ فاعل کو قتلار، کھانے

کو خاتمہ، وہ غریب جو کسی کو عطا ہو اوش، مستحق پڑے کو دیوی خاص، در زمان شاہ کو صاحب عالم، جانشین شاہ کو ولی عہد، قانون کو زوہب

صاحب معلیٰ، دوسری رنگت کے لیے نواب مخصوص ہے۔ بادشاہ کی ماں نواب تدریہ بعد بادشاہ کے چھائی شہزادے کہہ تے ہیں

تیمور کی ادا و لا دیز دوسرے رشتہ و واسعہ تھیں کہہ تے ہیں، رڈیوں کو بادشاہ کا قتل کو دنگر، بادشاہ کو زندہ کراوات کہتے ہیں۔

۷۔ بھیر سوہرہ ہے سوئی جلد و کتاب خندہ شیخ مولا علی آپ بیتی کے ہر کسی رسالے کا سواغ نہیں ہوتا۔



پادشاہ کی سرداری کے وقت پورا ہوا اس پادشاہ کی حالت میں بہت کمزوری اور اس کی موت کے آثار ظاہر ہو چکے تھے۔ پادشاہ کی موت کے وقت پورا ہوا اس پادشاہ کی حالت میں بہت کمزوری اور اس کی موت کے آثار ظاہر ہو چکے تھے۔ پادشاہ کی موت کے وقت پورا ہوا اس پادشاہ کی حالت میں بہت کمزوری اور اس کی موت کے آثار ظاہر ہو چکے تھے۔

مجھے بھی۔ تھے کے عداوت میں سے بھی ہے کہ جب بادشاہ قضاے حاجت کے لیے جاتے تو کہتے ہیں کہ صحت عداوت میں تشریف فرما ہیں۔ اور  
میر جو کہ عداوت سے قضاے حاجت ہوتی ہے اس کو بیس عداوت کہتے ہیں اور جب یہ کہیں جو کہ لڑا بادشاہ کو قید کر دیا ہے تو یوں ہی کہیں گے کہ داخل طاعین  
کر دیا ہے اور بادشاہ کے میں خدائے کو عداوت عداوت کہتے ہیں۔ تمام اولا درمیری کی ملاقات ہے کہ جب قلعہ سے باہر جاتے گئے تو ایک عوام  
کے اٹھیں کھڑے اڑانے کے لیے طاعون کی چکا (سورج) ہوتا ہے۔ قلعہ بدرک سے شاہی سواری پر بڑا ہوتے وقت کہیں تو میں جیتی ہیں جب  
شہر کے دروازے سے گزریں گے تو اتنی ہی آگریزی تو میں ہیں گی۔ قلعہ کا صدر دروازہ بادشاہ کی دایسی تک بند ہو جاتا ہے اس کے بجائے  
دوسرے کھل جاتا ہے۔ دوسری طرف قلعہ بدرک میں رہتے ہیں۔ عیدین اور جشن ساگر پر پہلے دلی عید منائی کرتا ہے۔ اس کے بعد ہزارے پھر  
ہینڈ پینٹ۔ اور پھر جو کچھ دیاں عنایت ہو دیاں دیاں میں بیٹے ہیں اور آداب بجا لاتے ہیں۔ اور جو کچھ بادشاہ کے مرنے خاص کے لیے  
شہر کے باہر سے آتا ہے اس پر محصول نہیں لیا جاتا۔ اور پرگز کوٹ کا سمجھ بادشاہ سے تعلق ہے اس میں سرکار آگریزی کے احکام جاری  
نہیں ہوتے۔

ضرر کے آخری چار شہر جب کہ بادشاہ کی جانب سے طاعون کی آگریزی اور چھپے تقسیم ہوتے ہیں اور بقیہ عید پر جو گاہ میں اونٹ، گائے اور  
بکریوں کی قربانی ہوتی ہے ایک جانور بادشاہ کو دیا جاتا ہے۔ باقی دوسرے لوگ ذبح کرتے ہیں اور وہی کباب  
بھونے جاتے ہیں اور ہر ایک شخص کو دیتے ہیں چاہے مسلمان ہو یا نہ ہو۔

سورنہ پر جو ہندوؤں کا ایک خاص دن ہے ایک ہندو بادشاہ کے ہاتھ پر رکھی باندھتا ہے اور بادشاہ دوسرے ہندوؤں کے  
ہاتھ پر رکھی باندھتا ہے اس کی ابتدا اس طرح ہوتی کہ انہوں نے ہندوؤں کے گانے کے لیے ایسے بہت سے کام کیے تھے تاکہ ہندو  
اس کو عید کا سچ کی بنا پر کھنڈریم جاری کیجئے مگر جس نے کاشی میں بادشاہت کی انہیں اپنے ہم کو زور سے کٹوایا اور اپنے خیال میں دوسرے  
جرم کی پرکھ لیا اور کہتے ہیں کہ اسی روز گبر نے امر کوٹ (سندھ) میں عالم سنی میں قدم رکھا۔

گائے کو شہر سے باہر نہ لے جائے جاکر ذبح کرتے ہیں۔ حکومت کی جانب سے بھی سوائے ہرمیہ کے دنوں کے شہر میں ذبح  
کرنے کا حکم نہیں ہے۔ ہر چاندت کو تو میں جیتی ہیں معائن میں ایک مرتبہ انظار اور ایک مرتبہ حر کے وقت توپ سر کرتے ہیں۔

اس دلاصلحت اسلام درہی میں بہت سی بدعتیں رائج ہیں جو میں ایک بدعت بھی ہے جو ہندوؤں کا بنیاد ہے۔ طرہ تیرہ ہے  
**بسنٹ** اگر اس بے پردہ محل کا زیارہ اہتمام ملی کی قبول اور نائیج کی محفل میں ہوتا ہے۔ ہندوؤں میں اس کی تعلیم اس قدر نہیں ہوتی  
جتنی شہر کے شاہجین ہوتی ہے۔ جب گزرتوں کو مطرب لاتے ہیں تو سب درگ استقبال کرتے ہیں اور مجلس سماج منعقد ہوتی ہے  
یہ معلوم نہیں اس کی ابتدا کتنی مدت سے ہوئی مگر رتات عالمگیری میں اورنگ زیب نے اپنے بیٹے کو اس سماع میں ہدایت کی ہے اس سے  
ظہر ہے کہ اس زمانے میں مسلمان میں چٹال شوٹ نہ تھی۔

دوسری رسم مرنے کی شانہدی ہے مذہب عام کے جبہ اور عوام کا محل اس کا عذر ہوگا۔ کیوں کہ یہ لوگ عزم میں ساقرب تاریخ کو  
تمام ہی مدتی اندر غز سے شانہدی غروب کرتے ہیں۔ فریقین کے علماء اس دم سے بڑھ رہی ہیں۔  
اب اس شہر کے دہائی کل گنا جو ہندوؤں کے مذہب میں موجود تھے۔



ہندوئی رکھتے تھے۔ مولوی کا سلی ایسا مولوی خاتون کی اولاد نہیں ان کی آرت تقریر کا ذکر کرتے تھے کہ ایک روز میں نے کہا کہ انہی  
وہ ہے اس کے لیے کہ وہ اس کا کام بھی مولوی ہے جب مولوی فضل حق نے فرمایا کہ آج اکبر وہ ہے کہ جمعہ کے دن ہمارے ہر چہ پیش اپنے  
ہر چہ کی دیکھ کر انہوں نے اپنے منہ پر ہنس کر سب کو بچہ دیکھ کر بتا دیا میں نے سنا ہے ان کی تصنیفات بہت ہی لکھیں ہنسے کہ  
ان کا کچھ غیب میں ہوا

مرائے دلی | اس شہر میں شہزادیت میں۔ بلکہ روزیابی میں ریختہ شعر کا ابتدا میں سے ہوتے ہے۔  
غیر مولوی غیر شہزادہ کا یہ مطلع شہزادہ سے ہے۔

پشت لب پر ہے تری یہ قطاریں کیا  
مزدکھو کھجے یا کرت رتم خاں کیا  
سدا تدار خاں دیکھیں کی عمر ستر سال سے زیادہ ہو گیا ہے۔ اب تک ان کے کلام کی کوئی ترجمانی ہے  
یہ بھی میر میر سزا دیدہ افشار امدان سے اور نزل میں مدد فرما سے جس سے ہوتے ہیں۔ اور روزیابی میں ان کا ایک فرس نام  
ہے جو سب فرس ناموں سے بہتر ہے۔

نوجوان شاعروں میں ان غلاموں میں کوہ چیلان سے متصل کلاصل کے بہت کثرت مکان ہے۔ بزرگوں کا مسکن کثیر ہے۔ ان  
کے ملا کے جہاں، اب اور چالیس طلباء میں شہر میں۔ ان لوگوں کی جاگیر کے رسبات خاں شریف میں شامل ہو گئے۔ اب دلی کے مدرسے  
پرانے خاندانوں کی طرح نکلے سے بسر کرتے ہیں۔ ریختہ اور فارسی میں بہت اشعار ہیں۔ ایک بیت لکھا ہے کہ

نہ جاؤں گا کبھی جنت کو میں نہ جہنم کا

مگر وہاں نہیں نفخہ تہا بے گھر کا

مولوی محمد علی، مفتی و صدائیں شاہ جہاں آباد مولوی فضل امام کے نامہ شکر و ایک عرصے تک جنرل اختر علی شاہ  
آندوہ کے ساتھ اجیر۔ بچے اور بچے کے فرس میں رہے۔ جنرل اور اس کے والد کی کھیر دانش رہے۔ ہمارے وہ یہ تجویز تھی۔  
صاحب ممدوح نے ان کی قرین میں دختر کے درخورد کو کھدے سے مدد اس تعداد پر اعتماد تھا کہ لڑاں سر سال ادا ما جا ہے کہ لڑکی مالہ  
کے وہ بیان نکال کے تفسیر میں مفتی مولوی پڑھیں، بخت نہ ہا میں مقرر کیا۔ فاضل، لد و لہم، خوش تقریر، دوست نماز، دشمن گزشتہ ہیں۔ ان  
کے بزرگوں کی اصل شہر ہے بعد ازاں مولوی رشید الدین خاں ہیں۔ جس وقت بندہ نے ان کو دیکھا تھا ان کی قزحہ اشعار ریختہ اور فارسی کی  
فروغ مظاہر کتب حیدر سے زیادہ تھی اس لیے میں نے ان کا ذکر فرما۔ کے سلسلے میں کیا ہے وہ ان کا کام یہ نہیں ہے بلکہ بات آن  
کے لیے باعث طر ہے۔

مولوی محمد علی نے مولانا فضل امام اور ان کے صاحبزادوں کی کتاب جو علی کی ہے۔ وہ مولانا خاں کے شاگرد بھی  
ہو کر کرتے ہیں۔ ان کے خواتین کا سا ہے۔



چند کچھ ہندو کھانا کھا کر اور پانی پینے کے بعد تیار ہوئے۔ اس کے بعد وہی کاناہ پختہ میل ہے انصاف ہے کہ وہی کی پیروی کریں اور اگر وہ دوسرے کھانا کھا کر اور پانی پینے کے بعد تیار ہوئے۔ اس کے بعد وہی کاناہ پختہ میل ہے انصاف ہے کہ وہی کی پیروی کریں اور

انحصاری سبھی تاریکی دہلی کے استقلال میں شروع سے اندھیری تھخین کے ساتھ ہے اب کب کو انحصاری کھٹا نہیں چاہیے  
گھڑے کی ایک ٹکڑ بند ہوئی ہے ہم کمال ہندی میں اندھیری ہوئے ہیں۔ حاکم اور دھ کے اصطلاح میں بھی اس لحاظ کے سواندہ نہیں  
ہے اگرچہ یقین سے لے کر خاندان سبھی تک بلکہ دہلی اور گجرات کے تمام شہر "انحصاری" کی معنی میں ہوئے ہیں۔ لیکن جب تک نظریوں  
اور مانیوں میں مہم نہ ہو جائے غنت اگر شاد ہوں گے ذکر کا اور ماں۔ مرزا رین سورا نے ایک شعر میں جو شیدی غولادھاں کی جو  
یہ ہے۔

چورہاتے رہے کہ از حدیاری

کہا ہے لوگوں نے تمھیں کیا کہ سننا نے میرا ذہن ایسا بھی بنا کر رکھا ہے کہ میں اس سے کہیں زیادہ سمجھتا ہوں۔  
اساں لڑیں تو ہر جگہ نہیں۔

بادشاہِ طبرستان کے ارٹاشی سامانی میں رہی، اگرچہ بجز ارٹاشاس کے علاوہ کوکھنوں کے علاوہ ہر ترجیح ہے کیوں کہ ان  
مذہبات پر مبنی رسائل سے یہ سامانی مذہب ہے اور کوکھنوں میں اس سال بھی مذہب نہیں ہوئے۔ یہاں چنوزہ ص ۷۷ بکلی نصیح ہے کیونکہ دہلی کے  
ہر شاہ گلا کے روزنرہ میں شامل ہے مخلص کا مہر ناز ہے۔

[illegible]

”مختصہ عجیب دوسے سہاوقیہ کر کے اپنے کیل کاٹنے ٹکڑے تبدیل کے ہی خود،

مسافر کو ان کی بات سننے کے بعد اس کی ہر گز غرضی مل و در سے بات کہتے ہیں ہائی چہ پر رونق  
 دلوں کا جہان نہ دھرم والوں نے دیکھ کر ہر گزوں کے اٹھے جیسے وٹے میں روں ہیں۔ مٹا رہے ہیں اور بیٹھا اور بگینہ  
 نے گھر نہ ہو سکواں سے جو کہ سے روئے گئے تو نہ کیا ذکر ہے۔



اس نئی سے بہت سنتے سمجھتے کی کہ تامل و اجمل سے کر مجھ پر اعلان کریں یا میرے بیوقوفی کے بدلے مجھے سزا دی کر لیجیں اس کو کہاں  
 لایا ہوں اس کے ذمے میں میری ہی سیاحت ہے خوشی نے مجھے میں تو جہنم کی کچھ سیوا اور سنوئی کو سرسمل جو تلوں سے نپوایا۔ وہ نائی وقت  
 سے کچھ کھانا پختہ رکھنے لگا۔ میرے کے لئے خوشی نے اپنی تو صبر جو ملی دیکھنے کی عام ہارنٹ دی وہ نائی بھی پہنچا اس نے دیکھا کہ  
 جبرائیل ایک حرفت پیشہ ہے اس کے قریب گیا انداس پر چلکا۔ پتار کے زخم سے ہوائی شکر کو ملک عدم پہنچا دیا۔ خود کو جہت سے  
 بچے گرا دیا دونوں پر یاد ہو گئے پتار کو کوئی نالے گئے۔ تھامیں مارا گیا۔ خوشی کی جاگیر سرکار میں شامل ہو گئی۔ کچھ عورتوں ہی رتہ شکست  
 صاحب کی ہر نائی سے بہت دردوں کے لیے مقرر ہو گئی۔

**مترغنی خاں مجبشن** نواب مترغنی خاں شکستہ حال مگر قسمت کے دشمن تھے، بلکہ کے حکمران سردستانی حاصل کر لی ایک رستانی میں  
 انگریزی سپہ سالار کی فوج میں شامل ہو گئے۔ نوابی کا خطاب اور زمین حیات علاقہ پولی فرج کے لیے مل گیا۔  
 شاہ جہاں آباد میں ایک عربی نوابی۔ ایک شب بلا خانے کے صحن میں سو رہے تھے اندھی کے چھوٹے سے آنکھ کھلی گئی چاکر اندر جاتیں،  
 اندھیرے اندر غیب کے غیب کی وجہ سے باہر کو بھاگے اور بازار میں گر پڑے۔ سخت چوٹ آئی۔ آخر راسی ملک عدم ہوئے۔ پولی خالصہ  
 شرمین میں شامل ہو گئی۔ ان کے فرزندوں کے لیے کچھ نقد رقم ریڈیٹ ڈبلی کی نوازش سے مقرر ہو گئی۔

**نواب احمد بخش خاں** احمد بخش خاں دکن مرقد ملازگراں ہے۔ جب انگریزوں نے بنٹا کی جانب ہاما مالو کی ملک پر قبضہ کرنے  
 کے لیے جنگ دیکر تیرا احمد بخش خاں دکن بن کر انگریزی افواج کے سپہ سالار اور ایک ہا دکن خدمت میں پہنچے  
 ان کے ذہنی سے سربراہ انگریزی اور مالوہ کے درباری عبد اللہ مستحکم ہو گیا۔ شہر سپہ سالار سر جان اکرم کی نظرمیاری سے نواب احمد بخش  
 خاں نے ملک سیاست کے علاوہ ریڈیٹ ڈبلی کا سندھو پٹیل حاصل کر لی۔

جنرل کٹرلی کے ذمے میں ۱۸۵۷ء سے ۱۸۵۹ء تک، نواب سے بے انتہا واقفیت تھی کہ جیرجے پورا دینیچ میں سرکار جنرل صاحب  
 راستے میں ایک گھوڑی میں نواب کے ساتھ ہوتے تھے۔ مات کو جب تک نواب میرپور انگریز میٹھ ہاتے کھا بھی نہ کھاتے تھے اور نواب کی  
 قنارہ تصویر کچ کے تصویر نگار میں ملنے لگا کرتی تھی۔ آخر کوئی جب دہلی واپس آئے نواب سے اس درجہ خوش ہوئی کہ صاحب کے حکم  
 سے ایک تصویر جاری کی گئی اور صاحب کے سامنے نواب کا نئی نیم بلیت تھا۔

افرنی اس شہر دہلی اسے ہم آقا کے ساتھ ساتھ پورے حکمران پہنچے اور گرانڈ میں داخل ہوئے ان ہی دایم میں جوانی میں ایک جگہ پور گیا  
 وہاں کے لوگوں نے نواب تحسین کو کدوا لے جانے پر حیرت ہوئے اس لیے جھلنے کے لوگ جنگ گئے صاحب نے گرانڈ سے جہان  
 کلاوت کر چا گیا۔ بندہ ساتھ گیا۔ دفتر، خاک تحسین کا ایک چپ سی ان کو لے کر خود توں میں جہاندار ہکا اپنے چہرے مجھے دکھا جو موجودت  
 برگیٹ کو شخص صاحب کے لیے میں کا نام تھا، اے جہاندار کہ مجھے حکم ہے۔ ان لوگوں نے چپ سی کی شہادت تحسین کی کہ ماں  
 شہنائی جہاندار کی جہاندار کا نام تھا۔ اس لوگوں نے پور میں اپنا دیکھ دیا وہاں میں کوئی نواب دس نہ ہا کیونکہ ہاتھ بندہ آدمی کرتا



[illegible][illegible]

یہ امر اذیت سے مشافہت کے گناہ تک پہنچا رہا ہے کہ انھوں نے یہ سوچا کہ اگرچہ ان کے پاس ایک ایسا ہی حضور ہے جو ان کے لیے حضور ہے مگر وہ ان کے لیے حضور نہیں ہے۔

[illegible]

(ترجمہ: سید امین فضل الرحمن)

## سید غوث علی شاہ قلندر

ہمارے عزیز گوارتیزہ طور الحسن صاحب عرف سید طور محمد صاحب نے علوم ظاہری کی تحصیل تکمیل کے بعد اپنے والد ماجد سید محمد علی عرف سید محمد صاحب سے علم حاصل کی تعلیم پائی جب ان کے والد نے رحلت فرمائی تو سندھ سے عزم ہندوستان کیا اور اصرار دیا کہ میرے مائے ہوئے مقام کو گنیمت مضائقہ صوبہ بہار میں قیام کیا اور موضع استھاواں میں ایک سید بزرگ کی دختر سے نکاح ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے دو فرزند عطا فرمائے ایک سید احمد حسن عرف سید احمد علی دوسرے سید محمد حسن عرف سید محمد علی۔ سید طور الحسن صاحب تازلیت دیوبند اور ہزارہ آبادی آپ کے شرف بیعت اور فیضانِ محبت سے مشرف ہوئے۔

حضرت جہانگیر رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی نے جب سنا کہ بڑے بھائی صاحب نے صوبہ بہار کی سکونت اختیار کی ہے تو وہ بھی مع قبائل و مشائخ حکم سندھ سے نہضت فرمائے ملک بہار ہوئے اور موضع استھاواں میں پہنچ کر برادر بزرگ کے شامل حال ہو گئے۔ چونکہ ان کی اولاد جلی دھنی اس لئے ہمارے والد بزرگ سید احمد علی صاحب کو اپنی زندگی میں لے لیا۔ ان کی گذشتہ اوقات کی عجیب صورت تھی۔ چار لکے لے کر مال کھینچ کر تے کوئی ہنسی کرے یا جڑا کھے اس کی گھبراہٹ تھی۔ اکثر بیاہ شادی کی محفلوں میں ان کے حال کا تماشا بھی مروج و معمول ہو گیا تھا۔ حضرت سید طور الحسن صاحب کو بہ امر ناپسند ہوا بدلا سمجھتے کہ بھائی اس تاڑیا حرکت سے ہلاؤ کیوں بزرگ کو بنام کہتے ہو وہ جواب دیتے کہ بھوکہ حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ہی حکم ہے یہ جواب سنی کدہ خاموش ہو جاتے۔ ایک دن کسی امیر کے لشکر کی شادی تھی حضرت کو چار لکے دے کر بلایا حسبِ عادت مجلسِ قوالی میں حال آیا تا شادی تمیز سے پیش آئے اتفاقاً فرشتہ نے بھی دستِ گستاخی دراز کیا اور حکم مبارک میں انگلی مادی وہ انداز لوگوں سے یہی خطاب کہتے تھے اے یہاں چھڑتا ہے وہی کرتا ہے لیکن خوشہ کر کا وہ اے یہاں لوٹتے ہیں گے کام کرتا ہے۔ یہ کہتا تھا کہ تمام آثارِ عرقلوں کے نمودار ہو گئے۔ بالآخر لڑکا اپنی ماں کے پاس گیا اور حقیقت حال سنائی وہ بھی حیرت زدہ ہو گئی۔ فرمایا اُس کے باپ کو خبر کی۔ امیر اور اس کے مطاع کا مؤثریر آپ کے بڑے بھائی صاحب کی خدمت میں آئے کیفیتِ واقعہ عرض کی وہ بھی بہت متعجب ہوئے کہ کم تر ان کو ایسا نہیں جانتے تھے۔ پھر کچھ دن سب آدمیوں کے اُن کے پاس گئے دیکھ کر پوچھے کہ بھائی صاحب خبر ہے یہ عجیب کیسا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ بھائی یہ سب قصہ ہی تو فرماتے ہیں۔ کچھ تم نے کیا کہہ دیا۔ پورے کو حضرت اس وقت نہ تو زبان میوے ہوتی ہے نہ میرے اختیار میں ہوتی ہے۔ پھر کب کیا مطاع؟ جواب دیا کہ وہ لکھ پھر مجلسِ منتقدہ کراٹیں مار دیا میں کے چار لکے دل میں اگر اس وقت حال وارد ہوا اور لکھ پھر مطاع چھڑے تو دیکھیں وہاں سے کیا نکلا ہے۔ حاصل پھر وہی سلطان کیا گیا حال وارد ہوا اور لڑکے نے پھر یہ شروع کیا تو آپ کی زبان مبارک سے نکل کر ”اے لڑکے کیا کرتا ہے؟“ یہ کہتا تھا کہ وہ اپنی اصل حالت پر آگیا۔ اس دن سے آپ نے

حال ترک فرمادیا ہر گنگ کمال ہر گنگ تھا۔ سب لوگ قہقہہ مچا کر کہنے لگے تھے، بات پسند نہ آئی، چھاپا دل میں چھوڑنا اور فحش جملہ مشہور مجرمین  
کا رہے جو دلوں سے تھی کوس پر تھا جب تک کہ جیسے محنت سخت ساری اور کٹائی (مردی) اسے اوقات بسر کرتے رہے۔ باقی شریعہ باہر  
کی بعد ملاقات ایک عالم شائے گنبد زہر پر ہندیا گیا جو اب تک نہایت گاہ خاص مقام ہے۔

جب چھوٹے دانے رحمت فرمائی تو ہاں سے والد ماجد سید احمد علی ہاشمی صاحب کی خدمت میں روخص و محنت سے ہفت  
بسر کرتے رہے۔ جب ان صاحب کے لیے رحمت دہائی تو اپنے والد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے مگر ہم فیض الاولیٰ علیا صاحب سے بھی  
حاصل کیا تھا مگر بیت زنجیری کہ اس طاعناں میں اول والد ماجد سے بیت کہتے ہیں میں بعد اجازت دی جاتی ہے۔ اس وقت حضرت  
والد ماجد کی عمر شریف سو برس کی تھی اور اپنے بزرگوں سے شرف بیت حاصل کیا۔ سرسویں سال آپ کی پہلی شادی ہوئی پھر دوسری  
اور تیسری نکاح کی قربت پہنچی۔ اس کے بعد سواہوں میں ذکر کی کئی رفتہ رفتہ دلائل و بلاد پر گئے مدت تک اسی عرصے پر مامور رہے  
اولیٰ بخش نے کر گھرائی چھپے اور گوشہ عافیت میں یاد اٹھائی کہتے رہے۔ قربت جمالی بھی آپ کی ایسی تھی کہ راجا جس کی قول کی طرح کھینچ  
لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی بارہ فرزند عطا فرمائے۔ زور و ادائی سے سات، زور و ثانی سے دو، ابو الحسن عرف غوث علی اور سید رسی  
(ولادت، دسمبر ۱۸۰۰ء) دو بچہ ملائیت سے تھی صاحبزادے تھے۔

ہاں سے بہادر عالم زاد سید قائم علی ہاں سے والد ماجد کی معرفت رحمت سے ملے میں ذکر کہتے۔ چند دن کے بعد ایک انگریز کو جو رسالہ  
کا آخر تھا اردو پڑھانے لگے ہر گنگ جمالی صاحب آزاد خوش اور دیکھی طرح آئی تھے دیوالی بدھو، مہرم، شہزاد، رحمتان سب کا لطف  
اٹھاتے تھے اقلے فراموشی و ذکاوت کے لہذا ہر گنگ بخت رہتے فحش و فحاش و معتد بھی بے بدل تھے کھینچے میں یکمل حاصل تھا  
کہ ہر خط میں خطا ملاحظہ تھے۔ اتفاق سے دیوالی آئی غرض اس وقت اس انگریز کے نام سے تن خواہ کا ملی بنایا اور بعینہ اس کے سے  
و ستار کے خواہنے سے پیشی و مہر وصول کر لیا اور اہام دیوالی میں خوب کھا دیا اور جب انگریز نے سب وصول خزانے پر ملی بھیجا تو فرخ زاد  
نے وہ پہلا بل دیکھا اور کہا کہ تم میری وصول کر لے کہ یہ دیکھا تو بعینہ اس کے دخل سے دیکھ کر تیرا ہو گیا۔ بعد تحقیق پتا لگا کہ پہنائی سید  
قائم علی کے سوا کئی نہیں کر سکتا کہ جاکر حال دریافت کیا تو آپ نے سواہوں کی بھیج دی کہ یہ سواہوں کے سوا کئی نہیں ہو سکتے ہیں انگریز  
بند کئے گئے تیسرے دن پہرے دلوں سے اس کے سواہوں میں اب تو ملی ہو گیا کہ ہاتھ ہی یہ کہہ کر انھوں نے آنکھوں میں غائب ہو گئے تیری اور  
ہشکڑی پڑی رہ گئی پھر خود کیا تو کچھ ناچنے پر کھڑے ہوئے بے باک کہتے ہیں کہ صاحب سے ہمارا سلام کہہ دینا اور ہاشمی ہم جانتے ہیں اگر کچھ  
حوصلہ پکڑنے کا رکھتے ہو تو آواز نہ ہرے والے ملے والد صاحب کو اطلاع دی اس نے فوراً رسالہ کو تیرا کیا اور گرفتاری کا حکم دیا۔  
سواہوں نے اگر ہر طرف سے ہمارا کر لیا اور چاکا کر لیا کہ یہ دیکھا تو صرف ایک جھٹکا کھڑا ہے دلوں سے غائب ہو کر دھوکا کھینچ رہے  
اور بے کمر صاحب سلام اب ہم جانتے ہیں صاحب سے بھی سلام کہنا۔ پھر سواہوں نے اس طرح سے گھیر لیا دیکھا کہ ایک بچہ ملائیت  
کھڑا ہے اور سید صاحب کا پتہ نہیں۔ پھر کھڑا کاش کہنے لگے اسی سید میں ایک خدی بہت تھی دیکھا کہ نہی کے اس کھڑے پر کھڑے  
ہوئے کہتے ہیں۔ (ریاضی سلام ہے۔)

اب تو جانتے ہیں کہ کس سے میرا پھر میں گے اگر خدا والا

**تعلیم** | مجسم پادریوں پر چڑھنے کے لئے قرآنی والدہ نے ہم شہر چھوڑ کر کئی شریف شروع کیا اور ہنڈت نام سینی نے جو پدر  
 دینی تھے ان کا کام لے کر شہر کا اندر بندہ آقا زاد کی دس برس کی عمر میں قرآن شریف نصت حفظ کر لیا اور نصت نظر چھو  
 کتب خانہ چھوڑ کر سکندریہ شہر کی والدہ صاحبہ سے پڑھیں اور منسکرت ساریت سداہ چندر لاکھ ہنڈت ہی سے حاصل کی اور عربی کی طرف  
 نورانی حیات صاحب سے عربی والدہ صاحبہ کے والد تھے۔ پڑھی بعد چند مدت کے ہمارے والدہ صاحبہ نے اپنے پاس دہلی میں بلایا  
 یہاں مولوی نور سائل صاحب سے ایک سہن کافیر کا اور مولوی شاہ محمد اسحاق صاحب اور مولانا شاہ عبد العزیز صاحب سے حدیث  
 شریف پڑھی باقی کتابیں مولوی افضل نام خیر آبادی سے پڑھیں۔ یہ مہرورد و مخور ہمارے حال پر نہایت شفقت فرماتے تھے اور ان کی الیہ کہ کمال  
 مادہ شفقہ کی محبت تھی کئی کفر ہمارے کھانا تناول نہ فرمایا کرتی تھیں ہم ان کے ساتھ خیال ہی گئے اور ضروری کتب دینیہ و مطلق پڑھنے لگے  
 جب وہ عالم قدس کو رحلت فرما رہے تو ہم کرامت رکھ عالم ہوا اس دن سے کتابیں بالائے طاق دکھ دیں کہ اس شفقت سے کوئی پڑھایا  
 دہم پڑھیں گے۔

**بیعت** | ہم نے حسب دستور اپنے خاندان کے، اول اپنے والدہ صاحبہ سے بیعت کی حضرت والدہ نے بعد تعلیم دیکھا کہ در طلب  
 علم ہے خود اولیاد اللہ کی خدمت بابرکت میں لے جانے لگے اور جہاں جہاں مناسب سمجھا بیعت کرایا۔

زمانہ طفلی میں ہم کو ایک سنیاسی نے جو ناڈی کپالی تعلیم کی۔ اس مشغل میں حواس ظاہری مقفود ہو جاتے ہیں اور روح و دماغ میں ابھارتی  
 ہے جس خیال میں انسان بیعت ہے اسی میں رہتا ہے جب ہم کو مشق ہو گئی تو ایک دلی خیال آیا کہ ہمیں خود دوسرے پڑھیں اس کا اثر ہم پر تھا یا  
 نہیں۔ ہم نے اپنے بھائی کو جو والدہ صاحبہ کلاں سے تھے کپالی چھائی وہ بالکل بے پریش ہو کر بظنل مردہ گر پڑے۔ اتنا نام کہ آتا تھا نہایت بڑائی  
 دیا میری مٹی کو اب کیا علاج کریں والدہ صاحبہ کلاں کو خبر ہوئی مضطرب ہو کر تشریف لائیں اور فرمایا کہ ایک تو گیارہ دوسرا بھی چلا لوگ لگائی کر گئے  
 اس نے بھائی کو مار ڈالا ہے ایک بیاروی کا کوکاس کے سامنے گر دیا بھائی کو چھتا اس سے فرمائیں کہ نہیں معلوم کیا ہوا ہی کیا کرنے کی ہے۔  
 میں گھبرا کر اس سنیاسی فقیر کے پاس گیا اور سارا حال بیان کیا اس نے بہت غلامت کی اور کہا کہ تم کو اس واسطے بل سکھایا تھا کہ لوگوں کا تقاضا  
 دیکھو تم نے تو اس نے سکھایا تھا کہ باطنی مشغل رہو گے۔ خبر داد بھرا لیں حرکت نہ کرنا یہ کہ کہ ہمارے گھر آئے اندھ بھائی کے سر پر چڑھیں بھڑوکی  
 جب تیسری ملک کی فیت پئی تو اٹھ بیٹھے پھر نے بھائی سے بے پروائی کی کیفیت دریافت کی کہا میں تو زندہ تھا اور تم سب کو پکار پکار کے کہتا تھا  
 کہ میں زندہ ہوں تم گھر و دست میں کہیں میں پڑا ہوں کہ کو نکال لو لکھ تم سننے دتے اور لکھ کسی طرح کی تکلیف بھی دتھی اس دن سے ہم نے توہم کر  
 لی لکھ دیا کام ہو کر دہریں گے۔

ہمارے دل کے چاروں طرف اندیک کے اندے جا کر کچھ چھانک رہا تھا ہم نے وہ بافت کیا اس نے کہا میں صاحب میں ایک منتر بتاؤ  
 کہ ہمیں ہم نے کہا جس منتر پر منتر ہو کہ ہمیں ساتھ لے چلو وہ ایک رات کو آیا اور ہم کو بھی ساتھ لے گیا وہ ایک کے کمرے پہنچ کر وہی ہو گیا  
 اور چاروں طرف لکھنے بیٹھ گئی وہ منتر پڑھ کر رات بھر نماز پڑھ کر کچھ میں نے کہا اب اس کا تقاضا نہ کرنا۔ اس نے لکھ کر چھو کر ایک  
 منعت پڑھنے سے اور ہم کنگ گئی وہ دلی کرناک یہ ہو گیا یہ منتر جو دیکھ کر ہم نے کہا کہ اب تو ایک لکھ ہمارے اوپر اور اس نے  
 اعلیٰ آیت لکھ کر دیکھنے سے مجھ پر کرنا اور شہید ہو جاؤ۔ ہم نے "پیش محمد صمد علی شہیدانہ" کہہ کر اپنے گرد حصار کھینچ لیا اس

جب حضرت لہو لہو رفته شدہ ایک تنہا دیوانہ کو کھڑی دیکھ کر دلی سے غلبہ فرمایا اور وہ لڑنا شروع کیا جس پر مرزا صاحب بھی فحشیت میں سپرد  
ہوا اور ایک لڑاکا رسلہ لایا اور وہ پہلا آدمی شروع کیا اور چونکہ حضرت دلدلہ ہوا اور دلدلہ دلدلی واسطہ تھا تو اس نے ہم دونوں میں بھی  
لی پھینکا۔ وہ لڑاکا ہوا اور باوجود نہایت حسین و جمیل آدمی تھا یہاں تک کہ کہنے میں صورت پر آپ رفته ہو گیا ایک دن کیا دیکھتا ہوں کیا آئینہ درو  
ہوا اور آٹھ آٹھ آنسو رو رہے ہیں کہ پچھا، کیوں پھلن لڑو؟ اور کیا کہوں کہ کوئی اپنی صورت پر آپ پہلے آتا ہے اگر وہ سرے پر عاشق ہوتا تو یہ  
دیکھنے کے لوگ کتابت خود ہی عاشق خوری مشرق کوں لڑا کہوں میں سے کیا ہے تو کہہ کر نہایت نہیں تم آٹھ میں اپنے آپ کو کھو اور میری  
ان سے شک ہوا۔ بٹھنے لگا اور کہنے لگا کہ ابھی تم کو زبردست دل لگی ہے سوچو تو یہ تمہاری جگہ سے کئی سرے یا جیے۔ پھر آئینہ چیک کر کر اچھا کیا۔  
پانچ سو دلدلہ کے واسطے میں ایک نئے کرنل صاحب بدل کر کہنے اُن کے ہڈیوں سے معلوم ہوا کہ کرنل صاحب صرف تو کسی کے  
انتہا پر جاتے ہیں وہ دلت دلت اپنی شکریہ میں تنہا ادب چپ چاپ بیٹھے نہ پتہ میں نصف حق لڑا تو تم کو دیتے ہیں اور نصف خدا کے نام  
پر کہتے ہیں رفته رفته ہمارے دلدلہ بہت بڑا تر ہو گیا ایک دن کیا کہہ رسلہ اور صاحب آپ کی نسبت ذوق و شوق میں بہت جوش  
پاتی ہے مگر قہر میں کبھی نہیں۔ یہ بات سنا کر دلدلہ بے شمار ہو گئے کہ سرے سے باہر آکر کہنے لگے کہ بھلا مجھ پر یہی قہر دیکھیں ہے چونکہ حضرت  
بہ نسبت قوی اور بڑے زور کی تھی تین چاروں میں میں ایک غلبہ لائی کہ کرنل صاحب پر بھی ذوق و شوق طاری ہو گیا یہاں تک کہ کہنے میں تنہا  
لہو لہو کرنے لگا کہ وہ دلدلہ نے پہلے کہا کہ صاحب اب وہ تو قہر کس کی؟ جواب دیا کہ رسلہ اور صاحب ہم نہیں جانتے آپ نے کیا کر  
ا۔ اب تمہارا جی دوسرے ہی میں لگتا ہے آپ کی نسبت نہایت ابرو دست ہے۔

عزیزہ روس باجپیر میں جب ملکہ رسالہ نصیر آباد کی چھائی میں قاتریم اللہ والہ پیشہ خبیثہ کے دیو عصی کے وقت حضرت غلام سید علی چچہ چشتی رقت اللہ علیہ کے حواریہ جایا کرتے تھے اس وقت میں ملکہ عصی اپنے انگنڈہ زانیہ اس زمانہ کا بہت بڑا بھول تھا جس سے وہاں کثیری فحش کے عیس ہی موجود تھا بہت ملک اس کے گرد ہی رہ گئے تھے ہاں سے ملکہ کو کسی اس کے اس تقریب سے جانے لگے پہلی ہی محنت میں فریاد کیا کہ غرض انہوں نے وہ فحش کا معرکہ ہر وہ بھر رکھا ہے چھپنے والی بہت ہے جو کہ گنہگار ہفتہ میں ایک بار اس سے نہتہ زانوں کی کج فتنہ ہی عرصہ میں ایک شہسوار سے کشتہ بازی کے پاس باجپیر میں گھاتا کر مسدود ملی سے ملکہ عصی کی گھر کو ڈک لٹا ہے کہیں پانگہ تو اطلاع دے اس کے ساتھی شہسوار سے کاشمیری

میں نے صاحب کے کہنے پر کسی نہایت گہرا اور کثیر کوثری کوششوں وغیرہ کے عیسوں میں حضرت کی غافانہ کے اندر موجود ہے۔ کثیر صاحب  
 ان کے لئے میرا کہ میں اس کا شکیلی لکھ کر تو میرے مطالبی تکیا تو سرسورق دیا دوسرے دن تمام انگریز مع رسالہ اور پٹن کے دو گھنٹہ شریف میں  
 اس کے بعد قیصر کے سامنے فرمایا انا کو کثیر سے کہنے بولا باخیر ہے؟ انگریزوں نے کہا کہ آپ دلی صدر دوس میں چھاؤنی میں شریف سے چلے آئے ہیں  
 تو ان کو کیا کہیں؟ جب قیصر نے کہا تو میں نے کہا کہ میں نے قیصر کو شکیلی لکھ کر دیا تو وہ شکیلی لکھ کر دوس کو شکیلی لکھ کر شہزادہ  
 علی گڑھ میں سے جہاز لینے کو آئے۔ عیسوں روز بعد اجیر سے روزانہ بر گیا اس عرصہ میں ایک دلی ہمارے والدہ کو ہاکر دو تین گھنٹے تک باتیں کیں اور  
 بہت کہا کہ ہمارے ساتھ چلیے اپنے باپ سے کہہ کہ آپ کو ہر جمعہ دلاؤں گا۔ والد نے کہا کہ بھلا میں اپنے بال بچوں کو کھجور کر کسان جاؤں گھٹان  
 کے لئے تو آتا ہوں؟ کئی ہے شہزادے نے کہا اچھا آپ اپنے بال بچوں کو کبھی ساتھ لے چلے فرج ہمارے دھرم اور اگر بیٹھ کر شہزادہ جو تو چہ بیٹھے  
 ہمارے پاس راہ لگئے اور چہ بیٹھے اپنے بال بچوں میں اور اس آمد وقت کا فرج میں دلی کا تحفہ آپ کی اس کے علاوہ رہی۔ ہر چند شہزادے نے  
 بھلا کر دلا دیا مگر نہ ہرے۔ جب شہزادہ اپنے حکم میں آئے تب بھی جنرل صاحب کو کئی کئی کھیر احمد علی رسالہ دے ہمارا سلام کہ دو اگر  
 اب بھی وہ آنا چاہے تو وہ ہاکر دو جنرل صاحب نے ہاکر کہا کہ شہزادہ تم پرست ہمارا ہے تم کہیں نہیں جلتے ہم تو ذرا سامی سہارا پاتے تو  
 فوراً چلے جاتے معلوم نہیں تم سے کہیں اس قصدش ہے کہ بار بار طلب کرتا ہے ہمارے نزدیک اگر مستقل طور پر نہیں جاتے تو بطور بیوی چلے  
 جاؤ رخصت دلا دیا ہمارا کام ہے مگر والد نے جانے کا ارادہ نہیں کیا۔

میرا غم علی شاہ صاحب قبلہ کے بہادر راہ پر جانے کا اتفاق ہوا تو کہتیاں کے مکان پر پھر سے ان کو اخیری کی دعت تھی ہر دم چیک  
 میں رہتے اور رات کے بارہ بجے کانا کھانے پھر کام چرتے چرتے دو بجے سونا ملتا۔ صبح کی نماز تھا بر جلق۔ ہماری طبیعت گھبرا کر ناچار ہم نے بیہیم  
 کی کہیں وقت مؤذی فشاکی انڈان دینے کھڑا ہوا تو ہم نے سکھا دیا کہ ”اصلوٰۃ خیر من الزم“ بھی کہہ دے۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ کہتیاں صاحب  
 چیک سے چرنے اسے میاں جہر کھانا لاؤ آج تو صبح ہی ہو گئی کانا آگیا جب کھانا چکے تو تین دن دس بجے کہتیاں صاحب بولے ہیں یہ کیا؟ فریجے  
 صبح کی انڈان کرنے کہہ دی؟ مؤذی جا چکی اس نے کہہ دیا کہ حضور مجھے تو مولیٰ غوث علی نے فرمایا تھا کہ تو ”اصلوٰۃ خیر من الزم“ اسی  
 وقت ہر چہ دے میں نے اُن کے کہنے کے موافق عمل کیا ہے۔ کہتیاں صاحب ہماری طرف مطالبہ کرتے ہیں کہ کانا صاحب بارہ بیچنا  
 بھوک کے دے اسے انہی قی ہو لہذا پرستی پر پھر وہ بچے مورتے ہیں تو صبح کو ان کو نہیں کھاتی بجز اس بات کے کوئی کارہ دیکھا۔ کہتیاں صاحب  
 نے اسی وقت اپنے آدمیوں کو ہاکر دیا کہ ان کو آٹھ بجے کانا کھلا دیا کرو۔

ہم سونی پت میں میرا غم علی شاہ کے بہادر قلعہ مسجد میں رہتے تھے ایک دلی فریز صاحب ریڈیٹ دلی تشریف لائے اس وقت  
 ولیم فریز صاحب کے اندر تھے ہم سے پوچھا کہ یہ کس کا مکان ہے؟ ہم نے کہا کہ ایک پیر زادے کا۔ صاحب نے کہا کہ  
 ”پیر زادے تو شک ہے یہی کہہ لے گا کہ“ ان صاحب بہتے ہیں کہ ”یہی گفتگو تھی کہ میر صاحب تشریف لائے صاحب نے پوچھا کہ کیا  
 رہا؟ ہم نے کہا صاحب یہ وہاں تک ہیں کہ مکان ہے بولے نہیں نہیں یہ تو پچھلی صاحب ہیں اور کہ انشا دے سے منہ کیا کہ وہ ہات  
 سے دیکھ کر صاحب کا راج پوچھا دینے والے تھے دوسرے دن ہر صنف سے دعوت کی اور جب تک وہاں قیام رہا  
 میر صاحب کے سلام کہنے سے پھر وہاں کی جانب کھ گیا۔ نہایت لطیف و خوش مزاج انسان تھا۔





[illegible]

کیر میں ایک خان صاحب تشریف لائے۔ کمرانہ سے، محمود لگائے۔ دسلام دوما۔ اول یہی سوال کیا کہ فرخ علی شاہ کن چلے  
میں نے کہا فریضے؟ برے آپ کہ کیا آتی ہے؟ میں نے جواب دیا کہ میں آتی ہے، انا کہ کم کو بادوام میں نے کہا نہیں بتاتے۔ برے کہیں؟  
میں نے کہا، ہمدانی فریضے؟ بھر کچھ فریضے آیا کہ یہ چٹان ایک جاہی سپاہی اور ہتھیار بند سے یاد ہو کہ محل کرچٹ کر چٹھے۔ میں نے کہا کہ خان صاحب  
آپ کو کھولیں، آرام فرمائیں بھلا ایسی چیز زبردستی سامان چلے کرتی بتاتے ہے؟ آپ فریضے تو سی دیکھا جانتے مگر فرخ خان صاحب نے کھول  
دی اور ہمارے پاس قیام کیا۔ ان دنوں ہمدانی خضای بھی کہ روکھ کھل جان جو یہ و ہزار کا سنگ جس جنگ میں خود زود ہوتا تھا۔ شام کو یہی کھانا  
مہ نے ان کے سامنے رکھا۔ خیر خان صاحب نے لہجہ میں کھانا شروع کیا مگر فرخ حق سے اترا نہ تو رہا تمام نے ہم پہا کیوں صاحب خیر ہے؟





اس کے بعد باہمی نے کہا کہ تم ایک اور قاتل ایکائیں ایک کو صلی ڈھکی بھری ہوئی منگائی اور اس میں سر کر اور ننگ ڈال کر  
 دو کو پھانسی پر لٹکے اور آپ کوئی شے اس کو درست کر سکتی ہے ۹ میں نے کہا کہ نہیں پھر وہی ٹھک چا دل پھر اس میں ڈال کر کڑی  
 چائے پھر دیکھا کہ اس کا صدمہ اسی حالت پر آگیا پھر کئی ہی سر کر اور ننگ اس پر لٹکا کر اتر رہا جیسا تھا ویسا ہی رہا ابابجی نے جیلوں کو حکم دیا کہ  
 ڈھنگورہ کی اس دودھ کو دو دو پئے لگا کر صاحبان چھین کو آپ کیوں نہیں چلا دیتے۔ فرمایا یہ بیش گے تو کالی دشوت پرست اہر جائینگے  
 ہم سے براہ حیات فرمایا کہ تم کھانا تو کم کھاؤ دیں مدت بہت تک اس کی تاثیر رہے گی میں نے کہا بہت اچھا اگر اس کا آثار بھی بنا دیکھئے وہ نہ جانے  
 ہر جن کھانا پر روز کھائے وہیں گے فوٹے گے میں خدا ملک ہے ہم نے کہا سبحان اللہ دو اکلنے کے تو آپ ملک میں اکلنا کھانا کھلا  
 کھاتے خدا ملک۔ میں ایسی دوسے باز آیا۔ ابابجی کی عمر چار سو برس کی تھی متر بری میں لایا بٹ کرتے تھے۔ اسی طرح کہ چھینے ایک کوٹھری  
 بڑھ کر جیلوں پر لگا کر دیر ایک دو اکلنے تھے پلا جم بھٹ کر اس کے اندر سے بارہ برس کی عمر کا ایک جسم نکل آیا تھا جن دونوں میں ہم گئے  
 یہ وہ دوا تیار ہو رہی تھی۔

ایک دفعہ میں حضرت مخدوم علاء الدین علی احمد صاحب رقتہ اللہ علیہ کے مراد تبرکی کی زیارت کو کہم گئے۔ ہریانہ کی سرحدیں پہنچنے کا اتفاق ہوا  
 جب میں شروع ہوا تو اطراف و جواب سے سونہ کا دودھ و ہرنے لگا خوش اقتصادوں کے جہوم اور آہنگ دسروں کی دھوم اور باب شوق کی کستی  
 اصحاب ذوق کی ہلاکتی سے ہنگامہ مزمزم ہوا میں میں وجہ حالت کی گرہ لگی میں اس مجلس کے اندر پہنچا دیکھا کہ تین شخص رنگیں لباس ،  
 وہ شوق سے سرست میں اور اصافروں کا برخانہ مش۔ مطہران خوش آہنگ کسی سوختہ دل کا یہ شرمگاہ تھی :

یشکایت ہے ہیں اس ساقی نگہاں سے

دور سا فری ہیں مردم مکا جام سے

اُن ہی سے ایک فردا فردا کا اندھ میں نے پڑ لیا اور لٹکا کر آپ نے اس شرے کی کیفیت اخذ کی اور تحقیق صافی سے کیا اور آپ کے  
 دل پر مرتب ہوا انھوں نے فرمایا کہ ہم جو گھر خشک پڑتے ہیں سو گھر کو دیتے ہیں۔ میں نے کہا کہ حضرت کیا آپ کے دل مردوں کی طرح ہی التیرا تھوڑا  
 شہرہ و قوم ہے نام جوں گزرتا رہ گیا جس کے ہم میں آپ کو مرگئی کہتے ہیں اور اگر دیا ہو تو تمام قسمت ہے نہ جانے تعویث۔ کیونکلاس  
 نے کہہ دے جنکوں کو مارا اور تندی نگر میں ہے۔ یہ بات سن کر چپ چپ ایک گوشہ مجلس میں باہینے معلوم نہیں کیسے غلطی سے گردن  
 ہلکانی یا خدا سے جی ٹکا نیچے پھریں نے دوسرے کا کوش سے وہی سوال کیا جو پہلے سے کیا تھا وہ نے کہ حضرت کیسی غزل اور کساں کا شعر۔  
 ہم کہتے ہیں داس کہنتے جی میں تو آپ اور سے معلوم ہوتی ہے ڈھوک کی قلاب پر سر دھنتے ہیں۔ میں نے کہا کہ بہت درست :

کسانیکہ یزدہرستی کنند بر آواز دو قاب مستی کنند

پھر تیسرے صاحب نقد سے بھی سوال کیا انھوں نے فرمایا کہ حضرت شرکاء طلب رہے کہ جب حضرت خاتم الاولیاء علیہ السلام  
 رات شب صبح کو صبح و صحتات طے کرتے ہوئے پہلے حدیث کہہ کر پھر قرآن پڑھتے کہ سلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ  
 ہیں اس صبح کو حضرت صحت پانچوے دو پیش فرمایا ایک حدیث تو فرما کر انھوں نے صبح کو صحت پانچوے فرمایا کہ سلام علیک  
 دلی ہوا تھا صبحی سرت تیرا کہہ کر انھوں نے صبح کو صحت پانچوے فرمایا کہ سلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۵ کہ سختی کہامت گاہک راند

میں نے عرض کیا کہ حضرت غیر اودانے تو گناہگاروں کو صلیب سے بھی پٹے دودر مانوس کی سختی کے ساتھ شریک کر دیا ہے۔ چنانچہ عیسائی صلیب پر شاہ سہہ صلیبیں کر بعد عطف جہاد کیا اور وہ عیسائی کو اپنے ساتھ لے کر جہاد سے لیا اور اس کی نیت پر سختی ہے یہاں تک کہ ان کا جوش و خروش دیکھا گیا اور خاموشی ہو گیا ایک جانب چٹے گئے۔

شاہ ابوسعید نقشبندی

جب ہم بیرون میں تھے تو کپڑے بالکل پھٹ گئے کہ میں کوئی دھڑی بھر لے کر چھانے شروع کیے۔ جب کپڑوں کے لائن نام آگئے تو چھانا ترک کر دیا اسی زمانے میں مولوی حبیب اللہ شاہ کی خدمت میں سہہ لیا اور حضرت کی اسلامی قرآن شریف علی ہمدانی جیسے کو بہت درستی اور اصول حاصل کر لی اور یہ تمام سلوک نقشبندیہ شاہ صاحب قبلہ سے لے کیا جب میرے ساتھ دودر اور دودر کی ہر گز تو حضرت سفر دیا کہ رویت صاحب تعلیم فرمائی میں نے عرض کیا کہ آپ کی توجہ بے لطفی دودر اور خوب تشاد کچھ حرکت فی صحت یہ خدا کا ہاتھ تو کسی دانت سے میں دنگا دیکھ لیتے ہیں سب جہاد ہی کا سرنگ معلوم ہے کہ اس وقت توجہ اہل کو بہت پسند ہوا کہ گرامات کو دودر دیکھ کر کہا تو بہت کچھ میں مانگی ہو نہایت محنت اور دودر آؤں تھے کچھ کرنا لگے: یہ تم کی کہتے ہو میں نے جو فرما دیا وہاں کیا تو وہ حقیقت خدا سے ہے میں دیکھی کسی دانت سے اور پیچھے میں مقتدی نہیں آؤں صاف فرما دیا کہ یہ بات بھلائی ہو صاحب ہمارے اس کھٹے گرسنے اس سحر برہم کی لنگو نہیں کی۔ تو وہی جی کرنا ابوسعید صاحب سے بہت عرض کریں چنانچہ شاہ صاحب نے کہہ دیں گئے اول شاہ ابوسعید صاحب نے بتایا کہ وہ شکی توجہ دی تو گناہ کو خیال تھا کہ دیکھ کر کیا حالت ہوتی ہے اگر ہم تو جیسے تھے ویسے ہی آؤ کھڑے ہوتے ہیں اس کے مرقا حبیب اللہ شاہ صاحب نے وہ فقرہ عرض کیا کہ شاہ ابوسعید صاحب نے فرمایا کہ یہ سب لکھنا تو نہیں معلوم ہوتا۔ یہاں صاحب نے میری طرف اشارہ کیا اس وقت جناب شاہ صاحب نے غصے سے انصاف کی بات فرمائی اور بہت ہی مستحق جواب دہا کر سنا ماجرہ سے جو کچھ ہم کو بد گئی سے پہنچا تھا وہ تم کو پہنچا دیا اب اگر تم دودر فراخ اور صواب ہے تو اور بگڑنا شروع کرو۔

میرٹھ | بیڑ میں صاف جوال الہی صاحب کی وجہ سے کیا کہتے تھے۔ ایک ہمارے ہاتھ آؤ میں کی دعوت کی جب فاقہ شروع کی تو گھنٹہ بھر تک بیڑ گئی کے نام پہنچے وہاں روح پاک نکلاں نکلاں۔ آخر پہنچے شک کہ میں نے عرض کیا کہ حضرت سب کے شمار تو ہوتے ہی ہاتھ سروروں کے نام ہی ہمارے پیچھے جو اصل کھٹے دے یہی بزرگ کو تاب جب پہنچے گا جب الہی ہاتھوں کا حکم ہو گا اس بہت پر صبر رکھ تو انہیں پٹے اور بسن کا نام ہے لیکن یہاں فاقہ جہاد فرمائی۔

منزلہ اور

مرض مند اور میں پہنچے تو سنا کہ یہاں ایک سید صاحب شیعہ تھے مرتے دم انہوں نے یہ وصیت کی کہ یہاں دودر لیں تو انہوں کی شادی نہ کی جائے جب حضرت امام صدیقی آفرقوں کا حضور جو تو یہ دودر لیں کے نکاح میں دی جائیں۔ ہم نے سید صاحب کی پیروی کی کہ امام صدیقی حیرانم اور شریعت محمدی کے تعلق میں گئے وہ اس شریعت میں وہ منہ لایا کچھ کہتا نہیں ہیں مناسب ہے کہ اس میں سے ایک کی شادی کر دو اور ایک امام صاحب کی نذر کے لئے نہ چھوڑ دیا چنانچہ ایک کی شادی ہو گئی تھی کہ بعد اہل گناہ کہ اب اس ایک خیر کی کچھ گناہیں بشارت کا ہے خدا جانے امام صدیقی حیرانم کے گھر تک اس کے قریب کہہ دیا کہ اس سے قریب تر ہے کہ اس کی شادی کر دو اور اس کی اولاد سے امام کے زمانے میں جو بزرگی ہو جو ہر امام صاحب کی خدمت کی جائے گا

دعوتِ محمدیؐ کی ابتدا تھی۔ مگر اس کی گہرائی ہو گئی۔

**کوتہ پور** جب ہم کوتہ پور گئے تو چکاکا کوچی دم آئی کہ جہانِ نشین صاحب نے حضرت احمد شاہ کے مزار کا طواف و سجدہ کیا۔ ہم نے کہا کہ صاحب طواف و سجدہ تو سارا ادا ہوا اگر حضرت غوث الاعظم کے مزار پر آپ ہوں تو دن کی کیچے گا؟ اور حضرت ولی مقبول علیؑ کی زیارت کسے کی؟ کیا دانی رکھا؟ اور حضرت سے تو کچھ مطلب ہی نہیں جس کے لیے کہ ادب و تعظیم و مدد کرے۔ وہ غائب ہو گئے اور بڑے کہ میں طالبِ علم تھی ہوتے ہی اسی واسطے ان کو نص نہیں ہوتا ہم نے کہا کہ صاحب ایسے فیض کر ہمارا اسلام ہے کہ جس کے لیے خدا کی عجز و کمزوری کے سامنے سر جھکاؤں اور توجہ سے نکل کر شرک میں مبتلا ہوں۔

**شاہ نیاز احمد پٹواری** ایک بار شریعتی میں گئے پھر وہاں شاہ نیاز احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی نہایت اخلاق سے پیش آئے ہر صفت موصوف تھے۔ ہم چند روز وہاں ٹھہرے ایک دن میاں صاحب فرمائے گئے تم ہر دوست کیل نہیں کہتے ہم نے عرض کیا کہ حضرت جو کہتے ہیں وہ قابل اور خالی ہیں اور جو خالی ہیں وہ کہتے نہیں۔

ایں مدعیانِ مد طلبش بے خبر اند  
کا زاکر خبر شد غرض باز نیاہ

دوسرے یہ کہ ہم غصے سے طالب۔ اگر ہر دوست کہیں تو طلب کسی کی کریں؟ مولانا صاحب تو چپ ہو رہے مگر ان کے غلیظ صاحب بعد کے کہ اسے گھر سے میں آؤں تو تم دیں گے ہم نے کہا ہم اللہ۔ وہ مجھ سے جا کر توجہ دینے چلے گئے کہا کہ صاحب اس وقت تو آپ اہل مولانا نیاز احمد معلوم ہوتے ہیں غلیظ صاحب نے کہا "اجی استغفر اللہ۔" اور کہ کتاب سے کیا نسبت ہے۔ چو نسبت خاک را با عالم پاک؟ ہم نے کہا سبحان اللہ خدا بنے کر تو آپ تیار ہیں مگر نیاز احمد نہیں بن سکتے۔ پس دیکھ اپنی توجہ۔ ایسی توجہ کہ امی جو کبھی تو خدا ہی چھے اور کبھی بندے کا بچا بندہ۔

گفتنمیں مولوی محمد الرحمن صاحب ترمسے ملاقات ہوئی ان کی حالت تھی کہ جب کوئی آتا تو فرماتے آؤ مہرود اور بھاتا تو کہتے جاؤ مہرود۔ ہم سے بھی حسبِ حالت یہی کام کیا۔ ہم نے کہا کہ حضرت مہرود مہرود تو ہماری بھی میں آگیا لیکن آؤ جانے کس کی کچھ دیکھ۔ مولوی صاحب نے کچھ جواب دیا لیکن سر ہٹا کر بہت دیر تک ہادی طرف کو دیکھتے رہے۔ غیر تعذبی دیر بعد ہم چلے آئے پھر دتے۔

**نگر گڑھے حضرت** مولانا صاحب نے حضرت کی زیارت کرنے دیر بزرگ، مولوی حبیب اللہ شاہ راہپوری کے شیخ تھے، اور شاہ ابو البرکت کے مرید۔ بہت خاطر و مدارات سے پیش آئے حال دریافت کیا ہم نے اپنی سرگزشت سنا دی پھر ان کو کچھ عرض جو بیا تو ہماری طرف متوجہ ہو کر آوا اللہ کی عرض مٹانے کے خیر اثر تو کیا چھنا تھا گھر کی قدر گری بہار سے مزاج میں آگئی۔ ہم نے کہا کہ حضرت خصوصاً ہر تکرار عرض کریں، کہا کہ فرمائیے۔ میں نے کہا کہ پر بھتا ہی ایک صاحب کمال گرد تھے انہوں نے پیر زاد سلی میں ایک بوجھ لٹکی سے شادی کی۔ لوگوں نے منع بھی کیا مگر وہ کب مانتے تھے۔ جب شغل مہرود کا وقت آیا تو پر بھتا ہی بے چارے شیخ خالی سے یہ کہہ سکتے تھاج ترا کہ دست بلند و گرچہ دانی منت۔

تا چار اتر سے حسبِ تہپ کہنے لگے۔ وہ بھولی بھالی مدح و ثنا، اطرا ابیلی بھی کہہ کر دعوت میں ہی معاملہ ہوتا ہوا چند را کے بعد پر بھتا ہی نے گنگے کے نشان کا ارادہ کیا اور اپنا خاص چیل چیلنا جو نوجوان تھا گھر کی حفاظت کے لیے چھوڑا وہ گھر کے اندر آسا

### ۳۔ کسٹن کرانت کہ ہمارے

میں سے عرض کیا کہ حضرت خیر اللہ نے تو کیا ہمارے دل کو صالحین کے لیے دودھ مارا جس کی اہل فتنہ کے ساتھ شریک کر دیا ہے۔ چنانچہ ہمارے خیر جس پر شاہ سید صاحب کو بعد حلف جدا کیا اور حسیل کو اپنے ساتھ لے کر اس سے لاپتہ ہو گیا۔ اہل فتنہ کی ہمت ہو گئی۔ یہ بات سکران کا جوش و خروش دیکھا کہ ایک اور خاموش ہو کر ایک جانب بیٹھ گئے۔

### شاہ ابوسعید نقشبندی

جب ہم بیٹھیں تھے تو گہرے بالکل بیٹھ گئے کہ میں کوئی دینی مجدد لاکھ چھوٹے شروع کیے۔ جب کچھوں کے لائق نام آگئے تو چھوٹا ترک کر دیا اس لئے میں مولیٰ حبیب اللہ شاہ کی خدمت میں پہنچ گیا۔ حضرت کی اسلامی توجہ نہایت علمی پہلی حبیب کو بہت درستی اور اصلاح حاصل ہوئی اور یہ تمام سبک نقشبندیہ شاہ صاحب قندس نے کیا جب سیر طائف دودھ اور دھندلک پر بھی تو حضرت نے فرمایا کہ رویتہ صاحب تعلیم ختم ہوئی۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کی توجہ سے طائف دودھ اور خوب تلاش دیکھا مگر غنی معاف ہو خدا کا پتا تو کسی دائرے میں دھندلک کی سیٹھ میں سب جلی ہی کا سرنگ معلوم ہو رہا ہے اس وقت قیادت ان کو بہت پسند ہوئی کہ مدت کو رد فرما کر کہا کہ اب ہمیں بھی پتہ چل گیا کہ نہایت مستند اور دانا آدمی تھے مگر کو فرمائے گئے، سید ترقی کئے جو ہم نے جوئے و خفاں کی توجہ و محنت خدا نے ہے چوں وہ چگونہ کسی دائرے اور سیٹھ میں مقید نہیں آفریں صاحب اگر یہ تم نے بات بھائی صاحب صاحب ہمارے اس مسئلے کو کسی نے اس سچے اور سچے انگور نہیں کیا۔ انہوں نے یہی کرنا، ابوسعید صاحب سے یہ بات عرض کر دی چنانچہ شاہ صاحب نے فرمایا کہ اے اولیٰ شاہ ابوسعید صاحب نے مجھ سے نہ شکی توجہ دی تو گن کو خیر تھا کہ دیکھ کر حالت چلتی ہے مگر ہم تو جیسے تھے ویسے ہی نظر کرتے تھے۔ اب اس کے سوا، حبیب اللہ شاہ صاحب نے وہ تقریر عرض کی شاہ ابوسعید صاحب نے فرمایا کہ یہ سہل کردار تو نہیں معلوم ہوتا۔

میں صاحب نے میری طرف اشارہ کیا اس وقت جناب شاہ صاحب نے نصیحت ہی نصیحت کی اتنا کہ اے ابوسعید صاحب میری مشورہ یہاں دیکھو کہ اس سے عاجز ہوئے ہو کہ ہم کو بدلے سے پہنچا تھا وہ تم کو پہنچا دیا اب اگر تمہارا وجود فراخ اور طلب غالب ہے تو اور بڑا خوش کرو۔

### میرٹھ

یہ میری مانتا بول الہیہ صاحب گیا دھوپ کیا کہ نہ تھے۔ ایک بار ہم باغ آدمیوں کی دعوت کی جب فاتحہ شروع کیا تو گھر بھر تک بزدلوں کے ہم ہتھیار ہے روح پاک فلاں فلاں۔ آخر ہم نے شک کر ان سے عرض کیا کہ حضرت سب کے شانہ ترقی ہو گئے ہیں باغی سروروں کے ہم بھی ہمارے بیچے جو اصل کھانے والے یہی بزدلوں کو خوب جب پہنچے گا جب انہوں کا حکم ہو گا اس بات پر عرض کر گئے تو ان سے اللہ بعض نامہ اس پر ہے لیکن جہالت فاتحہ بڑھ کر ختم ہو گئی۔

### حضرت اور

روضہ منشاہ میں پہنچے تو سنا کہ یہاں ایک سید صاحب شیعہ تھے مرتضیٰ دم انہوں نے یہ دعیت کی ہے کہ ہماری دونوں لڑکیوں کی شادی نہ کی جائے جب حضرت امام احمدی آفران میں کا خود پر توجہ و دل انہوں کے نکاح میں دی جائیں۔ ہم نے سید صاحب کی یہی ہے کہ امام احمدی جو مسلم تو شریعت محمدی کے نقلی ہوں گے امام احمدی شریعت میں جو شیعہ کا بھیج کر جائز نہیں ہیں مناسب ہے کہ ان میں سے ایک کی شادی کر دے اور ایک امام صاحب کی خدمت کے لئے بھجوتے چنانچہ ایک کی شادی ہو گئی اس کے بعد ہم نے کہا کہ اب اس ایک خیریت کی شادی بشارت کا ہے خدا ہمارے امام احمدی جو مسلم کے گھر تک اس کی شادی کا کہہ دے اور اس سے ترقی ہو کر ترقی ہو کہ اس کی شادی کر دے اور اس کی شادی کے لئے ہم نے جو خیریت پروردگار امام صاحب کی خدمت کیجئے تاکہ

سنت کی پابندی پہلے۔ عرض اس کی بھی شادی ہو گئی۔

**کرت پور** جب ہم کرت پور میں گئے تو کچھ اکوچ دم آئی کہ یہاں نشین صاحب نے حضرت احمد شاہ کے مزار کا طواف و عبادہ کیا ہم نے کہا کہ صاحب طواف و عبادہ تو یہاں ادا ہوا اگر حضرت غوث الاعظم کے مزار پر آپ ہوں تو وہاں کیا کیجے گا؟ اور حضرت مولیٰ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے کیا باقی رکھا؟ اللہ فرمے تو کچھ مطلب ہی نہیں جس کے لیے کچھ ادب و تعظیم و تکرار ہو۔ وہ خدا ہو گئے اور دوسے کہ میاں طالب علم بھی ہوتے ہیں اسی واسطے ان کو فیض نہیں ہوتا ہم نے کہا کہ صاحب ایسے فیض کو ہمارا اسلام ہے کہ جس کے لیے خدا کو چھوڑ کر دوسرے کے سامنے سوجھ بوش اور توجہ سے نکل کر شرک میں مبتلا ہوں۔

**شاہ نیاز احمد بریلوی** ایک بار شر بریلی میں گئے ہوا وہاں شاہ نیاز احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات بریلی نہایت اخلاق سے پیش آئے برصفت معروف تھے۔ ہم چند روز وہاں ٹھہرے ایک دلی میاں صاحب فرماتے گئے تم ہر ادب سے کہیں نہیں کہتے ہم نے عرض کیا کہ حضرت جو کہتے ہیں وہ خالی اللہ خالی ہیں اور جو خالی ہیں وہ کہتے نہیں۔

ایں مدعیان و مدعیات بے قربانند کارا کہ فرشتہ بربرش باز نیامد

دوسرے یہ کہ ہم فرسے طالب۔ اگر ہر ادب سے کہیں تو طلب کسی کی کری؟ مولانا صاحب تو جب ہر دوسے مکران کے غلیظ صاحب بولے کہ آہ سے کہہ دے میں آؤ تم کو تو بروی کے کہے کہ ہم لہم اللہ۔ وہ مجھے میں جا کر توجہ دینے بیٹھے کہے کہ صاحب اس وقت تو آپ باطل مولانا نیاز احمد معلوم ہوتے ہیں غلیظ صاحب نے کہا "ابھی استغفر اللہ۔ لہو کو آفتاب سے کیا نسبت ہے۔ چنست خاک را با عالم پاک" ہم نے کہا بھائی اللہ خدا اپنے کو تو آپ تیار ہی مگر نیاز احمد نہیں ہو سکتے۔ بس دیکھ اپنی قوم۔ ایسی قوم کہ ہم کی جو کچھ تو خدا ہی بیٹھے اور کبھی بندے کا بھی بندہ۔

گفتہ نہیں مولیٰ عبد الرحمن صاحب ترمذی سے ملاقات ہماری ان کی حالت بھی کہ جب کئی آقا تو فرماتے آؤ مسجد اور جانا تو کہتے جاؤ مسجد ہم نے بھی حسبِ حاجت ہی کام کیا۔ ہم نے کہا کہ حضرت مسجد مسجد تو ہماری بھی میں آگیا لیکن آؤ جاؤ کے سنی کچھ دیکھے۔ مولیٰ صاحب نے کچھ جواب دیا لیکن مرادھا کہ بہت دیر تک ہماری طرف کو دیکھتے رہے۔ غیر ترمذی دیر بعد ہم چلے آئے پھر دئے۔

**لنگڑے حضرت** مولانا دینی لنگڑے حضرت کی زیارت کو گئے دیر بزرگ، مولیٰ حبیب اللہ شاہ راہپوری کے شیخ تھے، اور شاہ ابوالبرکات کے مرید۔ بہت خاطر و مدارات سے پیش آئے حال دریافت کیا ہم نے اپنی سرگزشت سنا دی پھر ان کو کچھ عرض برآیا تو ہماری طرف متوجہ ہو کر آقا اللہ کی طرف سے ملنے گئے غیر اثر تو کیا ہونا تھا مگر کسی قدر گرمی کے واسطے مزاج میں آگئی۔ ہم نے کہا کہ حضرت قصور و صاف ہو کر کچھ عرض کریں، کہا کہ فرمائیے۔ میں نے کہا کہ پرہتاجی ایک صاحب کال کر دتے انہوں نے پیرانہ سلا میں ایک فوجی لڑکے سے شادی کی۔ لڑکے نے سب کچھ کیا مگر وہ کب مانتے تھے جب شغل مصروف تھا تو آتا پرہتاجی بے چارے سے شیخ خالی سے کیا ہو سکتا تھا ج تا کہ دست برد گرد کر دانی سخت۔

تا چار آدھ سے حسبِ تہپ کہنے لگے۔ مہجوری بھالی مدح و ثناء، المظاہر الہی کی بھی کہ مردِ محنت میں ہی معاملہ ہوتا ہوگا چند روز کے بعد پرہتاجی نے لنگڑے کے اٹھان کا ارادہ کیا اور اپنا خاص چوہا لکھتا جو زخم ان تھا مگر کی حفاظت کے لیے چوڑا وہ گھر کے اندر آئے

جس نے اس کو دیکھا تو اس نے زور کیا اور جہاں سے اس کو دیکھا وہاں سے گریختہ ہو کر  
 اور وہ اس کو دیکھا تو اس نے زور کیا اور جہاں سے اس کو دیکھا وہاں سے گریختہ ہو کر  
 اور وہ اس کو دیکھا تو اس نے زور کیا اور جہاں سے اس کو دیکھا وہاں سے گریختہ ہو کر  
 اور وہ اس کو دیکھا تو اس نے زور کیا اور جہاں سے اس کو دیکھا وہاں سے گریختہ ہو کر

میں حضرت سلامت۔ کوئی کام مردوں کا اگر یاد ہو تو خدا نے نہیں درزا ان سے نہیں سے تو میں کام میں نہیں ہوں کہ پہلوؤں  
 اور ہمارے کی بات نہیں ہے کہ کوئی شخص ہے جو ہر جگہ جاتا ہے جیسے جاکر دکھا دے دیا ہم تو آپ کو خیر کھر کر زیارت کو آنے کے لیے آپ  
 زور آزمائی کرنے کے لیے یہ بات سن کر خوش ہوئے صاحب بہت غصہ سے اتر پڑے کہ میں اگر آپ کو نہیں تو ہمارے بڑے تو تھے۔ میں نے کہا کہ  
 رسول اللہ وہ آپ ہی کے بڑے تھے کیا آپ نے اردوں کو ڈم ڈھاری یا دھنیا جلا افریں کیا ہے۔ اس گفتگو کے بعد ہم ہسترا اندر چل دیئے۔  
 کو شہنشاہی جب ہم کو شہنشاہی سے چلے آ رہے تھے میں ایک مندر علاقہ میں ایک سادھو نہایت دلدار و عزیز العین سے مجھ سے مل گیا اور اس  
 کے پاس جا بیٹھ کر کچھ گفتگو کی۔ پھر ان سے باتیں کرنے لگیں یہاں تک کہ ناز کا وقت آیا ہم نے صلیبیہ کا ناز پڑھ لی۔  
 بعد ناز وہ سادھو ہی مخاطب ہوئے کہ میں صاحب آپ کی طبیعت میں تو خوشی آزادی معلوم ہوتی ہے پھر یہ حلفت کیوں لگا رکھی ہے ہم نے  
 کہا کہ بابا جی حلفت سے تو تم غلطی و ہم غلطی ہم کی تھر کے پہننے کی حلفت کی ہوئی ہے ہم کو ناز کی تم گھنا بھانے ہو ہم تسبیح پڑھتے ہیں یہی ہے  
 قید تو خدا کی ذات ہے اور نہ سب اپنی اپنی قید میں مبتلا ہیں۔

جی اول کے سفر میں ہر جگہ جانے کا اتفاق ہوا وہاں سنا کہ ایک سید عالم صاحب بڑے کمال فیروز ہیں ان سے بھی ملے انھوں نے  
 نعیم کا دعویٰ کیا مگر کہ اس کا حضور دیکھا گیا چند روز مال ہر جگہ کے کنارے ایک پہاڑی پر ہے ایک دن سکندر نے گمراہی سے پہاڑ پر چل کر  
 کوئی فیروزانہ شہر میں وارد ہوئے حالات کو آئیں چند غلاموں اور ایک بھی ہم کو لکھتے خود گھوڑے پر سوار۔ ہمارے قریب آئے کہ شہر چلا:

کیوں شہر چھوڑا عابد غار جہاں میں بیٹھا  
 جس کو تو خود خدا ہے تیری منزل میں بیٹھا

اور فرمایا کہ شاید آپ کا ارادہ بیت اللہ ہے۔ ہم نے کہا کہ ہاں ہے تو سی۔ اتنے میں دوسری جگہ صاحب جو ان کی اندر تھیں یوں  
 گویا ہمیں ہے

عابد و سہروردوں پاس میں داخل ترے  
 کیوں کہ سے پھر تو ارادہ طرف بیت اللہ کا

ہم نے دیکھا کہ وہ فرما رہی تھی اب سکوت مصلحت نہیں تا چار یا زبانی کو کوئی کی نام سے کہنے کو ایک غریب اس  
 شہر کے مکان سے

ہم گفتی و غور اندم خاک اللہ کو گونہ  
 جو بہ سخاوتی و سیرت بے مثل شکر خاں









یہاں فشیخ ایک دسترخوان پر کھانا کھا رہے تھے اس وقت میں غوث علی شاہ کو جو کبیرہ حسینی تھے ہم نے عجیباً کر صاحب آپ بھی ایک یاں حضرت کو خد کئے اور وہیں شاہل پہنچے پھر غوث بن آئے گی اس بات پر وہ بہت غصا ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم میں کچھ کسر ہے یا تم سے کچھ کم میں یہ بات سن کر بہاد فشیخ صاحب نے فرمایا کہ تم کو کبیروں و شک آگاہم نے کہا کہ صاحب و شک تو نہیں مگر شک ضرور پیدا ہو گیا کہ کہیں ہمارے بزرگ ہی دھنے جو ہے ہی دھوں میں نام کھو کر سید بن گئے ہیں۔ ہم کو تو آج سے اپنی سیادت میں کام ہو گیا۔

**بھروسہ** | بھروسہ ہم بھروسے کو دلا ہوئے بہاد فشیخ صاحب نے ہم کو ایک نا خدا کے نام خطا دیا اور کہا کہ وہ تم کو جہاز پر سوار کر کے بہی مکان میں ٹھہرا دیا اور کہا کہ ابھی جہاز کی روانگی میں پندرہ دن کا عرصہ ہے آپ گھر اپنے نہیں شہر کی خوب سیر کیجیے ہم نے کہا کہ اتنا خرچ نہیں کر سیر کریں۔ کہا کہ خرچ کا فکر دیجیے جو روک روک ہو یہاں موجود ہے۔ پھر ہم نے شہر کی خوب سیر کی نہایت دیر ان اور کنگال شہر سے حضرت حسن بھری اور حضرت زبیر د طرہی انہ قسم کے مزارات شہر کی زینت کی جو پر اسے بھروسے میں ہیں اور وہ دوکان بھی دیکھی جہاں حضرت حبیب علی اچکزے رنگ کرتے تھے اور حضرت حسن بھری ان کر چھپے تھے لیکن راجہ بھری کے مزار کا پتہ ملا۔ پندرہ روز کے بعد جہاز بنگلہ پر سوار ہو کر شہر سورت میں پہنچے۔ وہاں سے منزل ہ منزل میر کرتے ہوئے دہلی میں پہنچے اور پھر یسینے تک زینت الساجد میں رہے۔

**مرزا غالب سے ملاقات** | ایک روز ہم مرزا نوشہ کے مکان پر گئے۔ نہایت حسن اخلاق سے ملے۔ لب فرش تک آکر سے گئے اور ہمارا حال دیا سنت کیا۔ ہم نے کہا مرزا صاحب ہم کو آپ کی ایک غزل بہت ہی پسند ہے علی الخصوص یہ شعر:

تو ز قاف ہو کئی اور ہی ہو

تیرے کو چنے کی شہادت ہی ہی

کہا صاحب یہ شعر فرمایا انہیں کسی استاد کا ہے فی الحقیقت نہایت ہی اچھا ہے۔

اس دن سے مرزا صاحب نے یہ دستور کر لیا کہ تیسرے دن ذینت الساجد میں ہم سے ملنے کو آئے اور ایک خزان کھانے کا ساتھ ملانے پر چند ہم نے خد کیا کہ یہ تکلف کیجئے مگر وہ کب مانتے تھے ہم نے ساتھ کھانے کے لیے کہا تو کہنے لگے کہیں اس قابل نہیں ہوں گے خود اندر میر گنہگار! بعد کتب کے ساتھ کھانے پر شرم آتی ہے۔ اپنا وطن کا مصافقہ نہیں۔ ہم نے بہت اصرار کیا تو جگ طشتری میں سے کرکھا یا۔ ان کے مزاج میں کمال کفری اور فردنی تھی۔

ایک دن وہ کا دیکھا کہ مرزا جب علی بیگ سرد و مصنف نساہ مجاہد کھنڈ سے آئے مرزا نوشہ سے ملے اٹھائے گفتگو میں پوچھا کہ مرزا صاحب مدد وہاں کس کتب کی خدمت ہے۔ کہا چار دنہ لٹری کی۔ میں جب علی بیگے اور نساہ مجاہد کی گیس ہے؟ مرزا بے ساختہ کہ اٹھے حال و احوال اس میں لطیف زبان کلاں۔ ایک گھم بند ہی اور عجیباً مزاجیہ ہے اس وقت تک مرزا نوشہ کو خبر نہ تھی کہ یہی میں ترمذی۔ جب چلے گئے تو حال معلوم ہی بہت مافوس کیا اور کہا کہ کالو پیٹلے سے کہیں دکھا دوسرے دن مرزا نوشہ ہمارے پاس آئے یہ قصہ سنا دیا اور کہا کہ حضرت سیر کر کے تار افکلی میں پہنچا ہے آجے آج ان کے مکان پر چلیں اور کل کی مکانات تک تیں ہم ان کے جہاز ہو گئے اور میں سرد کی خود کو پہنچنے مزاج ہی کے بعد مرزا صاحب نے عدت امانی کا ذکر بھیج دیا اور اسی طرح غلط ہو کر ہوئے کہ جناب مولیٰ صاحب سات

میں نے مرزا غلام

۱

کے ساتھ آپ تو مل بیٹھ کر کئی تر

آج کل ہے۔

جب ہم زینت المساجد میں ٹھہرے ہوئے تھے ہمارے دوست کل پیش نے جوابی بالائے  
کی۔ مطلب کے بعد ہم کہنے لگے کہ چلے جائیں گے کہ ایک طرف کے کوٹھے پر ہم کو بٹھا دیا۔ اور آپ چنیت برس گئے پہلے تو ہم نے خیال  
کیا کہ شاید کھانا اسی جگہ پر ہوا مگر پھر معلوم ہوا کہ یومی جٹا کر دیے دیے ہیں بہت گھبرائے کہ بھلا ایسی جگہ کم بنت کیوں لایا اور گھڑی کے بعد بہت  
ہوا آیا اور کھانے لگا کہیاں صاحب میں آپ کی بھرک ملنے کہ یہاں جٹا گیا تھا۔ بعد ازاں اپنی تمام گاہ پر لے گیا اور کھانا کھلایا۔

جب ہم کو زینت المساجد میں چھ بیٹھے گذر گئے تو ایک دن صاحب المطلق شہزادہ مرزا ملگروا آئے اور کہنے لگے کہ حضرت جی کو چلے  
دوسرا جگہ لگام ہے لگا کہ یہاں ایک باغ و حرم دیکھ لکھا آئے اب اگر کوئی اسی مقام سے سرد کر کے لے چلے اور میں لا کر آنا ہے تو  
غیر مضائقہ نہیں۔ دوسرے دن انہوں نے کچھ گاڑی لاکر گھڑی کر دی اور کہا کہ سرد ہو جائے۔ پہلے تو ہم حرم میں وہ گئے کہ کل کی بات ہم نے منی  
کھینچے تھے غیر اسی دم سرد ہوئے اور منزل بزدل دھیان پنے داں سا کہ حکم الدین شاہ برہے کا لی فقیر میں اس کے مکان پر گئے۔ بہت لڑائی  
سے پیش آئے ہم نے پوچھا حضرت آپ کا ام شریف ہوئے: خدا۔ ہم نے کہا سبحان اللہ ہم تو آپ کو آسمان پر تلاش کرنے تھے آپ زمین ہی پر  
لگے۔ پھر ہمارا نام پوچھا ہم نے کہا صاحب آپ خدائے ہی کہ فلق کا نام ہی نہیں جانتے، اننا ناں کیا اللہ سبح کر بے کو تم فرشتے ہی ہو۔ اور کہتے  
والہ کا نام اللہ جس اور دھوا کا نام ظہور اللہ جس۔ ہم نے کہا کہ میں معلوم ہو گیا آپ رکالی خدائیں جب تک نہ پاؤں نہیں کھینچتے کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ غرض  
تھی وہی وہاں ٹھہرے اور لاہور و ملتان ہوتے ہوئے کراچی بند گاہ پہنچے وہاں سے ہمارا پرچہ لے اور بغداد جاتے پھر کر بلائے معلیٰ اور  
نصف اشرف کی زیارت کر کے کہ صلیبیہ پہنچے اور بعد ازاں روزہ مزدہ کی زیارت کو گئے پھر کے میں واپس آئے مولوی محمد مصطفیٰ صاحب  
سے ملاقات ہوئی انہوں نے کہا میں تم کو بھی لے کر چلے آئے ہم نے کہا کہ صاحب گناہ عظیم ہمارا مان لڑا ہے اللہ اللہ پھر ابراہیم  
سردار ہوگا جس پٹے کہ یہاں تم تو بہت میں قائل کر دیتے ہو۔

کے سے مدد ہو کر پہنچے اور پہنچے سہول کر مل آئے اور جس جگہ سے سوہ ہوئے تھے وہی پھر اترے۔ ہمارے جی بھی ایسے تھے  
جیسے کہی کی ناز۔ یعنی وہی پر ناز غرض وہی پر جی غرض۔

لکھنؤ میں ایک میرزا شہید ہمارے پاس آیا کہ تھا اتفاق سے اس کی تاریخ نکاح قرار پائی برات کے وقت نمود آیا اور باہر  
تمام ایک اچھی پر سرد کر کے ہم کو بھی لے گیا اور صاحب دعوہ ہم کو بطورہ مکان میں آنا کوئی ایسی بات گذری کہی کہ فرشتہ کا باب

ازم غنیمت میں کر کے اس کے لیے گلیا سید شہزادہ ہونے کو تھا کہ ایک عایدہ سرخس کی بیٹی کر کے گلی کر اس نیک بخت پارسلو کی کو باج لینے کا مل بھی ہو کر وہاں نہیں بکرتا شہزادہ کا ہے۔ یہ بات سن کر وہاں چلنا اوسے باک دیکھ اٹھا کہ میں لکھ نہیں کہتا۔ ہر چند لوگوں نے کہا ایک زمانہ اس کے باپ نے ہم سے کہا کہ صاحب یہ آپ کا مقصد بہت ہے کچھ آپ ہی اس کو سمجھا دیتے ہمارا تو کتنا مانتا نہیں۔ تا چار ہم نے پاس جا کر کہا کہ عیدہ شہزادہ کا ہے اور لا کہ حضرت یا پچھن کی جاٹ گئی ہوئی آئندہ کچھ ہونے لگی ہے کہ کہا کہ میں جب تمہارے مذہب میں رہا ہوں وہ مدت ہے تو برائیوں کی جگہ پر کہا کہ صاحب بس ایسے مذہب کو بھی میرا سلام ہے۔ اس کے باپ نے کہا کہ میں کیا تو لکھی ہو گیا؟ اور لا کہ ان پہلے تو تھا مگر اب بے شک ہو گیا یا کہ کہ اٹھ کر ہوا اور کل درم برہم ہو گئی۔ ہم بھی اپنے مکان کو چلے آئے مگر وہ میرا زادہ آیا کہ حضرت بکرا کر دیکھ لیجئے ہم لکھا کہ کبھی ہم میں جلدی اور تم کو ان سے عداوت ہے پھر بات کو کر کے گئی۔ جواب دیا کہ حضرت گزشتہ سے قریب اور آئندہ کو ان کا غلام ہوں جب اس نے بہت اصرار کیا تو مجبور ہم نے بیت کر لیا۔

**گھر کو مراجعت** | کھنڈے ہم اپنے وطن کو روانہ ہوئے جب خیال کے گاؤں نور پور میں پہنچے تو مسجد میں جاتے۔ عصر کے وقت ہمارے ماموں صاحب چلی کا باور پر رکے مسجد کے سامنے سے گزرتے ایک صاحب نے مسجد میں سے پکار کر کہا کہ ہمارے میر صاحب بڑے عیا گن ہیں جب باہر سے تشریف لاتے ہیں تو ہمارے بھوتے آتے ہیں آپ ہنسنے ہوئے چلے گئے پھر خانہ کے وقت مسجد میں تشریف لائے میں جی نے کہہ دیا کہ میر صاحب آج ایک مسافر بھی آگیا ہے بعد نماز مغرب ہم کو اپنے گھر لے جا کر چٹایا اور خود کسی کام کے لیے باہر گئے۔ گھر میں صرف نانی صاحبہ کی شہت میں پڑی کراچی تھیں وقت فرصت کو خیریت کچھ کہ ہم ان کے پاؤں دھانے لگے فرمایا کون؟ عرض کیا مسافر میں اور سید آپ کا فرسہ۔ خفا ہو کر بولیں کہ تو میرا فرسہ کیوں ہوتا خدا جانے کون ہے کون نہیں میرے پاؤں کو تہمت لگا۔ اتنے میں ماموں صاحب آ گئے پوچھا کیا ہے؟ نانی صاحبہ نے فرمایا کہ یہ تاہم مسافر کتا ہے کہ میں تمہارا فرسہ ہوں اور پاؤں دھانے کا بیٹھا۔ ماموں صاحب نے کہا فرسہ فرسہ فرسہ فرسوں کہ بد اور تو فرسہ ہے مگر پاؤں دھانے کو کیا معنائت ہے۔ لیکن انھوں نے زمانا۔ کھانا کھا کر ہم مسجد میں آئے۔ جویر سے اٹھ کر گھر کو روانہ ہوئے۔ جب خیال کے گاؤں سے چل کر وطن میں پہنچے تو محلے کی مسجد میں جاتے شہرے مسجد کے ملاں نے ہمارے گھر خیر کی کراچی ایک مسافر نور دہر مسجد میں آگیا ہے۔ شام کے وقت ہمارا چھوٹا بھائی حیدر حسن جس کی حرا رہ میں کی تھی ہمارے سامنے کھانا لایا ہم نے اس کا اور باپ دادا کا نام اور خرم پڑھی سب باتوں کا جواب تنبیہ دیا برقی واپس لے کر گھر گیا اور والدہ صاحبہ سے ساری باتیں بیان کیں وہ سن کر چپ ہر دم میں ایک روز ہم نے تمام کو طایا اور کھانسی بڑائی۔ ہمارے سر میں ایک نشان تھا برنگ چلیا چہ دیکھ کر بولا کہ اگر قصور معاف ہو تو کچھ مرضی کروں میں نے کہا کہ اچھا کہو بولا کہ نشان خراب کے فرم ہے میرے ہاتھ کا ہے اب یہ نہیں معلوم کہ آپ دیوی ہیں یا گنی اور ہم نے حال پوچھا تو اس نے ہمارا قصہ بوسہ سنایا کہ میرا احمد علی صاحب کا ایک لڑکا تھا خوش نام اس کے سر میں میں نے ایسا ہی نشان دیا تھا۔ موت ہوئی کہ وہ گم ہو گیا۔ آج تک پتہ نہیں ہم نے اس کو ملاں ایلین سے ملاں دیو بھائی حیدر حسن ہمارے واسطے روز کھانا لایا ہم اس سے کچھ دیکھ کر کسی بات کہہ دیتے۔ ایک دن ہم نے لڑکا دیو بھائی ہمارے ساتھ لے کر لکھا۔ اس نے برا مانا اور والدہ سے جا کر کہا کہ یہ مسافر کچھ روز چھپرے تھے اور دیکھتا تھا ہے آج سے روٹی لینے نہیں جاتوں گا۔ اتفاق سے اس دن ملنے کیس وحشت تھی مغرب کی ملاں ہم کو دینی پڑی والدہ صاحبہ نے آواز پھان کی شام کو جب عیدہ میں ملایا تو یہ ہمیں ملایا کہ کتب کی دولت ہے مکان پر چل کر کھانا۔ ہم نے ملے میں کہا کہ خدا خیر کرے کہیں جی بی نے پہلی تو میں بیا بیج کو

میں نے فسادِ فتنہ کو روکنا اور اس کی غلطی عمارت اور زمین کو کیا بیان کر دیا غایت ہی فصیح و بلیغ عبارت ہے۔ میرے قریب میں قرآن مجید مفتوح  
 دیکھنے میں آئے ہیں اور اگر کوئی اس کا مصنف اپنا جوا ب نہیں نکلتا تو میں اس قسم کی بہت سی باتیں بتاؤں گا۔ ایک ایسی بات ہے کہ قرآن مجید کے  
 میں رسول کو نہایت مسرور کیا اور میرے دل میں اس کی دولت کی امداد کو بھی بلا واسطہ ہی اس کی بہت شریعت کی۔ میں صاحب کا مذہب یہ تھا کہ  
 دل کا ناز ہی بڑا اچھا ہے اور درحقیقت یہ خیال بہت صحت تھا۔ اسی ہی میں سلم مسلمان ہی یہ وہ سام۔

ایک ہی میں نے مرزا غالب سے پوچھا کہ تم اگر کسی سے محبت میں ہے کہ ان حضرت علی مرتضیٰ سے۔ پھر تم سے پوچھا کہ آپ کو ہم نے  
 کہا کہ صاحب آپ تو منسلک ہو کر ہی مرتضیٰ کی محبت کا دم بھریں اور ہم ان کی اولاد کو ملائیں اور محبت مذکور میں کیا یہ بات آپ کے قیاس میں  
 آسکتی ہے۔

جب ہم زینت المساجد میں ٹھہرے ہوئے تھے ہمارے دوست کل پوش نے جوابی بالائے صاحب میں رہتے تھے ہماری محبت  
 کی۔ مزب کے بعد ہم کہنے لگے کہ چہ ہا نہ ہو کہ میں نے ایک طرف کے کٹے پر ہم کو شہادہ۔ اور آپ چنیت ہر گئے پہلے تو ہم نے خیال  
 کیا کہ شاید اس جگہ پر کیا ہوگا مگر میرے صدمہ ہو کر وہی بھاگ کر دیے۔ یہ ہم بہت گھبرائے کہ کھوا ایسی جگہ نہ بنت کہیں لایا دو گھر کے بعد بہت  
 ہوا آیا اور کٹے لگے کہ میں صاحب میں آپ کی ہرگز شائے کو میں بھاگ گیا تھا۔ بعد ازاں اپنی قیام گاہ پر سے گیا اور کھانا کھلایا۔

**دوسرا سراج** | جب ہم زینت المساجد میں چھوٹے گزرتے تو ایک ہی صاحب بھائی شہزادہ مرزا شہزادے اور کٹے لگے کہ حضرت علی کو پہلے  
 گاہم نے کہا کہ میں ایک بار تو دم صدمہ دھکے کھائے اب اگر کوئی اسی مقام سے صدمہ کر کے لے چکے ہوں میں لاکر آتا ہے تو

غیر مصافحہ نہیں۔ دوسرے ہی انہوں نے سچ کا گاڑی لاکر کھڑی کر دی اور کھانا صدمہ ہو جانے۔ پہلے تو ہم حیران رہ گئے کہ کل کی بات ہمیں قریب  
 جگتے تھے۔ غیر اسی دم صدمہ ہوئے اور منزل منزل رسید پہنچے وہاں سنا کہ حکم الدین شاہ بننے کا فی فیروز میں ان کے مکان پہنچے بہت اچھا  
 سے پیش آئے۔ ہم نے پوچھا حضرت آپ کا ام شریف ہے: خدا۔ ہم نے کہا سبحان اللہ ہم تو آپ کو آسمان پر تلاش کرتے تھے آپ زمین پر  
 نکلے۔ پھر ہمارا نام پوچھا ہم نے کہا صاحب آپ خدا کیسے ہیں کہ فرقوں کا نام بھی نہیں بدلتے، خدا کی کیا اور سچ کہ جسے کو تم کوٹ جی ہے۔ وہ خدا  
 والہ کا نام احمد ہے اور وہاں کا نام ظہور الحق ہے۔ ہم نے کہا کہ میں صدمہ ہو گیا آپ دیکھ لیں کہ میں صاحب جگہ نہ پانچ نہیں کھینچنے کے صدمہ میں ہیں۔ عرض  
 تھی وہاں صدمہ اور وہاں رہتے ہوئے کہ اچھی بندہ گاہ پہنچے وہاں سے ہمارا پرچہ ہے اور خدا اور جاتے ہیں کہ جاتے صدمہ اور  
 نفع اشرف کی زیارت کر کے کہ صدمہ میں پہنچے اور بعد ازاں روزِ شہزادہ کی زیارت کہنے پھر گئے میں دیکھیں آئے کوئی کہ مقترب صاحب  
 سے ملاقات ہمیں فرماتے ہیں کہ ہمیں آجی تھے پھر چلے گئے کہ صاحب گاہ عظیم ہمارا صفا فرماتے اللہ اللہ پھر اسی قدر  
 سرزد ہو گیا۔ جس پس پڑے کہ میں تم تو بہت میں کافی کر دیتے ہو۔

کے سے روانہ ہو کر پہنچے اور میں سے کہا کہ ملے آپ اپنے اور میں جگہ سے صدمہ ہوئے تھے وہی پھر آئے۔ ہمارے جی بھی ایسے تھے  
 جیسے ہم کی ناز میں وہاں پہنچا تو عرض دایم پر گئی عرض۔

**لکھنؤ** | لکھنؤ میں ایک بزرگ شہزادہ ہمارے پاس آیا کہ تھا اتفاق سے اس کی تاریخ نکاح قرار پائی بہت کے وقت خود آیا اور ہمارا  
 تمام ایک آتی پر ہمارا کہ کہ ہم کو بھی لگتا تھا اور صاحب وعدہ ہم کو حیرت مکان میں لکھا کہ ان کی بھی رات گزرتی ہوگی کہ توڑ کا بپ

ہم خود ہی شریک ہونے کے لیے ہم کو لے گیا صید شروعا ہونے کو تھا کہ ایک دایہ سر مغل آن کر کھنے لگی کہ اس نیک بخت پارسلٹکی کو پانچ جینے کا عمل بھی ہے مگر حرام کا نہیں بلکہ ترشتری کا ہے۔ یہ بات سن کر دو لہا چڑکا اور بے باک ذکر اٹھا کہ میں نکاح نہیں کرتا۔ ہر چند لوگوں نے سمجھا ایک نہانی اس کے باپ نے ہم سے کہا کہ صاحب یہ آپ کا مقصد بہت ہے کچھ آپ ہی اس کو سمجھائیے ہمارا ترکہ بانٹنا نہیں۔ تاہم ہمارے پاس جا کر کہا کہ حیرت وہ وہاں کیا ہے؟ پوچھا کہ حضرت پوچھیں گی چاہے گلی ہوئی آئندہ کب چھوٹے گی ہم نے کہا کہ میاں جب تمہارے خرب میں رہا تو وہاں وہ دست ہے تو رہا کروں گے جو کہا کہ صاحب بس ایسے خرب کو بھی میرا سلام ہے۔ اس کے باپ نے کہا کہ میں کیا تو لٹی ہو گیا؟ پوچھا کہ اپنی پھلتی و پھٹا گلاب بے شک ہو گیا بلکہ کراٹھ کھڑا ہوا اور محفل وہ ہم پر ہو گئی۔ ہم بھی اپنے مکان کو چلے آئے صبح کو وہ امیر زادہ آیا کہ حضرت بلکہ کو میرے کیسے ہم نے کہا کہ بھائی ہم میں تادمی اور تم کو کٹھن سے عداوت ہے پھر بات کو ٹکرنے لگی جواب دیا کہ حضرت گزشتہ سے تو رہا اور آئندہ کو ان کا غلام ہوں جب اس نے بہت اصرار کیا تو مجبور ہم نے بیعت کر لیا۔

**گھر کو مراجعت** | کھنڈے ہم اپنے وطن کو روانہ ہوئے جب انھیال کے گاؤں زور پور میں پہنچے تو مسجد میں جاتے۔ عصر کے وقت ہمارے ماموں صاحب پری کا دوسرے رکے مسجد کے سامنے سے گزرتے ایک صاحب نے مسجد میں سے پکار کر کہا کہ ہمارے میر صاحب بڑے جبار گن ہیں جب باہر سے تشریف لاتے ہیں تو مجھ سے بھگتے آتے ہیں آپ ہنستے ہنستے چلے گئے۔ پھر نانہ کے وقت مسجد میں تشریف لائے میں ہی نے کہہ دیا کہ میر صاحب آج ایک مسافر بھی آگیا ہے بعد نماز مغرب ہم کو اپنے گھر لے جا کر تھاپا اور خود کسی کام کے لیے باہر گئے۔ کھجور صرف تالی صاحب کی شست میں پڑی کہ اچھی تھیں وقت فرصت کو غنیمت سمجھ کر ہم ان کے پاؤں دھوئے لے کر آیا؟ عرض کیا مسافریں اور میرا آپ کا فرسہ۔ خفا ہو کر بولیں کہ تو میرا فرسہ کہتا ہے خدا جانے کون ہے کون نہیں میرے پاؤں کو دھومت لگا۔ اتنے میں ماموں صاحب آ گئے تو پوچھا کیا ہے؟ تالی صاحب نے فرمایا کہ یہ عجم مسافر کتہ ہے کہ میں تمہارا فرسہ ہوں اور پاؤں دھانے کا آیشا۔ ماموں صاحب نے کہا میرا فرسہ دسی تو میں کبہ پر تو فرور ہے مگر پاؤں دھانا ہے تو کیا مٹا کر ہے۔ لیکن انھوں نے دانا۔ کھانا کھا کر ہم مسجد میں آئے۔ سویرے اٹھ کر گھر کو روانہ ہوئے۔ جب انھیال کے گاؤں سے جہاں کہ وطن میں پہنچے تو محلے کی مسجد میں جا کر میرے صاحب کے مطلق نے ہمارے گھر فرما کر کہ آج ایک مسافر زادہ مسجد میں آگیا ہے۔ شام کے وقت ہمارا چھوٹا بھائی جید رمی جس کی عرارہ ہوئی تھی ہمارے سامنے کھانا لایا ہم نے اس کا اور باپ دادا کا نام اور نرم پوچھی سب باتوں کا جواب ٹھیک دیا برتن دہائیں لے کر گھر گیا اور وہاں صاحب سے سامی باتیں بیان کیں وہ سن کر چپ ہر دیا ایک روز ہم نے ہام کو جو ایاد و گامت جرائی۔ ہمارے سر میں ایک نشان تھا جس کی شکل چلیا حد تک کہہ کر پوچھا کہ مگر حضور صاف ہو تو کچھ عرض کروں ہم نے کہا کہ اچھا کہو ہوا کہ قشور و قہر کس پر ہے میرے ہاتھ کا ہے اب نہیں معلوم کہ آپ وہی ہیں یا کوئی اور ہم نے حال پوچھا تو اس نے ہمارا قصہ بہر بتایا کہ میرا قصہ ہی صاحب کا ایک ٹوک تھا تو خوشی ہم اس کے سر میں نے لیا ہی نہیں دیا تھا۔ مدت ہوئی کہ وہ گم ہو گیا۔ آج تک پتہ نہیں ہم نے اس کو حلقہ ایل سے مل کر دیا۔ بھائی جید رمی ہمارے واسطے نہ کھانا لایا اور ہم اس سے کچھ دیکھ نہیں کی بہت کہہ دیتے۔ ایک دن ہم نے لاکر آؤ بھائی ہمارے ساتھ کھانا کھا۔ اس نے برا مانا اور دالہ سے ہا کر کہا کہ یہ مسافر کچھ روز چھوڑا ہے اور دیکھتا رہتا ہے آج سے روٹی دینے نہیں جائیگا۔ متعلق کو متعلق سے اس دن تو کی کیس رحمت تھی غریب کی مدد ہم کو دینی پڑی وادہ صاحب نے آواز پہچانی لی شام کو جب جید رمی کھا دیا تو ہم باہر گئے کہ کب کہ دولت ہے مکان پر چل کر کھانا۔ ہم نے وطن میں کہا کہ خراجہ کسے کہیں پٹی بی نے پہچن نہیں پایا۔ صبح





نے ایک خیر خواہ یا ایسے ذوق سے کہ ان کی دستارِ خلیفہ دور جا پڑی اور فرمانے لگے کہ تو تمام علمِ شریعہ کے گنبد میں روا ناز و نعمت میں پرورش پائی جس کے سامنے کتاب و کلمہ اس نے خاطر داری سے پڑھا یا طالبِ علموں کی قدر و منزلت دیکھا جانے؟ اگر مسافرت کرتا بیٹیک مانگتا اور طالبِ علم بتا تو حقیقت معلوم ہوتی اسے طالبِ علم کی قدر ہم سے بڑھ چھ۔ خبردار تم جانو گے اگر آئندہ ہمارے طالبِ علموں کو کچھ کہا۔

غرض ہم راہِ پور میں سید بھرنک مولوی صاحب کے مہمان رہے۔ راہِ پور میں میاں بھائی شاہ صاحب مفتی صد الدین آذرودہ سے ملاقات ہو گئی انہوں نے نہایت خاطر مدارات سے اپنے مکان پر پھر ڈاکم نے ان کو ناز پڑھنے بھی

نہیں دیکھا مگر ہر وقت تسبیح اُتھیں اور با وضو درود و شریف پڑھا کرتے تھے۔ ان کی نسبت ایسی تھی کہ جب کوئی مشائخ اُن کے کہے میں جا نکلتا تو اس کی کینیت سرد ہو جاتی چنانچہ مشائخ کا قول تھا کہ اس بدعتی فتنے کے کہے میں جانے سے قلب پر تاریکی چھا جاتی ہے ایک دن کا ذکر ہے کہ ایک نابینا اُن کی خدمت میں آیا اور اراکات ظاہری۔ شاہ صاحب نے کہا بھلا حافظ ہی تم کب سے نابینا ہوئے ہو کہ ان فریبوں کی عمر میں جبیک نکلے تھی جب سے آنکھیں جاتی رہی ہیں۔ پھر بوجھ بھلا آنکھیں کس نے کھولی ہیں حافظ ہی نے کہا کہ اللہ نے۔ شاہ صاحب نے کہا اسے عقل کے دشمن جس نے تیری آنکھیں کھولیں تیرے ماں باپ کو مارا اور تیری فکر میں ہے ایسے دشمنی کو کیوں تلاش کرتا ہے خبردار اس خط میں مت پڑ۔ یہ باتیں ہی کر وہ گاہیں دیتا بھلا گیا۔ ایک روز مفتی صد الدین صاحب صدر الصدور بھائی شاہ صاحب کے پاس تشریف لائے مفتی صاحب کی عادت تھی کہ ہر وقت تسبیح پڑھنی اشبات کا دور دیکھتے تھے۔ حسبِ عادت یہاں بھی تسبیح پڑھتے رہے شاہ صاحب نے کہا مفتی صاحب کیا اب تک آپ کا شک رنج نہیں ہوا؟ مفتی صاحب نے سکوت کیا کئی بار پوچھا کچھ جواب نہ دیا صاحب مفتی صاحب تشریف لے گئے تو ہم نے کہا کہ میں صاحب آپ نے کیا پوچھا سوال کیا تھا وہ عالم متبر تھے اگر چاہتے تو ہزار طریق سے جواب دینے کو وہ اپنی کسر شان کچھ دردِ میدان سختی تنگ نہ تھا۔ ان کی بھٹی تو دیکھو آپ نے بہت ہی سرداراں لیکیں انھوں نے اپنی عادت کو ترک نہ کیا۔ اب میں ان کی طرف سے جواب دیتا ہوں یہ تو زبردستی کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ غازی احصاء العیال المستقیم کوں پڑھتے تھے اور ہر غازی کے بعد میں باراستغفار کر دیا کرتے تھے کیا حضرت کو کچھ شک تھا؟ شاہ صاحب نے جواب دیا کہ حضرت کو شک نہ تھا بلکہ مراتبِ اعلیٰ کی ترقی کے لیے طلبِ حدِ بیت تھی اور مراتبِ حاصل شدہ کی نسبت استغفار۔ ہم نے کہا کہ بس یہی مقصد ہمارا بھی ہے اگر ہم نے رسولِ خدا کی متابعت کی تو کیا قناعت ہوتی؟ خدا کی کئی حد اس کی طلب کی کچھ انتہا۔

۱۸۵۶ء | ہم راہِ پور سے چل کر میرٹھ گئے اور چند روز قمریہ یہاں ایک مجذوب شتر خانے کے قریب رہتے تھے ہم بھی ان کے پاس جا کر کتنے تھے ایک دن گردن کا رملہ ادھر سے گزرا ایک انصران میں سے جدھر کہریاں صاحب کے پاس آیا وہ لگے کہ کہہ دینے لگا پھر دو چار باتیں کہیں گے وہ ہم نے پوچھا کہ کیا صاحب یہ کہیں رہتا تھا اور آپ سے کیا کستا تھا۔ فرمایا کہ یہ بھی ضلالت کا ایک جیسے ہے ہم نے کہا کہ تو ہم تو بھی ہندو ہیں کہ جیسے ہے لیکن آپ بتلائیے کہ وہ مجید کیا ہے کہنے لگے کہ یہ انفرکتا تھا کہ اس رسالے کے نقل کا حکم یہ ہے ہم جس سے بہت دگ رسالے جانیں گے اور بہت گشت و خون ہوگا آپ دعا کریں۔ میں نے کہا نقلی حکم ہو چکا ہے اب دم لینے کی باتیں رہی پڑا ہوا جس وقت تک ہاں ملے اسد مان تھا۔ چند روز بعد ہم دہلی سے باہر چلے گئے اس سے ایک مہینے بعد ایک خد و خروش ہو گیا۔





# سر سید احمد خاں

تبلیک جلد نیا دور نہ موشی دہ طور ایں دلم ہست کہ زیں گونہ ہزار لیل ویدست

## میرا خاندان

سید قسطنطین خاں سید اوی مولانا جواد علی خاں راقم کے والد اور خواجہ فرید الدین احمد کے دادا کو دربار شاہی میں پشتینی دروغ تھا۔ اور بکشاہ کے کندہ شاہزادگی سے بہت زیادہ راہ و رسم قسطنطین اور بادشاہ کبھی کبھی اس کو جانی حقوق کہ کر مخاطب کیا کرتے تھے۔ سید اوی فارسی شعر کہتے تھے۔ اس کا بہادر بیٹے کے اقدار کا لکھا ہوا میرے پاس موجود تھا جو اندر کے زمانے میں فوت ہو گیا۔ ۱۰۱۰ میں اپنے والد کے ساتھ اور تنہا بجا ہوا شاہ کے خاص صہریں گیا۔

اکبر اول نے سید قسطنطین سے چاہا کہ وہ انتظام ہند بادشاہت اپنے ہاتھ میں لیں اور شاہیوں کا انتظام کریں۔ سید قسطنطین نے اسی سے عذریا کر اپنے شرف خواہ فرید الدین احمد کا اس کی مخالفت میں اس کی کامیابی کا ذکر کیا اور یہ صلاح دی کہ ان کو بڑا کردار مقوی کہنے تو غالباً سب امور کا انتظام ہو جائے بکشاہ نے اس سے یہ کہہ کر عذر لیا کہ میں اس وقت سے کہنے کا حکم دیا ہوں کہ کلکتہ سے اسی سال یعنی ۱۱۳۳ھ مطابق ۱۷۲۰ء کو قسطنطین نے بادشاہ کی خدمت کی۔ بکشاہ نے اس کو دوز مقوی کیا۔ غفلت و غامت اور خطاب و برہنہ اور اچھٹا ملک مسلح جنگ کا حکم کیا۔ انہوں نے کچھ کہہ کر یہ عرض شاہی کیا کہ انتظام میں سے آمدنی اور خرچہ برابر ہو گیا اور عوامیں مایوس نہ ہو گئے۔ انتظام ہو گیا۔ مگر شاہزادے اور بیگمات اور درباری سب اس بات سے کہ ان کی تعریفیں کم ہو گئی تھیں نہایت ناراض تھے۔ دتر رفتہ ان شکایتوں کا اثر بادشاہ پر بھی ہوا اور وہ پیر اور نے ہم وعدہ وزارت کو اپنے ہاتھ میں نہ رکھ سکے تھے۔ مستغنی سے یہاں ہند ہند ہر گلہ کو چھ گئے۔

ان واقعات کے ہند ہند بادشاہ نے ہر واسطے متنازعہ پیشگی کے قریب کرنی چاہی اور اس باب میں ایک مراسلہ بنام گونہ ہزار لیل ویدست کیا جس میں زیادہ تر شکایت اس بات کی کہ ان کی درآمدات اور اخراجات کا حال ان کو معلوم ہے۔ مگر رد و جعل اس سے دیکھتے کہ تو بکشاہ کے اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ آمدنی اور خرچہ برابر ہے۔ بادشاہ کے دل میں اس بات نے جگہ کی کہ تم ٹھیک کہتے ہو مگر اس کی تہہ پر کیا ہے۔ سید قسطنطین خاں نے عرض کیا کہ وہ فرما کر دیکھو کہ وہ کیا محنت میں تھا۔ مگر اس میں کچھ سداکشتی ہو سکتی تھی تو وہ پیر اور نے یہی کہ تہہ پر داکشتی سے ہو سکتی تھی۔ بادشاہ نے قویٰ دیر فر کرنے کے بعد اس بات کو پسند کیا اور وہ پیر اور کے کلکتہ سے کہنے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ کلکتہ سے آئے اور دوبارہ ۱۱۳۳ھ مطابق ۱۷۲۰ء کے بعد مستغنی اپنے وعدہ مطابق اسے ہونے چاہئے وہ پیر اور نے درحقیقت ہشتے کے متنازعہ کو کشش نہیں کی۔ ۱۱۳۳ھ مطابق ۱۷۲۰ء کے بعد پیر اور

11-11-11

تہ لپٹا لپٹا کر

**اُمّی بھاس**

مکمل

در وقت

ایک دفعہ آپ

کو جب میں سنی سنا یا نے سنی کا معاملہ اسی کے پاس پیش کر دیکھتا تو وہ سرت کی گوندی ہوئی تھی اور اس ایک گھڑی میں بندھی ہوئی میری تہیہ کو اپنے پاس رکھ لیتی تھیں مگر چونکہ وہ خفا تو سنی دھڑوئی ہوں گی گمان سرت کی اور اس سے مجھے کبھی مل نہیں پٹی۔

اس کی تعلیم اسی کی نصیحتیں نہایت ہی حکیمانہ اور مدلل پر اثر کرنے والی تھیں جو کہ یاد ہے کہ ایک شخص نے جس کے ساتھ میں نے نیکی کی تھی میرے ساتھ نہایت بدی کی اور تمام وجوہ ثبوت جس سے اس کو نفرت مدانت سے کافی مزا مل سکتی تھی میرے ہاتھ آگئی میرے نفس نے مجھ کو بھلا یا اور انتقام لینے پر آمادہ کیا۔ میری والدہ مرحومہ نے یہ خبر سنا کر مجھ سے کہا اگر تم اس کو مصافحہ کرو تو اس سے عمدہ کئی بات نہیں ہے۔ مگر تم کہ اس کی بدی کی حکمت سے مزا دلانی ہے تو نہایت نامادنی ہے کہ اس کوئی والدہ بدست حکم، اعلیٰ کیس کے چکل سے جوہر ایک کے اعلیٰ کی مٹا دینے والا ہے اپنے دشمن کو چھوڑ کر ضعیف اور ناتواں دنیا کے مالکوں کے ہاتھ ڈالنا چاہو۔ پس اگر دشمنی اور انتقام ہی منظور ہے تو توئی حاکم کے ہاتھ میں اس کو پہنچے۔ وہ اس نصیحت کا میرے دل پر ایسا اثر ہو گیا کہ کسی درد نہیں ہوا اور وہ جو گار جب سے میرے دل میں کسی شخص سے گراں نے میرے ساتھ کسی بھی دشمنی کی۔ انتقام لینے کا خیال تک نہیں آیا بلکہ ان کی نصیحت پر عمل کرنے سے میرے دل میں یہ بات پیدا ہو گئی ہے کہ اب میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ آخرت میں خدا مجھ سے سزا دے۔

جس زمانہ میں میری عمر گیارہ برس کی تھی۔ میں نے ایک لڑکے کو جو بہت بڑا اور بڑھا خاکی بات پر قہر ڈارا۔ جس وقت میری والدہ کو خبر ہوئی اور خدیجہ نے کہ جس میں گھر میں کیا میری والدہ نے ناراضی بر کر کہ اس کو گھر سے نکال دو جہاں اس کا دل چاہے چلا جائے۔ یہ گھر میں رہنے کے وقت نہیں رہا۔ چنانچہ ایک میل اور پندرہ گھر سے باہر لے گئی والدہ باہر ملوک پر چھوڑ دیا۔ اسی وقت ایک ماہ دو سوے گھر سے یعنی میری خالہ کے گھر سے جو قریب تھا ملکی اور پھر کو میری خالہ کے گھر لے گئی۔ میری خالہ نے کہا کہ دیکھو تمہاری والدہ تم سے کس قدر ناراضی اور غصہ ہیں اور اس سبب سے جو تم کو گھر میں رکھے گا۔ اس سے بھی غنا ہو گا۔ مگر میں تم کو چھپا رکھتی ہوں۔ اور کہنے کے ایک مکان میں مجھ کو چھپا دیتیں وہ تک میں اس کو ختم ہو چکا ہوں۔ میری خالہ میرے سنانے اور دہری بھول کو کہتی تھیں کہ "دیکھنا آپ جی مٹنی میری والدہ کو خبر دہو کہ یہاں پیچھے ہوئے ہیں" یہی دن بد میری خدیجہ کو اس آپ کا کہتا تھا میری والدہ کے پاس تصور معاف کرنے کے واسطے لے گئیں انھوں نے کہا کہ اگر اس ذکر سے تمہارے صحت کرنے تو میں صحت کہوں گی۔ وہ اگر گڑبگڑ چا گیا۔ میں نے اس کے آگے ہاتھ جوڑے جب تفسیر صحت ہوئی۔ جو شبہ ایک اچھی ہی ہزار تہوں سے بتر ہے۔

اس کی چند خاص باتوں میں سے ایک یہ امر تھا کہ حادثہ بڑھیا محمدوں کی پیشہ گری کی تھی ایک حادثہ بڑھیا زبیا تھی۔ اتفاق سے ایک زمانہ میں میری والدہ ملکی عید پر نہیں آئے تھے۔ چیدی خدیجہ خدیجہ ایک ہی تھی جو وہ اس کے پیچھے تیار ہوئی تھی اس میں سے زبیا کو جانی نصیر۔ والدہ کو صحت ہو گئی حکیم صالح نے میری والدہ کے لیے ایک نسخہ جو بون کا جو تھیں تھا۔ تجویز کیا میں اس کو کہہ کر لیا۔ انھوں نے اس کو دیا اور خدیجہ خدیجہ زبیا کو کھلوا دیا اس کو بون سے زبیا کی صحت میں بہت ترقی ہوئی اس کے ساتھ ہی کی صحت میں گمان یہ وہ تھی جو گئی۔

اس کا دستور تھا کہ جو کچھ گھریں آئے۔ بد پر یہ گانڈ کا یا کھن کا تھا۔ مکانوں کا لایا تھا۔ تھوڑا تھوڑا کا پیر و سب میں سے حساب دینے کے خد کے ہم پر ملنے کو دیتی تھیں۔ اس کے پاس ایک مستقل سرایا تھے جو جاتا تھا اس میں سے یہ خدیجہ پر وہ نشیں محمدوں کی جو صاحب سے ملک جو تیں امداد کرتیں۔



کین

[illegible]

ہماری کلاویں اور دنیا کا علم ویرانہ اور عوام پر غلبہ میں احمد میں بڑی دوستی تھی ایک دن جزیل اکثر کوئی کئے ہوئے تھے۔ اتفاقاً رات میں کسی سبب سے وہ بیمار ہو گیا اور جزیل صاحب کو دیکھ کر کہہ رہا تھا کہ میں نے جلائی۔ لہذا کچھ بات کی رات میں جزیل سے افسوس میں پوری ہوا تھا کہ یاد دہی پہنچے ہوئے تھے یہ سچا کہ آپ نے کوئی ایسی چیزیں لکھ کئے ہیں لکھ کر میں دہرے فیچہ کیوں لکھائے ہیں۔ جزیل اس سوال سے بہت خوش ہوئے اور مسکرا کر فرمایا کہ یہ ہے اس وقت حاکم کی عمر پانچ یا چھ برس کی تھی۔

ایک دین نے اپنے ایک رشتہ دار کو کہہ کر استعفا کر دیا تھا۔ چلے چلے اس کے پیچھے جا کر پتہ کر دیا۔ اس کے سامنے کپڑے خواب ہو گئے۔  
موجودہ حالت کے بدلے کو دیکھ کر اس نے یہ فریاد اُٹھائی کہ میں نے بی بی کا ذکر کے صلے کر دیا۔ یہی حال ایک بار میں شریک کیا  
یہ اپنے ایک رشتہ دار کو کہہ کر استعفا کر دیا تھا۔ چلے چلے اس کے پیچھے جا کر پتہ کر دیا۔ اس کے سامنے کپڑے خواب ہو گئے۔



## شاہی خلعت

ایک ہر خلعت لینے کا رواج پر ایسا اتفاق ہوا کہ والد بہت سیرے اٹھ کر چلے گئے اور میں بہت دن جڑھے اٹھا۔ ہر چند بہت جلد ٹھنڈے پر سرد ہو کر وہاں پہنچا۔ مگر جی دیر ہو گئی۔ جب لال پردہ کے قریب پہنچا تو قاعدہ کے موافق اول دربار میں جا کر آداب بجالانے کا وقت نہیں رہا تھا۔ وارد ہونے کا کہیں جب خلعت پہن کر ایک ہی دفعہ دربار میں جانا۔ جب خلعت پہن کر میں نے دربار میں جانا چاہا تو دربار ناست ہو چکا تھا۔ ادب بادشاہ تخت سے اٹھ کر دربار پر سوار ہو چکے تھے۔ بادشاہ نے مجھے دیکھ کر والد سے جو اس وقت ہمارے پاس ہی تھے پر چھا کر تمھارا بیٹے۔ انھوں نے کہا۔ حضور کا خداوند بادشاہ چکے ہو رہے۔ لوگوں نے جانا میں اب محل میں پیسے جانیں گے۔ مگر تسبیح خانہ میں پہنچے تو وہاں ٹھہر گئے۔ اور جہاں ناز کے والد کو کشتی جو اس وقت کے حکم ہوا۔ میں بھی وہاں پہنچ گیا تھا۔ بادشاہ نے مجھے اپنے سامنے بلایا۔ اور کل غایت سے میرے مدلل آتھ کر فریاد کر دیکر یہی کہی حاضرین نے کہا عین کو رو کر تعصیر ہوئی۔ مگر میں چپکھڑا رہا۔ جب حضور نے دوبارہ پوچھا تو میں نے عرض کیا کہ سرگیا تھا۔ بادشاہ مسکئے اور فرمایا بہت سیرے اٹھا کر والد ہاتھ چھوڑ دیئے لوگوں نے کہا۔ آداب بجالاؤ میں آداب بجالاؤ۔ بادشاہ نے جواباً کی سوال کریں اپنے ہاتھ سے پٹائی میں سے نذر دی اور بادشاہ اٹھ کر خاص ڈیل ٹرمس سے محل میں چلے گئے۔ تمام درباری میرے والد کو بادشاہ کی اس حقیت پر ہمارے سلامت کہنے لگے۔ اس زمانے میں میری عمر آٹھ برس کی ہوئی تقریباً ان ہی دنوں میں ماجد رام میری رائے جو بہر سہا کے بانی تھے ان کو بادشاہ نے ملکر سے بلایا تھا۔ تاکہ ان کا زینشن بادشاہی کے لیے ان کو نذر بھیجا جائے۔ چنانچہ وہ بادشاہ کی طرف سے لندن بھیجے گئے اور ان کے میں وہاں پہنچے۔ اقامت نے راہرام برہنہ رہنے کو متعدد دفعہ دربار شاہی میں دیکھا ہے۔ وہاں کے لوگ یقین کرتے تھے کہ ان کو مذہب اسلام کی نسبت زیادہ محبت خاطر ہے۔

اس عرصے میں گڈوں میں جا کر رہنا مجھ میں پھرنا۔ عمدہ دودھ اور تازہ تازہ نمکین اور جانفروں کے ہاتھ کی بونی اور سے یا کبھی کی دھیاں کھانا نہایت موادیتا تھا۔ وہ ایک جیسے قسم کا زمانہ تھا۔ اس زمانہ کے شرارت خاندان کے زہان جو کچھ کرتے تھے اسی طرح پر کرتے تھے کہ کوئی اس سے واقف نہ ہوتا تھا۔ اور پردہ و حاکم رہتا تھا۔ کوئی حرمت عام طور پر بڑھانے نہیں باقی تھی اس زمانہ کے شرارت فرجواں کا مل درآمد اس وقت پر تھا کہ اپنے جسم کے زخم کو ڈھانکے رکھتا کہ لوگ اسے دیکھ کر نفرت نہ کریں۔ یہ ایک ایسی اچھی نصیحت ہے کہ اگر انسان سے کوئی برائی ہو مگر اس برائی کا ہمارا دل سے نہیں ہوتا اور انسان کے لیے یہی دستور ہائی سے چھنے کا ہے۔

## زمانہ شباب

دنے ہر شئی ایک سوز و غم اور نہایت ہی وضع و ادا اور دولت مند تھے اس زمانہ میں ایک طوائف و نہایت خوش آواز اور نہایت خیال کرنے والی عورتیں میرے شعل تھیں اس کا ہم خاص تھا اور اس نے اپنا تمام پیشہ چھوڑ دیا تھا اور اس نے ہاں کھلی کے گھر میں ڈگر تھیں۔ اس کی خواہش وہ ہر چیز کی تھی کہ ایک جیسے کیا کرتے تھے۔ شوکے نہیں ہوتے تھے۔ گریئے نہ ہو درخان تملن جو تار بیلانے میں بے مثل تھا اور میرا صراہ میں بیلانے میں اپنا شعل نہیں دھکتا ہے سب جی جوتے تھے۔

لیکن ان کے لیے مسکے مقابل بائیں سمت میں منڈیر تھا۔ اور لوگ ان کے منے کا انتظار کرتے تھے۔ جب وہ کوٹھے پر سے اتر





## ایم فدر

خدیجہ حوالہ انگریزوں اور ان کے بچوں اور عورتوں پر گورا اور جو حال جاری توں کا ہوا اور نامی نانی خاندان بباد و تباہ ہوئے ان دولوں  
و قحط کا ذکر لکھتے کرتے رہے وہ ہے جس کے بعد نہ بچہ کو اپنا لئے کاری تھا نہ مال و اسباب لغت ہونے کا اور جو کچھ رہی تھا اپنی قوم کی بربادی  
کا۔ بعد ہندوستان کے ہاتھوں سے جو کچھ انگریزوں پر گذرا اس کا رخی تھا۔

نیل بجز زمین تھا اور زاب محمد خاں سے کہتا۔ آپ اس ارادہ کو دل سے نکال ڈالیں۔ انگریزوں کی مل داری ہرگز نہیں جانے کی۔ اگر  
فرق کر دیا جائے کوئی ہندوستان سے انگریز چلے جائیں گے تو میں انگریزوں کے ساتھ ہندوستان میں کوئی عمل داری نہ کر سکے گا۔ آپ سرکار کی اطاعت  
کراتے سے نہ دیں اگر بغرض انگریز جانتے رہے تو آپ زاب بنے بنائے ہیں۔ آپ کی زبان کو کوئی نہیں چھینا۔ آپ فرخواری بنے رہیں۔ مگر زاب نے اس  
کو سنوڑ جیسا کیا۔

جی نہ انیس فدر جو امیری والدہ اور گھر کے لوگ اندر بچے اور سب عزیز و اقارب وہی میں تھے اور میں بجز زمین صدقات تھا۔ وہ (والدہ)  
نہ نہ فدر میں لوگوں سے کہتی تھیں کہ اگر یہ تھوڑے دنوں میں پھر آجائیں گے تم سب خاموش اپنے گھروں میں بیٹھے رہو۔ جو لوگ فساد میں شریک  
نہ ہوں گے۔ انگریزوں کو کچھ نہیں کہنے کے۔ ان کو یقین کاں تھا کہ اگر یہ بجز ان کے جنہوں نے فساد کیا ہے کسی کو کچھ تکلیف نہیں دینے کے۔ جب  
نہ نہ فدیہ دیا تو قرب ہوا اور کثیری وعدہ و نیت ہو گیا۔ سب زن و مرد و شہر سے باہر چلے گئے مگر وہ انسان کی ایک بہن جو مانیتھیں اس یقین پر کہ  
انگریز بے گناہ ہوں کہ نہیں ستانے کے اپنے گھر سے نہیں گئیں۔ مگر اس کو ان کا خیال غلط نکلا اور ایسی نیک بانی کو آخر میں تکلیف پہنچی جب وہ  
فتح ہوئی تو پہلی گھوڑی میں گھسٹاں تمام گھر لٹا دیا وہ نے اپنی بیوی کو چھوڑ کر اس کو تھری میں چلا آئیں جس میں زبلا وادارت بڑھیا رہی تھی۔  
اگر وہ صحت اچھی نہ ہوتی تو اس کو سر میں ماتم جو میرٹھ میں آگیا تھا میرٹھ سے وہی پہنچا اور اپنی والدہ کے پاس گیا۔ اس  
وقت تیرہ دن سے ان کے پاس کھانے کو کچھ نہ تھا۔ گھر سے کا دیا نہ گیا۔ اسی پر برہمنی۔ دو دن سے بانی بھی ختم ہو چکا تھا۔ اور پانی کی نہایت تکلیف  
تھی۔ میرٹھ کی گھر کی کا دیا نہ نکلتا تھا۔ یاد آواز دی۔ انہوں نے وعدہ کھولا پہلا منہ بھان کی زبان سے نکلا یہ تھا کہ "اے بی! تم یہاں کہیں آگئے  
یہاں تو لوگوں کو دے ڈالتے میں تم سے جاؤں جو کچھ گھر سے لی۔ میں نے کہا۔ آپ خاطر میں رکھیے مجھے کوئی نہیں مارے گا۔ میرے  
پس سب مالوں کی چھیاں ہیں اور میں ابھی تھوڑے انگریزوں اور دہلی کے گورنر سے مل کر آیا ہوں۔ ان کی امانیت ہوئی اور معلوم ہوا کہ دو دن سے  
پانی ملنے نہیں پاتا ہے۔

میرٹھ کی کھانہ کو نکھائی اس طرف کیس نہیں جانا چاہتے تھے کیا ایک صراحتی بانی کی لے کر چلا جب اپنے گھر کے قریب کے بازار میں پہنچا  
تو دیکھا کہ وہی حالت بڑھ چلا۔ پریشانی ہے۔ بانی کی کھانہ کو نکھائی میں نے اس کے آبلے میں پانی دیا اور کھانہ پانی پی لے۔ اس نے کھپاتے ہاتھ  
سے آگے کھانہ کو نکھائی میں لے کر لایا اور کھانہ کی طرف اشارہ کیا اور کچھ کہا جس کا مطلب یہ تھا کہ تم صاحبہ پاس ہی۔ اس طرف سے پانی  
میرٹھ آتی تھی۔ میں نے کہا۔ میرے پاس بانی بہت ہے۔ اُس نے کہا۔ اور لیٹ گئی۔ میں جلدی جلدی گھر کی طرف آیا۔

میں نے گھر سے نکلا کہ کچھ ساری کا بند بست کر کے ان کو میرٹھ لے جاؤں جب اس مقام پر پہنچا جہاں بڑھیا میرٹھ تھی تو معلوم ہوا کہ  
مرگ ہے۔ مارے شہر میں ہوا دیکر حکام نے بھی احکا جاری کیے۔ لیکن ساری نہیں ملے اور حکام قلعہ نے اجازت دی کہ شہر میں جا



### رسالہ اسباب بغاوت ہند

مگر میں نے حد کیا کہ یہ سب فراموشی ہیں۔ اصل سبب سرچا چاہیے کہ قوم پر یہ مصیبت کیوں پڑی اور کیوں کروڑ ہو سکتی ہے اس کا یہ جواب دیکھو کہ یہ تعلیم و تربیت نہیں تھی اور اگر ان لوگوں سے جی کو خدا نے ہم پر مسلط کر دیا ہے میں جوں ادا تھا نہ تھا اور باہم ان دونوں میں مذہبی اور سیاسی منافرت بلکہ خلیفہ کی مذہب کا دعوت کا ہونا تھا۔ میں نے تصدیق کیا کہ اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوتیں تو اشدہ واقعہ نہ ہوتا۔ اگرچہ تو جو سخت مصیبت گرنٹ پر ملک پر ہماری قوم پر پڑتی ہوئی اس قدر نہ ہوتی تو نہ ہوتا۔ سبب جہاد جہد و کھٹافہ کے اصل سببوں پر نظر کرنا اس بات پر صداقت سے کچھ سببوں کا بیان کرنا ہیں ایک عمدہ تقریر غلامی ہائی گرنٹ کی کہتا ہوں۔ اس لیے مجھ پر واجب ہے کہ جو سبب میرے دل میں ہیں۔ ان کو بھی ظاہر کر دوں۔ پس ہے کہ بہت بڑے بڑے علماء اور جن کارروائوں نے اس ہتھیار کو سبب لکھ لیا۔ مگر سبب ہے کہ شاید کسی ہندوستانی آدمی نے اس میں کوئی بات نہ لکھی ہو بہتر ہے کہ ایسے شخص کی بجائے رہے۔

### مراد آباد میں اسکول کا قیام

پھر میں نے اپنے دل سے پوچھا کہ قوم اس زمانہ کی مزمت کے مخالف تعلیم دینا اور یوں کے علوم کا ان میں جاری رکھنا آیا درحقیقت اسلام کے بغض ہے۔ مجھے جواب ملا کہ جس۔ پھر میں نے سوچا کہ اگر نڈل سے جو ہمارے حاکم ہیں اور لوگ ناہیا ٹریں سے کچھ دوستی اور بے ریا اتحاد اور دل کھل کر دوستانہ میل جول و ذہن ساز معاشرت اور آپس میں ایک دوسرے کے ہمدرد۔ کیا اسلام کے خلاف ہے؟ جواب ملا کہ نہیں میں انہیں دونوں اموروں کو میں نے اختیار کیا۔ تو یہی مجھ کو پھر مذہبی ایک تعلیم دوسرا اگر ان لوگوں سے اتحاد و دوستی تو اہل مشیت میں میں نے ایک اسکول مراد آباد میں قائم کیا جہاں اس زمانے میں کسی قسم کے اسکول کا وجود نہ تھا۔ مگر سرعان اسٹریکی کی مراد میں سے وہاں ایک اردو انگریزی اسکول قائم ہوا اور دونوں کو ملایا

### تبیین الکلام

دوم تفسیر میں مقدس کلمہ کسی مسلمان نے آج تک نہیں مقدس کی تفسیر نہیں لکھی جو ہر اس کام کے مانع رہا ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان عبادت مذہب کی کتابوں کو بیشک ایک بیکار و طرہ و جہت تھیں مگر وہ سمجھتے اور عقیدت کرتے ہیں۔ یہ تفسیر جو انہیں کہتے تھے کہ یہاں تک خیال تھا کہ اسباب تعلیم بیان کرتے ہیں۔ جس کا ثبوت خود قرآن سے ملتی ہے۔ اس کا ترجمہ مسلمانوں کی زبان میں ہوا۔ بالخصوص عربی میں جو۔ کہ چونکہ مسلمانوں کے سامنے اس سے زیادہ مفید بات اور کوئی نہیں ہو سکتی۔

### رسالہ احکام طعام اہل کتاب

میں اس وقت کے دلچسپہ کا نہایت شائق ہوں جب یہ رسالہ کریمہ خاں نے اپنے دل کے موافق منسلک کیا۔ میں اسلام کو ان باپ کی عقیدے نہیں بلکہ بقدر اپنی طاقت کے خود تحقیق کی کہ تمام مذاہب معلوم صحاح و حدیث میں کیا ہے اس کے مذہب نے مجھے سکھایا ہے کہ کچھ کچھ ہکا۔ جی کسی گزینے کے ساتھ کہنے میں ہاں شریک شرب و خمر اور کافرانہ عوام چیزوں کے کچھ کچھ نہیں کنا۔

چونکہ ہم نے کہ جو میں ہاں ہر طرح شریعتی مجبور و مجب آباد سے بجز کہ کائنات سے میں ایک جگہ ہم دونوں اترے اس ایک ذلت کے نیچے بیٹھ گئے۔ مگر ہمارے ہر سچا کہ چلتے ہوئے۔ میں نے کہا۔ میں چاہے گا۔ انھوں نے کہا۔ ہمارے ساتھ ہی ہوتی تو میں ہر وہ ہے۔ میں نے کہا۔ بہت بڑا شریک ہونے چاہئے۔ ایک آدمی کو اس کی یا مسلمان سے کسی گزینے میں حرام ہوا۔ جس کے وقت سب رنگ







احسان فراموشی کا یہی دل بیا ہے بہت۔ ان غفلوں کے دیکھنے سے مجھے تعجب یہ ہر اک باوجود دیکر وہ نہایت بشارت سے ہندوستانیوں سے ملے  
مگر اُن کے دل میں ہندوستانیوں کی طرف سے کیا بات سمائی ہوئی ہے۔ وہ کہیں جس کے دُعا خانی جہازوں میں پہننے میں سے مارسیل تک سفر کیا۔ یہ  
کہیں صرف مارسیل تک مسافروں کے پہنچنے کا انتظام کرتی ہے۔ یہاں پر پ کا شہر جس کو کہنے دیکھا مارسیل ہے۔

دریود فرانسسوں کی عمل داری میں جسے کسٹم ہاؤس کے بڑے کرے سے اسات کی تھالی پہلے حبیب کہ ہم لکھ گا و مارینو میں جہان سے آتے  
تو بہنے دیکھا کہ بہت سی کڑیاں اساد اونی بس کھڑی ہوئی ہیں۔ جن کو کشتر جائے پاس آیا اور اونی میں جا س جل کا تھا کار کیا اور ہارے مقام الہ  
گورنر کے کے اساد اونی میں چلا اور اونی میں بندہ جرنیل پنجاہ پیدل کلر اور اور گئے کسی ایسا راستہ باز اساد اونی شیشہ آفات ہم نے کسی نہ

یہ کم عمری میں رہنے کا قصد کیا تھا اس لیے وہاں اترے اور میرس جہول میں ٹھہرے۔ مارسیلا کا بڑا ابدان کا کھلنے کا لمحہ مکرہ اور کھانا کھانے کا نہایت عمدہ طریقہ اور کھانا کھانے والوں کی نہایت نفیس ودیاں ہماری آنکھ میں ساٹی ہوئی تھیں اس لیے یہ جہول ہماری نگاہوں میں کچھ نہیں جو جب سب جگہ دیکھ چکے تب ہماری خوش نفسی نے زندگی اور ہم نے کثرت سے کہا کہ اور کسی اچھی جگہ سے چلو اس لیے کہ اگر وہ سیل چلے وہ ہر جگہ پہلے اندر کو کھتا ہے ہندو یلیہ وہاں پہنچے جب ہم قدر میں ٹکڑے تو ہم نے مانا کہ ہم دنیا میں نہیں بہت کے کسی محل میں چلے آئے ہیں۔ ہم سب مکانوں اور گھروں کی سیر کرتے ہوئے اُس کو کہے ہیں جہاں منشاہہ کوئی چاہا ہم دوبارہ گنا تھا اور تمام دھیس اور اسلوا وہاں آتی کہ طرہ مت کہہ تھے پہنچے اس تمام محل میں مصروف رہا کہ ہم نے نظیر کے یہی دیکھا، گرہن، ریڈاؤ، جونی، ایمون جو نہایت عالیٰ مصروف تھے ان سب کا ہم کو دیکھ کر ہم نے ایک اور بہت بڑا کہہ ہے جس کا نام کہہ کر دیکھتے ہیں اس کو کہے ہیں تمام واقعات و عمارات کی تصویریں جو کہ وہ سب کی تصویریں جو ہوتی تھیں ہمیں بھی ہوئی ہیں۔ پیرس سے جو شخص کوئی کہہ کر دیکھتے ہیں کہ یہ انکس جینز، بک ریڈ، پتے دین سے اگر کہ میٹر میں گئے۔ انکس جینز جو ہوتی تھیں ہمیں نہیں ہے صرف وہاں ہی تھی گھڑ کا راستہ ہے جس کے ہاں کہ ایک جب ہم کی حرکت ہے کہ جہاں اسٹیرس اور ادبانی نے اس کو چاہا وہاں کہتے آئی۔





### خطبات احمدیہ

ہندوؤں کی حالت و شکست سے اندازہ طرح کی تکلیف سے جو ہر لڑائی ہی خوب ہانتا ہے خطبات احمدیہ کی تعلیم تمام ہندی سرور پرورد صاحب مدد معافی نے جو کچھ لکھتے سب کے ایک ایک حصے کو اب لکھا ہے۔ نہایت مختصر جواب ہیں اور شرط کسی شخص کے آگے نال عدوہ کی بھی یہی ہے کہ نہ ہو مگر وہ کہ کہ ان نہایت ہیچ اور انصاف کا جواب ہے تو یہ ان نام در ذمہ نام نہیں۔

### کیمبرج ٹیوٹریل

یہ ایک برصغیر اعلیٰ کے طریقہ تسمیم کو دیکھنا تھا۔ اور اس پر حور کرنا تھا چنانچہ میں مرق سے کیمبرج ٹیوٹریل کو خود ہا کر دیکھا اور ٹیوٹریل اور چوٹی پر کو کھانے سے دیکھا تمام نقشہ زمی نشی کر لیا۔ اور تمام تعلیم پر چلا گیا۔ کیمبرج میں اور کیمبرج میں اپنی مڈی کے نیچے کوئی اخبار یا کتاب دہنے لکھتے ہیں جہاں سدی پہنچا دیکھ یا اور ساری جود کھڑی کی ہندوؤں نے انہیں نکالا اور پڑھنا شروع کیا جو لوگ حقیقت میں ہندوستان کی بھلائی اور نفعی ہا چاہتے ہیں وہ ہندوستان کی بھلائی مروت اسی پر منحصر ہے کہ تمام مروت اسی سے لے کر ان کی ایک اعلیٰ کی زبان میں دیشے ہائیں اور تمام مروت سے وقت ہوا ہیں۔

یہ ایک معزز اور مست سے ایک بہت سے جھ سے ہیں جہاں نہایت تکلف کی پر شک پہنچے کئی سرور اور لیڈوں کو بصورت اور کلام اور تالیف قیس۔ پوچھا کہ کو کونین پشت ہے اور عدول کا ہونا ہے یا نہیں۔ مگر ہاری قسمت میں وہی جلتا ہے۔ یہاں کا حال دیکھو دیکھو لکھنے ملک اور قوم کی حالت سے ہا نصیب موجودہ نزل اور آئندہ ذلت کے خیال سے رنج و غم زیادہ ہو گیا۔

یہاں کیمبرج سے یہاں میں انگلستان میں طاقت ہوئی ان ہائیں کی تمام طاقت کا اور اس بات کا کہ میں شغور نے اسی سے ہندوستان کی بابت مشکل کا سب کہ ہر ایک مروت سے بڑی گا کہ بہت مروت اڑ ہا یہاں کے بہت سے مروتان سلطنت کی رائے ہے کہ اگر ہم ایک ایسے لیسٹ اور طاقت کار ہندوستان کے سلسلے سے چھ کرید احمد طاس ہی دتے تو ہندوستان کی طاقت کی نسبت ہماری رائے ہمیشہ ضعیف اور بڑی ہوتی رہے گی

### دلی

یہ ایک مجبٹ نے وعدہ کر لیا کہ تمام انرجیاں ہماز وہ دے کہ ہندوستان پہنچا دے گا۔ میں نے حسب ضابطہ انڈیا آفس میں اطلاع کر دی کہ میں ہر وقت ششہ کو نسل سے مدد دہوں گا۔

نسل میں ہر کچھ سود لکھا اور سوا سوا مگر اپنی قوم کو دہی دنیا بھلے کے اعتبار سے ایسے بہت داریک لکھے میں مگر اپنا پناہ میں سے نکلنا میں سلوم بہت ہے مگر اپنی جہت داری۔

نسل میں ہر کچھ سود لکھا اور سوا سوا مگر اپنی قوم کو دہی دنیا بھلے کے اعتبار سے ایسے بہت داریک لکھے میں مگر اپنا پناہ میں سے نکلنا میں سلوم بہت ہے مگر اپنی جہت داری۔

مدد کے لئے ہر ایک ہاں کی تعلیم کے طریقے کی میں ہاں وقت ہیں۔ یہ ہے۔ ان کی نسبت یہ کہنا کہ میں ان کا توجہ دے دے اور دیکھنا



جس کا کہنا ہے کہ وہی قوم کا وہ نہیں دیکھا کہ دل جھوٹی شہرت سے بھرا ہوئے ہو، اس قوم پر جو شرناک باتوں کو اپنی شہرت کا ہتھیار بنا کر لوگوں سے جھگڑا کر، مگر حقیقت میں وہ ان کے لئے چاہے کچھ ہی نہ آئی۔ پس میں ایشیہ پر ایک قوم کے بچوں کی تعلیم کے لیے کچھ کر سکوں میں نے کہا کہ مجھ کو اس کے قائم کرنے میں ایک قلمی چارہ کی مانند غور کیجیے اور میری محنت اور مشقت سے اپنے لیے کچھ نہ لے لیجئے اور اس وجہ سے کہ اس کا ہاتھ ملا یا اس میں مزدوری کسے والا ایک قلمی چارہ ہے اپنے گھر کو مست ڈھالینے۔ ایک دفعہ ایک دوست نے دعوت کی کہ اب ایک روپیہ منیت کیا میں نہایت خوش ہوا کہ مدرسہ العلوم کے کئی مزدوروں کو مزدوری ملی ہمارا اب یہ حال ہو گیا ہے کہ ہمد سے دوست بھی ہم سے ملے ہوئے ہیں کہ کچھ سال ذکر نہیں۔ ہماری صورت ہی اب سوال ہی ہو گئی ہے۔ میں نے ایک دوست سے کہا کہ بھائی میری قسمت میں بیک لگانا کھاتا تو اس کھانے کو بھائیوں کو شکر ہے کہ اپنے لیے نہیں بلکہ قوم کے لیے۔ اسے میاں اب کوئی دن میں ہم مر جائیں گے۔ پھر کون چنہ مانگے گا۔ ہمارا حال تو اس بڑھیا کا سا ہو گیا ہے جس کو ہانار کے لڑے سے چھڑا کرتے تھے۔ اور جب وہ چھیننے والے دہستے تو کتنی کیا آج ہانار کے لڑے مر گئے۔

مگر زہریلے لڑے نا تھوڑے دن میں دس ہزار روپیہ بطور چندہ مرحمت فرمایا اور مسٹر ڈائی نے مجھ کو ایک ہزار روپے دیئے تھے اور پھر پین سو روپیہ دے دیں جس سے کسی سے مدد نہیں ملی اس سال بنارس کی کمیٹی میں تجویز پیش ہوئی کہ مدرسہ کماں بنایا جائے اور ہندو تحقیقات اور طلبہ

۱۸ نومبر ۱۹۱۷ء کے اجلاس میں یہ فیصلہ ہوا کہ مدرسہ بقام علی گڑھ بنایا جائے۔ دوسری لکھنؤ ۱۹۱۸ء کے اجلاس میں تیار ہونے والے ایک نہایت کامل تجویز تنظیم علوم کی ہمارے انھوں نے لندن ہی میں بمطالعہ وہاں کے قانونی پرنسپل اور محاسبوں کے مرتب کی تھی، پیش کی۔ اس دور میں تعلیم تک مدرسہ پہنچ جانے تو قوم کے نصیب کمال حاصل ہو گئے۔ چودھویں اپریل ۱۹۱۸ء کے اجلاس میں چھوٹے چھوٹے مدرسوں کے مختلف مقامات پر قائم ہونے پر بحث ہوئی جو آخر کار مدرسہ علوم کے ماتحت اس کی ایک شاخ قرار پائی۔

علی گڑھ کے مدرسہ کے لیے مولوی محمد مسیح اللہ خاں بہادر سی۔ ایم۔ جی سے اتنا س کیا گیا کہ ابتدائی مدرسہ کھولنے کی تدبیر کریں چنانچہ انھوں نے کوشش کی جس کے لیے ہم سب کو ان کا شکر گزار ہونا چاہیے۔

دوسری چودھویں ۱۹۱۸ء کے اجلاس میں کمیٹی نے متعدد تجویزیں منظور کیں۔ اور علی گڑھ میں جو زمینی پرانی چھوٹی زرخ کی جگہ تھی ہے تعمیر مدرسہ کے لیے گورنمنٹ سے لی جانے۔ ۶۔ سیکرٹری کو اجازت دی گئی کہ اگر زمین مل جائے تو اس میں تعمیر مدرسہ کا کام شروع کرے۔ مگر تعمیر میں روپیہ سواہی کا طوع نہ ہوگا اس کی آمدنی یا چندہ خاص تعمیر کو کارفرم کیا جائے۔

۱۸ دسمبر ۱۹۱۸ء کے اجلاس میں سیکرٹری نے اطلاع دی کہ گورنمنٹ نے اس زمین کے مینے کا وعدہ کر لیا ہے۔ جہاں مدرسہ لگایا جائے گا تعمیر ہو تجویز کیا گیا ہے اس زمین کے متعلق چار بجے لوگوں کی حلیت تھی۔ جن کا خریدنا لازمی تھا۔ ان میں تین بھٹوں کے خریدنے کا معاہدہ مولوی محمد مسیح اللہ خاں صاحب نے جو عرض پندرہ ہزار روپیہ کے قرض لیا۔ ۲۰ جنوری ۱۹۱۹ء کو مدرسہ سکون تجویز کیا۔ ۲۰ جنوری ۱۹۱۹ء کو مدرسہ سکون



کئی کتا کہ کلاں میں لپکے، اسٹن کاغذ بہت بڑھا دیا ہے۔ بعض دوست کہتے کہ نہیں لپکے ہیں اسٹن کاغذ ضروری ہے۔ یہ سہیلی اسٹن جبرہ، جیشیں ہمارے دم کی کچھ جھوٹی ادھرتی کر سکتے ہیں۔

میرے گل و مقولے صنادیدی کالاج کی بستی کے لیے نہایت مفردی ہے کہ پوری اشاعت کو کالی طائیت سے دکھانے اور تم کو نظر  
بستی کالاج کے مفردی ہے کہ بہت جلد اس بات کا تصدیق کرو کہ تمہارے جدید عہد کالاج کے وائن سیکرٹری ہوں گے۔ لیکن اس سبب سے کہ سید  
میر سے فرزند ہیں۔ اس میں مجھ کو کئی جرحاں۔ لیکن سید محمد ابراہیم آج تک ان تمام مباحث میں شریک رہا غالب رہے اور مجھ کو اس بات کا یقین کامل  
تھا کہ سونے سید محمد کے اندر کوئی شخص کالاج کو اس طریقہ پر نہیں چلا سکتا۔ مگر ان ایک منت جدید بڑی مستحکم ہو جائے گا۔ زور کوئی چلا سکے گا۔  
خدا اس کا جو بھی قدم کرے۔ کالاج سے کوئی میری ذوالی عرض بجز اس کے کہ میں نے قومی جہانی قومی ترقی کے لیے کیا ہے۔ اگر فرض کرو کہ  
اس میں کامیابی نہ ہو تو کیا؟ ہزاروں ناخیاں اور ہزار ہا مرزوں کے تلے دبے پڑے ہیں۔ جن کی بے انتہا کششیں اپنی قوم کے لیے برباد ہو گئی ہیں پھر  
میری ذوالی اگر کشش کی اگر برباد ہو جائے تو کیا حقیقت ہے۔

کالج کے رویے میں غبن

شام ہمدی لال نے جو تعزت کیا وہ اس خیال سے تھا کہ چونکہ میری عمر زیادہ ہوگئی ہے اور موت کے دن قریب آتے چلے ہیں ایک دن میں ہر حال میں گا۔ اور چونکہ اُس نے جمل سازی کی ہے۔ وہ سب ٹیٹ ہو جائے گی۔ گو خدا کا لشکر ہے کہ میری زندگی ہی میں اس کی جمل سازی اور قریب کھل گیا۔ حدیث سے بد بڑی شکل پئی اور لوگ سمجھتے کریں نے ہی رہے ہیں تعزت کیا ہے پس خدا کی مروتانی تھی کہ میرے سامنے ہی دانہ کھل گیا۔ میں لوگ اپنی حق تعالیٰ کے کہ بد پریری قول میں میرے قبضے میں تھا۔ حال کا ہوا داخل غلط ہے۔ قانونی فرشتوں میں حکم ہے کہ وہ پر ہنگ میں چلے کیا جائے۔ چنانچہ کل بد پر ہنگ میں چلے تھا۔ بعد ہنگ کے طرآن سے نہدیہ جمل چکیں کے تعزت ہوا اور جمل پکڑ کر وہاں کہ جب تک کو ان کا حال نہ کھلے کسی شبر کے اختیار میں نہیں بہر حال میں تو خدا کی رحمت سمجھتا ہوں کہ میری زندگی میں یہ حال کھل گیا۔ گو کہ مجھ کو کیسا ہی سخت اور صدمہ ہو۔

## شیخ محمود کی نسبت

جیسے نیک محمد ﷺ میں اسے تسلیم کے بغیر سنا گئے تو میری خواہش صرف تھی کہ وہ کبیر بن بنو نزل میں علوم انگریزی کی کئی تقریریں  
 شریک کا لٹریچر پڑھیں کہیں نہ کہ کوئی اس کی بڑی شرم ہے واقف ہے جو انگریزوں نے نسبت اسلام اور انسانی اسامیہ نسبت اسلام اور  
 اس کی حکمت کی عظمت اور طاقت کے لئے ہے۔ وہ فتوہ اس بات کی خواہش کرے گا کہ کوئی ایسا مسلمان موجود ہے، چاہیے جس کا مانع تعلق خود  
 پر اس کا ہر کوئی غلطیوں کی گرفت نہ کرے۔ ایسے شخص کا اس تسلیم سے مقصد یہ نہ ہو کہ وہ روٹی کے پیچھے دوڑے۔ میرے تمام دوستوں کی جو





تھے۔ یہی برقیہ ٹرکس (از) کے تمام خاندان تباہ و برباد ہو گئے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

منقذ برائے اہل اسلام

حُب وطن

عمل درآمد کے ٹیکس ٹیکس مسلمان کیا کریں گے میں بتاؤں گا، پہلا کہ ایسی حالت میں مسلمان وہی کریں گے جو ان کی پرنسپل حالت ان سے کہلائے۔

دیکھو یہ فرق نہیں کہتے۔

ہندو مسلم اتحاد

چپا کر لی جو تہ چارسی نہ چوں قفسی نہ اسی کی





## مولوی عبدا الحق

میں نے جب جوش سنبھالا تو مسلمانوں میں کچھ بے خطر تھی۔ مسلمان شرقی خصوصاً بڑے بڑے اپنے دیوان قانون میں بیٹھے تو کسی کی طرح علی گڑھ کا کچھ یا سید محمد خاں کا ذکر نہ ملے۔ سید احمد خاں اس زمانے میں مسلمانوں کے ہر طبقے میں موضوع بحث تھے۔ ان کی نسبت کفر و احماد کا تو فی الواقع تھا۔ مولوی صاحبان اس ذکر عزیز کو اپنے دھڑلے بھٹوں، تقریروں اور تقریروں میں طرح طرح سے مڑے لے کر بیان کرتے اور تخیل کی باگ ڈوبیلی جھوڑ دیتے۔ سمجھنے والے اور مستقرین ان باتوں پر اپنی طرف سے خوب خوب ناچنے چڑھاتے کوئی کہتا کہ ان مروجہ مرفی کھاتا ہے اور حلال حرام میں کچھ فرق نہیں رہا۔ کوئی کہتا اس نے اپنا سر تینو دیا ہے، مرنے کے بعد آخر یہ اس کا سر لے جائیں گے..... یہ سب کچھ صحابین ان خیالات مروجہ مرفی کہ ان کی دانش مندی کسب قابل تھے، سر کھینچے کا تعلق اسی بنا پر مشہور ہوا۔

میں یہ وہی تاجی باتیں سننا کرتا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا اتفاق سے ایک روز میرے ایک ہم جماعت مجھے اپنے گھر لے گئے وہاں میں نے تنہا ان اختلاف کے پر پے دیکھے اور پڑھتے شروع کیے، اس میں ایسا دل لگا کہ اس کے بعد میں ان سے پر پے مانگ لیا اور پڑھتا رہا۔ اب میری ہنجشیں کھینیں کہ اصل سادہ کیا ہے۔ تنہا یہ اختلاف، کا، خالد مجھے کھینچنے دینی گڑھ لے گیا، ادین، حاجی کے، سکول میں داخل ہو گیا۔ پہلے کانوں پر تھیکہ عقال ہاتھوں نے جلو دکھایا، مٹی دور سے دیکھنے اور قریب سے دیکھنے میں فرق ہے۔ جب میں کالج میں پہنچا تو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، آخری دو سال میں زیادہ قریب نصیب ہوئی، اس سید علیہ رحمت کو کام کرتے، کام کرتے، آتے بیٹھے، نکتے پڑتے۔ درازنگ باؤس کے کمرہ کی چپا نشی کرتے، اسجد میں ناز پڑتے، مجلسوں میں تقریر کرتے اور گرجتے دیکھا، ان کے ساتھ رہنے کا موقع ملا۔

میں اب نول روز درتہ العلوم مسلمانان، ایم اے کالج علی گڑھ، کے سکول میں داخل ہوا اور پورے ڈس میں پرنسپل صاحب کی ولایت سے کہ وہ علی گڑھ میں ایسا سلو بہر گوئی دنیا میں گیا ہوں۔ وہاں کے طالب علم ان کی حادثات اور شایعیں اور مذہب و دنیا و دین کے ساتھ داران کا سنگ ملے اور اس کے کھانے دینا پر ان کی پراں کا مرکز کبھی نہ بدلا۔ مسی اور غازی اور کوئی کی کوئی دار و آزاریہ سارا ماحول میرے لیے بالکل نیا اور عجیب سا تھا۔ ۱۹۰۹ء کی بات ہے اس وقت طالب علموں کی تعداد تین سو سے زیادہ تھی۔ طالب علم ہندوستان کے ہر صوبے اور ہر علاقے کے تھے۔ بعض اوقات ہندوستان کے باہر کے بھی ذکر داخل ہو جاتے تھے اور کوئی صوبائی امتیاز پائی نہ رہتا۔ سب آروہ دہرتے تھے اور بے تعلق ہوتے تھے میرے ایک جماعت بنگالی ہاں نظام کے اس قدر صاف اور بے تعلق آروہ دہرتے تھے اور ان کا میری ایسا تھا کہ میں ابتدا میں ان سمیتا، بالو پرل کے کسی نظام کے رہنے والے ہی۔ ایک خاص بات جو مجھے بہن نظر آئی وہ قومیت کی ایک حق جو کسی دوسری جگہ نہیں پائی جاتی تھی۔ یہ کالج کے بانی سر سید احمد خاں کا طبعی حقیقت یہ ہے کہ اس نے مسلمانوں میں قومیت کا احساس پیدا کیا اور اس احساس کو تقویت نہی اکابر قومیت سے پہنچتی تھی جو کسی کسی تقریب سے کاٹی گیا یا سنبھ صاحب کے پاس ہوتے۔ ہتے تھے۔



کچھ مساکہیں سے ۷۔ دوسرے دن انہوں نے راکھی ایسی ایک سوسائٹی کے چند نمبر جیسے جی میں پروفیسر باڑن نے بالی مذہب پر مضامین لکھے تھے۔ پروفیسر آرٹھ میں عالمانہ اور طب علمات و دوزن شائیں ہائی جاتی تھیں۔

ہمدے پر پینل سرگزیدہ ڈوریک جی ریڈے جی کے بڑے مستعد تیز نگاہیں ملتی ہوئی، ذہین شخص تھے۔ اس منصب کے لیے اس کا انتخاب سید محمد نے کیا تھا۔ کیمبرج یونیورسٹی کے ممتاز گریجویٹوں میں سے تھے اور وہاں کی یونین کے صدر محمد ہجے تھے جب یہ کالج میں آئے تو بالکل نوجوان تھے اور ہم سے محب کھل ہی گئے۔..... کچھ عرصے کے بعد جب انہیں ہندوستان کی ہوا لگی اور یہاں کی تاریخ و حالات سے زیادہ واقف ہوئی تو رفتہ رفتہ ان کا جھکاؤ سیاحت کی طرف ہو گیا۔ اس زمانے میں انٹرینیشنل کونگریس کالک بھری ہو چکا تھا۔ سرسید کی مخالفت کے ملک میں ایک عجیب جھگڑے کی سی حالت پیدا ہو گئی تھی..... یہ ایک طویل بحث ہے یہاں اس موضوع پر کچھ لکھنا ہے مگر توجہ ہو گا۔ جی کے جھگڑوں میں کونسا مشریک کو زندگی میں متاثر ہوا اور انہوں نے فیض کالک بھری کے خلاف محبوبہ زہرا کا شریعہ کی اسلامیت بہت خوش ہوئے۔ مشریک میں کچھ کھٹو انڈین لگ بدھ ہو چکا تھا۔ وہ بگائے انی فڈ کے انی حکمرانوں کے تھے۔ حکم میں کھانا نہ شان ہے وہ انڈین کالک بھری نے وہ وقت انگریز سپہ سالاروں کو مات دیا تھا اور ہندوستانی کو اپنی رعایا۔ جب تک سرسید زندہ رہے وہ دیکھ دیکھ رہے۔ ان کے مرنے کے بعد یہ کھس کھیلے اور کالک کے ریسپونڈنٹ کو سب کتب کھنڈے گئے اور ان پر حکم چلائے گئے۔ گورنمنٹ میں ان کا سونخ تھا اور مصلیٰ ختمیہ راہ فکرم حق اس نے ریسٹی جی ان سے ڈرتے تھے۔ میرا لگا ہے اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ غلط نہیں کہ وہ مسلمانوں سے اپنی قوم کو کم لینا چاہتے تھے۔ اتفاق سے اسی زمانے میں ملارڈ گورنمنٹ ہندوستان کے دائرے ہو کر آئے۔ گورنمنٹ بر دست اینڈریسٹ تھے ان کے دماغ میں شبہ ثابت کی ہوساں ہوئی تھی۔ مشریک ان سے ہار گئے۔ گورنمنٹ کیمبرج کے سائور گریجویٹ تھے اور یونیورسٹی کی یونین کے صدر رہ چکے تھے۔ ایک گورنمنٹ کی گورنمنٹ کے آئی تھے یہ شیلے میں گورنمنٹ سے چلیں بڑھ رہے تھے کہ وہاں پیش سے ان کا انتقال ہو گیا۔ اگرچہ رہتے تو گورنمنٹ کی حکومت میں بڑے آدمی ہوتے اور بڑا مقام حاصل کرتے۔ اس خیال کے آتے ہی میرا دل کانپ اٹھا ہے کہ نا معلوم اس وقت مسلمانوں کی کیا حشر ہوتا۔ ایک شہر ہندوی وہ ہے کہ کھانا نہ کھاتا مگر میرا مگر تیرا چڑیا رین بنارے رہے انہیں بیست پند تھا اور اکثر پڑھا کرتے تھے جی ان کی قبر پر کندہ ہے۔

ابھی کالج میں آئے کچھ زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا کہ ایک دن میں کیا دیکھتا ہوں کہ کورڈیگیٹ سے داخل ہوتے ہی جی ہارک ٹھوڑا ہوتے ہے اس کے برآمد سے میں کچھ طالب علم کھڑے ہیں اور ان کے پیچ میں مشریک تشریف رکھتے ہیں طالب علموں کے اتھ میں کسی فرد ہیں جی ہم پر ہاتھوں کی فرسٹ تھی۔ طالب علم بہرست مشریک کو دکھا رہے تھے یہ جھگڑا تھا طالب علموں نے شہر کی جامع مسجد میں نماز جمعہ ادا کی تھی اس زمانے میں سرگزیدہ انڈین نیشنل کالک بھری کے خلاف مسلمانوں کے ناموں کی فہرستیں اٹھکستان کی پارلیمنٹ کو بھیج رہے تھے۔ یہ طالب علم مشریک سے کہہ رہے تھے کہ ہم نے ان فردوں پر غمزدگیوں سے کہہ کر دستخط لیے کہ ہندو کا کسی کے خلاف احتجاج کر رہے ہیں اور قانون پاس کرنا چاہتے ہیں۔ ہم اس کے خلاف گورنمنٹ میں معمولی مشی کرنا چاہتے ہیں۔ مشریک یہ سمجھ کر کہنے لگے یہ دیکھ کر بہت حیرت ہوئی اور افسوس ہوا کہ ایک اصل فیصلہ لاتہ نہ دیا مگر یہ ایک ایسے نظم و ضبط کا انداز کہ وہ جو ریاست اور راستی کے خلاف ہے..... انگریز با شہر معاملات میں بہت احتیاط اور دیانت سے کام لیتے ہیں کچھ جہاں تو یہ ضد کا معاملہ آتا ہے تو غیر انصاف اور راستی کو بلائے طاق۔ کچھ دیا جاتا ہے۔ اس زمانے میں میں اس کا یہ کھانچ کر رہا تھا کہ جی ہے ہم کچھ نہیں بھول سکتے۔ ہندوستان کی تقسیم کے بعد ہندوستان کا کھانا کے بعض مردمی اصلاحات کے چکانے



۱۳۹۔

نہایت پرستار کا ذکر ہے جب میں مدرسۃ العلوم سکولان علی گڑھ میں طالب علم ہی تھا۔ مولانا حالی اس زمانہ میں یونین کے پاس کی جگہ پر مقیم تھے میں ان تعطیلوں کے زمانے میں وطن نہیں گیا اور ہر ڈھنگ ہاؤس ہی میں رہا اکثر مغرب کے بعد کچھ دیر کے لیے مولانا کی خدمت میں حاضر ہو جانا عطا مولوی صاحب اس زمانے میں حیات جاوید کی تالیف میں مصروف تھے اور ساتھ ہی "یادگار غالب" کو بھی ترتیب دے رہے تھے۔

بعد میں بات نکل آتی ہے جب حیات جاوید شائع ہوئی تو مولانا نے مین سنسے مجھے بھیجے ایک میرے لیے، ایک مولوی عزیز مرزا کے لیے اور سر امولانا شبلی کے لیے جو اس وقت اتفاق سے صید آباد میں داخل تھے میں نے کتاب کے ہارکرن کی خدمت میں پیش کی اس وقت وہاں وہ بھی کئی اشخاص موجود تھے مولانا شبلی نے یہ کتاب دیکھتے ہی فرمایا: کذب و افتراء کا آئینہ ہے مولانا نے کتاب کو پڑھے بغیر ہی یہ رائے دی..... ان کی طبیعت میں ضبط بالکل نہ تھا..... اس کے برخلاف مولانا حالی بڑے صاحب دل آدمی تھے۔ مجھے اپنے زمانے کے بعض نامور اصحاب سے اور انہی قوم کے اکثر بڑے بڑے شخصوں سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے لیکن مولانا حالی جیسے پاک سیرت اور فاضل کا بزرگ ابھی تک کوئی نہیں ملا۔ آخر میں ان کی وہ بڑی کتابیں جہیں ایک تو اردو زبان میں تذکرہ رتائیت کے اصول منطبق کرنا اور ایک کوئی اور بات تھی جو اس وقت میرے ذہن سے بالکل نکل گئی ہے۔ جب میرا تقریر اور ڈنگ آباد ہوا تو میں نے مولانا کی خدمت میں نکھا کہ یہاں کی آپ دو بہت مستعد اور خوش گوار ہے پانی بہت لطیف ہے اور خصوصاً جس مقام پر ہیں۔ تباہوں وہ بہت ہی پر نصاب ہے آپ کچھ دنوں کے لیے یہاں تشریف لے آئیے صحت کو بھی فائدہ ہو گا اور جو کام آپ کرنا چاہتے ہیں وہ بھی آسانی سے انجام پائے گا۔ کوئی نخل اوقات بھی نہ ہو گا اور یقین ہے کہ آپ یہاں آکر بہت خوش ہوں گے وہ آنے کے لیے بالکل آمادہ تھے مگر ان کے فرزند سجاد حسین صاحب اور دوسرے عزیز و اکابر رضامند نہ ہوئے عذر یہ تھا کہ وہ روز مار کا سفر ہے۔ ضعیفی کا عالم ہے۔ طبیعت بڑوں بھی ناساز رہتی ہے ایسی حالت میں انہی دو کا سفر خلاف مصلحت ہے مولانا نے اس کی نیکی مجھے لکھ کر بھیجی اور ساتھ ہی یہ بھی لکھ دیا کہ جب تم اور آؤ تو دو ایک روز کے لیے پانی پت چھ آنا۔ اس وقت میں تباہ سے ساتھ ہوں گا کوئی چھ دن انہیں کرے گا۔ جب میں گیا تو یہاں جو بچے تھے اور بیماری نے ناساز کر دیا تھا کہ جاہلے کر گئی۔

میں نے اسی سال موسمِ پونچھ میں انفرنس کا مکان چلے علی گڑھ ہی میں ہوا۔ اسی سال اور اسی کانفرنس کے اجلاس میں دسرئیداس، مسود کی بہمنہ ہوئی۔ اس تقریب کے وقت کانفرنس کے تمام نمائندے اور کالج کے اکثر طالب علم موجود تھے..... تقریب کے لئے پر شیعہ بنی تقسیم ہوئی انہوں نے پورے دن کا کمرہ بھیجے ایک ایک یاد ہے۔ ایک روز میں سید محمد کے پاس بیٹھا تھا۔ مسعود احمد گھر میں نکل کے آئے تو میں نے کہا: اب بڑا چوتھا تھا اس کی پانچواں تقسیم کا انتظام نہیں کرتے۔ کہنے لگے میں نے خود تپہ حائل کا..... محمود کو کیا پتہ حائلے دادا ہی ان کے لئے بڑے کی کھانا کرتے تھے۔ ایک سال میں گرنی کی تعطیلوں کا ذکر ہے۔ ایک دن سید صاحب نے مولوی حمید الدین مرحوم اور مجھ سے فرمایا کہ میرے کتب خانے کی کتابیں بہت ہے ترتیب دے گی یہ نہیں اگر کسی وقت ترتیب سے لگے دو..... ایک دن وہ چہرہ پر کسی کہنے میں نہ تھیں تھیں کہ بچے تھے اور سید صاحب دوسری طرف تخت پر بیٹھے ہوئے تھے اور مسود کی کیٹل میں بیٹھا تھا۔ اتنے ہی سید صاحب نے اپنی بھاری گھنٹی آواز میں مسود کو دوسری صفحہ شروع کی۔ ہمیں ہی کے کانے کی آواز سے کہ اس قدر ہنسی آئی کہ سب نہ کر کے اندر چپکے سے دوسرے دو مارے سے باہر جاگ گئے۔





میں نے بہت ڈرتے ڈرتے (انجن ترقی اردو کے) پڑھ کر اس کو پہننے لیا کیوں کہ جس قدر یہ کام ضروری تھا، اسی قدر مشکل بھی تھا.....  
 بس، شکل اس کام میں کافی سربلہ ہم پہنچانے کی تھی۔ یہ کام اس قدر وسیع اور ایسا اہم تھا کہ جب ہندوں نہیں، لاکھوں کا سروا یہ نہ ہوتا اس کا خاطر خواہ چلانا  
 ہی نہیں تھا..... مگر وہیں اس عزت کے قابل نہیں لیکن جن اتفاق بھیجے یا سنے اتفاق، مجھے مل گیا کہ وہ طالب علم ہونے کا فخر حاصل ہے۔ مگر میں  
 کی میں ایک مشہور طالب علم تھا اور جیسا کہ پہلے بھی کہ چکا ہیں، کبھی کبھلوں میں ترکیب ہوانہ یونین کلب میں مقید لیا اور نہ انتخاب پر پذیرت و  
 برتری کے چمکے میں شامل ہوا۔ غرض جو خواہاں ایک مل گیا کہ وہ طالب علم کے لیے نکلنے شرافت ہیں ان میں سے مجھ میں ایک بھی نہ  
 لیکن ماسلوم کیوں کر کبھی کبھی چندہ کرنے کی عزت مجھے حاصل ہوئی۔ یہ سنت کر سیدہ تھی مگر وہ طالب علمی کا نام نہ تھا۔ طالب علم بڑا آزاد ہوتا  
 ..... وہ جن سے چاہتا مل سکتا اور چیل چاہتا گھس جاتا ہے۔ نہ اسے کسی کے میں یہیں ہونے کا ڈر، کسی کے انکسار سے شرم..... لیکن  
 خدمت کے بعد جب انجن کا جو جھرمبرہ آجڑا اور اسکی خاطر چاروں پار چندہ سے کے لیے ہاتھ چیلانا پڑا تو ماسلوم ہوا کہ یہ کسی کڑی منزل ہے۔  
 مجھ پر وہ وقت ایسے گزرتے میں جب میں یہ سمجھتا ہوں کہ جس کام کو میں نے اپنے سر لیا ہے اس کا اہل نہیں ہوں۔ ایک تو اس وقت  
 ہیں کسی سے چندہ مانگتے جاتا ہوں۔ بہت کچھ سوچ کے جاتا ہوں لیکن مانگتے وقت زبان بند ہو جاتی ہے اور آنکھیں جھک جاتی ہیں غیرت  
 ع برت ہے۔ دوسرے جب کسی سے معاوضہ کرنے بیٹھتا ہوں۔ سکھاری آدمی کی طرح اس طرح سودا کرنا کہ پسینہ آ جاتے، مجھے نہیں آتا، اور  
 وقت غائب آ جاتی ہے۔ اسی کاموں کے لیے دشمنی کی ضرورت ہے یہ دھبہ شریف فقرتی ہوتا ہے، ہیکھنے سے نہیں آتا اور دشمنی ہے کہ دیکھ  
 و تربت کھل جاتی ہے..... بعض اوقات مجھے ایسے حضرات کے دروازوں پر بھی حاضر ہونا پڑا جن سے کبھی ملنا بھی عار سمجھتا تھا لیکن  
 اس کی خاطر سب کچھ کرنا پڑا۔ اس کو چے میں ہر وقت عزت تھی!

آخر دسمبر ۱۹۰۳ء میں جب اول اول (انجن) کی بنیاد رکھی گئی تو اس کا مقصد ادبی اور علمی قرار دیا گیا تھا یعنی ترجمے، ترتیب و تہذیب  
 کے ذریعے اور وہ زبان کے ادبی و علمی سرمائے میں اضافہ کرنا۔ اس مقصد کی ۱۹۰۴ء تک پوری پوری پابندی کی گئی (انجن) نے کبھی ہندی  
 کسی دوسری زبان کی مخالفت نہ کی یہ اس کے اصول اور شعار کے خلاف تھا۔ البتہ جب اس کی مخالفت کی گئی اور اس کے سختے میں دُشے  
 کھنے گئے تو اسے مجبوراً مخالفت کرنی پڑی۔ مخالفت ہر سلاستی کے لیے مخالفت لازم ہے۔

۱۹۰۵ء میں سر کینیا لال غنشی فضائی وزیر مجھ سے حیدرآباد آگئے اور بیان کیا کہ ہم ایک ایسی انجمن بنانا چاہتے ہیں جس میں ہر زبان کے  
 جب شریک ہوں تو ایک دوسرے کے علم کے حالات اور معلومات سے واقفیت ہو سکے۔ آپ اس کی رنگت گھسی کے ممبر ہوجائیے چونکہ یادانی  
 مادہ تھا میں نے منع فرمایا۔ ۱۹۰۶ء میں اس کا سالانہ جلسہ لنگہد میں گاندھی جی کی صدارت میں ہوا۔ اس انجمن کا نام اکھل بھارتیہ  
 مشد تھا۔ اس میں ایک سیکرٹری شریک ہو کر پرنسک زبان کیا ہونی چاہیے۔ مجھ سے پوچھا تو میں نے کہا چند ستانی گاندھی جی نے دریافت  
 یکہ میں ہندوستانی کیوں تجویز کرتا ہوں۔ میں نے کہا اس لیے کہ انڈین نیشنل کانگریس کا یہ وزد پرشمن ہے کہ کانگریس کی ہر ملک کی زبان ہندوستانی



ہرگز نیکو نہیں کے انہیں کی دفعہ میں صاف طوطہ سے یہ درج ہے جو مذہبی نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ ہوس  
مال کے بعد مطلب برتن کی حکمت کی ہے۔ ملازمی ہی ہندی کے حق میں تھے۔ جب بحث ہوئی تو ملازمی نے پتیرا اور ایک نئی زبان عدینا  
اور پتیرا کی یہی ہندی بندہستانی میں نے پوچھا ہندی سے آپ کی کیا مراد ہے فرمایا وہ زبان جو کتابوں میں ہے بول چال میں نہیں پھر  
پوچھا ہندوستانی سے آپ کا مطلب کیا ہے تو فرمایا وہ زبان جو بول چال میں ہے جو کتابوں میں نہیں۔ اس پر میں نے دریافت کیا تو پھر ہندی  
ہندوستانی زبان کیا بولتے فرمایا وہ زبان جو آئے چل کر ہندوستانی ہو جائے گی۔ میں نے عرض کیا کہ جب ہندوستانی پہلے سے موجود ہے تو  
پچاس سال اور انتظار کرنے کی کیا ضرورت ہے اس پر انہوں نے جھجکا کر کہا میں ہندی نہیں سمجھتا کہ میں نے عرض کیا کہ جب آپ  
ہندی نہیں سمجھتے تھے تو ہم اردو کو بھی نہیں سمجھتے۔ اس پر انہوں نے ایسا غلط انداز عجیب و غریب جواب دیا جس کی ان سے توقع نہیں ہو سکتی تھی  
فرمایا کہ مسلمان چاہیں تو اردو رکھ سکتے ہیں۔ ان کی مذہبی زبان ہے۔ قرآن کے حرفوں میں لکھی جاتی ہے۔ مسلمان بادشاہوں نے بھی لائی۔ اس  
کے بعد بحث کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی اور میں مکمل جہاد تہ ماہیت پر مشد کی کمی سے استفادہ سے دیا اب ہمارے آنکھیں کھلیں معلوم  
ہوا کہ زمانے کا رنگ کچھ اور ہے۔

انجمن بہت ٹک خاموشی سے علی اور ابولی کا دم کر رہی تھی۔ اب اسے ایک نئی ہم سے سابقہ پڑا چنانچہ اس پر غور کرنے کے لیے اسی سال  
علی گڑھ میں ایک کل ہندو اور کانفرنس منعقد کی گئی جس میں علاوہ دوسرے مسائل کے ایک مسئلہ خور یہ تھا کہ انجمن کا دستہ کہاں  
ہو گیوں کو اپ حالات بدترنے سے حیدر آباد میں رکھ کر کلام حسب منشا انجام نہیں پاسکتا۔ اسی کانفرنس میں یہ طے پایا کہ انجمن کا صدر  
مقام دہلی میں منتقل کر دیا جائے۔ ملک میں اس وقت کانگریس حکومتوں کا راج تھا اس لیے نہ دو کی طرف سے تشویش پیدا  
ہو گئی اور انجمن کو ہر علاقے اور ہر مقام پر نظر بند رکھنی پڑی۔ بمبئی، یونی، بہار، اور خاص کر سی پٹی کی حکومت سے بڑے مر کے  
کہنے پڑے۔

انجمن کے سیکرٹری کی حیثیت سے اسی۔ پی۔ ٹنگ پور، تو خیر میں رہا گیا لیکن ہندوستان کے دوسرے صوبوں اور علاقوں میں  
بھی اسی عنصر سے درد سے کیسے نہ گال۔ بہار، یونی، سندھ، کشمیر، گلگت، راولپنڈی، جھارکھا، پور،، جنوبی ہند میں دہراس، انڈیا،  
شمالی، اڑکات، جنوبی اڑکات، ملیار، نامل ناڈ، نادرکوٹ، گیا، اسس کلہ دی پر جا کر دم دیا۔ لوگ جاننے سے کشمیر سے اس کا نام  
ٹک کا فقرہ کہا کرتے ہیں لیکن میں نے حقیقت میں کشمیر سے اس کا ٹک کی ٹک چھانی ہے۔..... مجھے اس کا نام میں یاد رہا ہے جو نے دے دے  
میں ان مقامات پر جگہ تقریریں کیں۔ اردو سے دیکھے لوگوں کو اردو کی اعداد کے لیے یاد رکھا۔ انجمن کی شاخیں قائم کیں۔ جس سے کھولے  
مستشرقین کے جواب دیئے۔ خطا فیوں کا انڈیا اور غلطیاں انہوں کی تردید۔ جہاں جہاں نہ دو پر آئے آئینہ سپر جو کرڈا کہیں کامیابی ہوئی  
کہیں ناکامی۔ کامیابی سے قبول کرنا فاض نہ ہوا۔ اردو ناکامی سے سیری آس نہ ہوئی۔ میں برابر کام میں لگا رہا۔ میری زندگی کا نسخہ تھا۔ میں بے وجہ  
ملاسا نہ نہیں پھرا۔ مجھے دروازے تھے نہ نہیں کا تھا۔ میں جانتا تھا کہ اس عمر میں مجھے آسائش کی ضرورت تھی۔ علاوہ اس کے کئی ضروری  
علی ماہولی ایسے کام تھے جنہیں حیدر کو پورا کرنے کی ضرورت تھی لیکن کیا کرنا مجھ پر تھا۔ حالانکہ ایک شہر میں ہے کسی چیز کی کجبت انسان کو نہ حاصل ہو

کردیتی ہے۔ مجھے اردو سے محبت ہے اللہ بھلا احراف ہے کہ یہ محبت جنوں کی حد تک ہے لیکن اس کے ساتھ میری بھی کہنا چاہتا ہوں کہ اردو سے میری وابستگی کبھی سلسلہ پوری قوم کی تہذیب، ثقافت، تصورات و نظریات اور اس کے عزائم اور حوصلوں سے ملتا ہے اردو کو ان ایسا بد محنت ہے جسے اپنی قومی دہلیاات اور تہذیبی اقدار سے محبت نہ ہوگی۔

عثمانیہ رولی درستی کی تجویز، ایک منصوبہ اردو پیرائے کے قیام کے برابر برطانیہ پر مشروط اردو علیٰ طرز پر میں اس سے وابستہ رہا تھا۔ اس لیے جب انجمن ترقی اردو سید کاؤنٹر انڈنگ آباد سے ولی منتقل ہوا تو میں نے ۱۹۳۸ء میں ایک کل ہند انجمن ترقی اردو کانفرنس کے انعقاد کا فیصلہ کیا اور پھر اس کانفرنس میں اتفاق رائے سے ایک تجویز دہی، منظور ہوئی..... کانفرنس کے ختم ہونے کے بعد میں نے اس تجویز کے سلسلے میں متعلقہ یونیورسٹیوں کے اسباب اختیار سے خط و کتابت شروع کی، لیکن نہ ساز سخت سیاسی خلفشار کا اتحاد دوسری عالمگیر جنگ کی دم سے حالات محدود غیر یقینی ہو گئے تھے۔ اس لیے اس مہم میں کامیابی کی صورت نہ پیدا ہو سکی..... یہ دیکھ کر میں نے طے کیا کہ انجمن ترقی اردو ہند کے اہتمام و انتظام میں برطانوی ہند کے کسی مزدوں مقام پر ایک اردو یونیورسٹی قائم کی جائے چنانچہ ۱۹۴۰ء کو میری کل ہند انجمن ترقی اردو کانفرنس ٹنگ پور کے کھلے اجلاس میں اردو یونیورسٹی کے قیام کے سلسلے میں اتفاق رائے سے اس کی تجویز پاس ہوئی یہ کوئی وقتی اور سطحی تجویز تھی بلکہ بہت پہلے سے اچھی طرح سوچا سمجھا کر اور متعلقہ اصحاب کی رائے و مشورے کے بعد مرتب ہوئی اور کانفرنس میں منظور کی گئی..... اردو یونیورسٹی کے قیام کی اس مہم اور تاریخی تجویز کلک کے طول و عرض میں میں بڑی گرم جوشی سے خیر مقدم کیا گیا.....

ٹنگ پور کانفرنس کی شرکت سے واپس آنے پر میں نے ایک روز قائد اعظم محمد علی جناح کو اپنے ساتھ دوپہر کا کھانا کھانے کی رحمت دی۔ قائد اعظم نے کمال مہربانی میری دعوت قبول فرمائی۔ کھانے پر جہاں تو میری تعبیر کے مختلف مسائل پر گفتگو ہوئی، مجوزہ اردو یونیورسٹی کا بھی ذکر آیا اور قائد اعظم نے اس سے بڑی دل چسپی اور ہمدردی کا اظہار فرمایا۔

روز بروز کام اس قدر بڑھتا جاتا تھا کہ بعض وقت گھبرا جاتا اور سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیوں کرسیوں میں تو کبھی کو چھوڑتا ہوں کبھی بھٹکتا ہوں۔ انجمن کے کام اور اس کی مشکلات اس قدر بڑھتی جاتی تھیں کہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کروں۔ صبح ساڑھے آٹھ یا نو سے جو بیٹھا تو کام کرتے کرتے شام ہو جاتی۔ بیچ میں چائے پینے اور اخبار پڑھنے کے لیے ایک گھنٹہ دھندروں مل جاتا پھر بھی کام پورا نہیں ہوتا تھا۔ اس کا مقابلہ نہیں کام ہو جاتا تھا لیکن بعض مشکلات ایسی آ پڑی تھیں کہ ان کا حل سمجھ میں نہیں آتا تھا۔

ماتے دینے میں بڑا لطف ہوتا ہے۔ جب کوئی ہم سے ماتے طلب کرتا ہے تو ہم فوراً اپنے آپ کو بڑا ادنیٰ سمجھنے لگتے ہیں کہ کم اپنے تئیں افضل خیال کرتے ہیں۔ اے پچھنے کے ساتھ ہی ہمدردی و تسلیت قابل دید ہوتی ہے۔ میرا خیال ہے جس شخص سے لوگ زیادہ تر ماتے پہنچتے ہیں وہ انہیں بہت خود پسند و مغرور ہو جاتا ہے خیال کرنے کی بات ہے، جب ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم دس کروڑ اردو بزرگوں کے دلہن کے لیے راتے دے رہے ہیں تو ہمارے دماغ کی کیا حالت ہوگی! جب کوئی لفظ پیش کرتا ہے اور ہم غور و فکر کی صورت بنا

ربا کبھی سہ پیچہ ڈال کر انہیں بند کئے سوچتے ہیں تو وہ عالمِ ملاحظہ کے قائل ہوتا ہے کہ حضرت کا داغِ عرش پر ہے اور دنیا دنیا  
 بیخ ہے! اور جب میں ملاحظہ کی تحقیق کرتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ کیا کچھ حیرت انگیز سلوات سن سے آشکار ہوتی ہیں۔ میں خود ان کو  
 پراپت کرتا ہوں کہ وہ لکھتے ہیں اس میں بڑی کرامت ہے۔ عجیب چیز ہے۔ کچھ وقت انسان کے ہم قولے ذہنی تصنیع پہلے ہی آنکھ  
 دل اور داغِ سب ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں اور ایک محبتِ طاری ہو جاتی ہے۔ آپ پیسے سے ہر صوفی کو اچھی طرح سوچا دیجئے اور جب آپ  
 لکھتے بیٹھتے ہیں تو خیالیال پیدا ہوتا ہے ہی کرامت ہے۔ اس سے اخلاق درست ہوتے ہیں۔ مولیٰ کے کرام کے ان جیسے توجہ کئے ہیں  
 وہ اسی سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس سے انسان فرشتہ ہو جاتا ہے اس عمل سے انسان کا داغِ دست ہو جاتا ہے۔ مجھ اس عقل میں کثافت پیدا  
 کرتی ہے۔ بجز اس کہ کر لیا جائے اور کلامِ نیا وہ۔

### س

ہم نے جب دادِ حقِ غربت میں قدم رکھا تھا  
 دور تک یادِ وطن آتی تھی سبھانے کو!

انجمن کے مکان (نمبر ایک دریا گنج) میں یوں تو پہلے ہی سے ہزاروں اور ہزاروں کی آمد ہوتی تھی لیکن جب دلی کی کباری اور  
 رونق اور اس کی اہمیت بڑھے گی تو ہمارے ہزاروں کی چیل پر بھی پہلے سے بہت بڑھ گئی ہمارے کمرے بھرے بڑے فرائے تھے۔ ان میں  
 دلی بھی تھے لاہور بھی، مختلف سی تھے اور کیونسٹ بھی، کونسلوں کے ممبر بھی تھے اور ریڈر بھی، اہل علم و فضل اور طالب علم بھی، گاندھی جی کے  
 معتقد اور چپے بھی تھے اور ان کے مخالف بھی، ہندو بھی تھے اور مسلمان بھی۔ کچھ ایسے بھی تھے جنہیں سیاست سے یاد دوسرے کا دباؤ سے کچھ  
 مرد و کلام تھا، گاندھی جی کی مخالفت اور مختلف اصول کے لوگ تھے مگر ان لوگوں کے سبھی خواہ اور انجمن کے ہمدرد تھے۔ اس لیے وہ مجھے  
 سب عزیز تھے۔ ان میں ہندو بھی صرف ایک رشتہ تھا اور وہ رشتہ اردو زبان کا تھا۔ ایک بڑی خوبی اس محبت میں یہ تھی کہ میں ان کے  
 معاملات میں دخل دیتا تھا وہ میرے کام میں آ رہی جوتے تھے۔ میں بڑے اہمیت سے اپنا کام کرتا رہتا تھا اس لیے ان صاحبزادوں کا آنا  
 مجھے کبھی بھی گوارہ نہ ہوتا بلکہ..... ایک بڑا قاعدہ یہ تھا کہ کام سے فارغ ہونے کے بعد ان سے ہاتھ دھک شپ کرنے میں ہماہمت نہ تھا  
 دن بھر کی تھکن اور کوفت دور ہو جاتی تھی اور دوسرے دن کے کام کے لیے ہشاش بشاش تیار ہو جاتا تھا۔ کام کرنے والے کے لیے ایسی فریغ  
 ناگ کا کام دیتی ہے۔ پھر ایسی محبت برکس کہ کہاں نصیب ہوتا ہے یہ خدا کی دی ہے..... اب ان دنوں کی یاد میری زندگی کا سب  
 سے بہتر اسرار ہے.....

جولائی، ۱۹۴۲ء کی ۳۴ تاریخ اور پیر کا دن تھا۔ صبح معمول اپنے کمرے میں بیٹھا کام کر رہا تھا۔ دن میں کھانا کھا کر بیٹھ گیا  
 ہنر کا کام کرتا ہوں، میرے ہر کام کے لیے ایک عزیز ہم سفر جو کئی روز سے ٹھہرے ہوئے تھے میرے کمرے میں داخل ہوئے اور کچھ  
 تیار ہو جائیے آپ کو میرے ساتھ جدید آباد، چلتا ہو گا۔ میں آپ کو لاکھ خرید چکا ہوں کل صبح بولی چلا جاتا ہے..... میں تیار ہو گیا  
 اور اپنے آدمی سے کہہ کر وہ ریل سے میرا سامان لے کر عید آباد آ جاتے۔ وہ چار گالے گال کا دن تھا۔ اسی روز ہم دو پہر کے بعد عید آباد پہنچے

گئے وہاں مجھے..... بعض معاملات طے کرنے تھے..... ان تمام کاموں سے آخر اگست تک بہت کچھ فراغت ہو گئی۔ اب دلی کا قلعہ کھلا، سہرہ تیر کی شام کو گرانڈ ٹرنک سے جھوپال کا زہرا۔ وہاں سے بذریعہ جہاز دلی جانے کا ارادہ تھا اس سفر میں سید علی شہر عالمی میرے ہمراہ تھے۔ وہ سمیر کی شب کو جھوپال پہنچے اسٹیشن پر میرے کرم فرما ہریان شعیب قریشی صاحب طے..... انہوں نے کہوٹی کے کے صحت بخار لاپ بورے ہیں ایسے وقت میں جانا خلاف مصلحت ہے..... اس باب میں شعیب صاحب نے بڑی شدت سے اصرار کیا میں شہر خیر مناجتہ تھا اب وہ اصرار سے تشدد و پراڑ آئے اور فرمائے لگے آپ اس طرح نہ مانیں گے تو میں نواب صاحب سے کہہ کر آپ کے نام وراثت جلدی کر کر گزرا کروں گا۔ آخر مجھے پایا کہ چند روز جھوپال میں قیام کر کے انتظار کروں مگر وہاں کے حالات ناہی اطمینان پائے جائیں تو شرقی سے چلا جاؤں، وہ نہ اس خیال کو ترک کر دوں۔ تین چار روز ہی کے بعد جو خبریں آئیں وہ بہت پریشان کن تھیں۔ جس ریل سے میں جھوپال آیا اسی میں حیدر آباد کے چند فوجانہ طلب علم مسلم پرنسپل مل گئے وہاں سے آئے۔ ان میں سے جو دلی کے رہتے تھے وہ رستے ہی میں قتل کر دیے گئے۔ شعیب صاحب کا فرمایا صبح نکلو۔

جھوپال میں پڑے پڑے ہارہ روز ہر گئے تھے..... ۱۸ ستمبر کو انجن کے کارکنوں کے خط پہنچے کہ ریلواریوں نے انجن کے مکان پر حملہ کیا تمام سامان امداد و اسباب کو شلیا اور غارت کر دیا۔ مکان کھلا پڑا ہے اور اللہ کی امان میں ہے۔ یہ خط پڑھ کر مجھے بے حد پریشانی ہوئی کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کیا ہوئے۔ سب سے زیادہ الٹا سا جو یہ تھا کہ جب ریلواریوں نے انجن پر حملہ کیا تو جو ملازم اس وقت مکان میں رہ گئے تھے وہ ادھر ادھر بھاگ کر جاویں سلامت گئے لیکن ہمارا ایک بڑھا کا تب انہی جگہ سے نہ ہلا۔ ہر چند دوسرے ملازموں نے اسے ساتھ لے چلنے کے لئے کہا مگر وہ نہ اس کی بیوی ملیں تھی اس لیے وہ وہاں سے نہیں جانا چاہتا تھا۔ خاموشی نے اسے اور اُس کی بیوی بچوں کو بڑی بے دردی سے قتل کر ڈالا یہ بہت قابل اندر فنی شناس کا تب تھا۔ اپنا کام خاموشی سے بڑی احتیاط اور صحت کے ساتھ کرتا رہتا تھا اس وقت سے میرے دل کو سخت نچو اور تکلیف ہوئی۔ گاندھی جی اس زمانے میں دلی آ گئے تھے اور قتل و غارت اور غور نریزی اور باجی منافرت کے جو شعلے بھڑک رہے تھے انہر پانی چھڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔

اس وقت مجھے سب سے بڑی نگران کتابوں کی فحی جو میرے کمرے میں تھیں اور کتاب خانے کی جان تھیں..... میں چاہتا تھا کہ محمد جاؤں امدد دیکھوں کیا کیا گیا، امدد کیا رہا، کیا کھو یا اور کیا بچا۔ لیکن شعیب صاحب امدد دوسرے احباب سب مانع آئے کہ وہ وقت دلی جانے لائیں۔ دلی سے دیکھو خط بھی اسی مضمون کے آئے کہ وہاں جانا لینے آپ کو ہلاکتیں ہیں وانا ہے۔ ناچار دل میں کے رہ گیا۔

جھوپال میں خیال نہ سے رہنا مناسب خیال نہ کیا تھے دلی بھی جہازوں میں لگ گئے تو وہ جہازیں کہ طیرانے آدھو چھا تھا اچھا ہوتے ہی وہ ہتیر کر حیدر آباد چل دیا وہاں پر کام باقی رہ گیا تھا آ سے میرے تھکے ہیں پہنچ کر کام شروع کیا۔

دلی آنے والوں صاحب نام کی آجما گاہ بنی ہوئی تھی۔ قتل و غارت اور غور نریزی کا بازار گرم تھا۔ جس کے سامنے نادر شاہ کا قتل نام امدد خد کے مظاہر تھے۔ گاندھی جی کے عہداتی جھڑوں میں زہادت کا تقدس باق تھا امدد روایت کی روشنی اب وہ علیہ کا لکھنؤ کا ادنیٰ درجہ کا سیما کی ہر دینہ نہ ہو کر رہ گئے تھے۔ جو بیکار کے جسے کہاںوں نے جائز قرار دیا وہ کشمیر کے محل اور فوجوں کو اپنی دعاؤں کے ساتھ رونا

کیا دعا افسانہ کا فطرہ مدد سے عالم میں پہلی اس فطرہ جس کی پہلی نگارشی چھاپا اشل مسیح الہیہ کے چھپاتے تھے اس کا ترجمہ کے کتاب سے پڑھا  
 معلوم ہوا کہ یہ اصول نہ متعلقہ وقت کی مسکن تھی جس کی حیثیت ایک سیاسی چال سے زیادہ دقتی۔ مگر بزرگ نگارشی کی خدمت میں  
 اسی بار سے میں ایک عربی خط لکھا اور اس کا کہہ کر لے کر اس کا ۱۰ اس کا ذکر یہاں مناسب نہ ہو گا۔ کسی دوسرے وقت کے ایسے خط لکھا پڑا  
 میں جس کا ہر پڑے پڑے نمبر گنایا تھا وہی دہانے کے لیے ہے چن قند ۲۴۳ گنتیہ کو جس کا ہر سال دعا ہو گیا ..... اور نو کو مستند  
 علی شہر حیدر آباد سے دہلی روانہ ہو گئے اور وہ نمبر کو میں۔ ہم مولانا ابوالکلام آزاد کے ہاتھوں سے دوسرے دن یعنی ۱۰ دسمبر کو نمبر دیا گیا، یہ معنی  
 انجمن کا مکان دیکھنے گیا تو مکان کا نقشہ ہی کچھ دوسرا نظر آیا کہ جماعت انشورنس کمپنی کا ہونے کا قند کر رکھا ہے ..... میرا ہی حکم پڑ کر رہا تھا  
 اور یہ جاننا چاہتا تھا کہ میری ان کتابوں کا کیا حشر ہوا جو میرے کرے میں تھیں۔ جس کرے میں میں کام کرتا تھا وہ بہت بڑا اور وسیع تھا کہ کوشی  
 جرم میں اس سے بڑا کوئی مال نہ تھا۔ اس میں کتابوں کی متعدد الدلیاں تھیں۔ کھلی الداریوں کے سوا اور بڑی فولادی الدلیاں جن میں خاص خاص نامہ  
 قلمی نسخے اور قدیم قرآن اور کافزات اور بعض نامہ اشخاص مثلاً آج غاب سرستیز عالی، محسن الملک اقبال، مرتضیٰ بھٹو سرود وغیرہ کے خطوط  
 اور اسی نمبر کی بہت سی چیزیں اور بیش قیمت اشیا تھیں ان کے علاوہ کئی بڑے صندوق تھے جن میں میرے نوٹ اور مختلف قسم کی اور خاص کراؤ دفت  
 کے متعلق بہت سامان، اضافہ کی اصل تحقیقی مسماہ، نو روزانہ کی تاریخ کی یادداشتیں اور مضمون، اور اور .....  
 بندی تہذیب کے متعلق بہت سے قدیم کافزات امیرا اور اس تازہ عکس تاریخ لکھے کا تھا، ادبیت بڑا اور دفت کے صحت کے لیے ہوئے  
 سو روز کا تھا۔ اس سے علاوہ ایک کمرہ تھا جس میں میرے پڑوں کی الداری اور صندوق، بکڑ اور دوسری چیزیں جو اس کمپنی تھیں وہ ویرزوں  
 نے سب لٹ ہیں۔ جو صندوق بڑے، نئے، اس کا چھ تھے وہ بھی لے گئے باقی وہیں چھوڑ گئے۔ بڑے کرے میں کافزات کے جو صندوق تھے  
 وہ انہیں بہت پسند آئے۔ کافزات تو انہوں نے وہیں چھینک دیے اور صندوق لے کر چلے گئے۔ فولادی مغل الداریوں پر ان کی پہلی ہوتی تھیں  
 پڑی اور کچھ کہ ان میں فروغ مل ورنہ ہو گا پھر مدد کر انہیں توڑا۔ جب ان میں کتابوں اور کافزوں کے سوا کچھ نہ تھا تو بڑی داری ہوئی اور غصے  
 کی جھانچ میں وہ سب کتابیں اور کافزات کھل کھل کر باہر پھینک دیے۔ کتاب خنہ کے کرد میں زیادہ گنہائش، راجی تھی اسے فروغ مغل دیا  
 لھانے کے کرے میں رکھا دیں تھیں۔ ان میں اور دفت کے پرچوں، کادوں، کے بڈل جیسے ہوئے تھے انہیں پرچوں پر سے کتاب  
 قلم کے کفات کا مسودہ تیار کرتا تھا جو فخر تانی اور زیم واصل کے بعد بیچنے کے لیے کتاب کو دے دیا تھا، خدا میرے کھانے سے کاسلان  
 اور فروغ وغیرہ تو لٹ چلے گئے تھے کچھ مغل فولادی الداریوں کو دیکھ کر تیاں کیا کہ ان میں فروغ تیتی، شیار ہوئی گی۔ انہیں توڑا تو یہاں مجھے ہی  
 اور کافز لکھے جو انہیں دوسرے کو لٹ گئے تھے ان کی کچھ تھی یا جس میں تھیں ان کا بھی وہی حشر ہوا مثلاً شکر فرشتہ پراسرار، بکھرے پڑے  
 لہ جیسے پت جھڑ کے کو کم میں دفتوں کے تھے۔

بہت کمپنی کو کرد کی خدمت تھی اور مالک کو کراہی کلاچ۔ لہذا کرے عالی نے کیلئے انہوں نے سب چیزیں جو میرے کتب خانے کی  
 تھیں بے دردی سے صحن میں کٹنے کر کٹ کر طرح چھینک دیں، جہاں وہ کئی مدد تک پڑی رہی۔ بہت سے کافز اور اسے لٹ گئے اور  
 نئے جانے والوں کی مدد میں لٹ گئے اور کتب خانہ کی چیز کسی کا پسند آئی بلکہ قیمت کھڑے لی۔ ان میں بعض کتابت خوش خطا قدیم  
 نثرین تھے وہ چھوڑے قدیم روز کتابیں جو نسخہ میں لکھی ہوئی تھیں بھی ان قرآن لکھے اور چھوڑ دیے گئے کے کرے دس لوں اور

نہایت سے جبر سے بڑے تھے ملک مکان نے اپنی ہیرا پتے وہ سب اٹھلے اور رسلے اور بہت سی ردی اور مچن میں باقی ماندہ پڑی ہوئی کتابیں اور کاغذات و حوکر باد چھ خانے خسل خانوں نگارم، برآمدوں اور کتاب خانے کے یعنی کمرے میں پھٹکوا دیے۔ ردی کے یہ بڑے بڑے انبار جگہ جگہ پڑے تھے کتاب خانے کو کھول کے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہاں بھی لبروں کے قدم آئے تھے۔ لبروں کی کتابیں درجہ بدرجہ کر دی تھیں اور کچھ نیچے پڑی تھیں اور جوالدیاں مقفل تھیں ان کے تالے بھی ٹوڑ کر معائنہ کیا اور کتابیں اٹ پٹ کر دیں اور جو پسند آئیں وہ نکال کر لے گئے تالے ماب ہم نے ردیوں کے ڈھیروں کا ایک ایک کاغذ دیکھنا شروع کیا کہ کسی کتاب کا کوئی کاغذ ایک جگہ اور کوئی دوسری جگہ ملا۔ اس تلاش اور جستجائی میں کئی بیٹے لگ گئے۔ اس کام میں جو دوسری رقم علی الہاشمی۔ رفیق الدین احمد محمد یعقوب امیں اور بعد میں حامد علی صاحب برابر معرود رہے۔ بعض نسخوں کے کاغذات بر وقت روئیوں میں سے جو جو ذکر الگ کیے جو بھر بھی ناقص رہے۔ بعض کے حصے پیٹے ہوئے تھے بعض کے حصے نہ صرف چھ درست حالت میں تھے مگر اکثر ختم ہو گئے۔ یہ کام چار سے بیس بہت اجر بن گیا تھا۔ شام کو جب ہم اس سے فارغ ہوئے تو ہماری صود میں دیکھنے کے قابل ہوتی تھیں بعض تو بالکل بھوت نظر آتے تھے۔..... غرض ہماری اور جلدی کتابوں اور کاغذوں کی یہ دولت نبی۔ اس سے جو رنج و کوفت ہوئی اُسے کیوں کر بیان کیا جائے۔ الفاظ اس کے بیان سے فارغ ہیں۔ ایسے مقام پر ان چیزوں کا کیا بیغ کیا جائے جہاں بڑوں لاکھوں عزیز بایں ایسے ظلم و جبر کا شکار ہو گئی ہوں جو بد میں نہ خنید، جہاں بے عرضی اور بے عزتی کی انتہا ہو گئی ہو۔ جہاں معصوم بچوں اور بے گناہ عورتوں کے گڑھے کو سے کر دیے ہوں، جہاں خون دہائی کی طرح بہا گیا ہو۔

میں اور علی تبرکستان کے ہاں پیسے جو سے کہاں تھے دو روز کے بعد رفیق الدین احمد بھی آ گئے۔ اب ہم نہیں ہو گئے۔ میں نے وہاں زیادہ قیام مناسب نہ سمجھا ایک بیٹھے کے بعد ہم نظام بیس کے کیسٹ ہاؤس (مہمان خانہ) میں آ گئے۔ وہاں گئے ہمیں چارہ دہڑ ہوئے تھے کہ سلوم ہوا جدید آبادی و غذا ہے اور ان کے ساتھ بڑی جماعت ہوگی ہمارے لیے کوئی جگہ نہ رہے گی۔ ہم نے ہر چند کوشش کی کہ کوئی مکان مل جائے یا کوئی دوسرے گھر کی کالی آئے مگر کامیابی نہ ہوئی لہذا احمدؔ کو لاجی روانہ ہو گئے جہاں ہم نے اپنے قدیم کرم فرما اللہ شفیق انریل پیر اہلی بخش کے ہاں قیام کیا۔..... دلی کے اسپندر و زہ قیاد میں ہم نہر کو نیا دہہ دیکھ سکے۔ ہماری قسمت میں تو ردیوں کی چھانٹن لکھی تھی۔

انجن کی شاخیں سلسلے ملک میں تھیں۔ تقسیم کے بعد پاکستان کی شاخوں کا اخلاق ہندوستان سے قائم نہیں رہ سکتا تھا۔ اس لیے فردر برک پاکستان کے لیے نیا مرکز قائم کیا جائے۔ اس معاملے میں بڑی بحث رہی کہ یہ مرکز لاہور میں ہو یا کراچی میں۔ آخر طے ہوا کہ کراچی ہی میں رکھا جائے جو مرکزی حکومت کا بھی دار الحکومت ہے اس سے احاد ملنے کی بھی توقع ہے اور سندھ کی حکومت بھی خود کچھ کچھ مدد دے گی لاہور میں تو کام کرنے والے بہت ہیں زیادہ فرصت سندھ، بلوچستان اور محض میں کام کرنے کے لیے اب ہیں ایسے مکان کی تلاش ہوئی جو انجن کی فرصت کے لیے مناسب ہو۔ شاد دامنہ گھراٹوں کا سب سے بڑا ادارہ تھا اور اس میں تھینا صاحب طلب علم تعلیم پاتے تھے۔ انجن کے لیے اس سے بہتر جگہ نہ کراچی میں نہیں مل سکتی۔..... میں دلی جانے کے لیے ٹرپ۔ ہا تھا میرے ساتھ دوست صاحب سمجھاتے تھے کہ اب اس ملک میں اردو کے کام کے لیے کوئی گنجائش نہیں..... میں ان سے بحث نہیں کرتا تھا۔ میرا ایک ہی جواب تھا کہ ہندوستان میں ہمارے لاکھوں، کروڑوں بھائی اس زبان کے بولنے والے ہیں ان کی خدمت کی بھی توجہ لازم ہے۔

ہنرمیں نے..... پھر ایک بار دلی جانے کا قصد کیا۔ جنوری کی کالی شہ نے مجھے اور حامد علی صاحب کو زہر حسین کے ہزار

ہماری جہاز میں سوار کر دیا۔ ہمیں مذاہد حسین صاحب کے اہل ہمدرد..... انجن کے مکان میں گیا وہاں دہلی کی چٹان کا گہرا دیو تھا جس کا ڈر پہلے کر چکا ہوا۔ ان دونوں کی چٹائی اور کتب خانے کے مٹنے کے بعد سیت کتا ہوں ہمدرد سندن کے تخت پر نے لاشیک ٹیک لم ہوا۔ جب کہ کئی عورتیں کلب سے سو رہیں، فنا تھا اس کے خانے میں نہ پر دل کو جھٹ کا گنتی تھی۔

ولی پہنچے کلب میں دوسرے روز گذر چکی سے ملنا تھا لیکن اسی سڈ انہوں نے فاد شروع کر دیا پانچ روز بعد انہوں نے فاد توڑ دیا لیکن فوراً مٹا سب خیال نہ کیا کہ یہ لکڑی پر نقابت کا اثر تھا..... میں رفیق صاحب کے ساتھ علی گڑھ گیا اور سفر سے واپس پہلا وقت کو صفر لکھا.....

۵۔ ۲۵۔ ۱۹۳۸ء کو پہلے شام کو میری درخواست پر والدہ بزرگوار ۱۵ میں ہمدردی اور دعا کا اجتماع ہوا۔ اس میں تقریباً پچیس حضرات تشریف لائے..... اس کا مقصد ان دوسرے عورتوں کا ساتھ دل کے انجن ترقی اور دعا کا صدمہ مٹانے کا تھا۔ دوسرے موجودہ حضرات میں اس کے بعد گلام کام جو۔ اسی اجتماع میں جو صاحب شریک تھے ان کی گفتگو سے مجھ پر اثر ہوا کہ لوگ موجودہ حالت کو جب تک کہ ہے جوئے میں اند کرتی تھیں انے کا کم نہیں کہتے یا سات کچھ کہنا نہیں چاہتے۔

۶۔ ۲۵۔ ۱۹۳۸ء کو میرا والدہ بزرگوار صاحب کے ہاں قیام تھا..... ہمدردی کو مغرب کے وقت اپنے کمرے میں بیٹھا تھا کہ وہاں بزرگوار ڈاکٹر عبد الستار صاحبی بلکرائے ہوئے آئے اور کہنے لگے کسی نے کالز میں ہی کو گولی مار کر ہاک کر دیا..... میں دوسرے دن والے دن لاہور امداد تھا کہ یکم فروری کو کالز میں ہی سے کال نکلتی کہ وہاں..... افسوس دل کیہ حسرت دل ہی میں رہ گئی..... دوسرے روز ولی واپس آ گیا۔

ولی کے اس دور ان قیام میں مکان کی تلاش میں مدد علی صاحب اور میں ولی کے کمرے کی فک چھانتے پھرے کوئی مکان ایسا نظر آیا جہاں ہم چند فرسٹ کلاس غلامتیں کر سکیں۔ مجھے کراچی واپس جانا پڑا کہ زہد حسین صاحب کا ولی سے تیار ہو گیا ہمدرد میرے قیام کو کوئی صورت نہ رہی.....

یہاں آتے ہی ہم اپنے کلم میں معروف ہو گئے۔ ہمدرد ان ترقی زدہ پاکستانیوں کا دل و اتان شروع کر دیا۔ ایک سال اس میں یہ ایک کلم مشرور علی بن کر نکلا..... ہمدردی یہ تھا کہ انجن کا افتتاح اپنے دست مبارک سے فرمائیں۔ خلاصہ مشرور علی ہمدرد نے اپنے جواب میں بڑی مسرت کا اظہار کیا (۱۹ مارچ ۱۹۴۸ء) کہ ان کل بہت معروف ہوں، سرحد کے دورے سے واپس پر ۱۰ اپریل کے بعد کسی روز بڑی خوشی سے انجن ترقی زدہ پاکستان کا افتتاح کروں گا۔

کراچی میں انجن کا کام آہستہ آہستہ ہمدرد صاحب میرے دل میں ولی کی کوئی بڑی فک ہمدرد نے دیں کے خوب دیکھا تھا۔ اسی کر اپنے شب خانے کا دیو ہمدرد کا خیال بہت سے کاغذ پر کستوں سے اسی نے میں میری طبیعت سخت ناساز ہو گئی..... سب کو یہ سنانے قریب کی کریم تہی آپ دہما کے یہ کہ نہ شہر ہمدردوں میں کی ہمدردی صحت کے یہ بے غیر ہے چنانچہ میں ۲۵ جولائی کو کہتے روز دہما ہو گیا..... وہاں میرے لیے ایک بنایت عظیم فصیح چند کے ذریعہ کے سنسکر میں کی ہمدردی اور دیکھ کر قدرت کا تاثر نظر آتا ہے۔ ایک بڑا ڈیرا لکھ دیا گیا، ہمدرد میں دن بھر جس وقت کے زیریں بیٹھا کام کر رہا ہوں اس شاندار قدرت کی شکر و عفت دیکھنے سے لطف تھا۔

۱۷۔ سرب کی شب کو کانرا عظم رحلت فرما گئے، انھیں دانا اید و امون۔ پاکستان پرانہ حیرا چھا گیا۔ لوگ اس خبر کو سن کر بہت رنجستے رہے۔  
 (دن کے ہفتوں، مابین کے اشتیاج کی حسرت جمد ہو گئی اور سب دن یہ خبر سنی کہ بھارت کی فوج حیدر آباد پر چڑھ آئی ہے۔) ۱۸۔ کو سلوم ہمارک نندی  
 فصیح حیدر آباد میں داخل ہو گئیں۔ سیاسی کارور داغ جو کبھی بحال اندوکن کے چہروں پر نمایاں ہوا تھا اس تاریخ کو حیدر آباد کی پیشانی

پر چسکا —

اب بعد الامنی احوال یہ دیکھا تھا کہ صبح اٹھنے کے بعد کتب خانے جانے، کتابوں کی ترتیب و دست کرتے اور دفنساب اور شکستہ جو کچھ تیس بارش کی وجہ سے زمین کی حالت بہت اتر چوڑھی تھی ان کی نگہ رکھتے تھے۔ شام کو قیام گاہ پر واپس آتے۔

میں نے کثرتِ حیدر و مثنیٰ صدیقی کو خط لکھا اور انھیں ہر چوتھ روز میٹھی اس کی اطلاع دی اور لکھا کہ آپ یہاں آکر ہماری مدد کیجیے چنانچہ وہ..... دہلی پہنچ گئے اور..... دوسرے بعد روز سے اپنی بہن شرملا (کردی)..... کو مگر کی کٹیجہ نکالا آخر بیزاد ہو کر وہ دوسرے کو سالانہ جہاز سے جہاں سے گئے۔

یہ کھانا بھول گیا کہ جب تک وہی میں رہے گا تو وہی کی ہم پر نگرانی رہی بعض اوقات میرے ملازموں کو ستاتے تھے اور پرہیز کرتے  
 کہ انہیں کھانا کھا کر رہے ہوں اور کون کون کھاتے رہا ہے..... وہی میں رہ کر ہم نے سب جتن کر کے دیکھ دیا کہ یہاں والی گنتی نظر نہیں آتی۔  
 آخر تک اگر اسی میں خیریت نہ دیکھی کہ وہی کو خیر ہا دو کہیں۔ چنانچہ..... ۲۴ جنوری کو مجبوراً اس سے روانہ ہو کر ۲۵ صبح کو بمبئی پہنچا  
 دو دیکھ روزی بزم کے بعض احباب سے ملا اور دیکھ سلام کرتے رہ گئے آخر ۲۸ جنوری ۱۹۴۹ء کو بمبئی سے یہ شعر تمہارا بھلا جہاز میں سوار ہوا





مجھے داکا کچے میں جینا کرنا نہیں لیکن حالات نے مجھے ایسا ہی کیا۔ وہاں غیروں سے لڑا رہا ہوں انہوں سے ..... سدا  
عمر بچی لاتے جڑتے گندی۔ مجھے اپنے شے میں بڑی بڑی ٹاکا سیدھا سیدھا پرسیوں سے سابقہ پڑا ہے دنیا دارا تجربہ ہے یہاں سب کچھ صبر و شکر  
کے ساتھ جیکٹا نہیں ہے..... بہت کام پڑا ہے حد بہت کچھ کرنا ہے۔ بعض اوقات مجھے بھی باپوی ہونے لگتی ہے لیکن اس  
پر کاربند ہوں۔

دست از طلب خدارم تا کام سن بر آید

یا حبیبان رسد بہ جانا یا حبیبان تن بر آید

جیسے جیسے عمر بڑھتی جاتی ہے کام کا جو کم ہی بڑھتا جاتا ہے..... میں نے حکومت سے کچھ رقمی امداد طلب کی ہے تاکہ تمام قاتر  
اور موافقتی اصولوں اور اصطلاحات کی دانشوری تیار کروں۔ علمی اصطلاحات جو اس وقت تک بن چکی ہیں وہ سب جمع کر دو ہوں انہیں اور کالج کا کام  
اس سے ملگ ہے۔ خدا، بیڑا سا ملے اور ایک سلسلے سے پہنچائے۔ ہمارے تعلیم یافتہ عربی فارسی کتابوں کو مطلق قابل انتفاع نہیں سمجھتے ہیں اگر  
کوئی نوید بین یا امریکی کسی کتاب یا ہمارے کسی قدیم نظریہ کے متعلق کوئی تعریفی کلام کر دے تو وہ ان کے لیے وحی والہام ہو جاتا ہے۔ ایسا  
ایک واقعہ ۱۹۵۶ء میں انجمن کو پیش آیا۔ انجمن میں ایک صاحب فہرست اور دو کتب اسطوخو غیر مطبوعہ کی تیلیگرافی و صنعتی وزارت تعلیم کو اردو  
کے لیے لکھا کوئی توجہ نہ لی۔ بعد ازاں انہوں نے حکومت سے دریافت کیا کہ آپ کے پاس اپنی زبان کو کوئی جوگرافی ہے یا اگر نہیں تو کیا وہ تیار  
ہو سکتا ہے اب وزارت تعلیم والے جھگڑے ہوئے ہیں پس انہوں نے امداد دینے پر آمادہ ہو گئے۔ بعد ازاں دے دی۔ یہ حال ہے ہمارے اہل حکومت  
اور قدر و دان علم و ادب کا۔

میں نے تمام محرمات سے ملنے کی کوشش کی اور نہ ایسا ارادہ تھا لیکن ۱۹۵۲ء کی بات ہے ایک عجیب اتفاق ہوا میں صبح  
معمول شام کھینچنے کے لیے نکلتا تھا ایک دن شکر کے کنارے پیدل پڑی پر بعد ازاں دوسرے گورنر جنرل بہادر کی سلامتی اگے پیچھے چلیوں  
کے درمیان شکر سے نکلی اور چلیا۔ کہ گئی کہ گورنر جنرل اپنی کار سے اتر کر مجھے شکر پر سے گزرا کہنے لگا ساتھ گئے۔ انہوں نے رستہ میں  
خود ہی انجمن کا گھر اور کہا اور دو کے جینا دی اور بڑے کلام بغیر حکومت کی امداد کے نہیں ہو سکتے میں غفل الرحمن روزیہ تعلیم کو بھروسہ کے متعلق  
کہوں گا حد بہت کچھ رقم کہتے رہے۔ کچھ کچھ نہ سمجھا.....

حکومت پاکستان نے پانچ سو روپے ماہانہ میری پیشینہ ضرورت کی امداد لکھا کہ پیشینہ اور دو کی لائق توصیف خدمت کے سلسلے میں دی جاتی ہے۔  
پاکستان کے صدر نے تعلیم بنگال تھے اور وہ نہیں جانتے تھے مگر اردو کے سب زیادہ عالی ہیں تھے انہوں نے انجمن اور کالج کے مسئلے میں بہاری  
بڑی مدد کی۔ انہیں کسی طرح معلوم ہو گیا کہ میری حالت سقیم ہے اور میں اب نادار ہو گیا ہوں حکومت میں تحریک کر کے پیشینہ لائے بعد ازاں بہت ساری  
مالیاتی میری بھانجیاں بھانجیاں نے ایسا کام کیا اور ایک چھوٹا خط لکھا۔ میں نے..... تم نہیں تھا کی مجھے شرم معلوم ہوتی تھی یہاں تک  
کی خدمت کے لیے کیا تھا میری حیرت گردا نہیں کرتی تھی کہ میں اس پر بارہوں اس طرف سے کئی بار تقاضا کر چکا تھا کہ تم اٹھال جائے تمنا بھی  
نہیں کر سکتا تھا اگر کسی بہتے پر تغیر کا کھانا اور اس سے دن بھی دیکھتے تھے۔

(۱۹۵۵ء میں) جس روز مجھے دستود سلازم میں مذہب کا مسئلہ پیش ہونے والا تھا۔ میں ایک لاکھ اشخاص کا مجلس نے کرسی کی

لڑائی میں پہلے پہل کر لڑنا، پہلے میں پہنچنا اور اس مقام میں جہاں وہ اجازت داخل ہوتا تو خود فوراً ہتھیار ڈال دینا، یہ سب کچھ اس  
 مدد سے خود بخود طبعاً نہیں آتا بلکہ بچہ کو کڑی محنت سے شہر میں کمال شہرت ملتی تھی۔ علامہ کی حکمرانی کا خیال خود حکمرانوں پر چکا کیونکہ ایسا ہی اس  
 اجتماع کا سبب غیرت میں آئے۔ اس کا اعلان سب سے پہلے اس کے تاجدار اور سرداروں کے لئے آجیت کا شہر اور گنگوڑی، سمجھتا تھا کہ وہاں کمال  
 اس کے خلاف کیا..... جن صاحبوں کے ہاتھ اندر اور تھان کو زبان، ادب، علم و تعلیم سے کرنا عطا نہیں تھا۔

[illegible]

میں نے یہاں آگیا پانچ رسالے ہدی کیے تھے ان میں سے تین رسالے معاشیات، سائنس، تارک و سیاسیات، ہاتھ لکے  
کی بدولت بند کرنے پڑے۔ اب نذر اور توڑی نہ ہونے لگے پس یہ بھی سکھ رہے ہیں، آمد و بردار رفتی ہے، خود خواست گراں بند کرنا پڑتا  
اس کا حدود شاید برداشت نہ کر سکیں۔ لیکن کے معنی کچھ ایسے درہم برہم ہو گئے تھے کہ حقیقت تو قیاس میں نہ آتی تھی اس خیال سے کہ روزمرہ  
کے انتظامی جھگڑوں، مصالحت اور نہ پس و غیرہ کی غرض سے نہایت مل جلنے والے میں ایک دوسرا ہلکا کم جوا حد سے بڑے ہمارے کون  
ہیچ سیکرٹری، مانت سیکرٹری کا انتخاب کر لیا۔ نئے خزان کا بھی انتخاب ہوا اس سب کا کام اہل بیان سے چلے گا اور مجھے بھی فرصت مل  
ہائے کی مگر معاملہ برعکس نکلا۔ ان صاحبوں نے غلط پروپگنڈہ اور سازش سے جس نظام میں اپنی اکثریت بنائی اور غری کاروائیاں شروع  
کر دیں جو ان کو سب اقتیدان کو حاصل ہو چکے تھے انہی سیدھی جو رہنے..... کہتے۔ نتیجہ یہ ہو کہ حالات ابتر ہو گئے۔ میرے پاس علم و ادب  
اصطلاحات و لغات کا ذخیرہ تھا لیکن شامت کے لیے وہ یہ نہیں تھا اور نہیں ایسے نااہل، غریب پسند خدائے خاص کے ہاتھ میں نہ آتی تھی  
جو علم و ادب سے بے بہرہ تھے، سدا رہا رہا در کام صفر پر حالت زیادہ دیر تک نہیں رہ سکتی تھی۔

مجھے اس زمانے میں جو صحیفہ اور روحانی کوفت ہوئی، وہ بیان نہیں کر سکتا۔ ہماری قوم ایک عجیب قوم ہے۔ اس میں وہ تمام عجوبہ موجود ہیں جو ایک ہزار سال قبل از ولادت آدم سے آج تک ہوتے ہیں۔ ہمارے بھائی اپنے کسی بھائی کو آگے نہ دیکھ سکتے اور جو علیٰ محمد ان کے آگے نہ دیکھ سکتے۔ اس لئے ان کے آگے نہ دیکھ سکتے۔

[illegible]

قائم کر کے بھی بدنام کریں۔۔۔۔۔

اب جو باوجود تمام شہادتوں، پریکٹس اور دثوت کے انہیں اپنی ہم کچھ کلام سی نظر آنے لگی تو انہوں نے مصاحبت کے نام سے ایک نیا شرط چھوڑا۔۔۔۔۔ ہم نے اور خاص کر ہمارے تعلیم یافتہ گروہ اور قدیم سول سروس والوں نے انگریزوں سے بہت سی بری جعلی باتیں سیکھی ہیں جن میں ایک (COMPROMISE) ہے انگریز کی زندگی سراسر (COMPROMISE) ہے اس کی سیاست اس کی تجارت، اس کا مذہب اور اس کے اخلاق اس کا بھی اور جن قومی تعلقات، یہاں تک کہ اس کے زن و شو کے تعلقات بھی (COMPROMISE) پر مبنی ہیں۔۔۔۔۔ اس مصافحت یا مصافحت کی تہ میں یہ بات حتیٰ کہ ان کی بد اعمالیوں پر پردہ پڑا ہے۔ میں نے بار بار انجمن، کالج اور پریس پر تحقیقاتی کمیشن قائم کرنے کی تجویز کی مگر وہ کبھی اس طرف مائل نہیں ہوئے۔ وہ جانتے تھے کہ اگر تحقیقات ہوتی تو ان بدکاروں کی بد اعمالیاں آشکارا ہو کر رہ جاتی اور یہ انہیں منظور نہیں تھا۔ یہ تحسیر، میں نے کئی ماہات کے خیال سے اس کی کسب کسب کر رکھی ہے۔ اگر اس میں کوئی بے یلہا یا غلطی نظر آئے تو یہ کچھ کر معاف کر دیا جائے گا کہ یہ ایک ایسے مظلوم شخص کی تحریک ہے، جس نے کام کو ایمان بکھڑ کیا، پراسس کو اب کام نہ ہا اور نہ ایمان رہا۔

جب عطا، جو ہنس رہا تھا

ہم نے گھوٹا، جس قدر پیدا کیا

سہا سال کی محنت دہائی میں آزادی کی نذر ہو گئی تھی اس کا صدر ایسا تھا کہ نہ بھلا سکا۔ جب یہاں قدم اچھی طرح جم گئے تو میں نے پھر کام شروع کر دیا۔ تنہا تھا، کوئی مددگار نہ تھا۔ اتنی مقدرات نہ تھی کہ مدد کے لیے کسی ملازم کو رکھ لیتا۔ انجمن کی مالی حالت بھی ستیم تھی کئی سال تک وندرات کلام کرتا رہا۔۔۔۔۔ میرے رفقاء نے مجھے ایسی ذاتیں پہنچائیں اور انجمن کو ایسے نقصانات پہنچائے کہ میں کسی کام کا نہ رہا۔ میرا کتب خانہ تک مہربہر کر دیا۔ میرے مسودات سب کتب خانے میں بندر، گئے۔ سازشوں کا باز اور کم ہو گیا خیانت اور بددیانتی پر پردہ ڈانسنے کے یہ طرح طرح کی الجھنیں پیدا کر دیں۔

یہ انقلاب آیا تو فغان اور بددیانتی مچرائے، سازشوں کا زور کھڑا۔ اس کے ساتھ حکومت نے آدھ ورتنی پور و قیام کیا اور نفٹ کی ترتیب کے لیے مجھ سے درخواست کی۔ میں نے بخوشی اس کام کو اپنے ذمے لے لیا۔ یہ بھی اجازت دیا کہ اپنی پسند کے ڈیگار و حیرہ انتخاب کروں۔ اتنے چپ کی داد دی کہ صبر کا چیل ملا۔ فغان اب کلام پوری مستندی کے ساتھ شروع ہو جائے گا۔ اور گزشتہ آفات کی طانی ہو جائے گا۔



نومبر پر جویش کی تجویز کی جس طرح تائید و حمایت کی گئی تھی اس کو دیکھتے ہوئے مجھے پورا یقین تھا کہ شمالی ہندوستان میں یہ جویش قائم ہو کر رہے گی لیکن اُس کے بعد ہی بدتے ہوئے سیاسی حالات نے اتنا موقع نہ دیا کہ یہ خواب شرمندہ تعبیر ہوتا، یہاں تک کہ لوٹ لیسٹ ملک تک پہنچ کر ہندوستان کے دل کے دل میں وہ گھسے میٹھے اس کے باوجود ابھی امید کی ایک کرن باقی تھی اور بھی ہوئی تاکہ میں ایک

موجودہ تقابلی حکومت کے مقصد کو وہ تعلیمی کمیشن نے بھی انجمن کلمہ دو کا کا میں قوی زبان کنہیہ تعلیم دینے کے کامیاب تجربے کا اعتراف کیا اور اس خیال کا بھی اظہار کیا ہے کہ یہ تجویز جلدی رہنا چاہیے۔ — یہ سچ ہے کہ میں اپنی عمر کی آٹے منز میں نے کچھ جوں لیکن میرے امداد سے اب بھی جوانی میں اور میرا عزم و حوصلہ بھی زندگی کی حرارت سے مرشاد ہے۔ میرے سامنے ایک مقصد ہے اور اس مقصد کی تکمیل ہی میری زندگی کا حاصل ہے۔ حدودہ مقصد ہے جلدی راجہ میں ایک چارو ڈھونڈو پونے دو سٹی کا قیام۔ — میں اب زندگی کی آس منزل میں ہوں جہاں کام سے زیادہ تہم کی ضرورت ہی ہوتی ہے لیکن آردو پونے دو سٹی کا قیام اب میری زندگی کا شش ہے اور اس شش کو بایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے میں سب کچھ کرنے کو تیار ہوں، چاہے مجھے اس سے کتنی ہی تکلیف کیوں نہ پہنچے۔

پچھلے ایک دو سال کے عرصے میں ہندو پاک کے بعض ممالک نے میرے ہاں سے نمبر شائع کیے ان میں تھانہ، نورس، احمد  
نہیں (شامل) ہیں، جلد ہی اردو کا پانچ کراچی کی طرف سے بھی ایک خاص نمبر (جنگل) شائع ہو رہا ہے جو کم و بیش بدھ سوسائٹی کے شکل ہے  
۔۔۔ ان سب کے پڑھنے سے (پاکستان) کو میرے متعلق بہت کچھ معلوم ہو جائے گا اور میں مجھے اپنے حال کے متعلق سچائی کی ایک رپورٹ لکھتا ہوں

اور جیسا کہ ہم نے دیکھا ہے وہاں

اپنے سے بھی ہوں عیب چھپاتا اپنے

بس مجھ کو یہی معلوم ہے جیسا ہوں میں

# ریاض خیر آبادی

دس سال کی عمر سے اپنے والد ماجد کے ہمراہ میں گر کھڑا گیا۔ وہی عربی تعلیم کا سلسلہ مروی حکیم نیر فیاض حسین صاحب مرحوم مشہور ہیں۔  
سوداگر محلہ سے فتوح جہان دہلی اپنے والد ماجد سے پڑھی۔ پندرہ برس کی عمر تھی کہ خیر آباد انگریزی حلقہ نیر فیاض صاحب مرحوم کے مدرسہ عربیہ  
میں داخل ہوا۔

میرے سہولت دہلی نیر شدہ شہدائے دہلی کے ان نو سو سال پیشتر اس نواح میں آئے تھے اسی اقام کے تھالی بھی ہمراہ تھے۔ شاہی خاصہ تراشیں کھانا  
اب بھی حساباً موجود ہے۔

میرے عہد میں قاضی بخش صاحب قدس اللہ سرہ العزیز اولیاء کرام سے گندہ سے ہیں جن کا ذکر تذکرہ اولیا میں ہے۔ آپ حضرت شیخ سعد  
رحمۃ اللہ علیہ کے طائفہ ہیں۔ عزا حضرت قاضی بخش صاحب کا مکان سکونت سے متصل ہے اور انھیں کے زیر سایہ میرے بزرگ خواب راحت میں ہیں۔

میرے بچپن سے جب انگلیں کرنا شباب آیا

یہی وہ نازک زمانہ ہے جس کا آغاز جتنا خوش آئند ہے۔ اتنا ہی نونازک بھی شباب کی انگلیوں پہن ہی سے ہر ہی تھیں کو میں نے دیکھا۔  
خیر آباد کو خیر باد کہ۔ تیغ سے طبیعت کا اہل ہوا اس دشت کا تیر تھا جو شاعری و سرس عشق کی طرے رجحان کئے کر اپنے ساتھ لائی تھی شمس اسلام آباد  
عبداللہ صاحب علامہ خیر آبادی آئندہ سند تھے کہ ریاض ناز سے ادب میرے درس میں نہ کرے مگر طبیعت نے یہ موقع کھو دیا۔

میں نے اتنے شوق سنی کے لیے دیہین غالب کو پہنچا تھا۔ وہاں غالب کے اشارہ پر بہ ترتیب قافیہ  
میتا پور کے بعض مشاعرے

مجھے سے محبت بہت کہتے مگر مرحوم کی خدمت سے میں کڑاں پیچے فرمودہ واپس ہوا کہ غالب اسیر باؤنٹیاں صحبت کو میرے اشارہ پر مجھے کہہ کر  
سندھ بہ مرخت کا ہفت ہوتا میں تک کر افریں اسی خاص رنگ کا دیوان اور کلام ملت کر دینا پڑا۔ طبیعت صفائی کلام اور صحت کی طرف رجوع  
ہوئی۔ سیتا پور و خیر آباد میں شاعروں کا زور نہ تھا۔ خیر آباد کے شاعروں میں حضرات سیتا پور بھٹو حقیقت شریک ہوتے، سیتا پور کے شاعروں  
نے کچھ نغمہ گوئی کا تذکرہ کیا تھا۔

مشہور اکھنوی مدافعتیہ لہری۔ نطق کا کردی۔ میں تھیں حسین تھیں نیر و دیگر مشاہیر کا کلام ہم سنی کی مدافعت تھا۔ ایک خاص مشاعرہ

ہاتھ دھوئی سپہ جھوٹا دل صاحب مہر و دم کی سیتا پوری کی کوٹھی پر ہمارا اہتمام آپ کے حلقہ ارشدیہ مولوی حاجی میر محمد اسحاق کا تھا۔ میرے  
بڑے بھائی کی ترقی کی گنت کی مسلسل آمد و رفت کو اوس سلسلے پر سنا کر سمجھتا تھا۔

مجھے میں شرکت کے لیے مجبور کیا گیا ذیل کا شعر اس وقت کی طرح غزل لکھے جس کو تبدیلے مشتق سے نقل ہے۔

تسید باز خواص ہر گ سے گھر کے اُٹھ بیٹھے

تیری فکر کو میں ان سے چلی گئی فقرہ قیامت کا

اب مجھے میرے مہر و دم کے فرمانے سے اپنا کام بغیر اس اصلاح امیر مینائی کی خدمت میں داپہر بھیجنا شروع کیا تھا اور جب تک ایریٹم  
حیات ہے کسی کو بغیر اصلاحی شہرہ نہ پایا نہ شائع کیا۔

مینا پد کے ایک شعر میں میری غزل جیسی صاحب قبل مہر و دم کی طول بہت شہرت پا چکی تھی میرے پاس میں ان کا یہ شعر مصرع بھیجا گیا

مجھ کو رہنے دینے نیکی کی ہی کے واسطے

میں نے بھی غزل کی جہان سے نہادہ شہرت حاصل کی بعض اشعار صحت ذیل ہیں۔

غم مجھے دینے ہو دشمن کی خوشی کے واسطے      کیوں بڑے ہفتے چرنا تم کسی کے واسطے

رہتے ہیں کاتب اعلیٰ یوں انکسوں میں لطف      صاحب لکھیں ہے گزرا آپ بھی کے واسطے

دوروں میں تک ہی کچھ اور دست چاہیے      پاؤں پھیلنے کو میری ہے کسی کے واسطے

لطف، دل لہلہ کے مدلوں سے ہر ایک لطف خاص      کچھ نہاٹ بھی ہو تیری سادگی کے واسطے

پاس نہاں ہو گئے یہ ایسی وضع حسن      جب طے ناصح جیکے ہم بندگی کے واسطے

حشیشیں لہ کاتب اعلیٰ کچھ تر ہو شہدیک      ساتھ رکھا تھا تھیں مٹی جلی کے واسطے

میں نہا حضرت ناصح کو اتنے دیکھ کر      کچھ وہی تہذیب کی پالی دل لگی کے واسطے

سال پٹھانے کے غم پھیری کر نکلتے ہیں ریاض

میکہ سے کچھ رفت میں ابن شاہ جی کے واسطے

اس کے بعد ہی امیر مینائی کی ایک شعر غزل کا مصرع سیتا پوری میں طرح دیا گیا کہ

”تو از دین سنوں گھر کی“

شاعر بہت ہی ناسی اہتمام سے قاجاروں کو شروع ہو کر ناز و فخر کے وقت میری غزل پر غم بہا میرے دو بعد مولوی عبدالحق صاحب نے

سیتا پور شاگرد و شاہنشاہ حکیم کو میں مہر و دم کی غزل بھیجی تھی تھے خرمی باس میں دواوی صوم حضرت کے ہاتھ چاکوئیں کے جنگ تھے۔ یہ سننا

آپ کو متروک کے متعلق کچھ اس انداز سے چھوڑا کہ اعلیٰ ملکی ہے حکاک کچھ نگاہ میری ہو

شہر دارا کی نکلنے سے      میں دواوی ہے ادا میری

اسی طرح ایک شاعر امیر مینائی کا مطلع پٹھانے پر میں میں عورت سے گزرا تھا تو گھر کہتے تھے۔

بھرتا خاص گل میں عجب وضع سے ریاض اک پشت غار تھ میں اور سرٹھا ہوا  
اس سطح میں ایک دوسرے قطع کا جس نے کہے معنی نہ ہو گا۔ جس سے مجھ کو خیف ہوا پڑا شش پہاڑ میں صاحب مرموم اور بڑا دھ بیچ  
کھنڈے شیخ میں کھانے کا ایک نالہ شائع کیا جس کے گرد پیش پر شیخ میں کی تصویر نہایت مضحکہ خیز دی گئی تھی اور اس پر جلی قسم سے ذیل کا قطع درج کیا گیا  
تھ جو کہ کیا سمجھتا رہا میں کی تصویر ہے۔

دیو کر ہنٹے ہو کی تم صورت پاک ریاض یہ بڑے پہنچے ہوئے اندولے لوگ ہیں  
اس زمانہ کا ایک اہم قطع جس میں سے بیس بار پریشان کا باعث ہوا شش تھا تا کہ سرشار انجمنی نے فائدہ ادا میں میری یہ  
خول شائع کی۔

دل کس طرح میں جا جائے      نیز کی آئی مجھ کو آ جائے  
جان کو کچھ گزر گئی اس پر      منہ بھینٹے جو کتا جائے  
ہے ریاض اک جان ست ظلم      نہ پیٹے اور جھرتا جائے

قطع خصوصیت کے ساتھ ہندوستان میں مشہور ہے جو زیادہ تر بدگانی کا سبب ہوا۔  
سرشار مجھ سے بنے تھکتے تھے۔ ہم شرب بھی سمجھتے تھے۔ ریاض الاخبار کے نام نگار بھی تھے ایک روز آپ نے مجھ کو پیام دعوت  
دیا۔ سرشار نے ہی کے قریب مقیم تھے میں دیکھ گیا۔ دو پہر سے زیادہ وقت گزر گیا آخر سرشار نے گاڑی ملگائی اور مجھ کو کمرے کھینے کے ایک  
خاص کمرہ میں داخل ہوئے۔ سرشار بار بار یہ عرض پڑھتے تھے

نہ پیٹے اور جھرتا جائے

بات کہتے میز پر وہ سامان آگیا میں نظم میں جس کا نوکر تھا۔ میرے جوش شیش کی پری بن کر اُسے گھر شام کے خوش کرنے کو اس سے پیشتر  
کہو تو اسے پیام میں اور جام سے لب تک آئے۔ میری بائیں کھل ہوئی تھیں دفعتاً میں سرشار سے دو منٹ کر کس طرح اٹھا کر ابھی رنج و غصہ  
کے بعد وہاں آجوں گرا پس یا تو کب اندکان میں سال بعد وہی میں حضور عمامہ پیش کار باد کے کا شاد پورا ہیں میں سرشار کا کلام نہ تھا البتہ ہمارا پیش کا بباد  
کی طرف سے بری خدمت معناری انھیں کے پہنچتی۔

دلی میں بھی اسی قطع کی وجہ سے اس سے فائدہ ادا نہیں آیا۔

میں ایک شب جریدہ اندکھڑا اس کے اڑتے سے اُن کی قیام گاہ پر گیا۔ شش دالے دربار دہلی کے بھڑکے ہوئے مدت  
میری کے جھٹے۔

سمت سے احباب اور تہ تیہ ریاض میں ہوئے۔ منو صاحب بھی آئے اندکھڑا کے مشہور شاعر گرائی بھی گرائی کے جوا ایک موٹر  
روانی شاعر، اعلان مجھ کو اپنی خود گاہ پر لے گئے۔ دو چار ہم شرب و ہم خلق میں فریک صحبت ہوئے۔ یہاں بھی تھکتے کے ساتھ میز پر وہی  
میں کھین ماہ صلی گیا۔ میں نے بھی بظاہر دست و پائی چھوڑ کر کچھ جھپکا رکھا۔ استفادہ کیا تو فائدہ نہ تھا۔ جمیعت نامی نہیں جگر کے خوب  
برخ سے کا کٹنے ایک سال کے لیے قحطی یافتگی ہے۔ اس کا خیال ہے استعمال سے طاقت واقع ہوئی۔ انکار سے پار سالی کا یقین نہ تھا



ایمانی شاعر پاشا دماز سے جو باقی ابن کا نقل بھی داراج شیخ کا ہوا ہے قلم البشیرہ ان میں پہلے بے مضامین میری سے دوش  
پڑنے ہوئے ہیں۔ قیام گھر گھر پڑی پڑی ایسی شہ جیسے جنت میں نہ کر کوئی سے طور سے دلکش رہے۔  
کوہ کے پاس نہ دو کاسب کو ٹرچو کو آہیں کو صیت میری چاہی گی

جس لڑائی میں رہا میں اب خیر ہندو اور گھوڑا دیا میں ہمارا خیر آباد سے شائع ہوا تھا جس کے صلیب کا تاریخی نام نور شہن  
در بار قیصری

یہ یاد دہانی اس وقت دوبارہ قیصری میں شرکت کے لیے وہی پہلے کو شہت سے جناب تھا۔ اس سے پہلے دوبارہ قیصری میں قیام انجمن فرس ہر صوبے  
سے ہوتے تھے۔ ان کا کیس خاص تھا نیچے بالکل ترقی و تکلف نصیب تھے وہاں بڑوں کے لیے ایک غیر معمولی فریاد اسباب اہام کے ساتھ  
مصر میں تھا۔ لکھنؤ اور شہت کے لیے خاص سرکاری انجمن تھا کہ تکلف تھے ہر وقت تیار رہتی تھیں بنیاد میں بیٹے پرتا ہوا ہر طرف تھیں  
جس سے نظام احمد مرحوم ملک ریاضیہ اخبار دہلی کی کپ کے سرکاروں اور انصاف مرحوم امام فی منظرہ کے وقت غازی میں میں بنیاد پر شہت  
کا اتفاق دہلی ہوا کیس میں پڑی انجمن ہری شرکت میں تھا۔ مولانا مرحوم کے بڑے صاحبزادے غنی ہمارے سید ناصر علی صاحب غالب مرحوم تھے  
بہار کے آپ کے چرنے ان سید نصرت علی صاحب ملک نصرت اور اخبار دہلی کا زیادہ ساتھ رہتا۔ وہی تو وہاں کے ملک و شہت ہندوستان کی کہیں  
میں گشت ہوا دہلی کے ہمارے ملک پیچھے ہونے تھے ہر طرف ملتا تھے ہونے میں نہ رہے ہوئے ہندوستان کی وضع و تھیں کی آراستہ ہوئے  
ہو خوب کی ملک بیان کر سکتا ہوں۔ اسی گفت میں حمید اور سے میں شرف بنیاد حاصل ہوا میری بدلیاں۔ نواب مراد علی خاں صاحب بہادر  
خیر پور سندھ کے حضور میرا اتنا خاص ہوئی تھی۔ ہندو نواب صاحب اہتمام و بہادر سی لڑائی کا استیصال کرنے تھے مجھے داراج کیس کے کیس  
میں بھی جانے کا اتفاق ہوا تھا۔ اس ہمارا کہ جس سے پیشہ دہلی اور شہت کے قسطنطنیہ مقام صاحب قلعہ و برانجی کے دربار ملک  
کے تھے مجھے بھی اپنے ہجرہ کے گئے تھے۔ مگر اس وقت داراج ہرگز واپسی سدا حمد ہے تھے سرسری شرف تھیں حاصل ہوسکا۔ دوبار  
دہلی کی تقریب میں سید صاحب مرحوم میں تشریف ہوئے تھے مجھے بھی داراج کے کیس میں ہوا ہے مجھے۔

دوبارہ کیس کے قریب پہنچ کر پہلے دیکھ کر دوبارہ کیس سے شمس املا مراد عبدالغنی صاحب داراج فرادای کسی قدر مختص آہے  
ہی کشمیر کے ایک اعلیٰ افسر میں حاجت لایں ساتھ ہیں۔ وہ اسی شخص کے ساتھ شمس پر ہوا تھے۔ ہم لوگ بڑی کاک کے ہجرہ مجھے میں آنے ہر  
حرف ناموشی تھی سید صاحب نے دریافت کیا کہ کیا دفتر ہے جب اس وقت واقعہ یہ پیش آیا ہے کہ شمس املا تشریف نہ آنے کے واسطے  
یہ وقت متوی کیا گیا تھا شمس املا تشریف نہ آئے داراج ہوا تعلیم گزشتہ مندرجہ مذکور میزبان پرسی زبان ساتھ ہی مل گیا کہ وہ بعد کے آئین  
کا تکمیل مدد بھی تشریف نہ آئے داراج نے انھیں بھی شمس املا کے متبادل کو شہت مندرجہ مذکور ہی مل گیا ہے شمس املا کی ناک خرابی نے سے  
پہنچا دیا۔ ہر داراج نے زیادہ جگہ مت سے آندہ تھی کہ یہی ہندوستان کا کسی مندرجہ متفرق دیکھیں یہ سنتے ہی شمس املا نے ہرگز متسل  
کے ساتھ داراج آپ نے صرف اندیشہ کی ہیں دیکھیں میں کی ملکہ کی تھیں نہیں ہے ساتھ ہی اٹھ کھڑے ہوئے داراج کو حرف آگیا میں پاس  
ملکہ ساتھ کارواں فرقا ہم لوگ بھی بغیر وقت واپس آگئے۔

شخص الصلحاء جو کسی بات پر مدارالہمام راہپور سے برہم ہو کر وہی اس عرض سے آنے تھے کہ واپس نہ جائیں اور کسی رہیاست میں حاضرت کر لیں۔ اس قدر افزائی پر وہ بارہا قیصری کے بعد راہپور چلے گئے اور پھر کبھی غلہ آشتیاں سے عبادت ہوئے۔

کچھ دیر کے بعد میں نے اجازت پا ہی بزرگ معصوم نے فرمایا شریعت دو بجے رات زیادہ ہو گئی ہے اب واپسی کی ضرورت نہیں میں کہنے لگی تھی نہ پایا تھا کہ تمام احمدی صاحب مرحوم نے منظور کر لیا غروب گاہ میں سلمان استراحت ہو گیا اب حضرات امام فرمانے لگے ہیں گرسنگی کی شفت میں کرومیں جلد ہاتھ دیندہ کا لاکر۔

مدلل سے صاف ہو کر وہ چیزیں مکتی جہاں سے اٹھائی گئی تھیں پانی کی عکاس میں کسی کی آنکھ کھل جانے کا اندیشہ تھا۔ مدلل کی کارفرمائی منہ  
کے بند رہی جو اس آسانی سے چٹک نہ پہنچ سکے جسے حرج وہ چیز رنگ پہنچا پ ماہر اپنی جگہ پر تھا مگر اس کی نکت زبان پر سب حضرات  
پابینہ زار تھے غارِ جہاں کی ماحر ہی جانے ہو سکتا دینو کے سامنے انہی میں سے دو چار گھوٹ پیچے اور بلیک اٹھا کر نئے زیادہ پیالی میں ڈال دیے  
کہ جنگل مورچہ کی زیرِ طرف توہم پر مبنی پال پر بھاگ کا اب بلیک اس میں ڈلے جاوین۔ نظام احمد مرحوم کو کبھی انہی جیوسٹن عزیز تھی۔ استفہار



یہ کہتی تھی کہ کہ جس خاندان سے تھی جو بہت مرتفع تھا۔

شاہد خان وہاں سے تھے جہاں سے ان کا تعلق تھا، ان کے لئے کہہ سکتے تھے کہ وہاں سے تھے جو بہت مرتفع تھا۔  
وہاں سے تھے جو بہت مرتفع تھا۔

بہت بڑا خاندان تھا جس سے لگا ہوا ہے جان بڑا ہے سہا کے ہاتھ میں

خاندان میں بہت بڑا تھا کہ وہاں سے تھے جو بہت مرتفع تھا۔  
اسے اس میں کہہ سکتے تھے کہ وہاں سے تھے جو بہت مرتفع تھا۔

میں نے فرما دیا تھا کہ وہاں سے تھے جو بہت مرتفع تھا۔

خاندان میں بہت بڑا تھا کہ وہاں سے تھے جو بہت مرتفع تھا۔  
اسے اس میں کہہ سکتے تھے کہ وہاں سے تھے جو بہت مرتفع تھا۔

خاندان میں بہت بڑا تھا کہ وہاں سے تھے جو بہت مرتفع تھا۔  
اسے اس میں کہہ سکتے تھے کہ وہاں سے تھے جو بہت مرتفع تھا۔

خاندان میں بہت بڑا تھا کہ وہاں سے تھے جو بہت مرتفع تھا۔  
اسے اس میں کہہ سکتے تھے کہ وہاں سے تھے جو بہت مرتفع تھا۔

خاندان میں بہت بڑا تھا کہ وہاں سے تھے جو بہت مرتفع تھا۔  
اسے اس میں کہہ سکتے تھے کہ وہاں سے تھے جو بہت مرتفع تھا۔

خاندان میں بہت بڑا تھا کہ وہاں سے تھے جو بہت مرتفع تھا۔  
اسے اس میں کہہ سکتے تھے کہ وہاں سے تھے جو بہت مرتفع تھا۔

خاندان میں بہت بڑا تھا کہ وہاں سے تھے جو بہت مرتفع تھا۔  
اسے اس میں کہہ سکتے تھے کہ وہاں سے تھے جو بہت مرتفع تھا۔

خاندان میں بہت بڑا تھا کہ وہاں سے تھے جو بہت مرتفع تھا۔  
اسے اس میں کہہ سکتے تھے کہ وہاں سے تھے جو بہت مرتفع تھا۔

خاندان میں بہت بڑا تھا کہ وہاں سے تھے جو بہت مرتفع تھا۔  
اسے اس میں کہہ سکتے تھے کہ وہاں سے تھے جو بہت مرتفع تھا۔

خاندان میں بہت بڑا تھا کہ وہاں سے تھے جو بہت مرتفع تھا۔  
اسے اس میں کہہ سکتے تھے کہ وہاں سے تھے جو بہت مرتفع تھا۔

شکوہ شاربایہ فرائیہ فیضیہ سے شائع

دعوتِ نوب حق مر کا تھو کاٹھ : نقد

**ایک اور سفر** | قریب دہائی قبلات کے سلسلے میں مش صاحب نے وہ پہلی مشورہات کے سرالکھ کا سفر کرنا چاہا مگر کچھ عرصے کی تاخیر کی۔ کھنوی مش صاحب کا کوئی نہ پانی کھنوی پر سب کو خبردار عاجزانہ مشی خدشہ اور راتھ اور عسکری صاحب دسیم وجوہاً حکیم عادل صاحب کو تفریق ہوا سے ادھ میں کھنوی سے ساتھ جہاں موٹا نثر اور شاعر مجزی کی ہر کے لیے۔ ادھ میں مشی خدشہ صاحب مرحوم وہی کھنوی جہاں کی ادھ منت کے متعلق اپنے فرائض ادا کیے۔

عجب سنے میں میرا قلم کا صاحب مرحوم انوری مجسٹریٹ اور بارس میں منشی الطاف حسین مرحوم ڈپٹی مگسٹریٹ داد میر بائی دی شیر صاحب  
وجود ہونے کی وجہ سے مجھ شرم کا، آخری گرد و پاؤں بنوں سے باقی پر پڑے لاکھت لیا۔ وہاں من مدی میں مرحوم شاداب رئیس چٹسے نے پہل  
میں میں صافوں کے قیام کا انتظام کیا۔ ایک پور پڑنے کی صحبتیں یادگار ہیں ایک شب کی صحبت میں عاید زیادہ تعداد میں موجود تھے ہیں نے سوچ سمجھ کر فقر  
غلام میں میرا طاعت کے ضلع چک تو بر کی خدمت کو غایت مفر تاتے جسے غلامی سے چا کر دہا جانے خیالات کا اظہار میں سہنے تابدی  
اب دیا اور ملکا کر پچاس ہندو کی پیشکش صرف اسی مقام سے ہو سکتی ہے ایک تاریخ کا تبیں جو جانا چاہئے کہ جو حضرات موجود نہیں ہیں وہ بھی شریک  
ہیں۔ اچھا تاریخ کا تبیں ہیں جو ا تھا کہ شاداب صاحب نے زیادہ غایت سے دیکھا ہے کہ گفت کے لیے منشی صاحب کی خدمات کو کھسکن تک  
نہت ہے۔ در منشی صاحب بذات نامی مصداق ہے در زیب کر اگر کہتے ہیں نیز میں کے شاگرد ہیں اور اصل ملک تحریک بغیر مشورہ سے جس میں منشی  
صاحب انسان کے میزان کی پر شمش کا خیال نہیں کیا گیا کچھ دیر کے بعد صحبت بر نہت ہو گئی مگر شاداب پنا تر ہا اور یہ اثر باقی کیے خفت افزا  
فا میں داد استاد کے در و پاؤں شرم میں پڑت تھا اس لیے منشی صاحب کے اوقات استراحت میں دو سرا مکان اسی واسطے سے مخصوص تھا جس میں  
مرد و بیٹے جات کے اصحاب رہا من کا کام نئے۔ جنہ شاداب پر میری تحریک کا اور مجھ پر شاداب کی تقریر کا اثر تھا کئی روز کی کشش کے بعد  
شر صاحب کے توسط سے پر راکھت در در برئی اور دونوں میں یہ تفصیل زیادہ لطف پیدا ہو گیا۔

دخت زادہ گئے جہنے اس ماہ صیام کے قریب آجئے سے کل کا عروم سفر فتح کر دینا پڑا۔ میری یہ کشش ناکام رہی کہ امیر مہاشات  
 نے تسلی شاداب مرحوم کے فیوض معلوم ہر سکین میں نے گور کر رکھ دی کہ واپسی کا قصد کیا اور نیت شش صاحب کو سجدہ دی۔ اجازت طلب کر کے شاداب  
 کے قہار کے لیے امر کو گھر شش صاحب کے گھرانے سے دو سرے روز کی مدد کی مسئلہ کلی۔ وقت رحمت مغرب میں بیر شر مغرب رہنے شاداب  
 عارف سے ایک کشش میرے لیے شش صاحب کے وہ بد چل کی جی میں نہیں کہ پھر بہت حد وہ سودا ہے فقہ سے حسدنت کی بات نے طول کھینچا  
 ماہ صیام مرحوم خود قشرینہ نے اور شش صاحب سے عرض کیا کہ درائن کے ہنگام سے یہ جگر ٹھاکر آپ باہر صحن میں کچھ دلی حد سے محفوظ رکھ  
 سکے میں نے حیلہ تو مل گیا اور وہ انہر کی فشی شش صاحب بھی ایک ہفتہ کے بعد ورنہ جہنے صحن میں مضمون کی ایک یادگار۔ اور خست کے طبع و ترتیب میری ملاقات  
 کے لیے ہر سال اس تہیکے ساتھ پانچ چودہ و پندہ ہر اکس گئے کہ باقی ہونے خود وہ پندہ کے لیے آیا کر گئے۔

سفر فرجیہ کی سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس کے خالق نے اس کو سب سے بڑا اور سب سے زیادہ گوارہ کرنے والا بنا دیا ہے۔

ڈنگی ہونے کی شش پاس خیال سے کشادہ لب مرحوم لال کوٹھی میں ہیں، پہنے ملا درسل پیر میں شاد لب صاحب کو دریافت کیا۔ شاد لب کا نام سننے  
 ہی صاحب کو رنگ متغیر ہو گیا ایک آہ کھینچ کر پشیم پاپ کہا کہ کال سینے سے انتقال ہو گیا۔ ————— درسم تعزیت کو طحی پر بانامیری قوت  
 سے باہر قضاے

بن بن کے کھیل لاکھوں ہو گئے ہیں

جہاں کا ایک مصرع!

سفر نامی ہونے کے سلسلے میں شش صاحب شش، خیال مل صاحب کے مہمان تھے جہاں کی ایک تازہ غزل شش صاحب کے ملاحظہ سے گندی توبہ  
 مصرع چھوڑ کر۔

حفہ میرے ہونے کا اتنا ہی نہیں ہے۔

شش صاحب نے مجھے غزل لکھنے کی فرمائش کی جس نے غزل کہ کر پیش کی جس کے بعض اشعار درج ذیل ہیں۔

وہ سچا کبھی کوئی گناہی نہیں ہے      اندیشہ فدا تو گزرتا ہی نہیں ہے  
 اس دل سے تو سینے کا سہرا داغ ہی چھا      کم نعت ابھارے سے اجڑتی نہیں ہے  
 دہن کی ٹلن دور سے جیتی ہے جا نہیں      لی ڈار کے ہر دکا اتنا ہی نہیں ہے  
 دیوارِ حاضی ادھل سے کیا بات کریگا      مشق توں سے توبہ نہ کرتا ہی نہیں ہے

جہاں نے یہ واقعہ شام سے سنا میری منزل میں رکھی فرمایا۔ امیر شاگردوں کو اُجاڑ کر میرا رنگ مٹا چاہتے ہیں۔ جہاں کا یہ محض خیال تھا امیر کا  
 بناؤ جہاں سے نہایت محبت کا تھا جہاں خود میری تقدیر کرتے تھے میرے مدد شعور مرحوم کی زبان پر تھے جنہیں یہ کہہ کر سندے تھے کہ ریاض کا  
 جہنم ہے جہاں ہے۔

گفتہ جہاں حسینوں کے اس کے قابل      جو ملک ہوں تو ہمارے مزار کے قابل

مب خود مدد ہم وہ نہیں کرتے      دن قریب آگئے قیامت کے  
 آفرین زمین گھبوں کی حل پر جہاں نے حول کی جس نے جی، جہاں نے خود تشریف لاکر داد دی۔  
 خیالِ شبِ غم سے گھبرا رہے ہیں      جہیں دی کو تار سے نکل رہے ہیں  
 جوں میں یہ ان کو ڈھانے رہا ہیں      چہیں پھل کے جو جزا ہے ہیں  
 کر سہ جی کہنے خدا ایک سے ہیں      عصائی کے کیا راض آ رہے ہیں

جہنم میں سید محمد علی صاحب سیم میرا آدمی رہا میری میرا شکستہ غما ہے رہے تھے اکثر خطاب داغ،  
 کائنات میں حاکمیت شفقِ حق کی صفت شفقِ شریح محمد تہ ہے۔ ایک مرتبہ جہاں داغ نے میرا منہ ذیل شعر بنا کر  
 داغ و ریاض!      ہاں وضع مد یہ رشتہ نامِ درویش      مسٹر جہاں گئے یہ مزارِ فلسفی کا تھا

پیش کشی میں شامل رہے اور ان کی خدمت کے سوا کوئی اختیار بھی نہ رہا۔

دعوت کے لئے ہم سے ہم سے کہنے کیا بلکہ ذکر شلوغ طور تھا

اس شوق نے اپنی پہلی کتاب ہے۔ میرے لئے یہ امر حیران کن ہے کہ اس کو اس وقت تک نہ ملے پہلی میرا شریعت و فقہ و ادب کا یہ تذکرہ ہے۔ ساتھ ہی یہ خصوصیت مدعی قیام کو بھی یہ کہہ دیا کہ یہ کتاب خانہ ویرانی کی وجہ سے بہت مخموم تھی۔ مدعو کو اس لئے تذکرہ تھے کہ شکر لے۔ انجمن کی طرح ہندوؤں کی اس سال منقطع میں خادروں کی برائی نہایت مدافعت تھا۔ ہاتھ دقت مدعی نے کاہنوں کی اس بدعت میں متکون کیا۔ میں گیا تو میری صحبت تھی۔ یہی تیس گنا زلفوں کا بھی تھا۔ میں نے خانہ ویرانی بھی لکھی۔ ایک معزز صاحب کا نشست منہ پر کر لے۔ اپنی دیکھی تھی ہر شخص کو ان کا ادب و عزت کا خانہ ویرانی اعلیٰ صحت و صحت نظام سے قریب ماسٹر رکھتے تھے۔ جناب دلائل کے بارے میں بعض حضرات نے اپنا کام لایا۔ پھر جناب دلائل نے اپنے شخص سے سببوں کی طرف اشارہ کیا۔ اس طرح کہ اگر ایسا فرمایاں گے صحت کی کہ صاحب دانی ہے۔ اگر آپ بھی خدمت تو دلائل کے مضر سے کہ اگر میری طرح یا اس کا آپ کو بھی نہیں سمجھتے۔ میں نے قریب حق جو کہ تمام قریب شادی کی غرض سے تھی۔

چوہ مرگے تر زمین بھی نہیں اب شکارہ مرا کیس میں نہیں

اؤ کے ہستے انگ کے چنے آسں بھی نہیں زمین بھی نہیں

کو تو روئے تھے اپنے دھماکے لئے جنہی آج آتیں بھی نہیں

چپ اپنی رو سے کے آندہ دھماکے نہ سے ہیں انہیں بھی نہیں

کتنے نازک ہیں چڑھیں ان کی اپنی زمین آتیں بھی نہیں

نپ جیتے تھے ہنر تو دل میں اپنے اب دل میں بھی نہیں

حضرت آباد دل نہ صحت دل وہ مکان بھی نہیں کیں بھی نہیں

ایسے میں لئے بولیں ڈر کیا کوئی آغوش میں میں بھی نہیں

دعوت نامہ اور جب انتہائی تانتے سے کہہ گئے تو ہمیں لایا کہ دو سو سے میرے ہندو کی زمین میں خانے انجمن کے مضر و غول شادی اور تاکہ صحت ایک شریعت میں چلے۔ مگر وہ بھی رکھنے کے قابل نہیں پھر غول پاک کردی دلائل کی طرف سے دلائل کے لئے یہ وعدہ افواہیاں لایا کہ میں کسی شکل کے ساتھ بھی ہوں۔

صاحب منزل میں صحبت گرم تھی کہ خود اشیاء نے بھی صاحب کو یاد فرمایا پھر پھر کہ شریعت پر دایا حاصل ہونے پر دیر میں دوبارہ راجہ گور | انجمن شایعہ فرائض نے خود خواہی کی کہ وہ راجہ خود اشیاء میں دایم دلائل نے متعدد اشیاء شایعہ کے ساتھ ساتھ شریعت کے یہ لایا کہ خود اشیاء نے اپنی زبان مہر کے سے بھی چند اشیاء نے ساتھ انجمن میں میری مثال کی ایک فوری قصیدہ نے کے لئے لایا ہر وہ قصیدہ اس دور میں کا تھا جس پر صاحب ملک حجاز کی سر قریب اور وہ میری مثال کی زبان میں دایم دہ تھے۔ ہر وہ و تریم شدہ زبان میں میری مثال کے ساتھ و میری صحت کے ساتھ کہانہ و استعمال ہوا تھا۔ انجمن میں میری نشست میرے پہلے تھی آخر میں نے ہر شریعت شریعت اس اعلیٰ کے لئے کہ سنہ نش میں مجھ کو جہنم کے لئے کہ وقت نہ کہ میں میری صحت کے ساتھ اور نہ وقت نہ نشست کا وہی نہ تھا کہ نشست نے نسبت یہ دایم دایم یہ ملک کام آتا رہا ہم دیر میں ہم کم وقت میں صاحب ملک شریعت شریعت حاصل کرنا چاہی۔

میں نے غور مشین کی طرف اپنی ایک تھیں پیش کی اور اس میں میں اپنی غزل بھی لکھا آشیاں نے بعض اشعار کی زیادہ تصریح کی  
 درندہ بزدلی شہر آباد پرچا۔

ہم شب میل ٹھنڈے میں کیا فرے وہ بھی لکھ مجھے ہی انہی سحر ہر  
 شکر دیر ہونے کی وجہ سے وصل افرازی کے لیے یہ بھی لکھا کہ مشتق سخی بڑھ جانے پر تھا ماکام مجھ سے بہتر ہو گا۔ یہ الفاظ سامعین کے لیے  
 بب انزاتے قیام حازت کے لیے بھی ایسا ہو اگر میں اپنے اخباری قلم کی وجہ سے مجھ تھا۔ بے غیر کے پہلے میں نے ماضی کے لیے تاکید فرائی۔ وقت  
 صحت طبعی و عباد سے بچھا جانے دست مبارک سے مرگن دوش ڈالا۔

میں قیام گاہ پر دہائیں خوشی صاحب کے استنادات کا محاب سے رہا تھا کہ وہی کشتیاں لیے جہنے جہدار جہدار کے ہمراہ آئے اور خوشی  
 اص سے عرض کیا کہ یہ کشتیاں باقی کس لیے ہیں کشتی پوشی میں نہ کہے گئے تو ایک کشتی میں نہ نقد اور نہ معبود وہ وہی ناظم  
 اظہار ہو گی کہ کی اشاعت میرا ہے کسی گریہ اقام اکثر کھنڈ میں رہنا زمانہ نہلگ روم اور روس میں میں نے روزانہ "تدہرتی"  
 دی کیا۔

میں جس زمانہ میں غور آشیاں کا طلبیدہ رامپور گیا تھا جباب داغ کا پہلا دیواری مقرر اور داغ "نیز گرائی امینائی  
 برابر رامپور کے شعرا میں جج ہر وہ تھا جلال دسیم جب تک لکھنؤ میں تھے سیرانی اور عبدالغنی رامپور میں تشریف رکھتے تھے لکھنؤ میں  
 ہم اور اشرف ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ رہتے۔ کثرت میں دونوں ہم پیشہ دونوں نوکشاں انجانی کی نظریں واقعہ دونوں کو نسیم دیو سے  
 زود دفع بھی غلطی بھی سراپا ہو گئی کبھی شمس لکھنؤ میں ان کے ہمراہ نظر آتے۔ مشنری طوائف مشور شاہ ان کی شاگردی میں کی شاگردی  
 ہنس کی شہرت کو ہر چاند لکھنے تھے زہر ہشیرہ مشنری میں انہیں کی شاگردی یہ لوگ واقعی مرے کے تھے۔

میں جج ہر وہ خط مند بزدلی شہر میں نے شمس کے نام سے لکھا۔

جینے نہ بھی انہیں تری دیا جائے ان کو کریں سے جبابک ہی ہے تھا بھ

زلب آفتاب اور باد فلق ہر سے جانے پر ہر میں موجود تھے قیام لکھنؤ کے زمانہ میں بابا ہر سے ملا تھا وہ زمانہ حسرت کا تھا کہ  
 لہان ہائیری وضع اور خود داری ان کا سفر تھی۔ میر جانی کی وسالت سے غور مشین نے آپ کو راجہ طلب فرمایا تھا اور میں کہنے پر کچھ عرصہ  
 ہر میں نے سنا کہ سرکاری شاعر میں وقت منہ پونہ پہنچنے سے بعض عزیز شہر اور صاحب ہر کے اپنے شرکت مشاہدہ واپس آکا ہوا میں مدد اند  
 ہر میں یاد فرمائی۔ دو چار ہفتے ہر منہ منت فیروز منہ کشتیاں پیش ہونے پر سکار نے عفر سے کام لیا۔ سب لوگ ہر میں ہونے لگے  
 و حق نے زہر ضد اشت بھیجی۔ کسی کی وسالت سے نذر خواہی کی سرکاسنے چھا کر معلوم ہوا کہ قیام گاہ پر واپس جاتے ہی مدد لکھنؤ ہو گئے۔

یا ضی ایسا گیا گذر انہیں ہے شان جانے دے

گردانی کے پیے دے کے کام ہم نکلتا ہے

حسب بیاتے سرکار امید و دماغے محبت نامے جیسے جہاں آنے کو قلم دانے۔ یہاں نے سرکار ہر تھوڑا لکھنؤ جانے کی ہر کئی  
 ہنس کے بعد غور مشین کی دستخطی تحریر بھیجی ہر میں آنے کو لکھنے نہتے۔



**میر جگر آبادی** ۱۱  
 خاک و نہار کا حشر تھا وہ جس پر کسب تھے غول میں بہت شوکتے غول کی ہمارے ہر کسب نہیں کلاں  
 بکھاؤ کی مہلکوں کے در شوب بھی یہیں ایک نہوں کا بھی نہاں پر بس کے ٹوکے تھوڑے تھے مگر میں نے ان کی لڑائی کا ذکر کسی سے نہیں  
 سنا تھا میر لسان کے اتریں کا جواب انھیں نے دیا ہے بخیر

دخا سہا ہے جہ میں داغ میں خاک سہا  
 اس میں شکن تھہر ہائی رویت۔ در سہا میں لڑائی تاج ہے نہ ہے رویت  
 تھے بدی خاک کے ہی ان کے ہاتھ میں اس فصل جس کی بھی دشمنی ہے  
 اشک کے شاگر تھیں کا تھے آئے ناز تھا۔ رہا بتو لعل کے ساتھ اس ملک کے شہزادوں دیا لہجہ  
 ہاتھوں سے تاپتے ہیں داہ جنوں استیضہ میں کس پڑتے ہیں

**روزانہ تاریکی**  
 جگہ دم دوس کے زمر میں اور دھا خوار کھوکے سا کوئی امداد خوار روزانہ تھا میں نے ایک پرچم خیر آباد سے دنیا  
 نہ ہائی نکا تھا جس کی تمام ترتیب کا انتظام پانچ روزہ گریزی اخبارات سے روزانہ خاص رسائی حاصل  
 دو گیارہ سالہ سالہ گریزی انداز میں کتب سے کر دیا تھا اور پتا ہے یہی شامت و فروغ کا انتظام ایک گریزی ایکڑ دیس نے پانچ روزہ  
 گریزی پتا ہے یہی جتن سیرا گرامت تھا انہی دشمنی گورکھ راجا بننا پڑ گئی تھی۔ یہ پر لکائی تخلیق کے دوست پر چھپتا تھا قیمت وک  
 پیر گریزی پیر لہو کے سا اور شامت ہا بکٹ کھڑا ہواں لہو فٹ کتے تھے زیادہ تر کام کئے مائے احب تھے بعض کے پاس دیان لا خد  
 بھی ہر قیمت ہا تھا ہر گورکھ میں مختلف مقامات پر کارہی ہاندوں کی سرفروغ فوٹ کے انتظام میں اذیت دیان لا خد پر پریس خیر آباد  
 ہی کرے۔

دیان لا خد راجا کو بھی وہی تھوڑی ہندوستانی گریزی اخبارات کے چیدہ وہ دلچسپ تمام جگہ کے منتظر جیسے تھے شاید ان کو  
 کسی دوسرے ہندوستان کو نہ ملے ہوں۔

لہذا خاصا دلچسپی ہر سرفروغ پر ستم پر ناک آخری جگہ دوسرا سائے، بگڑے دوسرے سے نام دوس کی لکھن میں جس تفصیل اور  
 سے دیان لا خد میں بھی ہے دیکھنے کے قابل ہے مگر اس وقت کے پہچان ہیں۔

**قیام گورکھ پور**  
 ستم میں دیان لا خد کے ہر گئے مشر بل و طرک پر شہرٹ پائیں گے کہ پہلی تحریک دیان لا خد گورکھ  
 منتقل ہوا حکام و دسا، ضلع نے انھوں نے دیان لا خد یا گورکھ پور کا خاص چیدہ ہندو کشتی کی تحریکات کا  
 ہر گورکھ کام بہت لا۔ مشر بل چیت کشتی دلت جنتی جھڑٹ تھے وہ مشر فرس پر شہرٹ پائیں دلوں لم دوست  
 تھے وہ پر پرنیت سروی ہی مل نام ضلع اور شہر کا میرے ساتھ تھا۔ دیان لا خد گورکھ پور کی قیام گورکھ پور، گورکھ پور دیان لا خد  
 مشر فرس نے گورکھ پور کی ہر گئے۔ مگر اس زمانہ میں ہدی ہا جے دیکھ کر ہر بل کر اٹھا  
 آمد بہت بری ہے تھوڑے شباب کی دیان لا خد نہیں ستم گورکھ پور

گورکھ پور سے بھی پھر معذرت:۔ صلح کل بھی ٹیڈ گنپن کی طرف سے میں نے جاری کیا جس کے لیے سید صاحب دہلوی کو جلا گیا۔ ریاضی کا چند  
 کو دیکھ کر بے مشق:۔ گورکھ پور میں ہے صدر اسلام اعلیٰ حکیم برہم!!  
 شکر کی ضمانت کو اچھی پسند ہے، بھی دیکھ رہی تھی کہ ادا نہیں کر دینا، گورنمنٹ کو بدگمانی برقی زور دیا گیا کہ ہم تبدیل کیا جائے یہ ناگہانی تھا  
 فتنہ:۔ چند روز کے بعد اشاعت تک ٹیڈ مشن دوسرے دن سے واپس آئے، پرتھویک کی لادو دھڑلج کی ذمہ داری پختہ تھی پھر سید احمد  
 احمد برہم لایا، ان کے ساتھ جہادی را آخر رہائے، اتفاقی ایک مصلح میں مجھے کنا پڑا۔

فکر کہ چتا ہے کوئی اس ادا کے ساتھ چھوٹا سا دریاؤں کا اخبار کیا ہوا

**گورکھ پور کے بعض لطیفے** | جتنا تڑپ رہا ہے کہ بازو تفس میں ہے  
 گورکھ پور میں پہاڑی جٹا لیا وہ کہنے آتے ہیں۔ گورکھ کے اس لوگ کے "جینا" کو غازی پر سے واسطہ  
 تھا۔ اس زمانہ میں اسی جٹا کا حوالہ خوب ہوتا تھا۔

داعش کے بھی قتل بی سائش کے قتل ہم آج دیکھ چکے ہیں۔

غازی پور میں ایک چھ خوب خوب دوست شوق زدہ رہے تھے۔ ہر سکا ہے امراؤنگ کے لوگوں میں مگر پھر بھی کچھ نہ کچھ رنگ پیدا ہو رہا تھا ہے۔ داعش جو کچھ ہونے لگا تھا اس میں پھر بھی جو زیر تجویز کے ہم سے مشورہ ہے۔ جہاں کی گرفتاری کا اثر بھی پڑا تھا اس وقت کے گرفتار کنندہ دوسری دکان کے تحت کھنڈی۔

میں کا قصد قیمت اس نادر میں بہت قس نام کا بھی تھا جس میں مثال تھا  
 مینا نے : میں : ا : کب مول بیروں میں کج سے نے : میں کیا تو سرکل پولیس

یہ لوگ جب شائع ہوا اس وقت کہ ہمارا ادبی تہذیب اور تعلیمی ایک درجہ حاکم نے سمجھتے ہوئے اس کی جرأت کی قہر اپنی شریعت و دین کی باکی بچائی ہے۔ یہ وہ صدی ہے کہ ہمارے لوگوں میں بے جا اُتر دھرم سے بے تعلقت ہیں اور انہیں کب میں دینی وضع سے جانا اگر پرزوں کی جگہ ہفتے کا سب ہوتا تھا اسی دور سے یہ لوگ شائع ہوا باقیہ خدا تعالیٰ نے ملک تمام کی ہے حاسی بار خدا ڈھاکہ کے یہ وہ تیرا۔

مر۔ خدا سے۔ ہلے۔ میں اتنی بڑی دم

مشرقی طیش گردا وہ اس زمانہ میں جانٹ جبرٹ تھے آپ کی شادی شکرہ اللہ بہرہ عزیز دہلی کی صاحبزادی سے ہوئی  
 لیکن صاحب قضا قیامت کو تہہ قدحہ اللہ میں قیامت سے غلطی ہوئی میرے اس شوکے مصداق ۔  
 وہ تم سے نہیں کم ہی میں ہی ہے قیامت آپ میں چھوٹی ہی ہے  
 ہر فاکس نے شیر مارا

مشرفاکی شیر کے لہکار آتش چہرے گئے۔ دو کبیر فاکس، دو عری کے قطعے، منہ مٹن چہ کر دیا۔

نانک نراج بھڑیٹ مسترک ننگل میں، روکل شاخ جو انڈیا جی کوٹھی پر مشہد کے درہ بدفتہ چنی کیا گیا ننگ نراج اگریہ مفسے

منہج ہر گیدت پر صاحب کچری آئے قند میں آنی بس میں ساتھ قلم غرض و غضب میں سرسشتہ دار کو ذرا حکم باری کرنے کا ایسا ہوا سرسشتہ دار  
غدا بے عرض کیا کہ یہ خبر حضور کے متعلق نہیں ہے اس کی مزاحمت اسی مرنے کے نیچے دوسرے صفو پر دینا ہے۔  
قند چلی جی کی قلعہ ہر حق چھپ کر رہا جانا صاحب ملک ورق ترشے نہ جائیں جس کے صفحت دیکھے نہیں جاسکتے سرسشتہ دار  
نے دو سرا صفو پر کھڑکیا جو بنگل کے ایک حاکم سدر کی روت کے متعلق بہ مزاحمت دینا تھا جو ایک شکاریں واقع ہوئی تھی۔ صاحب کو سخت ہوئی  
تاہم مٹا دیا شرارت فرد کی گئی ہے۔

مجرسٹ جیب اتفاق سے تبدیل ہوئے تو میں نے بگ لکھ کمال اخلاق اور تعظیم سے بے حد قصصت ارشاد کیا وہاں آتی قند میں ہمارے  
متعلق وہ خبر شرارت سے ہمیں شائع کی گئی تھی۔

۱۱۔ اونی مہرئی

مگر کچر کی بڑی بڑی جہد ہوئی واقعہ ۱۸۸۷ء یہ دیکھا ہے اس زمانہ میں ہندوستان نے ہرنال کا شاید نام بھی نہیں سنا تھا اور مہر جی  
منہج ہونے کے سماں میں پڑی تھی۔ یہ سنسکرت میں جو شیاہ پر چلی کہ مصلح بڑھاپا کی شہر کے سب قبرستان بند ہو گیا ایک قبرستان بنا ایک  
مسجد کھدائی خاندان کی یہ بے پے ملاقات قابل برداشت ہو گئے تو گزر کے پاس شکایت سے جبری ہوئی مرنے کے سوا ایک مصلح کو  
جس میں سرور و نشاط سے مبالغہ گورنر ہند اور انجمن گورنر سے ہوتے ہوئے گورنر نے دے دیے جب گورنر نے توڑ کر پروردہ یہ جویم تھا جویم  
برطانیہ سے کشش کی کوئی دیکھ سے ہونے تھا باوجود فرجیہ کو ہم دیا گیا کہ کچری میں درخواست دیں ہم حقد کریں گے۔ یہ سب جویم منتشر ہو گیا مگر اس طرح  
کو قریب کے ہمارے ہاں پر تیسرے ہو گیا۔ کچر ہند کھد مسجد کے قریب مجر ہا یہ معلوم تھا کہ گورنر اس طرف سے جانیں گے۔ سب گورنر صاحب تشریف  
ہونے تو گھر میں ہونے کی ایک اس خیال سے کہ شکاریوں پر یہ دیکھا جائے گا۔ پھر منتشر ہو گئے گورنر صاحب دیکھا گیا کہ کوئی خط نہیں ہوا تو گورنر کی پھر گئی  
اور کئی بڑی بڑی کا انتظام ہوا۔ اس زمانہ میں میں کی منہج میں ہی صبح بازار صاحب منہج سے ہایا کرتی تھی۔ انکار پر پیلو نے سیر منڈنٹ کر اور اس نے ڈاکٹر  
ہوئی کہ اطلاع دی۔ مشہور ہوئی نے خیریں دار سے لگا کر روانہ کی جائے بازار بازار کچ صاحب میں ہنگام ہوا اگر گورنر میں خیریں کو پھر بھی کامیابی نہ ہوئی بہت  
سیکڑی مسرت و خوشی کے تمام بازاروں کا گشت کیا گیا یکسہ کان بھی دکھل۔ سرانہوئی نے دو گڑھ سالانہ بات انار سے ملنے کا کشتہ کو حکم دیا بازار سے  
ایک ہی پر ہوا گورنر ہند کی کئی کئی بات پیش کی گئی مگر مستف پر رواجیت معلوم ہو گئی بات واپس ہوئی اور دوسرے روز حکم آگئے

مسجد اپنی حالت پر راجست۔ جس ہوا محصل کو قوت ایک قبرستان کے

مراودہ سرے خاندانی قبرستانوں کے استعمال کی بھی اجازت

میں سب کھنڈے گورنر ہند متعلق ہاں کی تھی جسے اندیشہ تھا کہ پھر سے جو گیا۔ میں نے یہ الزام کیا کہ مسرت طرح ہر مرتبہ کسی استاد  
کے ایسے قند شاعر سے یہ جانے جو دینے ہو۔

اس محرم سے کئی خبر بھیجیں کہ بت کہ سب کچلے تھے اس سے میں است و مرحوم کو تحفیت دی گئی اور صاحب میرٹھانی نے یہ مسرت

۱۲۔

کئی ہمسے سے کی خبریں جڑی ہے



تھے جس نے بابت سائنس کی تھی۔

اب سوچنا ہے تو تم اپنی روٹی سے غلام ہو گئی ہے  
 مدد فرماؤ جو باہر کی ایک مسجد میں نظر رکھتے ہوئے کیا تھا۔  
 کو مسجد میں شہرنا تو کس کو از نام ہو گئی ہے  
 گھیس کے چھوٹے ہوئے دیکھ کے سلسلہ میں ایک تفسیر مصرعہ الا حضرت کے مصرعہ پر گدہ کسی درجہ کا ہر دو آگیا، استغفار پر غصے پر غصہ  
 کی نوبت ہے۔

جو کوئی تو میں سمجھ شہر ہجر یہ چلی کس پہلے کی ہے  
 مگر میں مصرعہ عرب کی تفسیر میں ہے  
 کنی میرے کی نیل میں جڑی ہے  
 بھٹتے آج وہ لے کے کسی بندہ پیر شاہ سے ہی نہ ہو سکے۔ عام شعرا کے لیے ایک ہی پیش پا افتادہ مضمون کے سوا کوئی صورت نہ تھی اور  
 اسی لیے آج وہ بڑا عجیب لگتا ہے۔

مگر سرس پہ شبنم کب پڑی ہے کنی میرے کی نیل میں جڑی ہے  
 بندہ شہر لے کر وہاں جہاں ہرگز نہ سکے عزت اور شان نے مصرعہ لکھا ہے دیکھ کر ہمیشہ کیسے قوت شہری گویا ماہر ہو گئی ہے  
 کبھی پھرٹ افش کی پڑی ہے کنی میرے کی نیل میں جڑی ہے  
 اسی زمانے کے دوسرے گلستے  
 میں اس کا نام نہانا پہلے گویا زحل تھا اتنے کا پرچہ جس کے قلم بگوش تھے اور باد صفا عجبی  
 ہم کہتے تھے پیشہ پیش۔ سب سے اچھا داس گھیس تھا جس کے چند پہلے تھے گریٹ کے لیے یاد گار۔ اس کے بندہ ہوتے ہی مردم آفتاب تھے  
 اس پہنے یا کر۔

گھیس ہر تو زلفاں گل و دود  
 گھیس نکال دیا، اذیت میں تنہا کے ساتھ صرف گل لکھا دیا حق کے سرسوار اساتذہ ہی ناہا کہیں تو مضائقہ نہیں۔  
 مرد، حسرت مردانہ نے مدد سے تنہا جہاں۔ اکثر یہی گل کہہ لائن فرزا اور ہر کے عزت میں اس کا ذکر لکھا ہے۔ اس سے پہلے ایک  
 مضمون شوق غریب مردم کے شوق ہے ساتھ ہی میں کہ، صلا، ہم پرچہ کا بھی ذکر ہے۔ ہر مل صلا ہوا کوئی اور پرچہ شرب و تبت لکھا۔ یہاں  
 ہی کہہ دے پہلے بت جسکی تفریح تفریح اور تفریح اسی قیامت کر ہے۔

قیامت کی فحش کیوں ہر گھڑی ہے وہ تم سے قدم کیس میں پڑی ہے  
 لکھا دیا کی خاص غریب تھی کیس میں تمام مکان سب شعر ختب دے جانے بتے تھے اس میں اس کی پابندی اس تھی سے کی جاتی  
 فحش جنم میں جیسے، ست دیکھ لکھ لکھتے ایک ہی شریعہ جہاں تھا ہے۔

یہ خیال کیا کریں اس شمع سے ہم قصد جانے کا  
نصیبوں میں نکلا ہے خاک گرد کہ چر ہو جانا

[illegible]

ہم ہونے پر مہاراجا پوجنا کی

قیام کھنکھوتے گناہیں بزدلی میں نوبت ماہِ غفلت بعدِ رشک فراغتِ ماحول کے طریقت سے عاجز و زودہ مصطفیٰ علیٰ غفلت بعدِ مروت و مروتِ مروت  
مغفور و عارف اس قصہ سے کھنکھوتے کہ مجھ کو راہِ پوسے چاہیں مگر میں کھنکھوتیں موجود نہ ختم تیسری مرتبہ بزدلی میں اکتاہٹ بے رنج و شوق میں غفلتِ مروت سے  
میں سے مستندِ کتاب و کتابخانہ میں مگر میں نہ ماسک۔ چند دفعہ بعدِ غافلِ مروت سے میں خود راہِ پوسے چاہے کہ مجھ کو راہِ پوسے چاہیں مگر میں سوار کی ہڈ  
حق و حقیقت کو استبدادِ غفلت کی کوئی برہمہ نہ ہو۔ یا است کا۔ یا بیانیہ کے لیے دوسرے شب کا وقت کا بزدلی میں نے نہ تہیٰ بزدلی میں تہیٰ  
ہی لاشاد ہمارے مرتبہ چاہے ہی آپ نہ آئے غفلت کے لیے ایسا ہمارا استقامت کے بعدِ مروت سیکریر میں صاحب کو دیکھ کر مشرور ہوا۔ چھریا کے پیر میں  
انصر طلب کیا گیا اور اس سے ورنہ غفلت ہی آخر مجھ کو مہلا غافل کے متعلق مصلحتی فرم کے روشد ہوا وہ مصلحتی مصلحتی۔

دائریہ ہے کہ ایک مرتبہ ہر دور میں سماج وادھ مصطفیٰ علی خاں بدایوں کے انتہام میں مشاعرہ لکھا۔ یہاں اچھا نہیں کہ بہت دھوم تھی دور دورہ کے ہنر مند شاعر اور کچھ گئے تھے ان کے دھوکے منظر فریاد پڑی ہے جس سے صحافی ریاست تھے پہنے مصنف کی مشہور غزل پر پیر کا مطلع درج ذیل ہے غزل کہ کہ صد حاصل کا تھا۔

درونی کیا تھا اس سے پہلوں نے ٹکڑا کر کا

دعویٰ ہے کہ ایسی فتنہ منشاں

میں نے سبھی پر جب مصحفی مطبعہ کی تہذیب یہ مشغولہ عرضداشت بھیجی کہ ایک ہزار مولا اس قید کے ساتھ چاہتا ہوں کہ مطبعہ مصحفی سے کم درجہ کا ہر ایک کوئی نادر یا مطبعہ گیسٹ آکر پڑھنے کا مستحق سمجھیں ہوں۔

جزا فی حق کے ذکر کرنے پر کسی نے میری شرارت سے اس کو تعبیر کی کہ کسی نے جس سے گویہ کسی نے مرتضیٰ کو جلیب فرمایا جلیب۔  
شاہد و قلم پر نے پیشی کو اصرار صاحب قرین حضرت امیر جان، سید حضور، قدس شان، اسناد صحیحہ جیسے جگہ دیکھنے کے بعد سزا پر تحریک کی کہ وہ  
برادر مرزا کی کیا آپ کے بدو شاہد و جب اتنیں ہے مگر سزا میں نہ جیسے سزا پ کو جیسے میں گئی غی خیل کن جوں۔

ہر مالی نس با بقا پر کسی وقت بھی مطلق یہ نیا سبب مجھ کو سننے کے سہ پہا کیا تھا۔ تنہید لہریں کیا مٹھتی تھیں؟ یہ مفہوم کیا ہے؟ یہ اچھے  
 ترک کر چکا ہوں؟ یہی اس کے سوا سراسر اعتدال نہیں تھا جس پر اس شخص نے اپنے ساتھ کسی قدر کامیابی ہے اور میں نے ساتھ اس وقت تک

اللہ ہے جس نے اس کو صوفیہ کی بنیاد پر اٹھایا جس نے اس کو رشاد و ارشاد دیا جس نے اس کو وقت تک درباری شعراء اور معززین صف نشین تھے میں نے مطلع بنایا۔  
 مندرجہ لکھو اور اس کا بہت ہی چرکا بیرون نے ڈاڑھی پکڑی خوشی نے زین تھوڑا  
 حضور نے عجیب انداز سے داد دی اور ساتھ ہی حاضرین نے بھی جس نے مطلع کو اور چار چاند لگا دیئے۔ اس کے بعد میں نے حضور کی صبح  
 ایک نظر پڑھا جو وہ میں پس سے لکھ لیا تھا ایک شعر اس کا دینے لگا ہے۔

قدت حق کا کشد ہے نہوت ان کی جس کو دیتے ہیں تقد سے سرا دیتے ہیں  
 اس قطع نے بھی خاص لطف پیدا کیا۔ تاجی رشک والی ملک سے خراج تحسین مائل کہنے کے بعد پہلے میرا کچھ اور کام سنا گیا اس کے بعد  
 ام الملوک کی زینت آئی حضور نے اپنا کام نہایت شوق سے سنا مجھ کو کٹا پڑا کہ جناب رشک با نقاب مجھ کو فراموشی و قیامت نہ صرف میری معمولی  
 انت و دہائی نے یہ سچ ملکتم بھی کر لی ہے۔

صبح گھر پہنچے رخصت کی اہانت لی آن بھوکہ کہ اس وقت گھٹن کی قد جوتی جھڑی میں گزرے تھے مجھ کو اتار دھرم کے آستانہ پر فوراً نچلنے  
 میری بیانی کی خدمت میں حاضر ہونے سے سخت گرائی تھی اب اور میں شرمندہ نہ ہوا کہ اس آستانہ سے خود سبقت کی اور میری قیام گاہ پہلکانا گھر لے کر  
 تھی گوارا فرمائی گئی روزانہ کچھ سامان لگے جس پر عرق نہایت باقی رہا۔ دربار میں ہر صوفی پر سکا۔ با نقاب میرا کام سننے نقل میں لی جاتی وہ صلا  
 بھی دیکھا کہ حرم خاص کے متعلق بھی کہ میانی ہوئی حضور نے اپنے دست مبارک سے ہنسی لکھ کر دی کہ ہر تمام شو جناب میرا کارٹ بیل گورنر پرانے  
 غور میں پیش کر دیں میں اپنے حضور سرکار محمد آباد کے میرا شو گئی جناب بھونے میںیہاں سنا فرما کر مجھ کو با بیاب کیا تو سب سے پہلا سرالوہ  
 اگلی آپ ہندوستان میں سب سے جانشین ہے انیس کا اہانت کہ زمانہ میں نے میرا کچھ ذکر چھپی میں کہ تھا میرا جو صاحب ہوا دلے اپنی زبان  
 رک سے کچھ کہیں جب گھر واپس آیا تو کسی کو کچھ کہنے ساندہ یہ مطلع کیا۔

دیان بھی بر مقدمہ ہوا گشت شباب جہاں ہونے کو پیری میں لکھنا آئے۔

یہ عجیب اتفاق ہے جسے دیکھ کر حقیق کا تھا دوسرے دن اس کا جنازہ دیکھا

خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ نہیں ہم کہیں

لکھنؤ میں مرزا غلام احمد کے ساتھ جناب پیر محمد قاسم سے مجھ کو ملتا تھا اور لطف یک جانی بھی جناب حوزہ میں زیادہ تشریف لاتے  
 تھے عرفا، منشی بھی میرے بھائی ایک انجمن، اصوات کسٹن بھی تھا لیکن قاسم تین مہینے ایک ہم خیر تھے اور خواجہ عشرت میکر میری گھبراہٹ  
 فرمائی دامن افکار کے ساتھ قاسم کسٹن صاحب کا میں یہیں قیام تھا۔

ش کا میر مرحوم برائے مرضی مروی تمام گھر میں تشریف مروی سانی اور شراہ و خاب نے جب میر قیدہ جیدی کی قید خیالی کے معبودوں  
 انی ہا حاضرین کا سلسلہ شروع کیا کسی کو توجہ نہ ہوئی تو یہ دعویٰ جہاں کہ انرا حق کا وہب نہیں ہو سکتا میرے  
 لعلک بت کی تو ایک مضبوط اعتراض پیش کیا۔

ناموں کو دیکھ کر دوسرے دھم زخم

سوائے ہر گھنہ تالی سمن تو نہیں ہم



میں نے کہا اس سے زیادہ تم بھی ناخوش کیا ہو سکتے ہے کہ کتنے نہ ہونے سے کہ انہی کہ کہانی "ہم عات فیرون کہ سمین :

## ایشانی شاعری کا اعتراف

ایک جہانوں میں طبل ہراسے پھروں میں

**پیش گوئی** | مکتوب کی کسی تقریب سرکاری کے ذریعے کہہ دیا جی کہ جی ہائے تھے ماس علیٰ ماس بغیر ویکٹس نے فن و ڈراما کے دات غلام جی کب نشان تک نہیں جیچہ نقد ذرا بے دوائے شہر شہرین فرما تھے۔

[illegible]

وہی کہتا ہے کہ ریش بہت عافیت آتی ہے خوف کی چیز ہے اس وقت مسکن جی

[illegible]

شہرہ اعظم کم نہیں ہے تو حکماء سے کہ فرما ہوا کفعل چاہیہندہ ہونے سے

آخری وقت اور آخری قہر دانی میں نے کھنکھ کی طرح جس ایک خنول کی مصلح مولوی سبحان اللہ خان رئیس گڑکھ پور کو لکھ کر بھیج دیا۔ مصلح پر خاص کیفیت طاری ہوئی تاہم لکھ کر جو یہ وقت آجائے شیخ پر خود لکے تاہم موم دتھے بعض اور احباب ملی ساتھ تھے نصیحت مصلح کی بدست قریب کی اور ایک ہزار پیر صد شیش کی مصلح یہ ہے

دس برس سال ہوئے۔ بمسٹر ممدی صاحب (افادوی الاقتصادی) نے ارباب کے مشہور رسالہ ادیب میں جو کہ مرحوم لکھا مگر میں حضور راہم صاحب ہاشمیہ کو ان کی سیکنڈ سے بہت کم زخم میں اور خفا بھی زخم زدہ ہیں گا۔ عمر پچیسٹھ سال سے زیادہ نہ ہوگی۔ یہ اسی سال کی عمر میں لکھا جا رہا ہے کہ کبھی کبھی فتنی فرسے اپنے بپا پر یہ قطع آجبت ہے۔

روٹی ہے سسٹم کی اٹھ سے

کافی عرصہ گذر گیا تھا

یہ لمحہ اس عرصہ گزرنے کا پہلا لمحہ تھا جس نے اس کو اپنی طرف سے ہٹا دیا تھا۔

لازمی طور پر شاہ احمد شاہ مرحوم سب سے پہلے شاہ احمد شاہ مرحوم شہسوار کے دولت خانہ چورسوی

ایمانی شاعری کا اثرات

انہوں نے اپنے شاہ احمد شاہ مرحوم کے شعر و شاعری کی ایک شہسوار شاعری شاعری

دعوتِ بیتِ حاکم کے ساتھ اس کے ہاں کسی اگر کسی شاعر کے ترجمے کے لئے نہیں چھپنے کے لئے شہسوار

ایک شاعر کی شہسوار شاعری کے لئے

بہارِ جملہ کی ہے خوشی کے جہوں کی

پیش گوئی

کھنڈر کی شہسوار شاعری کے لئے

کھنڈر کی شہسوار شاعری کے لئے

کھنڈر کی شہسوار شاعری کے لئے

کھنڈر کی شہسوار شاعری کے لئے

کھنڈر کی شہسوار شاعری کے لئے

کھنڈر کی شہسوار شاعری کے لئے

کھنڈر کی شہسوار شاعری کے لئے

کھنڈر کی شہسوار شاعری کے لئے

کھنڈر کی شہسوار شاعری کے لئے

کھنڈر کی شہسوار شاعری کے لئے

کھنڈر کی شہسوار شاعری کے لئے

کھنڈر کی شہسوار شاعری کے لئے

کھنڈر کی شہسوار شاعری کے لئے

کھنڈر کی شہسوار شاعری کے لئے

کھنڈر کی شہسوار شاعری کے لئے

کھنڈر کی شہسوار شاعری کے لئے

کھنڈر کی شہسوار شاعری کے لئے

و دینیک یہ سلسلہ جاری رہا تھا کہ کچھ کر ایک سخت حادثہ پیش آیا اور بحث تمام رہ گئی۔ کل اخباریں سیدھا جالب دھڑی اڈیٹر مہرم وقت بحیثیت مضمون میر مہکت دیا جن کا خاکہ غارت مضامین لکھتے تھے۔ میں جب قیام لکھنؤ کے ارامے سے میر آباد آیا تو ایک بڑا بٹل دیں سے تیس لکچاپر بٹل جو کچھڑے کا تھا اس بٹل میں سبیں سالہ خیرہ لڑکانا خدیج کے ربڑ صاحب خطوط کے غافل صلاسی سردات امیر تائی اندیسے دونوں دیوں کے کسی ناخاندہ نے کچھڑے لیا اور کاغذات اور ربڑ شاخ کر کے انہی اشیاء میں کام نہ آیا پیسے دیوان کا نام ختم نہ تھا ہمارے مل تھا۔ اخباروں اور لکچاپر بٹلیں بچا کام میں ہو گیا تھا وہ وقت فراہم ہو سکا۔

میں نے لکھنؤ کی طرح میں ایک غول کمی مطلع مولوی سبحان اللہ خان رئیس گورکھ پور کو لکھ کر بھیج دیا۔ ہر مفا غری وقت اور آخری قد دانی ہر نام کیفیت جاری ہوئی تاہم کہ چاہا۔ وقت آسمانی پیش ہر وہ بے تاب نہ موم دتھے۔ بعض اور احباب ہا ساتھ تھے ختم مطلع کی بدستما تقریر کی اور ایک ہزار پر صد پیش کیا۔ مطلع یہ ہے

گل مرتج ہیں تو سے پاک گر باؤں کے      شکل مستور توں کی انداز ہیں دیوانوں کے

اسی برس سال ہوئے بمقام ہمدی میں (مخاوی الاقتصادی اسے) الہ آباد کے مشہور رسالہ ادیب میں لکھ کر مرحوم لکھا مگر میں حضور رب صاحب اللہ کو کچھ کی سمجھاں سے بہتیک زندہ ہیں اندھا نابا اچھی زندہ رہیں گا۔ طرہ شیطانی سے زیادہ نہ ہوگی یہ اسی سال کی عمر میں لکھا جا رہا ہے (کبھی کبھی قوتی سے اب زندہ ہیں پر یہ مطلع آج بند ہے۔)

وقت نازک رات آحضر ہے ریاض

و گل ہے شمع کی اللہ سے

مولوی محمد جعفر متھانی سی

دوسرے دن لڑکے اوت پار میں صاحب ہر شخص اور دیگر مخلص ذہنی، انجیل پڑھ کر دیکھتے تھے، ان صاحب ذہنی کشادہ دہری کر قضاوی میں آئے اور  
 بھلے تھیں اس قدر صاحب مدد بنا دے اگلے ہفتہ رات میں نے کہا کہ میں جانتا ہوں اس وقت پار میں صاحب نے مجھ کو کہتے ہیں بت دے کیا ہر  
 شرمناک کیا وہ میری دہریہ کو پہنچا اور اس کے گہرے زانی صاحب اور مخلص صاحب کو غرض سے باہر نکالے ہوئے تھے اور جب میں قصد پار میں سے گھر پہنچا  
 اس کے سب میں وہی جوس ہر گھر پہنچے تھے اور وہ دن جب میں دھڑے سے تھا وہی کشادہ شرمناک مگر غرضی نے ملک کو بکے بعد اٹھنے سے  
 راجی پار میں کی ملک کو ہم غرضی سے کہتے ہیں کہ اگر تم دوسرے شرمناک اور مدینہ مجاہد کو نہ دو آرم کو کھانسی نہیں بلکہ جس سے پار میں پر جی نہ کرنا  
 پار میں صاحب سے اور ان سے اگر نہ یوں کہہ باتیں کہے کہ ایک ملک کو سے میں سے گی جس سے جا کر چرنا شرمناک میں کیوں ملک نہیں اٹھنے غرض

۱۔ اٹھ بجت تک مجھ پر اس قدر عرصہ ہوئی کہ شاید کسی پر جوئی ہو لیکن بغضِ اعلیٰ میں سب ساریں۔  
جب میری طرف سے قطعاً دوسری ہوئی تو علیحدہ روئی ہو تو کہ جو میری طرف سے تھیں مگر ہار ہار دیا انھیں کے بیان سے پہلے چارہ عرض  
ایا جو انھیں کی ہیرا سے پارس صاحب پر لگی اس نے روئی کی علی صاحب، مروی عبد الرحیم صاحب، انٹی بخش صاحب اور میاں عبد الغفار کو گناہ کے  
اور بھیج دیا۔

جو میری صاحب اس دوسرے اور امیر کے کٹھن ہونے اور پٹی اس کا بعد مقام ہوا چنانچہ مروی ذریعہ میں صاحب محدث دہلوی جو ایک نالی پڑھا  
تھیں انھیں کے ہیں اس کے خدمت گزینہ گری واپس کے وہی سے روئی پٹی طلب ہونے لگی میری کے انتقال کے بعد وہ عکس ٹوٹ گیا اور مروی  
میں صاحب ہا ہو کر اپنے گھر گرا، پس نکلے۔

دوسرے میں ایک سب دلدی کو کہ وہ اپنی عرش طے ضلع انبار میں مقدر پیش ہوا کرتا تھا، جس کے سبب سے ایک ہفتہ تک نقدی مقدر  
میں جوئی میں پیش ہوا ایک ہفتہ کے بعد جہاں مقدر پیش ہوا اس وقت تک جو چاہی گھر میں مقدر مقدر قید تھے بعد ہر دو سیشن  
ہر ایک کو ایک ہفتہ میں بند کر دیا۔ اس وقت مروی کی علی صاحب کی صحبت ایک غیبتات سے تھی کچھ عرصہ کے بعد آخر اپنی میں مقدر ہوا جس ایڈوکیٹ  
اب کلمہ سیشن میں ہوا۔ اس میں ایک ہفتہ تک دیکھا، ہوتی رہی سرکار کی طرف سے میری غیبت صاحب اور پارس صاحب پر لگا اور دیکھی تھے۔ اس  
پس کی طرف سے دو دن میں ایک ہفتہ خود اپنی جواب دی کرتا تھا میری صاحب سیشن کے میری طرف مخالف ہو کر فرمایا۔ ہر دو تھا کیا جواب ہے  
میں نے ہر ایک ہفتہ میں سرکار کی روئی کے کہنا جواب نہایت مشہور اور مل گیا شروع کیا صاحب نے اس میں سے کسی قدر کھڑے تھے  
سے کہ اس جواب سے کچھ نہ نہ نہیں ہے۔ جیسے کہ کہنے کے قریب کا اقبال کے عدالت کی نروانی اور اس سے اپنی سامانی لگو میں یہ غلطاً تسلیم کا بہت  
لچھ ہوا کہ اس وقت انصاف ہوتا ہوں سنا ہے اس کی امید نظر نہیں آتی۔

جہاں تو نے سارے دوسرے ہفتہ کو چھ ایک آخری جہاں سیشن ہوا اور جی صاحب اپنی جوڑیہ آخری سزا اپنے گھر پر بیٹھ کر صاحب ایسا کہ صاحب  
روئے تھے۔ سب سے پہلے میری طرف مخالف ہو کر فرمایا کہ کہنے کے سوائے انکو بحث کے کچھ میں نہیں فرموا ہی سرکار کا دم نہیں ہوا اور باوجود غلطی کے اس  
کہنے میں کچھ کوشش کی۔ اس واسطے کہ چاہی دی ہستی۔ میرے بعد مروی کی علی صاحب کے بعد جو شیخ صاحب کے بعد میری صاحب اور میں کو حکم سزا کا  
پڑا میں میں مروی کی علی صاحب کی عرضیت تھی اور میں کے واسطے چاہی ویزو صاحب ذکرہ بالا والی آٹھ جوڑی کو عالم العیس ہمدردیائے شہ  
جی کی ہاشم سزا اور اسے عزت کے علاوہ اچھے چھ ایک اپنی خوب ملے تھو کہ صرف ہر شہادت میں کے جین کھدا کر دیا۔  
مگر جین کرت میں بھی چند جہاں میں دوسری دھم کے ساتھ مقدر پیش ہوا۔

اب اس وقت انھوں کی خبری کا عدالت کی تھے جب بہت سے صاحب اور ہم کو چاہی گھر میں نہایت شاداں اور فرماں دیکھئے تو یہ پرچہ  
صاحب کو مل گیا یہ صاحب ان صاحب روئے نے جو میرے جان دشمن تھے یہ خیال کیا کہ ایسے دشمن کو نہایت شہادت جس کے واسطے وہ اب خوش ہو  
میں وہ نہیں سمجھتے لیکن کہ اسے دانی کچھ کہ اس کی صاحب اور میری سے ہار کر چاہیے۔ تو جی کٹھن انبار اور سرکار چاہی گھر میں تشریف  
اور جین کٹھن کو حکم ہم کو پڑا کہ شاید تم لوگ چاہی اپنے کو بہت دست دیکھتے ہو اور شہادت دیکھتے ہو۔ اس واسطے سرکار تمہاری دل چاہی سزا تم  
دیکھتے گئے۔ چاہی سزا دہم العیس جہاں دیکھتے شہادت دیکھتے۔ جہاں نے کو چاہی کے دوسری خبر کو کہ میں دوسرے قیدیوں کے ساتھ



پہنچے وہاں مولیٰ احمد صاحب احمد صاحب کے کڑے سوز لگی سے ہماری عاقبت ہوئی اور اسی گات میں ہم جنوں آدمی رہنے لگے اس آدم ہاری بڑی کڑاوی اور  
عہد باسی ہم کر پائی گی۔

اتفاق حسنہ فضل الہی سے ہمارے مذہب میں پہنچنے کے ایک ہفتے بعد یہاں تیدی نہایت شہسہ کے جن میں اکثر شہسہ احمد صاحب اور غیر وہی تھے  
صاحب طلب رہا بد کسی حسرتہ سزا دل لیک حال ملک سنگا پور کے مشرق میں واقع ہے جیسے گئے تھے اس سبب سے عہدہ عہدہ سہسہ شہسہ کے  
خدا تھوڑی عاقبت کھل ان لگیں کہ اس وقت بدیر اخلاص کے داروئی احمد صاحب سے معلوم ہو چکا تھا۔ اس لیے میں تو جہاز سے اترنے کے  
ساتھ ہی کچھ صاحب پر مشورہ اور چین کشتر میں جو ریکشن دار یا نائب میرنشی مقرر ہو گیا ایک گھر بننے کا ایک ذکر خواہ دار نہایت کر لی گئی اس وقت  
یہ بھی عالم شباب قریب تئیس کے سن والی تھا اس واسطے اول میں نے چاہا کہ ملک سے اپنی بڑی کو جالی مگر اس کو قافوہ مانے ہوا اس لیے میں نے اپنے  
پہنچنے کے چند ہی بعد ایک ذمہ کشتری کی موت سے شادی کر لیا نہایت کس قس کچھ عرصہ میرے ساتھ رہنے سے بڑی دینہ دار اور خدمت گزار ہوئی وہ بوجہ  
شہسہ کو اپنے صاحب داروئی عبدالرحیم صاحب بھی انڈیا بھیج گئے۔ سندر کے کانسے کے کلن اور جازی لازم اور سیاحوں پر اکثر کڑی آفات بھی پڑ گئی تھیں  
کانسے پانی میں ہر سال بہت سے آبی اور کششیں سندر کے بند ہو جاتی ہیں۔ مجھ کو بھی اسی وقت بہت سارے بار آتی آفات کا سامنا ہوا اگر میں دوجہ کے  
وقت جب میں چاروں طرف سے نا امید ہو کر اللہ رب العزت کی طرف دل سے رجوع ہوا تو پھر اس دوسرے قدر نے فوراً بچا دیا

جنہی شہسہ میں یہ خاکسار جو نہاد کو بدل کیا اور وہاں سہسٹن عرصہ مقرر ہو گیا ۲۰ فروری ۱۸۸۵ء کو قدم روم مولیٰ بیگم علی صاحب باسی فریدی  
ہونے میری بڑی مولیٰ بیگم علی صاحب عرصہ قریب دس سال سے بہت محبت کرتی تھیں اس کو اس موت کے سبب سے زیادہ صدمہ پہنچا بلکہ وہ اپنی شہسہ  
کا وہ نیک بڑی بیگم باسی فریدی ہوئی۔ اسی بڑی کی وفات کے بعد میں نے سب زور و زورفت کے کہے بقدر تئیں سود پیہ کے دہلی کو اپنی بڑی لکان کے پاس بھیجے  
تھے وہ ان کھل قسم قوم جو دیو سے خرید کر میرے پاس بھیجے کیوں کہ ان ایام میں بورت پیر میں دہلی کا مال گئے چمکنے دام پر ہوتا تھا مگر یہ مال راہ میں ضائع  
ہو گیا اور ایک سر پچاس روپہ خسارہ ہوا۔ فرض پیش نہایت میرے واسطے منظور نہ تھی۔

اس بڑی کی وفات کے بعد وہیں میری والدہ اگر وہ وہاں چھ دنوں سے جبراً تھا اور میں اس میں اس میں اسے قہر تھا بہت سی عورتوں نے مجھ کو اپنا نیکار کرنا  
چاہیں یہ کیفیت دیکھ کر اپنی بڑی کو بانی پت سے بھر جانا چاہا مگر اس وقت وہ راضی نہ ہوئی جب ایک دفعہ اس کچھ رخصت ہوئی تھی تو میری والدہ  
ملکہ وقت نے منظور کی اس واسطے مجھ کو ایک بخت محبت سے وہاں قہر کے کی صوبہ فطری ایک ہندو عورت قوم ہو میں ضلع اللہ آباد کے رہنے  
والی تھی تیرہ ہر کوئی اپنی اس ملک محبت ہند میں ہمارے حملے ہوئی۔

میں نے ست جیسوں شب و صبح شریف کی ایک بڑا دھرم دھام کا کھانا کئے اس کو مسلا دیں۔ بعد جب اس میں اسلام اور فائدہ دینو  
خوب سیکھ کر تو حکم وقت سے اطلاع کے ہار اپنی شہسہ کو اس سے نکاح کر لیا۔ مدد آدمی میرے نکاح میں شریک ہوئے اور ہمارے مولی  
احمد صاحب نے یہ نکاح چھایا تھا دوسرے دن سے دھرم دھام سے اس کا دلیر ہوا اس بڑی سے مجھ کو دس بچے پیدا ہوئے اور میں بڑی بچہ  
بیزرے ہند کر میرے ساتھ آئی۔

کئی ہی صاحب کے عہد میں شہسہ ۱۸۸۵ء ایک بڑے بوجھ کی تحریک سے میرے اوپر ایک جہاں مقدمہ عاقبت طرف بن گیا  
کیا اس وقت میرے بہت سے دوستوں نے صوبہ دی قح کو جان پہچنے کے واسطے حجت برنا جانے سے تم اس شخص سے اپنی علمی غلامی کے اپنی



[illegible]

برواری مسجد بنایا۔ اور زبر مشہور مساجد میں ۱۰۰۰ مرقوم مساجد شب و دستنہ کو بوقت ایک بجے رات کے مولوی احمد اللہ صاحب کی درس فرودس پر پیکر عبادت گاہی۔

بجائے ہر کئی سالوں میں میری مدائی کا مسدقت : تھا گھاس مستحاب اللہ عزت نے وہ فریاد ان کی اسی دم قبول کر لی۔ ۱۰۰۰ مرقوم مساجد کو جامعہ میں اور خدمت اللہ جی مسافر میں میری مدائی جو کہ مجھ سے پہلے پانی پت میں میری بچی کو اطلاع ہوئی اب جو میری مدائی کا زمانہ قریب آیا میں ہر گزشت میں پانی کا منتظر رہتا تھا۔ ۱۰۰۰ مرقوم مساجد کو مدائی نام انگیزٹ یہ علم کے کہنے کو جس قدر آدمی مجرم عبادت دانی میں قیدیوں میں سبیک قلم ہا کر کے بند کو رد کر دیتے ہیں میں کی دیکھ کر غشت میں سکونت کے واسطے بند بست مقبول کر کے کی جب یہ حکم ہاں پہنچا تو میں اور مولوی عبد الرحیم صاحب میں جدا نظر مولوی تنہا کی مولوی امیر الدین اور میں مسودہ گل : نفراں مقدر کے دہاں موجود تھے سب کی مدائی ہو گئی۔

اس حرم میں میرا ایک پلنے شاگرد پکتان قبل صاحب نے جو بدقت میری مدائی کے خاص کیپ انبار میں مجسٹریٹ تھے میری مدائی کی فریاد کو کہہ کر کہ اگر تم میرے پاس رہنا قبول کر دینا تو میں غشت سے اجازت لے کر تم کہنے پاس جاؤں گی اسے اس پیام کو تا بیٹھیں سمجھ کر نورا قبول کیا بابت انھوں نے غشت پنجاب سے اجازت حاصل کر کے اور خود میرے خاص جو کہ کئی شرائط گمرانی و ذریعہ میرے اوپر سے اٹھوا دیں۔

جب میری مدائی کا حکم پکٹ میری میری بچی خود وہ ائمہ الجس قیاس کو نقطہ جو وہ برس قیدی میں رہتے تھے اس واسطے اس انگیزٹ کو اطلاع دی گئی کہ جب تک میری مدائی میری مدائی ہوگی وہ بند کو نہیں جاسکتا حکم میں ششہ کو میری مدائی کی مدائی میں آگئی۔ گھاس وقت میری میری کو چھ چھنے کا محل تھا وہ مسند میں کرم طرمان کا شروع ہو گیا تھا اس واسطے میں نے تاہ زبر مشہور پورٹ میری مدائی کی اجازت حاصل کر لی۔ اس مسند میں میں نے اپنے گھر کا باب فروخت کرنا شروع کر دیا۔ اکثر زبر مشہور میں میں نے جا ہا میرا گھر چلی جس میں رہتا تھا مسجد بنا کر میں اللہ وقت کر دیا جسے اور سب مسلمان اس وقت سے بہت خوش ہوئے مرقوم پکٹ گشت نے ازراہ تعصب کے یہ پورٹ کر دی کہ یہ شخص مدائی سے اور یہ مسجد میری مدائی کے تھے میں رہے گی اس واسطے میں مسجد بنانے کی اجازت دی جائے۔

جب میں اور زبر مشہور کو سارا ہونے کو تھا تو اس وقت میں نے ایک عام دعوت کر کے اپنے سب دوستوں کو مدعو کیا تھا۔ جس کسی کو یہ دعوت پہنچی وہ عند مناسبت آئیہ دعوت میرے گھر میں میرے سارا ہونے سے نقطہ ایک گھنٹہ پہلے وہاں کے وقت ہوئی تھی اس دن اتفاق سے جود تھا بہت تامل عام مولوی یاقوت علی صاحب کے ساتھ آخری نماز جمعہ پڑھا کہ گھڑیاں تیار کھڑی تھیں جب وقت چار بجے شام کے میں مولوی احتیق خود مقام میری مدائی سے کشتی پر سوار ہو کر انگیزٹ کو چلا کر آئے شہر صفت خوش اندر رخ سے زبرد نار دقتی قریب پانچ بجے شام کے ہم نے انگیزٹ مدائی نام پر سوار ہو کر ایک پہلے پر اپنا ڈیرہ کر لیا بدقت غریب آفتاب کے جہاز کا ٹکرا ٹھیا لیا اندر ہم لوگوں نے چشمہ آب ایک کے بعد ایک جڑاڑ اعلان کو خیر و برکے چھوٹ شروع کیا۔

خیر بفضل انہی ہم چاروں اور چار دہات کے سفر کے بعد ۱۰۰۰ زبر مشہور کو داخل ملکہ ہونے اور زبر مشہور شب کو بدقت : ایک رات کے ہم سوار علی ملکہ سے جہاز کو روانہ ہوئے اللہ ملکہ سے الٹا ہوا دہاں سے کانچہ رو سے مل گڑا اور علی ملکہ سے سارا ہوا اور دہاں سے اپنی ایک منزل بنی ملکہ تھے جسے ۱۰۰۰ زبر مشہور کو بدقت : ایک شب کے اسٹیشن کیپ انبار پہنچ گئے۔ دوسرے دن فجر کو ہم شہر انبار پہنچے اور دہاں کے احکام ضلع سے اجازت لے کر کیپ انبار میں اپنے آگے قدیم کپتان قبل صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے انھوں

لے بہت تھک چکا تھا اور اس کے دل میں بے پرواہی سے یہ سوچا کہ اب تو اس کے دل میں کچھ بھی نہیں رہا ہے۔  
 بہت ہی بڑا ہے۔

نورانی کی خاتون کے ہر ایک کام میں اس کے ساتھ رہتا تھا۔ وہ اس کے ساتھ رہتا تھا کہ اس کے دل میں کچھ بھی نہیں رہا ہے۔  
 مجھے کچھ یاد ہے کہ اس کو جس طرح اس کے دل میں کچھ بھی نہیں رہا ہے۔

جب اس نے اس کے دل میں کچھ بھی نہیں رہا ہے۔  
 کیا جہاں میں اب تک اس کے دل میں کچھ بھی نہیں رہا ہے۔

اس کے دل میں کچھ بھی نہیں رہا ہے۔  
 نے میرے دل میں کچھ بھی نہیں رہا ہے۔

یہ تھا کہ اس کے دل میں کچھ بھی نہیں رہا ہے۔  
 یہ تھا کہ اس کے دل میں کچھ بھی نہیں رہا ہے۔

ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء

(نورانی، آپ بیتی)

## پریم چند

**ابتدائی حالات** | میری زندگی بڑا امید ان کی طرح ہے۔ جس میں کہیں کہیں گڑھے تو ہیں۔ لیکن نیلوں۔ پہاڑوں۔ گہری گھاٹیوں اور غاروں کا چہرہ نہیں ہے۔ جن حضرت کرہاڑوں کی یہ کاشتق پر انہیں یہاں دیکھی ہوگی۔

میراجم سنہ ۱۹۰۵ء (سنہ ۱۳۲۵ھ) میں ہواباب کا نام فشی عجائب لال سکونت موضع مٹھوالی تحصیل بانڈو پور۔ بنارس۔ والد ڈاکٹر میں کوک تھے۔ والدہ مرلیض تھیں۔ ایک بڑی بہن تھی۔ اس وقت والد شاہ میں روپے پاتے تھے۔ چالیس ٹکٹ پہنچے پہنچے ان کا انتقال ہو گیا۔ والدہ بھی ساتویں سال گزری تھیں چلن تو وہ بڑے دور اندیش تھا اور دنیا میں انکھیں کھول کر چلنے والے تھے۔ لیکن آخری عمر میں ایک ٹھوکر لگی تھی اور وہ ڈاکٹر سے ہی تھے۔ اسی دھکے میں مجھے بھی گرا دیا۔ جس کے چند سال بعد ہی انھیں سفر آخرت درپیش ہو گیا۔ گھر میں میری بیوی۔ سرتیل ماں اور ان کے دو لڑکے تھے مگر آہنی ایک پیسے کی نہ تھی۔ گھر میں جو کچھ تھا چھ ماہ تک والد کی حالات اور اس کے بعد تجیز و تکفین میں خرچ ہو گیا۔ اس وقت میں نویں کلاس میں پڑھتا تھا۔ مجھے ایم۔ اے پاس کر کے وکیل بننے کا ارمان تھا۔ سرکاری ملازمت اس زمانے میں بھی اتنی ہی شخص سے ملتی تھی جتنی کراب۔ دوڑ دھوپ کر کے شاید دس بارہ روپے کی کوئی جگہ پا جاتا۔ مگر یہاں تو اگلے پڑھنے کی دھن تھی مگر پاؤں میں وہ بے کی تھیں اسٹ وحات کی بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔ اور میں پہاڑ پر چڑھنا چاہتا تھا۔

اپنی آپ بیتی کسی سے کہوں۔ پاؤں میں جو لے نہ تھے۔ جن پر ثابت کپڑے نہ تھے۔ گرانی الگ۔ اس سیر کے جوتے۔ اسکول سے سامنے تین بچے چھٹی تھی۔ کوئٹہ کا کالج بنارس میں پڑھتا تھا۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے فیس معاف کر دی تھی۔ امتحان سر پر تھا اور میں ”انس کے پھانک“ پر ایک لڑکے کو پڑھانے جایا کرتا تھا۔ ہاؤس کا سرگرم تھا۔ چاند بے نام کچھ جاتا اور چھ بچے چھٹی پاتا تھا۔ وہاں سے سیر گھر پانچ سیل پر تھا۔ تیز چلنے پر بھی آٹھ بجے رات سے پہلے گھر نہ پہنچتا۔ رات کو کھانا کھا کر کچل کے سامنے چڑھنے جینٹا اور نہ معلوم کب سو جاتا۔

اتفاق سے ایک وکیل صاحب کے ڈاکٹر کو پڑھانے کا کام مل گیا۔ پانچ۔ دوپہ تیرہ گھنٹہ میں نے دو روپے میں گزرنے کے تین روپے گھر دینے کا حکم ارادہ کیا۔ وکیل صاحب کے اصلیل کے اوپر ایک چھوٹی سی کچی کٹھری تھی۔ اسی میں رہنے کی اجازت مل گئی۔ ایک ٹاٹ کا کھڑا بچا لیا، اڈاڑ سے ایک چھوٹا سا لیپ لے آیا اور شہر میں رہنے لگا۔ گھر سے کچھ برتن بھی لایا۔ ایک وقت کچری پکایا اور برتن دھو دیکھ کر لاہری پکھ جاتا۔

مجھ وکیل صاحب کے ڈاکٹر کو پڑھانا تھا۔ ان کے سالے میٹرک پزیشن میں میرے ساتھ پڑھتے تھے۔ انھیں کی سنداش سے مجھے یہ پڑش حوالہ اس دوستی کی وجہ سے جب فردیت ہوتی ان سے پیسے ادھار لے لیا کرتا اور تنخواہ ملنے پر حساب جاتی کر دیتا کہی دو روپے اتھتے کہی تھی۔ جس دن تنخواہ کے دو تین روپے ملے میری وقت ادھار کی باگ ڈیسی جھاتی، چھاتی انکھیں سٹال کی دوکان کی طرف کھینچ لے جاتیں۔

اور دہلی آنے کے لیے ختم کے بعد واپس نہ آتا۔ پھر اسی دن گھر جاتا اور دو ڈھائی روپے دے آتا۔ دوسرے دن سے پھر نوٹس لینا شروع کر دیتا۔ لیکن کبھی کبھی ادھار لینے میں پس پیش بھی ہوتا۔ جس کی وجہ سے سارا دن روزہ رکھنا پڑتا۔

اسی طرح بارہا پیسے گزر گئے۔ اسی دو مہینے ایک ہزار سے دو ڈھائی روپے کے کپڑے لیے تھے۔ روزا دوسرے نکلا ہوتا تھا۔ اس کو مجھ پر بھرا دیتا تھا۔ جب پیسے دو مہینے ہو گئے اور میں روپے دھکا سکا تو پھر میں نے ادھر سے ٹکڑی بچھڑوایا پکڑے کو نکل ہاتا۔ تین سال کے بعد اُس کے روپے ادا کر سکا۔ اُسی نکلے میں شہر کا ایک بیلوا دھڑے کے کچھ ہندی پڑھنے آیا کرتا تھا۔ اس کا گھر وکیل صاحب کے مکان کی پشت پر تھا "جان ریتیا" اس کا سن تیرہ تھا۔ چنانچہ سب لوگ اُسے جان ریتیا ہی کہا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ میں نے اس سے آٹھ آنے پیسے ادھار لے لیے تھے۔ یہ پیسے اس نے مجھ سے میرے گھر گاؤں میں جا کر پانچ برس کے بعد وصول کئے۔ اب بھی میری پڑھنے کی خواہش تھی لیکن روز بروز عاuid ہو جاتا تھا۔ جی چاہتا تھا کہ کسیں کو لکھی لکھنے کو کروں۔ لیکن نوکری کس طرح اور کہاں جاتی ہے یہ مجھے معلوم نہ تھا۔

جاڑے کا موسم تھا مگر کوئی پاس نہ تھی دو دن تک تو ایک ایک پیسے کے ٹکٹے ہونے چنے کھا کر کاٹے۔ میرے صاحب میں ادھار دینے سے انکار کر دیتا تھا۔ اور میں لکڑی کے ارے اس سے مانگنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا، چراغ بجے تھے۔ اس وقت میں ایک بک سیلر کی دوکان پر ایک کتاب بیچنے گیا جو بکر ورن کی بنائی ہوئی اور ٹیکسٹ کی شرح تھی اور جسے میں نے دو سال ہوئے خریدی تھا۔ اب تک اُسے بڑی احتیاط سے رکھا تھا۔ لیکن آج جب ہماروں طرف سے مالی سہولتیں آئے تو اسے فروخت کرنے کا ارادہ کیا۔ کتاب کی قیمت دو روپے تھی لیکن ایک روپے میں سودا ہوا۔ مصائب کا ایک اخلاقی پہلو بھی یہ ہے کہ انسان ہی انسان کو انسان بتاتی ہیں۔ اور انہیں سے آدمی میں استحکام پیدا ہوتا ہے۔

تعلیم کا آغاز آٹھ سال تک فارسی پڑھی۔ پھر انگریزی پڑھنا شروع کیا۔ کوئٹہ کالج بنارس میں پڑھتا تھا۔ بیڑا ستر صاحب نے فیس کا مسئلہ حل کر دیا تھا۔ میری پیدائش تو کسی طرح پاس ہو گئی۔ لیکن سیکنڈ ڈویژن میں پاس ہوا اور کوئٹہ کالج میں داخلہ کی کوئی امید نہ رہی۔ فیس صرف اولیٰ درجہ میں پاس ہونے والوں کی صاف ہو سکتی تھی۔ خوش قسمتی سے اسی سال ہندو کالج کھل گیا تھا۔ میں نے اس سے کالج میں پڑھنے کا ارادہ کیا۔ سسر چڑھ کر فیس نہیں تھے۔ ان کے مکان پر گیا وہ سر سے پاؤں تک ہندوستانی لباس میں ملبوس تھے اور صحت پنے فرش پر بیٹھے کچھ کھ رہے تھے۔ لیکن مزاج تبدیل کرنا اتنا آسان نہ تھا۔ میری گزارش سی کر (ابھی میں آدمی ہی بات نہ کیا تھا) اُسے کو گھر پر کالج کی بات نہیں سناتا۔ ناچار کالج گیا۔ ملاقات تو ہوئی مگر نا اُمیدی کے سونے کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اب کیا کروں۔ اگر کسی کی مدد سے آتا تو شاید میری درخواست برقرار ہوتا۔ لیکن ایک دیہاتی لڑکے کو شہر میں جانا ہی کون تھا۔

روز گھر سے اسی ارادہ سے نکل کر کس سے سفارش کھانا ملا۔ لیکن بارہ میل کی منزل مار کر شام کو کوئٹہ گھر واپس آ جانا۔ شہر میں کوئی بات چیت نہ تھی۔ کوئی دن بعد ایک سفارش ملی۔ ایک صاحب شاکر احمد نامی ایک منگھ ہندو کالج کی مجلس انتظامیہ کے رکن تھے ان سے جا کر روایا۔ انہیں مجھ پر رحم آگیا۔ اور انھوں نے سفارش چھٹی کمرہ دی۔ اس وقت میری خوشی کی انتہا نہ تھی۔ بہر حال خوش خوش گھر آیا۔ دوسرے دن پرنس صاحب سے ملنے کا ارادہ تھا لیکن گھر پہنچے ہی مجھے بخار آ گیا۔ اور دو ہفتے سے پہلے نہ تھکا۔ نیم کا کاروبار چیتے

پچھنے تک میں دم اٹھایا ایک دن دو دروازہ پر بیٹھا ہوا تھا کہ میرے پردہستہ جی آگئے۔ میری حالت دیکھ کر مزاج پرسی کی اور فوراً کسی کھیت سے ایک جڑ کھودوٹے اُسے دھو کر سات دانے کالی مرچ کے ساتھ پیرا کر مجھے پلا دیا اس نے جادو کا اثر کیا۔ بخار چڑھنے میں گھٹنے بھر کی دیر تھی مگر اس دوائے گریا گھنٹہ بھر کے اندر ہی اس کا گھا گھونٹ دیا۔ میں نے پنڈت جی سے بار بار اس جڑی کا نام پوچھا مگر انھوں نے نہ بتایا۔ کہا نام بتا دینے سے اس کا اثر جاتا رہے گا۔

غرض ایک مہینہ کے بعد دوبارہ مسٹر جیڈس سے ملا اور انہیں شاکر صاحب کا سفارشی خط دکھلایا انہوں نے میری طرف گھور کر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”اسنے دوا تک کس تھے“

”بیار بر گیا تھا“

”دیکھا یا سی تھی“

میں اس سوال کے لئے تیار نہ تھا۔ اگر بخار بتا ہوں تو شاید صاحب مجھے جھوٹا سمجھیں بخار میری کچھ میں سہولت اتھی جس کے لیے اتنی لمبی غیر حاضری کی ضرورت نہ تھی۔ کوئی ایسی بیاری بتانے کی لکڑہوئی جو مجبوری تکلیف کے علاوہ دم کے جذبات کو بھی ابھار سکے۔ اس وقت مجھے اور کوئی بیاری کا نام یاد نہ آیا، شاکر اندر دنا میں سنگھ سے جب میں سفارش کے لیے ملا تھا تو انہوں نے اپنے اختلاف قلب کے مرض کا ذکر کیا تھا۔ ان کے الفاظ مجھے یاد آگئے۔

میں نے کہا ”پلیمیشن آف ہالٹ مر“ PULPITATION OF HEART SIR صاحب نے متنبہ ہو کر میری طرف دیکھا اور کہا ”اب تم بالکل اچھے ہو؟“

”جی ہاں“

اچھا فادام داخلہ بھر کر لاؤ۔

میں سمجھا چلوں ہر پار برا۔ فادام لیا۔ خاندن پڑی کی اور پیش کر دیا۔ صاحب اس وقت کسی کلاس میں پڑھا رہے تھے۔ تین بجے مجھے فادام واپس ملا۔ اس پر لکھا تھا۔ ”اس کی یاقوت کی جانچ کی جائے“

یہ پیام ملا پیش آیا تو میرا دل بیٹھ گیا۔ انگریزی کے سوا اور کسی مضمون میں پاس ہونے کی امید نہ تھی اور حساب دریا منی سے تو میری مدد کا بچتی تھی۔ جو کچھ بات تھوڑی بھی بھول گیا تھا۔ اب کوئی دوسری صورت کیا ہو سکتی تھی۔ تقدیر پر مجھروسہ کر کے کلاس میں گیا۔ اور اپنا نام دکھایا، پروفیسر صاحب بنگالی تھے۔ انگریزی پڑھا رہے تھے۔ دانشگاہ اورنگ کا RIPVA WINKLE کا سبق تھا میں مجھے کی تھار میں جا کر پڑھ گیا۔ اور دومی چارمنٹ میں مجھے معلوم ہو گیا کہ پروفیسر صاحب اپنے مضمون پر پوری طرح مادی ہیں۔ گھنٹہ ختم ہونے پر انہوں نے آج کے سبق پر مجھ سے مختلف سوالات کئے اور میرے جوابات سن کر میری عرض پر ”ایٹینٹائی مشن“ SATISFACTORY کا لفظ کہہ دیا۔

دوسرا گھنٹہ حساب کا تھا اس کے پروفیسر بھی بنگالی تھے۔ میں نے اپنا فادام دکھا یا، نئی دررنگا ہوں میں عوامی طلبہ آتے

کسی کو نہیں تھا۔ یہاں بھی یہی حال تھا۔ کلاسوں میں کم استاد اور ناقابل طلبہ بھرے پڑے تھے۔ پہلے دیکھیں میرا بھائی  
 صاحب کس وقت بھی لازماً معلوم ہوتا ہے۔ مگر اب پہلے بھائی کا حال طلبہ چن چن کر دیکھتے تھے۔ یہ پڑھنے والے صاحب نے  
 صاحب میرا امتحان لیا اور میں ٹپل ہو گیا۔ غلام پر صاحب کے خادیم "ناگامی ملیں" کہہ دیا گیا۔ میں اتنا امید تھا کہ غلام نے کر  
 پھر وہ بارہ پر نہیں کے پاس دیا۔ سید صاحب کو آگیا۔ حساب میرے لئے ہائی پرائیویٹ کی تھی جس پر میں کبھی دیر نہ کر سکتا۔ میری تہذیب پر مگر  
 لوٹ آیا۔ لیکن چھٹے کی کتاب لائی رہی۔ مگر چھٹے کر گیا کرتا۔ کسی طرح حساب پختہ کر کے کال میں داخل ہو جاؤں، یہی دھن تھی مگر میڈیٹ کے  
 امتحان میں حساب میں دو مرتبہ ٹپل ہوا اور ناامید ہو کر امتحان دینا چھوڑ دیا۔ دس بارہ سال کے بعد دیا تھی کا مصروفی اختیار ہی ہو گیا تو میں نے  
 دوسرے بھگت سے کراسانی سے انٹر میڈیٹ پاس کر لیا۔ اس وقت تک ریاضی کی جدوت صاحب کی آؤدھوں کا خون ہو گیا۔ کچھ  
 میں (۱۹۱۹ء) میں ہائپرٹھ طور پر لیا۔ اسے بھی پاس کیا۔ حاملہ ضیفی میں ایم۔ اے پاس کر کے کی دھن سار ہو گئی۔ کاش میں نے  
 ادراں میں ایم۔ اے تک حاصل کر لیا ہوتا تو یہ کس پیری کی حالت نہ ہوتی۔ بعد وہ زنا و فساد نگاری کی خدمت ہو تا اور اب صرف دس دہائی کے  
 لیے بھرتہ کرتی تھی (۱۹۲۰ء) میں جو نیز انگلش پریس ٹیٹیکٹ کا امتحان اٹل درجہ میں پاس کیا۔ اسی سال قدیم آباد ویرہ شاپیشل و دیگر  
 امتحان بھی امد و ہندی دونوں میں پاس کیا

**شادی** | شباب انسان زندگی کی صراحت ہے مطلق میں اگر ہم سنہ سے شباب دیکھتے ہیں قرطب ان خوابوں کی تفسیر ہے۔ عہد مطلق کے بعد ایسا  
 زمانہ آتا ہے جب ایک بیجا جنوں سر پر سوار ہو جاتا ہے اس میں شباب کا مستقل رادہ نہیں ہوتا بلکہ ایک زبردست امید آفرینی  
 جو شکل کو آسان اور ناٹکس کو ٹکس کہتی ہے۔ کچھ بہت ہی معمولی قسم کی باتیں فرد پر نہیں۔ لیکن انہیں عشق و محبت نہیں کہہ سکتا۔ میری ازدواجی  
 زندگی میں بھی کوئی رد و انس نہیں ہے۔ زندگی میں عشق و محبت کا کوئی واقعہ نہیں ہوا۔ زندگی اتنی معروف اور زندگی گزارنا اتنی کشش کا حامل تھا۔  
 اس میں دو مانس کے لیے گھٹائش نہیں تھی۔ پندرہ برس کی عمر میں انھوں (والدہ) نے میری شادی کر دی۔ وہ ایک برصغیر محبت تھی۔  
 دیکھنے میں دلہا بھی نہیں تھی۔ اور میں اس سے مطمئن نہیں تھا۔ پھر بھی جیسے سب شرم کر کے تھے میں میں بیکر کسی قسم کے شکوہ شکایات کے اس  
 کے ساتھ نباہ کر تا رہا۔ اپنی بیوی سے کسوں، غصہ کئے کئے کو فٹ ہو رہی ہے۔ جن توں کر کے ایک عشرہ (والدہ کے انتقال کے بعد) کاٹا  
 تھا کہ ناگہانی ترددات کا ناتا بٹھا۔ میری صاحب نے ضد پکڑی کہ یہاں نہ رہوں گی، بیکے جاؤ گی، میرے پاس رہو رہو رہا۔ ناچار کھیت کا سانچہ وصول  
 کیا۔ اسی کی دشمنی کی تیاری کی وہ رد و محو کر چلی گئیں۔ میں نے سچا نا بھی پسند کیا۔ ان کو کتنے ہمتے آٹھ روز ہو گئے نہ خط و پتر۔ میں  
 ان سے پہلے ہی ناخوش تھا اب تو صورت سے بڑا ہو گیا۔ غالباً اب کی ابھی کی جدائی دائمی ثابت ہو، خدا کرے ایسا ہی ہو ہی جائیگی کے  
 ہوں گا۔ اور نہ سال سے اور وائرہ کی طرف سے ضد کیا رہے اور منور رہے جب کتا ہوں مغض ہوں تو والدہ کہتی ہیں کہ تم اپنی خاندان  
 سے دو، تم سے ایک کرنی نہ ملے جاسکتی۔ بہر حال ابکی تو کچھ چھڑا ہی لوں گا۔ آئندہ کی بہت ناراضی کے آٹھ ہے۔

جب میری پہلی بیری (۱۹۲۰ء) میں ہو گئی۔ تو میں نے ایک بال بیوہ (شیرانی دیوی) کے ساتھ (۱۹۲۰ء) شادی کی اور میں اس

ط پر ہم جن کا یہ بیان حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔ ان کی پہلی بیری دوسری شادی کے کافی عرصہ بعد تک زندہ رہی اور پریم چند انہیں ملاز  
 کہہ رہے ہیں جیسے رہے (پریم چند مگر میں)

کے ساتھ بہت ملکی ہیں۔ اسے بھی ادب سے ذوق پیدا ہو چلا ہے اور وہ کبھی کبھی کما نیاں بھی لکھتی ہے۔ وہ نڈر، حوصلہ مند، جھکنے والی، ایماندار عورت ہے جو کچھ وہ دے نہیں سکتی اس کی اس سے امید نہیں رکھتا۔ وہ ٹوٹ سکتی ہے لیکن آپ اسے جھکا نہیں سکتے جب کسی قسم کی محنتوں میں گرفت نہیں رہتی تو وہ قوم مردہ ہو جاتی ہے۔ مگر کتنی ہی مقدس ظالم اور خوشگوار یادوں کو بیدار کر دیتا ہے۔ مگر محبت کی آماجگاہ ہے۔ محبت نے بہت ریاضت کے بعد یہ بردان پایا ہے میں بیاہ کر دو سانی اور تھا کا ذریعہ سمجھتا ہوں عورت مرد کے رشتے کا اگر کوئی مطلب ہے تو یہی درز میں بیاہ کی کوئی ضرورت نہیں سمجھتا۔

دوبکے تھے۔ چھوٹا بچہ (منو) چھپک چھپک میں مبتلا ہو گیا اور ہمیشہ کے لیے (۱۹۲۳ء) ادراغ دے گیا۔ اس صدمے سے کم ٹوٹ گئی بہت پست ہو گئی۔ اب چار سال درزا کا پتہ اسے عرف دھواں خیر غوار رہ گیا اور ایک لڑکی — پر ماتا ان ہی دونوں کو زندہ رکھے (۱۹۲۳ء) میں چھوٹا لڑکا امرت لائے پیدا ہوا۔

**ابتدائی مطالعہ اور تحریریں** میری عمر کوئی تیرہ سال ہوئی۔ ہندی بالکل نہ جانتا تھا۔ اردو کے ناول پڑھنے کا جنون تھا۔ لاٹری پڑھا

ہر دو دن لکھی، اس وقت کے مقبول ترین ناول نہیں تھے ان کی چیر بیسیاں مل جاتی تھیں۔ سکول کی یاد بھول جاتی تھی کتاب ختم کر کے ہی دم لینا تھا۔ اس زمانے میں رینالڈ کے ناولوں کی دھرم تھی، اردو میں ان کے ترجمے دھرم دھرم نکل رہے تھے۔ اور انھوں نے لکھتے تھے۔ میری لکھی ان کا مانتی تھا۔ پنڈت رتن ناتھ سرشار کا خزانہ آزاد انہیں دہلی پڑھا۔ ”چندر کا ناستنت“ بھی پڑھا۔ بنکم بابو کے اردو ترجمے بھی جتنے لاٹری میں ملے سب پڑھ ڈالے۔ اور پنڈت رتن ناتھ سرشار سے تو میری نہ برتی تھی۔ ان کی تمام کتابیں میں نے پڑھ ڈالیں۔ ان دہلی میرے پائی گر کچھ دہلی دہتے تھے۔ اور میں بھی گورکھ پور کے اسکول میں انھوں نے جماعت میں پڑھا تھا۔ جرنیسرا درمہ لکھتا تھا۔ یقینی ایک کتب فروش بھی لال دہنا تھا میں اس کی دوکان پر جا بیٹھا تھا اس کے اشاک سے ناول ملے کر پڑھتا تھا مگر دوکان پر سامنے دہلی تو بیٹھ رہا تھا اس لیے میں اس کی دوکان سے انگریزی کتابوں کی کھنیاں اور خلاصے لے کر اپنے منکول کے لڑکوں کے ہاتھ پہا کرتا تھا اور اس کے مساوی میں ناول دوکان سے گھر لاکر پڑھتا تھا اور انہیں برسوں میں ملے سیکڑوں ہی ناول پڑھ ڈالے ہوں گے۔ جب ناولوں کا اشاک ختم ہو گیا تو میر نے نول کشن پریس سے نکلے ہوئے پرائڈ کے اردو ترجمے بھی پڑھے اور ”طلسم ہوشیار“ کے کئی حصے بھی پڑھے۔ اس عظیم طلسمی کتاب کے ما حصے اس وقت نکل چکے تھے۔ اور ایک ایک حصہ بڑے شہر والی کی شکل میں دو دو چار صفحات سے کم نہ ہوگا۔ اور ان کا حصول کے بعد اس کتاب کے مختلف موضوعات پر پچیسوں حصے چھپ چکے تھے۔ ان میں سے بھی میں نے کئی پڑھے۔ جس نے اتنے بڑے گرنٹھ کی تخلیق کیا اس کی قوت تخیل کس قدر مدد ہوگی۔ اس کا حرف قیاس ہی کیا جاسکتا ہے۔ کہتے ہیں ریکانیاں مولانا فیضی نے اکبر کی تفریح طبع کے لئے فارسی میں لکھی تھیں۔ اس میں کس قدر صداقت ہے کہ نہیں سکتا۔ لیکن اتنی طویل کہانی شاید ہی دنیا کی کسی زبان میں ہو، اسے پوری انساٹیکو پڑھا یا سمجھ لیجئے۔ ایک آدمی تو اپنی ساتھ برس کی عمر میں نقل کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا تخلیق تو دوسری بات ہے۔

**میری پہلی تخلیق** میرے ماموں گاؤں میں رہتے تھے۔ مرد لڑ نہیں تھی۔ اس سے کھانے بھر کر آجاتا تھا۔ لیکن بہتر زندگی گزارنے پر مجبور تھے۔ ساجی رکاوٹوں کے باعث شادی نہیں ہو سکی۔ اس لیے ایک چار دن سے جو ان کے گھر میں گورہ پانچھے



لے کر لاکھ لاکھ آکر تھی۔ مشتق لڑائے گئے۔ چار چار لاکھ تھی اس نے ساج کے منظر میں آئی کی کڑی کو بھانپ لیا اور حوش سے اچھے اچھے کپڑے لیتی اور مال کھاتی رہی اور اُدھر اس مشتق کا چرچا چار بیتی میں کر دیا اس لیے جس ہذا ماموں صاحب کو اس مشتق کا آخری مرحلے کرنا تھا اُن کی خوب مرست ہوئی۔ چھاری کے اندر آستری جوئی انہوں نے مسائل لگائی کر لٹہ بند چاروں نے دھواڑا تھڑا شروع کر دیا۔ وہ خون کے مارے جھوٹے مارے کر رہے ہیں ہاچھے۔ مگر چار اپنی سی کرتے پر تے ہوئے تھے انہیں اندر سے نکال کر خوب پٹا۔

سادے گاؤں میں اُن کی کھلی تھی اور وہاں دھنا شکل ہو گیا۔ اس نے وہ بہنوں کے گھر اُٹھا س سے پہلے بھی جب کبھی دیکھے سہتے رہتے ہی گھبرا تا تھا اکثر جانتے تھے میری عمر اس وقت بارہ تیرہ سال تھی۔ وہ بھر پر ہیشہ رب کا تشا کرتے تھے۔ میرا خیال تھا کہ اس واقع کے بعد ماموں صاحب کا رویہ نرم پڑ جائے گا۔ لیکن جب دیکھا کہ ایسا نہیں ہوا اور ماموں صاحب بدستور رعب کا تھڑا ہے ہیں تو میں نے اس واقعے کی بنا پر ایک مزاحیہ ڈراما لکھا جس میں چاروں کے اقصوں ماموں کی مرمت کا ذکر خوب مزے لے لے کر کیا تھا۔ میں صبح اسکول جاتے وقت ڈراما ماموں صاحب کے سر اُٹھ کر گیا۔ چھٹی طے پر میں یہ خیال دل میں لیے لوٹ رہا تھا کہ دو کہیں ڈراما پڑھنے کے بعد ان پر اس کا کیا رد عمل ہوا۔ لیکن گھر پہنچا تو وہاں نہ ماموں موجود تھے اور نہ وہ ڈراما۔ شاید وہ جاتے وقت اس کو تھڑا آتش کر گئے تھے۔

میں رو پیسے کر دوکان سے اترا ہی تھا کہ لمبی مونچروں والے ایک تئیں شخص نے مجھ سے پوچھا۔

**ملازمت**

”تم کہاں پڑھتے ہو؟“

میں نے کہا۔ ”پڑھتا تو کہیں نہیں پڑھیں نام لکھانے کی نظر میں ہوں۔“

”میلزیکولیشن پاس کیا ہے؟“

”ہی ان۔“

”لو کی تو نہیں جانتے؟“

”لو کی کہیں مٹی ہی نہیں۔“

یہ پہلے مانس کسی چھوٹے سے اسکول کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ اور انہیں ایک اسٹنٹ ماسٹر کی ضرورت تھی۔ اٹھارہ روپے تنخواہ پر مجھے ملازم رکھ لیا۔ اس وقت یہ اٹھارہ روپے میری ایس تناکا سراج تھے۔ میں دوسرے دن ہیڈ ماسٹر صاحب کے پاس حاضر ہونے کا وعدہ کر کے چلا تو پاؤں زمین پر پڑ پڑتے تھے۔ یہ ۱۸۹۱ء کی بات ہے میں گرد و مٹی کے حالات کا مقابلہ کرنے کو تیار تھا۔ اور مگر ریاضی کی وجہ سے آگ نہ جاتا ضرور آگے تک جانا گریاضی نے سارے ارکان خاک میں مادیئے۔ انٹرینگ کے بعد انہیں ٹریننگ کا چارٹر مائل اسکول کے ہیڈ ماسٹر مقرر کر دیا گیا کچھ روزی پر تب گورنمنٹ مائل اسکول سے بھی وابستہ رہے۔ ۱۹۰۲ء میں جھکاتہ لوگورنٹ مائل اسکول کا ہیڈ ماسٹر ہو گیا۔ ۱۹۰۳ء میں مسو بائیس بیر پور میں ڈسٹرکٹ بورڈ کے سب ڈپٹی انسپکٹر اور اس مقرر ہو کر گئے۔ ۱۹۰۵ء میں انسپکٹر

کوئی آئینہ نظر آتا تھا۔ بعد حاصل کیا تھا وہی اب جی کا جھیل پر رہی ہے، میں میر لہری میں تھا کہ مجھے پیش پیدیا ہو گئی۔ کانپور آکر علاج کرایا۔ ایک بد صیغہ صرہ آدھ میں ایرو دیک اور ڈاکٹری دوائی کھا تا رہا۔ لیکن غائدہ رہوا۔ تب میں نے اپنے تبادل کی درخواست کی پتا تو رہا کہ دو ہیکٹھ میں تبدیل ہو کر چکا گیا بستی کے ضلع میں لیکن بستی آکر پیش اور بڑھ گئی۔ تب میں نے دوسے کی (کر) (۱۹۱۵ء) چھوڑ کر بستی انی اسکول میں اسکول ماسٹری قبول کر لی۔

**استغناء** | یہاں سے تبدیل ہو کر (۱۹۱۵ء) گور کھڑ پنجا۔ یہ مسئلہ کا واقعہ ہے ان دنوں تحریک عدم اثر تک عمل زدوں پر تھی۔ جیالہ باغ کا واقعہ ہو چکا تھا۔ انیس دزن ہانا گانسی نے گور کھڑ کا دورہ کیا۔ غازی میاں کے میدان میں اونچا چیت نام تیار کیا گیا۔ دو فک سے کم کا مجمع تھا۔ تمام ضلع کی محبت مند بیک دندی آئی تھی۔ ایسا مجمع اس سے پہلے میں نے اپنی زندگی میں کبھی دیکھا تھا۔ ہانا جی کے درشن کی یہ برکت تھی کہ میرے ایسے مردہ دل آدمی میری جان آگئی۔ اس کے دو ہی چار دن کے بعد میں نے اپنی میں سال کی سرکاری ملازمت سے استغناء دے دیا۔

(۱۹۲۱ء) میں از داری دیا یہ میں صدر مدرس مقرر ہوئے۔ انتظامی امور میں اختلاف ہونے کی وجہ سے زواہ بعد مارچ ۱۹۲۲ء میں ملازمت سے استغناء دے دیا۔ اسی زمانہ میں ہندی ماہنامہ ”مراوا“ بنارس کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ مراوا سے طبعہ ہو کر کچھ دنوں حیثیت فخر کام کیا۔ (۱۹۲۵ء) میں ”گنگا پتک مالا“ میں ملازم ہو گئے۔ (۱۹۲۵ء) میں نوکسور پریس کے مشہور ہندی ماہنامہ ”ماہوری“ کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔

**صاف** | اخبار کا ایڈیٹر ہمیشہ کے تاحدوں کے مطابق قوم کا خادم ہے۔ وہ جو کچھ دیکھتا ہے۔ قوی وسیع نظری سے اور جو کچھ سنا ہے اس پر بھی قریب کی مر لگی ہوتی ہے۔ ہمیشہ قومی خیالات کی وسیع فضا میں گھومتے رہنے کے شخصی اہمیت کا ذرہ اس کی نگاہوں میں بہت تنگ ہو جاتا ہے۔ وہ شخصیت کو پیچ جھیرا اور ناقابلِ توجہ خیال کرنے لگتا ہے۔ شخصیت کو توہمت بہ ترقی کا اس کی روش کا ختم تری اختیار ہے۔ حتیٰ کہ اکثر وہ اپنی غرض کو قوم پر نچا کر دیتا ہے اس کی زندگی کا مقصد عظیم اور اس کا مہیا پاکیزہ ہوتا ہے۔ وہ ان زبردست شخصیتوں کا عقد ہوتا ہے۔ جنہوں نے قوموں کو بنا دیا اور سنوارا ہے۔ جن کا نام امر ہو گیا ہے۔ جو عظیم قوموں کے لیے نجات و ہندو ثابت ہو چکی ہیں۔ وہ حتیٰ الامکان کوئی کام ایسا نہیں کرتا۔ جس سے اس کے پیشروں کی چٹکی ہماری شہرت میں داغ لگ جائے۔

اب میں سرکاری اخبار نویس کیا ہوں گا۔ جنگ کے متعلق مضامین لکھنے کی بھی اس وقت مجھے فرصت نہیں ہے۔ بس اسی اپنی وقتہ قدیم پید ہوئی کہ کسی پرائیویٹ اسکول کی ہیڈ ماسٹری اور ایک اچھے اخبار کی ایڈیٹری اور کچھ جگہ کام بھی میری

نے پرم ہند نے گورکھ پور سے جند پور کا ڈیڑھ ۱۵ فروری ۱۹۲۳ء دیا زانی مگم کا اطلاع دی تھی کہ اس سرکاری ملازمت سے سبکدوش ہو گیا۔ کچھ استغناء منظور ہو گیا (تقریباً ۱۱۰۰ روپے)۔

مگم پرم ہند کا تفتیشی معاملہ ۵۲

سراج زندگی ہے۔ انہی ہی کسانوں کا حافی اندھ گام، اگر کمال سے کوکیت نہیں گزرتا تو کیا پھر پوری کمال سے کام لے کر  
 قلم ہی میری کمرل ہے۔ انہی سے کہ میرا کرتی بھی انہی خود کھیل نہیں ہوا۔ ”ہنس“ ہر کچھ زبانوں فرما نہیں ہے۔ ”لیکن ”جاگن“  
 کرتا رہا ہے۔ ان حالات سے کیسے چھٹکارا حاصل ہو رہی سوچ کر پریشان رہتا ہوں۔ ہر جینے تقریباً دو سو روپے کا خانا دیتا  
 ہے۔ میں کب تک برداشت کروں گا۔ ایک مرتبہ جاری کے بندہ کو دینا دانش مندی معلوم نہیں ہوتی۔ لوگ کیا کیا انہی بنائیں گے  
 نہیں گے۔ اگر مجھ ہی انہی بندہ کو دینے کی بہت برا تو اس پریشانی سے بچ جاتا۔ لیکن میں بہت پیدا بھی نہیں کر سکتا۔

بہن سے اگر اپنے تصنیف و تالیف میں مصروف ہو گیا۔ (۱۹۳۹ء) میرا بھائی رانا ”ہنس“ تو کھانا ہی تھا اس کا قصد  
 مندرجہ بالا غرضوں سے واضح ہو جائے گا۔ یعنی وہ ہندی و کم الخط کے اندیشہ ہندوستان کی کبھی زبانوں کی ادبیات سے بہتر ہی سوا درازم  
 کر کے پبلک کر دے گا۔ اور اس طرح قلمی ادب کی بنیاد ڈالے گا۔ جس میں ہر ایک زبان کے مصنف انفرادی طور پر ہوں گے۔  
 فی الحال ایک زبان والوں کو دوسری زبان سے ایک بیگانگی سی رہتی ہے۔ جھگڑاؤں کو گرائی کی کچھ خبر نہیں اور دوسروں کو ٹھیک کچھ  
 خبر رہتی ہے۔ سو بیکاتی ادبیات میں کیا کیا جہاں پھر سے ہوتے ہیں۔ اور دوسرے زبان پیدائستے ہوتے ہیں۔ اس کی طرف کسی کا توجہ نہیں۔  
 ”ہنس“ ہلے یہ خدمت اپنے ذمہ لے گا۔ اس میں تھو۔ کناڈی۔ گرائی۔ بنگلہ۔ بھوٹی۔ اُردو۔ ہلالم وغیرہ زبانوں کے ہاکالوں کے  
 تخلیقی کارنامے رہتے ہیں۔ اور کوشش کی جاتی ہے کہ کبھی زبانوں کے ادیبوں سے ہم واقف ہو جائیں۔ زبان کی حدود کے باعث کسی  
 ہاکال بزرگ کی ادبیات سے فیض اٹھانے سے ہم کوں محروم رہیں۔ اُردو کے لیے بھی ایک حصہ وقف ہے۔ پچھلے نمبر کے لیے ہم نے  
 ڈاکٹر اقبال ڈاکٹر ذکر حسین صاحب۔ اور سید علی الدین قادری صاحب زور کے مضامین شائع کئے ہیں۔ میں یہ تفصیل اس لیے دے  
 رہا ہوں کہ میں بہن سے اگر بیکہ نہیں بیٹھا اور قیض اوقات نہیں کر رہا ہوں۔

اُنہی میں اچھے رسائل کا قائم رہنا فرنگی ہو گیا ہے۔ معلوم نہیں اس کا باعث کیا ہے۔ اُردو پڑھنے والوں کی تعداد کم نہیں  
 ہے۔ مگر ظالم سب صفت کے پڑھنے والے ہیں۔ جب کا دعویٰ قائل نگا دی کا ہے۔ سبھی اہل قلم جیسے پڑھنے والوں کی نہیں ہے۔  
 اگر ہم اپنی قلمی دکن سے تپانے تشریح کو فروغ دینا پڑے گا۔ اور چاہے یہ کام افراد کریں یا مجموعہ افراد، مگر اسے کاروباری  
 اصول پر کئے بغیر اتنا کام نہیں ہو سکتا جتنے

”ہنس“ سے قلمی تعلق ٹوٹ گیا۔ صفت کی سرمنبری۔ بیوں کے ساتھ کام کر کے شکرینے کی جگہ جلد لاکر تم نے  
 ”ہنس“ میں زیادہ رو پر مرن کر دیا۔ اس کے لیے میں نے دل دھان سے کام کیا۔ بالکل اکیلا۔ اپنے وقت اور محنت کا کتنا  
 غم کیا۔ اس کا کسی نے لحاظ نہ کیا۔ میں نے ”ہنس“ ان لوگوں کو اس خیال سے دیا تھا کہ وہ میرے پریس میں جیتا رہے گا

۱۔ پریم چند نے جنوری ۱۹۳۹ء میں ہندی ماہ نامہ ”ہنس“ جاری کیا اور اگست ۱۹۳۹ء میں انہوں نے جاگن ہندی  
 ہفتہ وار کی ذمہ داری بھی اپنے سر لے لی تھی۔ ۲۔ رانا ہنس جون ۱۹۳۹ء میں بند ہو گیا تھا۔ جنوری ۱۹۳۹ء میں  
 دوبارہ جاری ہوا۔ ۱۹۴۵ء میں اس کا انتہام ہندی ماہیت پریشد نے سنبھال لیا۔ مرتب

اگلے پڑی کی طرف سے گونے بھری رہے گی۔ لیکن اب وہی میں سمجھتا ہوں کہ اس کی طرف سے نکلے گا اور اس تبادلے میں پریشد کا خزانہ بچاؤں دوپہ لینے کی کجیت ہو جائے گی۔ میں بھی خوشدہوں۔ جس لڑکچر کی اشاعت کو راقصا وہ ہمارا لڑکچر نہیں ہے وہ تو وہی جگتن والا صاحبی تھیکر ہے۔ جو ہندی زبان میں کافی ہے۔

فلیم کی ایک غم کینی لکھی جا رہی ہے۔ تزاہ کی بات نہیں ٹھیکے کی بات ہے۔ آٹھ ہزار روپیہ ملاز پر۔ میں اس حالت پر کچھ لکھوں جب تک اس کے سوائے کوئی چارہ نہیں رہ گیا ہے کہ تو وہی چلا جاؤں یا اپنے ناول کو بازار میں بیچوں یا اشتا پیسے ٹون کینی مالے حاضر کی کوئی قید نہیں رکھتے۔ میں جو چاہوں کھوں جہاں چاہے چلا جاؤں۔ وہاں سال بھر رہنے کے بعد ایسا کنٹریکٹ کروں گا کہ وہیں (بندہ میں) بیٹھے بیٹھے میں چار کمائیاں کھ دیا کروں اور چار پانچ ہزار روپے مل جایا کریں۔ جن سے ”جاگرن“ اور ”ہنس“ دونوں نمبر میں چلیں گے اور پیسے کی تکلیف جاتی رہے گی۔

میں کم جی (۱۹۳۲ء) کر لکھی چلا آیا۔ اس کینی سے معاہدہ کر لیا۔ سال بھر میں چھ تھے اسے دینا ہوں گے۔ رسالوں سے تواتر نقصانات ہو رہے تھے۔ ایک سیر مل سے روپے وصول نہ ہوتے تھے۔ کاغذ وغیرہ کا بار بڑھتا تھا تاہم مجدد ہو کر معاہدہ کر لیا۔ چھ تھے کھٹا مشکل ہیں۔ ان ڈاکٹر کزدن کے مشورے سے کھٹا مزدوری ہے۔ کوکیا چیز غم کے لیے موزوں ہوگی۔ اس کا بہترین فیصلہ دی کر سکتے ہیں۔

مگر میں جی اداؤں سے یہاں (بہن) آیا تھا ان میں سے ایک بھی اپنا ہوتا نظر نہیں آتا۔ یہ پروڈیوسر جس طرح کی کمائیاں بناتے رہے ہیں اس ایک سے جو بھر نہیں بٹ سکتے۔ رکیک مذاق کو یہ لوگ تماشے کی جان سمجھتے ہیں۔ ان کا عقیدہ اٹکا ہے۔ رام راہی مذاق کی سازشیں۔ فکلی لڑائیاں۔ بوسہ بازی۔ یہی ان کے مقصد ہیں۔ میں نے سماجی کمائیاں کھیں ہیں جنہیں تعلیم یا فزبط بھی دیکھنا چاہتا ہے لیکن ان کو غم کرتے وقت شہ ہوتا ہے کہ چلیں یا نہ چلیں۔ اگر مولانا ابوالکلام مکملے کھیں تو فلموں میں جان پڑ جائے مگر آپ تو جانتے ہیں غم کی قدر درجہ پنجم کے تماشائیوں پر ہے اور یہ اچھے مکملے کی قدر نہیں کر سکتے مگر فریہ لوگ قدر د کریں گے مالے تو کرتے ہیں۔ بازو مسکائی ٹیچر کر دی ”مل مزدور“ البتہ کچھ ابھی دی۔ سال (۱۹۳۴ء) تو یاد کرنا ہی ہے۔ قرضدار ہو گیا تھا۔ قرض پٹ جانے لگا۔ مگر اد کوئی فائدہ نہ ہوا۔ اپنے پہانے اڈے پر جا بیٹھوں گا وہاں دولت نہیں ہے۔ مگر سکون قلب مزدور ہے۔ یہاں تو معلوم ہوتا ہے زندگی بہادر کرنا چاہی۔

میں ان کے ذریعہ مغرب کی ساری سمجھ لیاں ہمارے اندر داخل کی جا رہی ہیں اور ہم بے بسی ہیں بلکہ میں تعلیم نہیں دیکھ رہا کہ انہما ز ہے۔ آپ انہما دل میں کتابی فریاد کہتے وہ بیکار ہے اور اخبار دے لے بھی قوصان گئی سے کام نہیں لیتے۔ جب ایکریوں اور ایکریوں کی تصویریں دھڑا دھڑا چلیں اور ان کے مکمل کے قصیدے گائے جائیں تو کیوں نہ ہمارے زخموں پر اس کا اثر ہر سانس ایک برکت ایلا دی ہے۔ مگر ان کے انھوں میں ہرگز لغت ہو رہا ہے۔ جی انھوں میں غم کی قسمت ہے وہ بد قسمتی سے اسے اندر مٹری کو بجیے ہیں۔ اندر مٹری کو مذاق اور اصلاح سے کیا نسبت وہ اکسپلاٹ EXPLOIT کر رہی ہے۔ برہنہ اور نیم برہنہ تصاویر نقل و خون اور جبر کی دو داستانیں مار بیٹ۔ غصہ اور غضب اور نفسانیت ہی اس اندر مٹری کے انداز ہیں اداسی سے وہ انسانیت کا خون کر رہی ہے۔

میں بہن میں تنگ سے تنگ آگیا۔ بیان کی آب و ہوا اور خنداںوں پر میرے صاف اثر تھے۔ چھ مہینے آدھی نہیں مل سکتے تھے۔  
 بہن یا تجربہ حاصل کرنے کی طرف سے بہن کی آقا میری کمپنی کی تعداد پر ایک ہی اصول دیکھیں۔ اس میں کچھ بڑوں کے مستحق ہونے  
 اور بھی تفصیلات ہوتے چنانچہ ان کے آئندہ کا سبک دھڑلے سے سامع۔ بڑے بڑے طریقہ کار پیش ہو گئے۔ سنا میں کسی اصطلاح  
 لا تو قی کرنا بیکار ہے۔ مہنت میں اسی طرح سر ہمارے دل کے آئندہ میں ہے جیسے شراب نوشی۔ انہیں اس سے بحث نہیں کر سکتے  
 لے مذاق پر کیا اثر ہے انہیں تراپے جیسے سے مطلب۔ بہن زرق۔ بوسہ بازی اور مردوں کا حوصلہ ہر جگہ۔ یہ سب ان کی  
 طرف میں جائز ہے۔ پہلے کا مذاق اتنا گر گیا کہ جب تک یہ غریب اور عاقل سزا دے نہ دیں اس تصویر میں وہ انہیں آقا مذاق کی  
 اصطلاح کا بڑا کوئی اٹھائے۔ میرے خیال میں شریف خواتین کا ظلم ساری میں حصہ لینا ہر گز دوست نہیں کیونکہ نگار خانوں کی نفسانوں کے  
 لیے اس میں آسکتی اور نہ آئندہ اس میں کسی قسم کی اصطلاح ملے گی ہے۔ مینا کی جدت ہمارے زور و اثر پر جو ہے اثرات مثبت ہو رہے  
 تھے۔ ان اخبارات کی جدت اس میں دلی جلی ترقی ہو رہی ہے۔

میرا تھیں گے۔ ۲۵ مارچ ۱۹۳۵ء کو اپنے وطن ہارن جا رہیوں۔ اجٹا کپنی اپنا کاروبار بند کر رہی ہے۔  
 براکٹریٹ کو سال بھر کا تھا اور ابھی میں بیٹے ہوتی ہیں۔ لیکن میں ان کی ذمہ داری میں اضافہ نہیں کرنا چاہتا۔ بعض اس لیے لگا ہوا ہوں کہ لڑکی  
 اس کی رقم وصول کر لے۔ اور جا کر میرا اپنے شریک کام میں مصروف ہو جائیں۔ آج کل میری صحت نہایت کمزور ہو رہی ہے۔ کھانا پختہ  
 نہ کر رہا ہے۔ ایک ادبی انسان کے لیے مینا میں کوئی گنجائش نہیں ہے میں اس لائق میں اس لیے آیا کہ مجھے اس میں ملی فتنہ منظر سے  
 آزاد ہونے کے کچھ امکانات نظر آئے۔ لیکن اب میں دیکھتا ہوں کہ میں دھوکے میں تھا اور میں پھر ادب کی طرف لوٹ رہا ہوں۔

ادب شاعری اور دوسرے فنون کا مقصد پیشہ ہے یا وہ ہے کہ کوئی میں جو بہت ہے اسے شاعر اس کے کھلی صفات کو  
 جگایا جائے اس کے ادبی جذبات کو باکر یا شاعر لطیف، نرم و نازک اور پاکیزہ جذبات کو بیدار کیا جائے۔ اگر مینا اسی آدھ  
 کر سانسے رکھ کر تصویریں پیش کرے تو آج وہ دنیا کو آگے بڑھانے میں سب سے فخر مقامات ثابت ہوتا۔

جس زمانہ میں میں کانگریس کا اجلاس تھا خیرتر سینا دل خالی رہتے تھے اور ان دنوں برصغیر میں دکھائی گئیں ان میں انسانی  
 ہمارا۔ اس کا سبب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ عوام کے ہارے میں جو خیال ہے کہ وہ مارکاٹ اور سنسنی پیدا کرنے والی  
 تصویروں کو پسند کرتے ہیں بعض وہم ہے۔ عوام محبت یا شاعر۔ اخوت اور انسانی ہمدردی کے جذبات سے بھری ہوئی عظیم نیلہ  
 شوق سے دیکھنا چاہتے ہیں مگر ہمارے سینا داروں نے پولیس والوں کی ذہنیت سے کام لے کر یہ سمجھ لیا ہے۔ کہ صرف ہمارے  
 سمجھنے ہی میں لڑائی اور زور آزمائی میں یا صرف کی اونچی دیوار سے کودنے میں اور جھوٹ مرث ٹی کی تحویر چلانے میں ہی جتنا کو آئندہ  
 آتا ہے۔ اور کچھ تصویریں جس دانی اور برس نگار کو دیکھنا کے لیے اتنی ہی ضروری ہے جتنا جسم کے لیے آنکھیں۔ بے تنگ  
 عوام شہادت اور جو فردی دیکھنا چاہتے ہیں۔ عشق و محبت کے مناظر ہیں ان کے لیے خاص کشش رکھتے ہیں۔ لیکن یہ خیال کہ تنگی  
 اور بوسہ دکان کے بغیر محبت کا اظہار ہی نہیں سکتا۔ اور صرف تعلقی تحویر چلائی جو فردی ہے اور بغیر کسی ضرورت کے گیتوں کا گانا  
 خوش ذوق کا تقاضا ہے یا تشدد اور جبر و انیت سے عوام کو تسکین حاصل ہوتی ہے نفسیات کی بالکل غلط تعبیر ہے۔

**گرمیوں کا کام** | پختہ دہلی کا دیہات میں ایک مکان تمام اور وہ دولوں (۱۹۲۲ء میں) وہاں چلے گئے اور چٹے جلانے لگے۔ میں قربانی کو اپنی ذات تک رکھنا چاہتا ہوں۔ خیال کو اس چکی میں پیسنا نہیں چاہتا فی الحال روٹیاں بنے جاتی ہیں۔ کچر ٹری کام کر لیتا ہوں۔ یہ قربانی ہے۔ خلافت دیکھتے دوں، قوم اور ذات دونوں کو ساتھ لیے ہوں۔ میں ٹری کام کو تھوڑی قربانی نہیں سمجھتا جو شخص اپنی خاطر آمدنی کا ایک حصہ کسی مدرسے کے لیے خیرات کر دیتا ہے۔ وہ ہماری قربانی کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتا۔ جو اپنے لیے سناٹا مرام کر لیتی ہے۔ میرے لیے کوئی ایسی ٹری نہیں جس میں فکر معاش سے آزاد ہو کر میں زندگی کا شتا۔ اس سے زیادہ نفس کشی میرے مکان سے باہر ہے۔ آکاٹی معاش سے مجھے اطمینان نہیں ہوتا۔ ضروریات کے لیے مستقل صورت چاہیے۔ تکلفات کے لیے کافی صورت ہر وقت ضائقہ نہیں۔ اخباری زندگی میں کس قدر چھٹ ہے۔ ابھی ہمارے یہاں وہ لانا نہیں آتا جو غلام کو CAREEV بنایا جسکے۔

**پریس** | میں نے گلزار کے ایک ہندی پریس میں شرکت کر لی۔ گیارہ آئے میرے ایک دوست کا پانچ آئے میرا۔ میرا اور وہ ہندس میں ایک بستر پریس رکھنے کا ہے (۱۹۲۳ء) لوگ کہتے ہیں چل نہیں سکتا۔ لیکن ایک بار کوشش کر کے دیکھنا چاہتا ہوں۔ میری کتابیں نکلنے کے لیے تیار ہو رہی ہیں۔ پریم بھٹی ختم ہو گئی۔ گزشتہ عینیت۔ محض اس لیے ناتمام ہے کہ کوئی پبلشر نہیں ہے۔ جب تک یہ کتابیں تیار ہوں غالباً میرا ناول تیار ہو جائے گا۔

جس توجہ سے (پریس میں) کام کرنا چاہیے وہ نہ دے سکا۔ گھر پر ٹری کام کرتا ہی ہوں۔ اس کام کو تفریح کے طور پر کرتا ہوں مگر تفریح فتنہ کی چیز ہے۔ تھکات دل و جان دونوں جاتی ہے۔ پریس (دوسری پریس) کے خیال سے کسی طرح ملانی نہیں ہوتی۔ اب تک (۱۹۳۵ء) پندرہ ہزار کا نقصان ہو چکا ہے۔ مگر کیا کروں گے میں جو حاصل چاہتا ہوں۔ اُسے بجائے ہاتا ہوں۔ اگرچہ میں بھٹی نہ چلا ہوتا تو شاید اب تک پریس بند ہو گیا ہوتا۔ بہت اچھا ہوتا۔ لیکن انسان برس کا پتلا ہے۔ نقصان اور پریشانی اٹھاتا ہوا میں (۱۹۲۰ء) بمیر لاپی میں تھا۔ کہ مجھے بچش پیدا ہو گئی۔ گرمی کے دنوں میں یہاں کوئی سبز ترکاری نہ ملتی تھی۔

**میری صحت** | ایک بار کئی دن لگاتار خشک اور دھوپ کاٹا پڑی ایک روز پیٹ میں ایسا درد ہوا کہ تمام دلی ٹھیلی کی طرح تڑپتا رہا۔

جھدن کھایا۔ پیٹ پر گرم بوتل بھری۔ جامی کا عرق پیا۔ غرض دیہات میں جتنی دوائیں مل سکتی تھیں سب کھا لی۔ لیکن درد کم نہ ہوا۔ دوسرے دن بچش ہو گئی۔ ٹیکس لاد جاتا رہا۔ اس طرح ایک سیدہ ختم ہو گیا۔ اس کے بعد میں ایک قصبہ سہیا تو دواں کے تھانہ دار صاحب نے مجھ سے تھادی میں ٹھہرنے اور کھانے کو کہا۔ کئی دن سے رنگ کی دال کھاتے کھاتے اور پرہیز کرتے کرتے پریشان ہو گیا تھا۔ سوچا کیا ہو رہا ہے۔ آج ہمیں ٹھہر جاؤ۔ کھانا تو لذیذ ملے گا۔ تھادی میں اٹا جمایا۔ درد ختم ہونے لگا۔ کچڑیاں۔ کچڑیاں۔ دی بوتلے پلاؤ۔ سب کچھ نہوایا۔ میں نے بھی خاص طور پر کھایا۔ لیکن کھانے کو جب تھانے میں درودن کے برس کے چٹے میں لیٹا تو وہ دھانی کھنے کے بعد پھر پیٹ میں درد ہونے لگا۔ ساری رات اور اگلے دن بھر کھاتا رہا۔ سو دھن کے دو بوتلیں پینے کے بعد تھانے میں تو چین ملا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ یہ تمام زمین تھادی خرابی ہے۔ تب سے ادوی اور زمین تھادی دواں کی صورت کچھ کر گاہ جاتا ہوں۔ درد تو خیر جاتا رہا۔ لیکن بچش کی دھانی شکایت ہو گئی۔ ٹھنڈے جاتا۔ کسرت کرتا۔ پرہیزی کھانا کھاتا۔ ادھک کئی دکنی دوا بھی کھایا کرتا۔ لیکن بچش میں کوئی کمی نہ ہوتی اور





انسانی کائنات لاکھوں کی تعداد ہے۔ اس کے نشانات و نشانوں تو نامکمل ہے۔ اسے گرم کر کے ہم اس کی جگہ نئے نشانات ترسیم کر سکتے ہیں۔ فوٹوفی اور زخمہ دہی کا تعلق مزاج سے ہے۔ بہت سے نوجوان ہیں جو مزاج کے اعتبار سے کچھ زیادہ جڈھے ہو گئے ہیں۔ اور بہت سے سُن لوگ ہیں جو خیالات کے لحاظ سے مجھ سے بھی کم ہیں زیادہ فوجواں ہیں۔ لیکن ان کو بھی خیال ہے کہ اس اعتبار سے میری فوجواں روز افزوں ترقی کر رہی ہے۔ میں عقلی کا مستند نہیں، اس لیے آخرت کا خیال جو انسان کی فوجواں کے لیے سب سے زیادہ مسلک ہے۔ مجھے کبھی ستا ہی نہیں۔ مذہب کو توڑنے کے لئے عقل ہاتھی ہی بیکار ہے جتنا بیگی کو توڑنے کے لیے سونا رکا کاٹا۔ یا تو مذہب کی روشنی اتنی تیز ہے کہ عقل کی آنکھیں بندھی جاتی ہیں یا پھر اس میں ایسی زبردست تاریکی ہے کہ عقل کو کچھ نظر ہی نہیں پڑتا جو انی بھی دوطرح کی ہوتی ہے ایک صحت بخش اور دوسری جنوں انگیز۔ صحت بخش فوجواں کا عامہ یہ ہے کہ انسان خطرناک غاروں سے بچتا ہوا ایک ترقی پذیر اور پُر امید راستہ اختیار کر کے جنوں انگیز شبلیہ میں آمدنی انحصار ہوتا ہے۔ ادراپی قابلیت کے متعلق مبالغہ آمیز خیالات رکھتا ہے اور اپنے ارمانوں کی تکمیل کے شائد اذخواب کیا کرتا ہے۔ میں کبھی کبھی خواب دیکھتا ہوں اور بعض اوقات ناواقبت اندیشی بھی کر چکا ہوں مگر افراد و تفریط سے بچا رہتا ہوں۔ اس لیے جنوں کے بہتر سے ہی سے قائمہ اٹھاتا ہوں اور اب یہ محسوس کرنے لگا ہوں کہ قناعت کی گھریلو زندگی دنیا کی بہترین نعمت ہے۔ علم و ذہانت نعمتِ بڑی اور دیگر نعمتی اور دماغی اوصاف کو ہمیں اپنی اور ذریعہ ہستی کا مقصد نہیں بنادینا چاہیے۔

**میری آمدنی** | میری آمدنی کا کچھ دپو چھبے۔ تمام ابتدائی کتابوں کا حق طباعت بلشر ذکر دے دیا۔ سیرا سدن۔ پریم آشرم بہت مزاج سلگرام کے لیے ہندی پنک ایجنسی نے ایک مشیت میں ہزار روپے دیئے تھے اور زندگی کے لیے شاید اب تک دوسروں سے ملے ہیں۔ دھارے لال بی نے رنگ بھری کے لیے اٹھارہ سو روپے دیئے تھے اور دوسرے مجبوروں کے لیے سو روپے ملی گئے ہوں گے۔ کایا کلب۔ آزاد کتب خانہ۔ پریم پرتا۔ پرتگیاں۔ میں نے خود چھاپیں۔ لیکن ابھی تک مشکل سے چھ سو روپے وصول ہوئے ہیں۔ تصانیف سے متفرق آمدنی کمپیس روپے ماہوار ہوجاتی ہے۔ مگر کبھی کبھی اتنی بھی نہیں۔ اور ترجموں میں شاید دو ہزار سے زیادہ نہیں ملا۔ کچھ سو روپے میں رنگ بھری اور پریم آشرم دونوں کے ترجموں کا معاوضہ ہو گیا۔

**ناول** | ہم خرمادیم خواب، کتا وغیرہ میری ابتدائی تصانیف ہیں۔ پہلی کتاب تو کھنڈ کے نول پرپس نے شائع کی تھی دوسری کتب بنارس کے ریڈیکل ڈال پرپس نے۔ یہ غالباً سن ۱۹۱۸ء کی تصانیف ہیں۔ سن ۱۹۱۹ء میں ایک ہندی ناول پرپس لکھا کہ انڈین پرپس سے شائع کر دیا۔ سن ۱۹۱۸ء میں جلوتہ ایشیا لکھا۔ پوت دار جی کی صلاح سے میں نے (بازاد من) سیرا سدن نامی ناول لکھا (سن ۱۹۱۸ء) سیرا سدن کی جوتہ دمنزلت ہوئی اس سے میری بڑی حوصلہ افزائی ہوئی اور میں نے دوسرا ناول پریم آشرم (گوشت عافیت) لکھا۔ رنگ بھوم کا کلب چاروں ناول دو دو سال کے وقفہ کے بعد لکھے۔ بازاد من میری دو تیرہ سال کی محنت اور خاصہ فرسائی کا نتیجہ ہے۔ ہندی میں تو مجھے پانچ سو ملے اور ہندی ناول نے خوب شہرت حاصل کی، اکثر نقادوں نے اُسے ہندی زبان کا بہترین ناول کہا ہے یہ بازاد من کا ترجمہ ہے مجھے ابھی تک یہ اطمینان نہیں ہوا کہ اس طرزِ تحریر پر اختیار کوں کبھی تو کلم کی نقل کرتا ہوں کبھی آزاد کے چھپے جلتا ہوں آج کل کاؤنٹ ڈاؤن کے قصبے پر چھاپوں۔ تب سے کبھی اسی رنگ کی طرف طبیعت مائل ہے۔ اپنی کردی ہے۔

الہ آباد میں ایک برہمن پڑھتا ہے۔ اُپادھیائے جی اس کے آدھ میں کچھ تپلی بنے ہوئے ہیں ادھ چانگ باتیں کہہ کر مجھے جنام



کرسچن۔ لیکن یہ کہلاؤ دینی تیر میں نہ ہو کر انہی کا ہے۔ اس لیے انہیں انہی کے RESURRECTION کے  
 نام سے یاد کیا گیا ہے۔ میں نے ان کا ذکر کرنا نہیں چاہا، کیونکہ ان کی تعریف بہت سے لوگوں کی مانند ہے۔ یہی آپ بیتی  
 کی مکمل ہے۔ قریب قریب سب کچھ کہہ دیا ہے۔ آپ نے انہیں کہہ دیا ہے کہ انہی کے لیے ایک اور خلاصہ لکھنا ہے۔ انہی کے لیے ایک اور خلاصہ  
 لکھا جائے گا۔ اس شخص کے لیے قریب قریب سب کچھ کہہ دیا ہے۔ انہی کے لیے ایک اور خلاصہ لکھنا ہے۔ انہی کے لیے ایک اور خلاصہ لکھنا ہے۔

اس صوفی نے اپنے پیشروں کا قتل کیا ہے، انہوں نے ان کے قریب دارالافتاء میں قتل کر دیے۔ پر وہ انہی تک پہنچنے نہیں سکیں گی  
 غور کرو کہ وہ کچھ نہیں کہہ سکتے، انہی کے لیے ایک اور خلاصہ لکھنا ہے۔ انہی کے لیے ایک اور خلاصہ لکھنا ہے۔ انہی کے لیے ایک اور خلاصہ لکھنا ہے۔  
 یہی ہے کہ انہی کے لیے ایک اور خلاصہ لکھنا ہے۔ انہی کے لیے ایک اور خلاصہ لکھنا ہے۔ انہی کے لیے ایک اور خلاصہ لکھنا ہے۔  
 انہی کے لیے ایک اور خلاصہ لکھنا ہے۔ انہی کے لیے ایک اور خلاصہ لکھنا ہے۔ انہی کے لیے ایک اور خلاصہ لکھنا ہے۔

اردو میں رسالے اور اخبارات کو بہت نکتے ہیں شاید ضرورت سے زیادہ اس لیے کہ کسان ایک قریبی قوم ہیں اور قریبی قوم انہیں  
 اپنے قریبی شخص کے قتل کے قابل سمجھتا ہے۔ لیکن پیشروں کا قتل کرنا ہے۔ اس لیے غور کرو کہ انہی کے لیے ایک اور خلاصہ لکھنا ہے۔  
 انہی کے لیے ایک اور خلاصہ لکھنا ہے۔ انہی کے لیے ایک اور خلاصہ لکھنا ہے۔ انہی کے لیے ایک اور خلاصہ لکھنا ہے۔

میں ناول کو انسانی کردار کی مصوری سمجھتا ہوں۔ انسان کے کردار پر مبنی ناول اور اس کے کردار کو کھڑا ہی ناول کو انسانی تصور ہے۔ چاہا  
 کہ اردو کے مطالعہ جتنا واضح اور وسیع ہوگا اتنی ہی کمال ہے کہ اردو کے کردار کی مصوری کر سکیں گے۔ انسانی عظمت اور انسانی عظمت ہے۔ انہی کے لیے ایک اور خلاصہ لکھنا ہے۔  
 اس میں ناول نگار کا عجیب اقبال ہوتا ہے۔ مگر اگر وہ پیش کے حالات اس کے کوئی ہونے تو خیر ہے جاتا ہے۔ اور انسانی ہونے تو  
 شیطانی۔ وہ طاقت ذکر کردہ کا نفس ایک کھلنا ہوتا ہے۔

وہی ناول نگار کا دور ہے کہ جس میں حقیقت اور آدھش آمیز ہونے ہوں۔ اسے آپ آدھش وادی حقیقت پسندی کہہ  
 سکتے ہیں۔ چنانچہ میں نے ایک انداز میں لکھا ہے کہ اس کے لیے (۲۰۰) صفحات کا ہے اس قصہ میں  
 نے ایک اخلاق بے شرابی یعنی ذرا دھمکتی روٹی پر چڑھ کر ہے۔ کامیاب ناول نگار کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے چہرے  
 والوں کے دل میں ہی ان ہی جذبات کو پیدا کر دے جو اس کے کردار میں رونما ہوں۔ چہ جتنا بالا بہل جائے کہ وہ کوئی ناول چاہے  
 ایسے واقعات کی تخلیق کرتی ہوتی ہے جو ہمارے دل پر دل ہمارے جذبات کی گراں گنج ہائیں۔ اکثر کامیاب کامیاب ہے کہ اس کا تصور  
 میرے قصوں کو سراپا کر دیتے ہیں۔ میرے نصف سے زائد نکتے کسی دکنی نکتے کے متعلق ہیں۔ انہی کے لیے ایک اور خلاصہ لکھنا ہے۔  
 اس طرح سے خالی نہیں۔

ناول نگار کے لیے ایک ٹوٹ بک دکھنا ضروری ہے اگرچہ راقم الحروف نے کبھی ٹوٹ بک نہیں دیکھی اس کی ضرورت کا وہ  
 اعتراف کرتا ہے۔

میرزا علی محمد علی خان صاحب نے ایک پیشگی قلمی کدیاں لیں، گماندو میں بہت برا اثر ایک روپنی صفحہ کوئی دسے دیا۔  
 ہر شے کو اپنے کپڑے کی کمانیاں یاد ہیں گی جو اس نے اپنی والدہ یا کسی سے منی تھیں۔ کمانیاں سننے کے لیے وہ کس قدر متحرک رہتا  
 تھا۔ کمانی شروع ہوتے ہی وہ کس انہماک سے اسے سنتا تھا۔ کتے اور بلیوں کی کمانیاں سن کر وہ کس قدر خوش رہتا تھا۔ اسے  
 وہ شاید کبھی نہیں بھول سکتا۔ میرزا علی خان صاحب نے سب سے خوشگوار یاد شاید کمانی ہی ہے۔ کھلونے، مٹھائیاں اور کپس ٹاشے تو تقریباً کسی ذہنی  
 سے اتر جاتے ہیں، لیکن انہیں کدوں کی یاد دہانی میں باقی ہے۔

پچھلے چار سو سالہ میں میرزا علی خان صاحب نے کمانیاں کھنا شروع کی تھیں اور ہندو ناقد (ٹیکر) کی کئی کمانیاں میں لے آکر بی بی میں چسپی تھیں ان  
 میں سے بعض کا ترجمہ لکھ کر میرزا علی خان صاحب نے "دنیا کا سب سے انمول رتن" وہ مسئلہ میں رسالہ "زمانہ" میں بھی اس کے بعد میں نے  
 زمانہ میں چند بچے کمانیاں اور کپس سنائے ہیں بچے کمانیوں کا مجموعہ سوز وطن کے نام سے زمانہ پریس کا پندرہ سے شائع ہوا۔ اس وقت ملک میں  
 تقسیم ہند کی شورشیں ہوتی تھیں۔ لہذا وہ کپس میں گرم دل کی بنیاد پر لکھی تھیں ان بچوں کمانیوں میں حب وطن کا ترانہ گایا گیا تھا۔  
 اس وقت میں سرشتہ تقسیم میں سب انسپکٹر مدارس تھا اور ہر پردے کے مسلح میں تعینات تھا۔ کتاب کو لکھ کر میرزا علی خان صاحب نے ایک دن  
 رات کو میرزا علی خان صاحب میں بیٹھا ہوا تھا کہ لکھڑ صاحب کا پروانہ پہنچا کہ "نوراً اگر مجھ سے طرہ جانشین کا سرگرم تھا میں نے بیل گاڑی جوتا اور  
 رات کو رات میں چائیں میں کا سفر طرہ کے دوسرے دن صاحب سے ملا۔ ان کے سامنے "سوز وطن" کی ایک جلد رکھی ہوتی تھی۔ میرزا علی خان صاحب  
 اس وقت "ذرا بے شکستہ" سے لکھتا تھا۔ مجھے اس کا کچھ پتہ نہ مل چکا تھا۔ کوئی بلی اس کتاب کے مصنف کی کھوج میں ہے۔ میں  
 سوچا کہ اس لوگوں نے مجھے کھوج نکالا اور صاحب لکھنے اس کی جوابی کے لیے مجھے بلایا ہے۔

صاحب نے مجھ سے پوچھا "کیا یہ کتاب تم نے لکھی ہے؟"

میرزا علی خان صاحب نے کہا "ہاں"

صاحب نے ایک کمانی کا ترجمہ سے مطلب پوچھا اور آخر میں جھوٹا کر بولے "تمہاری کمانی میں، مسئلہ شش بھرا ہوا ہے۔ اپنی قدر پر پہنچ  
 ہو کہ اگر میرزا علی خان صاحب میں ہر مسئلہ کا راج ہوتا تو تمہارے دونوں ہاتھ کاٹ ڈالے جاتے۔ تمہاری کمانیاں یک دفعہ ہی تم نے اگر بڑی سرکار  
 کی تعجب کی ہے وغیرہ؟

ان کے خیال میں وہ انتہائی اگلیز تھا حالانکہ اس وقت سے اب تک مختلف دہائیوں میں اس کے ترجمے شائع ہو چکے ہیں۔ آخر کار فیصلہ  
 یہ ہوا کہ سوز وطن کی کئی کاپیاں سرکار کے حوالے کر دیں اور آئندہ صاحب سے اجازت لیے بغیر کچھ دیکھوں۔ میں یہ سمجھا کہ چلو سب سے چھوٹ  
 گیا خودی ہر ایک سرکار کے حوالہ اور سوز وطن ایسی سرگرم کتاب کا مصنف تھا تو یہ وہ تھا جہاں ان کتابوں پر بلائی گئی دند کا عجیب تھا کہ  
 دانش کے یہ کتابی شوق۔ کئی ہزار کاپیاں بھی تھیں۔ اور اسی مشکل سے تین سو جلدیں فروخت ہو سکی تھیں۔ میں نے بغیر سات سو کاپیاں زمانہ پریس

طے ہر چھ سو ایک جگہ لکھا ہے جب سوز وطن لکھنے کے بعد مجھ میرے ڈیپارٹمنٹ نے معافی میں لکھے سے مجھ کو یاد اور ہانپیاں

ہیں کہ میرزا علی خان صاحب کے لکھنے سے ذرا بے شکستہ نام کو یاد کر لیا؟

سے ملنا کہ صاحب کی تقدیر تھی۔

میرا بھائی گئی ٹیکس پولیس فلک اس سے میری دہائی چنانچہ جیسا کہ مجھے میری مسلم ہی کلکٹر صاحب نے چھلکے کے دوسرے طرف سے بھی میرے بارے میں خبر کیا پھر چند دنوں میں دو ڈپٹی کلکٹر دو ڈپٹی انسپکٹر صاحب اس جی کا میں ماتحت تھا میری تقدیر کا فیصلہ کرنے بجائے ایک ڈپٹی کلکٹر نے میری کامیابی سے ثابت کیا کہ ان میں شروع سے ملے گا اگر وہ بدلیا دیالوات اور انقلاب اگر جذبات کے ساتھ نہیں ملے گا پولیس کے خلاف نہ ملے گا کہ ایسا خطرناک آدمی سخت سزا کا مستحق ہے۔ ڈپٹی انسپکٹر صاحب کو مجھ سے جی بہت تھی اس نڈ سے کہ کہیں معاملہ طویل نہ ہو سکے۔ انھوں نے کہا کہ وہ دوست نہ طریقہ پر میرے سیاسی خیالات کا پتہ لگا کر کہیں کے سامنے اپنی دہائی پیش کر دیں گے۔ واصل ان کا ارادہ تھا کہ مجھے بھائی کا کہہ لیا کہ وہیں میں کہہ دیں کہ مصنف صرف قلم کا مرد ہے مگر سیاسی امور سے اسے کوئی پریشانی نہیں ہے۔ کئی نے اس شروع سے کہہ لیا۔ حالانکہ پولیس کے خلاف اس وقت بھی جیتنے سے بدلتے رہے۔

مگر کلکٹر صاحب نے ڈپٹی صاحب سے پوچھا، ”آپ کا امید ہے کہ وہ اپنے دل کی باتیں آپ سے کہہ دے گا“ ڈپٹی صاحب نے کہا۔ ”اس سے میری گری دوستی ہے“ ”آپ دوست ہی کر اس کے دل کی بات چاہنا چاہتے ہیں۔ میں اسے کیڑی بہت چوں“ ڈپٹی صاحب اس جواب کے لیے تیار نہ تھے۔ صاحب کی باتوں سے مغرب ہو کر پڑے۔ ”میں تو حضور کے حکم..... مگر صاحب نے بھی پیچھا آت کاٹ دی، ”نہیں، برا حکم نہیں ہے۔ میں ایسا حکم نہیں دینا چاہتا۔ اگر کتاب سے مدد پیش ثابت ہو تو مصنف پر کئی عدالت میں مقدمہ چلا جائے وہ دقتیں کہہ کے پھر دیکھیں گے میں دام اور بغل میں پھری لے پھرنے میں“

جب کئی دن بعد واقعہ ڈپٹی صاحب نے مجھ سے بیان کیا تو میں نے پوچھا ”کیا آپ کلکٹر میری تقریر کو کہتے“ وہ ہنس کر کہے۔ ”نہیں پتا لگے تھا کہ کوئی فکر ہو رہے ہیں دیتا تو بھی میں ایسا ذکر نہ۔ میں تو صرف صاف صاف کہہ دوں گا کہ ہاتھ سارے خوش ہیں کہ وہ رنگ لگی۔ مقدمہ عدالت میں جانا تو سزا یعنی نہیں۔ یہاں آپ کی بیوی کہنے والا کوئی نہ تھا۔ صاحب بڑے شریف آدمی ہیں“ میں نے بھی اعتراف کیا کہ واقعی بہت شریف ہیں۔

**دیر با پیر سوز وطن** | ”ہر ایک قوم کا علم و ادب اپنے نژاد کی تصویر ہے۔ جو خیالات قوم کے دماغ کو متحرک کرتے اور جذبات قوم کے دماغ میں گونجتے ہیں وہ نظم و نثر کے صفوں میں ایسے مضافی سے نکلنے جی جیسے آئینہ میں صفت ہمارے ہر ایک کا ابتدائی دور وہ تھا کہ لوگ خلعت کے نشے میں تھامے ہوئے تھے۔ اس نژاد کی یادگار جو جھٹکا زخموں اور چند خیالی کامیابی کے اس کے نہیں۔ اور سارا دماغ سے کہنا چاہیے، جب قوم نے اٹھ کھڑا ہے خواہت میں زندگی اور سرت کی لڑائی شروع ہوئی اور اصلاح تمدن کی تقریریں سوجھ بولنے لگیں۔ اس نژاد کے قصص و حکایات زیادہ تر اصلاح اور تہذیب کا پسو لے ہوتے ہیں۔ اب ہندوستان کے قومی خیال نے بلوریت کے ذریعہ پر ایک اور قدم بڑھایا اور حب وطن کے جذبات لوگوں کے دماغ میں سر جھانسنے لگے۔ یہ مگر ٹھیک تھا اس کا اثر ادب پر ڈھٹا، چند کہانیاں اس اثر کا اظہار ہیں اور انہیں ہے جوں جوں ہمارے خیال ریشہ بہتے جائیں گے اسی رنگ کے لایچ کر وہ انھوں نے بننا جائے گا۔ ہمارے ملک کو ایسی کتابوں کی اشد ضرورت ہے جو قومی نسل کے ہر پر حب وطن کی عظمت کا نقشہ بنائیں۔

”غریب سامنے“ تو کچھ دنوں کے لیے اس جہان سے گئے وہ وہاں دوڑا ہی ہوئی تو تم نے سہلوں میں گئی ابھی صاف نہیں لگے گا

اس کا نشانہ ہم کی تحریر سے تھا کہ میں خواہ کتنی عزتوں پر کھوں۔ خواہ وہ واقعی دانت ہی پر کیوں نہ ہو مجھے پہلے جناب فیض اکابر گلزار صاحب  
بہار کی خدمت میں پیش کرنا پڑا۔ اور مجھے چھپے چھپے کہنا نہیں۔ یہ تو میرا روز کا دھندلا تھا۔ ہر راہ ایک مضمون، صاحب بہار کی خدمت  
میں پہنچے تو یہ یکسے لگے کہ میں اپنے (راضی سرکاری) میں خیانت کرتا ہوں۔ اور کام سر پر تھوڑا ہائے گا۔ اس لیے فراب رائے مڑو مڑو گئے۔  
پیر پیر اجناما ہے مجھ پر ہے، افسوس صرف یہ ہے کہ پانچ چھ سال میں "فراب رائے" کو فروغ دینے کی ہر غفلت کی گئی وہ سب  
اکانت ہو گئی۔ ہر محنت قسمت کے پیش قدمی سے رہے اور شاید یہی گئے۔ میرے لیے گلزار کو ہر ایک مضمون دیکھنے کی ایسی رنج گئی ہے کہ ایک  
مضمون سینڈل میں لٹ کر آتا ہے۔ ایک نیشنل گزٹ میں پیر پیر کا نام نہیں دیا جاتا۔ معلوم نہیں ہر حضرت اچھر پر سننا لے کر کیا لکھیں پڑھیں۔ انہیں  
تھوڑا سا ہندو ہے۔" بیٹھے بیٹھے پیر پیر برس کے تھکے گھا کریں۔

میں نے "مور کا دانت کا تیز" ایک قصہ لکھنا شروع کیا۔ یہ قصہ میرے خیال میں کئی بیٹھنے سے قبل میں نے اپنے خیال میں رہنمائی کا قصہ  
طریقہ کا سیلاب کے قصہ پیری کی ہے مگر نقل نہیں ہے بلات، بالکل اور یہی ہے میں نے تو کئی قلم توڑ دیے ہیں۔ اور دوسرا پانچ ورق بھی کٹے  
کر ڈالے۔ آپ کہہ سکتے ہیں۔ یہ قصہ کو میرے پانچ قصوں کا مجموعہ لکھنے کا کافی سال جمع ہو جائے گا۔ اس مجموعے کا نام میں نے  
"میرگ بزم" رکھا ہے۔

میری کہانیوں کا پہلا مجھ "پیر پیر" کئی سال پہلے شائع ہوا تھا جنہاں تک صحافت اخباروں کا تعلق ہے اصول نے میری ناچیز کاوش کی  
وادی میں ایک شائقین پیر کا بہت کم اثر ہوا۔ پہلا ایڈیشن ختم ہوتے میں کم و بیش پانچ سال گئے۔ یہ قدر دان بہت حوصلہ انگیز تو واقعی تھے مگر صنف  
کو تصنیف کے سوا چار نہیں ماس لیے، دوسرا مجموعہ "پیر پیر" کے نام سے پبلک کے سامنے پیش کرنا نہیں لگی ہے کہ پہلے مجموعہ کی نسبت  
اس کا دوسرا مجموعہ سادہ سادہ و فزائیت کے گدھ میں چلا آئے میں اپنے فرض سے سبکدوش ہو چکا اب صرف اتنی آرزو ہے کہ ایک  
مجموعہ پیر پیر کا پہلا پیر پیر کے نام سے اور نکل جائے۔ بس یہی زندگی کا حاصل ہوگا۔ اور اسی پر قناعت کروں گا۔

"دیر و دم" میں فرق پڑھنے کی ذہنیت کا ہمہ فاش کیا گیا ہے۔ ہاکی روایت کے ایک طرف چند مذہبوں اور پکاروں کی مذہب  
پر مبنی کا تصور ہے۔ دوسری جانب مصلحت کی مذہب پر مبنی کا تصور ہے۔ پیر پیر میں اپنی اپنی نفس پر مبنی کا شکار ہو رہے ہیں۔ اگر  
کچھ لوگ کر لگتا ہے تو میرا کیا اختیار ہے۔

پیر پیر کے ہندی ترجمے کے لیے کئی نگارے امر و ہند ہیں۔ میں خود بھی اس کام کو اقد میں لوں گا۔ ہندی لکھنے کی مشق میں کر  
رہا ہوں۔ اور میں اب گزرتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ بل کنگھت مرحوم کا لڑکا میرا بھی ہندی لکھنے میں مددگار ہو کر دوں گا۔ اور دوسری میں کسی  
ہندو کو فیض برآو مجھے ہو جائے گا۔

میرے قصہ اگر کسی دیکھی شائبہ سے یا تجربے پر مبنی ہوتے ہیں۔ اس میں میں ذہنی کیفیت پیدا کرنے کا کوشش کرتا ہوں مگر غرض  
واقعہ کے انداز کے لیے میں کہنا نہیں کہتا۔ میں اس کی غرضیات و اخلاقیات حقیقت کا اظہار کرتا ہوں۔ جب تک اس قسم کی کتابیں  
نہیں ملتی تو ہم انہیں تیار ہند ہیں کہ کچھ دلی قہقہے کرتے ہیں۔ بعض اوقات تاریخ کے مطالعے سے بھی پلاٹ بن جاتے ہیں۔ لیکن  
کئی واقعات نہیں ہوتا تاہم یہ کہ کسی نفسیاتی حقیقت کا اظہار دکر ہے۔

سے ملنا کر صاحبہ کی زندگی کر دی۔

میں بہت جلد ہی ایک ایسی زندگی کی اس سے میری زندگی جتنا ہی جیسا کہ مجھے بعد میں معلوم ہوا گلزار صاحبہ نے اعلیٰ کے دھڑے پر ملنے سے بھی میرے بارے میں شہرہ کیا بہت تیز رفتاری سے دو تہائی گلزار صاحبہ کی ان پیکر ماریں میں کام میں ماتحت تھا میری تقدیر کا فیصلہ کرنے پہلے ایک تہائی گلزار نے میری کامیابی سے ثابت کیا کہ ان میں شروع سے کر آخر تک باہمی ذمہ داری اور انتہائی اہمیت کے ساتھ ساتھ ان کے نہیں۔ گلزار صاحبہ کے خلاف نہ کہ ان کا ایسا خطرناک آدمی نہ کہ اس کی سستی ہے۔ ذہنی ان پیکر صاحبہ کو مجھ سے جی محبت تھی اس وقت سے کہ کہیں معاملہ طول دیکھتے۔ انہوں نے کہا کہ وہ درناؤ طریقہ پر میرے سیاسی خیالات کا پتہ لگا کر کہیں کے سامنے اپنی دلہن شہریش کر رہے۔ وہ اصل ان کا اور تھا کہ مجھے بھی لگا کہ لپٹ میں کھڑے دیں کہ نصف مرت ختم کا روپ کر یا میری امیر سے لے کر کئی چھپتے نہیں ہے۔ کہیں نے اس شہر سے کہہ دیا۔ حالانکہ پولیس کے خلاف اس وقت بھی خیر سے رہتے رہے۔

مگر گلزار صاحبہ نے ذہنی صاحب سے پوچھا، ”آپ کا امید ہے کہ وہ اپنے دل کی باتیں آپ سے کر دے گا؟“ ذہنی صاحب نے کہا، ”ان سے میری گہری دوستی ہے“ ”آپ دوست بن کر اس کے دل کی بات چاہتے ہیں۔ میں اس کی بات نہ چاہتی ہوں“ ذہنی صاحب اس جواب کے لیے تیار نہ تھے۔ صاحب کی باتوں سے مغرب ہو کر بولے ”میں اس کے حکم..... مگر صاحب نے بھی ہر بات کا ٹ وی، ”نہیں، میرا حکم نہیں ہے۔ میں ایسا حکم نہیں دینا چاہتا۔ اگر کتاب سے ملے تو ثابت رہتا ہر وقت صاحب پر کئی حالات میں متحرک ہوا ہوا ہے کہ کچھ دیکھنے میں سامان میں میری جگہ پہنچتے ہیں“

جب کئی دن بعد وہ واقعہ ذہنی صاحب نے مجھ سے بیان کیا تو میں نے پوچھا ”کیا آپ کبھی میری خبری کرتے؟“ وہ ہنس کر بولے، ”نہیں ہونا ممکن تھا کہ کوئی فکھ روپے بھی دیتا تو میں میں ایسا کرتا۔ میں تو صرف حاکمی کھروانی روکنا چاہتا تھا۔ اور میں خوش ہیں کہ وہ تنگ لگی۔ متحرک حالات میں جاتا تو میرا فیصلہ نہیں تھا۔ یہاں آپ کی بیوی کرنے والا کوئی نہ تھا۔ صاحب نے شریعت آئی ہیں“ میں نے بھی اعتراض کیا کہ واقعی بہت شریف ہیں۔

دیر باہر سوز وطن | ہر ایک قوم کا علم و ادب اپنے زمانہ کی ہی تصویر ہے۔ جو خیالات قوم کے داخلی کو متحرک کرتے اور جو جذبات قوم کے دلوں میں گہرے ہیں وہ نظم و نثر کے صفوں میں ایسے صفائی سے نظر آتے ہیں جیسے آئینہ میں صحت کے آئینہ کا آئینہ دور دورہ تھا کہ لوگ غفلت کے نشے میں تھے اس زمانہ کی یادگار ہے۔ مشتاق غزلی اور ہندوستانی کامیابی کے اس کے نہیں۔ دوسرا وہاں سے کہنا چاہیے، جب قوم نے اندھیرے میں غفلت میں زندگی اور موت کی لڑائی شروع ہوئی اور اصلاح نفس کی تجویزیں سوجھ بولنے لگیں۔ اس زمانہ کے قصص و روایات زیادہ تر اصلاح اور تجدید کا پہلو ہے جوتے ہیں۔ اب ہندوستان کے قومی خیالات نے غفلت کے نیند پر ایک اور قدم بڑھایا اور حب وطن کے جذبات لوگوں کے دلوں میں سر بٹھانے لگے۔ کیونکہ ملک تھا کہ اس کا اثر ادب پر درجہ تھا۔ چند کہانیاں اس اثر کا کافی انداز ہیں۔ جوں جوں ہمارے خیالات دینی جوتے جاتے گئے اسی رنگ کے لاپرواہی کوئی غرض ہونا چاہئے گا۔ ہمارے ملک کو ایسی کتابوں کی شدید ضرورت ہے جو قیاس کے بغیر حب وطن کی عظمت کا نقشہ بنائیں۔

”خواب سائے“ تو کچھ دنوں کے لیے اس جہاں سے گئے دور دورہ اور دانی ہوئی کہ تم نے سہو میں گمراہی ستا ہے نہیں لگے

اس کا شمار خرم کی تحریر سے تھا گو وہ می خواہ کسی عنوان پر لکھوں۔ خواہ وہ واقعی دانت ہی پر کیوں نہ رہے پہلے جناب فیض مآب کلکٹر صاحب  
بھارت کی خدمت میں پیش کرنا پڑے گا۔ اور مجھے چھپے چھاپے کھانا نہیں۔ یہ تو میرا روزگار دھندلا تھا۔ براہ ایک مضمون، صاحب بھارت کی خدمت  
میں پہنچے تو وہ یہ کہیں گے کہ میں اپنے فرائض سرکاری میں خیانت کرتا ہوں۔ اور کام سر پر تھوڑا ہائے گا۔ اس لیے فراب رائے مروج ہوئے۔  
پہلے چند اچھا نام ہے مجھے پسند ہے، انوس مروت یہ ہے کہ پانچ چھ سال میں ”فراب رائے“ کو فروغ دینے کی جو منت کی گئی وہ اب  
اکارت ہوئی ہے محنت و محنت کے پیش قدمی سے رہے اور شاید میں گئے۔ میرے لیے کلکٹر کو ہر ایک مضمون دکھانے کی ایسی ہی گئی ہے کہ ایک  
مضمون میں لکھ کر کہتا ہے۔ ایک کٹش گزٹ میں پہلے چند کام نہیں دینا چاہتا۔ معلوم نہیں یہ حضرت احمد پر سنبھالنے پر کیا لکھیں پڑھیں۔ انہیں  
تھوڑا سا ہنسنے دیجئے۔ ”مجھے مجھے ہم اور برس کے قصے کھا کریں۔“

میں نے ”مور کا دست کا تیز“ ایک قصہ لکھنا شروع کیا۔ یہ قصہ میرے خیال میں کیڑی عین سے قلم میں نے اپنے خیال میں دابندر ناتھ کے  
طرز کی کامیابی کے ساتھ پوری کی ہے۔ مگر نئی نقل نہیں ہے جات بالکل اور کچھ ہے میں نے تو کی قلم توڑ دی ہے۔ اور اس پانچ ورثہ بھی کالے  
کر ڈالے۔ آپ کہہ سکتے ہیں۔ یہ قصہ دیکھ کر میرے پانچ قصوں کا مجموعہ نکالنے کا کافی سارا عجیب رہا ہے گا۔ اس مجموعے کا نام میں نے  
”برگ برگ“ سوچا ہے۔

میری کہانیوں کا پہلا مجموعہ ”پہلے پچیس“ کی سال پہلے شائع ہوا تھا۔ جنہاں تک صحافت اخباروں کا تعلق ہے انھوں نے میری ناچیز کاوش کی  
داد دی لیکن شائقین پراس کا بست کم اڑھا۔ پہلا ایڈیشن ختم ہوتے میں کم ورثہ پانچ سال تک گئے یہ قدر دانی بست حوصلہ آگیز تو قلمی لیکن مصنف  
کو تصنیف کے سوا ہر شے نہیں دے سکتا۔ ”پہلے پچیس“ کے نام سے پبلک کے سامنے پیش کیا ہوا ہے کہ پہلے مجموعہ کی نسبت  
اس کا زیادہ چھاپرا سا سا طرز و فرائض و محنت کے گودام میں چھاپرے میں اپنے فرض سے بیکرد و ش چھپکا۔ اب صرف اتنی آرزو ہے کہ ایک  
مجموعہ ”پہلے پچیس“ کا پہلے پچاس سال کے نام سے اور نکل جائے۔ جس کی زندگی کا حاصل ہوگا۔ اور اس پر قناعت کروں گا۔

”دیر درم“ میں فرقہ پرستی کی مذہبیت کا ہمہ فاش کیا گیا ہے۔ ہر کسی کو رعایت کے ایک طرف ہندو متیوں اور پچا دیوں کی خدشہ  
پروری کا تصور ہے۔ دوسری جانب مسلمانوں کی خدشہ پروری کا دونوں مذہب کے ہمدے میں اپنی اپنی نفس پروری کا شکار ہو رہے ہیں۔ اگر  
کچھ لوگوں کو رہنا ہے تو میرا کیا اختیار ہے۔

پہلے پچیس کے ہندی ترجمے کے لیے کئی جگہ سے افراد ہمدہ ہیں۔ میں خود بھی اس کام کو انھوں میں دوں گا۔ ہندی لکھنے کی مشق بھی کر  
رہا ہوں۔ اور میں اب لکھ رہا ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ بال کنگھت مروج کی طرح میں بھی ہندی لکھنے میں مدد کی ضرورت نہ تھی۔ اور دیکھی میں کسی  
ہندو کو فیض براہ کچھ ہو جائے گا۔

میرے قصہ اکثر کسی دیکھی مشابہ ہے یا تجربہ پر مبنی ہوتے ہیں۔ اس میں میں ڈھائی کیفیت پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہوں مگر فرض  
واقعہ کے انکار کے لیے میں کہنا نہیں کہتا۔ میں اس کی کھنڈ اور جذباتی حقیقت کا انکار کرتا ہوں۔ جب تک اس قسم کی کٹھن  
نہیں مٹی مروج میں نہیں ہوتا۔ میں یاد رہے میں کہ کٹھن کی تخلیق کرتا ہوں۔ بعض اوقات میرے کے مطالعے سے بھی پلاٹ لیا جاتا ہے۔ لیکن  
کئی واقعات نہیں ہوتا۔ تاہم کسی نسبتی حقیقت کا انکار دکر ہے۔





میں تک آتھاب کروں یا دوست پر ہر دوسار کے کھتا ہوں :

۱۷۔ جسے گھر کی بیٹی (۲۰) ملتی ساز نہا (۳) تنگ کا دھوڑ (۴) موت (۵) زلیور (۶) کفارہ (۷) تنہا (۸) مندر اور مسجد (۹) گھاس  
۱۸۔ (۱۰) بکھر (۱۱) سینا گروہ (۱۲) بدلتی (۱۳) سنی (۱۴) لیلیٰ (۱۵) منتر۔

میں کسی مصنف کے طرز سے خاص طہ پر ماسٹر نہیں ہوا۔ ہڈت رتن ناتھ سرشار کا زیادہ اور ڈاکٹر ٹیگور کا اثر مجھ پر ضرور ہوا ہے۔ میرے قصوں کے اہل بیت جلد ہی میری عبارت کے پورے پیرا گراف نقل کر لیے، اوٹ پٹانگ قصہ گو کہ اسے سرت کے لباس پہنانے کی کوشش کی ہے فردی کے ”ذخیرہ“ میں ”لطیف الطبع“ ایک قصہ ہے۔ لکھنؤ کے ایک صاحب نے لکھا ہے۔ اسے پڑھیں میرا قصہ ”مناویں“ پڑھیے۔ صاف چہرہ معلوم ہوگا۔ صرف جزئیات میں رد و بدل کر دیا گیا ہے۔ دماغ پر زور نہ ڈالا چاہیں اور مضمون نگار نے کھنڈ یا جڑوں سے لے کر تھیں چھللیں پر ایک چھٹا سا ٹکڑا چھڑا دوں۔ یہ حضرات جڑ بڑ ہوں گے۔ ہر اکریں گھرا دوں یہ باتیں مولات بھی۔ ”اے میں ہر اندھا شقی ہائے فنائے دگر“ اب کچھ دلوں سے چھوٹے قصے لکھنا بند کر کے علمی مضامین لکھنے کی کوشش کرونگا۔ مگر بدی نظروں پر گزرتین سال تک کوئی پریشانی نہ ہوگی۔

تاک کھتا ہوں کہ کھیل نہیں ہے۔ خون بکھرنا پڑتا ہے۔ میرے خیال میں ایک نہک کہنے کے لیے پانچ سال کا وقت بھی زرا کافی نہیں ہے بلکہ اچھا ڈرامہ زندگی میں ایک ہی لکھا جاسکتا ہے۔ ویل قلم گھٹنا دوسری بات ہے۔ بڑے بڑے مہرین کا قول ہے ڈرامہ زندگی میں ایک ہی لکھا جاسکتا ہے۔ ڈرامہ ایسا ہونا چاہیے کہ جو سنے دل ہاتھوں سے تمام لے۔ ایک ایک ٹکڑا تیز و تشرکی طرح دل آتر جائے۔ روس، فرانس، جرمنی، تمام زبانوں کے ڈرامے پڑھے مگر کوئی ذکر فی نفس ہر ایک میں موجود ہے۔ کس جذبہ میں تو زبان میں مذہب ہے تو جذبات نہیں ظرافت ہے تو گمانے نہیں۔ اور گمانے ہی قزقرافت نہیں۔ جب تک یہ چاروں ارکان پورے نہ ہوں اسے امر کتا ہی بیکار ہے۔

(کرپا) میں نے حضرت حسین کا حال پڑھا۔ اُن سے عقیدت ہوئی۔ اُن کے ذوق شہادت نے مضمون کر لیا۔ اس کا تجویز ڈرامہ تھا۔ اسے احرام کس نظر، خاندانیں ہونے دیا۔ ایک ایک خط پر اس بات کا خیال رکھا ہے کہ مسلمانوں کے مذہبی احساسات کو صدمہ نہ پہنچے اس مقصد پر ٹھیک ہے۔ ایسی آواز کو بھٹانا اور کچھ نہیں۔ اگر مسلمانوں کو یہ بھی نظر نہیں ہے کہ کسی ہندو سکھ ان قلم سے ان کے کسی مذہبی پیشوا یا امام کی راج سوالی ہو تو اس کے لیے ضرور نہیں ہوں۔

اس کی بھی صاحب فرماتے ہیں کہ شہر حضرات یہ نہیں پسند کر سکتے کہ ان کے علمی مذہبی پیشوا کا شمار تیار کیا جائے۔ اگر شیعہ حضرات اپنے پیشوا کے مرنے پڑھتے ہیں۔ اسنے پڑھتے ہیں۔ مرے پڑھتے ہیں تو انھیں ڈرامہ سے کیوں اعتراض ہو۔ کیا اس لیے کہ ایک ہندو لکھا ہے؟

سامراجیہ مذہبی فرق ہے۔ مذہبی مذاہم کے خاص لکھنے والوں میں تو کوئی تفریق نہیں کر سکتا۔ مگر تازی لکھنے والوں کے تبدیل اور ہمہیں تک کر تفریق ہی بھی ڈھے آندی ہے۔ حضرت اسفر کی طرح ماہ کی تھی۔ لیکن بعض دہائیوں میں چھ سال کی بھی لکھی ہے۔ میں سنہ دی بیت اختیار کی جو میرے سامنے ملتی تھی۔ مگر اصرار ایسی روایت بھی ہو تو حضرت اصغر اس ڈرامہ کے کوئی خاص لکھنے والے نہیں ہیں۔





کام میں ہیں۔ طبع و تشنگانہ اندیشہ پر قلیل از وقت معلوم ہوتے ہیں اس تحریر کی مقبولیت ہی مسئلہ ہری ہے کہ وہ قلیل از وقت نہیں ہے۔ اس مرقعہ پر مصنف ظاہر ہوا کہ اگر دو فیصدی انگریزی قریباً صاحب تحریر کے ساتھ ہیں تو ۹۸ فیصدی اس کے مخالف ہیں۔ قریباً اعتبار سے انگریزوں کیلئے اور اسکول پر چھنا اور پر صرف ہوا وہ قریباً ضائع ہو گیا۔ یہ لوگ سرکار کے آدمی ہوتے تو کم کے نہیں ہیں۔ غیر انگریزی دلائل کا وہ باری اور پیشہ و منتقل ہی نے اس تحریر میں ملانے والے ہیں۔ اگر تعلیم یافتہ آدمیوں کے بھر دے ملک بیٹھ رہے تو شاید قیامت ملک اُسے آزادی نصیب دے گی۔

جب معلوم ہے اعداد کے لیے ثبوت اور دلیل کی ضرورت نہیں کہ سرکار کوئی رفتار اس وقت تک نہیں دیتی جب تک اسے یہ یقین نہ پہنچے کہ اس تحریر کے پیچھے کتنی طاقت ہے تو تعلیم یافتہ جماعت کا اس سے کنارہ کش رہنا کتنا دل شکستہ ہے۔ قانون پیشہ طبابت پیشہ۔ پروفیسر اور سرکاری ملازمین ان سب نے جتنی غلامانہ ذہنیت کا ثبوت دیا ہے اس کی مجھے امید نہ تھی یہ طبقہ اپنی غیرت کو رنٹ کا اقتدار قائم رہنے میں بہتا ہے۔ وہ ایک لے کے لے بھی اپنی آسائش اور دنیاوی طلبی کو فراموش نہیں کر سکتا۔ یہی اس کا وہی و ایمان ہے۔ وہ یا تو آزادی چاہتا ہی نہیں یا اس کے لیے قیمت دے کہ دوسروں پر نیک کرنا ہی اپنی شان کے مناسب بہت ہے یا وہ اس خیال میں گم ہے کہ آپ ہی ایک آزادی دل جانے گی۔ کانگریس کے دور میں وہ اس سے خائف نہ ہو گا مگر اس کے دور ثنائی میں بھی اس کی ہی حالت رہی وہ مرتعہ دیکھ رہا ہے کہ جبکہ اسے ملا۔ اور جسے اب وہ اپنا ہی کہتا ہے وہ دوسروں کے ایثار و قربانی کا نتیجہ ہے۔ یہی بورژوا BOURGOWE تھا ہے جو نادار فرقہ کو "عادر فرقہ" کا دشمن بنادیتی ہے (ایک دوست) نے مجھے پوچھا ہے کہ میں کسی پادری میں نہیں ہوں اس لیے کہ اس وقت دونوں میں کوئی پادری کچھ عملی کام نہیں کر رہی ہے۔ میں اس کلمے والی پادری کا مبرہوں جو عوام الناس کی سیاسی تعلیم کو اپنا دستور العمل بنائے سو راہبر خلافت پادری کی جانب سے جو کانٹہ ٹوٹتی نکلا ہے اس سے البتہ مجھے کئی اتفاق ہے مگر تعجب یہ ہے کہ یہ ایک پادری سے کہیں نکلا میرے خیال میں دونوں ہی پادریوں اس مسئلے میں متفق ہیں مجھے تو اس وقت علی برداروں کی صلح کل پالیسی فریضہ کر رہی ہے ان کے خیالات میں جو حیرت انگیز انقلاب برپا ہے میں اس کو اصل شکل میں دیکھتا ہوں اور ایسی ہی شہی دیر پا رہ سکتی ہے۔

گورنمنٹ کی ناپختیاں ناقابل برداشت ہوتی ہیں پندرت جواہر لال کی ضعیف دامن کے ساتھ کیسی برتنیں لگائیں۔ اب بہرہ رخصت میں مجھے بھی بے حدانی معلوم ہوتی ہے شہر رکھنا آزادی کی کپ بنانا ہے۔ بالکل بے ضرورت۔ اگر کہیں گرفتار ہو جائیں یا قلعے پر بائیس امداد سے قابض قلعے سے پہلے ہمارے جانے قبر پر پہنچانے کی خبر پتے سے ملے گی۔

اس بیداری کے زمانے سے توجہ بے غبری کا زندہ ہی غنیمت تھا جبکہ ملک میں ہندوستانی قومی شادی دھرم میں شریک ہونے **ہندو مسلم اتحاد** کی تو فیضی فکر مذہب میں اتنا تنگ نظر بنا دیا ہے تو میں ایسے مذہب کو دوسرے سلام کرتا ہوں ہر قوم اپنی تہذیب کی اپنی کچھ کی مخالفت کرتا چاہتی ہے۔ اور اس کا مطالعہ حق بجانب ہے اپنی زبان کی روحانیت کی ادب کی معاشرت کی۔ رسوم و آداب کی محبت ہر ایک بجز انسان میں ہوتی ہے اور ہم بھی چاہتے ہیں کہ اس کی بھی حد ہے جیسا کہ آزادی دہی ہے جو دوسروں کی آزادی کی بھی قدر کہے، میں اس کی اخوت اور مساوات کا قائل ہوں ہندو تہذیب ہر اسلامی تہذیب کا جراثیم ہمارا ہے اسے بھی قدر کی نگاہوں سے دیکھتا ہوں میرا اعتقاد ہے کہ ہندوستان میں دونوں تہذیبیں پیوستہ ہو کر ہی ترقی کر سکتی ہیں۔ اور ہندو ہندو میں ہم آہنگی پیدا ہو سکتی ہے کانگریس کے افسر بہت

کا ہے معنی بند نہیں کھٹ بجی اور آئندہ بھی لڑائی جائے گی نظری وقت تمام رہنے دی جائے مگر اس کے ساتھ یہ بھی دیکھا جائے کہ اتنا خاص مسادات کے سوا اور کسی طرح نہیں۔ جب تک کسی طرف سے خاص حقوق کے مطالبے ہوتے رہیں گے۔ اس وقت تک یہ کشمکش ہماری سبکی اب تمام امید قوم کے تجویزوں سے ہے۔ انھیں کے ہاتھ قوم کی کشتی ہے اگر انھوں نے نئی روشنی اور نئی تہذیب اور سیاست کے ذریعے اصول کی پابندی کی اور مذہب کو اس کے صحیح معنی میں سمجھا تب مستقبل قریب روشن ہوگا۔ ورنہ ایک دن آئے گا کہ دونوں جماعتیں لڑا کر مر جائیں گی۔ اس لیے کہ ایک میں بھی طاقت نہیں ہے کہ دوسرے کو فنا کر کے خود زندہ رہے۔

اور میں نے اردو میں کھنا بند کر رکھا ہے فوجیت ہی نہیں حق بیگنی شدہ ہے ایک مختصر مضمون لکھ رہا ہوں مجھے اس تحریک سے سخت اختلاف ہے اور یہ سماج والے جھٹائیں گے۔

آج کل نظریات میرے دل میں ایک فواجش شدید ہوتی جا رہی ہے آزادی کی لڑائی۔ لڑائی میں ہمیں فتح مند ہونا ہوگا۔ جمہور، دولت، مکان، گاڑی، اہم کی نہیں چاہتے ہمارے پاس جو کچھ بھی ہے اس میں خوشی ہی۔ معنی ہم نے کی حیثیت سے اچھی اچھی کتابیں لکھنے کی اور نظری ہے لکھی ان سب کتابوں کا اور نصب العین ہوگا آزادی۔

دنیا میں انسانی معاشرہ کی فلاح و سبود کے لیے جنہی تحریکات بھی رونما ہوئیں ادب نے ان کے لیے زعفران اچھی زمین ہی تیار کی بلکہ اس کی توجہ دینی اور آب پاشی کا بھی کام کیا۔ ادب سیاست کا مفکر نہیں بلکہ قاضی ہے جس کا مقصد نہیں مٹھوں گا ہر گز ادب اور ملک کے لیے کچھ نہ کہہ کر رہا ہوں گا۔

ادب انسانیت کا حصہ نیت کا اثرات کا طبر دار ہے۔ جو بالائی ہی بخلم ہی محروم ہی۔ چاہے وہ فرد ہوں یا جماعت۔ ان کی حمایت اور دکاٹ اس کا فرض ہے۔ اس کی حالت سوسائٹی ہے۔ اس حالت کے سامنے وہ اپنا استغاثہ پیش کرتا ہے۔

نظر و فن میں لڑی کو MASCULINE دیکھنا چاہتا ہیں۔ لکھنا FEMININE طواہ دیکھی صورت میں لکھنا پسند نہیں آتی اور سے لکھ کر دیکھ کر اگر نظری نہیں جاتیں۔ یہ نظری نقص ہے کہ کدوں اور ادب میں لکھ دی اپیل کرتے ہیں میں میں کی جیت پر غائب کے رنگ کا یہی عاشق ہوں۔ عزیز کھنڈی کے گلہ سے کی خوب سیر کی تو مگر برکت سے آج تک ایک شرابی مزدور نہیں کرے گا۔ وہی چاہے غلبہ شامودا جس دل میں ہے ہی نہیں۔

شاعری کچھ جذبات کی تصویر ہے اور کچھ جذبات طواہ درد کے پہاڑ محبت کے اسی وقت دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ جب ہم درد یا محبت کا مزہ چکھتے ہیں۔ اور جذبات سکھایا ہونے کے بعد ہی کابھی قلم تک نہ آتا تو ایک آسان بات ہے۔

مجھے یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ زمانہ کا قریب قریب ایک پورا نثر محض آتش کے کام کے متحرک کا خند ہو گیا۔ میں آتش کی آتش کا قاتل ہوں۔ کھنڈی شاعری کا مذہم پہلو آتش کی شاعری میں متاثر ہوں۔ لکھنا ہی زیادہ ہے کہ ہشتاد، اسی محروم کے جو کھنڈی شاعری کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ اور کبھی طواہ کو مجھ سارا اور ذوق کچھ سے گرا ہوا نظر آتا ہے۔

لڑی کو کہ مروجہ تہذیب و اخلاق۔ مشاہیرہ جذبات۔ انکشاف حقائق اور ولادت دیکھتے قلب کا انداز ہے جو شاعری جس د عشق کو ایز و شاد۔ غم و شرم و سیر و فضا اور وہی دگر کے قیل سے طوٹ کر ہے وہ ہر گز اس قاب نہیں کہ آج ہم اس کا درد کی جی کی آند

طبیعت اس رنگ کی ہے۔ انھیں اختیار ہے۔ انتہائی نازک۔ زندہ اور امانت کا وظیفہ چھیں لیکن نہانے کے مختلف الطباع ناظرین کو اس میں دلچسپی میں شریک ہونے کے لیے مجبور کرنا گناہ کا اخصان ہے؟ اس تصور میں نقش کے کام کا انتخاب پیش کیا گیا ہے مگر اس انتخاب میں بیشتر ایسے اشعار ہیں جنہیں ذوق لطیف ہرگز قابلِ متانش نہ کہے گا۔ ملاحظہ ہو:

بہر گیارہ واسی منکھہ گل ز رنگس سے      آنکھ اٹھا کر جو کبھی تم نے ادھر دیکھ لیا  
آنکھ کی رعایت سے رنگس کو کہہ داسی نظارہ کو گل ز رنگس سے بھر دیا اس میں کیا ندرت خیل ہے کیا حقیقت ہے بھروسہ میں نہیں آتا؟  
تا صمدی کل پاؤں توڑے بے گمانی نے مری      خطا دیا لیکن نہ بتلایا نشان کسے دوست

نشان کیوں نہیں بتلایا؟ تم آپ کی حماقت یا نہیں۔ آپ کو فون پر اکسین معشوق تا صمد کام نہ بھرنے گئے۔ واہ سے معشوق اور واہ سے عاشق دونوں زندہ دو گور۔ ایسے اشعار ایک نہیں سینکڑوں ہیں بہت چھائی ہیں کرنے سے سرد و سردا اشعار سارے دیوان میں ایسے نکلیں گے جو پاکیزہ رکھے چاکسین۔ جس میں راقی جذبہ کپاد۔ حرمت۔ چونکہ دینے والی ہمت۔ دھڑ بھڑ اندام کر دینے والی نازک خیالی۔ جڑوں انگیز مسمیٰ ہو۔ موزونیت ایک دہی صفت ہے جسے خدا نے یہ صفت عطا کی ہے اسے عرض و قرانی کا منت شناس بننے کی ضرورت نہیں۔ طبیعت اگر اس صفت کو مشرور و زواریہ سے پاک دائرہ نگاہ کو وسیع اور قوت بیان کو مؤثر کر دیتی ہے وہاں شاعری میں نفس امارہ آؤد کا رنگ بھی پیدا کر دیتی ہے۔ ان اُنی شعرا کے کلام میں شاعر کے اصلی جذبات نظر آتے ہیں۔ ادا اپنی بے ساختگی سے دل پر ایک خاص کیفیت پیدا کر دیتے ہیں۔ اگرچہ انی شاعر نے اپنے زمانے کے اساتذہ کی تقلید کی ہے۔ ادا ان کا انداز بیان بھی وہی ہے لیکن انی کے مؤثر ترین اشعار وہی ہیں جو ہندوئوں کی قید اور ترکہوں کی پیدہ گہوں سے پاک ہیں۔

شاعری کی طرح مصوری بھی انسان کے نازک احساسات کا نتیجہ ہے جو کلام شاعر کرتا ہے۔ وہی مصور کرتا ہے۔ شاعر زبان سے صورت پسلی **مصوری** یا تم سے۔ یہی شاعری کی قرین یہ کہ تصویر کھینچنے والے ہی چنانچہ تصویر کی صفت یہ ہے کہ اس میں شاعری کا مزہ آئے مشاہدوں کے ذریعہ سے روح کو مست بہ پہنچاتا ہے اور صورت آنکھوں کے ذریعہ سے اور چونکہ قوت ہامرہ نسبت سامع کے زیادہ نازک اور ذیلی الحس ہے۔ اسی لیے جو بات مصور ایک نشان ایک خواب یا ذرا سے رنگ سے ادا کر دے گا۔ وہ شاعر کے صد اشعار سے زیادہ ہر کے گا۔ شاعر جب اپنے اشد پرے گناہ پر نفس زہان کو اظہار خیال کے لیے کافی نہ سمجھ کر آنکھ آہو اور انگلیوں سے ایسے اشد کے کٹے کرتا ہے جس سے اس کے اشد کا لطف وہ بلا ہر جائے گرا اسے اپنا مطلب ادا کرنے کے لیے تصویر نگاری کی ضرورت ہوتی ہے مگر مصور کی تصویر ہی اس کا خیال ادا کرنے کے لیے کافی ہوتی ہے۔

ہندوستانی مصوری | ہندوستان کی قومی بیداری کا سب سے اہم اور سہل و سہجہ جیک اور کارخانے نہیں ہیں نہ وہ تعلیم کے ہر جمل کے ہر ایک حصہ میں وجود پذیر ہوتی جاتی ہیں بلکہ وہ فخر جو ہیں اپنے قدیم صفت و حرفت اور دم و دھب پر ہونے لگے ہے۔ ہم اب ہر بر اور وطن کو انیم سز کا باؤٹہ نہیں مانتے بلکہ سسلی، ادا کا لیداس کو بھی خود دہی ہر صیغہ میں نمایاں ہے۔ اب ہمارا قدیم فن تعمیر اور عمارتی دنیا ہر حرمت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

ہندوستانی فن تعمیر کی حیثیت سے تین قوتوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ متقدم، متوسطہ اور جدید۔ پہلا دور سنہ ۱۹۰۰ء کے دور میں قیل

اگر کار زیاد ہو تو دیگر ترقیوں کا زیادہ تھکانہ تصور نہ کیجیے اس میں غایاں محمد یاسر فتح پور کی سی جو علامہ بنوائے ایم سی ہندو دھرم سلطان طرز  
تقریر کو اس نفاست سے تلاط ہے کہ اس کی سمدانہ رنگہ پر حیرت ہوتی ہے۔ شاہ جہاں اس فن کا پرورش قند و حق تعالیٰ علیہ خاندان کے زوال اور  
ظلمت کے ساتھ ہی تصادم کا بھی زوال اور خاتمہ ہو گیا۔

**حقیقت نگاری** | واقعیت یہاں ہے کہ آرٹسٹ دنیا کو اس طرح دکھائے جیسے وہ اسے دیکھتا ہے۔ اگر اس سے اس کے انسانی احساسات کو صدمہ پہنچتا ہے تو سچے اگر اس سے اس کے جس انسان کو چوٹ لگتی ہے تو لگے۔ پر اسے واقعیت سے محروم پہلے کی ادانت نہیں ہے۔ مگر ادیب سب کو کچھ پرچہ آئیڈیلسٹ IDEALIST بننے کے لیے مجبور ہے۔ جب تک اس کی نظری سوانحی کی بہتر صورت نہیں ہے۔ جو بوجہ مسافرت کی، تاہم وہاں کیسے اُسے سبک کرے گی۔ اگر کسنگنگ اند زیادہ خصوصیت سوانحی کی صورت ہمارے ذہن میں نہیں ہے تو پرچہ ہر جہ سوانحی کا اصول کی کسی منزل مقصود کی طرف سے جائز ہے۔

**تہذیب کی اہمیت** | ہر ایک انسان کو اپنی اخلاقی ترقی کا انحصار اچھے کاموں پر ہے، اس کی تصنیف و تالیف پر نگاہ ڈالی جائے۔

ناظر اس افسانے کے کچھ نثری جملے لکھ کر (جس کا وہ تذکرہ کردہ اوپر صاف صاف بیان ہے) اندر سے اندر اس کے دم و دماغ کو صدمہ پہنچا کر غرض معاشرت و غیرہ پر روشنی ڈالے اور مافوق اعتدات کو دخل زد کرے۔ مگر مرشد کے خیالوں کو دیکھیے تو ایسی کئی سی غلطی ہے جس میں ہر دم اہم و بھر نہیں۔ حق تو یہ ہے کہ ان کی سب کتابیں اپنے زمانہ کی ہی تصاویر ہیں۔ اگر آج سے سو برس پہلے کوئی شخص فساد آواز کا مطالعہ کرے تو اس کی گلابیں ہر ایک کی تہذیب و روشنی خیالات و مذاق و ماحول کی جھلکیاں صاف نظر آئیں گی۔ جو تاریخ کے مطالعہ سے پہلے وہ کیسا ہی وسیع اور ذہنی کھلے رہو ہرگز نظر نہیں آسکتیں۔ — خلاصہ یہ ہے کہ تصویر دلا دیتے جو تہذیب پر صاف ہے ان سب پر مرشد کے علمی قلم نے جامہ طرز لٹائی کی ہے۔

برعکس اس کے حضرت شہر کے جو نائل شہر دی۔ وہ کوئی ترجمانی لٹریچر کا زمانہ ہے کوئی دوسری دہم کی لٹریچر کے وقت کا کوئی دوسرا زمانہ کا جب مسلمان کے تہم اس میں سے اکھڑ چکے تھے۔ ان میں سے کچھ ناکر کوں پانچ صدیاں پیچھے جاتے ہیں۔ اور جو ناکر حضرت شہر کوں اتنی کوئی ترجمہ نہیں ہے اس لیے وہ اس وقت کے دواقت کی ایسی تصویر پر گزریں گے کچھ کے جو اصل سے مطابقت رکھے۔ ان کی مطابقت کا سب سے نزدیک قدریر کا نسخہ ہے اور یہ ناکر کی مطابقت کتنی ہی وسیع کیل زمین ذاتی اور جنی شاہد سے لے گا نہیں کہ سکتیں۔

**اُردو، ہندی، ہندوستانی** | ان تجارت میں اردو اور ہندی دو بھاشائیں ایک ایک درجہ تھیں۔ انہیں اپنے اپنے ذہن پر اپنی اپنی سکھنے کے مطابق ترجمے دیا جاتے تھے کہ کھانے کی اس طرح دھڑل کی ترقی کر کے کہ کر کشمش کی جاتے یا ایسا لگے کہ دونوں بھاشوں کو ایک ترقی دیا جائے کہ اس میں نرم اخلا کے سوا کوئی فرق نہ رہے۔ جو کانیل ہے کہ دونوں

بھاشا شاستری ایک تگابی بانی تھے یہ لوگ ہندی اعداد و ناموں کا استعمال نہیں کرتے دونوں کو ایک نام سے پکارتے ہیں اور وہ ہندیہ متعلقہ  
ان کا کوشش ہے کہ جہاں تک ممکن ہو سکے جانے والی لہجوں کی زبان کی صورت ایک ہر اور وہ تھوڑے سے پڑھے لکھے آدمیوں کی زبان نہ  
کہ کساری قریبی زبان پر۔ چونکہ اردو زبان عرصے سے مدلت اور مذہب سلج کی بھاشا ہی ہے۔ اس سے اس میں ہزاروں فارسی اور عربی کے  
لفظ اس طرح گھلے گئے ہیں کہ یہاں بھی ان کا مطلب سمجھ جاتا ہے۔ ایسے لفظوں کو الگ کر کے ہندی میں خالص بن لانے کی جو کوشش  
جاری ہے پر اُسے زبان اور قوم دونوں کے ساتھ نا انصافی سمجھتے ہیں اسی طرح ہندی سنسکرت یا انگریزی کے جو کچھ ہے اُسے لفظ اردو  
میں لے گئے ہیں کہ جس چیز کو لکھنے والے نے اردو کی جگہ خالص فارسی اور عربی لفظوں کے استعمال کو بھی اتنی ہی اعتراض کے لائق سمجھتے ہیں۔ جب تک  
اردو ہندی مدوں بھاشاؤں کا میل دہرگا۔ ہندوستانی زبان کی گاڑی جہاں جا کر رک گئی ہے اس سے اگلے نہ بڑھ سکے گی۔

**خلیہ صدارت جلسہ ترقی پسند مصنفین** | ہمارے سیمینار اور انجمنوں میں اب تک عام طور پر زبان اور اس کی اشاعت سے  
بحث کی جاتی رہی ہے۔ یہاں تک کہ اردو اور ہندی کو جو طرح پر موجود ہے اس کا منشا  
خیالات اور جذبات پر اثر انداز نہیں بلکہ بعض زبان کی تعمیر تھا وہ بھی نہایت ہی اہم کام تھا۔ جب تک زبان ایک مستقل صورت نہ اختیار کرے  
اس میں خیالات اور جذبات او اکرنے کی طاقت ہی کہاں سے آئے۔ ہماری زبان کے بانیوں نے ہندوستانی زبان کی تعمیر کر کے قوم پر جو احسان  
کیا ہے اس کے لیے ہم ان کے مشکور نہ ہوں تو یہ ہماری احسان فراموشی ہوگی۔

زبان بول چال کی بھی ہوتی ہے اور تحریر کی بھی بول چال کی زبان تو میراں اور مولال کے زمانے میں ہی موجود تھی۔ انھوں نے جس زبان کی  
داغ بیل ڈالی وہ تحریر کی زبان تھی اور وہی اب ادب ہے۔ ادب اس تحریر کو کہتے ہیں جس میں حقیقت کا انکشاف ہو۔ جس کی زبان پختہ رشتہ اور  
لفظ ہمدرد میں دل اور داغ پر اثر ڈالنے کی صفت ہو اور ادب میں یہ صفت کامل طور پر اسی حالت میں پیدا ہوتی ہے جب اس میں زندگی  
کی حقیقتیں اور تجربے بیان کیے گئے ہوں۔

ترقی پسند مصنفین کا عزم میرے خیال میں ناقص ہے ادیب یا آرٹسٹ طبعاً اور خلطاً ترقی پسند ہوتا ہے اگر یہ اس کی فطرت نہ ہوتی  
تو شاید وہ ادیب نہ ہوتا وہ آئیڈیٹ ہوتا ہے اسے اپنے اندر بھی ایک کی محسوس ہوتی ہے۔ ————— داخلیت وہ شے ہے جو جہد ہستی  
سہل انگاری کی طرف لے جاتی ہے اور ایسا آرٹ ہمارے لیے نہ انفرادی حیثیت سے مفید ہے نہ اجتماعی حیثیت سے۔ مجھے یہ کہنے  
میں تامل نہیں ہے کہ میں ادب چیزوں کی طرح آرٹ کو بھی افادیت کی میراں میں قوت ہوں۔ میں حس کا میاں تبدیل کرنا ہوگا۔

ہماری انجمن نے کچھ اس طرح کے اصراروں کے ساتھ میدان میں قدم رکھا ہے وہ ادب کو کمریات اور شایعات کا دست نگر نہیں دیکھنا  
چاہتا وہ ادب کو سچی اور خل کے پیغام اور تاد بنانے کا ملکہ ہے اسے زبان سے بحث نہیں آئیڈیٹ کی وصفت کے ساتھ زبان خود بخود  
طیس پر جاتی ہے۔ جس میں آواز کے لیے نیاز رہ سکتا ہے۔ جہاں محاکم میں ایسی فضا پیدا کرنا ہے جس میں مطلوب ادب پیدا ہو سکے۔  
ہم چاہتے ہیں کہ ادب کے مرکزوں میں ہماری انجمن قائم ہوں اور ہاں ادب کے قیمری رجحانات پر باقاعدہ جہت ہو۔

بہر حال جب تک ادب کا کام تفریح کا سامان پیدا کرنا محض لہجوں کا گلو کر سنانا محض آئسبرک ٹرکھ کرنا تھا۔ اس ذات تک ادیب  
کے لیے لہجے کی ضرورت نہ تھی، وہ دہرا دہرا جس کا غم دوسرے لکھتے تھے مگر ہم ادب کو محض تفریح اور تفریش کی چیز نہیں سمجھتے ہماری کسرتی

پھر ادب کھانے کے گھر میں فخر و کبر و اداوی کا جذبہ ہو جس کا جوہر برتری و غرور کی نذر ہو۔ زندگی کی حقیقتوں کی روشنی ہو جو ہم میں حرکت اور  
جنگ اور جدوجہد پیدا کرے، پسٹے نہیں، کیرنگ اب اور زیادہ سنا محنت کی علامت ہوگی۔

**میری تماشائیں** | میری تماشائیں بہت عمدہ ہیں۔ اس وقت سب سے بڑی آواز یہی ہے کہ ہم اپنی جنگ آزادی میں کامیاب ہوں۔ میں  
دولت اور شہرت کا خواہش نہیں ہوں، کھانے کو بھی مل جائے۔ موٹر اور جنگلکے گھر ہوس نہیں ہے۔ ہاں یہ ضرور  
چاہتا ہوں کہ وہ ہر ہندوؤں کی نفسیاتی چیز ہو جائے۔ نیس ان کا مقصد بھی حصول آزادی ہی ہو۔ اپنے وطن لڑا کر کے لیے بھی کوئی مشورہ  
نہیں دیکھتا صرف یہ چاہتا ہوں کہ وہ ایماندار، مخلص، اور مستقل مزاج ہوں۔ جیش ہند اور دولت پرست اور خوشامی اولا سے مجھے  
نفرت ہے۔ میں بے حرکت زندگی کو بھی ناپسند کرتا ہوں۔ ادب اور وطن کی خدمت کا مجھے ہمیشہ دھیما ہے یہ ضرور چاہتا ہوں کہ دال دلی  
اور موملی کپڑے میسر ہو جائیں۔ ادبی خدمت اور فربہ میں خدا واسطے کا بیڑ ہے اگر کوئی ادیب مونا کاڑہ ہے تو مجھے مجھے کہ اس میں سزا نہیں  
لا رہے ہیں، دلی نہیں۔ چراغ کا کام جلتا ہے۔ چراغ وہی لباب بھرا ہو جاتا ہے۔ میں نے سمجھ لیا ہے کہ ادبی خدمت پوری عبادت ہے۔  
سوتے رہنے سے لڑا ہوا آدمی کسی بھی حیثیت سے بڑا نہیں ہو سکتا ہے۔ دولت مند کو دیکھتے ہی ناٹ اور ظلم کے متعلق اس  
کے ہند بانگ بڑبڑوں کو دوسرے کان سے نکال دیتا ہوں۔ مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس شخص نے اس سماجی نظام کی تائید کی ہے  
جو میری دل کے آتھوں، غریبوں کی غری آسانی پر قائم ہے۔ ابا کی بڑا نام مجھے متاثر نہیں کر سکتا۔ جو دولت کا پکاری ہو، لکھ ہے کہ میری  
نا کام زندگی نے میرے جذبات کو اتنا تالا بنا دیا ہو اور یہی لکھی ہے کہ جبک میں کوئی موٹی رقم جمع کرنے کے بعد شاید میں بھی ان جیسا ہو جاتا  
اور لالچ کا متاثر ہو کر سکتا۔ لیکن مجھے غریبوں کی نفرت اور قسمت نے میری مدد کی اور مجھے غریبوں کا شریک غم بنا دیا۔ اس سے مجھے روحانی تسکین  
ملتی ہے۔

موقوف : : عظیم الشان صدیقی

# علی حیدر نظم طباطبائی

ولادت : ۱۹ صفر ۱۲۹۹ھ (۱۸۵۲ء)

وفات : ۱۷ محرم ۱۳۵۲ھ (۲۲ مئی ۱۹۳۳ء)

۱۵ صفر ۱۳۵۱ھ (۱۹۳۲ء) کو اکاسی برس کا میرا بن ہوا۔ کھنوس میں پڑانا حیدر گنج کوشمشی جلسے ولادت ہے۔ مشنریوں نے والد کے دوستوں میں میرے ہم نمکتے۔ ان سے فارسی پڑھی۔ ظاہر مرلی سے مرثیہ و نحو عربی کی حاصل کی۔ جناب خاتمہ العریضہ سے درسی نظام کی کتابیں پڑھیں۔ ۱۳۰۰ھ میں تشریف الافلاک پر میرا حاشیہ کلکتہ کے مطبع اردو گاہینا خوار سے شائع ہوا جسے میں نے مشرک کاف و زریہ تعلیمات کے نام سے مسنون کیا تھا۔ اسی زمانے میں مدرسہ شاو او دھ میں شاہزادوں کی تعلیم پر براتقرہ ہوا تہذیب الاسلام میں نے انہی طلبہ کے لیے تعینیت کی۔ اسے دیکھ کر مددگار ہیں اسی طرز کی لوگوں نے تعینیت کر کے شائع کرنا شروع کیا۔ کلکتہ سے میں نے دکن میں آکر اسی طرز کی دو کتابیں مینات و صبرات لکھیں جنہیں لوگ کرامات سمجھتے ہیں۔

نظام کالج میں تقرر ہونے کے بعد مدراس یونیورسٹی کے بورڈ آف اسٹڈیز کا ایک رکن میں بھی مقرر ہوا اور میری ہی تجویز سے اردو دیوان مرزا نوشہ کا بنی۔ اسے کے نصاب میں شامل ہوا جس کا نتیجہ ہر اکہ مجھے سارے دیوان کی شرح لکھنا پڑی۔ اس شرح کو دیکھ کر استاذ السلطان شاد العلماء آقا سید علی شہرستری نے کہا کہ اردو دیوان کی شرح لکھنا میری رائے میں اس کے لیے سبکی کا باعث ہوا۔ اسے چاہئے تھا کہ عربی کے کسی دیوان کی شرح لکھتا۔

یہ قول مجھ تک پہنچا اور میں نے اموا القیس کے دیوان کی بھی شرح اردو میں لکھ ڈالی۔ یہ عرب کا کتب الشعراء اسلام ہے پہلے کا شاعر ہے۔ میں یہی سمجھتا ہوں کہ وہ دونوں شرحیں لکھ کر میں نے اپنی زبان کو بڑی رونق دی۔

حیدر آباد کے مدرسہ دارالعلوم میں عربی و فارسی پڑھنے والے طلبہ ہمیشہ سے پنجاب یونیورسٹی میں فاضل و عالم کے امتحانات دیا کرتے تھے۔ پنجاب سے مدرسہ میں سوالات آجایا کرتے تھے۔ فارڈ کرڈن کے صوفیاء و زوال میں ملک ہند کی تعلیمات کا دورہ گئے کے لیے ایک کیشن مقرر ہوا۔ اس کا نتیجہ تھا کہ پنجاب یونیورسٹی سے حیدر آباد کا تعلق نہ رہا۔ یہاں یہ غیر جب بھی کہ امتحان دینے کا زمانہ بہت قریب تھا۔ طلبہ سال بہر کی محنت کا صلہ لینے کے مستحق ہو چکے تھے۔ میں نظام کالج میں تھا۔ مجھے دامالعلوم کے مدرسے سے برساتا ہی تعلق تھا کہ برسوں سے ہر سال وہاں کے اعلیٰ درجوں کا امتحان لینا میرے ہی ذمہ تھا۔ اس سال بھی میں امتحان لے چکا تھا اور اسی امتحان کے لیے جب جو طلبہ پنجاب یونیورسٹی کے فاضل و عالم کے امتحان میں شریک ہونے والے تھے ان کا انتخاب بھی ہو چکا تھا۔ مجھے ان طلبہ کی باری پر نہایت افسوس ہوا۔ میں نے نظام کالج میں ڈاکٹر اگور ناتھ سے یہ ذکر کیا کہ ہم لوگ ان طلبہ کا امتحان یونیورسٹی سے بہتر لے سکتے ہیں۔ خطابات بھی دے سکتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ڈاکٹر اگور ناتھ، ڈاکٹر نیش کا ناتھ، محمد عبدالنعم صاحب ایک اعلیٰ درجہ کے



اس سے پیشتر ماس بخیر رسول میں فارسی دوسری کے اختتام اور ”دربہ“ در افضل الصلوات کے نعائات وغیرہ نہ تھے۔  
یہی پہلی کوشش سے جاری ہے۔

جیداً آدمی عربی وفاداری کا جس قدر چرچا تھا اس سے میں واقف تھا۔ درخواست نہ دینے کی وجہ یہی قرار دی جھگڑ گیا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ وہ عربی وفاداری کے طلبہ کے لیے "افضل العلماء" اور "دہر" وغیرہ کے خطابات کو تجربہ کر کے مگر شرط یہ لگا دی کہ اگرچہ وہی میٹرک پاس ہونا ہر طالب علم کے لیے ضروری ہے۔ یہ شرط پنجاب میں نہ تھی۔ میں نے معصم ارادہ کیا کہ حقیقتاً امر کو مجلس کشاکش کے آگے عرض کر کے میٹرک کی شرط کو معزوف کرانا چاہیے۔

اسی طرح شیعہ کرم مریدی ذلیل خاں صاحب کے پاس بھی گیا۔ یہ حماس کارپوریشن کے صدر مجلس نصاب کے رکن رکین تھے۔ کرم مرید خاں صاحب نے خاں صاحب شاعر و فیرو سے ملی اس اب میں گفتگو کی۔ ان سب صاحبوں نے ہی (بیک وقت) مجھے کہا کہ آپ نے پہلے سے ذکر کردہ روزِ حلیہ و فارسی کے امتحانات میں اس پریکٹس سے آگے جیتے۔ دو دن بعد بیٹھ اس جی مانگاں مجلس نصاب میں پہلے مسئلہ پیش ہوا، میرٹر کی شرط آسانی سے آگے لینی اور میرے مجروحہ اشعار کا پہلا حصہ ”نظم بلبلان“ میں اس کے بعد آئے۔ یہی مسئلہ کے کورس میں داخل ہوا۔

اصل حضرت خضرؑ اس شخص کے چشمہ جوہی کی تائید فرما کر خاصیت جنگ جہیل نے اور جہلوں میں کسی تھی۔ وہ تاریخ فرما رہا ہے کہ جب  
وام آقاؑ کی وراثت کے زمانہ میں بیٹے و خسر و سے اس فرما کے ساتھ بھی گئی کہ حق سیدہ علیہا السلام کو یہ تاریخ دے دی جائے کہ فرما کر کہ  
اس تاریخ کو جس کے متعلق ہیں نے بڑا کام یہ کیا کہ سیدہ راہد افروز کی سب جہیز ہندل سے آخر تک ہمیں اور منافیہ ضرور ملے گا۔

کیا۔ متناہد کہ یہ تاریخ شائع ہونے والی ہے۔ ایک بڑا گریہ کرتا ہوں لیکن باقائے سلیم بالکل صبح ہے مینی خادسی وار دو دوائے صوب کے  
مردوں کو نہ بھتے تھے۔ اس خط کو اچھا کے رکھ دیا تھا۔ یہی حال کافیہ کا بھی تھا۔ یہی نے قلعہ بھروسہ و قلعہ کھر کر تمام گتیسوں کو سہلایا اور  
سخت و زواید کو چھانٹ دیا۔

۱۳۲۵ء میں شاہزادہ لگی والا ہوا دام تھا لہذا کی تسلیم ادب پر میرا انکر ہوا۔ اس خدمت گزاری کا شرف چار برس بعد کو حاصل رہا۔  
۱۳۲۶ء میں داماتر جبر کی اصلاح زمانہ دطرزیہ کی عمرت بھی جبر سے متعلق ہوئی۔ تین سال یہاں رہ کر کہیں کے سب سے ولیف  
ہو گیا۔ ولیف کے چندانہ کے ہمالی حضرت خدا شہ کھڑے نے از سر نو دارا تر جبر میں میرا تقرر فرمایا۔ چار برس تک یہاں نے پھر ترجموں کی اصلاح  
کا کام بھی کیا اور تاریخ طبری کی ایک جلد کا ترجمہ بھی کیا۔ صوبہ میں کا جبر کو خزاہ کے علاوہ عنایت ہوا اور یہ جلد دارالبلع میں چھپ گئی۔  
گو اب میں ولیف لے کر دارا تر جبر سے الگ ہوں مگر دارا تر جبر نے مجھے نہیں چھوڑا۔ اصطلاحات ملی کی کئی چیزیں ہیں جو لائن مجھے جانا  
پڑتا ہے۔ سرکار میں دیتی ہے اور جبر سے کام لیتا ہے۔

دادا بھائی نوروجی

پیش — ۱۳ ستمبر ۱۹۶۵ء — ملت — ۲۰ جولائی ۱۹۶۵ء

داد و محبت کی اس وقت تک بھیک بات یاد ہے۔ میرے ذہن میں نمایاں ہے کہ اس طرح جو ایک خدا کو گریہ سے ساتھ چھوڑ دیا ہے وہاں کہیں میں جانتا تھا کہ یہاں پر خدا کو میرے ساتھ چاہیے۔ اس لحاظ سے کہ میں نے گھر سے دھڑک دھڑک کر آتا ہوں بہت دیکھ کر آتی تھی وہاں تک پہنچتا تھا۔ دوسری بات کہ مجھ کو پہنچنے کی اپنی ملک کی زبان معلوم ہوئی وہ ہے کہ جب کوئی آدمی میری جیسے سخت سست بہت آویس کو جواب نہ دے کہ ہرگز اگر راز نہ کہ صحت بلکہ دنیا کو ہر زبان کرنے سے تیار رہی ہے نہ صاحب ہوگا۔ میری عمر میں رزق میں نہ ملتا۔ وہ کہیں میں مجھے لگتا ہے کہ میرے بہتے شوق سے میری اس میں رہتی بھی ہوگی خدا جس وقت کہ وہ پہرہ کو آدھ گھٹنے کے لیے تیل سے فراغت تھی میں اسی کہیں میں ہوا یا عذری اور صاحب کی کچن کے شوقی ہو گیا کہ خدا۔ شہر کے مدرسے میں جب کہ کئی شخص ہمیشہ تھکا تھے یا بیمار ساتھ کے لیے آ کر میں جو راز میں پیش کر دیا تھا۔ مجھے پڑا سے دھیرے دھیرے ہوا تھے۔ خدا بالی صاحب کرنے میں بھی بہت ملکہ خدا تک کہم کہ خدا قبول میرے کہ کچھ پر پہنچتا ہوں تھے۔ میری باتوں کو شوق سے سنتا ہوا بار بار فریاد کرتے تھے۔

[illegible]

دکن میں مجھے فائدہ پہنچنے کا دور دورہ دل کو سنا لے کا بہت ذوق تھا اس کتاب کے بہادر پڑھنے کا سنا لے سے میرے

لیاوت اور چال میں پرہیزگار۔

بعض اوقات صبر کی جھڑپیں بائیں بنائے تجھ پر نہایت بڑی کمزوری صدمی کے غارت میں جتنی میں ایک سرسختی ہندوستان میں تعمیر کیا  
چراہوہ نے کے غرض سے قائم ہوئی تھی اس سرسختی کی کوششوں کا یہ نتیجہ برما کی ایک ابتدائی اکھلے قائم ہوا جس میں کہ انگریزی وادی صدمی ہندوؤں کی  
تعمیم ہندوہ ہندوہ دی جانے لگی۔

میرے دو بیٹاں کھول کا مری اس سوساتی کے افواض سے پورے عہد پر واقف و متفاد اس کو صرف دعا و سلام تھا کہ اس کھول کے افواض سے سرکار کا کچھ ہوا ہے اس کیلئے اس کا اپنے نرے کھول کھول ہی بھیجے کہ جرات برقی اس نے یہ کہتا ہے مجھ جیسے وہاں نہیں م کے لیے بھیجے کہ سحر کی کھول کے ایک ایک بزرگ سحر قائم ہو کر میرے جیسے اور بزرگ سحر قائم ہو کر وہ مجھے وہاں







# ہوش بلگرامی

**سپارادطن** کہوئے اور جن کو غلطی و صانع نے غیر فانی بنادیا۔ جہاں کے علماء سید عبدالمعینؒ جسد سیارہ بن کر چکے جنہوں نے سات شاہیاں و کھس  
احسانات ہی منکلمات کی اسطفا کے فراغ، انجام دیتے۔ جہاں کے میر نظام علیؒ از تو حسن البند کے اقب سے مشہور ہوئے جنہوں نے مائو اکرام  
نکھی۔ فزاہ عامہ کائنات کی تیریدینا، کائناتیں سمجھو، دھلیا، سترہ الرحمان۔ کے ایک ایک دانہ پر انشکا، درجہا۔ شاماتہ العنبر کی کو شہزادوں سے کائنات کو  
مسخر کیا۔ عربی زبان میں سب سے چلی مشنری لکھ کر اہل عرب کو دنگ کر دیا۔

میں بد نصیب اس زمانہ میں پیدا ہوا جب ہندوستان کے اس قریب الجہاں، ایک نکتہ وفات کے آثار نمایاں ہو چکے تھے۔ صوفیہ مذہب کے لیے تھے  
مجھ میں خوشحالی کی مشرب، اکلانی دینی قیغیں اور محاسن کو بیٹ بھر کر روئی کچھ نصیب نہیں ہوتی تھی۔۔۔ جو گھیکہ پور کے دوسرے بدیوب بھائی صاحب پور کے  
ہارنیم ہاشم اسید محمد جلال اور دھرترا کے عزیز خواں اسید محمد عابد اس نے یکے بعد دیگرے امام پارہ کی مقدس سونہیں کو آ کر ایک موتوں نے لکھ دیاں  
دیوالوں میں منتقل کر دیں۔ ملازمین کھنڈروں میں تہذیب پر گھسیں۔ مہیا غلوں پر خزانہ آگئی جہاں سالوں میں جھوسے پڑتے تھے۔ مہاندوں میں ہم چھپتے تھے  
مناظر اور اجاب کساتے بھی تھے اور گھسلیوں سے چھین چھانٹا کر تے رہے تھے۔

لو کہ میں تنہا دلی کے دو باکلاس اس دلی میں بیٹے ہوئے رہتا تھا۔ مجبوراً کاہنم شکستہ اس بے باز و بختی تعبیر میں میاں جی کی قمیروں سے  
چوہا چھو تاکا، بتا تھا، اسکوں ماسٹر کی بید پر نظر پڑتی تھی یا گھر کی تھیلی میں تھمڑے کہ لڈیا بی بی کا تھا اس ناگفتنی ماحول میں یہ معلوم کس طرح کی طرح ہو  
سکتا تھا۔ والد مرحوم کی منتیں اور رکھی منتیں، اخوا کی منتوں سے جیگانہا عذاب کی ذہنیوں سے دور دورہ رہتا تھا۔ جبکہ کھڑن میں کسی زمانہ میں  
ملاؤ نہ ہو یہ پید کرتی منتیں ہاں تعلیم و تربیت کا پہلا تھا کہ مذہب کی دوا سے کسی کو کھلا سطر۔ وہ پھر کیا کیسے ہم کو کی طرح کی خند و لاہند حمین کی شہادت  
کی طرف نہایت کمر کی سہما تھا اور بزرگوں کی تہذیب کا گھر کی پابند نظر آتا تھا۔ رہم ہوا تھا کا لاہند ہوا تھا کہ اس شہر پر تھے تھے تھے جب  
کے جو تھے جبکہ تھے یہاں شہادت سے بٹکا تھا یہ خدا کو ہوش کی سیما یا فطرت کی نگاہ کا تھا کہ آفریندہ بریں سلا میں اس شہر کی عداوت  
پہنچیکے کہیں دلی کو خیر باد کہے

ہم نے جب واقعی غربت میں قدم رکھا  
 دودھ لک باد وطن آئی تھی سب نے کو

معاں کو چھوڑا، بہنوں سے جدا ہوا اور جانی کو صرح سے دیکھ کر ہم پر اس سفر قریح سے ہوتا ہوا اپنا چمکا لیا وہ ان کسی سے جفا نہ پہچاں۔ رائے میں رہے لگایا۔ جیسا کہ سے کھانا پکوا یا اسے نرینچ باغ میں ایک جھونپڑ پر کھڑا ایک کتھن کی طوڑ سے قبل کر لی کام پر ایک کپڑا لٹایا

اور کہنے نے اپنی ساری شایع کاٹیجیو بنگریج دیا۔ جہاں تصانیفوں سے سابقہ پڑا۔ پنجابیوں سے واسطہ ہوا۔ جو ڈھونڈ گزری کھال کھینچتے تھے بغور وہ  
 لاکھوٹے سہڑیں بیچتے تھے جہاں کو جاتے تھے اور بے کمر نیچتے تھے جہاں کے کچھ تیس چاروں کو بے رحمی سے ذبح کیا جاتا تھا۔ اس  
 معاملے نے عجیب تہمت کر دی اور وہاں سے بھی رخصت ہوا جہاں آبا اؤلی کا تلوہ ہے جہاں کے پان بہت لطیف اور نرم ہوتے ہیں جہاں  
 وہاں وہ کالوں کی لذت ہوتی ہے، جہاں برش فوج کی چھوٹی تھی جس کی آب و ہوا اچھی تھی نہ بڑی، آخر وطن کی طرف پھر پلٹا اور ڈاکٹر سید علی گلگانی  
 دوسرا وقت ہر دوں میں قیام تھے، نے جو بند کچھ کرانی بخراں میں لے لیا۔ ان کی علمی صحبت میں کچھ مبتدیان کے تمدن مند کا مسودہ لکھنا ہاں مگر سحر  
 رونے لگی سیزیدیم و ہب ر ۲ خر شد

کا مساق ہو گیا۔ صرف چند ماہ ہی ان کی علما نہ صحبت میں گزرے تھے کہ وہ بلگرام کے امام ہارہ میں وطن ہو گئے اور وہیں مقبوضے ہی اور بعد ستر  
 سید علی گلگانی کے ہوا حیدر آباد پہنچ گیا۔

میر لعل علی مسک

میں چونکہ ایک مصلح مکرانے میں پیدا ہوا تھا اس لیے جب میری عمر ہارم سال کی ہوئی تو تیسری جوانی کی رسم ادا کی گئی، ہزار کی شایع  
 پر نام تو دیا گیا مگر میرا نہ میٹھا کر کے قرآن کی ایک آیت تلاوت کرادی گئی۔ پہلے استاد تو خود میرے دلوں پر اس کے بعد  
 کتبہ تعلیم کے نیچے لہجہ پر میٹر کر شروع ہوئی۔ سوری شراعت علی نے قرآن طوطوں کی طرح نوا یا، دستور انبیاء پر حنائی، نگہستاں دہرستاں کے  
 بھی اخلاق سنی دے اور آدھا مسک بھی خودی تر کیوں سے، شکار لہ غنیمت ان سے چھٹا گیا، ان کے ہر سال پیدا ہونے والے بچوں کو کھانا بھی دیا  
 ان کی بھلی کرنا بھی دہر مقررہ خواہ کے علاوہ ہر عید پر ایک ایک روپیہ بھی نذر کرتا۔ ہلا کہ قریب میں مولوی صاحب کا حق اساری بھی ادا کرتا رہا۔  
 اس کے باوجود کبھی کبھی میری نظریں شہزادوں کے کمرے کے کمرے کو لکھ جاتی تھیں۔

کتبہ تعلیم کے بعد جب اسکول میں داخل ہوا تو پڑت بڑی شرفی تھی کہ لاہور سا دلا۔ پڑت دیپ نرائی کے طرفہ تعلیم نے کسی ساتھی سے  
 پیچھے نہ بنے یا مولوی مولوی کا خاموش شاعری کی تقلید میں کبھی شرمندہ نہ کر لیا کرتا تھا، ناشی مقولہ پر شاہ درل ماسٹر نے رسائی بھی کر لائی جس  
 میں کبھی نہ تھا مگر دھسوں کو اپنی فطرت خود کھینچتا تھا۔ نٹ ہل میں تلابا زیاں کھاتا تھا مگر کندھوں کے دھکوں اور سروں کی پھرتی سے  
 دوسروں سے گند چھینے میں کامیاب رہتا تھا جس شک میں سر نیچے اور پاؤں اوپر دونوں ہاتھوں کے سہارے کرتا تھا مگر دوسرے بچوں کی  
 طرح زیادہ دیر تک چروں کیوں سینے سے لگانے نہ لکھتا بے ادبی سمجھتا تھا اس خوف سے کہ کہیں اللہ بیاں گستاخی کی پاداش میں مایوسی منزل لے  
 دیں جو میرے بعد سب سے ختم میں ہگا رنگی طرح اس ہی شکار ہوں۔

سن شعور کے بعد جب مطالعہ کی حالت پڑی تو یہ سمجھ میں آیا کہ اسلام میں جہتیں اور زمانہ دم فرم تو تھے مگر اخلاک کے دھاتوں میں  
 زمانہ عروج کے چھانسانے ہے جو نے میں ان کی بدست ملکیت کے تصور ایوان نے، ملکیت کے ناز و نفہ نے، ملکیت کی پیش طاعت  
 نے، ملکیت کے تمدن و معاشرت نے، ملکیت لگا لگا دیوں اور زمینوں نے، ملکیت کے شراب و کباب نے اور ملکیت نے دھماکہ کی چمک دکھ  
 لے ان کو صفات طلب کریں۔

میں نے بچے مگر میں تعزیر جلد کا معلق پایا۔ میں نے اپنے گھر میں غلام منہ دے دوسروں کو کہتے ہوئے دیکھا کہ چند اس فرض کو ادا



کرنے کی جستجو کرتی رہی مگر غلطی کے وقت انگریزوں نے یہ نامہ شریک نہ کیا تھا، غلطیوں کی طرح سیکرٹری بھی اندر و باہر سو رہی عیادت لی نہیں۔ مگر دیکھ دو جو کچھ کچھ مذاہن اتفاق ہو جاتا تھا مولویوں کے دھڑ دھڑکے ہاتھوں سے یہ جگہ جگہ ہاتھوں سے لکھی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ وہاں کے لوگ داغ گداز موت دیتا تھا۔ عیدین میں نئے پٹے تو بیت نوش ہو کر پشیا تھا مگر تازہ میں پیش نماز کی طوطائی فرائض سے بہت گہرا تھا، بعد غصہ ہی سے مذہبی امور سے دور نظر کسی وقت نہ رہا جو اعلیٰ کا کھڑا ہو سکتا تھا اس وجہ سے عیدین ہاں دنیا میں فتنہ خیزوں کی ایک ایسی بیڑی لگائی گئی تھی کہ مذاہن میں بغیر سب سے کچھ گھس پڑنے میں اس لیے تامل نہ تھا کہ وہ مذہبی عقل سکون حاصل کر چکے تھے کوئی یہاں اسلام پیدا کر سکتا تھا جس سے عقائدت کا پردہ پاک ہو جاتا۔

میں جب کہ مسلمان محرم پہناتا تھا اس لیے اسلامی تعلیمات کے معاملہ نے یہ تیار کر دیا کہ کام عیدین میں انھوں نے کچھ بھی ہی عیدین کے طریقوں کے خلاف ہے جس کی گلاس میں انویقیات کے جتنی وہاں ہارے ہوئے ہیں وہ اس دنیا کے مناظروں کے لیے ایک ایسی نعمت میں ہیں جو مل کر کرنے سے انہی انسانیت کے ذللہ کہانی کہ سکتا ہے اسانی زندگی کو مذہبی فرقہ بندیوں کے جہل سے بچا سکتا ہے۔ میں مذہب کو اخلاق کا سرور توت بھتا ہوں میرے نزدیک مذہب اخلاق کا دوسرا نام ہے جس سے ہم سب کو محسوس کرتے ہو جاتے ہیں۔ میں مذہب کو اخلاق کی ایسی زندہ فتنہ جانتا ہوں جو اپنی ہتھیاروں سے انسانوں کو مل جل کر لے جاتی ہے اور بڑی ہوتی سرائی اس بات کی محتاج ہو لے کہ وہ مذہب کو اخلاق کے عمل کا محرک بنائے۔

ظاہری مدعا کا خالق ہے بلکہ کائنات کی ہر چیز اس کی مخلوق ہے مگر اس کی مالگیر تہذیب اس سمت کے ہاتھوں بنام ہر ہا سبچہ توحیدیت کے دوسرے اور ہونے کے باوجود خود ہی فتنہ کشم کی پستوں میں بننا ہو گئی۔ یہاں تک جہاں ہر مذہب کی اسلام کا ایک فرقہ ان کو کھینچ جاتا ہے جس میں ہر گروہ غلیظ نہیں مانتا ہے تو ان کے صحابی ہونے سے انھار نہیں ہو سکتا ہے اور اس پر ہر مذہب کی تیز باہری کو تو فتویٰ محبت سے نمبر کرتا ہے جس سے قدرے کے غلیظ فتنے کے سلفی حالت کو گور کر رہی چکا ہے۔ ملی کی شعب میں بھی گستاخیوں کا عرصہ ہوتا ہے جس میں حوہ جوں کو بھانپنے سے خدا کو برا کہہ کر لے کا حوسد چلا گیا جاتا ہے اسی طرح خلفائے ثلاثی کی طعن میں ہے اور بیان کر کے ملی مرتلے کو ہر جہد و تباہی جاتا ہے۔

ایسے کو کہہ سچائے اور اگر سچائے بھی تو مذہبی جنون کب کچھ دیتا ہے؟ انفران ہر اندون کا اجتہاد کب صحیح مانتا ہے اختیار کرنے دیتا ہے۔ ملی کی حکیمانہ روش پر اگر ان کے متبع چلتے ہو کسی کی مدعا نہیں کر سکتے تو قدر بھی نہ کرتے تو یہ راستہ ہوتا جس سے دوسروں کے معتقدات کو ضرر نہ پہنچتا۔ ان کے مذہبات عقیدت نہ میر سکتے اور انتقامی جذبہ اس حد تک نہ پہنچ جاتا جس سے خدا محض کو ہر اندون

**میرا سیاسی مسلک** جو میر جعفر میں سیاست کا دوسرا نام مکرزہ ہے جھوٹ اور دغا ہے مگر انیشیائی ملک کی دوعالی مداخلتوں کا تھا وہ ہے کہ سیاست میں مصراقت پہنہ کی مذہب کو ہر ہاں گور دیکھیں گے وہ کبھی سیاست کی منزلیں شرافت کے ساتھ طے نہ کریں گے۔ انیشیائی فتنہ صومیت ہے جس نے اس کو دیکھیں سے جیشہ میسر نہ کیا ہے اور اس میں رو عانت نے اس سے ایسے ایسے انویقی لاکھا لئے ہیں جہاں تک سیاست کی دنیا کبھی رسائی نہیں پا سکتی ہے۔ مگر دفریب ہر ایک قوتوں کی جدوت سیاست نے اپنا سفر دنیا میں پناہا ہے جسے مگر اس کی کبھی دوا نہ ہو سکی۔

ہندوستان کی سیاست ابھی وہ درجہ تک نہیں پہنچ سکتی ہے جو آسٹریلیا کی سیاست سے ٹکرائے اور روڈین کی ذریعہ سیاست کا مقابلہ کر سکے۔ ایک کی سیاست کی ضرورت کو بیان چلا رہی ہے اور دوسرے کی سیاست سرمایہ داری کی پرورش کر رہی ہے اور دونوں کے پردہ چکڑے اپنے اپنے نقطہ نظر سے سیاست کی خاموشیوں میں اس قدر شور مچا رہے ہیں کہ غیر ملکیوں میں انہی کا مسلک چیلنا جا رہا ہے اور انہی ملکوں کی تباہیوں سے انہیں کو بے چین کیا جا رہا ہے۔ انہی سے ان کی حکومتوں میں بھل چلا کر لائی جا رہی ہے جس کی ابتدا شکستہ نے کر دی جو اس کی انتہا تمام ملک میں کیسی ہوگی۔ اگر ان کی جماعت حکومت قائم کر سکے تو ملک سے نہ ہنسی اور نہ ہتھیاری کی سیاست تہہ درگروائی نہ کرتی تو اس کی سیاست اتنی جلد بے نام نہ ہو جاتی۔

ہندوستان ایسے حالات آباد کو مجبوریت سے روشناس کر لیا جا رہا ہے جہاں نہ کوئی جمہوریت کے مفہوم سے واقف ہے نہ اس کے نفع و ضرر کو سمجھتا ہے۔ وہ اس کے ماحول کی پیدائش اور پھر جہاں ہزاروں برتن حکم بادشاہ کا ان کی ذہنیت کو پیلا پلا چکا ہو اس کی سیاست طفل دہشتان ہی کہلائی جاسکتی ہے۔

ہندوستان کی تقسیم ہو جائے۔ یہ مسلم لیگ کا ایک خوش آئند نعرہ ہے جو اس کے پیٹ فارم پر لگایا جاتا ہے اور اس سے لگایا جاتا ہے کہ اس کے طے میں مسلمانوں کے حقوق محفوظ رہیں جو اس کی جمہوریت خالی جا رہی ہے کہ شمالی اور مغربی سرحد پر پاکستان قائم کر دیا جائے اور اس وجہ سے کہ ہندوستان میں اطلاق اس اتھارٹا ممکن ہو گیا ہے اور اس سے نا ممکن ہو گیا ہے۔ دونوں کے دونوں میں محبت کی جھلک بھی باقی نہیں رہی اور مذاہلہ کی کے مفہوم کو سمجھنے والے دونوں فرسے بھول چکے تھے۔ اس لیے..... اس لیے..... دونوں فرقوں کو الگ الگ حصوں میں تقسیم کر دینا ہی ان کی غذا گہریں کی ضمانت ہو سکتی ہے۔

میں سیاسی میدان کا روبرو نہیں ہوں اور میں نے سیاست کا کوئی خاص مطالعہ کیا ہے اور میں سیاسی ایجنٹ پر کھڑے ہو کر دھواں دھند تقریریں کی ہیں اور میں لیڈر کے زعم میں مبتلا ہوں اور نہ خود دانش سے سیری زندگی کو کوئی سرست پہنچتی ہے۔ میرا مسلک تو یہ ہے کہ انسان ہی کرنا خود و جہاد شرف المخلوقات ہی سے نہیں بلکہ ہر ذی روح سے محبت رکھو۔

برق قس سے ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جہاں بے شمار قومیں آباد ہیں۔ ہر ملک اور ہر قوم کا تمدنی انگ ہے اور معاشرت جو ہے وہ سماج کے لیے انسانیت کا بنیادی بل جاتی ہے اور اس جماعت و رش میں وہ سب کچھ ہے جس کو دنیا بھر کے مددگار سے تعبیر کرتی ہے۔ ان کی لکھ چڑھ رہی دنیا کے لیے حیرت انگیز اور ششدر کر دینے والی ضرور ہے۔

ہر موجود مغربی تعلیم حاصل کرنے والا غلام غلاموں سے پروردہ ہونے کے ہندوستان کے مذاہب تو ہمت کا مجموعہ بنے ہوئے ہیں ان کی ریت سمیں ان کے حالات و امور ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں عبادتوں کے طریقے بھی بالکل جہاں اور مسلمان بھی دھماکے میں تقسیم ہو چکے ہیں۔ جب ہندوستان کی حالت ہے تو ظاہر ہے کہ ایک قوم دوسری قوم کو ایک مذہب دوسرے مذہب کو ایک تمدن دوسرے تمدن کو ایک معاشرت دوسری معاشرت کو اور ایک زبان دوسری زبان کو کیوں کر لگایا کر سکتی ہے اور کب تک گوارا کر سکتی ہے۔ جب ان دونوں قوموں میں یکسانیت ہے تو ہم خیالی نا محار ہے۔ لہذا اتفاق تو بعد از حرکت پیش رفتی کی جاسکتی ہے کہ ان کا ایک ہی مسلک یہ انسانیت کا احترام کرنا ہوئے رہنا خلیق ہی نہیں نا ممکن ہو گیا ہے۔

[illegible][illegible]

قیانے کی دوسری غلطی | اس باپ کو اپنے پوتے کا سہارا دیکھتا تھا۔ بیٹے کو سہیلی زندگی کا مزہ اچھا تھا۔ اس لیے چند عرصے ہی میں اس کی شادی نہ ہوا نہ گئی اور معلوم دیا کہ وہ عورت دیر کی گئی۔ تاہم کراچی نے اس کو نعمت سمجھا۔ کسی نے اس کو ایک کیل چھاننا دیکھ کر عرصہ تک شبہ انیت کے جنوں میں گرفتار تھا نہ ہوا۔ مگر کچھ خبر سمجھ کر اس کا خیال نہ کی کہ عورتوں سے جھگڑنا پڑے گا جب عورتوں پر ہوا تو دوسرے سے معلوم کی شکل کر لیا۔ یہ عورتوں نے کہہ دیا جس میں سچا نہیں اور دوسری عورتوں نے نصیحت دی کہ قبائلی عورتیں عورتوں کے دل لیاں ہی مٹا دیتے ہیں۔

مجھے کہہ رہی ہیں کہ وہ ایک لڑکی ہے جس کا نام ہے سیدہ رحمتؑ بن ہلالیہؑ بارقہ کے نقضوں سے بھرا ہوا

ہم تقیہ میں آپ کے اڈے پر چوں کے مستقبل کو تیار کیا دیتے ہیں۔ کچھ میں بھی اسی قسم کی عبادتوں کا غور رہا ہوں جی کو طفلی نے شاہ  
رحیموں کی عادت ڈھائی۔ جو جیب خرچ تھا اس کا چنگنا درست۔ اجاب کی خاطر عمارت میں اورنگ ریوں کی چاٹ میں صرف ہو جاتا  
تھا اور محافظ میں مرنے کا تصور ہو جاتا تھا جب سے میں نے اپنی زندگی غرور کی خوش قسمتی ہر گھنٹہ ساتھ و تیار ہی طلب سے زیادہ  
مستاد اور حوصلہ سے زیادہ خرچ کر رہا ہوں اس پر کبھی غور نہ کر سکا کہ دولت لانے کے لیے نہیں بلکہ جائز ضرورتوں کی تکمیل کے لیے  
ہوتی ہے..... جس نے اس کی قدر نہ کی وہ رسوا ہوا جس نے اس کی حفاظت نہ کی وہ دنیا میں ناکام ہی نہیں محنت و  
غلاب ہوا۔

**حیدر آباد دکن** میں حیدر آباد میں میریت آباد کے اس جنگلیں ٹھہرا ہوا تھا جو بازاروں کے دامن میں واقع ہے۔ جو شاہ منزل اردو گلفا سے  
اقرب ہے۔ جس کے سامنے ریل گاڑی روڑ تھی اور جہاں سے جین سالگرہ منظر دکھائی دیتا ہے۔ میں سید تقی علی بگڑا  
کے ساتھ اور دوسرے چکر لگتا تھا۔ ان کے ساتھ کبھی نواب سید جلال محمد کے یہاں چلا جاتا تھا۔ کبھی اسپتال میں وقت ضائع کرتا تھا اور راتیں  
توقیر کے لیے بلا غور وقت غنیمتیں۔ نوبے شب کو سائیکل پر چیتا اور ڈھائی تین بجے آکر چنگ پر دروازہ ہوتا۔

بیس وہ زمانہ ہے جب میں مدارس میں گیا تھا جن میں سواتن صدی قبل ایک گاڑی کی حیثیت رکھتا تھا..... دار اس کے  
مستقل جنگ کے ہاں نوں کو کبھی دیکھا جہاں بے شمار دیوتاؤں پر عقیدت رکھنے والے انسانوں کو چیتے پھرتے دیکھا جہاں مردوں ایک کو لیے بے باؤں  
کا پورا بانہ بے ہوئے رکھا..... رکت پر سب سے پہلے میں سوار ہوا۔ گھوڑے گاڑیوں پر بھی راستے طے کیے۔ یہاں کی اسلامی معاشرت  
دیکھی..... تاجریں کا حرق پیا۔ جنگلوں کے سامنے کھائے اور کھڑے کی تھامیاں بھی منہ کا ڈانٹہ جرنے کے لیے کھائی گئیں اور تقریباً دس روپے  
اس طرح کا شکر میاں بارہا لیا۔

نواب سید جنگ بیدار شمس کی عمارت الہی کے نانا میں سر سید علی امام سے ملنے کے لیے غمزدہ گیا تھا..... جب سید بیچا  
ہم کو دیکھا تو ڈانٹا کہ اس نے غصے میں کالہن کے آگے چلا تھا اور جب کتا کمرے سے باہر نکلتا تھا تو معلوم ہو جا کہ ہمارا ڈانٹ بڑا دھرم ہے میں  
ٹھلے کے ایک بول میں ٹھہرا اور مرعلی نام سے کئی مرتبہ ملا..... یہ حیدر آباد میں سب سے پتہ صدرا عظم ہوئے تھے۔ مگر مسند شاہ  
سلاح کی رہبری سازشوں سے بیزار ہو گئے تھے۔ مگر حیدر آباد میں کدہ سازوں سے تنگ آکر مستغنی ہو گئے تھے جو حضور زلف نام نے کوشش کیا کہ وہ سخی  
وہیں سے یہی مگر ان کے مضبوط کردار نے گواہی دے دی کہ سید پرنت کا اعلان دے کر پل دیئے۔

حیدر آباد میں دو تین سال اس طرح گزرے آخر حیدر آباد ایک رفیق زندگی مل گئی۔ شاہزادہ میں میں نے اپنی معرولیت کے لیے  
ایک ۱۰۰۰ روپے رقم نکال کر جس کی سرپرستی نواب محمد الملک گلزائی نے کی اور معنا میں بھی لکھ کر اس کا شام سیدی ہرچوں میں لکایا۔ سوا میں جنگ  
نے بھی بدترین فساد میں لکھ۔ بدستور کے بھی اپنی قلم نے دلچسپی لی۔ حیدر آباد میں اس وقت صحت و انبار اشیاء دکن اور میڈیا بھتے تھے  
میں کی سائنس دانین کوئی شیشہ نہ تھی۔ دوسرے دھڑکی خبریں ان میں چھپ جاتی تھیں۔ کئی چھ اخبار کیسے کل لکھتا تھا جب کہ ہر جنگ جو کہ بڑا بڑا ایسے  
۱۹۷۵ء کے صحافت مرہ کا نظریہ تھا جس پر دربر مضامین اور غیور لکھ کر لکھا دیتے تھے کہ حضور زلف نام کے بعد ہر جاہاں کوئی نہیں ہو سکتا۔



چربائے ہوشیاری۔ تیل کو کہہ دے دیکھو پانی منچا۔

[illegible]

وایسے تو میں مسجد ہال میں قاری علاء الدین کی بزدلی سے ملا۔ سید تقی بگلانی کے یہاں تو رہ بھی کھایا۔ مالی کے ڈھتے ہوئے شباب کی بے امتیادیاں بھی دیکھیں۔ نیاز کو جوتے پہنے ہوئے غازی بھی پڑھتے دیکھا، ٹولف ابراہیم کی سفید ڈاڑھی سے مسجد میں چھانزور نماز ادا محمد امین نبیری کو تاریخ کی مدق گردانی کرتے دیکھا۔ مفتی خواجہ الحق کو سیرت رسول ملتے دیکھا اور نہ معلوم کس کس سے ملا.....

میریاں سے اگر وہ روانہ ہو جائیں وہ اکبر آباد ہے جہاں فقیر کا سادہ و سرفراز شاعر عید اہم تھا جس نے سہ

سب سے پہلے جانے کا جب لار چلے گا بخارہ

کامیابی نفی کی ہر قسم کی حد متعلق کے وہ یامیں ڈوب کر کہیں نہیں۔ جس نے اپنے شاعرانہ اہمات سے اپنے اپنے دہیں دہوں کو زندگی کے ایسے لیے نکتے بتائے۔ حیات کے ایسے راز فاش کیے۔ نسیب و فرزند کامیابی ایسی راہیں دکھائیں کہ ہر کوئی کی دنیا اگر اب بھی نقش کا بھر کرے تو صبر اس کی زندگی کا پیرا ہے۔

اس کی مدد کا پیرا ہے۔ وہ آگرہ جہاں میرے شناساؤں میں دلگیر کے ایسے بھاری بھر کم شاعر گنستے ہیں۔ جنہوں نے نقادانہ لکھا تھا کہ ادیب عرصہ تک کامیابی کے ساتھ اس کو جاری رکھا تھا۔ احباب کی ادبی شریفیوں نے ایک قمرانی پدا کر دی تھیں مہن سے دلگیر سے فرض خط و کتابت اکثر ہوتی تھی۔ اپنی خوش قسمتی پر اکثر کہنے لگے تھے کہ نقاد دوسرا دور شروع نہیں ہوا بلکہ دلگیر کی بھی مصلحتی جوانی میں شباب کی انگلیں سیدار ہو گئیں تو زلفی کے خطوط برابر نقاد میں شائع ہوتے تھے۔ حیات کے ادب دیکھ کر قیاسی انکار پر وہ اٹھا تو سوانح کے بھیس میں نہ معلوم کون نکلا۔ یادوں نے جو ادبی ذوق کے خطوط برابر نقاد میں شائع ہوتے تھے۔ حیات کے ادب دیکھ کر قیاسی انکار پر وہ اٹھا تو سوانح کے بھیس میں نہ معلوم کون نکلا۔ یادوں نے جو ادبی ذوق کیا تھا اس کی مرصعہ نہ ہو سکی دلگیر کے انصوب کی وہ میں اچھل کر رہ گئے اور ان کے وارفتہ ارادے بچہ گئے اور دیارِ ان بچہ ان کے ادبی جنوں سے لطف اشکِ ناز پر شہر ہو گئے۔

دیگر کے لئے، کمزور میں دوسروں کی آبادی تھی جو درہم سے کم پڑوں کے سادہان بھی دھرتے تھے۔ سادہان و دیگر کمزور کا تعلق معلوم



ہلکا جہاد اور اتحادہ دن تک بڑا بیس کے نہیں رہے۔ امیروں کی خاطر مدت قحی اور میران نواب حامد علی خاں ایسا جہاں نواز تھا اتحادہ دن میں نہ سلوم کیا صرف کر دیا۔ خصوصاً دعوتیں بھی ہوتیں۔ مہاب نشط طے کے بھرے بھی ہوئے۔ روزانہ ملاقاتیں بھی ہوتیں رہیں۔ پیچہ مذاق بھی ہوتے تھے۔ متحد تحفہ کے تبادلے بھی ہوئے۔ اور آفراسیٹن پر دونوں بٹلگیر ہو کر روئے اور رخصت ہوئے۔ میں نے سناڑ تک ہمارا جو کچھ پایا..... اور پھر رام پر کار فرمایا۔

واپس آیا تو اپنے دوست صفدر علی قدوائی کو مصائب میں مبتلا پایا..... ان کے والد ابراہیم قدوائی کا دماغی توازن بگڑ چکا تھا شوق قدوائی "تاقی چرت جلا کھاتے" کے مصداق ہو رہے تھے۔

رام پر میں یہی وہ گھر تھا جہاں شعر و شاعری کی محفلیں گرم رہتی تھیں شوق و ابرو دونوں حقیقی بھائی تھے اور جب کوئی پھنس جاتا تھا تو دونوں شہزادہ کے اپنا اپنا کلام سناتے تھے اور اتنا سناتے تھے کہ سامعین کا مادہ شرفی منظور ہو جاتا تھا۔ پناہ مانگنے لگتے تھے۔ جوتے چھوڑ کر جگ بجا ہاتھ پٹے تھے۔ تا جو رک و رو بند ی مولیت اور دیلا رام و ناکی بر مبنی پنجابیت داد دیتے دیتے تھک جاتی تھی۔ ایک ہی سانس میں بے اختیار می سے نکل رہا تھا کہ منشی صاحب کا کیا کہنا "اور اسی لیے میں یہی کہ "ہوش صاحب جان بھڑا"۔

دیئے تو رام پر کے قیام کے دوران میں نیاز کئی مرتبہ آئے مگر اس وقت بھی آئے جب میں تحصیل بلک میں تحسیدار تھا نیاز دوستی کے نیاز اپنے بچے و خصلت میں اسے بچے اور نفسیات کے تو ایسے ملہ رہے کہ کسی دوست کہن کی کسی اداس کی رقت بھی کوئی تکلیف نہ پہنچا ہوگی کہوں کہ ہمتی جبکہ وہ دوستی کے وسیع تر مضمون ہے آشتا اور اس نازک نینے کے لیے نباض میں جس کی تڑپ مختلف الطبایع خاصیتوں سے پوری طرح باخبر و مکتی ہے۔ اور ہمیں کا زندگی کے مندر پر یہ جانور کھتے ہیں۔

رام پر میں کلمت جذبات و اجتماع کے عبد الماجد نہیں بلکہ مولانا عبد المجید بھی میرے مہمان ہوئے تھے جس کو دیکھنے کی عبد الماجد وقت دہرہ بھی کہنا اور بعد بھی پکارا۔ مگر قدرت نے قلب بابت کر کے اس دہرہ پر اور ملکہ کو خدا پرست بنا دیا۔ رسول کا پرست بنا دیا۔ بڑے محبان دین کا شیدائے بنا دیا۔ یہ سنت کی پیروی ہے کہ کڑوں بیہ کرکھا نکھاتے تھے مغلطہ کے شاعرانہ اہادات پھر رشتے ہیں۔ دل میں درد کی دنیا ہاتھ سے جوئے ہیں اور خدا لگتی بات پر آنکھوں سے آنسوؤں کے سیلاب بہاتے ہیں۔ جن کا فلسفہ طرہ بیان صرف اندازہ کہ مذہب گیمین کی ہر بات مفسر اور دہن کی براد اقلندہ ہر نے لگی۔ جن کی زبان چلتی ہے تو صرف قرآن و حدیث کے لیے۔ جن کی تحریر یہ اند سے درجہ کمال ہیں۔ بیکہ ہون کو سید صاحبانہ دکھاتی ہیں۔ اور اس کی تعلیمات سے صدر رہنے والوں کو دکھاتی ہیں جو عصر حاضر کے مسلمانوں کی بے حیائی کے قصے سناتی ہیں وہ ہر منتہی ہمتی باتیں سن کر بے حس و دریں میں احساس پیدا کرتی ہیں۔

عبد الحق انجمن ترقی اردو کے مولوی عبد الحق بھی میرے مہمان ہوئے تھے۔ وہ جس طرہ اردو کی بقائیں لکھ رہے ہیں اس طرح عبد الحق وہ چہیت کی بتا کر بھی سب کاموں پر مستعد سمجھتے ہیں اس سے وہ کھانے کے بہت شوقین ہیں اور ان کا عملی ذہن سحر کا عمود ہے۔ بہت۔ بھون کو وہ دوست سے متعارف نہیں کھاتے بلکہ اس کی شانوں تک باتا پاک اپنا کر پہنچتے ہیں یا سیر می لگا کر سیریں تک دینے نہ کرنا چاہتے ہیں۔ رام پوری پر چھکے سمیت کھا جاتے ہیں۔ ان کو دنیا، مقصد باز، کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں۔





ہوئی بگڑائی کا تصور چار سو روپے کی جگہ پر چھٹائی روپے پر مبنی کیا جائے۔ نہ میں دس دس دس کے ٹی کو جاتا تھا نہ طلبہ کو انہام و تنہیم کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا نہ بھرتی سرنش سے ان کی شرارتوں کو کم کر سکتا تھا اس لیے خدمت سے خود کو منہ دھو کر مندرت کرنی پڑی آخر دو تین ماہ کی دوڑ و دوپ کے بعد انسپکٹری سیرنگ بنک کو قبول کرنا پڑا..... چھ ماہ کے بعد انسپکٹری سے ہتھی پر ہتھی علی گڑھ کے چند ماہ بعد فراب محمد یار جنگ بہادر مستد فوج نے اپنی مددگاری پر مشغول کر لیا۔ اس طرح ترقی کرتے کرتے بیس سال میں محض یہ تعمیرات تک پہنچا اور سرورزا اسمیل کی صدارت سے مستغنی ہو جانے کی وجہ سے اتحاد السلیس کی ریشہ دانیوں کے سبب سے اور میاں کے سازشی ماحول سے تنگ آ کر ضروری مساعیہ سے وکیل بن گیا۔

ابتدائی زندگی میں ایک عرصہ تک روزانہ بارگاہِ محسوری میں حاضر ہوتا رہا۔ پھر جمعہ مقرر ہوا۔ محسور سے عرصہ تک نہ دونا نہ کی محسوری رہی نہ جموں کی آخر وہ زمانہ آ گیا جب اعلیٰ حضرت نے یکایک یا دفرا یا اس وقت سے ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۷ء تک (تقریباً ۱۰ سال) (گھنٹوں) محسوری میں حاضر ہوتا تھا۔

مظاہرہ شاہوں کے آداب کا ملاحظہ کیا۔ قدم پر ہوتا تھا۔ دیکھ کر وہ تسلیمات کا طریقہ دستار سربراہ و مجلس کر میں جب تک نہ ہو طاقا نہیں کرتے شاہی محلات کے محرومین داخل نہ ہو سکتے تھے۔ رلم پور لوہ بھڑال میں مجلس تو اسی قسم کا ہوتا تھا مگر سربراہ و مقلد علم رہتا تھا بنہدیہ استوں میں بھی اسی قسم کی پابندیاں تھیں۔ اور جسے پور کا ملاحظہ باری لباس و سیاہی ہوتا تھا جیسا ہمارا نا زیب تن فرماتے تھے جے پور گوالیار، اسانہ وغیرہ میں بھی ایسی ہی پابندیاں دیکھی گئیں محسوری و باری لباس سرورزا کی تصویر میں دیکھا اور ہر وہ و کشیر کے لباس کا ان کے پہلا ملاحظہ کے لباس سے اندازہ کیا..... چونکہ نظام دکن مظاہرہ کے جانشین کہلاتے تھے اس صفت جاہ اول و دربار مظاہرہ کے تمام شاہانہ آداب سے واقف تھے تبھی کہ اس کے مدعی تھے اس پیرہنی آداب یہاں بھی رواج پائے۔ ہندو امرا ہوں یا مسلمان سب کی عجیب عجیب وضع کی خندا پگڑیاں موہر رکھی رہتی تھیں۔

اعلیٰ حضرت کے براہ میں نے پانچ سفر کیے۔ سب سے پہلے اورنگ آباد گیا۔ پھر کلرگ کا بنہی دار الحکومت دیکھا اور لکھنؤ کے محلے میں دیہی سروریوں کا نصف اٹھایا۔ کرسس کے زمانہ میں کلکتہ کی چل پہل بھی دیکھ لی اور رانجھ میں دو دن آندھی اند پانی میں ڈیریں کی زندگی کا بھی تجربہ ہوا۔

اور یہ ہے کہ کوٹھڑی کے اسپیشل ٹرین میں ۹ بجے دہلی پہنچا..... تو میں چلیں اور نظام پولیس میں دیکھ کا قافلہ نروکش ہوا۔ اہل دہلی نے تبر شاہی کی پر شوکت بلندیوں پر آ صفت جاہی ہم چم لہراتے دیکھا۔ اس کے سر پر فرش پر پستے ہوؤں کو بستے دیکھا اس کے کندہ دیوید کے رنگ دامن سے آنکھیں سکیں..... جیش قیامت ساز و سامان کی ذرا انی پر لوگوں کو حیران ہوتے دیکھا..... عرض کہ یہ دیکھو اور دیکھا مگر اعلیٰ حضرت کی ایک برتہ رہی میں بیٹھ دیکھا وہ اعلیٰ حضرت جو ڈیرہ کوٹھڑی کے انہوں پر حکومت کرتے ہیں، وہ اعلیٰ حضرت جن کے ٹکسک اندازی ہلکے ہر جے۔ وہ اعلیٰ حضرت جن کا صوف خاص و دکندہ کا بھلا جو دولت کے لحاظ سے قادر و تانی مشہور ہیں۔ جو دولت و حکومت کی پہلی پہل میں ہے میں جو اسباب پیش و صورت کے اندر میں ہے میں جن کے ملک میں ہزاروں جاگیردار ہیں میں چند ایسے اور نظام بھی گزرتے ہیں جو مگر چند سالوں میں بہتے تو والی ملک کہتے۔ ہزار ہائیں بکارتے جاتے۔

دیے تو اس نے عظیم اور دیگر دلدزدوں میں ٹھیکہ صوفیاء اور اہل ہند کے لئے ہمارے سرکش پر شاد لیے ہیں میرے گدے ہیں جن کی لٹیاں کبھی ہاتھ ملانی سے شرمندہ دھپکتی ہیں۔ دلدزدوں کا مذہب دولت کے ساتھ یکساں برتاؤ کرتے تھے۔ ہمارے لٹیا خیاں تو میں نے دیکھے ہیں مگر صوفیاء اور لٹیا خیاں صوفیوں سے کئی ہیں۔

عضد علی نظام کے یہاں ہمارا جگہاں ہند کے لیے شہر باٹ ہیں۔ اب میں کوئی اختیار چھوڑنے کے زبردستی کر رہا کرتے ہیں اور سوادہ جہاں اس مزدور کے دلت ہیں لیتے ہیں۔ سادہ اقلیتی معزوں میں یقیناً قابل قدر ہے مگر بعض لوگ اس کو سادہ کے تیسرے نہیں کرتے بلکہ اس کو خدا کی دی ہوئی نعمت کے استفادہ سے محرومی سمجھتے ہیں۔

میں سلاطین کے جہاں تاخیر ہمارے عثمانی میں حاضر ہوا۔ اس نے وہاں دن کے اسیاروں امداد کی بنا پر بھروسہ میں کیا کچھ نہ دیکھا جگا دربار عثمانی اس نے اعلیٰ حضرت کی خوش مزاجیاں بھی دیکھی ہیں گی اور برادر فحشیاں بھی۔ حکمرانی کے طوطا بھی دیکھے ہوں گے انسانی کدو سادگی جو صوفیوں کے دین کے ملکیت میں کبھی نظر نہیں آسکتی..... ان واقعات کو اگر پھیلا یا جاسکتا تو اس کے لیے ایک مستقل کتاب کی ضرورت پڑ جاتی اور اس طرح گوشت وید واقعات کی ایک مستند تاریخ تیار کی جاتی مگر شادیات کے محدود صفحات اس کی ہر بات تھے اگر اسیطاف عثمانی پر نظر کر کے اندر مشرقی روایات کے اندر ہمیں حال کو مانتے سے کچھ عجیب کر دیا جائے تو اس اضمح کو کیسے غور فرمایا جاسکتا ہے جس کے نقوش تاریخی صداقت میں ابھرے ہوئے ہیں.....

اعلیٰ حضرت کے اطاعت و کرم کا ہر شے کا عزت ہے۔ اس کا ابتدا فقر و ضرورت کی ہے کہ فریاد سے ہمارے رینہ و قاداری کے مصلحتیں ہر شے لگاتار سے ہر شے ہمارے جنگ ہوا۔ خون کنڈیاں ہانڈی لڑا سیر کا اپنی خاص تو جہات سے ملانے لگا یا اب صحت سے ہم آغوش کر لیا میرے بچے کا سرفراز میں خود بدلتے نے دکھا اور پیدائش کے چند گھنٹے بعد ہی تحریری ہمارے کاد سے متغیر فرمایا۔ سفر و حضر میں ہمیشہ ساتھ رکھا..... اسی قسم کے متعدد لوازمات کا میرے قلب پر پائیک اثر ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ یہ وہ اخوات تھے جس کی وجہ سے خاندان شاہی کی عمر و زار کرنے کے لیے انہی جان بیک جو کھوں میں ڈال دی۔ اتحادی پارٹی کے سیاسی طرز عمل کا میں جو کھو کا میں نہ تھا اس لیے وہ وید ہ عثمانی میں میرے وجود سے گہرائی تھی۔

میں آخروقت تک ایڑی چوٹی کا پہلا زور اس اندیشہ سے لگاتا رہا کہ میں وزارت و قیادت کے غلط مشورہ سے اعلیٰ حضرت اور ملک کا مستقبل تباہ نہ ہو جائے۔ مگر ہمارے وہاں میں کسی زمانہ میں بھی چٹائی کا قدر نہیں کی گئی اور یہ میرے مشورہ کو مانا گیا۔



# جَب حُسْنِ نِکھرتا ہے زندگی مُسکراتی ہے



رکستون صابن آپ کے  
سب کو دیکھو  
سندھات ہے

ایس کی صحت پیس پیس، اور پیل  
ایس کی صحت پیس پیس، اور پیل  
ایس کی صحت پیس پیس، اور پیل  
ایس کی صحت پیس پیس، اور پیل  
ایس کی صحت پیس پیس، اور پیل

## رکستونا

نوریل اور راکسونا

جَب آپ کا حسن نکھرتا ہے تو قدم قدم پر خوشی بکھرجاتی ہے زندگی اپنے  
خزانے آپ پر کھول دیتی ہے۔ رنگ روپ کی شے کے لئے رکستونا صابن  
کا جواب نہیں۔ اس میں قیمتی جڑی بوٹیوں سے تیار کئے ہوئے حسن بخش  
تیلوں کا ایک ایسا مرکب کیلئے شامل ہے جو آپ کے قدرتی  
رنگ روپ کو نکھارتا ہے۔ کیٹل آئیز سبز رکستونا صابن کے  
استعمال سے آپ کی جلد ملائم، شگفتہ اور بے داغ ہو جاتی ہے  
اور آپ کا نظری حسن نکھرتا ہے۔



سن ماسٹر  
ماڈل / ۱۹۶۴ء

دھوپ کے جدید ترین چشمے،  
آنکھوں کو پرسکون ٹھنڈک پہنچاتے ہیں  
لطفِ دنیا کا سرفہرے طلب فرمائیے!



تیار کنندگان: ویسٹرن آپٹیکل اینڈ سٹریٹز رجسٹرڈ

شوردرہ ۱۳۲، اندرگی، لاہور فون ۶۶۴۴۴ سیریز پلا: بیرون کوہاری دروازہ لاہور فون ۶۶۴۴۴

## واجد علی شاہ اختر

فقیر زندہ کے غلوں و عالم نے ہر شخص کو قدرت عشق عطا فرمائی ہے اور ہر ذی حیات نے اس گلشن بے غمراں میں پھر رش پانی ہے بنا برکت میرا غیر  
جیسا کہ ایک گل عشق سے ہوا جیسا کہ وہ دروازہ ازل سے کھل کر کھلی ہے۔ لہذا میں اپنی سرگزشت عشق و محبت جو ازل سے اس وقت تک گزری قلم  
بند کرتا ہوں۔ اب میری عمر کا پچیسواں سال آغاز ہے اور میں اسی عمارت پر فضا میں بہت کچھ طیر پھیل چکا ہوں۔

**اول کار محبت** جب میرا اس آٹھ برس کا تھا اس زمانے میں ایک عورت جس نامی جس کی عمر تقریباً ۱۴ سال کی ہوگی میری خدمت کے لیے منتخب  
تھی جو ہوت میرے پاس حاضر رہتی تھی۔ ایک دفعہ اس نے میں خواب میں قابو پا کر مجھے چھیڑا شروع کیا اور کہے میں منیر سون تھا  
خفت زندہ ہوا بدیدہ کر رہا تھا چاہیے کہ اس نے جانے نہ دیا بلکہ میرے سطر لہوا آتیس سے کہہ کر سزا ملا لے کے کھلی سے ڈرایا۔ میں حیران تھا کہ خدا کیا کیا کرت  
ہے۔ اس دفعہ سے اس کا سہول ہو گیا کہ ہر روز میرے ساتھ چھیڑ چھا کر رہتی تھی۔ میری دس برس کی عمر تک اس کا یہی دستور رہا۔ اس کے بعد مجھے پانچویں  
وہ کہل چلی گئی۔ چوں کہ ابتداء سے میری طبیعت مشردہ محبت کی طرف مائل تھی۔ اکثر عاشقوں کے حال پر متاسف ہوتا اور مسرتوں کو برا کہتا تھا۔

اسی زمانے میں میری نامی ایک محبت جو صاحب منظر و فکر و عالمہ صاحبہ کی طایفہ تھی جس کا سن ۳۵ یا ۳۶ برس کا ہو گا گیہوں رنگ، دلی  
پہل، اور باطنی اٹھکی تھی میں ایک سفید تلی تھا، ہمیشہ رنگین لباس پہنتی تھی تاکہ سن زیادہ معلوم ہو۔ یہ عورت نہایت بوجھل تھی۔ ہمیشہ لوگوں کو کھنڈ و پھ  
میں چانس کرنا نہ ہوا نہ کیا کرتی تھی ہمیشہ مسخ چار مدیر کیا ہوا رکری کرتی اور اسی مصلحتاً منی میں ہمیشہ دفنی بسر کرتی اگرچہ اس قلیل رقم سے غلوں  
محل ہے لیکن اور کہ اس کا محل تمام سلطان، مہج، وچ، آرائش کی تکمیل تھی۔

**گیارہ برس کی عمر تک** ایک دفعہ میرے سب عزیز نصیر الدین حیدر بادشاہ غلوں کے یہاں متا جان کے غنہ کی تقریب میں گئے جب حضور غافل  
ہوا تو اس محبت نے اس وقت جب میں بستر استراحت پر کھڑا تھا اپنے دونوں ہاتھوں سے مجھے روایا  
مجھے بھی پہلے سے اس کا خیال تھا اس وجہ سے اس قدر بے تکلفی سے ہم نہ ہوا۔ بلکہ خود کو سوتا ہوا بنا لیا۔ کہ اس کے دلی جوش میں کسی قسم کی کمی نہ واقع  
ہو۔ اور وہ دلی دل میں اس کے دلوں و شوق کا لطف اٹھایا کیا۔ مگر مجھ اس وقت اس کے باز ہے ہاں میرا دل گنڈ نہ ہوا۔ لیکن گیارہ برس کی عمر  
تک اس کی محبت کا خیال رہا۔

جب میرا سولہ گیارہ برس کا ہوا تو میں ہر عورت سے جتنا چھیڑ چھا کرتا اور ان کی دل تال اداؤں سے غلوں ہوتا اسی زمانے میں ایک عورت  
جو صاحب نامی میں کا بہن جی قوم کے شہیدی سلطان نام اور میں ہندوستانی تھی وہ میری والدہ کے اہل مغلطی کے عہد سے پر معزز و متاثر تھی۔ لیکن یہ عورت  
شوہر دار تھی۔ اس کے خاوند کا نام مرزا جان تھا۔ میں کہہ رہا تھا اس کی بہت ہی مگر تیار ہو گیا تھا۔ اور اس کے مصل کا خیال محل دل و داغ میں گھونکا  
کے تھا۔ چوں کہ وہ عورت پر غلوں و محبت کا ب تھی مجھے محبت ملی سے خوشی کے شعلہ دیتی تھی۔

## از راه دنیا داری

## شادی کی منکر

الفرض صواب

اس طرح  
اس طرح

میرے والد

میرزا کا یہ دوسرا فرزند کل مذکورہ کے بلطن سے پیدا ہوا اسے میرے جدا ہونے پر مرزا انگ قدر بہادری خطاب دیا اس زمانے میں میری عمر سترہ برس کی تھی۔ ابراہیم خزان شہب تھا مجھے جوش ہوا تو دل و لہجہ کی وجہ سے بیخیال گذرنا کسی طرح ایسا شہب سین خوش حال مستورات کی محبت میں بسر کرنا چاہیے۔ مگر کئی تدبیریں نہ ہونے لگی۔ آخر حشمت قلعہ و جوش سولہ یہ ترکیب ذہن نشین کر لی کہ میں اپنی راحت کے واسطے مرنوں کی طرح خدمت گزار کی ہو کر مگر ان سے پوشیدہ رابطہ محبت پیدا کر دوں۔ میں نے حکمت عمل سے کام لے کر ایک عورت مرنی خانم نامی دلی ہلی گہواں رنگن ہنسی بڑی خوش نما آنکھیں کشادہ ابرو دشت چلاک تیز مزاج نوکر رکھی۔ میرے محل موصوت کو بے حد ناگوار ہوا انھوں نے بہت کچھ شور و غل مچانا شروع کیا میں کا اہتمام یہ ہمارا کہ وہ ملازمت سے علیحدہ کر دی گئی اور مجھ کو والد ماجد کا خطاب نازل ہو کر نظر بند کر دیا گیا۔

اس کے بعد میں نے مجبوراً گوشہ نشینی اختیار کر کے شعر و شاعری کی طرٹ اپنے دل کو منعطف کیا۔ لیکن جناب والدہ ابدی شہلی **مجموعہ اشعار و شاعری** کی وجہ سے زندگی تلخ ہو گئی۔ جب یہ حال والد ماجد پر منکشف ہوا تو انھوں نے ارشاد فرمایا کہ وہ عورت میرے محلے والے کر دی جائے لیکن اس شرط سے کہ اس گھر سے علیحدہ کسی دوسرے مکان میں نہ جاوے میرے سلام کو بھی نہ حاضر ہوا کہے۔ اس حکم کے نفاذ ہونے کی وجہ معلوم ہوتی تھی کہ مجھے جو بیکہ تھی کہ جب تک وہ عورت مجھے نہ ملے گی اس وقت تک مجھ پر کھانا پانی ہوا رہے۔ الحاصل اس حکم کے صادر ہوتے ہی وہ عورت مرنی خانم میری خدمت میں حاضر کی گئی۔ چوں کہ خداوند کریم نے والدین کی اطاعت و فرمان برداری کی ضروری امور پر مقدم کر دی ہے اس لیے میں نے اس عورت سے دست کشی کر کے والدہ ماجد کی خدمت میں عرض کی کہ غلام ہر طرح فرمان اقدس کا مطیع ہے کسی صورت سے خلاف مرض والد کوئی کام نہیں کر سکتا یہ پرواہ سن کر حکم ہوا کہ اس عورت کو بخوشی خاطر اپنے پاس سے جدا کر دو۔ اس حکم کے سنتے ہی میں نے قیصل کی طور اس وقت سے آج تک کبھی خواب میں بھی اس عورت کی صورت نہیں دیکھی۔

اس وقت میرا سن اٹھارہ برس کا تھا انیس دنوں میں نے نئی شعر گوئی حاصل کر کے اس عورت کے لاشی میں جو دلوں و لطیفیت و دیوان اور زمین شنوایا نظم کہیں۔ لیکن دل اضطراب سے کسی کتا گا ہ نہ کیا۔ اسی عرصے کی وجہ تھی جو میں نے چشم لطف سے چور کسی اپنے محل کی طوٹ جنیں دیکھا اور ان کی جانب سے میرے دل میں شدید رنج آ گیا۔ اگرچہ انہوں نے لاکھ لاکھ منعت سماجت سے میرا حال دیانت کیا اور اس کشیدگی کو جو پورھی لیکن میں نے سوائے خاموشی کے کوئی زبان سے کچھ بیان نہ کیا۔

اب تک نہایت فہیم و متوجہ تھیں۔ تاہم میں کہہ چکا ہوں کہ سب برائی کیا دھرا ہے بغیر انہیں خوش دیکھ ہوتے آہا سے زندگی بسر کرنا مشکل ہے لہذا بڑی دلجوئی اور تشفی کے استفسار کیا، اگر تمہارا سراج میری جانب سے کچھ کتبہ ہے تو میں ہر طرح تمہارا ہوا پوشیدہ کہنے کے لیے تیار ہوں جس سے تمہارا دل چاہے خوش و محبت کہہ۔ چوں کہ اس وقت میرا مطلب نکلتا تھا میں نے کہا خیر گنہ گار ایا کہی ہو تو بہتر ہے۔ اسی زمانے میں میرا قیصل کا بیوہ محل کے بلطن سے پیدا ہوا میرے جدا ہونے پر مرزا گہواں تقد بہادری خطاب عطا فرمایا۔

انیس دنوں میں صاحب خانم کا نسل دال ایک عورت جو جناب خالد ماجد کی خدمت و شہرہ دار تھی۔ میری نظر سے گذری اس کا سن ۳۴ **دو دو کا جلا** برس یا اس سے کچھ زیادہ تھا۔ رنگت بے مثال ہر وقت سر کے بال کھلے ہوتے و درقل کندھوں پر پٹے رہتے تھے۔ اس کے لیے بہت ہی مناسب سلاسل خاص تھی۔ اس عورت سے مجھے محبت پیدا ہوا اسے بھی میرے ساتھ اتنا عشق تھا کہ بغیر میری صورت دیکھے ہر نہایت کو سوتی تھی۔ عورت میرے پاس بیٹھی ہوتی غصہ کھلا کرتی یا لگاتے بھانپیں محبت دیتی تھی۔ میری ذلت و تعذیب غلامیں ہرے مزے سے ملاتی تھی جس





ہاں صیب نے ہرگز میرے کہنے پر عمل نہ کیا۔ آخر اس کو المیہ ہو کر دینے کے کوئی ترکیب مفید مطلب میرے ذہن میں نہ آئی جب صاحب خانم سے ملنا ترک ہو کر تھوڑے ہی عرصے سے سلسلہ رابطہ و محبت بڑھا لیکن باطن میں بھی بیگمی کا تیر مشق کھائے ہوئے تھا۔

جب جب والد ماجد علی شاہ بادشاہ نے تخت آباؤی پر جلوس فرمایا اور میں دلی بھدی کے عہدے پر فائز ہوا تو اسی وقت سے مجھے عہدہ صاحب کے محل بنا سکھائی گئی۔ انھوں نے اپنے حسن خدمت سے میرے دل میں پوری پوری جگہ کر لی تھی اور ان سے سلسلہ رابطہ و محبت اس قدر بڑھ گئی تھا کہ سو پہر بھر سونے یا چادر کھڑی والد کی خدمت میں سلام کے لیے جانے کے لیے کوئی دوسرا کام نہ تھا۔ اس صورت میں بھی بیگمی کی کہیں نے دیکھا ان کی عین عوازش یہ تھی کہ میں انہیں بھی اپنا محل بتاؤں اس کا سبب ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ علاج بہت تھیں شاید یہ خیال ہوا ہو کہ ایسی حالت مند سرکار میرے ہاتھ سے مفت نہ جمانے پائے۔ چنانچہ کہ عین خدمت میں سامنے بیٹھ کر ان کی خدمت میں ملازمین اور سرکار انشاء اللہ خاں کی فرمائشیں۔ ان کا رنگ گودا تو دن سب احسن ہوتا۔ ایک گودا کھینچتی تھیں۔ ان کے پہلے شوہر کا انتقال ہو چکا تھا تین برس کی ایک لڑکی تھی جس کا نام احمدی تھا اور پہلے شوہر کے قتل سے بھی بھٹی بیگم اپنے شوہر کی وفات کے بعد میری والدہ کے یہاں مرثیہ خوانوں میں ملازم ہوئیں پھر مجھے سے محبت کر کے اس امر کی خواہش مند ہوئیں کہ میرا زہر بھی عہدہ بیگم کے مرتبے کے برابر ہو جائے۔ لیکن عہدہ بیگم کے اقبال کا ستارہ چمکتے آسمان پر چمک رہا تھا اس لیے بھی بیگم کا منتر نہ چلا۔

یہاں جماعت اور شہینہ کی کشتیاں، چاندی کے برتن اور دوسری نعم کا سامان مل جودہ بیگم کے واسطے تیار کرالیا۔ اور ایک ہینے کے بعد میری دلی بھدی کے زمانے میں عہدہ بیگم صاحبہ محل ہو گئیں اور دراصل زلاب عہدہ بیگم صاحبہ کے خطاب سے ممتاز کی گئیں۔ ڈیڑھ مہینے تک زلاب خود محل کا منتظر طالع آفتاب عالتاب کی طرف سے پہرہ اتار کر پرورش لیا۔ اس کے بعد پھر وہی محل ہوئی مگر چار دن کی چاندنی اور پھر اندھیرا پکڑا۔

آخر کو میں بھی بیگم کے دام کر کے نہ بچ سکا اور انھوں نے ہزاروں جمل و فریب سے مجھے اپنا محل بنانے پر آمادہ و اجازت دے کر لیا۔ ایک روز پھر نالامکان جواب پھر منزل کہلاتا ہے۔ اس کے برج پر جودہ یا کی طرف سے پروردگاری اور چاہتی تھی کہ کچھ گامہ لیکن میں غصہ پکڑ کر ہاتھ پٹا کر لیا کہ اس قدر جہالت سے اپنے کل سونہریں میں خود کو سرا کرنا ہے۔ اس عرصے میں وہ لڑکی جو ان کی گود میں تھی مر گئی۔ الغرض خود محل ہونے کے ڈیڑھ مہینے بعد بھی بیگم صاحبہ محل قرار پائی۔ عہدہ انہیں نانا و نانی زلاب بھی بیگم صاحبہ خطاب دے کر کہہ جواہرات تھوڑے کپڑے سے سرفراز کیا۔ ہندو مذہب نہایت جہول گوارہ سے ان کا ستارہ تقدیر روشن ہوا۔

بہت کی فصل میں ایک صبح چاندی طوط کال کال گھٹائی گئی تھی میں نے مستحق میرے گرد حلقہ کئے بیٹھے تھے پانچ گانہ ہوا تھا۔ انا اسی جگہ عیش و سرور میں بیٹھے تھے کہان میں جہاں جہاں صاحبہ مرنا سکند حشمت بھی اگر شریک ہوتے اور مجھ سے کہا میں نے ایک عورت کو میرے کے واسطے بلایا ہے۔ جس کو دینی کے علاوہ گنہہ جانے میں اپنا شل و غیر نہیں دیتی۔ میں نے کہا آہ بھائی کیا اچھا اور اگر تم اسے میرے واسطے میں پیش کرتے۔ دوسرے دن صبح کو جب ہر مطلب جمع ہوئے تو میرے چھوٹے بھائی جہاں جہاں کے ہمراہ ایک عورت بھی تھی جس کا رنگ کندن کی طرح دکھ رہا تھا۔ اس کا سن تیسواں تھا۔ برس یا اس سے کچھ زیادہ ہو گا۔ نہ میں نہ صاحبہ ادلی جہاں کی بیٹی تھی۔ قصائی والے پل پر مکان تھا۔ اس سے نگاہ چاندی کی مشق کا تیر جگہ کے پار ہو گیا۔

اس زمانے میں بیگم صاحبہ میرے محل میں مدد و غی کے لیے پر سرفراز تھیں۔ یہ زلاب خاص محل کی نسبت بھی والد علی خاں میرے



جانب سے بند کر کے جاما اپنا کام تمام کر کے گودار سڑی کر خون بے گناہ سے رنگین کر دیں۔

نئے دستم اس زمانے میں نے سام رہ گیا  
مردوں کا آسمان کے تلے نام رہ گیا

دادہ نجرالہا بیگم نے جو یہ حال دیکھا اپنا سر دھانے پر دسے مارا اور کہنے لگی۔ ”جان عالم خدا و رسول کا واسطہ میری ایک بات سن لیجئے یہ میں نے خدا سے آواز دی کیا ہے؟ کون سی بات کہتا چاہتی ہو؟ انھوں نے عرض کی۔ اگر میں اس کے لالہ میں حاضر ہوں تو پھر آپ کا دل چاہے کیجئے گا۔“ میں نے ان کی عرض قبول کر لی۔ اسی وقت شیخ غلام علی ایک تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر اس کے گھر گیا جس نے اس طرف مکان کو طرح طرح کی آرائشوں سے آراستہ کیا۔ ہنر کدہ دیوان میں بائی بچ بھجوانی، بخوبی ہدی کے دوسرا دریاں نہ تھا۔ پھر ہات گندنی یکا یک میں نے دیکھا اس ماہ و ش کے پرتو جمال سے مکان روشن ہو گیا۔ میں نے غلط فہمی سے دوڑ کر اسے گھر میں اٹھالیا۔ اس وقت بھروسہ کی شمع جمال پر پروانہ دار نثار ہوتا رہا۔ انقصہ آواز نوبت و گھر خدا نے مرغ داڑی گہرے میز سے مرغ سے دو کو میں وصل میں پھر کی گھڑی سے ہلک کر ڈالا۔ ناگاہ پس سے پیسے جڑی لے کر آواز کی خلعت شب بھڑت ہوئی۔ حضور گدگد نصحت کرتے چاہیے۔ ہزار جاگدانی اسے نصحت کیا ایک بیٹھے تنگ ہی سلسلہ آدھ روشت جاری رہا۔ آخر کار ایک روز میں نے اس ماہ و ش میں جس کو جانے نہ دیا اور اپنے گھر بٹھالیا۔ اور امین اللہ لکھ کو اس خدمت کے صلے میں پانچ پارسے کا خلعت مع لہادہ و نعلین کے مرحمت کیا۔

**مشکل کش کا دسترخوان** گرجے نگیں میں نے خوشی میں صحت مشکل کشا کا دسترخوان کیا۔ ملازمین نے خدیں گدائی میں اور حسب مراتب سرسبز کئے گئے۔ اس کی مال بل جہاں حسب ایسا سے امین اللہ لکھ تنقید کی گئی۔ دو تین ماہ بعد میری رائے سے رہا ہوئی اس کا اس کی لڑکی کی طرف سے دو ہزار روپے نقد صلعت اور دو سالہ دھندل مرحمت ہوا۔ انھوں نے نفیس نفیس جواہرات بے ہبا اعلیٰ اعلیٰ خلوت نفرتی و طلائی عمدہ عمدہ لازمہ انہیں عطا کئے گئے اور بہت بڑے خطاب سے سرسرا کی گئیں۔ ایک برس تک ان کا خیم اقبال بڑے سکرو فر سے چمکتا رہا۔ اس زمانے میں میری عمر ۲۷ سال تھی۔ انہیں دونوں میں اتحاد و فرمایاں چند رہا۔ وہ دفعہ نجرالہا بیگم کی محفلت لازم ہوئی۔ وہ سب پر گوسے سبقت لے گئیں اور انہیں حضور صمد امینوں کا خطاب مرحمت ہوا۔ میں بد برس تک ہزار جہاں حسب کے ساتھ ہر ایک سے محبت کرتا رہا۔

اسی زمانے میں بشیر فرزند دغا بہر سوا حضور زینت مکان نے مجھے خلعت فرماتے تھے میں نے فیروز کو رحمت خانے کی داد دی تھی کہ اور بشیر کو خلعت کے عوض پر سفر فرما دیا بشیر نے یہ کوشش شروع کی کہ شل میچر ہدی کے ہو جائے۔ رفتہ رفتہ اس کا تیر و ماہیت حاجت پر پہنچا یعنی میں ایک ماہ تاہل کے عیش کا گمانی ہوا۔ اس سے مسئلہ کسی شرمندہ لکھ کر گھر گیا اس کے عروج و شواہد تھا۔

میر تقی علی خاں صاحب انکونی سکر باڑی میں رہا تھا استاد مقبول کیا اور اس سے پہلے اس سے حاصل کیا کہ خلیفہ میران ہو گئیں لوگ ہنر میں مدد دیتے تھے اور مدد لے میں ہنر دیتے تھے۔ چونکہ میری طبیعت عالی ہو گئی تھی۔ بشیر گواہ بھاتا سے میلہ مل نہ جاتا تھا اور جرحمت اس لمح سے نکلنا ہوتا تھی۔ خلوت میں دھماکی تھی میں چاہتا تھا کہ کوئی ناچنے والے ملے میرے ہاتھ لگے تو اس سے بہتر ہوگا۔ آخر کار مجھ کو دلی و دلبر و لطف ان جو کھنڈیر میں گئے ناچنے میں پانچا شل دلخیز نہ کہتی تھیں مدد طبر حیدری کی جڑی بہن میری خدمت سے شربت باب ہونے کا بار اپنی گردن پر کھتی تھی اس وجہ سے (میری چھٹی منقبت) بہن بھنڈیہ ہر شخص میں گلا جس کی جڑی گارہ میں تھی میں نے اس وقت قبل کیا اور اس کا خطاب سلطان پر کیا

دکھو بدشعور جو کہ نہ سچا نہ سچی میر گہری گندیل سے سیلن ہی تو اب خاص کل صاحب گندیل سے عورت ہی داندہ خیم لانا کی عزت  
نہیں ملتی تھی۔

خدا کو کیا جواب دیں گے چلے میرے گھر چھوڑ کر میرے زمانے میں داندہ خیم کا یہی طریقہ رہتا تھا کہ ان کی خواتین سے اسی پر خواتین  
ان کو لانا ہے چاروں کے خندہ برد کرنے سے کام میں نہیں جانتا کہ خدا کے سامنے کیا جواب دیں گے انہوں نے جب دیکھا کہ وہی خدا کا حکم گانے  
والیں کر لائے تو اپنے گھر بٹالے کھڑے کھڑے عام چوڑی لایا یہی ہوتی تھی کہ کسی کو زبردستی چلے سے میرے خندہ میں حاضر کرے  
جب میں نے اس اور جب خدا سے اپنے گھر میں رہنے کو کہا تو اس نے انکار عرض کیا کہ عرض کی کہ چلے سے بلایا ہے میں نے فرمایا اسے نیک نیت  
خوش خاطر اپنے گھر کو آنا خدا مجھے اندسے گا اس خوش خبری کے سنتے ہی وہ میرے خندہ میں ہرگز نہ آئی اور عرض پہنا نہ ہوئی۔ اسے جان عالم میں تپ  
کے لیے پھر قرآن ہو جائوں اب میں ان خندہ میں کو چھوڑ کر کہاں جائوں گی امید بھلی نہیں کہ میرے میں شال کی جالوں اس کی عرض کے موافق  
عمل نہ کرنا کیا گیا لہذا سے اسے اب بھی کا خطاب دیا۔

ایک روز اس کے حویلوں میں سے ایک عورت نے خود کو میری گلی کے گھوڑوں کے پاس ڈال دیا اور فریاد شروع کیا۔ اس زمانے میں حضرت  
جنت کے ملائکے کھڑے تھے ان کی خدمت میرے سپرد تھی اور میں اپنے والد کے گھر سے کھڑے کھڑے وہاں جا رہا تھا۔ اس کا شروع فرما س کر  
ملائی خواتین میری خدمت کیا تو کون ہے اس نے عرض کیا مادر خواہ عمل۔ طوطہ اسباب نشا ط نے میری لڑکی کو زبردستی بندھان ملائی ہیں  
دیا ہے۔ امید ہوں اپنی داد کو نہیں۔ اسی وقت اس عورت کا اپنے ساتھ آ کر والدہ اسے پرہیز سے کہا کہ اس کو پہچانی ہو اس نے کہا ہاں یہ اس  
کو آپ میرے سے پہچان لیں اس نے طوطہ پہچان لیں۔ عرض میں نے پانسو روپے داہ اسے ہی پہچان لیں کہ اس عورت کے حوالے کیا اور وہ  
داخل ہر گھر کو کر کر رہا تھا۔

وہ دن طوائف میں کا وہ پہلا ہے۔ گیسو نے رنگ کی خدمت ہے اس زمانے میں اس کی عمر تیس ہی تھی۔ اس وقت پاؤں  
چھڑی اور دو دو براؤں تانبے فرش سب تھے۔ پہلے میرے بھائی مرزا سکندر شہت اس کے ماتم تھوڑی ہی لگا رہے تھے اس لیے  
ہزار ہا روپے ان سے ہوا گیا۔ لکڑی میرے ساتھ بھی لکڑی فرسے کیا کرتی تھی۔ کبھی اپنی انگلی کے خون سے بہت سے پہلو کرتی تھی اور ہزاروں خطوط  
عشق تیز بھیجا کرتے۔ ایک روز میں نے اس سے کہا تو میرے بھائی سے بھی اپنی بہت بھائی چلے گئے اور اس کی کہتی ہے چھڑی اور دو دو روپے  
کو روکتا ہے اس نے تم کو اپنی لکھی تھا کہ اسے بھائی سے کرنا نسل نہیں۔ ایک سوز غلظت اسے آراستہ تھی چاندنی کھلی ہوئی تھی۔ میرے بھائی سکندر  
بھی غلظت شریک تھے میں نے پچھان لیں کہ تم سے بات ہے یا نہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ اکثر خطوط عاشرانہ میرے پاس بھیجا کرتے  
ہے میں نے جواب دیا اس لیے میرے ساتھ بھی یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔ آخر اسے بہت لمبے پاؤں اس غلظت میں ہم دونوں میں سے جس کا حق  
دارین ہوئے اس کی بھی جائے۔ اس نے میرا ہاتھ کوڑا لیا کہ مجھے مرزا سکندر شہت یہاں سے کوئی واسطہ نہیں میں نہیں جانتی یہ کہ میں اس  
وقت تمام غلظت میں تھیں کہ خدا میں بندہ شہت میرے بھائی شرمندہ ہرگز نہ چلے گئے۔

پھر میری خزانہ بکری تھوڑی ترتیب دینے لگی تھی دالیں کو کھینچ کر لے لایا بہت خیال تھا۔ اس سبب سے سزا دے اور علم مرستی کے گناہوں

ایک دوزخ کا نام دھم افسانہ نگار نے عرض کی حضور عالی کے لیے ایک محدود ہم لوگوں نے تجویز کیا ہے جو بے مثل دنیا بے زمانہ ہے نصیب ہے ایسا صحت مجھ پر ٹھک کرنے نے نہیں سمجھی۔ لہذا بھانے میں بھی بیکتا ہے دندہ گارہے سترہ اعشارہ برس کا سن ہے ایک روز حضور کو راہ میں دیکھ لیا۔ اس دندہ سے خواب و غم حرام ہے اس کی خواہش ہے کہ میں پر یوں کے زمرے میں منسلک کر لیا ہوں۔ مرنے کا نام ہے جب میں نے اس کے خاندان کو دریافت کیا تو معلوم ہوا دیرین کی بن کی لڑکی ہے۔ لیکن اپنی خالہ سے پوشیدہ حضور کے وصل کا راہ رکھتی ہے یہ سن کر حنان مبرور طاقت میرے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ یہ خبر روز دزدین کے کالوں تک پہنچی کہ یہ میری بھانجی کی بہت میں گرفتار ہیں یہ سن کر وہ ادا ہو چا رہا پاسی اس نے فنا کی طاقت سے مجھے ڈھاکا شروع کیا لیکن عشق کی آگ بھڑکتی ہی جاتی تھی آخر کار ان مینوں عورتوں کے توسط سے ایک شب کو وہ میرے گھر آئی اودودہ رات میں دوش بست میں بسر مئی۔ لیکن صبح کو اس جرم کی پاداش میں اسے صابن ناف کی کپڑی سے قید ہو گئی۔ مگر قید خانے میں ہی اس کے دل سے پیری یا دہائی آخر یہ عورت بد کی ہوئی تھی اس سے اس نے قید سے نہات پائی ادمیر سے گھر چو گئی۔ پیرے دل میں اس کے عشق کی آگ دندہ بد تیز ہوتی گئی۔ جب اس نے دیکھا یہاں مشرقوں کا طبع بے وقاحت رکھ سے جلنے لگی اور اس جلا پے سے پختہ کی مریبیں شروع کیں۔ دزدین نے بھی اسی کی وجہ سے مجھ سے ترک تعلقات کے کے حکم کتاب مرزا اور علی بخش خلی عشقوں کے رسالہ سے محبت کا آغاز کیا۔ پھول کو بھی بالائے طاق رکھ کے حاجی خانم کے بھائی بی بی کے گھر چو گئی اور اچانک انیس کے گھوٹے میں شگرت شگرت ہو گئی ہے شیدی احمد پراس برس کی عمر کا آدمی ہے لیکن وہ خدا جانے کہاں ایک سن رسیدہ کے گھر میں ہے۔ صلوات اللہ تعالیٰ علیہ۔

منہ پر تھوک دیا سفید اور کسی حد تک زرخشا، خوش و طاقت و درازا و حد قماش میں تھا اکثر لڑکیاں اس پر جان دیتی تھیں۔ عاشق تو معشوق مزاج قنارت رفتہ بہر مغل کے خطاب سے سرفراز ہوا ۱۰۱۰ھ میں اپنی اختیار پری کے عشق کا بھی کسی قدر خیال تھا ایک کدو زانتیا لڑکی نے اپنے گھر جانے کا اطمینان کیا میں مانع ہوا اس نے عرض کی ایک گھنٹے کے واسطے جاننا چاہتی ہوں ابھی ابھی حاضر ہوں گی میں اس کے بعد نامزد ویرہیں آگیا اس کے بعد عرصے سے دور دراز دیار گزر گئے میں نے دار و درخیم الفنا بیگم سے یہ حال بیان کیا وہ اس کے گھر گئیں مگر بہت رشک





مل کے تھے امدان کہ پدے میں بٹھایا تھا۔ لیکن اس پدے کی وجہ سے میں پریشان تھا ایک روز میرے دل میں خیال آیا کہ طرث ثانی کو جبر سے محبت نہیں ہوتا۔ تاویق لیکن لوگوں کو طوطی بنادینا چاہئے۔ ان کی محبت کا اندازہ کرنا دشوار ہے۔ سامی وجہ سے میں ان کے سوال کو مد نہ کرتا تھا۔

تھوڑا سا گزرا تو میں نے سٹ ناکہ ذاب نشاط عمل بھی بیگم صاحبہ اور سلیمان پری صاحبہ میں نے اسی وقت کیلانی  
**ماہ و مشتری طالع ہوئے** کو عمل میں داخل کیا اور سلیمان پری صاحبہ خطاب و عیادت فرمایا عمدہ عمدہ چیزیں نفیس لباس جو اسہرات کی لکشتیاں مع درگزر و سامان کے مرحمت کیں اور اسی دن سے ان کو پردے میں بٹھایا۔ بعد فقہانے ایام عمل ان دونوں صاحبات عمل کے ماہ و مشتری طالع ہوئے۔ ذاب نشاط عمل صاحبہ کے بطن سے مرشد زائف والا دودمان پیدا ہوا اس کے دادا نے اس کی ماں کو خلعت خوشی و لذت و تبیین سے سرفراز فرمایا اور اس کو مرزا سپہر قلعہ خطاب دیا۔ ذاب سلیمان مل کے بطن سے لڑکی پیدا ہوئی جس کا اس کے دادا نے سپہر آرا لبرٹی بیگم کے غلط سے معزز و ممتاز فرمایا۔

چند روز بعد ذاب خاص مل کے محلہ ہونے کا مشورہ ہوا۔ بخش سنے میں آیا ایک لڑکا پیدا ہوا اس کے دادا نے گلیہ ضرب مبارکباد کی سرکرائیں۔ میں نے ایک خوش چہرہ عیدی منعقد کیا اس کے دادا نے مرزا بیدار بخت خطاب مرحمت فرمایا۔ کچھ روز بعد جھرنے فرخندہ خانم کے حاملہ ہونے کی خبر میرے گوش گذار کی۔ میں نے اسے پردے میں بٹھایا لیکن عمل کا افتخار نہ بخشا۔ ایک دختر پیدا ہوئی اس کے دادا نے خطاب خمس مارا۔ بیگم تانہ فرمایا۔

ذاب نشاط مل صاحبہ کے یہاں سپہر قلعہ تولد کی بزم میں ایک طوائف اچھے صاحبہ بیوا والی بھی شامل تھیں۔ ایسی صدمہ تیں کم دیکھنے میں آتی ہیں۔ سراپا کیا قاعد اقل حدت تھی۔ اگرچہ میں بھی اس زمانے میں بڑوں کے مانند شوخ و شنگ تھا۔ حسن و خوبی و لطافت میرے غلام تھے۔ وہ مشورہ بہتر آواز و زمیر کی طوف گھسی تھی اور میں بھی بے اختیار ہوتا تھا۔ وہ ہر مرتبہ ناچنے میں میرا ہاتھ پکڑ لیتی تھی اور میں بھی چھیڑ چھاڑ کرتا تھا۔ اس واقعہ کو بھی تین چار ماہ کا عرصہ گزر گیا۔ لیکن وہ اپنی ماں کے خوف سے اپنے دل میں لڑکی کا نام نہ لیتی تھی۔ آخر اسی زمانے میں میرا لبرٹی کی معرفت وہ میرے گھر میں داخل ہوئی اور مبلغ چھ ہزار روپے پانچ سو سے اتار کر اپنی ماں کے حوالے کیا۔

اسی زمانے میں یاسمن پری تعلیم نفیس و سرود حاصل کر کے نادر روزگار ہوئی توں کہ مجھ اس سے پہلے ہی محبت تھی لیکن بہ سبب اطرین اور کم سنی علم موسیقی حاصل کرنے کے لیے اسے چھوٹ دیا تھا۔ کچھ زمانے کے بعد خدا کے فضل سے وہ پری کی طرح ہو گئی۔ میں نے خدا کے بزرگ کا شکر ادا کر کے اس سے محبت کی ابتدا کی۔ ایک برس تک اس کا اختراعت میرے آسمان دل میں چمکتا رہا پھر رو بات چند چند شدہ گفت و گوٹ گیا۔ اور میرا دل سفرانہ بیگم کی طرف متاثر ہوا۔

مشورہ پری کی تعلیم موسیقی کو صوت تین ماہ گزرے تھے کہ خداوند نے اس کے حاملہ ہونے کی خبر سنائی میں نے پردے میں بٹھا کر عمل کے سبب پرنا کو گلیہ اور نہ لیلیات و حاجات تھا اور عمل سرسے ملکیت برائے ہرودیش توہین کی۔ ایام عمل گزرنے کے بعد خدا کے فضل سے فری تدریج طور ارام کو فرزند پیدا ہوا۔ اس کے دادا نے مرزا فریدون قلعہ بہادر خطاب عطا فرمایا اور مجھے خلعت خانہ سے سرفراز کیا۔ اس عرصے میں ایک فرخندہ خاں نے خبر تانہ پچائی تھی عزت ہی کے عمل کے کٹا نکاس ہوئے۔ میں نے انہیں پردے میں بٹھا کر عزت عمل خطاب توہین فرمایا۔ بعد ذاب مشرق مل صاحبہ دونوں بہادر حاملہ ہوئی تھیں۔ ایام عمل گزرنے کے بعد ساتویں محرم الحرام کو دختر پیدا ہوئی دادا نے ہارنگ



### خطاب رحمت فرمایا۔

دیگر کار و بار ابھرنے لگا۔ اس نے قبل ازین اخصیلاہ بن حید کے بیان کہدیں کے ذریعے میں طہرہ میں نے چاہا اسے اپنے مصروف میں لانا اور اس نے وہ دراز میں کیا اگر میری لاجہ وہ کچھ عطا تو میں حضور کا فریضہ منظر کے لئے میں نے یہ سوال قبول کر لیا دوسرے روز اس کو میرا ملاقات خانہ صاحبہ خطاب سے کر میری لاجہ کے حوالے پر فرمایا میں جب اس سے گھر نہ لے گیا تھا اس نے تہمت جملہ نہ کیا ایک روز کچھ لڑائی اٹھائی اور اسے گھر نہ لے گیا ملک میں ڈکری سے بہارت کر دیا اس نے اس تحلیل کا اپنا دانا ملا نہ کیا کہ میں نے خوف نہ ہو کر پھر ڈکری پر بھال کر دیا۔ وہی لمحہ کہ دونوں وقت خاصہ فوش کر آئی تھی۔

ازراہ شفقت اس کی نالی میں بدشاہ محل سے میرے والد ماجد کی فصل میں چھوڑ دیا آئیں جو انھوں نے ازراہ شفقت مجھے رحمت فرمائی ہیں نے ان میں سے مددائی خدمت میں لے لیں اور بالائی کی شادیاں کر دیں پھر سے تعریف میں آئیں ان میں سے ایک فرزندہ بخش اور دوسری شاہ بخش کے نام سے سرسرم کی گئیں۔

اس میں ہی خانے نے جیسا چاہتے دیکھا جو حاصل کیا ایک کے قریب سے چھوٹا تھا دوسری کے محل میں گرفتار ہو جاتا تھا ہمیشہ اور ہرگز ہی خواہ مخواہ، تاؤ زرخ ملک و حکایت میر و نفاذ بغیر ان پر یوں کے برگڑا چھا نہ معلوم ہوتا تھا کہ ان میں سے اکثر ملامہ کر محل کے رتبہ پہنچا ہر پیشہ صحت و تدبیر ساتھ گذرے والدہ نے کمالنا بیگم کے انتقال میری مدد فیما مں کہ دولت ہو نہ خیر کار و تامل مسیح خراش والا ہر اندہ میں نہیں جانتا کہ وہاں کیا ہوتا ہے؟ اور صاحبات محل جو بہت سے میں پیشہ تھیں اور کچھ کو نہیں ملتی تھیں ان کے درجہ شک و حسد کرتی تھیں اسی وجہ سے ان کی آراستہ میں فرق آنے لگا۔ ناچار ہو کر ان کی آراستہ کی خدمت میں مل جانے کے سہرا کے اسے کھڑے ہونے کی خاطر ان کا خطاب فرمایا وہ نہایت خواہش دار نہ سماں خدمت میں سرگرمی کرتا تھا۔

رنگ فرج انگریزی اس زمانے میں میری طبیعت سہا سہی کے غرض کی نگہداشت کی جانب زیادہ توجہ تھی لیکن ملت آمدنی و کثرت خیر اور ممانعت والد ماجد کی وجہ سے ان کی نگہداشت کی ذمت کمال تا چار تیس جو میں زمان خانے کی ہو کر پہلے کے واسطے خدمت رکھی تھیں جنہیں مدثرہ فارسی زبان میں تو اندہ تعلیم کیا کرتا تھا۔ تھوڑے ہی عرصے میں وہ ایسی ہوشیار ہو گئیں کہ قواعد انگلیش میری نظریں نہ سماتے تھے جن میں سے ہر ایک صفائی و شغالی سواد میں ملک فرج انگریزی تھی اور کچھ اس قدر کہ سواد میری نے علم رکھے تھے۔ انہیں بھی فارسی زبان میں ایسی ہی تعلیم دی تھی کہ درحقیقت در ملک وہ فرج انگریزی تھے۔ ان غرض میں مدثرہ فرج کی انگریزی حاجی محمد شریف مل جانے پہلے وہ خطاب سے سرسراز فرمایا۔

جنرل اکمل اللہ چونکہ مجھ سے سلام رضا وغیرہاں کے عزیز و اقارب سے مدثرہ ملاقات دار تہا ملا پڑھتا تھا اور یہ سب سنت مجتہد میں تھا کہ قطب مل جانے میرے استاد بھی تھے مذہب تھے بلکہ کرات میں بھی تشریف رکھتا تھا کسی طرح یہ لوگ میرے مذہب میں تہا میں جب اس امر میں مل لوگوں کا اندہ دیکھتا تھا تو انہیں ناراض پاتا تھا آخر ایک مدثرہ ہر سات کی فصل میں میں نے نہایت مدد جوی اور حق سماعت دینے کے کان لوگوں کو تبدیل مذہب کے لیے پھر فرمایا میں کہ اس امر پر کلام میرے ہاتھوں ہوتا تھا سب نے منظور کیا۔

میں نے کسی وقت سڑک کے سبوں کو سلطان العلماء مولوی سید محمد عہد وقت کی خدمت میں بھیج دیا اور وہاں یہ سب یہ صدق دل فریبانہا میرے  
مقرر ہوئے۔ سلطان العلماء لاہری خطا بن دگوں کے بن مین سے مشرت ہونے کا میرے ملاحظے سے گذرا میں بہت خوش ہوا اور سب کو خطا بنوں  
اور غفلت سے سرفراز فرمایا۔ انہوں نے بھی اقرار کیا ہم لوگ حضور کے غلام ہو گئے ہیں۔ جذاکھرا اللہ فی الدارین خیرا۔  
انہیں ایام میں جہک پری کے حاضر محمد نے لاہرہ میں نے سنا، جہک پری کو پردے میں جھکا کر انکار النساء خاتم صاحب خطاب مرحمت  
فرمایا بعد انقضائے ایام فرزند پیدا ہوا۔ دادا نے گیارہ منہ ب توپ سلامی اور مبارک باد چھڑوا دیں۔ اور مرزا برہمیں نذر بارہ خطاب مرحمت  
فرمایا میں نے جن دن اسے کیا۔

اس زمانے میں یاسمن پری اور سرفراز پری پر احتمال حمل ہوا میں نے حسب دستور انہیں پردے میں بٹھایا لیکن چند  
روز کے بعد معلوم ہوا یہ صورت دھوکا تھا۔ آخر میں نے انہیں باہر لاکر نقص دہرو کی تعلیم میں مشغول کر دیا۔

اس عرصے میں حور پری کے حاملہ ہونے کی خبر پہنچی چونکہ ایک مرتبہ یاسمن پری اور سرفراز پری سے دھوکا کھا تھا۔ اس لیے پانچ ماہ گزرنے  
کے بعد اسے پردے بٹھلایا۔ بہرہند اسے پردے میں بیٹھا بہت شوق ہوا لیکن میں نے بہت کچھ بھگایا گزردہ سوائے گریہ و زاری کے دوسرا کام  
نہ جانتی تھی مجھے خیال تھا شاید میری جدائی کا مجھے روتی ہے۔ کبھی اسے سمجھاتا کبھی اسے تشفی دیتا لیکن وہ کبھی تھی میں ہرگز ہرگز پردے میں  
نہیں رہ سکتی بلکہ جب جانا تھا گل لعلی۔ جب اس سے یہ باتیں سنیں تو پھر بھگایا۔ ایک بندہ خدا کا خون کرنا بے حد گناہ ہے۔ ان فرض  
سات ماہ کے بعد لڑکا پیدا ہوا چالیس روز بعد وہ گر گیا۔ میں نے اسے نام نہیں لکھتے بھیجا حسب دستور ناچ گانے کی تعلیم میں شرکت کرنے کی  
اجازت دے دی لیکن وہ ظاہر بعد اس کا سامنا کرنے سے عدلی تھی اور باطن میں باہر آنے سے خوش تھی۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ

جب مدونہ خیم النساء بیگم نے انتقال کیا تھا تو وہ کینزی چھڑی تھیں میں نے ایک کا نام مومن اور دوسری کا حیدری رکھا۔ مومن  
ثابت ہو کر لاہرہ غلام حیدر کے ساتھ سے کر دیا تھا اور حیدری کو اپنی خواہوں کے زمرے میں بھرتی کیا تھا۔ اسے اتنا راجل نمایاں ہونے مجھے  
اس عرصے سے سخت عیبت ہوتی اور فردا غصہ سے کوڑا ہاتھوں سے کر دیا تھا حال کے در پہ ہوا لیکن وہ کبھی کسی کا نام لیتی تھی کبھی کسی کا۔ جب میں  
نے تانیا نے کی خدمت سے فرمایا تو اس نے اتہال کیا کہ مجھ کو ثابت علی خاں کا محل ہے۔ یہ سن کر مجھے بہت غصہ آیا اور ان چاروں بھائیوں کو طلب  
کر کے ان سے استفسار حال کیا۔ وہ میرے قدموں پر گر کر عرض کرنے لگے حضور کے سامنے ہر اپنا سر کوڑا لے کر حاضر ہیں اگر یہ فعل ہمارا ثابت  
ہو تو۔ لیکن خداوند ہم نہیں جانتے یہ کس کا محل ہے۔ یہ ہم پر تاقی اتہام رکھتی ہے۔ آخر آتش فساد حیدری کے نکال دینے پر فرد ہونا قرار  
پائی۔ چوں کہ اس کا بھائی میرے یہاں فرشتوں میں ملازم تھا میں نے حیدری کو سپرد کیا اور چاروں بھائیوں کے قصوں سے مدد گندکی۔

ایک روز دلدرا پری نے مین اختلاط میں سرفراز پری کی بے فائید کا ذکر چھڑ کر کہا: اسے جہان عالم آپ کس خدا نادان  
عین اختلاط میں ہیں عورتیں آپ پر سبقت سے جاتی ہیں اور آپ ان کی اطاعت میں غافل بیٹھے ہیں۔ برائے خدا اس غفلت سے باز آئیے  
انہوں آپ کا بچے کو ملاحظہ خیال نہیں ہے اور لاکھوں روپے ہفت ہر باد جو رہا ہے اگر آپ مجھ سے محبت کرتے تو کیوں یہ حال ہوتا۔ آپ پر  
مشرقاں معاشیہ کا کچھ اثر نہیں ہوتا مگر واقعہ طہار پری وحدت ہے مومن صفات۔ سلمان اللہ ایسی ایسی عورتیں بھی پردہ نگار نے دنیا میں  
پیدا کی ہیں جس کے ایک ایک مشرہ تازہ پر میرا دل خاموش تھا جب میں نے دیکھا ایسی عورت خدا میری طالب ہے بے اختیار قبول کیا۔



**اُدھر با آہے دیکھیں...** ایک مہذبہ منزل آراستی کی تھی میرے اور چھوٹے خاں کے درمیان میں شرط بندی تھی ہم لوگوں کی طرف بڑی کڑی محبت بلانا چاہیے کہ جو پہلی تہہ کی صورت سے واقف نہ ہوا دیکھی کسی جلسہ یا محفل میں بھی نہ دیکھا ہو۔ آخر ایک خوبصورت خوبصورت بلانی گئی چھوٹے خاں نے مثل دھلا آنا سے بھر دہلی ٹوپی ہاگی سر پر رکھی با بر لوٹ کا پرہ و مصالحوہ دارا کو رکھا اور زردوزی کا بڑا پانچہاں پہن کر عطر عطر ملا۔ سالوں میں خوشبو داتیل دھوا پانچہاں وغیرہ کھل کر خود کو مالک محفل قرار دے کہ اس محبت کو بلا اور مجھ سے پرشیدہ اس محبت سے رابطہ محبت پیدا کیا۔ میں نے اس سے کہا کہ تم پہلے چل جاؤ اسے ہی کمزور زلفت میں اسیر کر رہا ہے وہ بڑی تہہ کی شوق میں مبتلا ہو جائے گی اس وقت میں خود کو ظاہر کروں گا۔ راقی شرط کے اس نے تھک شروع کی یہاں تک کہ وہ محبت بڑی چھوٹے خاں کی طرف مائل ہو گئی۔ اس وقت میں صرف سفید چلوں اور ڈھکے اور سادی و دہلی ٹوپی سر پر رکھ کر اس کے سامنے کیا ہوں کہ رات تھی میں نے دیکھا نہایت اختلاف کے ساتھ چھوٹے خاں اس سے باتوں میں مشغول ہے میں نے خود کو چھوٹے خاں کا دوست قرار دے کر سلام علیکم کی آواز دی چھوٹے خاں نے بھی علیکم السلام جواب دیا اور مجھ سے نہایت خاطر داری کے ساتھ کہا۔ جناب والا کہل انشرف رکھتے تھے آئیے یہاں بیٹھئے۔ میں نے جواب دیا چند روز سے میں تہہ کی طاقت کا اندازہ رکھتا تھا خدا کا شکر ہے آج طاقت ہو گئی۔ دو تینوں مذاں شہر میں قیام کے کہ شاہ جہاں آباد چلا جاؤں گا۔ اس طرح میں میں نے دیکھا وہ طاقت بڑھ چھوٹے خاں کی طرف مائل تھی یا ایک مرتبہ اپنے ہاتھ سے چرخ کی پی بڑھانے لگی اور مجھ سے تھڑی چٹک زلی شروع کی۔ اور ہانڈاں کھول کر دھوا لہو دہاں بنانے ایک چھوٹے خاں کو لہو دھوا چھوٹے خاں کی پشت کی جانب سے مجھ دیا۔ میں نے اس کی یہ حرکت پرشیدہ نہ کہ چھوٹے خاں کے ظاہر میں وہ ہان لیا۔ یہ سلطان اس پر ناگوار گذرا۔ چھوٹے خاں نے چھوٹے خاں کی پشت کی جانب سے میرے پاؤں پر ناخن مارنا شروع کیے میں نے چھوٹے خاں سے شکایت کی کہ دیکھو تہہ کی محبت مجھے رسوا کر رہی۔ اس کو کس کس کو یا تو چھوٹے خاں کے پہلو میں بیٹھی تھی یا وہ اس سے اٹھ کر میرے پہلو میں آگئی ہو گئی۔ آخر یہاں تک (بستہ ہوئی کہ اس نے چھوٹے خاں کا دیا ہوا پیسہ دستہ بھانڈا میں پرچھینک دیا اور کہا مجھے اتنی بات تمہارے پہلو سے بیکر ناڈ شاعر ہے مجھ سے کہا تم اپنے مکان کا پتا چاند خانہ لالہ گل میں تھا سے مکان پھاڑ لگی۔ میں نے کہا میں گل شاہ جہاں آباد چلا جاؤں گا یہ کہہ کر اپنی خواب گاہ میں جا کر سو رہا۔

ایک روز میں نے پنج گانے کی محبت سے غلک سیر کو زینت دی تھی۔ پیوں کو رہس دھاری تیار کرنے کا حکم دیا۔ رہس رہس دھاری ایک ناچ کا سامان ہے۔ بننے غلک کے مذہب میں اس کی پرستش کی جاتی ہے۔ بہر حال رہس دھاری کھاتے ہیں۔ اس میں کنیا انداس کے مشرقوں کی شبیہ بنائی جاتی ہے حقیقت میں حیدر جس میری سرکار میں تیار ہوا ہے ایسا کہیں تیار ہوا ہو گا۔ سب پر پولی کولت لہو نے تیار کیا ہے۔ ایک فہ ہے جس کے سات مردیری سرکار میں لائی ہوئے ہیں۔ انہوں نے کنیا انداس کے مشرقوں کی شبیہ لیا کہ ہے سلطان پری نے دھوا حامی کا جس جلا دھوا پری نے کنیا کی محبت بنائی ہے۔ سر پر کٹ دیا میں بانسری انداس کے دوسرے لوازمات جو کئی لاکھ روپے میں تیار ہوئے ہیں باوجود سب چیزیں موجود ہونے کے صورت ان کی مدد میں پانسو روپیہ صرف ہوا ہے۔ یا سن پری، عزت پری، دھوا پری، حویلی وغیرہ کنیا کے دوسرے مشرقوں کی محبت بنی تھیں جنہیں سنکوت میں گرالیں کہتے ہیں ان کا نام مثل سنگیت بھی لہو ہم کے ہے جن نام تلوں کے ہیں۔

اس ناز میں صوف کنیا اودھ جاکے مہاراجا کیست ہے جو اصل ملوان کی حالت میں بہت ہے جسے ہندی میں صوفیوں میں ملوان کہتے ہیں یہ طبرج کی نہیں ہوتا شرم کر رہا ہے۔

ایک دفعہ میں نے یونان کی خواہش کے مطابق مینا ملوانہ کیلے کے واسطے حکم دیا جہاں پہ پہلے اور مینا ملوانہ کا سب سا لہجہ پیش ہوا۔ مینا ملوانہ کے لئے کارکن کی تحریک سے ملائیں آراستہ کی گئیں میں نے اس جگہ میں مرد ملوانہ کیلے کہہ کر نہ بھٹ اور تھالی کے ہڈے اور بہت سا دوسرے کیلے خرچ کے واسطے خرچ کیا تھا اودھ کال قاند افغان کے ساتھ کچل کی طرح میں نے بھرتی تھیں باجیلت و قاتل ہتھی پر سار پر کو طوں اتھل سے دوسرے تھے جسے اور کیلے کے شیش و شیش کا پاتا سا ملاتے ہوئے سیر میں مصروف تھے یہ قدر بدلہ ڈال کر اپنی بخشش سے بے نیاز کر دیا اودھ کا یہ از ان سرکار کو حکم دیا کہ چیل کی چیزیں مع رکھنے کے بہتوں کے دس گنی قیمت سے خرید کر لکیر پچھو دے تھی یہو میں اودھ یہ جس سب بخشش صوفیوں پر یہ یاد ہے۔ مینا ملوانہ کی عید کی پہلی چیزیں اعلیٰ حضرت احمد علی شاہ کی خدمت میں بھیجیں انھوں نے خداداد شفقت پدیں فرما کر اس میںا جاز عریاں اور میں طبرج کی خبر پر ہمارا ہوا آجید اطلاع دینا شروع ہے۔

اساتھ میں نے تہذیب کے موافق اپنے فکر کردہ کہ ہرن کی تعمیر روانہ جلد سے دیکھ کر کل پہنچا ہے میں بہت خوش رہا۔ **سابقین کا پابند** کی ہے۔ میں ملوان کے کھڑے شاہ بادشاہ دہلی لہا ہر ایم ملوان شاہ سلطان بجا یہ دفعہ شاہان مملکت نے اکثر جیل و شیل عورتوں کو لڑم و سستی کی تعمیر دیا کہ ان کے نظارے لفظ سے لفظ کیا ہے۔ لہذا ما جدت و قہال نے سابقین کا پابند ہو کر اکثر زہر و جیہان ماہ شمال کی تعمیر کا حکم دیا۔ ایک روز چودہ تاریخ جب چاند ورجکال پر تھا میں نے اس فی کے کالوں کو حاضر ہونے کا حکم دیا اور فرمایا طرح طرح کے کھانے لائے و غرض ڈانڈ اور سب چیز کی وضاحت ہر سب جیٹا کر۔ الحاصل شام کو سب کا ملین فن مدد و ملت یہ حاضر ہوئے عجب مغل جمع ہو کر توں سیتوں لے کر لاکر رتی فلک کو سرشار کر دیا ان سب میں نصر مہا سلطان پری نے اپنے کمال کا لہ لہا کیا کہ خوش کی رویت بنی۔

میں یہ رمضان المبارک میں ہوئی کھکھیا تھا کہ محمد مسند علی خاں درخواستہ سرانے خلافت و ملت حاضر ہو کر میری کربانی جب **سحری کے بعد** میں نے یہ دیکھا کہ یہ کیا گفت کیا اس وقت تو نے جگا کر کہیں تکلیف دی اس نے عرض کی کہ ایک عورت ہندی عہدہ والہا کے عشق میں مبتلا ہو کر جہاں نماں آئی ہے چمکاس پر پہلے ہی سے میری نظر ملطفت تھی اسی وقت ملوان مذکورہ میں گیا۔ و کھلہ یعنی ہمتی ہے مجھے دیکھ کر مدد کر لکھ کر گئی آخر حال دریافت کیا تو اس نے کہا میں مجرے کے بہانے یہاں آئی ہوں اگر میری والدہ یہ سن لیں تو مجھ پر بہت غصہ کریں میں نے کہا اس کے بعد کہیں کہ عداوت ہوگی اس نے کہا ماتم کے وہی ختم ہونے کے بعد جناب امیر علیہ السلام کی شہادت لکھیں جس میں احمد کو قہر ہم پہنچا دی گئی۔ میں نے قبول کیا۔ چند بار اس سے ملاقات ہوئی لیکن ہر بات چند چند گھر میں جھانسنے کا اتفاق نہ ہوا۔

**شہادت** میں نے وہاں ہادی لڑو میں ہوئے ہمارے گھڑی گندہ کی تھی اگر بڑی چہرہ میں بیٹے صاحب کے فرستائے اگر عرض کی کہ صاحب نے کہا جہاں ہے جہر نے صاحب حاضر ہیں ہیں۔ لہذا ایک صاحب بدگمان ملائی کہ کہ جہاں کے لیے جہاں میں کے ساتھ تشریف لائے اصل میں اسی نز و طال کی حالت میں تقری بچے پر سرور ہو گیا نہ جہاں عداوت ہی دینی صاحب حال نشانہ ہائے کھل اس پر ہے کہ جو گھر سے ہونے لگے اس کا پتہ نہیں چڑھتے تھے۔ جس وقت میں ملک میں ارم میں داخل ہوا تو بڑے صاحب سے ملکر ہوئی اس کے بعد میں نے پانچویں پر اگر دکانہ اور الیاد و جہاں خصوصاً لڑو نے اپنے ہاتھ سے میرے سر پر تلج و کھاس کے بعد میں وقت پر چلو

یاد رہا کہ اس قدر اہم سلطنت، مضر حقے سب نے غدی میں پیش کی تو میں سر ہو میں۔ میں نے غلطی مرتبہ پر توقف کیا جو کہ اس رات کو مشورے اور پریوں سے ودر تھا لہذا غرضتہ علی خاں کہا تھا ایک ایک انگوٹھی ہر ایک اور پری سے بطور نشانی ٹھکر کر اپنے گلے میں ڈال لی۔ دوسرے روز سب صاحبان خاص کو جمعہ کو تولدوں غلطیوں اور عقلی خطاوں سے سرفراز فرمایا۔ تھوڑے عرصے کے بعد امین الدلہ زخمی ہو کر موقوف ہوئے اور علی خاں دارالدولہ ہوا خطاب پاکر وراثت کی خدمت پر ممتاز ہوئے۔

**طبع دے کر دے** دل جہدی کے لئے میں سب نیکیوں، پر لیں کی عادت اور باعث لہذا فانی بھو پہلہ ہو چکا تھا۔ اس بنا پر خیال کیا کہ ان سب ایک روز سب پر لیں کو پدے میں بٹھا کر خطابوں سے سرفراز فرمایا۔ تو اب خاص محل صاحبہ کو غرضی راز بادشاہ محل صاحبہ خطاب پاکر مبلغ پانچ ہزار روپے ماہوار پر سرفراز ہوئی۔ تھوڑے عرصے کے بعد سب صاحبان محل اور صاحبان قلعہ راجہ کو کوٹ کے کافلت اور کئی کئی لاکھ روپے دے کر سرفراز فرمایا۔ مرزا فلک تدر بہادری جہدی کے مرتبے پر مرزا کیوں تدر بہادری جہدی کے عہدے پر ممتاز ہوئے۔

**رفع خفقان** اس عرصے میں میرے دل کو بہت خفقان ہو گیا۔ صاحبان محل کی جدائی بڑی دے میں بیٹھی تھیں جو کہ بہت گراں معلوم ہوتی۔ لہذا رفع خفقان کے واسطے چند لاریں ناپختہ دلاں لازم تھیں جب سرفراز علی کے ماہر نے جانے کی راہ مسدود ہو گئی، تو سنگی سرفراز علی کو پدے کا مطلق خیال نہیں۔ چتر دار مکان سے دیا سے گزرتی کا نظارہ کیا کرتی ہیں۔ اکثر تو اب غور دل کی دلاں معلوم ہوا کہ یہ پدے کی وجہ سے بعد مدتی ہیں اور جب مجھ سے ملاقات ہوتی ہے تو کہتی ہیں میں تمہارے سرفراز علی مدتی ہوں۔ میں نے دل میں کہا یہ لوگاریں کس کام میں جتو ہوں۔ ایک دھرتیان کے سرکات میں نے مجھ کو مدناظر کیے جب ان سے دریافت کیا تو انھوں نے سخت تمہیں کہا میں اس بات کے مد پے تھیں کہ اگر تم میرے پاس رہو یا مجھ ہی باہر لے چلو۔ ہر چند میں نے سمجھا یا کہ اب محل میں بیٹنے کے بعد باہر آنا بڑی قاحت ہے مگر وہ مجھ کو مدنے دھونے کے میرے کہنے کا کہ خیال نہ کرتی تھیں۔ اور تو اب سلطنت محل صاحبہ کے قسم کھانے لگا کہ سرفراز علی باہر گئیں تو والدہ بادشاہ میں بھی آتے تھے تاہنہ علی سے باہر نکل پڑوں گی حقیقت میں تو اب سلطنت محل کا میرے فراق میں ایسا حال ہو گیا تھا کہ ایک برس اور چند مہینے کی جدائی میں بہوں کی عید معلوم ہوتی تھیں۔

**میرے فراق میں** ایک روز ٹھنڈی ہوا ہل رہی تھی مجھے بادشاہ باغ جانے کا خیال آیا۔ سب ملکوں کو سوار ہونے کے واسطے حکم دیا لیکن تو اب سرفراز علی کو سوار ہونے کی اجازت نہ دی۔ سنگی اسی رات کو تو اب سرفراز علی نے میرے فراق میں۔ میرے لاگنے انگوٹھی سے نکال کر کھالیا جب میں نے سنا تو بہت مڑ پگڑا ہوا شاہ داغ سے چتر دار مکان تک پہنچا ہوں کہ لوگ بٹھادی تھی گھڑی گھڑی کی خبر پتہ رہیں۔ ہر فرد کے فضل سے انھوں نے شنایا لیکن ہر مدناظر اپنے ہمراہ رکھنے کے واسطے تنگ کرتی تھیں اس عرصے میں قاسم سرفراز نے تو اب سرفراز علی صاحبہ کے عادی ہونے کے بغیر سنا۔ میں نے خفا ہو کر کہا لایا امدان کا مشن پیسے سے زیادہ نہ ہو گیا پا کچا ہوا بعد سنا گیا کہ محل ماسد ہو گیا میں بہت مدیا انھوں نے فعل میں کیا، پھر مجھ سے ملاقات ہوئی لیکن مدناظر سلطنت محل صاحبہ اور تو اب سرفراز علی صاحبہ مجھ سے باہر آنے کے لیے کہتی تھیں اور کہتی تھیں کہ تم میری جان کا ذکر سناؤ میں ہمارے پے پے میرے کاتل تک پہنچتی تھیں میں نے اپنے دل سے کہا کہ اسے بے ہودہ میں امر کے واسطے تو نے بعد مداری کی جی جب وہی نہ ہوا تو پھر محل میں بٹھا گیا کہ اس عرصہ ایک روز مدنی کا ہاتھ کچا کر سبھانے میں مشغول ہوا کہ تم لوگوں کو





طریقہ دینا نہ ہو گیا ہے لیکن انہوں نے ہرگز میری منت دلچ ہے قبول نہ کی آخر میں نے ناچار ہرگز یہ راز سربستہ جناب والدہ کی خدمت میں عرض کیا۔  
 اجنبی نے غریب لگا کر مٹا دیا ہے۔ آخر انہیں ایک بھر سے میں بشاکر نکاح پڑھوایا اور انہوں نے محل کی آرائشی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔  
 اسی عرصے میں لارڈ صاحب کی ملاقات کے لیے کانپور کا سفر کیا تھا اور بس صاحبان محل رونانہ میرے مزاج کی کیفیت  
 سرسمر ہو جاتیں۔ وہ یافت کرتیں تھیں۔ لیکن نئی بیگمیں میں سے ایک بھی پوسان حال نہ ہوئی یہ بھی محبت کی برہمی کا باعث ہوا۔ تبصرہ نگم نے  
 ہاتھ دھو کر اس حد رطاحت کے لہریں مل کر دیکھا اور میں چند مرتبہ ان کی خوشنودی مزاج کے لیے ان کی عرض پر کار بند ہوا لیکن قیصر نے میری محبت  
 پر کٹھن کی۔ اسی طرح خسرو نگم نے بھی بے اعتنائی کرنا شروع کی ایک روز جھینڈا دت میں محبوبہ عالم اور حضرت نگم کے ساتھ تھی پر حضرت ارغ کی  
 گفتشت میں معروف تھا اس وقت حضرت نگم میری گردن تھیں میں ان سے لطف آمیز باتیں کر رہا تھا یہ محبوبہ عالم کو ناگوار لگا اور انہوں نے  
 بے حجب ہو کر غور کو بھی کچھ لگا دیا مگر اس دفعہ خدا کا فضل نہ ہوتا تو ڈیال تک سرسمر ہو جاتیں۔

ایک دفعہ قہار ملغانہ کر کے سب بیگمیں نے بطریق مزاج کیا اگر تم سب لوگ اپنے خدیو گھر میں کوئلے ہاؤز میں بدگراں سے  
**سنگ تفرقہ** نجات پاؤں۔ یہ سننے ہی سب سے حضرت نگم رضامند ہو گئیں۔ لیکن امراؤں نگم راضی نہ ہوئی کیوں کر اسے مل کا گناہ تھا۔ میں  
 ان کے سبب خواہش اسی وقت سواری طلب کی۔ ہر چند سب مصاحبوں نے سمجھایا لیکن کچھ اثر نہ ہوا۔ سب بیگمیں مع محبوبہ عالم کے جس نے خود  
 کو بھی سے گرایا تھا، چل گئیں۔ میں جانتا تھا قیصر نگم بچہ پرتی ہے لیکن سب بہترین ہم غلط نکلے اپنے اپنے گھروں میں ماکر ایک نے بھی مجھے نہ پہچان  
 بیٹھے ہے مہینے چرخ، تاک کے سنگ تفرقہ

بیٹھ کر ایک ہا میٹریں جو کہیں مہسم کلام دو

مجھے اس بات کا انوس ہے کہ ایک نے بھی میرا دامن نہ پکڑا کہ میں تمہارے گھر سے نہ جاؤں گی اس روز سے سب بیگمیں کی طرف سے  
 میرا دل کٹا ہو گیا۔ اور میں نے کان ایٹھ کر اب کسی سے محبت نہ کروں گا۔ اور عورتوں کی طرف سے اتنا بدظن ہو گیا تھا کہ اگر کوئی عورت میرا جتنی  
 ترس کہتا تھا یہ قبریں بھی قبریں کہنے لگی ہے اور جب تک چالیسواں نہ ہوئے مجھے یقین نہ آتا تھا۔

اسی زمانے میں قیصر نگم کی حضرات سے ناروازی کے مارنے میں مبتلا ہو گیا اور مذہب و مرض زیادہ ہونے  
**وَقْتًا لِّبِیَا عِزِّ النَّبِیِّ** تمام زعم آگ کی طرح جلتے تھے، اس پہلو و محبوبہ گرجوں کا رنج میرے دل سے نہ جاتا تھا لہذا اپنے  
 دل سے کہا ہے میں بد محبت کی حالت میں تمہیں کوئی پھپھتا تھا جواب پوچھ گیا ایک دفعہ تو اب مثل ماہر نے مجھ پر ہاتھ ڈالا تو والدہ میں نے اسی تھکوں  
 سے روکھا انہوں نے اپنے آقاؐ کے دین سے غور و محو سے طبیعت کی میں یہ دیکھ کر دوا۔ اس سے زیادہ یہ ہمارا انہوں نے میرے پاس آکر کہا  
 خدا تم کو شفا عطا کرے لیکن اس قسم کے مرضوں میں مدد نہ کر دیتے ہیں انداس کے مہم میں ہاتھ ڈالنا نقصان رکھتا ہے اس واسطے میں نے  
 ہاتھ دھوئے تھے میں خوب دوا۔ اس مذہبے شہنشاہ منزل کو ہند کرنا لکھی کہا اپنے پاس نہ آنے دیتا تھا۔ مرض مذہبہ ترقی کرنا جاتا تھا یہاں تک کہ میں  
 ملت مات مجزوموں کی تکلیف سے ہالاکر آتا تھا۔

کئی بار پہل جب اسطرح کی دوا لکھائی لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا۔ کئی مرتبہ باسٹن کی نصیحت کی مگر مفید نہ ہوئی تا آخر یہاں تک زہر سپر کی دوا  
 میں میری دوا ختم ہو چکی تھی کہ پر ہر جہم تھا ہی دوائے سے صحت نیدا شہداء کے چلم کھنڈے میں مجلس سفر اخفت کر کے کئی ہوتی ہوں





## ڈاکٹر طرہ احسین

وہ اس دن کا نام نہیں بتاتا اور نہ بتا سکتا ہے کہ کھانے اس کو کس سال کے کس مہینے میں کہاں رکھا تھا۔ بلکہ وہ اس روز کا معین وقت بھی نہیں بتا سکتا اور نہ وہ اس وقت کا صحت کریم کا اندازہ لگا سکتا ہے۔

اس وقت کا غالب گمان یہ ہے کہ یہ وقت اس روز کے فوراً بعد کا تھا یعنی اس خیال کو کہ اس نے یہ ترجیح دیتا ہے کہ اس وقت اس کے چہرے کو جو ہر گز رہی تھی وہ کس قدر ٹھنڈی تھی اور اس میں دھوپ کی گرمی نہیں پائی جاتی تھی۔ وہ اندھیرے اور روشنی کی حقیقت سے واقف ہونے پر کہہ سکتا ہے کہ جب وہ گھر سے نکلا تو اس نے ایسی ہی ٹھنڈی محسوس کی جس کے اطراف میں کچھ کچھ اندھیرا بھی تھا جس وقت اس نے یہ ہوا اور روشنی محسوس کی تو اس کو لپٹ کر وہ پیش ابھری بیدار رہی کی چل پہل کے آثار نہیں دکھائی دیتے بلکہ ایسی حالت تھی جو بیداری کے بعد یا سونے سے پہلے ہوتی ہے وہ اپنے باپ کے تیرہ بچوں میں ساتویں اور اپنے گیارہ بچے کے ساتویں ہیں پانچواں تھا بھائیوں اور بہنوں کی اس بڑی تعداد میں نسبتاً جو امتیاز اس کو حاصل تھا وہ اس سے بھی باخبر تھا۔ کیا یہ امتیاز ہی مقام اسے پسند تھا یا کیلیف وہ تھا اس کا پتہ نہیں چلتا، یہ تو یہ ہے۔ وہ خود بھی اس کے متعلق کچھ کم نہیں لگا سکتا۔ محنت و مہربانی میں بھی ماں کی طرف سے کچھ بے پرواہی بلکہ کبھی کبھار روشنی بھی محسوس ہوتی تھی اور باپ کی طرف سے بھی اس پر مہربانی کے ساتھ ساتھ کبھی بے توجہی بھی معلوم ہوتی تھی۔ اپنے بھائی بہنوں کی اس احتیاط سے اسے ڈکھ مہر تا تھا کہ اسے یہ معلوم ہوتا تھا ان کی اس شفقت میں کچھ حقارت بھی شامل تھی۔

لیکن اس کی ان سب باتوں کا سبب معلوم کرنے کا نقطہ نہیں کرنا پڑا اور محسوس ہو گیا کہ دوسروں کو اس پر فعلیت حاصل ہے۔ احساس کے بھائی بہنوں کو تو ایسی قوت ہے جو اس کو نصیب نہیں اور وہ کوئی کام ایسا بھی کرتے ہیں جس کو یہ نہیں کر سکتا۔ اور یہ بھی محسوس ہوا کہ اس کی ماں اس کے بھائیوں کو بعض ایسی باتوں کی اجازت دیتے ہیں جن سے ان کو منع کرتی ہے ماں کی یہ احتیاط اس کو بہت ناگوار تھی مگر قصہ بے ہی عرصے میں اس کی یہ ناگوار گہری خاموشی اور گہرے دل میں دل لگائی، کیونکہ اس نے اپنے بھائیوں کو ایسی باتیں کرتے ہوئے سنا جن سے یہ واقف تھا لہذا وہ سمجھ گیا کہ وہ دنیا میں اور نہ تاتا۔

ایک دفعہ اس کے کلمہ پر وہ اپنے باپ کو بھائیوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور اس کی ماں بھی حسب عادت دسرفران پر موجود تھی ذکر اور اس کے ساتھ اس کی چوبیس برس کی بیٹی تھی جن سب کی ماں کی طرف سے دے رہی تھی اور یہ بھی سب کی طرف سے ایک ایک اس کے جو میں ایک عجیب و غریب خیال تھا کہ سب رسول ایک ہاتھ سے نوالہ لینے کی بجائے ان کے اپنے اپنے دلوں ہاتھ سے نوالہ لینے کی طرف متوجہ تھے اس کا تجربہ کرنے کے لیے کون مانع ہے؟ اس نے اپنے دونوں ہاتھ اس برتن میں ڈال دیے جس میں سب لوگ کھاتے تھے۔ نوالہ اٹھا کر دستک لے گیا۔ اس حرکت پر بھائی تو جھٹے جھٹے ٹوٹ گئے مگر اس کی ماں کا دل بھر گیا اور باپ نے نہایت نرم دلی سے



مدے گیت، مرثیہ تھے یاد کر لے جن میں اچھے برے بھی ملے تھے۔ ان کے سوا اس نے کچھ اور چیزیں بھی یاد کر لیں، یعنی وہ دلیلیں جو اس کے تالیف داران میں درج نہ ہو سکتے تھے۔

اسے ابن داود صاحب کی تشریح آوری تری ناگوار گذرتی تھی، حضرت اس بچے کے دشمن تھے ہر سال موسم سرما میں مکان میں گزارتے تھے ان کی زندگی نے جب ان کو نئی اور پرہیزگاری پر مجبور کر دیا تو یہ حضرت نیک اور پارسا بن گئے اور بچوں وقت کی نازیبا دیکھنے لگے ان کی زبان خدا کے ذکر سے کبھی خالی نہ رہتی تھی صبح کو طے پڑھنے کے لیے پچھلی ساتھی سے بیدار ہو جاتے اور ساتھیوں میں نماز گزار پڑھنے کے بعد بھی معمولی ہی دیر تمام کرتے۔ ہمارے دوست کے سولے کا کمرہ بھی ان پڑے حضرت کے لکھنے کے پاس تھا لہذا وہ پڑھتے رہتے اور یہ سنتا رہتا یہاں تک کہ بہت سے دلچسپ اور دعائیں اس نے یاد کر لیں اس کا گانے کے لوگ تصوف کو بہت پسند کرتے اور ذکر کی مجلس منعقد کیا کرتے یہاں ہمارے دوست کو پڑھتے تھے کیوں کر شائے ذکر میں گانے والے جو شعر پڑھتے ان سے وہ اپنا بھی بھلا کرنا تھا۔ حالانکہ اس وقت اس کی عمر وصال کی بھی نہ ہوتی تھی مگر اس نے بہت سے گیت، مرثیے، قصے، افسانے، واقعات اور صرفیہ شعر و کلام چھاندر جو عروا پر کر لیا تھا۔ ان کے ساتھ ساتھ اس نے ہمدان قرآن بھی حفظ کر لیا تھا۔

وہ چار شب بیکادون تھا جو ہمارے دوست نے نہایت خوشی سے گزارا تھا اس روز اس نے ہمارے یہاں بھی (استاد) سے کہہ دیا تھا کہ اس نے مقررہ حصے کی تلاوت دن کے پہلے چھٹی بجے ہی ختم کر دی ہے پھر اسے دن بھر سے نئے اور پائیں ہنسنے کی کھلی چھٹی ہو گئی تھی۔ وہ کتب سے گھوم رہا تھا کہ اپنے دوستوں کی ایک پارٹی کے ساتھ عصر کی نماز پڑھنے جاے مسجد چلا گیا۔ اس دن اس کا جوتا گم ہو گیا جو اس نے بیچارہ کے ایک گوشے میں لٹکا تھا، اس کو کچھ رنج تو ہوا مگر اس روز وہ بہت خوش تھا اس لیے زیادہ متاثر نہیں ہوا لگے پاؤں گھر واپس آیا جب گھر میں داخل ہوا تو شیخ عالم، حسب عادت اپنے برآمدے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے آواز دی اور پوچھا اتھارہ جوتیاں کہاں ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ کتب میں بھول گیا ہوں۔ شیخ نے اس جواب کی پند نہیں کی وہ گھر میں چلا گیا اپنی ماں اور بھائیوں سے متھوڑی دیر گنگو کی والدہ کی ایک کمرہ کھلیا کہ کتب سے واپس آنے کے بعد اسے ناغہ کرنے کی حالت تھی۔ اس نے شیخ سے پھر پوچھا کہ والد پوچھا کہ تم نے قرآن کا کتنے حصے تلاوت کیا ہے؟ اس نے کہا کہ میں نے ختم کر دیا اور آج آخری چھ پارے پڑھے ہیں۔ شیخ نے کہا کہ تم قرآن اچھی طرح یاد کرتے ہو؟ اس نے کہا جی ہاں؟ باپ نے کہا اچھا مجھے سورہ سبأ سناؤ، مگر ہمارا دوست اور سورتوں کی طرح سورہ سبأ بھی بھول گیا تھا۔ لہذا خدا نے اس کو ایک حرف بھی یاد نہ دلایا پھر شیخ نے کہا: اچھا سورہ فاطر سناؤ، خدا نے اس کو ایک حرف بھی یاد نہ دلایا پھر شیخ نے نرم آواز لیکن تسخر کے انداز میں فرمایا تمہارا وہ حصہ تم ہمیشہ قرآن یاد کرتے رہے ہو، اچھا سورہ یسین پڑھو۔ خدا نے اس کو اس حدوت کی پہلی آیتیں تو یاد دلایں مگر اس کو زبان رکے بغیر یاد نہ کالسا بے شک ہوئے بغیر یاد نہ اسے عجیب طرح کی لکھی سی آیت لگی جس کے بعد اس کے چہرے پر ہنسنا پیدا ہوئے چنگے لگائے شیخ نے جیسے نرم آواز میں فرمایا کہ ہاں اس دن لایا جوتیاں بھول جانے کی کوشش کرو۔ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ تم نے اپنی جوتیاں میں اچھے خاتون کر دیں جو قرآن کو ضائع کر دیا۔ لیکن میں تمہارے یہاں ہی کے ساتھ دوسرے طریقے سے پیش آؤں گا۔

ہمارا دوست برسوں سے سر جھکاتے ہوئے نہایت پریشان حال اور کمزور تھا، ہر وقت غصے میں بیٹھ گیا وہ کہہ رہا تھا کہ میں تم قسم کے کھانے رکھ جانتے تھے خدا کا میں کہہ رہا تھا کہ اس کے ایک گوشے میں لکھری لکھ کر کتبہ تھا جس پر اس کی ماں گوشت کا تار لٹکیا تھا اس



پیش پرچا کیسندھ تکبر کا کہنے والا ایک شخص اس شہر میں آیا جو مذمتی راستوں کا انفرصت پانچ شخص اور حیرت مگر کا حاضر پیش پہنکار و فرامیسی بون متاکریں نے غنویہ صلیغ میں طبع پائی ہے یہ بہت دکھش تھا حقوڑے ہی دونوں میں لوگ اس سے محبت کرنے لگے اپنے محروں اور جوسوں میں اسے دعوتیں دیں اس کو یہاں آتے ہوئے ابھی زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ اس بچے کے باپ اور اس شخص میں گہری دوستی ہو گئی اس شخص نے حملے میں اس جی کو اپنے پاس مقور کیا کہ وہ اس کے گھر میں ملاقات قرآن کا کوئی سورہ پڑھا کریں۔ جس کے لیے میں اس جی کو اس قریش ماہور مقرر کیے گئے یہ ایک ہی مقول اجرت تھی جو بڑے لوگ ہی دیکھتے ہیں لہذا ہمارے میاں جی بھی اس کے بہت دوست اور شاعر خواں ہو گئے۔ لیکن رمضان آ گیا۔ رمضان کی راتوں میں لوگ اس شہر کے ایک سرسبز اور وہ شخص کے مکان پر جمع ہو کر تے تھے جو تجارت پیشہ تھا۔ ہمارے میاں جی بھی اس شخص کے پاس میں ہر قرآن پڑھتے رہے۔ ہمارے میاں جی کے ساتھ یہ بچہ بھی ہوتا تھا۔ جو ان کو آرام دینے کے لیے کبھی میاں جی کی جگہ لے کر آتی سورہ پڑھو یا کرتا تھا۔ ایک ماہ کو اس بچے نے حسب عادت قرآن پڑھا جس کو ناظر صاحب نے سن لیا اور اس بچے کے باپ سے کہا کہ تمہارے لڑکے کو تجوید قرآن کیسے کی سمجھ ضرورت ہے۔ بچے نے کہا کہ وہ اب تیار ہو جانے والا ہے وہاں انہر کے کئی شیخ سے بہت جلد تجوید سیکھ لے گا۔ ناظر صاحب نے کہا کہ حضرت کے ساتھ میں بھی اسکو قرآن تجوید پڑھا سکتا ہوں۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ وہ لڑکا ایک گھنڈا اس کے لیے خاص کر دوں اور اسے اسلئے ہی لکھ کر دوں۔ لوگوں نے کہا کہ طرح پرش پینے والا اور فرامیسی بونے والا قرآن کا حفظ اور قرأتوں کی روایت کس طرح کر سکتا ہے۔ ناظر صاحب نے جواب دیا کہ میں بھی انہری ہوں پہلے مدت تک دینی علوم کی تحصیل کرتا رہا پھر مدرسوں میں گیا اور مدرسہ فنون و صنائع میں تعلیم پائی۔ لوگوں نے کچھ پڑھنے کی فرمائش کی تو اس نے جوتے اتار دیے اور چار نا نو مجتہد کرسورہ ہود کو ایسی عمر کی سے پڑھا کہ انہوں نے ایسی قرآن سمجھ بھی نہیں سنی تھی۔ لوگوں نے جو اس کی نادوی اور جرح صحت اس شخص کی برائی وہ بیان سے باہر ہے۔ ہمارے میاں جی کے دل کو اس کی جو حرمت لگی اور جو غصہ کیا کھنڈ پڑھو۔ میاں جی کی کہد سات بیٹی کئی، جیسے اس پر چلی مگر پڑی ہو۔ شیخ نے صبح کو اپنے بچے کو یہ حکم دیا کہ وہ دھنا نہ ناظر کے گھر چلا جائے۔

کہا یہ بچہ اس گھر کی آمد و رفت سے خوش تھا کہ یہ لکھ کر وہ ناظر صاحب کو بہت پسند کرتا تھا اس لیے کہ اس کو تجوید کے ساتھ قرآن کا اچھی طرح پڑھنے کا ملحق ہو گیا تھا اس سال کے پہلے دو مہینوں تک اس کی بات بھی لکھ کر بعد میں ناظر کے گھر کی کشش دوسری ہی چیز کے سبب سے تھی۔ ناظر صاحب شرمسٹر کے آدمی تھے مگر چالیس سے زیادہ نہیں تو چالیس کے گنگ جگہ ضرور تھے مگر انہوں نے ایک ایسی زوجہ رکھی تھی کہ وہ بھی سو سو برس سال تک بھی نہیں پہنچی تھی۔ ناظر صاحب کے اولاد نہیں تھی ان کے اتنے بڑے گھر کی آبادی میں زوجہ کی آمد اس کی نانی تھی جس کی عمر چالیس سال سے زیادہ تھی۔ ابتداً جب یہ بچہ اس گھر میں آنے لگا تو وہ وہاں جا تا اور وہاں جتا مگر اس ناظر صاحب کے کوئی دھماکا طرف توجہ نہ کرنا جیسے جیسے آمد و رفت بڑھتی تو جو ان کی بھی اس سے باتیں کرنے لگی وہ اس بچے کے پاس میں پڑھ کر کہ۔ اس زوجہ ان عورت اندھے میں ایک مصوم سی دوستی ہو گئی اس کا شیخ کہ وہ عارضی میں اور تلب پر خوشگوار تھا اس نے بچا کو روایتی دیکھ کر گزرتی تھی مگر عرصہ صاحب ان سب سے بالکل بے خبر تھے۔ ناظر صاحب کے گھر بچہ نذر وقت سے پہلے ہانے لگا اور اس کی سے گھر کی دیکھ کر بتا کر کہنے کا موقع مل جاتے۔ یہ لڑکی بھی اس کی آمد کا انتظار کرتی تھی جیسے ہی وہ آتا ہے میں لے جاتی خود جیتا تھی دماغ سے بھی پہلے اس جیتا تھی۔ بالکل شرم عورتیں اس گھٹنے بہت جلد کھیل کود کی شکل اختیار کر لی جیسے عورتوں کے کھیل ہوا

کے لیے بیس دس سے کہیں زیادہ سنگ کیل ڈیڑھ اپنی پہلکوں تھا۔ بچے نے یہ سارا قصہ اپنی ماں سے بیان کیا تو وہ اپنی واپس بڑے کچھ ترس کے کلاس بچے کو بہن کو مخاطب کر کے کہنے لگا کسی بچی ایک عمر سیدہ آدمی سے زیادہ دی گئی ہے یہاں تو تروہ کی کوڑا تھی ہے نہ اس کا کوئی پونہ نہ ہے اس لیے کیل کو کوڑا تو نہ ملے سے اس کا دل اس رتبہ ہے۔ اس دن سے اس بچے کی ماں نے اس کوئی سے مصافحت کی کوڑا کی کہ اس کو اپنے گھرانے کی دھوت دی پھر تو یہ بڑی اکثر اس کے پاس آنے جانے لگی۔

میری بیوقوف خیانت سیدھی سادی صحت دل اندھا کیلئے روح جو تہا دی کرکائی نواں سال ہے اس عمر کے بچے اپنے ماں باپ پر فخر کرتے ہیں اور انہیں ماہی زنگ کا اعلیٰ نرود قرار دیتے ہیں۔ اور یہ جانتے ہیں کہ میر جیسے خود بھی ماں باپ جیسے ہو جائیں وہ کھیل کر دیں اپنے ہم سنوں سے باتیں کر کے یہ کہنے، ماں باپ پر فخر کرنے کی بجائے یہ بات ہے ناہیا تم کہ نہیں سو متی کہ تہا دی باپ بہترین آدمی اور نہایت محروم شخص ہے کیا تم نہیں جانتیں کہ تہا دی باپ اپنے بچوں میں بھی سب سے اچھا اور خیرین بچہ تھا۔ کیا تم نہیں پہنچتے کہ تم بھی ویسی ہی فخری ہو کہ میر جیسے تہا دی باپ اپنے عمر کے اٹھویں سال میں بہر کافا تھا۔ تہا دی باپ تہا سے اپنے بیٹے کیلئے اخلاص سے تاکہ تمہیں اپنے آپ کے بچوں کی ہی فخری ہو کہ تہا سے لے کر میر جیسے تہا دی باپ کے گور میں بیٹھی ہوئی تھیں اور وہ تم سے شاہ ادیب کا قہقہہ بیان کر رہا تھا کہ شاہ ادیب کی آنکھیں جلنے کے بعد جب وہ محل سے نکلا تو اسے مانند سجائی نہ دیتا تھا اس کی بیٹی آگے بڑھی اور اسے رات بتانے لگی۔ میں نے دیکھا کہ انہی انہی تو یہ کہانی تم کو بھی خوشی ملتی رہی پھر تہا دی رنگ بتدریج بدلتا گیا اور تہا دی پیشانی پر گنگنیز پڑنے لگیں۔ تہا سے چہرے پر تبدیلی برپا ہوتی گئی آخر تم چہرے چھٹ کر رہ گئے۔ تم اپنے باپ پر کرتی رہی اور اس کی کوہت پٹ کر پڑا کر نہ گئیں آخر تہا دی میں آگئیں اور اجاہو لے نہ تم کہ تہا دی سے باپ کے سینے سے الگ کیا تم شخص اس لیے روئیں کہ تہا دی باپ بھی شاہ ادیب کی طرح اندھا تھا مگر میں تہا دی سے باپ کی زندگی اور اس کے طوطا طوطوں کے بارے میں وہ باتیں بھی جانتا ہوں جن سے نہ تہا سے دل کو کوئی رنجے پہنچے گا نہ وہ تم کو کسی کھیل معلوم ہو گا۔

میری اس سے جب شناسائی ہوئی تو اس کی عمر کا تیرہ حوال سال تھا۔ وہ قابرہ بھی گیا تاکہ انہر کے علمی دوستوں میں جایا کرے اس وقت اس بچے کی کوشش اور عمل بے شک دیکھنے کی چیز تھی۔ وہ وہاں تھا، اس کے چہرے کا رنگ سہرا ہوا تھا وہ حلال اور خوش حالی نسبت الہام سے زیادہ قریب تھا۔ ایک آنکھ تو اس کی گندی جا، علامہ جس کی سفیدی گہری سیاہی سے چل گئی تھی، اور تیس جو عبا کے نیچے سے دکھائی دیتی تھی اور جس پر کھانا گر جانے کی وجہ سے بیت سے وجہ پڑ گئے تھے اور پیر زندگی ہوئی جو تیروں کو نہایت حماقت سے دیکھتے تھے مگر وہی آنکھ یہ دیکھ کر مسکرا بھی دیتی تھی کہ وہ اس تقیم حالت میں اور نہایتا جو نے کے باوجود کشادہ دل ہے خندہ بھی ہے۔ وہ ہم کلاس اپنے رہبر کے ساتھ ازہر کی طرف چلا جا رہا ہے۔ نہ اس کے قدم ٹٹکراتے ہیں، نہ چال بگڑتی ہے نہ اس کے چہرے سے وہ تاریکی ظاہر ہوتی ہے جو عموماً ناپائیداروں کے چہرے سے چمکتی کرتی۔ وہ ان آنکھوں کو حقیر دکھائی دے گا مگر یہی آنکھیں مسکرائیں گی اور اس کے ساتھ نرمی سے پیش آئیں گی جب وہ لکھیں گی کہ وہ عقلمند اس میں شیخ کی گفتگو بہتہ گوش ہو کر رہا ہے۔ اس کے ارد گرد وہ بچے کھینچے میں مگر اسے کھیل سے رغبت نہیں ہوتی۔ میری بچی جب میں نے اسے جانتا تو اس کی زندگی کا یہ طریقہ کار تھا اور میں جانتا ہوں کہ تم بھی اس کا ایسے ہی پہچان لو۔ پھر تیس اس فرق کا اندازہ ہو جائے گا جو تم میں اور اس میں ہے مگر تم تو اب اپنی عمر کے نوں سال میں ہو۔ تیس تو سنی

زندگی قسمت و راجت معلوم ہوتی ہے۔ میں نے جب اس کو پہچانا ہے وہ اپنے دن، ہفتے اور برس مرث ایک ہی قسم کا کھانا کھاتا تھا صبح و شام دونوں وقت۔ مگر اس نے کبھی شکایت نہیں کی۔ میری جیبتی، مگر تم کو یہ کھانا ایک دن بھی ملے تو تباہی ماں کو تم پر ترس آنے لگے گا وہ معدنی پانی سے کر دیتی گی اور مذاکرہ متخلد کریں گی۔

تباہی باپ بنتوں اور بیٹیوں انہر بھی کی مدھیوں پر دن بسر کرتا رہا۔ اس میں ہر قسم کا کھانا کچا ہوتا ہے۔ رنگ برنگے پتھر ہوتے ہیں بھانست بھانست کے کپڑے مکڑے بچتے ہیں۔ تباہی سے باپ نے بنتوں اور بیٹیوں ایسے گزارے کہ اس روٹی کو سیاہ شہدیں ڈبو ڈبو کھاتی تھیں جانتیں کیا وہ شہد کیا بھانستے تباہی سے پیسے اس کا ذخیرہ ہی بہتر ہے!

اس طرح تباہی باپ زندگی اور میں کی کوششوں میں سکر اتار ہا رہا ایسا محروم میں کو اپنی محرومی کی خبر نہ تھی یہاں تک کہ وہ تعلیمی خاتم ہو گیا اور وہ اپنے دھرم کے پاس واپس گیا۔ بہنوں نے پوچھا وہ کیسا تھا ہے وہ کسی زندگی بسر کرتا رہا ہے تو وہ ان کے سامنے ایسی ہی چھوٹی باتیں بنانے لگا جیسے تھکے وہ تلبیں بھلانے کو ترشاکرتا ہے وہ ان کے سامنے اپنی زندگی کو اس طرح پیش کرتا جیسے وہ بڑی خوش حالی اور کشادہ دہشی کی زندگی ہو مگر میں اس لیے نہیں کہ اسے جھوٹ پسند تھا بلکہ وہ اپنے بزرگوں کو اطمینان دلانا چاہتا تھا اور اپنی محرومی سے ان کو آگاہ نہیں کرنا چاہتا تھا اس کو اپنے اذہری بھائی کو بھی خیال تھا اس بچے کو یہ پسند تھا کہ اس کے دائرہ میں کو یہ معلوم ہو جائے کہ وہ اس کو چھوڑ کر تھوڑا اور دھند خود ہی اڑا جاتا ہے جب تباہی باپ عمر کے تیرہویں سال میں تھا تو یہ اس کی زندگی تھی!

اگر تم مجھ سے یہ سوال کرو کہ پھر وہ اس مرتبے تک کیسے پہنچ گیا اس کی صورت بڑوں میں ایسی مقبول کیسے ہو گئی کہ کوئی آنکھ اس کو جھٹکے سے نہیں دیکھتی تھے یہ قسمت کیسے ہوئی کہ تباہی سے لیے اور تباہی سے بھائیوں کے لیے ایسی عمدہ زندگی فراہم کر دے جواب نہیں حاصل ہے یہ کیسے ہو گا وہ بہت سے لوگوں کا مسودہ بن جائے وہ کتنے ہی لوگوں میں مقبول بن جائے۔ میں اس کا جواب نہیں دے سکتا ہاں ایک شخص ہے جو تباہی سے اس سوال کا جواب دے سکتا ہے۔

کیا تم اسے پہچانتی ہو؟ دیکھو یہ ہے وہ فرشتہ۔ جب شام ہوتی ہے تو یہی فرشتہ تباہی سے لیے ہنسنے کی فکر کرتا ہے تاکہ تم سکون اور خوشی کے ساتھ نیند کا استقبال کرو۔ اور صبح کو وہ تباہی سہری پر جھک جاتا ہے تاکہ تم خوش خوشی دن کا سواگت کرو۔ اس فرشتے کی بدولت نہیں دن کا سکھ اور رات کا چین تیرے کیا تم اس فرشتے کا احسان نہیں مانتیں؟ — میری بیٹی ہی فرشتہ تباہی سے باپ پر بھی نہ بیان ہو گیا تو اس کی کھیلوں کو راحت سے اس کی یاس کو اس سے اس کی مٹا جی کو تو گری سے اور بدبختی کو خوشی سے بدل ڈالا۔ جتنی تم اس فرشتے کی مرہون احسان ہو تباہی باپ سمجھا اس سے کچھ کم نہیں ہے۔

۲

بچہ اپنے شکانے کے گرد و پیش کے متعلق بس اس سے زیادہ نہیں جانتا تھا اس کا دوسرا کام مگر وہ اذہر کے راتے پر چلنا تھا جب وہ چلتے ہے باہر نکلتا تو بائیں طرف وہ اپنے چہرے پر قبوے کی گرمی محسوس کرتا اور دایہ جانب خد خد مار مارنے کی آواز آنی پھر وہ آگے اور ایک دکان کی طرف بڑھتا اس دکان کا اس کی زندگی پر بہت گہرا اثر ہے۔ یہ ماہی فروش کی دکان تھی جو وہاں بسے والوں کے ہاتھ کھانے





چاند کا جو قصہ کسی لیے اس کا نام چھاپا ہی نہ رہا یعنی چاند لفظوں پر ڈال دیا تھا چاہے جو کسی اور بدترین باتوں کو بدترین لفظوں میں پیش کرنے کے واسطے تھے اس کے باوجود یہ نوجوان اس سے محبت کرتے تھے۔ ایک روز جماعت کے افراد کو شیخ کی خبر مرگ پہنچی اور یہ بھی ایک معتبر فدیے سے معلوم ہوا کہ شیخ نے عالم تر ج میں آخری الفاظ چھاپا نہی زبان سے نکلے وہ اس بچے کے بھائی کے بیٹے و عاضی۔ حاجی علی چچا پر خرا رحم کرے ان کی ذات اگرچہ بچے پر بار خاطر تھی مگر ان کے بعد ان کی والدہ اس کے دل کو رحم اور بے قراری سے بھر دیتی ہے۔

یہ نوجوان اپنی خوشی اور مسرت میں تھا اس بڑھے سے مرو نہیں جیتے تھے بلکہ بعض وقت ان کی خوشی اور مسرت کا ایک دوسرا ذریعہ بھی تھا لیکن ان کی خوشی مستقل بعد یہ مسرت گھٹتا ہوتی جب وہ ان کو دوسرے ذریعے سے حاصل ہوتی تھی۔ وہ اس سے ایک محدود مسرت حاصل کرتے مگر یہ ایسی خوشی ہوتی تھی جو گویا ہمیشہ ہوتی تھی یعنی جب یہ لوگ اپنے اس سانس سے ملتے تھے تو اس منزل کی سیدھی جانب آخری کمرے میں رہتا تھا۔ جس منزل کے بیان میں طرف حاجی چچا رہتے تھے۔ یہ ایک ادھیر عمر کا آدمی تھا جس کی عمر ۵۰۔۵۵ کے دو بیان ہوگی یہ شخص لذت پسند تھا بلکہ اس میں دبا ہوا تھا اپنی لذتوں کی داستان بیان کرنا کر بہتہ پسند تھا اسے ان کے بیان میں اصل لذت سے زیادہ لطف ملتا وہ اپنی ان لذتوں کو بھی بیان کرتا تھا جس کو لپٹا ہی خانہ سے تخلیق میں حاصل ہوتی تھیں اور ان کی جائز تفصیل بھی بیان کرتا۔ جس کے دوران اس کی مادر نہی سے وقفہ نہ جاتا تھا۔

وہ سرگرم اور محول میں دوڑتے ہوئے لذتوں کا بیان کرتا اور جب خود کسی منزل میں رہتا اور ہوا کو سونگھتا یا بچے کی منزل پر نظر ڈالتا یا کسی عورت کو دیکھ پاتا تو اس کی پوری اور حقیقی تفصیل مزے لے لے کر بیان کرتا۔ اپنے خیال میں اس کے پڑے تار دیتا۔ یہ شخص کسی عورت کو کام لوگوں کی طرح دیکھ کر عاجز نہ ہوتا بلکہ وہاں پر کچھ دیکھتا بلکہ محض فحش دران، کبک بکھارتا۔ دبی نیلی عورت اس کی نظریں کوئی چیز نہیں مگر بھر پور عورت وہ۔ موتی تازی بی کی کہتا تھا جس کے احسنہ گوشت اور چربی سے بھرے ہوئے ہیں ایسی بھر پور عورتوں کو وہ کبھی تکیہ سے تشبیہ دیتا کبھی تو شک سے۔

اپنے قریب کی تائید میں وہ کعب بن زحیر صاحب قصیدہ بابت سعادت کی اس بیت سے دلیل پیش کرتا۔

هَيْفَا مَقْبِلَتِي هَجَزَاءُ مَيِّسِرَةٍ

لَا يَشْبَعُنِي قَصْرُ مَنْهَارٍ لَا طَوْلَ لِي

یعنی جب وہ سانسے آتی ہے تو یہی چکی کر دالی ہے اور جب پیشی ہے تو ہماری سرینوں والی نظر آتی ہے اس سے نہ تو بہت کامی کو شکایت ہے نہ دوا دنی قدر کو۔ یعنی ستر سداور تناسب جسم والی ہے اور اپنے دوستوں سے کہا کرتا تھا کیا آپ لوگ اس پر طعنے نہیں فرماتے کوئی عوامی مجمع کیے منت بیان کرتے کہ جب وہ سانسے آتی ہے تو قہقہہ اٹھاتی کر دالی ہے یہاں تک کہ اس کا امر معلوم ہوا۔ رائے معلوم ہو گئی اس کے بعد شاعر کہتا ہے کہ جب یہ بھٹی ہے تو ہماری سرین والی معلوم ہوتی ہے۔ اس طرح نئی نئی تفصیلات بیان کرتا۔ وہ خوب ہنستا تملکان باتوں سے نوجوانوں کا مزہ بنانا چاہتا تھا اور ہر آئین کے دل نہیں بوجھا تھا خصوصاً وہ نوجوان جوانانوں سے محروم ہی ان پر کون سی چیز ان باتوں سے زیادہ اثر انداز ہوتی ہے۔

یہ بچہ سون کے سہارے کلا بر لب چاہا یہی باتیں سننا تھا۔ اور دل میں سوچا کہ لگان لوگوں کو یہ معلوم ہر جائے کو ایک کم سن بچہ پان

ایسی باتیں کہ جو ہم کو اپنے آپ کو بچوں کے اگے ایسی باتیں بگڑا کر دیے۔

یہ شخص کا خطاب اپنے گاؤں کو جاتا تو اس پر عرصہ پہلے کی رحمن سوار ہوتی۔ انکی طلب علم اور دے جے کا انتظار بھی اس نے اور دستان کے من جمل ایک دینہ خدایا، کہو کہ اس کے مقابلہ میں سے یہ ایک متعجب تھا کہ جب وہ دے پہلے کی کوشش کرتا تو اس کی کوشش میں کو تھکا دیتی تھی اور اس وقت اس کا خطاب علم ہی سے ماحصل حاصل کرتا تھا جب وہ نیت سے بہرہ ور نہ ہونے کی طلب میں تباہ ہو جاتا۔

بائیک کہ اس سے فائدہ اٹھانے کا شروع اس کی لافری بہائی تھی وہ اپنے کھانے کو باہر لے جاتا اور اپنے کمرے میں بیٹھ کر سونا ساندہ اور جماعت کے متعلق سوچتا۔ مگر ان سب باتوں کے ساتھ وہ پتھر مومن میں بھی جب غریب سونیا نہ بیٹھتا تھے تو کبھی اس پران کا خطاب ہو جاتا تو ان کے اثر سے اس کے یہ سب عادات و اطوار بدل جاتے اور وہ بائیک کی مانند پشیم پور بن جاتا اور اپنی

سختی پر ہاشے کرنا دے جو کہ پاس کی حلیف تھا نہ ان پر فرض قرار دے لیتا۔

اس شخص کا ایک مذہبی خسرے کی بہت سی اختلاف ہو گیا تو اس نے اپنی کھجری کو چھڑ دیا۔ ہوا سے یہ جو بھی کتا بارہ کے  
اشددوں میں سے اپنے پیچے کوئی بل لیا تلاش کرے اور شہر کے کسی مہذب خاندان میں رہتے جوڑے وہ اپنے دوستوں سے نہایت تفصیل کے  
ساتھ اس موضوع پر گفتگو کرے تاکہ شہر اور گاؤں کی عورتوں میں کیا فرق ہوتا ہے لیکن ایک دن ایسا ہو گیا کہ اس نے سال دولت شہر کی عورتوں  
درومائی عورتوں سب سے من پھر لیا کیونکہ اس نے محسوس کیا کہ وہ امتحان میں شریک ہو تو قسمت ہامدی کرے گی۔

وہ صبح کو صبح استغفار کے سامنے گیا۔ اسے اس سال سوم میں کامیابی نصیب ہوگئی موسم گرما میں اس کے دوست اس سے جدا ہو گئے تھے جب وہ موسمِ حریر میں ملے تو اس شخص نے پھر وہ چہرہ دیا تھا۔ اسی انداز کی نیکیں بھی کر لی تھیں اس نے شہر کے ایک غلام میں شہر کا کرلی تھی ایک اس پر صوفیت کا لہجہ اور اس نے سوچا کچھ دنوں کے لیے مسجد میں رکھتے جو جاتے جب وہ خلوت سے رہتا تھا تو نہایت دلچسپ انداز میں تھا جب وہ اپنی بی بی کے پاس آیا تو بی بی نے اسے نہ پہچانا نہ شہر اس کی مراد اٹھی کا فرق نکلیا۔ اب اس کی عزت دست و پانہ دے دے چہرہ جگہ پڑی وہ صبح کو نکلا اور ایک کھانے کی دکان پر پہنچا یہاں اس نے لویا، انڈین، پیاز، روٹی سمیٹ کر کھائی اور اوپر سے چائے پی اور پھر وہ چیز بھی جس کی طرف لوگ اشارہ کرتے تھے مگر اس کا نام نہ پڑتا تھا۔ پھر اس جو خوش و خروش سے بھر ابرو اپنی اہلیہ کے پاس پہنچا اس نے اب بھی اس کی عزت سے انکار کیا اور اس سے کدہ کشی کرنے لگی۔ عزت ہریں جا رسید کر ایک دفعہ وہ کڑکی میں سے کود کر اٹھ کر کمرے میں داخل ہوتا چاہتا تھا مگر گھروالوں نے اس حرکت سے باز رکھا اور اسے باز نہ دیا۔ وہ یہ ایک دیر اور جہنگلیا۔

۱۰ چودہ آواز میں جو تاج ایک رات کو عشاء کی نماز کے وقت سنائی دے۔ جماعتی اور میں جملہ پر سب نوجوان طلبہ کاں گھٹائے ہوئے تھے۔ یہ آواز اس شخص کی تھی جس پر راجی کا لقب تھا۔ وہ زبان بکرہ داشتہ۔ ۱۰ سے دماغی امراض کے شفا خانے میں بیجا دیگید اس شفا خانے سے نکلتا تو اس کی حالت ماضی جیسا کہ تھی اس کی تو از پیچھے سے زیادہ بہت تھی اس کی در کتبہ نبایت و عیسیٰ اللہ بنسی موتوف ہو گئی تھی اس کا چہرہ اب گہرا گہرا جس سے عشاء اس کے ملائیں اس شخص کی طرف سے ایک محبوبہ طرح کا خوف محسوس ہوتا تھا اس پر ترس جاتا تھا۔ ایک روز کسی مجروحینہ والے نے خبر دیا کہ وہ مر گیا۔ ۱۰

اس بچے کا عمر بڑی ہوئے خدا اس کا سینہ کھلتا کر یہ اس نے باغشت کا سب سے بڑا شاعر و عارف شیخ نے بغیر کسی اس شہید مجاہد کی

شعر میں لکڑی پر لکھنے کے ساتھ ساتھ دے لکھے سے ایک مقام پر ہے تلمیذ کی تشریح الطول، المقعر، الاطول اور دوسری تشریح میں اس جملے کے معنی بہت کچھ لکھ دیے ہیں۔ حالانکہ یہ جملہ نہایت صاف اور واضح ہے نہ اس میں معنی کے کوئی باریک بات۔ یہ شیخ بھی جامعہ ازہر کے دوسرے شیوخ کی طرح اس کی تفسیر میں طویل تقریر کرنے لگا اور اس میں یہ سب زور دیا کہ اس کی آواز بیچ گئی اور پیشانی پر پسینہ آگیا، لڑکا جھڑپ لہے اور استادوں سے بحث کیا کرتا تھا اس طرح اس نے شیخ کی بعض باتوں پر شبہات پیش کیے شیخ نے انہیں زنا پھر اس بچے نے ایسا اعتراض کیا کہ شیخ لاجواب ہو گئے اور کہنے لگے امیرے بیٹے تو اس سبق کو چھوڑ دو تم لے اچھی طرح نہیں پڑھ سکتے۔ تم صرف انہیں چٹکوں کو اچھی طرح پڑھ سکتے ہو نہیں تم چاشت کے وقت پڑھتے جاتے ہو۔ دامن فرہم، نہ تو تم اس کے لیے پیدا ہوئے ہو زود تہا رہے لیے۔ یہ کہہ کر شیخ بھی ہنسنا شروع کر دیے اور اس جملے پر چٹکوں کا شیخ نے طنز دیا تھا وہ ادب کے سبق تھے اور خاص کر المیز کی کتاب الکامل بس اسی وقت سے یہ شیخ اس بچے کی نظروں سے لڑ گیا۔

بہتر یہی ہے کہ اب ہم اس منزل اور اس کے رہنے والوں کے بیان کی طرف چلیں جہاں یہ بچہ مقیم تھا۔ اس منزل میں ایک شخص رہتا تھا کہ کسی خاص کمرے یا مقعدہ جگہ پر نہیں۔ یہ خود ملاقات کو آپاکن تھا وہ ملاقات کرنے تھا کبھی نہ آتا تھا بلکہ اس کے ساتھ ایک ملازم ہوتا تھا۔ وہ ملازم کو ماہری نیند کے وقت مٹنے آتا تھا۔ اس کی ملاقات کا آغاز سچا مگر انجام تلخ ہوتا تھا یہ جن لوگوں سے ملتی انہیں تکلیف اور مصیبت میں مبتلا کر دیتی بعض وقت ان کی جانوں کو بھی دکھ پہنچاتی ان کے علم و جسم کے لیے نقصان دہ ہوتی۔ یہ شخص ابوطرود کے نام سے مشہور تھا۔ دوسری سستی اسی شیطان کی ہوتی جو ان میں سے کسی فرعون کے پاس وارد ہوتا، اور یہ سستی جب داپس ہوتی تو اس وقت خون زدہ اپنے دے گناہ گار اور دماغ دہ نوجوان کو جین ملتا۔ وہ بوجہ وقت کا منتظر رہتا کہ اپنے بستر سے اٹھے اور طہارت کر کے صبح کے سبق میں شریک ہو۔ موسم گرما میں تو یہ آسان اور قابل برداشت تھا لیکن چار سے گزرتوں میں اگر ابوطرود کسی کے پاس آتا تو یہ طہارت سخت اذیت ناک بن جاتی تھی کیونکہ اس وقت اس نوجوان کو گرم پانی کرنے کا وقت بھی نہیں ملتا تھا۔ ازہر کا جانا بھی مزدوری اور فخر کا سبق سننا بھی نفس اور بدن کا پاک ہونا بھی۔ لہذا وہ نوجوان اپنے جسم پر جلدی جلدی مٹھاپائی اڑھیتا۔

ابوطرود اس منزل کے بھائی تھے کہ نہ چہنہ میں چھپ کر کھڑا ہو جاتا اور جب طلبہ اپنی کتابوں کو پڑھ کر داپس ہوتے تو یہ ان کی طرف جھپٹا اور ان کے کمرے میں داخل ہو جاتا ان سے گفتگو کرتا اور ان کے برے خیالات کو نشہ دیتا، جب وہ اپنے بستر پر بیٹھا ہوتا تو ابوطرود ان میں سے پناہ نکالنا تھا کہ اس سے اپنے ناما مزاد پر مصیبت طاقات کرتا۔

بعض وقت ابوطرود ستر میز کے بائیں حصے کی طرف چھپ جاتا یہاں تک کہ وہ جہان عورت جو اس کے ساتھ ہوتی نیچے کے درجے سے اوپر کی طرف چڑھ جاتی اور کسی طالب علم کے دھوئے ہوئے کپڑے اس کے پاس لے جاتی۔ ابوطرود اس کا مزاحم ہوتا اور اس کے ساتھ ایسے چلتا کہ خود کسی کو دکھانے سے وہ جہان عورت بھی کسی طالب علم کے پاس جانے بھی نہ پاتی کہ ابوجہرور کی اس سے نظریں چارہ جوتیں اس عورت کی زبان سے کوئی کلمہ نہ کہہ سکتا، اور استادوں میں کچھ سمجھوتہ ہو جاتا۔

اس طرح اس مذہبی منزل کے اندازہ زہر کے طلبہ کا زندگی نہ تو بالکل پاک و صاف تھی نہ پوری طرح علمی و ذہنی تھی ان طلبہ کے درمیان

اس بچے کو نہ کہ کچھ خاص علم ہی دیا گیا تھا۔ یہ بچہ بھی ان لوگوں کی باتوں کو نہ سمجھتا تھا جو اس کے سامنے آتی تھیں۔  
اب اس بچے کی عمر وہ تھی کہ یہ بہت بڑی تبدیلی ہو کر اس نے اپنے کمرے کا پہلا کچھ چھوڑ دیا وہاں ایک ہائی چائے پکانا بستر بھی تھا  
وہ اپنے سامان زبردستی گزرتا تھا اس کے احوالہ جراثیم میں جو مسجد میں بھی تھے بعض بچوں کی شرکت کے لیے کیا جا رہا تھا۔  
ایک مگر یہ بچہ اپنے گھر جانا نہیں چاہتا بلکہ قہر و عجز سے چاہتا تھا کہ اس کے جانے کی خواہش میں چاہے وہ بدبخت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ  
ہے اس لیے کہ وہ قہر و عجز سے محبت کرتا ہے۔ اس کی بدولت اس پر شائد ہے اس کا شہرہ کہ اس کا بھائی ایک کافر تھا جس کا جو بھی گزرا اس کا  
تو اس پر اس کا کلامان بہت ترانہ نکالا کہ وہ مرگ محنت اور کھن کی نفاذ سمجھتے تھے۔ اس بچے کا بھائی وہ تھا کہ وہ بھی دیکھ کر اس کا  
بھائی تھا کہ ہے۔

وہ کھڑی میں اپنے دوست کے ساتھ سڑ بڑھاتا ہے۔ یا دونوں تیسرے درجے کے ایک دینے ڈبے میں غرض دینے جاتے ہیں جس  
میں بہت لوگ بھرے ہوتے ہیں گاڑی بھی غرضی ہو گئی ہے کہ دونوں دوست اپنے اہل اپنے قہر و عجز کو بھول گئے ان دونوں کو  
ایک ہی پیر یعنی اپنے گاڑی کی پار اٹے تھے۔

اس کے بعد جب گھر آئے ہیں تو زندگی اس طرح گزرنے لگی جیسی قہر و عجز سے پہلے گزرا کرتی تھی گویا یہ کبھی قہر و عجز ہی نہیں تھا  
کی صحبت میں بیٹھا ہی نہیں۔ گویا اس نے لفظ، فکر، منطق، اور حدیث کے سبق کبھی پڑھے ہی نہیں!

یہ ایک بچہ کی طرح ہے جن پر ہمارا کارہ میاں کی سے ملے اور ان کو ادب سے سلام کہے ان کے ہاتھ پر سے اور ان کی نظری  
و ظریف نظر نہ۔ اسے اسے اسباق ہوتا کہ کبھی کتب جا کر اسے اور ہاں کے طلبہ پہلے ہی کی طرح اس سبکیں، جو تقریباً اس سے آراستہ  
ہیں کہ ان کے دہلیان سے غائب ہو گئی تھیں اور اس نے ہر ایک تعلیمی سال قہر و عجز میں گزارا ہے۔

ان سب باتوں سے بڑھ کر یہ کہ جس کے لوگوں میں سے کوئی بھی اس بچے کی واپس کے بعد اس کو سلام کو نہ پہنچایا۔ حالانکہ وہ  
تعلیمی سال وہاں گزار چکا ہے۔

اس بچے کے ہی میں یہ نتیجہ نکلی کہ قہر و عجز سے پہلے اس کی جو حالت تھی ویسی ہی اب بھی ہے ان لوگوں کی نظر میں اس کی کوئی حیثیت  
نہیں۔ نہ ان کی توجہ کا مستحق نہ ہو۔ لوگ اس کے متعلق کوئی سوال کرتے ہیں اس سے اس کے غرور کو تحقیر پہنچا اس کی خاموشی زیادہ  
ہر گھنہار و سب سے ملگ تھک دینے لگا۔

لیکن اس نے اپنے خاندان اور اپنی ہی یہ دن پر نہیں گزرا اسے بلکہ اسی ترکیب بحال کر اس نے اپنے متعلق لوگوں کی رائے بدل دی  
اور انہیں اپنی طرف متوجہ کر دیا۔ وہ دہلیان سے دھمکی کا رو دو گرائی تھی۔ یہ ایک وہاں ہاتھوں سے انکار کر دیتا ہے جس سے فوس  
مقابلہ میں اسے غلبہ اسے حریف تھا اس سے کتنی کر سکتا ہے۔ پہلے ہی تو اس معاملے میں چاہتا تھا کہ اس نے لوگوں کی مخالفت کا سامنا کرنا  
محسوس کیا تو اس نے بھی محض اس کے سامنے اور مخالفت میں غور نہ کیا۔ اس نے ہمارے ہمیں ہی کر سکا کہ وہ علم و دین کے ہمارے ہی  
اس بچے کی والدہ کو کچھ حدیثیں سہجے ہیں اور کچھ لفظان بیان کر رہے ہیں جو قرآن کے مانعوں کے بارے میں ہیں تو اس نے یہاں ہی  
کہنا کہ وہ دینے کو سرزد کر دیا بلکہ یہ فضول بات ہے: ہمارے یہاں جو شخص جو آگے اور کبار اس نے قہر و عجز میں اس کو پہنچایا

سکھ اور اچھی تربیت کی محنت کو ضائع کر دیا۔

اس کی ہل سی تھی میں نے بھی اس سے جھڑک دیا۔ غضب یہ تھا کہ مجھے دوست نے اپنا والد کو دلائل الخیرات پڑھتے ہوئے سنا ہے وہ ہمیشہ صبح کی صبح کے نماز کے بعد پڑھ کر تے تھے۔ اس نے اپنا سر ہلایا، جھنسا اور اپنے بھائیوں سے کہا کہ دلائل پڑھنا بے کار کام ہے اس سے کچھ فائدہ نہیں۔

اس کے چھوٹے جہانی بیٹوں نے تو کچھ نہ سمجھ سگئے کہ ان کے باپ نے جبر کا شیخ نے اس کو اور ان کو سن کر کیا انہوں نے پڑھا تو قوف نہیں کیا، وہ بپا کر گیا ہر اس بچے کی طرف جمیدگی سے مسکراتے ہوئے توجہ ہوئے اور اس سے پوچھا "کیا کہہ رہے تھے؟ بچے نے اپنی بات دہرائی شیخ نے پہلے جیسے جو حقیقت سے دیکھا اور کہا کیا تم نے ازبر میں یہی تعلیم حاصل کی ہے۔ اس بچے کو بھی غصہ آ گیا اس نے کہا "جی ہاں" اور ازبر میں میں نے یہ علم بھی حاصل کیا ہے کہ آپ اس کتاب میں جو کچھ پڑھتے ہیں اس کا اکثر حصہ حرام اور لعنت رسال ہے۔ اس سے کوئی فائدہ نہیں یسائن کو بنیاد دالو اور واسطہ امتیاز نہیں کرتا چاہیے اور اللہ اللہ لوگوں کے درمیان حاسطہ ہوتا ہے۔ یہ بھی ایک طرح کی بت پرستی ہے؟ یہاں شیخ غصے میں آئے انہوں نے اپنا غصہ ضبط کر لیا اور ایسی بات کہی جس پر سارا گھر ہنس پڑا "گو گناہ ہو جائے خدا تیری زبان کاٹ دے" بات وہاں نہ کہنا اور میں قسم کھاتا ہوں کہ اگر آئندہ تم نے ایسی حرکت کی تو میں تم کو ازبر سے اٹھاؤں گا۔ مگر اس قسم نے ہمارے دست کی خدا اور حق تعالیٰ کی محبت میں امنائے کے سوا کچھ نہ کیا۔

سب لوگ بچے کی باتیں سنتے اور اکثر اسی باتیں جسے وہ اپنے ملام کا جی بکھرتے تھے یہ بچہ انہیں جھٹلاتا تھا۔ اولیاء کی کراستوں کا مذاق اڑاتا

انہی مد اولیاء کے توسل کو حرام کہنا، سن کر لوگ اہم نہیں سمجھتے کہ یہ بچہ گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی بہکا تا ہے یہ قاضی صاحب نے فرمایا اور وہاں شیخ محمد عبدہ

اور ان کے قاصد علیہ السلام اس نے سننے وہی سے یہ زہرے کر دیا ہے۔

بہر حال اس بچے نے اپنا مقام لیادہ اپنے گورنر تینبائی سے محلا محلے والوں اور شہر کے لوگوں کو اس نے اپنے متعلق بات چیت کرنے میں معروض کر دیا۔

اس روئے کو ہم خوبصورت حادہ اس کے علم فتنہ کے حصے سے بہتر تھا۔ اس نے نظر اور شذ و شیخ عبداللہ دوا زحمت احمد علیہ  
سے سنی۔ است و کی ذہانت، اس کی آواز کی شیرینی اور علم غریب اس کے کمال اسانچے شاعر دوں کو نونو کی شوق کرانے میں ان کی بہادری ایسی باقی  
تھیں جنہوں نے اس بچے کے دل میں شوقی محبت زیادہ پیدا کر دی۔

جو ابھی نئے سلا کی تہ میں شروع ہوئی اس نے شیخ عبداللہ دماز سے شرح ابی حقیل کی سماعت شروع کی۔ اس دوران میں استاد شاعر نے بیوقوفان میں صرف ادا پن کا کام سے خوش تھے کہ استاد کے نام حکم صادر ہوا کہ ان کا تالوا سکندریہ کے اداسے میں کر دیا گیا ہے۔ استاد نے اس بات سے کور کو کہنے کی اسکا کوشش کی کہ وہ طلبہ نہ بھی۔ مگر اقتدار اعلیٰ نے ذات کی سنی نہ شاگردوں کی۔ یہ لڑکا اس سلا کو نہیں سمجھا ہے جہاں استاد نے اپنے طلبہ کو ادا کا کہا۔ وہ فرد محبت سے مدد ہے۔ قلم استاد کی آنکھوں میں بھی آنسو تھے۔

اس طرح کا کام مقام ایک تائینا اس کو کرنا پایا۔ شخص اپنی ذکاوت اور مہارت کے لیے مشہور تھا۔ شیخ ایمانہ شیخ عبداللہ نے جہاں سے چھوڑا تھا وہاں سے سبق پڑھا تا شروع کیا۔ شیخ دواؤ کا حلقہ دس دس بہت بڑا تھا واللہ صہب کی مسجد سے قریب بھر دیا تھا

شیخ جب آئے تو اس مجلس کی دعوت اور جرح بھی ابھی اس نے اپنا جو قصہ سنایا تھا اس کی طرح نہیں دیکھا تھا اس کے بعد بدعت  
کے درمیان ایک بیانا قندیش آگیا جس نے اس لڑکے کو علم غوسے بدل کر دیا۔ شیخ نے بلا شرا کے اس شعر کا تشریح کر دیا تھا۔  
تأبیت الیٰ نہم وما حدثت الیاً

وہم وشلمنا فارتدھما دھنی تصنؤ

میں تبدیل فہم کی طرف رہیں آگیا وہ تو بے شمار دہ آئو، میں جاگ بھگا ہوا۔ ایسی کتنی ہی ہیں یہ جن میں بکا کر علیا  
اور وہ سبیاں پاتلہ گئیں)

جب وہ شاعر کے قول تعصیر پر پہنچا تو بلکہ عرب کی دعوت ہے کہ ان میں سے کسی پر کوئی سختی برپا نہ کی جائے تو اپنی نظریاں منہ  
میں نہ کر سکتی جاتے تھے۔ لڑکے نے شیخ سے کہا اس بدعت میں شاعر کے قول دی تعصیر کا مرجع کیا ہے؟ (یعنی کون سی چیز جاتی ہے)  
اور شاعر کا دوسرا قول (کم شلبا و نارتبا) کی تفسیر میں کس طرف پھر رہی ہیں؟ شیخ نے فرمایا "اے لڑکے مغز اس کا مرجع فہم ہے۔ لڑکے نے  
کہا کہ شاعر تو فہم کی طرف لوٹ آیا ہے اس شعر کے مطابق شعر کا مطلب ٹھیک نہیں ہوتا۔ کیونکہ شاعر کہتا ہے کہ میں اس سے جدا ہوا اگر قبلا  
نہ فہم مراد یا جائے تو اس سے وہ جدا کہاں ہوا ہے؟ شیخ نے فرمایا "تو بے حیا ہے تیرا بھی برتاؤ ہی اس ہے لڑکے نے کہا۔ مگر اس سے  
ضمیر کا مرجع تو نہیں معلوم ہوا۔ شیخ پڑھانے سے رک گئے اور طلبہ سے کہا تم سب چلے جاؤ جب تک بے حیا موجود ہے میں نہیں  
چھوڑ سکتا۔

تیسری سال کے آغاز میں نوجوان طلبہ ایک نیا سبق پڑھنے کے لیے بڑے جوش و شہيق کے ساتھ آئے یہ سبق ہاشت کے  
دفعہ ہوتا تھا۔ راق جاسی میں۔ یہ ادب کا سبق تھا۔ جسے سید مرتضیٰ پڑھاتے تھے۔ اس کا نام دیوان حارس تھا۔ ہمارا دوست اس نئے  
سبق کی طوط دلا اچھے جیسے شیخ مرتضیٰ کی تقریریں سنا جاتا تھا شیخ سے اس کی دلچسپی اور محبت جڑ جاتی تھی۔

یہ ایک شیخ مرتضیٰ بھی اس پر بہت بہرہ ور ہو گئے وہ اس کو اپنے ساتھ لے جانے لگے ایک روز شیخ کے ساتھ ایک قبو خانے  
میں گیا۔ قبرہ خانوں سے اس نوجوان کا یہ سلسلہ تھکاؤ و ظہر کے بعد سے صبح کے وقت تک دہا بیٹھ۔ شیخ مرتضیٰ ادب کا سبق تم کرنے  
کے بعد لپٹے شاعروں سے جو گفتگو کرتے تھے وہ صنف ہزین تعلیم کی قربانی کے متعلق برقی تھی۔ وہ ازہر کے استادوں کی خامیاں برسی مٹاؤ  
سے بعد ترشہ طاعنیں بیان کرتے تھے مگر وہ اپنے شاعر دوں کے دل میں ایک اشک پیدا کر دیتے تھے خصوصاً اس نوجوان کے دل میں  
انہوں نے بہت دودھس ٹھڈا لایا ان نوجوانوں کے دل ازہر سے تنگ ہو گئے ان نوجوانوں کے دل ازادی کے مذاق تھے شیخ مرتضیٰ ہوا  
کے سبق کے ان بندھنوں کو کھول دیا۔ یہی بات ہے کہ وہ اپنے شیخ کے نقش قدم پر چلنے لگے۔ ان کو بہت بڑا آدمی خیال کرتے تھے۔ ان کا  
مکروہات پر صبر نہ تھا تو کسی کی طرف سے جو غلامانہ شان کے طوائف ہوں ان کا پرہیز کرنا ایسی باتیں  
جن میں شہید شہزادہ نہیں جہتے تھے مگر پہلا ہی، وہ بہت تندرست اور اموال کی خوشامد۔ ان سب سے شیخ مرتضیٰ بہت پسند ہوا تھے  
ان کے شاعر دوں کو ان کی زندگی مثلاً اعلیٰ و کمالی دیکھتی تھی

شیخ کے شاعر دوں کی ان غریبوں کا نامی آنکھوں سے دیکھتے وہ اپنے ہاتھ سے چھو سکتے تھے جب وہ ان کے گھر پہنچے یا

تو گیارہن کے گھر کے ایک فرد ہوتے۔ ان کا مکان ایک پرانا شکرہ اور وہ ان سا گھر تھا جو ایک گندے محلے میں واقع تھا جسے لکڑی کہتے تھے ایک روز انہوں نے عصر کے بعد شیخ سے ملاقات کی شیخ مرضی بالکل اعلیٰ درجے کی ایک چٹائی پر بیٹھے تھے۔ ان کے برابر میں ایک بہت ضعیف بڑھی ہوئی وہ اتنی کفر خیرہ تھی کہ سر زمین سے لگ جلنے کے قریب تھا۔ شیخ اپنے ہاتھ سے اس ضعیفہ کو کھانا کھلا رہے تھے تو ڈی دیر بعد شریفین لائے اور بٹتے ہوئے فرمایا: میں اپنی دائرہ کو کھانا کھلا رہا تھا؟

اپنے گھر سے جب وہ مسانہ اور سکون نفس کے ساتھ باہر نکلتے تو ان کی صورت سے دولت مندی اور اطمینان قلب برستا تھا۔ لیکن ان کے شاگرد اور قریب دوست اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ سب سے زیادہ غریب اور سب سے بڑھ کر تنگ دست تھے۔ اکثر نئی نینے اس طرح گزارتے کہ رات کی روشنی کے پانی میں جھگوڑ کھالیا کرتے تھے۔ مگر اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلاتے تھے اور اپنی بیٹی کی بھی بڑا راء میں لپی نہ کرتے تھے۔ سب وہ اتنی حقیر خواہ میں کرتے تھے جو سادھے تین گنتی سے زیادہ دھن۔ وہ اپنی خواہ میں سے شروع میں لینے سے شرماتے تھے ان کو یہ تا پسند تھا کہ خود بھی استادوں کی بھیڑ میں جا کھڑے ہوں جو خواہ تقسیم کرنے پر گرسے جا رہے ہیں ان کے شاگردان کی ہڈی اس گراؤ اور ممتاز زندگی سے بہت متاثر تھے۔ دوسرے شیوخ کو دیکھتے تو ان کے ہارے میں ایسی باتیں سننے میں آتی تھیں کہ ان کے دل محاسن سے بھر جاتے تھے۔ لہذا اگر یہ لوگ شیخ مرضی کے گرویدہ ہو جائیں، ان کی سیرت اور خیالات سے متاثر ہوں اور ان کے سادہ انداز پر ان کی تحریکیں اور تعلیم پرستی کے خلاف آواز بلند کرنے میں اپنے شیخ کے ہم نوا ہوں تو کون سے تہمید کی بات ہے؟

یہ تو یہ ہے کہ اس نوجوان نے اپنے دل میں اند اپنے ضمیر کی گہرائی میں اندہر سے اپنا رشتہ منقطع سا کر لیا تھا۔ گراؤ ہر کے کتا بچوں میں اس کا بھروسہ تھا۔ اس نے جامعہ (یونیورسٹی) سے اپنا رشتہ قائم کر لیا۔ اب ایسی مشترک زندگی بسر کرنا ہے کہ قدیم اندہر اسے پانے لڑوہ کی طرف کھینچتا ہے جو باقیہ بود کفر طاقین کے درمیان واقع ہے اور نئی جامعہ جو اپنی طرف تعارضات کے شاہراہ کو پری کے خوبصورت محلے میں ہے۔

اب ہمیں اس کو قدیم و جدید کے درمیان کتنی لڑنے کے لیے اسی حال پر چھوڑ دینا چاہیے اور کون جانتا ہے کہ شاید یہ بدباد اس کی طرف واپس ہوں۔

لو میرے پیارے بیٹے — تم اپنے وطن اور اپنے شہر اور گھر سے دور جا رہے ہو اپنے گھروالوں اور ساتھیوں سے بچ کر رہے ہو اپنی اس کم سنی میں تم تنہا سیر کر رہے ہو۔ لہذا مجھے اجازت دو کہ یہ تہمیدیں بطور زاد رواہ دے دوں تاکہ اس سے تم کبھی کبھی اپنا جی بٹاؤ جب تم سب سے تھک جاؤ، لایسی حد یونانی زبان کے سیکھنے میں جس میں مشقت کرنی پڑے تو اس میں تم ایسا رنگ دیکھو گے جو میری زندگی کے محلو سے تمہارے بچے نیا ہو گا تھا یہ شخص کو یاد کرو گے جسے تمہارے قریب سے راحت ملتی ہے اور جو تہمیدیں شرمناک اور شگفتہ دونوں سے لطف اٹھاتا ہے۔

خود نوشت

(ترجمہ:۔ عبدالباقی شطاری)



## شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی

تفسیر | عصرِ رسالت سے جہاں جگہ سے میری سوانحی کی مختلف باتیں دریافت فرماتے رہتے تھے، اور میں جواب دیتا رہتا تھا، بعض اہل ہاب نے مختلف اخبارات و رسائل میں ان کو شائع بھی کر دیا۔ مگر افریقہ و قریب سے وہ معنائیں نکالی نہیں تھیں۔ اور بعض چیزیں غلط بھی شائع ہوئیں کثرتِ مشاغل اس کی فرصت ہی نہ دیتے تھے کہ کثرت سے مختصر طریقہ پر بھی تحریر کر دیں۔ بالآخر مسئلہ میں نظر بند کی ذمت آئی اور جب میں نئی جیل آباد میں تھا تو اس کی پُر زور تحریک ہوئی اور کہا گیا کہ اس وقت جبکہ بہت سی مصروفیتوں سے بہت حاصل ہے اس کو شفقت جان کر اس کو اس کم کپڑا کر دینا چاہیے۔ کیونکہ اس میں علاوہ تاریکی و اوقات کے کٹنے والے لوگوں کے لیے ہدایت اور روشنی بھی ہے۔ اور تحریکِ شفقت بھی!

خاندانی روایات نصیب کر ہر ماہِ مذکور ایک یا دو صحیح ہندوب، اور کثرتِ اہل سلوک موجود رہتے تھے، مگر ۱۸۵۷ء سے کچھ پہلے اہل عرفی سے خاندانِ خالی ہو گیا، اور سب بچے و نیاں رہ گئے۔ علم و معرفت کی جگہ حماقت اور نفس پروری نے لے لی تھی۔ پھر ۱۸۵۷ء کے واقعات نے یہی سب حالت بھی بالکل گرا دی۔ مال و دولت سب ٹٹ گئے، ہشیامیں تقریباً سب کی نکل گئیں۔ اور افلاس نے بے دست و پا کر دیا۔ خاندان کے ترقی آٹھ گئے، اور انھوں نے کے سلامی نامور۔ مالگیر ادا ہے وہ سب قسطوں نے جو انگریزی ہجرہ و سنوں اور ان کی خوشیوں سے ۱۹ویں صدی کے اخیر میں گھونچ کر پھرتے، تمام ہندوستان بالخصوص برہمنی اور ادا کے شرعی اخلاقیات میں فحشوں انسانوں کو کثرت کے گھاٹ آگادوایا تھا۔ خاندان کے خاندان بے نام و نشان ہو گئے۔ بقول سرویدھ گپتی **۱۸۵۷ء** سے **۱۹۱۷ء** تک ہندوستان میں ۱۸ قسطوں تھیں۔ اور تقریباً سا کروڑ آدمی ہلاک ہوئے۔ ایسے حالات میں خاندانی قیموں کی اعزاز زندگی خدا کا بے نظیر انعام ہے جس کے شکر سے کبھی عہدہ برائی نہیں ہو سکتی۔

اگر بر رویہ زہر موز باقم ادا ہے شکر طغش کے تمام

میں دیکھو! ہر ان کا سلاط نے اپنی اپنی سانحہ پان خدکھی ہیں جیسا کہ شاہ ولی اللہؒ سے منقول ہے ادا زماں حال میں کی مسلمانوں اور غیر مسلمانوں میں اس کی کثرتِ شائبہ پائی جاتی ہیں، اور اپنی آپ جی اور سرگزشت سے مناسبت جس قدر واقعات ہوتے ہیں دوسرا نہیں ہو سکتا۔ اس لیے یہ تذکرہ لکھنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔۔۔ بابت یہ بھی ہے کہ صحیح مصلحت سامنے آئیں۔ وہ جنہی ادا بگانی کی خفا ختم ہو جو روپی پر و پگیندہ سے قائم ہوئی تھی۔

**سن ۱۸۵۷ء** تا **۱۸۵۸ء** شوال کی ۱۸ویں تاریخ کی شب میں گیارہ بجے شب کا دن گند جلف کے بعد شبِ رشتہ میں بقیام

بگور (اٹاؤ) میں پیدا ہوا۔ تاریخی نام پورا خاں ہے۔ (حضرت والدہ صاحبہ مرحوم خفا پانی پور میں صرف یہی تحریر فرمایا ہے۔ تاریخ و سبب جسوی نہیں لکھا۔ حساب سے **۱۸۵۷ء** ہوتا ہے۔ اس زمانہ میں والدہ صاحبہ مرحوم قصبہ بگور میں مدفون تھیں۔ ان کے پیشہ مشرقتے۔ اور ان کی سال سے مدہ متعین دواں ختم رہے۔

**۱۸۵۷ء** میں اس سے پہلے میرے بچے بھائی مرحوم، سید احمد صاحب مرحوم بھی وہی پیدا ہوئے تھے۔ جس زمانہ میں میری پیدائش

ہوئی اُس زمانہ میں مومئی تپ و لرزہ (انفکونز) کا بہت زور تھا۔ اموات زیادہ ہوتی تھیں۔ والدہ مرحومہ فرماتی تھیں کہ عموں بچے اور ان کی مائی جڑو چھ تھیں مٹائی ہو گئے۔ پورے قصبہ میں صرف میں اور ایک دوسری عورت ایک بچہ کے ساتھ سالم ہی تھی۔

ابتدائی تعلیم گھر میں ہی ہوئی رہی بہت ہی چھوٹا تھا۔ جب والد مرحوم ہانگڑو عجیڑ کر آبائی وطنی ٹانڈہ میں قیام گزریں ہوئے۔ چونکہ اسی پر دیہی اقامت کی وجہ سے زمینداری کا انتظام نہیں ہو سکتا تھا اس لیے انہوں نے کوشش کی کہ تبدیلی ٹانڈہ ہو جائے۔ حکام بالائے اس وجہ سے ایسی ہیئت و صل کی کہ ٹانڈہ کے ہیڈ ماسٹر کی تنخواہ غلط ہے تو یہ دیاں غلط ہے ہیں مگر ضروریات وقت نے مجبور کیا کہ اس قلعہ تنخواہ پر بھی تبدیلی کرانی جائے۔ بالآخر ٹانڈہ چلے آئے۔ مجھ کو وہاں سے آنا بالکل یاد نہیں۔ غالباً ۳۲ برس کی عمر ہو گئی۔ اس کے بعد ۱۲ برس کی عمر تک ٹانڈہ ہی کی رہائش اور ابتدائی تعلیم نصیب ہوئی۔

**سلسلہ نسب** حسین احمد بی سید حبیب اللہ بی سید بیر علی بن سید جہانگیر بخش، بن شاہ نور اشرف بن شاہ مدنی، بن شاہ محمد شاہی، بن شاہ غیر اللہ بن شاہ صفی اللہ بن شاہ حبیب اللہ بن شاہ محمد، بن شاہ لاسی، بن شاہ قلندر بن شاہ منور بن شاہ راجہ بن شاہ عبدالواحد بن شاہ محمد زاہدی، بن شاہ نور الحق رحمہم اللہ تعالیٰ۔

شاہ نور الحق رحمہم اللہ تعالیٰ جی جوالہ واد پر قصبہ ٹانڈہ (صلیغ فیض آباد) میں پہلے پہل تشریف لاکر اقامت گزریں ہوئے۔ اس زمانہ میں قوم دہبر کا قبضہ ٹانڈہ کے تمام گھوڑ و نواح اور دیہات پر تھا۔ اور وہ مسلمانوں کو ستانے رہتے تھے۔ شاہ نور الحق نے پہنچ کر دعوت اسلام دی مگر راجہ اور عوام مقابلہ پر آئے آپ نے بزرگداشت ان کو روک دیا۔ ان کا راجہ قلعہ عجیڑ کر بھاگ گیا۔ آپ نے وہیں اقامت لوائی اور اس موضع کا نام اللہ واد پر رکھا، جس کی وجہ تسمیہ ظاہر ہے۔ قلعہ کے آثار اب تک موجود ہیں۔ شمالی دیوار اور مشرقی برجوں کے باقیانہ پتھر وغیرہ باقی ہیں۔ اسی قلعہ میں آپ کے اور آپ کی تمام اولاد کے مزار اب تک بنے چلے آئے ہیں۔

آج ہم اسے خانقاہ میں کوئی ایسا کاغذی تحریر موجود نہیں جس سے ظاہر ہو کہ موصوف کہاں سے آئے تھے اور آگے کا سلسلہ نسب کیا ہے اور کس زمانہ میں آئے تھے؟ مگر غلط شجرہ طریقت میں دکھلا دیا گیا ہے کہ آپ شاہ داؤد چشتی کے اور وہ شاہ قطب الدین چشتی کے اور وہ شاہ نجم الدین چشتی کے اور وہ شاہ ولی چشتی کے اور وہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے خلیفہ میں یہ شجرہ طریقت بدلنے کا غفلت میں پایا تھا۔ کھنے والا والد کے پردادا شاہ نور اشرفؒ کا کوئی مرید یا بیٹا ہے۔

والد صاحب مرحوم فرماتے تھے کہ جب میں صغیر تھا وہاں گھر میں سپہداسٹر تھا اور لوگوں سے اپنی سادات کی یاد دہانی کرتے تو لوگ تعجب نہیں کرتے تھے کہ چونکہ ادوہ کے شہروں میں ٹانڈہ نور افوں کی بستی مشہور تھا اور دیہات کے کپڑے قلعہ میں اتاریں شائع کتے تھے۔ اس لیے یہ لوگ سمجھتے تھے کہ مجھ کی اسی قوم سے ہوں گے، مگر مولانا فضل الرحمن صاحب گجرات آبادی نے ایک روز بھرے مجمع میں فرمایا کہ وہ حدیث تو سید الدین پرانے ہیں ان کے محدث اعلیٰ شاہ نور الحق بہت بڑے اولیاء اللہ میں سے ہیں رات میرے پاس وہ آئے تھے اور مجھ سے کہتے تھے کہ میرے پیچھے حبیب اللہ کا خیال رکھو۔ مجھ ہی تو ہوں پیر اور سے ہیں۔

اس کے بعد سے ابھی نظر انتہت مجھ پر بہت زیادہ ہو گئی اور لوگوں کے خیالات میرے نسب کے متعلق بدل گئے اور حضرت مؒ کا یہ مقولہ مشہور ہو گیا۔ — والد صاحب مرحوم فرماتے تھے کہ میں نے اپنی عمر میں ایک خواب دیکھا تھا کہ حضرت فاطمہؑ ایک بڑے صلاب

کے گناہ سے ایک درخت کے نیچے چلی گئی جہاں پر حضرت آدم علیہ السلام نے اپنا گناہ کیا تھا۔ وہاں سے اس نے دیکھا کہ زمین پر تیز بادلوں کی طرح اس طرح جاتا ہوں جیسے بچہ اپنی ماں کے پاس جاتا ہے۔ میں غلاب ہی میں ان کو دیکھ کر ان تک پہنچ گیا ہوں۔ ہجرت کے بعد انہوں نے مدینہ منورہ میں اس کا ذکر کیا اور فرمایا کہ مجھ میں نہیں آیا کیا مطلب تھا۔ میں نے عرض کیا کہ تغیر تو ظاہر ہے آپ مندر کے گناہ پر تھے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ حضرت فاطمہؓ تک پہنچ گئے، انہی سلسلہ میں وہ بھی ہیں۔

نیز ایک اور لڑکا کہ کعبہ کو نسب نامہ کی تلاش تھی تو میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت امام حسینؓ کھڑے پر سوار جہاد کو جا رہے ہیں اور میں ان کے پاس کھڑا ہوا ہوں تو لڑکا کہہ کر لڑکا کہ "تو میری اولاد ہے" ہر حال یہ امر اگرچہ قطعی نہیں مگر کچھ دیکھ کر خوشی مزید لاتے ہیں۔

نہیم زمانہ سے ہماری ان سادات و شیوخ میں بھی رشتہ داری چلی آتی ہے جو شیعوں میں اور یہ مرض اور حد کی شیعہ حکومت کی وجہ سے تمام یورپی اور اوروں میں بہت پہلے۔ اگر اس زمانہ میں چند اولاد اللہ نہ ہوتے تو غالباً ہمارا خاندان بھی اس لعنت سے محفوظ نہ رہتا۔ تاہم آخر میں بنی اس کے بارہ تھا کہ نامہ صلی علیہ نے (جو اپنے زمانہ کی تمام جائیداد کے متعلق تھے) ایک امام باڑہ بنایا اور ۶۰ عزم کی شب کو منسی نکال دیا اور بڑے ترک و احتشام سے تمام شہر میں روشنی اور باجوں کے ساتھ گشت جاری کر دیا۔ جو اب تک چلا آرہا ہے۔ یہ خاندان کے ہر گھر میں تعزیر دکھنا جاری ہوا جو ہمارے بھیچ تک چلتا رہا۔ الحمد للہ کہ یہ مصیبت تمام خاندان سے اٹھ گئی۔ مگر منسی کی لعنت رہ گئی۔ شیعوں سے رشتہ داری بھی قصوری بہت ہوتی ہے۔

۱۸۵۷ء کے انقلاب کے وقت خاندان کے پاس ۱۲ یا ۱۳ گاؤں تھے جن کی وجہ سے مشترکہ خاندان نہایت ثروت فراہمہ مصاش اور لاف سے گزند کرتا تھا شہر ہے کہ تخت و تاج کے کسی زمانہ میں ۲ دیہات کی جاگیر ۳ خاندانوں پر تقسیم ہوئی تھی۔ جس میں اللہ داد پور کہ ہمارا خاندان بھی تھا جس کو ۴ گاؤں دیئے گئے تھے۔ کائنات کے صنائع ہوجانے کی وجہ سے پتہ نہیں چل سکا کہ یہ علی کس بادشاہ کے وقت میں عاقبہ والد مرحوم فرماتے تھے کہ بادشاہ دہلی کے ان پرچہ گزرنے پر مصارف خانقاہ کے لیے یہ دیہات بیٹھے گئے تھے۔ ۱۸۵۷ء میں خانقاہ کے کئی آثار باقی نہ تھے۔ گیارہ گاؤں غیر معلوم انقلابات و اسباب کی وجہ سے قبضے سے نکل گئے۔ صرف ۳ باقی رہ گئے۔ اللہ داد پور، جزاوی پور، پانڈ پور، گہر دھری پور، فرید پور، رسول پور، بکنا وغیرہ۔

(بھینٹ کے راجہ کے لدا اور صاحبزادوں کے قبضے کی وجہ سے ساری جائیداد نکل گئی) نہایت نکلی اور انھوں نے سب کی برافقت ہوتی تھی دارا امین پوری مریدی اللہ زمانہ پورہ گیا، (جزاویں اور اللہ داد پور بچے تھے) ان میں والد مرحوم کا حصہ دو گنے ۸ باقی تھا۔ والد مرحوم جب دہلی سے تہذیب کرنا چاہتے تھے تو یہ حصہ بھی صاحبزادوں کے ہاں رہا تھا فقط سیر کی زمین باقی تھی جس میں ہمارے عمیا اثر علی صاحب مرحوم زراعت کرتے تھے۔

والد مرحوم کی پیدائش اور تربیت

والد مرحوم اللہ داد پور میں ۱۸۵۷ء سے ۵ برس پہلے پیدا ہوئے۔ ۱۸۵۷ء میں ان کی پرورش دھواں تھا۔ والد مرحوم ۲ بھائی تھے۔ نرائش علی، پریش علی، تیغ علی۔ نرائش علی،

تیغ علی لا لہ تھے، صرف پریش علی صاحب اولاد ہوئے۔

متعلق و دماغ نے داد مرحوم کے منجھلے بیٹے نجیب اللہ کو متبہ بنایا اور گود لیا، مگر عمر نے وفات کی اور بچپن ہی میں انتقال کر گئے۔ اس کا اثر سب پر مست ہوا۔ اس کے بعد جب والد مرحوم پیدا ہوئے تو دماغ نے زور دیا کہ اب اس بچہ کو لے لو وہ تامل کرتے تھے مگر ان کو مجبور کیا گیا باغی انہوں نے والد صاحب مرحوم کو لے لیا۔ اور دونوں میاں بیوی نے نہایت محبت اور شفقت سے والد صاحب مرحوم کو پالا۔ قریب پانچا یا اور شہر تک تینوں بھائی انتقال کر گئے۔ گھر میں سوائے عورتوں اور بچوں کے کوئی مرقی صاحب اثر باقی نہ رہا مینداری اور ثروت چھٹی گئی۔ اخلاص داد دہانے پاروں طرف سے گھیر لیا۔ بھلی داوی مرحوم نے بڑی تلکد سی والد صاحب کی پرورش کی۔ میں نے بچپن میں ان کو دیکھا ہے فرمایا کرتی تھیں۔

”میں نے چہرہ کات کر حبیب اللہ کو پالا ہے۔“ والد صاحب نے خدا کے فضل سے ذہن اور حافظہ بہت عمدہ پایا تھا طبیعت نہایت تیز تھی۔ اس قہمی اور اخلاص کی حالت میں نانڈہ کی علمی درسگاہوں میں پہنچے رہے۔ اور قرآن شریف، فارسی، اردو، اور مڈل پاس کر لیا۔ اور مفتون شباب ہی میں نانڈہ کے قریب ”انتخابات گنج نیس“ آ کر آٹھویں ماہرہ پر مدرس ہو گئے۔ اس ملازمت کی بنا پر کسی قدر بسر و وقت کی سہولتیں پیدا ہو گئیں۔ اگر اس زمانہ میں کوئی کنسل ہوتا تو اپنی قیلم میں بڑی ترقی کر سکتے۔ انتخابات گنج میں ان کو بطور خود ترقی کا خیال پیدا ہوا خواہ اور ملازمت میں ترقی بغیر نال اسکول پاس کئے نہیں ہو سکتی تھی اس لیے ان کو کھنجر جانا پڑا۔ اس زمانہ میں تمام صوبہ میں نادر اسکول صرف کلکتہ میں تھا وہاں اچھے فہروں سے پاس ہوئے، اور قصہ صنی پور (اناؤ) میں ہیڈ ماسٹر ہو گئے۔ پھر ماسٹر تبدیل کر دیئے گئے اور وہاں متواتر کی برس مقیم رہے۔ اسی مکی دفتر معاش کی وجہ سے علوم عربیہ نہیں حاصل کر سکے۔ اگرچہ لوگ ان کو مروی کہتے تھے مگر وہ علم عربیہ سے بالکل ناواقف تھے صرف فارسی، اردو، ہندی اور بھاشا سے واقف تھے اور اسکول میں پڑھاتے تھے اس زمانہ میں ایسے لوگ مروی کہے جاتے تھے۔ نادر پاس کرنے کے بعد بعض اصحاب کی ترغیب سے انگریزی شروع کی۔ مگر پہلی ہی شب میں خراب میں دیکھا کہ دونوں ہاتھ پانڈہ سے ملوث ہیں۔ اس وجہ سے انگریزی سے ان کو نفرت ہو گئی اور ملازمت کی کوشش میں کامیاب ہو گئے۔

**والد کی شادی** جب والد صاحب ۱۸ ویں سال میں تھے اور انتخابات گنج پرائمری اسکول میں ملازم تھے بھلی داوی مرحوم نے شادی کرنی چاہی۔ ”ناکبر علی مرحوم جاساد کے متواتر تھے اور شہر میں دیہانے گھاگھرا میں ڈوب گئے تھے۔ تین لڑکے

نرم اور ایک لڑکی (والدہ مرحوم) چھڑ گئے تھے۔ والدہ ان کی وفات کے وقت ۶ ماہ کی تھیں۔ ان سب بچوں کی پرورش بڑی تلکد سی ہوئی۔ نانی صاحبہ بہت مستحکم اور قہیم یافتہ تھی۔ انہوں نے بچوں کو عام رواج کے مطابق اردو فارسی وغیرہ پڑھائی۔ داوی نے کوشش کی رشتہ خاندان ہی میں پر جائے جب والدہ کی عمر ۴۴ برس کی تھی شادی ہو گئی۔ سب سے بڑے بھائی محمد صدیق صاحب مرحوم الہ داد پورہ میں مشاعرہ میں پیدا ہوئے۔ نانی مرحومہ نندرونی علاقہ بیک پور (دیپن) آدو کے سادات میں سے تھیں۔ ان کے ماموں بڑے کا علی ولی داد صاحب علم تھے۔ انہوں نے نانی صاحبہ کی تربیت فرمائی تھی۔ ہندی امد و قہیم کے علاوہ طریقت و تصوف میں بھی باکمال تھے۔ کشف قبر میں ان کو صلات نامہ تھی۔ انہوں نے والدہ کو بھی اردو ہندی پڑھائی۔ ہندی لکھنا بھی سکھایا اور ہندی بھاشا میں چہ مادت اور ہنس جہا پر بھی پڑھائی۔ تصوف کا چکر بھی پیدا کر دیا جو لانا گنج مراد بادی کی سیت کے بعد اور زیادہ ہو گیا۔ چنانچہ باوجود کثیر الاطلا ہونے کے وہ ہمیشہ شب غیز و تہجد گزار رہے۔ انہیں ایک سہول را کہ دو نانہ دو تو تہ سہودہ اخلاص پڑھ کر حضور کو جہیز کرتی تھیں۔ اور خانہ داری میں

آخر تک جفاکش رہی۔ مرینہ مزہ پہننے کے بعد عسرت کی بنا پر انکو دیرپا تھا تاہم اس کے ہندوستان میں اس کا کبھی اتفاق نہیں ہوا تھا مگر اس پرچہ سلائی میں مولانا ایک طرف خود اور دوسری طرف یمینوں بسوڈوں کو ہادی ہادی بھاگتا دکھایا کرتی تھیں۔ اللہ کی رحمت بھی اولاد سے مالتوہ تھی اولاد کو تعلیم کے لیے جہاں کرنے میں کبھی انہوں نے پس و پیش نہیں کیا، بچوں کی تعلیم و تربیت کا انہیں بہت خیال تھا اور جب بھی کسی سے شہرہ جہات اور اخلاقی تربیت کی کانیوں اور چٹکوں میں خیال رکھتی تھیں والدہ مہر و مرشدانہ حیرت و حفاکہ باکریت میں مغلن ہوئیں۔

وفات مرشد (مولانا فضل رحمان گنج مراد آبادی) سے بڑے غم میں رہا کرتے تھے، بھائی میرا احمد صاحب ہجرت مدنیہ نے ایک خط میں والد صاحب کو لکھ دیا کہ یہاں اب ہندوستان پہننے کی جگہ نہیں اب تو مرینہ مودہ چل بیٹے باذیرو مانے کی فکر ضرور ہے۔ یہ کھاتے لیے موثر رہے جیسے اسپرٹ میں دیا سلائی۔ اس خط کو دیکھنا تھا کہ عسرتی ٹھوکی کی آگ بجھائی تھی، مردم بھی دھن تھی کہ تمام گھرانہ کو لے کر وہیں چلا گیا ہے۔ تدریس سوچنے لگے، ہاں نفوس پر شمش خانہاں کا سطر معمولی ہو جہاں تھا۔ لوگوں نے سمجھا کہ آپ خود ہائے اندک و زیارت کر آئیے۔ مگر نہ ملنے۔ بیوی کی سرسری رائے نے دور دیا تو جواب دیا کہ اپنی اپنی ذمہ داریوں کو اٹھانے کے لیے لوگوں کو ساتھ لے کر ہائی گا۔

ہوٹل سے کہا جیسے چنانہ ہودہ طلاق سے لے۔ میری کتابیں ادب و ہیئت کی کچھ ہائی تھیں میں نے عرض کیا کہ آپ نشریہ سے جائیں میں ایک دو سال بعد آ جاؤں گا۔ فرمایا کہ مرینہ مودہ میں پوری کر لینا۔ میرے حقیقی خسرو بہت عرصہ پہلے فوت ہو چکے تھے۔ میری باپ کو اس کے حقیقی ماموں شیخ کھاتے اللہ مرحوم قیال پوری نے بلاتھا اور وہی شادی کے کنیل ہوئے تھے۔ کیا ہمارا پور میں لازم تھے۔ اہی دلی ریاست کھنڈ کے مستند پور کو وہیں میم تھے انہوں نے جہ کو روکنا چاہا اور والد سے کہا کہ میں خود کھنڈ موجود ہوں حسین احمد کو اپنے پاس رکھ کر مکیم عبدالعزیز صاحب مرحوم کے ہاں طلب بٹھانا چاہتا ہوں اس کو یہاں چھوڑ دیجئے۔ والد نے جواب دیا کہ کیا حسین احمد کو گھوڑے پر سوار کرنے کے بعد میں گھر سے پر سوار کر دوں گا۔ اس کو عزم و ہنیہ کی تعلیم دلائی گئی اس سے رجوع کر کوئی تعلیم ہے۔ انفرس و دستوں، رشتہ و ادلی، اختیار بھوں نے سمجھا مگر قبلی شاعر سے

مرینہ عشق پر رحمت خدا کی مرض بڑھتا گیا چل جوں دوا کی

یہاں تک کہ جوش اور عشق پر صابر تھا کہ سفر ہمازیں جب گورنمنٹ کی طرف سے بہت تمنا کی جاتی تھیں۔ الابر کے ذ کی تمنایں دیکھا کہ ایک صاحب نے کہا کہ اس سال امدادہ نہ کیجئے۔ تو فرمانے لگے کہ اگر تجھ کو یہ کہا جائے کہ تجھ کو توپ کے منہ پر گرا چلاؤں گے اور مرینہ پہنچا ہنسنے لگیں اس کے لیے بھی تیار ہوں۔

مگر میں نے کچھ بھائی میرا احمد کے پورا ہم خیال والد مرحوم کا کوئی نہیں تھا۔ بڑے بھائی نے جب والد کا یہ عزم صمم دیکھ کر حضرت نگلی سے شکایت کی آپ نے فرمایا کہ حرج نہیں چلے جاؤ۔ انہوں نے عرض کیا میری تعلیم باقی پوری نہیں ہوئی تو فرمایا کہ ساتھ چلے جاؤ ہر سب کو چھوڑ چھاڑ کہہ آنا!

والد صاحب کا شوق و اضطراب بڑھتا رہا۔ غرضی کہ کسی طرح جاننا فروخت ہو جائے تو راز ہو جائیں اس بعد جب میرا

لگ گیا۔ بڑی کوششوں کے بعد ٹائڈ کے ایک رئیس راجہ علی حسین تیار ہو گئے اور غالباً ۳ ہزار روپیہ پر ان کے ہندو جڑواں بچہ لڑکی کا زویہ حصہ فروخت کر دیا۔ اور افریقان ۱۳۱۳ء میں روانگی ہوئی۔

والہ کی نعت

ہیں جمال و حسنی عالم سوز تو دیں رُخ پر نور دل افروز تو  
کہ و بسمل حصہ ہزاراں جبرئیل نادک مژگانی حسینہ دوز تو

اسے بہارِ باغِ رضواں کوئے تو بلبِلِ سدرہ اسیرِ موئے تو  
بھوہریاں کا مروتِ حبیب اسے ہزاراں کعبہ درآبرئے تو!

اُردو نعت :-

جان سے جانا ہے تیرے پاس کھانا مانا مجھے جاتے ہیں مگر مردہ بنے جلتے ہیں  
ایک ہمہ رہے اس بزم میں باقی ساقی! لوگ میخانے سے پی پی کے پٹے جاتے ہیں  
مرد ہے یا نہ ہے پر ہے سودا سر میں عشقِ احمد کا خدا یا یہی ہم جاتے ہیں  
اس حبیبِ دل خستہ پر نظر ہو جائے درو مندوں کی دوا آپ کیے جاتے ہیں

میری تعلیم و تربیت

(میرے کھل کھود کو دیکھ کر) بالآخر والد صاحب نے طے کر لیا کہ اس کو یہاں نہ رکھنا چاہیے اور دیوبند ہی بھیج دیا جائے۔ چنانچہ بھائی صاحب کی روانگی کے بعد ۳ ماہ بعد فشی فیروز الدین صاحب بٹالی کے ساتھ دیوبند بھیج دیا۔ فشی صاحب مرحوم بٹالہ (گورداسپور پنجاب کے باشندہ اور والد مرحوم کے بہت دوست اور فیملی آباد میں محاذِ دفتر تھے۔ پر بھائی ہونے کی وجہ سے آپس میں غلوں اور ربط تھا وہ کسی منزلت سے اپنے وطن بٹالہ جا رہے تھے۔ مدالہ مرحوم نے ان کو لکھا کہ میں احمد کو اپنے ساتھ لیتے جاؤں اور دیوبند پہنچا دیجئے۔ چونکہ ساران پور پر کران کا راستہ تھا۔ اس لیے ان کو کوئی وقت نہ تھی۔ چنانچہ اوائل صفر ۱۳۱۳ء ہی میں ان کے ساتھ دیوبند پہنچ گیا اور دونوں بھائی لکے ساتھ انہی کے کمرے میں حضرت شیخ المنذرؒ کے مکان کے قریب رہنے لگا یہ کہہ حضرتؒ کی مسجد کے سامنے کمرے میں واقع تھا۔ یہاں پہنچنے کے بعد گھٹان اور میرزا ہی شروع کی بڑے بھائی صاحب مرحوم نے حضرت شیخ المنذرؒ سے درخواست کی آپ تبرکاً اس کو دونوں کتا میں شروع کرا دیں۔ مجمع میں حضرت مولانا خلیل احمد اور دوسرے اکابر موجود تھے۔ حضرتؒ نے مولانا خلیل احمد سے فرمایا کہ آپ شروع کرا دیں چنانچہ انہوں نے دونوں کتا میں شروع کرا دیں۔

ابھری بھائی صاحب نے میرزا میں مشتبہ پرصانی اگرچہ تیرہ سال مگر کام شروع ہو چکا تھا۔ مگر جسم اس قدر ڈبلا اور پستہ تھا کہ سب اس کا بکھتے تھے۔ اس وجہ سے وہاں مجھ پر شفقت زیادہ کی گئی وہاں اس قدر دور کے فوجی اور چھوٹے طالب علم نہیں جاتے تھے اور چونکہ میں تحریر و حساب وغیرہ سے کوئی واقف تھا اور خط بھی لکھتا تھا اس لیے اساتذہ کے سارے عالمی خط اور حسابات کی خدمت انہام دیتا تھا۔ بالخصوص حضرت شیخ المنذرؒ کی اجازت پر بہت زیادہ شفقت فرماتے تھے۔ مستحق فشی شمس پور کا تھا۔ دیوبند پہنچنے کے بعد کہیں کوئی رہی تھی آزادی بھی جاتی رہی۔ دونوں بھائی بڑے سخت تھے۔ اس وجہ سے

علی شہنشاہ بنگالہ۔

**دارالعلوم کی تعلیمات** | بھائی مروج نے دھرتی کے شاہی ایک ہی مدرسہ چھوڑے تھے مگر یہیں مشہور صاحب فرمودے پہلا  
دیگر کے چھ ہیں۔ یہ اساتذہ خارجہ میں ہیں۔ حضرت مولانا صاحب فرمودے پہلا مدرسہ چھوڑے تھے مگر یہیں مشہور صاحب فرمودے پہلا  
کتابیں دین کے ساتھ دے کے پاس پڑھیں۔

۱۔ حضرت شیخ الحدیث۔ دستور المتبندی، ندوی، زنجانی، المراج الارواح، ازل، حرکات، تہذیب، شرح تہذیب  
قبلی، میر تقی، مضی اللہ، انوار، مصلح، ہدایہ، انوار، ترقی، بخاری، البدائع، بیضاوی، نغز، النکاح، شرح  
عقائد حافیہ خیالی، مصلح، دگر۔

۲۔ مولانا عبدالقادر صاحب (دارالعلوم حضرت شیخ الحدیث)۔ فصول اکبری۔

۳۔ مولانا احمد علی صاحب۔ مسلم شریف، مثنیٰ، ابن ماجہ، سیر مطلق، حمد اللہ، صدر، شمس ازہر، ترویج فروع، فہم

۴۔ مولانا خلیل احمد صاحب مروج۔ تمہید الملتاح۔

۵۔ مولانا حکیم محمد حسن مروج۔ پنج گنج، حرث میر، نور میر، فقر، مسلم، لاجس، جلالین، جہاد، اذین۔

۶۔ مفتی عزیز الرحمن صاحب۔ شرح حلال، کافیر، ہدایت، مینہ، الحاصل، کنز، شرح وقایہ، شرح مائتہ، اصل، فاشی۔

۷۔ مولانا غلام رسول صاحب مروج۔ زراعات، احوال، کافی مبارک شامل ترقی۔

۸۔ مولانا شفقت علی صاحب مروج میرزا، جلال، میڈی، خلافت، الحباب، رشیدیہ، سراج۔

۹۔ مولانا حافظ محمد احمد صاحب۔ شرح جالی بحث ام۔

۱۰۔ مولانا حبیب الرحمن صاحب۔ مقامات حریری، دیوانہ، شہی۔

۱۱۔ بٹے بھائی۔ میراں مشہور، ایسا غری۔

**حدیث منقولہ میں درس** | درس و تدریس کی تفصیل یہ ہے کہ ادا فرشتہ ہاں ۱۳۱۷ھ میں جب ہم تین بھائی دیوبند سے آکر  
طور پر روادا ہوئے تو حضرت کہنے والے میں خود حضرت شیخ الحدیث ساتھ ساتھ دیوبند ایشیہ تک

پہلے تشریف لائے تھے۔ راستہ میں بڑے درویش تھے، ہدایت فرمائی کہ بڑھاپا ہرگز نہ پھرنا چاہیے ایک ہی دو طالب علم ہوں۔ اس لیے

قبیلہ شہد کہہ دیا کہ ہمیں یہاں پر کیا خاصیت ہے کہ ہمیں یہاں پر شہد دے دے اور عرب طلبہ بڑھنے کے خواستگار ہوئے۔ اگرچہ

عرب زبان میں عربی کی کتابت کی تھی مگر اس کی مشق و تفسیر اس لیے مشکل کا سامنا ہوا۔ مگر حسب ہدایت

حضرت شیخ الحدیث نے کتابت کے علاوہ دوسرے اوقات میں شروع کر دیا۔ اس زمانہ میں دست سے خطا و غلطی طور پر

مروج ہندی میں چھاپا کرتے تھے۔ اس سے تو ہم کو یہ فائدہ ہوا کہ ابتدائی کتابیں صرف وہ وقت و جگہ کی محنت ہو گئیں اور بعد میں

ایں اہم میں شرف اور علم کے جہاز میں مسدود رہا کہ کادہ بہ کادہ ہے۔ اس لیے جب کوئی عالم آگاہ ہے تو اس کی طرف

آکھیں بہت مٹھیں میں اور تنقید ہوتی ہے۔ علامہ ہندو کہہ کر ملی بولنے کے عادی نہیں ہوتے اس لیے بسا اوقات شکست کھا جاتے ہیں۔ بہر حال ہم جیسے شے پڑھیں گے اس لیے عرب علماء پر دھاک بٹھانا نہایت مشکل تھا اس لیے ہمارا گوشہ نگاہی میں ایک ایک دو دو طالب علموں کو پڑھانا بہت مفید ہوا۔

شوال ۱۲۸۰ھ تک اسی طرح ابتدائی کتابیں پڑھاتا رہا۔ ساتھ درس میں کوئی امتیازی شان نہیں پیدا ہوئی اس لیے کسی تنقیدی نظر نہیں پڑی۔ ۱۳۱۸ھ میں حضرت قطب عالم مولانا گنگوہیؒ کے ارشاد کے مطابق گنگوہی کا سفر کیا اور محرم ۱۳۲۰ھ میں واپس مرید پینا۔ اس وقت سے سلسلہ تعلیم بڑے پیمانہ پر شروع ہوا۔ مرید منورہ پہنچنے کے بعد شمس باغ (قرطیہ) کے مدرسہ میں صاحب مرام بھی ایک نوادہ سورتی سیٹھ کے ہاں اس کے بچوں کو پڑھانے لگے۔ میں نے اس زمانہ میں مشنریہ کتابت ترک کر دیا، اور چونکہ طلباء کا ہجوم ہوا اس لیے مدرسہ کے علاوہ اوقات میں حرم بیگم میں کتابیں پڑھانے لگے۔ صبح، عصر، مغرب، عشا کی نمازوں کے بعد مختلف علوم و فنون کی کتابیں شروع کرا دیں۔ طلبہ کی کثرت دیکھ کر آکھیں انھیں اور تنقید کے ارادے ہوئے۔ مگر عربی و فارسی پر بھی تھی۔ اور ابتدائی کتابیں کچھ مٹی تھیں۔ اور میں نے حافظہ کی تقویت کے لیے علامہ خیر آباد کا طریقہ اختیار کیا تھا کہ کتاب، شرح اور حاشیہ پڑھانے وقت سامنے نہیں رکھتا تھا۔ بلکہ طالب علم کے عبادت پڑھنے کے بعد مسامحی پر تقریر کرتا اور سمجھاتا تھا۔ گھر پر کتاب اور اس کے شروع و حواشی خوب دیکھ کر مسائل کو مضبوط کر کے جاتا تھا اور علامہ مرید زعفران کتاب بلکہ اس کی شرح بھی ہاتھ میں لے کر پڑھاتے تھے اور تقریر کرتے وقت انکو شروع یا حاشیہ کی عبارت سنا دیتے تھے۔ خاص خاص حضرات بلا کتاب پڑھاتے تھے۔ مگر ان کے پاس تمام علوم و فنون کی کتابیں ہوتی تھیں اور زیادہ وقت صرف کرتے تھے۔

عام طلباء اور علمائیں ہماری دھاک بیٹھ گئی۔ اور کہنے لگے کہ اس کو تمام فنون درسیہ میں دھرت مہارت ہے بلکہ مضبوط بھی ہیں۔ اس بنا پر میرے پاس مسجد دار اور مفتی علی گڑھ کا تبار بہت زیادہ ہو گیا۔ جس سے حرم کے متعدد مدرسین کو مسعود اور رقابت پیدا ہو گئی۔ ناظم مدرسہ شمس باغ کا اصرار تھا کہ جو طلبہ مجھ سے پڑھتے ہیں وہ مسجد نوری میں نہیں بلکہ مدرسہ میں آکر پڑھا کریں مگر سب طلبہ اس پر راضی نہ ہوئے۔ طلبہ میں صرف اہل مرید پینا دھتے ترک، بخاری، تازیانی، قرآن، ترکستانی، مصری اور کابل دیفرہ بھی تھے۔ ناظم مدرسہ کا اصرار بھی تھا کہ مدرسہ کے خارج اوقات میں کہیں بھی نہ پڑھا جائے اس قسم کی چند اور باتیں پیش آئیں جو کئی وجہ سے سمجھوڑا استعفا دینا پڑا۔ اور یہ ارادہ کر لیا کہ جہاں جہاں مسعود حرم فخرم میں اسباق پڑھانے چاہیں اور مذاق کو کھلی حقیقت کے سپرد کر دیا جائے۔ استعفا دینا چاہا۔ کتب درسیہ کا جیدالہ بھی لکھا گیا۔ حضرت علی گڑھ کی دکان میں اسباق کی فہرست اور مثال کی تفصیل لکھی اور عرض کی کہ جو تعلیم فاضل طریقت کی عالمیہ لے کر لیتا ہے وہ اس کے لیے بیٹھا ہوں فریاد غالب ہو جاتی ہے، نیز دوسرے سخت پریشان کرتے ہیں طلبہ کا اصرار پر میں نے دن رات کا کچھ حصہ اس میں لگا رکھا ہے۔ جواب میں حضرت نے ارشاد فرمایا ”پڑھاؤ خوب پڑھاؤ“ اس سے بہت اور بند ہو گئی۔ روزانہ ۱۱ اسباق پڑھاتا تھا صبح کو ۳ یا ۴ گھر بعد دو عصر بعد دو مغرب بعد ایک عشاء کے بعد۔



**بشادات درویش صالح** | خواب میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صبح کرام، اولیائے عظام، ائمہ اربعہ اور جناب باری عز و جل کو بارہ دیکھنے کا شرف حاصل ہوا۔

(۱) ایک مرتبہ دیکھا کہ آٹھ تھانوں کا مسجد شریف کے شمالی دروازے باب جیدی کے باہر شمال کی طرف منکبے ہوئے مسجد سے نکل کھڑے ہیں اور آپ کے لب میں بیٹھے کہہ دے کہ: بیچ بھرے ہوئے ہیں میں سامنے سے حاضر ہوا۔ جب قریب پہنچا تو آپ نے لب کو نیچے سے کھول دیا۔ کچھ بیچ نیچے کو گرے تو میں نے دامن میں لے لیے ان کا عدد تقریباً ۲۰ تھا۔

(۲) دیکھا کہ مسجد شریف میں منبر کے سامنے کبرے کے نیچے بیٹا ہوں اور مجھ پر سبز شل پڑی ہے اور ایک شخص یہ کتا ہے تیرے قدم تو حضور کے قدم جیسے ہیں۔ اس کی تعبیر حضرت گنگوہیؒ نے اتباع سنت سے دی تھی۔

(۳) دیکھا کہ ایک جگر پر حضرت رسول اللہ کی قبر کھلی ہوئی ہے لاش مبارک سفید کنی میں قبر کے پاس ہے کنی کھلا ہوا ہے چہرہ مبارک نہایت تروتازہ گنا گورہ اور تمام جسم مبارک بھی تروتازہ ہے اور آنحضرت جنت سورہ میں مگر آپ کی لبیں اور ناخن بڑے ہوئے ہیں میں نے قبضی سے لبیں اور ناخن کتر دیئے۔

(۴) باب السلام سے مسجد میں داخل ہوا اور حجرہ مطہرہ کی جانب جاتا ہوں حضرت رسول اللہ ایک کرسی پر رونق افروز ہیں قبلہ کی طرف آپ کا چہرہ مبارک ہے۔ میں داہنی جانب سے حاضر ہوا جب میں بالکل قریب پہنچا تو آپ نے مجھ کو کم چیزیں عطا فرمائیں ان میں سے ایک علم ہے باقی تین اشیا معلوم نہیں کیا تھیں۔

(۵) ایک روز اشعار کی ایک کتاب دیکھ رہا تھا ایک مصرع تھا: انا اے حبیب رُخ سے ہٹا دو نقاب کو! یہ اس وقت بہت بھلا معلوم ہوا میں مسجد شریف میں حاضر ہوا اور خواجہ شریف میں بعد آداب و تحیات کے بعد انہی اشعار کو پڑھنا اور شوق دیدار میں رونما شروع کیا دیر تک یہی حالت رہی جس پر یہ محسوس ہونے لگا کہ مجھ میں اور حضرت رسول اللہ میں دیواروں اور چابیوں کا کوئی حجاب نہیں آپ کرسی پر سامنے بیٹھے ہوئے ہیں آپ کا چہرہ مبارک سامنے ہے اور بہت چمک رہا ہے۔

(۶) جب میں کراچی سے گنگوہہ شریف کے قصبے سے سفر کر رہا تھا گاڑی حنائی کے قریب چل رہی تھی خواب میں دیکھا کہ حضرت رسول اللہ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ تشریف لائے ہیں اور ہاتھ اس طرح ڈالے ہیں کہ انگلیاں بھی ایک ساتھ لی گئی ہیں۔

(۷) ایک بہت بڑا درخت ہے جس کی شاخیاں چاروں طرف پھیلی ہوئی ساری ٹھکی ہیں درخت کی اوپر کی سلاخ پر جناب باری عز و جل بیٹھے ہیں بہت وجلال ہے حد محسوس کر رہا ہوں اور کچھ اوپر سے ارشاد ہو رہا ہے جس کی پہری تفصیل دہ نہیں۔

**مدینہ کو واپسی** | مدینہ منورہ ۱۳۳۲ھ میں پہنچا ہوا اسی نماز میں ٹکی کا اطلاع ملے گی ہو گیا اور دفعہ کشی کے

سامانوں اور جنگی تختکات کا اثر بھاننا اور بالخصوص مرہٹوں میں شروع ہو گیا، میں متعلقین کے ساتھ مدینہ پہنچ کر حسب سابق مشاغل عظیم میں مشغول ہو گیا۔ اسی اثنا میں جب ترکی فوجیں حدود مصر کی طرف بھی جارہی تھیں اور عہدین (والیشیوں) کی بھرتی کی جارہی تھی تو زغیب جہاد کے لیے ستانہ (مدینہ) میں ایک بڑا جلسہ کیا گیا۔ اور میری اور دو تقریر ہوئی۔ خیرى برادران بھی وہاں پہنچ گئے تھے۔ ان کی تقریریں بھی ہوئیں اور ہندوستانی مجاہدوں کا ایک گروہ والیشیوں میں داخل ہو گیا۔ جس میں مولانا محمد جان قازانی اور مولانا حسرت اللہ قزاقی بھی تھے۔ یہ دونوں اسی مدینہ اور دہلی بندے تعلیم پا کر اسی سال پہنچے تھے۔ جمال پاشا کے زیرِ کمانی کال ہونے اور پھر صبح کے معرکوں میں اور شجاعت دی۔

**سیاست سے میرا تعلق** | یہاں تک ذاتی اور خانگی حالات تھے۔ اس جنگ عظیم نے سوانح زندگی میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا یعنی ”سیاست سے میرا تعلق اور برطانوی سامراج کے مقابلہ میں علم انقلاب“ جس طرح میری علمی زندگی کا منبع فیض حضرت شیخ السنہ تھے ایسے ہی سیاسی زندگی کا سرچشمہ بھی حضرت شیخ کے انکار و خیالات اور وہ جذبات تھے جو مراد راز سے حضرت شیخ کے سینہ پُر نور اور ضمیر روشن میں پرورش پا رہے تھے اور جن کی چنگاریاں اس جنگ عظیم نے بھڑکا دی تھیں۔

**سیاست میں داخلہ** | میں اس وقت تک زمشمن آزادی ہند میں شریک ہوا تھا کہ حضرت شیخ السنہ کی علمی سرگرمیوں سے واقفیت رکھتا تھا۔ مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد حضرت شیخ السنہ نے ایک خصوصی مجلس میں مجھ کو اور مولانا خلیل احمد صاحب کو طلب فرما کر اپنے خیالات اور علمی کارروائیوں سے مطلع فرمایا۔ میں اس وقت تک فقط علمی جدوجہد میں مشغول تھا۔ علمی جدوجہد کی فہم نہیں آئی تھی۔ اب حضرت شیخ السنہ کے خیالات اور واقعات سن کر میں بھی متاثر ہوا اور مولانا خلیل احمد صاحب بھی، یہ وقت میری سیاسیات کی ابتدا اور لبہم اشہ کا ہے۔

**مسجد نبویؐ میں جلسہ** | مفتی امول تبری صدر علمائے مدینہ کے پاس اور پاشا کا حکم پہنچا کر میں علمائے مدینہ کی تقریریں سننے کا شائق ہوں۔ اجتماع ہوا۔ حضرت شیخ السنہ اور مولانا خلیل احمد صاحب نے عربی تقریر کی حرم صدارت کی درجہ سے معذرت کر دی۔ پھر مجھ کو حکم کیا گیا، میں نے حسب مناسب وقت فلسفہ جہاد پر دو تقریر کی۔ جس میں عقلی اور نقلی دلائل سے ثابت کیا کہ نوع انسان کی فلاح و بہبود کے لیے جہاد ضروری ہے، تقریر آدھ گھنٹہ سے زیادہ جاری رہی۔ حاضرین مجلس نے بہت پسند کیا۔

**گرفتاری** | محرم ۱۳۳۵ھ میں شیخ الاسلام کو مسٹر عبداللہ سراج کی طرف سے نقیب علمائے حکم عصر بعد آقا اور کما کر کل کے خلاف اس فتویٰ پر دستخط کر دیں۔ حضرت فیض السنہ نے انکار کر دیا۔ اور چاروں کے بعد شریف حسین خود جبرہ گیا اور وہاں سے حکم بھجوا کر فرمایا مولانا محمد حسن اور ان کے رفقا اور سید ہاشم اور حکیم نصرت حسین کو گرفتار کر کے مجبور۔ اس پر بہت تشویش ہوئی اور مختلف طرفوں سے اس کی خسوفی کا مطالبہ کیا گیا مگر کچھ اثر نہ ہوا۔ غلامیہ کہ ہم سب گرفتار کر کے جبرہ بھیجے گئے۔ ۲۴ صفر ۱۳۳۵ھ کو برقی صبح زیرِ حراست جبرہ پہنچے اور تقریباً ایک ہفتہ زیرِ حراست

لکھ گئے۔ پھر ۱۸ ربیع الاول ۱۰۳۵ھ کو علیحدگی جہاز سے زیر حراست سوزیمیں گئے۔ ۲۲ کو سوزیم پہنچے۔ وہاں سے گردن کی حراست میں (جو ہندوہ کا سولہ تھے اور ہندو قوم سنگینوں سے مسلح تھے) ہم کو قادیان میں بھیجا گیا۔ اسی سال صوفیہ سوزیم کو حیدر کے سیاسی جیل میں داخل کر دیا گیا۔ اول لکھ گئے وہاں سے بیانات لینے کا سلسلہ شروع ہوا۔ بیان پلٹنے والا شخص انگریز تھا اور دو نہایت سلیس اور صاف بولتا تھا اس کے پاس بیٹھی ہی خیر کتابیں اور غافل تھے۔ جن میں سی ائی ڈی کے بیانات، بلڈ ٹیسٹس، پچھلے ہار خیال تھا کہ فقہ شریف کے مضر ہر دستاویز کر لے اور شریف کی شکایت کی وجہ سے ہوئی ہے مگر بعد میں یہاں پر کریم قادیانی تحریک کا ادوی کی ان جملہ کارروائیوں کی بنا پر ہوئی ہے جو افغانستان، کابل، فراتیخ اور دہلی بندو بھرہ میں مدعوں سے ہوئی رہی ہیں۔ اور جی کی جبری اپنے اور پیرایوں دونوں نے کی ہے۔ بہت سی باتیں ایسی پوچھی گئیں جن کے متعلق یقین تھا کہ کریم معلوم نہیں۔ حضرت شیخ الفداء کے متعلق اس کے پاس بہت بڑا جملہ تھا۔ حیدر کے جیل میں ایک ماہ رکھنے اور بیانات لینے کے بعد پارسوٹ مرتب کیا گیا اور ۲ ربیع الثانی ۱۰۳۵ھ - ۱۶ فروری ۱۹۱۶ء کو ہمیں ماٹ روڈ کر دیا گیا۔ گوروں کا پوری گارڈ منگیلوں سے مسلح ہمدی حراست کرتی تھی۔ اسی روز شام کو ماٹ جانے والے جہاز پر سوار کیے گئے۔ ۱۹ ربیع الثانی کو ماٹ پہنچ گئے۔

۲۰ جمادی الثانی ۱۰۳۵ھ کو تقریباً ۳ برس دو مہینہ ماٹ میں رہ کر ہم روڈ ہرے روڈ کی کے وقت ذہنت کے تمام ترک انفرادی اس وقت تک رہائشیں ہوئے تھے، صدر اعظم ترکی سے لے کر نیچے کے عہدہ داروں تک سب کے سر خود مجروح ہو گئے تھے۔ اور بہت زیادہ ضرر و خرابی کا ثبوت دیتے رہے۔ شیخ الاسلام خیر الدین آفندی نے خاص طور پر اٹھا کر دیا اچھی شروعات کی اور تمام افسروں نے ان کی موافقت کی آئین کی آواز سے فصاحت رکھی تھی۔ پھر سب نے نہایت پاک سے ابدیہ ہر کر ذہنت کیا۔

۲۵ جمادی الثانی ۱۰۳۵ھ ۱۵ مارچ ۱۹۲۵ء انگریز اسکندریہ پہنچا۔ اور ۲۶ جمادی الثانی ۱۰۳۵ھ کو سوزیم میں قیدیوں کی جگہ تھی داخل کر دیے گئے۔ ۱۸ روزہ کے قیام کے بعد ۱۴ رجب ۱۰۳۵ھ ۱۷ اپریل ۱۹۲۵ء کو وہاں سے سوزیم کیے گئے۔ سوزیم میں بھی ہم سنگینوں کے ہمراہ میں اسروں کے کیپ میں داخل کئے گئے۔ یہاں پہلے دو مہینہ رہنا پڑا۔ ۱۵ مارچ ۱۰۳۵ھ کو سوزیم کے دن۔ انگریز پر پہنچا گیا۔ ۱۷ رمضان ۱۰۳۵ھ کو جہاز صلیب پہنچا۔ جو کہ مدین میں جہاز باؤں شہر تھا تو ہم کنارہ پر گئے اور ۳ مارچ ہندوستان کو ایک نفرت حکم محمد حسن صاحب کو دیوبند میں، دوسرا ڈاکٹر انصاری کو دہلی میں، تیسرا حکم امیری کو بمبئی میں ہم نے دے دیا جس سے تمام احباب کو اطلاع ہو گئی۔ تاکہ ان کا حساب ذیل تھے "ہم لوگ ۱۸ مارچ کو بمبئی پہنچیں گے" متغیر کہ ۲۰ رمضان ۱۰۳۵ھ - ۸ جون ۱۹۲۵ء کو ۳ برس ۱۰ ماہ کے بعد بدھ پنا کریم کو رکھا گیا۔

بمبئی میں خلافت کیٹی کی طرف سے استقبال | بمبئی پہنچنے پر سب سے پہلے سی آئی ڈی کا انگریز افسر دو تین ہندوستانی افسروں کے آیا اور حضرت شیخ الفداء سے

کہیں تنہائی میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ حضرت اس کے ساتھ کمرہ میں چلے گئے اس نے کہا مولوی رحیم بخش یہاں آئے ہوئے ہیں آپ بغیر ان کے طے ہوئے ہرگز جہاز سے نہ اتریں۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا ہم کو جہاز ہی پر معلوم ہو گیا تھا کہ اب ہم بالکل آزاد ہیں ہم نے مولوی رحیم بخش کا بہت انتظار کیا جب وہ پہنچے تو میں اور مولانا عزیز گل صاحب اسباب سے کر کنارہ پر چلے گئے۔ بعد کو مولوی رحیم بخش آئے۔ حضرت شیخ الحدیث سے ملاقات کی اور کہا کہ آپ کے لیے اسپیشل ڈیپوٹ رو کر آؤں گا آپ بھی اتریں اور ریل پر چلے چلیں۔ حضرت نے فرمایا کہ آپ کا انتظار کر کے حسین احمد اور عزیز گل کتوہ پہ چلے گئے ہیں وہ آسائیں تو چلیں۔ ہمارے پہنچنے پر زور دیا کہ ہمارے لانے کے لیے نہ مل سکی۔ اگلے روز ۱۲ رمضان کو حضرت اتر سکے۔ مولوی رحیم بخش گڈ فرنٹ کے پیچھے آئے تھے مقصد یہ تھا کہ حضرت شیخ الحدیث تحریک خلافت میں شریک نہ ہوں اور بالابالا رہیں پھر سوار ہو کر دیوبند چلے جائیں۔ سیاسیات سے بالکل کنارہ کش ہو جائیں اسی لیے وہ اگلے دن اتارنے کے لیے اسٹیپر پر پہنچے۔ مگر جب لچ کنارہ پر پہنچے تو مولانا شوکت علی مرحوم اور ہر مزداد اشخاص اور ممبران خلافت کمیٹی نے زور دار شاندار استقبال کیا۔ نفرت نکیر سے فضا گنگ اٹھی اور حضرت کو چاندوں طرف سے گھیر لیا۔ اور کار میں سوار کر کے اپنی قیام گاہ پر لے گئے۔ مولوی رحیم بخش جرم کی شرت کی وجہ حضرت کے پاس بھی نہیں پہنچ سکے۔ مسلمانان بمبئی کی طرف سے خلافت کمیٹی کے زیر اہتمام کسری مسجد میں جلسہ عام کیا گیا اور ایڈریس "چیش کیا گیا۔"

بمبئی کے دور روزہ قیام میں حضرت مولانا عبد الباقی صاحب مرحوم بھی قیام گاہ پر تشریف لائے اور تنہائی میں سیاسیات حاضرہ پر بہت دیر تک گفتگو فرماتے رہے اسی آٹھویں مہاتما گاندھی بھی تشریف لائے اور حضرت سے گفتگو کی۔

**سفر کلکتہ** مولانا آزاد کی پُر زور تقریروں کی وجہ سے مدرسہ عالیہ کلکتہ کے طلباء علیحدہ ہو گئے تھے اور چاہتے تھے کہ کلکتہ میں ایک آزاد اور نیشنل مدرسہ عالیہ قائم کیا جائے خلافت کمیٹی کے اہلکار اس کی سرپرستی کریں۔ اس کے لیے ایک جمہور عالم کی ضرورت تھی۔ اس کے لیے مولانا آزاد نے مولوی عبد اللہ مصری کو بھیجا تھا اور حضرت اندشاہ کو طلب کیا تھا۔ مگر شیخ الحدیث نے فرمایا۔ شاہ صاحب تو دارالعلوم جموں نہیں کہتے مگر ہم دوسرا شخص دیں گے جو تمام کتب حدیث کی تعلیم دے سکتا ہو اور تجربہ کار و مشہور بھی ہو۔ مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا مرتضیٰ حسن صاحب نے حذر کیا۔ بالآخر مجھے حکم ہوا۔ میں جموں کلکتہ روانہ ہوا۔ اور وہاں اسباقی حدیث سنبھال لیے۔ مگر چونکہ خلافت اور آزادی کی تحریک زوروں پر چل رہی تھی اطراف کلکتہ میں بکثرت جلسے ہو رہے تھے ان میں بار بار حاضر ہونا پڑتا تھا اس زمانہ میں انھوں نے بنگال بھی دو دو دراز شہروں میں بڑے بڑے جلسوں میں ہانا پڑا جن میں سے مولوی باندر کے مشہور کانگریس اور خلافت کے جلسوں میں بھی جانا پڑا۔ اجلاس کانگریس کے صدر انجمنی سی آنداس تھے اور جلسہ خلافت وجیہ ملالک صدانت لکھنؤ انجم دینی پڑی تھی۔ دوسرا جلسہ رنگ پور میں بٹے پیمانہ ہوا تھا۔

ان دنوں کے خطبات چھپ کر شائع ہو چکے ہیں۔ اسی طرح دوسرے بھی اپنا پڑا۔ ایک جلسہ سیواہہ پور کا تھا اجلاس جمعیت کی صدارت مولانا حبیب الرحمن صاحب نے فرمائی تھی اور جلسہ خلافت کی صدارت مجھے انجم دینی پڑی تھی۔ اس موقع پر بھی کانگریس

کے اجلاس مشترک طور پر ہوا تھا۔ اس کے صدر ویرہ عدل کے ایک پنڈت صاحب تھے۔ میرا خطبہ اس وقت بھی شائع ہوا تھا۔ اس طرح خطبہ علوم سائنس کے جلسہ میں بھی کلکتہ سے حاضر ہونا پڑا تھا۔ اس کے بعد کراچی کے مشہور جلسہ میں حاضر ہونا پڑا جس پر کراچی کا تاریخی مقدمہ چلا اور دو سال قید باشت کی عرت مجھے اور مولانا محمد علی مرحوم اور مولانا شوکت علی وغیرہ میرے ساتھ کو حاصل ہوئی اور کلکتہ کی ملازمت اس کی وجہ سے ختم ہو گئی۔

کانگریس سے تعلق میں اگرچہ پہلے سے کانگریس میں شامل نہ تھا مگر ماٹا سے واپسی پر کانگریس کا باقاعدہ ممبر بن گیا اور ہمیشہ بعد و جد آزادی میں شریک رہا اور قید و بند کی مصائب بھی اہل ملک کے ساتھ جھیلنا پڑا۔

بعضہ تعالیٰ اس میں کامیابی ہوئی اور انگریزوں کی غلامی سے تمام ہندوستان آزاد ہو گیا۔ ماحول اللہ اولاد و اخرا۔

غنیہ انس تبریز خان



# سید سلیمان ندوی

ولادت ۲۲ نومبر ۱۸۸۴ء

وفات ۲۲ نومبر ۱۹۵۳ء

انیسویں صدی ختم ہو رہی تھی، تو میرے ہر شہر اور تہذیب کی انکھیں کھلی رہی تھیں۔ چند سو سالہ برسی کا میں ہوں گا، اس وقت قدیم و جدید کی کشمکش سے مداحند و ستہن خیالات کا وہ عمل ہی رہا ہے۔ کانوں میں دو قسم کی تحریکوں کی آوازیں دم دم آرہی تھیں۔ ایک سرسید کی تحریک یعنی انگریزی تعلیم کی اشاعت اور دوسری مقلد و فطرت کی مخالفت کی کوشش اور دوسرے مل کر نئے زمانے کے نئے خیالات اور فلسفہ سے آشنائی کے پانچویں تعلیم کی از سر نو تعلیم کی تحریک، جس کو کئی کچھ دوسرے خیالات ملائے تھے اور یہ بھی عجیب بات تھی کہ اس تحریک کا مرکز بھی علی گڑھ کی ایک عربی درس گاہ تھی، جو مولانا لطف صاحب کی زمت سے حمایت تھی۔ اس تحریک کا دوسرا مرکز دہلی تھا، جہاں مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی درس دیتے تھے، کالوں میں یہ دونوں آوازیں پڑیں مگر مولانا دہلی، دہلی اس دوسری تحریک سے متاثر تھا۔ اس لیے اسی دوسری تحریک سے دلچسپی ہوئی اور وہ بڑھتی گئی اور وہی میری زندگی کا جزو بن گئی۔

اس تحریک کا پہلا اثر یہ تھا کہ مولانا نے قدیم و جدید کی آمیزش سے نئی عربی درس گاہ کے قیام کی کوشش کی اور سب سے پہلے مولوی سید خیر حسین صاحب کے مشیر شکر و مولانا ہاجی اکبر صاحب آمدی نے آمہ صوبہ بہار میں مدرسہ امیریہ کی بنیاد ڈالی اور اس کے بعد مولانا لکھنؤ میں اپنا نیا مدرسہ دارالعلوم کھولا۔ میرے والد مرحوم نے مدرسہ امیریہ میں بھی کچھ کا اہادہ کیا مگر میرے خاندانی کے چند عہدوں کا تعلق مفتہ العہد کی تحریک سے تھا۔ اس لیے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ کی تجویز میرے لیے مناسب بنائی گئی مگر اعلیٰ کے داخلہ میں کچھ تاخیر تھی، تو چند ماہ ہمارے مشورہ ملی، دہلی میں مفتہ خاندانہ پھولاری میں مجھے رکھا گیا۔ یہاں مفتادہ میں ہر ہفتہ قوال ہوتی تھی۔ اس کے اثر سے اس شعبہ میں شعر و سخن کا خاصا چرچا تھا اور سب سے بڑے بھی اس شخص میں سانس لی اور میں سب سے پہلے مولوی عبدالحلیم شرر کا محل منصفہ مرزا ہو گیا۔ اس کا اثر ہمارا کہ جس وقت کتب خانہ کی خوب پیمائش ہوئی۔

ایک برس کے بعد مجھے وہ بیٹھنے کا ایک مہینہ مدرسہ امیریہ میں جو دارالعلوم ہی کے خاکہ پر بنا تھا اور اب تک ہے۔ چند ماہ رکھا گیا۔ یہاں سب سے پہلے میں نے علی گڑھ کی انجی و کالج دہلی کی تقریریں سنیں اور دوسرے ہی ہفتہ میں وقت کے عزمی پر ایسی تقریر کی کہ ہر طرف سے شاباش ملی۔

میں نے مہینہ دارالعلوم کا دور گزارا۔ علی گڑھ میں ایک مجلس کا نام ہے جس نے سب سے پہلے مولانا کی منشیہ جماعت کو ایک چھوٹا دارالعلوم کی صورت میں قائم کیا۔ اس کے چھ سال بعد دہلی کے بڑے بڑے شہر میں جماعتیں تھیں۔ جب اس مجلس کا سالانہ جلسہ ہوا تو وہاں دوسرے دوسرے جلسہ میں ہوا۔ یہ جب کیا تھا؟ جوش و خروش کا ایک سمنہ تھا



ہو، ہذا کیلک اندازہ آدھ ہر کسی سے بنا کر کنڈ نہیں۔ پہلا دھر سے ہٹ کھر استاد کی بتائی ہوئی شاہراہ پر آنا چاہیوں کہ علی مضامین کے لیے اس کے علاوہ قور سے ہڈ کر کنڈ دھر ہڈ ہڈ میں اس لیے بددہی سے اس میں ہیں۔ اس کی ایک ایک نصیحت کنڈی دھر دھر میں اس سال سالان کی محبت اقلی، تو علی زندگی کا ایک ہی مقرر کا ایک لڑا دھر قور کا ایک سنگ کی یا۔

یہاں سے زندگی کا مفاد میں وہ کا نہیں ہے۔ وہاں سے ہر سرور کے ساتھ رہنے کے باوجود ان کے سیاسی خیالات کے سخت مخالفت تھے پھر ملازم کی لڑائی، جس کا پرکار ہنگامہ ہنگامہ کی جنگ نے اس شکر کو دھر کیا۔ اس کا نتیجہ تھا کہ وہاں ہنگامہ نے جو نو دھر میں مولانا شیل کی صحبت سے حاشہ تھے جب سٹانڈ میں اپنا خیرا لعل نکالا، تو اس کے اسات میں شامل ہو گیا۔ اخبر کے لڑکچہ ادبی سچ کر نکلیں رکھنے کے لیے جس نے اس کے لڑ میں لکھنا شروع کیا۔ چنانچہ اعلیٰ میں اس زمانہ میں جو قوریں میرے تم سے نکلیں، ان میں اہل کلام نڈلا کا لڑا نا نایاں تھا کہ روگ خط فی سے اس کو رونا ہوا کلام کے نام کے لیے سخن چھپا ہے جس اور پڑھ رہے ہیں۔ اور میری پہلی کتب ارض القرآن میں بہت کچھ لکھنے پر جس اس کی جھک موجود ہے۔

صاف میں جو شفقت تھے جانتے ہیں اس کا آغاز میں نے استعمال ہی میں کیا تھا۔ لیکن جھنڈی کا کہ دایت کم ہو کر ایک اور صحت میں رنگ اُبھر آیا۔

لیکھ بہر حال چند مندرجہ ذیل کچھ ایسی راستہ ہا گیا جس پر اسٹا دھر میں نے لکھ لکھ کر اکر دیا تھا خصوصیت کے ساتھ سیتہ انبیاء میں اللہ علیہ السلام میں اپنے جانتے ہی کے لڑا دھر کے بنائے کی پوری کوشش کی ہے۔

میں نے شروع میں ہی اپنے ایک جرم کا جس کو میں چھپا تا رہا، ہنگامہ سا قبل کر لیا ہے۔ میں شوخی کا ذوق۔ میں نے جب انکھ کھلی تو ملک میں ایرد و ان کے منوک تھے میرے ایک استاد شمس احمد، مولانا حفیظ اللہ صاحب مدد دار اسلام جو جہل عظیم الدین خان کے زمانہ میں رامپور میں رہے تھے اور وہاں خفی امیر احمد صاحب مینا کی محبت برسوں اٹھائی تھی، وہ اکثر امیر مرحوم کے ذکر سے لیا کرتے تھے وہ ان کے شرنڈ تھے۔ ایک اور اتفاق ہے کہ اختر امیر خان کے میل اقدس گراڈ میں ایک پوری، جو اب نو اب فصاحت جنگ سے مخاطب ہیں، ان کے بڑے صاحبزادہ مولوی صدیق صاحب رتوس سرکار نظام امیر کے ساتھ مدد اسلام نڈ میں پڑھتے تھے۔ ان کے لڑ رہے حضرت امیر کی بہت سی خرمیں میری نظر سے گذریں، اسل میں امیر مرحوم کی قدیم خدمت سے لکر لیا، اس لکھ پڑی مراد اعلیٰ اکثر میں رہتا، مدد اسلام میں لڑوں کے مشاعرے ہوتے تھے خرمیں چڑھ جاتی تھیں۔ ایک صاحب داغ کا دھپ بھرتے تھے، لیکن امیر مرحوم کی بیوی کا دھوئی تھا۔ لیکن سٹانڈ میں جب مولانا شیل نے نماز دھر شاعری کی طرح لڑائی، تو دل نے اس میں اسٹا لکھ پڑی لاحق انکھ کا ہا دھر سٹانڈ میں لکھیں جس جنگ میں لکھیں ہی کا خاتمہ اس کے تاہر ہوا، جو جذبات مکہم سے مشتہ میں پڑ میں چھپا جس میں دنوں کی لکھ میں ناری کا لکھ رہا۔

میں نے جب یہ دھر لکھا تو اکبر آبادی کی اکثر اقبل حزن کھنری، مولانا شندھائی دھیرہ اسٹا دھر میں کے اکثر دھتوں، مدد دھن کے پاس اس کو تھ چھپا۔ سب نے تعریفیں کیں، مدد دھن چھپا۔ گریک آزموہ کا دھر صاحب کل، ایسا تھا۔ جس نے شفقت کی را سے مجھے لکھا کہ میں لیجے آپ شاعر ہیں۔ اس کے بعد ایک یا کتبہ لکھ تیار میرے مدد میں جو بہت ہو گیا۔ انھوں نے لڑا کہ جب تک انسان کسی فی میں کامل نہ ہو ہے اس کو مدد سٹانڈ کے مدد حریف ہر میں کن چاہیے۔ میں نے اس میں ہی بسا دھن لپیٹ دی اور شاعری سے تباہ کیا۔ اس کے بعد اگر کبھی مدد کے تھنے سے مجھ کو کچھ کہتا تو اس کو صیب کی طرح چھپا، اس کا کچھ نہ لکھا اور چھپ گیا تو ہم کو مدد اسٹا دھن چھپا۔ یہ تھوہ کا دھر صاحب کل





## حالی

**ولادت** میری ولادت تقریباً ۱۲۵۲ھ مطابق ۱۸۳۶ء میں بھمپن پانی پت جو شاہماں آباد دہلی سے جانب شمال ۵۲ میل کے فاصلے پر ایک قدیم بستی ہے واقع ہوئی۔

**سلسلہ نسب** اس قصبہ میں کچھ کم سات سو برس سے قوم انصاری کی ایک شاخ جس سے راقم کو تعلق ہے آباد چلی آتی ہے۔ ساتویں صدی ہجری اور تیرھویں صدی عیسوی میں جب کہ غیاث الدین بلبن تختِ دہلی پر ٹھکنے کا شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری معروف بہ پیر ہرات کی اولاد میں سے ایک بزرگ خواجہ ملک علی نام جو علوم متعارفہ میں اپنے مامعاری سے ممتاز تھے، ہرات سے ہندوستان میں وارد ہوئے تھے۔ جن کا سلسلہ نسب ۲۶ واسطے سے حضرت ابوالیوب انصاری تک اور ۱۸ واسطے سے شیخ الاسلام تک اور ۱۰ واسطے سے ملک محمود شاہ ابو طغیب برآق خواجہ تک جو غزنوی دور میں فارس و کرمان اور عراق کلم کا فرمانروا تھا، پہنچتا ہے۔

**آبا و اجداد کا ہندوستان آنا** چونکہ غیاث الدین اس بات میں نہایت مشہور تھا کہ وہ قدیم اشراف خاندانوں کی بہت عزت کرتا ہے۔ اور اُس کا بیٹا سلطان محمد ملار و شعرا اور دیگر اہل کمال کا مد سے زیادہ قدردان تھا۔ اس لئے اکثر اہل علم اور خاندانی لوگ ایران و ترکستان سے ہندوستان کا قصد کرتے تھے۔ اسی شہرت نے خواجہ ملک علی کو سفر ہندوستان پر آمادہ کیا تھا۔ چنانچہ سلطان غیاث الدین نے چند عہدہ اور سیر حاصل دیات پر گئے پانی پت میں اور معتد بہ اراضی سواد قصبہ پانی پت میں بطور مد معاش کے۔ اور بہت سی زمین اندرون آبادی قصبہ پانی پت واسطے سکونت کے ان کو عنایت کی۔ اور منصب قضا و صدارت و تشیخ نزع بازار اور تولیت مزارات ائمہ جو سواد پانی پت میں واقع ہیں اور خطابتِ عیدین ان کے متعلق کر دی۔ پانی پت میں جو اب تک ایک محلہ انصاریوں کا مشہور ہے وہ انہی بزرگوں کی اولاد سے منسوب ہے۔

میں باپ کی طرف سے اسی شاخ انصاری سے علاقہ رکھتا ہوں۔ اور میری والدہ سلوات کے ایک معزز گھرانے کی جویاں مسادات شہدا پرور کے نام سے مشہور ہیں، بیٹی تھیں۔

**خاندان کا ذریعہ معاش** اگرچہ خواجہ ملک علی کی اولاد میں سے بہت سے لوگوں نے اول سلطنتِ مغلیہ کے عہد میں اور پھر شاہانِ اودھ کی سرکار میں نہایت درجہ کا امتیاز حاصل کیا تھا۔ مگر زیادہ تر یہ لوگ اُنسی ملک و مدد معاش پر مبالغہ رہے جو مسلمین اسلام کی طرف سے وقتاً فوقتاً ان کو ملتا ہوتا رہی۔

میرے آباد اجداد نے جہاں تک معلوم ہے غالباً کوئی خدمت دہی یا کٹھن میں اختیار میں کی سب سے پہلے میرے باپ نے سرکار انگریزی کی نوکری سرشت پرست میں اختیار کی تھی۔

**والد کا انتقال اور بھائی کی سرپرستی**  
میری ولادت کے بعد میری والدہ کا دماغ قتل ہو گیا تھا اور میرے والد نے سن گھوٹ میں انتقال کیا جبکہ میں نو برس کا تھا اس لئے میں نے ہوش جہاں کو اپنا سرپرست بھائی بنوں کے سوا کسی کو نہ پایا۔

**تعلیم**  
انہوں نے اولیٰ کچھ کو قرآن حفظ کرایا۔ اس کے بعد اگرچہ تعلیم کا شوق خود بچہ میرے دل میں حد سے زیادہ تھا۔ مگر باقاعدہ اور مسلسل تعلیم کا بھی موقع نہیں ملا۔ ایک بزرگ سید جعفر علی مرحوم جو میری نون دیوڑی کے نتیجے اور نیز داماد بھی تھے اور بوجہ تعلق زبانشی کے پانی پت میں مقیم تھے۔ اور فارسی لٹریچر۔ تاریخ اور طب میں مددگار رہتے تھے۔ ان سے دو چار فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں مگر ان کی محبت میں فارسی لٹریچر سے ایک گونہ مناسبت پیدا ہو گئی۔ پھر عربی کا شوق ہوا۔ انہی دنوں میں مولوی حاجی ابراہیم حسین انصاری مرحوم۔ کھنڈ سے امامت کی سند لے کر آئے تھے، ان سے صرف دو کچھ پڑھی۔

**شادی**  
چند روز بعد بھائی اور بس نے جن کو میں بھنڈو والدین کے بھتا تھا نامی پر مجبور کیا۔ اُس وقت میری عمر ابرو کی تھی اور زیادہ تر بھائی کی نوکری پر سارے گھر کا گزارہ تھا کہ یہ بھتا میرے کندھے پر رکھا گیا۔

**تعلیم کا شوق دہلی لے گیا**  
اب بظاہر تعلیم کے دروازے چاروں طرف سے سدود ہو گئے۔ سب کی یہ خواہش تھی کہ میں نوکری کا شوق ترک کر دوں۔ مگر تعلیم کا شوق غالب تھا اور میری کامیلا آسودہ حال۔ میں گھر والوں سے روپوش ہو کر دلی چلا گیا اور قریب ڈیڑھ برس کے دہاں رہ کر کچھ صرف و نحو اور کچھ ابتدائی کتابیں تعلق کی مولوی نوازش علی مرحوم سے جو وہاں ایک مشورہ و اخلاذ اور مدرس تھے پڑھیں۔

**انگریزی نہ پڑھنے کی وجوہات**  
اگرچہ اُس وقت قدیم دہلی کلچر خوب رونق پر تھا۔ مگر جس سماجی میں میں نے خود دہا پائی تھی وہاں علم۔ صرف عربی اور فارسی زبان میں منحصر سمجھا جاتا تھا۔ انگریزی تعلیم کا خاص گہرائی پت میں اول تو کہیں ذکر نہیں آیا تھا اور اس کی نسبت لوگوں کا کچھ خیال قاصدی تو صرف اس قدر کہ وہ سرکاری نوکری کا ایک ذریعہ ہے۔ نہ یہ کہ اُس سے کوئی علم حاصل ہوتا ہے۔ بلکہ برخلاف اس کے انگریزی مدرسوں کو ہمارے علماء تجلئے "دینی جماعت کی جگہ" کہتے تھے۔ دینی بیچ کہ جس مدرسہ میں بچہ کو رہنا پڑا وہاں سب مدرس اور طلبہ کلچر کے تعلیم یافتہ لوگوں کو محض جاہل سمجھتے تھے۔ غرض کبھی بھول کر بھی انگریزی تعلیم کا خیال دلی میں نہ گزرتا تھا۔ ڈیڑھ برس تک دلی میں رہنا سہوا۔ اسی مدرسہ میں کبھی کلچر کو جا کر اسکو سے دیکھا تک نہیں اور نہ ان لوگوں سے (اُس زمانے میں) کبھی ملنے کا اتفاق ہوا جو اس وقت کلچر میں تعلیم پاتے تھے۔ جیسے مولوی ذکاوت اللہ مولوی ذہیر احمد۔ مولوی محمد حسین آزاد وغیرہ وغیرہ۔

**دلی سے جبری واپسی**  
میں نے دلی میں شہر سلم۔ حاسن اور جیدی پڑھنی شروع کی تھی کہ سب عزیزوں اور بزرگوں کے جبر سے چارونما ہمارے گھر کو دلی چھوڑنا اور پانی پت واپس آکر پڑا۔ یہ ذکر ۱۹۵۵ء کا ہے۔ دلی سے

لربس ڈیڑھ برس تک پانی پت سے کہیں جانے کا اتفاق نہیں ہوا۔ یہاں بطور خود اکثر بے پڑھی کتابوں کا مطالعہ کرتا رہا۔

۱۸۵۶ء میں مجھے ضلع حصار میں ایک قیل تخواہ کی آسامی صاحب کلکٹر کے دفتر میں ملی تھی۔

**لازمت**

۱۸۵۷ء میں جب کہ سپاہ باغی کا فتنہ ہندوستان میں برپا ہوا اور حصار میں بھی اکثر فتنات نمودار ہوئے اور سرکاری عملداری اٹھ گئی تو میں وہاں سے پانی پت چلا آیا اور قریب چار برس کے پانی پت میں بے کاری کی حالت میں گزرے۔

۱۸۵۷ء میں جب کہ سپاہ باغی کا فتنہ ہندوستان میں برپا ہوا اور حصار میں بھی اکثر فتنات نمودار ہوئے اور سرکاری عملداری اٹھ گئی تو میں وہاں سے پانی پت چلا آیا اور قریب چار برس کے پانی پت میں بے کاری کی حالت میں گزرے۔

۱۸۵۷ء میں جب کہ سپاہ باغی کا فتنہ ہندوستان میں برپا ہوا اور حصار میں بھی اکثر فتنات نمودار ہوئے اور سرکاری عملداری اٹھ گئی تو میں وہاں سے پانی پت چلا آیا اور قریب چار برس کے پانی پت میں بے کاری کی حالت میں گزرے۔

۱۸۵۷ء میں جب کہ سپاہ باغی کا فتنہ ہندوستان میں برپا ہوا اور حصار میں بھی اکثر فتنات نمودار ہوئے اور سرکاری عملداری اٹھ گئی تو میں وہاں سے پانی پت چلا آیا اور قریب چار برس کے پانی پت میں بے کاری کی حالت میں گزرے۔

۱۸۵۷ء میں جب کہ سپاہ باغی کا فتنہ ہندوستان میں برپا ہوا اور حصار میں بھی اکثر فتنات نمودار ہوئے اور سرکاری عملداری اٹھ گئی تو میں وہاں سے پانی پت چلا آیا اور قریب چار برس کے پانی پت میں بے کاری کی حالت میں گزرے۔

پاس بیٹھا تھا۔ مگر درحقیقت مرزا کے مشورے اور اصلاح سے مجھے چنداں فائدہ نہیں ہوا۔ بلکہ جو کچھ فائدہ ہوا وہ خواب صاحب مرحوم کی صحبت سے ہوا۔ وہ بلا لٹھ کرنا پسند کرتے تھے اور حقائق و واقعات کے بیان میں لطف پیدا کرتا اور سیدھی سادی اور سچی باتوں کو محض حسن بیان سے دلچسپ بناتا، اسی کو نہانے کمال شاعری سمجھتے تھے۔ مجھ کو رسے اور بازاری الفاظ و محاورات اور طعیانہ خیالات سے شیفتہ اور غائب دونوں متنفر تھے۔

غائب شیفتہ کے مذاق کا اندازہ اس ایک واقعہ سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ ایک روز انیس کا ذکر ہو رہا تھا۔ انھوں نے نہیں کہہ کر شیعہ کا یہ پہلا مصرع پڑھا :

آج شبیر پہ کیا عالم تنہائی ہے

اور کہا کہ انیس نے ناحق مرثیہ لکھا۔ یہی ایک مصرع بھائے خود ایک مرثیہ کے برابر تھا۔

اُن کے خیالات کا اثر مجھ پر بھی پڑنے لگا اور رفتہ رفتہ ایک خاص قسم کا مذاق پیدا ہو گیا۔

گورنمنٹ بکڈپو کی طلازمت | مجھے یہ کام کرنا پڑتا تھا کہ جو ترجمے انگریزی سے اردو میں ہوتے تھے اُن کی عبارت درست کرنے کو مجھے ممتی تھی۔ تقریباً چار برس میں نے یہ کام لاہور میں رہ کر کیا۔ اس سے انگریزی لٹریچر کے ساتھ فی الجملہ مناسبت پیدا ہو گئی اور نامعلوم طور پر آہستہ آہستہ مشرقی لٹریچر اور خاص کر عام فارسی لٹریچر کی وقتِ دل سے کم ہو گئی۔

لاہور میں ایک نئے قسم کے مشاعرہ کا انعقاد | لاہور میں کوئی ڈراما ڈانز کمپنی نہ تھی۔ ایک انٹرکٹن بیناب کے ایوارڈ سے مولوی محمد صمد آزاد نے اپنے پرانے ارادے کو پورا

یا۔ یعنی ۱۸۶۴ء میں ایک مشاعرے کی بنیاد ڈالی۔ جو ہندوستان میں اپنی نوعیت کے لحاظ سے بالکل نیا تھا اور جس میں بھائے مصرع رس کے کسی مضمون کا عنوان شاعروں کو دیا جاتا تھا کہ اس مضمون پر اپنے خیالات جس طرح چاہیں نظم میں ظاہر کریں۔

میں نے بھی اسی زمانہ میں چار شاعریاں ایک برسات پر۔ دوسری امید پر۔ تیسری انصاف پر اور چوتھی سبب وطن پر لکھیں۔

یٹنگو عربک سکول دہلی کی مدرسی | اس کے بعد لاہور سے دہلی میں ایٹنگو عربک سکول کی مدرسی پر بدل آیا۔

مدرس اور بعض دیگر نظموں کی تصنیف | بیاں آکر ازل میں نے ایک آدھ نظم بطور خود اسی طرز کی جس کی تحریک لاہور میں ہوئی تھی کھی۔ پھر سر سید احمد خاں مرحوم نے ترغیب دلائی کے مسالوں

پر موجود ہفتی و تترن کی حالت اگر نظم میں بیان کی جائے تو مفید ہوگی۔ چنانچہ پندرہ ٹیٹل مدرس مد و جزو اسلام اور اس کے بعد انھیں چھپ چھپ کر بار بار شائع ہو چکی ہیں۔

ریاض مسموم کا لکنا | نظم کے سامنے نے تتراندو میں بھی چند کئی بھی ہیں۔ سب سے پہلے غالب، ۱۸۶۹ء میں ایک کتاب "ریاض مسموم" ایک میٹرو لکھ کر اس کتاب کے جواب میں جو میراجم وطن تھا اور سلمان سے عیسائی ہو گیا

قابھی تھی۔ جس کو اسی زمانہ میں لوگوں نے مذہبی بیگزینوں میں شائع کر دیا تھا۔

**علم طبقات الارض پر ایک کتاب کا ترجمہ** | اس کے بعد لاہور میں ایک عربی کتاب کا جو جیولوجی میں تھی اور فرنگی سے عربی میں کسی مصری فاضل نے ترجمہ کی تھی، اُردو میں ترجمہ کیا۔ اور اس کا الہی رائن بغیر کسی معاوضہ کے پنجاب یونیورسٹی کو دے دیا۔ چنانچہ ڈاکٹر لائٹر کے زمانہ میں اس کو یونیورسٹی نے چھاپ کر شائع کر دیا تھا مگر اول تو وہ اصل کتاب پچاس ساڑھ برس کی لکھی ہوئی تھی۔ جب جیولوجی (علم طبقات الارض) کا علم ابتدائی حالت میں تھا دوسرے مجھ کو اس فن سے محض اجنبیت تھی۔ اس لیے اصل اور ترجمہ دونوں ٹیلیوٹوں سے خالی نہ تھے۔

**محاسن النساء کی تصنیف** | لاہور ہی میں ایک کتاب عورتوں کی تنسیم کے لیے نقشہ کمائیوں کے پیرایہ میں موسوم بہ "محاسن النساء" لکھی تھی۔ جس پر کرنل ہالرائڈ نے ایک ایجوکیشنل دربار میں بمقام دہلی مجھے اردو ناقد بروک کے ہاتھ سے چار سو روپے کا انعام دلوا دیا تھا۔ اور محمد اودھ اور پنجاب کے مدارس میں مدت تک جاری رہی اور نایاب اب بھی کہیں کہیں جاری ہو۔

**حیات سعدی کا لکھنا** | پھرتی میں سعدی شیرازی کی لائف اور ان کی نظم و نثر پر ریویو لکھ کر شائع کیا۔ جس کا نام حیات سعدی ہے اور جس کے دس بارہ ایڈیشن اب سے پہلے شائع ہو چکے ہیں۔

**تقدیم شعرو شاعری اور دیوان کا شائع کرنا** | پھر شاعری پر ایک متوسط ایسے (مضمون) لکھ کر بطور مقدمہ کے اپنے دیوان کے ساتھ شائع کیا۔

**یادگار غالب کی تصنیف** | اس کے بعد مرزا غالب مرحوم کی لائف جس میں ان کی فارسی اور اردو نظم و نثر کا انتخاب بھی شامل ہے اور نیز ان کی شاعری پر ریویو بھی کیا گیا ہے۔ "یادگار غالب" کے نام سے لکھ کر شائع کی۔

**حیات جاوید** | اب سر سید احمد خاں مرحوم کی لائف موسوم بہ "حیات جاوید" جو تقریباً ہزار صفحے کی کتاب ہے لکھی۔ جو امید ہے کہ مارچ یا اپریل میں شائع ہو جائے گی۔

**فارسی صرف و نحو کے متعلق چند کتابیں** | ان کے سوا اور بھی کئی فارسی گریمر وغیرہ میں لکھی ہیں جو چنداں ذکر کے قابل نہیں ہیں۔

**تلف مضامین** | اس کے علاوہ تیس تیس مضمون بھی مختلف حماؤں پر مختلف اوقات میں لکھے جو "تہذیب الاخلاق" و "میلاد" "ٹوٹ" اور دیگر اخبارات و رسائل میں شائع ہوئے ہیں۔

**فارسی نظم و نثر** | نیز اردو کے علاوہ فارسی میں کئی تہذیبیادہ اور عربی میں کم میری نظم و نثر موجود ہے۔ جو ہنوز شائع نہیں ہوئی۔ جب سے ان دونوں زبانوں کا رواج ہندوستان میں کم ہونے لگا ہے، اس وقت سے تک طرف توجہ نہیں رہی۔

**سب سے اخیر فارسی وارد و نظم** | میری سب سے اخیر فارسی نظم وہ ترکیب بند ہے۔ سرسبز کی وقت پر میں نے ۱۸۹۸ء میں لکھا تھا۔ اور اردو میں سب سے اخیر وہ نظم ہے جو حال میں میرس و گھوڑیہ کی وقت پر لکھی ہے اور ٹیکڑہ کلاٹ میں شائع ہو چکی ہے۔

**حیدر آباد سے وظیفہ کا تقرر اور طراز سے عہدگی** | ۱۳۰۵ء میں جبکہ میں ایگلو حریک سکول دہلی میں مدرس تھا۔ نواب سر آغا جاہ بہادر مرحوم دارا الماس سرکار عالی نظام اٹلئے سر قلم میں مل لکھ مٹن کالج کے واسطہ کے لئے سرسبز احمد خاں مرحوم کی کوئی واقع ٹیکڑہ میں فروکش ہوئے تھے اور میں بھی اس وقت مل لکھ گیا ہوا تھا۔ نواب صاحب مدارج نے بصیفہ امداد مضین ایک وظیفہ تعدادی ۵۰ روپے ماہوار کا میر سے لئے مقرر فرمایا اور ۱۳۰۹ء میں جب کہ میں سرسبز مرحوم کے ہر وہ بغول و غیر میران ذمہ نشین و شبان مٹن کالج مل لکھ حیدر آباد گیا تھا۔ اُس وظیفہ میں بھی ۵۰ روپے ماہوار کا اضافہ کر کے ۱۰۰ روپے سکے حال کا وظیفہ میر سے لئے مقرر کر دیا۔ جو اب تک ماہ ماہ کچھ کچھ سرکار عالی سے ملتا ہے۔ اور اسی وقت سے میں نے ایگلو حریک سکول دہلی کا منتقلی کر دیا ہے۔

الطاف حسین حالی از پانی پت

**حجر کے آخری ایام اور وفات** | مولانا نے اپنے یہ سوانح ۱۹۰۱ء تک لکھے تھے۔ بعد کے حالات زندگی بہت مختصر ہیں۔ جون ۱۹۰۳ء میں آپ کو شمس الملک کا خطاب ملا۔ ۱۹۰۵ء میں آپ نے اپنے اہل وطن کے چند سے کافی پت میں ایک وائبریری قائم کی۔ اسی سال کے آخر میں قلم پڑا بلیر محبوب علی مرحوم کے جشن چہل سالہ کی روئیداد مرتب کرنے کے لیے سرکاری طور پر آپ کو حیدر آباد بھیجا گیا۔ جون ۱۹۰۶ء میں وہاں سے واپسی کے بعد آپ کی ایک آنکھ میں پانی اُتر آیا جس کا آپریشن ۱۹۰۷ء میں پٹنار میں ہوا۔ اسی سال آپ آل انڈیا مٹن کالج کیشل کانفرنس کے صدر منتخب ہوئے اور کراچی میں آپ نے اپنا خطبہ صدارت پڑھا۔ ۱۹۱۱ء میں آپ کی دوسری آنکھ کا آپریشن ہوا۔ آخر عمر میں آپ نے نہایت محنت اٹھا کر اپنا سولی و فارسی نظم و نثر کا مجموعہ مرتب کیا۔ خدا کا شکر ہے کہ وہ ان کی زندگی ہی میں اگست ۱۹۱۳ء میں شائع ہو گیا تھا۔

مولانا کا انتقال تقریباً ۳۱ دسمبر ۱۹۱۳ء کو رات کے وقت ہوا۔ اور آسمانِ نوب کا یہ سربلغ ہیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔ انا ہشت فنانا ایہ راہنمون

محمد اسماعیل پانی پتی

## میرامن دہلوی

وفات: ۱۲۱۶ھ

ولادت: ۱۱۴۳ھ

پہلے اپنا احوال یہ عاصی گنگا ر میرامن دلی والا بیان کرتا ہے کہ میرے بزرگ ہمایوں بادشاہ کے عہد سے ہر ایک بادشاہ کے رکا ب میں پشت بہشت جافشانی بجالاتے رہے۔ اور وہ بھی پرورش کی خور سے قدر ذاتی سے سرفراز کر کے کرکمالا مال اور نہال کر دیا اور خانہ زاد موروثی اور منصب دار قدیمی زبان مبارک سے فرما دیا۔ چنانچہ یہ لقب شاہی دفتر میں داخل ہوا۔ جب ایسے گھر کی (کہ سامنے گھر اس گھر کے سب آباد تھے) یہ نوبت پہنچی کہ ظاہر ہے، عیاں راہر بیاں۔ تب سورج جل جاگئے جاگیر کو ضبط کر لیا۔ اور احمد شاہ درانی نے گھر بار تاراج کیا۔ ایسی ایسی تباہی کھا کر ویسے شہر سے (کہ وطن اور جنم بزم میرا ہے اور آئول نال وہیں گڑا ہے) جلا وطن ہوا۔ اللہ ایسا جلاؤد کہ جس کا نا خدا پادشاہ قاتل غارت ہوا۔ میں بے کسی کے سمندر میں غوطے کھانے لگا۔ ڈوبنے کو تنگے کا آسرا بہت ہے کتنے برس جلدہ عظیم آباد میں دم لیا۔ کچھ بنی کچھ گزری۔ آخر وہاں سے بھی پاؤں اکھڑے۔ روزگار نے سخت نہ کی۔ عیال و اطفال کو چھوڑ کر تنہا کشتی پر سوار ہوا شربت البلاد لکھتے ہیں آب دانے کے زور سے آپہنچا۔ چند سے بے کاری گزری اتفاقاً نواب دلاور خان نے بلوکر اپنے چھوٹے بھائی میر محمد کاظم خان کی اتالیقی کے واسطے مقرر کیا۔ قریب دو سال کے وہاں رہنا ہوا۔ لیکن نباہ اپنا نہ دیکھا۔ تب نئی میر بہادر علی جی کے واسطے سے حضور تک جان گلکریٹ صاحب بہادر دوام اقبالہ کے رسائی ہوئی۔ بارے طالع کی حد سے ایسے جو افراد کا دامن ہاتھ لگا ہے۔ چاہے کہ کچھ دن بچے آویں۔ نہیں تو یہ بھی قیمت ہے کہ ایک ٹکڑا کھا کر پاؤں پیلا کر سو رہنا ہوں۔ اور گھر میں دس آدمی چھوٹے بڑے پرورش پاکر دعا اس قدر دان کو کرتے ہیں۔ خدا قبول کرے۔

حقیقت اُنہی کی زبان کی بزرگوں کے منہ سے یوں سنی ہے کہ دلی شہر ہندوؤں کے نزدیک چومٹی ہے۔ انہیں کے راجا بچا قدیم سے وہاں رہتے تھے اور اپنی جگہ بولتے تھے۔ ہزار برس سے مسلمانوں کا عمل ہوا۔ سلطان محمود غزنوی آیا۔ پھر غوری اور لودھی پادشاہ ہوئے۔ اس آدورفت کے باعث کچھ زبانوں نے ہندو مسلمان کی آمیزش پائی۔ آٹھ امیر تیمور نے (جن کے گھرانے میں اب تک نام نہاد سلطنت کا چلا جاتا ہے) ہندوستان کو لیا۔ ان کے آنے اور رہنے سے کلکڑا کا بازار شہر میں داخل ہوا۔ اس واسطے شہر

نے سورج جل جاگئے جاگیر ضبط کرنے کا واقعہ ۱۷۶۱ء سے پہلے کا ہے۔

۱۔ میرامن غالباً ۱۷۶۱ء ہی میں جلاوطن ہوئے۔ ۲۔ عظیم آباد میں ۱۷۶۱ء سے ۱۷۶۹ء تک غالباً قیام رہا۔

۳۔ نئی بہادر علی کا تقرر رفت ویم میں بیشیت صدر شعبہ ہندی ۱۸۰۶ء میں ہوا۔



کا بازار محدود کیا۔ ہر تاجروں بادشاہ چٹانوں کے اندر تیکر گن ہو کر روایت گئے۔ آخر وہاں سے آن کر پہنچانوں کو گزشتالی دی۔ کوئی صفت باقی نہیں رہی۔

جب اکبر بادشاہ تخت پر بیٹھے تب چاندوں طرف کے ملکوں سے سب قوم۔ قدر دانی اور فیض رسانی اس خاندان کو ثانی کی شہنشاہی میں آکر جمع ہوئے۔ لیکن ہر ایک کی گریانی اور بولی جدی جدی تھی۔ اکٹھے ہونے سے آپس میں لین دین سردا سلت سوال جواب کرتے لیکن ایک اردو زبان کی مقرر ہوئی۔ جب حضرت شاہجہان صاحب قرآن نے قلعہ مبارک اور جامع مسجد اور شہر پناہ تعمیر کرایا اور تخت طاؤس میں جواہر جڑوایا۔ اور ذل بادل سا خیمہ چوں پر ایستادہ کرٹا بوں سے کھوایا۔ اور خواب علی مراد خان ہنر کو لے کر آیا۔ تب بادشاہ نے خوش ہو کر جشن فرمایا۔ اور شہر کو اپنا دار الخلافہ بنایا۔ تب سے شاہجہان آباد مشہور ہوا (اگرچہ دلی جدی ہے۔ وہ پرانا شہر اور یہ نیا شہر کھڑا ہے) اور وہاں کے بازار کو اردو نے مغلے کا خطاب دیا۔

امیر تیمور کے حمد سے عہد شاہ کی بادشاہت بلکہ احمد شاہ اور عالمگیر ثانی کے وقت تک پیری بر پیری سلطنت کی ساری آئی ندان زبان اردو کی جلتے بجتے ایسی تھی، کہ کوشمہ کی بولی اس سے ٹکر نہیں کھاتی۔ لیکن قدر دان صفت چاہنے جو تجویز کرے۔ جواب خدا نے بعد مدت کے جان گلگشت صاحب سادہ اناکتہ رس پیدا کیا کہ جنہوں نے اپنے گمان اور اگت سے اور کشا و صحت سے قاعدوں کی کتابیں تصنیف کیں۔ اس سب سے ہندوستان کی زبان کا ملکوں میں رواج ہوا۔ اور نئے سرے رونق زیادہ ہوئی۔ نہیں تو اپنی دستار و گفزار و رفتار کو کوئی بڑا نہیں جانتا مگر ایک گنوار سے پوچھے تو شہر وائے کو نام رکھتا ہے۔ اور اپنے تیل سب سے بہتر بھکتا ہے۔ غیر مقلدوں خودی ماند۔

جب احمد شاہ ابدالی کابل سے آیا اور شہر کو ٹولیا۔ شاہ عالم یورپ کی طرف گئے۔ کوئی وارث اور مالک ملک کا نہ رہا۔ شہر بے سر ہو گیا۔ سچ ہے۔ بادشاہت کے اقبال سے شہر کی رونق تھی۔ ایک بارگی تباہی پڑی۔ رئیس وہاں کے میں کہیں تم کہیں ہو کر جہاں جس کے سیلگ حملے وہاں نکل گئے۔ جس ملک میں پہنچے وہاں کے آدمیوں کی ساتھ ملک سے بات چیت میں فرق آیا اور بت ایسے ہیں کہ دس پاکی برس کو سب سے وہی میں گئے۔ اور رہے۔ وہ بھی کہاں تک ہوں سیکس گے۔ کہیں نہ کہیں چوک ہی جائیں گے اور جو شخص سب آفتیں سہہ کردنی کا روڑا ہو کر رہا۔ اور دس پاکی پشتیں اسی شہر میں گزریں اور اس نے دوبارہ لڑاؤں کے اور پیلے پیلے عرصے چھڑایاں، سیر تاشا اور کوچہ گردی اسی شہر کی مت تک کی ہوئی۔ اور وہاں سے نکلنے کے بعد اپنی زبان کو کھاع میں رکھا ہو گا۔ اس کا بولنا بہتہ ٹیک ہے۔ یہ عاجز بھی ہر ایک شہر کی سیر کرتا اور تاشا دیکھتا یہاں تک پہنچا ہے۔

۱۔ ڈاکٹر گلگشت اردو زبان کے بہت بڑے محقق تھے۔ ۱۸۷۷ء سے اردو کی خدمت شروع کی۔ ۱۹۰۰ء میں کلکتہ میں فورٹ ولیم

کالج قائم کیا۔ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔ ۱۹۴۱ء میں بمقام پیرس ۸۲ سال کی عمر میں انتقال کیا۔

میر امن کا نام میرامن بھی لکھا ہوا ہے (نمائندہ جاوید جلد اول صفحہ ۱۱۰، داستان تاج اندویش) کا لہ سری رام اور بہادر خیر جاحن نقوی دونوں نے یہ نہیں بتایا کہ ان کو میرامن کا نام "میرامن" کہاں سے دستیاب ہوا۔ میرامن لفظ نقص بھی فرماتے تھے۔

## مرزا منظر جان جاناں

**خانہ دان** | اسی فیر کے سوانہ وجود کا آغاز ایک تھوڑا آب ادا انجام ایک مشت خاک ہے۔ اس عالم اعتبار میں خاکسار کی نسبت کا سلسلہ ہمیں واسطوں سے حضرت عرب خلیفہ کے توسط سے شیریں پند کبریا معصرت علی مرتضیٰ عبدالعزیز عالم ملک پہنچا ہے۔ فقیر کے اجداد میں سے ایک بزرگ امیر کمال الدین آفریدی مدنی ہجری میں کسی تقریب سے حاضر تھے۔ انہوں نے اس ملاو کے ایک حکم کی ناک سے جو قبیلہ اوس قاتلان کا مسوار تھا، شادی کر لی اس کی بہت زیادہ دودھ دیتی تھی چوں کہ اس کا کوئی لاکھ نہیں تھا اس لیے اس ملاو نے حکومت کا تعلق ان کی ملاو سے ہو گیا۔ جب جاوید بادشاہ نے مملکت ہندوستان کو سرکشی چٹانوں سے نجات دلائی تو اسی خانہ دان کے دو بانی عرب خلیفہ اور باہا خلیفہ کو ساتھ لایا جس کا سلسلہ تین پشت اوپر میر کمال الدین سے ختم ہوا۔ ان دونوں کا جلی حصہ کبریٰ کی آفرین میں لکھا ہوا ہے۔ ان دونوں کا نسب مادری امیر صاحب قرآن کے خانہ دان تک پہنچا ہے۔ اس کے بعد سے ساطین گورگین کی خدمت اور مخالفت اس خانہ دان کا شہرہ ہے۔ اندلیق کا سلسلہ چار واسطوں سے باہا خلیفہ ختم ہوتا ہے۔ خلیفہ مذکور نے حمید اکبری میں جلالت کی فتح۔ اس جرم کی پاداش میں چیرے دار علی کم نفسی کی مرزا کی گرفتار تھے انہوں نے مرکا بڑا جتہ ایک زیب کی خدمت میں گلا ما۔ آخر تک دنیا کی دولت سے مطمئن و قانع ہوئے اور قادریہ سلسلہ کے ایک جنک کی خدمت سے استفادہ کیا۔ انہوں نے ۱۲۹۰ھ میں اس دنیا سے رحلت کی۔

**ولادت** | خیر کی ولادت ۱۲۹۰ھ میں ہوئی سرور سلاطین محمد قاسم قاسمی نے فرمایا کہ میرا بیٹا میری والدہ باغی تربت شاہ جہان آباد میں۔ میری سال کی عمر میں کرمت ہندوستان سے آقا محمد علیا زادہ شکر ماہ میں روایت شروع کی۔ علوم متعارفہ والہ کے زمانے میں پڑھے۔ اندکب حدیث حاجی محمد افضل سیالکوٹی کی خدمت میں پڑھیں۔ جو شیخ احمد علی شیخ عبد اللہ بن سالم کی کے شاگرد تھے اور قرآن مجید شیخ انوار مشیخ عبداللہ بن شریف کے شاگرد خانہ عبد الرسول دہری سے سند کیا جو تہ نصیبی کا فرقہ ادا جہانت مطلق حجاب سید مسادات نور محمد جادوئی رضی اللہ عنہ سے حاصل کیے جن کا سلسلہ دود واسطوں سے حضرت مجدد الملت ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ختم ہے ایک عمر کی خدمت میں گندی سائے کی وفات کے بعد اس طریقہ کے متدو شریخ سے استفادہ کیا اور آخر کار مدت تک حضرت شیخ شیرین محمد بدستاری رضی اللہ عنہ کے آستانہ فیض آباد ہجری میں رہا۔ ان کا سلسلہ بھی دود واسطوں سے حضرت مجدد سے ختم ہے ایک مدت تک ان کی خدمت کے قادریہ، سہیلہ، اچھتیر طریقوں کا فرقہ ادا جہانت حاصل کیا۔

**باطنی تربیت** | تیس سال تک مدرسہ خانقاہ میں جہد کوشش کی پانی زندگی میں اس شغل شریف میں گندی۔ اشک دی ہوئی بہت اور توبہ سے نخلی ہجرت طلب کو دنیا کی گندی ہے آئندہ نہیں کیا وہاں سے کسی کو اس ماہ میں نہ رکھا۔ تیس سال سے کچھ عبادت میں نہ ہوا گریں ہیں اور حضرت شریخ کے حکام کے صاحبزادوں کے سفود ہوا کی تعلیم میں مشغول ہیں جو کی ذات کی باطنی روی میں ہر اسد خلیفہ ہیں۔

شاعری | مدد جانی میں خود شوق کی تحریک پر جو ان کے طبع کا ملک ہے کچھ نئے سونے کیے تھے۔ جو سے میر نام شاعری میں آگیا وہاں بہت کی



بلجے اس کی محبت پند نہیں آئی اور علی محمد خاں کے رکھوں کریں نہیں جانتا۔

**پانی پت میں قیام** | اس وقت غیر ادا کی، مفرشتہ میں پانی پت کے اخذ عافیت سے ہے عہد اولیٰ کے لوگ بھی پھر ہیں۔ میری مراد اس کے

تربیب پانی پت کی ہے۔ بڑھاپے کا مصنف غالب ہے لہذا از چار دقت حلقہ ہر تہ ہے، بیس، دو پیر و شام اسدات کر۔ لوگ حاضر ہوتے ہی عہد سات میں سے گرد گرد لوگ اجلاست حاصل کر کے اپنے اپنے شہروں کو جانے کی نصیحت پاتے ہیں۔ اب میرے ہم عمروں میں کم لوگ آتی ہے ہیں اس وقت ہندوستان کی حالت بتر ہے۔ ہر طرف فتنہ ہا ہے۔ مادہ حق تھا۔ اتراپی اس لیے سرور سامانی نے اجازت ہی زوی باب کو سفر آخرت در پیش ہے فنی تملے لڑگوں کے کشتے میں آسانی سے منزلی مقصود رک پناہ ہے

ہم سے پر جا میں جس سے ہندوستان میں سولے منظر کے جو ارشاد و قیام میں مشن ہی اب کوئی زندگی نہیں لہا بلکہ خاندان عالی شان میں بھی ایسے صاحبزادگان جو صاحب ارشاد و تاثیر ہوں نہیں ہیں۔

**ذوق سماع** | سماع کے کشتے میں ارتقا اور محنت صرف میں سخت انتقون ہے۔ پہلا فرقہ قند و نند کے دوران سے کہ بند کرنے کی مصیبت سے کتا ہے کہ سماع قطعی سماع ہے مد سوز فرقہ ذوق کے انتقام سے اسے مطلقاً حال تاتا ہے۔ انصاف کی اند اصل بات تو یہ ہے کہ سماع اور حور کا ہر تہ ہے ایک تہ کو کوئی شخص جو مل فتنہ نہ ہو منہں کام کو مزدوں کا زمیں مند شری کی مانت کے بغیر گائے اور سننے والوں کو بل میں اس سے کوئی فائدہ پیدا ہونے کے بجائے ان کے دل میں فتنہ و محو و حال پیدا ہو۔ سماع کی رسم البتہ سماع ہے کیوں کہ مرکب ہے دو سماع چہنڈ، کلام مولود اور آواز مولود سے جو کسی لیے غیر سماع ہو، نیز فرقہ اولیٰ میں شری تقریباً شفا طبع یادہ دست کے قوتوں پر یہ کار کا معنی رہا ہے۔ اند کے تہ کے عہد سے کبھی کبھی ایسا کیا ہے جب کہ حدیث کی کتاب سے ظاہر ہے۔ لیکن ہندو لوگوں نے اس عمل کا کوئی التزام نہیں کیا بلکہ بعض اوقات ایسا ہو گیا۔ دوسری قسم وہ ہے جسے ہندو متاخرین نے مدح کیا اس کا التزام کیا ہے اور بہت کم اخیر شری باتوں میں داخل کر دیا۔ اس قسم کے سماع میں جس حد غیر سماع حمد و ثناء کی ہے۔ یہ اتنا ہی حرم ہوگا سا امان ورام کرنے والوں کی اہت کا اعتقاد کمزور نہ پہنچ جائے گا۔

**ایقون اور شراب** | ارباب کمال میں سے بعض لوگ سماع سماع کی رحمت نہیں رکھتے تو اپنے اپنے ذوق کی بات ہے۔ احکام شری پر منحصر نہیں ہے مشا شراب پیچنے والا میٹھی چیرا پند نہیں کرتا۔ اور ان میں کھانے کا علیہ چیرے رحمت نہیں رکھتا۔ حالانکہ اس میں سے ایک شخص دیگر کی حق کو حرام نہیں کرتا۔ اس میں چہنڈ سے کھانے کے ہندو لوگوں کی نسبت کاثر شراب کے کھانے کی طرح ہے نہ سکت کے بجائے شہوات سے لطف پتے زیادہ فتنہ و ارتقا کے ہنگام کہیں کی خواہی نسبت انہی کے کھانے کی طرح ہے۔ شراب ہنگام کے بجائے سکت سے لطف اٹھاتے ہیں۔ اس اتفاق کی وجہ ذوق حد حسیت ہے۔ اگر وہی اور شراب تمام ارقوں کے ہنگام حد حسیت کے تالیف و ذکر میں دہرا اندھن ہنڈی کے۔ ادب بلیط سماع سے اجتناب کے مسئلے میں متفق ہیں اور طبعی کے ہائی قابلہ عقید نہیں۔ افراد و تفریق طبع ہے۔ اس مسئلے کی تفصیل کیے جہ الاسلام خزانہ شیخ الشیخ سرور دی بیہ تحقیق کی سہولت کی دیکھیں چاہیں۔

ضاکہ مشککہ کہ بندہ سماع غیر سماع سے تائب اور سماع سماع کو ترک کر چکا ہے۔ اس بات و غیرا اہت کے مسئلے میں کتاب و سنت کا تعلق ہے۔ اختلاف وجہوں کے متفق اس سے زیادہ بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس گدہ کی کتاب سے ظاہر ہے کہ صحیح احوال اور ہندو مقامات والے لوگوں نے سماع میں پانی پانی دی۔ جو عہد صوفیہ کے مذاق سے واقف ہے اور ملحق سیم رکھتا ہے وہ اس تحریر کی تصدیقیت مانتا ہے۔

فقیر کا تو ایسا لہری کھڑی سر ہوتی تھی کہ ساتھ زندہ ہے اور اب تک فقر و سگان میں کر دلی دقت تو بڑی جاتی ہے۔  
ذوق سخن آتی نہیں رہا۔ بہت عرصے کے بعد ایک تارہ غزل بھی ہے دوسری شریکے جاتے ہیں۔

ہاں فرصت چھوٹا باشد زیر گشتیں ہوا کہ قہرِ عالم اقدار مست چل کر کبھی ہوا  
قہرِ دایم و سدا چھوٹا چلی ہو کہ چہرہ از بل دم بعدا شد از آشیان ہوا  
لفظِ عالی کلام از سینہ صدمہ بگشت آئی چہ نادر و نایاب کہ دست کان کے بیان ہوا  
مسلم نہیں کہ میری موت کس طرف نہ نہیں گزرتا ہے جو چھوٹا نہیں پہنچے اور موت میں کر چلے جاتے ہیں

فقیر اس حالت میں کہ جس میں تیرہ فقریم و سترہ ہوتا ہے۔ جب کہ چند دینیں کرتا ہے۔ جبکہ نے اس سے اندازہ کیا ہے۔ فقیر کی تجبیز  
تجلیات کے یہ حالت تھی کہ کئی اور فقرہ فریاد و گشت زنی جاتے تھے اس کے بعد یہ بڑا پرہیزگار بن گئے۔ کیوں کہ میں زندگی میں بھی اس  
حالت تھا۔

میں بندہ گویا ہوں ہے ایک ہوں میں یہ نہ تھا کہ نام پر نصیر دیکھے اور بس چند منہ پہلے میری بڑی نے درخواست کی تھی کہ اپنے امروٹو کی  
یاں پر چھوٹوں میں نہ اس کے لیے میں اچھے ایک تحریر دے دی ہے تاکہ میرے بعد یہ کس شخص سے نہ گفت ذکر و اسدہ جس چاہیے مجھے دیکھ کر  
اسے اس بات کا زانیہ قرار دیا ہے۔ لیکن وہ دن میں کسی فقرہ زبانی ایک دفعہ ملائی میں اس نے ایک جوی فریاد ہے۔ میں اس جگہ سے سخت  
فریاد کر رہا تھا کہ اس جگہ نہ کر تو دہشت کے تھانے سے میرے احباب پر واجب ہے کہ ہرگز یہ بات تمہاری زبان اس جگہ کے کان میں نہیں  
ہاں اگر سر ہوسک رہی کا حال رکھیں ہوتی تھی دوسرا وہ مناسب تر ہے۔ دوسرا مصلحتی ہوتا ہے۔



## میر غلام علی آزاد بلگرامی

غیر آزاد امین علی ہندو کو لکھتا ہے جو کہ مجھ زبانی کے باوجود شیواہیوں کے پہلو میں بیٹھا چاہتا ہے اور رنگ سراہی کے  
 ہار و منہ بھری پونجی داسے لوگوں کے بازو میں لکھتا ہے شاید مبدیہ خاص نے روح القدس کو اس کی تائید کرنے کا حکم دیا اور اپنی حمایت خاص کا اعلان  
 اس کی کھول دیا ہے قید۔ خدا کی قدرت ہمارے سرو اور اڑا کو سوزوں بتایا ہے اگر اس آزاد کو بھی سوز و نیت عطا فرما دے تو اس سے کیا بعید ہے۔ اس  
 نے قمر کی کوہ سہی کا سونپا کر دیا ہے اگر اسے بھی مسروں کے سوسن کی تھیں کر دے تو اچھے کی کیا بات ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت لسان الغیب قدس سرہ  
 نے سارے تھے سوسل پہلے خیر کے نام اور شخص کی حریت اشارہ کر دیا تاکہ اپنی حمایت سے یہ شخص اپنے قید خانہ کی زبان سے کہا تھا۔

فاش می گویم دوز گشت خود دل شلوم

ہندہ حشتم ملازبر دو جہاں آزادم

جبرہ عشق غلام علی کا ترجمہ ہے کہیں کر عشق امیر المومنین حضرت علی سے عبارت ہے چنانچہ روح الامین شہرستانی کہتا ہے کہ

ہر چہ گویم عشق زان برتر بود

عشق امیر المومنین حیدر بود

اور یہاں کا شاعر کہتا ہے کہ

علی باشد کے کش عشق محمدانی

محبت ضربت ستارہ دوست

شبستان حرم سے انجمن و جموں میں اس غیر کا دودھ ۱۷۵۵ء میں قلعہ جہری روڈ کیشہ کو ہوا۔ مولد و منشاء مولد میں مولدہ فاطمہ تغیر بلگرام مولدہ  
 مرزئیہ کہتا ہے۔ اس غیر کا نسب یہ تھا کہ اس قبیلہ کے رئیس شہید بن ہمام زبہ العابدین رضی اللہ عنہم پر منسوب ہوتا ہے۔ اسی لیے میں نے کہا ہے

مگرچہ باشد تو تم الاستیال جیسی جہد

جیسی جان بخش شیر انم ہمارا دلفس

موتہا شہیدان کے صفی ہی شیر کے بچوں کو تیر کرنے والا۔ چونکہ اگر غیر کا شمار کرتے تھے اس لیے اس لقب سے مٹھ

ہوئے میلا ایک اند شریعہ

مراہین غم گشت و گشت از مرزا

چراغ دودہ زید شہید روشن شد

تفصیل میں پانچ استادوں سے کتب سے پڑھیں مثنوی محمد قدس سرہ سے علوم دینی کا سلیب حاصل کیا اور سب سے ملازم میر عبد الباقی  
سے نصف دھڑی دس ہجری و فنون ادب حاصل کیے۔ غیر ان شہر میں ہی ان کا شکر و ستائش سے سید میر محمد رفیع ملازم اور ان سے عوض  
توانا اور سب سے ملازم ادب میں متعارف کیا جاتے تھے فیح محو حیات جن سے درج مندرجہ میں صحیح بخاری کی سند حاصل کی اور صحاح شریک اہل بیت میں ان سے  
حاصل ہوئی پانچویں شیخ عبدالباقی ملازمی سے تکر مستطریح علم صوفیہ کے خازن حاصل کیے شیخ عبدوہاب ندرتہ پنے ذمے کے سرآمد  
ملازمت کے میں منیم تھے اور بیف تشنگان علوم کو سیراب کرتے رہے۔ یہاں انتقال فرمایا۔ شیخ عبدوہاب قیر کے استاد عربی کی بہت توجہ  
کی کرتے تھے جب انہوں نے غصے کا تخلص آزارت اور اس کے معنی معلوم کیے تو فرمایا۔

یا سید محمد اُفت جنت جنت حَتَّافِ اللہ

یہ نندہ تم اللہ کے آزادوں سے ہو، میں اس بلکے کی بدولت جو اس صابا گرفتار کے حق میں ان کی بھائی مبارک سے مرند ہوا، بہت کچھ  
امید یہ کھتا ہوں ۱۱۳۶ھ میں وصیت کی کہ ہم میر سید لطف اللہ بگڑائی سے پوری کی۔ ان چھ اکابر کے وصیت نامہ کلام اور سرور ناد میں لکھے جا  
چکے ہیں۔

تمام عمر میں مجھے بھی سطرطیلی آئے۔ پہلا سطرشاہ جہاں آباد۔ یہ ملازم منظور میر عبد الباقی بگڑائی کی خدمت میں پہنچنے کے لیے کیا جواس  
زمانہ میں وہاں تشریف لرا تھے ۱۱۳۲ھ میں میر خلعت اللہ بے خبر بگڑائی کے ساتھ یہ سطر جاتھا۔ وہاں تک ملازم کے نقل تربیت میں  
رہ کر بگرام کو واپس ہوا۔

دوسرا سفر سیستان کا سماج ملا سندھ میں ایک شہر ہے۔ اس سفر پر ۱۱۳۶ھ میں بگرام کے گھوڑے پر سوار ہوا۔ شاہ جہاں آباد دہلی  
۱۱۳۶ھ مطابق، اوتچ وغیرہ جتا جوا لگے سال ۱۱۳۶ھ میں اول (۱۱۳۶ھ) کو اس شہر میں پہنچا اور پنے ماوس میر سید محمد کی ملازمت حاصل ہوتی  
برو شاہ دہلی کی طرف سے وہاں کے میر عطی اللہ وکالتی نکار تھے۔ انہوں نے فقیر کو برود خدمت کی نیابت عطا کر کے خود بگرام کا سفر طے کیا  
اور چار سال کے بعد سیستان میں پھر تشریف لائے اور فقیر جس داتے سے گیا تھا، سبھ میں داسی داتے سے دہلی واپس پہنچا یہاں آکر معلوم  
ہوا کہ فقیر کے والد ماجد اور تمام اہل عیال کسی تقریب کے سلسلہ میں آباد آئے جو نے بیا بگڑام سے مشرق کی طرف دس منزل کے فاصلے  
پر پہنچ کر آباد کیا وہاں سے سید صاحب آباد کا رہ گیا۔ اسی سلسلہ رمضان کی ہفتات کو وہاں پہنچ کر گھر والوں سے ملاقات کی اسرت حاصل کی۔ کچھ  
دنوں وہاں قیام کیا اس اگست کے دوران میں دو مرتبہ بگرام میں گیا۔

تیسرا سفر درویش شریفیہ کا تھا۔ جب میں دوسری بدال آباد سے بگرام آیا تو زیارت حرمہ کا شوق داسی میر جو اسد رب ۱۱۳۶ھ کو  
ہوا اندر پانچ سفر فخر اللہ علی دہلی کی داسی طبع کر جانا کی تقدیر میں پہنچا۔ چونکہ صبح کا نیا دور دو عتبتین دن کہ معتزل میں دہلی میں زندہ کو  
پہنچا اور اس قدر مسرت کی تکلف کو انہوں کا سر میں میر فخر کے ہم سفری دن کا داسی تھا لگے سال تا تک آج اسی کے  
اس کی تاریخ علی احکم بجا سالم شہر نے فخر کے حسب حق کیا۔

میر فخر است بر دور پلیس  
شیخا نہ گفتن بسبب ماور

از عید و دینہ بخت مسطاع

ان شاعر اندک و عید دگر

خان آزد و جمع انھاس میں بذیل ترجمہ قائم رکھتے ہیں کہ جب وہ گجرات میں تھا تو اسے حج کی توفیق حاصل ہوئی اور زیارت بیت اللہ کے لیے روانہ ہوا۔ اتفاقاً پیام حج سے پہلے دینہ منورہ گیا ہوا تھا کہ انعام حج تمام ہو گئے تو اس نے مذکورہ بالا راہی لکھی۔ مرقع لکھا ہے کہ انھاس نے پیام حج کا مضمون اس راہی سے برآورد نہیں ہوتا۔ خدا جانے خان آزد نے کیا سمجھا۔ سائنس کی مراد وہی ہے جو فقیر نے بیان کی ہے۔

۱۱۵۵ھ میں حجاز سے دکن کی طرف مراجعت کی تاریخ: سفر خیرۃ اللہ ۲۰ ذی قعدہ کو بڑھتے ہیادادنگ آباد میں پہنچ کر اقامت لے۔ چند بار اطراف ملک دکن کی سیر کو بھی نکلا۔ ہر رمضان ۱۱۵۵ھ کو سیاحت کا شوق قلعہ محمد آباد میدر کی سیر کے لیے گیا وہاں سے ۳۴ فرم ۱۱۵۵ھ کو حیدر آباد پہنچا اور ۱۹ فرم کو وہاں سے جبل کر اسی سال ۱۵ جمادی الاول کو پھر اورنگ آباد آیا۔ اپ اورنگ آباد ہی میں گوشہ نشین ہوں اب فقیر کی عمر ۶۷ سال کی ہے۔ آفتاب زندہ کی اب بام آگیا ہے اللہ تعالیٰ خاتمہ خیر فرما دے اور اس پر داؤ ہے پر دہاں کو شعلہ دیدار تک پہنچا دے۔ فقیر ایک مدت سے بے خانہ سخن میں غافل کی کر رہا ہے ہر چند چاہتا ہے کہ پائے قلم کو خاندانہ کر دے اور داؤ غنی نیکمات میں سرگردانی نہ کرے لیکن ہر روز فی نظری چھپا نہیں چھوڑتی اور زہمت کدہ معانی کی سیر کو کشش کشش لے آتی ہے اس خیال سے تسلی ہو جاتی ہے کہ ساحر فطرت نے صرف بھی پر۔ انہوں میں پھر نہ نکالے بلکہ بہت سے اکابر دین اس کے دام میں اسیر رہے ہیں۔ فقیر کا دیوان فارسی و عربی مرتب ہو چکا ہے دیوان عربی میں تین ہزار شعر ہوں گے۔ عربی شعر میں طرز خاص سے لکھا ہوں باہل کے ساحروں کا بانار ٹھنڈا کر دیتا ہوں۔ طوطی ہندوستان ہوں مگر قمریان عرب سے دما زئی کر رہا ہوں۔ فقیر کا دیوان عربی حرمین شریفین اور بلاد مصر دین میں مشہور ہے اور عربوں کی تھیں اس پر دیکھی تازہ وارد کے ذکر سے محمودی۔ شوکت بخاری نے میرے حسب حال کہا ہے۔

شنیدہ اندستان بین کلام مرا

نوشۃ اندر آب حقیق نام مرا

فقیر نے کبھی کبھی ہر صبحی فکر کے گراں دیہ موتیوں کو سرمایہ داروں کے ہاتھ فروخت نہیں کیا۔ نہ ادب دولت کی مدح سوائی کی ہے مگر جب بیت اللہ شریف کا سفر دہلی ہوا تو راستے میں نواب آصف جاہ سے ملاقات ہوئی اور ایک راہی موزوں کر کے ان کی خدمت میں گزری۔

اے حامی دین، محیط جود و احسان

حق داد ترا خطاب ام صف شایاں

اور تخت پر گاہ سلیمان آورد

تو آلی بنی ماجد رکبہ رساں

ناب بہت محظوظ ہوئے اور داد و اعطائے کا مستحق ہوئے۔

مولویت نظری کبھی سلسلہ فکر کو یہ کہتا ہے کہ مجھے عالم مثل میں بھی شعر موزوں ہونے لگتے ہیں۔ چنانچہ رمضان ۱۱۵۵ھ



کے اخیر عشرے میں ہندو کے مزاج میں دشت پیدا ہوئی اور ان کی کراہت سے تعلق لکھنے کے مدد سے دیار عرب کا سفر کرنا پڑا۔  
یہ گراں نشین غلبہ ہوا تو قریب خاک قرۃ سے لٹل لڑا جاتے تھے۔ ہندوستان کی غلبہ میں بیچ کے وقت عالم غلبہ میں ہیویت شکر کی طرف  
خروج ہوئی غلبہ میں ایک شعر مندوں ہو گیا۔ پیار ہمارا وہ شرب مجھے یاد تھا

چرخ شمس گفت گو سینہء تاجدار

کمل دست از دامن روشنک

کچھ دیر میں نے تامل کیا اور یہ سوچا کہ شکر نے دلا نہیں تھا اس کا غلبہ فقیر ہے۔ امر غلبہ کی کیا آلودگی کریں نے غلبہ  
جانا اور ان کے ہر قسم کے کچھ تامل کر دیا۔ اس اہم میں نکتہ ہے کہ جو کچھ غرض تھا وہ پہلے ہی ادا ہو چکا ہو گا۔ غلبہ میں غلبہ کی غلبہ سے  
ان کے کچھ کچھ تامل کے لیے چلی دیتا تو کتنے ہی ادا جہالت فوت ہو جاتے۔

تزلزل واجب تھاں کر دے تامل

مصلحتیں نواب نظام الملک نے غلبہ میں بہت جگہ کی طرف سے صوبہ داری اور ملک آباد ہوئے۔ اور نواب شہید کو فقیر سے رابطہ  
نہیں ہو گیا۔ ۱۰ گھنٹہ سال نواب صفت جاہ حیدر آباد سے نہایت مکی کے بندوبست کا بیڑا شایاں نواب شہید کے نام غلبہ تامل ہو چکا ہو گا۔  
نے فقیر کو بھی کتنے دیر ہو چکی اور اپنے غلبہ میں غلبہ کی غلبہ سے ہندوستان کے تمام مکتب میں گھر گھر ہو چکا ہو گا۔ ہر ذی قعدہ  
۱۱۵۹ء کو اورنگ آباد دہلی گیا۔ اسی سال دلا سورتور برطانوی کی سیاست کا اتفاق ہوا۔ ۱۱۶۰ء میں دوسری بار بہاولپور کا سفر پیش آیا۔  
اور دہلی کے گھرانے کے گناہ سے ملک سیاست کے اورنگ آباد کو دلا ہی ہوا۔ ۱۱۶۱ء غوال سال ذکرہ کو نواب کے فکر نے ملک اسکاٹ  
کی طرف کو چا گیا ایک سال اور چند ماہ اس علاقے میں بسر ہوئے۔ اسکاٹ ہی میں شہادتتہ العتق فیما وددہ فی العتق من سیدہ شہزادہ  
کی تصنیف ہوئی۔ آخر نواب نظام الملک اور مرزا شہادتتہ شہزادہ کے ہوتے۔ ان کی شہادت کے بعد اس ملک سے دلی بھر گیا اور وہ اجماعی محل  
۱۱۶۵ء کو سورتور کو شہید کو حیدر آباد پہنچا اور اسی سال ۱۶ ذی قعدہ کو دلاں سے چل کر ہر ذی قعدہ کو اورنگ آباد آیا  
میں سہادہ طبع ہے کہ حال کی طرح اس میں دوسرا مصلحت تھا کہ ہندی کبھی نہیں ہا۔ بلکہ ہر کی طرح شکست نفس مقصود تھا۔ کچھ دنوں  
اب دہلی کا طریقہ پندرہ راکر اس سے مشتہ کیا۔ کی فخر نہ ہو جائے اور باو صبا کی روش جانی کہ کچھ نئے مقسم ہو جائیں۔ امیدوار ہو لکھتے  
ہائے شکست کی دستگیری کے اور ضروری فی الحکمہ کا مادہ مستقیم بن جاتے۔



# سید منظر علی سندیلوی

ولادت :- ۱۰ ستمبر ۱۸۳۹ء

وفات :- ۲۴ دسمبر ۱۹۱۱ء

**ٹپنی کی قطع** | ۱۹ نومبر ۱۸۷۸ء آج میں نے ٹپنی گول نعلی اودی خدا بخش خیاط سے تیار کرائی جو نہایت خوش نما اور قابل عمل ہے۔

**الطاف برادرانہ** | ۲۳ ستمبر ۱۸۷۹ء زبانی اکبر علی معلوم ہوا کہ کرامت حسین آج کل مجھ سے ناخوش ہیں۔ بظاہر کوئی وجہ معلوم نہیں ہوئی۔ شاید الطاف برادرانہ ہو۔

**احساس کم یاقتی** | ۴ نومبر ۱۸۷۹ء مجھے آج کمال افسوس رہا کہ باوصف اس قدر سن آلے کے میں نے اب تک کوئی یاقت حاصل نہیں کی۔ لہذا کمال عاجزی سے درگاہِ خدا میں دعا کرتا ہوں کہ مجھے یاقت عطا فرمائے کہ میں اپنے ہم چشموں سے شرمسار نہ ہوں۔

**طمانچہ** | ۴ فروری ۱۸۷۹ء غلام علی کاشت کار موضع غنہ دم پورہ نے بلا وجہ گستاخی کی۔ لہذا ایک طمانچہ اس کے اماہین تھوڑی دیر کے بعد اپنے اس فعل سے تادم ہوا کہ غلط تہذیب میں نے ایسا کیا۔

**صفات حمیدہ** | ۲۵ دسمبر ۱۸۷۹ء آج میں حسب تحریک خشئی فضل رسول پورق شام کھڑے ہوا۔ وقت ملاقات کے خشئی صاحب نے فرمایا کہ میں تم کو بمقابلہ عنایت حسین، کرامت حسین و فضل حسین و حامد حسین کے چند وجہوں سے اچھا جانتا ہوں۔ اول تم جھوٹ نہیں بولتے ہو، دوسرے خراج میں جہالت نہیں، تیسرے منسوب بغیض نہیں ہو، چوتھے معاملہ فہم ہو۔ اس وجہ سے میں چاہتا ہوں کہ اپنے ملاؤ کا جو کورٹ ہو نے والا ہے تم کو سربراہ کا دفتر کراؤں اس میں میری خواہش کو ضرور حکام منظور کریں گے۔

**حکمہ ریل میں ملازمت** | ۶ مئی ۱۸۸۰ء آج کل حکمہ ریل میں کام کی کثرت ہے اس وجہ سے آٹھ بجے رات کو مجھے اجازت ملتی ہے۔ ۱۰ بجے رات تک کام کرتے کرتے طبیعت مضطرب ہو جاتی ہے۔

**تقریب میں اس وقت** حکیم برہانی شمسہ تقریب ختم میں ہیں۔ عہدہ ہندوستانی کھانا پکانے والوں کی طرف سے دیا گیا ہے۔ صاحب کو بھیجا جس کو تناول فرما کر بہت خوش ہوئے۔ مجھ سے کہا کہ اس تقریب میں کتنا مدد ہے سو فیصد میں نے ایک ہزار روپیہ اذرعے حساب بتلایا۔ بہت تاسف کیا کہ تم نے ایک سال کی تنخواہ ایک چھوٹی سی تقریب میں صرف کر ڈالی۔ یہ طریقہ ناپسندیدہ ہے۔

**فال** ۱۱ جون شمسہ خیر خواہ سنگھی دفتر میں دریافت کر کے مجھے کمال تشکر لکھ کر دی۔ نہیں معلوم کہ اب آپ دانہ کمان لے جائے گا اور اس حالت پر دیشانی میں خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ کے درویشان میں فال دیکھی۔ اشارہ ذیل بنام ہوئے جس سے ہرگز نہ آئندہ امید کامیابی کی پائی جاتی ہے۔

گر چہ آواز جائے ہول ناست و لیکن بخدا  
کو شب و روز درون دل با جا دارد  
ماہیت چہرہ دلدار حیاں خواہد بود  
ہر کہ آئینہ زنگار مصفا دارد  
حسن آں ماہ چرخ رشید پیدا ست معین  
محمدم آں است کہ او دیدہ بین لا دارد

**بے ادبی** ۱۶ اگست شمسہ مولوی غلام محمد نے نشت ہائے چہرہ ہزار حسن میاں صاحب واقع مسجد قدیم اپنے پناہ زانہ میں صرف کیں۔ میں نے منع کیا کہ یہ فعل ناجائز ہے۔ جواب میں تاخوش ہوئے کہ یہ فعل ناجائز نہیں ہے۔ میں نے سکوت کیا اور اس جملہ پر کفایت کی کہ خدا مبارک کرے۔

**ایک نصیحت** ۱۲ ستمبر شمسہ آج یہ نصیحت سہرا کج کر بات کر دیکھنا نہ ہو مصطفیٰ حبیب سے مل کر شیشہ کے چمکے ہیں کہ کہہ کر اپنے کہہ لست گاہ میں آؤں گی۔ تاکہ ہر وقت کے دیکھتے رہنے سے مجھے دلدادہ ہو کر نصیحت نیک حاصل ہو۔

**ملازمت تعلقہ مہال پور** ۵ مارچ شمسہ ہوں کہ میں تعلقہ مہال پور سے سوائے تنخواہ کے نذر نیاز نیک نہیں لیتا ہوں اور کوئی چیز خصل باغات و دریاہ کی اپنے مکان پر آنے نہیں دیتا ہوں! چچ سے ہر قابلیت کو کسی وقت کسی قسم کی پھر مدد کی و تردد لاحق نہیں رہتا اور نہایت بے غری اور مستقل مزاجی سے کام تعلقہ جلال پور انجام دیتا ہوں۔

**متفرق ذمہ داریاں** ۲۳ اپریل شمسہ آج کل تین قسم کے کام میں انجم دیتا ہوں۔ کاروبار علی تعلقہ سندیلہ، خاص نظام ملکہ واری جلال پور، کاروائی پور پبل سندیلہ، اس درجہ سے مجھے بہت کم فرصت رہتی ہے۔ تاہم میں کام سے گھروا نہیں ہوں اور مستقل مزاجی سے ان کو انجام دیتا ہوں۔

**کچھ اپنا حال** ۲۱ دسمبر شمسہ ابتدا میری ماہانہ ادائیگی و موقوفہ کی گھڑی تھی۔ جتنی کہ مکان سکونت بھی مشترک تھا جس میں چند افراد کے گھروں سے کھریاں تھیں۔ اس سے مکان غیر محفوظ اور موجب تکلیف کا تصور تھا۔ ابتدا میری

عازمت مدرسہ سندھ میں ہوئی اور اسی وقت سے مجھے شوق حصول ریاست کا پیدا ہوا اور میں نے مساعلات دین و بیچ کر اشتہار کیے۔ اولاً ۱۲ مارچ ۱۸۹۶ء کو ایک قطعہ اراضی زرعی موسومہ کہ ما تعدادی ۵ بیگہ واقع موضع مخدوم پورہ ملوکہ میر احمد بخش صاحب مرحوم مخدوم زادہ درگاہ مبلغ ۵۸ روپے پر رہن رکھا جس کا حاصلات مبلغ چار روپے سالانہ تھا۔ اس کے بعد جوں جوں میری تنخواہ میں ترقی ہوتی گئی میں ریاست پیدا کرنا گیا اور اس کے حصول میں یہ باعث کی زر کے اپنے اوپر بہت تکلیف گوارا کی لیکن شوق کو کسی بچے سے کم نہیں کیا اور اس بات کا ہیشہ خیال ٹوٹنا خاطر رکھا کہ اس قدر جائیداد وغیرہ منقولہ پیدا کر لینا چاہیے کہ بوقت بیکاری میں اپنی مصارف و روزیہ کی برکے اور قیام سندھ بجاالت بیکاری مجبوراً ترک کرنا نہ پڑے۔ ہزار ہزار شکر پروردگار عالم کا کہ اس نے اپنے فضل سے میرے ان خیالات کو پورا کیا اور بقدر میرے صرف کے جائیداد وغیرہ منقولہ مجھے حاصل ہوتی جس سے ایام بیکاری بآسانی بسر ہو رہے ہیں۔ میں نہایت مناسب تصور کرتا ہوں کہ جس قدر جائیداد منقولہ ملاوہ ذریعہ اور زہرہ جو اس وقت میرے قبضہ میں ہے حوالہ قلم کروں اور جس قدر تنفع منافع زرینگی سے حاصل ہوتا ہے اس کو بھی لکھوں تاکہ میرے ناشینان کو معلوم ہو کہ ہمارے مورث نے اکیس سال کی مدت میں کس قدر ترقی کی، جس سے اکثر ذرا سا تعبید بناد وغیرہ خوش روزگار کر یا وٹ صد تصور ہے۔ دس پندرہ برس قبل جائیداد وغیرہ منقولہ کی اتنی قدر نہ تھی جیسی کہ اس وقت ہے۔ اسی وجہ سے اس زمانہ میں بہت کم قیمت پر حاصل ہوئی۔ اگر وہ زمانہ حال میں یہ نرخ بازار فروخت کی جائے تو محل شک کا نہیں ہو سکتا کہ دو چہد قیمت اس کی ملے۔ میزان جلد جائیداد منقولہ وغیرہ منقولہ۔ چوالیس ہزار پانچ سو ترلٹھ روپے سات آنے چار پائی۔

رفاہ عامہ کے کام | ۱۳ فروری ۱۸۸۸ء۔ اخبار فیروزہ عالم دہلی محرمہ ۸، فروری ۱۳۰۷ء اور اخبار دبیدہ سکندری رام پور محرمہ ۶، فروری ۱۳۰۷ء میں میرے باغ و کنواں واقع موضع پر کاپور کی بہت تعریف لکھی ہے میں نے یہ دونوں چیزیں محض واسطے رفاہ عام کے بنوائی ہیں۔

اختساب نفس | ۵ جولائی ۱۸۹۱ء۔ انسان کا دنیا سے یہ نیک نامی گزر جانا اس زندگی سے بہتر ہے جو بدنامی زندہ رہے جب کسی شخص کی عمر قریب العمر طبی پہنچے تو اس کو اپنے خدائے لم یزل سے یہی دعا کرنا چاہیے کہ انجام بخیر ہو اور کوئی بدنامی اپنے ساتھ قبر میں نہ جائے۔ میں اس وقت جو اپنی حالت پر غور کرتا ہوں تو تعالیٰ شانہ نے اپنے فضل و کرم سے بہت قسم کی نعمت ہائے دنیویہ مجھے عطا فرمائی ہیں اور کوئی تنہا ایسی باقی نہیں رہی جس کا میں آرزو مند ہوں اور یوں انسان جب تک زندہ ہے اس کی تناؤں کا ٹکڑی نہیں ہو سکتا۔ اب میری خواہش دلی ہے کہ قبل پیش آنے کسی بدنامی یا حزن و ملال یا رنج و غم، خود تو دیکھ اگر سفر آخرت مجھے پیش آئے تو اس سے بڑھ کر کوئی آرزو مجھ کو پیش نہ آدیں۔

علامت | ۲۸ ستمبر ۱۸۹۱ء میری طویل علالت سے جس کو ایک سال کا زمانہ ہمارا افراد احباب حیات کرتے کرتے اٹھائے اور تیار دار سر انجام دی خدمات سے گھبرائے ہیں۔ خود ذوال علالت، دوسرے طالت سے پریشان ہوں۔ کہ ایسی چیز کی زیادتی جو باعث تکلیف دی ہو داخل بے قدری ہے۔

قسم کھانا | ۱۱ جون ۱۸۹۶ء۔ جب میں کس تنہا مجھے خوب یا مہ ۱۵۰۰ سے قسم کھانا جیسا اس کا آج کل ضرورت بلا

نہت عام رواج ہے مطلقاً ترک کر دیا تھا اور کبھی سزا اس کا اتفاق نہیں ہو سکتا تھا بہت بڑا ہاتھوں کو لنگ مسمولیت بہت  
 میں بلا نہت اس کے عادی بھی ہیں سے ان کی بے اعتدالی تصور ہے۔ جب مجھے کسی حرات میں اتفاق ملے شہادت کا ہوتا  
 ہے تو وہاں بھی حتی الامکان اپنی الفاظ کا استعمال کرتا ہوں کہ اپنے علم و فہم سے بچا کہوں گا جو سبب نہ کہوں گا۔ لیکن قسم کھانا  
 اور رسول کی بات میں نے پھر زید ہے۔ خدا سے امید ہے کہ وہ ان باقی آیات زعلی میں وہی عادت قائم رکھے گا۔

۱۳ مئی ۱۸۸۷ء۔ آج مزا یعقوب حسن صاحب تحصیلہ کے مکان پر فشی سدری شریک زائق صاحب حاکم بندوبست تحصیل  
 تحصیلہ سندھ سے ملاقات ہوئی۔ تحصیلہ دار صاحب نے میرا ڈپٹی صاحب سے تعارف کرایا کہ یہ صاحب رئیس سندھ لڑائی  
 واقع اور وقت کے خلا سفر ہیں۔ کوئی وقت ان کا فضول درانگہاں صرف نہیں ہوتا۔ سرکاری کاموں کی طرف بہت دلچسپی ہے  
 آدھری بشری کا کام مثل تنخواہ دار مجسٹریٹ کے بہت مستعدی کے ساتھ انجام دیتے ہیں۔

۲۲ ستمبر ۱۸۸۷ء۔ .... میں خود ہی اپنی ذات سے تمام اوقات مصروف رہتا ہوں۔ حتیٰ کہ سوائے  
 رات کے نصف تک چار پائی پر نہیں بیٹھا اور زیادتی محنت سے بوقت شب دماغ تپنے لگتا ہے

لیکن باوصف ان سب باتوں کے میں مکمل کام کا اپنے آرام پر مقدم تصور کرتا ہوں۔ خدا میری اولاد کو بھی یہی ہدایت کرے۔  
 ۲۰ جولائی ۱۸۸۷ء۔ دنیا میں وقت ایک نہایت عمدہ نعمت ہے۔ جو شخص اس کی قدر کرتا ہے وہ نعمت  
 وقت کی قدر حاصل کرتا ہے۔ جو ضائع کرتا ہے وہ تکلیف و غم میں مبتلا رہتا ہے۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اپنے

ساتھیوں سے اس کی زیادہ قدر کی۔ حتیٰ کہ موسم گما میں دن کو بہت کم سو یا اور وہ بھی وقت کسی نہ کسی شغل میں صرف کیا  
 جس کا یہ خوش تخیر پیدا ہوا کہ میرے کل کام متعلقہ نہایت آسانی سے طے ہو گئے، جس کا ایک پھل مجھے ملا۔ یہی سبب ہے کہ  
 میں ہر ایک کام پر معلوم سے بہت جلد واقف ہو گیا اور عوام میں میری قابلیت شہور ہوئی۔ لہذا وقت ضرورت قابل قدر ہے

۱۰ دسمبر ۱۸۸۷ء میں نہایت سستی سے کھتا ہوں کہ میں نے جس کام کو شروع کیا اس کا مکمل میں نہایت  
 دعا اور محنت کر شش کے ساتھ مصروف ہوا اور اپنے خدا سے اس کے اتمام کی نسبت دعا کرتا رہا۔ بالآخر وہ کام  
 ضرورت اسلوبی کے ساتھ سرانجام ہوا۔ ملک ہریانہ میں ایک شل ہے خدا سے انگو اور تھوڑے کو بھی لوہے پر ماتے ہو  
 وہ نہ صرف دعا مانگنے سے لڑا کبھی نرم نہیں ہو سکتا۔

۴ مئی ۱۸۸۷ء۔ ۲۷ سال کا زمانہ ہوا جب سے میں نے نازکی پابندی کی اس وقت سے  
 پابندی نماز و وظائف درود شریف ہر نازکے بعد ایک صد بار و سبحان اللہ ۱۰۰ بار و سورہ فزل ایک بار پڑھتا

۱۶ صابروں ..... اور پچیس سال سے یا غفر اللہ تعالیٰ ہر نازکے بعد ۱۰۰ بار و سورہ فزل کے اول و آخرات  
 سات مرتبہ سورہ شریف پڑھتا ہوں اور ۲۰ سال گزشتہ سے پہلے کات بعد نماز صبح و مغرب ایک بار پڑھتا ہوں مان و داد  
 کی برکت خدا سے مجھے بہت جزائیں دنیوی حاصل نما اور جو رہا ہے

خط کا انجام ۱۹ جون ۱۸۸۷ء۔ آج مجھے ملاقات سے معلوم ہوا کہ میرے بیان کردہ لڑکیاں واسطے پھدش و نہت

کے اس قہ سال میں حاصل کی گئیں۔

**دربار تاجپوشی ہردوئی** ۱۲ جنوری سن ۱۹۰۷ء کل کے دربار میں باجپوشی ہردوئی میں میری کرسی صفت اول میں تھی اور کرسی تھی جس کا برائینہ مجھے فرسہ کہ ایسا اعزاز اپنے رتبہ اور ہم پٹوں میں مجھے حاصل ہوا۔

**اپنی سوانح عمری** ۲۰ مئی سن ۱۹۰۷ء میں اپنی کتب سوانح عمری کے لکھنے میں برابر مصروف رہتا ہوں جو میں ابتداءً جون سن ۱۹۰۷ء نہایت جون سن ۱۹۰۷ء قریب ختم ہو رہی ہے۔ کام مشکل و سخت ہے۔ اگرچہ محنت بہت کرتا ہوں لیکن بعض اوقات اس کی تکمیل میں دشواری بہت نظر آتی ہے۔ خدا کرے کہ میری یہ کتاب میری حیات میں طبع ہو جائے اور اس سے لوگوں کو فائدہ پہنچے کیونکہ اس میں ہر ایک مذاق کے موافق تذکرہ لکھا گیا ہے۔ شاید میں اپنی یادگار قائم کر جاؤں۔

**بیوی کا انتقال** ۲۵ جولائی سن ۱۹۰۷ء۔ انیسویں صدی انیسویں صدی کے آج ہمارے صبح میری کونسل ونگسار مسماۃ شمس النساء بنت شیخ کرم بخش صاحب ایٹھوی نے قضا کی اور مجھے جلا سند کی دالم دائی کیا جو تاسیسات فراموش نہیں ہو سکتا اور نہ کبھی ایسا صدمہ مجھے پہنچا۔ مروجہ ۳ ذی الحجہ ۱۳۲۶ھ مطابق ۲۳ نومبر ۱۹۰۷ء روز و شنبہ وقت ۱۰ بجے ۲۵ منٹ پر پیدا ہوئی تھیں اس حساب سے یہ گناہ سال قمری ان کی عمر ۵ سال ۵ مہینہ ۸ یوم ہوئی۔ مطابق ۲۳ نومبر ۱۹۰۷ء لغاتہ ۲۴ جولائی ۱۹۰۷ء، ۵ سال ۵ مہینہ ۵ دن مروجہ سے میرا مہینہ ۳۰۔ جب سن ۱۹۰۹ء مطابق ۱۱ جنوری سن ۱۹۰۹ء وقت ۱۰ بجے صبح یوم سنہرے گہوارے تھا جس کو پانچ سال زمین ہانچ یوم حساب قمری اور بمطابق سن ۱۹۰۷ء سال چھ مہینہ ایک دن ہوئے مروجہ شکل و صورت میں حسین اور سابقہ میں نہایت خوش سلیقہ صاحب صحت، حلیم و فیاض ثابت ہوئیں اور بدرجہ فائیت میری فرمانبردار تھیں۔ اپنی برادری ان کے خلق و طبع سے رضامند و ثنا خواں تھے۔ مروجہ کے پندرہ لڑکے اور لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ بخدا ان کے ہمارے زمین لڑکیاں وقت وفات جی القائم ہیں اور ان کی خدمت گزار دی و تہنیز و تکفین سے افتخار کریں حاصل کیا۔

**عقد بزم** ۲۵ جنوری سن ۱۹۰۷ء چونکہ یہ رسم عقد ثانی تو اس خود خلافت رواج مطابق سنت نبوی رسول پاک کے اختیار کی اس وجہ سے کل اکابر و ہمسروں و جوانان قصبہ ہا بہت خوش ہوئے اور میرے حق میں دعا و خیر کی کہ میں نے رسم قبولہ کو دور کے سنت نبوی کو تازہ کیا۔ امید ہے کہ اب اہل قصبہ میری تقلید کریں گے۔

**حالات** ۲۸ اکتوبر سن ۱۹۱۱ء۔ بوجہ شکایت اپنی و کڑھنی خود سات بجے شام تک دو گھنٹے رات گھنٹا نہایت وقت معلوم ہوتی تھی۔ یا تو خندا پانا غلبہ کرتی تھی یا خیالات پریشانی افزا مالی خاطر ہمارے کرتے تھے۔ لہذا یہ نظر سنا سب میں قصہ حاتم طائی ۸ بجے ۸ بجے تک منکر تا جوں جو جان علی خدمت گار پڑھتا ہے جس سے طبیعت کوئی الجھل دل بستگی ہے۔

۱۱ دسمبر سن ۱۹۱۱ء کل میری طبیعت شام کو خوش نہ تھی اور بچہ کی شکایت زیادہ ہے اور رات کو تھوڑی کچھ تیزی کناں جس سے مجھے ناراض و متاسف گاندیشہ ہے کہ آٹھ دن کو شب سنجہ شروع ہوئی اور سنجہ میری بواہ کے حق میں کچھ مفید نہیں۔ چنانچہ یہ حالت رات کو یہی کہ مجھے بوجہ خندہ کم آتی اور شاید مگھٹے سے زیادہ دوسکا ہوں۔ لہذا شب کی سوے چاند لڑکے براہ ہمدی جبر

کو شہب اہل میں رہے اور مولیٰ خلق الدین نے بھی اس میں قیام کیا یعنی مجھ سے ہے اللہ شیخ سخاوت الی میرے کاغذ و لکھی میرے مکان  
جہاں میں رہے اور میری حالت موجودہ کو دیکھتے رہے۔ تمام رات کھانسی جبرائیل کی آتی رہی اور چند قسم کی اندوات جتانہ استعمال  
ہوئی تھی جس سے شکایت ہوتے ماحترہ رفع نہ ہوئی بعد دو مرتبہ باہر نکلا کچھ قلوے دواؤں کے بعد صبح ساکن کشتہ کی مجذہ میں نے تھوڑے  
تھوڑے کاندی میں پئے۔ مگر اس سے دیر میں فائدہ نظر آیا اور آج صبح کئی گھنٹے نیند کی پریشانی برداشت کر کے میں اٹھا اور جب  
کھانے پر تانی حکیم ظہور الحسن و حکیم اخلاق حسین نے مجھ دیکھ لیا۔ تب میں نے چاہا کہ میں سو رہوں لیکن انہوں نے کہیں نہ سوئی  
اگرچہ اس رات کو میں زہنی دنیا سے دوں کو نہ چھوڑ سکا لیکن تاہم یہ رات پریشانی سے گزری۔

**وفات** ۲۴ دسمبر ۱۹۱۱ء کو سپر ہر رقت تین بجے مولوی سید ظہیر علی ولد سید مظفر علی راقم و فناء مجھ نے بلخافہ مشرقی انفس انتقل  
کیا اور رقت شہب آٹھ بجے اپنی باپنی میں حسب وصیت دفن ہوئے مولوی صاحب نے اپنی سوانح عمری مدد جلدوں میں  
لکھی تھی۔ پہلی جلد میں ۱۸۵۲ء سے ۱۹۱۱ء تک کے حالات ہیں اور یہ ۱۹۱۱ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس دوری جلد ابھی تک غیر طبع  
ہے۔ اس میں ۱۹۱۱ء سے ۱۹۱۲ء تک کے حالات ہیں۔ یادگار ظہری مرحوم کا دوز ناچہ ہے ۱۹۱۲ء میں ۱۹۱۲ء سے ترقی یافتہ قیام  
سال یعنی مولوی صاحب کے یوم وفات تک بلخافہ لکھا گیا۔ یہ دوز ناچہ افکارہ جلدوں پر مشتمل ہے جس کے صفحوں کی کل تعداد ۱۱۹۰،  
ہے اور مولوی صاحب کے خاندان میں تمام وہ کمال موجود ہے۔ اس کا انتخاب ۱۹۱۱ء میں شائع ہوا تھا۔ مستند و بالا چند اخلاعات جن  
سے مرحوم کی ذاتی زندگی پر روشنی پڑتی ہے۔ اس سے پیش کیے گئے ہیں۔



# منیر شکوہ آبادی

(منظوم آپ بیتی)

نام و نسب

اب آیا وقت اسے نطق گمبار  
خدا اول سے ہے میرا مویہ  
شکوہ آباد ایک قصبہ ہے آباد  
سنحالا ہوش جا کر نکھنوں میں  
جناب والد مرحوم و مغفور  
معزز تھے وہ اس قصبہ میں رہے  
خدا سے رتبہ عالی و برتر  
بجدا اللہ ہے یہ شہرہ عام  
تعلق ہے قریب از بس کہ مشہور

کہ کر نام و نسب اپنا تو اظہار  
کیا مجھ کو شریک تو تم سید  
وہی ہے مسکن آباد اجداد  
ہوا چھپیں ریاض لغتگو میں  
کہ خدا احمد حسین اسم ان کا مشہور  
رہے مشہور فنی کے لقب سے  
رہیں جنت میں ہر ایمپیر  
کہ میرا سید اسماعیل ہے نام  
برگمب ہر تابان مطلع نور

ذوق شعر و سخن و شاگردی

چل لے ذہن رہا ہر عرش پرواز  
تو جہ جانب لوح و قلم کر  
شب معراج افکار رسا ہے  
فردخ نشین آسمان دیکھ  
نہیں جز محبوب حق اُن کا تکلم

کہ ابواب ملک ہیں شام سے باز  
خط باطل ملائک پر نظر کر  
در گنج معانی آج وا ہے  
جہات میں مغفوت قدسیاں دیکھ  
محرک رہتے ہیں بیدار انجس

لے شکوہ آباد ضلع میں پوری میں ایک مشہور قصبہ ہے۔ علامہ حضرت منیر شکوہ آبادی کا سلسلہ نسب امام علی نقی عظیم پنتا ہے  
اس کے والد سید اسماعیل شاہ تھے جو میرزا اسود کے شاگرد تھے۔ ان کا انتقال سنہ ۱۲۵۰ھ میں شکوہ آباد میں ہوا۔



مشاد قدرت ربّ ملا کے	تماثائی اسی جبرت سرا کے
ازل سے ساکب ماہِ رضا ہیں	میلج خالقِ ارض و سما ہیں
ادھر ہے جلوہ گر بزمِ ملائک	کوئی ہے ان میں نہواں کوئی ملائک
ہمارے عالم طوی ہے کوئی	ریاضِ قدس کا طوطی ہے کوئی
کوئی ہے ٹہیلِ سدرہ شمس	کسی کا سایہ طوبیٰ ہے مسکن
کہیں ہے محفلِ تسبیح و تقدیس	کیں ہے مستغنیٰ بزمِ برجیں
کیں مجبورِ المناظ و معانی	جواہرِ سنخ اسرارِ نہانی
قریبِ عرش کھولے ہیں خدا نے	مضامینِ نفیسہ کے خزانے
خدا کی خاص دولت لٹ رہی ہے	عجب نایاب نعمت لٹ رہی ہے
معانی و مضامین کے جواہر	کھلے ہیں آج تماحوں کی خاطر
ملائکدیتے ہیں یہ مرزدہ گویا	کساں ہیں جو ہر معنی کے جویا
تامل کیا ہے لوٹ اسے نکال	خزانے یہ نہیں بہنے کے خالی
کیست و دہلی و حسان، فرزدق	یہی ہیں مقتدا اس فن کے الحق
ادھر مزدوسی و سعدی کی کیا بات	نظامی، حافظ، بیہقی کی کیا بات
لکیم و خسرو، جاتی و ناظم	مکرر بوز لیلینا کا ہے ناظم
یہ سب خواص بھر ثنوی ہیں	ہم ان کے گرد ماہِ پیروی ہیں
مگر جس کو چمکا بندہ ہے ساکب	رفیع باذل ایک اس کے ہیں ملائک
ادب سے وزن ان کا گو کر چھوٹا	تہج سے ولکین مُسنہ نہ موڑا
مطالع سے جو کی باذل کی تعلیم	کچھ ان کی رُوح نے کی میری تائید
جناب شیخ ثنائیخ، بحرِ مزاج	ملِ اُردو زباں کو جن سے مزاج
سراجِ نظم ان کی ثنوی ہے	اسی سے بازوئے ایماں توی ہے
مفضل کی حدیثِ پاک معنوں	جوئی اس ثنوی میں خوب موزوں

لے جناب میر شکوہ آبادی نے اپنے اُردو دیوانِ منتخبِ عالم (۱۲۶۳ھ) کے شروع میں جو فارسی دیباچہ لکھا ہے۔ اس میں انھوں نے لکھا ہے کہ پہلے ناسخ سے بذریعہ خط و کتابت اصلاح لینی دیتے تھے جبکہ ماکہ نہ دینی نظامِ اللہ کی عازمت میں تھا اور شیخ کا راں پیچہ وہ ان کی تدبیر کی کٹنے کے لئے لکھا گیا تھا۔ یہ بات سے وہ لڑکھنوی سے بھی شرم نہ کرنے لگے۔ میر و ذوق بن گون کا بہت ادب و احترام کرتے تھے۔

جناب رشک فردوس آشیان نے      شہرِ اقلیم و معنوی دہان نے  
اسی صورت کی ہے نظم نو شتر      حدیثِ رجعت آلِ پیغمبر  
ایسپاک گوہر اور کامل      کتاب ان کی ہے معراج الفضائل  
یہ اردو میں آئمہ کے ہیں مدارح      جہانِ ثنوی گوئی کے ستیا ح

### استاذہ کی تعریف

یکتہ حصہ عالم و فاضل جنابِ رشک      علامہ و محققِ کامل جنابِ رشک  
استادِ شاعرانِ جہاں سیدِ جلیل      قضا و عابد و متوکل جنابِ رشک  
اردو فاضلاتِ قاعدہ فنِ شاعری      طے کر چکے تمام منازل جنابِ رشک  
دیوانِ تینوں مصنفِ اعجازِ نظم ہیں      رد کر چکے ہیں طایفہِ بال جنابِ رشک  
کئے بہشتِ حضرتِ نازِ رواں ہوئے      جب ہو گئے ناد و کئے قابل جنابِ رشک  
نمازِ حقے آفتابِ پیرِ کمال کے      برجِ علم کے مرکزِ کامل جنابِ رشک

کیونکہ میری قدر زیادہ ہو اسے بہتر  
بکھا گئے تمام مسائل جنابِ رشک

### سفرِ کلکتہ

کلکتہ کو میں ڈاک سے جاتا ہوں اے منیر      فکرِ غزل ہے راہ میں کیا خوب بات ہے

### لکھنؤ کی یاد

منیر لکھنؤ میں چل کے دیکھو قصبہِ باغ      ہوائے گلشنِ جنت اگر دماغ میں ہے

### قید

فرخ آباد اور یاراب شفیق      چھٹ گئے سب گردِ شہِ تقدیر سے

لے منیر لکھنؤ میں کچھ عرصہ تک دابِ علی اصغر خان۔ سید باقر علی خاں اور نواب تہ محمد ذکی کی ملازمت میں رہے۔ نواب گل حسین خان کے ساتھ فرخ آباد میں بھی کچھ دن قیام کیا۔ نواب علی بہادر خان والی باندہ کی ملازمت میں دابِ بھمن دی پنشن میں قید سے رہائی کے بعد نواب کلب علی خاں غلام شیاں کے دربار میں ملازم ہوئے۔ (۱۷۰) سب کا حاشیہ اگلے صفحہ پر

لئے ہاتھ میں تھپتھپ رہے ہم  
 اک مراٹھ گرد تھا اس شہر میں  
 لفظ خاقان کا جو دواؤں کو دیتا  
 کہیں سعادت منداں اس لئے بہت  
 جس خدا باب غاص تھے وہاں  
 پر کہوں کیا کلاوٹ اہل فساد  
 شہر کا خمر زبائیں اسی کی تھیں  
 مصطفیٰ بیگم صاحبہاں ہر گاہ  
 کچھ شائد تھیں کہہ دوں اگر  
 بادہ کے زندان میں لاکھوں تھیں  
 کو شہر میں تا ایک پانی شہر تہر  
 بول خانت کی جڑ بستہ کے پاس  
 پانی خانایاب مثل آبرو  
 شہر کو ہر ہانتے اس کو عزیز  
 کیا تھیں کیا دھڑکن زلزلت  
 ترک اینوں سے ازیت جو ہوئی  
 گایاں تھیں کھانے کو یا زخم و داغ  
 روٹیاں گو برکی گریاضی تھیں  
 گھاس ترکاری کے بیٹے قیضیب  
 کرکری بدبو کھینچ دے نک

سوطر کی ذلت و حقیر سے  
 بیل پائے گلشن تو قیر سے  
 نام اس کا جان اس حقیر سے  
 وہ کیا عاجز رہی تقدیر سے  
 وہ گزر کر تے تھے تدبیر سے  
 تھے وہ خواری میں بھڑکتے تھے  
 قتل کئے تھے تھے تھیں تدبیر سے  
 کی مدد میں بھڑکتے تھے تدبیر سے  
 خوں شے ہر سب تقدیر سے  
 تھے ہم گورنر تقدیر سے  
 تنگ تر تھی حلقہ تدبیر سے  
 قتل تھیں ترخانہ خنزیر سے  
 چاہتے تھے خنزیر شہر سے  
 قلعہ بیکان جو حیاتیر سے  
 کئے جاہل رہتے کس تدبیر سے  
 ہے خردوں اغاڑہ تقدیر سے  
 قلعہ ساحل مہلج تقدیر سے  
 نان گندم تھی سوا اکیر سے  
 خشک تر تھی سبزہ شمشیر سے  
 سرور تھی وہ زجاج پیر سے

(پچھلے مسئلے کا حاشیہ) نے تیر کی قید کا واقعہ صحیح ہے۔ یہ واقعہ تذکرہ میں دو طرح سے ملتا ہے :  
 ۱۔ غدر کے بعد ایک بڑی فوج جان کے قتل کی سازش میں ان پر مقدمہ قائم ہوا اور کلاں پانی کی سرحد پر تھیں (راج لیب لیب)  
 ۲۔ جرنل دانت کاک کی سرکردگی میں اپریل شہادت میں بانڈہ پروف کٹی ہوئی۔ ۲۰ اپریل شہادت کو انگریز فوج نے قید  
 قبضہ کر لیا۔ مرزا ولایت حسین اور میر فرخ آباد کے بچے رہا ہوئے۔ اور فوج گرفتار ہوا۔ اس واقعے میں یہ دونوں ایک ہی تھے (کھنڈا دیکھو)  
 یہ قطعہ تاریخ مصائب قید و محاکمات زندان از بانڈہ دال آباد ناکلتہ

قہار بھونکا مٹا کٹل اور مٹنا  
 کوٹھڑی گرمی میں دھنخ سے فزول  
 کانپتے تھے موسم سرما میں یوں  
 محنت و مزدوری و تکلیف دہ رخ  
 اس جہنم کے موکل سب کے سب  
 قابلِ اثراتِ اہلِ مسلم تھے  
 بے مروت بے حیا اہلِ دغا  
 ان کے ہونٹوں نے غش کے دھبے  
 جہل میں ٹھگ بدایا میں بے بدل  
 کاہ سے اٹھو انیس دہ کوہ گراں  
 پھر الہ آباد میں بھجوا دیا  
 ننگی تھواریں کچھی غنیمت گرد و پیش  
 پھر ہوئے کلکتہ کو پیدل واں  
 جھکڑی ماتھوں میں بڑی پاؤں میں  
 بے حاس و بے لباس و بے دیا  
 نقشہ کلکتہ میں کچھو یا مرا  
 کالے پانی میں جو پیچھے یک بیک  
 گرم تر پشیمینہ کشمیر سے  
 دست و پا بدتر تھے آنگیر سے  
 جیسے عریاں سردی کشمیر سے  
 تھا زیادہ حیلہ محسوس سے  
 دشمنی رکھتے تھے بے تعصیر سے  
 رخ پہنچاتے تھے ہر تدبیر سے  
 کچ طبیعت ہر جوان و پیر سے  
 بائیں سیکھی تھیں زبان تیر سے  
 نقد جان تک چھین لیں زور سے  
 درد نہ گزریں کوکب بے شیر سے  
 غلم سے تلبیس سے زور سے  
 نوکیں سنگینوں کی بدتر تیر سے  
 گرتے پڑتے پاؤں کی زنجیر سے  
 ناتواں نکستیس کی تصویر سے  
 دل گرفتہ جو رچ رہا پیر سے  
 رنگ نہ کا اڑ گیا تصویر سے  
 کٹ گئی قید مستم نقدیر سے

یہ کسی تاریخ ہم نے اسے منیر  
 صاف نکلے خانہ زنجیر سے

## کالے پانی کی قید

اسیر ہو کے جو ہم آئے کالے پانی میں  
 حال شرح چاند نے ہی بھی صیبت کی  
 برہنگی میں محرم کے تھی سنا تکلیف  
 ہوئی مصائب و آلام کی فراوانی  
 اگر بیاں کریں مل کے انسی و جانی  
 دیال دوش ہوا تھا لباسِ انسانی

لے قطرہ تاریخ و در حال مرقت لباس پوشیدنی۔

شیفِ بندہ و کھیت عینِ مرنانے  
 کہ ہیں وہ دوستِ قدیمی بلبلِ وطنی  
 بنامِ یے لکھ کڑے جوئے ترند سے  
 پچھا دیکھ کرے بالکل حیرتِ جمانی  
 بنو زمرن میں بھی اس قدر نہ آئے تھے  
 چراگے گئے خلعتِ گراںِ بخدائی  
 یہاں کے چودہ شاعر ہیں فنی ندی کا  
 چرا لیں آنکھ نہ بکھے نگاہِ انسانی  
 وہ دستِ بڑہ دکھائیں اپنی جیسے  
 اہل نہ پائے کہیں نقدِ جانِ قربانی  
 کند و جہت کی ہر احتیاج اگر ان کو  
 اڑا ہی لائیں دمِ آہرِ سیبانی  
 تو جگہ جودہ پائیں کسی کی قسمت میں  
 چرا لیں غیب سے معجزِ غیبِ پیشانی  
 تراش لائیں نقاطِ نجومِ دمِ میر میں  
 زینے پائے یا حجبِ سببِ انشانی  
 گھر سے آنسوؤں کو اپنے لئے کئی بندہ  
 یہ لوگ آنکھ چھالنے میں ہیں لاشانی  
 سحابِ تیرہ نہیں یا کسوفِ بنِ عباس  
 جو جامِ مہر میں پائیں کئے کاپانی  
 برہنہ مثلِ بہائم بنا دیا سب کو  
 آتارے گئے بالکل باہرِ انسانی

یہ ان کی جوری کی تاریخِ کمدی یافت نے

وہ کمنہ دزد چڑا لیں گے ثوبِ عریانی

۱۲ ۵ ۹

## تاریخِ ربانی

آج میں نے قید سے ربائی لائی ہے  
 فضلِ حق سے یہ خوشی کی دہرِ مسود ہو  
 اس جزیرے سے کتنے کتنے تباہ ہوئے  
 لئے خدا بند و تان کا اب بھر مسود ہو  
 آگے چلیا ہوں جہاں تیز رو پر شکر ہے  
 لنگرِ انشاءِ ساحتِ فتح و ظفر مسود ہو  
 مادہ منظور ہے کناؤءِ حائیه لکھے  
 نیکِ ساحت ہو کر اکب کی نظر مسود ہو

آج کے دن کی سہ یہ تاریخِ صوری صوری

روزِ شنبہ نیمہ ماہِ صفرِ مسود ہو

۱۲ ۵ ۸۲

## ہندوستان میں واپسی

تھے قیدم جزیرہ دبیائے شور میں  
 نیرنگِ گرہِ شِ خاکِ نیندِ ملک سے  
 فشی تھے ملک میں کشتہ کے ہم و ماں  
 محوِ ذائقے شفتِ دہلی و کلاںک سے  
 اخام میں صاف ہوئے ہم کو دہریں  
 شکرِ خدا را ہرے کامِ نہنگ سے

ہندوستان کے لیے ہم پر اک میں اب کا پر جاتے ہیں کی انگ سے  
 شائق ہیں قلے جاب عروج کے طے راہ شوق کرتے ہیں جہت شنگ سے  
 کرتے ہیں حیدر آئے مضمون کو راہ میں پایا فراغ محبت گرگ و پلنگ سے  
 فضل خدا سے سال ربانی کو منیر  
 اب ہم گھر آئے چھوٹ کے قید فرنگ سے  
 ۱۲ ۸۲

## ولادت

۱۲۲۹ھ مطابق ۱۸۱۳ء میں ہوئی۔

## تصانیف

- ۱۔ غیب العالم (۱۲۶۴ھ) دیوان اول
- ۲۔ تنزیل الاشعار (۱۲۷۰ھ) دیوان دوم
- ۳۔ نظم منیر (۱۲۹۰ھ) دیوان سوم
- ۴۔ معراج المضامین (۱۲۸۶ھ) مذہبی شہزادی
- ۵۔ حجاب زمان اخلاقی شہزادی
- ۶۔ داستان موسوم بعلوم گوہر (مکملہ بالا باختر) سرکاری کتاب خانہ راجپور میں موجود ہے۔

## وفات

۵۔ رمضان المبارک ۱۲۹۷ھ مطابق ۱۲ اگست ۱۸۸۰ء کو جمعہ کے دن رام پور میں عام وبائے ہیفینڈ سے انتقال  
 اور مقبرہ لاڈلی بیگم میں دفن ہوئے۔ انتقال منیر مالی قدر (۱۲۹۷ھ) سے تاریخ وفات بتا دہوتی ہے۔

(مرتبہ: کسری منہاس)

لے خاندان میرزا میں کے مشہور مرثیہ گو تید نور شید جس مروج سے مراد ہے جو طریم شیر خوانی میں لا جواب تھے۔ میر تقی میر کے صاحبزادے  
 تھے اور وہ صاحب کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ آپ کا انتقال ۱۲۹۷ھ میں ہوا۔

# سرسید رضا علی

پیدائش \_\_\_\_\_ ۱۲۸۱ھ بمطابق ۱۸۶۴ء

میر تقی خان غازی جہاد بہادر علی رضا کی اطلاع دی کہ جن کے ساتھ امین رشید نے انڈیا مقبضت پٹی جی کا عقد کر دیا تھا، مہاسیوں کو ہٹانے کے لئے بنی فاکر کو وہ اپنا دشمن سمجھتے تھے جس قدر وہ ان کا نام علی رضا کا ماسک کی نظر میں پڑتا تھا، مہاسیوں کی سرکشیوں جہاں پہنچے کو غصہ انت کا دمٹ بجھتے تھے، گہری ہوتی گئیں۔ باقیوں پر دے کر اس مقدس زندگی کا صبر سستہ میں خاطر کر دیا۔

ہمارے جہاد پر یہ گورکھ صاحب مشہد کے رہنے والے تھے۔ جہاں بادشاہ شاہجہاں میں خیر شاہ سے شکست کھا کر مدد کے لیے شاہ ایران کے پاس پہنچے اور ایرانی لشکر کی مدد سے دہلی پر دوبارہ ہندوستان پر قابض ہونے والوں کے دوسرے دوسری سید محمد کرم ہندوستان آئے۔ ان کے ساتھ اس وقت دارالسلطنت تھا، نیام کیا۔ ان کے لیے سید محمد اہل ایم چڑھیں میں پڑھنے تھے شاہجہاں کے گھر میں ہندوستان آئے اور مدد تک اگر بھی تھی سب۔ وہیں ملازمت پائی جہاں آپ کا دربار تک موجود ہے۔

قاضی سید محمد ہاریم کے بیٹے قاضی سید عبدالرزاق بذیلہ نواز شاہی جہتہ تھا پر مقرر ہوئے اور سرکار تحصیل میں اس نوع کے قاضی قرار پائے جو مراد آباد سے اس بار میں جناب میں واقع ہے۔ ان احوال کی سب سے بڑی آبادی قصبہ کندھک میں تھی جس سے ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر مشہد پر آباد تھا۔ قاضی سید عبدالرزاق صاحب بڑے صاحب علم بزرگ تھے۔ جہتہ قصبہ کے فرخیز بڑی آزادی سے انجام دیتے تھے۔ مومن نے کندی میں بڑے سیرت تعلیم کی اور قصبہ سے آدھ میل کے فاصلہ پر چوکوں آباد کیا تھا۔ اس کا نام قاضی پورہ ہے۔

ادامہ صاحب کا نام میر لدی مل تھا۔ مراد آباد میں حسین صاحب کی خانقاہ مذہب شیعہ تھا۔ مگر اغلب سے کرنا مذہب طلب علی میں دلوں صاحب نے کسی مذہب اختیار کیا تھا۔ تفسیر تفسیر تھی تھی۔ ادما صاحب کے بڑے جیسیرے والد سید صاحب علی بنو شاہجہاں میں پڑھنے تھے جب خدمت شروع ہوا ہے۔ تو مالک مرحوم پچھنے کی جہاد ادما صاحب نے شاہجہاں میں بڑے جیسیرے کو انگریزی تعلیم دلائی اور کتب و تعالیم پڑھائی۔ پھر بھی دوسرے جیسیرے میر سے چھیر و ملاں کو بھی گورنمنٹ مل سکلی میں حاصل کر لیا۔

میری تحصیل مشہد گورنمنٹ مدرسہ میں تعلیم حاصل کی اور میر سے لیے نوزک بات ہے کہ میں اپنی احوال سے قصبہ ہالی اندام کی طرف سے رہا ہائی ہیں۔ میر سے نکاح کا نام میراں برکات حسین تھا۔ اس کے والد میری خدمت میں رہنے والے ہیں اس نوع میں بہت اثر رکھتے تھے۔ جسے خوش نویس تھے۔ میں مستعد بھی تھی تھی۔ میر سے تحصیل کا سب سے بڑا صاحب جہاد ملاق سے قصبہ جو علم ابوالخیر کے استاد تھے۔ ادما صاحب منجلی اندام سے چلے و اجمل شاہ بادشاہ اندام کی فوج میں اسیر تھے۔ اندام کی تحصیل پر دس چلے آئے اور گھر کا کاغذ بدستور۔

میں ہر شے مستعد کو حسب کندی میں پڑھنا میری پیدائش کے ایک سال پہلے دلوں صاحب نے چھوڑ دے منزل کا مکان بنایا تھا۔ اور منزلہ ہونے کے بعد یہ مکان ملاوت کے سب مکانوں سے لیا تھا۔ اسی مکان میں میری پیدائش ہوئی۔ میر سے پہلے میں اس مکان کو لوگ علم میر لدی

کا مل کہتے تھے۔ مکان بہت بڑا نہیں ہے۔

میں اپنے والدین کی پہلی ولادت، دادا کا اکھوتا پوتا ادا ناما نانی کا اکھوتا نواسہ تھا۔ چنانچہ سب ماؤں کو اولاد اکھٹے کا تارا ہوتی ہے۔ لیکن خدا بخشنے والہ کو جو محبت مجھ سے تھی، اس کی مثالیں اپنی زندگی میں تین چار سے زیادہ میں نے نہیں دیکھیں۔ میں کبھی بچہ نہ تھا۔ مگر دھیال اور خصال کی محبت ادا نام کے لاڈ پیر نے تنگ مزاج بنا دیا تھا۔

دادا صاحب نے میرا نام محمد عبدالجلیل تجویز کیا تھا۔ چاہتے تھے کہ مجھ کو بی بی صاحبیں اور بی بی مولوی بنوں۔ مگر والدہ صاحبہ کو یہ نام پسند نہ آیا۔ فرمایا کہ یہ تو بڑے بڑے کا نام ہے۔ میں نے اپنے والد کا نام عبدالجلیل نہ رکھیں گی۔ والدہ صاحبہ نے میرا نام رضا علی رکھا۔ دادا صاحب اپنی رائے پر قائم رہے والدہ صاحبہ فرمایا کرتی تھیں کہ دادا صاحب مجھے گویں گے کہ چھوٹے اور فراتے کہ محمد عبدالجلیل کیسا اچھا نام ہے۔ میرا پوتا مولوی ہوگا۔ لوگ اسے مولوی محمد عبدالجلیل کہہ کر پکارتے تھے۔ ہاتھوں کی امانت سے ماہ کی شفقت پر غلبہ پایا۔ اور مجھے رضا علی نام ملے والدہ صاحبہ اردو بہت اچھی لکھتی تھیں۔ کسی قدر فارسی بھی جانتی تھیں۔ کبھی کبھی شعر بھی کہتی تھیں۔

میری بہن بی بی امیر بی بی مولوی ہوں اور میں نے پڑنا شروع کر دیا۔ بسیم اللہ بی بی عزیز الدین نے چٹائی تھی۔ موصوف اس مسجد کے امام بھی تھے۔ جو دادا صاحب کے کنڈہ دار کے کدخانے کے قریب تھی۔ پھر تھیں دو سال تک فارسی فنی مشرت علی سے پڑھی۔ ادا نامہ، کریما، مامقینان، اور حکایت لطیف موصوف نے مجھے پڑھا سنے تھے۔ میرا ذہن اور حافظہ اچھا تھا۔ استاد مجھے ہونہار کہتے تھے۔ یہ خوب یاد ہے کہ جس دن سچ کو دیکھ کر سو کر اٹھتا تھا، غل غل شوکت۔ اور داتا تھا کہ مجھے کچھ کیوں نہ چٹایا، کتب خانے کو دیر ہو جائے گی۔ میں شریہ بالکل نہیں تھا۔ چھ سات سال کی عمر میں گیارہ ماہہ سال کی عمر کے لڑکے جی ستانت تھی۔ ایک شہادت ضرور کرتا تھا۔ ہمارا گھرانا دولت مند نہ تھا۔ مگر جب تک دادا صاحب زندہ رہے فارغ البالی سے گزر رہتی تھی۔ جو فروغ تھا میں اس تک میں رہتا تھا کہ جو کھانا ہمارے گھر معمولاً پکتا تھا۔ اس میں آج کون چیز نہیں پکی ہے شفا ایک وقت ترکاری نہ ہوتی تو میں والدہ صاحبہ سے کہتا کہ میرا جی تو شلیم کا قلیہ کھانا کو چاہتا ہے۔ وہ من کر بہت افسوس کرتی اور کہتی تھیں کہ مجھے کیا معلوم تھا۔ کہ میرا بچہ ترکاری کھائے گا۔ اب اس کا جی میلا ہوگا۔ خبر نہیں پڑو میں کہیں ترکاری پکی ہے یا نہیں۔

دوسری حرکت میں یہ کہ تھا کہ جب کوئی بات مجھے زیادہ ناگوار ہوتی تھی تو بھوک بڑھتا کہ دیتا تھا۔ یعنی کھانا نہ کھاتا تھا۔ بابا ادا نام دونوں پریشانی ہو جاتے تھے ادا چاہتے تھے کہ میں ناؤ کشتی کروں۔ والدہ صاحبہ زیادہ لاڈ پیار کے قابل نہ تھے۔ ان کا خیال تھا اور بچا خیال تھا کہ بے جا ناؤ بری ہے۔ کچھ بڑھاتا ہے مگر والدہ صاحبہ میری بڑائی کے زمانے میں کانٹن پر لوثی تھیں۔ مزید ان کو ہلاتی تھیں کہ رضی دیمیل چار کا نام تھا، کو بھادو والدہ صاحبہ سے جھڑپ ہو جاتی تھی کہ کچھ بھوکا ہے اور ہمارے کان پر جوں نہیں ملتی جب تک میں کھانا نہ کھاتا، خود بھی فاتورے دیتی تھیں۔ اب یہ باتیں یاد کر کے ہاتھ ملتا ہوں ادا اپنے کو ملاحت کرتا ہوں۔

شہر میں دادا صاحب کی وفات کے بعد والدہ صاحبہ نے میری تعلیم مولوی سید مسیح رحمہماں کنڈہ دگی کے سپرد کی اور ہمارے مردوہ مکان میں میرے لیے کتب کھولے۔ مرحوم کی فارسی استعداد اچھی تھی۔ شعر بھی کہتے تھے۔ لائق تخلص تھا۔ ان کے انتقال کے بعد کتب کے مولوی محمد حسین مفتاحی مقبول کیے گئے۔ موصوف بڑے ذکی الطبع، اردو فارسی کی اچھی مہارت رکھنے والے اور بڑے خوش خط تھے میں نے فارسی کی ادبی دینی کتب مولیٰ مقبول، ابوالفضل و پنج رقعہ میں سے پڑھیں۔ فارسی اور اردو کی مہارت لکھنا اور خوش خطی بھی ان



کے کسی مولوی مقتول بنا رہی تھے۔ ایک نزل کے متعلق کا اتنی مصروف پادشاہ تھا۔

میں ہیں مقتول، تو قاتل ہے، جہاں جانتا ہے

مولوی مقتول کے مراد آباد چلے جانے کے بعد میرا امکندہ کی کے لودو پٹاری مدرسہ میں درس لادیا گیا۔ وطن کی خاص تعلیم میں کامیاب نہ بنایا جی تھی۔ میں نے جلد سیرا درجہ چارہ سہ مدرسہ کا سب سے اونچا درجہ تھا، پاس کر لیا۔ پھر ولایت علی اسکالرشپ کے امتحان میں بیجا کچھ دن بے مشغول رہی، کامیاب ہوا۔ اگر مراد آباد جاکر اس وقت کے مدرسہ میں داخل ہوتا تو مجھے دو سو روپے ماہوار وظیفہ ملے گا میں نے وظیفہ لینے اور اس کی اگلی بی بی بھٹے سے نکال دیا۔

اسی زمانہ میں مجھے قتل الخا مرثیہ خوانی کا شوق پیدا ہوا۔ دبیر، انیس، ملاسن اور انیس کے مطبوعہ مرثیوں کی جلدیں میں سے مرثیوں کا مطالعہ کر کے اپنے علم سے مرثیے نقل کر لیتا تھا۔ تمیز الحق، التوحید، انوار الحق کے حیدر مرثیے اور سہم علی ابن دشتہ وادوں کی شفقت سے بھل گئے تھے۔ میں مجلس پڑھتا تھا۔ نسب وادوں نے پڑھنے کی داد سے کہ میری بہت اس قدر بھلائی کر میں نے مراد آباد جا کر بھی مجلس نہیں مرثیہ خوانی کا میرے ادبی مذاق پر بہت اثر ہوا۔

کندہ کی کارکردگی مولودہ سے چھوڑنے کے بعد میں آخری پہنچے بیگم۔ اس وقت میں والدہ صاحبہ نے چند روپے دانہ دی کر میں خریدی پڑھنے کے لیے مراد آباد چلا گئی۔ مگر انگریزی تعلیم کی اہمیت کا اس وقت مجھے اندازہ نہ تھا۔ مذہبی جوش سر پر ہوتا تھا۔ اس بے کاری کے انداز میں کچھ نئی شغل تھے۔ نانہ پڑھنا، مرثیہ پڑھنا، انگریزی کی کتابت کرنا۔ اور نئی شیعوں کے مذہبی مناظروں کی کتابیں پڑھنا۔ اسی زمانہ میں چوتھے صاحب مولوی پڑھنے مولودہ آگئے۔ میرے بہن بھائی جوش نے گھبرا دیا کہ وہ مولوی نہیں اور میں اسی دوست سے محروم ہو جاؤں۔ مکتور ملت میں میں نے والدہ صاحبہ سے پناہ لی پڑھنے کا ارادہ لگا کر کیا۔ اور آٹھ دس دن بعد مولوی بننے اور مولوی پڑھنے کی غرض سے مراد آباد چلا گیا۔

میں نے مولوی میں مولی شروع تو کر دی مگر بدگوار مولی کا طریقہ تعلیم بنیاد قابل اعتراض ہے۔ صرف دعو کی تعلیم میں بہت سادہ شریعت لدا لگ جاتا ہے۔ اور پانچ چھ سال پڑھنے کے بعد بھی طالب علم مولی کے مجلس مجھے دہلی سکتا ہے، مذکورہ سکتا ہے۔ دوسرے بیچ میں بدگوار فطرتی ملک پہنچتے پہنچتے میرے ممبر کا پلہ برز ہو گیا اور مجھے مولی چھوڑنا پڑی۔

مولوی مولوی میں مقتول کے میں نے بارہ سال کی عمر میں افریقی پڑھنا شروع کی۔ مولوی مقتول کندہ کی سے چلے آنے کے بعد اپنے گھر پر پڑھاتے تھے اور میں بچہ اور سہ پہر کو وہیں وقت ان کے گھر جا کر دس لیتا تھا۔ تجربہ شدہ میں میرے والد کے دوست پنڈت پتپت پن صاحب مجھے گورنمنٹ الی سکول میں داخل کرانے کے لئے مشورہ میں میں نے انگریزی سکول کا امتحان اعلیٰ درجہ میں پاس کیا مگر مرثیہ تعلیم پر دلچسپی ہو جاوے۔ ولایت اسکالرشپ برائے قابلیت دیا تھا۔ مجھ کو بھی یہ وظیفہ دو سو روپے میں میرا جبراً نہیں تھا۔

مقلد ہیں کہنے کے بعد کے اہل علم کی پڑھائی نصیب دہلی ہلدیگر اسادات جانا چلا تھا۔ میں نے تدریس کا مشغول چھوڑ دیا تھا۔ اس کو بدلے سانس میں ان کی کیسٹری لی تھی مجھے سانس پڑھ میں نصیب تھا مگر غریب اسادات کے آنے جانے کے ساری وقت میں مقلد تھا۔ کیا تھا جی نہیں کہ اس کے درجہ مشورہ میں امتحان کے تھے ہی آگے مداد ہونے۔ اس زمانہ میں انٹرنش کا امتحان مراد آباد میں دیا تھا میرے بعد مقلد کے امتحان کی خبر نہ آئی تھی۔ خبر نہ کر مجھے انسانی نہیں بلکہ صدمہ ہوا تھا۔ جوں میں انٹرنش کا نتیجہ آیا۔ میں دوسرے درجہ کیسٹری دہلی

میں پاس پڑھنے لگا اور اس کی تائید کی۔

سارے محل شہزادہ کوئی کڑھ نہ تھا اور سر سے تن کا لٹ میں داخل ہو گیا۔ جلی کرکھ سے مجھے وہ وظیفہ ملا جو ہونا فریب طلبہ کو دیا جاتا ہے۔ کالج کی مجلس میں کہہ کلا یہ اور کھانے پینے کا سب خرچ ہا کر اور تمام وظیفہ ہوا کرنے کے بعد مجھے صرف ساٹھ روپے ماہوار کالج کو دینے پڑے تھے۔ کچھ بچے میں متاویز بن کر کھڑے۔ ادبی اسے پاس کرنے تک میں اسی کمرہ میں رہا۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور بانی کالج کی روح کو دعا دی۔

جوانی کے آخری اگست کے شروع میں کالج کی سالانہ تعطیل ہوئی۔ میں کسندھی پہنچا۔ والدہ نے شادی کا تقاضا پھر شروع کر دیا پرانی منگنی چھوٹ چکی تھی۔ والدہ چاہتی تھیں کہ کسی ماہر جگر میری شادی ہو جائے میں چاہتا تھا کہ خلائی کرنا اپنے پاؤں میں کلباڑی مانا ہے۔ مگر وہاں پھنسی میں کے حکم سے سزا سنائی ہوئی تھی۔ یہاں کے میڈیکل کالج اپنے ایک ڈاکٹر کی لڑکی سے کن چاہا میں یہ کہہ کر کہ میری بیوی والدہ کی بڑی بیوی تو ساس بہو کے جھگڑوں سے نجات نہ ملے گی۔ یعنی ہو گیا۔ اب دوسرا جھگڑا شروع ہوا۔ نکاح کے دن معلوم ہوا کہ والد صاحب اس رشتہ کے سخت مخالف ہیں۔ اگر مجھے پہلے معلوم ہو جاتا تو میں اس جھگڑے میں نہ پڑتا۔ اب مصروفیت یہ تھی کہ سب برادری کو معلوم ہو چکا تھا کہ نکاح ہونے والا ہے۔ میں نے سوچا ہرج ہرجا باوا باو۔ اب لیادہ بنائی اٹھانا مناسب نہیں۔ برادری کو اطلاع کرادی کہ ہر تمبر شہزادہ مطابق ۲۲ ربیع الثانی ۱۳۱۳ء کی شام کو نکاح ہے والد صاحب نکاح میں شریک نہیں ہوئے۔ بڑے چچا اور مجھے چچا شریک ہوئے اور بڑی انتظامات دونوں صاحبوں نے خود کئے۔

اکتوبر کے انیس کالج کھلنے پر مل گیا۔ پہنچا۔ مجھے اخبارات کتابیں پڑھنے کا شوق تھا۔ اس مناسبت سے بجائے فٹ بال اور کرکٹ کے میدان کے کالج یونین کو میں نے اپنی طبیعت کا جھانکا دیا۔ میری خوش قسمتی سے سید سجاد حیدر سردار محمدیات خاں۔ حیدر حسن مرحوم تینوں کپی ہانگ میں رہتے تھے۔ بڑے صاحب مطالعہ تھے کرکٹ، فٹ بال وغیرہ کوئی تعلق نہ تھا۔ تینوں میں محمد علی گڑھ کی لنگی کے ٹبر سے نقاد تھے حیدر اور سجاد حیدر بڑے ذہین تھے۔ محمدیات کی شگفتگی حراج کا اظہار خاص خاص دوستوں کی سوسائٹی میں ہوتا تھا۔

فروری ۱۳۱۴ء کے تیسرے ہفتے میں امتحان داہین۔ اسے کا نتیجہ معلوم ہوا۔ جب والدہ نے دوبارہ زحمتی کا تقاضا کیا۔ تو میں

اپنے طے کر

ہرج ہرجا باوا باو اکتوبر در آب انداختیم

چڑھ کر راضی ہو گیا۔ اور نصیحت کی تاہن ۱۱ مارچ ۱۳۱۴ء مطابق ۹ فروری ۱۳۱۴ء کے مقدمہ کر دی گئی۔ یہ تقریب بالکل سادہ طور پر منائی گئی۔ والد صاحب خفا۔ نصیحتی اقصیٰ صحت گزارا س، باڈی پریشانی، برادری داسے اعلیٰ بہ نعلی، والدہ صاحبہ کے چہرے پر ہنسی مگر دل میں دھڑک رہی۔ میں دلہا تھا غریب حالتیں دیکھ کر حیران تھا کہ اس آغاز کا انجام کیا ہو گا۔ میری بیوی کا نام صغیرہ فاطمہ تھا۔ والدہ صاحبہ کے بھوپتی زاد سہائی کی بڑی بیٹی تھیں۔ جب نصیحتی ہوئی تو آتے نکھٹا پٹھنا سیکھ گئی تھیں کہ معمولی خط لکھ چکے ہیں۔ بڑی بڑا بااورد ایک حراج تھیں من کے والد کا نام سید شہادت حسین تھا۔ زحمتی کے بعد میں تین دن گھر پر رہا اور پھر مل کر چلا گیا۔

مارچ ۱۳۱۴ء کے وسط میں مل کر چلا گیا۔ اب مجھے دس روپے ماہوار وظیفہ برائے قابلیت ملا۔ محرم ۱۳۱۴ء کو کانفرنس اس زمانہ میں سلطانی کی سب سے بڑی جماعت تھی۔ دسمبر ۱۳۱۴ء میں کانفرنس کا اجلاس کلکتہ میں مجلس سید میر علی کے زیرِ صحت ہو چکا تھا۔ نواب حسن الملک کی خواہش تھی کہ دسمبر ۱۳۱۴ء کا اجلاس پٹنہ میں منعقد ہو۔ لیکن پٹنہ والوں کو کانفرنس

حکومتی دھڑے دھڑے بکے پٹنہ بھیجا گیا کہ وہاں کی تعلیم یافتہ جماعت اور بااثر حضرات کو اس حکمران کی کانفرنس کو بٹھانے میں ابواسمہ کو مدد دینے کی درخواست کی۔

جن مشائخ کے تیسرے ہفتے میں نواب محسن الملک کا عطف ظن بہادر مولوی خضر علی کے نام لکھ کر میں پٹنہ پہنچا۔ اس پر سمجھ کر کہ کانفرنس کو حکومت میں کابرتھلیک شخص پر دیر سے میں نے اس شہر کے علماء اور بااثر حضرات کی خدمت میں آنا چاہا اور کانفرنس کو بٹھانے میں مدد کر سکی ضرورت پکڑنے کوئی شروع کر دی۔

آخر چھٹی ہی گھنٹہ پہلے اور ظن بہادر مولانا شہبازت علی بیگ کا پہل پہنچا۔ گھنٹہ میں پہلے سے حضرات نے مجھ سے علی گڑھ کالج کے ملاقات اور علی گڑھ قریب کے انڈسٹریل ڈسٹرکٹ کے شروع کئے۔ مولانا فرادہ شہر کے سوجھت کا جواب دینے میں مجھے مل جاتے۔ اس لیے میں نے علی گڑھ کے مختصر حالات اگلی دن میں لکھ کر ایک پبلٹ جھپا لیا جس کا نام تھا بنکال پریذیڈنسی کے مسلمانوں کی نصرت میں اپنی پریپاریشن تھا جس میں علی گڑھ کالج کے ملاقاتی کیے گئے تھے۔

گھنٹہ سے دو گھنٹہ کا اور دو گھنٹہ کا ہوتا تھا پھر پٹنہ پہنچا اور کانفرنس کے کام کے لیے مادیات مدد و فز کھل دیا۔ ۲۰ اکتوبر سے کام خوب شروع ہوا۔ شروع ہو گیا تھا اور اس وقت کپٹن کا اجلاس پڑا اس پر اس کی سب سے پہلی شہر میں طاعون شروع ہو گیا۔ ۲۰ نومبر کو نواب صاحب کا تمنا آیا کہ چھپ میں طاعون ہونے کے باعث باہر کے لوگ کثیر تعداد میں وہاں جانے پر آمادہ نہیں تھے۔ لہذا کانفرنس کا اجلاس پٹنہ پٹنہ کے رام پور میں ہو گا۔ ۲۰ نومبر کو میں پٹنہ سے مدد ہو کر دوسرے دن علی گڑھ پہنچ گیا۔

رام پور کے صدر الہام مولوی عبد الغفور تھے۔ نواب محسن الملک کی قریب پرانہ دل سے کانفرنس کو رام پور میں منظم کیا۔ صدر ملت کے لیے نواب علاء الملک مولوی سید حسین بکری قریب کیے گئے۔ میری بہادر اور بنکال کی ناچیز خدمات کا اعتراف اس طرح کیا گیا کہ نواب محسن الملک نے مجھ پر انڈیا پریس سیکرٹری مقبول فرمایا۔ دوسرے آخری ہفتے میں نواب محسن الملک مع اصحاب کے علی گڑھ سے روانہ ہو کر رام پور پہنچے۔ خاص بان میں مہمان کی آسائش اور آرام کے لیے بہت بڑا کیسپ بنایا گیا تھا خاص خاص پہاڑ کوٹھی میں ٹھہرے تھے۔ باقیہ حضرات ڈیڑھ دن میں ٹھہرے تھے۔ نواب محسن الملک کا سیکرٹری ہونے کے باعث مجھے بھی کوٹھی میں جگہ دی گئی تھی۔ کانفرنس کا اجلاس بڑی شہادت سے ہوا تھا۔

میں علی گڑھ وہیں آئے چند دن ہونے لگے کہ حکم و کشمیر سے وفات پائی۔ بی۔ اے کے پہلے سال کا بیشتر وقت اردو بکری کے تھیں اور بہادر بنکال کے دوسرے کی خدمت ہوا۔ جنوری سن ۱۹۱۱ء میں کالج کھلنے کے بعد میں نے ہاتھ دھو کر میں شرکت اور کتابیں کا مطالعہ شروع کیا۔ بی۔ اے کا امتحان مارچ سن ۱۹۱۱ء میں ہونے لگا تھا اس لئے میں ملازمت پر واپس آ گیا۔ مگر ملازمت میں طاعون کا اندیشہ ہونے کی وجہ سے یہ طے پایا کہ علی گڑھ کے طلباء امتحان میں بہت کم گھنٹہ شرکت کریں۔ امتحان کیلک کالج میں ہوا۔ آخر جون سن ۱۹۱۱ء میں تیرہ آیا جس سے مجھے دوسرے درجہ میں پانچ بی۔ اے پاس ہونے کا حاصل معلوم ہوا۔

میں بنکال۔ بی۔ اے اور ایم۔ اے دونوں درجوں میں اپنا کام کھلایا۔ تعلق کے پروفیسر تھے مولوی سید کریمت حسین صاحب تھے جو جنوری سن ۱۹۱۱ء میں لاہور آئے کالج کے محکمہ ہونے۔ پروفیسر کے مولوی صاحب کے انتظام دینے پر ان کی جگہ ماسٹر زاد آفتاب احمد خان

صاحب کا تصور شوق شہر میں ہوا تھا، یہاں تک کہ کالج میں داخلہ ہوا تھا، یہاں تک کہ اسے کی ڈگری لیا جا چکی۔ اس لیے طے کیا کہ مشرقی (TOWNS) جو سال ڈیڑھ سال پہلے طرہ سے علی گڑھ میں پر ویر ہو کر آئے تھے، مجھے جنت میں چار دیوے چلایا کریں۔ وظیفہ برائے تھیں، دینے کے بارے میں جو بتاؤ سر قیو ڈیڑھ سال پہلے میرے ساتھ کیا۔ اس کا احسان منی کے ساتھ مل کر کرنا میرا فرض ہے، مرمون نے چاہیں وہ کچھ ہیرا کا اس کا شپ مجھے منایت فرمایا تھا۔

نمبر شانہ میں یونین کے انتخابات کا وقت آیا۔ اور یونین کے بڑوں نے زبردست کثرت رائے سے مجھے دھن پر بند نہ ٹھنکے کیا۔ کچھ دھن پر بند نہ ٹھنکے جانے سے صدمہ ہوئی۔ اسے کیا زانو تھا۔ اور کیا جھٹکی تھیں۔ یہ کیا دن دھڑے کے تھے کہ جو راتوں کو صبح تک

میں تھا تری جناب تھی دست سول تھا!  
 ہندی مصیبتوں میں مشغول ہی نہ تھا تو دست سوال کہاں سے پھیلاتے۔ مگر فریاد کو کہہ کیں اور تمہیں کو صوفیوں میں وہ لطف دیکھا جگا جو میں علی گڑھ میں حاصل تھا، اپریل کی چاندنی راتوں میں مارا جیتے ہوئے تھوڑا سا جانا، محو حیات خاں کاغذ تیری رز سے لبردار رہ کر نہ لایا ٹول کی تھا، اور ہم سب کا رزم کے ساتھ مذاہبات کے یہ شعر پڑھا:

اے حاضر خاں دل وقت دعا ہے

امت پر تری آکے جب وقت پڑا ہے

جو میں کو بڑی شان سے لکھو تھا دل سے

پرویں میں وہ کچا غریب الغر با ہے

جو میں نہ جانتا تھا۔ اس کا لطف کبھی گوہر میں اور نور جہاں کے گلے میں بھی نہ آیا خدا کا لکھ لکھ شکر ہے زندگی بڑے لطف سے کٹی اور کٹی ہے۔ اور تو کو خواب کا یہ شعر ہے

عشق سے طبیعت نے زلیست کا مٹا پایا

حدود کی دوا پانی، درد کا دوا پایا!

پہلے سے طور پر میرے حال پر صادق ثابت ہو۔ لیکن میری زندگی میں اس کی بھی جھلک مہجہ ہے۔ میں شراب نہیں پیتا، مگر یہ کی اس طرح پہلے ہوئی کہ میں نے کسی میں افسوس کو اس لئے کہ میں نے کسی میں جیسے خود پر دنیا کی بڑی کائنات پر تپا ہے اور پتا تو یہ ہے کہ جیسے کا وہ بھی اسی وقت تک ہے جب تک بقول راجس انسان کی یہ حالت ہے کہ

نہ پیے اور جھوٹا جاسے!

یہ سب دھڑے چکھے اور خوب چکھے۔ ہم علی گڑھ کا لطف علی گڑھ کے ساتھ لیا۔ اور باتوں کو جانے دینے، تنہا ایک بات کو بچنے، علی گڑھ میں دو تھیں اور محبت کے اند کوئی ذاتی غرض نہیں تھی۔ علی گڑھ چھوڑنے کے بعد دوست بہت سے مکرر ذاتی کا پتہ بہت

کم مچ نہاد کی فکر کچھ بیداری پائی تہذیب و شہادت کے زوال کا اثر، عوامی اور مذہبی عقائد متزلزل ہو گئے ہیں۔

ای۔ ای۔ بی۔ کے انتقال کی کافی تیاری نہ کر سکے کے باعث میں نے اس سال امتحان میں شرکت کا قصد نہ کر دیا تھا اور یہ بات میں صاحب کو معلوم تھی، مگر میرے اور دوستا و شفیق کے تعان و دلچسپی میں ہوتے جیسے وہاں انیسیم کے سند پر اختلاف دے دیا ہونے سے پہلے تھے تو غلام موصوف مجھے دلی فکرتورہ تھے۔ اور میرے نئی حالت نے جو صورت اختیار کر لی تھی۔ اس کے باعث میں آشکر و اقص کے ساتھ یہ عہدہ چل کر لیتا تھا، ہمیں استاد و شفیق کا احسان مند ہوں کہ جب مشرا ل جی۔ ہائوس و شرکٹ سب سٹاپ پور نے اپنے اسٹاس کی پیش لاری کے لیے مار لیں صاحب سے مل کر کھانک ایک تعلیم یافتہ لڑکوں، مانگا تو موصوف نے میری مشورہ کی، چند دن بعد ہائوس صاحب کا خط ملا جس میں لکھا تھا کہ اپنی کس دوسرے دفتر میں سہ ماہی پھر چلا کر میں اپنے عہدہ کا پورا کرے لیکن میرے ساتھیوں کو تعجب تھا کہ میں ملازمت کرنے اور ایسی چھٹی ہو کر منظور کر لے کر یہ کہیں تیار ہو گیا۔ قریباً سال مردہ جانا ہے۔ دوسروں کو اس حال سے آگاہی نہیں ہو سکتی۔ وہ صاحب کی نذر اشک کے باعث میری ہوی اس وقت تک پہنچا ہوا ہے کہ یہاں رہتے تھیں۔ یہی حالت نے گوارا نہ کیا کہ وہ جیلے میں رہیں اور میں بی۔ سے جو جانے کے باوجود ان کا عرصہ درہشت کروں۔

میں نے اپریل ۱۹۱۷ء کو مل کڑہ کالی کو جیشیت صاحب علم دعا لفظ کیا۔ میری رہائی سے ایک دن پہلے میرے دونوں شفیق استاد دھرم پری مرخص ہو گئے تھے اور ایڈیٹر ملائیس نے مجھے رخصتی لینا دیا جس میں کالی کے بعض اور پروفیسروں کو بھی مدعو کیا تھا۔ میں مل کڑہ سے کنگلی آئی تھی بعد وہاں ٹھیکر سہ ماہی پور روانہ ہو گیا۔

۱۱۔ اپریل ۱۹۱۷ء کو میں سہ ماہی پور پہنچا۔ ۱۲۔ اپریل کو کچھری میں پہنچ کر مندرم سے ۱۵۔ اہم مقام مقام پیش لاری پر اپنا دفتر متطور کیا تبین چار روز میں نہا جو میں پیش لاری کے ساتھ بیٹھ کر اس کو پیشی کا کام کرتے دیکھا۔ اور تھوڑا سا قریب حاصل ہونے کے بعد خود کام کرنا شروع کر دیا۔ اگست ۱۹۱۷ء میں بھی غریبہ دیرہ دھن کے مندرم نے ایک مینیجنگ رخصت لی۔ اس کی جگہ پر ہائوس صاحب نے میرا دفتر کیا انصافی جاکر میں نے بھی غریبہ کی کڑی کا پورا کیا۔ تھوڑا سا بعد یہاں ہوتی تھی ملکی کے موسم میں باغ غریبہ مقدمات فیصل کر لے دیرہ دھن جاتے تھے تو مجھے ایک دو پر یہ بدستہ تھا تھا مندرم میں رہنے کے لئے کچھری کی حالت میں دیکھ کر سے۔ جو میری ضروریات کے لئے بالکل کافی تھے مندرم کے کام کو میں نے پیشی کالی کے کام سے زیادہ خوش گوار پایا۔

سہ ماہی پور کے قیام تک میں دھن شریف کے پورے دھن سے رکت تھا۔ مندرم جاکر بھی کچھ دن تک اس وضع کو نباھا۔ مگر پڑ پڑ کر جھوک کر رہ گئی ہے۔ مثالی نہیں ہو تو دوسری بات ہے۔ کسی نہ کسی طرح دن کاٹ دے۔ یہاں یہ حالت تھی کہ دن کے سات گھنٹے بجے کام کرنا پڑتا تھا نتیجہ یہ تھا کہ میں نے گڑھے در در سے رکھنے شروع کر دیئے۔ اسی زمانہ میں ایک دن دھن دھنکا۔ قحط کی بہت باریش ہوئی اور غریبہ شہر ہو گئی میرا طریق بہت زیادہ سے یہ ہے کہ جتنے دھن سے رکھنے ہیں بغیر کوئی کھا نہ سکتے ہیں۔ سوتے وقت چائے کی دو پالیں البتہ پنی دیتا ہوں۔ اس روز دوپہر سے آتھن نے قحط ہوا تھا چھٹا شروع کر دی تھیں کا دھن تھا۔ ایک دوسرا نئے آگئے۔ میں نے در در ہٹا لے کی دھن سے شہر کی بازی جمائی حسب معمول چل رہی تھی غریبہ دھن کے بعد چھٹا۔ دو پالیں کھیں۔ یہ تو یاد نہیں رہا کہ کون جتنا کھنکھا۔ کھانا کھاتا ہوں کہ میرا کمر سے سر میں اس شخص کا مدد نہ کرنا تھا کہ ایک یاد ہے۔ غریبہ دھن تو ختم ہوئی۔ دھن سے جھوک کر کھیت

اوردہ پہننے کی خوشی سے دوسرے مول لینے کا حلیہ بیان کیا۔ منشی اور قاضی علی اس زمانہ میں دیرہ وطن میں آب کاری کے لشکر تھے۔ کانگریسیہ مہم خ کے رہنے والے تھے۔ شہر خوب کہتے تھے۔ موصوف نے دفعہ رکھنے کے واقعہ کو منظم کیا اور دادہ تاریخ بھی لکلا۔ نظم تو یاد نہیں رہی۔ مگر آخری مصرع یہ تھا:

پئے تاریخ پوچھا کیا رضا کا پہلا روزہ ہے

انعام کیا رضا کا پہلا روزہ ہے " سے سلائے تھے۔

مشرک۔ ڈیو۔ آر۔ کل اس زمانہ میں دیرہ وطن اور مشرق کی حالت خفیف تھی تھے۔ ایک مذہب ایک سرکاری خط کا مسودہ میں نے مشرکوں کی تنقید کے لئے پیش کیا۔ جس میں کچھ تبدیلی موصوف نے اپنے تم سے کی اور ایک بار وہ باتوں کے بارے میں لکھا کہ اصل دیکھ کر بعض اور امور بھی جان کے خیال میں غرضی تھے خط میں ذکر دینا چاہی۔ وہیں دن بعد پیشی کے وقت مجھ سے حیا نہ کیا۔ غلام خط بھی لکھا یا نہیں۔ میں نے جواب دیا۔ اس لمحہ ہارس پاس آئی ہے۔ آج ہی خط دلا ہو جائے گا۔ موصوف بڑبڑا کر کہنے لگے ہیں۔ یہ تو کسی ہی بات ہے جیسی باتوں کرتے ہیں۔ موصوف کا یہ لفظ مجھے اس لیے سخت سے گراں گذرا کہ اصل لفظ میں ہم سب لوگ لفظ بیکوچک آمیز خطاب سمجھتے تھے جس کا استعمال انگریز افسر بندوستان کی تقریر کے لیے کرتے ہیں۔ مشرکوں کی بات سمجھ اسی ہی گراں گزری جیسا انڈین سول سروس کے کسی مقتدر انگریز مہدہ دار کو ٹامی کا خطاب معلوم ہو۔ میں نے دوسرے ہی دن چھپنے کی رخصت کی درخواست مشرکوں کی خدمت میں پیش کر دی۔ رخصت دینا برا حیثیت ڈسٹرکٹ جج کے مشرکوں کے انتہا میں تھا۔ وہ ہانتے تھے کہ ایل ایل بی کے امتحان کی تیاری کے لیے میں رخصت لینا چاہتا ہوں۔ چنانچہ میری رخصت ۱۹ نومبر ۱۹۰۷ء سے منظور ہو گئی۔

کچھ حکنندگی محکمہ میں ملے اور پہلا گیا اور مشن بورد ٹنگ ڈانس میں تیار کیا۔ بورڈ ٹنگ ڈانس کے بانی مولوی مسیح اللہ خاں صاحب مرحوم۔ ایم۔ جی۔ تھے۔ میں لاڈلا اس لئے کیا تھا کہ الطینان کے ساتھ ایل ایل بی کی تیلی کر سکوں مگر بہ ہر ذمہ کہ رسیدیم آسان پیدا است والی مشرکوں میں بھی میرے حال پر صادق آئی۔ فردی مشن میں مل کر میں وہ زبردست بڑا تھا جس کے باعث ٹرینوں کو مجھ کو کالے بند کرنا پڑا۔ میں نے مشن میں متحد و مضبوط انگریزی اور زیادہ تراد و اخبار میں لکھے جن میں بڑا حال کے اصلی وجہ سے مفصل بحث کی بعض مختصر مضامین میں نے محسن الملک کی تائید میں بھی لکھے۔

ایل ایل بی کا اتھنی ہال مشن کے تیسرے ہفتہ میں ہونے والا تھا۔ مجھے تیاری کے لئے بہ شکل ڈھالی مہینہ کا وقت ملا جو گا۔ میں نے اپنے پیشکویہ میں کسی ٹی ٹی ٹی تھی اور دوسرے میں پکھا کھینچنے کے لئے ایک قلی کو نوکر رکھ لیا تھا۔ صبح کے دو ڈھالی گھنٹے قانونی کتابوں کے مطالعہ میں صرف کرتا تھا۔ اور دن کے دس بجے سے سہ بجے کے پانچ بجے تک اپنے کمرہ میں پڑھتا تھا۔ اس درمیان میں کسی کو اپنے کمرہ میں نہ آنے دیتا تھا۔ دن کے بعد ایک چم کے درمیان پٹنگ پریٹ لکھ سیکھتا تھا۔ بقیہ وقت پڑھنے میں صرف ہوتا تھا۔ وقت مقررہ پر میں اتھنی میں شریک ہوا۔ اتھنی دس بارہ دن تک جاری رہا۔ میں نے پچھلے اچھے کیے۔ غالباً ۱۰ اکتوبر کو تاراہ جس سے معلوم ہوا کہ میں پچھلے دن میں اتھنی میں کامیاب ہو گیا۔ یونیورسٹی میں میرا میرا نمبر تھا۔

میں نے اپنے اور خدمت کی اور دوسرے مشن کے بڑے دن کی تعطیل میں مولانا آباد اگر وکالت شروع کرنے کے بارے میں غرضی اتھنی

سرواٹر کا لہا آباد الی گھٹ کھنڈ کی گلی کے مشہور پیر شرفیہ دیکھانے کے دھبہ کو خوب آتے تھے۔ سر اگین پوریا

پہلی کی وفات کا درد میرے نام نکلا، لیکن ہے یہ بھی اُلی ہو کر سید جوئے کے باعث فیاضی پری کے اسیب سے محفوظ رہوں گا خیر سنانی ہوتی ہے مگر آنا لکھ کہ غلط کہہ رہا ہے صبح صاف نامی، وہ مجھ سے شے انداز سے آس کی قفس، نظر پر عہود موت کا اقرار، مجھ پر شرم، آواز ناچار سے

مگر میں نے راجہ اندھنیا اپنے مناسب حال دل بھیجا۔ جوتاو کے فوج داری میں کام کرنے والے دیس پر اثر نظر بنیاسب اس مقدمہ میں مختلف فرسوں

لاہور سے کام کر رہے تھے۔ ایک کوشش سے بھی ایسی طرف سے مقرر کیا تھا۔ وہ دیل سرکار کو کورنٹس پلیڈنگ کی مدد کر رہے تھے۔ سر  
ہاشم کالین اردو اچھی بہتے تھے۔ سوچ ساج ک سر دائرہ کالین اس تجربہ پسند کرنے کا ارادہ مند وہ باتوں پر رہے۔ ایک یہ کہ ان کے مکمل کا

رہنما کے لئے ہے، جو وہ اپنی کھوپڑی سے نکل کر اپنے پیروں کے درمیان سے نکلتا ہے۔

ہولڈنگز، کاروباروں اور اداروں کے ساتھ ساتھ کون کن برآمدات کی صورت میں اس طرح سے یہ بیان حالات میں لایا کہ وہ ناکس کے بین الاقوامی جوڑوں کے لیے یعنی جوان مرزہ سے اس کا تعلق ہے، نیز دستاویز کمیٹی کی تحریریں کی نوبت نہیں پہنچی جس سرورق کا احسان مندر

میں کہ باوجود جنسی میل ہونے کے اہل نے ہر بات میں مجھ سے مشورہ کیا اور اختلاف رائے ہونے کی صورت میں مجھ سے میرے والد اسی طرح سے گزارشیں ان کا ہم پر اثر کیا کہ وہیں مصالح کی شہادت مجھ سے پیش کرالے اور داسوں کو مخاطب کرنے کا اصرار بھی میرے سرور

کیا۔ وکیل بیرسٹروں کے سامنے انہوں نے میری بابت یہ رائے ظاہر کی تھی کہ جو ان پر مشید رہے اور دجائتا ہے کہ مقدمہ کے کس واقعہ کی

مکئی اجمیت ہے کبرہ حاصل ہو جائے کہ بعد کیا اب اور تمنا فذیل ہوگا۔ والدہ صاحبہ نے جب یہ راستے سنی تو ان کو بڑی مسرت ہوئی۔ آخر رقم نہ ملنے کے چار پانچ دن بعد نبی نے فیصلہ کیا اور سب طرحوں کو ہدیٰ کر دیا۔

مشرطہ دارے کے زمانہ میں گورنٹ آف انڈیا ایک کدھر ترمیم ہوئی اور جو قواعد اس ترمیم کے تحت بنے اس کی مدد سے سرپرست تھے  
اگلے راجہ دادو علی کو نسل میں سب سے سناٹا لیس مگر وہ رستہ ٹوٹ کے تختہ رستہ مر گیا اور تیس سال کے بعد ہی ایک نیا سرپرست ملا۔

کرتے تھے بخود اس سترہ کے چار ممبروں کے انتخاب کا حق اسلامی حلقہ ہائے انتخاب کو دی گیا تھا۔ ۱۹۷۱ء میں پہلا انتخاب ہوا۔

۱۹۱۳ء میں جب دوبارہ انتخاب کا زمانہ قریب آیا تو روسیگنڈا اور کمالیہ کے حلقہ انتخاب میں میرے امیدوار جرنل کا  
اطلاقی دوستوں نے کیا۔ میری تائید میں بزرگوں اور دوستوں نے بہت سے مفید خط لکھے اور خطوط جاری کئے۔ جن میں سے زیادہ

قابل تقداد میرے لئے موجب عزت وہ حلقہ اور قاب وقار الملک مرحوم نے دئے وہند حضرت کے نام بیجا کران مگر مشورہ دیا تھا کہ وہ اپنا پرچہ میرے حق میں ڈالیں۔ میں اس زمانہ میں ویرانی کے ایک بڑے قلعہ میں کام کر رہا تھا جس میں فریق ثانی کی طرف سے پیروی کرنے کے لئے ہندو مت کی لال ہموالہ آباد سے بلاتے گئے تھے۔ مقدمہ سے فارغ ہو کر میں نے حلقہ انتخاب کا دورہ شروع کیا۔ جو تجربے اس دورہ میں حاصل ہوئے وہ پیش قیمت اور محجب و غریب تھے۔ حلقہ انتخاب میں کل رائے دہندوں کی تعداد دوسو کے قریب تھی جن میں سے ڈیڑھ سو نے تاریخ انتخاب پر پے ڈالے تھے۔ ۲۴ نومبر ۱۹۱۱ء کو کٹنر بریلی نے جو اہم انتخاب تھے پے پر شمار کئے اور چالیس روٹوں کو پیشی سے میرے انتخاب کا اعلان کیا۔ مجھے مسرت ہے کہ میرے اور مولوی ریاض الدین کے تعلقات میں انتخاب کی وجہ سے کئی غرابی نہیں ہوئی کہ وہ مومن نے میرے ساتھ یہاں تک دوستانہ اور براہمانہ برتاؤ کیا کہ کچھ عرصہ بعد معتزل فیس کا ایک مقدمہ میرے پاس بھیجا۔ رد میکنڈ کے احباب کا شکریہ میں نے اس طرح ادا کیا کہ انتخاب کے بعد مجھے رد میکنڈ کے جس ضلع میں کسی مقدمہ کی پیروی میں جانے کا اتفاق ہوا اس سوکل سے میں نے فیس نہیں لی۔

میں سکاٹلینڈ کا واقعہ انگریزی تہذیب کی بدترین مثال ہے بازار پھلی شہر کی مسجد میں جب سرک ہے کچھ مسلمان نے جانب مشرق واقع تھے جب نئی سڑک بنی تو گورنمنٹ نے قانون کا ردوائے کڈ دیئے تھے مثل خانوں کی زمین کو حاصل کر لیا۔ مسلمان جیتے چلاتے رہے کہ مسجد کا جزو ہونے کی وجہ سے مثل خانوں کی اراضی قانوناً حاصل نہیں کی جاسکتی مگر کچھ شہزادی نہ ہوئی۔ کانپور کے کلکٹر اس زمانہ میں سسٹنڈر اور امپروومنٹ ٹرسٹ کے جرنیل میں سرسخت تھے۔ آخر جولائی ۱۹۱۱ء میں سرسٹم کی تحریک پولیس کی مدد سے مثل خانے منہدم کر دیئے گئے اور امپروومنٹ ٹرسٹ نے براہ تمام قبضہ لے لیا۔ تیسری اگست ۱۹۱۲ء کو مسلمان پھل بازار کی مسجد میں بھیجے ہوئے اور منہدم مثل خانوں کی جراثیمیں موقع پر موجود تھیں وہ غیر صالحہ لیا گارے کے ایک کھلو پر ایک رکنا شروع کر دیں۔ غالباً سادہ دل مسلمان جو موقع پر موجود تھے گورنمنٹ کو یہ بتاتا چاہتے تھے کہ

نہل کا طبخیم گرم سے کچھ بھی

مقامی حکام نے مثل پولیس جا کر جمع کر تشر کر دیا۔ بے تحاشا ہندوؤں کے غیر اور بھالوں کے دار کئے۔ بہت سے آدمی جان سے اسے گئے اور بہت سے زخمی ہوئے۔ اس واقعہ کی خبر پٹنایہ بڑے مسلمانوں میں بڑی مسرت بے چینی پیدا ہوئی۔ اس بے چینی کو مرہیں سٹی کے مقررین مل نے اور بڑھا دیا۔ ملک منظم کا انتظام ہونے کی حیثیت سے لاٹ صاحب کا فرض تھا کہ سب معاملات کو دیکھتے جانتے ان کی چھان بین کرتے اور مسلمانوں میں جو برائی پیدا ہو گئی تھی اس کو دلیع کرنے کے لئے عاقلانہ تدابیر مل میں لاتے مگر مومن نے ذہن کھلتے دھمکے چارہ پا بھیج دی کہ پٹنایہ کی سارا تقریر زبانی دہاتے لیجے کہ پٹنایہ جادویر کے پولیس نے قبل شام صاحب جی پٹنایہ کو کالی تھی اس کو بہت سراہا اور پولیس والوں کو کارگزاری کی سنیدیں عطا کیں۔ لاٹ صاحب کی اس غیر دانش مستندانہ کارروائی سے مسلمانوں میں آگ لگ گئی۔ عداوت کی صفت سے مولوی عبدالباقی صاحب مرحوم نے غصہ جیسی جہنما یہ مذہبی ہتھیار کو دس و تدبیر کے خاموش انداز پر سکون مجھ سے نکال کر سیاست کے میدان میں لا کھڑا کیا۔ تعلقہ اردوں کے گردہ میں سے جن کی جاگیروں کے برقرار رہنے کے وفادار کا ایک ضروری شرط ہے سر محمد علی خان بہادر راج محمد آباد پٹنایہ انڈیا لاک ناموس ملت اور قومی اتحاد



کی خاطر جہد و مصروفیت نے کہ اس کے باعث وہ لوٹ صاحب کی بیڑ میں بدل میں جس کا ایک پڑ گئی ہے بہت پہلے تھامی حکام کی طرف جھکا ہوا تھا اور غیر وقار و قزاقانہ۔ سرسید اصفہان کا میں رسیدہ جانشین (دعوت اللمک) جو نوابی صحت کے باعث نیکو شری کے مہرہ سے دوست بردار ہو چکا تھا اللہ جل شانہ کے نام کا اصرار تھا میں نے کریک دفعہ پھر فرعونیت کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔ انگریزی مادل کی جماعت سے وہ دائر میں نو پختہ مند ابیر سٹ (مظاہر الحق) آگے ڈھکے میں اسلام کا سپارہ تھا اور میں نے آخر دم تک اپنے خیال کے بموجب قوم و ملت کی خدمت کی۔ مشائخ کی جماعت کے نامکدہ چرنے کی حیثیت سے خواجہ حسن نظامی صاحب نے جی کی تائید میں ہمدرد بن کر جو آج تک بہت سے مسلمانوں کے کانوں میں گونج رہی ہے اور میں کو انگریزی حکومت نے بھی ماضیہ لٹفل سعادت میں مبتلا ہونے کے باوجود اچھی طرح متا۔ مولوی آملو سماں نے سب سے پہلے قربانی پیش کی۔ مسلمان کا پتہ پر جو زیادہ تین تھامی حکام کی طرف سے ہو رہی تھیں وہ موصوف نے ایک تقریر میں بیان کیں۔ اس تشدد کے طوفان نے مولوی صاحب کی راست گوئی کو گھیر لیا اور یہ مقدمہ چلا گیا اور قید کی سزا ہو گئی۔

نبی خرمانی یہ تھی کہ جگہ کا پتہ نہ کر کے صبح واقعات پہلے کہ معلوم نہ تھے تو قہر کی ہشتم خود بخود کیجئے اور حالات معلوم کرنے کی غرض سے ۱۰ اگست کو کانپور پہنچا اور مسٹر طاہر اور مسٹر کٹ جھڑیٹ کی اجازت سے ان لائون سے ملا جو زیر حراست تھے ان میں بہت سے آدمی بند توں اور جھالوں سے زخمی ہوئے تھے اور متعدد اشخاص کے زخم ایسے شدید تھے کہ وہ اٹھنے بیٹھنے سے بالکل معذور تھے۔ میں نے سب زخمیوں کی اسم دار فہرست بنائی اور جس جس کے جسم پر جہاں جہاں زخم تھے ان سب کو کھلیا۔ کانپور پہنچ کر معلوم ہوا کہ مولانا ابوالکلام آزاد بھی جو اس زمانہ میں اہلال کے ایڈیٹر تھے حالات معلوم کرنے کی غرض سے کانپور آئے تھے مگر تھامی حکام کے طریقہ عمل کے باعث ان کو واپس جانا پڑا۔ کانپور میں ہی میں نے ایک حریف مضمون انگریزی اخباروں کے لئے لکھنا شروع کر دیا تھا جس میں ان زخمیوں کے نام درج تھے جن کی پیٹ پر پوٹیں آئی تھیں۔ یہ چھپیں س بات کا پتہ ثبوت تھیں کہ ان لوگوں نے پولیس کا مقابلہ نہیں کیا تھا بلکہ چوڑوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بھاگتے ہوئے آدمیوں کے اوپر پولیس نے فیر کئے اور ان کو کہا ہوا ہے میں زخمی کیا۔ مولو آباد پہنچ کر میں نے فوراً مضمون انگریزی اخبارات کو بھیج دیا۔ انٹرمیڈیٹ نیٹنگ کھٹو کے ایڈیٹر نے مضمون چھاپ دیا اور کھٹنگ س انجمن نے جو تحفظ مسیحی کلی بازار اور ادا حد ملان مقدمہ کانپور کے لئے راجہ صاحب محمود آباد، مولوی عبدالباری صاحب فرنگی محل مولوی محمد سلیم صاحب ایڈوکیٹ، منشی احتشام علی صاحب، مسٹر انظر علی وکیل اور دیگر متعدد مسلمانوں کی سرپرستی میں قائم تھی۔ اس خط اور خط کے ترجمہ کی ہزاروں کاپیاں پھیل کر ملک میں تقسیم کیں۔ اب متعدد مسلمانوں کے کانپور جانے کا تائب بند ہو گیا تھا اور پھر نمبریں پھوٹ کر مسلمانوں تک پہنچنے لگی تھیں۔

شیہ علی امام دائرہ کے انگریز کونسل کے دوسرے ہندوستانی مجبور سر سہنا (مہد کو داڑھیا) کے جانشین تھے سید علی امام بچتے ہندوستانی ہونے کے ساتھ چھ مسلمان تھے۔ وہ قتل میں بیٹھے کانپور کے واقعات کا بخور مطالعہ کرتے رہے۔ اور وقت مناسب پر یعنی پتھر کے پہلے ہفتہ میں انہوں نے وارڈ ہاؤسنگ کو آلاہ کیا کہ کانپور کے قیدی ہر ضیہ کو اب اور آگے دبوڑنے دیں۔ میں ۱۰ اکتوبر ۱۹۱۲ء کو خدا کی نیت سے جیسا تھا کہ وہاں کے قیدی قیام ہر روز کم دیں گا۔ میرا قیام سسرلہ رتی میں تھا علی امام

صاحب کی کوششوں سے بالکل قریب تھی۔ میں نے ٹیلی فون کیا معلوم ہوا کہ راجہ صاحب محمود آباد بھی مع نبی اللہ ان کے یہاں مقیم ہیں اور ایک ضروری کام میں مجھ سے مشورہ کرنا چاہتے ہیں۔ علی امام صاحب انور آدم میں رہتے تھے میں کوٹھی پر پہنچا راجہ صاحب سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے مجھ سے کہا کہ مسجد کا بنیاد کے تصفیہ کی گزشت سے علی امام صاحب کی وساطت سے بات چیت چوری ہے۔ بعض معاملات طے ہو گئے ہیں اور بعض ہنوز باقی ہیں آج ہی دن کے ایک بجے کی ٹرین سے مولوی عبدالباری صاحب سے مشورہ کرنے کھنڈو جا رہا ہوں۔ آپ بھی میرے ساتھ چلیے۔

میں اسکا دن راجہ صاحب کے ساتھ کھنڈو روانہ ہو گیا۔ ایک دن کھنڈو ٹھہر کر مولوی عبدالباری صاحب اور دوسرے احباب سے مسئلہ مسجد کا بنیاد کے تعلق مشورہ کیا اور ضروری مراتب طے کرنے کے بعد راجہ صاحب اور میں پھر مسئلہ روانہ ہو گئے اور سید علی امام کے یہاں ٹھہرے۔ موصوف کی معرفت گزشت سے جن شرائط پر معاملہ طے ہونا قرار پایا تھا وہ حسب ذیل تھے۔

۱۔ اقل مسجد کی سطح چونکہ زمین سے کئی فٹ بلند تھی اس لئے جس جگہ منسل خانے واقع تھے وہ بذمہ ترمیم کر لئے جائیں گے مگر پچھلے کی زمین پر پٹ پٹہ بنادیا جائے گا تاکہ دہرہ اس چرے گزر سکیں۔ دوم فوجداری کا وہ مقدمہ جس میں مسلمان قلم سیشن سپرو پکچے تھے اور جس کی سماعت کے لئے مسٹر ڈی۔ آر۔ لال کی عدالت میں اکتوبر ۱۹۱۸ء میں تفریق تھی وہ اٹھایا جائے گا اور جملہ مزمان بری کر دیئے جائیں گے۔

اسی شام کو سید علی امام نے لاڈ بارڈنگ سے مل کر سارا معاملہ تفصیل کے ساتھ طے کیا۔ رات کو کھانے کے بعد میگزین کو کنسل کے اپنے ساتھیوں سے ٹیلی فون پر بات چیت کی اور رات کے دو بجے تک تار کی لیں پر کارر کار مصافحہ کر کر مسٹر مظہر الحق سے جو کانپور میں تھے اور بعض دیگر مسلمان احباب سے ٹیلی فون پر گفتگو کی۔ دوسرے دن ہم مسئلہ سے کانپور روانہ ہوئے اور لاڈ بارڈنگ بھی بذریعہ اپیشل ٹریک کا لاکا سے کانپور پہنچے۔

دن کے گیارہ بجے وہ جلسہ شروع ہوا جس میں لاڈ بارڈنگ شرائط تصفیہ کا اعلان کرنے والے لئے معزز مسلمان اس جلسہ میں بڑی کثرت سے شریک تھے۔ مقامی مقام نے بھی شرکت کی تھی۔ مسٹر علی قائم مقام ضیبت گورنر اور سید علی امام بھی موجود تھے وقت معرکہ پر لاڈ بارڈنگ آئے اور اپنی تقریر شروع کی۔ لاڈ بارڈنگ کے تصفیہ کے بموجب سادے قلم بری کر دیئے گئے اور مسلمانوں کو رافضی متنازعہ کے باقی بنزد پر جو فرض مسجد کی ہم سطح خدا دوبارہ منسل خانے تعمیر کرنے کی اجازت ملی تھی یہ مسلمانوں کی ایسی نمایاں کامیابی تھی جس کی نظیر وٹس محمد نٹ اور جاری قوم کے باہم تھاتھات میں اس وقت تک موجود نہ تھی۔

ایسے مذہبی ماحول میں پرورش پانے کے باعث جہاں بزرگ خاندان (دادا صاحب فواد ہستی اور بلیغ خاندان) والے شیعہ تھے جہاں مذہب سے بیگانہ تھا۔ مزید جو فضلہ کلام نے میرے ادبی حلق پر ترقیقنا اثر ڈالا، مذہبی خیالات بھی متاثر ہوئے ہوں گے۔ تاہم ہیئت میں جو کہ تھی وہ دھرم غوالی سے منسوب ہوئی نہ مناظرہ کی کتابوں کے مطالعہ سے۔ پچاس سال گزر جانے کے بعد اسی زمانہ کے اپنے مذہبی رجحانات کو مرتبہ پیش کرنا میرے لئے مشکل ہے مگر خدا کے فضل سے یہ امانت اچھا ہے۔ ایک سمرلی واقعہ بیان کرتا ہوں جس سے میرے مذہبی خیالات کا انانہ ہر کے گا۔





# امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی

(اپنے مکتوبات کی روشنی میں)

ولادت : ۱۴ اگست ۱۵۶۱ء

وفات : ۲۸ صفر ۱۰۴۴ھ

امام مبارک آپ کا تعلق آپ کے والد کا عہد لاحقہ نسب انھیں واسطہ سے امیر المومنین حضرت فاروق اعظمؓ  
تک پہنچتا ہے۔ اس نسب پر آپ کو ناز بھی تھا۔ مکتوب خطہ و فرائد حصہ دوم میں خاص کثیری کے اس سوال کے  
جواب میں کہ اللہ تعالیٰ کو عالم انیب کہنے سے فلاں بزرگ نے منع کیا ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ فرماتے ہیں۔  
”آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ شیخ محمد اکیوٹی نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم انیب نہیں ہے۔ میرے مخدوم افیر کرلیسی بھیجے  
کی تاب و طاقت نہیں۔ اس قسم کی باتوں سے میری دگو فاروقی بے اختیار ہلکا ہلکا ہوا ہے اور ان کی تباہی و توحید کی ہی ملت نہیں تھی  
اس باتوں کے کہنے والے شیخ کی بیعتی ہیں یا شیخ اکبر شامی۔ کلام محمد عربی درکاسے نہ کہ کلام محمد عربی و صد سالہ یہ قہری و جہالانہ بھی  
ہم کو نفس شرعی سے کام ہے نہ کہ فعل سے۔ فرائد و دنیہ نے ہم کو فرائد و دنیہ سے سہنا کر دیا ہے۔“  
مکتوب ۵۱ حصہ ششم و فرائد دوم میں یہ خبر بھی کہ کہ قصبہ سامانہ ضلع لدھیانہ میں نصیب نے غلطی ہو کر غلطی ہو کر  
کا ذکر کیا ترک کر دیا فرماتے ہیں۔

”چونکہ اس خبر وراثت اثر نے حقیقت میں ایک شورش پیدا کر دی اور میری دگو فاروقی بڑا کر دی اس لیے یہ چند لکے تحریر لکھتے  
وطن قریب آپ کے آبائے کرام کا قبہ دینہ حبیبہ کے شہر کابل تھا مگر کوئی بزرگ ہندوستان تشریف لاکر نہ  
میں حکومت پذیر ہو گئے۔ وہی آپ کی ولادت باسعادت نمودار ہوئی۔ سرہند اس وقت ایک بڑا اسلامی شہر تھا لیکن اب صوبہ  
شرقی پنجاب باستان خیال رہی ایک قصبہ ہے۔ حضرت نے اپنے کتبات میں بابا اس شہر کی عظمت و بزرگوں کا ذکر فرمایا ہے  
”سرہند میں جو ایک بڑا اسلامی شہر ہے کئی سال سے قاضی نہیں ہے: (مکتوب ۱۹۵ و فرائد)

۱۔ اے خصوصاً اہل علم اور خدات کیونچے شیخ محمد عربی کی دو کتابوں کے نام ہیں۔

شہر سرہند کو میرے تولد ہونے کی جگہ گنا چاہئے جیسے ایک گھرے اور تاریک کنوئیں کو پائٹ کر ایک ایسا چہرہ بنایا گیا ہے جس کو اکثر شہروں اور دھارم پرانسی گئی ہے اور اس میں بے منتی و بے کہنی کا نور و دھیت رکھا گیا ہے جو سرزمین بیت اللہ شریف میں ظاہر ہونے والے نور کی مانند ہے..... ایک مدت کے بعد یہ حقیقت ظاہر ہوئی کہ یہ نور اس خیر کے انوارِ ظہیر کا ایک حصہ ہے۔ یہیں سے حاصل کر کے اس سرزمین میں روشنی کیا گیا ہے جس طرح شعلہ سے چراغ روشن کئے جاتے ہیں۔ یہ سب اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ اللہ ہی کا نور ہے آسمانوں میں اور زمین میں تیرا رب جو عزت والا ہے ان باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں اور صلوٰۃ و سلام ہے خدا کے رسول پر اور تمام تعریفیں ہیں اس اللہ کی جو کج جانوں کا رب ہے۔ (مکتبہ ملاحہ ششم و ہفتم)

ولادت ۱۲ ارشمال ۹۶۱ ہجری بمقام بوقت نصف شب ہوئی۔ حفظہ قرآن مجید سے فارغ ہونے کے بعد اکثر کتب و درسیہ اپنے والد بزرگوار سے کچھ سرہند کے دوسرے علماء سے اور معقولات کی بعض کتابیں مولانا کمال کشمیری سے پڑھیں۔ کتب حدیث کی سند شیخ یعقوب مرن کشمیری سے اور تفسیر کی قاضی بسلول برنٹانی سے حاصل کی۔ طریقہ تعلیم میں اپنے والد سے ہیئت کی اور اس کا سلوک تمام کیا۔ پھر طریقہ قادریہ اور کبرویہ حاصل کیا۔ غرقہ صلوٰۃ حضرت شاہ کبیرہ حضرت شاہ کمال کشتل سے حاصل ہوا۔ غرض سترہ برس کی عمر میں آپ جامع کلمات ظاہری و باطنی ہوا کہ اپنے والد کے سامنے ہی کتب و درسیہ کی تعلیم اور طریقہ کی تبلیغ فرماتے گئے۔

۱۰۰۶ء میں اپنے والد کی وفات کے بعد بیت اللہ کے ارادہ سے روانہ ہو کر مدلی پہنچے اور حضرت خواجہ باقی باللہ نقشبندی کے مرید ہو گئے۔ آپ نے اپنے حلقہ توجہ میں آپ کو سر حلقہ بنا کر بنایا اور مریدوں سے فرمایا کہ ان کی موجودگی میں کوئی میری طرف متوجہ نہ ہو اگر کسی۔ رخصت کئے وقت فرمایا کہ اب ضعف بہت معلوم ہوتا ہے امید جات بہت کم ہے۔ پھر اپنے دونوں صاحبزادوں حضرت خواجہ حمید اللہ و حضرت خواجہ عبداللہ کو کہ اس وقت شیر خوار تھے اپنے سامنے حضرت امام ربانی سے توجہ دلائی اور فرمایا کہ ان کی ماؤں کو بھی فائدہ توجہ دیکھئے۔ کتبات میں یہ واقعات جتہ جتہ مذکور ہیں۔ چنانچہ مکتبہ ملاحہ متراذل حصہ چہم میں اپنے پیر زادوں یعنی خواجہ حمید اللہ اور خواجہ عبداللہ کو لکھتے ہیں۔

”یہ خیر از سر تا قدم آپ کے والد بزرگوار کے آسمانوں میں فرق ہے۔ اس راہ میں الفسلفہ کا سبق انہی سے لیا ہے اور اس راہ کے محدث تہی انہی سے سیکھے ہیں اور ابتدا میں انتہا کے مدارج حاصل ہونے کی دولت انہی کی برکت سے حاصل کی ہے اور مغز و دلی کی صلوات انہی کی خدمت کے صدقہ میں پائی ہے۔ ان کی توجہ نے ڈھائی ماہ میں اس ناقابلِ کونست نقشبندیہ محکمہ پنپا دیا اور انکا نقشبندیہ کا حضور خاص و حلف فرمایا۔ اس تھیل مدت میں جو تجلیات و ظہورات انوار الوان، بے رنگیں اور بے کیلیاں حاصل ہوئی ان کی شرح و تھیل کیا گیا ان کی ہمت۔ حضرت کی توجہ شریف کی برکت سے صاف توجہ و اتحاد و قرب و مہبت اور احوال و صلہ میں سے شاید ہی کوئی دقیقہ ایسا ہو جو اس فقیر پر داخل نہ ہوا ہوا اور اس کی حقیقت کی اطلاع نہ دی گئی ہو۔ کثرت میں وصت کا سامنا اور وصت میں کثرت کا شامہ و توان صاف کی ابتداں باتیں ہیں، بہر حال جس جگہ نسبت نقشبندیہ اور اس کے اکابر کا حضور خاص موجود ہے

معارف کا ذرا حصہ لکھا اور اس کا خود مشاہدہ کی نشانی دی کہ کتنا کوتاہ نظری ہے۔ اسی کا یہ لکنا کہ خدا بلند ہے جو کسی چیز کو جس کے گاہ بار سے کوئی نسبت نہیں رکھتا۔ جب اس خیر کو ایسی بلند تہ دولت آپ کے والد بزرگوار سے حاصل ہوئی تو اگر یہ خیر میرے آپ کے والد باپ کے ختام کے قریب میں ہو جائے کہ تب بھی اس نے کوئی حق ادا نہ کیا۔ یہ خیر اپنی کوتاہیوں کو کیا بیان کرے اور اپنی خیریت کو کیا عیاں کرے۔ معارف آگاہ خواجہ حسام الدین صاحب کو اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے جزائے خیر عطا کرے کہ انہوں نے ہم فقیر کو کئے والوں کا بار خود اٹھایا اور نظام و دربار عالی کی خدمت کے لیے کمر بستہ ہونے اور ہم دور افتادہ لوگوں کو اس سے بیکار کر دیا۔ اگر میرے جسم کا ہر رول زبان ہو کہ شکر ادا کرے تو ان کے ہزار شکر ان میں سے ایک شکر بھی ادا نہ ہو سکے۔ اس خیر کو تین مرتبہ حضرت کے در دولت کی تہذیبی کا شرف حاصل ہوا۔ جب آخری مرتبہ زیارت ہوئی تو ارشاد فرمایا کہ مجھ پر غضب و جلال غالب آگیا ہے۔ امیر عیالات کم رہ گئی ہے۔ تم لوگوں کے احوال سے باخبر رہنا۔ (پھر) آپ کو اپنے سامنے طلب فرمایا۔ اس وقت آپ دو سو پچیسے بچے تھے۔ اس خیر کو حکم دیا کہ ان پر توجہ دو۔ حضرت کے حکم سے ان کی موجودگی میں نے آپ کو توجہ دی 'یسا ملک کر اس کا اثر بھی عیاں ہوا۔ اس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ ان صاحبزادوں کی والدات کو بھی خانقاہ توجہ دو۔ چنانچہ ان کو بھی خانقاہ توجہ دی گئی۔ امید ہے کہ حضرت کی موجودگی کی برکت سے اس توجہ کے بھی اچھے نتائج برآں ہوں گے :

اس کتاب میں آگے چل کر صاحبزادوں کو شریعت و طہارت کی بہت سی باتیں تعلیم فرمائی ہیں اور ضمن بہلکلام کے بڑے اہم مسائل آگئے ہیں۔ کتاب کا دفتر سوم ختم نہیں فرماتے ہیں۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میری امارت بہت سے واسطوں سے ہے۔ طریقہ نقشبندیہ میں اکیس واسطے درمیان میں ہیں۔ طریقہ قادریہ میں کچھیں واسطے اور طریقہ چشتیہ میں ستائیس واسطے۔ میرا سلسلہ رحمانی ہے کیونکہ میں رحمان کا بندہ ہوں۔ میرا رب رحمان ہے اور میرا ربی الرحم الرحیم۔ میرا طریقہ سبحانی ہے کیونکہ میں تنزیہ کی راہ سے پہنچا ہوں۔ اہم وصفت سے تصور دوسرے ذات حق کے کہ نہیں۔

کتاب ۱۰ اور فرائض ختم نہیں اپنے مرید مولانا محمد اشرف کو لکھتے ہیں۔

”خوب ہاں کہ جو طریقہ سب طریقوں میں اقرب اور سب سے سابق سب سے زیادہ (کتاب و سنت کے) موافق سب سے زیادہ قابل اعتماد سب سے زیادہ مضبوط سب سے زیادہ تہا سب سے زیادہ ماہ بننے والا سب سے بزرگ سب سے بزرگ سب سے بلند اور سب سے کمال ہے وہ طریقہ نقشبندیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس طریقہ پر چلنے والوں کی ارواح کو مقصد اور اس سے محبت رکھنے والوں کے اسرار کو پاکیزہ بنائے۔ اس طریقہ کی یہ تمام بزرگی اور اس کے بزرگوں کی یہ سب خصوصیات وہ جو ہیں جیسے ہے۔ (ایک) اتباع سنت نبویہ کے التزام علی صاحب الصلوٰۃ والسلام (دوسرے) حرمت نافرستہ سے اجتناب ..... جب اس خیر کی اس راہ کا شوق ہے ہر اتر حیات خداوندی نے اس کی راہ نائی فرمائی اور اس کو رویت پناہ حقیقت آگاہ اودی طریق اور راہ انجانی الہیہ رہبر و رہایت رویت میلا علی الارض شیخ و مولانا امام شیخ محمد باقی قدس سرہ کی خدمت مبارکت میں پہنچا جو ان کا پرورش کرنے والا ہے کہ غفلت سے بیکار میں تھے۔ حضرت ملا نے اس مدد میں کو ذکر اہم فائزات کی تعلیم دی اور اس طریقہ کے

بزرگوں کے موافق توجہ دی۔ یہاں تک کہ اس نوکر میں محمد کو پوری لائٹ ملنے لگی اور کمال شوق میں گریہ و زاری کی کیفیت پیدا ہوئی۔ پھر ایک روز کے بعد وہ بے خودی کی کیفیت پیدا ہوئی جو ان بزرگوں کے نزدیک نہیں ہے اور جس کا نام ان کی اصطلاح میں نیست ہے۔ اس بے خودی کے عالم میں محمد کو ایک دریا سے غیظ نظر آ رہا تھا اور اس دنیا کی شکلیں اور صورتیں سایہ کی طرح معلوم ہو رہی تھیں..... جب میں نے حضرت والا سے اپنا حال عرض کیا تو حضرت نے فرمایا کہ تم کو ایک قسم کی فضا حاصل ہوئی ہے اور ذکر سے منع فرمایا اور اس آگاہی کی نگاہداشت کا حکم دیا۔ دو روز کے بعد نئے اصطلاحی حاصل ہوئی۔ جب میں نے حضرت سے عرض کیا تو فرمایا کہ اپنے کام میں لگے رہو۔..... اے برادر! جب حضرت خواجہ نے محمد کو کامل و اکمل محمد کو تعلیم طریقی کی اعازت دی اور طالبان راہ کی ایک جماعت میرے سپرد فرمائی تو اس وقت مجھے اپنے کمال تکمیل میں ترزو تھا۔ حضرت والا نے فرمایا کہ ترزو کی بات نہیں کیونکہ مشائخ عظام نے ان مقامات کو کمال تکمیل کا مقام فرمایا ہے مگر اس مقام کے کمال تکمیل میں ترزو کیا جائے تو ان مشائخ کے کمال میں ترزو لازم آتا ہے۔ حضرت کے حکم کے مطابق طریقی کی تعلیم شروع کی اور طالبان راہ کو توجہ دینے لگا۔ پھر ان طالبان راہ میں بڑے اثرات محسوس ہوتے حتیٰ کہ برسوں کا کام ساتوں میں پورا ہوا..... حضرات خواجگان نقشبندیہ قدس اللہ اسرارہم کے طریقہ کا حاصل یہ ہے کہ حقائق اہل سنت والجماعت کا اعتقاد اور حضرت مرقا کا صل اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کا اتباع اور بدعت و ہر رائے نفسانی سے مجتنب، اتحاد اسکان عزیت پر کاربند اور رخصت سے محترز۔

طبع ساداش کی فکر کبھی آپ کے قریب نہیں آئی۔ مکتوب ۶۵ و فقرہ دوم حصہ ہفتم میں مولانا محمد اٹم کو لکھا ہے۔  
”امور دنیا بے غاۃ ہیں۔ دنیا و مافیہا اس لائق نہیں کہ انسان احوال آخرت کی یاد ترک کر کے ان فطرتوں میں مشغول ہو..... بس ایک امر ضروری کہیں اور قاضی ہے کہ ضرورت بقدر ضرورت ہوتی ہے (اس سے زیادہ نہیں) اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ یہاں کے فقرہ باوجودیکہ رزق معین نہیں رکھتے پھر بھی بغیر سستی و کوشش کے فراغت و وسعت سے زندگی گزارتے ہیں۔ کافی سے زیادہ مال کو روزی پہنچتی ہے۔ نیا روزنی روزی کی دولت ہم کو ہر وقت حاصل ہے۔“

اتباع سنت کی کسی عظیم انسانیت آپ کی نظر میں تھی اور نظر کتنی عمیق! اس کا حال مکتوب ۵۹ فقرہ ۱۱ حصہ ہفتم سے معلوم ہوتا ہے۔ اس مکتوب میں اتباع سنت کے سات درجے بیان فرمائے ہیں اور مذکور کیا ہے۔  
”حاصل کلام یہ کہ جو دولت بھی آئی ہے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے آئی ہے۔ یہ امتوں کی سعادت ہے کہ ان کے طفیل میں اس دولت سے بہرہ ور ہوں۔“

ورقافلہ کہ دوست دائم جسم ایسی بس کہ دسد زوور باغ جرم  
دیں جانتا ہوں کہ جس قافلہ میں وہ ہیں میں اس تک نہیں بھٹکتا۔ بیرے لیے ہی کافی ہے کہ دور سے ان  
کے جرس کی آواز محمد تک پہنچتی رہے)

تبیح کامل وہ ہے جو اتباع سنت کے ان ساتوں درجوں سے آراستہ ہر اور شخص ان میں سے بعض میں ثابت رکھتا ہو اور بعض میں نہ رکھتا ہو وہ فرق مراتب کے ساتھ فی الجملہ تابع ہے۔ ملائے خواہر پہلے ہی درجہ کی تابعت میں خوشی۔ کاش وہ اسی کو پوری طرح انجام دیتے۔ انہوں نے تو تابعداری و پیروی کو صحت شریعت کی پیروی تک محدود کر دیا ہے۔ اس سے آگے ان کے خیال میں



کچھ نہیں ہو سکتا کہ جو تمام درجات و درجہات کے حاصل ہونے کا ذریعہ ہے بیکار کچھ نہیں۔ ان میں سے اکثر غریب و محتاج مساکین ہیں اور مزدوری کے کئی نہیں جانتے۔

بچوں ان کہے کہ درگئے نماں ست

زمین و آسمان او ہماں ست

(اس کپڑے کی مانند جو کسی پتھر میں پوشیدہ ہو کر بس وہی اس کا زمین و آسمان ہے)

مکتوب خطا و خراول عقدہ دوم مصلحا میں اپنے متعلق معاذی کی ریشہ دانی کا حال عرض کر گئے ہیں۔

”جو مکتوب محبت آثار مولانا قاسم علی نے بھیجا تھا پہنچا۔ مضمون مکتوب واضح ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو اچھا کام کرتا ہے وہ اپنے لیے کرتا ہے اور جو بُرا کرتا ہے اس کا وبال بھی اسی پر ہے۔ خواجہ عبداللہ انصاری فرماتے ہیں کہ خداوند اس کو ڈرگرا چاہتا ہے اس کو ہم سے بڑا دے۔ میں ان لوگوں کے بارے میں جو شراب و محبت کا گھٹ پھینچنے والوں پر خفا زنی کرتے ہیں یہ اندیشہ کرتا ہوں کہ وہ شراب خانہ ہی میں اپنا ایمان ضائع کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو فقرائے الکار اور اسی پر طنز زنی سے محفوظ رکھے۔ چیلین حضرت خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ وارضوہ وسلمیات والسلام۔“

دنیا دار علماء آپ کے خط جو سازش کر رہے تھے وہ کامیاب ہوئی اور جاگیر نے آپ کو اپنی

ریاست گوالیار کے قلعہ میں محبس کر دیا۔ مکتوب ۵ و ۶ قمر سوم ختم ہوا میں قید خانہ سے حضرت میر محمد لعلی کو لکھتے ہیں۔

”مخلی نہ رہے کہ جب تک اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عنایت سے جو اس کے ہلال و خضب کے رنگ میں ظاہر ہوتا ہے نفس زنداں میں محبس نہیں ہوا تھا ایسی شہرہ کی راد تک سے باطل آزاد نہیں ہوا تھا اور سایہ اسے خیال و مثال کے کوچ سے پاری طرح باہر نہیں تھا اور قادر مطلق کے غیب پر ایمان رکھنے کی شاہراہ پر چلنے کی سعادت حاصل نہیں ہوئی تھی اور حضور نے جب میں سے علم ہی اور شہرہ سے استقلال میں پاری طرح سے داخل نہیں ہوا تھا۔ دوسروں کے ہز کو حیب اور امان کے حیب کو ہز کمالی زوق اور دھماکی صبح کے ساتھ نہ بھر پایا تھا اور بے غل و بے ناموسی کا ترنگوار شہرت اور عوامی دروسان کا خوشی رنج نہ چکھا تھا اور خلق خدا کی طاعت و طہن زنی کے حال سے لطف اندوز اور لوگوں کی جفا و با کے غصے سے محفوظ نہ ہوا تھا اور مردہ دست زندہ ہی کر اپنے ارادہ و اختیار سے ہانکیے دست بردار نہ ہوا تھا اور آفاق و انفس سے تسلی کے مشتے بنگا کالی ڈکڑے تھے اور تضرع و اتھا و انا بیت و استغفار زلت و انکسار کی حقیقت معلوم نہ ہوئی تھی۔ اقتضائے حق سبحانہ و تعالیٰ کو وہ اپنی بلند مرتبہ جو عظمت و کبریا کی قناتوں سے گھری ہوئی ہے شاہدہ میں نہ آئی تھی اوسا ہے کہ ایک بندہ غلام دار و ذلیل و بے اقتدار ہے ہندو ہے اقتدار اور سراپا احتیاج و فقنا معلوم نہ کر سکا۔ ونا آتی ہوئی مٹتی..... ۶۱۔ میں اپنے نفس کی ہر بات نہیں کرتا۔ بیشنا نفس بُرائی پر بہت آمادہ کسے والا ہے سوائے اس کے کہ میرا اب مجھ پر رحم کہے۔ اسی میں شہ نہیں کہ میرا اب بہت حضرت کو کہنے والا ہوتا ہے۔“

مکتوب ۵۷ و مکتوب ۵۸ ششم ۵۸ میں اپنے مخلص بن مکریم شیخ بدیع الدین کو فقیر خانہ سے لکھتے ہیں:-  
 ”جب یہ فقیر اس مکتوب میں پہنچا تو اوائی حال ہی میں محسوس ہوتا تھا کہ علامت خلق کے انوار شہروں اور دیہاتوں سے نورانی  
 بادلوں کی طرغ پے در پے پہنچ رہے ہیں اور میرے معاملہ کو رستی سے بلندی کی طرف لیے جا رہے ہیں۔ برسوں تربیت کمال سے  
 میری منزل میں طے کرانی گئیں۔ اب تربیت و جلال سے قلع مسافت کرائی جا رہی ہے لہذا آپ مقام صبر بلکہ مقام رضا میں ہیں اور  
 جمال و جلال کو مساوی نہائیں۔ آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ جن وقت سے اس فتنہ کا ظہور ہوا ہے نہ ذوق باقی رہا ہے نہ حال، حالانکہ  
 ذوق و حال مضاف ہونا چاہیے اس لیے کہ محبوب کی جفا اس کی وفا سے زیادہ لذت بخش ہے۔“

مکتوب ۵۹ و مکتوب ۶۰ ششم ۶۰ میں اپنے خادم رفیع المکان میرزا مظفر خان کو لکھتے ہیں:-  
 ”درد و محن اور مصائب و غم و دستوں کے لیے اہل کی غرضوں کا کفارہ ہیں۔ تضرع و زاری اور التماس و انکسار کے ساتھ اللہ تعالیٰ  
 کی بارگاہ قدس میں معفو و عافیت طلب کرنا چاہئے۔ یہاں تک کہ قبولیت کے آثار پیدا ہوں اور فتنوں کی تسکین معلوم ہو۔ اگرچہ میرے  
 دوست اور خیر اندیش اسی کام میں مشغول ہیں لیکن صاحب معاملہ پر اس کام کا حق زیادہ ہے۔ دو ایسا اور پیر کرنا یا رکا کام ہے۔ دوسرے  
 لوگ انا لافرض ہیں اس کے مددگار ہونے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ حقیقت معاملہ یہ ہے کہ عجیب و غریب کی طرف سے جو تعجب بھی  
 پہنچے اس کو کشادہ دہی اور فراخ دل کے ساتھ اساندر کر کرنا چاہیے بلکہ اس سے لطف اندوز ہونا چاہیے۔ جو رسوائی یا ننگ  
 محبوب کو مطلوب ہو وہ محب کے نزدیک اس ناموس اور ننگ و نام سے بہتر ہے جو اس کے نفس کو مطلوب ہو۔ اگر محب میں یہ بات  
 پیدا نہ ہو تو وہ محبت میں ناقص بلکہ کاذب ہے۔“

گرچہ خواہد زمین سلطان دیں خاک بر فرق قناعت بعد از ہی  
 (اگر سلطان دیں محمد سے طبع کا طالب ہے تو پھر قناعت کے سر پر خاک)“  
 مکتوب ۶۱ و مکتوب ۶۲ ششم ۶۱ میں اپنے فرزند رشید اور خلیفہ راشد حودۃ الوثیق امجد الدین خواجہ  
 محمد معصوم کو لکھتے ہیں:-

”میں خیال کرتا ہوں کہ میری پیدائش کا مقصد یہ ہے کہ ولایت محمدی و ولایت ابراہیمی کے رنگ میں رنگین ہوا اور ولایت محمدی کا  
 عینی طاقت و ولایت ابراہیمی کے عینی صاحت سے آمیز ہو۔ حدیث شریف میں ہے کہ ”میرے بھائی رسول صحت میں صحت زیادہ ہے اور  
 محمد میں صحت زیادہ ہے۔“ اس رنگینی و آمیزش سے مجربیت محمدیہ کا مقام اپنے درجہ علیا تک پہنچ جائے۔ شاید ولایت ابراہیمی کی اتباع کا  
 حکم اسی غرضت خلقی کا حاصل کرنے کے لیے دیا گیا ہو اور (درد و شریف میں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اسی صلوة و برکات کی دستخط  
 جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صلوة و برکات کے مانند ہیں اسی غرض سے ہو۔..... میں اپنی پیدائش کا جو مقصد سمجھتا ہوں  
 ہوا کہ وہ حاصل ہو گیا اور ہزار سالہ دروغ صحت قبول ہو گئی۔ کمال ترین تعریفیں ہیں اللہ کے لیے ہر حال میں میں نے مجھ کو دو عند دروں کو ملانے  
 والا بنایا اور دو چاقوں میں سلج کرانے والا اور صلوة و سلام جو بہترین عطا کیے اور ان کے انوار کرام میں انبیاء و ملائکہ عظام پر.....  
 فرزند محابہ جو اس بات کے جو میری پیدائش سے مراد ہے ایک دوسرا خلیفہ ان کا رخا نہ میرے حوالے کیا گیا ہے۔ مجھ کو میری درجہ

کے لیے نہیں پیدا کیا گیا۔ میری پیدائش کا مقصد تکمیل و اعلیٰ درجہ تک پہنچنا ہے۔ اس ضمن میں جس شخص کو مناسبہ جہ کی تعلیم حاصل ہوگا وہ نہ نہیں۔ اس کا رعاۃِ ضمیمہ کے مقابل میں تکمیل و اعلیٰ درجہ کا معاملہ راہ کی گریڈ کی چیزوں کے مانند ہے۔ انجیل عظیم المصلوٰۃ والسلام کی دعوت ان کے معاملات و باطنی کے مقابلے میں ہی حکم رکھتی ہے۔ ہر بندہ کو منصبِ نبوت تمام جہ کا ہے لیکن انبیاء کے قبیلوں کا مین کو بطور رعیت و وراثت کا اوت و خاصا میں نبوت سے جتنی فرق ہے۔

کتاب ۱۲ و خرد دوم حقہ ششم ص ۱۱ میں کہ معارفِ خاصہ بیان فرمانے کے بعد لکھتے ہیں:-

”یہ معارف دائرہ ولایت سے بالاتر ہیں۔ ان کے ادراک سے اصحابِ ولایت بھی غلطی کا ہر کی طرح عاجز و قاصر ہیں۔ یہ علوم و حقیقت انرا بہت کے مشکوٰۃ سے مانور ہیں جو کہ اس انضباطی کے آغاز میں نیابت و وراثت تہذیب ہوتی ہے اور ان کو تو تازگی ملی ہے۔ جس شخص پر اللہ تعالیٰ نے یہ علوم و معارف ظاہر فرمائے وہ اس انضباطی (دوسرے ہزار) کا مجدد ہے جیسا کہ ان لوگوں سے یہ بات پوشیدہ نہیں جنہوں نے اس کے ان علوم و معارف کا مطالعہ کیا ہے جو ذات و صفات اور افعالِ باری تعالیٰ سے تعلق ہی یا جو احوال و جذبات اور تعلیمات و ظہورات سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ لوگ جانتے ہیں کہ یہ معارف علماءِ علوم اور اولیاء اللہ کے معارف سے دور اور ہیں بلکہ علماء و اولیاء کے علوم ان علوم و معارف کے مقابلے میں پرست کی حیثیت رکھتے ہیں جس کا مغز یہی معارف مذکورہ ہیں۔ اللہ سبحانہ کی ذات ہی ہدایت کرنے والی ہے۔ یہ بھی سمجھنے کے ہر صدی کے شروع میں ایک مجدد و گزرا ہے۔ لیکن صدی کا مجدد اور ہے اور الف کا مجدد وہ اور۔ جو فرق تہذیب و ہزار میں ہے وہی فرق ان کے مجددوں میں بھی ہے بلکہ اس سے زیادہ۔ مجدد وہ شخص ہے کہ اس کے زمانہ میں امتوں کو جریض پہنچے اسی کے واسطے پہنچے۔ اگرچہ وہ اس زمانہ کے اقطابِ اتوار اور ابدال و نہا ہی کیوں نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ بعض وقت اپنے کسی بندہ کو مصطفیٰ عامہ کے لیے مقرر کر دیتا ہے اور اسی کے ذریعے سے فائدہ پہنچاتا ہے۔ خاص کندہ مصطفیٰ عامہ ما۔



ظہیر الدین محمد بابر

تھیں۔ یہاں پر عمر شیخ مرزا قیودی فراد لکھتا ہے کہ میں نے یہ چند سطر ہی مختصر اپنے زمانے کے حالات اور واقعات کی اپنی آلہ اولاد کے لیے بطور یادگار لکھے ہیں۔

میر کی عمر بارہ برس کی تھی اور پانچویں رمضان ۹۹۹ھ تک جب ملک فرغند میں بادشاہ ہوا، (میر کے باپ، عرش بن مرزا بھگت مرقدہ ۹۸۷ھ، جمری میں پیدا ہوئے۔ ان کی تعلیم میں بیٹے اور پانچ بیٹیاں تھیں۔ بیٹوں میں سب سے بڑا یحییٰ بن علی بن ابی طالب، میر کی والدہ تھیں، یحییٰ بن علی بن ابی طالب جب عرش بن مرزا کا انتقال ہوا ہے تو میں احمد جان کے ہمارے باغ میں تھا۔ رمضان تشرین کی پانچویں تاریخ منگل کے دن مجھے اندھان میں یہ خبر ملی کہ آپ کا والد میں سے قد و انداز پاس تھے ان کو لے کر تھیں کی جانب راجہ ہوا۔

دیر محمد نے عمر قند کا حکم اپنے بیٹے جاگیر مرزا کی صاحبگیر مرزا کے ہرے کے بعد اپنے چھوٹے بیٹے کو عالم کیس کے انتقال کے بعد اس کے چڑے بیٹے محمد سلطان کو یہاں کی حکومت دی تھی۔ شاہ برغ مرزا نے سلام ملک مادر امیر النہا نے بیٹے انغ مرزا کو دیا تھا۔ انغ مرزا سے اس کے بیٹے عبداللطیف ملا نے کیا اور اس کے بعد وہ بیٹے ثبات دینا کے لیے اپنے دانش مند اور بڑے باپ کو شہید کیا۔ عبداللطیف مرزا کے بعد عبداللہ مرزا تخت پر بیٹھا۔ مرزا ذریعہ برکس و قریب در برس کے بادشاہ درام ہو گا۔ اس کے بعد عمر قند کا سلطان ابو سعید مرزا نے لیا اور اپنے جیتے بھائی اپنے بڑے بیٹے سلطان احمد مرزا کو دے دیا تھا۔ سلطان ابو سعید مرزا کے انتقال کے بعد سلطان احمد مرزا اس عمر قند کا بادشاہ ہو گا۔ اب سلطان احمد مرزا کو تخت پر بیٹھا یا تختیوں کے فداویں بایں عمر مرزا کو تخت سے تار دیا اور اس کے چھوٹے بھائی سلطان علی مرزا کو دیکھ دی کے لیے بھائی اس کے بعد محمد علی بایں عمر مرزا بادشاہ ہو گیا۔ بایں عمر مرزا سے میری نے پیدا۔

سمرقند کے تختہ پر بیٹھے ہمیں نے وال کے امراء کے ساتھ گزشتہ زمانے کی طرح حمایت و مہربانی کوئی شروع کی۔ جو امراء میرے ہمراہ تھے ان کے ساتھ بھی ان کے موافق سلوک کیا۔

مختار سلطان محمد میر سے چچ سلطان احمد کو بیٹھی میں سیر ہے وہاں ہر چوک زنگی کی گھنٹی بجتی تھی وہ غنچیاں، گئی، شہبان کے بیٹے میں شہسوار میں نے اس کے شادی کر لی مگر ہاتھ اس میں بچے اس سے بہت محبت تھی مگر بارے شرم کے دوسری، پندھریں، میسوری، دہ اس کے پاس جایا کر تا تھا

آخر خود ہی وہ محبت درمی اندھا جب اندر زیادہ ہو گیا۔ مجھے ڈر ہے کہ میری والدہ نے میرے بہت دھمکیاں اور ڈری و خوری سے مجھے اس کے پاس بھیجا۔

اوردو بازار میں ایک بڑا کھانا بارہی نام۔ جس میں ہنسی کی بھی ایک مناسبت تھی انہیں دونوں میں مجھے اس کے ساتھ ایک عجیب لکھا ہوا پیر گیا۔ اس سے پہلے میں کسی پر فریاد نہ ہوا تھا۔ کسی سے ہر رحمت کی بات نہ کی تھی بلکہ ملائی کا نام بھی نہ سنا تھا۔ اس زمانے میں ایک اوردو شرفارسی میں بھی کہا کرتا تھا ان میں سے ایک شعر ہے۔

بیچ کس چوں من غراب و عاشق در سوا سباد

بیچ مجھ بے چہرے کو بے رحم و بے ہودا سباد

مگر حال یہ تھا کہ اگر کبھی باری میرے سامنے آجاتا تھا تو اسے شرم کے میں چھو بھر کر اس کی طرف نہ دیکھ سکتا تھا چہ جائیکہ اس سے دل سکوں اور باتیں کر سکوں۔ اضطراب دل کی یہ حالت تھی کہ اس کے آنے کا شرم تک ادا کر سکتا تھا اس شیطانی کے زمانے میں ایک دل لپٹے غم و غم کے ساتھ میں ایک مٹی میں چلا ہوا تھا دغباری سے سیرا آنا سنا ہو گیا۔ میری عجیب حالت ہوئی قریب تھا کہ میں اپنے آپے میں نہ ہوں، آنکھ اٹھا کر دیکھنا یا بات کرنا تو ممکن نہ تھا جینا بولنا تو مجھ آتا ہوا میں آگے بڑھ گیا۔ ان دنوں میں عشق و محبت کا واسطہ ہزار اوردو ہمارا دل دھڑکا تا قلب ہر اک کبھی کبھی گئے سرنگے پاؤں محلوں میں اندھا پنجر لیں ٹہکا کرتا تھا۔

ایک دن اسفند کے تلے میں مصاحبوں میں سے دوست ناصر نیان کو کشاں تا کشاں میں نکال کر اس کی کریم دل و شیخ درویش خرم کو کشاں اور میرم نامو و غروب حاضر تھے اور میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے کہا آؤ حکم تو کھائیں کہ خدا کے فضل سے ہم سمرقند کہنک لے میں گئے۔ بعض نے کہا کہ ہمارے موسم میں لے میں گئے۔ کسی نے کہا مینہ بھر میں بعض نے کہا چائیں دن میں بعض نے کہا میں دن میں نیان کو کشاں لے کہا کہ ہم چودہ دن میں لے میں گئے۔ خدا نے اس کا کہا ہوا گیا۔ چودہ ہی دن میں ہم نے سمرقند کو دوبارہ کوچ کر لیا۔

ان ہی دنوں میں نے ایک عجیب و غریب خواب دیکھا کہ حضرت خواجہ حیدر امدادیؒ نے میرا منہ کے استقبال کے لیے آٹھا ہوں خواجہ اگر جیتے تھے ہیں۔ خواجہ کے سامنے دسترخوان بچھایا۔ شاید پرکھت نہ ہونے کے سبب سے حضرت کے دل میں کچھ خیال آیا ہو تھا بابا میری طرف دیکھ کر شاد ہو کر رہے میں بھی اشد سے سے جواب دیتا ہوں کہ میرا قصہ نہیں ہے دسترخوان بچھانے والے کا قصہ ہے کہ لو سمجھ گئے اور غصہ قہار کے آٹھ کھڑے ہوئے۔ میں بہنچانے کے واسطے ساتھ ہوا۔ اسی مکان کے کمالاں میں میرے سید سے بازو کھانے بازو کر پھر اس طرح آٹھاتے ہیں کہ میرا ایک ہاتھ زمین سے اونچا ہو گیا اور ترکہ زبان میں فراتے ہیں: شیخ مصلحت پیروی دینی تبارا شیخ تم کو صراطِ قیام ہے اس کے چند روز بعد میں نے سمرقند فتح کر لیا۔

میں سمرقند پہنچنے کے زمانے میں کل ایشیائے بریں کا تھا اس قند حالات سے واقف تھا۔ صاحبِ بحر قند و سرسبز کو میرا متاثر شیعہ فی نفس بھیجے ترقی یافتہ نرگ بازاں دیدہ در محال آوی سے قاتیرے سے کہ سمرقند میں کسی نے مجھ سے ساز باز نہ کیا تھا ہمارا شہر والے محل سے میرے ساتھ تھوڑا شیعہ فی نفس کے ڈر سے کول کا نہ بچ سکتا تھا۔ چوتھے کہ میرا دشمن کھلے میں بتائیں نے قند بھیجا اور دشمن کو بھی بھگایا۔ ہاتھ بچ کر سچا ہوا سمرقند پر ملا کہ لے چلائی تو اٹھنا دشمن کو کھانا کھایا۔ ہاں جو اس کے ب دوسری دفعہ اوردو خدا کے حکم سے شکر نفع کر لیا۔

اگلے گھنٹے سے میری طرف کسی کی حرکت کرنی نہیں ہے، ایک واقعی بات ہے جو بیان کی گئی۔ میرے پلے آنے کے بعد اند جان سے میری اینٹیں ابلدو حال مع اسباب وغیرہ بڑی طاقت اور مصیبت سے اندر میں آگئے تھے میں نے آدمی پہنچ کر سب کو تھنڈی دیا اپنی دونوں میں سلطان احمد مرزا کی بیٹی شہنشاہ علیہم (جو میری چچی بڑی تھی) کے ان لڑکی پیدا ہوئی اس کا نام غزلنسا بیگم رکھا یہ میری پہلوئی کی اولاد تھی اس وقت میری عمر میں بیس تھی چاہے کھڑکی پر تھی۔

شہبانی خاں نے مکران کا کامرو کر لیا اور اس نے طول کھینچا کہیں سے رسد آئی نہ کسی نے مدد بھی آ کر کار فرما اور رعیت کے دلوث گئے ایک ایک دو دو نے شہر چھوڑ دیا شہر بھگت شریک کیا۔ شہبانی خاں محمدی کے وقت ہونے کو بھگت اور فارماشتان میں ان اترا میں بھی شہبانی خاں کے درپردہ کرتے پید میں ملک محمد مرزا کے مکانوں میں آگیا۔ میں سب طرف کی ملک سے ایسے ہو گیا مجھ کو ایک طرح کی صلح کر لی۔ آدمی مات تھی ہوئی جو اپنی طاقت خاتم کو ساتھ لے کر شیخ زادہ معاذ سے ملے کھڑا ہوا اور محمدی احمدی ساتھ تھیں۔ میری بڑی بہن خانزادہ بیگم اسی جگہ میں رہ گئیں اور شہبانی خاں کے ہاتھ گئیں۔ اسے میں قریبی اور تمام بیگ کے ساتھ گھوڑے دوڑائے گئے۔ میرا گھوڑا آگے لگی میں نے خر کو دیکھا کہ ان کے گھوڑے کھٹے چھپے ہیں گھوڑے کا ٹک ڈھیلہ ہو گیا زمین اٹ گیا اور میں سر کے بل زمین پر گر کر اگرچہ میں اسی وقت اٹھ کھڑا ہوا اور سوار ہو گیا لیکن شام تک میری عقل بے محاسبہ رہی۔ حکمران کو پوچھا کہ ہم اب لایا تو یہ جہازے ایک گھوڑا ذبح کیا اور گوشت کے ٹکے کے کباب کھائے۔ صبح ہونے سے پہلے موضع غیلہ میں آئے نہایت نرم گوشت اور میدہ کی روٹیاں وہاں خوب دستی تھیں۔ بیٹھے خر بوندے اور عمدہ اٹھوڑ و حیروں تھے ایسی مائیسری کے بعد ارزانی اب ایسی آفت کے بعد یہ امن نصیب ہوا۔ اپنی عمر میں ہم کو نہ کسی ایسا نصبت آیا تھا نہ امن و امان کی ایسی قدر ہوئی تھی۔ سچ ہے کہ عمرت کے بعد عمرت کی بڑی لذت آتی ہے اور عمرت کے بعد فراغت کی بہت قدر ہوتی ہے۔ ساری عمر میں پانچ چار دفعہ اسی طرح تکلیف کے بعد راحت اور عمرت کے بعد فراغت نصیب ہوئی ہے۔

مکھڑے دی بعد میں مقام دکت میں آگیا۔ میں وہاں ایک چند صحری کے ان اترا یہ شخص تقریباً ۶۰-۸۰ برس کا تھا اس کی ماں بھی اب مکھڑہ تھی یہ صورت بڑی خوبصورت تھی کوئی ایک سو گیارہ برس کی ہوئی۔ امیر تیمور جب ہندوستان آئے ہیں تو اس کے عزیزوں میں سے ایک شخص مان کے ظفر میں قیامت بڑھ گیا دیکھ کر کبھی کبھی وہ کہانی کے طرز پر بیان کیا کرتی تھی اس حدت کے اپنے پیٹ کے بچے پوتا پوتی، پڑتاپوتی اور سوتا سوتلی سب میں کرچیا نوسے آدمی اس وقت زندہ تھے اور مرے ہوؤں سمیت دوسروں کی بیانی کیے جاتے تھے۔ اس کا ایک پڑوتا اس وقت چھپ چھپیں برس کا میں تھا جس کی دل میں سیاہ تھی۔

اندھان کی چڑھائی کے کھٹے تھے میں ایک تیر میری سیدھی ملاں میں لگا اور دار پار ہو گیا میرے سر پر لوہے کی ٹوپی تھی تنہا نے جھپٹ کر تلوار کا ایک وار ایسا لگا کر اس کو ہر گز ٹوپی کا ایک نام نہ نہ کر میرا بھی طرح زخمی ہو گیا۔ میں نے تلوار صاف دکھائی وہ کسی قدر زنگ آلود ہو گئی تھی اس کے حملنے کی ہفت نہ ہی بہت سے دشمنوں میں لکھا کھر لکھاب شہر نے کاموتیہ نہ تھا میں نے گھوڑے کی باگ اٹھ بھری جان خورد نے میرے زخم کے ساتھ کے لیے اپنے جراح ایک بخشی کی کو بھیجا۔ منزل جراح کو بھی بخش کہتے ہیں یہ شخص بڑا لڑکھرا جراح تھا جس کا جیسا بھلا جاتا تھا اس کی لکھی لکھی تھوڑی گول میں ایک ہی زخم آئے بہت آسانی سے اس کا علاج کی تھا بس چند لمحوں پر ہم کی طرح دوا لگا تھا۔ اٹھا۔ یعنی سوتھپہ دوا لکھی تھی میری ماں کے زخم میں دوا کے چھلکے جو ملک کیے ہوئے تھے ہانڈے اور زخم میں بنی رکھی۔ جیسے پٹے ہوتے ہیں ایسی دوا بھی ایک تیر

کھائی اس کا بیان تھا ایک دفعہ ایک شخص کا ہاڈن ٹوٹ گیا تھا منہ کے باہر بڑی چھڑی پھوٹتی تھی جس نے وہاں کا گوشت چیر کر بڑی کی سدی میں پھینک دیا۔  
 میں اس کی جگہ ایک کھڑی دھاری۔ وہ دھاری کی جگہ بڑی کی جگہ پر تھی۔

۱۰۰۰۰ سال پہلے اس کا بیان تھا۔ یہ ایک شخص کا ہاڈن ٹوٹ گیا تھا منہ کے باہر بڑی چھڑی پھوٹتی تھی جس نے وہاں کا گوشت چیر کر بڑی کی سدی میں پھینک دیا۔  
 میں اس کی جگہ ایک کھڑی دھاری۔ وہ دھاری کی جگہ بڑی کی جگہ پر تھی۔

۱۰۰۰۰ سال پہلے اس کا بیان تھا۔ یہ ایک شخص کا ہاڈن ٹوٹ گیا تھا منہ کے باہر بڑی چھڑی پھوٹتی تھی جس نے وہاں کا گوشت چیر کر بڑی کی سدی میں پھینک دیا۔  
 میں اس کی جگہ ایک کھڑی دھاری۔ وہ دھاری کی جگہ بڑی کی جگہ پر تھی۔

۱۰۰۰۰ سال پہلے اس کا بیان تھا۔ یہ ایک شخص کا ہاڈن ٹوٹ گیا تھا منہ کے باہر بڑی چھڑی پھوٹتی تھی جس نے وہاں کا گوشت چیر کر بڑی کی سدی میں پھینک دیا۔  
 میں اس کی جگہ ایک کھڑی دھاری۔ وہ دھاری کی جگہ بڑی کی جگہ پر تھی۔

۱۰۰۰۰ سال پہلے اس کا بیان تھا۔ یہ ایک شخص کا ہاڈن ٹوٹ گیا تھا منہ کے باہر بڑی چھڑی پھوٹتی تھی جس نے وہاں کا گوشت چیر کر بڑی کی سدی میں پھینک دیا۔  
 میں اس کی جگہ ایک کھڑی دھاری۔ وہ دھاری کی جگہ بڑی کی جگہ پر تھی۔

۱۰۰۰۰ سال پہلے اس کا بیان تھا۔ یہ ایک شخص کا ہاڈن ٹوٹ گیا تھا منہ کے باہر بڑی چھڑی پھوٹتی تھی جس نے وہاں کا گوشت چیر کر بڑی کی سدی میں پھینک دیا۔  
 میں اس کی جگہ ایک کھڑی دھاری۔ وہ دھاری کی جگہ بڑی کی جگہ پر تھی۔

کنارے کندھے غزنی کی لڑائیوں نے بیان کیا غزنی ایک ہزار ہے مگر اس پر دو درخت تودہ بنے لگتا ہے۔ میں نے جا کر اسے دیکھا قبر بتی ہوئی معلوم ہوئی تھیں کھلی گئی کروں کے مجاوروں کی چال کی ہے۔ قبر پر ایک چادر بنایا ہے جس وقت وہ چادر پر جاتے ہیں وہ بنے لگتا ہے اور قبر ہی جی ہوئی نظر آتی ہے۔ پیشانی ایسی ہے جیسے کشتی میں بیٹھے وہیں کو کندہ چلتا ہوا معلوم ہوتا ہے میں نے مجاوروں کو وہاں سے لٹک کر لے دیا پھر تیرا درود پڑھا مگر قبر کو حرکت نہیں ہوئی میں نے حکم دیا کہ چادر سے اکھڑا لو اور گنبد بنا دو۔ مجاوروں کو دھمکایا اور منع کیا کہ وہ آئندہ ایسی حرکت نہ کریں۔ غزنی چھوٹا سا شہر ہے۔ تعجب آتا ہے کہ جن بادشاہوں کے تحت میں ہندوستان اور خراسان رہا انہوں نے ایسی جھلٹی سی جگہ کو اپنا دارالسلطنت کیوں بنایا۔

جب میں کابل آیا تو دنیا خاں کا بیٹا یار حسین بہرہ سے میرے پاس حاضر ہوا۔ چند روز بعد میں نے فرخ کشی کا مادہ کیا جو لوگ ملک کے حالات سے واقف تھے ان سے اطراف و جواب کا حال دریافت کیا بعض نے تو دشت کی طرف چلنے کی صلاح دی کسی نے بلخ کی طرف چلنے کا مشورہ دیا آخر ہندوستان پر یورش کرنے کی ٹھہری۔ شہان کے بیٹے میں جب آفتاب برقع دلوں میں تھا کابل سے ہندوستان کا رخ کیا۔ کسی گرم ملک نواح ہندوستان کو کبھی دیکھا ہی نہیں تھا یہاں پہنچتے ہی دوسرا عالم نظر آیا۔ چوپائے اور قطعے کے پیرے دوسری وضع کے قوموں اور قبیلوں کی رسمیں کچھ اور۔ ایک حیرت سی پیدا ہو گئی۔ اور حقیقت میں حیرت کی جگہ ہے۔

عزم کے بیٹے میں دربار امیری والہ تعلق نگار فہم تیار ہوئیں ضد کھلائی لیکن ابھی دھکی ایک خراسانی طبیب تھا اس کو سی طبیب کہتے تھے خراسانی طریقے سے اس نے ہندوستان دیا تھا ہی اگلی تھی چھوٹی کے بعد میرے دن ان کا انتقال ہو گیا دامن کوہ میں انہی مرنا نے ایک باغ بنایا تھا۔ جس کا نام باغ نوروزی تھا اس کے دائروں کی اجازت سے اس باغ میں ہفتے کے دن جنازہ لائے میں نے قادم کو کھٹائی نے قبر میں اتار کر دفن کیا۔

ماہ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۴ء میں میں نے کابل سے ہندوستان کی طرف کوچ کیا آج تک تیمور لنگ کی اولاد کو بادشاہ ہونے پہنچے مرزا کہتے تھے اب میں نے حکم دیا کہ مجھے بادشاہ کہا کر دو۔ اسی سال کے آخر میں شب سرخشاہ ذی قعدہ کی چوتھی تاریخ ارک کابل میں ہمارے پیرا ہوا۔ مولانا شہیدی نے اس کی تاریخ ولادت سمیرن خان بھی کابل کے ایک شاعر نے شاہ فیروز قدس تعالیٰ قہر دی کے بعد ہمایوں ہی نام رکھ دیا۔ ہمایوں کے پیدا ہونے کے پانچے چھ دن بعد چار ماہ میں ہمایوں کے پیدا ہونے کی شادی ہوئی۔ اہل ارادہ متعلین نے ساہن کی رسم ہاک۔ در سید کا ذکر لگایا۔ اس سے پہلے بھی اتنے دیوانوں کا ذکر دیکھنے میں نہ آیا تھا۔

مجھے کے دن صفر کی پہلی تاریخ ۱۲۹۴ء میں جب کہ آفتاب برقع ترس میں تھا ہندوستان کی طرف چلنے کا قصد کیا۔ ہفتے کے دن باغ و عایم اترے۔ در شہنشاہ کی رات کوئے باغ میں جو سلطان لہڑا اور عوام رستم کے درسیان میں بنا ہے آئے دوسرے دن شکر کو چلتا کیا اور ہم جال میں بیٹھے۔ جال میں اکثر وہ لوگ تھے جو شر کہتے تھے جیسے ابو البدر، شیخ زین، علی خاں، ترمذی بیگ، اور خاکسار وغیرہ۔ اٹانے صحت میں محمد صالح کا یہ شر پڑ گیا۔



محبوبی ہر مشورہ کرے رامپہ کند کس

جانے کہ تو شکر کرے رامپہ کند کس

نیش کی کہ اس میں نہ کچھ ہو۔ شاعر اور مفرد میں طوکر کرنے لگے۔ ماحول خال ہے بہت جیسی کھاتی ہوئی تھی جیسی سے میں نے فیہد یہ طوکر کیا۔

مانند تو درہن شکرے رامپہ کند کس

زلاڑ کے ادہ غرے رامپہ کند کس

اس سے پہلے جو کچھ اچھا بنا کہنے یا نزل نظم کرنے کا اتفاق ہوتا تھا تو لکھ دیا جاتا تھا جب سے مبین کو نظم کرنے کا تو دل میں لیاں آیا کہ میں نہیں سہی یہ پاک الفاظ نکلیں یہت ہے کہ اس سے بے جودہ لفظ بھی نکلیں۔ اسی دل کے نزل کا بہتر کر دیا۔

انور ماہی سے کوچ کیا کہ علی سہر میں شہرنا ہول جہرات کے دل جمادی انفری کی را کو ہم پانی پت آئے۔ دست راست کی طرف شہر کا اندازہ مروج چکڑے اس حال تیار کیے تھے قائم کر دیتے دست چپ وغیرہ کی ستوں میں خندق کھودی۔ فو کا کو ذرا متذللہ ہوا شاکر یہ بے جودہ بات مقلی خانے جو قسمت میں لکھ دیا ہے وہی ہوتا ہے۔ لوگوں میں یہ عیب تھا لیکن اس عیب کی گرفت نہیں چسکتی کیونکہ وہی چھوڑے تھے جیسے ہر گئے تھے۔ ایک انجینی قوم سے کام لیا تھا۔ نہ بہن کی زبان سے آشنا تھے نہ وہ ہلدی زبان سے۔ قہم لاکھ بقیہ سنا تھے اس کا حقینہ لکھا کہ کیا جاتا تھا اور ہزار کے قریب داستانوں کی تعداد بیان کی جاتی تھی۔ ہندوستان میں یہ دم ہے کہ جس وقت پڑتا ہے اس وقت کچھ دن کے لیے فوج بھرتی کریتے ہیں اس کو سریندی کہتے ہیں۔ اگر ایسا کیا جاتا تو صرف ایک لاکھ فوج اور رکھ سکتا تھا۔ خدا کی قسم نہ وہ اپنے لشکر کو ماضی رکھ سکتا تھا تو انہیں کر سکا۔ لوگوں کو راضی کیا کہ کرتا اس کی طبیعت بہت ہی مسک تھی۔ اپنے محرم مدد دیکھنے کا مزہ تھا۔ ایک جہان آدمی تھا تا قہر و کار۔ اس نے آئندہ تھے معقول بندوبست کیا۔ شہر نے کار اور جائگے کا تھا کیا۔ جب ہم ہالی پت میں شہر کے چکڑوں اور خندق سے اپنا بندوبست کر رہے تھے اس موقع پر حملہ کرنے کا خیال دیا۔

دو دیش محمد ساربان نے کلب ایسی احتیاد برائی ہے کہ دشمن کی ہر ایسی حملہ سے لشکر میں نہیں آسکتی۔ آفتاب ایک بڑو بند ہوا ہر کار جنگ مطلوب شروع ہو گئی۔ وہ پہرہ ٹک توڑ مقلی رہی وہ پہرہ ہوتے ہی دشمن پست ہوا اللہ تعالیٰ نے اپنے فضلہ کرم سے ایک ایسے مشکل کام ہم پر آسایا کہ یہاں وہ بے شمار فوجوں کے عرصے میں خاک میں لیا۔ پانچ چھ ہزار آدمی تو سلطان ابراہیم کے ساتھ ایک جگہ مارے گئے تھے ہائی ہر یک کشتوں کے پلٹے گئے ہر گئے تھے ہم نے اس وقت مستروں کا حقینہ اپنے نزدیک ہندو مولہ ہزار آدمی کا کیا مگر اس کے چند ستائیس کی ذاتی معلوم ہوا کہ اس سر کے میں کچھ اس ساتھ ہزار فوج کام آئی۔

انفرد و جبرہ مسیت نوار ہوئے اندہم آگے بڑھے۔ جو افراد آگے بڑھے تھے وہ جا گئے ہوئے تھا تو ان کو کچھ بڑے ہتھیار کے حملہ کے خوف میں ہائی سمیت لڑ کر کہ کے اسے اور نہ کیے۔ ظہر کے وقتے طاہر تبریزی نے ہر ایک کی لاش بہت سی ہاٹو لیں بڑی ہولی دیکھ کر اس کا سرکٹ کیا۔ اس میں جہاں ملنا، خواجہ کلاں، محمدی، شاہ منصور، برہاس، یونس علی، جود اللہ، اور

دلی خاندان کو حکم دیا کہ اسی چلے آؤ اور اگر یہ پر قبضہ کر لو اور خزانے ضبط کر لو۔ ہمدی خواجہ محمد سلطان مرزا، مولیٰ سلطان جنید برلاس  
اور قلعہ کو حکم دیا کہ سیرے علیحدہ ہو کر فوراً دلی پہنچو اور وہاں کے خزانوں کی احتیاط رکھو۔ دوسرے دن ہم کو کس بھر چلے بھڑوں کو آسائش دینے  
کے لیے جتانے کنارے پر ڈیرے بنائے پھر دو منزل چل کے سرسبز کو دہلی میں داخل ہوئے۔ مولیٰ شیخ نظام الدین اولیا قدس سرہ کے مراد  
کی نیابت کی۔ دلی کے قریب جتانے کنارے پر اترے بدھ کی مٹات کو دلی کے قلعے کی سیر کر کے رات وہیں گزاری۔ جمع حضرت قطب الدین  
قدس سرہ کے مراد بدھ کی نیابت سے مشرف ہوا۔ سلطان خیاث الدین بلہن اور سلطان علاؤ الدین غلی کے مقبروں عمارتوں، لاشعہ  
شمس تلاب، حوض خاص، مقبرہ سلطان بہلول، مقبرہ سلطان سکندر اور باغ کی سیر کر کے کشتی میں بیٹھ کر غرق ہوا۔ دلی بیگ دہلی کو  
دلی کا صوبہ ودار دوست بیگ کو دلی کا دیوان مقرر کیا۔ خزانوں پر ہمیں لکھ کر ان کے سپرد کر دیئے۔ جمعرات کو دلی سے کوچ کر دیا۔ اور تعلق  
آباد کے قریب جتانے کنارے پر ٹھہرا۔ اتر جتانے مقام ہوا۔ مولانا محمود اور شیخ زین وغیرہ یہاں سے شہر گئے دلی کی جامع مسجد میں  
انہوں نے نماز پڑھی میرے ہم کا خطبہ پڑھوایا۔ فقرہ کو بہت سادہ یہ تفسیر کر کے والیں آئے۔ ہنڈ کو اس منزل سے چلے میں نے تعلق آباد  
کا سیر کر کے کوچ کر دیا۔ اگلے چلے گئے جمعہ کے دن بانیسویں رجب کو فوج آگرہ میں پہنچے اور سیماں فری کے مکان میں اترنا ہوا یہ مقام شہر سے  
بہت دور تھا۔ جمع یہاں سے جلال خاں جاگت کے محلوں میں جا بٹھرے۔ چالیوں وغیرہ پہلے سے آگئے تھے۔ تعلقہ والوں نے قبضہ دینے میں  
میلے حوالے کیے انہوں نے دیکھ کر لوگ بگڑے ہوئے ہیں۔ تاکید کی کہ خزانوں کو کوئی لاشعہ نہ لگاتے اور کوئی باہر نہ بھجواتے یہ انتظام کر کے  
میرے منظور ہے بکرا جیت بندہ گویا رکھا جا تھا اور ہر برس سے اس کے بزرگ وہاں رہا کرتے تھے۔ سلطان سکندر گویا بھیننے کے  
بچے گئی برس سے آگے کے اور اس وقت نہ بنائے ہوئے تھا۔ ابراہیم کے وقت میں اعظم چالیوں اور سولائی نے کئی بار چڑھائی کی آخر صلح سے  
گواہ لے لیا اور شمس اہداس کو دے دیا۔ ابراہیم کی شکست کے زمانے میں بکرا جیت مرگیا۔ بکرا جیت کے بال بچے اور  
تعلقین آگے سے تھے۔

جب چالیوں آگرے میں آیا تو بکرا جیت کی اطلاع جاتے کے خیال میں تھی۔ چالیوں نے سپاہی متعین کر دیئے تھے۔ انہوں نے دلی  
میں چالیوں نے خان کے کوٹے اور محلے کی اجازت نہیں دی۔ انہوں نے اپنی خواہش سے بہت سا حور ہمایوں کا فنڈ کیا۔ اس میں ایک مشہور پیر  
موجود تھیں وہاں تھا کہتے ہیں کہ بعض نے اس کی قوت سدی دنیا کے مزاج کا نصف شخص کی تھی۔ فلان اس کا مذق آتھ شقال ہے۔ جب میں  
آیا تو چالیوں نے اس کو میرے آگے پیش کیا۔ میں نے ہمایوں کو چھ دے دیا۔

حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ سے آج تک دوسرے بادشاہوں میں سے یہی عمل اور بادشاہ کا سپاہ ہونے  
میں ایک سلطان محمود میں کی اولاد محمد توں تک سکھ بند پر فرماں برداری ہے۔ دوسرے سلطان شہاب الدین غوری کا اس کے متعلق اور غلام  
برسوں یہاں کے محکوم رہے ہیں۔ تیسرا میں ہوں۔ محمد میری دوران بادشاہوں کی ہمدی طاقت نہیں ہو سکتی کیونکہ سلطان محمود نے جب  
ہندوستان کو لیا ہے اس وقت سلطان کی قوت اتنی تھی کہ خراسان اس کے تحت میں تھا۔ شان خولزم و دارا اور ناس کے بطیع تھے۔ بہت  
کاوش و اس کا حکم قدس کا مقرر علاقہ کے وقت مگر وہاں کہ نہیں تو ایک لاکھ فرود ہوگا۔ دوسرے تمام ہندوستان میں ایک بادشاہ تھا۔ فلان  
ماہ تھے۔ ہندوستانی دلی ہندوستانی راگ تھا۔ سلطان شہاب الدین غوری آگرہ خراسان پر قابض نہ تھا مگر اس کا بڑا جانی سلطان خیاث الدین

غزنی ملک خراسان متحدہ طاقت ناموری میں نکلا ہے کہ سلطان ابروہم ایک لاکھ اسی ہزار سولہ سو دس سے ہندوستان پر اپنا اقتدار کے ساتھ  
بھی مشرق راجہ تھے۔ سارے ہندوستان کا ایک بادشاہ نہ تھا جب تک میرے میں کیا ہوں تو دنیا وہ سے زیادہ ڈر ہو ہندو فوج میرے ساتھ  
تھی۔ اب پانچویں مرتبہ جو میں نے حکم کیا ہے اور سلطان ابراہیم کو شکست دے کر ہندوستان فتح کر لیا ہے تو سارا ملک میری در بجا بدو ہندو ملک  
گیا تھا۔ اور کبھی آخر محنت لے کر انے کا موقع نہ تھا۔ یہ ملک آج کل کے ہندوستان کے قبضہ میں تھا۔ یہاں کی ہندی بہت نہ  
تھی بلکہ بعض علاقے دشمنوں کے ملک سے ایسے قریب تھے کہ وہاں ہندی مدد دینی پڑتی تھی۔ سلا اور ہندو ہندو کیوں کے قبضہ میں تھا۔ ان کی فوجیں  
تھیں ایک لاکھ کے قریب بیان کی جاتی تھیں اور وہ ہمارے قریبی دشمن تھے ہندوستان کے قلعہ و سرے سے ملک بہت کم پٹھانوں کے  
تحت میں تھی۔ یہاں کا بادشاہ سلطان ابراہیم متحدہ پانچ لاکھ سے کم اس کی فوج نہ سمجھتا تھا۔ بے شک ہندو کے بعض سردار اس وقت اس  
کے خلاف تھے۔ اس پر بھی کہتے ہیں کہ تین لاکھ لاکھ سوار ہندو ہندو امرائے فیلڈ میں حاضر ملک تھے۔ ہاں اس ہندو میں نے ہندو ہندو  
لیڈ ایک جیسے لاکھ دشمنوں کو پیچھے چھوڑا اور سلطان ابراہیم جیسے صاحب فکر ملک سے جو سلاہن مٹم تھا بڑا۔ خدا نے تعالیٰ نے میری  
فصلت اور کوشش حاصل نہ کی۔ ایسے زبردست مقابلہ کو مغرب کر دیا۔ اور ہندوستان جیسا وسیع ملک فتح کر دیا۔ میں اس دولت کے حاصل کرنے  
لا اپنا تاب و طاقت پر محول نہیں کرتا اس سادت کے نصیب ہو جانے کو اپنی کوشش و محنت کی بدولت نہیں ہاں تاکہ میں خود اس کے اہلیت  
سمجھتا ہوں۔

ہندوستان وسیع بہت آباد اور وسیع ممالک ہے۔ اس کے مشرق و جنوب کبھی قلعہ مغرب میں بھی دیا گئے سندھ۔ شمال  
میں ایک پہاڑ ہے جو کہ ہندو کش ہے کا نام ہے اور کوہستان کہتے ہیں اس کے مغرب و شمال میں کالی۔ غزنی اور قندھار ہے۔  
ہندوستان کا دار الحکومت لاہور ہے۔ سلطان شاہ الدین غوری کے بعد سے سلطان فیروز شاہ کے آخر زمانے تک ہندوستان  
واقعہً اس ملک کا شاہی دہلی کے زیر نگین رہا ہے۔ اب جب کہ میں نے اس کو فتح کیا ہے تو پانچ مسلمان بادشاہ اور دو ہندو راجہ یہاں حکومت  
کرتے ہیں اگر چہ ان کے چھوٹے رائے و سردار پہاڑ و دھند جگہوں میں بہتر سے ہیں مگر قندھار و مستقل ہی ہیں۔ ان میں سے ایک چٹان تھے  
میں کا تعلق میرے سے بہت کم تھا۔ اس خاندان سے پہلے جو ہندو سلطان میں مشرق کے پاس تھا۔ ان کو ہندو کہتے ہیں۔ ان کے بزرگ  
سلطان فیروز کے ہمارے امراء میں سے تھے۔ فیروز شاہ کے بعد جو ہندو کے کسی مستقل بادشاہ ہو گئے۔ دلی سلطان علاؤ الدین کے  
بعد ہندو ہی۔ یہ لوگ سب تھے۔ امیر تیمور نے دلی فتح کر کے ان کو دے دیا تھا۔ سلطان بہلول لودھی اور اس کے بیٹے سلطان سکندر  
نے دلی سے جو ہندو ملک قندھار و دھند و لاہور میں ایک ہی بادشاہ ہو گیا۔

اور سلطان مغرب گجرات میں تھا۔ ابراہیم سے چند روز پہلے اس کا انتقال ہو گیا وہ بڑا فخر جہاد شاہ تھا۔ عالم تھا، عورت تھا،  
اور جیٹ قرآن شریف کھاتا تھا۔ اس خاندان کو ملک کہتے ہیں ان کے بزرگ بھی سلطان فیروز شاہ کے اہل خورست میں سے شراب دہ  
تھے۔ فیروز شاہ کے بعد گجرات دہلی تھے۔ میرزا دکن میں بہت تھا۔ ان کے زمانے میں بہت سلطنت میں دو نہیں رہا اس کا مالک بڑے  
سے امراء میں ختم ہو گیا ہے۔ بادشاہ وقت امراء کا تھا ہے۔ جو قلعہ و دھند و دکن کو مندرجہ ذیل کہتے ہیں، سلطان محمود تھا۔ اس خاندان کو  
بھی کہتے ہیں۔ اس کو رانا سلاہا نے زیر کر لیا ہے۔ اور اس کے ملک کے اکثر حصے میں ہے۔ سلطنت اب دہلی ہو گئی ان کے باپ دادا

بھی فیروز شاہی میر تھے۔ پھر مارہ کے حاکم بن گئے۔

پانچویں نصرت شاہ بنگال میں تھا۔ اس باپ بنگال کا بادشاہ براہمنا جس کا نام سلطان علاؤ الدین تھا اور جس کی قوم سیدی تھی۔ نصرت شاہ کو سلطنت ترکہ میں ملی ہے۔ بنگال میں سلطنت ملنے کی یہ عجیب رسم ہے کہ میراثی بہت کم ہوتی ہے۔ حقیقت میں بادشاہ تخت ہے۔ بادشاہ کے لیے بھی اس کی جگہ معین ہے۔ اندامراد وندمار واپل مناسب کے واسطے بھی ایک ایک جگہ مقرر ہے۔ گویا بنگالیوں کے نزدیک تخت اور وہ جگہ ہی کچھ چیز ہے اس ہر جگہ سے نوکر مل چاکروں کی ایک جماعت متعلق ہے۔ جس امیر یا وزیر کا عزت و نصب بادشاہ کو منظور ہوتا ہے اس کی جگہ بدل دی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ جو ختم و خدم ہوتے ہیں وہ جدید شخص کے متعلق ہو جاتے ہیں یہی بادشاہی تخت کی صورت ہے بادشاہی یوں حاصل ہوتی ہے کہ جو کوئی بادشاہ حال کو مار کر بھٹ پٹ تخت پر بیٹھ جاتا ہے اسی کو تمام امراء وندمار و فرج اور نصرت بادشاہ سمجھتے تھے۔ مقتول بادشاہ کی طرح قاتل بادشاہ کے سب مطیع ہو جاتے ہیں۔ بنگالیوں کا قول ہے کہ کم تو تخت کے نوکر ہیں۔ جو تخت پر بیٹھ جائے وہی جلا بادشاہ ہے۔ چنانچہ نصرت شاہ کے باپ سلطان علاؤ الدین سے پہلے ایک حبشی بادشاہ کو قتل کر کے تخت پر بیٹھا تھا۔ مگر اس نے حکومت کی۔ حبشی کو سلطان مار کر بیٹھ گیا۔ اور بادشاہ ہو گیا۔ البتہ علاؤ الدین کے بعد اس کا بیٹا نصرت شاہ بطور وراثت اب بادشاہ براہمنا میں بھی بیٹھ رہا ہے کہ ہر بادشاہ کو دنیا خزانہ جمع کرنا لازم ہوتا ہے۔ خزانہ جمع کن ان لوگوں کے نزدیک ٹہسے ٹھکر کی بات ہے۔ یہ بھی قاعدہ ہے کہ خزانہ حاصل کر کے تمام خانگی اخراجات شاہی کے واسطے ہمیشہ سے تنخواہ میں جاگیریں مقرر ہیں۔ ان کی آمدنی اور کاموں میں بائیں بنیں عورت ہوتی۔ یہ تو مسلمانوں کے پانچ بادشاہوں کا حال ہے۔ ان کے علاوہ مسلمان سردار صاحب ملک دفعہ بعد بہت سے ہیں جو خود مختار اور ذی اقتدار ہیں۔

ہندوؤں میں سب سے بڑا جواہر کل ایک تیاگرالا ہے اور دوسرا ناسانگا ہے جس نے اپنی چالاک اور جرات سے اقتدار حاصل کیا ہے۔ اس کا اصلی ملک چنڈر ہے۔ ہندوؤں کے بادشاہوں کی کمزوری کے زمانہ میں رنہتور، رنگ پور، پٹنہ اور چندیری کے علاقے اس کے قبضہ میں آ گئے۔ پٹنہ میں عنایت الہی سے چندیری کو جو کئی برس سے دلا لڑ رہا تھا ناسانگا کے بڑے سردار میدنی راؤ حکم چندیری کا دگر دھڑی میں بڑوہ شمشیر میں نے چھین لیا۔ اور کھار کو قتل کر کے دارالاسلام بنادیا۔

ہندوستان کے شہر بہت غلیظ رہتے ہیں۔ تمام شہروں اور زمین کی ایک قطع ہے۔ یہاں کے باغوں کی دیواریں نہیں ہوتیں۔ اکثر باغ میدان میں ہوتے ہیں۔ اکثر دریاؤں اور ندیوں کے کناروں پر اور جہاں گھاس ہوتی ہے ہر سات میں دلدل ہو جاتی ہے جس سے آمد رفت میں وقت پڑتی ہے۔ کس کس کنویں اور تالاب میں بن میں برساتی پانی جمع ہو جاتا ہے گردن کرتے ہیں ہندوستان میں دیہات بلکہ شہر بہت جلد پس جاتے اور آجڑ جاتے ہیں۔ بڑے بڑے شہروں میں جہاں برسوں سے بورہ باغی کرنے والے اگر جھگے پسائیں تو ایک دن پلہ پھر میں ایسے دھل سے کافر ہو جاتے ہیں کہ نشانیک نہیں رہتا۔ اگر لوگ بسنا چاہیں تو زہر وغیرہ کھودنے کی یا بند باندھنے کی احتیاج نہیں ہوتی۔ لوگ جمع ہو گئے، تالاب بنایا یا کنواں کھود لیا اور غار بنو گئے۔ یہاں بنائیں نہ دیواریں نہیں۔ دھیروں پوسلہ بے شمار دھڑوں سے جھونپڑاں بنائے جاتے ہیں میں آن کی آن میں گاتل یا شہر خاما آباد ہو جاتا ہے۔

ہندوستان میں لطافہ کہے کہ لوگ نہ حسین ہیں نہ میل جول کے اچھے ہیں۔ نہ ان کا انداک اعلاؤدہا ہے۔ نہ ان میں عزت

میرزا کا ادب ہے۔ ہزاروں دیوانوں کی ترکیب بھی اچھی نہیں مگر نیاں بھی نہیں ہیں۔ گورکھ اچھا نہیں تھا۔ مگر غریب نے اس سے اچھے نہیں ہوتے، بوقت نہیں، غنڈا پانی نہیں، ہزاروں میں جو کھانے اور سٹیکان کچھ میں وہ سب خواب، جام، ادب، شمع، شعلہ اور شمع والی لام نہیں۔ شمع اور شعلہ کی جگہ چمکتا آتش کا کہہ جاتے ہیں۔ اور اس کو ڈیرہ لگتے ہیں۔ انٹے اقدیم ایک چھٹی کھانے ہیں۔ اس پانی کے ایک پاؤں کے کندے میں نمکوں کے سر کی طرح ایک روپ کو خوب مضبوط بند کر دیتے ہیں۔ انگوٹھے کی باہر سے آہیں دلا کر لڑی کے اندر بند کر دیتے ہیں۔ سیدھے اقدیم ایک خشک کندہ رکھتے ہیں اس میں ایک ہدیک سوراخ کرتے ہیں۔ جس سے تیل نکلتا ہے۔ اس کو در شعلہ اور دیتے ہیں۔ جب پیتے ہوئے انٹے کی ماحول برقی ہے تو اس کو در سے تیل نکالتے ہیں۔ کوہ کے سارے تیل کی بڑی پگھ گتی ہیں۔ ستاروں کے اس دیس کو گونیاں ترور سوہتی ہیں۔ شمع داخل کی جگہ اسی کو برقی ہیں ہار شاہوں اور اسلند کے ساتھ عجمیات کو فرست کے وقت بھی چمکتے کے ڈیوٹ شمع کے بڑے لکڑی پاس کھڑے ہو جاتے ہیں۔ سرائے نکلیں اور بڑے دیواروں کے نالوں وغیرہ میں پانی پینہ جاری نہیں رہتا۔ ہاؤن اور کلاؤں میں بہری نہیں کسی حد میں ہمارا، نصف غرض قطع نہیں۔ حوام کچے ہاؤن پھرتے ہیں۔ نال سے دو شخص بھی ایک کچرا بانٹتے ہیں اس کو کھانا کہتے ہیں۔ ایک آٹا پڑا پڑا جڑا ہے۔ اس کے نیچے کو آڑ کو نا نکلتا رہتا ہے۔ اس کا دھڑا کو نا نہ ہے۔ جب کھانا بانٹتے ہیں تو اس کو نہ کو دونوں رازوں کے پیچ میں سے لے کر پیچے گھر کر دیتے ہیں اس ٹھکانے کو خوب مضبوط بانڈتے ہیں۔ حور میں ایک ٹکی بانڈتے ہیں۔ ادھی کر میں بانڈتے ہیں اور ادھی سر سے ادھی مٹی ہیں۔

ہندوستان کی بڑی غولہ۔ جسے کہ رسیج ملک ہے۔ اس میں سونا چاندی بہت ہے۔ جو صاف کی ہوا ہلات بھی ہوتی ہے پرتا  
 میں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دن بھر میں دسی ہندو اور جیسی دفعہ میں برس جاتا ہے۔ بادش کے موسم میں ایک ہادی رو آجاتی ہے اور ایسی آتی ہے  
 کہ جہاں کھان کی کڑی میں ہوتی وہاں دیا بیٹے گنت ہے۔ جہ برستھ میں اور پندرھ کھ کے بعد بڑے مڑے کی ہوا میں چلتی ہیں۔ چانچ ہوا  
 ٹھنڈی ہوتی ہے اور اعتدال کے ساتھ چلتی ہے۔ اتنا صوب ضرور ہے کہ مڑوب بہت ہوتی ہے۔ یہاں کی برسات میں ہمارے ملک کی کلان  
 سے تیر ہلازی نہیں برکتی۔ تیر بکا جاتا ہے۔ کلاں پر ہی کیا خضر ہے ملک جید۔ کتب لہاس اور اسباب وغیرہ ہم سب میں سیل دور جاتی ہے  
 مکان سے چڑھے ہوتے ہیں۔ علاوہ برسات کے چارے اور گری میں بھی حرسے کی ہوا میں چلتی ہیں۔ شمالی ہوا جیہ نہ چلتی ہوتی ہے جس کے  
 ساتھ گرد و خرابا آتا رہتا ہے کہ کبھی ملک دوسرے کو نہیں دیکھ سکتا ماسی کہ یہاں آندھا کہتے ہیں۔ نور اور غلا میں گری ہوتی ہے مگر اس قدر  
 بے اعتدال گری نہیں۔ جیسے بلخ اور قندھار میں۔ یہاں کی گری کی مدت وہاں سے آدھی ہوتی۔

ہندوستان میں ایک عورت کی بھیجے کہ ہر فن اور حرفہ کا اور کثرت سے ہے۔ اور ہر کام اور ہر چیز کے لیے بڑوں اور آدمی اور عورتوں میں جن کے ان اپ دادا کے ذریعہ سے وہ کام ہوتا ہے، نظر انداز نہیں کرتے اور عورتوں کی طرف سے بھیجے کہ عورتوں نے اپنے کاموں میں جو کچھ ہیں، ہندوستان میں ہے اور انہیں جان، فدا، ہندوستان اور عورتوں کے ہندوستان میں کام کرتے تھے اور اس لحاظ سے کہ وہ بہت عیب کرتے تھے۔ انہوں نے جو عادتیں ان میں بنائی ہیں اس میں ان کے ہندوستان میں کام کرتے تھے اور اس لحاظ سے کہ وہ بہت عیب کرتے تھے۔ انہوں نے جو عادتیں ان میں بنائی ہیں اس میں ان کے ہندوستان میں کام کرتے تھے اور اس لحاظ سے کہ وہ بہت عیب کرتے تھے۔

جیسے سے بہار تک اب جتنا ملک میرے قبضہ میں ہے ہاں کو روڑ رہے کا ہے۔ اس میں انیس کروڑ کے علاقے ان راجاؤں اور رئیسوں کے تصرف میں ہیں جنہوں نے ہمیشہ سے اطاعت کی ہے۔ اور یہ جاگیریں سلا بعد سلا ان کو گزاشت کر دی گئی ہیں۔

ہم جو آگرہ میں پہلے چلے آئے تو ہمارے لوگوں میں اندیشاں و غلوں میں باہم بے حد نفرت اور غیریت تھی۔ رعایا اور سپاہی ہمارے آدمیوں کو ہڈوں سے کوس رہتے تھے۔ مقررے ہی دن میں دلی، آگرہ وغیرہ مقامات کے لوگوں نے جہاں تلے تلے مضبوط رکھے اور سپہ سالاروں کو بلانے لگی تھی۔

جب میں آگرہ میں آیا ہوں تو گری کا موسم تھا۔ لوگ مارے ڈر کے اور حرا و حر بھاگ گئے ہمارے آدمیوں کے لیے غذا اور مال دلوں کے واسطے ٹھاس ملائی۔ ماجرے اور زمیندار غیریت اور نفرت کے سبب سے سرکش ہو کر لوٹ مار چاہتے تھے۔ راستے بند تھے۔ ہم کو اتنی فرصت دلی کو گزرنے کا نہ کھول دیتے، ہر پگڑا اور ہر ضلع میں آدمی مقرر کرتے۔ دوسرے اس سال گری اس شدت کی پڑی کہ لوگ کھادے مرے جاتے تھے۔ ان وجوہات سے امرار اور اچھے اچھے سپاہیوں کے جی بھوت گئے۔ بندوستان میں رہنے کو ان کا دل نہ چاہتا تھا۔ بلکہ یہاں سے کھینچ گئے۔ غیر ہونے اور تجربہ کار اور لڑاکا یا کرنا متعلقہ نہیں۔ مگر یہ لوگ ایسے چورت ہیں کہ ان باتوں کے منہ سے نکالنے کے بعد کی برائی بھلائی اور بہتری بدتری کو نہیں سمجھتے ان سب نے جب ایک کام کا ارادہ کر لیا تو پھر اس کے بیان کرنے سے کیا فائدہ۔ سارے چھوٹے بڑوں کی ایسی باتیں کیسی بے جا ہیں۔ طریقہ کہ اب کے جو میں کابل سے چلا تو سمیت سے نئے لوگ ہیں جن کو مرتبہ امارت نصیب ہوا۔ ان سے بھی بے امید تھی کہ اگر میں جتنی آگ میں گردن گھاتو یہ میرے ساتھ مگر نہیں گئے اور اگر میں بیتے پانی میں گردن گھاتو یہ اساتھ دیں گے۔ جہاں میرا پسند کرے گا وہاں اپنا خون گرائیں گے۔ ذکر میری طبیعت کے خلاف باتیں کر رہے گئے۔ جس بات کا میں شورو مارتا چاہتا ہوں اور بالاتفاق اس کے کرنے کا ارادہ کرتا ہوں مشد سے پہلے یہ لوگ اس بات سے انحراف کر جاتے ہیں۔ اور لوگ اگر بد نکلے تو احمد پراپی اور دلی خازن ان سے بدتر نکلے کابل سے چل کر ابراہیم کو زیر کرنے کے بعد آگرہ فتح ہونے تک خواجہ کلاں نے اچھے اچھے کام کیے۔ ادھرت مالوں اور مردوں کی سی باتیں کیں۔ مگر آگرہ لینے کے بعد چند عمارتوں میں اس کی رائے پلٹ گئی۔ سب سے زیادہ جانے پر خواجہ کلاں ہی چلا ہوا تھا۔

جب مجھے لوگوں کی بددلی معلوم ہوئی تو سارے امرار کو جمع کر کے مشدہ کیا۔ میں نے کہا کہ میں طرہ سلطنت اور جاگیر کے لیے اسباب اور تہیارس کا ہنہ لازم ہے اسی طرح ہاوشا ہی اور میری ہے اور بیوں اور ملک کے نامکس ہے۔ خود کروڑوں کوشش کی۔ سخت اٹھائی۔ فوجیں لے کر چڑھائیں۔ ہم نے اپنی جان کو اندر فوجوں کو لڑائی کی حلقہ آگ میں ڈالا۔ خدا نے فضل کیا کہ ایسے ایسے زبردست دشمن زیر کیے۔ دس بجے ملک ہاتھ آیا۔ اس وقت کرن کی میسر پڑی ہے اور کیا دبا ہے کہ میں ملک کو انہی جاگہاں سے لیا ہے اس کو یوں ہی چھوڑ کر کابل چلتے ہیں اور تنگ دستی کی طرح چھینیں۔ جو سیر دوست ہے وہ بیہودہ باتیں منہ سے نہ نکالے۔ میں کو قہر نے کیا پ۔ ہوا ہو جانا چاہے وہ ہم اند کے۔ یہ معقول نظر سے نہ کرنا خواجہ کلاں کو ان خیالوں سے اندر رکھا۔ ان کے دلوں سے لاشہ نکلا۔

بندوستان میں بڑا عیب ہے کہ نہ نہیں ہے۔ جہاں موقع کی جگہ ہواں پر نہ لگا کر پانی جاری کیا جائے۔ اندوش قطع ہو گیا ہوتا جائے۔ آگرہ میں آنے کے بعد اسی کام کے لیے جنہ کے پار باغ لگانے کے واسطے مقامات ملاحظہ کیے۔ ایسے اجازت اور مقررے مقامات تھے کہ قریب کلاہت اور خوشی کے ساتھ دلوں سے عبور کیا گیا۔ غنائے کو دل نہ جاتا تھا۔ مگر آگرہ کے قریب کوئی صوبہ بھول

خواہ نظر آنی اس واسطے فرد ہوا کہ اسی کو درست کر لیا جائے۔ پہلے ایک بڑا کنول جس سے علم میں پانی لیا جائے بنوایا۔ پھر وہ قطعہ زمین کا چھان لیا کہ درخت اور غنم خوش ہے مدت گزریا۔ اس کے بعد ڈھانچہ انداس کی پڑی بنی۔ پھر وہ دی کے آگے جڑوں سے انداس کا بنالائی۔ بن کے پچھے تو غلوت غلا کا بنیہ انداس کے مکان بنے۔ پھر علم تیار ہوا۔ غرض اس پے دھنکی اندراب جگہ پر ہندوستانی وضع کے خوبصورت باغ انداز میں تیار ہو گئیں۔ ہر محلے میں مستقل مین بن گیا۔ ہر مین میں طرح طرح کے گل پوتے لگائے گئے۔ ہندوستان کی تین چیزوں سے مجھے نفرت ہے۔ ایک گرمی۔ دوسری آندھ اور تیسری گردے۔ علم سے ان تین چیزوں کا طلاق ہو گیا۔ پھر علم کے پچھے کیا ہا پیے گرمی کی شدت میں ایسا محنت اہوتا ہے کہ سردی کے واسے کا پنے کی نوبت ہوتی ہے۔ ایک مجھوہ علم اور غرض تین کام سنگین بنے ہیں۔ اہارہ سنگ مرمر کا ہے۔ آلی گل چھت اور غرض سنگ مرمر کا ہے جو یاد کا پتھر ہے۔ اس کے علاوہ خلیفہ شیخ قریہ اندیرنس علی نے دنیا کے کندے پر غرض قطع اندر وضع دار باغات اور خوش بنوائے۔ لاہور اور دہلی میں جیسے رہت میں دیے رہت کنول لگائے اند پانی ہادی کیا۔ ہندوستانیوں نے جو اس طرح اور صورت کے مکان کبھی خواب میں نہ دیکھے تھے تو اس واسطے جانا کے اس جانب کا نام چال چھڑیں بنی ہیں کاتل رکھ دیا۔

بیان کے قطعہ اند بعض اور قطعوں کے خیال سے جو ہندو فتح نہ ہوئے تھے استاد علی قلی کو حکم دیا کہ ایک بڑی توپ ڈھالو۔ علی قلی نے قلعہ وغیرہ تیار کر کے لکھے اطلاع دی۔ ۱۵۰۰ عرم روز در شنبہ کو یہ توپ ڈھلنے کا تماشہ دیکھنے گیا جہاں توپ ڈھلنے کا سانچا عتادوں آٹھ بھتیاں لگائی تھیں۔ ہر مین کے پیچھے سے ایک نال سانچے تک ہادی تھی۔ بھٹیوں کی نالیوں کا در کھوتے ہی نالیوں سے مصاحو پانی کی طرح بہہ کر آیا اسی سانچہ پر ہندو بھٹیاں سے مصاحو آنا سوتوں ہو گیا۔ یا تو بھٹیوں میں تصور۔ ایسا مصاحو میں۔ بہر حال استاد علی بہت ہی شرمندہ ہوا۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ جو تاجا قاب میں لگھلا ہوا ہے اس میں چاروں میں نے اس کی دل جوئی کی اور خلعت دے کر اس شرم ساری کو دور کیا۔

ماہ صفر کے آخر میں خوانکی اسد مرشا و طہاسپ صفوی کے پاس اپنی ہر کراتا گیا تھا سیدان نام ترکمان کو ساتھ لے کر آیا اور بہت سی سو فائیں دیا۔ ان میں درجہ کس لڑکیاں بھی تھیں۔ ریح الاول کی ستر حویں تاریخ جمعہ کے دن عجیب واقعہ ہوا۔ چنانچہ میں نے اس کو کالی بھی مفضل مکھ بھیجا تھا۔ اند میں بھی کم کاست نکھتا ہوں۔ مفصل کیفیت یوں ہے کہ ابراہیم رودھی کی بد نصیب ماں نے ستار ہندوستانیوں کے ہاتھ لکھنا میں کھانے لگا جس اور بات یہ برائی تھی کہ میں نے بھی ہندوستانی کھانے نہ کھائے تھے اب سے تین چار بیٹے پہلے میں نے حکم دیا کہ ابراہیم کے ہاتھ میں کولہ اس واسطے کہ مجھے ہندوستانی کھانوں کے دیکھنے کا اتفاق نہ ہوا غلہ پچاس ساتھ آدی آئے ان میں سے چار مین کر میں نے رکھے۔ اس کیفیت (ابراہیم کی ماں نے بھی حال سنا۔ ۱۰۰۰ عرم چاشنی گیر ہندوستانی چاشنی گیر کمال کو کہتے ہیں اسے جو تانہ سے آیا تھا۔ سازش کر کے ایک لٹاکے ہاتھ دہری کی پڑا جس میں تو اور مرد قولہ منتال سے زیادہ ہوتا ہے از ہر تھا بھیجی۔ احمد نے ہادی خانے کے ہندوستانی ہادی کی کو چلہ پر گولوں کے فہام کلا پیے دیار کہ کہیں طرح ہو سکے بادشاہ کو زہر دیدے۔ جس ماکے ہاتھ احمد کے پاس زہر بھیجا تھا اس کے پیچھے پیچھے ایک اند ملا کوہ و دریافت کرنے کے لیے بھیجا کہ پہلی لٹاکے زہر احمد کے حوالے کر دیا جائیں۔ احمد جانتے لکھ بہتر ہے کہ کچی میں زہر نہ ڈالا جائے بلکہ کالی میں ڈال جائے۔ اس نے کہیں نے بکالوں کو حکم دے دیا تھا کہ ہندوستانیوں سے غافل نہ رہنا۔ جب کھانا



تیار ہوتا ہے تو پہلی میں چاشنی چکھادی جاتی ہے۔ دسترخوان پہنچنے کے وقت تالاق بکالوں کو ہوش نہیں رہتا۔ چینی کی رکابی میں رکھ کر پھینک دیتے جاتے ہیں۔ اُدھے سے کم ذہن تو اس پر چھڑکا اور اُدھے سے زیادہ رکھلیا کہ تیلے کے جالے میں ڈال دے یا پتیلی میں۔ اگر ایسا کیا جاتا تو جتنا اس کے اقدار بڑوں بھول گئے اندر چڑھ گیا تھا گھر گر چو ہے میں ڈال دیا۔

مجھ کے دن عصر کے وقت دسترخوان بچھا۔ عمر گوش بکھاتا کچھ وہ کھایا۔ کچھ اندروں کا تیلہ کھایا۔ مگر کوئی چیز ابھی معلوم نہ ہوئی۔ قافہ کے گوشت کی دو ایک برٹیاں بچھیں۔ دل اکھل بھل کرنے لگا ناک کے گوشت کی بوٹیاں زیادہ درزہ معلوم ہوئی یقین۔ میں بکھا اسی سے دا اکھل بھل کرتا ہے۔ ذرا اعتبار کر پھر تنہی ہونے لگی۔ عرض درتین بار دسترخوان پر بیٹھے بیٹھے یہی حال ہوا۔ قریب تھا کہ تھکے ہو جاتے۔ آخر میں کا ہوا۔ آپ دار عازم تک جاتے جاتے ایک بجائی آئی۔ آپ درخانہ کے پاس جا کر خوب استغراق ہوا۔ میں نے کھانا کھا کر بلکہ شراب پی کر کبھی تنے نہ کی تھی۔ میرے دل میں اس طرح کے تھے شک پیدا ہوا۔ میں نے حکم دیا کہ بادی کو نغیر بند رکھو۔ کھانے کو کھلا دو اور کسے کو نہ بھلا دو۔ دوسرے دن پر پڑھے تک کتے کا مال مجھ راہ۔ اس کا پیٹ ابھی گھرا۔ ہر چند اس کو داتے تھے اندھا تاتے تھے لیکن وہ بتا نہ تھا۔ دوسرے دن تک اس کا یہی حال۔ ابھی پٹ لٹ گیا اور بیچ گیا۔ دو ایک چیلوں نے بھی اس کھانے میں سے کھایا۔ دوسرے دن وہ بھی تنے کرتے رہے۔ ایک کی گنا فوبیت مجھ کو تھی مگر دو دن پہنچ گئے۔ عذر سیدہ بود بوائے دے بخیر گزشت۔ اللہ تعالیٰ نے دوبارہ زندگی عنایت فرمائی۔ گویا یہ پھر ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا۔

سلطان محمد بخشی کو میں نے حکم دیا کہ بادی سے ابھی طرح حال دریافت کرو۔ اس نے سدا کچا پٹھان بیان کر دیا۔ پیر کے دن میں اسے دیکھا۔ حکم ہوا کہ تمام وزراء اور عمارت وغیرہ حاضر دربار ہوں۔ سب حاضر ہوئے۔ ان دونوں مردوں اور عورتوں کو لائے۔ ان کے اہم لیے گئے سب نے پہلا پہلا راتہ بیان کر دیا۔ چاشنی گیر کے گھڑے گھڑے کر دیے گئے۔ بادی کی زندگی کھال کھنچوادی۔ ایک عورت کو باغی ہاتھ سے پکڑ لیا۔ دوسری کو گولی مار دی۔ کم نعت بُرائی یعنی ابراہیم کی ماں کو قید کیا گیا۔ اس نے بھی اپنے لیے کی سزا پائی اور آئندہ پائے گی۔ جنت کا ایک پہاڑ اور کھلیں فیہود و دوسرے کو دھو میں لگی تھوہہ دیان نادق مار گیا۔ دھو نہ میرا کو عطا خوب صاف کر دیا۔ دوسرے کو پہلے دا کہ طرح پھرتے ہوئی۔ جتا برا صفر کالا تے میں بکھا۔ خدا کا شکر ہے کہ اب ابھی طرح ہوں۔ میں نہ ماننا تھا کہ جان ایسی عزیز چیز ہے۔ یہ ہے جس کے مرنے کی فوبت آجاتی ہے وہی جان کی تقدیر جان جاتا ہے اب اس راتہ کا اور اس حادثہ کا جب خیال آ جاتا ہے تو بے ساختہ رو گئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عنایت تھی کہ اس نے دوبارہ زندگی عطا فرمائی اس کا شکر کس زبان سے ادا کروں۔

شکر کے دن تیسویں جاری اٹال کو میں سیر کرنے سوا ہوا۔ اٹھائے ماہ میں خیال کیا کہ ہمیشہ سے دل میں تو بے گلی نہت تھی اور غلات شرح فضل کرنے سے دل خوش نہ تھا میں نے کہا نے نفس اس

دورس از جلا سنا ہی خود را

پاک ساز او نہ بگستاخی خود را

اسی سوچ میں یہاں سے جا کر شیش شراب سے توبہ کی۔ فقر کی اور ملامتی صراحتیاں اور مجلس وغیرہ تمام سامان ہزم اسی وقت خاک کر ڈالا۔ مادی شراب چکھوادی اور اپنے دل کو پاک کر لیا۔ حق ہوا سامان عمارتوں اور استحقاق کو بابت دیا۔ سب سے پہلے میرے



ساتھ مستحق غنیمت کو اس نے دل سے مٹانے اور بھگنے میں بھی ساتھ دیا تھا۔ اس واقعہ میں خود دوسرے دن امرامہ صاحبہ نے اس  
اردو گول میں سے نظر اٹھائی۔ سر آدمیوں نے قرب کی اور شریب انشعادی بجا دوست کی لائی پہلی شریب میں ایک ڈولایا گیا کردہ مرکب جو  
ایک گڑھ کا شریب کی جوتیں اس میں لٹکھادی تھیں۔ میں نے حکم دیا کہ اس جگہ ایک حقیر نصب کر دیا جائے اور ایک ساتھی اس کے پاس  
میں چھپا دے۔ ۱۳۲۰ء میں گولید کی سیر سے جب میں اپنے کردہ کو پہرے سے سیکری یا قمر مکانہ تیار ہو گیا تھا۔ میں نے پہلے نیت کی تھی کہ  
راستہ گارہ چھپے فتح حاصل ہونے میں مسلمانوں سے حصول لینا معائنہ کروں گا۔ اٹانے تو میں محمد مدیان ولد شیخ زین نے یاد دلایا۔ یہ  
نے کہا خوب یاد دلایا اس وقت جو حکم میرے پاس ہے اس میں مسلمانوں سے حصول لینا معائنہ کر دیا۔ شیخوں کو حکم دیا کہ ان دونوں عظیم  
ہاتھوں کے شہنشاہ کے زواہن لکھو۔ شیخ زین کے زواہن کا مسودہ لکھا اور زمان تمام قلمرو میں بھیجے گئے۔

الحے امراء اور سردارانِ فوج ! سے

میں نے مل کا پیٹ دیکھا ہے وہ ضرور ایک دلِ تہی دیکھے گا۔ جو دنیا میں آیا ہے وہ یہاں سے جائے گا بھی۔  
بدنام ہو کر جینے سے نیک نام مرنے بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہ سعادت عطا کی ہے اور یہ دولت حمایتِ فرائی ہے کہ جو اس میں سرے سے شہید ہو کر جوار سے وہ غازی ہو۔ اب سب کو حلف کرنا چاہیے تاکہ کوئی اس صحت سے منہ نہ کھٹکے اور جب تک دم میں دم ہے اس لڑائی سے منہ نہ پھیرے ہار سے سردار۔ نوکر۔ چھوٹے بڑے سب نے قرآن شریفین امتوں پر لے کر اسی بات کا عہد کیا اور کہیں کہا میں یہ اسی تحریر جو ان میں سے سب یک جہت ہو گئے۔ اگلا زمانہ میں اور طرف بھی تھنے اور خدا دبر پا ہو گئے۔

میں نہ ٹھہرنے پاتے۔

پیر کے دن چھٹی تاریخ باغ میں جشن ہوا۔ اس کے بعد حکم دیا کہ ہندوستان کے نٹ اور بازی گر تماشے دکھائیں۔ ان لوگوں نے تماشے کرنے شروع کیے۔ ہندوستانی نٹ اور بازی گر بعض تماشے ایسے کرتے ہیں کہ ہماری ولایت والے نہیں کرتے۔ ان میں سے ایک تماشہ یہ ہے کہ اپنی پیشانی اور ران پر سات حلقے چپکتے ہیں۔ چار حلقے ہاتھ کی انگلیوں کے گرد چپکتے ہیں ان کے علاوہ چار حلقے اور لپٹے ہیں۔ ان میں سے دو کہ ہاتھ کی دو انگلیوں سے اور دو کہ پاؤں کی دو انگلیوں سے آہستہ چکر دیتے ہیں دوسرے مود چال کی طرح اپنا ایک ہاتھ زمین پر میکا الہ دوسرے ہاتھ سے اور دونوں پاؤں سے تین معلقوں کو جلدی جلدی چکر دیا میسر ہے کہ وہاں کے نٹ پاؤں کو باندھتے ہیں اور ان میں جو ہیں پاؤں سے چلتے ہیں یہاں کے نٹ پاؤں کو باندھتے نہیں۔ جو تھے یہ کہ اس ولایت کے ڈوٹوں میں سے ایک دوسرے کو کاندھے پر کھڑا کر کے چلتا ہے۔ ہندوستانی نٹ اس طرح تین چار کو معلق لے کر چلتا ہے۔ پانچویں یہ کہ نٹا گڑ کا ہنس ایک نٹ اپنی گرد کھڑک کر ہانس کو پکڑے ہوئے کھڑا رہتا ہے اور دوسرا اس پر قلائی کرتا ہے چھٹی یہ کہ چھوٹی عمر کا نٹ بڑی عمر کے نٹ کے سر پر کھڑا ہو جاتا ہے اور فدا نہیں جاتا ہے۔ اس کے بعد پاؤں کا ناچ ہوا۔ مغرب کے وقت تک جلسہ رہا بہت رومیہ بانٹا اور بڑا شوق دل رہا۔ مغرب اور غما کے بیچ میں چند مصاحبوں کا جلسہ ہوا۔ یہ جلسہ بہرہ میں زیادہ رہا۔

پیر کے دن پانچویں تاریخ بنگال اور بہار سے فارغ ہو کر دریائے سرود کے کنارے کے منزل سے کوئٹہ کی نواح میں جین اور شیخ بائزید کے فاد فرود کرنے کا مقصد کے کوچ کیا۔ دو منزل چل کے بدھ کے دن چتر موک ندی کے گھاٹ پر جو سکندر پور کے پاس ہے شکر فروکش ہوا۔ آج ہی ان شکر مہر کرنے لگے۔ ان حرام خوروں کی متواتر خبریں کہ وہ سرود سے پار جو کرکھنوں کی طرف گئے ہیں۔ انکا راستہ روکنے کے لیے ترک اور ہندوستانی سرودوں میں سے جلال الدین مشرقی، علی خاں فرہلی، نظام خاں سالہ، قریشی ایک، قربان چربی اور حسین خاں دریا خانی مقرر ہوئے۔ ان سروداروں کو جمعرات کے دن نصرت کیا۔ آج ہی رات کو تڑا دیچ ٹھوچھے تھے اور ایک پہر پر گھڑیاں گزری تھیں کہ دھونڈو کار براٹھا اور پلک داسنے جیامسی طوفانی آندھی چلی کشا یہ ہی کوئی غیر کھڑا رہ گیا ہو۔ میں اپنے پیسے میں میٹھا تھلکاب کے اجزا سیٹھے نیک کی نصرت ملی۔ نیمہ صبح پیش خانہ میرے سر پر آؤ دھیرہ کی رستوں وغیرہ کے معرٹے آؤ گئے۔ غدار نے مجھے ہلہال بچایا۔ کہیں چھپت تک نہیں آئی۔ کتاب کے اجزا بھیگ گئے تھے بڑی شکل سے میں نے سب کو میٹھا۔ منولات کے تو فوجی ہیٹ کہ کتاب کو میں نے ہیٹ کے نیچے رکھ لیا۔ دو راہ سے کبل لاڑھو دیا۔ دو گھڑی کے بعد طوفان فرو ہوا تو شے خانہ کا نیمہ کھڑا کر کے شمع روشن کہ اور بڑی وقت سے آگ سلگائی۔ صبح تک اچھ نہ لگی۔ کافروں کو سکھانے میں معروف رہا۔ جمعرات کو ہم دریا سے پار ہو گئے۔



## گاندھی

**خاندان** | گاندھی خاندان کے لوگ ذات کے بنیے ہیں اور ابتدا میں ہندو کی دکان کرتے تھے لیکن تین پشتوں یعنی میرے دہوا کے وقت سے وہ کاشیاواڑ کی قلعہ ریاستوں میں دیوان رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے یہ دارا اٹم چند گاندھی عرف آتما گاندھی اپنے اصل کے بڑے کہتے تھے۔ آتما گاندھی کی پہلی بیوی کا انتقال ہو گیا اور انہوں نے دوسری شادی کی۔ پہلی بیوی سے ان کے چار لڑکے تھے اور دوسری سے دو لڑکے۔ ان چھ بھائیوں میں تیسری داس گاندھی سب سے چھوٹے تھے اور ان سے بڑے کرم چند گاندھی عرف کبا گاندھی تھے۔ یہ دونوں بھائی آگے پیچھے پور بندہ کے دیوان رہے۔ کبا گاندھی میرے والد تھے۔ وہ راجستانی عدالت کے کلکٹر بھی تھے، وہ کچھ دن راجکوٹ میں دیوان رہے اور اس کے میں بھی۔ انہوں نے یکے بعد دیگرے چار شادیاں کیں۔ چوتھی بیوی سے ایک لڑکی اور تیس لڑکے ہوئے جن میں سب سے چھوٹا بیٹا؛ والدہ کے متعلق میرے حافظے میں سب سے گہرا نقش ان کی ولادت اور پریر گاندھی کا ہے وہ بڑی بچی دیندار تھیں اور ریاست کے معاملوں کے متعلق اچھی معلومات تھیں اور عمل کی خواتین ان کی ذہانت کو بہت مانتی تھیں۔

**ولادت** | میں ان دنوں باپ کے گھر ۲ اکتوبر ۱۸۶۹ء کو مقام پور بندہ پیدا ہوا۔ میرا بچپن کا زمانہ پور بندہ ہی میں گذرے۔ میرے والد کے میں مدد میں بٹھایا گیا تھا مجھے پانچ سالہ یا نو سالہ میں کسی قدر وقت ہوئی مجھے اس زمانے میں متعلق اس سے زیادہ کچھ یاد نہیں کہ میں دوسرے لڑکوں کے ساتھ اپنے استاد کو برا بھلا کہا کرتا تھا اس سے ظاہر ہے کہ یہ ذہن گندہ تھا اور حافظہ کمزور۔ میری عمر سات برس کی ہوئی کہ میرے والد راجستانی عدالت کے کلکٹر اور راجکوٹ چلے گئے وہاں میں ایک ابتدائی مدرسے میں داخل کیا گیا، میں بہت شرمیلہ تھا اور کسی سے ملنا جلتا نہ تھا۔ سوا میری کتابوں اور میرے کام کو کوئی برا نہیں نہ تھا۔ وہی اسکول میں پہلے سال امتحان کے وقت پر ایک واقعہ پیش آیا جو قابل ذکر ہے۔ سر جاسٹس اسپیکر اسکول سامنے کے لیے آئے تھے انہوں نے ہمیں بچے کی خشک کے لیے پانچ لفظ کھسکائے میں نے بچے فطرت سے اسامانہ مجھے اپنے بوٹ کی نوک سے ٹھکرا کر آگاہ کرنا چاہا مگر میں باخبر نہ ہوا۔ یہ بات کسی طرح میری سمجھ میں نہیں آ سکتی تھی کہ وہ چاہتے ہیں کہ میں اپنے ساتھی کی سیٹ سے بچے نقل کروں نتیجہ یہ ہوا کہ میرے سوا سب لڑکوں کے یہاں ہر لفظ کے بچے صبح نکلے ایک میں ہی یہ وقت ثابت ہوا۔

میں سبق یاد تو کرتا تھا لیکن بے دل سے۔ غرض جب سبق ہی جیسا چاہئے یاد نہ ہوتا تھا تو اور کتابوں کے پڑھنے کو زکری کیا ہے۔ مگر خدا جانے کیونکر میری نظر ایک کتاب پر پڑی یہ شرمناک کہ ہر جگہ جگہ کتابیں نہ آئے بے حد شوق سے پڑھا

اس زمانے میں ہماری یہاں سفری ناہک والے آئے، میں نے جو میں دیکھے ان میں سے ایک یہ تھا کہ ثرون اپنے کندھوں پر ایک پہن کر کے اپنے اندر سے ہاں باپ کو مارتا کے لیے لے جا رہا ہے یہ کتاب اور منظر میرے دل پر ایسے نقش ہو گئے کہ مٹائے نہ سکتے میں نے اپنے دل میں کہا دیکھ یہ مثل ہے جس کی تجھے تقلید کرنا چاہیے۔ اسی قسم کا واقعہ ایک اور ناہک کا ہے، اپنے والد کی اجازت سے میں ایک ناہک کپتی کو تاشا دیکھنے گیا۔ اس تاشے "ہریش چندر" نے میرے دل کو موہ لیا میں اسے بار بار دیکھتا تھا اور نہ تھکتا تھا۔ سب لوگ ہریش چندر کی طرح سچے کیوں نہ ہو جائیں۔ یہ سوال میں اپنے دل میں دن رات کیا کرتا تھا۔ حتیٰ کی پیروی کرنا اور سب کچھ سنا۔ بس یہی ایک نصب العین تھا جس کی لگی اس تاشے نے میرے دل کو لگا دی تھی۔

**شادی** میرا اور وہ تک فرض ہے کہ اپنی شادی کا بیان کر رہی ہوں جس کی عمر میں ہوتی تھی جب میں اس عمر کے لڑکوں کو دیکھتا ہوں جو میری نگاہ میں ہیں تو مجھے اپنے اوپر افسوس ہوتا ہے اور دل چاہتا ہے کہ انہیں سہارک ہاؤ دوں۔ میری سنگنی تین ہاڑیوں کا حکم مجھے مطلقاً خبر نہیں کہ یہ کب ہوا۔ مجھ سے صرف اتنا کہا گیا کہ دو لڑکیاں جو میرے لیے پسند کی گئی تھیں مر گئیں۔ میرے نزدیک اس کی اہمیت میں اتنی تھی کہ اچھے اچھے پہننے میں آئیں گے، ڈھونڈ بچے گی، ہارات نکلے گی اور وہ کھائے نہیں گئے اور ایک اجنبی لڑکی ساتھ کھینے کر لے گی۔

جب میری شادی ہوئی اس زمانے میں چھوٹے چھوٹے رسالے ایک پیسہ یا ایک پائی کو بکا کرتے تھے جن میں بوی ہاں کی محبت، کفایت شکاری، سپہن کی شادی اور اسی قسم کی اور باتوں پر بحث ہوتی تھی جب مجھے کوئی اس قسم کا رسالہ ملتا تو میں شروع سے آخر تک پڑھتا تھا اور میری عادت تھی کہ جو بات پسند نہ آتی اسے بھول جاتا اور جو پسند آتی اس پر عمل کرتا ان رسالوں میں شوہر کا یہ فرض بتایا گیا تھا کہ عمر بھر بوی کو دغاوارہ رہے اور یہ بات ہمیشہ کے لیے میرے دل پر نقش ہو گئی اس کے علاوہ حق کا عشق میرے غیر میں تھا اور یہ کسی طرح ممکن نہ تھا کہ میں اپنی بوی کو دھوکا دوں مگر اس دغاواری کے سبق کا ایک بُرا نتیجہ بھی ہوا، میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر میں اپنی بوی سے دغا دہی کرنے کا پابند ہوں تو انہیں بھی اس کا پابند ہونا چاہیے کہ مجھ سے دغا دہی کریں اسی خیال نے مجھے جگمگ شہر بنا دیا۔ مجھے اپنی بوی کی پاک دامنی پر شبہ کرنے کی مطلق کوئی وجہ نہ تھی لیکن بدگمانی وجہ اور سبب کی پابند نہیں ہیں ہمیشہ ان کی حرکات و سکنات کی نگاہی کیا کرتا اس نے ہمارے آپس میں سخت نزاع کا بیج بو دیا۔

میں کہہ چکا ہوں کہ میں نے اس میں میری شادی ہوئی میں اسکوئی میں پڑھتا تھا، میری پٹھالی جاری رہی۔ ہائی اسکول میں ہیں کون نہیں سمجھا جاتا تھا۔ میرے استادوں کو ہمیشہ مجھ سے محبت رہی، مجھے کبھی خواب سرٹیکٹ نہیں ملا بلکہ دوسرا ادھر پاس کرنے کے بعد میں نے انعام لے لیا۔ میں کسی دندش یا کرکٹ فٹ بال میں ان کے ملازم ہونے سے پہلے کبھی شریک نہیں ہوا تھا۔ اس بیلنگ کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ میں جینینا تھا مگر دندش میں شریک نہ ہونے سے میری محنت کو کوئی نقصان نہیں پہنچا اس کی وجہ یہ تھی کہ میں نے کتابوں میں کئی ہوا میں ٹپنے کے فوائد پڑھے تھے اور یہ ہدایت مجھے پسند آئی تھی اس لیے میں نے قبلے کی بات اٹھائی تھی جو اب تک ہے پابندی سے ٹپنے کی وجہ سے میرا جسم خالصاً مضبوط ہو گیا۔

**نفلت کی سزا** دندش میں نفلت کرنے سے تو مجھے کوئی نقصان نہیں ہوا لیکن ایک دند نفلت کی سزا میں اب تک

میں خدا جانے میرے دماغ میں یہ خیال کہاں سے آگیا کہ خدا چاہتا تھا کہ کوئی ضروری چیز نہیں۔ آگے چل کر خصوصاً  
 لہجہ لڑائی میں جب میں نے وہاں کے دیکھیں اور خاص وہاں کے دہنے والے زعفران کا خرما دیکھا تو مجھے بڑی غم آئی اور  
 غفلت پر بہت پکھتایا مجھے معلوم ہو گیا کہ بڑے خدا کو خاص تعلیم کی علامت سمجھا چاہیے۔ میں نے اپنا خط درست کرنے کی انتہائی  
 شش کی لیکن وقت گزر چکا تھا، لڑکپن کی غفلت کی کبھی تلافی نہ ہو سکی۔

وہاں اسکول میں ہی لڑکیوں سے مجھ سے مختلف اوقات میں دوستی رہی اب میں سے دو کبھی دوست کے جا چکے ہیں اب ایک سے  
 ی دوستی زوردار نہیں رہی میں نے اسے نہیں چھوڑا بلکہ اس نے مجھے چھوڑ دیا۔ دوسری دوستی کریں اپنی زندگی کا ایک لڑکے کا واقعہ  
 تھا وہاں میرا بڑا رفیق اصل میں میرے منجھے بھائی کا دوست تھا۔ ہم دونوں میری ملاقات اس دوست سے ہوئی راج کوٹ میں ریٹائرڈ  
 ڈائریکٹر اس نے مجھے بتایا کہ ہماری بہت سے استلو چھپ کر شرب اور گشت کا استعمال کرتے ہیں۔ اس نے کہا ہماری کم  
 انت نہیں کھا تھا اس لیے کھ رہے۔ انگریز لوگ گشت کھاتے ہیں اسی لیے وہ ہم پر حکومت کرنے کے قابل ہیں، تم جانتے ہو میں  
 صاحبزادہ ہوں اور کتنا تیز دوڑتا ہوں اس کا سبب یہی ہے کہ میری غذا گشت ہے۔ وہ کہتا تھا کہ میں زندہ سانپ پر ہاتھ رکھ سکتا  
 ہوں، چروٹ کا مقابلہ کر سکتا ہوں اور جھوڑی کا قاتل ہی نہیں ہوں، سب گشت کھانے کی برکت ہے۔ اب سب باتوں کا مجھ پر کافی  
 پڑا، میں نے جتنا ڈال دینے مجھے رفتہ رفتہ یقین ہونے لگا کہ گشت کھانا اچھا ہے اس سے مجھ میں قوت اور جرأت پیدا ہو  
 گئی اور اگر سارا ملک گشت کھانے لگے تو انگریز مغلوب ہو جائیں گے۔ میں چاہتا تھا کہ میں قوی اور پھلدار ہو جاؤں اور میرے  
 میں کے لوگ بھی ایسے ہی ہو جائیں تاکہ ہم انگریزوں کو شکست دیں اور ہندوستان کو آزاد کرالیں۔ آخر کار وہ دن آگیا، ہم نے دنیا کے  
 مارے ہا کر ایک گشتہ تباہی ڈھونڈا اور میں نے اپنی عمر میں پہلی بار گشت دیکھا۔۔۔ مجھ سے کسی طرح نہیں کیا جاتا تھا مجھے نے ہر  
 ی اور کھانا چھوڑ کر اٹھا پڑا۔ اس کے بعد کی راست بڑی بڑی طرح گشتی مجھے بڑا ہونک خواب نظر آیا جب آنکھ گمتی تو ایسا معلوم ہوتا  
 کہ زندہ بکری میرے پیٹ کے اندر دیا رہی ہے اور میں گھبرا کر اچھل پڑتا تھا مگر میں اپنے دل کو سمجھاتا تھا کہ گشت کا کھانا فرض ہے  
 اس سے مجھے کچھ تسکین ہو جاتی تھی۔ کھانا کھانے کے لیے اب ہمیں دیا کے کنارے سنی جگہ ڈھونڈنے کی ضرورت نہ تھی بلکہ  
 راست کے ایک کھن میں کھاتے تھے۔ میرے دوست نے وہاں کے بڑے بھرپی سے ساز باز کر کے یہ انتظام کیا تھا۔ میں نے  
 اپنے دل میں سوچا "اگرچہ گشت کھانا بہت ضروری ہے اور یہ بھی سمیت ضروری ہے کہ ملک میں غذا کی اصلاح کی جائے لیکن اپنے  
 باپ کو دھوکا دینا گشت کھانے سے بھی بدتر ہے جب تک وہ زندہ ہیں گشت کھانا ملے نہیں اس فیصلے  
 اطلاع میں نے اپنے دوست کو کر دی اس دن سے آج تک میں نے کبھی گشت نہ کھلا۔

شرم اور ہمدردی | میرے والد ناصر میں مبتلا اور صاحب فراش تھے زیادہ تر میری والدہ، گھر کا ایک پھانا لڑکے اور میں اس کی خدمت  
 کرتے تھے۔ اسی زمانے میں میری بڑی کے بچے برنے ملا تھا۔ اور میرے والد کی طبیعت بظاہر خوب  
 لگتی جاتی تھی۔ آخر وہ خزانہ رات آگئی میرے چچا اس دن راج کوٹ ہی میں تھے مجھے خفیہ سا خیال ہے کہ وہ بڑی غرضی کر  
 میرے والد کی طبیعت گرتی جاتی ہے راج کوٹ آئے تھے۔ کئی ساڑھے دس یا گیارہ کا وقت تھا۔ میں پریر دبا رہا تھا میرے چچا

نے کہا اب تم جاؤ میں جاتا ہوں۔ میں خوش ہوا، میدھا سونے کے کمرے میں پہنچا، میری بیوی بے چاری غافل سو رہی تھی مگر کھلا جب میں بٹکا گیا تو وہ کب سونے پائی تھیں میں نے انہیں جگا دیا۔ ابھی پانچ چھ منٹ ہوئے ہوں گے کہ کوکر نے دروازے پر دستک دی میں ڈر سے چمک پڑا۔ آنرہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ میرا دل شرم اور رعب سے معمور تھا۔

**اہمسا کا سبق** | میں دیشنواں باپ کے یہاں پیدا ہوا اس لیے مجھے اکثر جو بی جانا پڑتا تھا لیکن یہ مند میرے دل کو نہیں گتا تھا۔ اسی زمانے میں میرے ایک رشتے کے بھائی نے جو رامائن پر بڑا گہرا عقیدہ رکھتے تھے میرے ادمیرے بھائی کے لیے رام رکشا سیکھنے کا انتظام کیا ہم نے اسے زبانی یاد کر لیا میں تو اسے ایک مذہب اس لیے پڑھتا تھا کہ مجھے رام رکشا صحیح تحفظ سے ادا کرنے پر گہمند تھا۔ جس چیز نے میرے دل پر گہرا اثر کیا وہ رامائن کی تلاوت تھی جو والد صاحب کے سامنے ہوا کرتی تھی۔ راج کوٹ میں یہ فائدہ ضرور ہوا کہ مجھے اہماد ہی سے ہندو مذہب کی تمام شاخوں اور دوسرے مذہبوں کے ساتھ رواداری ہونے کی تربیت ملی۔ میرے والد کے پاس جین سادھو بھی آیا کرتے تھے وہ میرے والد سے دینی اور دنیوی مرصعات پگھلوا کر لیا کرتے تھے اس کے علاوہ ان کے مسلمان اور پارسی دوست بھی تھے جو ان سے اپنے اپنے مذہب کی باتیں کیا کرتے تھے اور یہ ہمیشہ لب سے اور اکثر دلچسپی سے سنا کرتے تھے میں ان کا تیمار دار تھا اس نے مجھے اکثر یہ باتیں سننے کا موقع ملتا تھا ان سب توں نے مل کر مجھے سب مذہبوں سے رواداری کرنا سکھایا۔ لیکن میرے دوسرے مذہبوں سے رواداری کرنے کے یہ معنی نہیں تھے کہ میں خدا پر مینا جاگتا عقیدہ رکھتا تھا۔ اس زمانے میں میری نظر سے نور مرقی گذری جو میرے والد کے کتب خانے میں تھی۔ اس میں تخلیق و اسی قسم کے دوسرے مسائل کا ذکر پڑھ کر میں زیادہ متاثر نہیں ہوا بلکہ اس کے برعکس میرا رجحان دہریت کی طرف ہو گیا۔ بہر حال نور مرقی سے مجھے اس زمانے میں "اہمسا" کا سبق نہیں ملا، میں اپنے گوشت کھانے کا قصہ بیان کر چکا ہوں نور مرقی سے بظاہر اس مل کی تائید ہوتی تھی۔

**تعلیم** | میں نے بیڑک کا امتحان ۱۸۸۷ء میں پاس کیا۔ میرے بزرگ چاہتے تھے کہ میں میڑک پاس کرنے کے بعد کالج میں پڑھوں، کالج جاکر میں تھا، میں نے طے کیا کہ وہاں جا کر کالج میں داخل ہو جاؤں جانے کو تو میں چلا گیا۔ لیکن ہاں پہنچ کر میرے حواس جلتے رہے۔ ہر چیز میرے لیے مشکل تھی، پہلی رزم ختم ہوتے ہی میں گھر چلا آیا۔

لوہی ویر ایک عالم اہماد افندہ بھی ادمہاسے خاندان کے قدیم دوست ادمہاسے وہ میری تعظیم کے زمانے میں ایک دن آئے اور والدہ اور بڑے بھائی سے باتیں کرنے لگے۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ میں سال دس کالج میں پڑھتا ہوں تو انہوں نے کہا کہ میری پائے اس کے کہیں بہتر ہے کہ تم اسے انگلستان بھیج دو۔ میرا بیٹا کیرل رام کہتا ہے کہ بیڑ مڑی کا امتحان بہت سہل ہے تین سال میں یہ پٹ آئے گا۔ خیر بھی زیادہ نہ ہوگا۔ میری ماں سے خطاب ہو کر انہوں نے کہا جو بات میں نے کہی ہے بہرانی سے اس پر غور کیجیے۔ بکلی میں یہیں آؤں گا تو امید ہے کہ انٹرنل کی تیل میں جو رہی ہوگی۔ میرے بڑے بھائی بہت متکبر تھے کہ مجھے انگلستان بھیجے بے مصاف کہیں سے آئیں یہ تردد بھی تھا کہ میرے جیسے کسی لڑکے کو پھیس بھیجنا مناسب ہے یا نہیں ادمہاسے والدہ و جیسب شش و پنج میں تھیں۔ بہارجی سواری علی جوشی جی کی طرح ہمادے خاندان کے مشیر تھے انہوں نے میری مدد کی۔ مجھ سے تم کھلوانی

اور یہ جہد کیا کہ میں شراب، عورت اور گوشت کو اتھ نہ لگائوں گا جب یہ ہوگا تو میری ماں نے جانے کی اجازت دے دی۔ میں خوشی خوشی مبینی روانہ ہوا اور خدا خدا کر کے ۴ ستمبر کو ممبئی سے روانہ ہوئے۔ ہم کسٹن پینچ گئے، میں نے دیکھا کہ سب نے اپنا اپنا سامان بیچ کنبیوں کے گرنڈلے کپنی کے بیک اینجٹ کے سپرد کر دیا اس لئے میں نے بھی یہی کیا۔

جیسے ہی اسباب آیا ہم نے ہوٹل کابل اور ان کو اس کو اس میں اٹھ گئے جو سندھی دوست نے ہمارے لیے کرائے پر لیے تھے۔ مجھے اپنا گھر اور اپنا ملک بہت یاد آتا تھا۔ ماں کی محبت کا خیال دم بھر دل سے جدا نہیں ہوتا تھا۔ میں انگریزی آداب و رسوم کے معاملے میں بالکل مبتدی تھا، پھر ترکاوی کے سوا کچھ نہ کھانے کا جہد ایک اور مصیبت تھی۔ انجلی میری باقادر و صالحہ کی بہن تھیں، ہوتی تھیں ابستہ نے ملال ہی میں شکل جی کے کہنے سے اخبار پڑھنا شروع کیا تھا۔ میں نے سوچا کہ ممبئی کے بٹے ہوئے کپڑے جو میں پہنے ہوں انگلستان کی سوسائٹی کے قابل نہیں ہیں اس لیے میں نے آرمی اینڈ نیوی کی کوٹھی سے نئے کپڑے خرید لیے، دس پونڈ ضائع کر کے ایک اینٹک سوٹ بنوایا مگر ان سب باتوں کے باوجود بھی "جینٹل مین" بننے میں ایک کسر تھی اس لیے میں نے دوسری چیزوں کی طرف توجہ کی، میں نے طے کیا کہ ایک رقامی کلاس میں اپنا سیکھوں گا تین ہفتے میں کوئی چھ بار کلاس گیا لیکن یہ سیرے بس کی بات نہ تھی کہ جسم کی حرکت میں موزونیت پیدا کروں۔

**نباتاتی انجمن** | میں نے فیصلہ کیا کہ انگلستان کے لے کر رہوں اور اپنے کام کے معاملہ سے تبدیل مقام کرنا نہیں تاکہ کفایت بھی ہو اور تجربہ بھی بڑھے کموں کا انتخاب میں اس طرح کرتا تھا کہ جہاں مجھے کام کرنا ہو وہاں پیدل چل کر آؤ گئے میں پہنچ جایا کروں۔ غرض میں نے دو کمرے کرائے لیے۔ میں نے کوشش کی کہ اپنی زندگی کو اور سادہ بنائوں مجھے یہ احساس تھا کہ میری زندگی کا میاں ابھی تک میرے خاندانی کی محدود آمدنی کی نسبت سے اونچے ہے۔ یقیناً وہ کموں کی بجائے ایک کمرے سے کام چلا سکتا ہیں اور وہ ایک وقت کا کھانا کھر پکا سکتا ہوں میں نے سادہ زندگی کے متعلق بعض کتابیں بھی پڑھیں۔ اس تبدیلی کی بدولت میری بیرونی اور اندرونی زندگی میں ہم آہنگی پیدا ہو گئی، میری زندگی زیادہ سچی بن گئی اور میری روحانی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔

انگلستان میں ایک نباتاتی انجمن تھی جس کا ایک ہفتہ وار اخبار نکلتا تھا، میں اس اخبار کا خریدار اور انجمن کا رکن ہو گیا اور ہفتہ وارے ہی دن میں اس کی مجلس اختلاسیہ میں شامل کر دیا گیا مگر مجلسوں میں ہمیشہ خاموش بیٹھا رہتا تھا۔ جب تک میں انگلستان میں رہا مجھ میں یہ عجب باقی رہا مگر میں کسی سے منہ بھی جاتا اور وہاں پہنچ چھ آدمی موجود ہوتے تو میری زبان نہ کھلتی تھی۔ جنہی افریقہ پہنچ کر میرا عجب کچھ کم ہوا۔

میں نے اب تک اس چیز کا ذکر نہیں کیا ہے جس کے لیے میں انگلستان گیا تھا یعنی برسرِ سیاحت کا امتحان۔ اس کا بھی مقصد حاصل نہیں کروا سکا بلکہ برسرِ بننے کے لیے دو شرطیں پوری کرنا پڑتی تھیں یعنی تین سال کی عارضی اور استقامتی میں کامیابی۔ نصب تعلیم بہت سہل تھا ہر شخص جانتا تھا کہ امتحان کی کوئی وقت نہیں ہے میرے نام نے دو امتحان ہوتے تھے ایک دہلی قافلہ میں اور ایک عام قانونی میں ان کے لیے باقاعدہ کتابیں مقرر تھیں جو میں آگ کرنا دار کے امتحان دے سکتے تھے مگر شاید ہی کوئی شخص ان کتابیں کو پڑھتا جو بہت سے لوگوں نے صرف ملاحظہ اور شرح پڑھ کر دہلی قافلہ کا امتحان دے دیتے تھے۔ اور عام قانون کا ہر تہیہ میں میں پاس کر لیا لیکن میں نے اپنے لیے دشواری پیدا کر لی لی۔ میں اپنا فرض سمجھتا تھا کہ میں ملری دہلی کتابیں پڑھوں میرے لیے کتابوں کو نہ پڑھنا ناہنجاری

تھی۔ میں نے ان کے خریدنے میں بہت مدد دینا شروع کر دی تھی تاہم وہ اپنے لیے کیا کر رہی تھیں اس بارے میں مجھے کوئی اطلاع نہ تھی۔ جبکہ زمینیں ایک خاص نامی ملک کی پرنسپل اور ۱۰-۱۸ کچے بیرسٹری کی سند ملی «جی اے ایم ایف» کی طرف سے حاصل ہوئی جو کہ ۱۳ جون کو ہندوستان روانہ ہو گیا لیکن باوجود تقسیم عزم کرنے کے مجھ پر خوف اور مایوسی طاری تھی۔ بیرسٹر جونا سہیل تھا مگر بیرسٹری کرواد شوار۔ علاوہ اس کے میں نے ہندوستان کا قانون بالکل نہیں پڑھا تھا مجھے بعضی دعویٰ تک لکھنا آتا تھا۔ غرض دل میں مایوسی کے ساتھ خفیہ سی امید لیے ہوئے میں «اسام» نامی جہاز سے ساحل بمبئی پر اترا۔

**پاک دیا میں آستان** | میری برلاوی کے لوگوں میں میرے پردیس کے سفر کے سبب سے اب تک پہلے ہی ہوئی تھی اس مسئلے نے برلاوی کو دو فرقوں میں تقسیم کر دیا جن میں سے ایک نے مجھے فدا پھر سے ذات میں شامل کر دیا مگر دوسرا میرے اخراج پر اڑا ہوا تھا۔ پہلے ذہنی کو خوش کرنے کے لیے میرے بھائی مجھے راج کوٹ لے جانے سے پہلے پاک دیا میں آستان کرانے نامک لے گئے۔

یہی ہے میرے تعلقات اب تک حسب دل خواہ نہیں تھے انگلستان کے قیام سے بھی میری ہجرت کی کی عادت دور نہیں ہوئی تھی۔  
میں ذرا سا بات میں بے جا شک اور چڑچڑے پن سے کام لیتا تھا میں نے طے کیا تھا کہ یہی کو چھٹا کھٹا سکھاؤں لیکن میری شہرت پرستی  
اس میں حائل ہوتی تھی۔

پہلا مقدمہ

درجہ کوٹ میں وکالت شروع کرنا اپنا معنی کرنا تھا۔ میری قابلیت ایک اچھے وکیل کے برابر تھی نہ قاضی اور فیس میں وہی کمزوری جانتا تھا۔ کون ایسا بیوقوف ہو کہ میرے پاس تانا بانستوں نے مشورہ دیا کہ کچھ دن کے لیے مسجد جانوں وہاں ہائی کورٹ کے کام کا تجربہ حاصل کروں میں نے ان کے مشورے پر عمل کیا اور وہی بیچا گیا۔ مسجد کے قیام کے زمانے میں ایک طرف زمین نے ہندوستانی قانون کا مطالعہ شروع کیا اور دوسری طرف فزائیات کے تجربے، ہندوستانی قانون سے میری بصیرت بہت گہرائی تھی۔ اس زمانے میں پہلی بار میرے پاس ایک عدالت کا مقدمہ آیا۔ یہ حاکم و حاکمہ تھا میں نے تیس روپے منادیا۔ میں وہ عدالت کا ایک طرف سے تھا اس نے میرا کام یہ تھا کہ عدالت کے گواہوں سے حرج لیں۔ میں کھڑا ہوا لیکن میرا دل بیٹھ گیا میرے سر میں چکر تھا اور معلوم ہوتا تھا کہ ساری عدالت گھوم رہی ہے۔ بیچ فیضاً ہنسنا ہو گا اور کیلن کر اس قماش سے لطف آیا ہو گا مگر مجھے کچھ نظر ہی نہیں آ رہا تھا۔ میں بیٹھ گیا اور میں نے مندر سے کہا کہ میں یہی نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد میں نے ایک کام لیا۔ وہ یہ کہ عرضداشت لکھنے کا تھا۔ میں نے سوچا کہ وہ دستوں کو دکھایا انہوں نے پسند کیا اس سے مجھے تعزیرا بہت اطمینان ہوا کہ میں عرضداشت لکھنے کی قابلیت رکھتا ہوں۔ مسجد میں چھ مہینے قیام کر کے میں دوبارہ ہندوستان کا مکمل دریا اور اعلیٰ عدالت آ کر اپنا دفتر قائم کیا۔ اب میرا کام خاصا پلنے تھا۔ میرا خرچ مٹی ترشی سے چل رہا تھا مگر وہی زمانے میں مجھے اپنی زندگی میں پہلی بار رقم ادھنے کا تجربہ ہوا۔

میرے بھائی اس جہانی راجہ صاحب پر ہند کے تخت نشین ہونے سے پہلے ان کے سیکریٹری اور شیہ رہے تھے ابھی ان پر انعام  
تھا کہ انہوں نے اپنی طاعت کے زمانے میں عروج کو فطرت مشورہ دیا تھا، معاملہ پرنسپل ایجنٹ تک پہنچا میں ان صاحب سے انجینئرس  
کو چکا تھا کہ وہ ان کا ہتھکڑی سے خلاص کر دے تاہم یہ بھائی کا خیال تھا کہ مجھے پرنسپل ایجنٹ سے مل کر ان کی سادش کرنا چاہیے مجھے  
یہ بات ابھی پسند نہیں آئی مگر جبراً قبراً ایجنٹ کے پاس گیا۔ میں نے انہیں دینی واقفیت یاد دلانی۔ انہوں نے اس کا اقرار کیا لیکن اس



کے بارہ لے کر سے کھینچ گئے۔ میں نے اپنا ہاتھ کھینچ کر پلے۔ ساتھ بھائی بڑا غور سے آدمی ہے میں تم سے اس بارہ لے کر نہیں سنا چاہتا۔۔۔ یہ جواب کہانی تھا مگر میں اپنا لکھنا دیکھتا رہا۔ صاحب اللہ کھڑے ہوئے اور پلے بس اب تم یہاں سے چلے جاؤ۔ میں نے کہا۔ مگر میری پسلی بات تو سن لیجئے۔ یہ کہنا تھا کہ ان کا پادہ اور چڑھ گیا انہوں نے چپڑی کر بلا کر حکم دیا کہ مجھے دھانڈے کے باہر بیٹھا دے۔ میں ملال احمد کی شکستہ گھڑا باندھ بھائی سے بیان کیا انہیں بہت رنج و برا عکسہ عروسی تھے کہ مجھے کیڑا کر تلی دیں۔ میں اس قرین کو چپ چاپ پی گیا اور میں نے اس سے آئندہ کے لیے سبق بھی حاصل کیا۔

**سیٹھ عبدالکریم** | میں بہت پروردہ رہتا تھا اور میرے بھائی اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے۔ اس عرصے میں ایک عین نے جن کی دکان پور بند میں تھی میرے بھائی کو پیغام بھیجا کہ ہم جنوبی افریقہ میں تجارت کرتے ہیں وہاں ہمارا ایک بڑا مقصد ہے اگر آپ اپنے بھائی کو وہاں بھیج دیں تو ان کے لیے بھی اچھا ہے اور ہمارے لیے بھی۔ بھائی صاحب نے مجھے سیٹھ عبدالکریم سے طویا میں نے بغیر مدد مل کے شرطوں کے منظور کر لیا اور جنوبی افریقہ جانے کی تیاریوں میں لگ گیا۔ اپریل ۱۸۹۲ء میں میں جنوبی افریقہ روانہ ہو گیا اور مئی کے آخر میں شال پہنچا۔ میں دکان کی خدمات میں پہنچا یا گیا اور جس کمرے میں عبداللہ سیٹھ رہتے تھے اس کے برابر والے کمرے میں ٹھہرایا گیا۔ عبداللہ سیٹھ قریب قریب انہی چڑھ تھے عثمان کا تجربہ بہت وسیع تھا ان کی صحبت میں مجھے اسلام سے اچھی خاصی واقفیت ہو گئی۔ میرے آنے کے دوسرے یا تیسرے ہفتہ مجھے ڈبلی کی حالت دکھانے لے گئے وہاں کئی تو میں سے طویا اور اپنے وکیل کے پاس بٹھایا۔ مجھ پر یہ دیر تک گھونٹا رہا آخر میں اس نے مجھ سے کہا۔ ”چڑھ اتار ڈلو“ میں نے انکار کیا اور عدالت سے اٹھ کر چلا آیا۔ چڑھی اتارنے کے معنی یہ تھے کہ گڑا چپ چاپ ذلت سہلی اس لیے میں نے سوچا کہ اب ہندوستانی چڑھی کو خیر باد کہہ کر انگریزی سیٹھ استعمال کرنا چاہئے تاکہ ذلت نہ ہو مگر عبداللہ سیٹھ نے اس خیال کو ناپسند کیا۔ میں نے اجالا میں اس واقعے کا حال لکھا اور چڑھی باندھ کر عدالت میں جلنے کو جائز ثابت کیا۔

اور میں اپنے حلقہ حفاظت کو ترجیح کر رہا تھا اور ہمارا دکان کے نام وکیل کا خط لیا جس میں اطلاع ملی کہ اب مقدمے کی تبدیلی کرنے کا وقت ہے اور عبداللہ سیٹھ کو چاہئے کہ وہ خود پر ٹوریا جائیں یا اپنے کسی ناندے کو بھیجیں۔ عبداللہ سیٹھ نے مجھے یہ خط پڑھنے کو دیا اور مجھ سے پوچھا کہ تم پر ٹوریا جاؤ گے میں نے کہا یہ میں اس وقت کہہ سکتا ہوں جب آپ سے مقدمہ سمجھوں اس پر انہوں نے عرض کر دیا کہ حکم دیا کہ مجھے مقدمہ سمجھائیں۔ ڈرہی آنے کے ساتھی آٹھویں دلو میں وہاں سے روانہ ہو گیا۔ اس ناندے میں چالیس ٹونہ اور جو انیسرگ کے درمیان ریل زحقی جگہ تکرم ملتی تھی تمام کو آٹھ بجے گاڑی پر ٹوریا پہنچی۔

**سہلی تقریر** | سیٹھ حنیب حاجی صاحب محمدی پر ٹوریا میں مدعی حیثیت تھا جو شال میں دانا عبداللہ کی تھی۔ کوئی عام محکم بغیر میں کے نہیں جس کو تھی۔ میں نے پہلے ہی بتائے ان سے واقفیت پیدا کر لی میں نے فخر و شہرت کی خاطر ان کے ہندوستانی باشندوں کے حالات کا جائزہ لیا اور ان سے مدد چاہی انہوں نے بڑی خوشی سے مدد دینے کا وعدہ کیا میں نے سوچا کہ پہلو قدم یوں اٹھاؤں کہ پر ٹوریا کے صلے میں ہندوستانیوں کا جلسہ کر کے ایک تقریر کہوں جس سے انہیں یہ اذیت ہو کہ انہوں نے اس کا کیا حال ہے یہ جلسہ سیٹھ حاجی محمد کے یہاں ہوا اس میں زیادہ تر کہیں تھے مگر آکا دانا ہندو بھی نظر آتے تھے۔ پر ٹوریا میں ہندوؤں کی تبدیلی بہت

کم قحی میں نے اس جلسے میں جو تقریر کی وہ ہماری عمر میں میری پہلی تقریر کہی جاسکتی ہے میں نے تاجروں کے دل میں ان کے دہرے فرو احساس کو ابھارا میں نے کہا کہ فرنگ میں وہ کر ہم پر سچائی کی ذمہ داری اور طبع جاتی ہے کیونکہ یہاں کے لوگ ہم چند ہندوستانیوں کو دیکھ کر ہم وطنوں کی سیرت کا اندازہ کریں گے۔ میں نے انہیں اس بات کی طرف توجہ دلائی اور زور دیا کہ ہندو مسلمان، پارسی، عیسائی، گجراتی، گجراتی، ویرو کا امتیاز مٹا دینا چاہیے۔ میں جلسے کے نتیجے سے مطمئن تھا جہاں تک مجھے یاد ہے یہ طے ہوا کہ اس قسم کے جلسے بیٹن میں ایک کریں۔ یہ جلسے کم و بیش پابندی سے ہوتے تھے۔

اب میں نے مناسب سمجھا کہ مسٹر جیکوٹس ڈی ویٹ سے جریدہ برطانوی ایجنٹ تھے مل انہیں ہندوستانیوں سے ہمدردی ان کا اثر بہت کم تھا بہر حال وہ اس پر ماضی ہو گئے کہ جہاں تک ہو سکے گا ہماری مدد کریں گے اور مجھے دولت دی کہ جب ضرورت ہو تو آکر مل لیا کرو۔ ایجنٹ نے مجھے کچھ کاغذات دکھائے طیب سیٹھ نے بھی مجھے اس قسم کے کاغذات دیئے تھے ان سے مجھے سمجھا کہ ہندوستانی کس پر سی سے ایرینج فری اسٹیٹ سے نکالے جا رہے ہیں۔ پریٹو کیا کے قیام سے مجھے یہ موقع ملا کہ ٹرانسوال اور فری اسٹیٹ کے ہندوستانیوں کی سماجی، معاشی اور سیاسی حالت کا گہرا مطالعہ کروں یہاں ٹرانسوال اور ایرینج فری اسٹیٹ کے ہندو کی حالت تفصیل سے بیان کرنے کا موقع نہیں ہو گا اس سے پوری طرح واقف ہونا چاہتے ہیں وہ میری کتاب ”جنوبی افریقہ کے سب کی تاریخ“ پڑھیں۔

اس طرح مجھے فرآباد ہندوستانیوں کی مشکلات کا اندازہ کرنے کا موقع ملا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ جنوبی افریقہ کسی خوددار ہندوستانیوں کے لئے ایک جگہ نہیں تھی وہاں رات اسی فکر میں غماں دہریاں رہنے لگا کہ اس حالت میں اصلاح کرنے کی کیا صورت ہے۔ پریٹو یہاں سال کا قیام میری زندگی میں سب سے زیادہ قابل قدر تجربہ تھا یہیں مجھے قومی خدمت کے طریقے سیکھنے کا موقع ملا۔

اب متحدرے ہو چکا تھا اور مجھے پریقویا میں ٹھہرنے کی کوئی وجہ نہ تھی اس لیے میں ڈوبی واپس آیا اور وطن جانے کی کوشش کرنے لگا مگر جلا جلائیہ سیٹھ مجھے بغیر رخصتی جلسے کے کب جانے دیتے انہوں نے مجھے رخصت کرنے کے لیے سا میں جلسہ منعقد کیا۔ ہم لوگ وہاں ہی بھر رہے کے ارادے سے گئے میں جیسا کچھ اخبارات کی مدد کر دیا تھا کہ اتفاق سے ایک

کے ایک کونے میں میری نظر ایک پیرا گراف پر پڑی جس کا عنوان تھا ”ہندوستانیوں کو ووٹ کا حق“ یہ اس مسودہ قانون کے متعلق تھا جو ان قانون ساز میں پیش تھا اور جس میں یہ تجویز تھی کہ ہندوستانی نال کی مجلس قانون ساز کے رکن منتخب کرنے کے حق سے محروم کر دیئے جائیں نے جلا جلائیہ سیٹھ سے اس کے متعلق پوچھا انہوں نے کہا جلا جلائیہ ہم لوگ ان حالات کو کیا جائیں... میں نے جلا جلائیہ سیٹھ سے صرف اتنی بات کہی کہ اگر مسودہ پاس ہو کر قانون بن گیا تو ہماری زندگی دشوار ہو جائے گی یہ ہمارے لیے موت کا پیغام ہے اور یہاں اس گھٹک کو فوراً سے روک دینا چاہیے میں نے کہا کہ آپ اپنا جلا جلائیہ منسوخ کر لیں اور یہاں ایک بینہ اور ٹھہریں ہم آپ کی ہدایت کے مطابق اس سب کے سب مل لیں گے۔ بالکل ٹھیک ہے بالکل ٹھیک ہے جلا جلائیہ سیٹھ آپ کا دھی بھلا کو ہرگز جانے دیکھنے نہ اس طرح خدا نے میری جنوبی افریقہ کی زندگی کی بنیاد ڈالی اور اس طرح کا بیج بڑا جو قوی خود مدی کی حفاظت کے لیے پڑی گئی۔

سیٹھ جی محمد حامی دلا ۱۸۹۲ء میں شمال کے ہندوستانیوں کے ممتاز ترین رہنما کچھ جاتے تھے۔ دولت کے اعتبار سے سیٹھ

جلد ششمی آدم سب سے بڑے ہوتے تھے لیکن چک معاملات میں وہ اور دوسرے لوگ میٹر مانی ٹھہری کو اپنا سر طرانتے تھے اس لیے ان کی صداقت میں ایک جلسہ میٹر جہانڈ کے ٹھہر رہا جس میں یہ لے گیا کہ مسودہ قانون حق دے دہندگی کی مخالفت کی جائے۔ چنانچہ رضا کار بھرتی کیے گئے۔ جلسے میں وہ ہندوستانی بھی جیسے گئے جو مثال میں پیدا ہوئے تھے۔ جن میں اکثر فوجی جہانی تھے۔ سب سے پہلے کام میں نہ لے گیا کہ مجلس قانون ساز کے صدر کے نام ۲۰ دیکھا کہ جہانی کے اس مسودے پر مزید بحث متوی کر دیجئے اسی قسم کا تذکرہ پر قائم کر دیا گیا۔ صدر نے فوراً جواب دیا کہ بحث دو دن کے لیے ملتوی کر دی گئی اس لیے ہم لوگ کر رہی فوجی ہوئی۔

**دس ہزار دستخط** اس تحریک کے جوش و خروش نے مثال کے ہندوستانیوں میں ایک نئی روح بھونک دی اور انہیں یقین دلا دیا کہ ان کی جماعت ایک متحدہ جماعت ہے اسی زمانے میں لاڈلہ پٹیا کے وزیر آزادیات تھے ہم نے فیصلہ کیا کہ ان کو ایک عرضداشت بھیجی جائے جس پر ہزاروں آدمیوں کے دستخط ہوں۔ میں نے اس عرضداشت کے تیار کرنے میں بڑی محنت کی اس شخص پر جتنا سوال کر سکتا تھا سب کا مطالعہ کیا۔ دوپہٹے کے اندر دس ہزار دستخط کئے گئے، دو فراسٹ بھیجی گئی۔ گشت کرانے اور تقسیم کرانے کے لیے اس کی ایک ہزار پھیاں چھپائی گئی تھیں اس کے ذریعہ ہندوستانی کے لوگوں کو پہلی بار مثال کے مصلحت معلوم ہوئے میں نے اس کی کاپیاں ہندوستانی کے سب اخباروں اور سیاسی شخصوں ٹھاروں کو جن سے میں واقف تھا بھیجیں۔ مائٹز آف انڈیا نے اس عرضداشت پر ایک مفاد افشاہ لکھا جس میں ہندوستانیوں کے مطالبات کی تعداد تائید کی ہم نے انگلستان کی مختلف پارٹیوں کے اخباروں کو بھی اس کی کاپیاں بھیجیں لندن ٹائمز نے بھی ہمارا تائید کی۔

اب میرے لیے مثال سے جانا ٹھیک نہ تھا۔ ہندوستانی دوستوں نے مجھے گھر لیا اور میرے پیچھے پڑ گئے کہ وہاں مستقل قیام کروں۔ ہندوستانیوں کو ووٹ کے حق سے محروم کرنے والے قانون کے خلاف محسن مرض داشت بھیج دینا کافی نہ تھا وزیر آزادیات کو متاثر کرنے کے لیے اس کی ضرورت تھی کہ لوگوں میں جوش پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔ یہ قرار پایا کہ اس مقصد کے لیے ایک مستقل ادارہ بننا چاہئے میں نے میٹر جہانڈ اور دوسرے دوستوں کے مشورے سے ایک مستقل انجمن قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ میں بڑے شش در شش میں تھا کہ انجمن کا نام کیا رکھا جائے اسے نام کی ضرورت تھی جس کا تعلق کسی خاص پارٹی سے نہیں بلکہ سارے ہندوستانیوں سے ظاہر کرتا ہو اس لیے میں نے مفصلہ رائل کے ساتھ یہ تحریر کی کہ اس کا نام مثال انڈیا ٹھہری رکھا جائے اس طرح ۱۲ مئی کو یہ انجمن وجود میں آئی۔ سدی جہانڈ کا تجربہ ہوا کہ جنرل فرنیہ میں ہندوستانیوں کے بہت سے دوست پیدا ہو گئے اور ہندوستانی کی سب پارٹیوں کو اس مسئلے سے جہادی اور پس پی ہو گئی اس کے علاوہ خود افریقہ کے ہندوستانیوں کو ایک میٹز راہ عمل نظر آنے لگی۔

۱۹۴۸ء میں حکومت مثال نے ارادہ کیا کہ پانچ ہزار روپے پر پچیس ہزار روپے حاصل کئے جائے اس تجویز نے حیرت میں ڈال دیا۔ میں نے فوراً اس مسئلے کو کانگریس کے سامنے پیش کیا اور یہ تجویز منظور کر لی کہ اس حصول کی مخالفت کے لیے منوی انتظام کیا جائے واپس لے اس زمانے میں لاڈلہ پٹیا تھے انہوں نے پچیس ہزار روپے کے حصول کو پسند نہیں کیا مگر اس پر راضی ہو گئے کہ کسی تین ہزار روپے حاصل کرایا جائے۔ کانگریس کے کانگریس کو اب بھی یہ حق تھا کہ وہ پانچ ہزار روپے کے حقوق کی پہلی مخالفت نہیں کر سکے وہ ہمیشہ اس دعوے پر مضبوطی سے قائم رہی کہ حصول کو صاف کر دے مگر اس کا یہ ارادہ میں سال جہانڈ ہوا ہندوستانیوں نے جو تکلیفیں برداشت کیں وہ گوارا کی آواز

حق کی لکھی گئی اس کے ساتھ استوار عقیدہ انتہائی صبر اور استحکام بخش نہ ہوتی تو یہ آواز غالب نہ آتی۔

**معمولی انصاف** | اب مجھے جنوبی افریقہ آئے تین سال ہو چکے تھے میں یہاں کے لوگوں سے اچھی طرح واقف ہو گیا تھا ۱۸۹۶ء میں میں نے چورسینے کی اجازت مانگی کیونکہ اب مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ جنوبی افریقہ میں مجھے بہت دن رہنا ہے میں نے یہ بھی سوچا کہ وہاں جا کر لوگوں کو جنوبی افریقہ کے حالات سے واقف کروں اور یہاں کے ہندوستانیوں کا ہمدرد بنوں تو کچھ تو فی حدت بھی ہو جائے ۱۸۹۶ء کے وسط میں وطن روانہ ہوا۔ چرمیس دن بعد کلکتہ پہنچ گیا اور اسی دن بمبئی روانہ ہو گیا۔ بمبئی جاتے ہوئے میری ریل وہاں میں ٹھہری۔ میں نے سوچا اتنی دیر میں شہر کی سیر کر آؤں مگر جب اسٹیشن پہنچا تو میری ریل سامنے سے نکل گئی۔ میں نے ہرل میں ایک کمرہ لے لیا اور یہ قصد کر لیا کہ اپنا کام فوراً شروع کر دوں گا۔ میں نے وہاں پانیر کا نام بہت سنا تھا اور مجھے یہ معلوم تھا کہ وہ ہندوستانیوں کے مطالبات کا مخالف ہے۔ میں نے ایڈیٹر کو ایک پتہ کھا اور اس سے درخواست کی کہ مجھے ملاقات کے لیے وقت دیں وہ مجھ سے اسی وقت ملنے پر راضی ہو گئے۔ انہوں نے میری داستان صبر سے سنی، انہوں نے کہا تم جو کچھ لکھو گے اس پر اپنے اخبار پر تبصرہ کروں گا میں نے کہا میرا مطالبہ پس آتا ہے کہ مجھے ساتھ معمولی انصاف کیا جائے جو مجھ کا حق ہے۔

میں بمبئی ٹھہرے سیدھا راج کوٹ پہنچا اور جنوبی افریقہ کے حالات پر ایک پمفلٹ لکھنے کی تیاری کرنے لگا اس کا مرقع ہنز تھا اس لیے آگے چل کر اس کا نام ہنز پمفلٹ پڑ گیا۔ میں نے اس کی دس ہزار کاپیاں چھپوائیں اور سارے اخباروں اور مشہور لیڈروں کو بھیجیں۔ سب سے پہلے پانیر کے ایڈیٹر نے تبصرہ کیا یہ پمفلٹ نے اس کے مسخروں کا خلاصہ تار کے ذریعہ لندن بھیجا۔ ہندوستان کے ہر معقول اخبار میں اس پر بحث کی گئی۔ چھ دنوں میں راج کوٹ میں پمفلٹ لکھنے میں مشغول تھا مجھے ایک آٹھ روزہ کے لیے بمبئی جانے کا اتفاق ہوا میرا یہ ارادہ تھا کہ سب جنہوں میں مجھے کسے کو مل کر جنوبی افریقہ کے حالات سے واقف کروں اور ابتداء میں نے بمبئی سے کی سب سے پہلے جسٹس رائٹ سے ملا انہوں نے میری گفتگو سے سنی اور مجھے مرہٹہ و شاہ بہتر سے ملنے کی ہدایت کی اس کے بعد میس جی سے ملا انہوں نے بھی یہ مشورہ دیا کہ لندن مہر میں ان کے پاس حاضر ہوں، میں نے اپنا معاہدہ کیا جسے وہ فوراً سے سنتے رہے۔ آخر انہوں نے کہا "تم زمری میں بحثیں کر مجھے تہا ہی مدد فرما کر چلائیے" مرہٹہ شاہ نے میرا ہم بہتر اسی کر دیا۔ بمبئی سے میں بونا پہنچا جہاں دو ہائیس تقیں میں ہر خیال کے لوگوں کی مدد چاہتا تھا۔ پہلے میں لوگ اپنے ملک سے آئے۔ مجھے ان سے ملنے کا یہ چاہ تھا کہ میری کچھ مہم آگیا کہ ان کی ہر دلعزیزی کا لڑا کیا ہے۔ اس کے بعد لوگوں کے پاس گیا انہوں نے بڑی محبت سے میرا استقبال کیا۔ اور ان کے اخلاق نے دل کو میت دیا۔ میرے دل کو جو تعلق گو کیلے سے ان کی زندگی میں تھا اداسی تک ہے وہ اور کسی سے نہیں۔

اس کے بعد میں مداس گیا یہاں لوگوں میں بے مدد جوش تھا۔ مداس سے کلکتہ گیا۔ یہاں مجھے بڑی وقت کا سامنا ہوا کیونکہ میں اس شہر میں کسی کو نہیں جانتا تھا۔ مجھے سب سے پہلے "بنگلہ کھلیوتا" سرنید ناتھ بنیرجی سے ملنا تھا۔ جب ان کے پاس پہنچا تو وہ دوستوں کے حلقے میں بیٹھے ہوئے تھے میری مددگست سن کر کہنے لگے "مجھے اندیشہ ہے کہ یہاں لوگوں کو آپ کے کام سے دلچسپی نہ ہوگی"۔ میں اخباروں کے ایڈیٹروں سے بھی ملتا رہا "اسٹیس جی" انڈینس میں نے اس مسئلے کی اہمیت محسوس کی میں نے ان سے مدد کی گفتگو کی اور انہوں نے یہ مدد گفتگو چھپ دی۔ "انڈینس میں" کے ایڈیٹر نے اپنا اخبار اور دوسرے لیے وقت کر دیا مگر

یہاں تک کہ اس مسئلے پر جو فی فیڈیل لکھا تھا اس کے ہدف میرے پاس بھیج دیئے اسکا جائزہ دے دیا کہ مسبدل تھا وہی مٹی کر دیا۔ انہوں نے حق الامکان مدد دینے کا وعدہ کیا اور اسے لیا گیا انہیں میرا بچہ بولنا اور دھانے سے پرہیز کرنا بہت پسند آیا۔ مجھے تجربے سے معلوم ہوا کہ مدرسوں سے انصاف چاہئے گا مسبد سے غذا اثر طریقہ یہ ہے کہ آدمی خود مدرسوں کے ساتھ انصاف کرے مجھے امید ہو چلی تھی کہ قحب نہیں نکلتے میں بھی جلسہ کرنے کی صحت نکل آئے کہ میرے پاس طلبہ سے تیار پہنچا کہ میپارٹمنٹ کا اجلاس جنوری سے شروع ہے فوراً وہیں آؤ۔

اس لیے میں نے ایک خط کے ذریعے انہاروں کو اطلاع دی اور مینی رٹارڈ ہو گیا اور شروع واکس میں اپنی بیوی دونوں لڑکیں اور بیوہ بہن کے اکوٹے لڑکے کو ساتھ لے کر جنوبی افریقہ روانہ ہو کر ۱۸ مارچ ۱۹ کو ڈربن پہنچا۔ سٹرا ایکو منٹ نے کپتان سے کہلا بھیج کر لکھوئی سے کہہ دو روپا تم سے خدمت میں رہیں اور تمہارے خاندان کی جان خطرے میں ہے۔ جیسے ہی ہم کلاس پر پہنچے چند لوگوں نے مجھے پہچان لیا اور گاڑی گاڑی پکارتے گئے پانچ چھ آدمی اور دو لڑکے آئے اور انہوں نے لڑکیوں کو ساتھ لے کر چھوٹا شروع کیا جس میں ہم بڑھتے گئے مجمع میں زیادہ ہوتا گیا ایک شخص میری گیلی سے بھاگتا کہ وہ لوگ مجھے گھسے اور تیس مارنے لگے۔ اتفاق سے پرنٹنگ پریس کی چوبی جو مجھ سے واقف تھیں ادھر سے گذر رہی تھیں۔ یہ بھاگتا قانون میری مدد کے لیے آئی اور اپنی چھتری کھول کر میرے اوپر جمے لے کر دیکھا حال پر گئیں۔ اس سے لوگوں کا ہڈ پکھ کم ہوا۔ اس عرصے میں ایک ہندوستانی لڑکا جس نے یہ واقعہ دیکھا تھا کہ تو والی پہنچ گیا۔ پرنٹنگ پریس نے سہیل کا ایک دستہ بھیجا۔ سپاہی میں وقت پر پہنچے۔ کو والی ہمارے دستے میں تھی جب ہم وہاں پہنچے تو پرنٹنگ پریس نے کہا کہ تم میری کو والی میں پناہ دو مگر میں نے ٹھکے کے ساتھ انکار کر دیا۔

**عظیم الشان درخت** | جنوبی افریقہ میں جو خدمت میں نے ہندوستانیوں کی انجام دی اس سے مجھے ہر ہر قدم پر نئے نئے پہلو نظر آئے۔ حق ایک عظیم الشان درخت کی طرح ہے اسے جتنا زیادہ سینچے اتنا ہی زیادہ پھل دیتا ہے حق کے مصلح کو جتنا گہرا کھودیں اتنے ہی زیادہ جاہرات اتر گئے ہیں یعنی سماج کی خدمت کے نت نئے اور بہتر مواقع ملتے ہیں۔

جنگ کی خدمت سے فرست جانے کے بعد مجھے یہ محسوس ہوا کہ میرا کام اب جنوبی افریقہ میں نہیں بلکہ ہندوستان میں ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ جنوبی افریقہ میں اب کچھ کرنے کے لیے نہ تھا بلکہ یہ نعمت تھا کہ کہیں میرے وقت کا زیادہ حشر و پیر کمانے میں نہ صرف ہو جائے۔ وطن میں میرے اچھل پھل پیر پیر تھے اس لیے میں نے اپنے رفیقوں سے رخصت کی درخواست کی یہ درخواست بڑی مشکل سے اس شہر پر منظور ہوئی کہ اگر جنوبی افریقہ کے ہندوستانیوں کو ایک سال کے اندر میری منصوبہ بندی تو مجھے واپس آنا پڑے گا۔

جب میں پہلی بار یہاں سے بارہا متاثر بھی مجھے تھنے دینے لگے تھے مگر اس مرتبہ تھنوں میں سونے پانی کی چیر دلی کے علاوہ بس بڑا چربی بھی تھیں۔ مجھے ان کے قبول کرنے کا حق تھا مگر میں انہیں قبول کرنا تو اپنے دل میں کیونکر جھٹکا کہ اپنے جانوروں کی خدمت و سہولت کر رہا ہوں۔ ایک سونے کا کنٹا جس کی قیمت پچاس ٹنی تھی میری بیوی کو دیا تھا۔ یہ بھی میری قری خدمت کی وجہ سے تھا۔ جس شام کو یہ تھنے دینے لگے تھے اس کے بعد کی رات بچے جاگتے گندے، میں اچھل پھل پریشانی کے عالم میں اپنے کمرے میں بیٹھا رہا۔ مگر اس مسئلے کو حل کرنے کی کوئی صحت کچھ میں نہیں آئی تھی سیکنڈ کی قیمت کے تھنوں کو پھیر دینا کچھ سہل نہ تھا مگر انہیں دیکھ کر

اس سے زیادہ دشوار تھا۔ میں نے سوچا اگر میں انہیں رکھوں تو میرے بچوں پر اور میری بیوی پر اس کا کتنا خراب اثر پڑے گا۔ انہیں میں یہ تعلیم دے رہا تھا کہ اپنی زندگی توئی خدمت میں گذاریں اور خدمت کو معاوضے سے بے نیاز سمجھیں۔ آخر میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں ان چوبیس کو اپنے گھر میں نہیں رکھ سکتا۔ میں نے میڈیکل کالج کا مسودہ لکھا کہ میں الیہیزبیلز کو قومی کاموں کے لیے وقف کرتا ہوں۔ صبح کو میں نے اپنی بیوی بچوں سے مشورہ کیا اور خدا خدا کہے اس بوجھ کو اپنے سر سے ہٹایا۔ مجھے آج تک کبھی اپنے اس فعل پر افسوس نہیں ہوا اور میری بیوی کو بھی رفتہ رفتہ یقین ہو گیا ہے کہ یہ دانش مندی کا فعل تھا۔

**کانگریس کی تحریری** | غرض میں پھر وطنی روانہ ہو گیا، ہندوستان پہنچ کر میں کچھ دن سارے ملک کا دورہ کرتا رہا۔ ۱۹۰۱ء میں کانگریس کی تحریری لکھنے میں جو رہی تھی اس کے صدر مسٹر دنشاد پاجا تھے میں بھی اس میں شریک ہوا میرے لیے کانگریس کی خدمت کو پہلا موقعہ تھا جس نے پہلے سے براہِ ارادہ کر لیا تھا کہ اپنی خدمات کانگریس کے دفتر کے لیے پیش کروں گا تاکہ کچھ تجربہ حاصل ہو جائے چنانچہ لکھنے پہنچنے ہی میں سیدھا کانگریس کے دفتر پہنچا۔ باوجود ہندوستان کا مسرور گھرنی والی باتیں تھیں مگر میں نے جو ہندو باور کسے پاس جا کر اپنی خدمات پیش کیں انہوں نے میری طرف دیکھ کر فرمایا "میرے یہاں تو کوئی کام نہیں مگر ممکن ہے گھوٹالہ باور آپ کو کوئی کام دے دیں۔ میں ہی کے پاس گیا انہوں نے کہا "میں نہیں صرف تحریری کام دے سکتا ہوں تم کو دے گا؟" میں نے جواب دیا "میں ضرور کریں گا میں اسی لیے آیا ہوں کہ جو کام بھی ملے اسے انجام دوں۔ چند روز میں میں کانگریس کے طوطہ طریقے سے اچھی طرح واقف ہو گیا۔ مجھے اکثر لیڈروں سے ملنے اور لکھنے اور سرینند ناتھ جیسے شیر مردوں کے طرز عمل کو دیکھنے کا موقع ملا۔

خدا خدا کہ میں کانگریس پہنچا اس دن دل بال نیچے کر، دفعتاً ملک کی صفوں کو اور ڈاکٹر پر بڑے بڑے لیڈروں کو دیکھ کر میری آنکھیں کھل گئیں۔ اس قمار خانے میں بھلا طوطی جیسی آواز کون سنتا۔ جب میں نے دیکھا کہ رات ہونے آئی اور وہ ریڈیوشن (جنرل افریڈ کے پاس سے) اب تک پیش نہیں ہوا تو میرا دل دھڑکنے لگا۔ جہاں تک مجھے یاد ہے آخری ریڈیوشن بہت جلدی جلدی پٹائی پٹائی رہے تھے۔ میں لکھنے سے دل کر لیا کہ اپنا ریڈیوشن دیکھا چکا تھا اس لیے میں نے ان کی کرسی کے پاس جا کر کہا "بھائی ان کے میرے معاملے میں کچھ کیجئے انہیں نے کہا میں تمہارے ریڈیوشن کو بھولا نہیں ہوں تم دیکھتے ہو کتنی تیزی سے کام ہو رہا ہے دم لینے کی فرصت نہیں مگر میں اس کا خیال رکھوں گا کہ تم مارا ریڈیوشن نظر اٹانہ نہ دھلے پائے؟" اتنے میں سر فریڈشاہ ہتھکنے کہا "اب تو سب ریڈیوشن ختم ہو گئے؟" لکھنے چلا گئے "نہیں نہیں ابھی جنرل افریڈ ماہ آتی ہے" سر فریڈشاہ نے پوچھا "آپ نے وہ ریڈیوشن دیکھا ہے؟" "ہاں ہاں دیکھا ہے" "آپ کو پسند ہے؟" "ہاں اچھا خاصا ہے۔" اچھا لگا دھماکا ہوا ریڈیوشن پڑھ کر سناؤ؟ میں نے لاپتہ ہوئے وہ ریڈیوشن پڑھا، لکھنے نے تائید کی، سب چلا گئے "جانتا ہوں منگھ۔" میرے لیے یہ کچھ کم خوشی کی بات تھی کہ اسے کانگریس نے پاس کر دیا اور مجھ پر کیا توجہ ہے جس کو یہ علم چھپا دیا اس بات پر غرض ہوتا۔

**میرے صدمے میں** | میں لکھنے کے یہاں جا کر رہا تو وہ مجھ سے اس طرح پیش آنے کر میں پہلے ہی دن سے بے سبب ہو گیا وہ مجھ سے ایسی محبت کرتے تھے جیسے بے بھائی کو جو بے بھائی سے ہوتی ہے۔ ان کے ساتھ ٹھہرنے کی ہمت مجھے لگتی تھی پتا کام کرنے میں بڑی آسانی تھی اور بھلا کے متفرق خاندانوں سے میل جول کرنے کا موقع ملا۔ لکھنے سے میں چند

دن کے لیے ہوا گیا اور وہاں کے پھر گیس سے ۵۰ ہمارے لوٹ کر میں کو کھلے سے رخصت ہو گیا۔ اس سے جدا ہوتا مجھے پرست شقی تھا۔ میرا ارادہ تھا کہ کسی جگہ مستقل قیام کرنے سے پہلے تیسرے درجے میں بندہ سنی کا سفر کروں اور معلوم کروں کہ تیسرے درجے کے مسافروں کو کیا کیا تکلیفیں اٹھانا پڑتی ہیں۔ گر کھلے اور ڈاکٹر لائے تھے پہنچا نے ایشیئن آئے میں میرے وقت بارہ پہنچا۔ میں نے طے کیا کہ کسی پندرہ کے پہلے نہیں ٹھہروں گا۔ جیسے ہی ٹاؤن سے اتر اچھے بہت سے پرہیزوں نے آگیا میں نے اس میں سے ایک کا انتخاب کیا جو دوسروں کے مقابلے میں صاف ستھرا اور معقول معلوم ہوتا تھا۔ میں درجن کے لیے لاشی دشنا ناتھ پہنچا۔ میں نے وہاں جو کچھ دیکھا اس سے مجھے بڑی تکلیف ہوئی۔ زندگی زیارت کے بعد میں سسرانی بیٹ کے درجن کے لیے گیا مجھے معلوم تھا کہ وہ ابھی جمالی سے اٹھی ہیں میری اطلاع ہوتے ہی وہ باہر تشریف لے آئیں۔

گر کھلے کا ہمارا تھا کہ میں بمبئی میں بس جاؤں اور وکالت کے ساتھ ساتھ قومی کام بھی کروں مجھے کو کھلے کا مشورہ پسند آیا مگر نکات چلنے کی کچھ نیاہہ اُمید تھی اس لیے میں نے فیصلہ کیا کہ پہلے راج کوٹ میں کام شروع کر دوں گا وہاں میرے پرانے فزیت فرما کیل رام جی موجود تھے انہوں نے مجھے پہلے ہی معلوم مقدمے کا کر دیئے۔ میرا قصد ابھی کچھ وہ راج کوٹ ہی میں رہنے کا تھا مگر ایک دن کیل رام دیو آکر مجھ سے کہنے لگے ”بھئی لاہور میں ہم سے نہیں دیکھا جاتا کہ تم راج کوٹ میں پڑے سو کھا کرو، اب تو تمہیں بمبئی جا کر رہنا چاہیے۔ میں نے پوچھا مگر وہاں میرے لیے کام کون فراہم کرے گا۔ انہوں نے جواب دیا ”ہیں اس کا ذمہ لیتا ہوں“ میں نے کہا ”مجھے نال سے ایک رقم کا انتظار ہے اس کے آتے ہی چھ ماہوں کا۔ کوئی دو چلتے میں رہیہ آگیا اور میں بمبئی بھاڑ ہو گیا۔ اور قریبی وکالت میں کسی قدر ایسٹ کی صورت پیدا ہو رہی تھی اور دوسرے کو کھلے جو ہمیشہ نظریہ رکھتے تھے میرے لیے کچھ ایسی ہی تدبیریں سوچ رہے تھے۔ میں اس وقت جب میں کسی سے اپنے کاروبار میں مشغول ہونے والا تھا۔ جنوبی افریقہ سے تار پہنچا کہ ”چیمبر لین“ کے آنے کی خبر ہے ہرانی کر کے فرما پئے۔ آئے ”میں نے اس مضمون کا سہو دیا کہ میں آنے کو تیار ہوں“ تار پہنچتے ہی دوبارہ آگیا اور میں جنوبی افریقہ روانہ ہو گیا اور میں وقت پر واپس پہنچا۔ میرے لیے کام تیار تھا۔ سٹر چیمبر لین کی خدمت میں وفد کے جانے کی تائید مقرر ہو گئی تھی مجھے ان کے سامنے پیش کرنے کے لیے عرضداشت مرتب کرنا تھی اور وفد کے ساتھ جانا تھا۔

**پہلا سفر لاہور کی راہ داری** | سٹر چیمبر لین جنوبی افریقہ سے ساڑھے تین کھڑ پہنڈ خند لینے اور انگریزوں اور برٹش کی دل جوئی کرنے آئے تھے اس لیے انہوں نے ہندوستانی وفد کو سو کھا مل دیا۔ وفد کے ارکان کی نمینوں پر اس پر گئی مجھے بھی بڑی دباوسی ہوئی۔ وہ مثال سے ٹرانسول گئے مجھے ٹرانسول کے ہندوستانیوں کے مطالبات بھی مرتب کر کے ان کی خدمت میں پیش کرنا تھے۔ وہاں جانے کے لیے پہلا ناہ داری لین پڑتا تھا جو کہ یورپیوں کو آسانی سے مل جاتا تھا مگر ہندوستانیوں کے لیے بڑی دشواریاں تھیں۔ میں نے اپنے پانے دوست یعنی ڈوب کے ہنز ٹرنٹ سے جا کر کہا ”ہرانی کر کے پرٹ کے اس سے میرا تعارف کرا دیجئے۔“ انہوں نے فرمائش سر پر رکھی اور میرے ساتھ جا کر مجھے بھانڈا دوا دیا۔ میں نے ایگونیڈ لاٹکر لیا کیا اور پھر بھانڈا ہو گیا۔ پہنچتے ہی میں نے عرضداشت مرتب کر لی۔ پھر بھانڈا کے ہندوستانیوں کو خبر مل گئی تھی کہ اس نئے کے اسر میرا نام وفد سے خارج کرنا چاہتے رہے۔ نئے نئے کے اسر میری تھے کہیں فرانسوال میں کہ نہر داخل ہوا اس میں نے ڈوبی تدبیر پر چار معلوم ہوا کہ میں بھانڈا لے کر آیا ہوں۔ مگر اہر ماننے والے نہ تھے



انہوں نے کہا یہ شخص تو اسرائیل آگیا تو آجائے اسے سڑ میری سڑ سے نہ ملنے دیں گے۔ ہندوستانی لیڈر اکثر اس حکمے کے افسروں سے ملنے جایا کرتے تھے ایک بار سیٹھ طیب جی، حاجی خلیق محمد افسر اعلیٰ سے ملنے گئے تو انہوں نے پوچھا کہ یہ گاندھی کن ہے اور یہاں کیوں آیا ہے۔" سیٹھ طیب نے کہا "وہ ہمارے شیر ہیں اور ہمارے جلائے ہوئے ہیں" صاحب بہادر نے پوچھا "پھر تم لوگ کس لیے ہیں؟ گاندھی کو یہاں کے حالات کی کیا خبر؟ صاحب بہادر نے طیب سیٹھ کو حکم دیا کہ مجھے ان کے سامنے پیش کریں میں طیب سیٹھ دیر کے ساتھ ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ صاحب نے پوچھا "تم یہاں کیوں آئے ہو؟" میں نے جواب دیا "اپنے ہم وطنوں کے کہنے سے آیا ہوں کہ انہیں مشورہ دوں۔" "مگر کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہیں ٹرانسویل آنے کا کوئی حق نہیں، جو پر داند ہمارے پاس ہے وہ فصل سے دے دیا گیا تھا۔ تمہیں واپس جانا پڑے گا۔" مجھے اس توہین سے بڑی تکلیف ہوئی میں نے طے کیا کہ یہ ذلت بھی چھپ چھپ ہو رہی ہے۔ افسر اعلیٰ کے حکمے (ایشیائی حکمے) کے یہاں سے ایک خط آیا کہ چونکہ گاندھی ڈربن میں سرحد جبر میں سے مل چکے ہیں اس لیے ان کا نام دند سے خارج کر دیا گیا ہے اس خط کو دیکھ کر میرے رفیقوں میں شبہ کی تاب نہیں رہی مگر میں نے علاج دی کہ میری جگہ میرے گڈو فرے کو لے جائیں چنانچہ سڑ گاڈو فرے کی سرکردگی میں دنگ گیا۔ میں نے ہر جہہ باوجود کہہ کر کام شروع کر دیا اور جو ہانسبرگ میں اپنا دفتر قائم کیا۔ ایشیائی حکمے کے عہدہ مددوں کا جتنا زور جو ہانس برگ میں تھا اور کہیں نہ تھا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ یہ لوگ ہندوستانیوں، چینیوں دیر کے حقوق کی حفاظت کرنے کے بجائے اور اٹما انہیں پس رہے ہیں۔ اس لیے میں نے ان شکستوں کے ثبوت فراہم کرنا شروع کئے اور جب کافی سالہ جمع ہو گیا تو میں پولیس کمشنر کے پاس پہنچا وہ منصف مزاج آدمی نکلا۔ مجھے بہت سے عہدہ داروں پر شبہ تھا مگر چونکہ میرے پاس ان کے خلاف قطعی شہادت نہیں تھی اس لیے میں نے صرف دو شخصوں کے نام وارنٹ جاری کرائے جن پر جرم بالکل ثابت تھا۔ ان میں سے ایک تو فرار ہو گیا تھا۔ کمشنر پولیس نے اس کے لیے وارنٹ جاری کر کے دوسری حکومتوں کے پاس بھیجا اور وہ گرفتار کر کے ٹرانسویل لایا گیا۔ ان دونوں کے مقدمے کی تحقیقات ہوئی اور باوجودیکہ ان کے خلاف کافی شہادت تھی مگر بے تصور قرار دے کر رہی کر دیئے گئے۔ مجھے سخت مایوسی ہوئی کمشنر پولیس کو بھی بہت دلچسپ ہوا مگر ان کے بری ہو جانے پر بھی حکومت انہیں اپنی ملذت میں نہ رکھ سکی اور برخاست کر دیئے گئے اس واقعے سے میری دھاک بیٹھ گئی۔

اسی زمانے میں مدی جیت جی نے میرے سامنے ایک اخبار "انڈین اوپینین" (INDIAN OPINION) کے نام سے نکالنے کی تجویز پیش کی اس واسطے میں میری مائے پوچھی۔ یہ اخبار ۱۹۰۲ء میں جاری کیا گیا اور سی سکول جی نٹو ایڈیٹر ہوئے مگر زیادہ تر کام بھی کو کرنا پڑتا تھا۔ اس اخبار نے ہماری برادری کی مفید خدمت انجام دی اس کے ہیچو نے نفع دل کو قلم زد کر رکھنے پر مجبور کر دیا اگر نہ ہوتا تو ستر گرو کھجنا نہ چلی سکتی۔

اب میرے ہندوستان جلد واپس جانے کی کوئی امید نہیں رہی تھی اس لیے میں نے طے کیا کہ جی بی بیچوں کو اپنے پاس بلاؤں جس وقت میں نے ڈنگلی دوستوں کو شادی کی ترفیہ دی اسی طرح ہندوستانی دوستوں کو بھی اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ اپنے بال بچوں کو دھس سے دھس سے ویکس آہستہ آہستہ چھڑا سالاؤں ہی گیا اب وہاں چند خاندان بس گئے تھے۔ بظاہر میں جو ہانس برگ میں بس گیا تھا مگر شک کے کی زلفی میرے نصیب میں تھی میں اس وقت جب میں یہ سمجھتا تھا کہ خدا اطمینان سے جیشوں کو ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس



کی باطل ترقی نہ تھی۔ انھوں نے مسلم ہمارے نسل میں زہر نہایت فروغ ہو گیا ہے مجھے زہر توڑنے سے کوئی غلطی نہیں تھی مگر اس زمانے میں میرا یہ عقیدہ تھا کہ دولت بھلائیہ دنیا کی پیروی کے لیے قائم ہے۔ میں نے گورڈ کو خط لکھا کہ اگر نہایت چوتھی ہندوستان کی ایسوس کہ قائم کرنے کو تیار ہیں انہوں نے فوراً منظوری بھیج دی۔ میں نے ڈی بی جاگرنگو لال کے لیے ترکیب کی ریسٹرنس سے کی ضرورت نہیں تھی ہم کل جی میں آدمی تھے چیف میڈیکل افسر نے دستور کے مطابق مجھے مرخص ہو کر کاغذی منصب دے دیا۔

زندہ بنات کے سلسلے میں میں نے نئے تجربے کئے۔ جنگ بڑھ رہی تھی لڑائی کے خوفناک نتائج کا اتحاد انہیں نہیں تھا جتنا اس بنیاد میں ہوا۔ یہ نام کوڑائی قحطی مگر اصل میں آدمیوں کا شکار تھا۔ جزئی انفریج کی اور ہیٹ سی اے میں مجھے یاد رہی مگر مجھ کو ان کا ذکر چھوڑنا تھا۔ ۱۹۱۴ء میں جب ستر گرو کی جدوجہد ختم ہو گئی تو لکھنے کا حکم پہنچا کہ وہی جہت سے برے ہندوستان آ جاؤ۔ اس لیے میں انگلستان روانہ ہو گیا۔ لڑائی کا اعلان ہر گیسٹ کو ہوا تھا ہم ۱۶ اگست کو لندن میں داخل ہوئے۔

**پہلی جنگ عظیم**  
انگلستان پہنچ کر معلوم ہوا کہ لکھنے پر مقرر کے لیے پیرس گئے تھے اعدائے اسلسلہ ہندوستان کے سبب پہلی جنگ عظیم دیر رہ گئے ہیں ابھی نہیں کہا جاسکتا کہ کب لوٹیں گے۔ میں ان سے ملے بغیر ہندوستان نہیں جانا چاہتا تھا میری رائے تھی کہ جتنے ہندوستان انگلستان میں منظم ہیں سب کو اپنی بساا کے مطابق جنگ میں حصہ لینا چاہئے اس پر بہت سے اعتراض کیے گئے بعض لوگوں نے کہا کہ ہندوستان میں اور انگریزوں میں زمین آسمان کا فرق ہے میں تو اس وقت سے فائدہ اٹھا کر اپنا آزادی کی فکر کرنا چاہیے۔ اس وقت اس دہلی سے میری تسکین نہیں ہوئی۔ بولوگ میری رائے کے مخالف تھے ان کا قول تھا کہ ہندوستان کے مطالبات پر ندریوئے کا یہی وقت ہے۔ میں یہ کہتا تھا کہ ہمیں انگلستان کی مصیبت سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہیے بلکہ شرف اور دُرمدانی کا تقاضا ہے کہ جنگ کے اختتام تک ہم اپنے مطالبات متروک رکھیں۔ غرض میں اپنی رائے قائم رکھتا رہا میں نے کہا کہ جس کا ہی چاہے وہ اپنا نام بنگالاد میں لکھو اسے مجھے بھی خاص کامیابی ہوئی۔ میں نے لارڈ کرو کو خط لکھا، انہوں نے ہماری خدمات پر کچھ تالی کے بعد قبول کر لیں اور ہمارا شکریہ ادا کیا۔ لندن کی حالت اس زمانے میں دیکھنے کے قابل تھی شہر میں فساد بھی انتشار نہ تھا سب لوگ اپنی اپنی بساا کے مطابق مدد کرنے میں مصروف تھے۔ جتنے مضبوط جوان تھے وہ فزونی قواعد رکھ رہے تھے مگر ضعیف اور بیمار لوگ یہاں تک کہ گورنر بھی بیمار نہ تھیں۔

مجھے یہ امید تھی کہ میں بھارتی سلطنت کے لیے سے اپنی اور اپنی قوم کی حیثیت بڑھا سکوں گا میں سوچتا تھا کہ جب تک انگلستان میں ہوں بھارتی ریشے کی حفاظت سے فائدہ اٹھا رہا ہوں اور اس سخت قوت سے فائدہ اٹھانا گویا اس تشدد میں شریک ہونا ہے اس کے باوجود سے مل میں آسکتا ہے۔ اس لیے اگر میں سلطنت بھلائیہ سے تعلق قائم رکھتا اور اس کے زیر سایہ رہنا چاہتا ہوں تو مجھے اپنی قوم کی طرف سے ایک اختیار کرنا چاہیے۔ یا تو میں کھلم کھلا لڑائی کی مخالفت کروں اور ستر گرو کے اصول کے مطابق سلطنت بھلائیہ سے اس وقت تک ترک حرکت کروں جب تک وہ اپنی فوجی پالیسی نہ بدل دے۔ یا میں اس کے قابل اعتراض قوانین کی خلاف ورزی کر کے میل چلا جاؤں یا لڑائی میں سلطنت کا ساتھ دے کر لڑائی کو روکنے کی قیامت اور قوت حاصل کروں۔ میں جانتا تھا کہ جی تک مجھ میں یہ قابلیت اور قوت نہیں ہے اس لیے مجھے سوائے لڑائی میں شامل ہونے کے اور کوئی صورت نظر نہیں آئی۔

انگلستان پہنچ کر میں پہلی کے دوں میں مبتلا ہو گیا تھا میرے پہنچنے کے تھوڑے دن بعد گوگلے لندن واپس آئے تھے ہم دونوں میں زیادہ تر لڑائی کے متعلق گفتگو ہوا کرتی تھی۔ جب میرے مرض نے شدت پکڑی تو یہ بھی روزمرہ کی گفتگو کا موضوع بن گیا۔ میرے غذائی تجربے اس زمانے میں بھی جاری تھے میری غذا مرنگ پھل، کچے اور کچے کیلے، سیٹھے میوے، زیتون کا تیل، دلیقہ بیگن اور انگر دیفرہ پر مشتمل تھی۔ ڈاکٹر جیروجن ہنٹا میرے معاملے تھے ان کا اصرار تھا کہ املج اور دودھ استعمال کرو مگر میں راضی نہیں ہوتا تھا۔ پہلی کا درم کسی طرح دھو لیں ہوتا تھا اس لیے مجھے کسی قدر اندیشہ پیدا ہو گیا۔ میں نے ڈاکٹر اٹلین سے رجوع کیا جو صحن غذا کی تبدیلی سے علاج کیا کرتے تھے ان کے علاج سے میں بالکل اچھا ہو گیا مگر پوری صحت نہیں ہوئی۔ اس اثنا میں ایک دن سٹر پارکس مجھے دیکھنے آئے اور انہوں نے بڑے اصرار سے کہا کہ آپ وطن چلے جائیے پوری صحت آپ کو دیں ہو سکتی ہے اگر اس وقت تک لڑائی جاری رہی تو وہاں بھی آپ کو سلطنت کے بہت سے موقعے ملیں گے۔ میں نے ان کا مشورہ قبول کر لیا اور ہندوستان جانے کی تیاریاں کرنے لگا۔ چنانچہ چند روز بعد ہم بمبئی پہنچ گئے۔ دس سال کی جلاوطنی کے بعد وطن کی صحت دیکھ کر اتنی خوشی ہوئی کہ دل ہی جانتا ہے۔

جیسے ہی میں بمبئی میں داخل ہوا گوگلے کا پیغام پہنچا کہ گورنر قلم سے ملنا چاہتے ہیں پونا آنے سے پہلے ان سے مل لو چنانچہ میں جرنل کیسی لینسی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پہلے ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں اس کے بعد انہوں نے فرمایا ”میں آپ سے ایک بات کلام کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ آپ مجھ کو کسی کوئی ایسی تجویز سوچیں جس کا تعلق گورنر سے ہو تو مجھ سے ضرور مل لیا کریں۔ میں نے جواب دیا ”مجھے یہ وعدہ کرنے میں کوئی تامل نہیں۔“ لارڈ ونگلڈن نے میرا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ ”آپ کا جب جی چاہے میرے پاس چلے آیا کیجئے آپ دیکھ لیں گے کہ میری گورنر جان بوجھ کر بڑی نہیں کرنا چاہتی۔ میں نے اس کے جواب میں عرض کیا ”اسی عقیدے کی بدولت میری ہمت بندھی ہوئی ہے۔“

**آشرم** | اس کے بعد میں پونا گیا، گوگلے اور ”سردینٹ آف انڈیا سوسائٹی“ کے ممبروں نے مجھے صحت کی دولت سے ملامت کر دیا۔ گوگلے دل سے چاہتے تھے کہ میں انجمن (سوسائٹی) کا ممبر بن جاؤں میں نے ان سے کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ خواہ میں انجمن میں داخل کیا جاؤں یا نہ کیا جاؤں دونوں صورتوں میں اپنا ایک الگ ”آشرم گھرانہ“ کے کسی حصے میں قائم کروں۔ گوگلے کو یہ تجربہ پسند آیا انہوں نے کہا تم ضرور ”آشرم قائم“ کو کہا ہے ”آشرم“ کو میں اپنا ”آشرم گھرانہ“ گا اور اس کا کل خرچہ وہاں گا۔ میں خوشی سے چھوڑ دیا، میرے لیے اس سے شہ کر لیا اور کیا ہو سکتا تھا کہ چندہ جمع کر کے ذمہ داری سے آزاد رہوں۔ پونا سے میں راج کوٹ اور پور بند گیا۔ اس زمانے میں طاعون پھیلا ہوا تھا اور دیرگام بادھواں میں تیسرے درجے کے مسافروں کا ڈاکٹری معائنہ کیا جاتا تھا۔ مجھے خفیف سی حرارت تھی انسپکٹر نے دیکھ کر میرا نام لکھ لیا اور مجھ سے کہا کہ تم راج کوٹ کے میڈیکل انسپکٹر کے پاس حاضر ہو جانا۔ راج میں راج کونسل پہنچ گیا بعد میں دس دن میں کو میڈیکل انسپکٹر کے پاس حاضر ہوا وہاں لوگ مجھ سے واقف نہیں تھے۔ ڈاکٹر صاحب بیت نرنڈو ہوئے اور انہیں انسپکٹر پر بڑا خفا آیا۔ ایسے وقتوں پر تیسرے درجے کے مسافروں کا طبی معائنہ خفیف صحت کے لحاظ سے ضروری ہے سرکاری ملازم تیسرے درجے کے مسافروں کو اپنا ہم جنس نہیں بلکہ بیڑ بکری سمجھتے ہیں وہ ان کے ساتھ حقارت آمیز گفتگو کرتے ہیں چنانچہ مسافر ڈاکٹروں کی طرح ان کی اطاعت کرتے ہیں اور یہ بے تکلف نہیں ہو جیتے رہی اس سے ڈرا دھمکا کر یہاں آیتے ہیں اور انہیں گت

کی اصل توقع نہ تھی۔ انھوں نے معلوم ہوا کہ انڈیا میں مذہب و ملت فراموش ہو گیا ہے جسے دلوں میں سے کوئی غلط نہیں سمجھتا۔ اس نے اس میں براہِ عقیدہ متا کو دولتِ برطانیہ دینا کی پسند کے لیے قائل ہے۔ میں نے گورنر کو خط لکھا کہ اگر حکومت جو کوئی ہندوستانی کی ایجنسی کو قائم کرنے کو تیار ہے انہوں نے فوراً منظوری دے دی۔ میں نے ڈپٹی جارج گورنر کے لیے قریب کی سیٹ بٹھانے کی ضرورت نہیں محض ہم کل جرم میں آئی تھے۔ چیف میڈیکل افسر نے دستور کے مطابق مجھے سر جرنل سیر کا علاقہ منصب دے دیا۔

مذہب و ملت کے مسئلے میں میں نے غور کیا۔ جگہ بھر میں مجھے لڑائی کے خوف کا حال تھا کہ آٹا اٹھانے میں قابض اس بدعت میں ہوا۔ یہ نام کوڑائی محض مگر اصل میں آدمیوں کا شکر تھا۔ جنوبی افریقہ کی اور سیاحی اس لیے مجھے وہیں مگر بعد ازاں کا ذکر چھوڑنا تھا۔ ۱۸۴۳ میں جب سینٹرل کی جگہ جہد ختم ہوئی تو لکھنے کا حکم پہنچا کہ لندن پر گئے ہوئے ہندوستان آجاؤ۔ اس لیے میں انگلستان روانہ ہو گیا۔ لڑائی کا اعلان ہر اگست کو ہوا تھا ہم ۱۶ اگست کو لندن میں داخل ہوئے۔

**پہلی جنگ عظیم** انگلستان پہنچ کر معلوم ہوا کہ لکھنے پر معلق کے لیے پیرس گئے تھے آمدت کا مسئلہ بند ہو جانے کے سبب وہیں رہ گئے ہیں اور نہیں کہا جاسکتا کہ کب لوٹیں گے۔ میں ان سے ملے بغیر ہندوستان نہیں جانا چاہتا تھا۔ میری رائے غلطی کو جتنے ہندوستانی انگلستان میں تعلیم میں سب کو اپنی بساا کے مطابق جنگ میں حصہ لینا چاہئے اس پر بہت سے اعتراض کیے گئے بعض لوگوں نے کہا کہ ہندوستانیوں اور انگریزوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ میں تو اس وقت سے فائدہ اٹھا کر اپنی آزادی کی فکر کرنا چاہیے۔ اُس وقت اس دہل سے میری تسکین نہیں ہوئی۔ جو لوگ میری رائے کے مخالف تھے ان کا قول تھا کہ ہندوستانیوں کے مطالبات پر زور دینے کا یہی وقت ہے۔ میں یہ کہتا تھا کہ میں انگلستان کی مصیبت سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہیے بلکہ شرافت اور دھرم و ریشی کا تقاضا ہے کہ جنگ کے اختتام تک ہم اپنے مطالبات ملتوی رکھیں۔ غرض میں اپنی رائے پر قائم رہا اور میں نے کہا کہ جس کا یہاں ہے وہ اپنا نام بھگادوں میں لکھو اور مجھے بھی خاص کامیابی ہوئی۔ میں نے لارڈ کرک کو خط لکھا، انہوں نے جلدی خدمات کچھ سال کے بعد قبول کر لیں اور ہمارا شکریہ ادا کیا۔ لندن کی حالت اس زمانے میں دیکھنے کے قابل تھی شہر میں دنا بھی انتشار نہ تھا سب لوگ اپنی اپنی بساا کے مطابق مدد کرنے میں مصروف تھے۔ جتنے مضبوط جوان تھے وہ فوجی قواعد کی طرح ہی رہے تھے مگر ضعیف اور بیمار لوگ یہاں تک کہ عورتیں بھی بیکار نہ تھیں۔

مجھے یہ امید تھی کہ میں برطانوی سلطنت کے فدیے سے اپنی اور اپنی قوم کی حیثیت بڑھا سکوں گا میں سر جرنل تھا کہ جب تک انگلستان میں ہوں برطانوی ریشے کی مخالفت سے فائدہ اٹھا رہا ہوں اور اس سے قوت سے فائدہ اٹھانا گویا اس قسم میں شریک ہونا ہے جو اس کے ہاتھ سے مل میں آسکتا ہے۔ اس لیے اگر میں سلطنتِ برطانیہ سے تعلق قائم رکھتا اور اس کے زیر سایہ رہنا چاہتا ہوں تو مجھے ایسی ہی طریقوں میں سے ایک اختیار کرنا چاہیے۔ یا تو میں کلم کہہ لڑائی کی مخالفت کروں اور ستیا گرو کے اصول کے مطابق سلطنتِ برطانیہ سے اس وقت تک ترکِ روٹ کروں جب تک وہ اپنی فوجی پالیسی نہ بدل دے۔ یا میں اس کے قابلِ اعتراض قوانین کی خلاف ورزی کر کے میل چلا جاؤں یا لڑائی میں سلطنت کا ساتھ دے کر لڑائی کو روکنے کی قیامت اور قوت حاصل کروں۔ میں جانتا تھا کہ ابھی تک مجھ میں یہ قابلیت اور قوت نہیں ہے اس لیے مجھے سوائے لڑائی میں شامل ہونے کے اور کوئی صورت نظر نہیں آئی۔

انگلستان پہنچ کر میں پہلی کے درم میں مبتلا ہو گیا تھا میرے پہنچنے کے تھوڑے دن بعد گوگلے لندن واپس آ گئے ہم دونوں میں زیادہ تر لڑائی کے متعلق گفتگو ہوا کرتی تھی۔ جب میرے مرض نے شدت پکڑی تو یہ بھی روزمرہ کی گفتگو کا موضوع بن گیا۔ میرے غذائی تجربے اس زمانے میں بھی جاری تھے میری غذا سرنگ پھل، کچے اور کچے کیلے، میٹھے میوے، ذریعہ کاتیل، دلیائی میٹگن اور انکو ریفرہ پر مشتمل تھی۔ ڈاکٹر جرجی ہنٹا میرے مصلح تھے ان کا اصرار تھا کہ املج اور دودھ استعمال کرو مگر میں راضی نہیں ہوتا تھا۔ پہلی کا درم کسی طرح مدد نہیں ہوتا تھا اس لیے مجھے کسی قدر اندیشہ پیدا ہو گیا۔ میں نے ڈاکٹر ایلین سے رجوع کیا جو معض غذا کی تبدیلی سے علاج کیا کرتے تھے ان کے علاج سے میں بالکل اچھا ہو گیا مگر پری صحت میں جلد اس آئند میں ایک دن مسٹر رابرٹس مجھے دیکھنے آئے اور انہوں نے بڑے اصرار سے کہا کہ آپ وطن چلے جائیے پوری صحت آپ کو دیں ہو سکتی ہے اگر اس وقت تک ڈوائی جاری رہی تو وہاں بھی آپ کو سلطنت کے بہت سے موقعے ملیں گے۔ میں نے ان کا مشورہ قبول کر لیا اور ہندوستان جانے کی تیاریاں کرنے لگا۔ چنانچہ چند روز بعد ہم بمبئی پہنچ گئے۔ دس سال کی جلاوطنی کے بعد وطن کی صورت دیکھ کر اتنی خوشی ہوئی کہ دل ہی جاتا ہے۔

جیسے ہی میں بمبئی میں داخل ہوا گوگلے کا پیغام پہنچا کہ گورنر قلم سے ملنا چاہتے ہیں پونا آنے سے پہلے ان سے مل لو چنانچہ میں ہزار کیسی یسٹی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پہلے اوپر ادھر کی باتیں ہوئی رہیں اس کے بعد انہوں نے فرمایا "میں آپ سے ایک بات کا ذکر لینا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ آپ جب کبھی کوئی ایسی تجویز سوچیں جس کا تعلق گورنمنٹ سے ہو تو مجھ سے ضرور ملایا کریں۔ میں نے جواب دیا "مجھے یہ وعدہ کرنے میں کوئی تامل نہیں۔" اور ڈسٹنکشن نے میرا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ "آپ کا جب ہی چاہے میرے پاس چلے آیا کیجئے آپ دیکھیں گے کہ میری گورنمنٹ جان بوجھ کر بڑی نہیں کرنا چاہتی۔ میں نے اس کے جواب میں عرض کیا "اسی عقیدے کی بدولت میرا بھت بندھی ہوئی ہے۔"

**آئٹرم** | اس کے بعد میں پونا گیا، گوگلے اور "سر ڈینٹ آف انڈیا سوسائٹی" کے ممبروں نے مجھے بہت کی دولت سے ملا مال کر دیا۔ گوگلے دل سے چاہتے تھے کہ میں انجمن (سوسائٹی) کا ممبری جاؤں میں نے ان سے کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ خواہ میں انجمن میں داخل کیا جاؤں یا نہ کیا جاؤں دونوں صورتوں میں اپنا ایک الگ آئٹرم گورنمنٹ کے کسی حصے میں قائم کروں۔ گوگلے کو یہ تجویز پسند آئی انہوں نے کہا تم ضرور آئٹرم قائم کر لیا کہ آئٹرم کو میں اپنا آئٹرم سمجھوں گا اور اس کا کل خرچ دلاں گا۔ میں خوشی سے چھوڑ دیا، میرے لیے اس سے فائدہ کروا دیا ہو سکتا تھا کہ چندہ جمع کر لے کی ذمہ داری سے آزاد رہوں۔ پونا سے میں راج کوٹ اور پھر بند گیا۔ اس زمانے میں حاکم علی پیر ہوا تھا اور یہ کام یاد دہوا میں تیسرے درجے کے مسافروں کا ڈاکٹری معائنہ کیا جاتا تھا۔ مجھے خفیت سی حراست تھی انپکڑنے۔ دیکھ کر میرا نام لکھ لیا اور مجھ سے کہا کہ تم راج کوٹ کے میڈیٹل انفر کے پاس حاضر ہو جانا غرض میں راج کوٹ پہنچ گیا اور دوسرے دن مجھ کو میڈیٹل انفر کے پاس حاضر ہوا وہاں لوگ مجھ سے واقف نہیں تھے۔ ڈاکٹر صاحب بہت شرمندہ ہوئے اور انہیں انپکڑ پڑا خصایا۔ ایسے وقتوں پر تیسرے درجے کے مسافروں کا ملحقہ خاندان صحت کے لحاظ سے ضروری ہے سرکاری عازم تیسرے درجے کے مسافروں کو اپنا ہم جنس نہیں بلکہ بیڑ بکری سمجھتے ہیں وہ ان کے ساتھ حاکم آئٹرم گفتگو کرتے ہیں چنانچہ مسافر لوگوں کی طرح ان کی احاطت کرتے ہیں اور یہ بے تکلف انہیں مل جیتے ہیں ان سے غذا و خوراک پر یہ ایشیتے ہیں اور انہیں گٹ

جب نانہہ کو دیکھا تو میں کھلیا دار میں جہاں کہیں گیا میں نے یہی شکایت سنی اس لیے میں نے مناسب سمجھا کہ نانہہ کو انگلستان کی فرمائش سے نانہہ اٹھائیں اس مسئلے کے متعلق جتنا مراد مل سکا میں نے جمع کیا۔ جب مجھے یقین ہو گیا کہ لوگوں کی شکایتیں بجا ہیں تو میں نے حکومت بمبئی سے خط و کتابت شروع کی، خود بڑا کیسی ایسی کی خدمت میں بھی حاضر ہوا مصروف نے ہمدردی کا اظہار کیا لیکن اس معاملے میں اپنی جبری قیاد کر کے دہلی کے حکام کو امداد فرمایا میں نے حکومت دہلی کو کہا لیکن سوائے خط کی رسید کے کوئی جواب نہیں دیا۔ دوں بعد جب مجھے نانہہ سیفر دہلی سے ملنے کا اتفاق ہوا تب جا کر شہر دہلی میں امداد دہلی کے بعد میں نے اخباروں میں پڑھا کہ دیرالکھم کی چٹکی کی چٹکی اٹھادی گئی۔

**نانہہ کی ضرورت** | پانچ سو کر فلوہ کی رسم سے فراغت پانے کے بعد یہ مسئلہ چھڑ گیا کہ انجمن کا مستقبل کیا ہوگا اور مجھے اس میں شرکت کرنا چاہیے یا نہیں میرے لیے یہ مسئلہ بہت نازک تھا جب تک ٹرکھلے زندہ تھے مجھے انجمن (SEVANTS) INDIAN SOCIETY) کا رکن بننے کی ضرورت ہی نہیں تھی بڑی رہنمائی کے لیے ان کی ذات کافی تھی۔ ہندوستانی سیاست کے علم غیر ہندو میں سز کرنے کے لیے مجھے ایک نانہہ کی ضرورت تھی اور ٹرکھلے کا واسطہ قائم لینے سے یہ مشکل حل ہو گئی تھی۔ ان کی وفات کے بعد میں بے کس و تنہا گیا اور اب میں نے اپنا فرض سمجھا کہ انجمن کا رکن بن جاؤں۔ میں انجمن کا بعضا بطور ممبر نہیں بنا کر مدد مال جیشیہ سے میں اپنے آپ کو اس کا رکن سمجھتا ہوں۔

۱۹۱۵ء میں ہر دھار میں کچھ کا میلا تھا جو بارہ سال کے بعد ہوا کرتا ہے۔ مجھے میلا دیکھنے کا شوق نہیں تھا مگر میں لوگوں میں جہاں ناشی رام جی کے ورثہ کرنا چاہتا تھا۔ سونیش آف انڈیا سوسائٹی نے دھاروں کا ایک بڑا دستہ بھیجا تھا۔ پنڈت ہر دے ناتھ کنزود اس دستے کے سرمد تھے۔ میرا کام تو زیادہ تر یہی تھا کہ غیمے میں بیٹھا "دوشی" دیا کروں اور ان باتریوں سے جو سیکنڈ کی تعداد میں میرے پاس آئے تھے مذہبی شخصیں کہا کروں۔ یہ "دوشی" کے بھوکے کھاٹ تک میرا بھی نہیں چھوڑتے تھے۔ غرض ہر دھار میں مجھے معلوم ہوا کہ جنوبی افریقہ میں جو انجمن خدات میں نے انعام دی ہیں ان کا اثر ملے ہندوستان میں کس قدر گہرا ہے۔ میری یہ حالت ایسی نہیں تھی کہ کسی کو روک آئے کیونکہ میری جان پر وہ وزن طلب تھا، پہلے مجھے کئی پہچانا نہیں تھا شفا دہلی کے سفر میں وہاں مجھے اپنے کو رکھ بھائیوں کی طرح سختیاں جھینپتی پڑتی تھیں اور چہل ایسے لوگوں کا مجمع تھا جو میری شہرت سے چکے تھے وہاں "دوشی" کی معیشت تھی۔ ان دنوں میرے جسم میں طاقت تھی اور میں ہر دھار تک چکر لگایا کرتا تھا۔ میں نے باتریوں کو ابھی طرح دیکھا تھا مجھے ان میں بے بسی دیا لاری اور دیگر بڑی زیادہ نظر آئی۔

**پانچ سو کی گائے** | یہاں میں نے ایک گائے دیکھی جس کے پانچ سو پر تھے۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی مگر واقف کار لوگوں نے مجھے اس کا بھید بتایا۔ یہ بھادی سنگھ ل انسان کی دوس، طبع کا شکر تھی۔ یہ پانچ سو ہر اصل میں ایک زندہ بکھرے کے جسم سے کٹ کر اس فریب کے کنڈے پر کھال چمڑ کر لگا دیا گیا تھا۔ اس دھارے ظلم سے جاہلوں کو غشے کا یہ ذریعہ ہاتھ آیا تھا۔ یہ پالی جانتے تھے کہ ہندو پانچ سو کی گائے دیکھنے کے شوق میں مڑنا آئے گا اور اس زندہ مجرے پر حسب ریتیت چڑھاوا چھائے گا۔ ستیاگرہ انشرم ۲۵ مئی ۱۹۱۵ء کو قائم ہوا۔ شروماندی چاہتے تھے کہ میں ہر دھار میں سکونت اختیار کر لوں۔ کھلتے کے

بعض اصحاب نے میرے لیے دوا نہ دھام تجویز کیا تھا اور دوسروں کا اصرار تھا کہ راجکوت میں رہو مگر احمد آباد سے نکلنے وقت وہاں کے لوگ پیچھے پڑ گئے کہ یہیں میں جاؤ اور انہیں نے ہم لوگوں کے لیے ایک مکان اور آشرم کے کل مصارف دینے کا وعدہ کیا۔ میں احمد آباد ہی کو ترجیح دیتا تھا کیونکہ گجرات میرا وطن ہے گجراتی زبان کے ذریعے سے میں ملک کی اچھی خدمت کر سکتا تھا پھر یہ بھی خیال تھا کہ احمد آباد پارہ بانی کا قدیم مرکز ہے یہاں چمڑے کا کام بہت اچھا چلے گا۔ آخر میں نے یہی فیصلہ کیا کہ آشرم احمد آباد میں قائم کروں میں نے سوچا کہ ہم حق کے پرست ہیں اور ہمارا کام حق کی تلاش اور حق کی پیروی ہے ہمارے پیش نظر یہ ہے کہ ستیاگرہ کی تحریک کو ہندوستان میں چلا کر دیکھیں اس لیے ہمیں آشرم کا نام ستیاگرہ آشرم رکھنا چاہیے۔ میرے دوستوں کی بھی یہی رائے ہوئی اس لیے ہم نام لکھا گیا۔ ہندوؤں ہماری جماعت میں تیرہ تالی تھے پانچ نوجوان تالی جنہاں افریقہ سے ہمارے ساتھ آئے تھے اور بانی اٹھ ہندوستان کے مختلف حصوں سے آکر شامل ہوئے تھے۔ ہم پچیس تھے جن میں چند عورتیں بھی تھیں ہم سب اکٹھے کھانا کھاتے اور عزیزوں کی طرح مل جل کر رہتے تھے۔

ابھی آشرم کو قائم ہوئے چند مہینے ہوئے تھے کہ مہین ایک بڑا سخت امتحان پیش آیا۔ میرے پاس امرت لال ٹھکر کا خط آیا جس کا مضمون یہ تھا کہ ”اچھوتوں کا ایک غریب اور دیانت دار خاندان آپ کے آشرم میں آنا چاہتا ہے کیا آپ اسے داخل کرنے کو تیار ہیں؟ میں نے اپنے رفیقوں کو سنایا انہوں نے اس تجویز کو پسند کیا۔ یہ خاندان تین نفوس پر مشتمل تھا۔ ان تینوں نے خاندانوں کی پابندی منظور کر لی اور آشرم میں داخل کر لیے گئے۔ مگر ان کے دخل سے آشرم کے سرپرستوں میں کھل بلی پڑ گئی، ہمیں جو مالی امداد ملتی تھی بند ہو گئی۔ ادھر امداد بند ہوئی اور نوکریہ افزا ہیں سننے میں آئیں کہ ہم دولت سے باہر کر دیئے جائیں گے میں نے اپنے رفیقوں سے کہا کہ اگر ایسا ہوا تو ہم احمد آباد چھوڑ کر نہیں جائیں گے بلکہ اچھوتوں کے محلے میں اٹھ جائیں گے اور محنت مزدوری کر کے پیٹ پائیں گے یہاں تک ذہن پختہ نہ ہو کہ ایک دن غم والے غم نے مجھے اطلاع دی کہ ”ہمارا سرمایہ ختم ہو گیا۔ اگلے مہینے کے لیے کچھ نہیں ہے۔“ میں نے افسانوں سے جواب دیا۔ تو ہم اچھوتوں کے محلے میں اٹھ چلیں گے۔

اس محلے میں درمیرا بچہ امتحان نہیں تھا جب کسی ایسا موقع آیا خدا نے میں وقت پر میری مدد کی۔ میری اور گھسی لال کی گھنٹہ کو تھوڑے ہی دن گندے تھے کہ ایک روز صبح کو ایک بچے نے آکر کہا کہ ایک سیٹھ موڑ میں بیٹھ کر آئے ہیں اور آپ سے ملنا چاہتے ہیں میں اٹھ کر اپنے گھر گیا انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ میں آشرم کی مدد کروں تو آپ قبول کریں گے۔ میں نے کہا بڑی خوشی سے، پہنچ پوچھئے تو میں آج کل بالکل خالی ہاتھ ہوں۔ سیٹھ نے میں کل اسی وقت یہاں آئی گا کیا آپ یہاں ہوں گے میں نے کہا ”جی ہاں“ سیٹھ چلے گئے دوسرے دن ٹھیک اسی وقت موٹر ہمارے گھر کے سامنے رکا سیٹھ اٹھ نہیں آئے بلکہ مجھے باہر بلا لیا۔ انہوں نے تیرہ ہزار روپے کے نوٹ میرے ہاتھ میں دے دیے اور رخصت ہو گئے۔ اس مدد کے مل جانے سے ہم نے اچھوتوں کے محلے میں اٹھ جانے کا خیال ترک کر دیا۔ اب ہمیں ایک سال کے لیے الیمان ہو گیا۔

مارچ ۱۹۱۶ء میں پنڈت ملک موہی مالوی جی نے مرکزی مجلس قانون ساز میں پابند مزدوری کو منسوخ کرنے کی تحریک پیش کی اس تحریک کو قبول کرتے ہوئے ہارڈ ہارڈ ٹنگ نے اعلان کیا کہ گورنٹ برطانیہ نے وعدہ

پابند مزدوری

ہے کہ یہ طریقہ کچھ عرصے بعد موقوف کر دیا جائے گا۔ دائرہ رائے نے صاف بکریا کہ کچھ عرصے کے بعد ضلعی کے معنی میں آتے ہیں وہی  
 بعد کہ انہوں نے کوئی دوسرا انتظام کرنے کی ہمت نہ کی۔ ۱۹۱۷ء میں ہائی کورٹ نے ہائپرٹروپک کی ٹوری سنسٹی کے  
 ایک مسئلہ پیش کرنے کی اجازت مانگی اور ہائپرٹروپک نے اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ اب عدالت آگیا کہ میں سلسلے میں  
 احتجاج کا شہدہ پر پا کرانے کے لیے دورہ کروں مگر میں نے مناسب سمجھا کہ پہلے دائرہ رائے سے مل لوں۔ دائرہ ہائپرٹروپک سے  
 ٹھک ہوئی وہ قابل اطمینان تھی انہوں نے کوئی سرکاری بات تو نہیں کہی مگر یہ کہا کہ میں مدد کروں گا۔ میں نے اپنا دھڑا ہمیں اسے شروع  
 ہونے لے کیا کہ حکومت سے مطالبہ کیا جائے کہ ۲۲ جولائی تک ضلعی کا اعلان کر دے۔ سلسلے عام میں اس ضمنوں کا  
 روشن پاس ہو گیا اور سامنے ہندوستان میں اس کی تائید میں جلسے کئے گئے۔ کلکتہ اور بہت سے شہروں کا دورہ کیا۔  
 ام پرشاد نار جسے جوئے اور بے انتہا جوش کا اظہار کیا گیا۔ مجھے اس تحریک کو شروع کرنے کی دقت اتنی لایا بی کی تو تھی۔

ان دنوں میں تنہا سفر کرتا تھا، خفیہ پولیس والے ہمیشہ میرے پیچھے لگے رہتے تھے۔ ایک بار خفیہ پولیس والوں  
 نے مجھے کئی اسٹیشن پر آکر پریشان کیا، بار بار میرا نام پوچھتے اور ٹکٹ کا نمبر پوچھتے تھے۔ ظاہر ہے کہ میں بڑی  
 اسے ان کے سوالوں کا جواب دیتا رہا۔ میرے ہم سفر مجھے یہ سمجھتے تھے کہ یہ کوئی سادہ صوابی ہے۔ انہیں یہ دیکھ کر کہ خفیہ پولیس  
 ہ مجھے ہر اسٹیشن پر پریشان کرتے ہیں فخر آگیا اور انہوں نے ان لوگوں کو خوب ڈانٹا۔ مجھے خفیہ پولیس والوں کے سب سے کوئی  
 نہ نہیں تھی بلکہ تیسرے درجے کے سفر میں بڑی تکلیفیں اٹھانا پڑتی تھیں۔

۳۱ جولائی سے پہلے حکومت نے اعلان کر دیا کہ ہندوستان سے ہائپرٹروپک کا بھیجا بند کیا جاتا ہے۔ ۱۸۹۲ء میں میں نے  
 مزدوری کے خلاف احتجاج کرنے کے لیے پہلی درخواست لکھی تھی اور مجھے اسی زمانے میں پوری امید تھی کہ یہ طے سم کسی نہ کسی دور  
 کر رہے گا۔

چمپانہ راج جبکہ کامک ہے جس طرح وہاں آم کے باغوں کی کثرت ہے اسی طرح ۱۹۱۷ء تک نیل کی کاشت پہل پہل  
 چمپانہ کے لاشکر اس کے پابند تھے کہ اپنی زمین کے میں حصوں میں سے تین میں زمینداری کے نیل کی کاشت کریں۔ رام کمار فیل  
 کاشت کار تھے جنہوں نے خود اس نیکسے کی اذیت بھی تھی اور ان کے دل میں یہ جوش تھا کہ اپنے ہزاروں جانیوں کے واسطے  
 لاجتہ چھڑائیں۔ میں ۱۹۱۶ء کی کانگریس میں گفتگو کیا تھا وہاں رام کمار فیل نے اسی پورے اور اعلان کرنے کے لیے کہ چمپانہ میں  
 سب معمول یہ جواب دیا۔ میں جب تک سارے حالات خود نہ دیکھ لی کوئی رائے نہیں دے سکتا۔ میں نے ان سے وعدہ کیا  
 کہ اپنے وعدے کے سلسلے میں وہ ایک دن چمپانہ میں بھی آکر ٹھہریں گا۔ ۱۹۱۷ء کے شروع میں ام کلکتہ سے چمپانہ روانہ  
 ہوا اور صبح کو پتھر پہنچ گئے۔ رام کمار مجھے راجندہ باؤ کے گھر لے گئے وہ کسی جگہ گئے ہوئے تھے جگہ میں دشمن ڈکرتے جنہوں  
 ہندی باستان تک نہیں پڑھی۔

الحق مجھ سے اور موثر مقرر سے اس زمانے کی فطرت تھی جب وہ تنہا میں برسرِ شہر کی تعمیر حاصل کر رہے تھے میں نے  
 انہیں ایک رقم بھیجا وہ فوراً اپنی گزریں پہنچے اور جی اعلان کرنے کے لیے میرے یہاں پہنچ کر ٹھہریں نے وہ کاغذ لکھا



اس وقت خدمت کی کونجی سب سے پہلی کٹائی میں جو چپان جلتی ہو چٹاویں۔ چنانچہ شام کو انہوں نے مجھے خطرہ کی گلاڑی سے روانہ کر دیا۔ میرا مقصد یہ تھا کہ چپان کے کسانوں کی حالت کا مطالعہ کر دوں اور یہ معلوم کروں کہ انہیں نیل کی کوٹھی والوں سے کیا کیا شکایتیں ہیں۔ یہ تحقیقات شروع کرنے سے پہلے میں نے کوٹھی والوں کے خیالات سے واقف ہونا اور اس جگہ کے کشر سے ملنا ضروری سمجھا۔ چنانچہ میں نے کوٹھی والوں کی انجس کے سیکرٹری اور تربٹ کے کشر سے ملاقات کی درخواست کی جسے دونوں نے منظور کر دیا۔ انجس کے سیکرٹری نے مجھ سے ملان صاف کہا کہ تم باہر کے آدمی ہو جس میں ان معاملات میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں میں نے نرمی سے جواب دیا کہ جب کسان خود چاہتے ہیں کہ میں ان کے معاش کی تحقیقات کروں تو مجھے اس کا پورا حق ہے۔ کشر صاحب سے ملازہ ہوا کے گھوڑے پر سوار تھے۔ انہوں نے مجھے بہت دھکیا کہ تم فوراً تربٹ سے چلے جاؤ۔ چپان تربٹ کی قسمت کا ایک ضلع ہے اور اس کا صدر مقام موتی داری ہے میں اپنے رفیقوں کے ساتھ موتی داری روانہ ہو گیا۔ وہاں ہم باؤر گروہ پرشاد کے جہان ہوئے۔ ایک شخص پرنسٹنٹ کامیونزم کا کھانہ نے آپ کو سلام بولا ہے۔ میں ان کا مطلب سمجھ گیا اور کرانے کی گلاڑی میں بیٹھ گیا جو پرنسٹنٹ کا آدمی لایا تھا۔ اس نے پرنسٹنٹ کا حکم دکھایا کہ چپان سے فوراً چلے جاؤ۔ میں نے کھدیا کہ میں اس حکم کی تعمیل نہیں کروں گا۔ اس پر میرے پاس سخت پہنچا کہ کل نہیں عدالت میں خلاف ذمہ کی جواب دہی کرنا ہوگی۔ قانون کے مطابق میرے مقصد کے تحقیقات و پیش رفتی کر رہے ہو مجھے تو حکومت کا امتحان ہوتا تھا کشر نے جو جمل میرے لیے پھیلایا تھا اس میں خود حکومت پھنس گئی۔ لارڈائی شروع ہوئی۔ سرکاری دیکل اور پرنسٹنٹ و دیگر بڑی مشکل میں پڑ گئے تھے۔ سرکاری دیکل زبردستی رافٹا کہ پیش فرمادی جائے مگر میں نے کہا اس کی کوئی منہست نہیں میں خود اپنے جرم کا اقرار کرتا ہوں کہ میں نے چپان سے چلے جانے کے حکم کی تعمیل نہیں کی۔ دوسری پیشی سے پہلے جسرٹ کی تحریر پہنچی کہ کشت گورنر نے مقدمہ واپس لینے کا حکم دیا ہے۔ اس طرح ہندوستان نے سول نافرمانی کا پہلا عملی سبق لیکھا۔ چپان کے سر کے سے یہ ثابت ہو گیا کہ لوگوں کی بے غرض خدمت سے خواہ وہ کسی شعبے میں کی جائے ملک کو ایک نہ ایک دن سیاسی فائدہ بھی ضرور پہنچتا ہے۔

بہار سے زیادہ واقعیت حاصل ہو جانے کے بعد مجھے یہ یقینی ہو گیا کہ جب تک یہاں کے دیہات میں تعلیم نہ ہو کوئی مستقل کام نہیں کیا جاسکتا۔ بوج کشر باؤر و راجندر باؤر جیسے دھاندلی مشکی سے ملیں گے۔ ان کے خلوص اور انہماک کا مجھ پر یہ اثر ہوا کہ میں کوئی کام ان کے بغیر نہیں کرتا تھا۔ پرنسٹنٹ کرپشن بھلا ہمارا ساتھ دینے بغیر کیسے نہ سکتے تھے۔ ہونے کو تو وہ سنگی تھے مگر اصل میں یہاں سے زیادہ بیماری تھی۔ مرنے والے مرنے لے اپنا نام امیدوار رضا کاروں میں لکھوا دیا تھا کہ جب منہست ہوئی سے مدد لیں۔

اپنے رفیقوں کے خدشے سے میں نے طے کیا کہ چھ گاؤں میں ابتدائی مدارس کھولے جائیں۔ اب سوال یہ تھا کہ کدس کہاں سے آئیں۔ تمام لوگوں میں ایسے مدرسہ خاں تھے جو بوجہ سادہ یا کم سادہ نے پر کام کریں اس لیے میں نے رضا کار مدرسے کے لئے کام ایل کیا اور اس کا فوراً اثر ہوا۔ ایک طرف تو یہ اصولی کام ہوتا تھا اور دوسری طرف کسانوں کے بیانات کے بارے میں تھے۔ ایک دن میرے پاس گورنر کی طرف سے خط آیا کہ آپ کی تحقیقات کو سمیت طول ہو گیا ہے کیا یہ مناسب نہیں





میں نے علی برادری کی روائی کے لیے حکومت سے خط و کتابت شروع کی اس سلسلے میں میں نے اس سے واقفیت حاصل کی کہ خلافت کے مسئلے میں بھی دونوں جماعتوں کے خیالات یکساں تھے یہ محسوس ہوا کہ اگر میں مسلمانوں کا سچا دوست بننا چاہتا ہوں تو مجھے چاہیے کہ علی برادری کی روائی اور مشرک خلافت کی کوشش میں ہر طرح کی مداخلت مجھے اس سے بچھڑنے دینی کہ اس مسئلے کی مذہبی صورت کیا ہے میرے لیے یہ کافی تھا کہ یہ مسلمانوں کا مطالبہ ہے مجھے مسلمانوں کا ساتھ دینے کا مطلق افسوس نہیں، اگر ایسا موقع پھر آئے تو میں پھر وہی طریق اختیار کروں گا۔ عرض جب میں دہلی گیا تو اپنی طرح ادراہہ کر لیا تھا کہ مسلمانوں کے مطالبات دائرہ رائے کے سامنے پیش کروں گا۔ میں نے دائرہ رائے کے ہم خط میں لکھا کہ:

”آپ کو یاد ہو گا کہ میں نے اپنے ۲۶ اپریل کے خط میں ۵۵ ذرہ عرض کی تھیں جن کی بنا پر مجھے کانفرنس کی شرکت میں تامل تھا۔ . . . مجھے کانفرنس کی شرکت میں سب سے بڑی اعتراض یہ تھا کہ ولکائیٹ ملک سٹریٹسٹ اور علی باداران جیسے با اثر لیڈر اس میں نہیں جڑے تھے۔ . . . میری آخری درخواست آپ سے یہ ہے کہ بھلائی و ہمدردی سے کہیں کہ اسلامی ممالک کے بارے میں ہمیں پوری طرح مطلق کر دیں میں آپ کو یقین دہاتا ہوں کہ ہر مسلمان کا دل ان کے دوسرے بے چینی ہے اور میں بھی ہندو ہونے کی حیثیت سے اس دوسرے متاثر ہونے سے بے خبر نہیں رہ سکتا ان کی مصیبت ہماری مصیبت ہے سلطنت کی حفاظت کی یہی صورت ہے کہ اسلامی ممالک کے حقوق کی مدد سے ان کی حمایت کی جائے۔ مصلحتات مقدسہ کے بارے میں مسلمانوں کے جذبات کا پورا احترام مد نظر رکھا جائے اور ہندوستان کے مطالبہ ہوم ریل کا جلد مضامین تصفیہ کر دیا جائے۔“

دنگوٹوں کی بھرتی میں میں نے اتنی محنت کی کہ میری صحت نے جواب دے دیا۔ اچھی اچھی طرح صحت نہیں ہو پائی تھی کہ اخبار دیکھتے دیکھتے میری نظر دھڑکنے لگی کی رپورٹ پر پڑی اس کی تجویزیں دیکھ کر میرے ہوش اڑ گئے فکشلال منیکر اور عمر سہانی نے درخواست کی کہ اس معاملے میں فوری کارروائی کرنا چاہیے۔ میری تحریک پر ایک خاص اجلاس ”سینئر گرو سہا“ کے نام سے قائم کی گئی اور میں صدر بنایا گیا۔ ادھر تو رولٹ بھڑک کے خلاف غمزدگی برپا رہی تھی اور ادھر حکومت کو کہ غمی کی کھینچ کی تجویز پر عمل کر کے رہے گی۔ میں نے دائرہ رائے کو سنت سماعت سے بھلا دیا، ان کے نام بھی خط بھی لکھے مگر ساری کوششیں بیکار گئیں۔

مجھے یہ خیال آیا کہ اس قانون کے جواب میں میں سارے ملک میں عام ہڑتال کرنا چاہیے اس لیے ایک دن **حکیم اہل خاں** | مقرر کیا جائے اور اس دن سارے ہندوستان پاس روزہ لیں۔ مسلمانوں کے یہاں ایک دن سے زیادہ کا روزہ ناجائز ہے اس لیے پاس چوبیس گھنٹے کا رکھا جائے۔ ہڑتال کے لیے ۳۰ مارچ ۱۹۱۹ء کو کئی مگر آگے چل کر یہ تاریخ بدل دی گئی اور ۱۰ اپریل مقرر ہوئی۔ اس دن سارے ہندوستان کے ایک ایک اخبار میں ایک ایک کھانوں میں مکمل ہڑتال ہوئی۔ دہلی میں ۳۰ مارچ کو ہڑتال ہو چکی تھی وہیں شری گاندھی اور حکیم اہل خاں کا طوطی بولتا تھا۔ انہیں ہڑتال کے التزام کا تار دریں چھپا۔ دہلی میں جیسے ہڑتال اس دن ہوئی کبھی نہ ہوئی تھی۔ ہندو مسلمان ایک ہو گئے۔ بھلا حکیم ایسی باتوں کو کیجئے براشت کر سکتے تھے، پولیس نے ہڑتال کے جلوس کو اشتیاق کی راہ میں روکا اور گولی چلائی۔ قریب قریب یہی واقعہ اور ہر قسم میں گذرا۔ امرتسر سے میرے پاس ڈاکٹر ستیا پال لونا ٹکڑ کھڑکی تاکیدی دعوت آئی میں نے وعدہ کیا کہ دہلی سے امرتسر آؤں گا۔ غرض ۱۰ اپریل کی شام کو میں دہلی اور امرتسر کے قصد سے روانہ

دی۔ اور حکومت نے اس کے لئے ایک حکومت بنائی۔ بلکہ اس کے پیش میں کوئی سے انکار نہیں کیا گیا۔

اسلام دین کی تحریک آہستہ آہستہ ترقی کر رہی تھی۔ اس کا دھڑلہ حکومت کے جبر و تشدد کا ہلکا کر رہا تھا۔ خصوصاً پنجاب میں تو اس نے خاص ہر دلی کامیابی کا پتہ بھی اٹھا دیا تھا۔ میں نے دہرائے سے خلا کے کر اجاڑت مانگی، تدریجی جائزہ کوئی تحریک نہیں ٹھہرائی نہ انے اس حکومت نے مسلمانوں کو جس کی اہمیت میں بیٹی کا نیل نے بڑا زور دیا کر لیا تھا ملک بد کر دیا۔ حکومت کا یہ فیصلہ میرے ایک اس قدر سکھ تھا کہ مجھے یہ ملک اس خیال سے گھسی آتی ہے۔ جب بیٹی کا نیل اس کی خدمت سے محروم ہو گیا تو اس کے انگریزوں نے جو سے کہا کہ آپ اس کی نگرانی اپنے ہاتھ میں لے لیجئے۔ برطانیہ صاحب موجود ہی تھے اس لیے ہر کام محض بلاتے نام تھا حکومت نے کانپل کو بند کر کے مجھے اس شکل سے پالیا۔

**ایک انڈیا** | اسی دنوں کانپل کا انتظام سینٹر عمر سہانی اور شکر علی بنیکر کے ہاتھ میں تھا اور ایک انڈیا کو بھی دیا جا رہا تھا۔ انہوں نے جو سے کہا کہ کانپل کو اب بند ہو گیا اب آپ "ایک انڈیا" کی ادارت قبول کر لیجئے لہذا اسے پہلے ہندو اور مسلمانوں کو پیچھے میں خود بھی بھیجا جاتا تھا مجھے یہ فرصت محسوس ہو رہی تھی کہ لوگوں کو سید گد کے حقیقی اصول سمجھائیں۔ میرے کام کا اس میں بھی کوہست تھا اس لیے مجھے ایک گہرائی اخبار کی بھی ضرورت تھی۔ ان دنوں اندولہ لکھا جا چکا، سینٹر عمر سہانی اور شکر علی بنیکر نے ملحقہ میں شامل تھے وہ اپنے دوستوں کی مالی امداد سے گہرائی میں ایک ماہر رسالہ "زہین" نکال رہے تھے ان دنوں نے زہین سے حوالے کر دیا۔ ملا ہندو دار اخبار و مختلف مقامات سے نکالنے میں نے زہین دت تھی اور مصافحہ بھی زیادہ تھے اس لیے میری جرات پر ایک انڈیا بھی امداد بااد منتقل کر دیا گیا۔

**گورکھشا** | کانپس کی دلت سے پنجاب کی دانشمندی کی تحقیقات بھی شروع ہی ہوئی تھی کہ میرے پاس ہندو مسلمانوں کی اس مشترکہ کانفرنس میں تحریک ہونے کی دلت آئی جو سندھ خلیفہ پر فخر کرنے کے لیے اہلی میں ہو رہی تھی۔ اس دلت نامے پر منجملہ اور لوگوں کے حکیم اعلیٰ خان صاحب مرحوم اور مسٹر آصف علی کے دستخط تھے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے سہی تھی شہزادہ اند اس کانفرنس کے نائب صدر منتخب ہوئے تھے اس کانفرنس کا مقصد اس صورت حال پر فخر کرنا تھا۔ جو خلیفہ کے خلاف حکومت کی بددی سے پیدا ہو گئی تھی اور یہ طے کرنا تھا کہ ہندو مسلمان مشن میں شرکت کری یا نہ کری۔ دلت نامے میں یہ بھی لکھا کہ کانفرنس میں ہندو خلیفہ کے گورکھشا کے مسئلے پر بحث ہوگی۔ مجھے گورکھشا کا ذکر اس سلسلے میں پسند نہیں آیا میں نے اس وقت نامے کے جواب میں جو خط لکھا اس میں شرکے کا دعویٰ کرتے ہوئے یہ تجویز پیش کی کہ وہ دونوں مسئلوں کو گورکھشا میں کرنا چاہیے۔ اسی دنوں کے بعد سے میں بحث کرنا ہے تو اس طرح نہ کیجئے جیسے سدا پلایا جاتا ہے بلکہ دونوں کے حصے پر ایک ملک فرد کیجئے۔ یہ خواہش دلت میں یہی ہے جسے میں کانفرنس میں کیا۔ اس میں مجھے بہت کافی قیام میں اس مسئلے پر سوالیہ شہزادہ اند سے گفتگو کی انہوں نے میری تجویز کو پسند کیا اور کہا کہ آپ اسے کانفرنس میں پیش کیجئے۔ میں نے حکیم صاحب سے بھی مشورہ کیا کہ کانفرنس میں نہ کہ کانفرنس کا مسئلہ جیسا کہ میں سمجھتا ہوں ہی پر مبنی ہے اور اگر حکومت نے اس مسئلے میں مداخلت کی ہے تو ہندو

کافر ہے کہ وہ اس کی حقانی کے مطالبے میں مسلمانوں کا ساتھ دیں۔ ان کے لیے یہ بات نازیبا ہے کہ اس سوتے پر گزرا کشتا مسئلہ بیچ میں لے آئیں ہر صحت محل سے غائد اٹھا کر مسلمانوں سے سوا چکائیں اور مسلمانوں کے لیے بھی اس شرط پر گاؤ کشتی بند کرنا مناسب نہیں ہے کہ جندہ غفلت کے مطالبے میں ان کا ساتھ دیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ مسلمان ہندوؤں کے مذہبی جبلت کے لحاظ سے ہمسائیگی اور ملکی بلدی کے حقوق کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنی خوشی سے گاؤ کشتی ترک کر دیں۔ مولانا عبداللہی صاحب نے اپنی تقریر میں کہا کہ "خواہ ہندو ہماری مدد کریں خواہ نہ کریں۔ مسلمانوں کو اپنے ہاں دین وطن کے جذبات کا لحاظ کر کے گاؤ کشتی ترک کر دینا چاہیے۔" مولانا حسرت موہانی بھی اس مطالبے میں موجود تھے، میں انہیں پہلے سے جانتا تھا مگر یہ اس کافر نے میں معلوم ہوا کہ وہ کسی غضب کے لڑنے والے ہیں۔

**حسرت موہانی** | کافر نے میں ایک ریڈیویشن یہ بھی پاس ہوا کہ ہندو اور مسلمان سودیشی چیزوں کے استعمال کا عہد کر لیں۔ یہ ریڈیویشن حسرت صاحب کے مذاق کا نہ تھا، وہ چاہتے تھے کہ اگر غفلت کے مطالبے میں سلطنت برطانیہ اخلاقت نہ کرے تو اس سے اس کا بدلہ لیا جائے اس لیے انہوں نے اس کے مطالبے میں یہ تجویز پیش کی کہ جہاں تک ممکن ہو برطانوی چیزوں کا متعلقہ کیا جائے۔ انہیں نے اپنی تقریر میں کہا کہ "آپ شوق سے بریشی کپڑے کا متعلقہ کیجئے ہیں اس میں کوئی عذر نہیں مگر اس کے علاوہ کوئی ایسی تجویز بھی ہونا چاہیے جس پر فوراً عمل ہو سکے" جس وقت وہ یہ الفاظ کہہ رہے تھے میں اپنے دل میں سوچ رہا تھا کہ واقعی ہمیں کسی اور چیز کی بھی ضرورت ہے۔

آئندہ سال کانگریس کے پیش نظر ہر چیز ایسی تھیں جن سے مجھے مناسب اور دلچسپی تھی ان میں ایک جلیانوالے باغ کے قتل عام کی یادگار تھی۔ اس کے علاوہ مجھ میں سوچے تیار کرانے کی صلاحیت تھی اور یہ بھی کانگریس کے کام آسکتی تھی۔ کانگریس کو جو وہ دستاویز سامی کو کھلے کا بنایا ہوا تھا، انہیں نے چند قواعد قبلہ کر دیئے تھے جن کے مطابق کانگریس چل رہی تھی مگر ہر شخص محسوس کر رہا تھا کہ موجودہ قاعدہ اس کی رہنمائی کے لیے کافی نہیں۔ میں نے یہ تجویز پیش کی کہ تین برسوں پر مشتمل کمیٹی ہو چنا پڑے کیلکولر ای۔ بی۔ سین۔ ابو۔ غانہ سے مقرر کر دیئے گئے ہمارے میں ہم تینوں نے متفقہ پورٹ پیش کر لی۔ جب سے میں نے یہ ذمہ داری اپنے سر لی اس وقت سے میں واقعی کانگریس کی سیاست میں شریک ہو گیا۔

اب میں اس مقام پر پہنچ گیا ہوں جہاں ان اوراق کو ختم کر دینا چاہیے اس کے بعد میری زندگی کے جتنے واقعات ہیں ان سے لگ بھگ واقعات ہیں۔ پھر ایک سو دو برس ہیں جو مجھے خاموشی پر مجبور کرتے ہیں۔ ۱۹۲۱ء سے مجھ سے اور کانگریس کے بڑوں سے اس قدر رابطہ مضبوط رہا کہ مگر میں اس کے بعد کا کوئی واقعہ اپنی زندگی کا بیان کوں تو اپنے اور ان کے تعلقات کا ذکر کرنا پڑے گا اور یہ کم سے کم اس وقت کسی طرح مناسب نہیں اس لیے میں اپنا سر کی فرج سمجھتا ہوں کہ اس داستان کو کہیں پر ختم کر دوں۔ بالکل میں ناظر سے رخصت ہوتا ہوں اور ان سے اس دعا میں حرکت کا طالب ہوں کہ حق تعالیٰ مجھے خیال، قوت اور فعل میں ایسا کی توفیق عطا کرے۔

اس پر ہم دلائل کا مجموعہ پیش کرتے ہیں کہ ہم لوگ علی بن محمد بن حسین علیہ السلام سے اور

سے متعلق ہے۔ مدت سے سنتے چلے آئے ہیں کہ ہم لوگ علی بن محمد بن حسین علیہ السلام سے اور  
پہلے ہم کو ضرور ہے کہ کچھ مختصر حالات اپنے اجداد کا جہاں تک ہم کو معلوم ہے لکھیں پس راقم تصحیح المدیخ خاں ابن مولوی محمد علی علیہ السلام  
ابن قاضی کاغذی مولوی محمد علی خاں ہمدانی مولوی حمید الدین ابن مولوی غازی ابن ملا محمد نوٹ مرحوم ہیں ہے۔ لقب ہم لوگوں کا ملک نادر ہے  
مشہور ہے۔ ہم کو نہیں معلوم کہ کس بزرگ کو ہمارے اجداد میں سے کس بادشاہ کی طرف سے یہ خطاب ملا ہوا تھا۔

ملا محمد نوٹ اور نگ زیب کے عہد میں بڑے عالم باطل تھے اول ان کو منصب وکالت مرزا کام بخش کا مقرر ہوا اس عہد سے  
سے زنی ہوئی تب محاسب منظر المظاہرہ اکر آباد سے تقرر ہوئے پھر صدر الصدور صوبہ الہ آباد کے ہوئے۔ ۲۶۔ صفحہ ۱۱۱۱ میں باہر  
برس کی طرحیں فصاحت۔ آپ کے بیٹے مولوی غازی الدین منظر تھے۔ اپنے سے شباب میں تعلیم اور تربیت کے لیے دلی میں تشریف لے گئے  
تھے وہاں کسی عہد سے میں پڑھتے تھے کو ظہر میں غازی ہوئی آپ رنغ فساد کے واسطے بی بی پرشے اس حالت میں قتل ہوئے یا قتل ہوا ہے  
شہید ہو گئے وہ ایک بیٹے حمید الدین کو وطن میں چھوڑ گئے تھے۔ ہر ہمارے والد ماجد تھے۔ ایک حکایت نہایت عجیب اور حیرت  
انرا مشہور ہے کہ زباب اصغر الدار نے سارے باغات ام کے نام لاکھ محروم کے یا کھنڈ کے گرد و پیش کے ضبط کر لیے تھے اور  
سب ام سارے باغات کے ٹوٹ کے سرکار میں چلے جاتے تھے مگر ازادوں میں ام کہ کچھ بکلی کہتے تھے ادا ہوا ہے کہ وہ ب  
ام باجری کے ہوتے تھے یا اگر سرکار کے حکم سے کہتے ہوں تو غیر کامل جیسا ہر ظلم سے کتنا تھا۔ قریب آٹھ زبرس کے یہ ضلع نام ہی اس  
سارے اہل ضلع میں عزت نے باطل ام نہیں کھائے۔ ایک روز آپ موضع دیکھا اپنی زمین دی کے گھنٹی میں تشریف لے گئے تھے وہاں کے  
کار پر دفن ام کی مٹی پر اس کے کھلنے کے وقت آپ کے دستروان پر رکھی۔ اور ہر چند اس نے اصرار کیا کہ آپ ہی کے ہاتھ لگائے ہیں  
میں نے یہ چٹائی ہی ہے۔ آپ نے ہرگز وہ چٹائی ہی نہیں کھائی یہ حکایت جیسا اس طرح کی ہے جو حضرت ابو یوسف کی احتیاج کی مشورہ کی کسی شخص  
کی کمرہ کھو گئی تھی حضرت نے اس شخص سے کہ فرطی بکری کی ارہ بری ہے، اور بری تک گشت بکری کا نہیں کیا۔

ایک حکایت آپ کے اطلاق اور عزت کی مشورہ ہے کہ کسی سوز میں ایک مقام پر آپ غازی چڑھ چکے تھے مگر  
ہاسے غازی پہنچے ہوئے وہیں پڑھ رہے تھے۔ ایک صاحب ارباب تعارف سے، گھرنے پر سوار اور ایک برہما اتریں ان کے قفا  
اور برہما اتریں میں گاڑ دیا۔ چونکہ اندھیرا تھا، اتفاقاً وہ برہما آپ کے ہاتھ کی پشت پر گر گیا دوتیس دقیقہ جب تک وہ صاحب کھڑے ہوئے  
باتیں کرنے رہے آپ نے اُن دیکھا، صرف اس شخص سے کہ ان کو ندامت ہوگی جب وہ برہما اٹھنے کے چلے گئے تب آپ نے زخم کو دھو



مسیح الدین خان سفیر اودھ

ہم اس بے نام دانش کا مروجہ السی ہے اور مولانا قصبہ کا کوئی گھنٹو سے کچھ طرف قریب ایک کوس کے بادشاہی مکانات  
سے واقع ہے۔ مدت سے سخت چلے آئے ہیں کہ ہم رنگ حلی میں محمد ابن حنفیہ الاولاد سے اور دوسری سب بہادر عباسی ہے۔ اب یہاں  
پختہ ہر کو فرما ہے کچھ مختصر حالات اپنے اجداد کا جہاں تک ہم کو معلوم ہے کہیں پس راجہ مسیح الدین خاں ابن مولوی محمد علی خان بنابر  
ابن قاضی انصاف مولوی نجم الدین علی خاں بنابر ابن مولوی حمید الدین ابن مولوی تقی الدین علی حضرت مرزا حسین صاحب تلبہم کوگوں کا ملک ناصی  
مشہور ہے۔ یہ ہم کو نہیں معلوم کہ کسی بزرگ کو ہمارے امرا میں سے کسی بادشاہ کی طرف سے یہ خطاب ملا ہو تھا۔

خلافتِ راشدہ ایک دیکھ بھال کے عہد میں بڑے عالم داخل تھے اہل ان کی منصب و کثرت ملنا کام بخش کا مغرض ہوا اس عہد سے ترقی ہوئی تب منصب مستقر الخلافہ اکبر آباد سے منور ہوئے پھر صدہا بعد دو صوفیہ اہل آباد کے رہے۔ ۲۶۔ حضرت ابراہیمؒ میں باختر برس کی عمر میں فضائل۔ آپ کے بیٹے مولیٰ غازی الدین منور تھے، اپنے سے شہاب میں تعلیم اور تربیت کے لیے دلی میں تشریف لے گئے تھے دلی کسی حد سے میں پڑتے تھے کہ طلبہ میں غازیؒ کو آپ رخِ فلاح کے واسطیج میں پڑے اس حالت میں قتل عہد یا قتلِ فلاح سے شہید ہو گئے وہ ایک بیٹے حمید الدین کو وطن میں چھوڑ گئے تھے۔ جو ہمارے والد ماجد تھے۔ ایک حکایت نہایت تعجب اور حیرت انگیز مشہور ہے کہ نواب آصف الدولہ نے سامنے باغات ام کے تمام ٹک ٹک خرید کر یا کھنڈے کر دو چٹائی کے ضبط کر لیے تھے وہ سب ام ہارے باغات کے فرش کے سرکار میں چلے جاتے تھے مگر زائد دلی میں ام کے کچھ بکاجی کرتے تھے اودھ کا رہے کہ وہ سب ام یا چلی کے ہوتے تھے یا اگر سرکار کے حکم سے کچے ہوں تو خیر کا مل جھینا یا عظم سے بکے تھا۔ قریب آٹھ سو برس کے یا سبلی نام کی اس سامنے ایم سبلی میں حضرت نے داخل ام نہیں کھائے۔ ایک روز نواب موضع گھیا اپنی زمین دی کے گھنٹی میں تشریف لے گئے تھے وہاں کے کارپردہ نے ام کی چٹائی پر اس کے کھانے کے وقت آپ کے دستر خوان پر رکھی۔ اودھ پر ہند اس نے اودھ گیا کہ آپ کی کے باغ کا نام ہی ا میں نے بیٹھا ہوں ہے۔ آپ نے برگزیدہ چٹائی میں جیسی کھائی یہ حکومت بینہ اس طرح کی ہے جو حضرت ابوہریرہؓ کی احتیلا کی مشورہ ہے کہ کسی شخص کی بکری کھو گئی تھی حضرت نے اس نظر سے کہ عرضیں بکری کی ہمارے برس ہے ۱۰ برس تک گوشت بکری کا نہیں کھایا۔

ایک حکایت آپ کے اخلاق اور عزت کی مشورہ کہ کسی مغربی ایک دن سنی ایک مقام پر آپ نماز چڑھ چکے تھے مگر اس نے نماز پڑھنے کو نہ دیکھا پڑھ رہے تھے۔ ایک صاحب ارباب تبارک سے انکو نے پرسوا اور ایک برہما پتر میں ان کے تھا اور برہما پتر میں گاڑ دیا۔ چکر اور حیرت۔ اتفاقاً وہ برہما آپ کے آٹھ کی پشت پر گر گیا ورنہ جب تک وہ صاحب کو نہ دیکھتے ہوتے ہاتھیں کرنے رہے آپ نے ان دیکھا۔ صرف اس نگر سے کہ ان کو نہ دانت ہوگی جب وہ برہما اٹھ کے چلے گئے تب آپ نے دم کو دھو



کر ہوتا تھا۔

آپ نے غزوہ ذیقعدہ ۱۲۱۵ھ میں تھنکی۔ ۴۸ برس، ایک مہینہ ۲۵ دن کی عمر میں۔ آپ کے اعتقاد میں تین صاحبزادے تھے۔ سب سے بڑے ہمد سے بعد بزرگوار قاضی القضاۃ مولیٰ محمد بن عبدی علی خان بھاو تھے۔ نواب الہاس علی خان خواجہ سرانے جو قریب ایک کروڑ روپے کے مالک کا اور دھکی سرکار سے اجارہ دار تھا ایک گچ قریب قصبہ آسیوں کے جو بارہ کوں پچھم طرف کھنڈر سے ہے ڈالا تھا۔ اس میں ایک مدرسہ بھی مقرر کیا تھا۔ اسی مدرسے میں جناب مددوچ کو مدرسہ اول مقرر کیا۔ اسی قریب زمانے میں جو ادراخٹاڑھویں صدی عیسوی اور شروع تیرھویں صدی ہجری کے تھے کچھ انگریز کی سلطنت میں ایک منصب قاضی القضاۃ کا ہنگامے میں قرار پایا۔ اس منصب پر آپ کا تقرر ہوا۔ قریب ۲۵ برس کے جناب مددوچ نے اس عہدے کو انجام دیا اس کے بعد مستعفی ہوئے۔ عہدہ عدالت کے حکام نے گورنر جنرل کو بھاس کونسل تحریر طویل طویل آپ کے عہدہ اور اوصاف میں لکھی اور درخواست کی کہ کل مشاہرہ آپ کا جو عہدہ سیکس روپے تھے چھٹی مقرر ہو۔ گورنر جنرل نے جواب میں لکھا کہ ہم کو نصف تنخواہ سے زیادہ پنشن مقرر کرنے کا اختیار نہیں ہے اس واسطے ہم ولایت میں کورٹ آف ڈائرکٹرز کے پاس رپورٹ کرتے ہیں اور وہاں سے جواب آئے تک نصف مشاہرہ مقرر کیا گیا۔ اگرچہ ولایت سے منظوری کل مشاہرہ پنشن مقرر کرنے کی آگئی۔ لیکن آپ کو آدھا درما بھی بہت کم لینے کا اتفاق ہوا کہ استعفا دینے سے تیسرے یا چوتھے مہینے آپ نے تھنکی۔ بھاس میں آپ کا انتقال ہوا چونکہ آپ نے لاش کے نقل کرنے سے ممانعت کی دمیست کی قہمی اس واسطے وہیں بتاد میں مدفون ہوئے۔ اور جب ولایت سے منظوری کل مشاہرہ بحال رہنے کی آگئی تب گورنر جنرل نے ایک خط تحریر کیا کہ جناب عہدہ ماجدہ کے نام پر لکھا۔

### والد ماجد

اب سراج مختصر جناب والد ماجد مغفور کے لکھتا ہوں۔ راقم نے ابتدا میں کچھ کتابیں آپ سے پڑھیں اور آخر میں شرح چمنی بھی آپ ہی سے پڑھی۔ جس عرصے میں آپ قاضی عدالت دائرہ دسائربلی سے متعلق اضلاع کے تھے ایک مقدمہ آفتاب عزم قتل میں ایک عورت کے اوپر پیش ہوا کہ اس کا لڑکا ولد الزنا پیدا ہوا تھا اس نے اس لڑکے کو ممانعت جبریت کے دھوکے کے ایک اندھ سے کنڑ میں پھینک دیا تھا مردہ لڑکا زندہ رہا۔ جب وہ مقدمہ پیش ہوا آپ نے فترے میں لکھا عزم قتل بہت سخت جرم ہے اور اس عورت پر ثابت نہیں ہوتا ہماری دوائے میں جرم اس لڑکے کا بخلاف نامقام خوف پر البتہ ہو سکتا ہے اور گمان یہ ہوتا ہے کہ اس لڑکے کو کسی طرح اس مقام پر آکر دیا ہے۔ دو قرینے سے: ایک یہ کہ ایک دن کا لڑکا اتنی دلد سے پھینک دیا جائے اور زندہ رہے جب عدالت بید معلوم ہوتا ہے۔ دوسرا قرینہ یہ ہے کہ شفقت مادی بھی حقیقی نہیں معلوم ہوتی کہ اس کو اتنی دلد سے پھینک دے۔ عدالت کے حاکم نے اس کا بہت تجسس کیا تب ثابت ہوا کہ ایک لڑکی میں مکھ کے اس نے دہل اتار دیا تھا۔

### بیدار بخت

آپ کی اولاد ذکر میں ہم پہلے بھائی تو ابھی عروں کے تحت ہوئے اور ایک بھائی سب سے بڑے شریف الدین امام نہایت معین اور خوش رو پیدا ہوئے تھے مگر تین چار برس سے زیادہ عمر انہوں نے نہ پائی۔ واثم پندرہویں یا سولہویں شب کو شہلی کے مہینے کی ۱۲۱۹ھ میں پیدا ہوا۔ ہمارے بڑے چچا ممتاز الملک بھاو نے تاریخ ولادت کی ”بیدار بخت“ پائی جس زمانے میں راقم شہد میں گورنر جنرل کے ساتھ ۱۸۳۳ء میں تھم تھا اور گورنر جنرل نے خطاب خانی اور بھادی کا کچھ کرکھا کیا اس وقت میں جناب والد ماجد کے خط سے اس مضمری سے مطلع ہوا کہ جب ہم کرم نے وہ تاریخ ولادت کی بانی تب جبر الہی نے یہ اتفاق فرمایا



کہ لا کا فرد بیدار نہ تھا۔ چنانچہ والد نے کہا کہ اس خطب کا اس بچہ کو گلے کے گوت میں اور خباہتوں میں حکم اس کے صلح کا ہوا۔ یہ امر قصہ روضہ صاحبان ملک کے واسطے ہم لوگوں میں ہر دو دن گزیرتا رہا۔ ابتدا سے خلافت اسلامی سرکار سے کچھ تک کسی کے خلاف کلمہ میں نہیں آیا۔ لایملا یہ نشان اسی تناول کا ہے۔

الغرض جب میرا اس نورا ہوا۔ تب بزرگوں نے کتب میں سپرد کیا اور از سر نو شیخ قیام الدین مرحوم کو قصہ مرہون کے رہنے والے تھے ہر اچھے ہمارے بھائیوں کی تعلیم کے واسطے مقرر فرمایا۔ ان کی خدمت میں مردوں نبی سے لے کر سارا قرآن شریف اور مسائل متعارف قاری کے کریم، مامقین، آخدا، مہتلا، ہرستاں، ہمارو دانش، ابراہیم فضل اور دہقان فنی اور بعض رسائل نظم و نثر کے مام نے پڑھے۔  
 وقت آخر میں میرا انصرفت جناب حاجی امین الدین سے شروع کی۔ ساری دہکتب اور شعبہ، ادب پچھ گچ جس کو تصنیف میں کئے ہیں جناب لودج سے پڑھی۔ اس مرحلہ میں جناب والد نے مولوی حسن بخش سانی کو ہماری تعلیم کے واسطے مقرر کیا ان کی خدمت میں ربدۃ الصفوف، صرف میر، مامو، عامل، شرح مامو، عامل، مصباح، ضریری، کافیہ اور شرح لا جالی پڑھی۔

اس مرحلے میں جناب والد نے ہم سب بھائیوں کو اکبر آباد میں طلب کیا۔ قریب چار برس کے وہاں رہنے کا اتفاق ہوا۔ جب زیارت | والد ہم سب بھائیوں کو وطن میں لے آئے تو ہمارا ہم لوگوں کی تعلیم کے واسطے مولوی فضل اللہ صاحب کو جو فوتی کے پوتے والے تھے مقرر کیا اسی مرحلے میں ایک شب کو خواب میں زیارت بابرکت حضرت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوا۔ اس صورت سے کہ آپ ہمارے گھر کی مسجد میں غار جماعت کی پڑھاتے ہیں اور میں اسی مسجد کی فصیل پر بیٹھا ہوا دھڑک رہا ہوں اور بہت جلدی کر رہا ہوں کہ جماعت کی نماز میں شریک ہو جاؤں لیکن اس قدر مجھے محرومی حاصل ہوئی کہ جب میں جماعت کے قریب پہنچا تو آپ نے سلام پھیر دیا اور جماعت کی طرف منہ پھیر کر دھا مانگتا شروع کی۔ اس میں میں بھی شریک ہوا لیکن جبرہ مبارک پر ایک برقع تھا کہ ہر کسی کی نیا بھی نصیب نہیں ہوئی۔ انھیں دنوں میں کچھ قبل یا بعد ایک شب کو حضرت بابی تعالیٰ جل شانہ کو خواب میں دیکھا ایک بہت جڑے سنا کی صورت پر مایہا الجو طرین میں ہیں۔ اس سے نہایت دشت اور غنم اس وقت مجھے حاصل ہوا۔ خداوند تعالیٰ مجھ کو اپنے ثمرات نہایت قریب سے نصیب فرمائے۔

جب والد مصالحت دائرہ سائر کے دور سے کے ذریعے سے فرخ آباد تشریف لائے، و اتم کو اکبر آباد سے طلب کیا۔ وہ تھی لیکن ہمارا آپ نے تشریف رکھی وہاں سے اسی قریب میں کہہ دین تشریف لائے۔ ہانچ چھ مہینے یہاں قیام ہوا جب آپ وہاں سے وطن میں لوہی کے دور سے کے واسطے روانہ ہوئے تب مام کو اجازت دی کہ کھنڈ میں اقامت کر کے کتب دور سے بقیہ سے فراغت کر دیں مگر ضرورتاً مام نے چھپنے چھپا کر مولوی غلیل الدین خاں کے مکان پر کھنڈ میں اقامت کی اور جناب مرزا حسن علی محدث سے کراڑ شاخہ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی سے تھے صدقہ قرأت شروع کیا۔

اس زمانے میں جناب والدین نے قریب شادی مام کی جسے طلاق سے فرادی غلام حیدر خاں صاحب کی بھلی بیٹی کے کما عقد نکاح ہوا تھا۔ اس کے چندہ بیس روپیہ کے بعد میرا کہ رواج ہے شادی ہوئی۔ ایک جوڑی مولوی محمد علی نے مادہ نہایت میرا شادی کا ہوا وہ بیچ اقول ملک کھڑے ہیں کوئی تھی صوبہ ڈیلا۔

ہمالیوں وصل مر باشتری باد

پھر جرح ملی آنے کا اتفاق ہوا ساری بہت تلاش روزگار کی طرٹ مہر و نثر ہوئی۔ مگر مطالعہ کتب کا شغل بے تعلقی میں بھی اور تعلق روزگار میں بھی رہا۔ اسی عرصے میں جناب بڑے بھائی نے مجھ کو کبیر آباد میں طلب کیا۔ وہاں کے کسٹرن مسٹر مکسوی نے جو صاحب اختیار تھے ایسا میری طلب کی۔ قریب تین برس وہاں اقامت ہوئی، وہ دو تین برس اکبر آباد میں نہایت بے شغلی اور طامی اور طالع میں بسر ہوئے۔ اس عرصے میں ایک عمدہ مشترک سررشتہ داری کلگری و فوہداری کی ذیلہ سورہ پر شاہرہ کی قرار پائی تھی صاحب کسٹرن نے مجھے طلب کیا تھا اس نے کلگری سے ایسا کیا کہ راقم کو اس عمدہ پر مقرر کرے۔ کلگری نے ان بزرگ سے جو خود پیشتر سررشتہ دار کلگری تھے پوچھا کہ فلاں شخص اس عمدہ کا انجام کر سکتا ہے؟ انھوں نے راقم کی بہت تعریف کی مگر از جنس تاکید الذم بالیشبہ المدح۔ یعنی ظاہر ایسی تقریر کی کہ وہ ہمارے صاحبزادے ہیں اور بزرگ زادے ہیں، بڑے عالم فاضل ہیں مگر یہ کام بہت مشکل ہے۔ غرض کسٹرن نے جب یہ امر سنا تو اس کی رائے ہوئی کہ اکبر آباد کے مدرسے میں مجھے مدرس مقرر کرے وہاں دو مدرس پاس روپیہ دواہر کے تھے ایک عربیت کی تعلیم کے واسطے اور ایک ریاضی پڑھانے کے لیے اور ایک ڈاکٹر مدرسے کا مہتمم تھا اس کی بر مزاجی کے سبب سے وہاں نے استعفا دیا۔ کسٹرن نے جب ڈاکٹر سے میرے مقرر کرنے کے واسطے کہا اس تقریر سے کہ تمہاری بر مزاجی کے سبب سے میں بہت شہرہ ہے کہ وہ قبول نہ کریں گے اگر قبول کریں تو سو روپیہ شاہرہ ان کا مقرر کر دو اور دو دنوں عمدہ دل کا انجام انہیں کو سپرد کر دو۔ ڈاکٹر نے مجھے طلب کر کے کہا۔ میں نے انکار کیا۔ تب اس نے بھائی صاحب کو طلب کر کے نہایت اصرار اور سماجت سے کہا کہ اپنے بھائی کو بھائیے داری قبول کریں اور بوجہ بھائی صاحب کے اصرار کے میں ان کے پاس گیا اور کہا کہ مجھے ہرگز خوف کسی طرح کا آپ سے نہیں ہے۔ مرن اس سبب سے کہ سورہ و پے میں میری بسر نہیں ہوگی اور محنت اور مشقت بہت ہے میں قبول نہیں کرتا۔ اگر آپ کی مرضی ہو تو میں دو آدمی اچھے فاضل بلا دلوں پہچلے دستور کے مطابق ایک کو عربیت کی تعلیم کے واسطے اور ایک کو ریاضی کی تعلیم کے واسطے مقرر کیجیے۔ جب والد کو خبر ہوئی تو بہت ناراض ہوئے اور خطا قبا کا مجھ کو لکھا کہ ایسا عمدہ خانہ آئی نے قبول نہ کیا نہایت غلات عقل حرکت کی۔ اصل غرض آپ کی یہ تھی کہ وہاں مقرر ہونے سے میرے علم کی تجدید ہوتی اور مشن مطالعے کا ہمیشہ رہتا۔

**دو عالموں میں جاہل** | جناب بھائی صاحب نے یہ کلگری کی کہ خود رخصت لی اور صاحب بیچ سے درخواست کر کے مجھ کو قائم مقام مقرر کر دیا تاکہ جب حکام کے سامنے کام کرنے کا اتفاق ہو تو وہ زعم باطل ان کا نکل جائے۔ قریب سات آٹھ مہینے کے بھائی کی غیبت میں ہر طرح کا کام پیش آیا حکام بہت راضی ہوئے۔ ایک مقدمہ بابت نزاع سرحد تین برس سے بھائی صاحب کی کچہری میں دائر تھا جس میں استاد کی مثل پانچ میر سے ورنڈ میں کم نہ ہوگی۔ صدر عدالت سے حکم اس کے فوراً انضال کا آیا اور کیفیت احوال کی طلب ہوئی۔ اس کے بوجہ صاحب بیچ نے میرے اوپر نہایت تاکید اور تشدد کیا کہ اسی مہینے میں اس کو فیصلہ کر دو میں نے جو اس مقدمے کو رد کیا اور مقتضی قریب ایک ہفتے کے ہر روز کچہری میں وہ پیش ہوتا تھا اور پھر سب مثل کو میں مگر میں نے آتا تھا۔ ادھی رات ٹھکس میں تنہائی میں خود کرتا تھا مطلق حقیقت کسی جانب کی میرے ذہن میں نہ آئی اور تحقیقات مفرد معلوم ہوئی۔ میرا ارادہ تھا کہ اسے پنجابیت میں پیش کروں مگر بیچ صاحب نے دانا اور نہایت تاکید کی کہ جس طرح سے جو اسی مہینے میں فیصلہ کر دو۔

جہاں تک تھا جس کے کچھ استاد سے کی حد سے اس کو میں نے فیصلہ کیا لیکن میری اس فیصلے سے دشمنی دہرائی۔ بعد ازاں اس کے دلہن میری حالت متحیر ہوئی اور خود بخود گردیدہ بکا میرے اوپر طاری ہوا اور یہ خیال ہوا کہ میں ایک جاہل عصف ہوں جو جب مصروف ہونے کے انصافی ہوں تو عالمی اعلیٰ کے واقعات کے درمیان ایک جاہل ہوتا ہے، محض دنیا کی طرح سے اپنے تئیں اس جوش میں مبتلا کیا ہے۔ اس کا نام عجیب میں کیا ہو گا اسی حالت میں راقم دست بردار ہوا کہ الہ العالیٰ مجھے فلاح قبول ہے مگر تو مجھ کو ایسے علم سے اور فکری سے محفوظ رکھو۔ دعا ایسی تیر بہت ہوئی کہ آج تک جناب اقدس نے اس بلا سے مجھے محفوظ رکھا۔

**بائیں مونچھ** دوسرا سر عجیب ہے کہ ایک شب کر میں نے خواب میں دیکھا میری بائیں طرف کی مونچھ خود بخود جاتی رہی۔ صبح کو آپ ہی آپ دل میں تعبیر آئی کہ لفظ ہندی بال کے فارسی میں بازو کے معنی میں معلوم کیا ہوتا ہے کہ کوئی انخوان میں سے جبروت بازو ہوتے ہیں اس عالم میں نہ رہا۔ اس کے تین چار روز کے بعد وطن کے خط سے معلوم ہوا کہ میری چھوٹی بہن معصومت ولادت جنین تو ام سے قضا کر گئی اور چونکہ مونچھ ٹوٹ ہے تو بائیں مونچھ کا جانا میری دونوں بہنوں میں چھوٹی بہن کے قضا کرنے پر جو تعبیر میرے ذہن میں گھڑی تھی بعد وقوع کے مثل آفتاب نیروز کے ظاہر ہوئی۔

انھیں ایام میں شوق علم بہت ہو گیا تھا۔ تصور یہ ہوا کہ میسٹ جدید انگریزی کی چونکہ بہت شہل ہوتی ہے اس کو دیکھنا چاہیے اس واسطے انگریزی کے حروف تہجی وغیرہ سیکھنے اور اتھ کی لکھی ہوئی جھٹیاں ایک انگریزی دان سے پڑھنا شروع کیں۔ غرض یہ تھی کہ پہلے انگریزی کے لکھے پڑھنے میں طاق بر جائے بعد اس کے بیسٹ کی کتابیں دیکھے۔ ایک کتاب قصہ کمانی کی بھی پڑھنے لگا تاکہ چھاپے کی کتاب میں بھی پڑھنے کی طاق ہو جائے۔ جب میں ولایت آمادہ روانگی کا ہوا ان دنوں میں انگریزی کے پڑھنے اور سمجھنے کی طاق بالکل دھبی مگر اتھ کا کھانا ہوا اور چھاپے کا اخبار کتب لغت کی اعانت سے کچھ پڑھا تھا اور فضل انگریزی کی اتھ سے بہت اچھی طرح سے کر لینا تھا مگر مصروف جمعی بننے کی طاق دھبی۔ ولایت میں جا کے جب اتھ پر اس قیام ہوا اتنی مدت میں بائیں انگریزی سمجھنا اور خود باتیں کرنا تو خوب آگیا اور خط لکھنے پڑھنے میں بھی مشق ہوئی کہ میں ہر قسم کے علوم کی سمجھنے لگا لیکن چونکہ درس انگریزی کا تربیت معمولی سے نہیں ہوا اور انگریزی زبان بہ نسبت ام لوگوں کے نہایت عسر ہے اور زیادہ عمر میں ہر زبان اور ہر علم کا سیکھنا دشوار ہے اس میں مجھے مکمل نہ حاصل ہوا۔ ناقص اور ناتمام رہا۔ صرف یہ امر ہوا کہ اس زبان سے جمات مطلق و بیخ ہو گئی اور جناب اقدس الہی نے جو میری تقدیر میں مقرر کیا ہے کہ کسی علم میں کمال نہ حاصل ہوا اور کسی علم سے علوم مستند اول میں سے جمات مطلق بھی در ہے وہ ہو گیا۔

تقریب میرے تقریب کی عجیب و غریب ہوئی۔ دو تین ملاقات کے بعد جب معلوم ہوا کہ کچھ مطلب (مسٹر کمبریج) سے نہیں نکلتا تو ایک دن میں ان سے رخصت ہونے کے واسطے گیا۔ اتوں اتوں میں میں نے اپنے تعلق کا حال قائم مقامی میں مدد افتا کے اکبر آباد میں مذکور کیا۔ کچھ استاد انگریزی جو اس عمر سے میں متعلق میری کار گزار ہی کے تھے اس کی نقل میں نے اپنے اتھ سے کی تھی۔ فی الحمدہ اس میں غالی تھی وہ فقر میں نے ان کے دیکھنے کے واسطے پیش کیں۔ انھوں نے وہ دیکھ کر بوجھ کے پوچھا کہ اس کے اتھ کی لکھی ہوئی ہیں۔ میں نے اپنے اتھ سے کھنا بیان کیا۔ ان کی میز پر ایک مسودہ دفتر کی جھٹی کا، ظاہر انھیں کا اپنا کھانا ہوا رکھا تھا، وہ مجھے دیا کہ اس کو چھو۔ چونکہ اتھ کی لکھی ہوئی تعبیروں کے پڑھنے کی کچھ مشق میں نے کی تھی میں اس کو اتوں سے آخر تک پڑھ گیا۔ کچھ اختلاف نہیں معلوم ہوئے وہ انہیں

نے خود بتا دیے۔ چونکہ اس عرصے میں حکام کی نہایت خواہش تھی کہ یہاں کے شرفاء انگریزی سیکھیں اور خصوصاً اہل اسلام کے بڑے بڑے خاندانوں کے لوگوں کی نفرت انگریزی سیکھنے سے سب کے دلوں میں تھی اسی قدر میری مشق اور توجہ انگریزی میں موجب نہایت ان کی مسرت کا ہوا۔ اسی وقت مجھے حکم دفتر میں حاضر ہونے کا کیا۔ اس دن کا فارسی کا کام میرے ہاتھ سے لیا پھر گورنر سے استجازات کر کے مجھ کو اپنے دفاتر عدالت اور مال میں میری مقرر کیا۔ ۱۸۳۷ء میں راقم اس عہدے پر مامور ہوا۔

۱۸۳۷ء میں جب لارڈ آکلنڈ گورنر جنرل نے کلکتہ سے مالک مغربیہ ہندوستان کا سفر کیا اور دستور کے موافق لفٹیننٹ گورنر آگلے کے بیلاست ہوئے تو وہ کام بھی گورنر جنرل کے ذمے پر ہوا اور چونکہ وہ جگہ کے محلہ پر پھر سے قرداں آگلے کی گورنری کے دفتر بھی طلب کیے۔ راقم بھی بموجب طلب کے شاہ جہاں آباد میں لشکر کے شامل ہوا۔ چونکہ سفر میں دستور ہے مشاہیرہ معینہ ہر شخص کا جو حضور میں ہوتا ہے گورنری کے دفاتر میں زحہ جایا کرتا ہے اس سبب سے اور بسبب سیر و سیاحت کے ایک گورنر حاصل ہوا مگر کوہستان پر بسبب تنہائی کے کچھ اور ادا و دو خلاف زحہ گئے اور اس کی برکت سے سندھ شری اور آزادوی جو طبیعت میں باقتضائے سن شباب تھی وہ جاتی رہی اور کچھ تقریبی زیادہ ہو گیا۔

**مبارک ولادت** | چونکہ جب سے شادی ہوئی تھی دو لڑکے پیدا ہوئے تھے اور وہ کم سنی میں گزر گئے۔ اس کے بعد میرے گھر کے دو لڑکیوں کو ایک ایسا عارضہ ہوا کہ مکرر سقوط حمل ہوا اور اولاد کی طرف سے ایک صورت یاس کی سی ہو گئی۔ وہیں کوہستان میں خبر ولادت ایک لڑکی کی آئی کہ غزہ جمادی الاول ۱۲۵۷ھ میں وطن میں پیدا ہوئی۔ یہ خبر سن کے راقم نے نہایت گریہ و زاری سے جناب اقدس الہی میں دعا اس کی حیات کی کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی زندگی میں بھی برکت دی اور اس کی ولادت اتنی مبارک میرے واسطے ہوئی کہ دو روز ولادت کے چوتھے یا پانچویں دن گورنر جنرل کی طرف سے مجھے خطاب خانی اور مبادری کا خطاب ہوا، پھر دو روز ترقی ہوئی گئی۔

**الف لیلہ کا ترجمہ** | ہنری طارنس نام ایک ارباب قلم میں سے نائب سیکرٹری گورنر جنرل کے تھے اور اہتمام فارسی دفتر کا انہیں سے متعلق تھا اور لارڈ آکلنڈ کو ایک شفقت خاص ان پر تھی شملے میں انھوں نے الف لیلہ ویل عربی میں مجھ سے ترجمہ کے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا تھا اس سبب سے ان کو ایک توجہ باطنی میری طرف تھی۔ میرے بہت خیر طلب تھے اور چاہتے تھے کہ کسی عہدے پر میری ترقی ہو۔

اس مقام پر ایک واقعہ غریب لکھنا مجھے مناسب معلوم ہوا۔ وہ یہ ہے کہ میں کلام اللہ کی تلاوت کرتا تھا۔ اس وقت ڈاک کے ہر کارے نے ”پچھلی کوئل کا فیصلہ کی جگہ کو دی جس میں لکھا تھا ہم کو تمہارا مقرر کرنا اس عہدے (میر فشی) پر منظور نہیں۔ تلاوت سے فرقت کر کے میں نے اس جہتی کو پڑھا باقتضائے بشریت مجھے حلال ہوا، لیکن اب تک میں دایوس اس عہدے کے تقرر سے نہیں تھا۔ گمان یہ تھا کہ ہنری طارنس مجھ کو ضرور اس عہدے پر مقرر کرانگے۔ کلام اللہ میں راقم نے فال دیکھی شروع صفحے سے یہ شروع ہوا تھا:-  
 بِالْحَقِّ لَمَّا خَلَقَ السَّجْدَ الْهَوَامِ اِنَّ شَاءَ اللّٰهُ اَتَيْنِيْهُنَّ مُّجَلِّدِيْنَ دُوْهُنَّ وَكُنَّ مُّقَمِّرٰتٍ لِّاَحْقَابِنَ وَلَقَدْ رَاسِعْنَ لَتَمْلِكُنَّ  
 فَجَعَلَ بَيْنَ قَوْمٍ وَآٰلِهِمْ نَهْجًا مُّسْتَرِيْبًا۔

اس دن سے غالباً ایک ہفتہ نہیں گزرا ہوگا کہ میری فشی فارسی دفتر خانے گورنر جنرل کا میں مقرر ہو گیا۔

**خوارسی** ایک بادشاہ تھا جس کا ایک خوارسی بادشاہ کے نام پر تھا ہر کچھ تھوہ دہشتے میں مقرر کرنے کے واسطے حکم فرما جس کے لیے جو حکم شاہ کا ایک محل سے کھا گیا اس خواہ میں میرے تاج کے سوسے خطاب مگر جہاں کو کھا گیا مرن میں کا ہم بادشاہ درجہ مقرر، کے نظام کے نام کے بعد لکھے گئے اس خوارسی بادشاہ نے پھر دیا اور شکایت کھیں۔ اگر وہ خطا سہل میں پھر آتا تو نام اپنے سہو کا اقرار کر کے اس کو جیل دیا۔ لیکن کرنی کا فیصلہ نے اس کو بہت طول دیا یعنی دفتر میں شکایت کے کھل دینے۔ جناب سرپرست نے مجھ سے درخواست فرمادی کہ خوارسی کے سامنے کی ہر کچھ کرنی کا فیصلہ کو بسبب شدت عداوت کے مجھ سے اپنے تاقض تفریق کا بھی خیال نہیں رہتا۔ ہمیشہ شکایت ساز و آسیر کی بادشاہ سے لکھتے تھے اس کی دفعہ بادشاہ کی ناراضا مندی مجھ سے لکھتے ہیں۔ میرا اس میں پورا خطاب مگر جہاں کا لکھ کے خط کو جیل دو۔ کچھ اختلاف بدل دینے مگر اصل جو اس کی عرض تھی لکھ جہاں کا لقب بن کر مقرر ملام نام اتہا کے خلاف سے نہیں لکھا گیا۔

ایک مرتبہ کرنی کا فیصلہ کو بادشاہ کے ایک خط میں شہادت و تصور دست گاہ کھا گیا تھا اور ہمیشہ سے عادت تھی کہ ریڈینٹ کو شہادت دہائی مرتبہ اہست و مصلیٰ منزلت لکھا جاتا تھا، سلاطین نظر اس کے کہ وہ اسباب رخ سے تھے کچھ قیامت زخمی مگر اس امر میں شرف اور کچھ اس پر اس طرح میں بادشاہ کے مارا لہام تھے انھوں نے کرنی کا فیصلہ کو برا ٹھیکہ کیا اور ان سے کہا کہ اس خط کے آنے سے آپ کی وقعت بادشاہ کے دل سے گھٹ گئی۔ چند مرتبہ اور اسی طرح کے مزخرفات دہان کے روز بچے میں وضع ہو کے اسے کسی طرح کا ضرر لکھ کر دیا۔

الغرض جب تک راقم اس منصب پر رہا نہایت آسائش اور کامرانی سے بسر فرماتا۔ لیکن جس طرح سے پچھلے میر خشیوں کو قتل حاصل ہوا اور اتنا اندونہ انھوں نے جمع کیا کہ چرمت امرائی کو نوکری کی حاجت نہ ہوئی راقم اس نعمت سے محروم رہا اور اس قدر بے مضامین کی تربیت ہوئی کہ برس چھ بیٹے بھی خاندان شہنشاہی میں طرح سے ہوا اثاثہ البیت کی بیچ باج کے تین چار برس بسر ہوئے۔ وہ دنوں یہ تصور ہوا کہ نوکری کرنا خالی سے بدتر ہے مشیت اپنی تجارت وغیرہ کے ذریعے سے حاصل کرنا چاہیے۔ چنانچہ اس فکر میں تین چار ہزار روپے چھاپ خانے میں اور کاشکی کل بنالے میں لگائے لیکن اس میں کچھ انتفاع نہ ہوا اور وہ ساری رقم ضائع ہوئی۔ مجبوری سے مرن تلاش روزگار کی عزیمت ہوئی سرپرست ماڈک جنگل کے ڈپٹی گورنر تھے اس سے استدعا ہوا کہ کوئی عمدہ عداوت یا مال کا بچھڑا ہوا ہتھیار میری طرف سے اور سرپرست ماڈک نے باہم بندوبست کیا کہ نواب ناظم مرشد آباد کی طرف سے ایک خطا خدمت میرے زور کے نواب امیر انسا بگرام دسویں میگ کی ڈیوڈھی کی ویلی پر منگوا کے جنگل کے گورنٹ میں بھیجا یا اور وہاں سے منگوا کے لکھ مقرر کیا۔ نواب ناظم نے نعمت فائزہ حلائے کے لکھ کو اس ڈیوڈھی پر مقرر کیا۔ یہ نواب امیر انسا بگرام نواب حالی جاہ نواب بدر کلاط لکھنے کی بلدی تھیں چھ بیٹے وقت میں نواب ناظم تھے اور بعد اس کے وہ گری شیش نواب مئی میگ کی مقرر ہوئے جو کہیں انگریز کی مال کلاطی بنی و عمدہ نہایت سہرنا تھا اور اس کا اعجاز و اختیار گورنر جنرل کے دفتر کے میر خشی سے برابر تھا۔ ایک لکھ روپہ سال میں نوڈھی نے مصارف کے واسطے نصحت فنت سے قدر مقرر تھا اور بہت سی ریاست زندہ داری وغیرہ کی تھی لیکن ان کی ڈیوڈھی میں چند عداوت بہ لکھتے تھے کہ وہاں سخت اتاری اور جنگلی تھی، بے انتہا تر ضد داری تھی برسوں کی تکرار کو روک کر لکھنے ہوئی تھی۔ مجھے علم اس ڈیوڈھی کے

انتظام کا اس طرح ہر اتحاد کا مطلق تنظیم صاحب کے راستے مصلوف کے باہر میں دسوں اور جیسا مناسب بہوں اپنی رائے سے انتظام کر دیں جو ایک کوشش محکمہ قومی نام نے درج کی ہے۔ نیز اس میں کی جڑی ہوئی ہے باقی کے آئندہ میں نے یہی تقسیم کرنے لگی۔ قرض ادا ہو گیا۔

**بنگال کا جادو** عجیب اتفاق ہوا کہ دفعۃً نواب ظالم کا مزاج میری طرف سے برہم ہو گیا ادنیٰ الجملہ میرے مرثیہ قدیم سرمدہزی طارنس بھی مجھ سے ناراض ہو گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ قبل مرشد آباد جانے کے میری طرف سے میرے دل میں یہ عقیدہ تھا کہ اس زمانے میں جو کچھ عظیم طاہری و دہنی میں کی ہے، ہمیں اس کا وجود نہیں، جو کچھ اس زمانے میں لوگ کہتے ہیں اور کرتے ہیں نرا دھوکا ہے۔ یہاں مرشد آباد میں میرے دل سے نکل گیا اور اب مجھے یقین لگا ہے کہ کسوں اب بھی اسی طرح کا اثر ہے جیسا پچھلے زمانے میں سنتے تھے میرا خوب عقیدہ دائمی ہے کہ دونوں کی طبیعت دفعۃً میری طرف سے صحت مہاد کے زور سے پھر گئی۔ پہلے مدت تک مجھ کو اس کا تصور نہ تھا حالانکہ یہ چار برس برابر ایام قیام مرشد آباد میں انواع اور اقسام طرح سے میرے اوپر جادو ہوئے۔ مگر میرے پلنگ کے نیچے کبھی تکیوں میں کبھی مسد کے نیچے کبھی آمد و رفت کے راستے میں عجیب عجیب چیزیں پائی گئیں۔ لوٹگئیں اور سیندور اور الائچی اور سونیاں اور کالی مرچیں اور نئی نئی چیزیں بی بی ہوئی روپے وغیرہ کی نکلیں اور پھینک دی گئیں۔ ایک دفعہ ہا خانے میں جس زینے پر میں اکثر بیٹھا تھا دیکھا کہ ایک مٹی کا برتن ہے اس پر دوسرا مٹی کا برتن بند ہے یہ دیکھ کے میں نے رخ حاجت نہ کی اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کو اٹھا کے جو دیکھا تو اس میں ایک چراغ کسی چیز کے برابر ہے اور کسی میں کسی جالہ کی چربی بھر کے چراغ جلایا ہے۔ اس کے گرد سیندور اور کچھ اور چیزیں ہیں اور جس مٹی کے برتن میں وہ رکھا تھا اس میں اور جو برتن بند تھا دونوں میں کسی قسم کے حروف غیر متعارف لکھے ہیں۔ اس کو اٹھا کے چنگو اڑایا۔ چونکہ بہت سے لوگ شاگرد و پیروں کے قریب تھے چالیس آدمی بلکہ کچھ زائد نظامت کی طرف سے میری دیوڑھی پر تھیں رہتے تھے اور پچھلے عہدہ میں بھی جہاد اور ہر کار سے اور ہر ممکن کام میں تھا اور صبح و شام ہر کار خانے سے وردی پہنچانے کو بہت سے لوگ آیا کرتے تھے کچھ اس کا بندوبست نہ ہوا اور یہ بھی دکھلا کہ شخص ایسی حرکت کیا کرتا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اس کا امداد اور تلاوت کلام اللہ کی اور حزب البحر وغیرہ جو میں پڑھتا تھا اس سے میری حفاظت تھی۔ جب دفعۃً جناب عالی نواب ظالم اور صاحب ایجنٹ کے مزاج میری جانب سے بدل گئے تو اب یقین ہو کر کہنے لڑا کہ۔

**طرف معاملہ** | اب ایک طرف معاملہ پیش آیا۔ مسٹر ہنری طارنس ہفتہ ششہ کے لیے کلکتے کے عازم ہوئے۔ ایک دھومیں کا جواز نظامت کا تدارک اکرہ ان کے لے جانے کے واسطے ہر جس دن صبح کو وہ سوار ہوں گے اس کے قبل شام کو ایک شخص نے بیچ کو آکے خبر دی کہ آپ اسی وقت جہاں کے صاحب ایجنٹ کو منسج کیجے کہ اس جہاز پر سوار نہ ہوں دو آدمی ساحراں جہاز پر بٹھائے گئے ہیں اور انھوں نے وعدہ محکم کیا ہے کہ صاحب ایجنٹ کلکتے میں پہنچ نہیں سکیں گے راستے میں ہم ان کو تمام کر دیں گے۔ اگرچہ اب سحر کی تاثیر کا یہی ناسخ میں ان کے حال موجود ہونے کا بخیر کفایتیں ہو گیا تھا لیکن اس کے ساتھ اتنی تاثیر مریض کا بچھہ مبالغہ معلوم ہوا اور اس وقت کسی حالت صاحب جنٹ کے پاس جانے کی رخصتی اور وہ میری ملاقات سے انکار بھی کر چکے تھے۔ وہاں جانا اور اس کی اطلاع کرنا بے ہودہ معلوم ہوا۔ میں دیکھا، صبح کو وہ سوار ہوئے۔ جہاز اسی دن شام کو یا دوسرے دن کلکتے میں پہنچا جو میرے مسٹر طارنس نے ارادہ جہاز پر سے اترنے کا کیا دفعہ انھیں صبح ہو کر گورنر سے اور جنرل ہوگئے دو تہہ، وہاں کے حوصے مانتھان کے محلے کے دو سرے تھکے ہوئے ہوا ہو گا۔

سے عقیدہ داشتی ہو گیا کہ زمانے میں سارا کمال اب تک موجود ہی۔

**میرے عمل کی تاثیر** | اسی مقام کے مناسب ذکر تاثیر اعمال عوی کا ہے۔ چونکہ راقم کو مرشد آباد میں ایسے امن پیش آنے سے نہایت رنج تھا اسی حالت میں میں نے ایک عمل نہایت تعرض اور دلاوی کے ساتھ چھا اور دیر و طاقی کو اللہ تعالیٰ سب میرے دشمنوں کو ہلاک اور ناب کرے۔ عجیب اتفاق ہوا کہ جناب عالی فرمایا ناظم ہنزہ سفر میں تھے کہ دہلی ایک شخص مصمم چھٹی کا کیا گیا یا حقیقت میں کسی خواجہ سرکاری کوئی چیز اس نے چھائی تھی، اس شخص پر اتنا ظلم ہوا کہ مر گیا۔ روز اتنی کے پاؤں میں باندھ کر سفر میں اس کو لے جاتے تھے جب لشکر نزد گاہ پہنچتا تھا تو اس پر ضرب اور شلاق ہوتی تھی۔ آخر اس وہ شخص تھل نہ ہوا، مر گیا۔ صاحب بحیرہ نے مرشد آباد کے سامنے رنقا اور مصاحبین فرمایا ناظم کی وارڈ کی۔

خود فرمایا ناظم کہ حکم عدالت نہیں ہیں محفوظ رہے اور سب خواجہ سرا اور نفاذ خود ہونے۔ سب پر جرم اس شخص کے ہلاک کا ثابت ہوا۔ خصوصاً وہ ذات شریف جو میری جگہ پر عرض کی مقرر ہوئے تھے پیش کی عدالت سے سب کے واسطے چودہ چودہ برس کی قید ہوئی۔ عرض کی گئی ظاہر اور شریف تھا، وہ کسی قسم کا زیر اپنے پاس رکھتا تھا۔ جب حکم اس کے عیس میں لے جانے کا ہوا تو وہ ہر کھلے مر گیا اور سب اس ہارہ آئی خواجہ سرا وغیرہ باجرواں مشقت کے ساتھ قید ہوئے۔ بعد ازاں عدالت میں معرفت و خواجہ سراؤں کی رہائی ہوئی۔ کہتے ہیں کہ گولی کی بھم رسانی اور تباہی میں قریب ایک دو ہزار کے انہوں نے خرچ کیا۔ مجھ کو خوب عقیدہ داشتی ہے کہ وہ سب کچھ خود واقع ہوا معرفت میرے عمل کی تاثیر سے ہوا اس واسطے کہ اس عمل کی تاثیر میں کہتے ہیں کہ وہ کبریت احمد ہے۔ انا انہوں کو اسے مت سکھاؤ۔

میری صلیب جناب عدالت کے پاس سے پھر اتھنا سے عسی اُن لکھو حواشیہ و حواشیہ لکھو برائی۔ بعد ازاں حوادث کے خصوص ہنزہی طارنس کی وفات کے بعد اگر میں ہنزہ اپنے معدوں پر بحال برتاؤ بھی باغی اور استغاثہ دیتا۔ لیکن مجھے ایک بڑا کھٹکا تھا کہ چار برس تک میں فرمایا انسانا بیگم کی ذہنی پر رونا لکھوں، وہ میرے ہاتھ سے فرج ہوا اور عرض کی کہ اور مدار اسلامی نظامت کے عدسے ہاگر جو۔ تھوڑے دن قیام ہوا وہاں بھی، وہ میرے ہاتھ سے اٹھا ہے۔ واصلات کے کچھ حصے میں سب مقامات تک مجھے جھلا دیں گے اگرچہ میں تدریجاً لوٹ تھا کہ اگر عاقلانہ مجھ سے حساب سمجھتے تو میں میں دی میں ذہنت ہو جاتی لیکن اس کا ہرگز گائی نہ تھا۔ خصوصاً بعد ستر ہنزہی طارنس کے قتل کرنے کے ایک صاحب مرشد آباد کے ہی تھے وہ تمام تمام اجنٹ گورنر جنرل کے ہو گئے اور بعضے وجہ سے مجھ سے کچھ تاواض تھے۔ اس سبب سے مجھ کو نہایت اذیت پیدا ہوا، اس عرصے میں کپتان گورنر مستقل اجنٹ ہونے پر پہلے دونوں لاڈ آگئے تھے صاحب تھے جب راقم نادسی دفتر کامیروشی تھا مجھ کو خوب جانتے تھے انہوں نے الی دفتر سے بالا بالا تحقیقات کر کے میری بے لوثی پر یقین کیا اور مجھے اجازت دی کہ تم جہاں جی چاہے چلے جاؤ۔

**ادوہ کی مضبوطی** | قریب دو برس کے میں خازن نشین رہا اتنے میں بدوہ کی سلطنت سرکار انگریز نے ضبط کر لی۔ جس دن مضبوطی کا حکم بادشاہ کو سنایا گیا راقم اپنے گھر میں تھا۔ تاکید میری طلب ہوئی اور بادشاہ نے اپنے پاس مجھے بلا کے نہایت تاکید سے دوسرے یا تیسرے دن مجھے لکھنؤ کی روانگی کا حکم دیا بس ایک تاکید تھی کہ کسی طرف سے میں روانہ ہو جاؤں اور پھر گھر میں دجاؤں ایسے اضطراب میں مجھ کو روانہ کیا کہ طبیعت نہایت منتشر ہوئی۔ میں کئی ایک شب کے واسطے اپنے عزیزوں سے رخصت ہونے کے لیے گھر میں آیا اس کی بیچ

کو کلکتہ کی طرف روانہ ہوا۔ بادشاہ کو ان کے غیر طلبوں نے صلاح دی تھی کہ بذات خود انگلستان کی طرف روانہ ہوں اور مراۃ اپنی منگولوں کا مکہ منظر کے حضور میں اور پارلیمنٹ میں اصناف پیش کریں۔ حقیقت میں یہ رائے بادشاہ کے واسطے بہت بہتر تھی اگر ایسا کرتے دو برس جو انھوں نے قلعہ میں رہنے سے مصیبت جمیل اس سے محفوظ رہتے۔ العزض بادشاہ نے کلکتہ کی روانگی کا قصد کیا اسی بندوبست کے واسطے پہلے راقم کو روانہ کیا اور تھوڑے دنوں کے بعد خود بھی روانہ ہوئے مگر چونکہ جبلت سے ضعیف العقب ہیں اور دریا کے سفر سے ان کو نہایت خوف و خطر تھا۔ لگتے میں پہنچ کے رائے بدل گئی۔ اپنی عزیمت موقوف کی۔ مکہ کشور اپنی والدہ اور مرزا حامد علی خاں بہادر ولی عہد اور مرزا جواد علی سکندر شہت کو توجہ اپنے آپ کے وقت میں جزل کھلاتے تھے ولایت کی روانگی کے واسطے تہیز کیا اور راقم کو سفیر مقرر کیا اور مکہ منظر کے نام جو عرضہ لکھا تھا اس میں یہ لکھا کہ میں نے اپنی والدہ اور بیٹے اور بھائی کو صرف حضور کی بار بار داری کے واسطے روانہ کیا ہے اور مولوی محمد مسیح الدین خاں بہادر کو اپنا مختار اور وکیل استغاثہ پیش کرنے کے واسطے مقرر کیا ہے ان تینوں کو مطلق میرے مقدمے سے اور دوسرے سے علاقہ نہیں ہے۔

قبل روانگی کے راقم نے بادشاہ کے حضور میں عرض کیا کہ جس امر کے واسطے قبلہ عالم فدوی کو اور اپنے عزیزوں کو اس سفر و دور دراز میں بھیجے ہیں بہت معصوب ہے اور انجام اس کا موقوف نہایت صبر اور تحمل اور محنت اور مشقت اور مصائب کثیرہ پر ہے۔ اگر گھبراہٹ قبول کر لینا منظور ہے تو ناحق اس امر کو آپ اختیار فرماتے ہیں، مجھے حکم ہوا کہ میں بہت اچھا بند و بہت سلطان عالم کے واسطے کرا دیسے اس پر ارشاد ہوا کہ میں بیک مانگوں گا اور دریغ نہ مری کروں گا مگر زنا را ایک جہ نقدی قبول نہیں کروں گا۔ عرض راقم مع سارے قلعے کے اٹھارہ ہون ملائے کو بنگال نام جہاز پر سوار ہوا۔

**خاصہ ان میں جواہرات** | پلاسنا و جم زاملی عہد بہادر کے براہیوں سے ہوا کہ بعضے رقوم جواہرات گراں بہا کے جو بادشاہ نے حضرت مکہ منظر کی نذر کے واسطے بھرا دیے تھے وہ مرزا ولی عہد بہادر کے منوع ہونے تھے اور ایک خواجہ سرا جمشی ان کی طرف سے خزانہ دار تھا۔ جب بند رسوئ میں جہاز کا لگان ہوا چونکہ وہ بڑا بھاری جہاز گھاٹ تک نہیں ہاسکتا تھا اس واسطے ایک اور چھوٹے جہاز پر سب مال و اسباب اتار کے گھاٹ پر لے جاتے تھے رستہ میں ان خواجہ سرا صاحب نے جو خزانہ دار تھے۔ ظاہر کیا کہ وہ رقوم جواہرات گراں بہا جس کی قیمت واقعی مجھے معلوم نہیں تھی مگر میری تمہیں میں دو تین لاکھ روپے سے زیادہ کے زخمے کم کا احتمال ہے، انھوں نے بڑے تہا سے چھوٹے جہاز پر آنے کے وقت ان کو ایک خاصہ ان میں رکھ کے اپنے ایک خدمتگار کے سپرد کر دیا تھا جو ذیہ و دو روپے سینے کا ان کے پاس نوکر تھا اس کے ہاتھ سے وہ خاصہ ان پر ذخار میں گر چلا۔ اب اس قصید میں عرض کرنا چاہیے اول تو وہ رقوم گراں بہا منہ و حق سے نکال کے خاصہ ان میں بدو کسی سے صلح نشوہ کے رکھ لینا۔ بعد اس کے خزانہ دار صاحب خود اس چھوٹے سے خاصہ ان کے بوجھ کے کاہے کو تحمل ہوتے۔ اپنے دو پیسے کے خدمتگار کو سپرد کر دیا اور اس کو بھی اپنی آنکھ کے سامنے نہ رکھا اہارت دی جہاز پر جہاں چاہے بیٹھے۔ عرض واقعی حقیقت اس معاملہ کی خدا کو معلوم ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ امر ابتدا سے بادشاہ کے ایک نعل کے بند و بہت کے بوجھ تصور میں آیا اور وہ خاصہ ان بجنس اس نعل کے پاس داخل ہو گیا یا ہلکتے سے وہ ال گیا ہی نہ تھا۔



**حکمر کشور کا دربار** | غرض نندین میں بادشاہ کے مقدمہ کا بہت عمدہ بندوبست ہوا۔ اول حکمر کشور کا انٹرویو وہاں دستور کیا کہ ہر شخص کو سیکڑوں لی بیان تشریف لاتی تھیں اور شرف و اوقات سے ہوتی تھیں۔ ہر سطح سے لے کر اسے پہنچے تک کتر انگشتانہ وغیرہ کی خدمت میں کئی باقی رہی ہوئی جواہر کی اوقات کے واسطے نہیں آئی۔ خود حکمر کشور کی خواہش طاقت کی ہوئی اور ایک خصوصیت سے حکمر کشور سے طاقت ہوئی۔ کہ جب سے انگشتانہ کی سلطنت قائم ہوئی ہے کبھی وہاں ایسا نہیں ہوتا تھا۔ یعنی زمانہ دربار ہوا کہ کئی مرد وہاں نہ تھا اور دربار خاص میں صرف حکمر کشور اور دونوں شہزادے اور دام گئے۔ حکمر کشور سے تو حکمر کشور نے اتھ دیا اور خود پیش ہوا طاقت میں ایک اسی شخص کی کسی پر حکمر کشور پیش اور مہاراجا کی خدمت ہوا اور ایک پہلو میں حکمر کشور کے اند ایک پہلو میں مرزا سکندر شہت حکمر کشور نے اور پشت پر قائم تھا اور اس وقت حکمر کشور نے اپنے چہرے سے برقع اٹھایا میری پشت پر ہر جارج کلاک حکمر کشور سے ہر نفس واسطے کو اس وقت تک میں پہلی انگریزی میں گفتگو نہیں کر سکتا تھا۔ جب دونوں حکمر کشور کے سامنے پیش ہوا اس وقت ماقم نے فریاد بادشاہ کا گناہ اس کو حکمر کشور نے اپنے اتھ میں لے لیا۔ بعد گفتگو ذوق و شوق حکمر کشور نے ارشاد کیا کہ میرا بیٹا پرنس آت ویز جو ملی سلطنت تھا۔ انکم میں چھوٹا بندہ سولہ برس کے ہے اس واسطے ان کو بہانہ یہاں کہنے کی نہیں ہوتی ہے اگر آپ اجازت دیں تو وہ بھی آویں حکمر کشور نے فرمایا: ”آپ کو بتا میرا چاہا ہے آپ بے تکلف ان کو بلا دیں۔“

بعد اس کے حکمر کشور نے دونوں شہزادوں کو اور ماقم کو حکم دیا کہ اس کے میسر سے دن ہم قیلولہ آویں کھانے کی میر ہر حاضر ہوں اور وہ ایسا کی گئی کہ ہر تقریب میں جو حکمر کشور کے یہاں ہوگی ہم قیلولہ شخص کی طلب ہوا کہ سگی لیکن تقدیر نے مجاز دیا یعنی دوسرے دن تادریق پہلے کے خبر آئی کہ بادشاہ کے قلعے میں قیدی کیا ہے وہ سا با بند و بست جرداں ہوا تھا سب قیدی ہو گیا۔ جب بادشاہ کے عقیدہ ہونے کی خبر ہوئی پہلی اور معلوم ہوا کہ ہندوستان میں نہایت زور و شور سے خدا شروع ہو گیا ہے۔ جتہ میری مقدمے کی دستگی کی ہم نے کئی تھیں وہ سب برہمن ہو گئیں۔ پہلے تو ہندوستان کے خدا نے سارا خراب کیا پھر بادشاہ کی سب صبری نے سب بالکل بتر کر دیا کہ وہ خدا نامہ جو پہلے آپا تھا قبول دیکھا اور پھر کسی خدا نامہ کے ادھ لاکھ روپہ قبول کر لیے جو ظالم انہیں کی ذات تک باقی رہی گئے۔

**حکمر کشور کی وفات** | حکمر کشور کا عارضہ دائمی استفاضہ کا تھا اس میں زیادتی ہوئی وہ نہایت گھبراہٹیں۔ انہوں نے قصد مراجعت کا کیا نہ نہ نہ سے پارس پہنچیں تھیں کہ قضا کر گئیں۔ ہاوس میں وہاں کے شہنشاہ نے ایک قطعہ زمین کا سلاطین روم کے سفیر کے اختیار میں چھوڑا ہے کہ شخص اہل اسلام میں سے ان کے ہوا میں میں قضا کر جائے وہ وہاں دینی پر۔ مگر دستور کے مطابق قیمت زمین کی داخل کرنا ضرور ہے اگر برس دو برس کے واسطے مولیٰ سے قیمت کم دینی ہوتی ہے بعد برس دو برس کے چالیس روپوں کی نکال کے کسی غلام میں ڈال دیتے ہیں اور اگر ہیشہ کے واسطے زمین مولیٰ سے اور بر پختہ وغیرہ بناوے قیمت بہت دینی ہوتی ہے۔ پہلے قراہات روم کے سفیر سے گئی پھر وہاں دینی کیا گیا اس وقت تک اس واسطے میں کوئی مسلمان مدد فرما نہیں ہوا تھا۔ چار لاکھ گز کا مربع ایک قطعہ زمین کا دوسرا روپہ کر دیا۔ مرن ایک سنگ مرمر کا چہرہ وہاں بنایا گیا اس میں تین ہزار روپہ خرچ ہوئے۔

**دھوم دھام** | لاش حکمر کشور کی اس دھوم دھام سے اٹھائی گئی کہ اگر کھنڈیں ہوتیں تو اس عظمت و شوکت سے لگن نہیں ہے کہ شہنشاہ سلطان روم کے سفیر اور بادشاہ ایران کے سفیر اور بھنے و زما فرانسس کے اور بہت سے امراء وہاں موجود تھے۔

سینکڑوں گھنٹوں میں اسی کے ساتھ تھیں اور اس سماں میں اس نے جہاں اقامت تھی مقابر تک قریب چار یا پانچ میل کا فاصلہ طے کیا۔ چنانچہ برابر اس رستے میں دو درہم قاشائیوں کی ایک ٹہنی تھی کہ آگیا لی بھٹکتے ڈھسری سر پہ جاتی۔

**گول مضمون** | شہنشاہ نے کسی کی اپنے دوزاں میں سے تقریر کے واسطے بھیجا اور پیغام دیا کہ دوزاں شاہزادوں کو لے کے اُن کے دربار میں راقم حاضر ہوں دوسرے دن راقم قمر سلطنت میں حاضر ہوا۔ ایک بڑے دوزاں میں شہنشاہ کے تھے جن کو چارویں بیٹا کی اصطلاح میں عرض بھی کہنا چاہیے۔ ان کے پاس میں گیا۔ جہاں وہ بیٹھے تھے وہ ایک بہت بڑا حلالہ تھا بیچ میں ایک پردہ پڑا ہوا تھا۔ پردے کے اس طرف خود شہنشاہ بیٹھے تھے۔ شاہزادے اس واسطے کہ جو کچھ گفتگو پروردہ خود نہیں۔ راقم نے عرض کیا کہ ہمارے شہزادوں کو شہنشاہ کے حضور میں حاضر ہونا نہایت اہم کا موجب فخر اور اعزاز کا ہے اور اگر یہ وہ تقریب نہایت مسرت کی ہے ایسی مسرت کی تقریب میں اپنی اس حالت قائم دار کی جس میں شہر تعالیٰ نے ان کو دیگا کیسا ہے۔ شہنشاہ کے دربار میں حاضر ہونے کو خلاف ادب سمجھتے ہیں۔ امید یہ ہے اس عدم حضوری کو شہنشاہ معاف کریں۔ بعد اس کے راقم نے عرض کیا کہ گلہ کشور کا اس سفر دود و داز میں اُس کے شہنشاہ کے دار السلطنت میں تضرع کرنا اس پر دلیل ہے کہ وہ مستغاثی اُن مقام کی بران پر واقع ہوئے خدا کی دعا وہ میں شہنشاہ کے ذریعے سے ہوتی ہیں اس واسطے ہم لوگ امید ورجی کہ شہنشاہ ہم لوگوں کی حق رسی کی معاف فرمائیں مگر معاف دود از سلطنت بھٹانیر اعظم کے ساتھ ہمیں مطلوب ہے معاف از اعانت کی درخواست نہیں ہے۔ بعد اس کے راقم نے انھیں دذیرے کہا کہ میں امید ورجی کہ اس کا جواب جو شہنشاہ دلیلی اس سے مجھ کو اطلاع ہو۔ دوسرے یا تیسرے دن ایک خط حسب اعظم شہنشاہ کے انھوں نے مجھے لکھا کہ اس کا مجب گول مضمون تھا کہ شہنشاہ کی دل سے خواہش ہے کہ سے حاکم کے اہرام اپنے حق کی کچھ نہیں۔ اگر یہ احانت ہماری موتوں بہت کبھی مرل پر ہے مگر شہنشاہ کو یقین دلائن ہے کہ سلطنت بھٹانیر کی خواہ خواہ خود وادی کی کہے گی۔

سکندر شہنشاہ

انفرض و اہل سے سعادت کر کے پھر قتل میں آگئے یہاں مرزا جواد علی سکندر رحمتہ سہاد نہایت مرایہ پرستے اور پورے سے ایک لینے کے بعد کلکٹور کے قتل کرنے سے، وہ بھی قتل کر گئے۔ اُن کا حاضریہ عجیب و غریب ہوا ایک دن اُن کے بزرگ نکلا تھا وہ سارے ہو گیا تھا کبھی اس کا ہنسانہ ہوتا تھا تو پھر دن بول کے پکڑا اور پھر تاشا پھر جب بننے لگا تو لکھنؤ پر جاتی تھی مہک کی دفعہ اسی حوالے سے زندہ کیا کہ اس کے سبب سے اب مقرر ہوئی آخر اُن اسی حوالے سے میں قتل کر گئے۔ مرزا سکندر رحمتہ مرزا علی کے نہایت غلیظ اور ہنر مند تھے لیکن مذہب تشیع میں اہل کوست حسب اور غلو تھا۔ چنانچہ کمال جہالت سے انھوں نے ایک طشت چاندی یا تانبے کا بنوایا تھا اس پر غلطی سے ٹھونسوں میں اندھیرا لگا دیا گیا اور وہی کے نام کندہ کر دئے تھے اور وہ طشت پیشہ ہاتھ لے کر کھڑکی میں لگا رہتا تھا۔ قلعہ نظر اس بے ادبی کے میرے زعم میں شدید مذہب میں لگا رہے اور اُن اُن حروف سے ہانڈ دی تھی۔ بے صورت میرے غصے میں اندھیرا لے نے اسی بے ادبی کے انتقام کے واسطے ان کے میرا پرہیز سوز پیدا کیا اور اسی حوالے سے میں قتل کر گئے تاکہ اور وہ کوکیت ہو۔ لیکن کوشش کے قائم کرنے سے پاس میں سے گیا اور ان کو بھی اسی دھوم دھام سے جو کلکٹور کی لاش اٹھانے میں ہوئی تھی، ان کے سپرد کر دیے گئے۔

جلسہ بازی کا مقصد | میں اپنے مصروف ذاتی میں تنگ ہوا اور نوبت فرض لینے کی پہنچی اور اسی لمحہ ہی سے میں جلسہ اول کے



جنگ۔ اس کے جواب میں دس پانچ ہفتے سے خراج کے واسطے معین ہوئے جس کے چار سو روپیہ ہینڈ سے کچھ زیادہ ہوا۔  
**تباہی و تباہی** | دال کے حکام نے یہ قیڑ کیا کہ مقدس میں جل اور یزید خواہ مخواہ ہے مگر مٹی اس سے آگاہ دتا اس واسطے کہ  
 چند میں نے شہر و شغب کیا کہ صرف قہار سے روکنے سے میں یہل ضرر۔ اگ اس مقصد کے فیصلہ ہونے کے بعد میں یہاں سے چلا جانا آ  
 کوئی میرا دامن گیر نہ تھا مگر کسی نے کچھ دنا۔ دوسری مصیبت یہ ہوئی کہ میں چالیس ہزار روپے کا میرا اسباب چوری ہو گیا۔ چور کڑے گے  
 ایک مدت تک اس کے کھڑے میں قائم رہا۔ ان کو سات سات برس کی قید ہوئی۔ مگر دو چار چیزوں کے سوا کچھ اتھ نہ لگا تیری مصیبت  
 کہ کچھ سے ہندوستان کی ریسے کے قریب ساٹھ سو ہزار روپے کے ہت سے میرے قبضے میں تھے اس کے متانہ پنج روپیہ بیسکڑہ کے؟  
 تھے وہ گلے میں اپنے امی و عیال کے مصروف کے واسطے آتا دیتے تھے وکلاہ کر اس سے اطلاع ہو گئی اور وزیر ہندوستان نے خلف  
 وعدگی کے کیری احانت سے دست برداری کی وکلاہ نے وہ سب حصے بکرا کے تعریف کر لیا۔

ہندوستان میں خد کے ایام میں جو خدادوں نے چھوڑا۔ وہ سرکاری فوج نے لوٹ لیا کچھ مکانات میرے اکبر آباد میں تھے وہ دیوار  
 کے حکام نے نلام کر ڈالے اب میں مجلس بخت ہو گیا زبنت فاکو کشی کے قریب پہنچی۔

**سرکار کو رسوا کیا** | جب میں نے بہت شہر و شغب پایا تب ایک بڑے افسر نے مجھ سے فرمایا کہ تم نے حتی المقدور سرکار کی بدنامی  
 میں کچھ قصور نہیں کیا بادشاہ کے مقصد سے میں کتابیں چھاپ چھاپ کر سارے عالم میں سرکار کو رسوا کیا اب سرکار  
 سے کس منہ سے امید اپنی رہا ہے کہ دیکھتے ہو۔ اس کے ساتھ اب یہ بھی مجھے یقین ہو گیا کہ اب اب اقتدار یہ بھی نہیں چاہتے کہ میں ہندوستان  
 میں جاؤں اس گلی سے کہ شاید پھر بادشاہ کو آدہ پارلیمنٹ میں استغاثے کا کر دوں۔ جب وزیر ہندوستان سے درخواست کی کہ اب میری  
 زبنت فاکو کشی کی آئی میری رہائی کر دینے والوں سے یہ جواب ہوا کہ وہ مٹی جس کی میرے اوپر ڈگری ہوئی ہے اس کی تحریری احانت حاصل کر لیا  
 تب فرض بھی میرا ادا کیا جائے گا اور جہاز کی سواہی کی بھی اجازت دی جائے گی۔

**کپڑے پھانٹے مگر کو آئے** | راتم نے مٹی سے درخواست کی کہ تم اپنی ڈگری میرے اوپر جاری کر دو تو مجھے کچھ چارہ نہیں ہو گا بجز  
 اس کے کہ انسا لوسی دیوالہ کی درخواست گنڈالوں اور اگر جاری کر دانا ڈگری کا منظور نہیں ہے  
 تو اجازت تحریری مجھے دو۔ اس نے کہا کہ بغیر مجھے تم سے اوپر ڈگری جاری کرنا منظور ہے اور نہ میں تحریری اجازت دوں گا اور اگر تم مجھے  
 جانگے تو میں نہیں نہیں دوں گا۔

اب راتم نے اپنے وکلاہ سے کہا کہ ہزاروں روپیہ تم میرے کچھ ایسا سالانہ کر دو کہ میں یہاں سے روانہ ہو جاؤں۔ ہزار  
 دھواری قریب ایک ہزار روپے کے انھوں نے تہہ کی اس سے راتم نے ایک فرانسیسی کپڑے سے بندوبست کیا جس کے ذریعے  
 وزیر ہندوستان میں راتم ہندو سے روانہ ہوا چاروں دلی کا فکلی میں سفر ہوا اور سات دلی دہلیم پادس اور مارہیس کے راستے سے  
 گیا ویدی دلی جہاں اسکندریہ میں مسند اوردہ تھا کہ مسند کا منظر میں جاؤں۔ بنیت صادق بارگاہ الہی کی طرف توجہ ہو کر دعا کی اور پھر ہندوستان  
 حیدر دکن کو زیدہ گروانا اور عرض کیا کہ میں نے اب اپنے تیس خزا اور دلی کی صفائی میں سپرد کیا۔ جس طرح ہر جگہ کویت الشادہ دینے الہی پر اپنے

بکثرت نہیں کہ اس سے زیادہ کی کھاتیر صرف محمدی اور رضا اللہ وصل نے ایسی سہائی کی کہ دوست ہیں کلاس کے محلِ عروج کے درجہ اولیٰ  
الہیہ پہنچنے اور امت مسلمہ کی ترقی میں برسرِ کھڑی۔

سلمان تو کیا! | اتفاق سے میری ملازمین جلا پر اس وقت پہنچا جب اس کا ٹکڑا آٹا تھا متعین غصہ پٹ صندوق آٹا کے  
ظروں میں چھینک رہا اس پر نشان لکھنے کی قوت ڈال کر یہ صندوق اسکنڈے میں پڑی گئے۔ اس جلا پر بھی کھسکا  
بہت تھے جب فکر ہوا میں منتظر رہا کہ میرے صندوق خواہے سے نکلیں تو پہچان کے میں بے لالہ۔ لوگوں نے کہا گھٹ پر چڑھ کر دیکھا  
آٹا ہے راتوں سے یہ۔ گھاٹ پر پہنچا تو شام چمکتی وہاں لوگوں نے کہا اب اندھیرے میں اسباب نہیں مل سکتا۔ اس وقت کہیں ہمارے  
احصا کر کے چچ کر آئے اسباب نے جانا میری ڈھیر میں چھوڑ آیا اور وہاں اسباب رات ہی کو بھیج کے مسافروں کے ساتھ دلی پر لو گیا  
میں کو بھر گھاٹ پر پہنچا۔ اسباب حضرت صاحب کہیں وہ۔ جانا کہ کہیں کے ختم ہو سکتا ہے میں تھے میں کہیں ہمارے کھانا نہ ہو  
ابہر میں اور سر پر میں نہیں کرانے کے لیے یہ عجیبی کہ اس اس طرح کے صندوق لٹانے مسافر کا اسباب ہے وہ آگے بڑھ رہے۔ مجھ سے کہاتم  
ابہر جلا وہاں تم کہا اسباب نے کہ۔ نا تم ابہر میں آ جا اور وہ اسباب سر پر میں لگی رہا کہ۔ جلا پر لٹے کھانا کی طرف رو دیا ہو گیا یہ میرے  
اس وہی پکڑے ہو جلا پر تھے وہ گئے۔ شب کہاتم ایک ٹرکی میں سو رہی جا کے رات میں چار اشرفی آگھر ہی جو ٹرکی میرے پاس تھیں وہ  
میں نے پکڑا میں اب میرے پاس ایک جتہ دار اور دروازے کے فرش کو کافی پر۔

میرا اسباب ہر پہننے کے لئے ملا تھا یعنی سونہرے پہننے کے لئے ڈاکاں سے بھر کے آیا۔ میں ہار دیویر میرے پاس اتنی تھیں مجھ سے ایک بڑے نقصان والی گڑبڑ کے ان جو ساتھ میرے ساتھ ہیں ان کے پاس میں گیا کہ ان سے کچھ قرض مانگوں گا مگر حجت مقضیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر کسی سے کچھ طلب نہ کرو۔ یہ دلیل میں قصور کر کے اصرار کرتا ہوا اسی وقت ایک شخص نے کے غمزدگی کہ مری ہوئی تھی غریب صاحب مخدوم کے پاس ایک ہار دیویر کی ہینڈی میرے گھر سے میرے سہولت کے واسطے آئی ہے۔ مری واک نرت شاہ عبدالعزیز کے ذریعے مری اسحاق صاحب راجہ کے کچھ لئے ایمانی دانی ملا جو میرے ہاں رہے تھے تاہم ہمارے انیس کے گھر میں لاش پڑا تھا۔

ایک شب کہ ایک بزرگ کے دہن کرنے کے واسطے جنت المثلیٰ میں اتھاق جانے کا ہوا چہ کہ وہاں لاشیں کرست تھیں غلام  
مرد کے دباہیت میں ہزاروں لاشیں گردا گرد پر رکھی ہوئی تھیں۔ شدت نفس سے میری عجیب کیفیت ہو گئی کہ سمجھت و شہم ہوئی خوش  
اصوات پر مکتوں میں کچھ کے گر پڑا۔ و شاکہ نماز کے واسطے عزم میں جانے کی کوشش نہائی۔

درجہ اولیٰ کے لئے شریعت میں جہان نے ہمت سے فکر نہ کیا اور کسی روز میں یعنی میں داخل ہوا۔ چوتھی شہان ۱۳۳۳ھ میں صلیبی  
اور چوتھے اطمینان میں داخل ہوا۔

## گلبدن بیگم

جب حضرت فردوس مکانی (دابر) اس ہمائی خانی سے عالم جادوئی کی حرکت سدھارے اس وقت مجھ ناچیزی عمر آٹھ سال کی تھی۔ اس لیے آپ کے عہد کی کچھ زیادہ باتیں تو مجھے یاد نہیں، مگر جتنا میں یاد ہے اور جو کچھ سنا ہے وہ یوں جب فرمان شاہی لکھے جاتی ہیں بادشاہی کرنے میں جتنی تکلیفیں اور شدید خطرے ہمارے حضرت بادشاہ (دابر) کو پیش آئے، اتنے شاید ہی کسی کو پیش آئے ہوں اور جنگ کے میدانوں اور خطروں میں جیسا حمل اور روانگی اور ویری آپ نے دکھائی اس کی مثال کسی بادشاہ کے ذکر میں بھل لے گی۔ کابل کی فتح خدائے تعالیٰ نے آپ کے لیے بہت مبارک کی، کیونکہ اس کے بعد آپ کے ہاں اٹھارہ بچے پیدا ہوئے، اول اکم یعنی ماہم بیگم سے حضرت ہمایوں بادشاہ، بارہول میرزا، مرزا جہان بیگم، ایشاں دولت بیگم اور فاروق میرزا۔ محمود سلطان بیگم دختر سلطان احمد میرزا کے ہاں ایک لڑکی ہوئی جس کی پیدائش کے وقت آپ فوت ہو گئیں۔ لڑکی کا نام ماں کے نام پر رکھ دیا گیا۔

گورنر بیگم سے کامران میرزا، عسکری میرزا، شاہ رخ میرزا، سلطان احمد میرزا اور گلخار بیگم۔  
دوسرے بیگم سے گلرنگ بیگم، چمکرہ بیگم، ہندال میرزا، گلبدن بیگم اور آلود میرزا۔ غرض کابل لینا نیک فال سمجھتے تھے کیونکہ سب بچے وہیں پیدا ہوئے۔ سوائے شکر گروں کے جن کی پیدائش غرست میں ہوئی۔ مہر جان بیگم، ماہم بیگم سے اور گلرنگ بیگم و لالہ بیگم سے حضرت فردوس مکانی کے سب سے بڑے بیٹے ہمایوں بادشاہ کی پیدائش مبارک سہ شنبہ کی رات ۴۔ ذیقعدہ ۹۱۲ھ کو کابل کے قلعے میں ہوئی۔ اس وقت آفتاب برج حرکت میں تھا۔ پیدائش کی تاریخ سلطان ہمایوں خاں "ہوئی۔ ایک اور تاریخ بادشاہ فیروز قدر "ہوئی۔ ۵۱۰ھ جب ۹۳۲ھ جمعہ کے روز پانی پت کے مقام پر سلطان ابراہیم بن سلطان سکندر بن سلطان بھلول لودی سے سامان ہما، حمایت، اہلی سے آپ اس پر غالب آئے۔ خواجہ کلاں بیگ نے کئی دفعہ کابل واپس جانے کی اجازت چاہی اور قندریا کہ ہندستان کی آبد ہو میر سے مزاج کے موافق نہیں مگر اجازت ہو تو کچھ عرصہ کابل میں رہوں مگر حضرت بادشاہ خواجہ سے جدا ہوتا ہرگز پسند نہ کرتے تھے۔ آخر جب آپ نے دیکھا کہ خواجہ بہت ہی مصرع تو اجازت دے دی اور کہا کہ جب جاؤ تو ہندستان کے قلعے اور ناہ چہر میں جو سلطان ابراہیم پر فتح حاصل کر کے ہمارے آقا خانی میں پہنچے ساتھ لیتے جانا اور انہیں بزدل بیگات اور چلاری بیہوشی اور گھر کی عورتوں کو دے دیے۔ ہم قس ایک فرست بنا کر دیں گے اس کے مطابق تقسیم کر دینا اور کہنا کہ دریاں خانے کے باغ میں سب بیگات کے لیے جدا جدا بچے اور سربراہ دے نصب کئے جائیں اور جب محل خوب ہر وقت ہو جائے تو سب خدا کے عہد میں ہمہ شکر بجا لائیں کہ لڑکی کا نام خ

نصیب ہوئی اور ہر ایک بچہ کو اس تفصیل سے سمجھ دیا، ایک رات صبح کو لڑکی سلطان ابراہیم کی لڑکیوں میں سے تھی جس کے ساتھ ایک کونے کی رگالی جو چارہ اور مکمل اور صوابیہ اور باتوت، الحاس، الزمرہ، فیروزہ، زہرہ اور علیہ الرحمہ تھے جو لڑکوں کے ساتھ مکملی خزانہ اشرفیوں سے تھے، اور دو خزانہ شامی تھے، اور ان کے علاوہ ہر قسم کے کپڑے ہیں جن سے ہر ایک کی تعداد نو سو، اس طرح اور ہر قسم کے جھٹے کے چار خزانہ اور ایک رگالی ہوئی۔ اور میری ولایت کے ہر حسب ایک رات صبح لڑکی اور ایک رگالی جو بہت کی، ایک اشرفی کی اور ایک شامی کی ہر گنگی گنگی کو پیش کرنا اور ہر ایک کو دی جو بہت کی رگالی اور دی لڑکی دنیا بھر میں نے ایسے کے لیے تجویز کی ہے۔ اس کے علاوہ اور کچھ بھی ہوں گے، ان میں بعد میں پیش کرنا۔ غرض میری بہنوں اور بچوں کو ان گھر کی عورتوں اور دستہ داروں اور عیالت کے اور گھر کی فکر عورتوں اور آٹاؤں اور ان کے بچوں کو اور ان سب کو میرے دعا گو ہیں، ایک ایک جوہر اور شرفیاں اور شہرٹی اور کپڑے دیتے جائیں۔ چنانچہ اسی تفصیل سے دیتے گئے۔ تین دن تک بارخ اور دیوان خانہ میں سب جمع ہو کر خوشی مناتے رہے اور غرت کرتے رہے۔ حضرت بادشاہ کی سعادت اور اقبال کے لیے سب نے دعا مانگی اور خوشی سے غرت کے ہمہ سے بھاگے۔

### پندرہ سیر کی اشرفی

بادشاہ نے خواہر گاہ کے ہاتھ عویس کے لیے ایک بڑی سی اشرفی بھی تھی جو وزن میں تین بادشاہی سیر یعنی چھ ہندستان سیر کے برابر تھی۔ آپ نے خواہر سے کہہ دیا تھا کہ اگر جس قسم سے پوچھے کہ بادشاہ نے میرے لیے کیا مہیا ہے تو کہہ دینا کہ ایک اشرفی بھی ہے اور اتنی ایک ہی اشرفی تھی۔ جس نے اس پر تعجب کیا اور تین دن تک اس بات پر اچھے دل میں گرفتار رہا۔ بادشاہ نے فرمایا تھا کہ اشرفی میں سوراخ کر کے اس میں زوری ڈالی جائے اور جس کی آنکھیں بند کر کے اشرفی اس کے گے میں لٹا دی جائے اور آگے ٹھکر کے اندر پیچ دیا جائے۔ جو کسی کو اشرفی جس کے گے میں ڈالی گئی تو اس کے بوجھ سے وہ بہت گھبرا گیا اور گدلی میں بہت خوش ہوا۔ اس نے دو دن باقر سے اپنی اشرفی کو تمام لیا اور خوش ہو کر کہتا تھا کہ کیو میری اشرفی کو کوئی نہ لے۔ بیگمات میں سے ہر ایک نے اسے دس بارہ اشرفیاں دیں اس طرح ستر اشرفیاں اس کے پاس اور جمع ہو گئیں۔

ہمدی ۱۱ ذی قعدہ ۹۳۲ھ کو ہیکری کے دامن میں جس کے دربار پر راجہ پور آباد ہے رانا ساٹھ کے خوف سے جنگ آ رہا تھا اور خدا کی حمایت سے اس پر فتح حاصل کر کے غازی بنے۔ ایک سال بعد کام میں نام علی گاہی سے ہندستان آئیں اور یہ تاجپنڈ انجمن علی گاہی ان کے ساتھ آئی اور بہنوں سے پہلے ہندستان پہنچی اور حضرت بادشاہ کے حضور میں باہر پہنچی۔ کول سے آگے تک آگام کی سواری کے ساتھ دوسو سوار تھے اور شاہدہ فائدہ گھوڑے، دو نانا پانگیاں جو بادشاہ بہام نے بھی تھیں اور ایک ہانگی جو آپ کے ساتھ کابل سے آئی تھی اور آپ کے حلیوں میں ایک سونو نیل قیس جو بہت عمدہ گھنٹوں پر سونہارے رب آراستہ پر استہ قیس۔

بادشاہ بہام کے وزیر اپنی بیوی سلطانہ کے ساتھ ڈگر تک استقبال کے لیے آئے تھے۔ نیم ہانگی میں تھی اور میری لادوں

سنے لکھے باغچے میں انکا اور وہیں ایک چھوٹا سا قلعہ بھی لکھا جس پر بٹھایا اور لکھے یہ لکھا کہ جب بادشاہ کے وزیر صاحب آئیں تو تم کھڑے ہو کر ان سے ملنا۔ جب وہ آئے تو میں کھڑے ہو کر ان سے ملی۔ اتنے میں ان کی بیوی سلطانہ بھی آگئیں ہیں، انجانے میں ان کی تعظیم کے لیے بھی کھڑا ہونا پڑا حتیٰ کہ وزیر صاحب نے اعتراض کیا اور کہلا یہ تو تعارضی ہوئی بڑھایا ماما ہے اس کے لیے کھڑے ہونے کی کیا ضرورت ہے فقارہ دلائے اس بڑے غلام کی بہت عزت افزائی کی کہ اس کے ہارے میں یہ حکم دیا کہ اس سے کھڑے ہو کر ملو۔ ان کے لیے سب کچھ روا ہے مگر بندوں کی کیا مجال ہے کہ ایسی گستاخی کریں۔

## وزیر کے گھر و دولت

وزیر صاحب نے باغی بنوار شاہ دلی اور باغی گھوڑے لکھویش کیسے جو میں نے قبول کئے اور ان کی بیوی سلطانہ نے تین بنوار شاہ دلی اور تین گھوڑے پیش کئے اور کہا کہ اتنا ہے اگر مکمل فرمائیں تو بندوں کی عزت افزائی ہوگی۔ میں نے ان کی دعوت قبول کی۔ ایک اچھی سی جگہ پر ایک تختہ چھایا گیا اور اس پر ایک سرخ ریشمی چاند کا فرش کیا گیا جس کا مائیں گرائی ڈوبت کا تھا اور سرخ ریشم اور زربفت کے چھوٹے شیشے لکھڑے کیے گئے جن میں ہر ایک کا اندھا رنگ تھا اور سرخ رنگ کے چاندی کے ستروں پر اسٹروٹ تھا اور سرخ رنگ کی چوبیس رنگ بزرگ تھیں۔

میں وزیر صاحب کے پاس بیٹھ گیا نہ میں تقریباً چار بجے ہوئی بیڑی اور انان اور شربت اور بہت سے چل تھے۔ کھانے کے بعد میری بیوی میرے ساتھ بادشاہ کے حضور میں گئی اور آداب بجالائے۔ میں آپ کے قدموں میں گر پڑی تاہم بہت خاطر سے پیش آئے اور کچھ دیر تک لکھے اپنی گد میں بٹھایا اس وقت لکھے ایسی خوشی ہوئی کہ اس سے بڑھ کر خوشی نہیں ہو سکتی۔

میں لگے سے آئے جس میں نے گوندے تھے کہ حضرت بادشاہ و محل پروردگار ہو گئے۔ حضرت ماہم بیگم اور بیہنا بیگم بھی آپ کے ساتھ و محل پروردگار کی سیر کو گئے۔ و محل پروردگار نے ایک تھکے کھڑے سے وہ دونوں محل پروردگار و ان سے ہم نگر کی گئے وہاں تالاب کے کنارے یہ آپ نے ایک بارہ ندی بنوائی تھی۔ بہت دیر بن کر تیار ہو گئی تو آپ کشتی میں بیٹھ کر جاتے تھے اور میر کرتے تھے اور میر کرتے تھے اور میر کرتے تھے اور میر کرتے تھے۔ یہ بارہ ندی اب تک موجود ہے۔ میری کسمانگی میں آپ نے ایک سو گندی خزانہ لکھے اور اس میں ایک توڑا سا بڑا یا تھا جہاں بیٹھ کر آپ اپنی کتاب لکھا کرتے تھے۔

میں اور اتناں آقا چھپ کر محل کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے اور کامنار پہنچنے لگی تھیں۔ میں نے افغانی آقا چھپ سے کہا کہ لڑا میرا تھک چکا ہے۔ افغانی آقا چھپ نے میرا ہاتھ ایسے دھڑکے کہینا کہ میرا ہاتھ اتر گیا میں تکلیف سے رو لے لی۔ آخر کمال کر گیا تھا۔ اس نے میرا ہاتھ رچا۔ پھر بادشاہ آگے کی طرف روانہ ہوئے۔

## بایوں کی بیماری

اس وقت میں صفا عمر لڑائی کی مرض ماحضہ دلی سے آئی کہ بایوں میں زہا بیل ہیں اور ان کا جب حال ہے۔ یہ سن کر حضرت آقام لبریشین ہوئے اور دلی کا لکھا گیا۔ حضور میں بایوں میں زہا ہے۔ بایوں میں آگے سے انہیں دیکھا تو آقا چھپ۔



اور بیاد پایا۔ وہاں سے ہزاروں میل پہنچے انکو کہ کھڑن دھان جو گئے جب وہ انکو پہنچے تو یہ خبر انکی بہنوں کے ساتھ حضرت بہنوں کے حضور میں گئی۔ اس وقت آپ کا فرستادہ تھا کہ آپ کبھی جو شہر آئے تو کہتے تھے میری بہنوں کو خوش آمدید ہو گا ایک دوسرے کے گھر میں ہیں اب آپ کو ملے گے ہیں۔ وہ جب حضرت بادشاہ نے انکو آپ کو گئے تو انکو ان کے گھر پر پہنچنے کے لئے انکو قیام دیا۔ اور ہزاروں بادشاہ بھی انکو ان کے گھر پر پہنچانے کے لئے اس کے ساتھ آپ کو کہنے لگے۔

اس اثنا میں حضرت کاظم نے کہا کہ آپ میرے بیٹے سے غافل ہیں۔ آپ بادشاہ ہیں آپ کیا کوئی آپ کے لئے کسی چیز میں کوتاہی ہے کہ میرا ایک ہی بیٹا ہے۔ حضرت بادشاہ نے جواب دیا "اگر میرے لئے کوئی چیز ہے تو میرے بیٹوں کے لئے بھی اسی حالت اور اداسی اور غم و شہدہ ناپائیداروں کے لئے ہوتا ہے۔"

ہائیں یہ ناک باری کے دوران میں حضرت بلالؓ نے روزہ حضرت خنظلہؓ کی کم ہاضمہ شروع کیلئے یہ روزہ چلا دینے سے کیا کیا ہے کہ آپ نے مجھ کو اپنی سر فہرست شروع کر دیا۔ اس دن میں ہر بہت گرم علی ٹاپ کا دل اور جگر تک ہر گیلہ آپ نے خدائے دہاگی کو اسے خدا کر جان کا عرض جان ہو سکتی ہے تو میں اپنی ایمان بنی جہاں ہائیں کو دیتا ہوں۔ اسی دن سے حضرت عمرؓ دس سال کی پیار ہو گئے اور پھر بلالؓ بلالہ نسل کیس کے ابھرتے اور اور اکسا۔

آپ کو یاد رہی بیٹھے بیمار رہے۔ اس اثنا میں میرزا تاملوں کا غرور چلے گئے۔ جب آپ کی حالت ادا ان خواب برقی تو آپ نے بچاؤ  
بادشاہ کو بلانے کے لیے ایک فاسد مہاجران جلدی جلدی سڑکرتے ہوئے آئے۔ جب بادشاہ کے حضور پہنچے تو دیکھا کہ آپ بہت ہی  
کمزور ہو گئے ہیں۔ حسرت و تاملوں بادشاہ ہر وقت طاری ہو گئی اور اس غمناک بادشاہ کا اندلہ کرنے لگے۔

صوت ارشاد شاہ بابا میر غفری یہ پوچھتے تھے کہ ہندال کہاں ہے اور کہاں ہے؟ ہندال میرزا اب کتابت فرمایا کہ اس کی شکل کس جیسی ہے؟ میر غفری ایک میرزا کا لباس پہنے ہوئے تھا۔ اس نے دکھایا کہ یہ لشکر اور کہاں ہے جو انھوں نے جند کو کشت کیا ہے۔ آپ نے قریب دیکھا یا اور کہیں ہندال کا قلعہ ثابت اب کتابت فرمایا کہ ہر ساعت آپ جی کہتے تھے کہ ہزار انوس ہندال کریں دیکھا اور کئی سامنے آتا تھا اس سے پوچھتے تھے کہ ہندال کب آئے گا۔

اس ناموس ٹپ کے بیٹ کی تکلیف اندر فرم گئی۔ آنحضرت کی بعض دیگر کربلیوں نے عرض کی کہ کسی ذہر کی علامات مرہم دیں جو سلطان بہاؤدین کی دلدلے خنجر اٹھا۔

## بابر کی وفات

دوسرے دن آپ نے سب اہلکار کو گرا کر بلایا۔ منت سے یہ بات میرے دل پہ تھی کہ لڑی بادشاہی بھائی مینا کے سپرد کر دوں اور خود باغ و فاشن میں گشت نشین ہو جاؤں۔ خاکی صرافوں سے سب نعمتیں خریدھوں مگر یہ وہ چمکاؤں کا شہر تھا جہاں میں آکر صاحبِ لب میں چمدنی سے چھاپا ہوگا ہل ہل توں یہ دھنیت کا کہ جس کو سب لوگ بھائیوں کو میری جگہ تعیند کریں، احساس کی غلطی ہو کر تباہی نہ کریں۔ بھائیوں میں تجھے اور میرے بھائیوں کو اور اپنے حریفوں کو، اپنے آدمیوں کو اور میرے آدمیوں کو خدا کے سپرد کرنا چاہیے۔

یہ سب کو گدو گدو لے گئے اور آپ کی آنکھوں میں بھی آنسو بر آتے تھے۔ دن کے بعد آپ اس عالم فانی سے عالم جاودہ کی طرقت مدعا ہے۔  
یہ واقعہ ۱۷ جمادی الاولیٰ روز ۱۲۷۴ھ میں ہوا۔

## ہمایوں کی تخت نشینی

آپ کا واقعہ پوشیدہ رکھا گیا۔ آخر کو رائٹ خاں نے جو ہندی امراء میں سے تھا عرض کی کہ اس بات کو چھپاتے رکھنا اچھا نہیں ہنڈستا میں یہ عام بات ہے کہ جب کسی بادشاہ کا انتقال ہوتا ہے تو بازاری لوگ لٹ مار شروع کر دیتے ہیں۔ اس کا اندیشہ ہے کہ کہیں بے خبری میں منہ مکالوں اور جوہروں میں گھس کر لوٹ نہ جائیں۔ مناسب یہ ہے کہ ایک آدمی کو سرخ کپڑے پہنا کر باقی پر سوا کریں اور وہ یہ منادی کر دے کہ حضرت باہر بادشاہ نے دو بیٹے اختیار کر لیے اور اپنی بلو شاہی ہمایوں بادشاہ کو دے دی ہے۔ حضرت ہمایوں بادشاہ نے کہا اسی طرح کرو۔ اس میں نے کی تو درج کو آپ تخت شاہی پر بیٹھے۔

اسی دن میرزا ہندال کابل سے آکر حضرت ہمایوں بادشاہ کی خدمت میں بلایا ہوئے۔ ان پر آپ نے بہت سی منائیں کیں اور بہت خوش ہونے پر فرزند و دشمن میں ملحقا۔ اس میں سے بہت سا میرزا ہندال کو عنایت فرمایا۔

جب تک کام زندہ رہیں ان کے دولت خانے میں آکر حضرت بادشاہ کو دیکھتی تھیں۔ تمام کام کی وفات کے بعد حضرت ہمایوں بادشاہ اس شکستہ دل کی اس قدر عنایت سے معاملہ جرتی کرتے تھے اور اس بے چاری سے اتنی شفقت برتتے کہ میں اپنی بیٹی اور لادولی بھول گئی۔

## یونانی دھوکا تھا

اکامین باہم بیگم کی یہ بہت تناد اور آندھ تھی کہ ہمایوں کے بچے کو دیکھیں۔ جہاں کہیں کوئی صاحب حسن و جمال لڑکی دیکھتی تھیں اسے حضرت بادشاہ کی خدمت میں لے آتی تھیں خندنگ بیدل کی بیٹی میرہ جان میرے پاس آکر قہر حضرت فردوس مکانی کی وفات کے بعد ایک دن اکام نے فرمایا ہمایوں میرہ جان بری نہیں۔ اپنی خدمت میں اس کو گروں نہیں لے پتے وہ آفران کے کچنے سے ہمایوں بادشاہ نے اسی رات میرہ جان سے نکاح کر لیا۔ تین دن بعد بیگم کابل سے آئیں آپ کے ہاں امید ہوئی۔ میرہ جان نے اکام سے کہا میرے ہاں بھی امید ہے۔ عرض اکام نے وہ تم کا سالن تیار کیا اور کہا کہ تم میں سے جس کے ہاں بڑا ہوگا زیادہ اچھا سالن میں اس کو دے دوں گی۔ اس اختلاف میں بیگم کے ہاں خفیہ بیگم برتی۔ اب آپ کی نظر میرہ جان کی طرقت گئی ہوئی تھی فردوس میں سے گئے اور گیا اصرار میں بھی ختم ہونے کو آیا۔ میرہ جان نے کہا کہ میری خالہ این بیگم کے حرم میں تھیں ان کے ہاں باد میں نے ملا کا پیدا ہوا تھا شاید میں بھی انہی کی طرح ہوں۔ نیچے سے گئے تو نگیں بری گئیں تاخیر حرم چکر نہ بھی دھوکا تھا۔

ہاں شوال میں اکام تشریف کشم میں تھے ہر تین سالوں کی تیرہ تاریخ کو شہرہ میں چلے ہیں۔ حضرت باہم کے بچوں کا دارغ قیمتی کانہ جو گیا خصوصاً میرے لیے کہ ان کا خوں نے میری پردہ کش کی تھی میرا صاحب عالی ہو گیا۔ اضطراب مصیبت اور رخ عالم نے آیا۔ رات میں نئی نئی رات تھی۔ حضرت بادشاہ نے کئی دفعہ میری تسلی فرم فرمائی۔ حضرت اکام مجھے اپنے ہاں لے گئے تھیں۔ اس وقت میری عمر دو سال

کی تھی۔ آپ نے میری پرورش کی اور ابھی میں وہ سال کی تھی کہ آپ نے رحلت فرمائی۔ انتقال کے ایک سال بعد تک میں آپ کے مکان میں رہی۔

جب حضرت بادشاہ دھول پور کی سیر کو گئے تو میں بھی اپنی والدہ کے ہمراہ آپ کے ساتھ گئی۔ اس وقت میں گیاہری سالی میں تھی۔ مادرجب کی پندرہ تالیف کو مکمل کر دیا۔ میں آپ نے گجرات کی طرف جانے کا حکم کیا اور اپنا پیش خانہ باغ زماناں میں نصب کیا اور اس باغ میں ٹھہری جو نے تک ایک مینار رہے۔ جب تک اس باغ میں آپ کا قیام رہا آتم یعنی میری والدہ دلدار بیگم اور میری بہنیں اور بیگم خدیجہ آپ کے ساتھ رہیں۔ دوسرے دن اس ناچ کے قیام گاہ میں جلوہ افروز ہوئے۔ تین پہرات تک مجلس رہی۔ اس میں بہت سی بیگمات میری بہنیں اور بہت سی مستورات شریک تھیں اور گانے بجانے والے موجود تھے۔ سر پہرات کے بعد حضرت بادشاہ نے آدم فرمایا اور آپ کی بہنیں اور بیگمات بھی سب ہمیں آپ کے قریب سو گئیں۔

صبح کے وقت بیگم نے آپ کو جگا کر کہا کہ نماز کا وقت ہے۔ آپ نے طربا پر خرو کا پانی بہاں لگایا۔ جب بیگم نے دیکھا کہ بادشاہ بیدار ہو گئے ہیں تو شکایت شروع کی کہ اس باغ میں آپ کو تشریف لے گئے تھے دن ہو گئے مگر ایک دن بھی جھٹکے ہوئے آئے۔ حضرت نے کچھ جواب نہ دیا اور نماز پڑھنے کو کہنے لگے۔ جب ایک پہر دن بھر آیا تو اپنی بہنیں اور بیگمات کو بلایا۔ جب ہم آپ کے سامنے گئے تو آپ خاموش رہے اور ہم سب کچھ گنگے آپ ٹھننے میں ہیں۔ کچھ دیر کے بعد آپ نے بیگم کو خطاب کر کے کہا کہ لی لی میں نے تم سے کیا بدسلوکی کی جس کی آغا ص تم شکایت کر رہی تھیں۔ تم جاؤ میری اہوئی آدمی ہوں اگر تھکے ہو آئے جانے میں دیر ہو تو اس میں تمہاری ننگی کی کوئی وجہ نہیں۔ تم سب مجھے اپنی ایک ایک فکر اس سفر میں کی دے دو کہ آپ کا جی چاہے آتے یا نہ آتے۔ ہم سب آپ سے خوش اور مطمئن رہیں گے۔ مگر بیگم نے فرمایا کہ کہ آپ کو دے دیا۔ بیگم نے قہرنا سا اپنی بات پر اصرار کیا اور کہا خدا گناہ سے بدو مظلوم ہوتا ہے۔ آخر انھوں نے بھی اقرار نامہ کر دے دیا۔

## تشریف شاہ

ایک دن سب غافل بیٹھے ہوئے تھے کہ شیر خاں نے آکر حاکم کر دیا۔ بادشاہی ٹھکانہ کو شکست ہوئی اور بہت سے بادشاہی آدمی قید ہو گئے۔ حضرت بادشاہ کے دست مبارک میں بھی زخم آیا سنگھ پہنچنے سے پٹیلے آئی کہ شیر خاں چوسر کی طرف سے آ رہا ہے اس کے آدمیوں میں بہت اضطراب پھیل گیا۔ اس پہل میں بعض آدمی ایسے غائب ہوئے کہ پھر ان کا کچھ بھی نام و نشان نہ ملا۔ ان میں حاتھ سلطان بیگم دختر سلطان حسین میرزا، بیگم جان کہ حنفیہ بیگم بہانہ لہلی رجوسات بیٹنے سے مالد تھیں اور شاد لہلی شال ہیں۔ غرض کہ کئی بیگیاں حضرت بادشاہ کے حرم میں تھیں۔ گم شدہ لوگوں میں سے بعض کی بالکل خبر نہ ملی کہ دیا میں ڈوب گئے یا کیا ہوئے۔ حضرت بادشاہ نے بعد میں ہر چند کاش کی کہ پتا نہ ملا۔ چالیس رو تک حضرت بادشاہ بیمار رہے اس کے بعد صحت پائی۔

چند دن کے بعد باغ زماناں سے نکل کر میرزا اکبر علی بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جس دن بادشاہ آئے تھے ہم اسی دن شام کو ان کے حضور میں بادشاہ پرستے تھے۔ جب آپ نے اس ناچ کو دیکھا تو فرمایا کہ میں نے تو تجھے پہلے پہا نا ہی نہیں کرنا کہ جب جلد اٹھ کر

کوڑ بھاگ گیا تھا۔ اس وقت تو زونہی بنا کرتی تھی اور اب جو میں نے تجھے ایک تھما بہ اپنے دیکھا تو نہیں پہچانا کہ کون ہے۔ مجھ دن تو مجھے بہت یاد آتی تھی اور بس دھڑ دھڑا ہوا تھا کہ کاشن تھے اپنے ساتھ لے آئے۔ مگر جب وہاں یہی پہل پہل تھیں لے کر گیا اور کہا کہ الحمد للہ میں گولڈن کر اپنے ساتھ نہیں لایا۔ عینذیوں تو نہ اس کی ڈکی تھی مگر اس کے لیے میں نے ہے انتہا غم اور اسوس کیا اور پشیمان ہوتا تھا کہ اسے میں اپنے ہمراہ کیوں لایا۔“

## میرزا ہندال سے صفائی

کچھ دن کے بعد حضرت بادشاہ میری والدہ سے ملنے آئے اور قرآن شریف اپنے ساتھ لائے۔ فرمایا تم کو میری والدہ کے لیے اور لوگ ہٹ جائیں۔ سب اٹھ کھڑے گئے تو آپ نے آجم اور اس ناچیز کو خطاب کر کے کہا: ”ہندال میرا دست و بازو ہے جس طرح ہمیں آٹھ کی چٹائی مطلوب ہے اسی طرح توت بازو بھی پسند ہے۔ میرے دل میں ہندال کی کھڑن سے کوئی میل نہیں لگتیں اس کا یقین نہیں تو...“ آپ نے قرآن شریف کو اونچا اٹھایا تھا مگر میری والدہ دلدازیم اور ناچیز نے اسے آپ کے ہاتھ سے لے لیا اور سب نے کہا: ”یہ سب ہی ہے آپ ایسی باتیں کیوں کرتے ہیں؟“ آپ نے دوبارہ فرمایا: ”مجھ کو کیا اچھا ہو اگر تو مجھ کو اپنے بھائی ہندال کو لے آئے۔“ میری والدہ نے کہا: ”یہ ذرا سی پتی ہے کبھی اس نے اکیلے سفر نہیں کیا مگر آپ اجازت دیں تو میں خود چلی جاؤں۔“ حضرت بادشاہ نے فرمایا: ”اگر میں آپ کو تکلیف دوں تو یہ اس لیے ہے کہ مجھ کی قوم خود ہی مان پر لازم ہے۔ آخر میرا بھتا کہ آپ نے میری والدہ کے ساتھ میرزا ہندال کو لانے کے لیے بھیجا۔“ میرزا ہندال آگئے۔ حضرت والدہ بہت خوش ہوئی۔ میرزا ہندال آپ کی ہمراہی میں اور سے روانہ ہو کر حضرت بادشاہ کے حضور میں بار بار اب ہوتے۔ شیخ بھول کے واسطے میں میرزا ہندال نے یہ کہا کہ وہ زندہ بکترانیں ساز اور سپہ گری کا سامان شیر خاں کو بھیجا کرتے تھے اس لیے میں نے انہیں قتل کیا۔

## نظام ستھ

چند روز کے بعد جرنائی کو شیر خاں کھنڈ کے قریب بھیج دیا گیا ہے۔ ان دنوں ایک ستھ حضرت بادشاہ کا خادم تھا جب حضرت بادشاہ چور کے مقام پر دریا میں اپنے گھوڑے سے اٹک ہو گئے تھے تو اس ستھ نے اگر آپ کی مدد کی تو آپ اس حضور سے صحیح سلامت باہر نکلے اس کے محلے میں آپ نے اس ستھ کو تخت پر بٹھا دیا۔ اس جان نثار خادم کا نام مجھے ٹیک سلوم نہیں ہوا۔ بعض لوگ اسے نظام کہتے تھے اور بعض منبل کہتے تھے۔ غرض اس ستھ کو تخت پر بٹھا کر حکم دیا کہ سب افراد اس کے سامنے گورنش کریں اور اس کا جو بھی چاہے کسی کو دے اور جس کسی کو بلا چاہے منصب عطا کرے۔ دو دن کے لیے اس ستھ کو بادشاہی دی گئی۔ میرزا ہندال اس کے دربار میں حاضر نہ ہوئے۔ دوبارہ ان چلے گئے۔ میرزا اکمران بھی نہ آئے۔ یہاں تھے۔ حضرت بادشاہ کو یہ کہہ کر بھیجا کہ اس غلام پر عنایت اور صبرائی کسی اور شکل میں کرنی چاہئے تھی بھلا اس کی کیا فزولہ تھی کہ اس کو تخت پر ہی بٹھا دیا جائے۔ آج کل شیر خاں تو قریب آ پہنچا ہے اندازاً یہ کھیل کر رہے ہیں۔

## میرزا اکمران

ان دنوں میں میرزا اکمران کی بیاد میں بہت زبرد پکڑا کھنڈ کی کوئی مید نہ رہی تھی مگر خدا کی عنایت سے آپ کی حالت بہتر ہو گئی۔

خبر آئی کہ شیرخان گھنٹہ سے روانہ ہو گیا۔ حضرت بادشاہ نے خروج کا رخ کیا اور میرزا ابراہیم کو اپنی جگہ لگے۔ چند دن کے بعد میرزا ابراہیم نے شاہ بادشاہ نے دیا گئے گنگا کو چھوڑ کر لیا ہے۔ یہ سن کر آپ بھی لگے سے ہل کھڑے ہوئے۔ ہم لگ بھگ گھنٹہ تک عیم گئے کہ میرزا ابراہیم نے ایک باؤ سامی خزانہ بھیجا کہ تم میرے ساتھ ہو رہو۔

میرزا ابراہیم نے بادشاہ سے کہا تھا کہ میری بہادری بہت شدید ہے اور اس پر دین میں میرا کوئی دوست اور غم خورد نہیں اگر آپ گھنٹہ تک عیم سے کہیں کہ وہ میرے ساتھ ہو رہے تو میں ہر حال میں جگہ۔ حضرت بادشاہ نے کہا سے یہ کہہ دیا تھا کہ اچھا چل جاتے صوب بادشاہ گھنٹہ کی طرف دین منزل چلے گئے تو میرزا ابراہیم نے گئے شامی خزانہ لکھایا اور صرا کر کیا کہ تم میرے ساتھ مزدور۔ میری والدہ نے کہا کہ اس نے کہیں ہم سے ملے گا کہ سفر نہیں کیا۔ میرزا ابراہیم نے جواب دیا کہ تو آپ بھی ساتھ چلیں۔ اس کے بعد کوئی باغی سوچا ہی اور مقبرہ انبر پٹے رضاعی باپ اور بھائی دونوں کو میری والدہ کے پاس بھیجا اور کہا کہ اگر آپ ہمدونک نہیں جانتیں تو ایک منزل تک بھی میرے ساتھ چلیں چنانچہ ہم ایک منزل تک ان کے ساتھ گئے۔ یہاں اگر میرزا ابراہیم نے پھر بہت سی قسمیں کھائیں اور بعد ان ہی کہا کہ میں تجھے اپنے پاس سے نہیں جانے دوں گا۔ آخر بہت گریہ و زاری کے ساتھ اپنی سوتیل ماں سے اور اپنی والدہ اور بہنوں سے اور اپنے بھائیوں سے عرض ان سب سے کہیں کہ ساتھ میں بھی سہلی بی بی قی جی بھے جدا چھوڑاؤ اور میرزا ابراہیم زبردستی مجھے اپنے ساتھ لے گئے۔ بادشاہ کے پاس میں نے عرضداشت بھیجی کہ مجھے جناب سے یہ توقع نہ تھی کہ آپ اس ناچیز کو اپنی خدمت سے جدا کر کے میرزا ابراہیم کے پاس لے کر آیا میرزا نے صرا کر کیا اور ملت سماجت کی کہ جو ہر روز تجھے ان کے سپرد کرنا پڑا۔ آج کل ہم وہ پیش ہے بادشاہ اندر اس جگہ سے فارغ ہوں گے تو سب سے پہلے تجھے اپنے پاس بلا لیں گے۔

## شیر شاہ

جسہ ہم ہمدون پٹے تو سنگ لے دیا گئے گنگا کے کنارے پر جنگ ہوئی اور شاہی فوج کو بہت ہار ہوئی۔ اسے حضرت بادشاہ اپنے بھائیوں اور عزیزوں سمیت اس شدید خطرے سے نکل آئے۔ ہمدون میں حضرت بادشاہ نے خواہر خانی کے باغ میں لیلی ملی تاج کے مقبرے کے قریب قیام کیا۔ ان دنوں ہر روز شیرخان کی خبریں سننے میں آتی تھیں۔ یعنی بیٹے لاہور میں رہے آئے وہی خبر آتی تھی کہ اب وہ کوس دور اب تین کوس آگے بڑھا ہے۔ آخر ساکر سر ہند پہنچ گیا ہے۔ بادشاہ کے پاس خطرہ لگ گیا کہ ایک ترکمان بدیر خاں اسے تھامنے کے ہمدون کے ہمدون شیرخان کے پاس بھیجا اور کہا کہ اگر یہ کیا انسان ہے۔ سدا ہمدونستان میں نہ تھے تیرے لیے چھوڑ دیا۔ ایک لاہور میرے پاس رہ گیا ہے جس اب سر ہند پہلے اور تیرے وہاں سر ہند بھیجا ہے۔ اس خدا ناکس نے یہ بات قبول نہ کی اور کہہ گئے میں نے کابل تھامنے کے لیے چھوڑ دیا ہے اور پہلے جانے کا خطرہ لگ گیا۔ اسی وقت وہاں سے روانہ ہو گئے اور اپنے آگے ایک تھامہ کو دوڑا کہ جا کر حضرت بادشاہ سے کہہ دے کہ اب وہ ہمدون پہنچا ہے۔ یہ خبر آتی ہی آپ پہل کھڑے ہوئے وہ بھی وہی گویا تھامہ کا وہ تھا۔ لوگوں نے اپنے آواز سے کہیں اور سنا دیا کہ وہ کافر ہو گیا۔ ان جو کچھ نقدی پاس قی وہ لے گئے۔

چند دن بعد بارہابی کے کاسہ پر قیام کیا۔ یہاں شیرخان کی طرف سے ایک دہلی آیا۔ بادشاہ نے لیلی لکھا کہ میرے دل کی

اس سے ملاقات کریں۔ میرزا کامران نے یہ درخواست پیش کی کہ کل صبح جو مجلس ہوگی اور شیرخان کا اپنی حاضر ہوگا۔ اس وقت اگر میں آپ کی مسند کے ایک گوشے پر بیٹھ جاؤں، تاکہ مجھ میں اور میرے جانوروں میں کچھ امتیاز ہو جائے، تو یہ بات میرے لیے بہت سزاوارتی کا باعث ہوگی۔ عیدہ بانو، بیگم کئی ہیں کہ حضرت بادشاہ نے یہ راجی لکھ کر میرزا کامران کو بھجوا دی۔ مگر میں نے سنا تھا کہ آپ نے جواباً شیرخان کو اس کے اپنی کے ہاتھ یہ راجی بھجوائی تھی۔

دو آئینہ گرچہ خود نمائی باشد      پیوستہ ز خویشین جدائی باشد  
خود را بشال غیر و دین بلب است      این بواجبی کار خدائی باشد  
شیرخان کی طرف سے جو ایسی کیا تھا وہ آپ کے حضور میں اکر آداب بجا لایا۔

## ایک خواب

آپ کی خاطر مبارک مول ہو گئی۔ اسی غمی کی حالت میں آپ سو گئے۔ خواب میں دیکھا کہ آپ کے ایک عزیز آئے جو سسے پاؤں تک سبز لباس پہنے ہوئے تھے اور ان کے ہاتھ میں ایک مھا تھا۔ ان بزرگ نے آپ سے کہا کہ جواں مرد بڑا اور راج نہ کرو۔ انھوں نے اپنا مھا حضرت بادشاہ کو دیا اور کہا۔ خدا نے تعالیٰ تجھے ایک لڑکا دے گا اس کا نام جلال الدین محمد اکبر رکھو۔ حضرت بادشاہ نے پوچھا۔ آپ کا اسم شریف کیا ہے۔ فرمایا۔ زندہ ہل احمد جام۔ اور کہا کہ وہ لڑکا میری نسل سے ہوگا۔

حضرت بادشاہ نے فرمایا کہ اگر میرے بجائی اس سے اتفاق کریں تو اچھا ہے کہ میں بدشاہ چلا جاؤں اور کابل میرزا کامران کے پاس رہے۔ مگر میرزا کامران اس پر بھی راضی نہ ہوئے کہ حضرت بادشاہ کابل کے رستے سے بدشاہ چلے جائیں اور کہنے لگے کہ اپنی زندگی میں حضرت فرود سلطان نے کابل میری والدہ کو دے دیا تھا آپ کا اس طرف جانا مناسب نہیں ہے۔ ہر چند بادشاہ نے میرزا کامران کو ایمان دلیا اور صلح کی کوشش کی مگر مخالفت اور برکتی گئی۔ جب آپ نے دیکھ کر میرزا کے ساتھ بہت سی محبت ہے اور وہ ہرگز آپ کو کابل کی طرف نہیں جانے دیں گے تو اس کے سوا اور کوئی چارہ نظر نہ آیا کہ حنان اور بھکر کا رخ کریں۔ حنان پہنچ کر آپ نے ایک دن قیام کیا۔ یہاں فدا کا فی مقدار میں مینا نہ ہوا۔ اس علاقے میں بختواتی ایک بوج تھا۔ حضرت بادشاہ نے اپنے ایک آدمی کے ہاتھ ظم اور نقدہ اور گھڑا اور خلعت اس بوج کو بھجوائی اور کشتی اور فدا طلب کیا۔ بختواتی نے تقریباً ایک سو کشتیاں فٹے سے بھر کر بھیج دیں۔ اس شانستہ خدمت سے آپ بہت خوش ہوئے۔ نقدہ اپنے آدمیوں میں تقسیم کیا اور خیر و سکھت سے دیا کہ عبور کیا خدا بختواتی بوج کا بھکر کرے کہ ایسے آڑے وقت میں وہ ایسی مناسب خدمت بجا لایا۔

کچھ مفاصلے کے کہ آپ بھکر پہنچے۔ اس قلعے کے حاکم سلطان محمود نے حفا سے بند کر لیے۔ آپ نے میر مندر کو شاہ حسین کے پاس بھیجا کہ ہم جھٹنا تھاری ولایت میں آئے ہیں۔ تمہارا ملک قسین مبارک رہے۔ ہم اس میں مداخلت کرنا نہیں چاہتے۔ ایک مرتبہ تم خود ہمارے پاس آؤ اور جو ضروری خدمت ہے وہ بجاؤ۔ شاہ حسین کچھ ہلنے بنا تا رہا۔ تین مہینے انتظار کیا۔ نقدہ بھی مفا تھا کہیں نہیں ملا تھا۔ لشکر کے آدمی اپنے گھوڑوں اور اداؤں کو ذبح کر کے کھا دیتے تھے۔ دوبارہ آپ نے شیخ عبد الغفور کو شاہ حسین کے پاس بھیجا اور کہوایا آخر تک انتظار کرناؤ گے؟ اس نے جواب بھیجا کہ میری بیٹی میرزا کامران سے خوب ہے۔ یہ نکل نہیں کہ آپ مجھ سے ملیں اور میں خود بھی آپ کی خدمت

میں حاضر نہیں ہو سکتا۔

اس اثنا میں میرزا ہندال نے دیا کو مجبور کیا۔ حضرت بادشاہ میری والدہ سے ملنے کے لیے تشریف لائے۔ اس مجلس میں میرزا ہندال کے گھر کی عورتیں بھی حضرت بادشاہ کے سامنے آئیں۔ ان میں عیدہ بانو بیگم کو دیکھ کر آپ نے پوچھا: "یہ کون ہے؟" والدہ نے کہا: "میرزا بادوست کی بیٹی ہیں۔" خواجہ معظم آپ کے سامنے کھڑا تھا، اسے دیکھ کر آپ نے کہا تو یہ لڑکا ہمارے عزیزوں میں سے تھا اور عیدہ بانو بیگم کی طرف دیکھ کر کہا اور ان سے بھی ہماری قربت ہے۔

### عیدہ بانو بیگم

ان دنوں عیدہ بانو بیگم اکثر میرزا ہندال کے ہاں رہتی تھیں۔ دوسرے دن حضرت بادشاہ دوبارہ میری والدہ و والدہ بیگم سے ملنے آئے اور فرمایا: میرزا بادوست ہمارے عزیزوں میں سے ہیں۔ یہ بہت اچھا ہو اگر آپ ان کی بیٹی سے ہماری شادی کر دیں۔ یہ سن کر میرزا ہندال نے بہت سے ہنر کیے اور کہا کہ اس لڑکی کو میں اپنی بیٹی اور بہن سمجھتا ہوں۔ آپ بادشاہ ہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کی اس سے موافقت نہ ہو سکے اور اس سے آپ کو تکلیف ہو۔ اس پر حضرت بادشاہ خفا ہو گئے والدہ کو کہنے لگے۔

اس کے بعد میری والدہ نے ایک خط لکھ کر آپ کو بھیجا کہ لڑکی کی ماں تو اس سے بھی زیادہ ناز و محبت کرتی ہے۔ آپ میرزا ہندال کی اتنی سی بات پر خفا ہو کر کہنے لگے۔ حضرت بادشاہ نے جواب میں لکھا کہ وہ جو کچھ بھی ناز کریں ہیں بسر و چشم بخند ہے گناہ سے کی بابت جو لکھا ہے، انشاء اللہ اسی طرح کیا جائے گا۔

ایک دن چہر آپ میری والدہ کے پاس آئے اور کہا کسی کو زرا بھیجیں کہ جا کر عیدہ بانو بیگم کو بلا لائے۔ میری والدہ نے کسی کو بھیجا مگر عیدہ بانو نے انہیں اللہ یہ لکھا تھا کہ اگر آداب سے غرض ہے تو میں پہلے ہی اس دن آداب بجا لا چکی ہوں اب دوبارہ کس لیے آؤں؟ پھر حضرت بادشاہ نے بھان قلی کو بھیجا کہ میرزا ہندال سے جا کر کہو عیدہ بانو بیگم کو یہاں بھیج دیں۔ میرزا نے کہا ہر چند میں کہتا ہوں وہ نہیں جاتی تو خود جا کر کیوں نہیں کہتا؟ بھان قلی نے خود جا کر کہا۔ بیگم نے جواب دیا: "بادشاہوں سے ایک دفعہ ملاقات کرنے میں تو مصافحہ نہیں مگر دوسری دفعہ ان سے ملنا گویا نامحرم سے خاص ہے۔ اس لیے میں نہیں آتی۔ بیگم کا یہ جواب بھان قلی نے آکر بیان کیا حضرت بادشاہ نے فرمایا: "اگر نامحرم ہیں تو ہم محرم بنائیں گے۔"

غرض چالیس دن تک عیدہ بانو کی طرف سے صلہ و محبت رہی اور وہ کسی طرح راضی نہ ہوتی تھیں۔ آخر میری والدہ و والدہ بیگم نے کہا کہ کسی نہ کسی سے تو تم بیاہ کر دو گی پھر بادشاہ سے بہتر اور کون ہو سکتا ہے۔ بیگم نے جواب دیا، اہاں میں کسی ایسے سے کر دوں گی جس کے گریبان تک میرا لہہ پہنچ سکے۔ نہ ایسے آدمی سے جس کے دامن تک مجھے میرا لہہ نہیں پہنچ سکتا۔ میری والدہ نے انہیں بہت سی نصیحتیں کیں اور بھڑکائی کر لیا۔

غرض چالیس دن کے بحث و مباحثہ کے بعد ماہ جمادی الاول ۱۰۹۷ء میں بنگالہ پاتر بروز دوشنبہ دوپہر کے وقت حضرت بادشاہ نے منظر خوب اپنے ہاتھ میں لیا اور نیک ساحت دیکھنے کے بعد میرزا ہندال کو جا کر فرمایا کہ نکاح چڑھاؤ۔ مبلغ دو لاکھ کا ہر میرزا ہندال کے

ہر دیکھ تاج کے بعد تین دن تک آپ پاتریں رہے۔ اس کے بعد کشتی کے ذریعے جگر کی طرف روانہ ہوئے۔ ایک مہینہ جگر میں رہے وہاں میرزا ابغابیار ہو گئے اور رحمت حق سے پیوستہ ہوئے۔

طبرستان کے گنبد ہرستان کی شکست اور ویرانی کے زمانے میں راجا مال دیو کی ولایت (جو دھرم پور) میں جا کر ملازم ہو گئے تھے۔ انھوں نے حضرت بادشاہ کے پاس ملازمین میں جا کر مال دیو آپ کو قید کرنے کی فکر میں ہے اس کی باتوں پر اعتبار نہ کریں۔ شیر خاں کا بیٹی اس کے پاس پہنچ گیا ہے اور شیر خاں نے لکھا ہے کہ جس طرح جی ہو سکے آپ کو گرفتار کر لے۔ اگر یہ کام سر انجام ہو گیا تو ناگور اور اورا اور جو جگہ تم چاہو میں قیدی دے دوں گا۔ حضرت بادشاہ جلی کھڑے ہوئے۔ امر کوٹ کی طرف روانہ ہوئے۔ بہاوت گرم تھی، گھوڑے اور چوٹے زانوں کی دیت میں دھن رہے تھے۔ پیچھے پیچھے مال دیو کا لشکر چلا آ رہا تھا۔ اور اب نزدیک آپسٹا تھا۔ راسی دیر پھر کر پھر جیو کے پیاسے جلی کھڑے ہوتے تھے۔ زیادہ تر مرد اور عورتیں پیدل چل رہی تھیں۔ حضرت بادشاہ مقام رات سفر کرتے رہے۔ جب صبح ہوئی تو تین دن ہو گئے تھے، گھوڑوں کو پانی تک نہیں ملا تھا۔ اب ایک جگر پانی دستیاب ہوا تو حضرت بادشاہ سوار سے اتر پڑے۔ اہلی اترے ہی تھے کہ ایک شخص دھنسا ہوا آیا اور کہا کہ بہت سے ہندو آ رہے ہیں جو گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار ہیں۔ حضرت بادشاہ نے شیخ علی بیگ، روشن کوکر، ذریم کوکر اور میر دولی کے بھائی میر مایندہ محمد کو بعض آدمیوں کے ساتھ فاتحہ پڑھ کر رخصت کیا کہ جاؤ کا دزدوں سے جگہ کر دو۔ یہ لوگ فتح حاصل کرنے کے بعد اگر لشکر کے ساتھ شامل ہو گئے۔

صبح کے وقت پھر روانہ ہوئے۔ تین دن اور پانی نہ ملا۔ تین دن بعد چند کنوئیں نظر آئے۔ یہ بہت گہرے تھے اور ان کا پانی بہت سرخ رنگ کا تھا۔ جب کسی کنوئیں میں سے ڈول اوپر آتا تھا تو آدمی اس پر چل پڑتے تھے۔ ایک رسی ٹوٹ گئی اور پانچ چھ آدمی ڈول کے ساتھ کنوئیں میں جا پڑے۔ بہت سے توہیاس سے مر گئے تھے۔ کچھ اس طرح ہلاک ہوئے۔ ایک دن ایک رات برابر سفر کرنے کے بعد ایک سرسے میں پہنچے جہاں بڑا سا تالاب تھا۔ اونٹ اور گھوڑے اس تالاب میں اتر گئے اور اتنا پانی پیا کہ بہت سے ہلاک ہو گئے۔ امر کوٹ بہت اچھی جگہ ہے یہاں کا کانا بادشاہ کے استقبال کو آیا اور اپنے قلعے کے اندر لے جا کر بہت اچھا مکان رہنے کے لیے دیا اور امرا کو قلعے کے باہر جگہ دی۔

اکثر چیزیں یہاں بہت سستی تھیں۔ ایک روپے میں چار بکریاں آجاتے تھے۔ بادشاہی خزانہ ختم ہو گیا تھا، مگر تری دی بیگ کے پاس بہت سا روپیہ موجود تھا۔ بادشاہ نے اس سے بطور قرض کچھ رقم طلب کی۔ اس نے اتنی ہزار اشرفیاں میں فیصدی سود پر دے اپنے صدر رسد اصفین سب لشکر میں تقسیم کر دیا۔

## اکبر کی ولادت

رانا امر کوٹ کے باپ کو میرزا شاہ حسین نے قتل کر دیا تھا۔ کچھ اس وجہ سے بھی رانا نے اپنے دو تین ہزار جزائر سوار بادشاہ کی مدد کے لیے ساتھ کر دیے۔ آپ نے جگر کا رخ کیا۔ مگر اپنے گھر بار کے بہت سے آدمیوں کو امر کوٹ میں رہنے دیا اور خواجہ معظّم کو بھی وہیں چھوڑ گئے تاکہ مددہ بالو کی خبر گیری رکھیں۔ ان کے ہاں کچھ ہونے والا تھا۔ آپ کے جانے کے تین دن بعد بتایا کہ چارم



حضرت بادشاہ جب دہلی سے روانہ ہوتے تھے تو آپ نے بازار کارنیک قلعہ چار گس پر سے بلکہ آپ دس گس قلعہ ہانڈیچم کا  
یاں سے کل تیس آدمی ساتھ تھے۔ جب آپ چار گس دھامی میں پہنچے تو کھانا پڑائی برف پڑی تھی کہ اوپر جانے کا راستہ نہیں رہا تھا آپ اس خیال  
سے بہت ہریشان تھے کہ کس نے انصاف بڑھا محکوم چچہ سے نہ آجائے۔ آخر ایک راستہ مل گیا اور جن توں کو کسے پہنچ رہا تھا وہ گئے صدی  
استادوں برف کسے یچ میں گزری۔ نہ آگ جانے کے لیے ایندھن پاس تھا وہ دکانے کے لیے کوئی چیز موجود تھی۔ بھوک کے مارے صدی  
بحال ہوتے جا رہے تھے۔ حضرت بادشاہ نے فرمایا ایک گھوڑا اذبح کرو۔ گھوڑا اذبح کیا گیا مگر پکانے کو رہن نہ ملے۔ ایندھن نہ موجود نہ کرفٹے  
نہ ایک کھدو میں خود اس آشت آباد۔ کچھ ناکاموں پہنچنا۔ اور ب آگ سٹاک بیٹھ گئے۔ حضرت بادشاہ نے اپنے ہاتھ گوشت جھون کر ذبح کر لیا۔  
پھر فرماتے تھے کہ میں اس سردی میں برسرِ اعلیٰ ٹپ کر گیا قلعہ ہاں سے جب صبح ہوئی تو اندیروں نے ایک عہد چار گس پتا دے کر کہا دہلی بھابی  
ہے کہ برون رہتے ہیں دہلی جا پہنچتے۔ اسی طرف روانہ ہوئے اور دروں میں دہلی پہنچے۔ دیکھا کہ چند مکان ہیں اور باہر چند شمشیر جو چار  
گس دھامی میں بیٹھے ہیں۔ حضرت بادشاہ کے ساتھ تقریباً تیس آدمی تھے۔ دھمکی نے جب ان آدمیوں کو آئے دیکھا تو سب صبح ہو کر ان کی طرف

بڑھے۔ حضرت بادشاہ ایک غیر میں تشریف فرما تھے۔ جب ان بلوچوں نے دُور سے آپ کو بیٹھے ہوئے دیکھا تو ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اگر ہم انھیں پکڑ کر میرزا عسکری کے پاس لے جائیں تو وہ ضرور ان کے گھوڑے اور ہتھیار وغیرہ ہمیں دے گا۔ بلکہ کچھ اور انعام بھی ملے گا۔ حسن علی ایٹک کی بیوی بلوچ تھیں۔ اس لیے بلوچوں کی زبان سمجھتی تھیں۔ وہ کچھ گش کہ یہ بیابانی غول دل میں بدی رکھتے ہیں۔ جب صبح کے وقت حضرت بادشاہ نے روانگی کا ارادہ کیا تو انھوں نے کہا کہ ہمارا سردار بلوچی یہاں موجود نہیں۔ وہ آج ملے تو آپ جا سکتے ہیں۔ روانگی کے لیے وقت بھی معذور نہیں رہا تھا۔ ساری رات بہت احتیاط سے وہیں بسر کی۔ رات کا ایک حصہ گزرا تھا جب وہ بلوچ سردار آپ کے حضور میں آیا اور کہا کہ میرزا کامران اللہ میرزا عسکری کے فرمان ہمارے پاس آئے ہیں۔ انھوں نے لکھا ہے کہ حضرت بادشاہ قندھار سے ہاں تشریف رکھتے ہیں۔ مگر ہوں تو ہرگز ہرگز انھیں وہاں سے نہ جانے دینا بلکہ گرفتار کر کے ہمارے پاس لے آنا۔ ان کا مال و اسباب اور گھوڑے تم سے لے جائیں گے۔ آپ کو کچھ انیس تھا تو میرے دل میں آپ کے خلاف برائی مٹی گرا ہے جب میں آپ کے دیدار سے مشرف ہوا تو میری جان اور میرا خاندان میرے پاؤں چھو بیٹھے۔ اب آپ کے سرمدتے۔ آپ جہاں جانا چاہیں بے روک ٹوک جائیں خدا آپ کا محافظ ہے۔ میرزا عسکری کا جو بی چاہے مجھ سے کرے۔ آپ نے ایک پارہ صل و مردار دید اور بعض اور چیزیں اس بلوچ سردار کو عنایت کیں۔ دوسرے دن قطعہ حامی بابا کی جانب تشریف لے گئے۔

جب حضرت بادشاہ نے دیکھا کہ بھائی دشمن ہو گئے ہیں اور بہت سے اصرار آپ کو چھوڑ کر جاگ گئے ہیں تو اس لاچارگی کی حالت میں آپ نے یہی مناسب سمجھا کہ خراسان کا قصد کریں۔ بہت سی منزلیں طے کرنے کے بعد خراسان کے نواح میں پہنچے۔ جب باب ہمسند پہنچے تو شاہ طماپ کو آپ کی آمد کی خبر ہوئی۔ وہ یہ سن کر حیران رہ گیا کہ فلک کی گردش نے ہمایوں بادشاہ کی یہ حالت کر دی اور وہ اس بے مرد سامانی سے خدا کی مخالفت میں یہاں پہنچے۔ شاہ طماپ نے اپنے سب اہل موالی، اشراف و اکابر، و ضعیف و شریف، اکبر و صغیر کو حضرت بادشاہ کے استقبال کے لیے بھیجا۔ جب نزدیک پہنچے اور شاہ کو خبر کی وہ خود سوار ہو کر آپ کے استقبال کو آیا۔ دونوں بغل گیر ہوئے۔ ان دونوں عالی مقام بادشاہوں میں ایسی دوستی ہو گئی گویا ایک پوست و دو مغز ہیں۔ جتنے دن حضرت بادشاہ وہاں رہے اکثر شاہ طماپ آپ کے پاس آتے تھے اور جس دن نہیں آتے تھے تو حضرت بادشاہ ان کے ہاں جاتے تھے۔

نیک ساحت دیکھ کر حضرت بادشاہ نے قندھار کا رخ کیا۔ میرزا عسکری نے جب یہ سنا کہ حضرت بادشاہ خراسان سے قندھار کی طرف آرہے ہیں تو انھوں نے بطور الدین محمد اکبر کو میرزا کامران کے پاس کابل بھیجوا دیا۔ کامران سے آپ کو ہماری پہچانی خانزادہ بیگم کے سپرد کیا۔ اس وقت آپ کی عمر اڑھائی سال تھی۔ آگے جانم (چھوٹی)، آپ سے بہت محبت کرتی تھیں اور ہاتھ پاؤں چومتی تھیں اور کہتی تھیں کہ بالکل میرے بھائی بابا بادشاہ کے ہاتھ پاؤں معلوم ہوتے ہیں۔ پوری پوری مشابہت ہے۔ میرزا کامران نے خانزادہ بیگم کے پاس جا کر بہت اصرار کیا کہ حضرت بادشاہ کے پاس قندھار جائیں اور ہماری صلح کو دہا دیں۔ خانزادہ بیگم کی کابل سے روانگی کے بعد میرزا کامران نے اکبر بادشاہ کو اپنی بیوی خانم کے سپرد کیا اور خود بہت سرعت سے قندھار چلے گئے۔

میدہ بانو بیگم کو قندھار میں چھوڑ کر آپ (ہمایوں)، میرزا کامران کے تعاقب میں روانہ ہوئے۔ آگے جانم، خانزادہ بیگم بھی آپ کے ہمراہ تھیں۔ قبلک کے مقام پر آپ بیمار ہو گئیں۔ ہر چند بیویوں نے علاج کیا۔ کچھ فائدہ نہ ہوا، چوتھے دن صبح ۱۰ بجے مدینہ متین

سے پیوستہ ہوئیں۔ اسی پہلک میں آپ کو دفن کیا گیا مگر بعد میں وہاں سے ڈاکر حضرت ابو سہلہ امام کے مقبرے میں پروتک کیا گیا۔

## خراسان سے واپسی

بارہ رمضان المبارک کی رات کو حضرت بادشاہ نے باغ حصار میں اقبال مندی سے نذرل اجل ملایا میرزا کا موان کے آدمی جو آپ کی طاعت میں آگئے تھے۔ خوشی کے نقارے بجاتے ہوئے کابل میں داخل ہوئے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اسی بیٹے کی بارہوی تاریخ کو حضرت والدہ دلعلم، گھر و عجم اور یہ چیز آپ کے حضور میں آکر آداب بجا کئے۔ پانچ سال سے ہم لوگ آپ سے جدا اور آپ کی زیارت سے محروم رہے تھے۔ اب اس ڈوری اور جھری کی حتی سے نجات حاصل کر کے دوست وصال سے مافال ہوئے۔ خوشی سے بار بار جم جمات ٹکڑ بجاہتے تھے۔ بت سے طے اور عریض ہوئیں جن سے ملدی رات جاتے گزرتی تھی اور برابر گونا گونا جاتا رہتا تھا۔

پندرہ دن کے بعد آپ نے کچھ آدمیوں کو بھیجا کہ جا کر میرزا کا عیدہ بانو عجم کو قندھار سے لے آئیں۔ جب وہ آئیں تو آپ نے بطل الدین کو حکم کیا کہ قندھار کی شادی کی۔ اس موقع پر دعوت کا سامان کیا اور نوروز کے بعد شہر و دن تک جشن منایا۔ سب نے سبز لٹاک پہن لی۔ آپ نے فرمایا کہ میں ہاں میں ہاں جو کیاں جنزلیاں ہیں کہ باہر پازریوں پر نکلیں۔ نوروز کے دن ہفت وادعان کی پھاڑی پہنے گئے اور بت سادق بنی خوشی میں گزارا۔ جب حکم کر بادشاہ کے ختم ہوئے۔ اس وقت آپ پانچ سال کے تھے۔

## بھائیوں سے جنگ

اب حضرت بادشاہ تھوہر کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہ میرزا سلیمان کے قبضے میں تھا۔ بادشاہ غیو سلامتی سے قلعے میں داخل ہوئے۔ منقرضان کے بھائی فضائل بیگ کو کابل بھیجا کہ وہاں کے آدمیوں کی کئی کوسے۔ کابل سے غلط خبر میرزا کا موان کے پاس بھگت پانچمی۔ وہ بخار کو تے ہوئے کابل روانہ ہو گئے۔ غزنی پہنچ کر ناہد بیگ کو قتل کیا۔ بیچ کا وقت تھا، کابل کے لوگ بے خبر بیٹھے تھے شہر کے مدد دانے حسب معمول کھول دیے گئے۔ سنے اور گیس سے دغیرہا رہے تھے۔ انہیں عام آدمیوں کے ساتھ میرزا احمد جانیپے۔ محمدی تھاں اس وقت عام میں تھے۔ انہیں قتل کر دیا اور ملا جہد افغان کے مد سے میں مقیم ہو گئے۔ حضرت بادشاہ نوکار کو حرم کے مدداز سے پر مقرر کر گئے تھے۔ نوکار نے عورتوں کے کپڑے پہنے اور بچے کو لگایا۔ سنے میں میرزا کے آدمیوں نے ٹھکے کے دیوانوں کو گزرا کر دیا اس کے بعد وہ خود قلعے میں گئے اور ابلی حرم کا مال واسباب اور بے شمار چیزیں لوٹ لی۔ بیڑی چنگا ت کو مٹا کر مکی کے مکان میں دھکا اور اس کا دروازہ اینٹ چوٹے اہر گرہ سے بند کر دیا مکان کی چاندی ہدی کے اوپر سے ان چنگا ت کو کاٹا پانی دیا جاتا تھا۔ جو لوگ حضرت بادشاہ سے جا ملے تھے۔ ان کے کھالی و میال سے مٹا کر ان سے بت بڑا سلوک کیا۔ جب حضرت بادشاہ نے شاکر میرزا کا موان نے جکت سے آکر یہ گل کھائے ہیں تو قلعہ تھوہر اور اندراب کو چھوڑ کر کابل کی طرف روانہ ہوئے۔ میرزا کا موان نے میری والدہ کو اور بچے

اپنے پاس بڑا داروہ لے لیا کہ آپ تو رنجی کے مکان میں رہیں اور جیسے کہ یہ تمہارا اپنا گھر ہے۔ تم یہیں میرے پاس رہو۔ میں نے کہا۔ میں کیوں یہاں رہوں یہاں میری والدہ بھی ہیں گی وہیں میں بھی رہوں گی۔ پھر مرزا کامران نے کہا تم خضر خواجہ کو خط لکھو کہ وہ ہمارے ساتھ شامل ہو جائے خضر جمیع رکھو جس طرح میرزا عسکری اور میرزا ہندال میرے بھائی ہیں، وہ بھی اسی طرح میرے بھائی ہیں۔ یہ مدد کرنے کا وقت ہے میں نے جواب دیا خضر خواجہ کو لکھنا پڑھنا نہیں آتا وہ میرا خط کیونکر پہچانیں گے اور میں نے خود کبھی انہیں خط نہیں لکھا بلکہ کسی بیٹے کی طرف سے کوئی اور لکھ دیتا ہے۔ آپ کا جو بیٹا ہے وہ انہیں خود لکھ کر بھیج دیں۔ آخر میرزا کامران نے جلدی سلطان اور شیر علی کو بھیجا کہ جا کر خان کو بلاؤ وہ میں شروع سے ہی خان سے یہ کہہ چکی تھی کہ زینار حضرت بادشاہ سے جدا ہونے کا خیال دل میں نہ لانا۔ خدا کا شکر ہے خان نے اس سے تجاوز نہیں کیا۔

تو جب حضرت بادشاہ منار کی پہاڑی سے گزر کر آگے بڑھے تو میرزا کامران نے بھی اپنے لشکر کو آراستہ کیا۔ ہم قلعہ کے اوپر سے یہ دیکھ رہے تھے کہ شیر افغان فغانوں کی آواز کے ساتھ بادشتی سے گزر کر جنگ کے لیے آگے بڑھا۔ ہم دل میں کہہ رہے تھے خدا دیکھے کہ کون جاکر حضرت بادشاہ کا مقابلہ کرے اللہ ہم سب روئے لے۔

حضرت بادشاہ کے دو بیوں نے میرزا کامران کے آدمیوں کو بھگا دیا اور بت سے گرفتار کر کے بادشاہ کے پاس لے آئے۔ آپ نے انہیں قلعہ کو حکم دیا اور انہوں نے ان کے کٹے کٹے کر دیے۔

سات مہینے تک آپ کابل کا محاصرہ کیے رہے۔ ایک دن یہ اتفاق ہوا کہ مرزا کامران جو علی سے داہن میں جا رہے تھے کسی نے حنا میں کی پہاڑی سے گولی چلائی۔ وہ جلدی سے اوٹ میں پہنچے۔ اس کے بعد سے انہوں نے یہ حکم دیا کہ اکبر بادشاہ کو توپوں کی زد کے سامنے نہ رکھ دیا جائے۔ حضرت بادشاہ کو اس بات کی خبر ہوئی۔ آپ نے حکم دیا کہ قومی بندوقیں نہ چلانی ہائیں۔ اس کے بعد قلعہ پر گولی لگوا دی گئیں مگر مرزا کامران کے آدمی بادشاہ کے لشکر میں گئے پسپے رہتے تھے۔ حضرت بادشاہ نے جیات کو لکھا کہ اگر تم قلعہ پر حملہ کریں تو نقوشی دیر کے لیے عمارت کو کہیں چھپا دینا۔ غرض ہمیشہ لوگ شام کی نماز سے صبح تک قلعہ پر پیرا دیتے تھے۔ قلعے میں ایک تنگ درخت تھا جس سے لوگ ٹھیل کے ٹھیل پھانسیا جاتے تھے۔ ایک مات کو جب سب لوگ آرام سے سو رہے تھے زینار کی طرف سے نہہ بکتر اور ہتھیاروں کی جھٹکار سنا دی۔ ہم نے ایک دوسرے سے کہا یہ کیسا شور ہے! اٹھ کر دیکھا تو جلو خانے کے سامنے تقریباً ایک ہزار آدمیوں کا مجمع ہے اس اثنا میں میرزا کامران اچانک قلعے سے نکل گئے۔ خواجہ محکم کو دیوار کے اوپر سے دستی لگا کر باہر نکالا گیا۔ جس مکان میں ہم لوگ بند تھے اس کے دروازے کو ہمارے آدمیوں نے کھول دیا۔ جگہ جگہ نے اصرار کیا کہ چلو اپنے اپنے مکانوں میں چلے جائیں۔ میں نے کہا اچھی ذرا انتظار کرنا چاہئے۔ گولی کی طرف سے جانا چاہتا تھا حضرت بادشاہ خود ہی کسی کو چیں لانے کے لیے بھیجیں گے۔ اتنے میں منبرنا صراہ آیا اور کہا کہ حضرت بادشاہ نے فرمایا ہے جب تک میں نہ آؤں تم لوگ اسی مکان میں رہو۔ کچھ دیر کے بعد آپ تشریف لائے۔ بھگے اور دلاور بیگم کو لے گیا اور بیگم بیگم اور حمیدہ بانو بیگم سے ملے اور کہا آؤ جلدی سے یہاں سے نکل چلو۔ خدا دوستوں کو ایسے مکان سے بچانے اور دشمنوں کو نصیب کرنے۔ غرض سب اس مکان سے نکلے۔ اس رات ہم سب بادشاہ کے پاس رہے اور ہنسی خوشی میں ساری رات گزری۔

ایمان سے واپس آنے کے بعد ڈیرہ ملال تک آپ صحت اور سستی سے کابل میں رہے کچھ عرصے بعد میرزا کامران نے اقامت قبول کر لی حضرت بادشاہ نے کوہاب ان کو دے دیا اور قلعہ مظہر میرزا سلیمان کو تختہ حصار میرزا جمال کو اور سلطان میرزا عسکری کو۔

## ایک پیام میں چار تلواریں

ایک دن آپ نے اپنا نیمہ کشمیر میں خب کیا تھا اور سب جا لی ایک جگہ بیٹھے حضرت بھائیوں بادشاہ دیرزا کامران میرزا عسکری میرزا ہندال اور میرزا سلیمان آپ نے فرمایا اقدار دھونے کے لیے آفتاب اور چلی ڈو۔ ہم سب لی کر کھانا کھائیں گے۔ پھر حضرت بادشاہ نے اقدار دھونے اس کے بعد میرزا کامران نے میرزا سلیمان بھائی میرزا عسکری اور میرزا ہندال سے بڑے تھے اس لیے انھیں کھانے کے لیے ان دونوں جائیوں نے آفتاب اور چلی میرزا سلیمان کے آگے رکھ دی۔ اقدار دھونے کے بعد میرزا سلیمان نے اپنی ناک چلی میں صاف کر دی۔ اس پر میرزا عسکری اور میرزا ہندال بت خفا ہوئے اور کہا یہ کیا گوارا ہے۔ ازل ہم لوگوں کی بھلا کیا مجال ہے کہ حضرت بادشاہ کے سامنے اقدار دھویں۔ آپ نے ہم پر یہ عنایت فرمائی اور حکم دیا تو خیر ہم غلط حکم نہ کر سکے مگر اس بیٹی جنابی کی ادا کے کیا سنی؟ میرزا عسکری اور میرزا ہندال نے باہر جا کر اقدار دھونے میرزا سلیمان بت شرمندہ ہوئے۔

فرض سب بھائیوں نے لی کر ایک دسترخوان پر کھا کھایا اس مجلس میں حضرت بادشاہ نے بھنا چیز کو یاد فرما کر اپنے بھائیوں سے کہا۔ ہمارے دل میں یہ کہنا کہ اس کی یہ آرزو ہے کہ اپنے سب بھائیوں کو اکٹھا دیکھے۔ صبح سے جب سے ہم یہاں جمع ہیں اس کی یہ آرزو میرے دل میں آ رہی ہے۔ انشاء اللہ یہ ایک جیسی کو حق سبحانہ اپنے فضل و امان میں رکھے گا۔ بھنا میرے دل کو یہ گواہی کہ کسی مسلمان کا بھی نقصان کروں۔ چہ جائیکہ اپنے بھائیوں کا زیاں چاہوں۔ خدا تم سب کو یہ توفیق دے کہ ہمیشہ ایک دوسرے کے محافظ اور معاون رہو۔ سب لوگوں میں ایک محبوب انصاف اور خوشی دھنا سنی۔

## حرم بیگم

ششہ میں بی بی کی طرف روانہ ہوئے۔ میرزا کامران ان دنوں کوہاب میں تھے۔ وہاں ترقان بیگم کی ایک عورت تھی جو بت چاک اور کھار تھی اس نے میرزا کامران کو یہ پٹی پڑھائی کہ حرم بیگم سے انھار تعلق کر دو اس میں بت سے خائف ہے میرزا کامران اس بات سے اس کی بات میں آگئے اور ایک خط اور دو مال بیگم کے اقدار حرم بیگم کے پاس بھجوا دیا۔ اس عورت نے خط اقدار حرم بیگم کے آگے رکھ دیا اور میرزا کامران کا سلام کہہ کر ان کی طرف سے بت شتیاق کا اظہار کیا۔ حرم بیگم نے جواب دیا بھی یہ خط اور دو مال اپنے پاس رکھنے دو جب میرزا زیاں باہر سے آجائیں گے تو پھر یہ لانا۔ بیگم آٹا چہرے نے بت گریہ و زاری کی کہ یہ خط تو میرزا کامران نے آپ کو بجا ہے۔ وہ مدت سے تم پر فریفتہ ہیں اور تم اس قدر بے مروتی کرتی ہو۔ یہ سن کر حرم بیگم بت خفا ہوئی اور میرزا سلیمان اور میرزا بزم اسی وقت باہر نکلا اور کہا معلوم ہوتا ہے کہ میرزا کامران تماری بڑی اور بے وفائی کو خوب جان گیا ہے جو اس نے مجھے اس قسم کا خط

گھڑے کی میں اسی کافی ہوں۔ میرزا کامران تھا اسے بٹھے بٹھے جاتی ہیں اور میں ان کی ہوکی ملگے ہوں، جھکا وہ مجھے ایسا خط بھیج سکتے ہیں۔ پکڑا اس جودا کے ٹھوسے کی میں ملگے دوسروں کو جبرست ہو اور آئندہ کوئی کسی کے اہل و عیال کو بڑی نظر سے نہ دیکھے۔ یہ بھی تو اپنی ماں کی جی ہے اس کو اسے ہم سمجھ کر تے شرم نہ آئی اور پھر میرے خاوند اور بیٹے کا بھی اسے ڈر نہ ہوا۔ فوراً بگلی آغا بی بی کو پکڑ کر اس کے ٹھوسے کو دے گئے۔ اس کی قیمت میں اسی طرح خون ہونا تھا۔

حضرت بادشاہ کابل سے نکل کر تھاق پہنچے تھے۔ وہاں ایک شیب جگہ میں آپ نے قیام کیا تھا اور میرزا کامران کی نیت سے پہنچے تھے۔ موقع پا کر میرزا کامران پاڑی کے اوپر سے اپنی فوج سے کر آگئے اور دفعۃً حضرت کے سر پر ٹوٹ پڑے۔ خدا کی مرضی کچھ بھی تھی کہ بیک کو راہ میں نے بادشاہ کو زخمی کر دیا۔ آپ کے سر میں زخم آیا۔ پیشانی اور آنکھیں خون آلود ہو گئیں۔ اسی طرح ایک دفعہ بابر بادشاہ کو بھی ہو گئے۔ آپ کے سر پر تلواریں کا وار ہوا تھا۔ اس سے ٹوپی اور دستار نہیں کٹی تھی مگر سر میں زخم آ گیا تھا۔ ہمایوں بادشاہ ہمیشہ اس پر تعجب کیا کرتے تھے کہ یہ کیا بات ہے ٹوپی اور دستار ثابت رہے اور سر زخمی ہو جائے۔ اب آپ کے سر مبارک کو بھی باہل ایسا ہی حادثہ پیش آیا۔

## میرزا ہندال کی وفات

حضرت بادشاہ کبھی کبھی ناگہیوں کا بلوغت دیکھنے جایا کرتے تھے۔ اس سال بھی حسب معمول سیر کرنے گئے۔ میرزا ہندال آپ کے ساتھ تھے۔ بلکات میں سے بیک بیگم، حمیدہ بانو بیگم، ماہ جو بیک بیگم اور بعض اور عورتیں آپ کے ساتھ تھیں۔ میرزا کا سعادت یاران لڑوں بیمار تھا اس لیے میں نہیں جا سکی۔ ایک دن بادشاہ شکار رکھیں رہے تھے۔ میرزا ہندال آپ کے ہمراہ تھے۔ میرزا نے بہت سے جانوروں کا شکار کیا تھا اور بھگیر خانی دستور کے مطابق سب حضرت بادشاہ کو پیش کر دیا۔ اپنا سب شکار دے دینے کے بعد خیال آیا کہ ہنوں کا بھی توصہ ہونا چاہئے۔ میرزا ہندال دوبارہ شکار کھینے میں مصروف ہو گئے۔ میرزا کامران نے ایک آدمی کو مقرر کیا تھا وہ راستے میں چھپا بیٹھا تھا۔ اس نے ایک تبر چلایا وہ آپ کے کندھے میں آکر لگا۔ آپ نے سوچا کہ کہیں میری ہنیں یا گھر کی عورتیں بہت پریشان نہ ہو جائیں اسی وقت یہ کھوکھرا ادا ہوا۔

رسیدہ بود بڑے دے بنجر گذشت

یہ زخم ایک سال میں اچھا ہوا۔

ایک سال بعد خبر آئی کہ میرزا کامران دوبارہ فوج جمع کر کے جنگ کرنے کے قابل ہو گئے ہیں۔ بادشاہ بھی سامان جنگ کے پہاڑی صدوں کی طرف روانہ ہوئے۔ میرزا ہندال بھی آپ کے ساتھ گئے۔ جاسوس برابر بنہریں دے رہے تھے کہ میرزا کامران آج شب خون داریں گے۔ میرزا ہندال نے حضرت بادشاہ کو مشورہ دیا کہ آپ ہندی پہنچے جانیں اور بادشاہ معمول الدین کو اگر کو اپنے ساتھ رکھیں۔ میرزا ہندال نے اپنے بیٹے کو بڑا اور جاسوس ٹوپی اور خود طلب کیا تو بھگتی نے بھیا علیا ہی تھا کہ ایک آدمی نے چھپک لی۔ تو بھگتی نے فتویٰ دیر کے لیے تہذیب زمین پر رکھ دیا۔ میرزا ہندال نے تاکید کے لیے آدمی بھیجا جب تو بھگتی حاضر ہوا تو پوچھا اس قتلہ پر کیوں ہوئی۔ اس نے جواب دیا کہ



کہا کہ یہ وہی میرزا کامران ہے جس کی وجہ سے دشت قباقر میں آپ کا سر زخمی ہوا اور یہ وہی ہے جو کماؤد فریب سے افغانوں کے ساتھ  
شامی ہو گیا اور جس نے میرزا بنگالی کو قتل کیا۔ بت سے چٹائی اس کے ہاتھوں ہلک ہو چکے ہیں۔ قلعہ قلعہ سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ  
رخنہ گر ملک سرا انگسندہ بہ

حضرت بادشاہ نے جواب دیا: اگرچہ تمہاری باتیں مجھے معقول معلوم ہوتی ہیں مگر میرا دل گوارا نہیں کرتا۔ اس پر سب نے دست لڑاؤ کی بات  
کہا کہ اگرچہ ہم نے عرض کیا ہے وہ میں صحت ہے بادشاہ نے فرمایا۔ تم سب کی یہی خواہش ہے تو ایک محضر نامہ لکھ کر پیش کرو۔ وہیں ہمیں  
سب حوت کے امراء کے معج ہو کر تقریر پیش کر دی۔ اسی معرکہ کے مطابق  
رخنہ گر ملک سرا انگسندہ بہ

حضرت بادشاہ مجبور ہو گئے۔

جب آپ رہتاس کے قریب پہنچے تو سید محمد کو حکم دیا کہ میرزا کامران کی دونوں آنکھوں میں سلائی پھیر دو۔ اس نے اسی وقت  
جا کر حکم کی تعمیل کی۔

اس کے بعد حضرت بادشاہ.....

ترجمہ: عثمان جیسو مرزا





## ملا عبد الفتاد در بدایونی

بمذبح امان کے سر دھار کر عبد الفتاد کو رک ٹاؤ دلائی گئی تھی۔ ۱۹۱۹ء کے دوران میں حکومت خلیفۂ زمانہ علی ابن ابی طالب کے حکم کی تعمیل میں  
 آفتاب مدرسہ کو تحریک کا بندھن سے نازک نہ بنی ہو کر نہ ہی میر تقی میر کے لئے سزا فرشتہ پائی۔ بلکہ چونکہ اس سے بڑھا چلے اس علم کی تاریخ سے طبیعت رہی ہے  
 اس پیراس میں سے میں کوئی فتنہ ایسا نہیں مگر اگر میں اس علم کے مطالعہ پر تحریر میں شغلی نہیں رہا خواہ اپنی رخصت سے قیام کی دوسری طرف سے علم  
 کی میل میں چلا جاؤں۔ اس سے دل میں خیال آیا کہ مولا السلطنت دہلی کے بادشاہوں کے بارے میں مختصر کے ساتھ کچھ لکھا جائے۔ ہو سکتا  
 ہے اس کے مطالعے سے ناظرین میں سے کوئی اس سرائے خلائک کی جست و دل سے نکال کر ان جامع اور ذوق کی جانب دست اعانت بڑھائے۔ چنانچہ  
 یہ سید مہم کام نہیں تھی جب کہ بروہا نے نئے نئے مواد کے ساتھ طرح بڑا اور بے اندازہ مصائب و آلام اپنے ساتھ ۱۰۰۰ احادیث کی اور تاریخ زیادہ  
 پیش آتے اور زمانے کے ساتھ جن کے ساتھ کسی ایک جگہ قیام و ثبوت تھا۔ اور اس پر مشورہ کہ میر سے ذریعہ معاش کی کوئی مستقل آمدنی ضروری صورت نہ  
 تھی وہ زمین کا مسکن کے مابین متعلق تھانیزہ دل اپنے عشق و دل اور دل سے دل کی بدائی میں یہ پیش تھا اس لیے تاخیر لازمی تھی۔ جس سے اتفاق کیجئے  
 کہ میر سے مشفق و ستر میں سے ایک نے تاریخ نقاشی کے نام سے ایک نئی کتاب لکھی مگر کرنے و فائدہ کی اس سطرے چھیننے کے لیے جس قدر سے فرصت  
 سے فراوان میں نے اپنی زندگی کے گزراؤں اور اوقات کا ایک حصہ صرف الیا چلا ہے تاریخ شاہک شاہی کو نظام قرائین نظام نقاشی کے پیش نظر رکھا کہ وہ  
 ان سے اخذ کیا کہ ان خطوط سے علی الصفا علیہ السلام کا ہم منتخب ان تاریخ رکھا جس کا مقصد یہ ہو کہ لو شاہان اسوہ کے ان کو اپنی رکھا جائے  
 مرقی مولود کو دلائی گئی سطرے مستحکم رہے۔ مانے۔ امید ہے کہ یہ تمام تاریخ آخرت میں ہی میری شخصیت کا موجب ہوگی۔ پھر میری اس  
 تحریر کی بدیانتداری ہے اگر اتفاقاً گئی سید و رفوزان کو تم پر آجائے تو امید ہے کہ سن بجاہت تعالیٰ اپنے کرم سے مدد کرے گا۔ اور خوش ہوگا  
 میر شاہ بنایت نصف مزاج ارشاد تھے۔ اس کے بدلہ فصلت کی ایسی دھک کہ میر نے صلیب لکھی جس میں سرتاجی کی بدولت  
 میری ولادت جانتے تو کسی کی ہالہ تھی کہ میر میری نگہ سے کہہ کر کے خلا میں بڑا شوگر گدا ہوں کہ میری پیدائش اس حوالہ ہوا شدہ کے  
 زمانے میں ماہ ربیع الثانی ۱۰۰۰ء میں ہوئی۔

یہ علم شدہ ہے ہر سو کہ ایک ایک جوتی اور ایک ایک ترکش دے رکھی تھی جو کہ میر کی ہزاروں دس ہزاروں اور ایک ہزاروں تعلیم میر  
 اور باوجود ہر کچھ اگر یہ علم شدہ کی جوتی اور ترکش کو ایک کر کے پر رکھتے تھے اور میر کی ہر جگہ جگہ کہ کام کرتے تھے پھر میر کی ہر جگہ جگہ  
 ہر شکل تھا کہ معاملہ ہر حال سے اہم تھا اس میں ہر شکل کے حل در تھے۔ یہ علم شدہ کے تحریر کی ہر جگہ جگہ جگہ جگہ جگہ  
 ۱۹۵۰ء میں میر کی وفات اس وقت میں میر نے ہزاروں کے لکھ کر کے ساتھ اپنے ۴۴ لکھ لکھی تھیں اور ملاقات مکتبہ عدلیہ میں نے یہ کیفیت  
 اپنی نگاہوں سے دیکھی تھی اس سے پہلے ۱۹۴۰ء میں میر کی ایک مرتبہ ایسی مجلس دیکھی تھی کہ

علم نبیل کی کنوینٹ میں رہا اور اس کی سرپرستی کرتے رہے اس نے مدنی و علم شاہ لاہور کے عیسائی پیروں کو بڑھاپے کی فوج کشی کے ارادے سے آئے تھے ہالین کے میدان میں مقابلہ کر کے ہار گیا تھا پھر اس نے دجا جاتر میں کٹریہ کر کے پھیلے کبھی نبیل پر تاجا اور اب پھر تہ پیدار کے گلے کا لہو کرنا تھا تب تک کی کہ پیران میں ان کی بڑی طرح شکست دی گئی تھی۔ اس وقت اپنے والد کے ساتھ نبیل میں تحصیل علم کے لیے گیا ہوا تھا۔ میری خواہش تھی کہ اس میں سے کچھ کی طرح نکال آتی۔

چوبیس غریب کرواد

میرے شہنشاہ نے اس سے پہلے میلہ قائم نبیل میں اس لڑائی کا قصہ سن چکے تھے جب میں ان کے پاس گزر "لادس" لینے گیا تو انھوں نے فرمایا۔  
تم شہنشاہ پر ہتھیار نہ کیجے۔ تمہارا آسمان شد۔

زور سبک کر کے تلواریں اٹھتے ہو رہے تھے جب میں نے حساب کیا تو زور ساٹھ عدد نکلیے میں نے عرض کیا کہ ایک عدد کی ہے مگر بایا اضافت کا ہر وقت دعا کے ملائے سلطان بڑھاد۔ اس طرح تمہارا آسمان شد مکمل ہو گئی۔ اس واقعہ کوئی کچھ بعد انھوں نے دعا پڑھ کر کے میرا سبق شروع کر دیا اور کتب ارشاد تافنی کے چند روئی پڑھوا اپنے ہاتھ سے لکھے تھے مجھے بطور یادگار عنایت فرمائے۔ پھر انھوں نے میں شیخ البراقع الہدیہ فیہ راوی کے ہر ذکر پر ہنگامت سنا اپنے باپ کے سہارے نشین تھے۔

جس وقت میری کمراں نے کاغذ لکھ کر کے ملائے فرج کیے اور دیوئی سے گزرتے تھے ہار میں گھٹا پڑا بندھو ایقین اپنے والد کے ہمراہ ان کے گلیں میں ہر ہنگام لیا اور وہیں ٹھہرے ہمارے گریڈ میرے محل کے ان جا کر پڑھنے لگے۔

**خشم ایرو**  
جو زمین بیٹے تک تھوڑا سا کاغذ لکھ کر دیا ان کے سامنے ملائے کر لٹھا کر کے ہار کر دیا اسی غایت گری میں میرے والد کی بیوی کی بول لگائی جو یاد میں نہیں۔ میرا شرف گئیں اور ہندوستان کے سارے مشرق ملائے میں قسط پھیل گیا خاص طور سے آگرہ، دہلی، دہلی، میرٹھ، حیدرآباد، دہلی، علی گڑھ، ایک سیر جوار پٹنے لگی اس دھم بھی نہ محل ہو گیا تھا اکثر لوگ گھروں کو بند کر کے بیٹھ گئے اور ایک ایک گھر میں دس دس میں ہیں لگاس سے بھی زائد تھی بھوک سے مر گئے۔ ان سے چاند کو نہ کھن ملا نہ قبر۔ ہندو دل کا بھی یہی حال تھا۔ لوگ بیکر کے بیکار ہو کر بیٹھیں کے چپے کھا کر جان بچا رہے تھے۔ ایسی ہیروز کو کھانے کے سبب سے تھوڑے ہی دنوں میں ان کے ہاتھ ہر سوج جاتے تھے اور مر جاتے تھے۔ اس سلسلے کی تاریخ ہے خرم پڑو۔ میں نے غلطی اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ آدنی آدمی تک کا گوشت کھا جاتے تھے۔ ان لوگوں کی شکایتیں ایسی تھیں کہ کئی شہر کا کھانا کھاتے تھے۔ لیکن میں نے شکوہ پائے انہوں کو روزانہ چاند لکھو دینی ملاوات ملا کرتا تھا۔

۱۹۱۱ء میں گولڈر کا کھیت ہمارا فتح ہوا۔ باب تلو گولڈر اس کی تاریخ لکھتی ہے۔ اس زمانے میں پٹنہ کے راجہ کے دل سے یہ دور  
معدوں سے آگے پہنچا تھا۔ ہر لوگ سے تعلیم کے معاملے میں اس کے گھر پر ہار کا تھا۔ ہر لی ایک نے سفر طوعنا میں مجھے بھی اپنے ہمراہ لے جانے کے لیے بڑھوا کر دیا۔ میرے استاد جو شیخ ہار لکھی قسط ملا جو شیخ کو کھانا سے بھی مندرجہ کلانی میں ایک سیر کیا کہ گود میرے ساتھ چھ گھنٹوں کے بعد وہاں تک کہ کھانا لایا۔ میرا تعلیم تک کہ کے میں بہت میں اس کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ ہم لوگ تھوڑے کھنڑے ہون پڑے  
وہ جس کی میرے تھوڑے بچوں کے ساتھ بہت کھنڑے شہر کے ملا تھا شیخ کی جستری سے استقامت کے ہر تھوڑے ہی وقت میں لکھا کہ گارے  
کے اندر ایک ایک کے چند بچے۔ ہلال غلے سے تھوڑے ہی دن کو ہمارے استقبال کے لیے بھیجا تھا۔ وہاں نے ہماری امانت اور ضیافت بڑی شان

تھیں وہ گئے

شیخ عفت و غوث گوا الیاری  
اس وقت حال کو دیکھ کر میں نے جملہ خاں سے دعا کی تھی

جب مہر لڑا کر پہنچا تو آجہا کے قلعے پر حمل کے غلام شرف قبضہ کر لیا۔ لڑکھ میں شیخ رحمت نے چند روزوں اور مقتول کے ہمراہ  
بڑی شان و شوکت کے ساتھ گزرت سے آگے پہنچ کر بادشاہ نے جس نہایت تعظیم و مندی کے ساتھ ان کی ہولت کی شیعہ گردانی کو ہوا اور تخت کی  
وجہ سے آگے سے میدان اتمام نہایت بگڑا کر لیا کہ یہ شیخ محمد شرف کی وجہ سے ان کی شیفٹ کی دکان ہو چکی ہے یہی سب باتوں سے شیخ محمد شرف  
ناماں کو لڑا کر الہیہ چھ گھنٹہ ایک کھڑکی ہو گیا ہے جو باغی دار شاہ کی طرف سے ان کی تعظیم کرنی۔

۱۹۱۹ء میں بکرنے حضرت مولانا سید محمد امجد علی دہلوی کی وفات کے لیے ایک کامیاب اور کیا اور وہی چنگیز شاہ کے بھائیوں کو اکثر وفات دینے والی سطرچی جب شاہی قلعہ سامنے کے قبرستان پہنچا تو انہیں کہہ دیا کہ ہمارا والد اس کا بیٹا ہے جو کہ اس واقعہ سے ہونے والا ہے یعنی ایک لڑکا جس کو شاہ کے نکاح میں دے دی اس سال میرے والد شیخ فرحان شاہ بھی ۱۲ برس کا لڑکے سے بھی بڑا تھا اس وقت میں ان کی میت دیکھ کر میں نے جاکر ان کو کہہ دیا کہ ایک شخص قلعہ اندر حرم کے پہنچے جو بھائیوں کے ساتھ حرم کو بیٹھی تھیں اس وقت اس سال میرے بھائی سے جاملے (میتوں میں) شیخ فرحان شاہ کا انتقال ہو گیا۔ وہی کہ میری والدہ ۱۲ سال کی عورت تھیں۔ اس سال میں میرے ۲۵

عزم شدہ میں بدشاہ نے منہ سے قہر نالہ کرا دیا۔ بدشاہ نے شہر گرجیہ کی سال تعمیر کرایا تھا جس وقت اکبر ہمسک حنیفہ پر  
ہوا تو یہ بفضل نہ اس شہر کی تحریک میں غنہ سطرہ کے گرواں تھیں سب اس شہر میں اس کے لاکھوں لوگوں کی تھیں۔ بدشاہ اس سال بدشاہ  
نے قہر نالہ کی کار عمل سے شہر کو قندس کی گلی کی تھی شہر کو قندس کی گلی کی تھی شہر کو قندس کی گلی کی تھی۔ بدشاہ اس سال بدشاہ  
سے لوگوں کے سبب غنہ و مال میں لگا کر۔

شیخ سلیم شیشیہ جو اس ملک میں پہلے مسلمان ہوئے تھے ان کی قبر پر ۹۰۰ھ میں عربی شریفین سے تشریف لائے تھے ایک نئی خانقاہ تعمیر کرائی اس سے اس کی حالت میں ترقی ہوئی جس کے دیواریں شیشیہ کا ایک بیوی کی خانقاہ ہیں ان کی یاد پر میں نے عربی میں ایک خط لکھ کر دیواریں سے لکھا ہے کہ ان کے فیوض کی یاد میں میں نے اس خانقاہ کا طرز سلانی مکمل ہوا۔ اگرچہ اس سال آگ کے قتلے کی تعمیر اورادہ کی تعمیر کے اخراجات کے پہلو پر یہ زمین میرے لا حاصل ہو گئی۔ یہ حصول ملک سے ملک میں ہمارا اور جاگیرداروں سے لائندوں نے وصول کیا یہ تعلق یہ اصل میں یہ تیار ہو گیا اس کی تعمیر تقریباً ۱۰۰۰ھ میں مکمل ہوئی ہے۔

شہنشاہ حسین شہنشاہ مرہٹوں کے خلاف تھے کہ حسین خان وہاں میں حاضر ہوا تھا اس موقع پر اس کی جاگیر میں قبائل کے ساتھ اس کا ایک  
کے پہلے کا اختلاف ہو گیا تھا۔ اس سے ایک سال پہلے قبائل گیا تھا وہاں میں خاں سے جب ملاقات ہوئی تھی اسے اسے نہایت با اخلاق  
مفسر مزاج اور مددش صفت، بہادر راسخی خوش ملاقات پکارتی، علم ہر دور علم دست پایا وہ میرے ساتھ بہت اچھے طرح پیش کیا یا چنانچہ اس کی وفات  
چھوڑ کر دوسری جگہ جا کر کسی اور کی حکومت اختیار کیا تاہم اس نے مناسب نہ جانا انداسی جگہ ظہر گیا اور دس سال اس کو گزشتہ گئی ہیں اس کی دوستی اور  
ملاقات میں گزشتہ دس سال میں جب اس کو فرشتہ دینی کو لگا کر کہتا تھا میری آپس میں کچھ ایسی شخص ہو گئی کہ جہاں کے سوا کوئی جہاں نہ رہا اس نے میری  
نقلی دھوکہ کئے کے لیے بڑی کوشش کی اور حضرت چاہی بیباں محکم کہ ہمارے جہاں کو والدہ مرحومہ تک کو پہنچ میں ڈال لیکن میرا دل ایسا پھر تھا  
کہ میں اس کے پاس نہ گیا اور بادشاہ کی خدمت میں پہنچ گیا۔

اسی سال دہلی میں میری دوسری شادی ہوئی اور ملازمین کے لئے ایک مکان بنایا گیا۔ اس مکان کو  
مکرم خان مسجد نامی قسطنطینیہ مسجد -

۱۶۶۶ء کی جنگ میں مرہٹوں نے شاہ بدایوں کو شکست دی اور شاہ بدایوں نے مرہٹوں کو اپنا نائب السلطنہ تسلیم کر دیا۔ مرہٹوں نے شاہ بدایوں کو اپنا نائب السلطنہ تسلیم کر دیا۔ مرہٹوں نے شاہ بدایوں کو اپنا نائب السلطنہ تسلیم کر دیا۔

ہر شاہ کے سلسلہ کئی کئی کڑے کے ہوتے تھے لیکن وہ کسی ہی میں اس دنیا سے گزر گئے اس سلسلہ دار شاہوں کی ایک پوری علامت ہوئی بادشاہ نے شیخ کا سلام بھیجی مگر یہ وہ دارگاہ انور اس پوری کوشش کے گھر بھیج دیا۔ شیخ نے اسے پہلے ہی شاہزادے کی ولادت کی خوشخبری دی تھی اور شہنشاہ کو اس سے بڑی مسرت ہوئی تھی اس لیے وہ بار بار شیخ کے گھر کو جاتے رہے اور بے چینی سے اس موقع سے کا استعارہ کرنے لگے۔

بادشاہ نے ان کی یہ کوشش کی کہ وہ یہ مختلف شاہ کے قریب ایک بڑی سماعت کا سنگ بنیاد رکھا ایک نئی خانقاہ بنوائی اور ایک دستہ اور بزرگ مصلحین سے مشورہ کیا اور ان کی ہر بات کو ایک حد معلوم ہوئی تھی وہ دنیا میں ایسی مسودہ کی ہوگی۔ یہ مسودہ تقریباً پانچ سال کی مدت میں تعمیر ہوئی۔ اس ایسی کا نتیجہ یہ نام نکلا اس میں ہزار ہا نام ہر ایک وغیرہ ہوتے تھے۔

[illegible]





اس کی تعلیم کے مکالمات میں شہزادہ مراد کی ولادت ہوئی۔ اسی سال ماہ رمضان کے آخر میں شیخ سلیم بن علی بن ابی طالب نے  
 اس کی ولادت کی خبر دی تھی۔ اس سال بھی ایک بزرگ عالم سے دو چار ہوا پتا ہے۔ یہاں پر وقت گذر رہا تھا کہ کائنات کو  
 اس کی طرف سے بھی تقدیر کا لہا کہہ کر مٹ گیا۔ اس کی ولادت میں اس جگہ ہا۔ مجھ اس سوئے کی صداقت اور نظارہ کی خدمت میں ہو گیا تھی۔  
 اس کے فضائل میں بہت کم کن پر حضرت شاہ عالم کا مزار ہے۔ میں اس کی زیارت کے لیے گیا ہوا تھا۔ انسان کی سرشت میں خلقت میں ہرگز  
 قوم سے جدا فرقہ نہ آتا ہے۔ میں نے بھی کہا وہ میرا ہے۔ میری آنکھوں پر بھی خلقت کی حالت کا پندہ پڑ گیا۔ یہاں ایک خوب رو کے کٹر مراد والے تھے  
 نام ہوس میں پھنسا دیا میں اس عرض میں ہوس کو لاش سمجھ بیٹھا پھر کہ گزری گزری۔ دو گاہیں مجھ سے بولے ابانہ حرکت سرزد ہو گئی۔ اس کا بھی یاد  
 عالم کا کہ ہے کہ اس دنیا میں ہی لیا گیا۔ میرے مشفق کی دم کے چند افراد نے حکم کر کے مجھے ننگی کر دیا پھل چہ میرے سر ہاتھ اور کندھے پر پہنے  
 مار کے توڑ دیے۔ وہ میرے تمام زخم و زبردل بر گئے۔ لیکن سر کا زخم بڑا گہرا تھا تو وار ہڈی کو توڑ دی ہوئی تھی جس کے پیچھے گئی تھی اور بائیں ہاتھ کی ایک انگلی  
 لگ بھی گئی تھی۔ اس کا گلے کی تھی۔ بس جان جانے میں کوئی کسر نہیں رہ گئی تھی۔ لیکن خدا کا حکم ہے کہ میں اس حادثے کو تحمل کیا۔ تقدیر پر گریزی  
 نہ ہو۔ حیران نے علاج کیا اور ہفتہ ہو کر اندر تمام زخم خشک ہو گئے۔ اسی بیماری اور مصیبت میں میں نے منت مانی کہ اچھا ہو جانے کا ترجیح  
 دے گا لیکن نفوس کا ایسا بھاری بھنگا تھا کہ اب تک سببت نہ آئی۔ سو فیصد کہ صحت پانے کے بعد میں وہاں سے کات کو لے کر لپکا گیا۔ غسل صحت کے بعد  
 وہاں بیمار ہو گیا۔ حسین خاں نے خدا سے بہشت جا دیاں طلب کئے، باپ اور بھائی کی طرح میری خدمت کی ان دنوں سردی سخت  
 تھی اس لیے سر کا زخم دوبارہ ہوا۔ لیکن اس نے کھپ گیا۔ کارہیہ اور کھانے کے لیے گھر میں تیار کر دیا۔ میں وہاں سے واپس چلا آیا وہاں  
 ت نے سر کے زخم کو دوبارہ کھول کر مرہم لپیٹا۔ اس علاج میں میں بھی خلعت پہنی تھی کہ میں صحت کے منت میں جا کر ٹھکی آیا۔ اسی دوران میں  
 وہاں میں تھے کہ خیر آباد کہ ہوا کی کے عالم میں اس بزرگ کی ہوا تھی کہ پھر کرا آسمان پر نے گئے۔ میں وہاں واقعہ کو پہچانی گئی تھی ہے جس میں  
 بصورت میں کہ کچھ اداں کا ایک جتنا ہی مجلس کی طرح آخر میں پڑواں لیے ہوئے گوں کر چلے اور عجب نگہ میں بصورت ہے  
 اس کی ایک کھڑکی کا فائدہ آخر میں ایک ضرور دیکھنے لگا پھر اس نے کہا: یہ وہ شخص نہیں ہے۔ اسی عالم میری آنکھوں کی تھی۔  
 اس سال وہاں میں تاش زنگ کا سبب ڈار اور تاش آقا

[illegible]







[illegible][illegible]

اس کے لیے اس کی بات لاہیں بنائی گئی تھی اس نے قلعہ نہیں کیا تھا۔

مستحق میں کیونٹ فتح ہوا۔ ہمدی کا سہاں ہوا، ہرم میں مرزا کے دلی آنے سے پہچ میں خلیا جائی جا کی کلاوت کو کولہ میں باہر اور قبیل کے مرکز میں گھر کے لیے گیا تھا۔ اس نے اس میں خود ہاں ملک سے ہوا تھا۔ سلطان پوری اور راجا بہا مال نے جو وکیل اور وزیر مطلق تھے فتح پر سے اس کے پاس خط پہنچا ہوا کہ میں مرزا کو جو کہ گھسٹ کر دلی کے قلعہ میں آتا ہوا ہے۔ وہاں یہ تختہ اس کی خلیا پڑا ہے۔ اس لیے کہ جلد از جلد یہاں پہنچ جائے۔ حسبہ العطلہ دار لکھنؤ کی طرف روانہ ہو گیا جس وقت وہ موضع اور سے کوٹھارہ تھا۔ پگنہ علیہ سے خبر آئی کہ راجا اور سنے ہو بادشاہ کے جلوس سے ہوا۔ یہاں تک کہ اس کے قلعہ میں لکھنؤ کی اور لوٹ مار کیا رہا ہے۔ بلوٹھی ہمارا کے خلاف فدا کی کر دی ہے۔ اور مرزا خانہ ملک کے بعض بہادر تجربہ کار لکھنؤ کو چھوڑ دیا ہے۔ یہ کہ علیہ میں موضع فرما دی ہیں چھاپا ہوا ہے۔

**میدان جنگ میں** وہ مضامین کی چند عریں دوپہر کی چاک گلی چلتے اور تیر چھوڑنے کے آواز آئی اور سارا دلی چھو گئی۔ راجا اور سنے نے گنوار دلی کے علاقے میں اپنے چند بھتیجے بھتیجے کو دیکھ کر کہا میں جلیاں میں ہاں سے اس نے شاہی رسالے پر بند توں اور تیروں سے تیش ہدی کر دی۔ اس چاک کے سے جس مدرسے کے اندر بعض دلی ہوئے ایک گولی میں خاں کے اندر کوڑی گولی ہوئی تھی گولی اور بے ہوش ہو گیا۔ میں نے اس کو پانی کے چھینے مدرسے جو لوگ اس پاس تھے ان کو گولی لگنے کا علم نہیں ہوا۔ یہ سمجھ کر وہ سب کچھ سے ٹپٹی ہو گئی ہے میں نے اس کے گھوڑے کی ہانسی کو ایک دھت سے نیچے سے مارا چاک تیروں کی ہچکچاہٹ سے پناہ دل جانے اسی حالت میں اس نے اپنی ناکھ کھول اور غلات عادت لے لے فحش سے گھبرا کر دیکھنے سے اشارہ کرتے ہوئے کہا باگ بکنے کا یہ کرنا مرتے ہے۔ پھر اس نے دلی کو گھوڑے سے اتارنے کا حکم دیا سب لوگ ہانپا رہے تھے اس کے بعد اسی سخت لڑائی ہوئی اور ہاں میں سے اتنے آدمی نکل برے کہ گنتی محال تھی آخر کلا سلام کی برکت سے ان میں سے بھرنازیوں کو دشمن پر فتح حاصل ہو گئی۔ بعض خدا کے بندے ایسے بھی تھے کہ اس سخت اور دشوار دلی میں بھی اپنے دوزخ کے حفاظت کیے رہے۔ میں اتنی برداشت نہیں تھی جب میں باہر ہی پہلے طاقت ہو گیا تو ایک چلے پانی سے اپنے من کو شکر کیا۔ بعض تو پیاس سے مر گئے۔

اس فتح کے بعد میں خاں نے کلاوت و کولہ کا رخ کیا اس وقت ابراہیم حسین مرزا اشمل سے چندہ کوں پر لکھنؤ کے پچھنے میں پہنچا ہوا تھا حسین خاں ہوا دلی جو نے کے باہر میں سارا ہو کر مرزا کے مقابلہ پر ہنس رہی تھی۔ مرزا اور وہ کہ دانتے سے ٹپٹ گیا اس نے خاں خبر لی کہ مرزا نے امر وہ ہمارے ملک کے سخت دماغ کا یہ اور اب لکھا جو کہ کہ کلاہم لکھنؤ کی طرف بھاگتا ہے۔ اسے حین خاں بھاگتا کہ ہے ہوسے گڈہ کیسے بچ گیا۔ حسین خاں مرزا کے لیے لکھا ہوا تھا اس کے لیے دوسرے امیر میں تعاقب میں شامل تھے۔ یہاں تک کہ یہ سب سر ہند چاہتے یہاں سے بھاگتا کہ ہے ہوسے لکھا ہوا تھا۔

**شیخ داؤد چینی قال** میرزا آگے بڑھا کر شیر کو دھڑی تک پہنچا اس وقت حسین خاں لکھنؤ اور قلعہ لاہور کی کوسر پر ہوا تھا تعجب سے مرزا کے متعلق اطلاعات میں اس نے جنتوں سے مصالحت کر لیا اور مرزا کے تعاقب میں سب پہنچ گیا حسین خاں نے قمر کانی کو جب تک میں حسین خاں سے ہار نہ لیں کہ انہیں کلاں گا۔ چنانچہ اس نے دیا سلاہ دوسرے کو طرہ کی لکھنؤ شیر کو دھڑی میں لکھنؤ کے قمر بہ ہوا ہاں سخت غرٹ لکھنؤ کی طرف روانہ ہوا۔ یحییٰ خاں کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب دسترخوان بچھا لیا گیا تو حسین خاں نے کھانے سے سخت ہجائی۔ سخت نے فرمایا: مگر لا کھانا آسےں ہے اور دوستوں کا دلہ کا لکھنؤ لکھنا، سے خاں نے ہمہ وقت ایک



دستِ حرمِ عظمیٰ دے جاتے تھے وہ شکرانہ کی منیوں میں دے آتے تھے وہی دے دے میں ہوتی تھیں۔  
**اہلِ محبت کا خاص علم** وہی تھے کہ ستریں تاریں کو یہ میر کی افضالی بخم نے جو خان زمان کی حکمت کے بعد سے چون پر ہی میں تھیں  
 قاضی خاں کے دربار میں پر نجوم کی کتاب اظہر کا مطالعہ کیا اور مرکب و مرتبِ حروف کا استخراج کر کے اس نے  
 فال تکلیف تریہ شعر برآمد کیا۔

ہرودی بکھرے تخت میں لیل ہرودک انگشت داد و بیرون  
 میں تھیں کہ اس نعل کے مطابق پیش آیا۔ باپس میں جب چون پر میں بادشاہی شکر نے کیسہ لگایا تو یہ صوف دربار میں حاضر ہوا پھر نجوم سے نالِ کمال  
 اس وقت یہ شعر برآمد ہوا۔

خروہ فتح بنا گاہ رسید سردار داد و بدر گاہ رسید  
 میری اس مابہر خرم سے انہی دوزن شناسانی ہوئی تھی میں نے اس علم کے سکھانے کی درخواست کی تو اس نے قبول کر لیا اور کہا: یہ اہل بیت  
 کا خاص علم ہے اور اس کے لیے چند شرطیں لکھ کر دی گئی ہیں: آخر کے معلوم ہو کہ یہ شرطیں شعیر کے بعض مسائل کی تعلیم سے متعلق ہیں اور  
 یہ نالِ بھی دوسری نالوں کی طرح جعلی اور اختراعی ہوتی ہے۔ ہر شخص اپنی قوتِ ارادی سے کام لے کر ایسی نال برآمد کر سکتا ہے اس کا بچے مشاہدہ بھی  
 ہوا۔ لیکن میں نے خود بھی تجربہ کیا کہ دیکھ لیا اور یہ کہ اس علم کا احسان اٹھائے بغیر میں نے نال کے اس طریقے کو سیکھ لیا۔

**سنگھاسن بتیسی کا ترجمہ** جمادی الاخر میں جب شیرازہ صوف تنوع میں منزل ہوئی تو بادشاہ نے مجھے مخاطبت سے نوازا اور حکم دیا کہ میں  
 سنگھاسن بتیسی کا ترجمہ کر دوں۔ اس میں ۲۰ کتابتیں ہیں جو مالوسے کے راجا کو راجپوت سے  
 متعلق ہیں۔ بادشاہ کا ارشاد تھا کہ میں تاجی اس کام کو شروع کر دوں مگر اس کا ایک روز کچھ کر دکھا دوں۔ ایک برہمن کو ترجمانی کے لیے  
 مقرر فرمایا۔ اسی دن میں نے جب ایک کہانی کا پہلا مصلو لکھ کر پیش کیا تو بادشاہ نے بڑی تحسین و تعریف کی۔ جب اس کتاب کا ترجمہ ہو گیا تو اس کا  
 نام مہر و مہرا ترجمہ ہوا اس میں اس کا تصنیف میں نظر آتا۔ یہی بھی شال کر دی گئی ہے۔ بادشاہ نے اس کو پسند فرمایا اور شاہی کتب خانہ  
 میں داخل کر دیا۔

انہی دوزن بادشاہ کی محفل میں ایک بڑا دھمپ لطیفہ پیش آیا۔ حاجی ابراہیم سرہندی ہمیشہ علماء سے اچھا رہتا تھا جس وقت  
 ہانگندی نے اپنی تفسیر پیش کی تو حاجی نے مرزا غفلت کو بھیڑنے کے لیے پوچھ لیا کہ کونسی جگہ میں غفلت ہے و لو کس ماہ سے مشتق ہے مہرا  
 غفلت علمِ عقل کے بڑے عالم تھے۔ اتفاق کی بات اس کا جواب جیسا دینا چاہتے دے سیکے اور خواہ نے ہاں کر لیا کہ حاجی ابراہیم جمہل علم  
 حسبِ پر فطرت مکتا ہے کہ لوگوں نے قاضی زادہ شک سے جہ بادشاہ نے مستر کا قاضی بنایا تھا کہ اگر تم بحث میں حصہ کیوں نہیں لیتے؟ اس  
 نے بے ساختہ جواب دیا اگر حاجی ابراہیم مجھ سے عیسیٰ کا مسیح بھی بیٹھے تو میں بھلا کیا جواب دے گا؟

اس نیکو سبب تک دس سال کی مست گزشتگی ہے اب یہاں کے لوگوں میں سے جو س سے زیادہ تھے۔ محقق دستہ کرنی بھی نظر

نہیں آتا۔ سب کچھروں پر مت اپنا سیاہ نقاب اندر جا چکی ہے بے شک کل غفلت و الفت السحت

خیل مدکشاں فیروزانہ کے بیداروں کا نام فتنیم ہے

وہ مغلیں جو گیسو دیا کہ میں اس کو دیکھ گیا ہوں جب بھی ان کی یاد آتی ہے تو میری طرف سے انہیں حسرت کے ساتھ غری کے پاس لے کر آتا ہوں۔  
دل ٹکڑے کرنا کہنے لگتا ہے کاش وہ لوگ کچھ نہ لکھتی جانتے ہیں کہ کس سے بدست کریں۔ تباہی و عیاشی کی حالت میں ان کے ساتھ کسی بھی  
اب بجز آکا و واقفہ کے لیے بجز اس کے کوئی چارہ نہیں رہا کہ ان کی جدائی کے بارے سے جتنا لکھ چکے ہیں کچھ کہہ دوں کہ انہیں

افسوس کہ وہاں ہر اندر دست شدند

وہ اپنے اہل یگانہ بگاہ دست شدند

ہر ذلک شراب و مجلس مسر

یک نظر زما پیشتر گشت دست شدند

انہی دونوں شعر میں مغلیں جیسے مغربی میں کھانا تھا ہے۔ ہمارے لیے یہ کہ یہ سارا جگہ پر پائی تھا بدلاؤ شادی میں حاضر ہوا۔ ہدایا کی وقت  
اس نے آیت اس کی تفسیر میں کر کے کہنا ہے کہ یہ تفسیر واصل اس کے والد کی کسی بیوی تھی۔ بادشاہ نے اس کی تفسیر یہ کہ اس کی بیوی  
تفسیر کی کہ اس کی بیوی تھی۔ بادشاہ نے بطور دیگر عیادوں کی سرکاری کی ترقی سے دیکھ کر بھی اس کام کے لیے اب انہیں مولوں آدمی مل گیا۔  
شیخ ابوالفضل نے جلدی اپنی خدمات، انہیں سازی، بددیانتی، عزت و شہرت کے لیے بدلاؤ کا تقرب حاصل کر لیا۔ بہت عرصہ  
کے وقت میں کوئی کسی جگہ پر توڑ کر تیار وہ نہایت حساسیت سے کہا کہ خاک و غبار حوائی، غلام مرگ، اور دست و پاؤں و فرسوں کا قتل ہمارے  
پیشہ کی نہیں ہے۔ غرض ملک کا حکمران اس کی توجہ اس کا جواب منفی تھا۔

**دین الہی کی ابتدا** <sup>۱۵۵۵ء</sup> میں تین عبادت خانوں کی ترقی میں کوئی ایک سال تک تھا کہ ہر جگہ کے بعد شیخ الاسلام کی جدید خانقاہ سے  
اس عبادت خانے میں اگر مجلس منع کرتا تھا اس میں نالی علماء مشائخین اور چند خاص مصاحب اور زیریں تھیں۔  
ہر اکٹھے تھے وہ سونے کو آنکھ کی امانت نہیں تھی اس مجلس میں ہر ماہ علمی مباحثہ ہوتا تھا ہر اکٹھے تھے۔ بادشاہ کے قریب نشستیں تھیں  
کے لیے اگر تقدیر و تاخیر کا جھگڑا ۱۱۰۰ کھڑا تھا اور لوگ آپس میں بڑی بدتمیزی کا مظاہرہ کرتے تھے اس لیے سب نے باقاعدہ نشستوں  
اتعین کر دیا تھا کہ ہر روز مشرقی جانب بیٹھیں۔ سادات مغربی جانب، علمی نشست جنوبی حصے میں اور مشائخین شمال میں سب پر ہدایا  
ہر ایک کی نشست گاہ میں ہر اکٹھے کے ماحول میں حصہ لے کر تھا۔ ان کے رخ کے ساتھ ہر ایک کو ایک جگہ کی جہتی ہوتی تھی۔ ساری  
بیٹھ کر ان نشستوں میں آتی تھیں سب کو ان کو لکھنے پر اپنے ہاتھ سے اس مجلس میں آنے والے علماء میں تفریق نہ تھی۔ بادشاہ نے جو کچھ میں دیکھا  
نہیں ایک کتاب ہزار الفکرۃ الامارۃ کے نام سے ایک فصل کا اضافہ بھی شامل تھا۔

ایک مدت اس مجلس میں ہر ایک کو ایک جگہ پر بیٹھ کر بحث کرنے لگے۔ ان کے شرور و غلی سے بادشاہ نے ہر جگہ سے کہا کہ میں  
بہت عرصہ سے ان نشستوں سے اس کی اطلاع لے رہا تھا۔ میں اس کو مجلس سے اخراج کر دیتا ہوں۔ انہیں نے اس وقت آصف خان سے  
کہا کہ اس طرح تو تم بائیس کو اخراج کرنے لگے۔ انہیں نے کہا کہ یہ بات کہتے ہوئے دیکھ لو، ہر ایک کو ایک جگہ سے ہر جگہ میں نے کہا تھا کہ یہاں  
بہت خوش ہوا ہوں اپنے مصاحبوں کو بھی یہ بات بتائی۔

انہی دنوں بادشاہ نے مجھے اہمیت کی خدمت پر دیکھ کر غصہ سے کہہ دیا۔ یہ بیعتی جہد کے مطابق تم بھی میں غور کرو کہ یہاں

کہا کہ اس زمانے میں شیخ ابو الفضل بھی مدینہ منورہ میں رہتا تھا اور جیسا کہ شکل نے جنید کے حسن کہا تھا ہم دونوں ایک ہی خانہ سے نکلے ہیں میرا والد ابو الفضل کا معاملہ کیاں تھا لیکن وہ نہایت پریشاں اور نہ مایوس تھا۔ اس کو بھی بادشاہ نے گھوڑے سے داغ کرانے کے لیے فرمایا تو اس نے فوراً ہی داغ اور غور کر کے اپنی ملازمت مضبوط کر لی اور ترقی کرتے کرتے دربار کے عہدہ اور وزارت کے منصب تک پہنچ گیا۔ اس کے برعکس میں نے ناخبرہ کاری اور سادہ روی کی وجہ سے اس ملازمت کی پیشکش کو قبول نہ کیا۔ میں اسی خام خیالی میں رہا کہ بجائے ملازمت کے مجھے مدد معاش کے لیے اگر بادشاہ کوئی کراچی دے دے تو میری ضروریات فراموش کر دیاں گئیں۔ اگرچہ عافیت میں بیٹھ کر آزادی کے ساتھ ملی خدمت میں مصروف رہوں گا۔ کیوں کہ توفیق اور توکل سے ہر طرح کی دیا میں کرنی اور پونہ نہیں ہو سکتی۔

لیکن میری یہ فطری دیکھو۔ مجھے وہ بھی میرے نہ ہوا۔ آخر ماہ شوال ۱۰۹۳ھ میں نے دربار سے رخصت کی درخواست دے دی بادشاہ نے اسے منظور فرمایا۔ مجھے ایک گھوڑا اور ہزار دیگر اراضی عطا فرمائی جو اس زمانے میں میں گھوڑوں کے متفرقات کے لیے کافی ہوتی تھی اس سلسلے میں جو فرمائشیں کھائی تھیں اس میں یہ خطبہ مدد معاش کے صیغہ میں لکھا گیا تھا۔ میں نے بہت کچھ عرض کیا کہ اس مختصر اراضی پر ہمیشہ خدمت سے وابستہ رہنا میرے لیے مشکل ہو گا لیکن کوئی توجہ نہ کی بادشاہ نے صرف یہ فرمایا: "شکر میں تیرا دم کے موقع پر امداد اور انعام تمہیں دیا جاتا رہے گا۔" اس مختصر معاش پر بھی شیخ عبداللہ نے کہا: "ہم نے تمہارے گروہ کے آدمیوں میں کسی کو اتنی امداد نہیں دی جس امداد اور انعام کا وعدہ کیا گیا تھا کہ وہ اب تک کہ بائیس سال پہلے مجھے بھی ہر ایک دو بار کے پورے نہیں کیا گیا وہ وعدہ ایک سراب سے زیادہ نہ تھا جس کے عوض میں خواہ مخواہ بے پردہ بندشوں اور ملا حاصل خدمتوں میں ہمیں کرو گیا۔ اب خدا ہی کا ہے تو ان سے نجات ملے۔ بہر حال میں علاج بھی گزری اور گزر رہی ہے اس پر خدا کا حکم ہی مقرر ہے۔"

اس زمانے میں ابھرے علماء سے یہ مسئلہ پوچھا گیا کہ کتنی آزادیوں کو نکاح میں لکھا درست ہے؟ علمائے کبار نے کہا چار سے زائد آزادیوں کو منع پر اتفاق کر بیگ وقت تک میں رکھا منع ہے۔ ابھرے کہا: "ہر توجہائی میں اس کے پابند نہیں رہے۔ جتنی عورتوں کو چاہتے تھے نکاح میں لے لیتے تھے خواہ وہ آزاد ہوں یا غلام۔ اب اس کی طمانیہ کیسے ہو سکتی ہے؟ اس سلسلے میں مختلف لوگوں نے مختلف باتیں بتائیں۔ ابھرے پھر کہا: "ہم نے شیخ عبداللہ سے سنا ہے کہ ایک مجتہد کے نزدیک تو عورتوں سے بھی نکاح کیا جاسکتا ہے۔" اس نے کہا: "اب ایک اجتہاد اہل علی کا یہ بیان ہے جس نے تو آیت پاک *مَا تَلَکُمْ مَعَاطَبَ لَکُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَلْفَقَ تَلَکُمْ وَنِکَاحَ کُمْ* کے ظاہری معنی پر تو انعام عورتوں تک کو جائز قرار دیا ہے لیکن یہ ساری روایتیں صحیح ہیں۔ ان پر عمل جائز نہیں ہو گا۔" بادشاہ نے شیخ عبداللہ سے بھی دریافت کیا۔ اس نے جواب دیا: "میں نے کچھ کہا تھا اس سے ان اختلافات کا حل کر کے منظور تھا۔ اس کے جواز کا میں نے خفی نہیں دیا تھا۔ عبد اللہ کا یہ جواب بادشاہ کو بڑا اگوار گذرا اور اس نے کہا: "اس طرح تو شیخ نے جسے ساتھ مخالفت برقی کہ اس وقت کہ کہا تھا وہ اب کچھ لوگ کہہ رہے ہیں اس وقت سے شیخ عبداللہ کی طرف سے بادشاہ کا دل کھٹک گیا۔"

ایک مدت تک ان کے گھر سے میں بادشاہ کے پاس کافی مقرب۔ شیخ ابو الفضل حاجی بابا ہمدانی کے والد عالم فیض ہونے لگے تھے اس وقت شیخ ابو الفضل نے ملاک حضرت کے ہونے ان رعایتوں کو جو اس کے والد نے جمع کی تھیں بیان کیا۔ بادشاہ نے مجھے بھی وہاں بلا کر پوچھا کہ تم کیا کہتے ہو؟ میں نے عرض کیا ان تمام رعایتوں کا جگہ اب ایک بات پر ختم ہو جاتا ہے۔ مستحکم ملک اور شیعہ علماء کے نزدیک حجاج





آگے ملے سعد علی دوست کی خفایت کی خبر میرے دل کو ستاتی رہی اس خبر کو سن کر نثار زار رونے لگے اور فرمایا کہ ہر شخص دنیا سے بے نیاز رہتا ہے اسے اس طرح زندگی گزار کر رخصت ہونا چاہیے جیسا حسین خاں نے کیا۔ اتفاق دیکھ کر میرے دل سے میری یہ طاقت بھی آخری ہی تھی انھوں نے بھی اس موقع پر خود ہی فرمایا کہ "ہمارے دوست رخصت ہو چکے ہیں، معلوم نہیں اب تم سے بھی دوبارہ ملنا نصیب ہوتا ہے یا نہیں۔" ان کی یہ بات سب تکلیف دہ بھی ہلادی اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

میں قریباً اڑسٹھ سال تک اس بڑے نڈر گھر حسین خاں کی خدمت میں رہا۔ سپاہ گری اور دنیا داری کی خاطر اوضاع کے باوجود میں نے جو وصفت اس میں پائی اس زمانے کے پیشتر جیشاؤں اور برقعوں میں ان کا عشرہ شہر بھی دکھائی نہیں دیتا تھا اس کے ساتھ کسی مہمانی اصول کے میں نہیں رہا۔ لیکن کٹر جنگ کی یاد ان میں اس کے ساتھ رہنے کا موقع ملا ہے ان لڑائیوں میں ایسی ثابت قدمی اور دلیری نے خدائے آسمان سے میری بے بسی کا ذکر کس داستانوں ہی میں سننے میں آتا ہے۔ اس کی دریا دل اور سخاوت ایسی تھی کہ اگر رو سے زمین کے خزانے اور سلطنت بھی اس کو مل جاتی تو پہلے ہی دن سب کچھ کٹا کر قرض دار ہو جاتا۔ اس سے پہلے ہمارے اس وقت کا قاصد کہ کس کس کسٹھ کے لشکر متعین کیا گیا تھا اس نے ایک عوامی گھوڑا پانچ سو روپے میں خریدا اور اسی وقت مجھے ملکا کر دیا کہتے ہیں جب وہ دنیا سے رخصت ہوا تو لڑچو لاکھ سے زیادہ رقم اس کے ذمے قرض تھی۔ اس کے انتقال پر تمام قرض خواہوں نے دست بردار ہو کر دیکھا کہ اس کے بچے مغفوت کی دعا کی اور شا سے قرضوں کا کوئی مطالبہ نہ کیا۔ میں اپنی اس کوتاہ زبان سے حسین خاں کی تعریف و توصیف کا حق ادا کرنے سے قاصر ہوں اب جب کہ میں پیری کی ذلتوں سے دوچار ہوں اس بات کا فکر کرتا ہوں کہ میری زندگی کا بہترین حصہ یعنی مغفوت شہاب کا زمانہ اسی کی خدمت میں گزرا اور یہ اسی کی توجہات کے طفیل ہے کہ میری نشوونما نہایت عمدہ طریقے پر ہوئی کہ آج میں دنیا میں مشہور و معروف شخصیت کا مالک ہوں اس سال بلوچستان نے میری خوش آوازی کی وجہ سے چار شہید کے دن کی امامت میرے سپرد فرمائی اور مجھے سات اماموں میں داخل کر لیا اور خواجہ دولت خان کو مقرر فرمایا کہ وہ اس دن اور سات میں پانچوں نمازوں کے وقت حاضری کی یاد دلائی کہ اوسے۔

**شوق جہاد** اہل محرم شہر میں ایک زمانہ گلوں اور بلبلوں کا اس کو حضرت حسین علیہ السلام کی شہادت کے دن میں ساتھ لے گیا اور وہاں خلوت شوق جہاد میں حضرت سے مدد کی دعا کے مان سٹھ کو خلعت گھر لیا اور دو سو سونے کی انگلیات عطا فرمائے اور اس کے کندہ اور کنجیل کے مدار لہر پر چھانک لیا کہ اس کی تلاش میں تھا تو کسی کے لیے مامور کیا۔ حکم کے کچھ وقت میں بھی وہیں کوں نہ گیا تھا۔ اس وقت پیر دل میں یہی جہاد کا شوق چھلک رہا تھا اور میں وہاں سے اسی وقت لوٹ کر شیخ عبدالنبی کی خدمت میں آیا اور ان کو بادشاہ کے پاس سفارش کے لیے آدہ کیا۔ انھوں نے حاکم تو بھری لیکن میرے معروضے کو اپنے کوئی سید عبدالرسول کے ذمے کر دیا۔ نقیب خاں کے ساتھ اچھا خاصا یا از قدام میں نے اس کو سید بنایا۔ غرض نقیب خاں نے اس وقت جب بادشاہ مزار شریف کے اونچے چوڑے کی سیر مہیاں چمک رہے تھے، میرا معروضہ پیش کیا پھر تراغملہ نے فرمایا: "اس کے ذمہ تو امامت کے فرائض ہیں وہ کس طرح جاسکتا ہے؟ نقیب خاں نے عرض کیا: "اس نے جہاد کی نیت کر لی ہے۔" بادشاہ نے مجھے چکر پوچھا: "مہارادہ ہے؟" میں نے عرض کیا: "ہاں آفرمایا، کیوں؟" میں نے کہا: "میں اپنے اہل کی سیاسی کوجاں بھاری کے ذریعے دیکھتا چاہتا ہوں اس پر فرمایا: "انشا اللہ تم فتح کی بشارت سے کر آؤ گے۔" اتنا کہہ کر بادشاہ مرا تھے میں چلے گئے اور وہی وجہ سے فاتحہ پڑھتے جب میں نے چوڑے پر ہتھ بڑھا کر پارس کا رادہ کیا تو انھوں نے اپنے کچھ





نے کہا: "ہاں اس غلط فہمی کا نیکو نیا انداز ہے جو ان کی خدمت کے سب سے بڑے کاموں میں سے ایک ہے۔ ان کا سہارا ہوں۔" غرض یہ کہ ان کی حالت سے اجازت کے لئے بہتر ہو گا کہ غرض کے کام کی سعادت نصیب نہ ہوئی۔ اور میں اس مرحلہ پر حسرت و افسوس کا درجہ حامل۔

اسی سال دار فغان ملکہ کے آخری عشرے میں میرے پاس یسار سے عبرانی گمیری ایک فادر کو کافی مدت اور آرزوؤں بعد لا کا تولد ہوا ہے۔ میں نے بادشاہ کے پاس اس کی افرا نہ پیش کر کے نام رکھنے کی درخواست کی۔ بادشاہ نے فادر کو چھاپا تیرے پاس دوا کا کیا نام ہے؟ عرض کیا: "ملکہ شہ ولدہ عادت بادشاہ نے فرمایا: اپنے اس بچے کا نام عبدالبادی رکھو۔ ہادی کا لکھ اس زمانے مات دن بادشاہ کے دروز بان رہتا تھا۔ سات بادشاہی امروں میں ایک محمد امین خطیب بھی تھے انھوں نے بڑے امرا سے کہا کہ فضول خیال چھوڑو اور مانتوں کو اپنے گھر پر جمع کر کے بچے کی دار ازنی عمر کے لیے قرآن کا ختم کراؤ۔ میں نے اس کی بات پر دھیان یا آخر وہ بچہ چھ ماہ کا ہو کر انتقال کر گیا۔ میں نے اس منزل سے پاکی مینے کی خدمت لی اور یسار چلا گیا۔ بعض مصروفیتوں بلکہ بے کار لمحوں میں بچس کر سب وعدہ خدمت پر واپس نہ پاس کا لایا اور میں ایک سال تک رہ گیا۔ ان کو تا ہیوں اور بعض لوگوں کی مخالفتوں پر سے بادشاہ دفتر فرمیری حوت سے بے توجہ ہونے چلے گئے اب جب کہ اس واقعے کو اٹھارہ سال گزرنے کے ہیں اسی معمولی خدمت سے ہمیں کہ نہ بچتے نہ بھگتے۔

(یہ جب ۱۸۹۱ء کو بروز جمعہ صبح کے وقت بادشاہ نے تودہ کی منزل پر آکر قیام فرمایا۔ میں یسار سے روستہ کو بادشاہ کے استقبال میں حاضر ہوا اور ایک کتب چہل حدیث جس میں جہاد کی تفصیل اور تیر اندازی کے ثواب پر مدثر ہیں) کا نام دیکھی ہے۔ خدمت خللی میں پیش کی بادشاہ نے یہ کتاب کتب خانے میں داخل کرادی۔

فتح پور آنے کے بعد بادشاہ کے اکثر وفات عدلت خانے میں ملا کی محفل میں گزرتے تھے۔ دینی مسائل کی تفتیش اور مامول و فردوخ کی گرم برتی تھیں۔ علم کے ان بھگڑوں کی وجہ سے اہل برقت کو خوب کھل کھینے کا موقع ملا۔ انھوں نے حقائق کو مسج کر کے بادشاہ کو چھو غلوں میں حقائق کا بیان کیا لیکن ان پر حد ہمنے کی وجہ سے حقائق کا ادا کر کے سے فادر غلام اور علما کے ان مباحث کی وجہ سے عالم حیرت نکلا تھا اصل دینی سے پھیر دیا۔

مجھے یاد ہے کہ ان مباحث کے آغاز میں ایک ہدف فتح پور کے دیوان خانہ خاص میں شیخ ابو الفضل سے میری گفتگو ہوئی تھی۔ اس سے پہلے اس مشہور شخص میں سے تھا دامیلا کس نہ سب کی طرف ہے؟ اس نے کہا: "میں تو ابھی چند دن احوال کی وادی پر ریاحت کا اردو دیکھا ہوں؟ میں نے پوچھا: "تو مجھے یاد ہے کہ ایک بار اس سے میں بشرطیکہ تم اپنی میری کو حلاق دے دو تیری بات بس نہ ادا بات آئی گئی ہوئی۔ جب دربار کا یہ رنگ ہوا تو میں نے گوشہ حرمت اختیار کر لیا اور مبارک داری سے بڑی حد تک ہٹنے لگا۔ بادشاہ کی نظریں مجھی سے چمکیں تھیں خلا کا فکروں میں اپنے اسی حال میں غرض رہا۔

۱۹ صفر ۱۲۸۸ء کو چالیس سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک لڑکا عنایت فرمایا۔ اس کا نام میں نے محمد الدین رکھا۔ بیٹا

**قسمت کا ضعف** یہی سارا ماضی میں ابیر کے تلبیس کے وقت خان نے نہ لکھی تھی کہیں جو حصے سے عزت سے طبعاً جو کچھ لکھا تھا کہ: "یہ بھی خیال ہے کہ اس کے فرمان میں یہی لکھی ضرورتی۔ اس سے پہلے کہ کیا کر لی نسبت و عارضہ تھا کہ اس نے عزت تک کر دی؟ غازی غلام پڑھنے نے لی کہ یہ کہ قسمت کا ضعف تھا کہ بدشاہ نے جواب دیا کہ کسی کو قسمت دینا عظیم جرم نہیں کہتے۔ اگرچہ عزت کا لانا نہیں رکھتا تو اس کی زمین نصف ہو جائے گی؟ میں نے فرمایا اس بات کو تسلیم کیا۔ یہ بات بدشاہ کو بڑی نگرانی لگادی کہ بدشاہ میری طرف سے رنج پھر لیا تاہم اس نے کچھ عرض کیا آخر اس کے پاس سے یہ حکم ہوا کہ تیرے عہد کے بعد فلاں شیخ جو بلی سے بچا ہوا ہے وہ عزت کی شرط کے بغیر کسی انتہا ماضی ہر مقدار ہو سکتا ہے۔ شیخ نے مراد اللہ والہ امر دی کہ جو حکم لکھا ہے وہ چور کر کے چلا داتا ہے اس کے ذمے کافی اعتراضات تھے میں سب لکھ کر اس کے لیے آٹھ سو سات سو بیس لکھ ماضی خرید کر لیا۔ یہ مساجدوں کا خیال تھا کہ اب یہی کوئی اعتراضداشت مناسب نہ ہوگی وہ سب لکھ کر قسمت پر مجبور کر کے گئے۔ مجرمان میں وہ دروس پڑھیں جن میں کسی سے مشکل ہو سکتا ہے جو افغان۔

**عالم کی قسم** شہنشاہ میں ابیر کہ بدشاہ کی سروری کا دل میں داخل ہوا تھا کہ بدشاہ سلامت دینی شہنشاہ میں اس طرح میں تھا کہ بدشاہ کا تھا۔ مجھے ایک بندہ تھا اسے یہاں تعلق تھا جو کہا کہ میں ہر ایک سال تک یہاں بیٹھتا ہوں۔ اب اس لکھ اس دوران میں مجھ کو خوب تجربہ اور محنت مصائب ہو داشت کہنے سے۔ جو بدشاہ بدشاہ سے جواب دینے کے بعد میں فتح ہو گیا وہ اس کی قسم تھی کہ بدشاہ غازی دی۔ بدشاہ نے شیخ ابیر افضل سے پوچھا کہ یہ اس سفر میں ساتھ کیوں نہیں تھا؟ اس نے کہا کہ یہ بھی قسمت سے معافی دلوں میں شامل ہے۔ میری غیر ماضی کا قصہ میں اس باب پر ختم ہو گیا۔

جب ملو قافلے کے قریب تھا تو بدشاہ نے سبھی کو حکم دیا تھا کہ جو ای علم ہمارے لکھ کے ساتھ ہیں وہ یہ نہیں کہنے ہیں۔ سب کے ہر ایک کی نصرت پیش کر دے۔ میرا نام آتا تو ہم تمام مہرین احمد و حرم حضرت تارخ نظامی نے جن سے میری دوستی ایک سال سے قائم تھی مجھے مریض لکھا ہوا۔ اس دوران میں انھوں نے کچھ نہیں لکھی اور تاکید کی تھی کہ میں کہ تو ملو کے ساتھ نہیں آئے۔ جو اب ہسپتال کے لیے کہم انکم لا جرم ملی۔ پھر انہاں تک بھی ہر کے آنے کی کوشش کر دی کہ یہ دنیاوی معاہدہ میں ان میں قیام ہندو کی ہے اس لیے ہمارے نے غیر غریبی سے یہ سب کچھ کھائیں ہیں اس خانہ میں مست تھا کہ مجھے ایک ایک لمحہ عرصہ جلدانی سے اعلیٰ دار فیض معلوم ہوا تھا۔ مصلحت اسلئے قصص کی کہنے لکھی تھی اس کی کہیں کے عالم میں طاعت خراب ہی میں کبھی کبھی شوکت تھا۔ سب حضرت کی قسم اس واقعہ کو گدے سے جوئے سترہ سال بیت گئے ہیں اب تک اس غنہ درستی کہ لذت سے عیالوں سرشار ہے۔ جب مجھ میں ان دنوں کو یاد کرتا ہوں نار نار روئے لکھا ہوں کاش میں ہی علم میں اس دنیا کے جگڑوں سے پاک ہو جاتا۔ ان دنوں مجھے سرشت، محنت، باور لگائی تھا کہ عیالوں ایچے فیض سے سترہ سال تک گریں ساری عمر اس کا ذکر کرتا۔ جن تو بھی تھا انہیں جو سکتا۔

**حجام کا قصہ** جو رگہ نازی میں منڈولتے تھے بدشاہ کو زمانہ پندرہ کا تھا اس وجہ سے زارعی منڈولنے کا عارضہ راج ہو گیا زمانے میں جب حجام کا قصہ کہنے لگی کہ دیکھ کہ جب میں بنانا ہوا۔ بادشاہی میں گیا تھا تو اس وقت تعلق سے میری دوا میں مدد غریبی سے کس وقت کم تھی جب حکم ہوا شیخ نے لکھ کر کہ تو میرا بیعت ہمارے حرم کے سامنے نصرت و محبت کرنے کا حکم دیا کہ میں کو دوا کی کھانا لکھ

نہیں دیکھا میں نے مہاب دیو کا یہ جسم ناقص ہے میرا نہیں اس نے کہا آئندہ ہوگا ایسا کہ یہ ملت نہایت نازیب ہے۔۔۔ دن اچھے پھرے  
کی اس اہم افشے نے عہد یو جوتی فیروز جگہ ہندوؤں سے بھی کہیں زیادہ اپنے طاسوں کا اکل ہی مصلابا کیا اور نوزوچھو کر دکن کی طرح  
پہل چھوڑا میں مروتا شکی تا نہیں ہو چھوڑ کر موشگافیاں کرنے لگا۔

عزلی پڑھا صاحب ہو گیا مقتہ، حدیث اور تفسیر نے مٹے والے مٹھون کیے جانے لگے۔ حکمت، طب، راضی شعور تاریخ اور فلسفہ  
کا تفصیل فرض ہو گئی۔ سولی کے خاص صحت دیکھو، ج. ع. ہ. ا. ط. خط کو گفت سے نکال کر آگیا چنانچہ عہد انشور و بادشاہ اور  
احدی کی کہی لکھا جاتا کہ بہت خوش ہوتا تھا۔

**رض کا نور** انہی دنوں شش کا تھا اور منصب راضی دکن سے آکر بلرباب ہما۔ اس کے آباد اور اندرونی سلسلے کے خفی تھے وہ ہا پاکان  
رضیعیوں پر بھی منت پڑتا تھا۔ میری اس سے باز میں ملاکت ہو گئی۔ عراقیوں نے اس کے سامنے میری بڑی تعریف کی  
تھی بل حکمت میں اس نے مجھے دیکر کہا: "رض کا دوران کی پریشان سے صاف جھلکتا ہے" میں نے فی البدیہہ جواب دیا: "اس طرح روشن  
تمہارے پیرے پر چلک رہا ہے جو لوگ وہاں کھڑے تھے بے سامنے نہیں پڑے اور اس مہاب سے بہت خوش ہوئے۔

اسی سال ۱۹۹۰ء (۱۲۱۰ھ) نے حکم دیا: "ہر کو جو بھرت کے ہزار سال تم ہو چکے ہیں اب تک سب لوگ ہماری تاریخ ہی لکھتے آئے ہیں  
اب ایک تاریخ مرتب کرنا چاہیے جس میں آج تک کے تمام بادشاہوں کے واقعات مندرج ہوں اس کا ہم تاریخ الفی رکھا جائے چنانچہ  
سات اشخاص مقرر کیے گئے۔ کچھ دنوں میں اس ناچیز کا نام بھی شامل تھا۔

میں نے ساتویں سال کے تذکرے میں خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات مرتب کیے تھے ایک رات یہ مسودہ بادشاہ  
کے ہاتھ میں تھا جب پڑھتے پڑھتے شہر کو ذکی تقریر قصر المملکت کے انہدام حضرت علی کی صاحبزادی ام کلثوم کے نکاح کے قضیہ شہر نصیبین  
کی فتح مسد اس سے مع ان کی تصدیق کے پھر مذکور کے کچھ ذکر پر پہنچے تو گہرے ان بیانات پر بڑی روتندرج کی۔ میں نے عرض کیا میں نے  
کو اپنی طرف سے نہیں لکھا، ان دنوں میں کو کچھ دیکھا مرتب کر دیا۔ گہرے اسی وقت شاہی کتب خانے سے روضۃ الاحباب اور سیرۃ کی کھڑی  
کتابیں چٹائیں اور نقیب خاں سے کہلا کر تحقیق کر کے بنائے یہ صحیح ہے یا غلط۔ اس نے تمام واقعات کے صحیح ہونے کی تصدیق کی اور خدا کے  
فصل سے مجھے اس بے جا گرفت دیکر سے چھٹکا ڈالا۔ تاہم ابھی کے بقیہ حالات لکھنے کی ذمہ داری اب آصف خاں کے سپرد ہو گئی اس نے یہ واقعات  
۱۹۹۰ء تک پوسے کیے۔ سن ۱۲۰۰ء میں بادشاہ نے لاهور میں مجھے حکم دیا کہ میں مسودات کا مقابلہ تصحیح کروں اور سفوں میں جو منت دیم تاخیر  
ہو گئی ہے درست کر دوں۔ میں ایک سال تک یہ خدمت انجام دیتا رہا میں نے پہلی دو جلدوں کو مکمل کر دیا میری جلد کا کام آصف خاں  
کے حملے کر دیا۔

اس سال کا اہم ترین کام مسودات کے تہہ کی تکمیل ہے یہاں مسودات کے تہہ کا سبب یہ تھا کہ بادشاہ نے شاہزادہ عزیز کو تھوڑے  
مہاب تجارت کا ترجمہ جلدوں میں چند سال کی مدت میں لکھوایا تھا اس کی تصدیق پر کالی مدبر بھی مہاب تھا کہ کچھ خیال کیا کہ  
ان کتابوں کے مقابلے میں ہندوؤں کی کتابوں کو دس میں تہہ کیلئے اپنے ہم سے منسوب کیا جانے چنانچہ گہرے خود بھی ذاتی طور پر  
وقت دینے کا فیصلہ کیا چند اہل تک نقیب خاں کی مدد سے اس کے مضامین کو سمجھتا رہا اور اس کے مطالب فارسی میں لکھوا رہا۔



میں نگاہیں بڑھانے میں لگا کر میں نے ایک بیٹے میں کیا اور سب سے پہلے اسے شکر دیا۔ اس خدمت کو وہ سید بن کر باقی جانے کے لیے  
خصت کی خدمت کی پرستش کر گئی۔

اس مرتبہ مجھے اپنے بیٹے کی خدمت ملی۔ مرزا نظام الدین احمد نے سفارشا عرض کیا کہ عبدالقادر کی والدہ کا انتقال  
سجدہ سے انکار ہو گیا ہے۔ وہ خدمت کا بل بکھڑا ہے۔ بادشاہ نے بڑی غلگی کے ساتھ یہ خدمت عطا کی۔ صدر جہاں نے اس  
موقع پر ہمدردی کر کہا۔ بادشاہ کو سہم کر دیا۔ لیکن میں نے سہم نہیں کیا۔ بادشاہ نے صرحت اس کا کہنا چھوڑ دیا۔ سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے ملاض  
ہو کر مجھے سفر خرچہ کے لیے کچھ نہیں دیا۔

۱۰ ذی الحجہ ۱۱۰۲ء میں بادشاہ نے شکر میں حاضر ہو گیا۔ منبر کی منزل میں مکرم ہمام نے عرض کیا کہ عبدالقادر کو نزل  
جامع رشیدی بلایا گیا تھا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ وہ وعدے کے خلاف کتنے دن طویل حاضر رہا؟ مکرم نے جواب دیا: "پانچ بیٹھے۔"  
بادشاہ نے پوچھا: "غیر حاضری کا کیا سبب تھا؟" لوگوں نے کہا: "وہ بیمار ہو گیا تھا۔ تصدیق کے لیے بدایوں کے اکابرین کا محضر اور مکرم میں الملک  
کا مریض بھی پیش کیا گیا۔ جب بادشاہ نے یہ سارے واقعات پڑھے تو فرمایا: "بیماری پانچ بیٹھے تک نہیں رہتی۔" اور مجھے کریش کی اجازت  
نہیں دی۔ میں نہایت شرمندہ اور غمزدہ شاہزادہ واناہال کے لشکر میں بے رہتاں میں متعین کیا گیا تھا۔ شہر ارہامہ حضور اکرم پر درود  
بھی کر سیدہ بعدہ کا حد کے خدا سے گواہ اگر عایشہ ماہیں برآ کر اور افضل اپنی دی استہمل اہوں میں۔ میرے پیچھے کے پانچ بلوچ جب لشکر کشیر  
سے ۱۰ ہمدرد چٹاؤ بادشاہ نے مجھ پر اہمیت فرمائی اور جامع رشیدی کے قریب کے لیے میرے نظام الدین کے ساتھ میرا ہم سفر کیا۔ فائدہ تجویز فرمایا اور مجھے  
حاضری کا حکم دیا۔ میں نے حاضر ہو کر ایک شرفی زندگی۔ بادشاہ نے بڑی مہربانی کا اظہار کیا اور غلگی آسانی فرمائی میں بدل گئی۔

بادشاہ نے عالی مرتبتوں کے مشورے سے مجھے جامع رشیدی کے انتخاب کا حکم دیا۔ میں نے اسے حوالے سے فارسی میں ترجمہ کر کے  
خدمت شاہی میں پیش کیا۔ بادشاہ نے خوش ہو کر اس انتخاب کو خزانہ علم میں داخل کرا دیا۔

تاریخ الفی کی تصحیح  
تاریخ الفی کی تصحیح میں سے دو دفتر تو علامہ شمس الرحمن نے اور میرا دفتر اصمت خاں نے لکھا تھا۔ ان میں  
میں نے یہ کام ماحصلی کتاب لاہوری کی مدد سے انجام  
دیا۔ بادشاہ نے اس کو ہندو لکھی لکھا۔ سے دیکھا اور فرمایا کہ اس نے (علامہ احمد) آہالی تعصب کے ساتھ لکھا ہے اس لیے دوسرے دفتر  
کی بھی تصحیح کرو۔ میں نے ایک سال میں اس کا مقابلہ تصحیح بھی کر دی لیکن اس وقت سے کہ ماہانہ پر بھی تعصب کا التزام آجھانے  
میں نے اصل مضمون میں زیادہ تبدیلی نہیں کی بس سرفروشی کی ترتیب درست کر دی۔

۱۱۰۳ء شرف آفتاب کے دن لکھنے کے کسی کے کہہ بنیاد ہے کہ صدر جہاں کو خطاب کے کہ فرمایا کہ اگر نظام عبدالقادر بدایوں  
کو ہم خدمت خواہر اجیری جس کے مدد سے شکر قریب دے دیں تو کیا ہے؟ لکھیں کہ اس روز منورہ کا کوئی متولی نہیں ہے۔ صدر  
جہاں نے کہا: "یہ بہت اچھی تجویز ہے۔" میں بھی دل سے چاہتا تھا کہ وہ باری افضل سے کسی طرح نہایت مل جائے اس عرض سے میں نے  
مددین بیٹھے۔ بعد میں بڑی خوشنہیں ہوئی کہ صدر جہاں نے عرض کیا کہ میں لکھ کر چلی گئی لیکن کوئی سبب نہیں ملتا۔

ایک دن میرے سامنے اکبر نے شیخ ابو الفضل سے فرمایا: "سجدہ القادری کی خدمت کو کہیں روانہ نہ کیا۔ لیکن ہم اس سے

جب کسی کتاب کا ترجمہ کر لے تو یہ ہمارے خاطر خواہ نہ کہتی ہے اس لیے ہم اسے ہر ایک کو اپنی ہر ایک کتاب کے لئے اس بات کا تاکید کرتے ہیں۔

بھکر لاسا سار۔ اسی دن بادشاہ نے مجھے حکم دیا کہ سلطان علی شاہ کو شہر لے جائیں جس سے وہی پٹنہ لے کر لاسا سار کے نام سے قلعہ بنوایا۔ قلعہ اس کا بیشتر حصہ آباد رہ گیا ہے اس کا ترجمہ کر کے گیل کر دیا میں نے یہ کام شروع کر دیا اور ان کی جگہ کی حفاظت میں رہا جو پہلے میں پہلے کا رہا۔ بادشاہ سلامت نے فرما دیا کہ خاص میں مجھے اپنے وقت کے لیے یہ لایا اور ترجمہ کر کے لایا۔ پھر حکم دیا کہ بھکر لاسا سار کی پہلی جگہ پر سلطان علی شاہ نے قلعہ بنوایا اور وہی جگہ ہے جس کو بھی تم معجزہ ان میں قرار دے دے میں نے اس خدمت کو قبول کر لیا بادشاہ نے دس ہزار روپے کا انعام میں عطا فرمایا۔

یہ مدد گاہ کے دن واقعات ہیں کہ ذکر میں نے صفر ۱۰۰۰ میں مراد پورس تک پہنچا دیا۔ میں نے اپنی وفات میں کہہ دیا کہ وفات ٹھیک ٹھیک ہمارے ہی ہے۔ اگر جیتا۔ اور تو یہ واقعہ حاصل ہوا تو ان شاہدائے خدا نے دے مالک کا بھی اقبال کے ہاں دیا۔

مراد پوریت پر گھنٹہ  
حوالت با خدا کو یہ وہ فقیر

ترجمہ۔ محمد حسن احمد کھنڈو



# محمد عبد الزراق کانپوری

وفات ۱۰ ۱۲ رمضان المبارک ۱۲۹۵ھ (اکتوبر ۱۸۷۷ء)

وفات ۱۰ ۱۸ فروری ۱۹۲۵ء

آزیدل مرستید احمد خاں بہادر غفرلہ (وفات: ۱۲۳۲ھ - رحلت: ۱۳۱۵ھ)

دیریدہ محل پر مغزوں میں سب سے پہلے مجھے مرستید احمد خاں بہادر سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ ہمیں سے نام سننا تھا۔ تصویر بھی دیکھی تھی، لیکن دست ہوشی کا طرقت شمسہ میں حاصل ہوا۔ یہ روز زاد تھا کہ جب گھنٹوں میں ایک کوشش کا نفرنس کا دوسرا اجلاس ہوا تھا۔

مرستید کی محبت نہایت دلچسپی ہوتی تھی خصوصاً شب کے کھانے پر نہایت اطمینان سے گفتگو ہوا کرتی تھی۔ مجھے بھی چھ سات مرتبہ ملی گئے ہیں یہ موقع ہے۔ مولانا شبلی اکبر کھانے پر تاریخی واقعات اور سلاطین غلیہ وغیرہ کے حالات دریافت کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مولانا نے داغ کا ایک شعر چڑھا جس میں سلاطین کی جمع الحج سلاطینوں کی جمع عربی میں سلاطین آتی ہے۔ لیکن اس شعر میں سلاطین سے (تلفظ صلی کی اصطلاح کے مطابق) دوسرے معنی نکادیں۔ تب مولانا نے من کی کہ تفصیل سے لڑنا فرمائیے۔ میری کچھ میں نہیں آیا۔ سید صاحب نے فرمایا کہ "ولی محمد کے ملاں میں تدریجاً شاہزادے قلم لکھتے آئے تھے، ان میں سے ہر ایک کا لقب سلاطین تھا اور یہ صیغہ جمع بہ معنی مفرد آمد میں قتل ہوتا تھا۔ اس سبب سے سلاطین کی جمع سلاطینوں صحیح ہے۔ داغ نے قلم لکھنے میں محمد صلی سے جو ان کی تعلیم و تربیت پائی تھی۔ لہذا اس کا کلام مستند ہے۔"

ایک محبت میں مولانا شبلی نے ایک ایسا سوال کیا جو تہذیب و ثقافت کے خلاف تھا۔ لیکن معلومات کی غرض سے استفسار کیا اور وہ اس پر تھا۔ میں نے بار بار اسے کہہ دیا کہ مولانا میرے طوائفوں سے قتل رکھتے تھے وہ طوائف پھر دوسرے سے ناجائز تعلق نہ رکھتی تھی اور صرف ایک کی ہوتی تھی۔ حالانکہ بازار کی مٹھائی خرید کر کے ہر شخص کو کھانے کا اختیار ہے۔"

سید صاحب نے فرمایا: "آپ اس کا تعجب نہ کیجیے۔ یہ ادا ان میں شریف نادوں کی محبت کی وجہ سے تھی اور اس عمدہ کلمے و سوں کا بھی یہ حال تھا کہ وہ طوائفوں کو بھی بزرگوار سمجھتے تھے اور جب تک قطع خلق نہ ہو جائے۔ کوئی دوست اس طوائف سے ہرگز قطع پیدا نہ کرتا تھا۔ یہ ہر پائی ہی اس صمدی کا بیڑہ ہے۔"

دسمبر ۱۳۱۵ء کے یہ پانچ دن (۲۴ تا ۳۱ دسمبر) میرے ملاجیات میں نہایت قیمتی تھے۔ چنانچہ دن امدادات کے مختلف گھنٹوں میں تعلیمی سائنس میں مرستید سے میں نے گفتگو کی جب کانپور کے مسلمانوں کی تاریخ سنیں گے تو فرمایا کہ مسلمانوں کی اولاد کی آئندہ تعلیم و تربیت کے لیے



مرد ذیل پر عمل کرنا چاہیے :  
 اول : شہر کے مجتہد مسلمانوں کی میسر مردم شماری کی جانے اور جو پتے (۷۷ سے ۱۱۷ سال تک) ہندو زیر تعلیم ذہنوں ان کی تعلیم کا بندہ  
 یا جائے۔

دوم : خود مال برہمن کے لیے تعلیم اصول پر بکثرت کتاب جاری کئے جائیں اور ہر خوش حال مسلمان کے دیوان خانہ میں ایک  
 مکتب ہو اور ابتدائی تعلیم کے ساتھ مذہبی تعلیم دی جائے۔

سوم : جب مکتب میں بچے بڑے ہوں اور پڑھ لکھ سکیں۔ تب ان کو انتخاب کے مکمل انداز میں داخل کیا جائے۔  
 چارم : کتاب کے مطالعہ میں جو کوشش کی جائے کہ عام قوی چندہ سے انگریزی اسکول کھولے جائیں جس میں مختص وقت اور  
 مسلمانوں کے حالات کے لحاظ سے تعلیم دی جائے اور مذہبی تعلیم فنی تر لہدی جائے۔  
 پنجم : مردم شماری کے مطابق مسیحی اور مسلمانوں کے درمیان میں کیا جائے کہ وہ شہر کے ہر طبقے میں تھوڑا بھاد کے مطابق ابتدائی مدرسے  
 جاری کرے اور اسی اصول کے مطابق دیہات میں بھی کی جائے۔

چھٹا : انجمن ہوانہ اخصانہ جس کے سیکرٹری منشی رحمت اللہ رحمہ اللہ (دہلی نالی پریس) تھے ذرا تعلیمی مردم شماری کا انتظام کیا اور  
 قسط جات کی جگہ پر ابتدائی تعلیم کا جب بدایت معمول انتظام کیا۔

جب پہلی مرتبہ میری کتاب ابراہیم کشن بھٹی نے ایک نسخہ ذکر کیا اس وقت سر سید بستر مرگ پر تھے۔ مولوی وحید الدین سلیم نے  
 ناب اور ابراہیم نے پیش کیا۔ کتاب ابراہیم نے کہ چند نسخے پڑھے اور بہت خوش ہوئے اور فرمایا : کتاب احتیاط سے لکھی میں اشد افسوس پڑی  
 لہوں گا۔ لیکن جب تدریس کا نسخہ دیکھا تو فرمایا : مصنف نے بڑی عقل کی ہے اس کتاب کا تدریس مولوی شمس کی نام کیا گیا۔ یہ تو میرا حق تھا۔ مولوی  
 سلیم نے تائید کرتے ہوئے عرض کیا کہ جو حیثیت ایک بزرگ قوم اور ائمہ کے معلوم ثانی ہونے کی حیثیت سے ضروریات کا حق تھا ائمہ کے معلوم اولیٰ ائمہ  
 ان غالب دہلی تھے) جس کو سید غصے ہوئے اور فرمایا کہ تم نے میرا نشانیں بھا۔ جب مولوی صاحب نے امر کیا تو ارشاد ہوا تم جانتے ہو کہ میری  
 ماتہ ان وزارت سے ہوں۔ میرے نامادولت علیہ میں وزیر تھے اور ابراہیم ایک خاندان وزارت کی تائید ہے۔ لہذا میرا حق انتساب بھی ہے جبکہ  
 الٹی تھا۔

مولوی سلیم نے ذرا بعد خلا جب اس واقعہ سے اطلاع دی تو مجھے بھی اپنی غلطی کا احساس ہوا اور میں نے فیصلہ کیا کہ نسخہ ائمہ نظام الملک  
 دہلی کو سر سید کے نام پر منسوب کروں گا۔ یہی انوس ہے کہ جب یہ کتاب تیار ہوئی تو سر سید کا انتقال ہو چکا تھا۔

شمس العلماء پروفیسر شبلی نعمانی (وفاوت : ۱۲۵۴ھ - رحلت : ۱۳۳۳ھ / ۱۹۱۴ء)

جس ماتہ کے کا وقت ہے اور دسمبر ۱۸۸۵ء کی ۲۰ تاریخ کو شاہی بادہ درمی قیصر باغ کھنڈ میں محدثی جنگ لڑی اور کیش کاغذ میں  
 دوسرا سالہ جلاس ہوا ہے اور اس تقریب سے باغ کے احاطے میں چکڑوں گاڑیاں جوڑیاں اور پانچیاں (موزوں کا) اس وقت تک جاری نہیں کی  
 گئی تھیں۔



خاندان ساری دلی خاں کے بیٹے ایک تشریف لے اور فرمایا کہ آج راتوں میں جا جائے گا اس لئے کہ ان کے بیٹے ہیں۔  
 بی بی دیکھنا چاہتا ہوں۔ کہ ان کے بہتر ہندوستان میں یہ دیکھیں نہیں ہوتا میں نے عرض کیا یہ آپ کو شام کے غلط ہے کہ خدا پر ہم ہر کہ  
 پہلے یہ سوچا ہے کہ کسی دھرم کے بہتر ہندوستان کی بھائی اور اسے ہندو کی طرح کی طرح سے دیکھنے جاتے ہیں۔ میں نے نہایت  
 غور سے ایک باغی گڑی کر لیا۔ مولانا نے حسب حادثہ عدال کی اس طرح سے بیٹا کہ چہرہ کا کچھ حقد اور پوری داری چھپ گئی  
 گالی میں یہ دیکھنے کی کامائیں کے حسب حال اشعار سنائے اور تقریباً چار گھنٹے میں میلان ختم ہو گیا۔  
 جس زمانے میں مولانا کا ہندو سے ایک پاؤں ضائع ہو چکا تھا کھنوں میں قیام کا اہتمام سے پریشانی رہتے تھے۔ ایک دن  
 میں کھنوں کو فرمایا کہ میں کھنوں میں ہی ایک نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے دریافت کیا کہ کس نکاح کیا ہیں؟ ارشاد ہوا کہ خیر ترین  
 خانہ میں ہے اور ۲۰ سال سے اہل ہندو کے علاوہ شامی اور برہمنی میں بھی داخل ہوا خاص شرط یہ ہے کہ اس کے دشتے مالدار  
 کا دائرہ وسیع دہر محل والدین ہوں تو مصافحہ نہیں اور نکاح سے قبل میں اس کو ایک غور دیکھ سکوں۔ چنانچہ اسی قانون کا بعض صاحب نے  
 پتہ لگایا ہے۔

میں نے مذاقاً کہا کہ خیر کہ اقبال اگر چاہے۔ ڈاڑھی تل چوری ہوئی ہے۔ دوسروں کے کندھوں پر ہاتھ دلو کر آپ چلتے ہیں۔  
 لہذا کر لی حسین اور جوان محبت آپ کو پسند نہیں کرے گی۔ یہ سنتے ہی غصا ہو گئے۔ اس کے بعد میں نے فوراً تقریباً ۲۰ فیٹ دیا اور  
 کو وہ چلتے تھے جس پر مل کر نہ کے نکاح ہو سکتا تھا تو خوش ہو گئے اور فرمایا: معلوم ہوتا ہے کہ برسوں شاد گری کی ہے۔  
 جب میں دوسرے ہفتے میں ملا تو فرمایا کہ بھائی صاحب آپ سچ کہتے تھے۔ کھنوں کی نازک مزاج خواتین سے بیگانہ حال ہے۔  
 اور لیکن ہے کہ اس نکاح میں میرے ساتھ عزیز کیا جائے۔

مولانا کی نہایت لطیف خداؤں کے عادی تھا اور ہمیشہ ہندو ہیں مدھے ماہور کا باہمی نوکر رہتا تھا۔ ایک دن میں کھنوں نے  
 تو میں میری خام سے زندہ تیار کر لیا اور اسی طرح میرا دل میں ڈیڑھ سیر تھوڑا لگا لگا اور ایک پلیٹ اپنے ہاتھ سے بھر کر میری طرف بڑھ آیا مگر اس  
 سے کہ میں دو تین غموں سے زیادہ نہ کھا سکا اور شدت محاس کا ذکر کر کے دست کش ہو گیا۔ مگر اگر فرمایا کہ میرے ہم خان اور یہ بد خاتی۔  
 یہ اپنے اور میرے تاریکی ذوق کی طرف اشارہ تھا۔

خان بہادر سید اکبر حسین الہ آبادی (ولادت ۱۲۶۲ھ - رحلت ۱۳۵۰ھ)

۱۸۸۸ء سے قبل میں چند مرتبہ سید صاحب سے مل چکا تھا لیکن جب وہ سندھ مذکور میں سب سے بڑا ہو کر انور میں تشریف لے گئے اس  
 وقت سے دُشہ تھا اور دُربھ گیا۔ ہر شب کی رات اور تعطیلات میں احباب جمع ہوتے تھے۔ ان میں بھی حضرت سید صاحب (ناک نامی پر ہیں) بھی  
 احسان اللہ وکیل منڈا دی اور خاکسار اور طبقہ بولادی میں مشی گور سہائے اور ایک کثیری پنڈت بھی تھے۔ یہ ایک مجلس خاکسار تھی جس میں سید  
 شہد میں کا اور نیزا پاکرام سنانے تھے اور بعد یہ نظمیں حضرت میں سے پڑھائی جاتی تھیں اور دیکھنے کے بعد ۱۱ یا ۱۲ بجے شب کو یہ  
 رخصت ہوتا تھا۔

میں نے تیار کر رکھی تھی۔ ایک موقع پر یہ سوال کیا کہ آپ جیسے مذہبی شخص نے عرفیہ شاعری کیوں اختیار کی اور سرسید اور راجہ کے مخالفانہ مضامین کس بنا پر لکھنا شروع کئے؟ میں نے فرمایا کہ یہ رنگ ادھر بچ کے مضامین سے پیدا ہوا تھا اور عرفیہ مذاق بھی اس زمانے کے مول کا نتیجہ تھا۔ پہلے تو یہ ہے کہ شہرستانوری کا ذریعہ اس عہد میں اخباری مضامین ہی تھے۔ لہذا اکبر حسین سے جو غلطی ہوئی وہ معافی کے قابل ہے۔ ادھر بھی یہی علم ہے کہ اخیر وعد میں تیار کر حسین کے جواب نے بھی ان کو سرسید کی اور راجہ کی مخالفت سے منع کیا تھا۔ چنانچہ ان کی شاعری کا رنگ اس کے بعد بدل گیا تھا۔

### آنریبل جسٹس تیار میر علی

راجہ کشیل کا نفرنس کا اجلاس دسمبر ۱۸۹۹ء میں بمقام گلشنہ ہونے والا تھا۔ اس سے قبل میں دو مرتبہ گلشنہ کی سیر کر چکا تھا لیکن مولانا ابوالکلام آزاد، جسٹس میر علی اور نور شام رضا علی وحشت کے شرع طاقات میں لکھتے جانا پڑا۔ چنانچہ گلشنہ پہنچ کر ادا سلطنت کی حیثیت سے اس برسے شہر کو بہ نظر فائدہ دیکھا۔ ۲۷ دسمبر سے ۳۱ دسمبر تک کا نفرنس میں شرکت رہی۔ تیار (میر علی) صاحب کا خطبہ صدارت نہایت عمدہ اور مفید تھا۔ اس میں یہ بحث بھی تھی کہ ہندوستان کی ترقی عورتوں کی دماغی تربیت پر منحصر ہے۔ تیار صاحب عورتوں کو مردوں سے بھی بلند درجے پر دیکھنا چاہتے تھے۔

تین سال قبل ابراہیم تیار میر علی صاحب کے ملاحظہ سے گزری تھی چنانچہ اس ذریعے سے بنگلے پر سات مرتبہ عامری کا موقع ملا اور چار پر ترقی مساکی پر گھنگور رہی۔ تیار صاحب ملاؤں کے لیے قانونی تعلیم اور تجارت پسند کرتے تھے۔ سر تیار صاحب ان کی قومی خدمات کے بھی محترم تھے۔ تیار میر علی پہلے ہندوستانی ہیں جن کے مضامین ناخنہ پھری لندن میں شائع ہوئے اور تمام یورپ میں وہ ایک بہترین انشا پرداز تسلیم کئے گئے۔

ختم اجلاس کے بعد جسٹس میر علی نے کا نفرنس کے ایک سوانحی ممبروں کو ایک فرانسیسی جہاز پر پارٹی دی۔ یہ دعوت اپنی نوعیت کے لئے سے ایک نئی چیز تھی چنانچہ جسٹس کی اہلیہ کی جانب سے محاذوں کے نام دعوتی خطوط آئے تھے۔ ہماری یہ میر بان علی حیثیت کے متاثر تھیں اور غالباً لارڈ کرزن کی سالی تھیں اور ایک غائبہ میں جس کا تفسیر بھی پا چکی تھیں۔ انھوں نے نہایت گرم جوشی سے محاذوں کا استقبال کیا غالباً نصف سلام اور مزاج شریف کے الفاظ ان کو یاد کرا دئے گئے تھے۔ ہر مہمان سے آمد رفت پر مصافحہ کیا تھا۔

یہ جہاز ساحل سے گھنٹی ہوتے ہی تقریباً ۳ میل تک گیا تھا۔ جاتے وقت محاذوں نے جہاز کی ساخت، مشینری اور اس کے تمام اجزاء کو دیکھا اور واپسی کے وقت گھنٹی ہوتے ہی پارٹی شروع ہوئی۔ ہر قسم کے تانہ پل اور انگریزی مضامین اور چادکانی موجود تھی اور میاں بی بی محاذوں کی عادات میں مصروف تھے حقیقت میں یہ پارٹی حیدر علی پوری جو کامل مدد گھنٹے رہی۔

### ٹیپا برج

میں نے ٹیپا برج کو تین مرتبہ دیکھا۔ پہلے جیل میں دیکھا تو کچھ بھروسہ نہ آیا کہ کیا دیکھا، اب تیار عالم شباب میں پہنچ کر شاہ کی حیات میں

یابرج کا ایک ایک گوشہ گنایا اس وقت معلوم ہوا کہ کھنڈ کی ریز کر رہا ہوں جو میں دہادہ ملی شاہ کی حکومت ہے۔ تیسری بار اجاب دیا کہ  
انت کے کبار سال ہو چکے کا اتفاق ہوا۔ اب ثیابرج کی ہر درد و دیوار سے حسرت و دیکھی ٹپک رہی تھی لہذا وہ ایک عہدت کو دیکھا۔

بیتہ کا بیری

مجھے امدیشیل لائبریری کے دیکھنے کا از حد اشتیاق تھا۔ لہذا خان بہادر غلام بخش خان صاحب کی خدمت میں ایک عرض بھیج دی۔  
تھانویں بہادر نے شفقت بردار گام سے مجھے خاص لائبریری کے ایک کتبے میں صاف کیا اور میں نے اطمینان سے کتب خانے کو دیکھا، اور  
کل سولہ گھنٹے پڑھنے میں قیام رہا۔

دہلی دربار

یکم جنوری ۱۹۰۷ء کو ملک معظم ایدہ مفتاح کادربار تاجپوشی دلی میں منعقد ہوا۔ اس دربار کی خوش نصیبی یہ ہے کہ اس کو لاکھ لاکھ  
جیسا سلیقہ شاد و غصہ دلیع تمام مل گیا تھا۔ دیکھ کر ۲۰ تاریخ غلی کر جاری مختصر جماعت کا چند سے بعد نماز مغرب دلی کو روانہ ہوئی کچھ چلا  
میں جاتا مسجد کے قریب ایک کمرہ دس یوم کے لیے سو روپے کرائے پر پہلے سے لیا تھا اس میں تعیم ہوئے اور ہناری کے بعد ہی دلی کی سیر  
شروع ہوئی تھی چنانچہ دیکھ کر چار دلی میں شکل ختم ہوئے اور وہ رات آئی کہ جس کی صبح کو دربار تھا۔ بغول سودا یہ وہ رات غلی کو خط  
دلی شوق میں جس کے کبھی شائق کی ایک

غارت سے بہت پہلے جامع مسجد کی سڑکیوں کے چمان پر قبضہ کیا گیا (فی کثرت دس دہرہ کرایہ تھا) مسجد کا بیڈروغ تھا جس کے سامنے قطعہ مستطیلہ واقع تھا اور اسی راستے سے شاہزادہ جلوس گزرنے والا تھا۔ نورج کی کرنیں جامع مسجد کے چاروں اطراف پر پڑ رہی تھیں کہ وہ سے انگش بنڈ کی سُر ملی آواز کاؤں میں آنے لگی اور تقریباً ۴۵ منٹ میں یہ منظر تھا جو کسی مثل فرماں بردار بھی خسیب نہ ہوا تھا۔ تقریباً ایک گھنٹہ میں آہستہ خرامی کے ساتھ یہ جلوس ختم ہوا اور محقق دوبارہ پینڈال (اصلی تھیٹر) میں جا کر ٹھہر گئے۔

و آغ و بوی

میر نے اپنی زندگی کے ہر دور میں پچاس سال کے اندر ہندوستان کے شاہرہ شعرا کو دیکھا اندھا کی زبان سے ان کا کلام بھی سنا۔ میر سے والد شمس الملیٰ بن مغل (نجم ہند) جو کہ خود شاعر تھا و شاعر نے عالم شباب تک اگر ہوا دیکھو میں باکمال شعر کو دیکھا تھا، اور مشاعروں میں شریک ہرگز نہیں رہی تھیں۔ اس لیے مجھے ہایت تھی کہ اہل عباس سے استفادہ کروں عجیب اتفاق ہے کہ تسلیم کے زمانے میں بھی ادب سے ہمیشہ پیروی کی گئی تھی شاعری کی طرف توجہ نہیں ہوئی اور تمام عمر سماعت میں غزری۔ البتہ بعد ایل میں چند فارسی نظمیں اور شریوں اور تاریکی واقعات تک محدود تھیں۔

اب یہ سنئے کہ تاریخ کی علامات کیونکر پڑھیں؟

دقی میں حضورِ نظام کی کوئی شمر سے الگ تھی اور کئی ہزار گز افتادہ رقبہ کو مٹی کے متعلق تھا جس میں امرائے دولت کے سیکڑوں نیچے اور بارگاہیں تھیں۔ ہر نیچے کے دروازے پر خوش زرد رنگ کی تختی پر سیاہ نگرے حروف میں صاحبِ غیر کا نام لکھا ہوا تھا۔ ۲۵ منٹ کے بعد میرزا داغ کا نام نظر آیا، صد دروازے پر ایک چوڑا سونے جس کی منڈھلی مدی پر طلائی و نفرتی کام تھا ایک اٹھائی اور ہم لوگ اندر داخل ہوئے۔ پہلے گول کمرے میں بٹھائے گئے چند منٹ کے بعد طبی ہوئی۔ دو دہے ملے کر کے جب تیسرے میں پہنچے تو یہ دیکھا کہ ایک قوی الجھڑی شیخ نیچے کی چوب قلم کمرے سے استقبال کو کھڑا ہے کیونکہ چلنے سے معذور ہے اور پنڈلیوں پر گرم لٹائیاں بندھی ہوئی ہیں۔ دردِ حق انصار میں مبتلا تھے۔

میرزا صاحب نے کھڑے کھڑے مصافحہ کیا پھر ہمارے ماحرار پر بیٹھ گئے۔ کاڈ سے نام تو پہلے ہی معلوم ہو چکے تھے۔ اب نام بنام تعارف ہوا اور مٹھے ہی میری جانب پیچھان بڑھایا اور ارشاد فرمایا کہ شکل فرمائیے۔ میں نے عرض کیا کہ پیر و مرشد خدا نے اس آگ سے مجھے اب تک محفوظ رکھا ہے۔ فرمایا کہ اس کا نعم البدل ہی موجود ہے۔ اجازت ہو تو ایک جام پیش کیا جائے۔ اس لطیفے پر خوب ہنسی ہوئی۔ یمن شاہراہ مذاق تھا۔ جس سے اذنا ہوتا ہے کہ داغ اخیر عمر تک زندہ دل رہے۔

میری کتاب ابراہیم علیہ السلام میں شائع ہو چکی تھی اور میرزا صاحب پڑھ چکے تھے۔ چنانچہ اس کتاب کے بعض مضامین پر بحث ہوتی رہی۔ اس کے بعد سلطان بھڑلوتی کے متعلق مجھ سے چند سوالات کئے۔ صحیح جواب سننے پر بہت خوش ہوئے اور حیدر آباد آنے کی دعوت دی اور فرمایا کہ اپنا ڈاکو پور بھیج کر بھیج دینا۔

اس کے بعد موجودہ شاعری پر مناظرہ شروع ہوا۔ ڈیرہ گھنٹے کے بعد یہ طے ہوا کہ اگرچہ ہماری شاعری محبوب سے خالی نہیں لیکن اُدھاب کی ترقی کے لیے شاعری اور شاعروں کا بغا ضروری ہے۔

جب یہ دلچسپ بحث ختم ہو گئی تو میں نے دریافت کیا کہ مولوی سید احمد دہلوی نے تیس سال کی محنت میں فرہنگِ آصفیہ (لغتِ اردو لکھی ہے۔ تحقیقات لغات اور معادرات اور زبان کی حیثیت سے اس کتاب کی اہمیت جناب کی کیا رائے ہے؟ فرمایا کہ سید احمد صاحب سر لٹے کے باشندے تھے۔ اور یہ کہہ کر خاموش ہو گئے۔

انجمنی سے فاصلے پر چاندی کی ایک تباکی پر درشتی بستے میں ایک کتاب دکھی ہوئی تھی۔ منشی رحمت اللہ نے اجازت لے کر اس کو کھولا اور سے طعانی کام کی ایک جلد نکلی۔ مقدمے خیال کیا کہ یہ مصنف ہے۔ چاہتے تھے کہ آنکھوں سے لگائیں۔ اس پر میرزا صاحب کو ہنسی آگئی اور ردِ جہی کچھ بھگ گئے۔ سرورق کھولا تو کتاب داغ کا جلوہ نظر آیا۔

یہ دیکھی کہ پیدل دھتی (مقدمہ اپنے تخلص کے اعتبار سے بلند آواز تھے) ایک غزل پڑھی۔ حاضرین بزم نے بہت داد دی لیکن جناب داغ کی موجودگی میں دھک کی یہ کوکب مجھے پسند نہ آئی۔ میں نے میرزا صاحب سے عرض کیا کہ مسافر نوازی کی تو یہ شان ہے کہ جناب خود کچھ ہی کچھ ارشاد فرمائیں۔ درخواست منظر ہوئی۔ مقدمے دیدار نے کرکئی غزلیں پڑھیں۔ پڑھتے وقت یہ مصدم ہوتا تھا کہ گویا ایک بست سالہ نوجوان غزل پڑھ رہا ہے۔ ذرا کھیں پڑھتی تھیں۔ دماغوں کو حرکت تھی اور یہ محسوس ہوتا تھا کہ تم کے ساتھ شاعرِ تعبیر کرتا جاتا ہے۔ جس منٹ میں غزل خوانی ختم ہوئی۔ میری زبان سے برجستہ نکلا کہ آج میں نے داغ نہیں بلکہ ذاتی علیہ الرحمۃ کی زبان

یہ خیر نہیں تھی۔ ذوق کا نام پڑے ہی انھوں نے اس ناکامی اور خدشہ تک غامض رہی۔  
اس ملی مذاکرے کے بعد چارہا کی کمی تھی جس میں مندرجہ بالا کے سرائیکی سادہ فرائض تھا۔ ایک، مٹانیاں، پہل ہر قسم کے  
فد شریک نہیں ہوئے کرتے تھے اور دقت جوڑ چکا تھا۔ اس دریا میں چندا صاحب دہلی کے عداوت کے لیے تھے اور ہم دگ فضا کے  
میرزا صاحب نے صاف اوردہ ملے غیر کے بعد جسنے کی اجازت دی۔ انھوں نے کہہ دیا کہ یہاں پہلی عداوت تھی اور یہ آخری۔

### ایکوشیل کانفرنس ڈھاکہ (۱۹۱۷ء)

ملکت سے ڈھاکہ کا سفر شروع ہوئے۔ لہذا بنگالے کا یہ سفر تھا اس کانفرنس میں بھی یہ آخری شرکت تھی۔ کچھ مہینوں میں سال میں چند سرکار  
عالیہ ہر آئین فراب سلطان جہاں کچھ صاحب فرماؤ گئے سیاست جہاں نے فاکار کیا سیاست میں تھیں اور فرما دیا تھا۔ حاکم پرگزہ ہر کرم سرمایہ  
کبھی اس قدر فضا دلی کو کسی قوی جیسے میں شریک ہوتا۔

ڈھاکہ کانفرنس کے پہلے ہی فراب صاحب نے فرما دیا تھا۔ اسی قے۔ فراب صاحب نے ۱۹۱۷ء میں انتقال کیا تھا  
تک ڈھاکہ میں جو دعوتیں ہوئی وہ شاہانہ تھیں۔ جہاں ہمارا اور بنگال کی شرکت سے ڈھاکہ کا جہاں نہایت شاندار تھا۔ شاہیہ قوم میں سے سرکار کا  
حسن اہام (نہیں جو راضیہ عظیم آباد) جسٹس شریف الدین اور شریف الرحمن بیرسٹر موجود تھے۔ جسے کی عام تقریروں کے علاوہ پانچویں مجلسوں میں بھی خاص  
طور سے ملی مذاکرات دلچسپ تھے۔ ان میں میں سیاست پر زیادہ گفتگو رہی اور سب سے بڑی نعمت کچھ کہ یہ ملی کر فیض محمد حسین صاحب وزیر  
ریاست چٹا کی دست پر کی غیب پڑی۔ جو شہرہ صدی میں یہ وہ بزرگ ہیں جنہوں نے تائیس ملی گٹھ کالج میں سرسید کو بڑی مدد دی تھی۔ دورانیہ غیر  
کالج میں یہ بحث پیش ہوئی کہ شیروں کے لیے بڑا گڑبگڑ تھیں لیکن فیض صاحب نے یہ کیا کہ مسجد ایک ہی ہے۔ دو دنوں باجعت کے طلبا  
ایک ہی مسجد میں اوقات صبح پڑھاؤ اور کچھ تھے۔ چنانچہ آج تک بھی مل جاتی ہے۔

فیض صاحب نے شکل دوسرے سے فرشتہ سلوم ہوتے تھے۔ انھوں نے نہایت وسیع تھے۔ ابرا کو خیر سے گزرتی تھی۔ لہذا بزرگ ذہنیت سے ملے ابرا  
کی تحقیقات اور نظر ڈالنا کی داد دی پھر ارشاد ہوا کہ اب نظام الملک طوی کھر ہے ہیں۔ خواجہ حسن نظام الملک کے ذیل میں جس میں صباغ کا بھی ذکر کیا گیا  
نظام حسن کے حالات صفحہ ۱۷۷۷ء کے باعث سے متبرکہ ہو کر موجود قومی معاملات کو پیش نظر رکھنا جس نے اس حیات کا شکر یہ ادا کیا۔  
چار مرتبہ حاضر خدمت ہوا اور ہر مرتبہ نصاب سے مستفید ہوا۔ بنیاد حاضر ہونے کی دعوت دی گئی اور اس سے کہیں نہ ہا سلا۔ اب یہ مسجد میں خواب غفلت آیا

$$\text{نواب سید محمد علی خاں منیر نواز جنگ حسن الملک بہادر} \left( \frac{۱۳۲۸}{۶۱۸۳۲} - \frac{۱۳۲۸}{۶۱۹۱۰} \right)$$

نواب حسن الملک سے میں اس وقت ملا ہوں جب کہ ایکوشیل کانفرنس قائم ہو چکی تھی اور یہ تعلقات اس وقت اور بڑھ گئے۔ جب سید محمد  
کی رحلت (۲۱ جنوری ۱۹۱۹ء) پڑھ لی گئی کہ کالج کے سیکرٹری ہونے میں الملک بہادر نے کانفرنس کے معاملے میں کئی مرتبہ (سرمد کے مقابلے میں)  
میری اعانت کی تھی اور جب میری تقریر پسنائی تھی تو صلہ افزائی کے لیے ارشاد ہوا کہ شاہی اشعار میں اس منظر کو میں تحفہ قیصری سے زیادہ قیمتی  
کہتا ہوں۔

### خان بہادر شمس العلماء ششی ذکاء اللہ دہلوی ( ولادت ۱۲۲۱ھ - رحلت ۱۳۲۵ھ )

میں جنہ نے نہ میں پنج پر کے تحصیل اسکول میں پڑھا تھا، اس وقت نصاب میں ناؤ ہنٹر کی کتاب حساب اور پیمائش میں داخل تھی جو خان بہادر کی ترقی تھی۔ اس بنا پر شوق تھا کہ موقع پر موصوف سے شرف یاد حاصل کروں گا۔ چنانچہ اسی دوران میں خان بہادر کا نچوہ تشریف لائے اور اپنے شاگرد بابو محبوب بخش اور دیگر کے ہمراہ ہوئے۔ میں ایک ماسٹر کے ہوا، مٹنے گیا اور جیتیت طالب علم کامیابی امتحان کے طریقے دریافت کئے نہایت شفقت سے اصول سمجھائے۔

ابتداءً حقائق کے پانچ سال بعد انا باوجود جملے کا اتفاق ہوا، خان بہادر ان دنوں میر سنٹرل کالج آگرہ آباد میں پروفیسر تھے ( دیکھتے گا پچاسی یا اندر فرمایا: تم بدل پاس کر چکے ہو گے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں۔ امتحان میں کامیاب ہو گیا ہوں اسباب شرح جاری پڑھنا ہوں یہ سُن کر خوش ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ بہترین تعلیم حاصل کرنا چاہیے ہر توفیق ملی کھنڈ چلے جاؤ یا دیوبند۔“

اس کے بعد میں نے ڈسٹے ڈسٹے عرض کیا کہ مدارس کے طلباء آپ سے بہت ناراض ہیں۔ پوچھا: سبب؟ میں نے کہا کہ آپ کی نسبت یہ شہرت ہے کہ ایک ہنر کی فعلی پر آپ طالب علم کو مل کدیتے ہیں۔ مشکوٰۃ فرمایا: ہاں یہ واقعہ ہے لیکن اس سختی سے عرض یہ ہے کہ طلباء اسکول و کالج سے کامیاب امتحان ہر کوئی نکلیں۔ نالائق ذات کے لیے مفید ہے مرقم کے لیے نگر نشت کے لیے۔ یہی نہیں تعلیم سے جاہل رہنا بہتر ہے اداس موصول کو ہمیشہ یاد رکھنا۔

یہ میر سے بچپن کے حالات تھے۔ ایک مہرے کے بعد ۱۸۸۸ء میں خان بہادر سے ملاقات ہوئی اور کئی دن تک مل کدھو کالج کے ایک کمرے میں ایک جگہ رہنے کا اتفاق ہوا تو میں نے سوال کیا کہ آپ کے عالم شباب میں قلمہ مقلی دہلی کی کیا حالت تھی اور شاہ ظفر کا شغل کیا تھا؟ دربار میں کس قسم کے مصاحب تھے اور کالج میں طریقہ تعلیم کیا تھا۔ در کس زبان میں دیا جاتا تھا؟ یہ دلچسپ سوالات تھے۔ لہذا خان بہادر نے مسلسل تقریر کی۔

میں نے پچھ سے جوانی تک میں پچیس مرتبہ خان بہادر کو دیکھا اور ملا۔ ان کو ہمیشہ ایک ہی وضع میں پایا۔ تدریس طرز کی کچھ نگرانیہ ٹپل اور کئی کا سادہ جوتا پہنتے تھے اور یہ وضع مرتے دم تک قائم رہی۔

### شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد ( ولادت ۱۲۵۱ھ - رحلت ۱۳۲۵ھ )

آزاد کو برسوں سے یہ آندو تھی کہ وہ اپنے بزرگوں کے وطن کو بھیجیں اور شیراز و مہمان کی خاک کو اسٹکھوں کا سرہ بنائیں چنانچہ فیہ محبت ان کو ایران لے گیا۔ اس سفر کا ایک حصہ گرجہ ریاست سے بھی متعلق تھا لیکن وہ ضمنی رہا۔

جب یہ پڑھا مسافر ایران کے سفر سے واپس آیا تو وہ دونوں اور شاگردوں نے مجھ کو کیا کہ وہ میر و ریاست ایران پر ایک کچھ دیں چنانچہ جب اس کچھ کا اعلان ہوا تو یہ خاکسار بھی کانپوں سے لاہور گیا اور کچھ میں شریک ہوا۔ لاہور میں میر اقیام مولوی ممتاز علی ( مالک دغاہ علم پریا ) کے مکان پر تھا اور انھیں کی محبت میں کچھ شہنا۔ جس کی گونج ہمز میر سے کانوں میں ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آزاد میڈیور پول ہے ہیں۔



کانپور سے انہار عالم تصویر کشندستان کا ہے یہاں سے آئے انبار ہادی پر چکا تھا اسی میں اس کچر کا نقل و اثر دیکھ رہے ہیں۔  
 اے ایتنا چنا کہ اس کو عالم تصویر میں چھپا دیا۔ یہ کبر نہایت لبیب تھا جس کے تند و فخرے جنوز زبان پر ہیں اسی وقت بھی آؤ تو کیا دیکھو  
 میں گر آؤں گاں۔ وہ تو گری نند میں سور ہے۔

واپس ایران کے بعد جن کا طبع برتا۔ ان کے اس وجہات کا واقعہ ہے کہ ہجرت میں چند معذرتیں بھی مقام رہا۔ ایک وہی ہے جو مولانا قادیانی کے کہنا کے بعد آواز سے طبعی ہے۔ فرمایا کہ اب تو آزاد کا صرف نام باقی ہے۔ آزاد کہاں وہ جب ہی بہت اصرار کیا تو یہ ترکیب بتائی کہ جو کچھ ہوا خودی کے نیلے تھے ہی ادا کرنا بدایہ کی نگاہ سے ہیں۔ ان کے ساتھ ہر جاؤ جب موقع ہے تو ملے گی ہے کہ دو چار باتیں ہرگز دوسرے وہی نے ایسا ہی کیا۔ ٹھہرے کل کہ دو روز لاگ ملے گئے کہ ایک ہندو طالب علم بھی میرے ساتھ ہو گیا۔ وہ بھی آزاد تھے۔ نظر کرنا چاہتا تھا۔ تقریباً ایک گھنٹے کے بعد اس طالب علم کو بات کرنے کا موقع ملا۔ اُس نے سلام کیا اور کچھ کہنا چاہتا تھا کہ آزاد نے غضبناک توہمے دکھا اور کہا: میں اُدھر رہا۔ اپنی راہ لگے:

یہ سنتے ہی وہ طالب علم فرار ہو گیا۔ اب یہی چند گز کے فاصلے پر بٹ گیا لیکن ساتھ ہی ساتھ چلتا رہا۔ کچھ دھنکے کے جھانڈا ایک دکان پر میچ گئے۔ چوہنٹ کے جذبہ طبیعت میں سکون ہوا تو دکاندار سے مخاطب ہو گئے۔ یہ بہترین موقع تھا۔ اب تو میں نے بھی بڑھ کر سلام کیا۔ غور سے دیکھا۔ نام پوچھا۔ اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ برسوں سے ملاقات کیا نہ دلتی۔ وہ آج پوری ہوئی۔ اس کے بعد دریا فت کیا کہ کیا چاہتے ہو؟ میں نے کہا کہ دعا مانگے بغیر! یہ سنتے ہی دعا کو لہا اٹھائے۔ دعا کے الفاظ کیلئے ہر گز میں نہ آئے۔ اس کے بعد کچھ ہی آنا کی زاریات نصیب نہ ہوئی۔

شمس العلماء حافظ مولوی نذیر احمد دہلوی (ولادت ۱۲۵۲ھ - ۱۸۳۶ء - رحلت ۱۳۳۱ھ - ۱۹۱۲ء)

مولوی نذیر احمد ڈپٹی انسپکٹر عدالت سبکدوش آباد میں تعینات ہوئے اسیچھ ماہ کے اندر بقدر ضرورت انگریزی حاصل کی اداس قدتوں کی کہ تعزیرات جہد کے مترجم قرار پائے۔ ترجمہ کے صلے میں انجمنٹ گورنر (میور صاحب) نے تنصیف ارعترک کے کانپور میں تعینات کیا۔

میں ایک زمانہ میں حافظ خانہ کلکٹری کانپور میں اہم دفت تھا اسی تحصیل رمل کی ابتدا دیکھ رہا تھا کہ یکا یک مولوی خذیر احمد کے چند فیصلے سامنے آ گئے۔ میں نے ان کو پڑھنا شروع کیا تو خاص لذت عرس ہوئی اور ہر جگہ سے ادب کی شان نمایاں تھی اور قدیم و جدید انشائیں جسے نام فرق تھا۔

شمس العلماء و ابرار الطاف حسین حالی پانی پتی۔ (وفات: ۱۲۵۲ھ - رحلت: ۱۲۶۲ھ)

اشاعتِ مدرس کے بعد انہیں مولوی فرید الدین سبچ نے فصل میلہ و مرتب کی خود ہی مولود خواں تھے اس میں فصل میں مشائیراً کو جمع کیا تھا چنانچہ ولادت کے موقع پر مدرس کے مشہور بند چہ کو لکھائے۔ یہ نظم سن کر تمام مشراء جہاں سے ہو گئے اسان کی وہی حالت ہو گئی تھی۔ جس طرح شاعرانہ جاہلیت عرب میں قرآن پاک کو سن کر مٹھنے لگتے تھے۔ یہی حال سبچ نے مدرس سے جاری کیا۔

والی کانفرنس (مجلسۃ) میں جب انجمن ترقی اُردو کا سنگ بنیاد رکھا گیا، اس جلسہ میں شمس العلامہ ذریعہ اشرفی نعمانی اور عالی موجود تھے۔ جب خواجہ صاحب تشریف لائے تو انہوں نے اپنا تجربہ اُنکا کر فرش کے نیچے رکھ دیا تھا۔ جب جلسہ ختم ہو گیا تو تمام حضرات اُسٹھے اور خواجہ صاحب پر اپنا تجربہ کاٹ کر اُسٹھ لگے۔ اس وقت میں نے بڑھ کر فرش کے نیچے سے جوتا نکالا اور سامنے رکھ دیا۔ میری اس خدمت پر خواجہ صاحب نہایت منفصل ہوئے اور چند منٹ تک خاموش رہے۔ میں نے نہایت ادب سے عرض کیا کہ مجھے جو عزت آج حاصل ہوئی ہے وہ تمام عمر یاد رہے گی اور جب ہم کھنٹس بھادی نہ کریں گے تو اُنکو منسلک کیا یاد کریں گی۔ یہ سنی کہ خواجہ صاحب چونک اُٹھے اور بزرگانہ شفقت سے دعائیں دیں اور نصحت ہوئے۔ جب شب کو میں قیام گاہ پر حاضر ہوا۔ اس وقت بھی دیر تک معذرت کرتے رہے۔

تمام عمر میں تقریباً ۷۵ مرتبہ خواجہ صاحب کے ملاقات ہوئی ہے اور جس زمانے میں حیات جاوید نامی پریس کانپور میں چھپ رہی تھی خواجہ صاحب کئی مرتبہ کانپور تشریف لائے اور کئی کئی دن قیام رہا اور مجھے یہ فخر حاصل ہے کہ حیات جاوید کے تمام پروٹ کی میں نے صحت کی ہے۔ رات سے دو سال قبل میں پانی پت میں حاضر ہوا اور ایک ہفتہ ٹھہرا۔ دسترخوان پر بدوزن وقت بالائی ہوتی تھی اور اتنا ہی شفقت سے دینے لگے کہ نہ کی ہڈیت بڑھ چکے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ خواجہ صاحب نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ بہت کم بولتے تھے۔ چائے اور کھانے کے وقت باتیں ہوتا کرتی تھیں۔ ایک دن میں نے دریافت کیا کہ اس کمرے میں جذبات شاعری ابھرتے ہیں تو حسرت سے فرمایا:

نہری چمیز وہ مضمون کجائے وال

پھر ارشاد ہوا کہ بعض مفید خیالات جو داغ میں آتے ہیں۔ ان کو راجھی کے سانچے میں ڈھال لیا کرتا ہوں۔ چنانچہ راجھیات کا ذخیرہ جیتے اخیر عمر کا سرمایہ ہے۔

اس کے بعد نصیحت فرمائی کہ تم کو تاریخ سے ذوق ہے تو چند بار ذراۃ المقدس کو پڑھ ڈالو۔ بطور قرآنہ کے مطالعہ کے نتائج نگاری نہیں آسکتی چنانچہ میں نے اس نصیحت سے بہت فائدہ اُٹھایا۔

## نواب ذفار الدولہ وقار الملک انتصار جنگ مولوی حاجی مشتاق حسین خان بہادر

ولادت: ۱۲۵۵ھ / ۱۸۴۱ء      رحلت: ۱۳۲۹ھ / ۱۹۱۷ء

۱۹۰۵ء کی ڈھاکہ ایکریٹیشن کانفرنس میں مسلم لیگ کی بنیاد پڑی۔ سر ملہام، حسن مام، مظہر الحق، مولوی جمشید شرف الدین وغیرہ نے اس جلسے میں مسلم لیگ کے ابتدائی قواعد وضع کئے اور ملاؤں کو نشین کانگریس کے مقابلے میں اپنے کو ہی حقوق کے تحفظ پر آمادہ کیا۔ نواب صاحب نے دورہ کو کے مسلم لیگ کی کیشیاں مختلف مشنوں میں قائم کیں اور جب اس تقریب سے کانپور تشریف لائے تو ان کی محبت میں کام کرنے کا مجھے بھی موقع ملا اور ان صاحب کے اخلاق و معاملات کا کمال اُٹھا رہا۔

جب کانپور میں چلی بانا کی مسجد کے معاملے میں تلحام ہوا، اس دن میں وہاں میں تھا۔ اس واقعہ کے ایک ہفتہ بعد امرہ جانے کا اتفاق ہوا۔ اس زمانے میں نواب صاحب علیل تھے۔ جب میں مودت پر پہنچا اور اطلاع ہوئی کہ ایک سالہ سلام کے لیے حاضر ہوا ہے تو مکان سے لگی کے باہر استقبال کرتے ہوئے تھے۔ جب میں کمرے میں داخل ہوا تو نہایت تیزی سے بھگکا اور میرے بوٹ کئی گھنٹوں سے ٹکایا۔ اس وقت میں بدحواس تھا

لکھا کروں، میں نے شاد پیکر کو اب صاحب کی خایا اور عرض کیا کہ حضور! یہ جنت نغزانی کس بنا پر ہو گیا۔ میں نے انجانی میں پڑھا تھا کہ صفت ابیر لکھی مانتہ کا چند میں شہید ہو چکا ہے۔ اس لیے عالم بقراری میں اس طرح سے میں نے تقاضا کی تسلیم کی اور تم کو لکھ کر میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔

ایک مولیٰ صفت کا یا احترام باعث حیرت ہے۔ یہ وہ واقعہ ہے جس کی دوسری لطیف کتب انصاف پر بھی ہرگز نہیں ملے گی، اُس وقت میں نے لکھا تھا کہ اب وہ مالک جیسے شریف پیدا ہوئے۔ یہاں تک کہ کھانا جس چاہیے تھا میں اس لیے کھدیا کرتا تھا کہ میں یادگار رہے اور نئی نسلوں کو ملنا ہو کہ اس کے بزرگوں کا اخلاق، بچوں اور جوانوں کے ساتھ کس وجہ سے کا قتل

منشی محمد رحمت اللہ رحمہ مالک نامی پریس کا پرنٹر (دولت ۱۲۶۴ھ - رحلت ۱۳۴۰ھ) ۱۹۲۱ء

میں زمانہ غدی میں تمام کا پرنٹر دولت پورٹی۔ تعلیم تربیت کے بعد وہ کتب خانہ باب (شیخ مراد بھٹن) نے کتب خانہ کوئی کا لکھا تھا۔ بنایا اور اندوہندی کتابوں سے کافان بانی، دوسری سال میں وہ کامیاب تاجر بن گئے۔ ۱۲۸۵ھ میں نامی پریس قائم کیا گیا پھر اس غرض سے خوش فیس، مصحف علی اور مصحف کی کمال حاصل کیا۔ ہجری تمام ہندوستان میں مقبول ہوئی اور کمال میں سال تک خاکسار نے شاہان اسلام فریاد کی خبر میں تاریخ مکتبی ۱۲۸۵ھ میں انجاء عالم تصویر جاری کیا جو اردو میں پہلا مصور اخبار تھا۔ اس کے تبادلے میں ہندو ذات کا اخبار لے کر تھے میرے بھائی بہتر شہو تھا اور جنت اللہ کی چھوٹی سی دوکان سے حق میں امام خزانہ کا مجروح تھا ۱۲۸۵ھ میں سرسید نے ایک کونسل کا نفرس جاری کیا۔ اب ان کی معیت میں میں نے ہندوستان کا سفر اختیار کیا اور کئی جلسہ کا نفرس کا بھر شرکت باقی رہا۔

پچاس سال کی خدمات کے بعد وہ نے ۱۹۲۱ء میں انتقال کیا۔ تقریباً ۲۰ سال تک نامی پریس کا چند میں کام کرنے کا بچے مروج تھا کہ ابراہیم اور نظام الملک طوسی مقدسے بڑے انہام سے شائع کیے جس کا میں شکر گزار ہوں۔

مولوی عبدالحکیم شرر لکھنوی ایڈیٹر رسالہ ولگداز (دولت ۱۲۸۵ھ - رحلت ۱۳۳۵ھ) ۱۹۲۶ء

مولوی عبدالحکیم شرر سے میری پہلی ملاقات ۱۲۸۵ھ میں ہوئی اور تقریب یہ ہوئی کہ کانپور میں بڑے چائے پر انجمن اخوان اصناف کا ہوئی اور لکھنؤ سے عواہ نام شرر، عاشق حسی ایڈیٹر پیام بار اور نقاب بدھی صاحب نیشا پوری شریک ہوئے۔ دو یوم تک شاد ارہٹے تھے کہ اس کے بعد لکھنؤ میں مسلسل ملاقاتیں ہوتی رہیں اور کم از کم سال میں دو مرتبہ ہندی ملاقات ہوتی تھی، چنانچہ میں نے شرر مرحوم کی زندگی کے تین مسئلے کے لیے مدد میں مدد خاص لکھنوی تھے اور فرنگی ملی میں یہ تصیم تھے۔

دوسرا واقعہ تھا جب وہ لندن سے حیدرآباد آئے۔ اب کوٹ پتہ میں میں طوس تھے میں نے ان کو ہندو سرحد دیکھا اور ہیٹ بھی دیکھی اور کئی ٹی بی تیسری مرتبہ ۱۲۹۵ھ میں ملاقات ہوئی۔ فرمایا کہ آئندہ لکھنؤ ایک ہفتہ کے لیے آنا چاہیے۔ میں اسلام کی ایک سیاسی تاریخ لکھنا چاہتا ہوں۔ اس میں تبادلہ مخالفت کی ضرورت ہے، چنانچہ میں دینی لکھنؤ میں لکھنؤ گیا اور ملال کو فرشتہ کا وعدہ دیا اور فرمایا میں نے جو لٹ لکھے میں وہ پیش کروں گا۔ لیکن چند لکھنؤ کی محبت میں معلوم ہوا کہ اب شرر ایک خاص صوفی اور مطلق ہو گئے ہیں۔ اسی سے میں مسئلہ پشنگو

کہ جب سے وہ منہ منہ میں ملے کر کے صحت قرآنی یا حدیث کے مسائل بیان کرنا شروع کر دیئے تھے اور ۲۴ گھنٹے مذہبی مسائل میں منہمک رہتے تھے۔ چنانچہ ۲۴ گھنٹے گھنٹوں میں قیام کر کے میں چلا آیا۔ تیسرے بیٹے اخانات میں پڑھا کہ مولوی عبدالحلیم شرر نے بروز جمعہ ۶ بجے صبح ۱۷ جمادی الثانی ۱۳۴۵ء میں انتقال کیا۔

مولوی وحید الدین سلیم پانی پتی (ولادت ۱۲۶۶ھ - رحلت: ۱۳۴۵ھ / ۱۸۹۰ء - ۱۹۲۸ء)

پیری پٹی ملاقات سلیم سے ۱۲۹۵ھ میں مقام علی گڑھ ہوئی۔ اس وقت وہ ۳۵ سال کے ہوں گے جس زمانے میں سر سید تفسیر القرآن لکھ رہے تھے، مولانا سلیم سید صاحب کے معاون تھے۔ سید صاحب کی رحلت پر حاجی محمد امین خاں رئیس دہلوی نے علی گڑھ سے رسالہ معارف جاری کیا احمد علی الدین سلیم نائب اڈیٹر مقرر ہوئے۔ معارف چار سال زندہ رہ کر مروج ہو گیا۔ مگر تسلیم کی قابلیت کا سکہ بیٹھ گیا۔ اس رسالے میں سب سے پہلے میں نے علامات العظمیٰ پر ایک سلسلہ لکھا اور دو سال تک یہ مشغلہ جاری رہا۔

جس زمانے میں ابراہیم ذریعہ تصنیف تھی میں سر سید احمد کا ہمان ہوا اور سلیم صاحب کی احانت سے سید صاحب کے تاریخی سرمایہ (مطبوعات یورپ) سے مستفید ہوا۔ فرصت کے گھنٹے شعر و شاعری اور لطافت و ظرافت میں گزرتے تھے۔

مدن آباد و رفت حیدر آباد، بھوپال میں دو ایک روز میر سے ہمان رہتے تھے۔ مولانا کی یہ عارضی محبت بھی بڑی پر لطف ہوتی تھی۔ مولانا شبلی نعمانی کی تصنیفات پر ان کی تنقید بہت سخت ہوتی تھی اور شعر العظمیٰ پر اکثر مباحثے ہوا کرتے تھے۔

خان بہادر میر ناصر علی ادیب دہلوی ایڈیٹر رسالہ صلوات عام (رحلت: ۱۳۵۳ھ / ۱۹۳۳ء)

جب میں ۱۹۳۲ء میں دہلی گیا تو میر صاحب سے نیاز حاصل کیا تو تبرکاً مبینہ تھا اور بے منہج صبح کا وقت کہ میں نے زنجیر و کھڑکی بالاناظر پڑھ لی ہوئی۔ بعد سلام، بزرگانہ شفقت سے میر صاحب نے معاف فرمایا اور قریب بٹھا کر باتیں شروع کیں۔ چند سال سے بھارت جا چکی تھی۔ کتابیں اور اخبارات سنا کرتے تھے۔ فرمایا کہ ابراہیم دو بار پڑھو کہ کس چکا ہوں۔ تمہارے آنے سے مجھ کو بہت مسرت ہوئی میر صاحب کی گفتگو خالص دہلی کی زبان میں تھی۔ اگر غلط کی زبان سے کوئی غلط لفظ یا محاورہ نکل جاتا تو اسی وقت فرماتے۔ جی! یہ کون محاورہ ہے میں نے عرض کیا کہ قبلہ (کچھ) کا چوند کا رہنے والا ہوں۔ میری زبان کھالی کیونکہ ہو سکتی ہے، میں تو بحیثیت طالب علم حاضر خدمت ہوا ہوں کہ میں کچھ فیض حاصل کروں۔ اگر میں معذرت ذکر تا تو مباحثہ شروع ہو جاتا۔

کچھ وقفے میں چاد تیار ہو گئی۔ خادم نے کشتی سجا کر سامنے رکھی۔ اس کو حکم دیا کہ میر سے لیے میٹھی پوریاں، بالائی، بسکٹ اور گھنٹہ گھر والی دوکان سے کچھ مٹھائی فرما کر لائے۔ اس درمیان میں میر صاحب نے قصہ معلیٰ کی بجائے ادنیٰ کی زبان مانی پر گفتگو شروع کی۔ یہ بڑی دلچسپ تقریر تھی۔ اس کے بعد ذوالفقار علی خان پٹیل پر گفتگو شروع ہوئی۔ مسئلہ زیر بحث یہ تھا کہ اگر عظم کی پالیسی باعث نفاذ تھی یا اونگہ کی۔ کی مذہبی بحثیں۔ میر صاحب نے دو گھنٹے تقریر کی۔ بعد میں مزمع عالمگیر کو قرار دیا اور اس کی امداد کو ناپا۔ میر صاحب کے اعتراضات کے میں نے جواب دیئے۔ وہ سنائے اور اس امتحان میں کامیاب ہوا۔

بعد از حضور فراموش خانے میں ایک کتب فروش کی دوکان پر تقریباً تشریف لاتے تھے۔ میں بھی مسلسل سات سو تک حاضر رہتا رہا۔ تعلیم والے کے متعلق میں نے جو سوال کیا۔ اس کا میرا صاحب نے صحیح جواب دیا۔

سید حبیب سید محمود - (رحلت: ۱۳۱۶ھ / ۱۸۹۹ء)

میرٹھ میں ایک کوشیل کانفرنس کا اجلاس تھا اور دسمبر کی اغیر رات کہ کانفرنس سے ہم تین اجاب بھیجی جیسے سے اٹھ کر باہر آئے۔ ہم کے جلسے میں سید کے علم ایک نام آیا تھا۔ چنانچہ کاروائی جلسہ کے بعد جب تار کو لایا تو معلوم ہوا کہ وہی سید صاحب (سید محمود کے بھائی) کا انتقال ہو گیا ہے۔ لہذا تقریب کے لیے میں سید محمود کی پیام گاہ پر گیا۔ میرے ہمراہ فنی رحمت اللہ قدس سرہ اللہ علیہ اللہ علیہ و تو اسی شہر کا پورے جس تھے۔ اوائے تقریب کے بعد جب ہم نے اٹھنا چاہا تو سید صاحب نے جلنے کی امانت ندی۔ کچھ وقفے کے بعد مانا آیا۔ سب نے مل کر کھانا کھایا اور اس کے دس بج گئے۔ اب ہم بھر اٹھے۔ ارشاد ہوا کہ برسوں کے بعد آج جناب تقدسے ملاقات ملتا ہے کچھ دیر اور تشریف رکھیے۔ حکم کی تعمیل کی گئی۔

سید صاحب سب سے پہلے علامہ اشفاق سے مخاطب ہوئے اور پھر آپ کو کس مضمون سے پسپی ہے؟ انہوں نے کہا میں چاہتا ہوں کہ اگر فقیر انصاف میں کھانا دیا جائے کہ کانفرنس کیا ہے اور اس کے اغراض و مقاصد کیا ہیں؟ سید صاحب نے تقریر شروع کی اور زوال صاحب سے اعتراضات کی بھرمار کی۔ یہ ایک دلچسپ مکالمہ تھا جو ۱۲ بجے شب کو ختم ہوا۔

اب سید صاحب رقعہ کی طرف متوجہ ہونے کو کچھ سنائیے۔ رقعہ نے مجھ کو اپنا کلام سنایا اس کے بعد فرمائش کی کہ جناب بھی شاعر ہیں کچھ اپنا کلام سنائیے۔ فرمایا کہ ہندی میں بنانا طالب علمی کچھ انگریزی نظمیں لکھیں تھیں اور ہندوستان اگر کچھ نظمیں اتفاقاً طور پر فارسی میں لکھی تھیں۔ اب تیر آپ مقدم میں دتا فرمیں شاعر کا کلام سننا چاہیں تو عرض کروں۔

رقعہ نے اس موقع کو فیضیت سمجھا۔ اُردو غزل کی فرمائش کی اور عرض کیا کہ وہی دکن سے آغا کیا جانے چنانچہ رقعہ کوئی کی غزل کا کوئی شعر پڑھتے اور سید صاحب پوری غزل سناتے۔ شعرائے دکن کے بعد تیر کا کلام سنایا اور غالب کے کلام پر شعرائے اُردو کا سلسلہ ختم ہو گیا۔

اُردو کے بعد مقدمین شعرائے علم کا کلام سنایا۔ جب ماسٹرز نے ایک سے طبیعت سیر ہو گئی تو فنی صاحب نے فنی مولانا روم کی فرمائش کی چنانچہ یہ درخواست بھی منظور ہو گئی اور چند منٹ کے لیے سید صاحب دوسرے کمرے میں تشریف لے گئے جب واپس آئے تو فنی کے جی ٹھکے ہوئے تھے اور اڑھی سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ تیر سے سناؤ پوچھ کر کہ کسی پر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ فنی مولانا روم میں لکھی چیز ضرور نہیں پڑھا ہوں۔ اب جو حکایت آپ کو پسند ہو اس کا پہلا شعر پڑھیے۔ رقعہ نے زبان سے نکلنا

دید مجھ کو راکھے مھرا نورو

چنانچہ سید صاحب نے نہایت ذوق و شوق اور بلند آواز سے یہ پوری حکایت سنائی اور ارشاد ہوا کہ میں حضرت فنی غازی کی کسے سے میں فنی پڑھا کرتا ہوں۔ مولانا روم جو کلام کے قدیم دوست تھے۔ الغرض بزم محمودی میں شعرا بزم کا سلسلہ ۲ بجے شب کو ختم

### شب آخر گشتہ و افسانہ اذانی خمیس خرد

اب خاکسار کی باری آئی اور مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ مجھے کچھ سنائیں گے یا مجھ سے سننا چاہتے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ تو شمعیں سے قیمتی مات ملی ہے۔ میں تو استفادہ کرنا چاہتا تھا میرے اس جواب سے مسرور ہوئے۔ تب میں نے دریافت کیا کہ پرنسپل میں سب سے بتردد معقوی گوشت کس کا ہے۔ یہ سوال سن کر خاموش ہو گئے۔ چند منٹ بعد بولے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ مختلف درختوں کے نیچے سات سات پرڑیوں کے غول علیحدہ علیحدہ اڑتے پھرتے ہیں۔ جن کو لٹا کہتے ہیں۔ اس غول میں چھ مادہ ہوتی ہیں اور ایک نرالا ایک مادہ بقیہ پانچ پر حکومت کرتی ہے جس کو ہماری دلی کی آندہ میں ڈھڈھو کہتے ہیں۔ اس ناکہ کا یہ کام ہے کہ اپنے غول کی پانچ ملوٹوں کو دوسرے جھنڈ میں داخل ہونے سے روکے اور اگر کوئی اس کے حکم کی خلاف ورزی کرے تو ان کو سزا دے (پنجوں سے سر کے بال توچا) لہذا اسے لاگوشت اور وہ بھی نر کا سب سے معقوی اور لذیذ ہوتا ہے۔

جب یہ دلچسپ گفتگو ہوئی تو میں نے دریافت کیا کہ یورپ اور عربوں کی تاریخ نویسی میں کیا فرق ہے؟ اس موضوع پر ایک بسیط تقریر کی۔

ہنوز سلسلہ کلام جاری تھا کہ عجیب کا تیل ختم ہو گیا اور کمرے میں تاریکی چھا گئی۔ اسی اثنا میں مسجد سے اذان کی آواز آئی۔ ارشاد ہوا کہ میرا دل شکریہ قبول فرمائیے۔ اب آپ بھی نماز فجر ادا کیجئے ادا جادت دیجئے کہ میں بھی آرام کروں۔ چنانچہ بعد مصافحہ اور سلام ہم سب بید صاحب سے رخصت ہوئے۔

اس واقعہ کے بعد بھی متعدد مرتبہ سید محمود سے الالاباد وغیرہ میں ملاقات ہوئی مگر یہ رات عجیب و غریب تھی۔

### نواب مسعود جنگ بہادر سید اس مسعود (ولادت: ۱۸۹۷ء - رحلت: ۱۹۳۵ء)

میں نے پہلی مرتبہ سید مسعود کو تین سال کی عمر میں دیکھا تھا۔ جب سید مسعود نے میرے سامنے ان کو خواجہ عالی کی گردیں پا تھا اس کے بعد دوبارہ تقریباً پانچ سال کی عمر میں دیکھا جب ۱۸۹۷ء میں ان کی رسم بسم اللہ شریعی ہال میں ہوئی۔ پھر کامل ۱۴ سال کے بعد ۱۹۱۲ء میں جبکہ بھوپال میں مذہبی تعلیم کر کر تشریف لائے۔ مصنف البراکہ اور نظام الملک طوسی کی حیثیت سے وہ مجھ سے خوب واقف تھے مگر منہ ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے جب سید صاحب کو علم ہوا کہ میں بھوپال میں موجود ہوں تو یاد فرمایا اور اپنے بچپن کے حالات سن کر بہت مسرور ہوئے اور مجھ کے جلسے میں شرکت کی تاکید کی گئی۔

سید صاحب کا حیدرآباد میں یہی طریقہ تھا کہ وہ جمعہ کے دن کسی قسم کا سرکاری کام نہ کرتے تھے اور دس بجے نماز جمعہ کے وقت تک یا راجی جلسہ کی صحبت میں اپنا وقت گزارتے تھے چنانچہ مسلسل جون ۱۹۳۵ء (بشنائے شاذ) تک میں اس جلسے میں شریک ہوا۔ جمعہ کی صحبت میں جب کوئی پنڈت یا فاضل ہندو جاتا تو اس سے ہندی الفاظ کی تفسیر کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مجھ سے دریا گیا کہ سرسکی اصل کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اس کا مادہ اشتقاق تو کوئی ہندو فاضل بتائے گا لیکن فارسی، عربی میں اس کے رسم الخط

جہاں گاہ میاں بادشاہ الرشید کے دسترخوان پر چوبیس قسم کے کھانے باری باری آتے تھے جس میں محوسر (سنبوسر) بھی تھا اور ہندو  
ویدوں کے زہیر سے محوسر بھرا پہنچ گیا تھا۔

ایک دس سال گیا کہ شہنشاہ کا ماخذ کیا ہے، یہ میں نے فوراً عرض کیا کہ اس کا ماخذ بھٹا ہے۔ جواب بھی کہ خاموش ہو رہے  
اور کتب خانے سے ایک ضخیم فہرست اٹھا لے۔ یہ جرمن زبان میں تھی اور اس میں صرف ہندی لغات کی تحقیقات تھی۔ اس میں لفظ شہنشاہ  
نکاۃ الادب میں نے جواب دیا تھا وہی اس بحث جرمنی کی تحقیقات تھی۔ اس وقت وہ بے انتہا مسرور ہوئے اور اُنکے سے یہ سچول گیا  
کہ جس لفظ میں شہنشاہ کا وہ صرف لفظ سے دریافت کیا کرتے تھے۔ یہ نتیجہ تھا اُردو علم و ادب کے ذوق کا کیونکہ اُنکے نے مسکرت اور  
برج بھاشا کی آخر میں پردیش پالی تھی۔

۳۰۔ جنوری ۱۹۱۹ء کی غیر شبہی کو ٹھکی ریاض منزل (بھوپال) سے سید مسعود فریدی بریں کو سدھار سے اور چند  
روز کی علالت میں دنیا سے رخصت ہو گئے۔ حبیب آغا کی ہے کہ سید مسعود کو تین برس کی عمر میں، میں نے گود میں لیا تھا۔ اس کے بعد  
کامل ۴۵ سال کے بعد بھوپال دیوے انیشین کے پل پر ان کے تابوت کو اٹھایا اور پٹیش نام سے دیل کے ڈبے میں سوار کیا گیا  
حافظوں نے قرآن خوانی شروع کی اور جب دیل نے سیٹی دی تو میں نے بلند آواز سے اوداع کہہ کر سید کو رخصت کیا ہے

اوداع اے قلب اسلام کے روشن چراغ

اوداع اے منزل محمود کے روشن چراغ

خدا کا شکر ہے کہ زندہ ہوں اور باوجود دشمنی کے تمام جلی رہا ہے۔ ۱۹۱۶ء لغات، ۱۹۲۰ء اس مدت میں حسب حکم سرکار علیہ مرحوم  
فرانزوائے بھوپال میں نے تاریخ اسلام کے پانچ ہزار صفحے لکھے۔ از حد جاہلیت عرب تا خلافت فاروقی اعظمؓ۔ حد جاہلیت کی دو جلدیں نیز  
کے لکھنے میں ہر گز نہیں جس کا انتہائی صدمہ ہے اور دوبارہ لکھنا غیر ممکن ہے۔ اب ریاست اس کو چھین نہیں کرے گی۔ مدیہ کا انتظام ہو گیا تو غرض شائع  
کروں گا۔

ابراہیم بعد نظر ثانی زیر طبع ہے۔ تقریباً تین سو صفحات کا اضافہ جو کہ سات سو صفحات پر کتاب ختم ہوئی ہے۔ اب کتاب مکمل ہو گئی ہے اور  
حد استعاضہ میں بڑھ گئے ہیں۔ انشاء اللہ اس سلسلہ میں میں شائع ہوگی۔ کانپور میں زیر طبع ہے۔

میں فی الحال اعلیٰ حضرت ناب صاحب بھوپال کی سوانح حسی محمدؐ ہوں۔ از ولادت تا ۲۹ سال کے واقعات لکھ چکا ہوں اور  
ایک جلد بانی ریاست بھوپال کی تاریخ مکمل ہو گئی ہے۔ یہ سرکاری پر ہیں میں طبع ہوگی۔

(۲ مئی ۱۹۲۲ء)

## عبدالفتا در بیدل

ابوالحسن عبدالفتا در بیدل قنقرہ افغانا میں یہ عرض کرتا ہے کہ جب قادریہ کے پہلے نے عہدیت کا لباس پہنا تو پہلے آرزو خدا کی پیدا ہوئی۔ کچھ ہی دنوں میں والد مجازی پہلے بسے اور مجھے آشوب دینی میں چھوڑ دیا۔ چھٹے سال کے چھٹے مہینے میں والدہ نے ابجد سکھانا شروع کیا۔ سات ماہ تک ورق گردانی کرتا رہا۔ سال کے اختتام تک قرآن مجید ختم کر لیا۔ اس کے بعد دسویں سال تک عربی قواعد و قواعد میں معروف رہا۔ ابھی ذہن بلوغ کو نہیں پہنچا کہ تحصیل علم کی کوشش چھوڑ دی۔ اس وقت سے اب تک کہ مراکتا میں کے قریب ہے وہی نقش تسلیم روح میں ہے۔

### اساتذہ معنوی سے علمی فیضان

**شیخ کمال** فقیر کے والد حضرت شیخ کے توسط سے غوث الاعظم کی روح سے یقین حاصل کرتے تھے اور برے چارہ ناپختہ کو بھی ان کی ہم کلامی پر فخر تھا۔ شروع میں حضرت شیخ - قاشائے حسن کیا کرتے تھے لیکن آپ کے تقدس کی غیرت یہ گراما نہیں کرتی تھی کہ والد روایان صمد داخدا ہوں۔ بہادر میں بہتیرے آپ کے فیض سے ہدایت یافتہ تھے۔

بیدل بچپن ہی میں جہاں جانا تھا ماحمت کا سامان کر دیتا تھا۔ کبھی حوالہ خواہوں کی طرح بھٹ جاتا تھا اور مریض کے سر پر ہاتھ پیرتا تھا۔ کبھی اپنے گھٹکے حاکم مریض کی گردن میں ڈال کر فاقہ پڑھتا تھا۔ اگرچہ یہ حرکتیں غلط تھیں مگر فضل ایزدی سے صحت ہو جاتی تھی۔ جب عورت و غلوہ کی تیز ہوئی تو جہاں کہیں بھی کوئی دوا نگر آتی اسے گھولتا اور یاد کرتا۔ اس سلسلہ میں جتنا تارنے کئے گئے مردانہ کی زبان سے جو عمل سنا تھا وہی فقیر کے ذہن میں محفوظ تھا۔

ایک دفعہ میں ساتویں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ معلوم ہوا کہ گھر میں ایک عورت جہن میں جتنا ہے اور دونوں سے بیروں سے مل کر لایا گیا ایک مردہ بیکار ہندو جلا رہا تھا۔ اچانک امتحان کا خیال آیا۔ گھر میں ایک شخص کو بلا کر وہی اہم اعظم اس کی انگلی پر دم کر دیا تاکہ مریض کے کان میں ٹپکے۔ عمل کرتے ہی جہن جیچ پڑا اور وہاں سے رفرنگر ہو گیا۔ جب مولانا کو اس بات کی خبر ہوئی تو آپ نے پوچھا اس طرح کے عملات صحت خیالی نہیں ہوتے تھیں کہاں سے علم ہوا۔ عرض کیا آپ ہی کی ناپا حقائق بیان سے سیکھا ہے۔ چنانچہ آپ کی رحمت نے جوش مارا۔ فرمایا 'آج تک ہم نے جو عملی فائدہ حاصل کئے ہیں وہ اس کام کے عرض تیارے حوالہ کیے۔ باخبر ہو کہ تباہ ماطلع سلطانی نگر اور تبارا دم میسری اثر ہے۔ اس وقت سے اب تک بہت سے ایسے اعمال نہیں لوگ عمر بھر میں ہی حاصل نہیں کر پاتے' فقیر نے امتحان کا یہب کر دکھائے۔



لوگ | شاہ صاحب مولے ہمارے میں جو ہمارے ذرا میں ایک جگہ قحی ایک درخت کے نیچے رہتے تھے۔ ہر گز نہ  
 کبھی آپ کو خطا نہیں پہنچا اور نہ پاس نہ پانی۔ ایک بار مرزا قندر کو قصہ دانی ساگوں جو سنا اکل کا دھنکا  
 پٹا۔ سرائے ہمارے سے دانی ساگوں کا فصل ایک کوس سے زیادہ نہیں تھا اس لیے شاہ لوگ اکثر قدم رنجہ فرماتے تھے اور ہنسی  
 بائیں کو شرت کہتے تھے۔

۴ ایک بار چند قندروں نے آپ سے بے ادبی کی اچانک آپ کی برقی طیرت کو نہی۔ تجربہ ہمارا کہ وہ سب لوگ دھڑکے  
 ہلکے پڑے اور ایک دوسرے کو دھکی سے مار ڈالا۔

ایک دن آپ نے باتوں باتوں میں فرمایا کہ میرے کچھ اشعار یاد کرو۔ میں نے قلم کاغذ نہ لیا اور تین سو ایک شاعر  
 مارا۔ چکر اکثر اشعار ہندی میں تھے اس لیے میں کچھ مناسب نہیں۔

۵ ایک آناد | جس نے اپنے قلم قصہ آرد میں مقیم تھا شاہ صاحب بھی وہاں نزول فرماتے تھے۔ مرزا قندر و غصہ مٹان کے کاوت کی ترن  
 سے نہیں ٹھکتے تھے۔ ایک دن آپ ایک کشتی میں دریائے گلگا پار کر رہے تھے۔ جب کشتی بچ دیا میں پہلی  
 بلانے ہر ایک سے ایک درہم کا مطالبہ کیا۔ آپ نے ہر چند لکائی دستی کی معذرت کی خاطر نہ مانا بلکہ آپ کے آزار کے  
 رہے ہو گیا۔ چنانچہ آپ کشتی سے اچھل کر پانی کی سطح پر جا بیٹھے۔ یہ دیکھ کر سب لوگ چیخ پڑے۔

شاہ فاضل | آپ کی نظم سے زیادہ میل اور آپ کی نظم نثر سے زیادہ روشنی ملتی تھی۔ اکثر مرزا قندر سے جب آپ گفتگو  
 فرماتے ہیں برقی گوش رہتا تھا۔ بیدل کے فہم ناقص کی تعریف فرماتے اور کہتے تھے یہ جیسا غنہ والا کلاں ہے  
 ناکہ ہم خاموشی سے باہر آئیں۔ کجور کے رس سے آپ کو بہت رحمت تھی۔ پیچھے پر آتے تو ہر کے بوجھ خالی کر دیتے۔

مرزا قندر | آپ کی بیل تھی کا یہ عالم تھا کہ اکثر لوہے کی چوڑی جو ہتھوڑے سے سیدھی نہیں ہوتی تھیں اللہ سے یہ سیدھی کر لیتے  
 تھے۔ جس فوج کی سرداری کرتے اسے لازمی رخ ہوتی۔ اُنی ہونے کے باوجود مرزاوں طبیعت رکھتے تھے۔ ان  
 کے خصائص یہ ہے کہ ان کے ساتھ میں چھوڑ جاتا تھا۔ دوسرے یہ کہ اچھل کے اشارے سے تالا کھول دیتے تھے۔ دھڑکی  
 رحمت کے بعد فقیر بیل کی تربیت انہی کے ذریعے تھی۔ آداب و اخلاق کی تعلیم میں وہ پوری توجہ کرتے تھے بکریری شاعری بھی انہی  
 کی تعداد و طبیعت کا عکس ہے۔

ایک دن دروہ میں جلسہ تھا۔ دوسری بحث کر رہے تھے اس سے مرزا قندر کا دل رنجیدہ ہو گیا۔ فرمایا یہ بے عقل  
 زندگی بھر تعلیم حاصل کرتے ہیں اور اس کے بعد غرور یا پشیمانی۔ چنانچہ فقیر کو درس سے منع کر دیا اور کہا کہ تحقیق کتابوں کی پابندی نہ  
 تیری پیدائش کی تاریخ یعنی قمری اور انقلاب سے ظاہر ہے کہ تجھ میں کمال کے بڑے استعداد ہے۔ قہار کے کام کا مطالعہ کیا کر۔  
 اگرچہ اس کے انتقال کو ایک دن گزرا لیکن بیدل ان کا احسان ہے۔

شاہ قاسم ہرقمی | ۱۰۶۱ھ میں فقیر بیدل کے ماں مرزا عرین اڑیسہ کے سفر پر روانہ ہوئے اور فقیر کو بھی ساتھ لے گئے پھر  
 مجبور کیا۔ اتفاق سے ان دنوں شاہ صاحب بھی ہندوستان کی سیر کرتے ہوئے اس علاقہ میں مقیم تھے۔

سال تک مرزا اس سے فیض حاصل کرتے رہے اور یہ نہ کہ پرست بھی نہیں ہارا۔

ان دونوں خانہ دوستانہ سید محمد ادریس کا حاکم تھا۔ اتفاق سے اس کے ہاتھ پاؤں کے ناخن نہ ہر آلود ہو گئے اور سارا جسم بھروسہ ہو گیا۔ جب حکا اس کے علاج سے عاجز آگئے تو اس نے روحانی مدد طلب کی۔ بارشاہ صاحب کی خدمت میں بھی پیغام بھجوایا مگر معذرت نہ ہوا۔ آخر کار مرزا قرین کی درخواست پر آپ وہاں تشریف لے گئے، ایک ہی نظر میں اس کا سارا مرض جاتا رہا اور دو تین دن اس نے شعلی صحت کر لیا۔

اتفاقاً وہاں اسماعیلی ایک بے دینا آپ کی اور فقراء کی شان میں گستاخی کرنے لگا۔ جب وہ گھر چلا تو ابھی شہر کے دروازہ پہنچا تھا کہ غیب سے ایک بھل بھلی اور اس کی ہانسی لٹ گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد جب پاگل برداروں نے اسے تلاش کیا تو اسے لے میں ڈالیا جہاں شہر کی تمام گندگی جمع ہوتی تھی۔ اس کے چہرے پر مستقل سیاہی جم گئی تھی۔ ہر چند اسے صاف کرنے کی کوشش کی گئی مگر کامیاب نہ ہوئی۔ جب شاہ صاحب سے ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اس گستاخی کے عوض اس کی جان فیضی مقدر ہو چکی ہے۔ سناؤ ہی خبر لی کہ مٹا سنے یہ طے کیا کہ اس کا علاج وہی نالے کی گندگی ہے، چنانچہ اسے پیالہ بھر کر دیا گیا۔ ابھی اس نے پیالی کا کغیر غور کیا اور دم توڑ دیا۔

اس واقعہ کے بعد ایک دن حکیم طاہر گیلانی آپ کے پاس آئے۔ آپ نے فرمایا ہم نے خدا سے یہ دعا کی ہے کہ تیرا باطن بھی ظاہر کی طرح خوب ہو جائے۔ اس کے تیسرے روز خبر لی کہ حکیم کو سوداوی بحران ہو گیا ہے۔ آپ نے مرزا ظریف کو بلا کر فرمایا کہ اس کی ہدایت کا وقت آچکا ہے۔ اتفاقاً جب شاہ صاحب اس کے پاس پہنچے تو اس نے اپنی دروہری داستان سنائی کہ میرے باپ حکیم نورالدین اسی گھر کے بانچہ میں دفن ہیں۔ اس روز شام کو جب میں ان کی قبر پر فاترہ کے لیے پہنچا تو میرے دماغ میں تیز دہلچکی میں نے دیکھ کر قبر میں انتہائی کربور گھسے۔ میں لوٹنے لگا تو آواز آئی، میں نورالدین ہیں، مجھ سے مت ڈر بلکہ مجھ سے عبرت حاصل کر۔ یہ ان گناہوں کا نتیجہ ہے جو میں نے اپنے باطل دینا میں کیے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ حضور کی توجہ کا اثر ہے، ایسا نہ ہو میرا جانا اور آپ کی شفاعت سے عروم رہوں۔ تیسرے روز حکیم طاہر آپ کے پاس آئے، آپ نے انہیں اپنے پہلو میں جگہ دی مگر وہ جیسے ہی اٹھ کر وہاں سے ہانے لگے زمین پر گرے اور ڈھیر ہو گئے۔ حضرت نے خود اپنے ہاتھ سے ان کی تمجید و تکفین فرمائی۔

پیک نورانی مرزا قرین کا آشنا تھا، اتفاقاً وہ بیمار پڑ گیا اور مرض نے شدت کی گئی۔ اس نے مرزا سے اتنا س کی میں ایک مدت سے دوائی غربت میں چڑھا ہوں اور گھر والے کوسوں دور ہیں کوئی ایسی صورت ہو کہ میں انہیں دیکھ سکوں۔ مرزا نے اسے مشورہ کیا کہ شاہ صاحب کے آستانہ پر حاضری دواد جب تک مراد نہ ملے مرزا اٹھاؤ۔ وہ تین دن تک حضرت کے آستانہ پر حاجت گزار ہوا، چوتھے دن آپ نے مرزا کو طلب کر کے فرمایا کہ یہ مصیبت ہمارے لیے کیا سے لائے ہو؟ یہ چراغ تو بس مجھنے والا ہے۔ مرزا نے عرض کیا، آپ کی حمایت و رکاوٹ ہے مگر مالہ کیا سے اتنا س پر ہم یہ دوسرے ہیں کہ وہ جب تک اس شہر میں مقیم رہے گا اس کی زندگی محفوظ رہے گی لیکن جب وہ کسی اور صحت کا قصد کرے گا تو ہمارے احاطہ سے باہر ہو جائے گا۔ اس واقعہ کے ایک سال بعد ایک نے توران کا رخصت سفر کیا اور شہر کے باہر قافلہ سے باہر اتفاق سے مرزا ظریف نے فقیر کو بعض اہل قافلہ کے پاس بھیجا تھا وہ

**شاہ ملوک** | شاہ صاحب مولائے ہمارے میں جو بہار کے فواح میں ایک جگہ تھی ایک درخت کے نیچے رہتے تھے۔ کبھی آپ کو فضا میں پہنچائی اور نہ پائیں نہ پانی۔ ایک بار مرزا قلندر کو قصبہ رانی ساگر میں جو سدا اکبر کا محل تھا ملہڑا تھا۔ سرائے ہمارے میں سے رانی ساگر کا فاصلہ ایک کوس سے زیادہ نہیں تھا اس لیے شاہ ملوک اکثر قدم رنج فرماتے تھے اور کبھی ہماری کشتی کو مشرف کرتے تھے۔

ایک بار چند قلندروں نے آپ سے بے ادبی کی اچانک آپ کی برقی غیرت کو ندی۔ تجربہ ہمارا کہ وہ سب ایک دوسرے سے گتہ ہٹے اور ایک دوسرے کو باجی سے مار ڈالا۔

ایک دن آپ نے باتوں باتوں میں فرمایا کہ میرے کچھ اشعار یاد کرو کرو۔ میں نے قلم کاغذ منجھالا اور تین دن تک غبار کتا رہا۔ چکر اکثر اشعار ہندی میں تھے اس لیے میں کچھ مناسب نہیں۔

**شاہ کیر آزاد** | جس زمانے میں قصبہ آردہ میں مقیم تھا شاہ صاحب بھی وہاں نزول فرماتے۔ مرزا قلندر رخصتیاں کے کلاوت کی تھیں سے نہیں نکلتے تھے۔ ایک دن آپ ایک کشتی میں دریائے گنگا پار کر رہے تھے، جب کشتی بچ دریا میں پہلی تولاخ نے ہر ایک سے ایک درہم کا معاوضہ کیا۔ آپ نے ہر چند اپنی تھی دستی کی مندرت کی، ظاہر نہ مانا بلکہ آپ کے آزاد کے درہمے ہو گیا۔ چنانچہ آپ کشتی سے اچھل کر پانی کی سطح پر جا بیٹھے۔ یہ دیکھ کر سب لوگ چیخ پڑے۔

**شاہ فاضل** | آپ کی نظم نظم سے زیادہ جمیل اور آپ کی نظم نظم سے زیادہ روشن ہوئی تھی۔ اکثر مرزا قلندر سے جب آپ گفتگو فرماتے ہیں بہت خوش رہتا تھا۔ بیدل کے فہم ناقص کی تعریف فرماتے اور کہتے تھے تیرے جیسا نغے دو کہاں ہے تاکہ ہم خاموشی سے باہر آئیں۔ کجور کے رس سے آپ کو بہت دہشت تھی۔ پینے پر آتے تو ہوس کے سہو خالی کر دیتے۔

**مرزا قلندر** | آپ کی ہیل تھی کا یہ عالم تھا کہ اکثر لوگ کی پیزی جو ہتھوڑے سے سیدھی نہیں ہوتی تھیں اتنے سے سیدھی کر دیتے تھے۔ جس فوج کی سرداری کرتے اسے لازمی فتح ہوتی۔ انہی ہونے کے باوجود روزوں طبیعت رکھتے تھے۔ ان کے خصائص میں یہ ہے کہ ان کے سایہ میں پھو مہاتا تھا۔ دوسرے یہ کہ انگلی کے اشارے سے تالا کھول دیتے تھے۔ ولند کی دھت کے بعد فقیر بیدل کی تربیت انہی کے ذریعے تھی۔ آداب و اخلاق کی تعلیم میں وہ پوری توجہ کرتے تھے۔ بکری شاعری بھی انہی کی تعداد و طبیعت کا لکس ہے۔

ایک دن مدرسہ میں جلسہ تھا۔ دو عروسی بمش کر رہے تھے اس سے مرزا قلندر کا دل دلچسپ ہو گیا۔ فرمایا یہ بے عقل زندگی بھر تعلیم حاصل کرتے ہیں اور اس کے بعد غور یا پشیمانی۔ چنانچہ فقیر کو درس سے مناکر دیا اور کہا کہ تحقیق کتابوں کی پابندی تیری پیدائش کی تاریخ فیض درس اور انتخاب سے بنا رہے کہ جہ میں کمال کے لئے استعداد ہے۔ قہار کے کلام کا مستند کیا کر۔ اگرچہ اس کے انتقال کو ایک دن مانگو ریا کی بھی بیدل ان کا سامنا ہے۔

**شاہ قاسم ہوا قاسمی** | ۱۰۶۱ھ میں فقیر بیدل کے ماموں مرزا غفرین اڑیسہ کے سفر پر روانہ ہوئے اور فقیر کو بھی ساتھ لے گئے۔ ممبر کیا۔ اتفاق سے ان دنوں شاہ صاحب بھی ہندوستان کی سیر کرتے ہوئے اس علاقہ میں مقیم تھے۔

تین سال تک مرزا اچھے فیضی حاصل کرتے رہے اور یہ ذلہ پرست بھی نہیں بنا رہا۔

ان دنوں خانہ دوستان سید محمود اڑیسہ کا حاکم تھا۔ اتفاق سے اس کے ہاتھ پاؤں کے ناصی نہر آلود ہو گئے اور سارا جسم بخوں سے بھر گیا۔ جب حکم اس کے علاج سے عاجز آگئے تو اس نے روحانی مدد طلب کی۔ بارشاہ صاحب کی خدمت میں بھی پیغام بھجوایا مگر سمجھ نہ ہوا۔ آخر کار مرزا عرفین کی درخواست پر آپ وہاں تشریف لے گئے ایک ہی نظر میں اس کا سارا مرض جاتا رہا اور دو تین دن میں اس نے خلی صحت کر لیا۔

اتفاقاً وہاں اسماعیلی ایک بے دین آپ کی اور فقراء کی شان میں گستاخی کرنے لگا۔ جب وہ گھر چلا تو ابھی شہر کے دروازہ تک پہنچا تھا کہ غیب سے ایک بھلی بھلی اور اس کی پاکی اٹھ گئی۔ غور میں دیر کے بعد جب پاکی برواروں نے اسے تلاش کیا تو اسے ہلے میں پایا جہاں شہر کی تمام گندگی جمع ہوتی تھی۔ اس کے چہرے پر مستقل سیاہی جم گئی تھی۔ ہر چند اسے صاف کرنے کی کوشش کی گئی مگر کامیابی نہ ہوئی۔ جب شاہ صاحب سے ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اس گستاخی کے عوض اس کی جان یقیناً مقدر ہو چکی ہے۔ ساتھ ہی یہ خبر لی کہ حکما نے بے لے کیا کہ اس کا علاج وہی ناسے کی گندگی ہے چنانچہ اسے پیالہ بھر کر دیا گیا۔ ابھی اس نے پیالی ٹھاکر غور کیا اور دم توڑ دیا۔

اس واقعہ کے بعد ایک دن حکیم طاہر گیلانی آپ کے پاس آئے۔ آپ نے فرمایا ہم نے خدا سے یہ دعا کی ہے کہ تیرا باطن بھی ظاہر کی طرح خوب ہو جائے۔ اس کے تیسرے روز خبر لی کہ حکیم کو سوداوی بحران ہو گیا ہے۔ آپ نے مرزا عرفین کو بلا کر فرمایا کہ اس کی ہرایت کا وقت آچکا ہے۔ اتفاقاً جب شاہ صاحب اس کے پاس پہنچے تو اس نے اپنی دروہری داستان سنانی کریر سے باپ حکیم نورالدین اسی گھر کے باغچے میں دفن ہیں۔ اس روز شام کو جب میں ان کی قبر پر فاتحہ کے لیے پہنچا تو میرے دماغ میں تیز جڑ بولہ بھی میں نے دیکھا قبر میں انتہائی کریرہ گرہا ہے۔ میں لوٹنے لگا تو آواز آئی، میں نورالدین ہوں، مجھ سے مت ڈر بلکہ مجھ سے جہت حاصل کر۔ یہ ان گناہوں کا نتیجہ ہے جو میں نے اپنے باطل دینا میں کیے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ حضور کی توجہ کا اثر ہے ایسا نہ ہو ہمہ جادو اور آپ کی شفاعت سے عروم رہوں۔ تیسرے روز حکیم طاہر آپ کے پاس آئے، آپ نے انہیں اپنے پہلو میں جگہ دی مگر وہ جیسے ہی اظہر کہاں سے ہلنے لگے زمین پر گرے اور ڈھیر ہو گئے۔ حضرت نے خود اپنے ہاتھ سے ان کی تجیز و تکفین فرمائی۔

پیک قدانی مرزا عرفین کا آشتا تھا اتفاقاً وہ بیمار پڑ گیا اور مرض نے شدت سمیٹی۔ اس نے مرزا سے اتناں کی میں ایک مدت سے وادی غربت میں پڑا ہوں اور گھر والے کو سوں دور ہیں کوئی ایسی صورت ہو کر میں انہیں دیکھ سکوں۔ مرزا نے اسے مشورہ کیا کہ شاہ صاحب کے آستان پر حاضری دو اور جب تک مراد نہ ملے سر نہ اٹاؤ۔ وہ تین دن تک حضرت کے آستان پر ساجت کرتا رہا چوتھے دن آپ نے مرزا کو طلب کیے کہ فرمایا کہ یہ مصیبت ہمارے لیے کہاں سے لاتے ہو؟ چراغ تو بس بجھنے والا ہے۔ مرزا نے عرض کیا، آپ کی حمایت دیکھ رہے ہو فرمایا کہ اتناں سے اتناں پر ہم یہ ذمہ دیتی ہیں کہ وہ جب تک اس شہر میں مقیم رہے گا اس کی زندگی محفوظ رہے گی لیکن جب وہ کسی اور صحت کا قصد کرے گا تو ہمارے احاطہ سے باہر ہو جائے گا۔ اس واقعہ کے ایک سال بعد ایک



اس واقعہ کے ایک سال بعد ۱۰۵۶ھ میں دہلی ہانا ہوا۔ ایک دوست کے یہاں ہندوؤں کا ذکر ہوا تھا۔ ایک شخص نے کہا کہ ایک ہندو بہت خوبصورت اور جوانی میں تھا۔ اسے شاہ کابل کہتے ہیں۔ ابھی ہم کھانے بیٹھے ہی تھے کہ شاہ کابل آ گئے۔ جب انہیں کھانا پیش کیا گیا تو مجھے ہم کو کھانے کا شرف بخشا۔ چند تھکے تامل کئے اور اس کے بعد میرا ذکر پڑ کر وہاں سے چل دیے۔ اس طرح ہم شہر کے باہر پہنچے اور ایک جگہ جا بیٹھے۔ صبر سے لے کر مات گئے تک ہم ایک دوسرے کی صحبت میں غمر رہے۔ صبح ہوئی تو شاہ صاحب کا پتہ نہیں تھا۔ بہت ناک چھانی کر وہ گھر گم گشتہ افترا آیا۔ اس ملاقات کے دو سال بعد ایک دن میں بند رہا ہی سے گزر رہا تھا۔ گری کا موسم تھا وہ آٹھ مہینے ریت چٹنی اور دھوئے تھے۔ مقرر لیج کر ایک روڑ کی چھٹی سی دکان میں میں سفر بنا دل۔ تھوڑی دیر بعد ایک شخص آکر دکان کے پاس کھڑا ہو گیا۔ روڑ گئے کہا اگر جیسا ہر ترچہ انتہا ہے گا۔ اس نے کہا نہیں یہ شخص ہمارے دوستوں میں ہے۔ میں نے کیا شاہ کابل ہے۔ فوراً آنکھ کی تحلیف جاتی رہی۔

اس ملاقات ثانی کے بعد بھی دو سال گزر گئے۔ اب میں نے تامل کی سرگرمی قبول کر لی تھی اور باپ دادا کے تتبع میں یہاں کا پیشہ اختیار کر لیا تھا۔ ایک دن سوارا پر دہلی کے بازار سے گزر رہا تھا۔ میں نے دیکھا کچھ لوگ مجھے دیکھ رہے ہیں۔ اتنے میں ایک شخص پروردہ کو گرا دیکھ کر ایک دیوانہ اس سوار کے پیچھے دوڑتا اور دہر کرتا ہوا آ رہا ہے۔ میں نے مڑ کر دیکھا شاہ کابل تھے۔ فوراً گھر سے اتر پڑا اور آپ کے قدموں میں سر سے دیا۔ آپ نے سینے سے لگایا۔ عرض کیا تجھ کو کس چیز میں تامل کی کوئی پہل بھٹ چکی ہے طبری تنہائی کے وقت میں اوو دکان میں نہیں گئے گا۔ آپ نے فرمایا ایسا ہی ہوگا۔ ہم ایسے افراد ہیں کہ ہمیں لہ کفر احمد۔ آج ہیں سال ہو گئے اسی سانحہ سے مست ہوں۔

چند دنوں سے اکبر آباد میں مقیم تھا۔ اکثر شاہ قاسم کی محبتیں ماننے متصور رہتی تھیں۔ ۱۰۸۳ھ میں ایک رات یہ خواب دیکھا کہ میں آنحضرت کی خدمت میں آیا باپ ہوں۔ میرے ہاتھ میں پانی کا پیالہ تھا میں نے چینا جا لیکیں احتراماً آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ مارا پیالہ پی گئے۔ دوسری رات یہ خواب دیکھا کہ شاہ صاحب ہاتھ میں پیالہ اور نبل میں مرا می لے کر تشریف لائے اور میرے حوالے کر دیا۔ میں نے پیالہ بھر کر پیش کیا تو فرمایا ہم اپنا حصہ گل پی چکے یہ تمہارا حصہ ہے۔ اس خواب کے بعد عرصہ تک میری چال میں متانہ فطرت رہی۔ تیسری رات یہ خواب دیکھا کہ نورانیوں کی محفل ہے جیسے ہی میں پہنچا لوگوں نے کہا اگر شاہ صاحب کی رحلت کی کوئی تاریخ ملے گی ہر قوم سراپا گوشش ہیں۔ فقیر نے فوراً یہ معرکہ پڑھا ۵

زبے یقینیات رفت نام صفت

لوگوں نے وجہ کیا اور کہا اتنی عمدہ تاریخ نہیں کسی جاسکتی۔ آخر اڑیسہ سے چند دوست آئے اور انہوں نے یہ واقعہ سنایا کہ انہی دنوں شاہ صاحب رحلت فرما گئے۔

ایک بار دہلی سے لاہور کے لیے کرناہی۔ باہر باب بے تسلی میرے پاس ایک ڈنگ خوردہ قلم تراش تھا۔ اسے ٹیک کر انے کے لیے سرائے نکود رہیں چند لوگوں کے پاس پہنچا۔ ہر ایک اس کی اصلاح کی طرف جھپٹا لیکن ایک استاد کی توجہ اور سچے زیادہ تھی۔ اس نے پوری تقسیم کے ساتھ میرے ہاتھ سے ہاتھ لیا اور بعض ابرو کے اشارہ سے اس کی خرابی دور کر دی۔ میں نے کچھ اتر

دینی ہائی تو حج کر لیا کہ ہم اس گوشہ میں بیٹھے نہ ہی رحمت کے منتظر رہتے ہی۔ میں نے دیکھا اس کی آواز اس عالم حرف و صورت سے کچھ  
نہیں تھی۔ اگر ایک لہر اور وہ میری طرف دیکھ لیتا تو میں ٹپک جاتا۔ نورائیں نے ہوش نہ ملا اور وہاں سے بھاگا۔  
مجرعہ کے مضافات اُکبر آباد میں ایک بار اہلی تھوڑا ہی دن تھا کہ مغرب کی طرف سے نور کے دو فوارے پھڑپھڑاتے تھے۔ جی اس کی  
تفتیش کے لیے چلا۔ جیسے جیسے قریب ہوتا گیا میرے بدن میں آگ سی لگتی گئی۔ جب راز فاش ہوا تو میں نے دیکھا کہ ایک صحن میں چھوٹے  
پتے ہیں اور ان میں ایک پری ہے۔ اسی کی ٹانگوں کی نشان گھر سے نکل رہی ہے۔ یہ دیکھ کر میرا پتہ پانی ہو گیا اور میں وہاں سے پلٹ گیا۔  
اس کے بعد تین بیٹھنے میں متراپی رہا لیکن بخار سے بدن چلتا رہتا۔

انوپ چند نام مسرور ایک مدت سے فخر کا آستانہ تھا۔ اکثر عرض کرتا کہ میری ایک تصویر بنائے لیکن میں ان لغزلی باتوں پر قیام  
نہیں دیتا تھا۔ ایک دن بہت ہی عاجزی کی اور آخر کار ایسی تصویر بنائی کہ میں بتنا بھی خود کرتا اپنے اور تصویر میں فرق نہ پاتا۔ اتفاقاً  
میں مجھے بیماری و حق ہون اور سات ماہ تک بستر پر پڑا۔ ایک دن ایک دوست اس کتاب کو جس میں تصویر تھی دیکھ رہا تھا اچانک  
بروٹا افسوس یہ تصویر خراب ہو گئی۔ شاید کسی بچے نے نم انداز میں پیسہ دیا اور اس کا رنگ جانا دیا۔ میں نے بھی دیکھا تصویر کا رنگ غائب تھا  
جب صحت ہوئی تو اس تصویر کو خال آیا۔ وہ کتاب نظر کر کے تو تصویر پھر سے نئی تھی گویا اہلی مسکرا پڑے گی۔ دیکھنے والے چلا پڑے  
ہو گیا ہے۔ فخر بھی ہوش کھو گیا۔ جب اتفاقاً ہوا تو میں نے تصویر پاک کر ڈالی۔

ابتدا میں چند محامات اپنے اثر سے مجھے مسرور رکھتے تھے۔ میری میمان کا ایسا جوش تھا کہ کز دروں کو طاقت دیتا تھا اور دیوانوں  
کی دیوانگی دور کرتا تھا۔ گرم فوجی تو کاغذ کے دو ٹکڑے دے دیتا لوگ محفوظ رہتے۔ جہاں کہیں جتے ہوتے تھے میرا زبانی سلام  
کے نظم سے پہلے کو کالی تھا۔ کسی مریض پر دم کر دیتا تو صحت پا جاتا اور اگر کسی غائب کے واسطے کوئی تصویر لکھ دیتا تو اسے مامیت  
بر جاتی تھی۔ چونکہ خدا کی ہر بانی مجھے شرمندہ نہیں دیکھنا چاہتی تھی اس لیے اگر کوئی مریض مرنے ہی والا ہوتا تو یا تو قلم تحریر کے لیے ہاتھ  
اور یا قلم تحریر کے واسطے میں لگ کر دیتا۔

شادی کے بعد جب دہلی میں قیام ہوا تو ایک کینز بخار سے بستر پر پڑ گئی اور ساری دوا خیمہ ہے اثر ثابت ہوئی۔ ایک صبح  
یہ خبر ملی کہ اس کی زندگی کی شمع جل ہو گئی ہے۔ نورائیں اس کے گھر پہنچا۔ لوگ بے اختیار رو رہے تھے۔ میں کینز کے پاس پہنچا اس کے  
جسم پر سے چادر ہٹائی اور جنوں میں ایک ٹٹا اس کے سینے پر مارا۔ اہلی دوسرا ٹٹا نہیں مارنے پایا تھا کہ کینز وہاں سے اچھل پڑی اور  
صحن میں جا گھڑی ہوئی۔ اس حادثہ سے آج تک ہشتیوں سال بونے وہ کینز زندہ ہے۔

دہلی کے ایک محکمہ میں ایک خوبصورت مکان تھا مگر والدینوں کا قیام تھا اتفاقاً مجھے اس مکان میں رہنا پڑا۔ دو مہینے کے  
بعد ایک شام چائے کو ہونے مکان کو گھیر لیا۔ مجھ پر انہوں نے کمان اٹھائی اور ایک کونشانہ بنایا۔ اہلی تیرنشا نے ہر قسم کی طاقت کا اس  
کے سارے کپڑے ہوا میں پھیل گئے اور ایک سر سے دوسرے سر سے تک آسمان پر کالی کیر ہو گئی اور پھر شرمندہ میں غائب ہو گئی۔ میں نے  
کمان ایک گوشہ میں رکھی اور غار کے لیے نیت باندھ دی۔ اچانک کسی چیز کے ٹٹنے کی آواز کمان میں آئی، دیکھا تو کمان کی کھلی دھڑکنے  
تھی اور اس کی تانت غائب تھی۔

اس مکان میں ایک درخت تھا جس پر چڑیوں کا جرم رہتا تھا۔ ایک دن میں نے ایک چڑیا کو غدارا۔ میں نے دیکھا چڑیا آہستہ  
تہ ذہین ہوا رہی ہے۔ خاص ہی دیر کے بعد وہ زمین پر گری۔ ایک کثیر اسے اٹھانے پہنچی۔ اٹھ آگے بڑھاتے ہی چڑیا اڑ گئی۔ اگلے روز  
برائی ہو کر چھوٹنے لگی۔ مدتوں حال اس کا علاج کرتے رہے مگر کوئی اثر نہ ہوا آخر کار فقیر کے ایک تعویذ سے وہ درست ہوئی۔ اس  
فد کے بعد ہندو محل میں وہ بار اس مکان میں قیام کرنا پڑا۔ اس علاقہ کے لوگ متفق تھے کہ اس واقعہ کے بعد اس محل میں جہاں کہیں  
ات کا اثر تھا معدوم ہو گیا۔

جس زمانے میں میں دہلی میں تھا رہتا تھا ایک رات بازار کی سیر کو نکلا۔ پچھتے وقت میں نے اپنے اندر عجیب تبدیلی محسوس کی یہاں  
نے دیکھا کہ میں غبار کی طرح زمین سے بلند ہو رہا ہوں۔ جتنا ہی نیچے آنے کی کوشش کرتا ہوں زمین سے اونچا ہو رہا ہوں۔ یہاں تک کہ  
مجھے دیکھنے سے مجھے ڈر لگنے لگا۔ جڑی شکل سے میں بازار سے ایک گلی میں پہنچا۔ ایک گھر میں دیکھا کہ ایک عورت چراغ کے سامنے بیٹھی کچھ  
ی رہی ہے۔ ایک بچہ کو میں نے گھر کے اندر بھیجا تاکہ حقیقت حال سے مجھے آگاہ کرے۔ اس نے جو کچھ بتایا اس میں بڑی فرق نہ تھا۔  
ایک بار اکبر آباد میں بھوک کی وجہ سے میں کافی بے طاقت ہو رہا تھا۔ اچانک میں بازار کی سیر کو چل پڑا۔ میں اپنا اٹلاس ہر شخص  
سے چھپا رہا تھا لیکن دھن سے میں محتاج نہیں لگتا تھا۔ بوٹے ہوئے میں ہمارے دروازے کے قریب پہنچا تو پاؤں ٹکڑھا گیا اور میں بیچر گیا۔  
فوراً یہ شرم و انگیزہ ہوئی کہ کوئی میرے حال کی تفتیش نہ کرے۔ چنانچہ استہلا کے بدلے دہلی سے اٹھا اور دھواں تلاش کرنے لگا۔ میرے اٹھانے  
میں ایک سنگینہ آگیا، دیکھا تو دربار کی کاسکتہ تھا جس کی قیمت اس وقت پانچ لکھی تھی۔ بارے یہ فیسی مدت تک میرے لیے  
سرمایہ قیامت رہی۔

جس سال شاہ شجاع نے باپ کی بیماری کی خبر محسوس کر دہلی کی طرف شکر کشی کی۔ تربت کی تسمیر کے لیے مرزا قلندر کے رشتہ دار مرزا  
عبدالمصطفیٰ کو تسمیہ کیا تھا۔ اتفاق سے فقیر مرزا کے ساتھ تھا۔ جب جاسوس یہ خبر لائے کہ اورنگ زیب نے شوکت و شہنشاہی ختم کر دی  
تو لوگ ہڈیاں جوڑنے۔ آخر کار مرزا میں شکار کے بہانے نکل گھرے ہوئے۔ دس روز میں ہم پہنچے۔ ایک دن چاند چور کی طرف تہ  
رہے تھے کہ سامنے ایک ٹیلہ نظر آیا۔ فقیر مرست خاں اور مبارز خاں کی معیت میں اس کی تفتیش کے لیے چلا۔ ہم ایک ٹی کے عالم  
کے پاس پہنچے۔ احاطہ میں قلعہ کے کنارے ایک دو جگہ تھا۔ ادھر ادھر دیکھا تو ایک سوراخ سے دھواں نکلتا نظر آیا۔ دہاں پہنچ کر  
دیکھا کہ زمین روز ایک چھوٹا سا جھڑ ہے اور اس میں فرش پر ایک ہی زاد بیٹھا ہے۔ اس کے سامنے آگ مل رہی ہے اور وہ تھپتھپانے  
میں مشغول ہے۔ ہر چند میں نے اس کے حال کا استفسار کیا اس نے توجہ نہ کی۔ آخر جب حد سے زیادہ اصرار کیا تو یہ شعر پڑھا

مالا اور طلب رومی نکو در بدر آیم رومی بنا و خلاصم کن ازیں و در بدری

اس کے بعد وہ دہاں سے اٹھ کر اس دو جگہ میں آگ بیٹھا۔ ہم لوگ پیچھے پیچھے آئے۔ صبح تک وہ وہی شعر پڑھتا رہا اور ہمیں ہر شے کرتا رہا۔  
یہاں تک کہ ہم بے پروا ہو گئے۔ جب صبح کی روشنی ہوئی تو ان تمام باتوں کا کوئی نشان نہیں تھا۔

ادھر مرزا عبدالمصطفیٰ کو یہ یقین ہو گیا کہ ہم لوگ بیاباں مرگ ہو گئے۔ اس نے آدھی سیچے ایک دن کی تلاش کے بعد وہ لوگ ہم تک پہنچے  
اور ہمیں دہاں لائے۔ ہمیں کچھ نہ تھا کہ ہم کدھر جا رہے ہیں۔ جب قافلہ میں ہم پہنچے تو دوست اسباب غیبت ہمیں کے پیچھے ڈرے لیکن ہم سے جو



میں نے اس شخص کو دیکھا تھا۔ اس شخص نے کہا کہ اس شخص کی کوئی چیز نہیں تھی۔  
 ۱۰۷۰ء میں مرزا قندھار کے سفر پر گئے کرمان قصہ مسمیٰ میں جو پٹنہ سے ہیں کوس کے قافلہ پر پہنچے۔ ان کے ایک دوست  
 سے قصہ میں جانا تھا۔ ایک خادم کے ساتھ پیدل چلے گئے۔ چونکہ کچھ پیدل چلنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا اس لیے پہلے دن ہی ان میں چھانٹے  
 پٹنہ گئے۔ رات میں ان کے سرانے جہاں پر ہیں، صبح کو کرایہ کی ساری کرنی چاہی مگر راستہ کے فقرہ سے کرایہ دینے سے باز رہے۔ آخر کار ان کا  
 پہنچنے کے لیے چلے گئے۔ دوپہر کے وقت گری اتنی زیادہ ہوئی کہ ایک درخت کے نیچے آرام کرنے لگے۔ ایک کامیابی میں آوازاں۔ سواٹھ  
 دیکھا کہ ایک شخص بوڑھا گھوڑی پر سوار چلا آ رہا ہے۔ اس نے نزدیک پہنچ کر سلام کیا اور کہا کہ میرا نام جان محمد ہے۔ میں خواجہ شاہ محمد کا ذکر  
 ہوں جو مسمیٰ میں مرزا قندھار کے ہندو ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد گھوڑی بٹنی کی اور سوار چلے گئے۔ ان کے ساتھ جو سوار سوار ہوا اور بوڑھا آگے آگے  
 چل پڑا۔ جب ہم مسمیٰ پہنچے تو وہ خواجہ شاہ محمد کے دروازہ پر کھڑا تھا۔ میں نے شکریہ ادا کیا اور گھر کی ماہی۔ اگلے روز جب خواجہ صاحب کے  
 لڑکے خیر سے ملے آئے تو میں نے ہوشہ کی تقریب کی۔ انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ اس نام کا ان کے گھر کوئی ذکر نہیں ہے۔

جس زمانے میں مالگیر بادشاہ دکن کی تفریح میں گئے ہوتے تھے اور ہندوستان پر پٹنہ کی بجلی چک رہی تھی، اس شخص کے اکثر ملنے غلام  
 کی زہدیت تھی۔ خیر پیدل ہی اپنی بے دست و پاں سے تشریف لے گئے۔ آخر ۱۰۹۶ء میں وہ خیال کیا کہ جیسے بھی ہر دلی جانا ہے۔ چند پیدل کراہ  
 ہر دلی اور دہلی روانہ ہوا۔ اعظم آباد پہنچ کر لوگوں نے منہ کیا کہ میری رزق کے سفر کرنا مناسب نہیں۔ فقیر نے فیج حوزیت مناسب نہیں بھی  
 اور سفر جاری رکھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک خیراتہ میں طویل کا پتھر لے کر دروازہ اور صدا دی کہ اقبال ہمارا ہم سفر ہے۔ شیر گڑھ میں رات بسر  
 کی۔ اگلے صبح بھلوانوں نے فریاد کی کہ جلد تیاری کرو ورنہ قافلہ کو کھڑا کر جائے گا۔ اسی وقت ہم تیار ہوئے۔ یہ بھلوان درحقیقت قریب کے رہات  
 کے قزاقوں سے ملے ہوئے تھے۔ جب ہم رہات میں پہنچے تو ایک نسخ سوار کو میں نے دیکھا کہ گاؤں کے گرد سے ہماری طرف آیا جب ہمارے  
 نزدیک پہنچا تو بھلوانوں پر چلتا کہ اسے بڑھتا ہوں کس چیز نے اندھا کیا ہے کہ تم خدا کے محبوب بندوں کے ساتھ بے ادبی کرتے ہو۔ انہوں نے  
 عرض کی کہ ڈاکوؤں نے کا خیال میں یہاں تک آیا۔ سوار نے غلام کوڑی اور ساتھ لے آئے کہ کہا۔ تھوڑی دیر میں ہم قافلہ میں تھے اور اس طرح  
 جاکت کے بھڑ سے نجات پائی۔

۱۰۸۱ء میں ایک رات اکبر آباد میں میں نے خواب میں ایک شخص کو دیکھا جو میرے سر پر بیٹھا ہے۔ جب فوراً کھڑا ہوا تو معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ  
 علیہ وسلم ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد دوسرے عالم میں پہنچا۔ سروش فیضی آواز دی کہ علی رضی اللہ عنہ۔ آپ نے خطاب فرمایا قریب آؤ۔ میں آپ کے  
 سایہ میں پہنچا تو قریب کہ کیا کریرا دانا پہلو آپ کے بائیں پہلو سے فرق نہ رہا۔ عرض کیا آج رات میں نے رسول خدا کو خواب میں دیکھا کہ میرا  
 سر نیچا رکھا ہے۔ اس کی تفسیر کا خیال مجھے نہ تھا کہ میں نے کہا ہے کہ تفسیر یہ ہے کہ حقیقت تو یہ ہے کہ  
 ہر وقت تیرے حال پر سایہ لگے ہوگی اور باطنی نیت تربیت کا داعی بھی تیرے سر سے نہیں اٹھائے گا۔

(مخلص نور الحسن انصاری)

## سراج الدین علی خاں آرزو

فیہ سراج الدین علی خاں آرزو والد کی طرف سے حضرت شیخ نصیر الدین مشور بہ چراغ دہلی کے بجائے کا پوتا اور ماں کی جانب سے شیخ محمد غوث گویا ریں کی اولاد میں ہے۔ ۱۰۹۹ ہجری میں پیدا ہوا۔ والد مرحوم شیخ مسام الدین نے لفظ 'نزل غیب' سے تاریخ ولادت برآمد کی۔ کتب گشت و بوستان و ہند نامہ شیخ سعدی و نام حق جو پانچ چھ سال کی عمر میں پڑھی تھیں، ان کے سوا کوئی خارجی کی کتاب نہیں پڑھی اور چودہ سال کی عمر تک علوم عربیہ کے حاصل کرنے میں مشغول رہا۔ اس کے سوا یہ کہ والد مرحوم جس زمانے میں لشکر عالمگیر سے نکل کر گواہی میں آئے تو راتوں کو ستارہ نین کے سود و سوا اشاریاد کر دیتے تھے وہی میری شاعری کا سرمایہ ہو گیا۔ چودہ سال کی عمر میں مجھے شاعری کا چمکا پیدا ہوا اور شہر تھرا میں، جو خاک قیامت خیز و سرزمین شورا انگیز ہے، جنوں شعر میرے سر پہ سوار ہوا۔ کچھ عرصے بعد جب گواہیار کو واپس ہوا تو دو تین مہینے تک میرے جدا لکھتے تھے کی خدمت میں، جو دہاں لکھتے تھے، ان کی خدمت پر مامور تھے، میں نے اپنا شمار اصلاح کے لیے پیش کئے۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ میرے مرحوم گواہیار سے اکبر آباد تشریف لے گئے اور فقیر ایک مدت تک بے کسی و تنہائی کا رشتہ رہا۔ اتفاقاً میر غلام علی اسی کی صحبت میں آ گئی۔ کچھ دن تک ان کی خدمت میں کسب شعر کیا اور کچھ پڑھنا بھی رہا۔ پھر دکن کی سمت جانے کا اتفاق پیش آیا۔ ابھی پہنچا نہیں تھا جو لشکر میں بادشاہ غفران پناہ عالمگیر کی وفات کا حادثہ پیش آ گیا۔ وہاں سے پھر گواہیار کی طرف واپس آیا جو میری خیالی تھی۔ پھر ایک تقریب سے اکبر آباد آنا ہوا جو میرا مولد ہے۔ یہاں پانچ سال تک عربی کی کتب متداولہ مولانا شیخ محمد الدین المشرب مددش محمد قدس سرہ سے پڑھیں، اس زمانے میں مشقی شعر بھی کرتا رہا۔ انہی دنوں اکثر اراں مزدوں مثلاً شیخ گلشن، میرزا حاتم، بیگ حاتم، بیباں حضرت اللہ کامل و محمد تقیم آباد و میاں علی عظیم خٹک الصدق میاں ناصر علی اور دوسرے صلاد و وار د سے ملنے اتفاق ہوا۔ یہاں تک کہ فرخ میر کے ابتدائی زمانے میں نوکری کی تقریب سے شاہ جہاں آباد پہنچا اور خدمات گواہیار سے ختم ایک خدمت پر عین ہوا۔ اس طرح چھ سال پھر وطن میں بسر ہوئے۔ اس زمانے میں شعر کہنے کا موقع بہت کم ملا۔ پھر سادات بارہہ کے تسلط کے زمانے میں فقیر کی یہ ملازمت بدل گئی اور فقیر دوبارہ بادشاہی لشکر میں شامل ہو کر، جو نیکو سیر کا ہنگامہ فرو کرنے کے لیے تیار ہوا تھا، اکبر آباد پہنچا۔ یہاں سے سوا علی نوری گواہیار کی خدمت پر مامور ہوا، اس کو دو مہینے ہوئے تھے کہ سادات بارہہ کا ستارہ گردش میں آ گیا اور فقیر بھی اپنی خدمت سے معزول کر دیا گیا اور دارالافتادہ شاہ جہاں آباد آ گیا۔ اسے تقریباً تیس سال ہوئے، تب سے یہیں رہتا ہوں۔ جو کچھ بڑا جھگڑا ہے وہ بزرگوں کی نظر سے گزرتا ہوتا ہوں، خدا اسے 'گلگونہ آرزو' بخشے۔ فقیر آئندہ کی تعینات حسب ذیل ہیں:-

۱۱) دیہان غزل و قصائد۔ تقریباً ۲۵ ہزار بیت

(۲) ٹنوی کو دو بلبلوں دو جام زلالی مسی بہ صن و شق۔ چار ہزار بیت۔

(۳) ساقی ہجر۔ مسی بہ عالم آب

(۴) ٹنوی دیگر۔ دو بحر غیر شاعرانہ میں یہ شعر ہیں:

آدم گل باغ است جہاں شیطان باشد نامردان  
راست بر است رقم کردم شاخ سہد و رقم کردم

(۵) ٹنوی جوش و خروش۔

(۶) ٹنوی دیگر۔ دو بحر حدیقہ حکیم سنائی (یہ ابھی ناقص ہے)

ان کے علاوہ رباعیات، غزلیات، ترکیب بند، ترجیع بند، مقطعات تواریخ اور رقصات مسمی بہ پیام شوق اور نثر مانے تفرقہ تقریباً پانچ ہزار سطریں۔ اور فن معانی و بیان میں دو رسالے، جو فارسی زبان میں ابھی تک کسی نے نہیں لکھے تھے۔ ان میں روایات فارسی سے نقل کر بھی پیش کی ہیں اور

(۷) فرہنگ سراج اللغۃ۔ تقریباً ۴۰ ہزار سطریں۔ ۸۱ شرح گلستان۔

(۹) شرح سکندر نامہ۔ (۱۰) شرح قصائد عربی شیرازی۔

اور کچھ ناقص ٹنویاں بھی ہیں۔ یہ اس عالم میں ہے کہ فقیر کی عمر ۴۴ سال ہو چکی ہے۔ اگر اس کے بعد بھی زندگی باقی رہی اور فرصت ملی تو اور بھی لکھوں گا اور کہوں گا۔ اس وقت کسی استاد کا یہ شعر یاد آگیا۔ ٹنوی سی تبدیلی کے بعد اسے اپنے موافق حال بنا کر لکھتا ہوں:

گر بانیم زندہ می گوئیم شعر کز دے دلم ہلاک شدہ  
در خانیم عذرا با پسندیر لے بسا آرزو کہ خاک شدہ

خدا آگاہ اور انصاف گراہ ہے کہ فقیر آرزو چودہ سال کی عمر سے مشق شعر کر رہا ہے اور اب تک بھی اپنے اور پرستاروں میں ہے، جتنی چھان بین اور غور و فکر برتنی جاتی ہے، سوائے اپنی نارسائی طبع اور قصور ذہن کے کچھ بھی نہیں آتا، ہر چند میرے نظم و نثر کے مسودات اور شرح و فرہنگ وغیرہ کی کتابیں تقریباً ایک لاکھ سطریں (بیت مکتوبی) پر لکھی ہوں گی، لیکن بخدا یہ اس لیے نہیں ہیں کہ کچھ دانشور اسے پڑھ کر داد دیں:

ما شق دیوانہ از تمسین و نفسریں فارغ است

لیکن یہ مجھ میں نہیں آتا کہ ایسی کوئی چیز ہو جو خود اپنی طبع کو پسند آجائے۔ یہ شعر ہے ساختہ زبان قلم پر جاری ہو گیا:

چون شمع تمام تن مرق از شرمیم مارا چہ زبان ہے زبانی دلوں

فقیر آرزو طبع میر محمد فرخ سیر بادشاہ کے اوائل میں دار الخلافہ شاہجہاں آباد نوکری کی تلاش میں آیا تھا۔ اس وقت سن گزنی کا آفتاب نصف النہار پر تھا اور بزرگان سخن کے فہم و محبت سے مستفید ہوتا تھا۔ ایک دن میر افضل سرخوش کی ملاقات ہو گیا۔ وہ مرد

عزیز اس وقت میثاق سے محروم ہو چکا تھا، اودان کا ایک لڑکا تھا جس کا نام فضل اللہ تھا، اُسے بیاض دی کہ اپنے پدر بزرگوار کا کلام  
بُھد کر سناٹے۔ میں نے کہا شاید اسی لیے بیٹے کو "نور چشم" کہتے ہیں۔ اپنے اشعار سنانے کے بعد انھوں نے فقیر سے درخواست کی۔  
میں اس وقت فوجیان تھا، عرض کیا کہ کم مشقی کے باوجود بندگان کی خدمت میں کلام سنانا دشواری ہے۔ اس عزیز نے بہت اصرار کیا۔ ناچار  
فقیر نے ایک نزل سنائی جس میں ایک شعر یہ تھا۔

افاد گیت مایہ نشو و نما سے من

نظم چو گرد باد ز خاک آب می خورد

اس شعر سے بہت ہی زیادہ لطف اندوز ہوئے، میرے سر پر اور چپانی پر برس دیا اور کہنے لگے، میں ایک مدت سے شہر میں رہتا ہوں  
لیکن نو آمدگان شہر میں ایسا صاحب بیع میں نے نہیں دیکھا۔ پھر میں نے یہ رباعی پڑھی جو رخصت میں کہی تھی:۔

اے احمد مرسل اے امیر لوہاک

برگرد سر کو سے تو گرد و افلاک

مظہور خدا بود ز بس رخصت تو

برداشتہ است سایہ ات را از خاک

اس پر تو پھلک گئے۔ جب فقیران کی خدمت سے رخصت ہوا تو وہ مرد بزرگ اسی حالت میں اپنے قدیم دوست محمد حسین خاں تاجی کے  
پاس گئے اور یہ اشعار انھیں سنائے انھوں نے بھی اس ناکارہ کی بہت تعریف کی اور کہا کہ میں نے اپنی ساری عمر میں ایسا "بلند تلاش"  
جو ان نہیں دیکھا۔ خدا ان کی مغفرت کرے۔

میں نے یہ سطر یہ ۱۵ مفر ۱۱۵۰ء وفاق ۱۲۵۰ء جلوس محمد شاہی میں لکھی ہیں۔



## مولوی کریم الدین

کریم الدین مولانا تذکرہ غامینی لطقات شہر نے اردو نام نہاد لاکریم الدین اللہ والا بدو گورنمنٹ سراج علیہ ساکن پانی پت جو شاہجہان آباد کے چالیس کوس پر شمال کی جانب مال مغرب واقع ہے۔ کچھ کتری کے بعد گورنمنٹ پبلیک ہائیٹ جو گنگا پارہ ہے وہاں کی پیدائش کہتے تھے انھوں نے کٹر لاد کی سیاسی کی پانی پت میں مائیکر تھم ہوئے جو کہ بادشاہی جاگیر کی آمدنی کہتے تھے وہر سبشت سے بے فکر تھے مکن کی سیاسی کرتے دیتے تھے۔ جب میرے قدامت سراج علیہ پانی پت میں پیدا ہوئے انھوں نے بھی اقامت پانی پت میں اختیار کی۔ نادر شاہ کے وقت میں جارا بہت اسباب اسفلٹ کر برباد ہو گیا تھا اور اس وقت سے پھر اسلوب گھراؤ دست نہ ہوا۔ دادا صاحب نے شرق زہد و تقویٰ لاکر کے سبب شہر کی اختیار کی جس میں ایک صاحب جو کاندل ایک انگریز واسطے بندوبست ملک مفتوحہ ہندوستان کے آکر انتظام جاگیر ات لاکر گیا داد پانی پت ہوا۔ سب مکیوں نے فرماں بادشاہی دیکر کھیتیں مانگڈاشت کر دیں میرے دادا اگر جب بٹیاں و بسبب دور و دور تقویٰ اور بسبب اس کے کہ وہ بے پروا تھے اور ایک یہی تھا کہ کچھ جنری مکیوں کو ہر گیا تھا۔ ایک صاحب کے پاس دے گئے اس نے جاگیر دے کر ضبط کر لیا۔ ان ایام میں قدامت میرے کچھ ہوش نہ رکھتے تھے جب وہ ضبط ہو گئی کوئی صورت آمدنی اور خرچ کی مشورہ نہ ہوتی۔ جو کچھ زیادہ اسباب گھر میں تھا وہ بیچ کر کیا کہتے اور وہ اصحاب نے سہریں بیچ کر توکل اختیار کیا۔ قدامت صاحب کو بھی کتب مرید پڑھا کر سہریشی کی تعلیم دینا چاہتے تھے۔ ان کے انتقال کے میرے قدامت میری سہریشی رہے۔ مائیکس پانی پت ان کی خدمت خرچ کے مرانی کر دیتے تھے وہ سہریں ناز و حادیا کرتے تھے یا چند لاکھوں کو تعلیم کے اپنا گناہ ان کی آمدنی سے کرتے تھے یہی نے جب ہوش منہ ہوا اور سہریشی کو پہچان لیں ان نے فادری کی دھار کتابیں عربی کی پڑھنی شروع کیں۔ علم صرفہ غور پانی پت میں پڑھ کر شاہجہان آباد میں آیا اس جگہ پھر کر صرفہ وغیرہ ملحقہ و غرضہ طلب اور فائدہ اور اصول اور کچھ حدیث تفصیل کی۔ اسی ایام میں اپنے ہاتھ سے کتابت کرتا اس کی ضروری پڑھان کرتا تھا یہاں تک کہ وہ میرا مشورہ کے جناب مستطاب صاحب سید سلیمان گورنمنٹ نے بندوبست حد سہریشی کا بخوبی کیا اور میرے طالب علم کا شکر کے اس میں دل سے تفصیل کے رکھے گئے چنانچہ میں بھی اقلہ ہر کس کی عمر اس میں داخل ہوا۔ میری عمر تھوڑی رہی تھی۔ اس جگہ میں علم منطق اور فلسفہ اور ہندو۔ اصحاب اور ہیئت اور ریاضی اور مناظر اور لہجہ اور جو مقابلہ اور کتب تاریخ اور علم ادب عربی زبان میں اور علم فقر و غنا بعد ازاں جب کتب انگریزی لایو جو مولانا بلان میں سہریشی اردو نے کروا کے چھپا کر شہر کا شہرہ کر دیا۔ میں نے بھی ایک کتاب کو جو ترجمہ انگریزی سے اردو میں عربی شہریشی نام پر عربی اور عربی کے دیکھ کر یہ الزام کر لیا کہ جو ترجمہ سہریشی کو داتی ہے میں بالخصوص اس کو تمام پڑھ کر لیا جو مولانا بلان صاحب پرنس حد سہریشی کے علم سے قاضی دیوانہ اور احمدی اور اصل قاضی اور راجیل کو کوئی سیاست عربی اور علم ریاضی انگریزی یہ سب تفصیل کیا۔ بعد ازاں حد سہریشی اس تفصیل کے اسی شہریشی میں نے اپنا نفاذ کیا اور اس جگہ وہنا اختیار کیا اور ایک چھاپہ خانہ واسطے چھپانے شروع کر کے بنایا۔ میرا یہ لہجہ تھا

کہ اکثر خفیہ کی کتابیں برہمنوں میں تھیں اور جو کہ ان کے ادب و بہت حل میں اس کا تعلق کر کے اس طبع میں چھپوا کر دیں اور اگرچہ کہ کچھ نفع نہ ہو تو محروک کچھ منافع ہیں۔ ہم چند ستانوں کو جو کلام سے بے بہرہ ہیں اس کی قیمت پہلے کتابیں بیچ کر کلام اور کتب غیر ششہ کو مشہور کروں گا اس ارادہ کو توڑنے والے ہی جیسا کہ ہم نے پہلے دیکھا تھا ہمارے اس طبع میں میرے شریک جو کہ مجھ سے فریب کر کے وہ طبع لکھیں یا ہر چند کہ میں نے یہ سہا لیا تھا کہ اگر میں دعویٰ کروں گا حاکم بے شک میرا انصاف کہ لکھیں بے شک واقع ہوئے چند صدیوں کے اب تک وہ امدادہ پورا نہ تھا لہذا میری کیا اتفاقاً تو مجھ سے انہی آیات میں یہ تھا کہ بے شک خدا انی اللہ جلانی کے ڈاکٹر اسپنجر صاحب پرنسپل مدرسہ دہلی نے جو کہ سیکریٹری سوسائٹی اردو کہے ہیں باوجود اس کے کہ وہ میری اس حالت تنگ سے غبر نہ رکھتے تھے جنایت لڑا کر مجھ کو کام تر کر کے لایا میں نے جو جب حکم ڈاکٹر صاحب ممدوح کے کئی کتابیں ترجمہ کیں جن کا حال مفصل لکھا ہوں اللہ شوق اشعار اُردو کے کاظمی صاحب نے اس طبع میں سے کچھ شعر لکھا میں براہمانا ہوں کہ یہ کہ اہل علم کا یہ پیشہ نہیں ہے۔ وہ لوگ جو حقیقت سے خارج اہمال ہیں اپنے دل پہلے اور صورت نکالنے انھوں نے یہ طور اختیار کر لیا ہے۔

تالیفات سے میری یہ کتابیں ہیں۔

### تعلیم النساء

یہ کتاب اردو میں آخر تعلیموں پر مشتمل ہے۔ تعلیم اہل خدا اللہ رسول کی شناخت میں تعلیم دوم فرائض مذہبی اور اسلام کی حقیقت کے بیان میں۔ تعلیم سوم مسائل جیسی اور لغات کے بیان میں۔ تعلیم چارم نسوجات مجرب اور تدابیر حفظ صحت بدن کی میں۔ تعلیم پنجم رسوم باطلہ کے رد اور شرک کے بیان میں۔ تعلیم ششم حقوق عورت پر شوہر کے اور شوہر پر عورت کے بیان میں۔ تعلیم ہفتم بندہ بست خاگی اور انتظام خانہ اور نوکروں سے جو شیاری اور اہوال کی دیانت داری میں۔ تعلیم ہشتم دلائل عقل اور نقل اور استدلال اور زنا اور چوٹی اور افلام اور غیر محرم سے ہم کلام ہونے میں۔

### گلستان ہند

گلشن اہل میں لطافت و ذرا لطف۔ گلشن دوم میں حکایات عجیبہ اور قصص غریبہ۔ گلشن سوم میں انقیات ہندی۔ گلشن چارم میں ضرب المثلات ہند۔ گلشن پنجم میں عشق کے فسانے۔ گلشن ششم میں محبتوں کے طعنے لگائے۔ گلشن ہفتم علم و منطق کی باتیں اور پیوند پسند اور نصاب علماء کی۔ گلشن ہشتم میں اشعار مختصر قابل یادداشت اور مختار کرنے کے اُردو زبان میں یہ کتاب بہت اچھی تیار ہوئی ہے۔

### مذکرہ شعرائے ہند

یہ کتاب جو تالیف کی گئی جو جب حکم ڈاکٹر اسپنجر صاحب پرنسپل مدرسہ دہلی کے۔

### گلدستہ نازنیناں

یہ مجرمہ اشعار ساتھ اردو گوشتوں ہندستان کا ہے میں نے جمع کر کے اور شعر فقہ کے ساتھ جاری میں چھپوایا ہے اُس نے

بہت جانے اُستاد پایا ہے۔

### مجماعۃ الصلوات

یہ ایک سالہ عرض کا زبان اُردو میں میں نے تالیف کیا ہے اور ساتھ میں چھپ کر مشہور کیا اس سالہ کو بہت خواہش سے

اکثر شراونے یا ہے۔

### رسالہ فرائض

یہ ایک رسالہ علم فرائض کا زبان اردو میں بہت مختصر یاں خیال کہ ہر ایک ہندوستانی جان کو علم میراث ہر جامہ کے کی مکمل تر جانے  
اور ان کے عدالتوں میں ہوتے ہیں اور ہندوستانی اپنے حقوق سے واقفیت نہیں رکھتے۔ ۵۰۰ جلد ۳۳ جری میں چھپا کر  
مشہور کی۔

### روضہ الاجرام

یہ ایک کتاب اردو میں علم ریاضی میں تفصیل ثابت کی ہے کہ اس کے اول میں حساب اور چرنی پائش پھر الجبر  
پھر ہینٹ پھر جبر الیہ سب کا بیان مترتب اس میں کھالیا ہے اور مقرب ہے۔

### فرائد الدھر

یہ ایک تذکرہ زبان عربی میں تراجم عرب کا میں نے لکھا ہے اس کو تیرہ صدیوں پر مرتب کیا ہے ہر ایک صدی کے شاعر کو اسی صدی میں لکھا  
ہے جس میں دہم اور ہم ایک شاعر کا حال معالی پیدائش اور نسب اور احوال اور تاریخ وفات کے لکھا ہے کسی کی تاریخ نہیں چھڑی یہ بہت  
بڑا تیار ہوا ہے۔

### تذکرۃ الفسار

یہ ایک تذکرہ محدثوں کا میں نے لکھا ہے اس میں یہ القوام کیا ہے کہ جو موت اور کسی فیہ پاسے یا انگریزوں کے کھانے یا انگریزوں نے  
سلطنت مستطد کی عرب میں یا فارس یا ہندوستان میں یا یورپ میں یا تمام ایشیا میں کسی جلتے یا افریقہ میں ہوئی ہے۔ میں نے حتی المقدس میں  
چھڑی اس میں فقہاء و محدثوں کا ہی تذکرہ ہے کسی مرد کا حال نہیں ہے۔  
اب تک وہ معرض ثابت میں ہے تیار نہیں ہوا اردو زبان میں لکھا ہے۔

### ترجمہ البر الوفا

یہ ایک تاریخ البر الوفا اسماعیل پادشاہ ملک حمایت کی تصنیف سے عربی زبان میں جسے بموجب حکم ڈاکٹر انجمن صاحب کے زبان اردو  
میں اس کا ترجمہ جری میں اس طرح پر تیار کیا کہ اصل میں اس کتاب کی چھ جلدیں ہیں پانچ جلدوں کا بدین تفصیل کا اول اور دوسری اور چوتھی  
اور پانچویں جلدیں کا میں نے ترجمہ تیسری کا بسبب جلدی کے کوئی نمونہ میر سے صاحب ہمارے کر دیا ہے بعد چھپنے کے اس کو دو جلدوں میں  
منقسم کیا ہے تین جلدیں اصل کی اول جلد میں اور تین جلدیں اصل کی دوسری جلد میں، درمیان ۱۲۹۴ھ کے وہ چھپ گئی ہیں اس تاریخ میں  
حال ابتداء دینا ہے ۱۲۹۴ھ تک لکھا گیا ہے۔ اردو میں میں نے اس کا ترجمہ کیا ہے۔

### تاریخ شغلے عرب

یہ کتاب تاریخ شراونے عرب کی عرب تیرہ صدیوں پر اس تذکرہ کو لکھ اپنے سے من لکھم فرائد الہر لکھا ہے اردو زبان میں بموجب حکم  
یکڑی سوامی کے میں نے ترجمہ کر کے ۱۲۹۴ جری میں چھپایا ہے باضس کشتہ ۱۸ میں وہ چھپ کر تیار ہوگا۔

### معطی الحلی

یہ ایک کتاب عربی زبان میں ہے اس میں وہ نکات جو قابل یاد رکھنے کے ہیں اردو قصبہ جو عربی مطالب میں کام آتے ہیں یا کچھ کسی عربی مسئلہ کی وضاحت دیا ہے اور کلیات عجیب و غریب کے اس میں لکھے ہیں۔

### ترجمہ کتاب ڈاکٹری

یہ ایک ترجمہ زبان اردو میں عربی سے میں نے کیا ہے اصل میں وہ ترجمہ عربی پر حب حکم دالی معرکہ علی شام کے فرخ زبان سے تیار کیا ۱۲۵۰ ہجری میں چھپا تھا میں نے اس کو اردو میں درمیان کوہستان کوہ منصور دی پر جا کر ترجمہ ۱۲۵۰ء میں کیا۔ پیدائش میری ماہ جد النضر ۱۲۳۳ھ مطابق ۱۸۴۱ء و تندرست حکیم روز عبد وقت غلامی بلوہ پانی پت میں افغانوں کے ملازمین مشعل سہد شکر خاں کے ہوئی۔ اب میری عمر چھبیس برس کی دویان ۱۲۵۰ء کے ہے۔

(طبقات شعرائے ہند مولوی کریم الدین پانی پتی۔ مطبوعہ دہلی ۱۲۵۰ء و مطبوعہ ۴۸ تا ۴۲ تا ۴۱)

۱۲۵۵ء و یک جو کتابیں مولوی کریم الدین نے لکھیں۔ ان کا بیان انھوں نے خود کر دیا ہے اس کے بعد جو کتابیں نالیت کیں ان میں سے

بعض کے نام یہ ہیں۔

تاریخ آگرہ، فتحات اردو (نصاب کلمتہ نوید سٹی)، تسہیل القواعد، انشاء اردو، پند سود مند، دیوان سعدی مع سوانح عمری، انتخاب

دیوبند حافظ خدا صفا، خط تقدیر، مفتاح الارض، واقعات ہند وغیرہ

مولوی کریم الدین کی سب سے زیادہ مشہور کتاب کریم اللغات ہے۔ یہ فارسی کی کتاب ہے جس میں الفاظ کے معنی اردو میں دیئے گئے

ہیں۔ یہ کتاب فارسی کے علماء کے بے نہایت موزوں تھی اس لیے اس کے بہت سے ایڈیشن بار بار چھپے۔

۱۲۶۹ء میں مولوی کریم الدین کا انتقال ہو گیا۔ (محمد اسماعیل پانی پتی)





# مرزا اسد اللہ خاں غالب

پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے کئی بتاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

خاندان

میں اسد اللہ خاں صرف مرزا نوشتہ غالب تخلص تو کم کا ترک بلوٹی ہوں۔ سلطان برکیا بدقی بلوٹی کی اولاد میں سے میرا پرچم  
مرزا سرخرو ہند میں نہیں، سرخند میں دو چار یا دشت تپاق میں سود و سوسوں گے مگر ان قرباے سببی ہیں :

غالب از خاک پاک تو را نیم لاجرم در نسب فرہ منیدیم  
نرگ نادیم و در نژاد ہی بہ شرفان قوم پیوندیم  
ایکیم از جماعت اتراک در تمامی زمانہ وہ چندیم

میرا دادا اتقان بیگ خاں ماوراء النہر سے شاہ عالم کے وقت سرحد سے ہندوستان میں آیا۔ سلطنت ضعیف ہوئی تھی  
صرف پچاس گھوڑے، نقارہ نشان سے شاہ عالم کا نوکر ہوا۔ ایک پرگنہ پھاسو، جواب سرحد بیگم کو سرکار سے ملا تھا، میرزا مال  
ذات کی خواہ اور رسالے کی خواہ میں پایا۔ بعد ازاں اس کے جو طوائف الملوک کا جنگلہ گرم قلعہ علاقہ نہرا۔ باب میسر  
عبد اللہ بیگ خاں بناوردی کی ریاست چھوڑ کر اکبر آباد میں جا رہا، لکھنؤ جا کر آصف اللہ کو نوکر رہا۔ بعد چند روز حیدر آباد جا کر نوا  
نظام علی خاں کا نوکر ہوا۔ تین سو سوار کی محبت سے ملازم رہا۔ کئی برس وہاں رہا۔ وہ نوکری ایک خانہ جنگی کے کھیرے میں ماتی رہی  
والد نے تھہرا کر اور کا قصد کیا، راؤ راجا بھٹا درنگے کا نوکر ہوا۔ وہاں کسی لڑائی میں بڑی ہادی سے مارا گیا :

کافی بود مشاہدہ ، شاید ضرور نیست

در خاک راج گڑھ پد رم را بود مرزا

نصرت بیگ خاں میرا حقیقی چچا بہنوں کی طرف سے اکبر آباد کا صوبہ دار تھا۔ اُس نے مجھے پالا۔ ششادہ میں جب جرنیل  
ایک صاحب کا محل بٹھا تو نصرت بیگ خاں نے شہر سپرد کر دیا اور اطاعت کی صریح داری کٹھری بھجی اور صاحب کشترا ایک  
انگریز مقرر ہوا۔ میر سے چچا کو جیل ایک صاحب نے سوانہ کی بھرتی کا حکم دیا۔ چار سو سوار کا بریگیڈیر ہوا۔ اُس نے اپنے زور بازو سے  
سوانہ اور سوانہ پر گئے بہت چور کے قریب ہو کر کے سواروں سے چھین لیے۔ جرنیل صاحب نے وہ دونوں پر گئے بہادر موصوف  
کو بطور امتیاز حفا فرمائے۔ ایک ہزار سات سو روپیہ انعام کا اور لاکھ لاکھ روپیہ سال کی جاگیر میں حیاتِ علاوہ سال بھر

مردان کے تھے کہ دس بیٹے بے ساختہ ہی پر سے گر کر بربک ناگاہ مر گیا۔ رسالہ برطانت بر گیا، ملک کے عرصہ نقدی مقرر ہو گئی۔  
 عالم دینی: ایک عالم ادب اور ایک عالم آب و گل۔ حاکم ان دونوں عالموں کا وہ ایک ہے۔ جو خود فرماتا ہے  
 لعن الملک الیوم؟ اور میرا جواب دیتا ہے: اللہ الواحد القہار۔ ہر چند قاعدہ عام یہ ہے کہ عالم آب و گل  
 کے مجرم عالم ادب میں سزا پاتے ہیں، لیکن میں بھی بڑے کہ عالم ادب کے گنہگار کو دنیا میں بھیج کر سزا دیتے ہیں۔ چنانچہ میں  
 انھیں رجب ۱۲۱۵ھ (۱۷۷۰ دسمبر ۱۷۹۰ء) تک شہرہ میں رو بکاری کے واسطے یہاں بھیجا گیا ہے

”تاریخ ولادت من از عالم قدس  
 ہم شورش شوق آمد و ہم لفظ ”غریب“

تیرہ برس حالات میں رہا۔ ۷ رجب ۱۲۲۵ھ کو میرے واسطے حکم دوام صحت صادر ہوا۔ ایک بڑی میرے پاؤں  
 میں ڈال دی اور دلی شہر کو زندان مقرر کیا اور مجھے اس زندان میں ڈال دیا۔ نکلے نظم و نشر کو مشقت ٹھہرایا۔

## قیام آگرہ

پانچ برس کا تھا جو باب مرچیا، آٹھ برس کا تھا جو چچا مر گیا۔ ایام دبستان نشینی میں شرح مائے عالم تک پڑھا۔ بعد  
 اُس کے لہو و لب ادب آگے بڑھ کر فن و غزل و عیش و طرب میں منہمک ہو گیا۔ فارسی زبان سے لگاؤ اور شعر و سخن کا ذوق فطری  
 و طبی تھا۔ ناگاہ ایک شخص کہ ساسان پنجم کی نسل میں سے تھا، معتمد اسطیق و فلسفہ میں مولوی فضل حق مرحوم کا نظیر اور مومن  
 موحدا و صوفی صافی تھا، میرے شہر میں وارد ہوا۔ اور اکبر آباد میں فقیر کے مکان پر دو برس رہا۔ خواہش فارسی آئینہ بصری اُس  
 سے میرے عالی ہوئے۔ سونا کسوٹی پر چڑھ گیا۔ ذہن متوجہ نہ تھا۔ زبان درسی سے پیوند ازل اور اسناد بے مبالغہ جاما پیچ  
 و بزدل ہر صفت اس زبان کی دل نشین و خاطر نشان ہو گئی۔ اب مجھے اس امر خاص میں نفس مطمئنہ حاصل ہے مگر  
 دعوئی اجناد نہیں۔ بحث کا طریقہ یاد نہیں۔

ناظر جنسی دھر کے والد محمد نجف خانی و ہمدانی میں میرے نانا صاحب مرحوم خواجہ غلام حسین خاں کے زینتی تھے  
 جب میرے نانا نے نوکری ترک کی اور گھر بیٹھے تو (اُنھوں) نے بھی مگر کھولی اور پھر کہیں نوکری نہ کی۔ یہ باتیں میرے ہوش  
 سے پہلے کی ہیں، مگر جب جوان ہوا تو میں نے دیکھا کہ یہ جنسی دھر، خاں صاحب کے ساتھ ہیں اور اُنھوں نے کیمچم گاؤں اپنی جگہ  
 کا سرکار میں دعوئی کیا تو جنسی دھر اس امر کے منصرم ہیں اور نکالت اور بخاری کرتے ہیں۔ میں اس وقت ہم عمر تھے۔ شاید جنسی  
 جنسی دھر مجھ سے ایک دو برس بڑے ہوں یا چھوٹے ہوں۔ اُنہیں برس کی میری عمر اسی کی عمر ان کی۔ باہم شطرنج اور خط  
 اور محبت۔ آدمی آدمی رات گزر جاتی تھی، چوں کہ گھر ان کا بہت دُور نہ تھا۔ اس واسطے جب چاہتے تھے چلے جاتے تھے۔ بس  
 ہمارے انسان کے مکان میں پھینڈی کا گھر اور ہمارے دو کمرے درمیان تھے۔ ہماری بڑی حویلی وہ ہے جو اب کھنسی چنہ سیٹھ  
 نے کمر لیا ہے۔ اسی کے دو کمرے کی علیین بارہ دی پر میری نشست تھی اور پاس اس کے ایک ٹھیکہ والی حویلی اور اس سے

آگے بڑھ کر ایک کمرہ کو وہ گزرتا ہوا دلا کھانا تھا اور ایک کمرہ کشمیری دالا کھانا تھا، اس کمرے کے ایک کونے پر چنگ  
لڑاتا تھا اور باجراں منگھ سے چنگ لڑا کرتے تھے۔ حاصل ناں نامی ایک پامی پیشی دست دبتا تھا اور کمرہ کا کراپ  
اوجھ کر جی کرانا تھا۔

## سفر کلکتہ

کلکتہ کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشیں ایک تیر میسے سینے میں مانا کہ ہائے ہائے  
چمکا جاگیر کے عوض میرے اور میرے شہر کے تعلق کے واسطے، شامل جاگیر نواب احمد بخش خاں، دس ہزار روپیہ سال  
مقرر ہوئے۔ انھوں نے ندی کے گمرات ہزار روپیہ سال۔ اس میں سے خاص میری ذات کا حقہ اور شہر کا کو دے دلا کر ساڑھے  
سات سو روپیہ سال۔ وہ اب تک پاتا ہوں میں نے سرکار انگریزی میں یہ ضمن ظاہر کیا۔  
سنہ ۱۲۸۰ء میں کلکتہ گیا۔ کوہنجی صاحب بہادر ریڈیٹ دہلی اور اسٹرنگ صاحب بہادر ریکورڈنٹ کلکتہ متفق ہوئے  
میرا حق دہانے پر ریڈیٹ معزول ہو گئے۔ ریکورڈنٹ برج ناگاہ مر گئے۔ نواب گورنر سے شے کی درخواست کی، دفتر دیکھا  
گیا، میری ریاست کا حال معلوم کیا گیا۔ ملازمت ہوئی، سات پارچے اور بیفہ سرخ، مالے ہر پارچہ، تین رقم خلعت ملا۔  
ناں بعد جب دہلی میں دوبارہ اچھو کھلی خلعت ملتا رہا۔ بعد خود بھرم مصاحبت بہادر شاہ دربار و خلعت دونوں بند ہوئے  
میری برأت کی درخواست گزری، تحقیقات ہوتی رہی، تین برس کے بعد پنڈ بھوٹا، خلعت معمولی ملا۔ عرض یہ کہ خلعت ریاست کا  
ہے، عرض خدمت نہیں۔

اللہ اللہ کلکتہ میں جو شہر نشور اٹھا تھا۔ پانچ ہزار آدمی فراہم تھے۔ میرا شہر سے

جزوے از عالم و از ہم عالم بشیم

ہم جو قومے کہ بتاں را زمیناں بر خیزد

خستہ جرات ہائے اعتراض ہوا۔ منشا اعتراض یہ کہ عالم مفرد ہے اُس کا ربط ہم کے ساتھ جسب اجتہاد قبل ممنوع ہے۔  
تضام اُس زمانے میں شاہزادہ کامران دتال کا سفیر گورنٹ میں آیا تھا۔ کنایت خاں اُس کا نام تھا، اُس تک یہ حقہ پہنچا،  
اُس نے اساتذہ کے اشار پان سات ایسے پڑھے جن میں ہر عالم دو 'بہر دوز' و 'بہر جا' مرقوم تھا اور وہ اشار بربان قلع  
میں مندرج ہیں۔

## چکنی ڈلی

”خلاقی خلاقی خلاقی خلقی“ کی بحر میں ہر ایک قطرہ ہے کہ وہ میں نے کلکتہ میں کہا تھا۔ تقریب یہ کہ ٹوی کرم  
میرے ایک دوست تھے، انھوں نے ایک مجلس میں ایک چکنی ڈلی بہت پاکیزہ اور بے ریشہ اپنے کف دست پر رکھ کر مجھ سے

لکار اس کی کچھ تشبیہات نظم کیجئے ہیں نے وہاں میٹھے میٹھے فوس شعر کا قطعہ کھ کر اُن کو دیا اور سنے میں وہ ڈلی اُن سے لے لی۔ اب

سوج ماہوں جو شعر یاد آتے جاتے ہی کھٹا جاتا ہوں  
 ہے جو صاحب کے کتب دست چکنی پر ڈلی  
 خاتمہ انگشت بنداں کو اے کیا کیجئے  
 غائب دیتا ہے اے جن تدر اچھا کیجئے  
 آخر سوختہ تھیں سے نسبت دیجئے  
 غائب مشکین رُخ و کشش یلی کیجئے  
 جگر الاسود دیوار حرم کیجئے نہ من  
 ناز، آہو سے بیا بان فتن کا کیا کیجئے  
 صوفے میں اے ٹھہرائے گر ہر ناز  
 میکدے میں سے خشت خم صہا کیجئے  
 مسی آلودہ سرنگشتان جیناں کیجئے  
 سر پستان پری : اوسے مانا کیجئے  
 غرض کہ میں باتیں بھتیاں ہیں۔ اشارے بک یاد آتے ہیں۔ اخیر کی بیت ہے :  
 اپنے حضرت کے کتب دست کو دل کیجئے فرض  
 اور اس چکنی سپاری کو سویدا کیجئے  
 میں سیر و سیاحت کو بہت دوست رکھتا ہوں :

اگر بدل نہ خلد ہرچہ از نظر گذرد  
 نہ ہے روانی عمر سے کہ در سفر گذرد

بنارس خوب شہر ہے اور میرے پسند ہے۔ ایسا شہر کہاں پیدا ہوتا ہے۔ انتہائے جوانی میں میرا دامن جانا ہوا تھا۔ اگر اُس  
 موسم میں جوان ہوتا تو وہی رہ جاتا اور ادھر کو نہ آتا ۔  
 عبادت خاٹہ ناتو میاں است ہمانا کعبہ ہندوستان است  
 ایک غزلی میں نے اُس کی تعریف میں لکھی ہے اور چراغ دیر اُس کا نام رکھا ہے ، وہ فارسی دیوان میں موجود ہے

## افند ودانی

شہر ادیں فردوسی اور فقراء میں حسن بصری اور حشاق میں مجنوں۔ یہ تین آدمی تین فن میں سرور قرار دیتے ہیں۔ شاعر کا کمال  
 یہ ہے کہ فردوسی جو جانتے۔ فیکر کی انتہا یہ ہے کہ حسن بصری سے ٹکڑے کھائے۔ عاشق کی نمود یہ ہے کہ مجنوں کی ہم طرحی نصیب ہو۔  
 پینسٹہ برس کی عمر ہے۔ پچاس برس عالم رنگ و بو کی سیر کی۔ ابتدائے شباب میں ایک مرشد کمال نے ہم کو یہ نصیحت کی کہ ہم کو نہ ہر  
 درج منظور نہیں، ہم مانع فتن و فجو نہیں، پیو، کھاؤ، مرے اڑاؤ، مگر یہ یاد رہے کہ مصری کی کھٹی بنو، شہد کی کھٹی نہ بنو، سوسیل  
 اس نصیحت پر عمل دیا ہے۔ میں جب بہشت کا تصور کرتا ہوں اور برحقا ہوں کہ اگر مغفرت ہوئی اور ایک نصیر ملا اور ایک حور ملی ،  
 اقامت جاودانی ہے اور اسی ایک نیک بخت کے ساتھ زندگانی ہے ، اس تصور سے بھی گھبراتا ہے اور کلیجہ مٹھ کر آتا ہے ، ہے ہے

خدا میری ہر بات کی طبیعت کیوں منکر بنائے گی، وہی مردیہ کاغذ اسدی طہیاری کی ایک شاخ، چشم بدود و ہی اکٹھا

زین فوگنی سے دومت دوسر بار

کہ تقدیم پارسینہ ناید بکار

خل نہتے ہی غضب ہوتے ہیں پرستے ہیں اسے مانگتے ہیں، میں مجاہد بن کر ہوں، عمر میں ایک بڑی تم پیشہ ڈوئی کو میری

لی مار رکھا ہے، چالیس چالیس برس کا واقعہ ہے، بالکل یہ کوہ چھٹ گیا، اس فی سے بجائے نصف ہو گیا ہوں، یہیں اب بھی

میں وہ ادائیں یاد آتی ہیں۔ اس کلرنا زندگی بھر نہ بھروں گا:

سندی اگر ماضی ٹھنی حد جوانی عشق محمد بس است دال محمد

اللہ بس ماسوئی ہوں۔

حلیہ

میرا قد و رازی میں انگشت نما ہے۔ جب میں جتنا تھا تو میرا رنگ چھپنی تھا اور دیدہ و دروگ اس کی ستایش کیا کرتے تھے

اب جو کبھی مجھ کو اپنا رنگ یاد آتا ہے تو چھاتی پر سانپ سا بھر جاتا ہے

تا دسترم بودندم چاک گریباں

شر زندگی از خرقہ و پشمینہ ندارم

جب دلاڑھی تو مجھ میں بال غنید آگئے، تیسرے دی چوٹی کے اڈے گاؤں پر نظر آنے لگے۔ اس سے بڑھ کر میرا

کو آگے کے دو دانت ٹوٹ گئے۔ ناچار منی ہی چھوڑ دی اور دلاڑھی ہی۔ مگر یہ یاد رکھیے کہ اس بھونڈے شرم میں ایک دوی

ہے عام۔ طا، بسا، نیچہ بند، دھوبی، ستر، بٹیا مارا، جولا، کبڑا، نہ پر دلاڑھی، سر پر بال، خیر نے جس دی دلاڑھی رکھی

اسی دی سر منڈا دیا۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم کیا بک رہا ہوں۔

دربار اودھ

ایک قصیدہ منشی محمد حسن کی معرفت روشا اودھ کے پاس اور روشن اودھ کے توسط سے نصیر الدین حیدر کے پاس گزرا

اور جس دی گزرا اسی دن پانچ ہزار روپے بھیجے کا حکم ہوا، متوسط منی منشی محمد حسن نے مجھ کو اطلاع دی۔ مظهر الدین دروہم کھنور سے

آئے انھوں نے یہ راز مجھ پر ظاہر کیا اور کہا خدا کے واسطے میرا نام منشی محمد حسن کو نہ کھنا۔ ناچار میں نے شیخ امام بخش ناسخ کو کھا کر تم

دربار کے کھو کر میرے قصیدے پر کیا گزری؟ انھوں نے جواب کھا کہ پانچ ہزار روپے۔ میں ہزار روشن اودھ نے کھائے

دو ہزار منشی محمد حسن کو دیئے اور فرمایا کہ اس میں سے جو مناسب جانو غالب کو بھیج دو، اس نے ہنوز تم کو کچھ نہیں بھیجا، اگر نہ

بھیجا ہو تو مجھ کو کھو۔ میں نے کھ بھیجا کہ مجھے پانچ روپے ہی نہیں پہنچے۔ اس کے جواب میں انھوں نے کھا کہ اب تم مجھے خط کھو اٹھا

مری یہ جگہ میں نے بادشاہ کی تعریف میں تصدیق بھیجا ہے اور یہ مجھ کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ تصدیق حضور میں گزرا، مگر یہ میں نے نہیں  
 کہا کہ اس کا صلہ کیا مرگت ہو، میں کہنا چاہوں، اپنے نام کا خط بادشاہ کو بڑھا کر، ان کا کھانا پورا پذیر ان کے حلق سے  
 ال کر تم کو بھیج دوں گا۔ یہ خط لکھ کر میں نے ڈاک میں روانہ کیا۔ آج خط روانہ ہوا۔ تیسرے دن شہر میں خبر اڑی کہ نصیر الدین جیل  
 لیا۔ اب کہو میں کیا کروں۔ اور تاج کیا کرے؟

**باب اول** اجماع علی شاہ (۴۷-۱۸۳۲ء) کی سلطنت کے آغاز میں ایک صاحب میرے ہم آشنا، یعنی خدا جانے کہاں کے رہنے  
 والے، کسی زمانے میں وادہ اکبر آباد ہوئے تھے، کبھی کہیں کے تحصیلدار بھی ہو گئے تھے۔ زبان آدرا اور جالاک۔ اکبر آباد میں نوکری کی  
 بتو کی، کہیں کچھ نہ تھا۔ میرے ہاں ایک دوبارہ لائے تھے۔ پھر وہ خدا جانے کہاں گئے۔ میں دلی میں آ رہا۔ کم و بیش بیس برس ہوئے  
 ہیں گئے۔ اجماع علی شاہ کے عہد میں ان کا خطا ناگاہ مجھ کو بیل ڈاک آیا، چونکہ ان دنوں میں دماغ درست اور حافظہ برقرار تھا، اس لیے جانتا  
 رہا کہ وہی بزرگوار ہیں۔ خط میں پہلے مجھ کو یہ مصرع لکھا:

از بخت شکر دارم و از روزگار هم

آپ سے جدا ہو کر بیس برس آوارہ پھر رہے پور میں نوکر ہو گیا، وہاں سے دہریس کے بعد کہاں گیا اور کیا کیا۔ اب گفتگو میں آیا ہوں  
 اور وزیر سے طاہر ہوں۔ بہت حمایت کرتے ہیں۔ بادشاہ کی ملازمت انھیں کے ذریعے سے حاصل ہوئی ہے۔ بادشاہ نے خان اور بہا  
 کا خطاب دیا ہے، مصاحبوں میں نام لکھا ہے، مشاہیر اعلیٰ قرار نہیں پایا۔ وزیر کو میں نے آپ کا بہت مشتاق کیا ہے، اگر  
 آپ کوئی تصدیق حضور کی مدد میں اور کوئی یا خط جو مناسب جاوے۔ وزیر کے نام لکھ کر میرے پاس بھیج دیجئے تو بے شک بادشاہ  
 آپ کو جانیں گے اور وزیر کا خط فرمان طلب آپ کو پہنچے گا۔ میں نے اسی عرصے میں ایک تصدیق لکھا تھا جس کی بیت اکم یہ ہے:

اجماع علی شاہ آن کہ بدوق دھارے او

صدرہ من از صبح قضا کرد روزگار

مردود تھا کہ کس کی معرفت بھیجوں۔ تو کلفت علی الشریعہ دیا۔ رسید آگئی صرف۔ پھر دو ہفتے بعد ایک خط آیا کہ تصدیق وزیر تک پہنچا  
 وزیر پڑھ کر بہت خوش ہوا۔ بتائیں شاید تہ پیش کرنے کا وعدہ کیا۔ میں متوقع ہوں کہ میں بد الدین قمر کی سے ہر خطابی کھدا کر  
 بھیج دیجئے۔ چاندی کا مجید ہو، مربع انداز میں۔ فقیر نے سراپا نام کر کے بھیج دیا۔ رسید آئی اور تصدیق کے بادشاہ تک گزرنے کی  
 فوری۔ میں پھر دو ہفتے تک ادھر سے کوئی خط نہ آیا۔ میں نے جو خط بھیجا، اٹھا پھرایا، ڈاک کا یہ توجیہ کہ کتب الیہا نہیں، ایک  
 مدت کے بعد حال معلوم ہوا کہ اس بزرگ کا وزیر تک پہنچا اور حاضر رہنا پڑا۔ بادشاہ کی ملازمت اور خطاب ملنا غلط۔ بہادری کی  
 قمر تم سے بہ فریب حاصل کر کے مرثا باد کو چلا گیا۔ چلتے وقت وزیر نے دوسرے پہنچے دیئے تھے۔

اجماع علی شاہ بادشاہ اور دھکی سرکار سے جملہ مدد گسٹری پانسو روپے سال مقرر ہوئے۔ وہ بھی دہریس سے زیادہ  
 بچے، میں اگرچہ اب تک جیتے ہیں، مگر سلطنت حاکم رہی اور تباہی سلطنت دہریس میں ہوئی۔

چودہ پانچ کا خدمت ایک بار دہریس خاص، شان رسال، دہشاد ایک باؤش گاہ حضرت سلطان عالم (اجماع علی شاہ)

دو خراجیں ہو جانے کی نسبت کہیں نہ گھبراتے گی، دی مذہب کا خانہ اسدی طہرائی کی ایک شاخ، چشم چاند دی اک خود۔

ذہن تو کئی اسے دوست دہر بہار  
کہ تقویم پار سینہ ناید بکار

منزل پہنچے بھی غضب ہوتے ہیں جس پر مرتے ہیں اسے مار کھتے ہیں، میں بھی خض بچہ ہوں، عمر بھر میں ایک بڑی تم پیشہ ڈون کی کو میں  
بھی مار دکھا ہے، چالیس بیاسیس برس کا راتہ ہے، با آگ یہ کو چھٹ گیا، اس فحش سے بگاڑ نہ صحت بر گیا ہوں، بھئی اب بھی  
نہیں وہ ادا میں یاد آتی ہیں۔ اس کا مرنے کی بھرنہ بھولوں گا۔

سندی اگر عاشقی شہنی مد جوانی عشق محمد بس مست و آل محمد  
اللہ میں ماسوئی ہوں۔

## حلیہ

پیر اتھو رازی میں انگشت نما ہے۔ جب میں جیتا تھا تو میرا رنگ چھپی تھا اور دیدہ و در لوگ اس کی تائیں کیا کرتے تھے  
اب جو کبھی مجھ کو اپنا رنگ یاد آتا ہے تو چھاتی پر سانپ سا بھر جاتا ہے۔

تا دس ترسم بود ز دم چاک گریبان  
شر زندگی از خرقہ پوشینہ ندارم

جب داڑھی مرنے میں بال عینہ آگئے، تیسرے دی جوئی کے اندھے گاؤں پر نظر آنے لگے۔ اس سے بڑھ کر یہ برا  
کو آگے کے دورانٹ ٹوٹ گئے۔ ناچار سنی بھی چھوڑ دی اور داڑھی بھی۔ مگر یہ یاد رکھیے کہ اس بھونڈے شرمیں ایک دی  
ہے عام۔ طا، بسالی، نیچہ بند، دھوئی، سلف، بھٹیارا، جولا، کھڑا، نہ پر داڑھی، سر پر بال، خیر نے جس دی داڑھی رکھی  
اسی دی سر نہ ڈاڑیا۔ لا حول و لا قوۃ الا باللہ اصلی اسطیم کیا بک رہا ہوں۔

## دربار اور دھ

ایک قصیدہ منشی محمد حسن کی معرفت مدشن اللہ کے پاس اور دوش اللہ کے توسط سے نصیر الدین حیدر کے پاس گزرا  
اور جس دی گزرا اسی دی پانچ ہزار روپے بھیجے کا حکم ہوا، توسط منشی محمد حسن نے مجھ کو اطلاع دی۔ مظهر اللہ درویش کھنڈے  
آئے انھوں نے یہ راز مجھ پر ظاہر کیا اور کہ خدا کے واسطے میرا نام منشی محمد حسن کو نہ کھنا۔ ناچار میں نے شیخ امام بخش ناسخ کو کھا کر تم  
دریافت کر کے کھہر کہ میرے قصیدے پر کیا گزری؟ انھوں نے جواب کھا کہ پانچ ہزار روپے۔ یہی ہزار دوش اللہ نے کھنڈے  
دو ہزار دوش محمد حسن کو دینے اور فرمایا کہ اس میں سے جو مناسب جاؤ غائب کو بھیج دو، اس نے ہر دم کو کچھ نہیں بھیجا، اگر نہ  
بھیجا ہو تو مجھ کو کھو۔ میں نے کچھ بھیجا کہ مجھے پانچ روپے بھی نہیں پہنچے۔ اس کے جواب میں انھوں نے کھا کہ اب تم مجھے خط لکھو اور

مضوری یہ حکم میں نہ بادشاہ کی تعریف میں قصیدہ بھیجا ہے اور یہ حکم کو مستحکم بنانے کے لئے قصیدہ حضور میں گزارا، مگر یہ میں نے نہیں جانا کہ اس کا صلہ کیا رحمت ہوا۔ میں کو ناسخ ہوں، اپنے نام کا خط بادشاہ کو بچھوا کر، ان کا کھایا ہوا ادبیر ان کے حق سے نکال کر تم کو بھیج دوں گا۔ یہ خط لکھ کر میں نے ڈاک میں روانہ کیا۔ آج خط روانہ ہوا تیسرے دن شہر میں خبر اڑی کہ نصیر الدین حیدر مرگیا۔ اب کو میں کیا کروں۔ اور ناسخ کیا کرے؟

دربار اور علی شاہ (۴۷۰-۱۸۴۲ء) کی سلطنت کے آغاز میں ایک صاحب میرے ہم آشنا، امین خدا جانے کہاں کے رہنے والے، کسی زمانے میں وارد اکبر آباد ہوئے تھے، کبھی کہیں کے تحصیلدار بھی ہو گئے تھے۔ زبان اور ادب چالاک۔ اکبر آباد میں نوکری کی جستجو کی، کہیں کچھ نہ ہوا۔ میرے ہاں ایک دوبار گئے تھے۔ پھر وہ خدا جانے کہاں گئے۔ میں دلی میں آ رہا۔ کم و بیش میں برس ہوئے ہوں گے۔ مجدد علی شاہ کے عہد میں ان کا خط ناگاہ مجھ کو بسبیل ڈاک آیا، چو کہ ان دنوں میں دماغ درست اور حافظہ برقرار تھا، اس کے جواباً

نہ یہ وہی بزرگوار میں۔ خط میں پچھلے مجھ کو یہ مصرع لکھا:

از بہت مشکر دارم و از روزگار ہم

آپ سے جدا ہو کر میں برس آوارہ پھر رہے پور میں نوکر ہو گیا، وہاں سے دو برس کے بعد کہاں گیا اور کیا کیا۔ اب لکھنؤ میں آیا ہوں اور وزیر سے طاہر ہوں۔ بہت حمایت کرتے ہیں۔ بادشاہ کی ملازمت انھیں کے ذریعے سے حاصل ہوئی ہے۔ بادشاہ نے خان اور بہاؤ کا خطاب دیا ہے، مصاحبوں میں نام لکھا ہے، مشاہیرہ ابھی قرار نہیں پایا۔ وزیر کو میں نے آپ کا بہت شتاق کیا ہے، اگر آپ کوئی قصیدہ حضور کی مدح میں اور عرضی یا خط جو مناسب جانیں۔ وزیر کے نام لکھ کر میرے پاس بھیج دیجئے تو بے شک بادشاہ آپ کو جانیں گے اور وزیر کا خط فرمان طلب آپ کو پہنچے گا۔ میں نے اسی عرصے میں ایک قصیدہ لکھا تھا جس کی بیت ام یہ ہے:

امجد علی شاہ اُن کو یہ ذوق دعا ہے او

صدرہ منار جمع قضا کرد روزگار

مترد تھا کہ کس کی معرفت بھیجوں۔ تو قلم علی الشریعہ دیا۔ رسید آگئی صرف۔ پھر دو ہفتے بعد ایک خط آیا کہ قصیدہ وزیر تک پہنچا۔ وزیر پڑھ کر بہت خوش ہوا۔ بہ انہیں شاید ستم پیش کرنے کا وعدہ کیا۔ میں متوقع ہوں کہ میں بدرالدین نمرکی سے مر خطابی کھدوا کر بھیج دیجئے۔ چاندی کا ٹھیکہ ہو، مرتفع اور قلم علی۔ فقیر نے سراپا نام کر کے بھیج دیا۔ رسید آئی اور قصیدے کے بادشاہ تک گننے کی فوج۔ بس پھر وہ پچھنے تک اور سے کوئی خط نہ آیا۔ میں نے جو خط بھیجا، اٹھا پھر آیا، ڈاک کا یہ تو قیاس کہ مکتوب ابیرہاں نہیں، ایک مدت کے بعد حال معلوم ہوا کہ اس بزرگ کا وزیر تک پہنچا اور حاضر رہنا پڑا۔ بادشاہ کی ملازمت اور خطاب ملنا غلط بہادری کی فخر سے بہ فریب حاصل کر کے مرشد آباد کو چلا گیا۔ چلتے وقت وزیر نے دوسرے پہلے دیکھے تھے۔

مجاہد علی شاہ بادشاہ اور دھکی سرکار سے بصلہ مدح گھسٹری پان سو روپے سال مقرر ہوتے۔ وہ بھی دو برس سے زیادہ رہے، مگر اب تک جیتے ہیں، مگر سلطنت جاتی رہی اور تباہی سلطنت دو ہی برس میں ہوئی۔

چودہ پاسچہ کا نصرت ایک بار لودھوس خاص، شالہ، مدال، وندشاہ ایک باؤ پیش کا، حضرت سلطان عالم (دولت علی شاہ)



سے پا چکا ہوں۔ مدح کی نکر نہ کر سکا۔ قصیدہ مدح کے لئے گزرا نہ تھا۔ میں نے اسی میں انہوں کی شام کی جگہ واجد فی شاہ کویت  
دیا۔ خدا نے بھی تو یہی کیا تھا۔ غوری نے بار بار ایسا کیا ہے کہ ایک قصیدہ دوسرے کے نام پر کر دیا میں نے اگر باپ کا قصیدہ  
پیشے کے نام پر کر دیا تو کیا غضب ہوا۔

### حیدر آباد

صنعت سہل متع میں میں نے نواب ممتاز الملک کو قصیدہ بھیجا، کچھ قدر دانی نہ فرمائی، دو فرودہ دیا میں ایک شہزی جو ساجا  
میں لکھی تھی، وہ بھی اللہ کو بھیجی، رسید بھی نہ آئی، اب سنتا ہوں کہ مولوی غلام اکمل شہید شاگرد قیل و دلاں کو بس انا دلا غیری بجایا ہے  
ایں اللہ سخن نامشتاسوں کو اپنا زہد طبع دکھا رہے ہیں۔ ایک کم ستر برس کی میری عمر تھی۔ سوائے خشک شہرت کے فن کا کچھ چل نہ پایا۔  
احسنت و مر جا کا شور سامعہ فرسا ہوا۔ غیر ستائش کا حق ستائش سے ادا ہوا۔ ممتاز الملک نے یہ بھی نہ کیا۔ نہ مدح کی داد دی نہ مدح کا  
صلہ دیا میرا ہی ہوں کہ نواب صاحب مجھے کیسے گئے۔ جی اللہ سے اور کچھ نہیں کہتا مگر یہ کہ خدا بگے۔

ایسے طالع مرتبی کش اور محسن سودگاراں پیدا ہوتے ہیں۔ اب جو میں والی دکن کی طرف رجوع کروں، یاد رہے کہ ترمطہر  
جئے گا، یا سہول ہوا گئے گا اور اگر یہ دونوں امر واقع نہ ہونے ترکشش اس کی ضائع ہو جائے گی اور والی شرم کھو کر کچھ نہ بے گا  
ادھا جانا اس سے سلوک کیا تو ریاست خاک میں مل جائے گی اور ملک میں گدھے کے بل پھر جائیں گے۔ اسے خداوند بندہ پرورد۔ یہ  
سب باتیں واقعی واقعی ہیں۔

اگر اس سے قطع نظر کہ قصیدے کا قصد کروں، قصد تو کر سکتا ہوں، تمام کوں کرے گا۔ سوائے ایک ملک کے کہ وہ بیاس  
پچھلی برس کی مشن کا خبر ہے کوئی قوت باقی نہیں رہی کبھی جو ساجی کی اپنی نظم و شعر دیکھتا ہوں تو یہ جانتا ہوں کہ یہ تقریر میری ہے مگر  
جوان رہتا ہوں کہ یہ شعر میں ہی اللہ یہ شعر کہوں کر کہے تھے۔ بعد ازاں تبدیل کا یہ مصرع گویا میری زبان سے ہے کہ  
عالم ہر انسانہ ما دارد و ما مہیج !

### دسواں نمبر

میں انگریزی ریاست میں علاقہ ریاست دودمانی کا رکھتا ہوں، معاش اگر چہ سہل ہے مگر قوت زیادہ پاتا ہوں۔ مگر قوت  
محدود ہادیں دسواں نمبر اور سات پارچے اور جینہ، سرہج، مالٹے وغیرہ صنعت مقرر ہے۔ لاٹا ڈاٹنگ کے جملہ کام پایا۔  
اور ڈاکوڑی بیان آئے ہیں۔ اب زمانے کا رنگ اور۔ کوئی حاکم، کوئی سکرتر میرا آشنا نہیں۔ میرے بڑے مرتبی قند دان،  
ناب از خشن صاحب وہ بھی چین مکر تر رہے۔ صنعت گرز ہو گئے۔ وہ مکر تر رہتے تو مجھے کچھ علم نہ تھا۔

### ارتع نگاری

وہ کی سلطنت کچھ صحت جان تھی۔ سات برس بلکہ کوئی دسے کہ گزری۔ بادشاہ دہلی نے بیاس مدبر جینہ مقرر کیا، اسی کے

دل حمد نے چار سو پچھپے سال۔ دلی حمد اس قدر کے دوسرے بعد مر گئے۔  
جب بادشاہ دلی نے لکھنؤ کو رکھا اور خطاب دیا اور خدمت تاج محل نگار کی سلاطین تیرہ تھیں جو کہ تعویض کی تو میں نے ایک  
زل طربانہ پر بھی مقرر اس کا یہ ہے۔  
غالب وسیفہ خوار بہر دو شاہ کو دعا وہ دن گئے کہ کہتے تھے کہ لکھنؤ میں نہیں رہیں  
بادشاہ اپنے خزانوں کے برابر پار کرتے تھے، ہمیشہ، ناظر، حکیم کسی سے توفیق نہیں مگر فائدہ دہی تھیں۔  
اب وہ بات گئی گزری، بلکہ وہ کتاب اب بچانے کے لائق ہے نہ چھپوانے کے قابل۔ اجرائے خطاب کا لکھنا نامناسب بلکہ مضر ہے۔

### دلی بعد خدر

۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو یہاں فساد شروع ہوا، میں نے اسی دن گھر کا دروازہ بند اور آنا جانا موقوف کر دیا۔ بے شکل زندگی بسر  
نہیں ہوتی۔ اپنی سرگزشت لکھنا شروع کی:  
تم جانتے ہو کہ یہ معاملہ کیا ہے اور کیا واقعہ ہوا؟ وہ ایک جنم تھا کہ جس میں طرح طرح کے معاملات مرد و عورت درپیش آتے  
شعر کے، دیوان جمع کیے، ناگاہ نہ وہ زمانہ رہا نہ وہ معاملات نہ وہ اختلاط، نہ وہ انبساط۔ بعد چند مدت کے پھر دوسرا جنم کو  
طا۔ اگرچہ صحت اس جنم کی بعینہ مثل پہلے کے ہے لیکن ایک دوست اس جنم کے دوستوں میں سے نہیں پایا جاتا۔ واللہ وہ حوصلہ دہنے  
کو مسلمان اس شہر میں نہیں ملتا، کیا امیر، کیا غریب، کیا اہل حرفہ، اگر کچھ ہیں تو باہر کے ہیں۔ ہنوز البتہ کچھ آباد ہو گئے ہیں۔  
اب پوچھو تو کیوں کر مسکن قدیم میں بٹھارہ؟ میں حکیم محمد حسن خاں مرحوم کے مکان میں دس برس سے کرائے کو رہتا ہوں  
اور یہاں قریب کیا، دیوار بدیوار میں گھر چکروں کے۔ اودہ ذکر ہیں راجہ نرند سنگھ بہادر والی پٹیا لڑکے۔ راجا صاحب نے صاحبان  
عالی شان سے جدا ہوا تھا کہ ہر وقت فارغ دلی یہ لوگ چکے رہیں۔ چنانچہ بعد فتح را جا کے سپاہی یہاں آ بیٹھے اور یہ کوچہ محفوظ رہا، وہاں میں  
کمان اور یہ شہر کمان و مبالغہ نہ جانا امیر غریب سب نکل گئے، جو رہ گئے تھے نکالے گئے۔ جاگیردار، پیش دار، دولت مند اور  
اہل حرفہ کوئی بھی نہیں بے فاضل حالات کھتے ہوئے ڈرتا ہوں، ملازمان قطع پر شدت ہے۔ باز پرس اور دوا دہ گیری جتلا ہیں، مگر وہ  
نوکر جو اس ہنگام میں نوکر ہوئے ہیں اور ہنگامے میں شریک رہے ہیں۔ میں غریب شام، دس برس سے تاریخ لکھنے اور شعر کی اصلاح  
دینے پر مشغول تھا ہوں۔ خواہ اس کو نوکر کی گھبر، خواہ مزدوری جانو۔ اس فتنہ و آشوب میں کسی مصلحت میں میں نے دخل نہیں دیا، ضرر  
اشعار کی خدمت بجا لانا۔ اور نظر اپنی بے ثنائی پر شعر سے نکل نہیں گیا۔ میرا شہر میں جو احکام کو معلوم ہے مگر جو گہری طرف سے  
بادشاہی دفتر میں سے، یا مخبروں کے بیان سے کوئی بات نہیں پائی گئی، لہذا ظہری نہیں ہوتی۔ مدد جہاں بڑے بڑے جاگیردار بلائے ہوئے  
یا پکڑے ہوئے آئے ہیں، میری کیا حقیقت تھی۔ غرض اپنے مکان میں بیٹھا ہوں، دروازے سے باہر نہیں نکل سکتا، سوار ہونا اور کہیں جانا  
توبت بڑی بات ہے۔ رہا یہ کہ کوئی میرے پاس آئے، شہر میں ہے کون؟ گھر کے گھر بے چراغ پڑے ہیں، مجرم سیاست پاتے جاتے  
ہیں۔ جرنیل بددست یا ندیم محض سے کون تک یعنی شبہ پنجم دسمبر ۱۸۵۷ء تک بدست ہے۔ کچھ نیک و بد کمال معلوم نہیں۔

ہر عرشہ انگلستان کا      ہر خیال مایہ ہے آج  
 زہو ہوتا ہے کیا انسان کا      گھر سے باڈار میں نکلتے  
 گھر بنا ہے لڑنے غذا کا      چوک میں کو کہیں وہ قتل ہے  
 تشہ نون ہے ہر شہاں کا      شہر دہلی کا ذرہ ذرہ خاک  
 آدی داں نہ جانے یاں کا      کوئی داں سے نہ نکلیاں ہنگ  
 وہی مدناقی و دل و جان کا      میں نے انا کر لگئے پھر کیا  
 سوزش داغ ہے نہاں کا      گاہ جن کو کیا کیے شکوہ  
 باجر ایدہ مانے گریاں کا      گاہ رو کر کہا کیے ہسم

اس طرح کے دھال سے غالب

کیا شے دل سے داغ جہاں کا

دودھش نہیں جوں، بڈیا نہیں گیا، وارو گیسے صفا ہوں مگر اں جیسا کہ بلایا نہیں گیا، خود بھی بٹنے کا نہیں آیا کسی حاکم  
 نہیں ملا خطا کسی کو نہیں کھا کسی کو نہ خواست نہیں کی جشی سے پیش نہیں پایا۔ کہو یہ دس بیٹے کیونکر گزرتے ہوں گے۔ انجام گھر نہ  
 نہیں آتا کہ کیا ہوگا۔ زندہ ہوں مگر زندگی دبا ہے۔

میرا حال سہلے میرے خدا اور خداوند کے کوئی نہیں جانتا۔ آدی کثرت غم سے سوداں ہوجاتے ہیں عقل جاتی رہتی ہے۔ اگر ک  
 جو غم میں میری قوت متفکر میں فرق آگیا ہو تو کیا جب ہے بلکہ اس کا بار نہ کرنا غضب ہے، پوچھو کہ غم کیلئے؟ غم مرگ، غم فراق  
 غم رزق، غم عزت۔ غم مرگ میں قطع نہ ہمارک سے قطع نہ کر کے اہل شہر کوشت ہوں، منظر الدود، میرزا صرا لہیں، میرزا  
 عاشور بیگ میرا بھانجا، اس کا بیٹا احمد میرزا، انیس برس کا پڑا۔ مصطفیٰ خاں ابن اعظم الدود، اس کے دو بیٹے اور صفی خاں اور قری  
 خاں۔ قاضی فیض اللہ، کہا میں ان کو اپنے عزیزوں کے برابر نہیں جانتا تھا، اسے رو بھول گیا۔ حکیم دینی الدین احمد خاں میرا چھوٹا  
 میکس، اللہ اشراں کو کہاں سے لاؤں؟

غم فراق — حسین میرزا، میر ہندی، میر سرفراز حسین، میرن صاحب، خداں کو جیہار کے، لاش یہ ہوتا جہاں ہوتے  
 داں خوش ہوتے، گھر ان کے ہے چراغ وہ خود آوارہ۔ تہاد اور اکبر کے حال کا جب تصور کرتا ہوں۔ کیجا کھوٹے کھوٹے ہوتے  
 کھنے کو ہر کوئی ایسا کہ کھتا ہے مگر میں ملی کو گواہ کے کتا ہوں کہ ان صوات کے غم میں اور زندوں کے فراق میں، عالم میری نظر  
 میں تیرہ دن ہے۔

حقیقی میرا ایک بھائی دیوانہ مر گیا، اس کی جینی، اس کے چار بچے، اس کی ماں یعنی میری بیوی — ہے پوری پڑے پڑے  
 ہیں۔ اس میں برس میں ایک روپیہ ان کو نہیں بھیجا جیتی کیا کتنی ہوئی کہ میرا بھی کوئی چاہا ہے۔ یہاں اضیاء اسلام آباد کے انڈسٹریل  
 بیک ملٹھے پھر اور میں دیکھوں۔ اس مصیبت کی تاب لانے کو جگر چاہیے۔ اب خاص اپنا دکھ دتا ہوں۔ ایک بیوی دیکھتے

دھڑکنے، کھڑکھائی، ایذا پر دہر۔ طاری کی جوروں سے بدستور اگر اداری موجود ہے۔ میاں گھن گئے گئے ہیں بھر  
لاکڑیاں ہوں۔ اچھا بھائی تم بھی ہو۔ ایک پیسے کی آمد نہیں۔ میں آدمی مدلی کھانے والے موجود۔ تمام معلوم سے کچھ لے جاتا  
نزد مددی ہے۔ غصہ ہے کہ وہ باتیں فرصت کام سے کم ہوتی ہے۔ ہمیشہ ایک فکر برابر چلی جاتی ہے۔ آدمی ہوں  
بہت نہیں، ان دھڑکنے کا کل کیوں کر کروں۔

ن

وہی بلاخانہ ہے ادویہ میں ہوں، سیرٹیوں پر نظر ہے کہ وہ میر جی آئے، وہ دسٹ میرزا آئے، وہ میرن آئے، وہ  
ہاں آئے۔ مرے ہوؤں کا نام نہیں لیتا، پھر سے ہوؤں میں سے کچھ لے گئے ہیں۔ اللہ اللہ اللہ۔ ہزاروں کا میں ماتم دار ہوں میں  
بھوک کو کون دے گا؟

خود میاں کا لے صاحب حضور کا گھر اس طرح تباہ ہوا کہ جیسے جھاڑ پھیر دی، کاغذ کا پرزہ، سونے کا تار، پٹینے کا بال باقی نہ  
ہو، اللہ جان آبادی کا مقبرہ آج بن گیا۔ ایک اچھے گاؤں کی آبادی تھی۔ ان کی اولاد کے نام لوگ اس موضع میں آباد ہو گئے تھے  
جنگل ہے اور میدان میں کبر، اس کے سوا کچھ نہیں، وہاں کے رہنے والے اگر گولی سے پکے ہوں گے تو خدا ہی جانتا ہو گا کہ  
میں مع زن و فرزند ہر وقت اسی شہر میں قزم خون کا شکار رہا ہوں، دعا سے بے باہر قدم نہیں رکھا، پڑا گیا نہ نکالا گیا  
نہ مارا گیا۔ کیا حمن کروں کہ میرے خدا نے مجھ پر کسی عنایت کی اور کیا نفس مطمئن بننا۔

دلی کی ہستی منہ مٹی ہنگاموں پر تھی۔ غلہ، چاندنی چوک، ہر مذہب کا جامع مسجد کا، ہر پختہ سیر عبا کے پل کی، ہر سال میلہ چل  
یہ پانچوں باتیں اب نہیں، پھر کہو دلی کہاں؟ ہاں کوئی شہر ظہور ہند میں اس نام کا تھا۔ نواب گورنر جنرل بہادر ۱۵ دسمبر  
۱۸۵۷ کو یہاں داخل ہوئے۔ دیکھیے کہاں اترتے ہیں اور کہیں کر دبا کرتے ہیں۔ آگے کے درباروں میں سات جاگیر دار تھے کہ  
۱۔ آگے دربار ہوتا تھا، چھپر، بہادر گڑھ، جب گڑھ، فرخ گڑھ، دو جانا، پاٹودی، دو رو۔ چار معدوم محض میں جو باقی رہے آ  
دو جانا و لوہار تخت حکومت، انسی و حصار۔ پاٹودی حاضر۔ اگر حصار کے صاحب کشتہ بہادر ان دونوں کو یہاں لے آئے تو  
نایک تھیں۔ دربار عام ملے حاجی لوگ سب موجود۔ اہل اسلام میں صرف تین آدمی باقی ہیں، میرٹھ میں مصطفیٰ خاں، سلطان گ  
احمد الدین خاں، بی ماہو میں یہ سنگ تو دنیا مرسوم براسد۔ تینوں مردود، مطرود و محروم و معنوم۔

توڑ کر بچے ہیں ہم جام و سبو بھر ہم کو کیا

آسمان سے بادۂ گلخام گور سا کہے

لکان

اب اہل دہلی بند ہیں یا اہل حیدر ہیں یا خاکی ہیں یا بنگالی ہیں یا گورے ہیں مصیبت عظیم یہ کہ قاری کا کنواں بند ہو گیا۔

لال ڈال کے کنوئیں کی تھکاری ہو گئے۔ خیرکاری پانی ہی پہنچے۔ گرم پانی نکلتا ہے۔ میں سرور ہو کر کنوئیں کا حال دریافت کر سکتا تھا، جاچ مسجد پہنچا تھا علی گھاٹ کے دروازے کو چلا، مسجد جامع سے راج گھاٹ دروازے تک بے ہاتھ ایک صحرائی دوق ہے۔ ریشوں کے ڈھیر جوڑے ہیں وہ اگر آٹھ جائیں تو چوکا مکان ہو جائے۔ یاد کرو مرزا گھر کے باغچے کے اس جانب کو کئی باغ نشین تھا وہ اب باغچے کے محل کے برابر ہو گیا۔ یہاں تک کہ راج گھاٹ کا دروازہ بند ہو گیا۔ فیصل کے گھر سے نکلے سہے ہیں، باقی سب ٹٹ گیا۔ آٹھ گھر کے واسطے کلکتہ دروازے سے کابل دروازے تک میدان ہو گیا۔ پنجابی کڑہ، دھوہن، مالوہ، رام می گنجی، سادات خاں کا کڑہ، بونیل کی بی بی کی حویلی، رام بی داس گودام، دلے کے مکانات، صاحب رام کا باغ، حویلی، ان میں سے کسی کا پتا نہیں ملتا تھا۔ مختصر شہر صحرایہ ہو گیا تھا، اب جو کنوئیں جلتے سہے اند پانی گہرنا یا اب ہو گیا تو یہ صحرا، صحرائے کربلا ہو جائے گا۔ اللہ اللہ دلی دلے اب تک یہاں کی زبان کو اچھا لگے جلتے ہیں، واہ سے شمس، شمس، اسے بندہ خدا، اردو بازار نہ رہا، اُردو کہاں، دلی واللہ اب شہر نہیں، کہہ رہے چھاؤں ہے۔ دفعہ نہ شہر نہ بازار نہ شہر۔

نظام دین معنوی کہاں، ذوق کہاں، موتی خاں کہاں، ایک آزدہ سرخوش، دوسرا غالب دسبے خود دہوش، نہ بخودی رہی نہ سنی دانی، کس پرستے پرست پانی۔ ہائے دلی، واسے دلی، جاڑ میں جائے دلی۔  
چو کہیں بچیم کے باغ کے دروازے کے سامنے حوض کے پاس جو کنوئیں تھا۔ اس میں سنگ و خشت و خاشاک ڈال کر بند کر دیا۔ بلی مادیوں کے دروازے کے پاس کئی دکانیں ڈھاکر راستہ چڑھا کر دیا۔ شہر کی آبادی کا حکم، خاص دو عام کچھ نہیں، دھنچ اردوں سے حکم کا کچھ نہیں۔ نالاج مل، مرزا قیصر، مرزا جواں بہت کے سلسلے مرزا ولایت علی بیگ سے پوری کی نذر، ان سب کی الٹا پاس سے دانی ہو گئی۔ بارشاہ مرزا جواں بہت، شیر جاس شاہ، زینت مل کلکتہ پہنچے اور دہلی سے جہاز پر چڑھائی ہوئی۔ دیکھیے کیسے میں رہیں یا لندن جائیں غنیمت سے آزدہ سے قیاس جیسا کہ دلی کے بغیر تراشوں کا دستور ہے، یہ بات یاد رہی۔ سوسائے شہر میں شہر ہے کہ جزوی ۱۸۵۹ء میں لوگ عموماً شہر میں آباؤ کے جائیں گے اور شہن داروں کو بھولیاں بھر بھر کر روپے دیئے جائیں گے۔  
جامع مسجد کے بابیں کچھ پریشیں لاہر سے آئی تھیں، یہاں سے اُن کے جواب گئے ہیں۔ یقین ہے کہ وہ انڈاری کا حکم آئے اور ملازوں کو مل جائے۔ ہنوز بدستور پہرا بیٹھا ہوا ہے اند کوئی جانے نہیں پاتا۔

## تیشے کی طینان

یہاں شہر دے رہا ہے، بڑے بڑے نامی بازار، خاص بازار، امداد بازار اور خانم کا بازار، کمر ایک جیسے خود ایک قصبہ تھا، اب پتا نہیں کہ کہاں تھے۔ صاحبان اکڑوہ کا کہیں نہیں بتا سکتے کہ جہاں مکان کہاں تھا اور وہ کہاں کہاں تھے۔ برسات بھر دین نہیں پاتا۔ اب تیشہ اور کلکتہ کی طینانی سے مکان لگئے، غلہ گراں ہے، برت انداں ہے۔ میرہ اناج کے مول کتا ہے۔ ماش کی مال آٹھ سیر باجوہ سیر، گیہوں باسیر، چنے سولہ سیر، گھی ڈیڑھ سیر، تکاری ملکی۔ ان سب باتوں سے بڑھ کر بات یہ ہے کہ کنوئیں کا مینا بجے جاوے گا دروازے کے ہیں، پانی گرم، دھوپ تیز، وہ چلتی ہے، جیسے اسٹھ کی کڑی پڑتی ہے۔

کشمیری لکڑی بھڑکیا ہے۔ اسے وہ آپنے آپنے درادوہ بڑی بڑی کوشٹریاں، دودوہ نظر نہیں آتیں کہ کیا جو میں ماہی ہوئی اور اس کی مدد رکھا صاف ہوتا ہنوز کشوری ہے۔ قیل خانہ، فلک پیرا، لال ڈنگی کے عادی کے مکانات سب گرا گئے۔ بلاتی ہم اترا میں ہے۔ اہل فوج ڈھانچا جاتے ہیں۔ اہل علم بچاتے ہیں، پانچ کار دیکھے کیا ہو۔  
 آج کل میان پنجاب کے احاطے کے بہت حاکم فراہم ہیں۔ یوں ٹوٹی کے بابیں کونسل ہوئی۔ ۷ نومبر (۱۸۵۹ء) کو جاری ملک دام خلائی، چھٹا مل، جیش داس ان تین شخصوں کو یہ کام بطور مانی سپرد ہوا، غلے اور آپے کے سوا کوئی جنس ایسی نہیں کہ جس دل نہ ہو۔ آبادی کا حکم عام ہے، خلق کا اژدہام ہے۔ آگے حکم دیا کہ مالکان دیں، کرایہ دار نہ دیں (۷ نومبر ۱۸۵۹ء) سے لیا کہ کرایہ دار بھی رہیں کہیں یہ نہ سمجھنا کہ میں یا کوئی اور اپنے مکان میں کرایہ دار کو آباد کرے۔ وہ لوگ جو گھر کا نشان نہیں رکھتے شے سے کرانے کے مکان میں رہتے تھے وہ بھی آ رہیں مگر کرایہ سرکار کو دیں۔

### لام قضا و قدر

حکیم احسن اللہ کے مکانات شہر ان کو مل گئے اور یہ حکم ہے کہ شہر سے باہر نہ جاؤ۔ دروازے سے باہر نہ نکلو، اپنے گھر میں بیٹھے ہو۔ ہر حادثہ ملی خاں کے سب مکانات ضبط ہو گئے۔ بارخ کی صورت بدل گئی۔ محل اور کوٹھی میں گورے رہتے ہیں۔ اب پھانگ اور متراسر میں گرا دی گئیں، سنگ و خشت کو نیلام کر کے روپیہ داخل خزانہ ہوا، مگر یہ نہ سمجھو کہ حادثہ ملی خاں کے مکانات کا طبع کیا ہے۔ سرکار نے ملوک و متوجہ ایک مکان ڈھادیا، جب بادشاہ اودھ کی اہلاک کا وہ حال ہو تو رعیت کی اہلاک کو کون پوچھتا ہے؟  
 جو احکام کو دلی میں صادر ہوئے ہیں وہ احکام قضا و قدر ہیں۔ ان کا موازنہ نہیں۔ اب یوں سمجھ لو کہ نہ کہیں کہیں کے نہیں نہ جاہ و شہر رکھتے تھے، نہ اہلاک تھے نہ زمین رکھتے تھے۔

زندگی میری کب تک؟ سات فیصدیہ اور بارہ فیصدیہ سال آئندہ (۱۸۶۷ء) کے۔ اسی فیصدیہ میں اپنے آقا کے پاس جا بیٹھاں۔ وہاں نہ دھلی کی ٹھکان، نہ پائس نہ جاڑے کی شدت نہ گرمی کی حدت، نہ حاکم کا خوف نہ مجبور کا خطرہ۔ نہ مکان کا کرایہ دینا پرکھو پڑا خیر دینا پرکھو ڈکوت تھی مٹکاؤں نہ دھلی کچواؤں۔ عالم فوراً دھلی سرسود۔

یا رب ایسے آندو سے من چہ خوش است

تو بدیں آرزو مرا برساں!

زبان نہ دخل ہے کہ قدیم لوگوں سے باز پرس نہیں۔ شاہد اس کے خلاف ہے۔ اسے کوئی دن ہوئے کہ عید خاں گرفتار آیا ہے۔ پاؤں میں بیڑیاں، ہاتھ میں ہتھکڑیاں، حوالات میں ہیں۔ دیکھیے حکم اخیر کیا ہو۔ جو کچھ ہوتا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ شخص کی سرشت کے مطابق حکم ہو رہے ہیں۔ نہ کوئی قانون ہے نہ تاحد ہے۔ نہ نظیر کام آئے، نہ تقریر پیش جائے۔ انصاف خاں ابن تمغنی خاں کی پوری عرصہ پہلے کی پیش کی منظوری کی پورٹ گئی اور ان کی دوہیں سو سو روپے جینا پائے مایوں کو حکم ہوا کہ چونکہ تمہارے جانی قوم تھے تمہاری پیش بند۔ بطریق ترم دس دس روپے جینہ تم کو ملے گا۔ ترم یہ ہے تو تغافل کیا قہر ہوگا۔

لال دنگ کے گزٹن میں کچھ حکام دی ہو گئے۔ غیر حکامری پانی ہی بچتے۔ گرم پانی نکلتا ہے۔ میں سوار ہو کر کنوؤں کا حال دریافت کر گیا تھا۔ جاج مسجد تہا پتہ لالچ گھاٹ کے مدانے کو چلا، مسجد جاج سے راج گھاٹ مدانے تک ہے۔ ہاں ایک صحرائی دور ہے ریشوں کے ڈھیر جو پڑے ہیں وہ اگر آٹھ جائیں تو پو کا مکان ہو جائے۔ یاد کرو مرزا گھر کے باغچے کے اس جانب کو کئی بانس شیب تھا وہ اب باغچے کے صحن کے برابر ہو گیا۔ یہاں تک کہ راج گھاٹ کا مدانہ بند ہو گیا۔ فیصل کے گھر سے کھلے رہے ہیں، باقی سب فٹ گیا۔ علی شکر کے واسطے کھتہ مدانے سے کابی دواڑ سے تک میدان ہو گیا۔ بچا کڑہ دھوئی داڑہ، رام جی گئی، سادت خاں کا کڑہ، بریل کی بی بی کی حویلی، رام جی داس کو دام دال کے مکانات، صاحب دام کا باغ، حویلی، ان میں سے کسی کا تپا نہیں تھا۔ قصہ مختصر شہر صحران ہو گیا تھا، اب جو کنوئیں جلتے رہے اند پانی گھبرا یا اب ہو گیا تو یہ صحران صحرانے کر بلا ہو جائے گا۔ اللہ اللہ دلی دلے اب تک یہاں کی زبانی کو اچھا کہ جلتے ہیں، دواڑ سے حسن اختیار۔ اسے بندہ خدا، اردو بازار نہ رہا، اردو کہاں، دلی دواڑ اب شہر نہیں، کپہ سے پھاڑ ہے۔ نہ تھو نہ شہر نہ بازار نہ شہر۔

نظام دین معنی کہاں، دوتی کہاں، رومن خاں کہاں، ایک آزدہ سرخوش، دوسرا خائب وہ ہے خود بد پرش، نہ معنوی وہی نہ معنی والی، کس پرستے پرست پانی۔ ہائے دلی، دوائے دلی، جاڑ میں جائے دلی۔

چوکی میں جگمگ کے بارغ کے دردانے کے سامنے حوض کے پاس جو کنوئیں تھا۔ اس میں سنگ و خشت و خاشاک ڈال کر بند کر دیا۔ جلی ماندن کے دردانے کے پاس کئی مکانیں ڈھاکر راستہ چوڑا کر دیا۔ شہر کی آبادی کا حکم، خاص دھام کچھ نہیں، دھنچ اردوں سے حکم کا کچھ نہیں۔ تاج محل، مرزا قیصر، مرزا جواں بخت کے سلسلے مرزا ولایت علی بیگ ہے پوری کی ندوہ، ان سب کی الہ آباد سے دلی ہو گئی۔ بادشاہ میرزا جواں بخت، میرزا جاس شاہ، زینت محل لگتے پہنچے اردو داں سے جاز پر چڑھائی ہو گئی۔ دیکھیے کیسے ہیں یہیں یا لندن جائیں خلیق نے آزدہ سے قیاس جیسا کہ دلی کے خبر ترانوں کا دستور ہے، یہ بات لڑا دی۔ سو سال سے شہر میں مشہور ہے کہ جنوری ۱۸۵۹ء میں لوگ عورتا شہر میں آبا کے جائیں گے اور دھنچ واروں کو بھر لیاں بھر بھر کر روپے دیئے جائیں گے۔

جاج مسجد کے باب میں کچھ پریشیں لاہور سے آئی تھیں، یہاں سے ان کے جواب گئے ہیں۔ یقین ہے کہ ان کا حکم آتا اور ملاؤں کو مل جائے۔ ہنوز دستور پراہٹھا ہوا ہے اند کوئی جانے نہیں پاتا۔

## تیشے کی مٹیاں

یہاں شہر ڈھے رہا ہے، بڑے بڑے نامی بازار، خاص بازار، اندا، دواڑ، بازار، اندا، خانم کا بازار، کچھ ہر ایک جلتے خود ایک قصبہ تھا، اب تپا نہیں کو کہاں تھے۔ صاحبان اکٹہ دو کا کہیں نہیں تپا تکتے کہ ہمارا مکان کہاں تھا اور وہاں کہاں تھی۔ برسات بھر جہ نہیں پڑا اب تیشہ اور کلنگی مٹیاں سے مکانی گئے، اند گراں ہے، عورت انداں ہے۔ میرہ انداج کے مول بکتا ہے۔ ماش کی مال آٹھ سیر یا مول سیر، بگروں باد سیر، چنے مول سیر، تھی ڈیڑھ سیر، تکاری مٹی۔ ان سب باتوں سے جڑہ کہ بات یہ ہے کہ کنوئیں کا بیٹا جسے جڑہ کا دواڑ نہ کتے ہیں، پانی گرم، دھوپ تیز، دھوپ ملتی ہے۔ جیڑہ اساتھ کی سی گری پڑتی ہے۔

کشمیری کڑھ جگڑ گیا ہے۔ اس کے وہ اُدپے اُدپے درادورہ بڑی بڑی کھڑیاں، دودھ دیر نظر نہیں آتیں کہ کیا ہوئیں مگر یہی ملک کا آنا اور اس کی وہ گذر کا صاف ہونا ہنوز ملتوی ہے۔ فیل خانہ، فلک پیرا، لال ڈنگی کے عاوی کے مکانات سب گرائے گئے۔ بلاقیم کا کوہ الزام میں ہے۔ اہل فوج ڈھانا پاتے ہیں۔ اہل غم پھلتے ہیں، پامیان کا دیکھے کیا ہو۔ آج کل یہاں پنجاب کے احاطے کے بہت حاکم فراجم ہیں۔ یوں ٹوٹی کے باب میں کونسل ہوئی۔ ۲ نومبر (۱۸۵۹ء) کو جاری ہوئی۔ سالک رام خزانچی، چھٹل، جیش داس، ان تین شخصوں کو یہ کام بطور مالی سپرد ہوا، نئے اُدپے کے سوا کوئی جنس ایسی نہیں کہ جس پر حصول نہ ہو۔ آبادی کا حکم عام ہے، خلق کا اژدہام ہے۔ آگے حکم دیا کہ مالکان رہیں، کرایہ دار نہ رہیں (۲ نومبر ۱۸۵۹ء) سے حکم ہو گیا کہ کرایہ دار بھی رہیں کہیں یہ نہ سمجھا کریں یا کوئی اُدپے مکان میں کرایہ دار کو آباد کرے۔ وہ لوگ جو گھر کا نشان نہیں رکھتے اور ہمیشہ سے کرانے کے مکان میں رہتے تھے وہ بھی آ رہیں مگر کہہ کر کہ یہ سرکار کو دیں۔

### احکام قضا و قدر

حکیم احسن اللہ کے مکانات شہران کو مل گئے اور یہ حکم ہے کہ شہر سے باہر نہ جاؤ۔ دروازے سے باہر نہ نکلو، اپنے گھر میں بیٹھے جو زاب حادث علی خاں کے سب مکانات ضبط ہو گئے۔ باغ کی صورت بدل گئی۔ محل اور کوٹھی میں گورے رہتے ہیں۔ اب چالنگ اور ستر ناصر وکانیں گرا دی گئیں، سنگ و خشت کو نیلام کر کے دوسرے داخل خزانہ ہوا، مگر یہ نہ سمجھو کہ حادث علی خاں کے مکانات کا ملکہ کیا ہے۔ سرکار نے اپنا ملکہ و مقبرہ ایک مکان ڈھادیا، جب بادشاہ اودھ کی املاک کا وہ حال ہو تو رعیت کی املاک کو کون پوچھتا ہے؟ جو احکام کو دتی میں صادر ہوئے ہیں وہ احکام قضا و قدر ہیں۔ ان کا مراء نہ کہیں نہیں۔ اب یوں سمجھ لو کہ نہ ہم کہیں کہیں کے نہیں تھے نہ جاہ و شہر رکھتے تھے، نہ املاک تھے نہ زمین رکھتے تھے۔

زندگی میری کب تک؟ سات فیضیہ اور بارہ فیضیہ سال آئندہ (۱۲۷۷ھ) کے۔ اسی فیضیہ میں اپنے آٹکے پاس جا پہنچا ہوں۔ وہاں نہ دعویٰ کی ٹھکانہ، نہ بیانی کی پیاس نہ جاڑے کی شدت نہ گرمی کی حدت، نہ حاکم کا خوف نہ مجرم کا خطرہ۔ نہ مکان کا کرایہ دینا پڑے نہ کپڑا خریدنا پڑے نہ گوشت کھانے کا کھانا نہ دعویٰ کچاؤں۔ عالم نور اور سلسلہ سرور۔

باب ایں آندھ سے من چر خوش است

تو بدیں آرزو مرا برساں!

زبان نہ خلق ہے کہ قدیم لوگوں سے باز پرس نہیں۔ شاید اس کے خلاف ہے۔ اسے کوئی دن ہوئے کہ عید خاں گرفتار ہے۔ پاؤں میں بڑیاں، ہاتھوں میں جھکڑیاں، حالات میں میں مدیکھے حکم اخیر کیا ہو۔ جو کچھ ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ شخص کی سرور کے مطابق حکم ہو رہے ہیں۔ نہ کوئی قانون ہے نہ قاعدہ ہے۔ نہ غیر کام آئے، نہ تعزیر پیش جائے۔ انسانی خاں اب بعضی خاں کی پورے دوسرے کے پیش کا منظور کی پروٹ گئی امدان کی مدد نہیں سوسور دے دینا پائے مایوں کو حکم ہوا کہ جو کچھ تعداد سے جاتی ہو مرقے تمہاری پس منبط۔ بطریق ترحم دس دس مدد ہے مینہ تم کر لے گا۔ ترحم یہ ہے تو تغافل کیا قہر ہو گا۔



میں خود شہید ہوں، حکام صدر کا روشناس، پٹم نہیں اٹھ سکتا۔ ترمیم پس کا پیشہ تفراس کا برتو کا ہندو کھانا  
 اہم منظور کی گئی۔ اہم ہندو ہے نہ ہو۔ غیر احتمال ہے نہ ہو۔  
 جسے ہرگز علی کا بندہ ہوں، اس کی قسم بھی جھوٹ نہیں کھاتا۔ اس وقت ۱۸۵۹ء کو کے پاس ایک ہندو  
 سات آئے باقی ہیں۔ بعد اس کے نہ کہیں سے تفراس کی امید ہے نہ کہی جنس رہی دبیج کے قابل۔ اگر پاس سے کچھ آیا تو غیر۔  
 انا لکھنا انا اہم را جون۔

## دوسرے ملک

یہاں دوسرے ملک میں دو ٹی پھرتی ہیں۔ ایک ٹھنڈی شرک، ایک آجی شرک، محل ان کا الگ الگ۔ اس سے بڑھ کر یہ بات  
 ہے کہ گوردوں کا بارک بھی شرمیں بنے گا اور تھکے کے آگے جاں نال لگی ہے۔ ایک میدان نکالا جائے گا۔ جرب کی دکانیں، ہیلوں  
 کے گھر، خیل خانہ، جاتی ٹیکم کے کوچے سے خاص بازار تک، یہ سب میدان ہر جائے گا۔ یوں گھوڑا اترجان کے دھادے سے  
 تھکے کی خندق تک سوائے نال لگی کے اہم دو چار کنوؤں کے آثار عمارت باقی نہ رہیں گے۔ کیوں میں دلی کی ویرانی سے خوش نہ ہوں  
 جب اہل شہری نہ رہے، شہر کو لے کے کیا جو ہے میں ڈالوں؟

بڑھا پا، ضعف قوی، اب گھوڑا کو گھوڑا تہا زور کیا رنگ ہے۔ شیل کی دو چار گھڑی جھٹا ہوں وہ نہ پڑا رہتا ہوں۔ گھوڑا جھٹا  
 فراش ہوں۔ نہ کہیں جانے کا شکانا، نہ کہی میرے پاس آئے وہاں۔ وہ حق جو بقدر طاقت بنائے رکھتا تھا اب تیر نہیں۔ سب سے بڑھ کر  
 آمد آمد گردش کا ہنگامہ ہے۔ دربار میں جانا تھا، خلعت نافرہ پاتا تھا، وہ صورت اب نظر نہیں آتی۔ نہ مقبول ہوں نہ دفعہ ہوں،  
 نہ گنہ گار ہوں نہ فخر نہ منفعت۔ اب تم ہی کو، اگر یہاں دربار ہوا اور میں بلایا جاؤں تو نذر کہاں سے لاؤں؟ دو جیسے دن رات  
 خون جگر کھایا اور ایک قصیدہ چونٹے بیت کا لکھا، محمد افضل معزز کو دیا، یہ اس کا مطلع ہے،

نہ سال فردگر آئے بر دے کار آمد

ہزار و ہشت صد و شصت و دہشت آمد

اس میں انرا مہاجی سرگزشت لکھنے کا کیسہ ہے۔ اس جگہ ہونے لکھ رہے ہوئے دل پر کلام کا یہ اسلوب ہے!

## پٹن کا اصرار

صاحب کشتہ بہادری مینی سائڈر صاحب بہادری نے لکھ کر بٹلایا۔ چہنہ ۲۴ فروری (۱۸۵۹ء) کو میں گیا، جب شکار کو  
 سار ہر گئے تھے، میں اٹھ پر آیا۔ جہم ۲۵ فروری کو گیا۔ طاقت بڑی۔ گڑی دی۔ جہ پریش راج کے ایک خطا چار دھن کا لکھا  
 پڑھتے تھے۔ جب پڑھ چکے تو لکھ کر لکھا کہ یہ خطا ہے میکو ڈ صاحب ملک اکبر صمد بوند پنجاب کا۔ تھارے باب میں لکھتے ہیں کہ ان کا  
 حال دیانت کو لکھو، سوہنم تم سے پوچھتے ہیں کہ تم کو معزز سے کیا منت مانگتے ہو؟ حقیقت کئی تھی۔ ایک کاغذ آمد ولایت

نے کیا تھا وہ پھر سوار یا پھر پوچھا۔ تم نے کتاب کی بھی مٹی ہے، اس کی حقیقت بیان کی۔ کہا ایک میکلوڈ صاحب نے دیکھ کر مانگی ہے اور ایک بم کو دو۔ میں نے عرض کیا۔ کل حاضر کروں گا۔ پھر نیشن کا حال پوچھا۔ وہ گزارش کیا۔ اپنے گھر آیا اور خوش آیا۔ حاکم پنجاب کو مقدروایت کی کیا خبر؟ کتابوں سے کیا اطلاع؟ نیشن کی پرسش سے کیا مدعا؟ یہ اتھنار بجکر خواب گورنر جنرل بہادر تھا ہے۔ یہ صورت مقدروایت و فیروزی ہے۔ عرض کر دوسرے روز یک شنبہ یوم تعطیل تھا۔ میں اپنے گھر لاہور شنبہ ۲۸ فروری کو گیا۔ باہر کے کمرے میں بیٹھ کر اطلاع کروائی۔ کہا اچھا توقف کرو۔ بعد تقریبی دیر کے گڑھ پکتان کی جھٹی آئی۔ سواری مانگی، جب سواری آگئی۔ باہر نکلے، میں نے کہا وہ کتابیں حاضر ہیں، کہا فٹنی جیون لال کو دے جاؤ۔ وہ ادھر سوار ہو گئے، میں ادھر سوار اپنے مکان پر آیا۔ شنبہ یک مارچ (۱۸۵۹ء) کو پھر گیا۔ بہت اخلاط اور التفات سے باتیں کرتے رہے۔ کچھ سٹرٹیکٹ گورنروں کے ساتھ لے گیا تھا وہ دکھائے۔ ایک خط میکلوڈ صاحب بہادر کے نام لکھا تھا۔ وہ دے کر یہ اسٹند عاکی کو کتاب کے ساتھ یہ بھی بھیجا جائے۔ بہت اچھا کہہ کر دیا۔ پھر مجھ سے کہا کہ ہم نے تھاری نیشن کے باب میں جوتن صاحب بہادر کو کچھ لکھا ہے تم ان سے طور عرض کیا بہتر۔ جوتن صاحب بہادر گئے ہرے تھے۔ ان کو خط لکھا۔ جیسا وہ حکم دیں گے اس کے موافق کروں گا جب کتابیں گے تب جاؤں گا۔ دیکھو اسد انخاب علیہ السلام کی مدد کو۔ اپنے غلام کو کس طرح سے بچایا! بائیں بیٹے تک بھوکا پیاسا نہ رہنے دیا، پھر کھسکے سے کہ وہ آج سلطنت کا دہندہ ہے۔ میرے نفقہ کا حکم سمجھو آیا۔ حکام سے مجھ کو عزت دلوائی۔ میرے صبر و ثبات کی داد ملی۔ صبر و ثبات بھی اسی کا بخشا ہوا تھا۔ میں کیا اپنے باپ کے گھر سے لایا تھا!

۲۹۔ دسمبر ۱۸۵۹ء لشکر کو گیا بیر فٹنی سے ملا، ان کے نیچے میں بیٹھ کر صاحب سکرتر بہادر کو اطلاع کروائی۔ چپراسی کے ساتھ کلو بھی گیا۔ جواب آیا کہ ہمارا سلام دو اور کو کفر صنت نہیں ہے۔ خیز میں اپنے گھر آیا۔ ۳۰ دسمبر کو پھر گیا۔ خبر کروائی۔ حکم ہوا کہ غدر کے زطلے میں تم باغیوں کی خوشامد کرتے رہتے تھے۔ اب ہم سے لٹا کیوں مانگتے ہو۔ عالم نظر میں تیرہ دنار ہو گیا۔ یہ جواب پیام نو میدی کا ہوا ہے۔ نہ دبار نہ خلعت نہ نشن۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اتنا مسرور ہوا ہے کہ ایک محکمہ لاہور میں معاوضہ نقصان رعایا کے واسطے تجویز ہوا ہے اور یہ حکم ہے کہ جو رعیت کا مال کا لوٹنے کو تھا ہے، البتہ اس کا معاوضہ حساب وہ ایک (۱/۳) ہر کلا سے ہر کلا یعنی ہزار روپے کے مانگنے والے کو سو روپے ملیں گے اور جو گورنر کے وقت کی غارت گری ہے وہ ہر ادراج ہے، اس کا معاوضہ نہ ہو گا۔

### حافظ قمر

حافظ قمر بے گناہ ثابت ہو چکے، رائی پاچھے، حاکم کے سامنے حاضر ہوا کرتے ہیں۔ اپنی اہلاک مانگتے ہیں، قبض و تعین ان کا ثابت ہو چکا، صرف حکم کی دیر۔ پرسوں وہ حاضر ہوئے شل پیش ہوئی، حاکم نے پوچھا: حافظ محمد بخش کون؟ عرض کیا کہ میں؛ پھر پوچھا کہ حافظ قمر کون؟ عرض کیا کہ میں۔ اصل نام میرا محمد بخش ہے، قمر تو مشہور ہوں۔ فرمایا: یہ کچھ بات نہیں، حافظ محمد بخش بھی تم حافظ قمر بھی تم، جو دنیا میں ہے وہ بھی تم۔ ہم مکان کس کو دیں؟ مثل مدخل دفتر ہوئی۔ میان قمر اپنے گھر

چلے گئے۔

آبادی کا اندازہ پھر فروری ۱۹۰۱ء کے حالات سے لیا گیا ہے۔ اس وقت آبادی ۱۰۰۰۰ تھی، اب آج ۱۰۰۰۰۰ ہے۔ اس میں سے ۵۰۰۰۰ کوٹلی اور ۵۰۰۰۰ کوٹلی آباد ہیں۔ وہ علاقہ آباد ہو جائے گا اور جب وہ علاقہ آباد ہو جائے گا تو وہ علاقہ شروع ہوگا۔

روز اس شہر میں اک حکم نیا ہوتا ہے

کچھ کچھ میں نہیں آتا ہے کہ کیا ہوتا ہے

میرٹھ سے آکر دیکھا کہ یہاں بڑی شہر ہے اور یہ حالت ہے کہ گورنر کی پاسبانی پر قناعت نہیں ہے۔ لاہوری دھواں ہے کا قنات  
روز چاہا کہ شہر پر قبضہ ہے جو باہر سے گورنر کی آنکھ بچا کر آتا ہے۔ اس کو پکڑ کر حالات میں بھیج دیتا ہے۔ حاکم کے ہاں سے بھیج دیا  
میرٹھ میں یہ دو محلہ جو مانا گیا تھا ہے۔ آٹھ دن قید رہتا ہے۔ اس کے علاوہ سب قناتوں پر حکم ہے کہ دریافت کرو کہ وہ علاقہ  
میرٹھ میں آکر کون کون کھتا ہے۔ قناتوں میں نقشے مرتب ہونے لگے۔ یہاں کا جمہور میرٹھ سے بھی آیا۔ میں نے کہا۔ جہاں تو مجھے نقشے  
میں نہ کچھ میری کیفیت کی عبارت آگے کہ عبارت یہ کہ اسدائے خاں پیش ہمارے محلہ سے حکیم بیالے ملے کہ جہاں کی جہلی میں رہتا  
ہے۔ ان کا کہ وقت میں کہیں گیا۔ گورنر کے نکلنے میں نکلا اور نکلا گیا۔ کرنل برٹن صاحب کے بانی حکم پر اس کی اقامت کھلا  
ہے۔ اب تک کسی حکم نے وہ حکم نہیں بدلا۔ اب حکم وقت کو اختیار ہے۔ یہ عبارت جمہور نے غلطی کے نقشے کے ساتھ گورنر کی بھیج دی  
یہ حکم نکلا کہ یہ لوگ شہر سے باہر مکان دکان کیوں بناتے ہیں جو مکان بن چکے ہیں انھیں دھواں اور آئندہ کی ممانعت کا حکم سنو۔ اور یہ بھی  
مشہور ہے کہ پانچ ہزار ٹنٹ پھیلے گئے ہیں جو سلطان شہر میں اقامت چلے۔ بقدر بھدو دھند اندھے۔ اس کا اندازہ قرار دینا حاکم کی  
دائے پہ ہے۔ دوپہر پندرہ ٹنٹ لے گھر برباد ہو جائے آپ شہر میں آباد ہو جائے۔ آج تک یہ صورت ہے۔ دیکھیے شہر بننے کی  
کون کی صورت ہے جو رہتے ہیں وہ بھی اخراج کیے جاتے ہیں یا باہر پڑے ہوئے ہیں وہ شہر میں آتے ہیں۔ الحکم عندہ والک لائڈ۔

## سکے کا الزام

بھاگا نہیں پڑا نہیں گیا، دفتر قند سے کوئی میرا کاغذ نہیں نکلا کسی طرح کی بے خیالی رنگ حرامی کا دھبہ بھر کو نہیں لگا۔ یہاں  
ایک اخبار جو گوری ٹنٹو، گوری دیال یا کوئی اور خدر کے دنوں میں بھیجتا تھا اس میں ایک خبر اخبار نویس نے یہ بھی لکھی کہ غلطی تاریخ اسدائے  
غالب نے یہ سکہ کہہ کر گزارا۔

بوزندہ سکے کشورستانی سراج الدین بہادر شاہ ثانی

مجھ سے غلط افہامات صاحب کشور نے پوچھا کہ یہ کیا لکھا ہے، میں نے کہا کہ غلط لکھا ہے! بادشاہ شاعر، بادشاہ کے بیٹے شاہ  
بادشاہ کے ڈکٹر شاعر، خدا جانے کس نے کہا، اخبار نویس نے میرا نام لکھ دیا۔ اگر میں نے کہہ کر گزارا تو دفتر سے وہ کاغذ میرے ہاتھ  
کھا ہوا گذرنا اور آپ کو چاہیے حکیم احسن انشا خاں سے پوچھیں؟

اس وقت قہچکا ہوا، اب جواس کی جلی ہوئی تو جانے سے دوچختے پہلے ایک فارسی دیکھ کر جو اسد اللہ خاں نامی فارسی کے علم میں تھا مشہور ہے۔ اس سے کام نہیں نکلتا، یہ شخص بادشاہ کا نوکر تھا اور اس کا سکہ لکھا۔ ہمارے نزدیک پٹن پٹن کا سکہ نہیں ہے فرض اس مقصد سے یہ ہے کہ میں یہاں موجود ہوں اور اگلے سے راہ و رسم ہے۔ یہ تو کوئی بتاتا نہیں کہ تاریخ رو بکاری کیا ہے اور یہ صد کو بھی لئی یا نہیں۔ اب میرا یہ ہوں کہ کیا کوئی کشتہ جہیز سے ملوں گا، اسی سے، اگر وہ کا تو نقل ہوں گا، جواب اندھا احتیاط اسی کشتہ کے ہمیں بھی بھیج چکا ہوں۔ میں تو ملی کر رہا ہوں، جیوں تو آدمیوں تو۔ کہیں جواب صاف مل چکے تو اس شہر سے نکل جاؤں، یہ دور پے مذہبی اس غاصب ملعون کی گردنیں جانیں جس نے مجھے دس ہزار روپیہ سال میں سے یہ لکھ دیا ہے۔ علیہ اللعنة والعذاب۔

میاں میر احمد عین والد میر روشن ملی خاں نے مجھ سے کہا کہ حضرت جب بہادر شاہ تخت پر بیٹھے ہیں تو میں مرشد آباد میں تھا، ان میں نے یہ سنا تھا، ان کے کہنے سے مجھے یاد آیا کہ مولوی محمد باقر نے جو وفات اکبر شاہ جہاں بہادر شاہ جہاں بھائی خاں اس کے کاغذ دانا، ذوق کی طرف سے چھاپا تھا اور جہاں بہادر شاہ اکبر کے بیٹے شہنشاہ میں ہوا ہے۔ میں نے اکبر آباد، فرخ آباد، مارہرہ، میرٹھ اپنے اصحاب کو لکھا۔ اکتوبر، نومبر، دسمبر، ۱۸۴۲ء تینوں مہینوں کے بارہ پر پے دیکھے جانیں۔

سکے کا دار تو مجھ پر ایسا چلا جیسے کوئی چھپا یا کوئی گراب۔ کس سے کہوں۔ کس کو گواہ لاؤں؟ یہ دونوں کے ایک وقت میں کے گئے ہیں یعنی جب بہادر شاہ تخت پر بیٹھے ہیں تو ذوق نے یہ دو سکے کہہ کر گزارے، بادشاہ نے پسند کئے۔ مولوی محمد باقر جو ذوق کے معتقد ہیں میں نے انہوں نے دلی آمد و اخبار میں یہ دونوں سکے چھاپے۔ اس سے علاوہ اب تک وہ لوگ موجود ہیں جنہوں نے اس زمانے میں مرشد آباد اور کلکتہ میں یہ سکے منے ہیں اور ان کو یاد ہیں۔ اب یہ دونوں سکے مرکز کے نزدیک میر سے لکھے ہوئے اور گزرائے ہوئے ثابت ہوئے ہیں۔ میں نے ہر چند قلم و ہنرمندی اور دو اخبار "کا پرچہ" دھونڈھا۔ کہیں لکھ نہ آیا۔ یہ دھبہ بھیر پر رہا۔ پٹن بھی لکھی اور ریا کا نام و نشان خلعت و دربار بھی شاہ خیر جو کچھ ہوا، موافق رضائے الہی ہوا، اس کا گلہ کیا :

چوں جنبش سپہ بہ فرمان داد راست

بیدار نمود آہنہ بیا آسمان و بد

وہ دہلی آمد و اخبار کا پرچہ اگر مل جائے تو بہت مفید مطلب ہے۔ ورنہ خیر۔ کچھ عمل خوف و خطر نہیں ہے، حکام مدد ایسی باتوں پر غور کریں گے۔ میں نے سکے کہا نہیں، اگر کہا تو اپنی جان و حرمت بچانے کو کہا، یہ گناہ نہیں۔ اگر گناہ بھی ہے تو کیا ایسا نہیں ہے کہ کھسکے کا اشتہار بھی اس کو نشان سکے بھان اٹھ گورانداز کا بارود بنانا اور توپیں لگانی اور بیک گھر اور گیزر کا ٹونا معاف ہو جانا اور شام کے دو حصے معاف نہ ہوں۔ ان صاحب گورانداز کا بہنوئی ہو گا رہے اور شام کا سالانہ بھی جانب دار نہیں!

اب تم دو دو نمونہ، حاضری میری سرہنری لائیں جیت کشتہ بہادر کو گزری، اس پر دستخط ہوئے کہ یہ حاضری مع کو افد خیمہ سائل کے پاس بھیج دی جائے اور یہ کھا جائے کہ معرفت صاحب کشتہ دہلی کے پیش کر دے۔ اب سررشتہ دار کو لازم تھا کہ میر سے نام موافق تاحدے کے خدائکتا، یہ نہ ہوا۔ وہ حاضری کم چڑھی ہوئی میر سے پاس آگئی۔ میں نے خط صاحب کشتہ دہلی، چارلس سائڈس کو لکھا اور وہ حاضری حکم چڑھی ہوئی اس میں مضمون کر کے بھیج دی۔ صاحب کشتہ نے کلکتہ کے پاس بیکم چڑھا کر بھیجی کہ سائل کے پیش کی کیفیت لکھو۔ اب وہ معاف ہو

گلزار صاحب کے پاس آیا۔ بہر حال خدا کا شکر ہے کہ بادشاہی دفتر میں سے میرا کچھ شمول خدا میں نہیں پایا گیا اور میں حکام کے نزدیک یہاں تک پاک ہو کہ پیش کی کیفیت طلب ہوئی ہے اور میری کیفیت کا ذکر نہیں ہے، یعنی سب جانتے ہیں کہ اس کو گناہ نہ تھا۔

گورنر مسلم نے میرے تھیں دربار کا حکم دیا۔ صاحب کشنر بہادر دہلی نے مات جائیداد میں سے جو تہی قبضہ اسیت تھے، ان کو حکم دیا اور دوبارہ عام میں سے سونے میرے کوئی نہ تھا یا چند حاجی۔ مجھ کو کوئی حکم نہیں پہنچا جب میں نے اسے مال کی توجہ اب تک اب نہیں پرکتا۔ جب یہ سہریں خیم خیم نام لوری ہوئی میں اپنی عادت قدیم کے مطابق غیر گاہ میں پہنچا۔ بروی اظہار میں خاں صاحب بہادر سے ملا چیف کورٹ بہادر کو اطلاع کی جواب آیا کہ فرصت نہیں۔ میں سمجھا کہ اس وقت فرصت نہیں دوسرے دن چر گیا۔ میری اطلاع کے بعد حکم ہوا کہ ایام ہند میں تم باغیوں سے اخلاص رکھتے تھے، اب گورنمنٹ سے کیوں ملنا چاہتے ہو، اس دن چلا آیا۔ دوسرے دن میں نے انگریزی خدای کے نام کا طہران کو جہاں سہریوں نے کہ باغیوں سے میرا اخلاص مختہ۔ محض ہے۔ امیدوار ہوں کہ اس کی تحقیقات ہوتا کہ میری صفائی اور بے گناہی ثابت ہوں۔ میں نے تمامات پر جواب نہ دیا۔ ذری میں پنجاب کے ملک سے جواب آیا کہ گورنر صاحب فرماتے ہیں کہ ہم تحقیقات نہ کریں گے۔ میں یہ جھٹلے ہوا۔ دربار خلعت و توفیق پیش مسدود۔ وجہ معلوم لا موجود الا اٹھ۔ لا توری الوجود الا اٹھ۔

۱۸۵۵ء میں نواب یوسف علی خاں بہادر دہلی راہپور کے میرے آئینے قدیم ہیں، اس سال (۱۲۷۵ھ) میرے شاگرد ہونے سے نظم ان کو تخلص دیا گیا میں کہیں نہیں آؤں کی جیسے میں اصلاح دے کر بیچ دیتا۔ گاہ گاہ کچھ بدیر ادھر سے تیار رہتا، تھکے کی خواہ جاری، انگریزی پیش کھڑا ہوا۔ ان کے حوالہ تفریح گئے جانتے تھے، جب وہ دونوں خواہیں جاتی رہیں تو زندگی کا حاد ان کے چیلے پر رہا۔ بعد فتح دہلی وہ ہمیشہ میرے مقدم کے خواہاں رہتے تھے۔ میں عند کرتا تھا جب جنوری ۱۸۶۰ء میں گورنمنٹ سے وہ جواب پایا کہ اوپر لکھ آیا ہوں تو میں آخر جنوری میں اپنا چھ سات ہفتے وہاں رہ کر دلی آیا۔

ہمیشہ نواب گورنر جنرل کی سرکار سے دربار میں کچھ کوسات پارچے اور تین رستم چار اہر خلعت ملتا تھا۔ لاڈ لینگ صاحب میرا دربار اور خدمت نہ کر گئے، انامید ہو کر ریٹورما اور مدت اہم کر مایوس ہو رہا۔ اب جو یہاں نشست گورنر پنجاب آئے، میں جانتا تھا کہ یہ بھی مجھ سے نہیں گئے انھوں نے مجھ کو جیسا بہت سی حمایت فرمائی ہو مگر مایا کہ گورنر صاحب دلی میں دوبارہ نہ کریں گے، میرٹھ ہوتے ہوئے اور میرٹھ میں ان اصلاح کے عہدہ ہوا اور ماہگزاروں کا دربار کرتے ہوئے بنا رہا جس گئے۔ دلی کے لوگوں کا دربار وہاں ہو گا۔ تم بھی بنائے جاؤ۔ شریک ہو کر خلعت معمولی سے آؤ۔ بھائی کیا کہوں کہ کیا میرے دل پر گندہ دی۔ تو یا مردہ ہی اٹھا۔ ساتھ اس نسبت کے یہ بھی سننا تھا کہ سامان سفر انبالہ اور مصارف بے انتہا کہاں سے لاؤں اور طوقہ یہ کدو معمولی میرا کیا قہیدہ ہے۔ اور قہیدہ سے کی فکر۔ اور ریلپے کی تدبیر جو اس ٹھکانے نہیں، شعر کام دل و دماغ کا ہے، وہ دہلی کی فکر پریشان۔ میرا خیال عقل بھی آسانی کرے گا۔ مگر ان دونوں میں دن کو میں ہے نہ مات کو زندہ ہے۔ . . . نشست گورنر کی ملازمت اور خلعت پر راحت کہ کے بنائے جانے موقوف کیا، اور بڑے گورنر کا دربار اور خلعت اور وقت پر موقوف رکھ دیا۔ ہوں، ہاتھ پر ایک زخم، زخم کیا ایک خار ہو گیا ہے۔

کشنر ڈپٹی کشنر وغیرہ حکام سے ترک گفتات ہے گورنر ڈپٹی کشنر شہر کے کدو مستم خزانہ ہے ہر بیٹے میں ایک بار فنا ضرور ہے۔ اگر نہ ملے تو فنا کا کو تو نہ دے۔ اگر کدو در صاحب ڈپٹی کشنر چھ بیٹے کہ خدمت سے کر پلا کر گئے۔ ان کی بگڑی میں صاحب مقرر ہوئے۔ ان سے

تا چار ماہ پہلے تذکرہ شراہے جنکا انگریزی میں لکھتے ہیں بلکہ سے جی انھوں نے مدد چاہی۔ میں نے سات کتابیں بھائی ضیاء الدین خاں صاحب مستشار نے کرا کے پاس بھیج دیں۔ پھر انھوں نے مجھ سے کہا کہ جی شراہہ کو تو اچھی طرح جانتا ہے اُن کا حال کچھ بھیج میں نے سولہ آدمی کو بھیجے بعد اس کے کراہ زندہ ہوئے ہیں، اور اس سولہ کی خدمت یہ ہے۔

”نواب ضیاء الدین احمد خاں بہادر رئیس لوہارو، فارسی و اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں، فارسی میں تیر اور اردو میں رشتاں تخلص کرتے ہیں، اسداٹھ خاں غالب کے شاگرد۔“ نواب مصطفیٰ خاں بہادر علاقہ دارہانگیر آباد، اردو میں شفیقہ اور فارسی میں حسرتی تخلص کرتے ہیں۔ اردو میں رمی خاں کا اپنا کلام دکھاتے ہیں۔ ”منشی ہر گوبال معزز تاون گو سکندریا باد کے فارسی شعر کہتے ہیں، نقہ تخلص کرتے ہیں اور اسداٹھ خاں غالب کے شاگرد۔“

اصل یہ ہے کہ تذکرہ انگریزی زبان میں لکھا جاتا ہے۔ اشعار ہندی اور فارسی کا ترجمہ شامل دیکھا جائے گا۔ صرف شاعر کا نام اور اس کے استاد کا نام اور شاعر کے سکھ، وطن کا نام مع تخلص درج ہوگا۔

میں ہمیشہ نواب گورنر جنرل بہادر کے دربار میں بیٹھی صفت میں دسواں نمبر اور سات پارے اوتھیں رقم خواہر خلعت پاتا تھا۔ غدر کے خدشن جاری ہو گیا۔ لیکن دربار اور خلعت بند۔ اب کچھ لارڈ ملینکین آئے تو اہل دفتر نے بموجب حکم مجھ کو اطلاع دی کہ تمہارا دربار اور خلعت و نشست ہو گیا مگر وہی میں دربار نہیں، انہاں آگے تو دربار میں بہادر خلعت معمولی پاؤ گے۔ میں نے خبر میں وجدان کا مزا پایا اور انہاں لے گیا۔ رابرٹ ٹکمری صاحب فنٹ گورنر بہادر قلعہ پنجاب بیان آئے، دربار کیا، میں دربار میں نہ گیا۔ دربار کے بعد ایک دن بارہ بجے چہر اسی آکر مجھ کو لے گیا۔ بہت حمایت فرمائی اداسی حرفت سے خلعت حمایت کیا۔

### پنشن کا مقدمہ

یہاں پنشن کا مقدمہ پیش ہے کبھی صاحب کشر بہادر کے پاس کبھی صاحب ڈپٹی کشر بہادر کے پاس جانا ہوتا ہے، خود نہ پاؤں، تو خیال رہتا ہے کہ خدا جانے کس وقت بلا بھیجیں یا کسی وقت کوئی پرسش آجائے۔ ہائیں بیٹھے سے وہ ندنی کو جو مقوم جسم اور مغز روح فقہ مسدود ہے۔ کیا کھاؤں اور کچھ نہ کر جیوں۔ عطا اللہ کہ گڑ گڑ نہیں ٹھہرا۔ پنشن پاؤں گا مگر وہ پنشن گورنٹ کے پولیٹیکل سرٹسے سے منقر کی ہوئی ہے، سودہلی کا کچھ پنشن مفرد و فرد گٹ گیا۔ کوئی کا خدا باقی نہیں رہا۔ اب یہ شہر پنجاب احاطے میں مل گیا۔ پنجاب کا نواب لغٹنٹ گورنر بہادر بیان کا صدر ٹھہرا۔ اسی دفتر میں میری ریاست کا، میری معاش کا، میری عزت کا نام و نشان نہیں ہے۔ ایسے ایسے بیچ پڑے ہیں کچھ نکل گئے ہیں، کچھ باقی رہے ہیں، یہی نکل جائیں گے۔

کار ہا آساں شود اما بہ صبر

پنشن قلم کہیں بیٹھے سے بند، اور یہ سادہ دل فتوح جدید کا آئندہ پنشن کا احاطہ پنجاب کے حکام پر مدار ہے۔ سوان کا پیشہ ادیشہا ہے کہ نہ پورہ دیتے ہیں نہ جاب۔ نہ رہائی کرتے ہیں نہ عتاب بغیر اس سے قطع نظر کہ۔ اب سنئے لاہور کی۔ ۱۸۵۶ء سے بموجب تقریر حیدر شاہی کا امیدار ہوں، تھا کہ کرتے ہوئے شراؤں۔ اگر نہ گارہوں گندگا رٹھرا گولی یا پچاسی سے سرتا۔ اس بات پر کہیں بے لگاؤ



زور سالہ جمع، ہزاروں کماں سے بوجھنے، سات سو پچاس روپے سال پاتا ہوں، تین برس میں دو ہزار دو سو پچاس ہوئے، روپے بچے مدخر ہوئے تھے، وہ کٹ گئے، ڈیڑھ سو تنفات میں گئے۔ رہے دو ہزار، میرا خاں کا ایک بیٹا ہے اور میں اس کا فرزند ہوں، اب وہ دو ہزار روپے لایا، اُس نے اپنے پاس لکھ لیے اور بھروسے لکھا کہ میرا حساب کیجیے۔ سات کم پندرہ سو اُس کے سود مرل لے ہوئے تفریق کا اس سے حساب کروایا گیا۔ گیارہ سو کوئی روپے نہ نکلے۔ پندرہ اور گیارہ چھپیں سو ہوئے، اصل میں یعنی دو ہزار بیس سو لگنا۔ وہ کہتا ہے۔ پندرہ سو میرے دے دو، پانچ سو سات روپے باقی کے تم لے لو۔ میں کتاہوں تنفات لگایا، سو چکا دے۔ سو باقی رہے، اُسے تو لے لے، اُسے بھروسے۔ بعد اُسے حقوق چار سو روپے دینے باقی رہے اور تسی روپے گیارہ آنے لگے بچے آخر جون ۱۸۹۰ء میں کم ہو گیا کہ پیش دار علی الموم شمشای پایا کریں۔ ماہ ماہ پیش نہ تقسیم ہوا کرے۔ اب ماہ ماہ روپہ تیس گروہ کرے ۱۸۹۰ء سے خواہ شمشای ہر جائے گی، اس سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ چار روپے سیکڑہ سالانہ عموماً وضع ہوا کرے گا۔ اس حساب سے میرے حصے میں ڈھائی روپے مینہ آیا۔ باٹھ آنے کے ساتھ میں گے کچھ داپہر سے ماہ ماہ آتا ہے۔ یہ دونوں آمدیں مل کر خوش و ناخوش گزارا ہوتا ہے۔

گھر میں غنا کیا جو تراغتم اسے غارت کرنا  
دو جو ہم رکھتے تھے اک حسرت تعمیر سو ہے

یہاں کیا دھرا تھا جو کوئی نہ لے گا۔ چند گروہ نے اہل بازار کو تیا یا تھا، اہل قلم اور اہل فوج نے بافتاق ہڈ کر ایسا بند بست کیا کہ دھنا دھنٹ گیا۔ اب اس دامن ہے مسجد جامع و انگذاشت ہوئی۔ ۱۸۹۲ء میں قتل قبر کی طرف میڑھیوں پر کبابوں نے دکھائی بنائیں۔ اندھا، مرغی، کبوتر بکھنے لگا۔ دس آدمی مہتمم ٹھہرے۔ سرزا الی بخش، مولوی صدیق الدین، فضل حسین خاں تین یہ سات اور۔ ۶۔ نومبر، ۱۴۔ جمادی الثانی (۱۲۹۹ھ - ۱۸۹۲ء) جمعہ کے دن ابوالظفر سراج الدین بہادر شاہ قید فرنگ اور قید محرم سے آزاد ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

### ہندوستان کا ہندو

اُسے کھنڈ، کچھ نہیں کھنڈا کہ اس بہادرستان پر کیا گذری۔ اموال کیا ہوئے، اٹھام کماں گئے، خاندان شجاع اللہ لکھنؤ میں لایا انجام ہوا۔ قبلہ کعبہ مجتہد العصر (سید محمد) کی سرگزشت کیا ہے۔  
کھنڈ کا کیا کھنڈا۔ وہ ہندوستان کا ہندو تھا، دھرم کا امیر گرتی جو بے سرو پا دیاں پہنچ گیا، امیر بن گیا۔ اللہ اللہ اس باغ کی یہ ضل خاں اگر وہاں جہنم کے ایک کون ہو گا۔ یعنی ماہیں وسیع ہر جا میں گی، بازار اچھے محل آئیں گے جو دیکھے گا وہ داد دے گا اور دنی کے مناد کے جہنم کو نہیں ہے۔ یہاں مناد و رضا دہلا جائے گا۔ شہر کی صدمت سوائے اس بازار کے جو قلعے کے لاہوری مددگار سے شہر کے لاہوری مددگار سے نک ہے، سراسر بڑائی اور جڑتی جاتی ہے۔



## بچ لکھ

دلی پر پانچ ٹھکروں کا حملہ ہوا۔ ایک خدا کاوں کا، ایک ہنگامہ گدوں کا، ایک ختمہ اندام مکانات کا، ایک سائنٹ و بائی بس مصیبت کال کی۔ اب یہ برسات میں حالات کی جامع ہے۔ آج (۲۹ جولائی ۱۸۹۳ء) اکیسواں دن ہے۔ آفتاب اس طرح نظر آتا ہے جس میں بجلی چمک جاتی ہے۔ رات کو کبھی کبھی اگر تارے دکھائی دیتے ہیں تو لوگ ان کو ٹکیز کہہ لیتے ہیں۔ اندھیری راتوں میں جوں کی تو آئی۔ کوئی دن نہیں کہ دو چار ٹھری چری کا حال نہ سنا جائے۔ باغ و کھنڈ ہزار امکان گر گئے۔ میکرڈوں آدمی جا بجا دب کر گر گئے۔ بجلی کی زد کی ہے۔ ختمہ ختمہ وہ ان کا حال تھا۔ دینہ زبرسا امانت پیدا ہوا۔ بین کال ہے، پانی ایسا برسا کر بٹے ہوئے دانے ہو گئے۔ جھنڈے بھی نہیں ہوا تھا وہ ہلے سے رو گئے۔

برسات خدا کا تہ ہے۔ تمام خاں کی ملی سداوت خاں کی نہر ہے۔ میں جس مکان میں رہتا ہوں، عالم ٹیک کے کڑے کی طرف کا روازہ گر گیا۔ مسجد کی طرف کے دالان کو جاتے ہوئے جو روازہ تھا گر گیا۔ بیڑھیاں گرا پاتی ہیں۔ صبح کے کھینے کا جھوٹک رہا ہے۔ بھٹیں چھینی ہو گئی ہیں۔ میز گھڑی جبر سے تو بھٹ ٹھنڈا جبر سے۔ کتا جس، قعدان اسب تو شے خانے میں۔ فرش پر کیس لگن دکھا ہوا کیس بلی دھری ہوئی۔

واہ رے بندر

پہنشنہ ۲۵۔ مئی (۱۸۹۵ء) کو اولیٰ بڑے زور کی آندھی آئی۔ پھر غوب جیز برسا، وہ جاڑا پڑا کر شہر کو زہریر ہو گیا۔ بڑے سید ۱۸ روازہ ڈھایا گیا۔ قابل عمارت کے کچے کا بقیہ نمایاں کیا۔ کشمیری کڑے کی مسجد میں کا پریہ ہو گئی۔ مرکز کی دست دہ چنڈ ہو گئی۔ اللہ اللہ لخبہ مسجدوں کے ڈھانے جاتے ہیں اور ہندو کی ڈھنڈیوں کی جھنڈیوں کے پرچم لہرتے ہیں۔ ایک شیر زور آدھ اولیٰ قن بند پیدا ہوا تھا مکانات جا بجا ڈھاتا پھر تہ ہے فیض اللہ خاں گٹش کی حویلی پر جو گلدستے میں جن کو حوام گڑی کہتے ہیں۔ انھیں ۱۱ جلا کر ایک ایک کی بنیاد لٹا دی۔ اینٹ سے اینٹ بکا دی۔ واہ رے بندر! یہ زیادتی اور پھر شہر کے اندر!

مسفر رامپور

ایک قرن بارہ برس سے فردوس مکان نواب یوسف علی خاں والی رامپور اپنے اشار میرے پاس بھیجتے تھے اور مسجد پر ہینہ ماہ باہر بسیل ہنڈوی بجاتے تھے۔ اس ہنڈوی اندازہ دانی دیکھے کہ جسے کبھی اس رہنے کی رسید نہ لی۔ اپنے خلی میں ہنڈوی بھیجا کرتے میں خدا کا جواب کھ جیتا۔ اس ماہانہ کے عقدہ کبھی دوسرے کبھی ڈھائی سو بھیجتے رہتے۔ ختمہ و نامہ کے دفن میں تھے کی آندھ ختمہ، اگر یہی پیش مسجد وہ یہ بزرگوار و بر مقروی ماہ باہر آمد ختمہ گاہ گاہ بھیجتا رہا۔ تب میری لود میرے متوسلوں کی زیست ہوئی۔

نواب یوسف علی خاں بہادر اکتیس برس کے میرے دوست تھا پانچ پھر برس کے میرے شاگرد ہیں۔ اُن کے گاہ گاہ کچھ بھی دیا

کہتے تھے۔ اب جولائی ۱۸۵۹ء سے سو دو پیر مینہ ماہ بادل بھیجتے ہیں۔ بلاتے رہتے تھے۔ اب یہی گیا۔ دو مینہ رہ کر چلا آیا۔ وہ سو دو پیر مینہ  
یہاں رہیں وہاں رہیں، خدا کے ہاں سے میرا مقرر ہے۔

میں نے دلی کو چھوڑا اور رامپور کو چلا۔ پختہ ۱۹۔ جنوری ۱۸۶۰ء کو مرادنگر اور جھہ ۲۰۔ جنوری کو میرٹھ پہنچا۔ شنبہ ۲۱ کو جانی  
مصطفیٰ خاں شیعہ کے کھنے سے مقام کیا۔ شاہ جہان پور، گڑھ کتیسر، مراد آباد جوتا پورا رامپور پہنچا۔ چار دن والی سڑنے اپنی کوٹھی میں لانا  
میں نے مکان جڈا گانا لگا۔ دو تین حویلیاں برابر لکھ کر عطا ہوئیں۔ بحسب اتفاق ڈاک گھر سکھ کے پاس۔ ڈاک فنی آٹا ہو گیا۔ برابر دلی سے  
خدا چلے آتے ہیں۔ صرف رامپور کا نام اور میرا نام، مجھے کی اور عورت کی حاجت نہیں۔

نواب صاحب مانع رہے اور بہت مدد دینے کو کہتے رہے۔ برسات کے آئوں کا لالچ دیتے رہے مگر بجائی میں ایسے اخلاز سے چلا  
کہ رمضان کی جائزات کے دن یہاں پہنچا یک شنبہ کو غزوہ ماہ مقدس ہوا۔ اسی دن سے ہر صبح کو عادل علی خاں کی مسجد میں جا کر جناب  
مولوی جعفر علی صاحب سے قرآن سناتا ہوں، شب کو مسجد جامع جا کر نماز تراویح پڑھتا ہوں، کبھی جوجی میں آتا ہے تو وقت صوم نہایت  
بانع میں جا کر رونہ کھوتا ہوں اور سر دپائی جتا ہوں۔ واہ واکیا اچھی طرح عمر بسر ہوتی ہے۔

اب اہل حقیقت سنو، لوگوں کو ساتھ لے گیا تھا وہاں انھوں نے میرا مال میں دم کر دیا۔ تنہا بیچ دینے میں دھم آیا کہ خدا جانے اگر  
کوئی امر حادث ہو تو بدنامی عمر بھر رہے اس سبب سے چلا آیا درنگری برسات وہاں کاٹا۔

قرار داد یہ ہے کہ نواب صاحب جولائی ۱۸۵۹ء سے سو دو پیر بھے ماہ بادل بھیجتے ہیں۔ اب جوجی وہاں گیا تو سو دو پیر مینہ بادل  
دعوت اور دیا، یعنی رامپور میں تو دو سو دو پیر مانا نہ پاؤں اور دلی رہوں تو سو دو پیر۔ سو دو سو میں کلام نہیں۔ کلام اس میں ہے کہ نواب صاحب  
دوستانہ و شاگردانہ دیتے ہیں۔ لکھ کر نوکر نہیں لکھتے۔ ملاقات بھی دوستانہ رہی۔ معاف و عظیم جس طرح احباب میں رسم ہے، وہ دعوت ملاقات  
کی ہے۔ لوگوں سے میں نے نذر دوائی تھی۔ جس۔ بہر حال فہیمت ہے۔ رزق اچھی طرح ملنے کا۔ شکر چاہیے، کمی کا لشکر کیا!

تعلیم تو قدر بہت، ملاقاتیں تین ہوئی نہیں۔ ایک مکان کردہ تین چار مکانوں پر مشتمل ہے رہنے کو ملے ہے۔ یہاں پتھر تو دوا کو بھی میسر نہیں  
خشتی مکان گنتی کے یہ بھی، دیواریں ادھ کھیریں۔ سارے شہر کی آبادی اسی طرح پر ہے۔ لکھ کر جو مکان ہے جس وہ بھی ایسے ہیں۔ کھانا دونوں وقت سرکا  
سے آتا ہے اور وہ سب کو کافی ہوتا ہے۔ خدایہ سے بھی خلاف طبع نہیں۔ پانی کا شکر کس نمز سے ادا کروں۔ ایک دریا ہے کسی، بسمان اللہ ایسا  
میٹھا پانی کو چنے والا لگائی کرے کہ یہ کچھا شربت ہے۔ صاف، ٹھیک، گوارا، سرسبز، نفوذ، صبح کو ٹھیک خوب لگتی ہے۔

میں جہاں جنوری کو رامپور جا کر آخر مارچ کو یہاں آگیا تو کیا کہوں کہ یہاں کے لوگ میرے حق میں لکھتے ہیں۔ ایک شخص کا قول  
ہے کہ یہ شخص والی رامپور آتا تھا اور وہاں گیا تھا، اگر نواب نے کچھ سلوک نہ کیا ہو گا تو بھی پانچ ہزار سے کم نہ دیا ہو گا۔ ایک جماعت کہتی  
ہے کہ نوکری کو کھائے گھر کو نہ لکھا۔ ایک فرقہ کہتا ہے کہ نواب نے نوکر کو نہ لکھا تھا۔ دو سو دو پیر مینہ نہ کر دیا تھا۔ نفست محمد زلا آباد جو  
رامپور رہے اور ان کو غائب کا دوا ہونا معلوم ہوا تو انھوں نے نواب صاحب سے کہا کہ اگر ہماری خوشنودی چاہتے ہو تو اس کو جواب دو  
نواب صاحب نے برطرف کر دیا۔

میں کی طرف سے جہاں دیکھ کر کشتی میں معنی نہیں ہوں۔ جس طرح ادا۔ واسطے فقرہ کے وجہ معاش مقرر کر دیتے ہیں، اسی

اس سرکار سے میرے واسطے مقرر ہے۔ ان فقیرے واسطے غیر اعلیٰ سے اصلاح نظم مطلوب ہے۔ چاروں دلی سبوں، چاروں بھراؤ، چاروں  
 و ہر چاروں و ہر ایک گاڑی کپڑوں کے واسطے کدوں، کپڑوں کے صندوقی آدمی، دہریہ شراب و دھوڑ، ساڑھے کمار ٹیکے کے لوں چا  
 آدمی دھتا ہوں، دو میناں چھوڑوں و ساتھ لوں چل دیوں، سام پر سے جو لحاف آیا کرے گا۔ دکان کا لحاف لوار و دھوڑ آیا کرے گا گاڑی ہوگا  
 ہے، شراب مل گئی ہے، کمار بچے کتے ہیں، طاقت کماں سے لاؤں۔ روٹی کھانے کو باہر کے مکان سے سسر میں کدو بہت قریب ہے۔ جب  
 ہانا ہوں تو جلد ستائی گاڑی میں دم ٹھہرا ہے اور ہی حال دیوانی خلع میں آکر ہوتا ہے۔ والی ماہر نے مرشدانہ کی شادی میں جاپا  
 بی لٹائی کہیں اب معدوم ہیں، تھا ما اقبال کتابے کلام کو اصغر دیتا ہے۔

نہیں ماہر مودہ میز دیتے ہیں، سال گذشتہ (۱۸۹۳ء) ان کو کھجور بھاکہ اصلاح نظم حواس کا کام ہے لہذا میں اپنی سب  
 نہیں پاتا، ترقی ہوں کس خدمت سے صاف رہوں، جو کچھ لکھے آپ کی سرکار سے خواہے، عرض خدمت سابقہ میں شام کیجیے تو میں سکرٹری  
 و نہ غیرت خواہ کی اور اگر جیل بشرط خدمت ہے تو جو آپ کی مرضی ہے وہی میری تمت ہے۔ برس دن سے کلام نہیں آتا، نوح مقرر  
 زمر ۱۸۹۴ء تک آئی۔ اب آگے دیکھیے کیا ہوتا ہے۔ آج تک نواب صاحب ازراہ جواں حوی دے جلتے ہیں۔

## دوسرا سفر دہلی پر

مقام پور کی سرکار کا فخریہ دار اور دوزخوار ہوں، نہیں حال نے منہ نشینی کا جتن کیا، وعلیٰ دولت کو درودت پر جانا واجب ہوا  
 ۱۔ اکتوبر ۱۸۹۵ء کو بھٹے کے دن دہلی گھر کی دن چڑھے اجاب کو رخصت کر کے ماہی ہوا، نقد یہ تھا کہ کھوسے رہوں، وہاں دھنکے کی گٹائی  
 نہ پائی، باؤڑ کو دعا نہ ہوا، دونوں بطور دار گھڑوں پر سوار پہلے چل دیئے۔ چار گھڑی دن رہے۔ باؤڑ کی سرائے میں پہنچا، دونوں جانوروں  
 بیٹھے ہوئے اور گھڑوں کو ٹٹے ہونے پایا۔ گھڑی بھر دن رہے تاہر آیا، میں نے چٹا نکسیر لگی داغ کیا، وہ شامی کباب اس میں ڈال دیئے  
 مات ہو گئی تھی، شراب پی، کباب کھائے، لڑکوں نے اسیر کی گھڑی کھائی۔ خوب لگی ڈال کر آپ بھی کھائی اور ب آدمیوں کو بھی کھائی  
 کدو سٹے سادہ سالی پکایا۔ نرکاری نہ ڈھائی۔ چار پانچ بجے کل میں باؤڑ سے چل دیا، سونچ لکھ باؤڑ گھر کی سرائے میں پہنچا۔ بد قطع  
 منازل سنہ ۱۳۔ اکتوبر کو وہاں پہنچا۔ موسم اچھا تھا، گرمی گزرتی تھی، جاڑا بھی چکا نہ تھا۔ عالم ابدال آب و ہوا سلیس و خوش ہوا، آرام  
 ماہر رہینچا۔

۲۔ زمر نواب صاحب دسے کوٹھے مفرانے کو دہشتے میں آؤں گا۔ اگر ہا روف ہاں رہیں گے۔ پھر نائیں گاہ بلی کی سرکار جانے  
 وہاں سے پھر کربانیں گے تو صاحب کشر بلی کا انتظار فرمائیں گے۔ وہ ۵۔ دیکر تک آجائیں گے۔ تین دن تک جتن رہے گا۔

جشن کی شام کو کٹر شیدو کھتا تو میراں رہا۔ شہرے دو کوس کے فاصلے پر آفاہر ناں ایک بستی ہے، پندرہویں دن سے وہاں خیام  
 برپا تھا۔ صاحب کشر باہر بلی سے چند مساجد میں کھٹے اور خیر میاں آئے۔ کچھ کم سو صاحب لودیم جمع ہوئے۔ سب سے کلد ہار  
 کے صاف۔ ۵۔ دیکر ۵۔ ۱۸۹۵ء کو حضور پروردہ جنتی سے آفاہر تشریف لے گئے۔ بارہ پروردہ کھٹے اور شام صحت بھی کرتے۔ سفیدی  
 خان خانان خواہی سے دیر چلیکا ہوا تھا۔ دو کوس کے مسج میں دو ہزار سے کم نہ نارا ہوا۔ شمس، آتش بازی کی دھواڑ

کہ رات دن کامنا کرے، طوائف کا وہ جرم، حکام کا وہ جرم کہ اس مجلس کو طوائف الملوک کہا جیے۔  
 نہیں کی تصویر کھینچتا ہوں، قد، رنگ، اہل، شائکی، بیضہ ضیاء الدین خاں۔ عمر کا فرق ادھکچہ کچھ ہیرہ اور لہر متفاوت۔  
 حلیم، خلیق، باذل، کویم، ستواض، مختصر، متورج، شرف، سیکڑوں شریار۔ نظم کی طرف متوجہ نہیں۔ نثر لکھتے ہیں اور خوب  
 لکھتے ہیں۔ جہاں سے طباطبائی کا طرز برتتے ہیں تنگنہ جہیں ایسے کہ ان کے دیکھنے سے غم کو رسوں جھاگ جائے فیض بیان ایسے کہ  
 ان کی تقریریں کر ایک اور نئی روح غالب میں آئے۔

میں یہاں خوش اور تندہمت ہوں، دن کا کھانا ایسے وقت آتے ہیں کہ بہرون چڑھے تک میرے آدمی بھی روٹی کھا چکے ہیں  
 شام کا کھانا بھی سویرے آتے ہیں۔ کئی طرح کے سالن، پلاؤ، تہن، پسندے، دوڑوں وقت روٹیاں، خمیری چپاتیاں، مرتبے، اپارا  
 میں خوش، دل کے بھی خوش، سقا، شعلی، خاکروب سرکار سے تہن ہے۔ جام اور دھوئی نوکر رکھ لیا ہے۔ تعظیم، تواضع، اخلاق کسی  
 باب میں کمی نہیں۔ نواب صاحب کا اخلاص و التفات روز افزوں ہے۔ کھانے کی اور گھوڑوں اور بیوں کے گھاس دانے کی  
 نقدی ہو گئی۔ لیکن اس میں میرا فائدہ ہے نقصان نہیں۔

میں نثر کی داد اور نظم کا صلہ مانجھے نہیں آیا، بھیک مانگے آیا ہوں۔ روٹی اپنی گرہ سے نہیں کھانا سرکار سے ملتی ہے۔ وقت  
 میری قسمت اور نظم کی ہمت۔ نواب صاحب از دے صورت روح صبر اور با فقار اخلاق آیتہ رحمت ہیں۔ خزانہ فیض کے غولدار ہیں۔  
 جو شخص دفتر ازل سے جو کچھ لکھوا لایا ہے اس کے بٹنے میں دیر نہیں لگتی۔ ایک لاکھ کئی ہزار روپے سال نئے کا حصول معاف کر دیا۔ ایک  
 اہلکار پر ساڑھے ہزار کا محاسبہ معاف کیا اور میں ہزار روپیہ نقد دیا۔ نئی نوکشور صاحب کی عرضی پیش ہوئی، خلاصہ عرضی سن لیا، واسطے فہم  
 صاحب کے کچھ حلیہ، تقریب شادی صبیہ تجویز ہو رہا ہے، مقدار چھ پر نہیں لکھی مصطفیٰ خاں صاحب بقیہ تہنیت مسند نشینی و شوال  
 آنے والے ہیں، اس وقت تک نہیں آئے۔ جشن یکم دسمبر سے شروع ۵۰۔ دسمبر کو نعت کا آنا مسورج۔

دہی مصاحبت، اس کو پہلے تسنن پھر معلوم دسمبر سے آگئی، پھر زبان آدمی پھر قسمت کی یادری شرط ہے۔ باقر علی خاں کو  
 شرطیں دیکار۔ پہلی شرط موجود۔ بعد جشن وقت رخصت ان دونوں لڑکوں کے باب میں کلام کروں گا۔

وصاحب، کچھ دیر کھائی، دن بھلانے، کپڑے چلے، گھر کو آئے۔ ۸۔ جنوری ۱۸۶۶ء۔ دو شنبے کے دن غضب الہی کی  
 اپنے گھر پر نازل ہوا۔ بعد دعا کی کے سر آداب میں پہنچ کر سہارہ لگیا۔ پانچ دن صد الصدور صاحب کے ان پڑا رہا۔ انھوں نے سہارا  
 اور غم خوری بہت کی۔

## مذہب

میں متحدہ خاص اور عمومی کامل ہوں۔ زبان سے لا الہ الا اللہ کہتا ہوں اور دل میں لا موجود الا اللہ، لام  
 فی الوجود الا اللہ کہے ہوئے ہوں۔ انبیاء سب عاجب تسلیم اور اپنے اپنے وقت میں سب مفترض العاقل تھے۔ محمد علیہ السلام  
 پر نبوت ختم ہوئی۔ یشق المرسلین اللہ عزوجل للعالمین میں منقطع نبوت کا مطلع امامت اور امامت نہ اجماعی بلکہ من اللہ ہے اور امام من

علی علیہ السلام ہے ثم حسن، ثم حسین، اسی طرح تاحدی موجود علیہ السلام :

بریں ذیستہم ہم بریں مجلہ دم

ہاں اتنی بات اوس ہے کہ اباحت اہل مذمت نے کہ مردود اند شراب کو حرام ادا اپنے کو حاشی بگتا ہوں۔ اگر مجھ کو مذمت میں نکالیں گے تو میرا اہلنا مقصود نہ ہوگا بلکہ مذمت کا ایندھن میں ہوں گا اور مذمت کی آگ کو تیز کروں گا تاکہ مشرکین و جگہ پر نبوت مصطفوی و امامت رضوی اس میں ملیں۔ نہ کچھ خوف مرگ نہ کوسٹے صبر ہے۔ میرا مذہب بکلاف حقیقتہ قدیہ جبر ہے۔ صاحب، بندہ انا حشری ہوں ہر مطلب کے خاتمے پر ۱۲ کا ہندسہ کرتا ہوں۔ خدا کو سے میرا بھی خاتمہ اسی حقیقت سے پر ہو ۱۲۔

میر نصیر الدین اولاد میں سے ہیں شاہ محمد اعظم کے۔ وہ غلط تھے مولوی نور الدین صاحب کے اود میں مرید ہوں اس خاندان کا صحابی صافی ہوں اور حضرات شریفہ حفظ مراتب ملحوظ رکھتے ہیں :

مگر حفظ مراتب نہ کئی نہ مذہبی

میں بنی آدم کو شکران یا بند یا نثرانی، عزیز رکھتا ہوں ادا پنا بھائی گشتا ہوں دوسرا ملنے یا نہ ملنے۔ رہی وہ عزیز داری جس کو اپنی دنیا قربت کہتے ہیں۔ اس کو قوم اود ذات اود مذہب اور طریق شرط ہے اور اس کے مدارج و مراتب میں میں مجھوٹے سے بزرگوں اور جھوٹے کو محسوس جانتا ہوں کبھی جھوٹ نہیں ہوتا۔

## مکان

میں کالے صاحب کے مکان سے اٹھ آیا ہوں۔ مارچ ۱۸۵۲ء بمقامی ماہوں کے محلے میں ایک چوٹی کر لئے کہنے کو اس میں رہتا ہوں۔ وہاں کا میرا بہنا خفیف کر لئے کے واسطے نہ تھا، صرف کالے صاحب کی محبت سے رہتا تھا یکم محرم میں خاں کی غوی میں رہتا ہوں۔ وہ چوٹی غلام شاہ خاں نے ٹرول لے لی تاحز جون ۱۸۶۰ء میں مجھ سے کہا کہ چوٹی خالی کر دو دس باہ برس سے اس تنگ محلے میں رہتا تھا۔ سات برس تک ملا باہ چار روپیہ دیا گیا۔ اب تین برس کا کر ایہ کچھ اوپر سو روپے یک شت دیا گیا۔ ملک نے مکان بیچ ڈالا۔ جس نے دیا ہے اس نے مجھ سے پیام بلکہ ابرام کیا کہ مکان خالی کر دو، مکان کہیں ملے تو اٹھوں۔ بے درد نے مجھ کو عاجز کیا اور بعد ملگلی دو مہینے بالان خانے کا جس کا دو گز کام میں اور دس گز کا طول ہے اس میں پاڑ بندھ گئی۔ رات کو وہیں سویا گرمی کی شدت، پاڑ کا قربت گمان یہ گزتا تھا کہ کھگر ہے اور صبح کو کچھ کہ چائسی لٹگی۔ تین مائیں اسی طرح گزریں۔ اب مجھے ٹکر پڑی کہ کہیں دو چوٹیاں قریب بہرگز ایسی نہیں کہ ایک محل سر اور ایک دیوان خانہ ہو۔ نہیں۔ ناچار یہ چاہا کہ کئی ماہوں میں ایک مکان ایسا ملے کہ جس میں چار ہوں۔ قربت ملاؤ الدین خاں طلالی کی چھوٹی چھوٹی ہے بے کس راز کی۔ کڑوڑ ادالی چوٹی مجھ کو رہنے کو دی۔ ۹۔ جولائی ۱۸۶۰ء ہر چند وہ مکان مرہی مذہبی کہ فلسفہ اسے قریب ہو، مگر غیر بہت دور بھی نہیں۔

میرا مکان گھر کا نہیں ہے۔ کر لئے کی چوٹی میں رہتا ہوں۔ جولائی ۴ ۱۸۶۰ء سے مینہ شروع ہوا۔ شہر میں بیکڑوں مکان گھرے اور مینہ کی نئی صورت۔ وہی میں دو چار بار برسے اور ہر بار اس زور سے کہ ندی نالے نہ نکلیں۔ بالان خانے کا دالان جو میرے اٹھنے بیٹھنے

سوتے جگھٹھ مرنے جینے کا عمل ہے، اگر چہ گرا نہیں، لیکن چھت چھلنی ہو گئی، کہیں گھسی، کہیں چلی، کہیں اگل دان رکھ دیا۔ قعدان، کتاب میں خاکہ  
توشے خلتے کی کوٹھڑی میں رکھ دیئے۔ مالک مرمت کی طرف متوجہ نہیں کشتی فوج میں تین بیٹے دھپنے کا اتفاق ہوا۔  
دیوان خانے کا سال عرصہ سے بڑا ہے۔ میں مرنے سے نہیں ڈرتا، قعدان راحت سے گھبراتا ہوں۔ چھت چھلنی ہے، ابرو گھٹنے  
برے تو چھت چار گھٹنے بڑھتی ہے۔ مالک اگر چاہے کہ مرمت کرے تو کیوں کو کرے۔ مینہ گھٹے تو سب کچھ ہوا دھپرائے مرمت  
میں ہیشا کس طرح رہوں۔

نامور آدمی کے واسطے محنت کا پتہ ضرور نہیں۔ میں غریب آدمی ہوں، مگر فارسی انگریزی خط جو میرے نام کے آتے ہیں تلف  
نہیں ہوتے بہن فارسی خط پر محنت کا نام نہیں ہوتا۔ انگریزی خط پر تو مطلق پتا ہوتا ہی نہیں۔ شہر کا نام ہوتا ہے تین چار خط انگریزی ولایت  
سے بھر کر آئے۔ جانے ان کی جاتی ماہوں کا محنت کیا چیز ہے۔ میرے نام کا لغت جس شہر سے چلے، اسی شہر کے ڈاک گھر میں رہ جائے تو وہ  
جائے درندہ کی کے ڈاک خلتے میں پہنچ کر کیا امکان ہے کہ تلف ہو جائے۔

## ملازم

بی و خدادار بانہر بھلتی ہیں۔ سودا تو کیا لائیں گی، مگر خفیہ اور طسار ہیں، رستہ چلتوں سے باتیں کرتی بھرتی ہیں، جب وہ محل سے  
نکلے گی، ممکن نہیں کہ اطراف نہ کی سیر نہ کریں، ممکن نہیں کہ دوداڑے کے سپاہیوں سے باتیں نہ کریں، ممکن نہیں کہ پھول نہ توڑیں اور  
بی بی کو لے جا کر نہ دکھائیں اور نہ کہیں کہ یہ پھول تانے چپاکے بیٹے کی کاٹی کے اس (تھارے چپاکے بیٹے کی یاد رکھیں)

## اولاد

میں لمبیلد و لمب یولد ہوں، اکثر برس کی عمر تک سات بچے پیدا ہوئے، (شکے بھی اور روکیاں بھی۔ اور کسی کی عمر  
پندرہ بیٹے سے زلیخہ نہ بڑی۔ زین العابدین خاں مرحوم میر افزند تھا اور اب اس کے دونوں بچے کہ وہ میرے پوتے ہیں وہ میرے پاس آ  
رہے ہیں اور دم بدم میرے کمرے میں آتے ہیں اور میں گل کرتا ہوں۔ مجھے کھانا نہیں کھانے دیتے، گنگے گنگے پاؤں میرے چنگ پر رکھتے ہیں، کہیں لانی  
رکھتے ہیں، کہیں خاک آڑتے ہیں، میں تنگ نہیں آتا۔

## وبا

انشاء اللہ ایک دم میں کہ دوبارہ ان کی بیڑیاں کٹ چکی ہیں، ایک ہم میں کہ ایک نوپر چپاس برس سے جو چھانسی کا پھندا لٹکے ہیں پڑا  
ہے، نہ تو پھندا ہی ٹوٹتا ہے نہ دم نکلتا ہے۔

دبا کو کیا پوچھتے ہو، دبا بھی کہاں جو میں کہوں کہ اب کم ہے یا زیادہ، ایک چھیا سٹھ برس کا مرد، ایک چونسٹھ برس کی عورت  
ان دونوں میں سے ایک بھی نہ تو تم جانے کہ اس دبا آتی تھی۔ تھک بریں دبا!

تسلیم کر کے رکھ دیں۔ یہ بھی ایک نیربائی تھا۔ قتل عام آیا، رٹ ایسی منت، کالی ایسا بلبل، کیوں نہ ہو، صاحب  
دس برس پہلے (لکھیا تھا)۔  
ہو چکیں غالب ہائیں سب تمام ایک مرگ ناگمانی ادھ ہے

### عزیز و اقارب

میرا حقیقی بھائی نکل ایک تھا۔ وہ تیس برس دوا نہ رہ کر مر گیا۔  
میرا ایک بھائی، مارن کا بیٹا، نواب ذوالفقار جہاں کی حقیقی خاں کا بیٹا ہوتا تھا اور سندھ میں حاکم بنا دیا، وہ میرا بھتیجا ہی  
یعنی میں نے اپنی مانی اور اس نے اپنی بھیم چلی کا دودھ پیا تھا۔  
میں نے کبھی مرحوم (میرزا بادیستی) مجھ سے چار برس چھوٹا تھا۔ اس نے ۶۶ برس کی عمر پائی۔ نئی تقریر و تقریر کا آدمی تھا۔ کبیر بادیم  
میر صاحب سے ملے۔ انسانے مکالمات میں کہنے لگے کہ میں چچا جان کے ساتھ لاڈلیک کے شکر میں موجود تھا اور ہر کھوسے ہر عمارات چوب  
ان میں شامل رہا ہوں۔ بے ادبی ہوتے ہے ورنہ اگر قبائلی پر یہی آثار کر کے کھاؤں تو سارا بدن کھوٹے کھوٹے ہے۔ جا بجا تو اسلار بھیجے کے  
ہیں۔ وہ ایک بیدار مغز اور دینیہ دماغی۔ ان کو دیکھو دیکھ کر کہنے لگا کہ نواب صاحب ہم ایسا جانتے ہیں کہ تم جرنیل صاحب کے وقت  
چار پانچ برس کے ہو گے۔ یہ سنی کہ آپ نے کہا کہ تو درست، بجا ارشاد ہوتا ہے؟  
خدا بیش یا مرزا و دیں درو خمائے بے نمک میگ اد

### احباب

اللہ! اب بھی بندو ستا ہی میسے روگ پی کر میں نے ان کو دیکھا، انہوں نے مجھ کو دیکھا، نہ میرا کوئی حق ان پر ثابت نہ  
کوئی خدمت مجھ سے میں منظور غیر خیر ہوں، جب تک جیوں گا وہاں کا تمام عمر ممنون اور شرمندہ رہوں گا۔  
نواب مصطفیٰ خاں، بیاد سات برس کے قید ہو گئے تھے، سران کی تعمیر صاف تھیں اور ان کو رمانی ملی۔ جہانگیر آباد کی زندہ  
دن کی اٹاک اندیش کے اب بھی کچھ حکم نہیں ہوا۔ پچاروہ سا ہر کر مرے ہی میں ہیں۔ ایک دوست کے مکان میں ٹھہرے ہیں۔ میں بھرنا سنا  
جبکہ ٹاک میں جیل کر رہے تھے، ان کو دیکھا۔ چاروں دواں را، پھر ڈاک میں اپنے گھر آیا۔ تاریخ آئے جانے کی یاد نہیں۔  
حضرت جہاں پوری صدیق الہی صاحب بہت دلی عواکات میں رہے، کورے میں قید پر پیش ہوا، دو بلکریاں ہوئیں۔ آخر صاحب  
نے جانی بخشی کا حکم ہے دیا۔ نوکری موقوف، جایدا و ضبط، ناچار خستہ و تلبہ لا ہو گئے، فاضل کشت اور فضیلت گورنر نے از روہ تر م نصت  
و اگر اشت کی اب نصت ہندو پر تاجن ہیں چاہی ہوئی میں رہتے ہیں۔ کرانے پر سانش کا مدار ہے۔ اگرچہ یہ امداد ان کے گزارے کو کافی ہے  
و اسلے کہ ایک آپ لکھا کہ بی بی تیس چالیس روپے پیسے کی آمد دیکھیں کہ انام بخش کی اور وہ ان کی حضرت سے لہو دس باہر ہوتی ہیں۔  
زانہ والی سے نہیں گزرتی۔ نصت پیری نے بہت گھر ہوا ہے۔ حضرت زانہ کے اس طرح ہیں، خدا اس صفت رکھے، خیمت میں۔

مولا فضل حق خیر آبادی کا مزار میں حکم دوام حسن بحال رہا بجز تاکید بُرئی کہ مبلدہ دریائے شور کی طرف روانہ نہ کرو۔ ان کا بیٹا ولایت میں اپنی کیا چاہتا ہے کیا ہو گیا ہے بہو ہو نا قسا ہو گیا۔ انا اللہ دانایہ راجعون۔

ہائے مجروحان جاگ ب کیا ہوں مانگیا، پچ، اُس کا شیوہ یہ تھا کہ لڑکے فکر کو مانع آتا اور فارسی زبان میں شعر کہنے کی رغبت دلاتا یہ بھی ان ہی میں ہے جو کالمیں مانتی ہوں۔ ہزار ہا دوست مر گئے، کس کربا کو کدوں اور کس سے زیادہ کدوں۔ جیوں تو کوئی غم خوار نہیں مردوں تو کوئی حرامدار نہیں۔

وہاں تک کہ ہم بگڑتی، اور میں بھی دبا ہے۔ پان سات دن بڑا شور مچا۔ انگریزوں نے میرڈلی مشنری کے ایک صاحب کو گیا و ا قی ہے مختلف وہ میرا حق ز اور ترقی خواہ اور باج میں اور مجھ میں متواس تھا۔ اس جرم میں مانو ز ہو کر مرا۔ خیر یہ عالم اسباب ہے اس کے حالات سے ہم کو کیا ہے

آم جی کو ثبت مرغوب ہیں۔ اگر رے کم ہو، نہیں۔ مالہ کے کام یاں پونڈی اور ولایتی کر کے مشہور ہے، اچھا ہوتا ہے۔ یہاں دیکھی  
آم انواع و اقسام کے بہت پاکیزہ، لذیذ خوشبو، اخراط سے ہیں۔ پونڈی آم بھی بہت ہیں۔ وراپور سے نواب صاحب اپنے باغ کے آمرا  
سے اکثر بیل ارضان بھیجتے رہتے ہیں۔

شیخ حسن الدین مرحوم سے بطریقِ تنہا کیا تھا کہ جی دیوں چاہتا ہے کہ برسات میں مارہرہ جاؤں اور دل کھول کر اور پیٹ بھر کر آم کھاؤں۔ اب وہ دل کماں سے لاؤں، طاقت کماں سے پاؤں، آسمان کی طرف رغبت، زمعدے میں اتنی آسوں کی گنجائش۔ نہارنہ میں آم نہ کھاتا تھا۔ کھانے کے بعد میں آم نہ کھاتا تھا۔ رات کو کچھ کھانا ہی نہیں جو کہیں: بی بی انشائیں۔ ہاں آخر روز بعد منہم معدی آم کھانے بیٹھ جاتا تھا۔ بے تکلف عرض کرتا ہوں۔ اتنے آم کھاتا تھا کہ پیٹ بھر جاتا تھا اور دم پیٹ میں نہ سماتا تھا۔ ابھی اسی وقت کھاتا ہوں۔ ٹگر دس بارہ۔ اگر پیر؟ آم بڑے ہوتے تو پانچ سات۔

دینا کہ عہد جوانی گزشت جوانی محو زندگانی گزشت

شراب

دوسرے انگریزی شراب ایک نوکاسٹین اور ایک لولڈ نام، یہ میں ہمیشہ پارتا تھا اور یہ دونوں قسم میں دھپے حد میں دھپے دہکتے آتی تھیں۔ اب یہاں پے تو نظر نہیں آتی تھی، اب پیاس دھپے اور ساٹھ دھپے درج آتی ہے۔ یہ جو مجال کی شراب میں نہیں دیتا، لیجے کہ کونسا کرتی ہے اور مجھے اس سے نفرت ہے۔ بیکو ایک انگریزی شراب ہوتی ہے۔ تو ہم کہ سنت لطیف اور زنگت کی بہت خوب اور طعم و مزہ اس میں خوب قند کا توام تھا۔

میں برس آنکھ کی یہ بات تھی کہ اربعہ سال میں پانچ بار اطمینان سے قریب شام میں گلاس پی لیتا تھا اور شراب شہناہ صوفی کی عجز اور اس عجز میں میں برساتیں ہوئی۔ پٹے پٹے بند برسے پنا ایک طرف دل میں خیال بھی نہ گزارا بلکہ رات کی شراب کی مقدار کم ہو گئی۔



## خدا

بشریں کا آدمی، پھر بخیر دینی۔ خدائیکم مفقود۔ آٹھ ہر میں ایک بائاب گوشت پنی یاموں، نعلی دربی، دہاؤزہ نکلا  
کو خدا دیشیہ بادام مقفود دہر گوشت کا پانی۔ سرنام گوشت کھٹے ہونے چاکباب۔ سوتے ہونے پانچ دہے ہر شربا صامی  
گلاب۔ خرف ہوں، اچا ہوں، حاصی ہوں، خاسی ہوں، ادسیا ہوں، یرقی کا یہ شعر میرے صب محل ہے۔

مشورہ میں عالم میں مگر ہوں بھی کسیں ہم  
القصد۔ دہے ہوا سے کہ نہیں ہم

آگہ کی ریائی میں فرق۔ اٹھ کی گیرائی میں فرق۔ رشتہ ستولی، حافظ معلوم۔ مشورہ بات ہے کہ جو کوئی اپنے عزیز کی فاقہ کھاتا ہے  
مولیٰ کی روح کو اس کی بوجھتی ہے۔ ایسے میں سگہ تیا ہوں خدا کو۔ پلے مقدار خدا توں پر منحصر تھی۔ اب ماشوں پر ہے۔ زندگی کی توقع آگے  
لینوں پر تھی۔ اب دونوں پر ہے۔ ستر بہتر آؤ دو میں ترجمہ پر غرت ہے۔ میری تقریر کی عمر ہے۔ پس میں اخوت بھڑا۔ گویا حافظ کسی تھا  
نہیں۔ مامعہ باطل بہت دن سے تھا، رفز رفز وہ بھی حافظ کی طرح معلوم ہو گیا۔ اب جیسے بھر سے یہ حال ہے کہ جو دست آئے ہیں رگی  
پرسبب مزاج سے بڑھ کر جو بات ہوتی ہے وہ کا ذکر کھ دیتے ہیں۔

## ضعیفی

میں شش خانی متفرق ہوں، دہلی سینکے علم کو اور نظیری کے شعر کو ضائع اور بے فائدہ اور مہموم جانتا ہوں۔ زیت بسر کرنے کو  
کچھ تھری کی راحت دے گا رہے اور باقی حکمت اور سلطنت اور شاعری اور ساحری سب خواہات ہے۔ ہندوؤں میں اگر کوئی اوتار پڑا تو کیا اور  
مسلاؤں میں بنی بنا تو کیا۔ دنیا میں نامور ہونے تو کیا اور گنام ہے تو کیا، کچھ دہر سائن ہوا اور کچھ صحت جہانی باقی سب وہم ہے اسے  
یار جانی۔ ہر چند وہ بھی وہم ہے، مگر میں بھی اسی پاسے پر ہوں۔ شاید آگے بڑھ کر یہ پردہ بھی اٹھ جائے اور وہ جھٹ اور صحت و راحت سے  
بھی گزر جائوں، عالم بے رنگی میں گزر جائوں جس نائے میں ہوں وہاں تمام عالم بکدہ دونوں عالم کا پتا نہیں۔ کسی کا جواب مطابق سوال کے  
دینے جانا جہاں اور جس سے جو معاملہ ہے اس کو دیا ہی بہت رہا ہوں، لیکن سب کو وہم جانتا ہوں، یہ دریا نہیں، سراب ہے، جہتی نہیں پندار  
ہے۔ مانا کہ صدی واقف کے برابر مشورہ بھی گئے۔ اُن کو شہرت سے کیا حاصل ہو کہ ہم کو ہر گاہ۔

نا توئی زور پر ہے، بڑھ چلے پنے کھاکر دیا ضعف ہستی، کابی، گراں جانی، گرائی۔ رکاب میں پاؤں ہے، باگ پر ہاتھ ہے۔ بڑا سفر  
دور و دماز درمیش ہے، زلواہ موجود نہیں۔ خالی ہاتھ جاتا ہوں، اگر ناپرسیدہ بخش دیا تو غیر۔ اگر ناپرسیدہ جوتی تو سفر مقرر ہے اور بادیدہ راویہ ہے  
دور رخ جاوید ہے اور ہم ہیں۔ ہائے کسی کا کیا اچھا شعر ہے۔

اب ترجمہ کے یہ کہتے ہیں کہ مرحبا میں گئے  
مر کے بھی بین نہ پایا تو کہ مرحبا میں گئے

میں مرض نہیں ہوں، ہڈیا ہوں اور ناتواں۔ مگر یا نیم جاں رہ گیا ہوں۔ ایک ہڈی حاکس ٹکی میں جاتے جاتے ٹھوکر کھا کر گر پڑا بکھے  
 لٹا: اٹنے بڑھ چلا: اُدھر اُدھر دیکھا، جب جانا کوئی نہیں ہے، کتا بڑا بڑھا کہ ”جوانی میں کیا پتھر پڑتے تھے؟ ایک کم ستر برس دنیا  
 میں رہا۔ کوئی کام دین کا نہیں کیا۔ افسوس! ہزار افسوس!!“  
 ضعف نہایت کو پہنچ گیا۔ ریشہ پیدا ہو گیا۔ بینائی میں بڑا فتور پڑا۔ حواس نقل ہو گئے۔ پاؤں سے اپانچ، کانوں سے ہبرا  
 ضعف بھاریت، ضعف دماغ، ضعف دل، ضعف معدہ، ان سب ضعفوں پر ضعف طالع!!  
 مگر نذاذ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ پیش رفت کہ چہ حال داری؟ فرمود: ”کدام حال خواہ بود کسے را کہ خدا ازوے  
 فرض طلبد و میر بستت وزن مال خواهد و ملک الموت جان۔“  
 جہاں تک ہر سکا، اجاب کی خدمت بجا لایا۔ اور انا اشاریٹے لیٹے دیکھتا تھا اور اصلاح دیتا تھا۔ اب نہ آکھ بھی طرح سبجے  
 نہ ہاتھ سے اچھی طرح کھا جائے۔ کہتے ہیں: شاہ شرف علی بوعلندہ کو بسبب کبر سن خدا تعالیٰ نے فرض ادیب میر نے سنت معاف کر دی تھی  
 میں متوقع ہوں کہ میر سے دوست خدمت اصلاح اشارہ پر معاف کریں۔ خطوط شریفہ کا جواب جس صورت سے ہو سکے گا لکھ دیا  
 کروں گا۔

### سر و چراغاں

کیا کروں، ایک برس سے حواض مناد غوغا میں جتا ہوں۔ بدن پھوٹوں کی کثرت سے سر و چراغاں ہو گیا ہے۔ طاقت نے  
 جواب دیا۔ دن رات لیٹا رہتا ہوں۔ عجمی چٹک کے پاس لگی رہتی ہے، اتر کر پیشاب کیا جاتا ہے۔ بیت اللہ جانا ایک مصیبت ہے  
 قشت چوکی سس، مگر کئی قدم جانا، پھر آنا، کیا ایسا آسان ہے؟ آگے میں لیٹے لیٹے کچھ کھتا تھا۔ اب وہ بھی نہیں ہو سکتا۔ ہاتھوں میں ریشہ  
 آنکھوں میں ضعف بصر۔ کوئی مقصدی میرا ذکر نہیں، دوست آشنا کوئی آجاتا ہے تو اس سے جواب کھو ا دیتا ہوں۔ میں تو کوئی ڈو  
 کا امان ہوں، اور اخبار والے میرا حال کیا جانیں۔ ہاں اکل الاخبار اور اشرف الاخبار والے کہ یہاں کے سب سے والے ہیں اور  
 مجھ سے ملے رہتے ہیں۔ سوان کے اخبار میں میں نے اپنا مفصل حال چھپو لایا ہے اور اس میں میں نے قدر چاہا۔ خطوں کے جواب  
 اور اشار کی اصلاح سے۔ اس پر کسی نے عمل نہ کیا۔ اب تک ہر طرف سے خطوں کے جواب کا تعاضا اور اشار واسطے اصلاح  
 کے چلے آتے ہیں اور میں شرمندہ ہوتا ہوں۔

### اردو مکتوب نویسی

فاری میں خطوں کا کھنا پیلے سے متروک ہے۔ پیرا نہ سری و ضعف کے صدیوں سے منت پڑ رہی و مگر کادی کی قوت  
 مجھ میں نہیں رہی عداوت فریزی کو زوال ہے اور یہ حال ہے:

### مفصل ہو گئے توئی غالب وہ حاضر میں اقبال کہاں

سب کو جس سے خط و کتابت رہتی ہے، اُردو ہی میں نیاز مانے لگا کرتا ہوں۔ جن جن صاحبوں کی خدمت میں آگے میں نے غلامی زبان میں خطوط و مکاتیب لکھے اور بھیجے تھے۔ ان میں جو صاحب الی آلاں ذی حیات موجود ہیں۔ ان سے بھی خدا عز و جل اسی مذاہبی روح میں مکاتیب و مراسلت کا اتفاق ہوا کرتا ہے۔ پارس کی کتابوں، رسالوں، نسخوں اور کتابوں کے مجموعہ شیرازہ سبستہ چھاپا ہرگز طرآن و اقصائے عجم میں چیل گئے۔ حال کی نشروں کو کون فراہم کرنے چاہئے، جان کنی کے خیالات نے لہجہ کو ان کی تحریر و تفسیر و بار سے امت پروردار و آزاد و سبک دوش کر دیا جو نشری کو مجموعہ دیک جاہو کر جاں جہاں منتشر ہو گئی ہیں اور آئندہ ہوں انہیں کو جناب احدیت ملت عظمتہ مقبول قبول اہل حق و مطہر و طبع ارباب بن فرمائے۔

انگوں کے خطوط کی تحریر کی طرز — مانے کیا اچھا شیوہ ہے۔ جب تک یوں نہ لکھوں وہ خط ہی نہیں ہے، چاہے آب و ہوا کے باران ہے، نخل و بیہودہ ہے، خانہ بے چراغ ہے، چراغ بے کُندہ ہے، ہم جانتے ہیں تم زندہ ہو، تم جانتے ہو، ہم زندہ ہیں۔ ہر ضروری لکھ لیا، زور و کور اور وقت پر موقوف رکھا۔ میں نے وہ انداز تحریر ایسا دیا ہے کہ سراسرے کو مکالمہ بنا دیا ہے۔ ہر ایک کو سب سے بڑا بنانے کا کرم کیا کرو، پھر میں وصال کے سنے یا کرو۔

میں اس تمنا میں مرت خطوں کے بعد سے جیتا ہوں۔ یعنی جس کا خط آیا میں نے جانا کہ وہ شخص تشریف لایا۔ خدا کا احسان ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا جو اطراف و جوار سب سے دوچار خط نہیں آ رہتے ہوں بلکہ ایسا بھی دن ہوتا ہے کہ دو دو بار ڈاک کا ہر کارہ خط لائے، ایک دو صبح کو، ایک دو شام کو۔ میری دل لگی ہو جاتی ہے۔ دن ان کے پڑھنے اور جواب لکھنے میں گزرتا ہے، ایک طیفہ نشاط انگیز سننے، ڈاک کا ہر کارہ جو بی ماروں کے خطوط پہنچاتا ہے۔ ان دنوں میں ایک بیڑا چلا کھا، موت شناس کوئی غنڈا ناخدا، حکم داس ہے، میں بالآخر نے میں رہتا ہوں، حویلی میں آکر اس نے دار و فخر کو خط مے کر لہجے سے لکھا کہ ڈاک کا ہر کارہ زندگی مرنے کرنا ہے، اور کہتا ہے کہ مبارک ہو۔ آپ کو جیسا کہ بادشاہ نے فراموش کیا کہ خطاب دیا تھا۔ اب کا پس سے خطاب کیا تانی عالم حیران کیا کہنا ہے سزا پر غور سے دیکھا کہیں قبل از اہم خدمت نیاز کیشاں لکھا تھا، اس رقم ساق نے اور الفاظ سے نفع نظر کر کے کیشاں کو زبان پر پڑھا۔

### فولاد میں جوہر

میں کتاب کو دیکھ رہا ہوں، مگر نہیں لیتا۔ عربی کا عالم نہیں، مگر زاجا بل بھی نہیں۔ بس اتنی بات ہے کہ اس زبان کے لغات و لغت نہیں ہوں، حواس سے پوچھنے کا محتاج اور سند کا طلب گار رہتا ہوں۔ فارسی میں مبد و فیاض سے لکھے وعدہ سنگاہ مل ہے اور اس زبان کے واحد و مضامین میرے ضمیر میں اس طرح جاگزیں ہیں جیسے فولاد میں جوہر۔ اہل پارس میں اور لہجہ میں دو طرح کے تفاوت ہیں ایک تو یہ کہ آق لا کولہ ایران اور میرا کولہ ہندوستان۔ دوسرے یہ کہ وہ لوگ آگے چلے سود و سود چار سو اٹھ سو برس پہلے پیدا ہوئے ہیں۔

اہل ہند میں سوائے امیر خسرو دہلوی کے کوئی مسلم اثبوت نہیں۔ مباحثہ قیام کی بھی کہیں کہیں ٹھیک نکل جاتی ہے۔ فرہنگ کھنہ راول کھنہ قیاس پر ہے جو پتے نزدیک کج جان کھنہ دیا۔ نظامی، صدی دیگرہ کی بھی جوئی فرہنگ ہر تو ہم اس کو مانیں۔ ہندیوں کو کیونکر مسلم اثبوت جانیں۔ لگنے کا پتہ نہ رکھو آدمی کا طرح کلام کرنے لگا، بنی اسرائیل اس کو خدا کہے۔

ایک سپاہی زادہ پیمان احمد اول امیر دہواں فرسودہ۔ ان ایک طبع موزوں اور فارسی زبان سے لگاؤ رکھتا ہوں اور یہی یاد دہے کہ فارسی کی ترکیب الفاظ اور فارسی اشارے کے معنی کے پردہ ازیں میرا قول اکثر خلاف جہور پائیے گا اور حق بجانب میرے ہو گا۔ میں چھٹا ہوں کہ یہ صاحب جو شمس لکھتے ہیں کیا یہ سب ایزدی سرودش ہیں؟ اور ان کا کلام وہی ہے؟ اپنے اپنے قیاس سے معنی پیدا کرتے ہیں میں نہیں کتا کہ ہر جگہ ان کا قیاس غلط ہے، مگر یہ بھی نہیں کہ سکتا کہ جو کچھ فرماتے ہیں وہ صحیح ہے۔

شرائے ایران کلمہ جہیں سلم اثبوت ہیں اور ان کا کلام سند ہے۔ بخود ان ہندیوں امیر خسرو دہلوی بھی ایسے ہی ہیں۔ اہل ایران میں رودکی و فردوسی سے لے کر جانی بلک اور جامی سے صاحب و کلیم تک کسی نے لغت کی کوئی کتاب لکھی ہو، کوئی فرہنگ جج کی ہو تو میں کھنہ اس کو اگر داناؤں اور سندنہ جانوں تو گنہ گار۔

جتنی فرہنگیں اب موجود ہیں نام ان کے کماں تکسوں، مشہور و غیر مشہور، کچھ کم سو رسلے ہوں گے۔ اسی سب رسالوں کے جامع ہندی ہیں۔ کوئی اہل زبان نہیں ہے۔ اشارہ اساتذہ ایران کو اخذ مقرر کر جو لغات ان کی نظم میں دیکھے۔ بنا سبت تمام ای لغات کے معنی کھنہ دیئے۔ تنہا لغت کا ہمارا قیاس پر۔ یہ میں نہیں کتا کہ قیاس ان کا مگر غلط ہے۔ میرا قول یہ ہے کہ کمتر صحیح اور بیشتر غلط ہے۔

## کلیات نظم فارسی

فارس کا دیوان دس ہزار بیت کہے۔ ہر بیت چھپس برس کا مگر ہوا جب چھپا تھا، پھر نہیں چھپا مگر ۱۸ سال گذشتہ میں منشی نوکشور نے شہاب الدین خاں کو کھنہ کہ کلیات فارسی جو فیض اللہین خاں نے صدر کے بعد بڑی محنت سے جمع کیا تھا، وہ منگایا اور چھپنا شروع کیا۔ وہ پچاس جزو میں۔ مینی کوئی مصرع میرزاؤں سے خارج نہیں۔ اب مسئلہ ہے کہ وہ چھپ کر تمام ہو گیا ہے۔ روپے کی ٹکریں ہوں، ہاتھ آجائے تو بیسٹہ بھیج کر میں جلدیں ٹکڑاؤں۔

## ابر گہر بار

ایام شہاب میں کہ ہر جہج مدانی پر تھا، جی میں آیا کہ عزت صاحب ذوالفقار کھنہ چاہیے۔ حمد و نعت و منقبت و ساقی نامہ و منقبت کھنہ۔ داستان ہرزی کی تو نعت نہ پائی۔ ناچار اس تھکے سوڑے شکر کو چھپوایا۔

## پنج آہنگ

میرا ایک سہی جاتی ہے۔ خواب ضیا مادی احمد خاں سلم اللہ تعالیٰ۔ وہ میری نظم و شعر کو فراہم کرنا راہ بخا پڑ محمد شہزادہ کلیات

اُردو سب سے اس کے کتب خانے میں تھے۔ وہ کتب خانہ اُردو تے ڈو تے حوض کتا ہیں، میں ہزاروں پے کی بابت کاہرگا، ٹٹ گیا۔ ایک سو ترق نہیں رہا۔ ان پچا ہے کی پچ آجکس اب بھی کتی ہیں اور محبوب و بدعیب ہیں، ایک کورہ کو جو جہاں انبار اقامت تر ترقیر رہا ہے وہ اس میں نہیں، دوسرے کالی لیس نے وہ اصلاح میری تر کو دی ہے کہ میرا جی جانتا ہے۔ اگر کوں کوئی سفر غلطی سے خالی نہیں تو اخلاق ہے۔ بے باک تیر ہے کہ کوئی سفر غلط سے خالی نہیں۔

## پر توستان

اکثر صاحب اطراف و جانب سے ماہ نیم ماہ بھیجے کا حکم دیتے ہیں اور میں جی میں کتا ہوں کہ جب تر ترقیر کی حاجت کو نہیں کہے تر ماہ نیم ماہ کو لے کر کیا کریں گے۔ تر ترقیر کے دیباچے میں میں نے کھ دیا ہے کہ اس کتاب کا حکم پر توستان ہے اس اس کی دو جلد ہیں پہلی جلد میں ابتدائے تخت عالم سے ہایوں کی سلطنت تک کا ذکر۔ دوسرے جلد میں اکبر سے ہمارے شاہ تک کی سلطنت کا بیان ہے پہلے جلد کا نام تر ترقیر و دوسرے جلد کا نام ماہ نیم ماہ — بارے پلاحتہ تمام تر، پچا پائی۔ قصہ خاں جلال الدین اکبر کے حالات لکھنے کا میر ترقیر تک کا نام و نشانی مٹ گیا۔ آں دفتر کا خود و گاؤں راضا بزد و قصاب برد و قصاب در را فرد۔ جو کتاب میں نے لکھی ہیں نہ ہر وہ بھیجوں کہ وہ آسمانی ہی ٹٹ پڑا جس پر ماہ نیم ماہ طلوع کرتا۔ بات یہ ہے کہ جس طرح مسافر سفر میں آدمی منزل طے کر کے دم تیرا ہے جس آدم سے باہر تک کا حال لکھ کر دم یا قند قصہ تھا کہ اب جہاں لکھی اکبر کی سلطنت کا حال لکھوں گا کہ ناگاہ یہ قند عظیم روغا ہوا عرفت۔ بی بیخ الحزام۔

پنج آجک، تر ترقیر، دستبر و قاطع بران، دیوان اُردو۔ یہ پانچ رسالے ابستہ کتب میں شمار کئے جائیں۔ باوجود ان ایک شری ہے۔ یہ جلد ان شریوں کے جو کلیات نظم فارسی میں سندج ہیں۔ بجائے خود کتاب نہیں ہے۔ شری کا ابرگر بار جی حلیت میں ہوگا ہے۔

## دستبر

میں نے آغاز باز و ہم شری سے ایک سو جو کئی شری ایک رویداد شری اپنی سرگزشت میں پندہ میں سے کاسلی شری لکھا ہے۔ صورت اپنی سرگزشت اور شاہ سے کے بیان سے کام لکھا ہے اور خاتے میں اس کی اطلاع دے دی ہے۔ امین الدین خان کو جاگیر ملنے کا حال اور بادشاہ کی رعایتی کا حال کیڑ کر کھتا۔ اس کو جاگیر گشت میں ملی۔ بادشاہ اکثر بریں گئے کیا کرتا اگر تر ترقیر و قند کر کما انترم اس کا کیا ہے کہ باہر کی حاجت میں ہادی قدیم کھی جانے اور کوئی غلطی کا نہ تے۔ جو نظم اس میں دیا ہے وہ ہی بے آئین شری غلطی ہے۔ ان شری کا حکم نہیں ملے جاتے۔ دہری، انگریزی، ہندی جو میں وہ کھ دیتے ہیں۔ شری، خشی ہر گوال۔ خشی غلطی ہے نہیں لکھا گیا۔ اس کی جگہ شیراز باہی کھ دیا ہے۔ یہ غلطہ چھ ماہ گمان، اسباق ہے مسطر اس لکھا کہ کسی صفے میں میں اور کسی صفے میں میں مسطر کہ کسی ۱۹ مسطر میں، چالیس صفے میں ہیں و قی ہیں۔ ایک قصیدہ فارسی ستاد حرفہ قدسی ملی ہمئی زبان میں صورت تک و قی غاب کہ مسطر انگ کی کتاب شری میں شری کے ساتھ شامل ہے۔ یہ پندہ مسطر کے مسطر ہے چار جو کی کتاب مبلغ مفید غنائی آگ میں شری میں شری

صاحبِ حق اور درمناص حق بیگِ قہر اور منشیِ ہرگز بالِ تفتہ کے اہتمام میں چھاپی گئی۔  
منشیِ امید نگہ احمد لے والی آئے تھے۔ سابقہ معرفت بھر سے نہ تھا۔ ایک دوست اُن کو میرے گھر لے آیا، اُنھوں نے وہ  
نصف دیکھا۔ چھپوانے کا قصد کیا۔ آگے میں میرا شاگرد رشید منشیِ ہرگز بالِ تفتہ تھا، اُس کو میں نے کھایا، اُس نے اس اہتمام کو اپنے ذمہ لیا  
مسودہ بھیجا گیا۔ اُنھوں نے فی جلد قیمت ٹھہری۔ پچاس جلدیں منشیِ امید نگہ نے لے لیں۔ پچیس روپے چھاپے خانے میں بطور ہنڈی مجھوا دیے۔  
صاحبِ مبلغ نے بمثلِ سی منشیِ ہرگز بالِ تفتہ چھاپنا شروع کیا۔ آگے کے حکام کو دکھایا، اجازت پاسی حکام نے کمال خوشی اجازت دی  
پانچ جلد چھاپی۔ فارسی قدیم اور جدید محسنِ معنی اور صنعتِ الفاظ۔ بایں حمد ہر امر کی احتیاط اور ہر بات کا لحاظ۔ میں پہلے سے متاعوں میں پایا نام  
کبھی اچکا ہوں اور فائدے کھڑے دارا دربان کے دوسرے ٹیکٹ پٹا چکا ہوں۔ اگر اس اجمال کو تفصیل معلوم کیا جائے تو اسی کتاب مرسوم  
دستبر میں دیکھا جائیے۔

آخر میں جس بڑی غریبی اور کم گنی امد میں ایسا جانا ہوں کہ یا تو صاحبان اگر بڑی خریداری آئی ہوگی یا پنجاب کے ملک کو یہ تباہی گئی ہوگی۔ پورب میں کم کبی ہوں گی۔ میں نے ایک بار سات روپے کی ہنڈوی بیچ کر باہر جلدیں اور ایک ہنڈوی منگوائی۔ پھر اٹھارہ آسنے کے ٹکٹ بیچ کر دو جلدیں کھنکھو کر بھجوائیں۔ بعد اس کے بعد پھر اٹھارہ آسنے کے ٹکٹ بیچ کر دو جلدیں سرحد سے کو بھجوائیں۔ غرض اس طریقے سے یہ سب کامیں صداس پکاس جلد کے سولہ جلدیں اور سبے چکا چوں مگر نقد، ہرگز قرض میں نے نہیں منگوائیں۔

دو جلدیں طلعتی لوح کے ولایت کے واسطے تیار ہوں گی اور وہ چار جلدیں جو یہاں کے حکام کے واسطے درکار ہوں گی۔ ان کی ضرورت یہی نظر ہے کہ سیاہ قلم کی لوح اداسیگریز جلد پہر کھاجا پیسے کہ یہ چار جلدیں کس کس کی نذر ہیں : فراب گورنر جنرل بہادر، چیف کمنٹر بہادر، صاحب کمنٹر بہادر ملی، ڈپٹی کمنٹر بہادر ملی۔ یہ کیا میری بد فرضی ہے کہ جناب ایڈمنسٹری بہادر کی نذر نہ بھیجوں۔ آخر گورنمنٹ کی نذر انیس کی محضت بھیجوں گے ایک جلد ان کی نذر بہت ضروری ہے۔

۳۳ کتابیں بھی بڑی خوشی و شوق سے پڑھیں۔ اسی سال (۱۸۵۸ء) کو کھنسی کا غلہ اور سیاحی اور خط و کتابت دیکھ کر میں نے از مدعا سے قیصہ جانا کہ طاعون کا مہر پرگت میں طاعون بھشت بن جائیں گی، حدیث ان کو دیکھ کر شرمائیں گی۔ آدمی کو کوئی اس کی تمنا کے آرزو ہوئی بہت محال ہے، میری آنند واپسی ہوئی کہ وہ ہرگز آندوم و خیال ہے۔ یہ بناؤ تو میرے تصور میں بھی نہیں گذرنا تھا، میں صرف اس قدر خیال کرتا تھا کہ جدید بندھ میں بڑی دو کی وحشیں زہریلے لہجہ پانچ کی وحش سیاہ ظلم کی ہوں گی۔ واللہ اگر تصور بھی گذرنا جو کہ کتاب میں اس رقم کی ہوں گی۔ بندھنے و شہر جناب ارشون علامہ جارج فریڈرک ایڈمنسٹی صاحب جہاد و فٹنٹ گورنر بہادر غرب و شمال کی خدمت بھی، سران کا فارسی خط قرعہ و دم مارچ مشعل برتیں و آفرین و اظہار خوشنودی بطریق ڈاک آگیا پھر میں نے تمینت میں فٹنٹ گورنری کی تصدیق فارسی بھیجا اس کی دریافت کی کہ تعریف لہجہ اپنی رضا مندی پر متعلق خط فارسی بسبیل ڈاک آگیا پھر ایک تصدیق فارسی مدح و تمینت جناب مابرٹ فٹنٹ صاحب بہادر فٹنٹ گورنر پنجاب کی خدمت میں واسطہ صاحب کشر بہادر دہلی بھیجا تھا، ان کا فہری خط بخدیہ صاحب کشر بہادر دہلی آگیا۔ پینش کے باب میں بھی کچھ حکم نہیں ہوا۔ اسباب دفعہ فراہم ہوتے جاتے ہیں۔



سے آکر (۱۸۶۶ء) تین سو جلدیں درفش کاویانی کی تیار پائیں۔

### مؤید برہان

میں بعینہً اپنی کثیر الاحباب ہوں۔ ایک دوست نے کلکتے سے مجھے اطلاع دی کہ مولوی احمد علی مدرس مدرسہ کلکتہ نے ایک رسالہ لکھا ہے، نام اس کا ”مؤید برہان“ ہے۔ اس رسالے میں دفع کیے ہیں تیرے وہ اعتراض جو تو نے دکن پر کئے ہیں اور تحریر پر کچھ اعتراض وارد کئے ہیں امداد مدرسہ اور شرعہ کلکتہ نے تقریباً اسی اور تاریخیں بڑی دھوم کی گئی ہیں۔ میں نے اسے علم پر ایک قطعہ لکھ کر چھپوایا اور کئی دفع اس دوست کو اور دو چار جلدیں درفش کاویانی علاوہ ادراک مذکور بھیج دیئے۔

### نامہ غالب

نامہ غالب کا مکتوب الیہ رحیم بیگ نامی میرٹھ لکھنے والا ہے۔ دس برس سے اندھا ہو گیا ہے۔ کتاب پڑھ نہیں سکتا، سن لیتا ہے۔ جارت لکھ نہیں سکتا، لکھو اور بتا ہے، بلکہ اس کے ہم وطن ایسا کہتے ہیں کہ موت ملی بھی نہیں رکھتا اور دوس سے مدد لیتا ہے۔ اہل دلی کہتے ہیں کہ مولوی امام بخش مہبائی سے اس کو قلم نہیں ہے، اپنا اعتبار بڑھانے کو اپنے کو ان کا شاگرد بتاتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس بیچ دو چرخ پر جس کو مہبائی کا قلم موجب عز و وقار ہو۔ نامہ غالب صاحب مطبع نے اپنی بکری کے واسطے نہیں چھاپی۔ میں نے آپ تین سو جلدیں چھپوائیں، عدد نزدیک بانٹ دیں۔

### لطائف غیبی

میں نے اپنے حضرت زور سے لطائف غیبی کی جلدیں نہیں چھپوائیں۔ مالک مطبع نے اپنی بکری کو چھاپی۔ میں میں نے ٹول لے لیں۔ میں بجائی ضیاء الدین نے لے لیں۔ دس مصطفیٰ خاں صاحب نے لے لیں۔ باقی کا حال مجھے معلوم نہیں۔

### محرَق قاطع

میں اس خرافات کا جواب کیا لکھتا، مگر ان سنی دوستوں کو فہمہ آگیا۔ ایک صاحب نے فارسی عبارت میں اس کے جواب ظہر کیے۔ دو طالب علموں نے اردو زبان میں دو رسالے جدا جدا لکھے۔ ”محرَق کو دیکھ کر جانو گے کہ موت اس کا حق ہے اور جب وہ حق دافع ہذاں دوالات جدا گدیم اور لطائف غیبی کو پڑھ کر متنبہ نہ ہوا اور ”محرَق کو دھونڈالا تو معلوم ہوا کہ بے جا جی ہے۔

### دافع ہذیان

مولوی بخش علی صاحب سے میری طاقات نہیں، صرف اتنا و معنوی کے اقتضا سے اُنھوں نے دافع ہذیان لکھ کر ان میں سے مجھ کو



اسی ہے مولیٰ صاحب رشاد جگہ میں ہیں۔ خواب ناظم نے ان کو روک کے لیا ہے۔ شخص نے بتدو حال ایک ایک تصدیق پایا کہ  
 زخیر کو جگر کا بھی مدلی  
 کسم بخود پذیرفت و دہرنا تم بد چہ نامز کہ بد نازشہ خزان

## طبع بزم

وہ ایک لشکر پر حملہ ملا۔ ۱۰۰۰ کے کتب دار کا خط ہے۔ جرم بیک اس کا نام۔ دلی اہل مروءتہ اندنی الحال پر نہیں تسلیم ہوتی  
 کا پیشہ ہے۔ آٹھ برس سے اندھا ہو گیا ہے۔ باوجود نایابی کے احسن علی ہے۔ نظم و نثر میں مولیٰ امام کن کا شاگرد اندھا کی شعر گوئی ہے

## سبب پیش

میں نے سبب پیش کی ایک جلد محض، اقبال شاہی تفسیر میں غلام کی معرفت اور کہجائی تھی۔ موصوفہ پُرندہ ماراؤ ملایا ہوا دیکھنا  
 میں کی معرفت جو کہ آیا حضور نے اندھا بند پر دلی دندہ نازائی انخاب بت بڑا بگھے کھا اور خط میدہ سے بہت غایت و انصاف کے  
 سے بہت مدد کیے۔

## دور ویران

میرا کلام کی نظم یا نثر یا اردو یا فارسی، کبھی کسی حد میں میرے پاس فرام نہیں ہوا، وہ چار دہائیوں کو اس کا التزام تھا کہ وہ سنا  
 سے ملے کہ کبج کر لیا کرتے تھے۔ سوان کے فاکوں مدہ کے گھر ٹٹ گئے، جس میں ہزاروں روپے کے کتب خانے بھی گئے۔ ماسی دیو پر آ  
 نشان بھی غارت بنے۔ اب میں اپنے کلام کو ترسوں، کئی دن برسے ایک فقیر کو خوش آواز بھی ہے اندھ مز پر داز بھی، ایک غزل میری  
 میں سے کھرا لایا، اس نے جوہ کاغذ پر کو کھایا یا تھیں گھنا کر دنا آیا۔ اُند کے دیوان چھاپے کے بہت ناقص ہیں۔ بہت غزلیں اس میں نہیں  
 باقی دیوان جو اہم و اہل تھے وہ ٹٹ گئے مگر ان میں نے غصہ سے پہلے کھو کر خواب یوسف علی خاں بہادر کو دیا اور بیچ دیا تھا۔  
 میری غزل پندرہ سو روپیہ کی بہت شاذ و نادر ہے، بارہ بیت سے زیادہ اندھ نثر سے کم نہیں ہوتی۔ ایک دوست کے پاس اُند کا  
 دیوان چھاپے سے کچھ زیادہ ہے، اس نے کہیں کہیں سے ستمات متفرق ہم پہنچا دیے ہیں۔ چنانچہ بنان چھو گئیں۔ دیوان جو گئیں۔ یہ غزل بگڑ گئی  
 ہے اندھ آگئی ہے۔ دیوان اُردو چھپ چکا ہے، اسے کھڑکے چھاپے خانے میں لا دیا، چھاپا اُس کو آسان پر چڑھا دیا، حسن خط کا غلط  
 چھپا دیا۔ وہی پرورد اس کے بانی پر اند اس کے چھاپے پر صحت۔ صاحب دیوان کو اس میں یاد کرنا جیسے کوئی کئے کر انداز سے، ہر کچھ کتنا مارا  
 دن، کالی نگار اند تھا۔ تو سہو میرے پاس کالی نگار کا قصہ لکھا تھا، اب جو دیوان چھپ چکے حق تصنیف ایک لمحہ کو غلط کرتا ہوں تو  
 صاحبوں کے دل میں بھی کالی نگار نے رہنا ہے۔ ناچار غلط مار کھا، وہ چھاپہ صلیح احمدی کے مالک تھیں خاں قمر مرزا احمدی، بطبع  
 ناچھو میں محض خاں دلی شہزادہ، اسے اس کے کہے میں مصدق کی جگہ کے پاس رقت میر نے کھول کر ڈاک خریدار کے دئے۔

دیوان دیکھو اس مرے میں (بعد ہندو) اولیٰ اندکانہ دو جگر چھاپا گیا اندھیری جگہ آگے میں چھپ رہا ہے۔

۳

طرز بیدل

ابتداء نے کفر سخی میں بیدل و سرور شرکت کے طرز پر دینے کھتا تھا چنانچہ ایک غزل کا مطلع یہ تھا :  
 طرز بیدل میں ریختہ کھنا اسماں خاں قیامت ہے  
 پند رہیں کی عمر سے ۲۰ برس کی عمر تک مٹا میں خیال کھنا کیا۔ دس برس میں بڑا دیوان جمع ہو گیا۔ آخر جب تیزائی تو اس دیوان کو دودھ کیا  
 امداد یک تم چاک کر دیئے۔ دس پندہ شرماسطہ نرسنے کے رہاں حالی میں رہنے دیئے۔  
 پیاس برس کی بات ہے کہ الہی بخش رحوم نے ایک نئی زمین نکالی۔ میں نے حسب اہم غزل کھیں۔ بیت افضل یہ ہے :  
 پلاوے اوک سے ساقی جو ہم سے نفرت ہے  
 پیادہ گز نہیں دیتا نہ دے شراب نہ دے  
 مطلع یہ ہے :

اسد خوشی سے مرے اقد پاؤں پھول گئے  
 کہا جو اس نے ذرا میرے پاؤں داب تو ہے  
 اب میں دیکھتا ہوں کہ مطلع اور چادر شکر کی نے کھ کر اس مطلع اور اس بیت افضل کو شامل کیے غزل بنائی ہے اور اس کو گوگ گاتے پرتے  
 ہیں مطلع اور ایک شعر پر اسد پانچ شعر کی آؤ کے جب شاعر کی زندگی میں لگنے والے شاعر کے کلام کو سمجھ کر دیں تو کیا بید ہے کہ شاعر شرفی کے  
 کلام میں مطرووں نے غلا کر دیا ہو۔  
 ماشا فم حاشا اگر یہ غزل میری ہو :

اسد اور پلٹنے کے دینے پڑی گئے  
 اس غریب کو میں کچھ کیوں کہوں۔ لیکن اگر یہ غزل میری ہو تو جھجھجھار صحت۔ ایک شخص نے یہ مطلع میرے ملنے پڑھا کہ قبلہ آپ  
 نے کیا خوب مطلع کہہا :

اسد اس جنا پر ہٹوں سے ونا کی مرے شیر شاہ باش رعت خدا کی  
 میں نے ان سے یہی کہا تھا کہ اگر یہ مطلع میرا ہو تو جھجھجھار صحت۔ بات یہ ہے کہ ایک شخص میرا نامی اسد ہو گز رہے ہیں۔ یہ غزل ان  
 کلام مجز نظام سے ہے اسد کہوں میں مرقوم ہے۔ میں نے تو کوئی مدح چاہی اسد تخلص رکھا ہے درز غالب ہی کھتا رہا ہوں۔  
 پس میں جب میں دینے کھنے لگا ہوں، صحت ہے ہر پر اگر میں نے کوئی دینے یا اس کے توانی پیش نظر رکھ لے یہ ہوں صحت بحر  
 اور مدحیت تافید دیکھ یا اسد اس زمین میں غزل، قصیدہ کھنے لگا۔ شاعری سنی آفری ہے۔ تافید پمائی نہیں ہے۔

## سل متغ

سل متغ اس نظم دگر کو کہتے ہیں کہ دیکھئے میں آسان نظر آئے انداس کا جواب نہ ہو سکے۔ بالجو سل متغ کمالی شمس کاظم ہے اور بلا کی نایت ہے۔ متغ در حقیقت متغ انگریز ہے۔ شیخ صدی کے بیشتر فقرے اس صفت پر مشتمل ہیں اور خید و طوطا وغیرہ شروائے صفت نظم میں اس شیسے کی رعایت منظر دیکھتے ہیں۔ خود ستانی ہوتی ہے۔ سنی نظم اگر خود کرے گا تو فقیر کی نظم دگر میں سل متغ اکثر پائے گا۔ ہندوستانی غازی کہنے والوں کی جگہ کر نہیں آتی کہ بالکل بجا ٹوں کا طرح بیان شروع کر دیں۔ میرے قصیدے دیکھو تیشیب کے شربت پائے گئے لا در کے شکر کمر۔ نثر میں بھی یہی حال ہے۔ ذاب مصطفیٰ خاں کے تذکرے کی بغیر کو ملاحظہ کرو۔ وہ ہر تقریر دروان حافظ کی، موجب فرمائش جاں جاگوب بھادر کے لکھی ہے، اس کو دیکھو کہ فقط ایک بیت میں ان کا نام ادا ان کی مدح آتی ہے اور باقی ساری نثر میں کچھ اور بھی خطاب ہیں۔

## تاریخ و معنی

نئی تاریخ کوئی دمعنا سے بیگاڑ نہیں ہوں، اسد زبان میں کوئی تاریخ گیری نہیں ہوگی، فارسی زبان میں دچا تاریخی نہیں، ان کا سبب یہ ہے کہ مادہ اوروں کا ہے اور اشارہ میر سے ہیں۔ تم جگے کہ میں کیا کہتا ہوں حساب سے ہر راہی گھبراتا ہے اندام کو جو ڈنگا نہ نہیں آتا ہے جب کوئی مادہ بناؤں گا حساب درست نہ پاؤں گا۔ ہد ایک دوست ایسے تھے کہ اگر حاجت ہوتی تو مادہ تاریخ وہ مجھے ڈھونڈ لادیتے، اسد میں کرتا۔ اگر آپ مانسے کہ لکھی ہے ادبی حساب بل منظور رکھا ہے تو ایسے قیامے اور تجزیے آگئے ہیں کہ تاریخ ہنسی کے قابل ہو گئی ہے لکن میں قاضی القضاۃ سراج الدین علی خاں مرحوم کی تبریر پسند نہیں ہے۔ ان کے جیسے مولوی ولایت حسین خاں نے اسد طائے تاریخ لکھی۔ میں نے بھی چنانچہ وہ غازی دیاں میں منجھد ہے۔

معنی عقل از پئے تاریخ این بنا	ایا جسے میں زورہ احتسام کرد
گھنم تیرے بدیدہ خوشا غازی خا	شد خطیں دے کہ نظر در کلام کرد
فاشاک آفت دپائے ادب دیکھو رنج	اجام ماہر قفسہ جرمی تمام کرد

داسے خاک کے خور کرد خوشا غازی خا، پھر اس میں سے فاشاک کے حد نود کرد، فرسوا میں کا قہر جہر، پھر بھی وہ اسد زیادہ کا

پائے ادب میں تہ کوڑا یا بھلا بھی کوئی تاریخ ہے!

گرمیاں صاحب کے قصہ سے باہر لکھی سنی سنگی کے طوطا پیرا کا ہے اسد لفظ لکھا ہے۔ ایک شخص ۱۲۴۸ھ میں مراہی کی

تاریخ میں لکھی:

زمانہ واقعہ میرزا سید ابگ	آت رامت شمار آندہ عباد
میرزا سیدی میرزا عسکرات	حدیث دے ہشتی شخص از احسا

آئہ بارہ یعنی بارہ سو، پھر کتب مادی چار، دہائی کے چار سین چالیس ہشت آٹھ۔ چالیس اور آٹھ اڑتالیس۔ بارہ سو اڑتالیس۔  
دوسری تاریخ بارہ سو ستر کی،

از بروج سپہر جوئی مات  
عشرات از کوکب ستار

بروج بارہ۔ سات و ہا کے ستر۔  
اصل حضرت میں میرا ذہن تاریخ و مہلک عالم و مناسب نہیں پڑا ہے۔ جوانی میں ازاد و شرفی طبع گنتی کے فایانہ متھے کھے ہیں۔ وہ  
ملوکی کلیات فارسی میں موجد ہیں۔

۴

## اپنا تماشائی

اگرچہ یک ذہنوں مگر مجھے اپنے ایمان کی قسم، میں نے اپنی نظم ذکر کی داو با ندازہ بایست پائی نہیں۔ آپ ہی کہا اور آپ ہی سمجھا۔  
قندی و آزادگی و ایثار و کرم کے جو دو اعلیٰ میرے خالق نے مجھ میں بھر دیئے ہیں، بقدر ہزار ایک، خود میں نہ آئے، زود طاقت جہانی کی ایک  
لاٹھی ہاتھ میں لوں اور اس میں شطرنجی اور ایک ٹین کا ڈھانچہ سرت کی رسی کے لٹکالوں اور پیادہ پا چل دوں، کبھی شیراز جانکلا، کبھی مصر میں  
جانکلا، کبھی بخت میں جا پھنسا۔ زدہ دست گاہ کر ایک عالم کا میرزا بن جاؤں، اگر تمام عالم میں نہ ہو سکے تو نہ سہی، جس شہر میں رہوں اسی  
شہر میں تو بھولا لٹکا نظر نہ آئے،

نہ بتاں سراسے نہ میں نہ  
نہ دتاں سراسے نہ جانانہ  
نہ دقں پر پی سپکراں پر بساط  
نہ فرخاے را مٹھراں در نشاط

خدا کا مقہور، خلق کا مرعوب، پورے حاکم، ناقواں، فقیر، نکبت میں گرفتار۔ میرے اور معاملات کلام و کمال سے قطع نظر کرو۔ وہ جو کسی  
بیک مانجھے نہ کچھ سکے اور خود در بد بیک مانگے وہ میں ہوں۔

یہاں خدا سے ہی توقع باقی نہیں، حقوق کا کیا ذکر۔ کچھ بن نہیں آتی۔ اپنا آپ تماشائی بن گیا ہوں۔ ریج و ذلت سے خوش ہوتا ہوں  
میں میں نے اپنے ہوا پناہ فرقت کر لیا ہے، جو کچھ مجھے پہنچتا ہے، کتا ہوں۔ وہ غالب کے ایک اور مجنی تھی۔ بہت اتماتھا کہ میں بڑا شاعر اور فاضل  
ہوں۔ آج صد قد تک میرا جواب نہیں لے اب عرضدادوں کو جواب دے۔ کچھ تو یوں ہے کہ غالب کیا مرا، بڑا الحمدرا، بڑا اکافر، ہم نے  
از بابہ تعلیم جیسا بادشاہوں کو جہان کے جنت آرام گاہ و عرش نشین خطاب دیتے ہیں، کچھ کہ اپنے کوشا و تہر و سخن جانتا تھا۔ سقر مقرر اور ہادیہ  
نہ لویہ خطاب تو یہ کر نکلا ہے۔ آئیے ہم اللہ و بہادر! ایک قرض دار کا گریبان میں ہاتھ ایک قرض دار بھوکے سنار ہے۔ میں ان سے پوچھ  
را ہوں جی حضرت غالب صاحب۔ زاب صاحب کیسے اوظعان صاحب۔ آپ بلوچی اور افغانیاں ہیں، یہ کیسے قرض تو رہی ہے، کچھ تو اکسز  
کچھ تو لویہ۔ بولے کیا ہے۔ جی بھیرت۔ کوئی سے شراب، گندھی سے گلاب، بڑانے سے کپڑا، سیرہ فروشی سے آم، صراف سے دام قرض لیے



## مومنؑ

**خاندان** سعد علی خاں بہادر ہمارے خاندان کے فلاسوں میں سے قلائص کو یکم سرود (جو اس ذلیل شخص کی آفاقی) کی دلت لگتی تھی۔ چنانچہ اس کا نام نجف خاں اور نجیب خاں کی ہم نشینی کی بدولت تاریخ عالم شاہی اور سیر الملوک میں رہ گیا۔

**جائداد** ایک نیا ظلم جو پورے دشمن (آسمان) نے کیا۔ یہ ہے کہ تھوڑی سی زمین جو مجھے والدہ سے ورثہ میں ملی تھی وہ بھی زبردستی چھین لی۔ اس اہل گرفتہ نے جس کے قتل سے اب تک فتنہ بپا ہے اور جس کی روح ناپاک جنات کی طرح اہل چل ڈالے ہوئے ہے۔ اپنے مقتول ہونے سے ایک دن پہلے میری سرودی زمین جو میری نانی جوں کے لیے کافی تھی سرکار اندر پت میں ضبط کر لی۔

**پہلی بیوی سے اختلاف** میں نے دو تہیں بیٹے نادانی اور سادہ دلی سے ناپاہوں کے ساتھ بنا ہونے کی غلطی کی تھی جبکہ سب سے ملامت اور نفرتی کتنی پڑی۔ چونکہ میں نے ناکار جابلوں سے تکلیف اٹھائی ہے اور بد اطوار گنواروں سے رشتہ کرنے میں مصیبتیں بھیلی ہیں۔ اس لیے ارادہ ہے کہ اب کسی مالی خاندان میں رشتہ کروں۔ اگر شخص (خسر) انصاف سے کام لے تو قیامت تک اس نسبت پر کہ میں اس کی رزکی کو عقد نکاح میں لایا ہوں فردنازش کے سوا کوئی لفظ زبان پر نہ لائے۔

**عشق** آج کل میں کسی کے گیسو کے خم میں تازہ ابرہہ ہوں ماتی فرصت کہاں کہ شانہ کی طرح مرشگانی کے لیے زبان کھولوں اور قہقہے میں گانے کاغذ کو اپنے نامہ اعمال کی طرح سیاہ کروں۔

مے موم کی نند کے کھوٹات ان کے خارجی خطوط ان کے عورت سے مرتب کئے ہیں۔ بسن بھر جاں ان کے خطوط خاموش نظر آئے۔ داں ان کے کلام کا سہارا لیا ہے۔ جب سرکار انگریزی نے ہجر کی ریاست ذوالغیر طلب خاں کو دی تو پرستہ نارول بھی اس میں شامل کر دیا گیا اور حکیم نامہ کے خاندان کا ایک بڑا سود پر سالانہ وظیفہ مقرر ہو گیا۔ غلام نبی (والدہ مومن) نے بھی اپنا حصہ پایا۔ مے یہ ذکر مومن کی پہلی شادی (۱۲۳۹) کا ہے جو انھوں نے سرودہ میں کسی زمیندار خاندان میں کی تھی مگر اختلاف طبع کی بنا پر جلد طلاق ہو گئی۔

مے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ مومن اپنے کسی عشق کی داستان کا ذکر کر رہے ہیں۔ ان کی شہوات سے ان کے چھ عشقوں کی داستان دستیاب ہوئی ہے۔ مگر ہر بات میں صحت اور اضافہ ناقص صاحب ہی کا نام معلوم ہو سکا۔ ان کے پہلے عشق کی داستان کا آغاز ذہر کی عمر سے ہوتا ہے۔

تھے برس ہم شانہ افلاک کہ ہوا پائمال صورت خاک

میں نے دو تین کو غریبوں کا اور ناکامی کی راہ پر چل پڑا۔ میں چلتے میں مڑنے کے دیکھتا رہا مگر کوئی تدبیر نظر نہ آئی۔  
**سفر سر دھند** : آمادہ پرکان لگا کر کوئی گناہ نہ سنا دی۔ میں کسی کو نہ دیکھا۔ اس نے مجھ پر نظر نہ کیا اور جس کے پاس پہنچا۔ اس  
 انکسار نہ کیا۔ آخر بیکار ہونے کی طرح ملا ہوا۔ یہاں تک کہ وہ ایک قریب پہنچا۔ قریب ایک کشتی جو میرے دل سے تھکتی تھی  
 تھی لائے اور کچھ ہم جنوں کے ساتھ اس میں بچے سار کیا۔ جب ساحل پر پہنچا تو میں نے ایک زبردستی کو بچ ڈال دیا۔  
 اس نے بھی مجھے نظر نہ لکھتے تھے دیکھا۔ مگر ذیل نے جو میرا طالع ہے نظر تھا مگر نہ چلائی۔ تو اس دن تو میں صبح کی طرف روانہ ہوا اور  
 زبان پاس سے یہ شعر پڑھا :

تو جو شعر : میں چاہتا ہوں کہ اس زہرہ جی کا چہرہ دیکھوں

لیکن میں کیا کروں وہ آسمان پر ہے اور میں زمین پر

پوچھ کر میرا گھوڑا میرے غلوں کے دو چکر کی طاقت نہیں رکھتا تھا جو قدم ہی وہ رکھتا تھا پھر اٹھا شکل تھا مگر میں اپنی پاروی سے اس کو  
 پہنچتا تھا اور طعام کی جگہ اس کی جگہ نامانی کا غم کھاتا تھا۔ وہ ہر قدم پر کھڑا ہو جاتا تھا جب تک میں نہ اترتا۔ وہ دو مرا قدم نہ اٹھاتا۔  
 اس میں اتنی دیر ہو گئی کہ چوتھے آسمان کے سوار (آفتاب) نے مغرب کی منزل میں بسرایا۔ تین فرنگ کے غصے پر میں ایک قصبہ میں  
 جو رادی جنوں سے زیادہ دیران تھا پہنچا۔ وہاں ایک دوکان میں ٹھہرا جب غفلت کے یہاں گھوڑے نے فنا کی راہ لی اور پاناٹا  
 نے میدانِ فلک میں گھوڑا دھرایا۔ میں بھی گھوڑے پر سوار ہوا اور اس ناپاک مادی سے نکلا۔ ایک فرنگ کا فاصلہ طے کرنے کے  
 بعد منزل مقصود ملی۔

آسمان کے اس ظلم نے مجھے نیم جاں کر دیا کہ شفیق باب کا سایہ میرے اٹھایا۔ اچھا یہ زخم نہ بھرا  
**والد اور والدہ کی وفات** : تھا کہ بد بھریاں کی وفات نے سب سے بگاڑ کر دیا۔

میں دو برابر ہی جو زہرہ کا گھر ہے۔ مگر کسی سدا یاں کے ساتھ پانچ یا زہروں کے غصے پر ہونا بہ نظر نہ آتی ہے۔  
 آج ایک یار سے کا در سے چہرہ جوں کے غصے سے ہر نا جس کو بزم میں دشمنی کی حالت خیال کیا جاتا ہے۔ آجے خابا یہ سفر میں نے سوتا  
 لایا ہے جو اس کی سسرال ہے۔ اس سسرال کی دلچسپ و نڈا تفصیل کے ساتھ میں نے اپنے ایک خط میں نظام خاص کی کم (شاگردی) کو لکھی ہے  
 ماسک کی صورت۔ باز امدوں کی دیرانی۔ مکانوں کی خشکئی کا فتنہ بے انوکھے انداز سے پیش کیا ہے۔ میں نے خطوط میں صرف اسی سفر  
 ذکر کیا ہے۔ اب اس کے کام سے سوانہ لے جاؤں اور ام پر کے سفر کا بھی اشارہ ملتا ہے :

دلی سے رام پر میں لایا جنوں کا شوق دیرانہ چھوڑ آئے ہیں دیرانہ تو میں ہم

چھوڑ دتی کہ سوان آ یا ہر نہ گری میں جھکا ہوں میں

ہاں میں بھی جو ش جنوں دیا ہے دلی سے یہ کیونکر جاؤ پند خود مندان کا ہر شش آ یا

ان اشارہ کے علاوہ جہاں گرا باہ اور ساہنہ پر کا سفر بھی ثابت ہے

جہانہ اٹھایا فرشتوں نے آ تو قد نازا فورا چلیکا

تلازمہ کا ذکر ملتا ہے۔ مری کے تھانہ کا ذکر ان کے خطوط سے نہیں۔ البتہ ان کی ایک شہری "حین منوم" ۱۲۲۲ھ سے چند شاعروں کا ذکر ملتا ہے۔

کوی سے شاکر وہ استاد بن      بے سخن ہے دل رُبا جن کا سخن  
وحشت و مضطر، کرم، تسکین و یاس      بے خودی میں بھی ہے جن کے حواس  
اکبر و خلعت، سرانند از سخن      پایہ بالا تر بر انداز سخن  
شیفتہ سر دستہ اہل علم      نکتہ خاطر نشان جن کا رستم

(خطوط میں ایک شاکر محمود کا ذکر بھی موجود ہے) محمود کو جو میرا نیا شاگرد ہے۔ میں اسی سنتی قدائیت بعدی (جویریہ سنت کو کہ مردہ ہو چکی ہے زندہ کرے گا۔ اس کو سرشیدوں کا ثواب ملے گا۔ حدیث) کا پیام پہنچائیے۔

نورمن نے اپنے علم و فضل اور کمالات پر فخر تو اکثر دہیشر کیا ہے مگر ان کو کن علوم سے آگاہی تھی۔ اس کے علوم و فنون معنی ضمنی اشارے ملتے ہیں۔ البتہ ان کی نثر و نظم میں اصطلاحات کا استعمال اس انداز سے ہے کہ ان کے علم و فضل پر ایمان لانا پڑتا ہے۔ ذیل میں کچھ عنوانات کے تحت ان کا ذکر کرتے ہیں۔ ان کے لیے بھی ہم کو ان کے کلیات کا سہارا لینا پڑتا ہے :

طب :	حکیم وہ نہیں کہ جاتے رہیں حواس اگر	کرے معارضہ سر و ذر عقل و نفوس
	طبیب وہ ہوں کہ ہو سوز سینہ ببل	نظارہ رخ گلجام سے بجھے محسوس
	جو ہوں معالج مبطون تو قابض ادواح	کرے دھانے رواج طریق جالینوس
نجوم :	میرے کلام سے ہیں گونہ گونہ فائدہ مند	ادیب و نفع شناس و مخم و فاضل
	کماں ہیں بدرسیما وہ تر حسم	کہ ہوں میں ماز دان سیرا بنجم
حیات :	کردن جو گردش انجم کی میں مدد بندہ ی	نہا ہر وعدہ میں آکر روان عظیموس
	علم ماہ مکملوں گر پئے زبان بستن	بنائے ہر وہی چہ رخ نکتہ جاسوس
شعر گوئی :	دیوانوں سے شوق بے نہایت	اشعار کا ذوق بے نہایت
	تقیح سخن پہ طبع مائل	علم شعرا میں فہم و کامل
موسیقی :	دھڑ دھڑ ساز برنگ ببل	نغمہ پرداز، برنگ ببل
	نغمہ کنی خوش الحانی و بس	شعر گوئی و غزل خوانی و بس

۱۔ وحشت : غلام علی خاں۔ مضطر : مرزا گلشن بیگ۔ تسکین : میر حسین۔ یاس : میرالدین۔ اکبر : اکبر علی خاں  
خلعت : خلعت اللہ۔ شیفتہ : مصطفیٰ خاں۔ محمود : محمود، کرم : غلام نظامین ان ناموں کو شامل کر کے اکتالیس شاعروں کے ہم خلعت زدکاروں سے دستیاب ہوئے ہیں۔



منہ  
عقاد  
روشنی کی زندگی کے بہت سے گوشوں کی طرح ان کے حقائق اور رنگ کے بارے میں بھی ان کے غور و تدبیر سے  
ابتدا ان کے فاری لہذا اندوگام سے ان کے حقائق کے بارے میں نشان دی ہوئی ہے۔ یہاں ہم اس کی غور و تدبیر سے  
اور ابایات ان کے سنگ کی وضاحت کریں گے:

اباب حدیث کا فرماں برہوں      تقید کے مکتروں کا سر دفتر ہوں  
مقبول ہدایت آنہ نہ قیاس      یعنی کہ فقط مطہر پیچہ ہوں

ہے ہر کہ مبتد رسول فتار      خدیب کو میں سوچتا ہوں لیکن ہر بار  
آتا ہے قیاس میں حق اہل حدیث      سرچہ قیاس سے نہیں ہے سرکار  
حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کے نقادوں سے کس طرح کلی تفسیر کا اظہار کیا ہے  
نہادیا مگر اسلام تک پہنچا کر آپہنچا      ہوں پر دم ہے جو شغل خوں شہادت کا  
نہ رکھ بے گناہ مسہ امام ائمہ اسنت      کہ انکا رشتہ ثنائی کفر ہے اس کی امامت کا  
موسیٰ کی سیرت کبذیل میں بعض چیزیں پس ماننے آتی ہیں۔ ان کو دودخ یا ان سے سخت نفرت تھی۔ نجوم پر کمال  
سیرت      دستار کے باوجود اس پر اعتقاد تھا۔ ان کو اپنے فن کی عظمت کا شدید احساس تھا جس نے ان کی شخصیت  
کو ان کے جذبے سمور کر دیا تھا۔

حاشا ثم حاشا کہ یہ بیان صدق نشان۔ کذب و دودخ سے آلودہ اند یہ تحریر راستی تاثر ملک و دیا سے طوط ہو۔  
(ترجمہ شمس) خوب۔ میری بدگمانی بچے کہاں سے کہاں لے گئی۔

بھلا کہاں موسیٰ اور کہاں عرب و دودخ

افسوس کہ موسیٰ لا یتھوک فذۃ الا باذن اللہ (کوئی ذرہ خدا کے حکم کے بغیر حرکت نہیں کرتا) کے اقتضا  
کے باوجود تبارہ پرست ہے اور اتنی دنیائے بے تعلیٰ کے باوجود صبح سے شام تک اسطرلاب کا مطالعہ کرتا تھا جس لئے رہتا ہے  
آفتاب کا ارتقا (جذبی) آخر شناس (موسیٰ) کے طالع کی پستی کا گواہ ہے اور تسویر البیوت اس سمت بنیاد (موسیٰ)  
کی خانہ خرابی کی دلیل۔ اصل طوب آفتاب تک میں نجوم کے مدرسے سے اٹھتا ہوں اور ثواب کی تمنیٰ کے مطابق ایک مذمت  
کے قلعے زمین کے داسی پر گرتا ہوں۔

زبور باسی:      دیکھئے میرا طالع اور نصیب کیا ہوگا  
میرا دن سزا پاش ہے پھر شب کیا ہوگی  
میں ستارہ شناس ہوں لیکن اتنا نہیں جانتا  
کہ میرا طالع اور نصیب کیا ہوگا

(دلے حاشیہ کے صفحہ پر)

میر سے گہر معافی تمام ہے بہا میں اور میر سے دُر ہائے مضامین سب کے سب دیر سے حاصل ہوئے ہیں۔ میر سے کلام کے خاص مصلے کے متعلق میں پرویز کا پلانے دست افشا رکھو لے اور میر سے سینہ کے خزینہ کے سامنے خزانہ فارون ہے اعتبار میر مضامین نگینے جو یا تو تکی طرح قیمتی ہیں۔ نگین لہجہ میں کے لعل لب کا بازار سر و گردیا۔ لیکن زمانے کی ناقدری اور نا فحی کے باعث کوئی میر خریدار نہیں ہے اور میر سے آجادیوں کا تاریکی میں بازار مندا ہے۔ اس کے بولکلنگ ان نا اہلوں کو جو مجلہ جلد لا خوار (وہ گوسالہ ایک پکر تھا جس میں سے بچہ بڑے کی آواز نکلتی تھی) کے مصداق ہیں۔ سونے میں تو لے ہیں۔ اس ناقدری کے باوجود میں نے کبھی ہنر کی آمد نہیں سچی اور اراد کی آستین سے توقعات وابستہ نہیں کیں۔ میں نے جو کی روٹی پر قناعت کی ہے اور آسمان کے خوشہ گندم پر کبھی نظر نہیں ڈالی۔

میں کہ تارون کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا اور خزانہ پرویز کو اپنے سینہ پروانغ پر قربان کرتا ہوں۔ کب تک ایسے سخن کے موتیوں کو نعمت لٹاؤں اور معافی کے گوہر شب چراغ کو ٹھیکریوں کے مول بجوں۔ المنہض میں اس طرح نفعی کتابوں کہ بیل بھی بری ہسری نہیں کر سکتی اور وہ گل افشانیوں کرتا ہوں کہ زرخیز ان کی حسرت میں جلتا ہے۔ لیکن کیا کروں کہ سننے والے کان اور دیکھنے والی آنکھیں نہیں۔

**وفات** مومن کی حیات کے سلسلہ میں بعض انفرادی واقعات ہیں مگر خصوصیت کے ساتھ ان کی وفات کا واقعہ عجیب ہے۔ عجیب کا لفظ اس لیے استعمال کیا ہے کہ اپنے مرنے کے بارے میں روایت دوسروں سے پہنچا کر ہی ہے مگر مومن کے مرنے کی روایت خود ان کی زبان سے سننے سے ملتی ہے۔

مومن قادیانم گفتم چہ رفت . گفتا  
خود باخودش گفتم بشکست دست و بازو  
گفتم کہ بایست . گفت تا رنج این مصیبت  
گفتا غمخوش . گفتم "بشکست دست و بازو"

ترتیب : ڈاکٹر فہر احمد صدیقی

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ) : یہ اشعار رباعی کے وزن میں نہیں ہیں۔ نیز مصحف اول و چارم میں تکرار ہے۔

لے آواز کی روایت ہے کہ کوٹھے سے گرنے کے بعد انھوں نے حکم لگایا کہ پانچ دن یا پانچ ماہ یا پانچ سال میں ہر جاؤں کو بچانے پانچ ماہ میں مر گئے۔

# ظہیر دہلوی

چہرہ پس از سر و سامانیم غریبیت چوں کاغذ  
سیر بہجتم پریشان روزگارم حسرت بر دو شرم

## نسب

سلطہ نسب فقیر ظہیر حضرت علی مرتضیٰ ایک پہنچ کر ختمی ہوتا ہے۔ سترہ پشتیں جد ابجد حضرت شاہ نعمت اللہ ولی بک پہنچی ہیں۔ حضرت شاہ نعمت اللہ ولی کے ہندوکان زمانہ سلطنت ہمنیم میں حب الطلب ہندوستان تشریف لائے اور بادشاہ ہمنیم کے بیرون تشریف لے گئے۔ دیگر بزرگان ظہیر و بارہ سلاطین دور گانیہ آل تیمور میں عمدہ مانے جید و صاحب عقل پر غارت و غنازہ ہوتے چلے آئے ہیں۔ مئی کوتا اختتام سلطنت تیموریہ بادشاہ اخیر حضرت سراج الدین محمد ابوالنظر بہادر شاہ بادشاہ دہلی والد بزرگوار حضرت شاہ جلال الدین محمد لمخاطب بظاہر صلاح الدولہ مرتضیٰ رقم خان بہادر منصب استادی حضرت بادشاہ بخش آرام گاہ پر سر فراز تھے وزیر ظہیر علی خان دوازدہ سالگی میں خدمت وارد ہوئی تو ربیعی میں سرفراز کیا گیا تھا اور تمام کاغذات جلوس شاہی شل مابھی و مراتب و علم و سواری و چکر تیرگی تفویض میں تھا و بعد خدمت محاری خطاب راقم الدولہ وارد و نہ تو ربیعی بیٹھا کہ سلطنت سے عطا ہوا تھا۔

## ولادت

جب میں پیدا ہوا تو میرے بزرگوں کو نہایت خوشی حاصل ہوئی اور غایت ناز و نعم سے میری پرورش ہونے لگی جب میرا بیچارہ مائیک کو پہنچا تو میری والدہ نے بے روضہ دکھایا، نہایت دھرم سے روضہ کشائی کی تقریب عمل میں آئی۔ ساڑھے چار برس کا زمانہ میرا فتنہ کرایا گیا۔ میں نے اپنے والد بزرگوار کی زبانی سنا ہے کہ تیری بسم اللہ کی مدد و حوزہ و افتاد و غیرہ نے تیرا شرف تیرا حق میں دی تھیں۔ بعد بسم اللہ کے مکتب میں بٹھایا گیا اور جابجاستیخ مصدق علی صاحب میری اتالیقی اور اتالیقی پر مقرر ہوئے۔

## بار و دو میں شتابہ

ابتدا شوخ کن کی یہ ہے کہ میں جس زمانے میں بہادر انش و زلیخا پڑھتا تھا۔ ایک روضہ والد بزرگوار کے ایک دوست تعلیم میں بیٹھ کر صاحب تشریف و کئے اور میرے مکتب میں دو دن بزرگوار بیٹھے برائے تھے کہ میان بنی بخش صاحب نے ایک شعر کی استو کا

پڑھا میرے والد نے فرمایا کیا لا جواب وعدہ مطلع کہ ہے۔ مہمان اندر وہ شریہ تھا۔

ہم سے پھر چٹم یار دیکھئے کب تک رہے  
گردش میں و نہار دیکھئے کب تک رہے

مطلع کا کھڑن کر میرے کان کھڑے ہوئے ڈرتے ڈرتے اپنے والد بزرگوار سے دریافت کیا کہ مطلع کے کیا معنی ہیں۔ والد ماجد نے پچھلے دو تھے مطلع کے معنی کھائے اور پھر فرمایا کہ علم و دین میں پہلے جو شعر کھا جاتا ہے۔ اس کے دونوں مصرعوں میں قافیہ ہوتا ہے اسے مطلع کہتے ہیں میں نے فی البدیہہ ایک مطلع اور ایک شعر اسی وزن پر موزوں کر کے پڑھا تو والد صاحب اور عمومی صاحب میاں بنی بخش نہایت خوش ہوئے۔ وہ مطلع اور شعر یہ ہیں۔

محبتِ اغیارِ ذیاد دیکھئے کب تک رہے      بھر سے یہ دار و مدار دیکھئے کب تک رہے

غیر سے دل تیرا رصاف ہے آئینہ دار      میری طرف سے غبار دیکھئے کب تک رہے

بس وہ تعریف اور عنایات اُن بزرگواروں کی میرے حق میں بارود میں شتاب اور سونے پہ سہاگے کا کام کر گئی اور مجھے شہزاد کا متوق پیدا ہو گیا۔ اب یہ کیفیت بتائی کہ جس کی زبان سے شعر اچھا نسا وہ دل میں نقش ہو گیا۔ اردو کی غزل جس استاد کی مثنوی یا دہائی ایک دو غزلیں بھی ٹوٹی پھوٹی نکلیں اور میاں بنی بخش کو سنائیں۔ غرض کہ انہی ایام میں حافظ قطب الدین صاحب مشیر شاگرد شاہ شہیر صاحب مرحوم نے شاہ صاحب کے مکان میں مشاعرہ قرار دیا چونکہ مکان مشاعرہ میرے مکان سے بہت قریب تھا میں شامل ہونے لگا۔ اول غزل میں نے اسی مشاعرے میں پڑھی ہے اور جناب شیخ محمد ابراہیم ذوق کا شاگرد ہوا۔ بعد ازاں حکیم مومن خاں مومن اور اوریخ ابراہیم ذوق، مرزا اسد اللہ خاں صاحب غالب، مفتی صد الدین خاں صاحب آذرہ، حکیم آغا جان علیچ، غلام علی خاں صاحب وحشت اور ذواب مصطفیٰ خاں شیعہ مشاہیر روزگار مسند انصاری کے سر اوار تھے۔

## شادی

خود سے چار ماہ پیشتر میری شادی ہوئی۔ اس زمانے میں میرا سن کم و زیادہ بائیس سال کے قریب تھا۔ اول تو والدین کا ہر طرح کی ناز برداری فرماتے تھے۔ دوم میں اپنی ذات سے بھی پچاس روپیہ ماہوار کا ملازم تھا۔ تیسرے باعث شہر و مہن راجہ اجیت سنگھ مہاراجہ الی پٹیلہ قدر دان فرما کر میرے ساتھ سلوک کرتے تھے۔ چہارم غریب و فروخت اسپاں میں مجھے مفاد کثیر ہوتا رہتا تھا کبھی شکایت نہ ہونے پاتی تھی۔ تیسرے بائیس سال کی عمر تک نوکری میں حاضر رہا۔ خدیج جب بادشاہ کے سب ملازموں کو جدا کیا گیا، میں بھی جدا ہوا۔

مجھے تو شادی کے دو مہینہ بعد بھی آرام سے بیٹنا نصیب نہ ہوا۔ ساتویں تا دسویں رمضان کو شام کے وقت میں اور میرا بھائی املاؤ مرزا انور گھر سے مدینہ ہلانے کے واسطے جامع مسجد کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر گزری کی سیر کر کے گھر کو واپس آئے تو وقت تنگ ہو گیا تھا میں نے بھائی سے کہا۔ چلو شام میں چل کر مدینہ کھولیں گے۔ میں اپنی سسرال میں گیا۔ باہر مکان کے صحن میں

جنگل کے اگلے تترن کا فرش تھا وہاں ذاب صاحب میرے قمر چلے بیٹھے تھے۔ میں نے اندر سے جھانک کر دیکھا تو آداب کا  
 فرمایا تو جیسا جڑ جاؤ۔ مددہ انظار کو کے غائب ہو گئی۔ پھر کھانے کا دسترخوان بچھا دیا۔ کھانے کا کمر میرے قمر کے سامنے تھے  
 جی ذاب مرزا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شہر میں کھانا چھ اندروں بڑی غنیمت ہو۔ میں نے عرض کی محنت آپ بزرگ میں یوں ہی فرمایا کرتے  
 ہیں۔ شہر میں غوار چلنے کے آثار کون سے ہیں؟

ذاب صاحب : بیشک کیا تم میری بات کو خلاصہ جانتے ہو۔ خدا کی قسم ایسا امر ہونے والا ہے۔  
 میں نے پوچھا : کیا روس کی فوج آئے گی؟  
 ذاب صاحب : اس کا علم اللہ کو ہے۔

پھر میں نے پوچھا : حضرت یہ امر کب تک ہونے والا ہے؟  
 ذاب صاحب : کھنے والے تو یہی کہتے ہیں کہ جو کچھ ہونا ہے۔ اسی رضای میں ہو جائے اور یہی دیکھ میں تم سے کہے دیتا ہوں  
 کہ میں بھی شہید ہوں گا۔

میں نے عرض کی۔ حضرت خدا کے لیے یہ تو نہ فرمائیے۔ خدا آپ کو ہمارے رسول پر زندہ سلامت رکھے۔ آپ ہماری بہنوئی  
 ہر چند سلطنت تو ڈیڑھ سو برس پہلے خاندان عالی شان تیموریہ دور مان اور العزم گرو گانیہ سے حضرت بوکی علی مگر خلعت  
 جلال و شای و شوکت و تزک و احتشام و ادب و آداب و دربار و انتظام جو بس سواری کو دیکھ کر معلوم ہوتا تھا کہ ان کسی زمانے میں یہ  
 خاندان عالی شان، مرزا دار فرماں روا کی بندوستان جنت نشان ہو گا۔ جو قرینے و بار سلاطین دہلی کے تھے سوائے سلطنت ایران کے  
 کسی سلطنت یورپ میں فروغ نہیں۔ دیوان خاص کے وسط میں تخت طاؤس نصب ہوتا تھا اور بالائے تخت نگینہ و تزیین چوبائے نفوذ  
 قلع طلائی پر نصب کیا جاتا تھا۔ تخت طاؤس کے برابر چار گرشن پر چار طاؤس طلائی مینا کا نصب ہوتے تھے امدان کی منٹاؤں  
 میں بڑے بڑے مرتبوں کی مالا میں جن میں زہر کے گچھے ہوتے تھے، آویزاں ہوتی تھیں۔ تخت طاؤس میں مسند کئے لگانے جاتے  
 تھے جب بادشاہ دربار فرماتے تخت طاؤس کے دونوں پہلوؤں میں دو سفین دربارداروں کی دو طرفہ اساتذہ ہوتی تھیں۔ دیوان  
 خاص کے مقابل لال پردے کا دواڑہ تھا۔ وہاں سرخ بانات کا پردہ کھینچا جاتا تھا جو شخص دروازے میں سے داخل دیوان نہ  
 میں ہوتا تھا آداب تسلیمات بجالاتا تھا اور نصیب لال پردے کے برابر سے آواز لگاتا، ملاحظہ آداب ہے۔ آداب بجالاؤ بھائی نادر  
 بادشاہ سلامت عالم نادر بادشاہ سلامت۔ جداس کے شخص سلائی پہلو میں ہو کر حجب حمام کی جانب کے زینے سے دیوان خاص  
 کے چہرے پر چڑھتا۔ اگر نذر پیش کر لی ہے تو سیدھا تخت کی جانب جا کر نذر پیش کرے گا، اگر کچھ عرض معروض کرنی ہے تو عرض ہی  
 دونوں صفوں دربار کے سرے پر کھڑے رہتے تھے۔ عرضی ان کو دے دی جاتی تھی۔ وہ بادشاہ کے سامنے عرضی کو کھول کر ملاحظہ  
 کرا دیتے۔ بادشاہ پینل سے دستخط فرما دیتے۔ جس گلے کے نام حکم ہوا فوراً تعمیل ہو گئی۔ بادشاہ کی سواری گاڑی میں  
 سوار گھوڑے لگائے جاتے تھے اور ذاب زینت محل بگم صاحب کی سواری میں آٹھ گھوڑے لگائے جاتے تھے۔

## مولابخش

مولابخش نامی ایک تھری ہاتھی مقرر تھا۔ کئی بادشاہوں کی سواری دی تھی اس ہاتھی کی عادتیں بالکل انسان کی تھیں۔ یہ ہاتھی ہمیشہ ہوا دھکیوں کے تھکے برابر ہوتا تھا۔ جس دن بادشاہ کی سواری ہوتی۔ اس سے ایک دن پیشتر شاہی چوہدار جا کر حکم سنا دیتا تھا۔ مایاں مولابخش کی فکاری نوکری ہے ہمیشہ رہا ہو جاؤ۔ جس وقت ہوا دار سواری میں بادشاہ تھار خانے کے دروازے سے برآمد ہوا بیچ مار کر تین سلام کیے اور خود ہی بیٹھ گیا۔ جب بادشاہ سوار ہوئے اور فوجدار نے اشارہ کیا فوراً استاد ہو گیا جب فیل خانہ شاہی اور مصطلح پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا تو اسے ہدم اور مولابخش ہاتھی نے دانہ پانی چھوڑ دیا۔ مولابخش کے فیل بان نے جا کر سائڈرس صاحب کو اطلاع دی کہ ہاتھی نے کھانا پینا چھوڑ دیا ہے۔ سائڈرس صاحب کو باور نہ آیا۔ فیل بان کو گایاں دیں اور کہا کہ ہم خود چل کر کھانا نہیں گئے اور باغی روپیہ کے لٹو اور کچریاں ہمراہ لیا کر ہاتھی کے خان پر پہنچے اور نوکر شیرینی کا ہاتھی کے گتے دکھوایا۔ ہاتھی نے جھلا کر نوکر ایک پیچ کر مارا۔ اگر کسی آدمی کے گتے تو کام تمام ہو جاتا۔ سائڈرس بولے۔ ہاتھی باغی ہے اسے نیلام کر دو۔ اسی معزز صدر بازار میں لاکر استاد کیا اور نیلام کی بولی بولی۔ کوئی خریدار نہ ہوا۔ ہنسی پٹاری ایک چشم جس کی دکان کھارڈ باڈلی تھی اُس نے ڈھائی سو روپیہ کی بولی دی۔ اسی بولی پر صاحب نے نیلام ختم کر دیا۔ فیل بان نے ہاتھی سے کہا کہ لے جاتی تمام عمر تو تو نے ادیبوں کی نوکری کی اور اب میری اور تیری تقدیر پھوٹ گئی کہ ہلدی کی گرہ بچنے والے کے دروازے پر چننا پڑا۔ یہ سنتے ہی ہاتھی کھڑے قدم سے دھم دھم زمین پر گر پڑا اور جاباں بچ بولیا۔

## یہ روشنی کیسی ؟

مرفان خوش الحان دخترن پر بیٹھے چھپا رہے ہیں۔ مستانِ بادۂ توحید عالم وجد میں غموم رہے ہیں۔ عجب کیفیت کا وقت ہے۔ آفتاب کی شاہیں غلغلے کے بند منظروں کے سنہرے کلسوں پر پر کر اپنی چمک دکھادی ہیں۔ جھٹک کا سنہری برج عکس شعلی سے سنہری نظر آتا ہے۔ اس برج کو مٹن برج کہتے ہیں۔ یہ بادشاہانِ تیموریہ کی خاص نشست گاہ ہے۔ اس کے نیچے چھت بھی ہندو چھتے ہیں بیڑیاں ہیں حضرت ظلِ سبحانی خلیفۃ الرحمٰن سراج الدین ابو ظفر مہار شاہ ثانی فریدنجی سے فارغ ہو کر جھوکے میں بیٹھے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔ سواری کی تیاری ہے۔ تسبیح خانے کے صحن میں خواجہ سرا اندو خاص بادشاہی دغیرہ اور چند معززین دربار میں حاضر ہیں۔ انتظارِ برآمد حضور ہے۔ تسبیح خانے کے چہرے کے نیچے پچاس ساٹھ کھارڈ کی نوکری ہے بیچ بلات کی صدیاں اندر مرغ چڑیاں باندھے ہوئے کوبستہ استاد ہیں۔ مٹن برج کے نیچے پٹری پر کوئی دوسو خاص بردار سرمنی دستار اور سرمنی چم باندھے ہوئے جنوں میں تھواریں دبائے دست بستہ کھڑے ہیں۔ ایک جانب تو میں جوان حبشی نوکر گواں ڈیل مرغ کھڑا۔ کی عددیاں مرغ منڈلیں مرغ چم باندھے دست بستہ خوب کھڑے ہیں۔ نیچے پٹری کے پار سالہ داروں کا پر اھانے ہوئے استاد ہیں۔ جھوکہ کی جانب سبکی ٹٹا ہے کہ کیا ایک بالائے جھوکہ سے ہنگامت کی آواز آئی میر فتح علی آتھ جو کر گئے بڑھا

سے دیکھنے کی بجائے ایک طرف دیکھا۔ اب جو دنیا کی جانب نگاہ کی تو دیکھا کہ دنیا پارہ میر جی کا ٹکڑا ہے اس پر  
مگر رہی ہے اور ٹکڑا ڈکڑا سماں کر جاتے ہیں۔ ڈر یا کا کٹا رہ گئے خوار آمد دود آتش سے تیرا و تار ہو رہا ہے میر جی  
ملا لدا کر حکم دیا کہ سارا بیچ کر غریبوں کو دے دینا کیس ہے؟ کوئی پانچ سو روپے دیا پس اگر غریب کو کوئی خیمہ دلی پر چڑھا آیا ہے  
کی فوج نے تاخت و تاراج پر کمر باندھ دیا۔ جنگ خیمہ لگ دیا۔ میر جی کو مار ڈالا۔

پیشہ حضور پرورد سے حکم ہوا کہ اپنی جمیعت لے جاؤ، پل توڑ دو، کشتیاں کھینچ کر فوج اترنے نہ پائے۔ مدعا نہ  
پناہ کے بند کرادے۔ حسب حکم تعمیل ہو گئی تحریکیں سے جو جمیعت شکست پل کے واسطے مدعا نہ پناہ تھی۔ اس کو حضور نے طلب کیا  
لی چونکہ اندھے کیل و مرام واپس آنا پڑا۔ ہنوز یہ تسلیم گڑھ کے نیچے تھے کہ سامنے ملک الموت کی طرح سوار آئے وہ کھائی دینے  
ناہ رعیت پناہ کمال جزات و تہذیب کو فرما کے نہایت ادا سامان ادا استقلال سے بھائے خود جس طرح چٹھے تھے چٹھے رہے،  
بجائش نہ کی۔ ادھر سواران باغیر ذریعہ جو کہ پہلے اور حسب قاعدہ ملائی ادا کی۔ حضور لایع النور نے حکیم احسن اللہ خاں کو حکم  
لا ان لوگوں سے دیانت کر دو کہ تم کو کون لوگ ہوا کہ کماں سے آتے ہرادر کس کے نوکر ہو اور یہاں کیوں آئے ہو۔

## میں صوبے کا مالک

حکیم احسن اللہ نے بموجب حکم بیس خاندانوں میں آکر سواران باغیر سے اقتدار و حال کرنا شروع کیا۔ چند افسر گھوڑوں پر  
کر پٹری پر کر کھڑے ہو گئے اور دیر ہو کر سے مقرر ہو کر من کرنا شروع کیا۔ حضور جہاں پناہ سلامت۔ آپ دینا  
بادشاہ ہیں حق تعالیٰ نے آپ کو انیس سو بے کا مالک کیا ہے۔ ہم لوگ آپ کے پاس فرادی آئے ہیں۔ اسید و ارباب انصاف ہیں  
رگ ملازم انگریزی ہیں۔ ہیں لوگوں نے اپنی جانیں بیچ کر اور سر کٹ کر کھنڈے سے نکال کر کابل کے ڈیرے تک لے کر کے جہدہ سو کو  
لعلاری انگریزی قائم کرادی۔ یہ ولایت سے کوئی فوج ہزارے کر نہیں آتے تھے۔ سب ہندوستانی فوج کی کارگزاری ہے۔  
چونکہ تمام ہندوستان پر تسلط ہو گیا اور کوئی سرکش باقی نہ رہا۔ اب سرکار کی نیت میں فتور واقع ہوا ہے اور ہمارے دین و دنیا  
در پہے تہذیب ہوئے اور چاہا کہ تمام ہندوستان کو عیسائی کر لیں۔ ایک قسم کی بندوبست ایسی ایجاد کی گئی کہ جس میں ٹوٹا میں لاکھ تو  
وں سے کات کر بندوبست کے نہیں دینا پڑے اداس ٹوٹے (کار توں) کو جانوروں کی جھتی سے منڈھوایا گیا وہ بندوبست ہم کو  
انہیں۔۔۔ افسران نے مصدقہ کی کہ سرکار صاف فرمائیے۔ ہم دی سے بے دی کبھی نہ ہوں گے۔ پھر دوبارہ ان کو حکم سنایا گیا  
نہ کو ٹوٹا لاکھ پڑے گا۔ پھر اتفاق سب نے اسی طرح انکار کیا۔ انجام کو سر بارہ یہی حکم صادر ہوا۔ اس جانب سے جواب سننا  
حکم ہوا کہ ہتھیار دے دو۔ ہم لوگوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ حکم ہوا کہ افسر فوج سے ملو جو جائیں۔ ہم جو پاسی افسر رہائے  
سب جو کر کھڑے ہو گئے۔ پھر حکم ہوا کہ ان کے افسران میں جھگڑیاں ڈال دو۔ جب بھی عدل بھی نہ کی۔ پھر حکم ہوا کہ تم لوگوں کو  
دل بھی کی سزا دی جاتی ہے تم جیل خانے جاؤ۔ ہم سلام کر کے جیل خانے کو چلے گئے۔ جب ہم داخل جیل خانہ ہوئے تو  
یہیں تھکے و خستہ ہم پر ہوا گیا اور حکم تحریر کی کچھ نہ گئی۔ باہم یہ صلح قرار پائی کہ شب کو پل کی جیل خانہ توڑ کر افسران فوج

کو بچھا ڈالا۔ چنانچہ ایسا ہی ظہور میں ہوا۔ اب تمام شہر میں غدر مچ گیا اور جنگاں مہم ہوا۔ تمام شہر گودوں کی اور ہماری جنگ ہوتی رہی۔ صبح کو ہم لوگ دہلی روانہ ہوئے اور آج اس وقت یہاں پہنچے ہیں۔ بادشاہ سلامت ہمارے سر پر ہاتھ رکھیں اور ہمارا انصاف فرمادیں۔ ہم دین پر گمراہ کر آئے ہیں۔

## بادشاہ کا جواب

”سوز جانی! مجھے بادشاہ کون کتنا ہے۔ میں تو فقیر ہوں۔ ایک تکیہ بنائے ہوئے اپنی اولاد کو لیے بیٹھا ہوں بادشاہ تو بادشاہوں کے ہمراہ گئی، سلطنت تو سو برس پہلے میرے گھر سے جا چکی ہے۔ . . . میں تو ایک گوشہ نشین آدمی ہوں مجھے سنا کیوں آئے۔ میرے پاس خزانہ نہیں کہیں تم کو تنخواہ دوں گا، فوج نہیں کہ تمہاری مدد کروں گا۔ ایک امر میرے اختیار میں ہے اب اسے دیکھو کہ میں تمہارے درمیان ہو کر انگریزوں سے تمہاری صلح صفائی کر سکتا ہوں۔ . . . غرض یہ جنگ کو ناقص مقامی کو صاحب رزیدنٹ جبرائی تعداد صاحب داخل دیوان خاص ہو گئے۔ صاحب رزیدنٹ بہادر، کیوں بابا لوگ یہ کیا فتنہ و فساد تم نے برپا کر دیا۔ شرط ملک خوار ہی تھی کہ آج تم ہمارے مقابلے کو تیار ہوئے ہو۔ ہم نے تم کو اسی واسطے تیار کیا تھا۔“

سواران فوج باغیہ: اس میں کوئی شک نہیں۔ سرکار نے ہم لوگوں کو اسی طرح پالا اور پرورش کیا ہے مگر ہم لوگوں نے آج تک سرکار کی کوئی نیک حواشی نہیں کی۔ جہاں سرکار نے ہم کو بھونک دیا۔ ہم آگھیں بند کر کے آگ میں پانی میں کود پڑے، سرکار کو اسے میں کہیں دینے نہیں کیا۔ اب جبکہ تمام ہندوستان پر سرکار کا قبضہ ہو گیا تو سرکار ہمارے دین و آئین کے دوسرے ہوئی ہے ہم کو مر جانا قبول ہے مگر دین سے بے دین نہ ہوں گے۔

صاحب رزیدنٹ: ہم انہیں پر ہاتھ دھر کے کتا ہے کہ ہم تم سے ہرگز دھانہ کریں گے اور بادشاہ صاحب کا بھی فرمانا ہی ہے۔ اب تم مار کٹائی ترک کر دو اور لوٹ مار سے باز آؤ۔“

انگریزوں کے دار سے۔ انہوں نے کہا۔ لاں صاحب بہادر سچ تو فرماتے ہیں مگر بعض نا فہم بولے کہ انگریزوں کے قول و قسم کا اعتبار نہیں۔ یہ لوگ قول دے کر پھر جاتے ہیں۔ ان میں باہم نکرار ہونے لگی۔ آخر ایک بولا کہ تو ہم فیصلہ ہی کیسے دیتے ہیں۔ جھٹ بندہ حق چھتیا کو صاحب رزیدنٹ بہادر پر فیر کر ہی دیا مگر اس وقت قضائے حق۔ وہ گولی صاحب بہادر اور حکیم احسن اللہ خاں کے برابر میں سے نکل کر قریب خلیفہ کے سون پر جا کر گئی اور سنگ مہر کا ٹکڑا ٹوٹ کر گر پڑا۔

صاحب بہادر تو دھر دھست ہو کر آئے۔ چرخ شہیدہ باز نے لہر تازہ بازی آٹا نکی۔ سواران باغیہ واپس ہو کر ہو کر کلکتہ دروازے کی طرف تو گئے نہیں۔ انہوں نے راج گھاٹ دروازے کی طرف رخ کیا۔ راج گھاٹ کے دروازے سے شہر میں داخل ہوئے۔ ایک جم غفیر اور آوازہ حام کثیر فرقہ باغیہ میں شامل ہو گیا۔ مردمان باغیہ سے جس قدر توانا گیا۔ خوب روپیہ و مالک اٹھانے سے جاری ہو گئے۔



## صدائے ہوناک

پانچ بج چکے ہیں، دن ڈھل گیا ہے، ہنوز قیامت ہوا ہے۔ ملازمان شاہی حکیم احسن اللہ خاں خانسانا مافی کے کونے میں بیٹھے ہوئے ہیں کہ یکایک اس زور کی سیب آواز آئی کہ اگر یہ زور توپ کا برابر ہو تو اتنی گرج نہ ہوتی۔ مغرب کی جانب جو نگاہ کی تو دیکھا کہ ایک تھن گردو بخار اور دھوئیں کا زمیں سے نکلا کر آسمان تک بندھا ہوا ہے اور لاشیں آدمیوں کی زار و زخم کی طرح منڈلا رہی ہیں۔ اب قتل حیران ہے کہ کیا الٹی یہ کیا ماجرا ہے۔ ہر کاروں کی جڑی نے منکرو نکیر کی طرح آکر خبر دی کہ میگزیں آؤ یا گیا۔ اب شہر میں پورے بچوں کا راج ہو رہا تھا جو چاہتے تھے کہ تھے تھے۔ تمام خزانہ انگریزی اور سرائے بنک اور مال بانداؤٹ نوٹ کر مال مال ہو رہے تھے۔ بد پر رو کھنے کو جانے نہ تھی۔

ہندو نندی کے اس طرف غازی آباد میں گوروں کی فوج آئی ہے۔ اب جہاڑوں سے بگل کا شور و شور و شور ہو رہا ہے اور جلدی جلدی فوج کی کمر بند ی ہو رہی ہے۔ کوچ کی بولی گئی اور فوج مسلح اور مکمل پر کمر لے کے صدائے سلیم گڑھ کے نیچے ہوتی ہوئی دو میلے جن کے پل پر سے عبور کر کے شاہدہ سے کی سرک پر روانہ ہوئی۔ پورے بارہ کا وقت تھا کہ توپ کی آواز کان میں آئی۔ لگاتار توپ کی آواز چلی آتی ہے۔ پھر یکبارگی باڑ کی آواز آنے لگی۔ اب توپ بھی چلی رہی ہے اور ہندوؤں کی باؤں جھڑی ہیں، غرض کہ پانچ بجے کے قریب میں تھلے سے سارا ہو کر مٹا ہوا ہے۔ جب لاہوری دروازے کے کچھ میں پہنچا تو بجے فوج واپس آتی ہوئی لی۔ آگے آگے توپ غارتھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک جوان میگزیں کی کراچی پر صندوق سے لگا جھاپے کر رہا تھا، انکس بند ہیں۔ میں کھانسی ہے۔ گھوڑوں پر جو پیشتر سوار تھے، میں نے ان سے پوچھا کہ اس کے زخم کہاں آیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ زخم نہیں آیا اس کے ٹھنڈا لگا لگا ہے۔ اس کے صدر سے سے ہے برش ہو گیا ہے۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ سوار اور پیدل ہتھیار کڑتے باجا بجاتے چلے آتے ہیں۔ تھلے کے دروازے سے نکل کر ایک سوار سے میں نے پوچھا کہ تم اتنی جلدی کیو کر رہے ہو؟ اس نے بیان کیا کہ ہماری فوج ہو گئی۔ گورے مقابلے پر سے بھاگ گئے۔

سولہویں رمضان (یعنی اگست ۱۸۵۷ء) کی ڈیڑھ ماہ کے بعد ایک دن پانچ بجے دن کے میں گھوڑے پر سوار تھلے سے گھر آتا ہوں تو تھلے کے چھتے میں لگے دو سوار تیلی مددی کے تھے اور ان کی پہلی جھنڈیاں تھیں، صاحب سلامت ہوئی، چونکہ اس دن لا کا کوئی اور سوار میری نظر سے نہیں گزرا تھا۔ مجھے شک ہوا کہ شاید نئے سوار ہیں۔ میں نے پوچھا۔ تم کون سے رسلے کے سوار ہو؟ انھوں نے بیان کیا چوتھے رسلے کے۔ میں نے کہا، چوتھا رسالہ تو یہاں کوئی نہیں۔

سوار۔ چوتھا رسالہ انگریزوں کی نظر بند ی میں بھرا آیا ہے۔

میں نے پوچھا، انگریزوں کی فوج کہاں ہے؟

لے ہنڈی نہری پر یہ جنگ، ہر نئی شہنشاہ کو دلی گئی۔

سوار : علی پور

میں : علی پور سے تم کیونکر چلے آئے ؟

سوار : ہم نگاہ بچا کر چلے آئے اور اپنے بھائی بند فوجوں کو اطلاع دینے آئے ہیں کہ وقت دھاوے کے ہم تم میں آئیں گے۔ ایسا نہ ہو کہ تم ہم کو آنا دیکھ کر گوروں کے شعبے میں گرا ب مار کر اڑا دو۔

تھوڑی دیر نہ گزری تھی۔ شام کے چوبیس بجے تھے کہ تباری کا بگل بوا اور فوج کی کمر بندی ہو گئی۔ کوئی دو ہزار کی جمعیت تو مدد پر رہی اور باقی کل فوج علی پور پہنچ گئی۔ چار گھنٹے رات باقی رہے۔ توپ چلنی شروع ہو گئی۔ سننے میں آیا ہے کہ ان بڑی توپوں نے بڑا کام دیا اور فوج انگریزی کا بہت نقصان ہوا۔ اب غار کے وقت سے پہلے سوجروں کے رسالوں نے ان بڑی توپ پر دھاوا مارا اور ان کے پاس بلی جھنڈیاں اور بلی وردیاں تھیں۔ ان کو یہ دھوکا ہوا کہ شاید یہ وہی چوٹا رسالہ ہے جس کے لیے ہم آکر شام کو کھائے تھے کہ وقت جنگ میں ہم تم میں آکر شامل ہو جائیں گے۔ انھوں نے ان پر فریب نہیں کیا۔ یہ دھوکا کھائے۔ غرض یہ کہ کاروں سے تو یہی چھپیں اور وہی تو ہیں بھر کر جانت باغیہ پر فریب کرنی شروع کر دیں۔ پیدلوں کی چوٹیں طرفین کی تھیں ان میں مقابلہ ہو گیا اور دونوں طرف سے باڑیں چلنے لگیں۔

اب ہر چار طرف سے فوج باغیہ کی آمد شروع ہو گئی اور کپور آنے لگے۔ ایک سداہری لنگھ کا کپور تھا اور ایک جنرل خوش محمد خاں کا کپور تھا جس کے دونوں ہاتھ لڑائی میں گوسے سے اڑ گئے تھے۔ بخت خاں جنرل چودہ ہزار کا کپور اور چند توپ سنبھالے اور دو تین جمنٹیں سواہدوں کی اور کئی لاکھ روپیہ خزانہ بریلی سے لے کر دہلی میں وارد ہوا۔

## جنرل بخت خاں

ایک رات میں ڈیرہ علی ریو موجود تھا۔ پچھلا پہر تھا کہ باریدار نے محل میں سے آواز دی۔ ہشیار ہو جاؤ۔ ہم لوگ جلدی سے چمڑیاں سر پر لٹک کر کریں باندھ کر تیار ہو گئے۔ بادشاہ برآمد ہوئے۔ ہم سب آداب بجالائے۔ بادشاہ شمع خشنے کے سنگ کے تخت پر مسند بٹھے پر ہر بیٹھے۔ ہم سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ تم جانتے ہو۔ آج کل جو سامان ہو رہا ہے اس کا انجام کیا ہونا ہے؟ مجھ سے سنو، میرے مجرمانے کا کوئی سامان نہ تھا۔ یعنی بنائے فساد مال و دولت خزانہ، ملک و سلطنت وغیرہ ہوا کرتے ہیں، میرے پاس ان میں سے ایک موجود نہ تھی۔ میں تو پہلے ہی فقیر ہوا بیٹھا تھا۔ اب جو منجانب اللہ میرے میں آگئی اور دلی میں آکر بھڑکی تو معلوم ہوا کہ ملک حذاور زمانہ نا بھارا کو میرے گھر کی بنائی منگوسہ ہے۔ آج تک سلاطین چغتائی کا نام چلا آتا تھا اور ادب آئندہ کو نام و نشان یک نظم معدوم و نابود ہو جائے گا۔ ایک دن کا اور ذکر ہے کہ صبح کا وقت تھا۔ دن کے سات بجے ہیں۔ بادشاہ برآمد ہوئے اور دیوان خاص کے بیچ کے در میں گڑھی چھو کر بیٹھے ہیں۔ کچھ تھوڑے سے آدمی اس وقت موجود ہیں دیکھتا کیا ہوں کہ ایک پور بریہ فرما اندام، پستہ قد، ادھیڑ پچاس پچاس برس کی عمر، منہ پر داڑھی، گاڑھے کا کرتہ، دھوئی بندی ہوئی سر پر ایک انگوچھا پٹا ہوا چند حیا کھلی عقب حمام کے چوتھے کی طرف سے دربار میں آیا اور بادشاہ کو سلام کر کے پاس چلا آیا۔

میرے ہمنام نے دیکھا بھی کہ میں یہیں کہاں چلے آتے ہو مگر وہ کب متنا تھا۔ پاس آکر بادشاہ کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا: منور بڑھو مجھے  
 تمہیں باسا گیا۔ یہ بات سنی کر مجھے تاب نہ رہی اور اسے غصے کے کانپنے لگا اور ایک ڈھتہ زور سے اس کے سینے پر ہتھکڑیاں لگا  
 دیا۔ وہ اس دھکا دینے سے دو تین قدم پیچھے ہٹ گیا اور گرتے گرتے سمجھلا اور اس نے تھوار کے قبضے پر ڈھتہ ڈالا۔ میں نے بھی  
 تھوار کھینچی لی۔ ایک سید کا رڈ کا بخت گڑھ کا رہنے والا میری ہی ہم عمر ہو گا۔ وہ انگریزی دسلے میں کوئی عمدہ دار تھا۔ میری برابر  
 سے بٹھ کر اس نے اس کا گلا اس زور سے دبوچا کہ قریب تھا۔ اس کی آنکھیں نکل پڑیں۔ . . . . . لوگوں نے اسے دیکھتے دیکھتے  
 دیوان خاص کے باہر کر دیا۔ . . . . . مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ بد بخت جرنیل بخت خاں ہی ہے۔ پیچھے حال کھلا کہ وہ بریلی والا نیل  
 ہی تھا۔

## دھماکے کی آواز

بخت گڑھ کی لڑائی کے پورے دن کی ہمت شکست ہوئی شروع ہو گئی اور وہ جوش و خروش کم ہو گیا۔ اسی اثناء میں ایک  
 ستم اور ہٹا کر چوڑی دالے کے نیچے شہر و غم کی حویلی میں میگزین تھا اور دالوں اور دتیا ہوئی تھی۔ ایک دن تیسرے پہر کا وقت ہے  
 دن کے تین بجے ہوں گے کہ یکا یک ایک دھماکے کی آواز کان میں آئی مگر دھماکا ایسا ہوا جیسے سو توپ کی برابر اس کی صدا تھی  
 میں اپنے مکان کے دروازے پر چڑھا اور ہر طرف نگاہ کی تو اپنے مکان کی جھب کی جانب دیکھتا کیا ہوں کہ ایک تن گڑو غرا  
 اور دھوئیں کا آسمان سے باتیں کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ میگزین اڑ گیا۔ ادھر تو میگزین اڑا اور پورے حکیم جی (حکیم حسن اللہ) کے گھر  
 پر چڑھ گئے کہ حکیم جی انگریزوں سے سازش رکھتے ہیں۔ انھوں نے میگزین اڑا دیا ہے اور جا کر سب اثاثے (گھر کا سامان)  
 لوٹ لیا حکیم جی گھر پر نہ تھے۔ درز خود جان سے مارے جاتے تھے

انگریزی فوج نے یہ کام کیا کہ جو روپے ان سے چھینا تھا۔ اس کو نوٹس تکم کیا اور دالوں پر ڈال ڈال دیا اور دفعہ رفتہ شہر کی گلیاں  
 کو پرچہ بڑھانا شروع کیا۔ دودھانے کے باہر جو چند قدم پر سرنگ تھی۔ وہ کابلی دروازے سے موڑ کھا کر کٹھیری دودھانے کو جاتی تھی۔  
 وہاں کڑی دسلے کی ٹال تھی۔ ایک شب انگریزی فوج نے یہ کام کیا کہ اس ٹال میں آگ لگا دی اور اس دھوئیں کی اوٹ میں مورچے

لے غائب ہو گئے اور یہاں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے جرنیل بخت خاں اور وہ کے شاہی خاندان سے تھے تھا اور انگریزی فوج میں بڑے عمدے پہلو  
 رکھتا تھا۔ پھر بریلی سے جو ہزار فوج اس کی فاکہ مدد پر لے کر شاہی شہر کے دہلی آیا اور یہاں کا اختتام سمجھا۔ شکست دہلی کے بعد اپنی فوج کے ساتھ بغیر  
 تک جنگ کر کے ہار گیا تھا۔ یہاں ایک ایسی طاقت اور خائن ایک ایسے چند تم کھڑے ہوئے تھے جن سے ہر کچھ اور پڑھ کر کھینچا گیا ہے۔ اور کیا بخت خاں  
 ہمارے شاہ کے دربار میں یہ سوکھا دھکا بٹھاتا تھا کہ ایک شاہجہاں کے دربار میں اس کی گونج جرجے لے تو انھیں نکل پڑیں،

مجھے اسی امر میں اب کوئی شبہ نہیں کہ حکیم انگریزوں سے ساز باز رکھتا تھا اور اس کی سازش نے ہمیں کہہ دیا تھا تھا۔ جب نہیں کہ انگریزوں کا  
 اڑھانا جی حکیم جی کا ساتر ہو۔ (خود شہر دہلی)

باغیچے شروع کئے۔ سیاہ برج والے حیران تھے۔ کچھ حال معلوم نہ ہوا۔ جب مورچہ تیار ہو گیا تو چالیس قلعہ شکن توپیں اس میں لاکر لگا دیں اور  
یکبارگی ان چالیس توپوں کا فیر سیاہ برج پر کیا۔ اُس وقت سیاہ برج والوں کی آنکھیں کھلیں۔ آخر آٹھویں روز جب انگریزی سپاہ  
نے دیکھ لیا کہ سیاہ برج خالی پڑا ہے تو چار گھنٹی رات پہلے سے تمام فوج انگریزی پہاڑ سے اتر کر میر حسن کے کھنڈرات میں آگئی  
اور کابلی دھواڑے کے اس جانب لاکر توپ خانے لگا دیئے۔ اس طرف سے بھی تمام فوج کلی سوار پیدل توپ خانے لے کر  
مقابل ہوئی۔ یہ لاہوری دروازے سے لگا کر کابلی دروازے کی نری تک تمام تیلی والے کے میدان میں پہلی ہوئی تھی۔ گوند گراب اور  
باروں کا دونوں طرف سے میز پر سر رہا تھا۔ اُس دن ہنر کی زمین اور مکانات اور سب دیوار و دروازہ زبردہ تھے۔ غریبوں کی کیفیت  
میں کے پانچ بجے سے شروع ہوئی تھی اور دس بجے تک یہ تیاست برپا رہی۔ آٹھ بجے دن کے میں پانچ چھ آدمی لے کر قلعہ کو جانے لگا  
تو دیکھا کوچ بند کی کے پھاٹک سب بند ہیں۔ دروازوں کو قفل لگے ہوئے ہیں مگر کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں۔ میں واپس آیا ہوں۔ اس وقت  
بانار کی سب دکانیں بند تھیں اور ایک دو آدمی پتے پھرتے تھے۔ میں نے اپنے گھر کا رخ کیا۔ جب میں بھوانی شکر کے چھتے کے پاس پہنچا  
تو میں نے دیکھا کہ درجے بے تماشا بھوانی شکر کے چھتے میں سے جلنے پلے آتے ہیں۔ میں قدم اٹھا کر بی ماروں کے چھاٹک پر پہنچا  
تو دروازہ بند پایا۔ دوڑ کر چھوٹے درجے کے چھاٹک پر پہنچا۔ بارے وہ دروازہ بند تھا اور کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ اُس وقت ایک تاشا  
اندنظر آیا۔ جب میں کھڑکی کے پاس پہنچا ہوں تو سامنے کو توڑائی کے آگے سے ایک بند توں کی پاڑھ چھو پر پڑی۔ میں نے سامنے دیکھا  
تو انگریزی فوج کا ایک بزن کو توڑائی کے آگے موجود کھڑا تھا۔ میں بھاگ کر گھر پہنچا مگر میں نے ابھی گھر میں والدہ سے یہ خبر بیان نہیں  
کی کہ گھر والے مضطرب ہوں گے جیسا ہوا اشتراک کر رہا ہوں۔ ایک ڈیڑھ گھنٹی کا عرصہ گزرا ہے کہ یکا یک توپ کی صدا میرے  
کان میں آئی اور اتنی قریب معلوم ہوئی کہ گویا اس محلے میں جل رہی ہے۔ عورتوں کے بدایک اور آواز آئی۔ جب تو مجھے حیرت ہوئی کہ  
محلے میں توپ کہاں سے آگئی۔ پھر میں دو تین آدمیوں کو لے کر نکلا۔ دیکھا کہ آدمیوں کی آمد و رفت برابر ہے۔ آئے جانے والوں سے  
پوچھا کہ کبھی کیا ہوا۔ انھوں نے بیان کیا کہ لوگوں نے انگریزوں کو مار بھجوا یا اور شہر میں بلو ہو گیا۔ پھر میں دہان سے چادر کی کے  
بازار میں جا پہنچا تو دیکھا کہ واقعی ہزاروں آدمی لاشی پڑے لگا۔ تلوار، لٹھا، سادہ وغیرہ بے ہوش شہر میں پھرتے ہیں۔ غرض کہ جامع مسجد  
کے نیچے ہر گھروں کے بازار میں پہنچا تو دہان عجیب تاشا نظر آیا۔ لاشوں کا ایک ایسا انبار تھا جیسے کڑیوں کی ٹال لگی ہوتی ہے  
بازار کے لوگوں سے دریافت کیا۔ لوگوں نے بیان کیا کہ ایک بزن انگریزی فوج کا مسجد کی میڑھیوں تک آپہنچا تھا اور کچھ لوگ  
فوج کے دھاریا کے گھروں میں گھس کر ٹوٹ مار کرنے لگے۔ ادھر فوجیوں نے یہ چاہا کہ جامع مسجد میں داخل ہو جائیں۔ مسجد میں مسلمان  
مسافر جمع تھے۔ انھوں نے دیکھا کہ اب یہ خدا کے گھر میں اگر کشت و خون کریں گے۔ آؤ ہتر تو یہ ہے کہ مسجد سے نیچے آڑکراں سے  
بھر میں۔ یہ کہ کردہ مسجد کے دھواڑے سے باہر نکل کر میڑھیوں پر سے اترنے لگے۔ فوج والوں نے ان پر بند توپیں سرکیں کر  
جو ذہدہ رہے وہ سامنے چلے اور باہم جگ مضطرب دست بدست ہونے لگی۔ لوگ گھروں میں سے نکڑیاں، پٹنگ کی پٹیاں، تلواریں  
لے لے کر دوڑ پڑے۔ اُس بزن میں سے کچھ آدمی مارے گئے جن کی یہ لاشیں موجود ہیں اور باقی بھاگ کر اپنے لشکر کو چلے گئے ہیں  
یہ تاشا دیکھتا ہوا رہے درجے میں ہر کوئی دھواڑے سے نکل کر کو توڑائی کے آگے پہنچا۔ میں نے جامع مسجد سے لگا کر کو توڑائی تک

انہیں بڑی دیکھی۔ آگے ہر گھوڑے کے چالاک پرہیزگاروں نے دیکھا کہ میل کے پڑنے کے بعد ایک تپ لڑی ہوئی ہے اور کوئی گولہ اندازہ نہیں۔ اس وقت ہر کوہین پڑا کہ یہ تپ وہی ہے جس کی صدا تیرے کان میں بجی تھی۔ حسب التعمین قانع پڑا کہ گھوڑا دی اس تپ کو لاہوری دروازے سے کھینچ کر لائے اور یہاں قائم کر کے انہوں نے انگریزی پرگاہ ماما انداس سے افراج انگریزی کو جو کو زالی کے آگے کھڑی تھی نقصان پہنچا۔ جب دوبارہ پرگاہ ماما سے انداس زیادہ نفوس تلف ہونے لگے تو ان لوگوں کے پاؤں اکٹڑ گئے۔ غرض کہ شرمیں شام تک یہ اکثر قتل و مصادقتیں ہی شام بجلی بھگائی خلعت اپنے اپنے گھروں میں آکر پڑ رہی۔

## کشت و خون

آدمی مات کے وقت سپاہ انگریزی نے یکایک کشت و خون کرنا شروع کیا اور سوتے آدمیوں کو گھروں میں کھسکا اور میرٹھوں کے دریلے کو ٹھوں پر چڑھ کر ہلاک کرنے لگے۔ اب شہر کی کیفیت یہ کہ دوکانیں سب بند اور مرد آئی ہندو اپنے پانی خلعت پر حرام لگے بھوکے پیاسے مرنے لگے۔ یہی مدد بھی کیفیت رہی۔ آخر تیسرے روز شام کے وقت بادشاہ تلے سے نکل کر ہاروں کے مقبرے پہنچے اور رعیت بھی سرسبز حیران پریشان ہو کر شب کے وقت سب گھر باروں کا توں چھوڑ کر اپنے بال بچوں اور عورتوں وغیرہ کا ہاتھ پکڑ کر شہر سے نکلی شروع ہو گئی۔ غرض کہ اس وقت دو قیامت عظیم برپا ہوئی کہ بیان میں آسکتی جس شام کو بادشاہ تلے سے نکل کر ہاروں کے مقبرے پہلے۔ میں چار گھڑی مات لگے ذاب حامد علی خاں صاحب کا آؤں میرے والد کے پاس آیا اور اس نے آکر کہا کہ آپ گھر میں کیا بے فکر بیٹھے ہیں۔ بادشاہ تلے سے سوار ہو گئے اور رعیت سب نکل رہی ہے۔ خدا کے لیے چھوڑو گھر بار کو اور بال بچوں کو سنے کر شہر سے نکلو۔ غرض کہ میں ادھر سے والد ادھر میری والدہ اور میرے سب چھوٹے بھائی بہن سوار ہو کر ثیا محل میرے سسرال پہنچے اور وہاں جا کر میری خوشدامن مہنی بڑی بیگم صاحبہ سے جا کر ذاب حامد علی خاں صاحب کی بیوی نے کہا کہ بیگم صاحبہ مہنی کیا ہوا جلد سوار ہو جاؤ، وہ بھی ماضی ہو گئیں۔ قریب ایک بجے رات کے ثیا محل کے چالاک پر پہنچے کہ ایک بلائے ناگمانی کا سامنا ہوا۔ ثیا محل کے صحن دروازے کے پہلے چکر پر کھڑا ایک دیوانی مجذوبہ بھی ہوئی تھی۔ اس بد بخت نے جو میرے خسر کی شکل دیکھی تو یکایک گھبرا کر بآواز بلند پکارا مٹی کہ میں میاں میر مرزا تم کہاں جاتے ہو۔ تمہارے واسطے تو خدا کا حکم نہیں ہے کیا تم بھول گئے۔ وہاں اس کے منہ سے تو یہ بات نکلی تھی اور یہاں میر مرزا صاحب کے قدم زمین نے پکڑ لیے اور تلے سے کہا کہ بلا شک مجھ سے سو ہوا۔ اسی وقت گاڑی بان کو حکم ہوا کہ سواریاں گھر کو واپس لے چل۔ ہر جہیز میں نے قدموں پر سر رکھا مگر ایک نہ منی۔ سب کے کھایا مگر وہ بھی فراموش لگے کہ حکم خدا نہیں ہے۔ مجبوراً میں تو اپنے یہاں کی سواروں کو سنے کہ روانہ ہوا اور وہ صبح اہل و عیال گھر کو واپس چلے گئے۔

بہزار مصیبت و شقت آفتاں وغیرا ہمارا قافلہ برف خندے پہنچا۔ شب کو بے آب و دانہ سب نے بسر کی غیر وہ دن رات تو گزری۔ اب دوسرے روز کی حقیقت سنئے کہ وہ فرج باخیر بیرون شرفا وہ تھی۔ انہوں نے فوج دی کے

پہلے تو اپنا میگزین اڈالیا اور میں شروع کمن میں اپنا ڈنڈا ڈیرا اٹھا کر وہاں سے کوچ کیا اور اتنا سہ راہ میں انصران فوج مل کر بادشاہ کے پاس گئے کہ حضرت تشریف لے چکے، یہاں لڑائی جگڑ گئی ہے مگر بادشاہ نے اُن کا ساتھ نہ دیا اور وہ کوچ کر گئے جو لوگ شہر میں رہ گئے تھے اُن پر وہی کیفیت گزری کہ گریہ و اڑھی دالا اور پکڑا گیا تو کچھوں دالا۔ مجھے اپنے عزیمت قارب کا خیال تھا خصوصاً مسسرال کا کہ ناگماں صبح کے وقت دیکھنا کیا ہوں کہ میرے مسسر کا گامی خدمتگار چلا آتا ہے۔ میں نے صورت دیکھتے ہی پوچھا۔ گامی خیر ہے۔ اس نے دبی زبان سے کہا۔ جی ہاں خیریت ہے۔ میں نے پوچھا کہ کہاں ہیں؟ کہا شاہ مردان میں نواب بخت خاں کے مقبرے میں کل سے آئے ہوئے ہیں۔ میں تم کو ڈھونڈتا ہوا آیا ہوں آپ کو بلایا ہے۔ میں گامی کے ہمراہ روانہ ہوا۔ جب شاہ مردان پہنچا ہوں اور بخت خاں کے مقبرے میں داخل ہوا ہوں اور مستورات نے مجھے دیکھا تو ایک گرام پر گیا۔ غرض، شروع ہوئی جب فرد ہوا تو میں نے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ بڑی نگم صاحبہ نے بیان کیا کہ جس دن تم ہم سے جدا ہوئے۔ اس کے ایک دن بعد ننگیا کی جرنیل صاحب کا ڈیرا جامع مسجد میں ہو گیا ہے اور حقوڑی دیر کے بعد پانچ چار گورے گھر میں گھس آئے آکر کہا۔ ہم کو روپے دو۔ عورتیں تو کہ ظہر میں ہیں چھپ گئیں اور مردوں نے کچھ دے کر نال دیا۔ حقوڑی دیر بعد اور آئے۔ ان کو بھی کچھ دیا۔ غرض کہ اب تار بند ہو گیا۔ ایک آتا ہے ایک جاتا ہے۔ میان ناصر الدین نے کہا کہ میں جاتا ہوں جرنیل صاحب کے پاس وہ دو خدمت گاروں کو لے کر جامع مسجد پہنچے۔ وہاں جانے کیا گفتگو ہوئی کہ ایک خدمتگار آیا اور ان عورتوں میں سے ایک کو اٹھانے لے جھگام خدر اپنے گھر میں چھپا رکھا تھا اعداد عورتوں سے کہہ گئیں کہ ہم ابھی آتے ہیں اور میان ناصر الدین کو اپنے ساتھ لاتے ہیں مگر پھر نہ وہ عورتیں آئیں اور نہ میان ناصر الدین۔ رات بھر سب کو تشویش رہی۔ صبح کے وقت منشی آغا جان اور ان کا بیٹا یہ سب باغ میں بیٹھے ہوئے تھے اور میان امیر میرزا غا ز پڑھ کے اپنے شغل اشغال میں حسب معمول مشغول تھے کہ ناگماں دو گورے باغ میں آئے اور سامنے سے کہا۔ ہم کو روپیہ دو۔ میان امیر مرزا نے کہا۔ ہمارے پاس روپیہ کہاں ہے کہ اُن میں سے ایک نے ہندوق ماری کہ منشی آغا جان کے بیٹے پر لگی۔ اُس نے باپ کو پکارا۔ میان امیر میرزا نے کہا۔ بیٹا خدا کا نام لے کہ وہ لے گولی ماری۔ وہ اُن کے سینے پر لگی۔ وہ جیت لیٹ گئے اور تسبیح کا ہاتھ اُن کے سینے پر رہا۔ ثیا محل میں ایک قیامت برپا ہوئی اس فعل شروع کی آواز جامع مسجد میں پہنچی۔ وہاں سے دو انگریز داویلا سُن کر آئے۔ پوچھنے لگے کہ یہ کیا غل شہر ہے۔ عورتوں نے بیان کیا کہ کچھ نوٹھاری فوج نے یہ ظلم کر رکھا ہے۔ بولے ہم کو روپے دو تم کو شہر کے باہر کر دیں گے۔ وہ ہم کو لے جاتے تھے تو کمان دروازے آئے اور جس جس کے پاس جو تھا وہاں کے حوالے کیا اور انہوں نے دروازہ کھلوا کر ہم کو باہر کر دیا۔

## شہر کا حال

جو لوگ شہر میں رہ گئے تھے۔ ان میں کئی اشخاص باکمال نام آور فرد و زنگار مارے گئے۔ عورتوں کا یہ حال تھا کہ گھروں میں سے نکل کر کچھ سمیت کنوؤں میں جا گئیں چیلوں کے کوچے کے تمام کنوئیں لاشوں سے پٹ گئے۔ آگے میرا قلم نہیں چل سکتا ہے اور نہ مجھے اس کی تحریر کی تاب ہے جو کچھ ناگیل ہے۔ اصلاً علاج شہر کا یہ حال ہوا کہ عورتوں اور مردوں کو شہر

سے نکال دیا تو اس طرح کہ وہ بھی کوئی کثیر میری دروازے سے باہر گیا اور جلد توں کو کالی دودھ اڑنے کی راہ سے مشہور ہو گیا کہ باہمی خدمت پر گیا  
ایک کو ایک ڈھونڈ رہا تھا۔ میرا بپا کستان بادشاہی کو پھانسی دے دی گئی۔ باوجودیکہ وہ میری جلدی والدہ نے شریل خاندان گھریزی کا دانا  
تھا اور تمام خدمتیں بہرا صاحبان آگر پڑ پھاڑی پر دیا کرتا تھا اندر کا رکی بہت سی خیر خواہی کی تھی۔ اس نے بہت کچھ خدمت بہت  
کی مگر کچھ دینی گئی اور اس خیر خواہی پر کچھ نظر نہ پڑی۔ جب یہ واقعہ نظر سے گزرا تو سب کو اپنی اپنی جاذب کا لکھ کر اٹھا بلاتے ہوئے  
نے میری والدہ سے کہا کہ میں ان لوگوں کا یہاں رہنا مناسب نہیں جانتا ہوں۔ ان کو نصحت کیجئے۔ یہ امر بچے پہلے ہی مرکز خارج  
تھا۔ میں نے والدہ بزرگوار کی خدمت میں عرض کیا کہ بلا شک نواب صاحب نے پیچ فرمایا۔ مصیبت وقت ہی ہے۔ میں نے یہ کام  
کیا کہ تھوڑی سی چاندی کے پتر لے کر جوتی کے تیل کے دو نوں پرت جدا کر کے اس کے جوت میں بھری۔ میری جوتی نے ایک فرد  
سہنے کی پہنچی میرے آگے رکھ دی۔ میں نے اس کا ڈھانڈا کر دیا وہ نے اٹک کر کے کر بند کے اندر بھرے اور دستہ باندھی کر  
سے دوپٹہ باندھا۔ کڑی ہاتھ میں لی اور چلنے کو تیار ہوا۔ میرا بھائی امراد میرا ادا خان سلطان بھی تیار ہو گئے۔ اس وقت ہماری رخصت  
کا حال قیامت سے کم نہ تھا۔ میری بی بی بہر چند شرم کے مارے منہ سے کچھ دہری اور بھی آنکھیں کھلے ہوئے رو رہی تھی۔ آخر جب اٹھنے لگا  
تو چپکے سے یہ فائدہ لے کر باپ چلا واپس گئے۔ قمار سے دم کا سہارا تھا۔ بچے کس پہ چھوڑے جاتے ہوئے میں نے جواب دیا۔ خدا  
کے حالے کرتا ہوں۔ زندہ رہا تو پھر آخوں گا۔ اگر میں مارا گیا اور تم سن لو تو ہر بخش دینا۔ یہ کہہ کر میں مکان سے باہر ہوا اور بس اندر گئے  
خواجہ صاحب کی طرف روانہ ہوا۔ کوئی نصف میل کے قریب ماہ ملے کی ہوئی کہ ادھر سے سوار آئے۔ اتنے ہی انھوں نے گھیر لیا اور  
کہا۔ تلاشی دے اور سب کے سب کا بدن مٹول لیا۔ ایک سوار نے میری چوڑی اتار لی اور اپنا رستہ دیا۔ میں نے دوپٹہ کر کے سکول کر کے  
باندھ لیا۔ آگے بڑھا اور سوار ملے۔ انھوں نے بھی یہی بات کی۔ جب تو میں کر بند پاہلے سے کھینچ کر ایک گیند نالی اور پاہلے  
کے نیچے کو گرہ لگا دی اور وہ گیند اپنے ہاتھ میں رکھ لی جب سواروں کو دودھ سے آئے دیکھتا تو اس گیند کو دودھ چٹیک دیتا۔ وہ اگر  
تلاشی لے کر آئے بڑھ جاتے۔ میں دل میں کہتا کہ اب یہ تم توڑا کو ہر گز میں تھا۔ استاد ہوں۔ جھٹام بچے کیا ٹوٹ سکتے ہر اور جب وہ  
دور پہنچے جاتے۔ چہرہ اپنی گیند اٹھا کر اپنے ہاتھ میں لے لیتا۔ بہ ہزار خرابی خواجہ صاحب میں پہنچا۔ وہاں دیکھا کہ ایک بوجم کثیر مردوزن  
کا فراہم ہے۔ صبح کو ایک پندہ میں ہزار آدمی کا قافلہ جن میں نواب امین الدین خاں اور ضیاء الدین خاں اور احمد علی خاں بادشاہ کے  
خسر (ذینت لعل کے باپ) اور بہت سے بڑے آدمی شامل تھے۔ وہ گوجر دن کو دہزار روپیہ دے کر اور انھیں ہزار لے کر خواجہ صاحب  
سے روانہ ہوئے۔ ہم بھی اسی قافلہ کے ہمراہ ہوئے۔ غرض خواجہ صاحب کے وہ منزل قطع ہوئی اور قریب شام وصل سنت کی سرانے میں  
پہنچے۔ صبح ہوتے ہی پھر قافلہ کے ہمراہ ہوئے۔ ہم ہر کو باکر فرخ گھر میں داخل ہوئے۔ آخر ایک شخص کی زبانی معلوم ہوا کہ یہاں سے ہجر  
قریب ہے۔ یہ نام سخت ہی جان میں جان آگئی۔ آہ۔ ہاں تو ہمارے ماموں حکیم مرزا قاسم علی خاں صاحب فرما رہے ہیں۔ راستہ میں آگے  
پاس چلیے اور ان کی صلاح کے کا بند رہیے۔ غرض کہ دوسرے روز ہجر کا راستہ پوچھ کر دھاد ہوئے انھیں وہی پہنچے اور مکان پھر کر  
ان کے ان پہنچے۔ ان صاحب نے جب شکل دیکھی تو ہمیں مار کر دے گئے۔ ممالی سے کہا دیکھو تو جانوں کا کیا حال ہے میری جان  
بادشاہ نے کسی سببت سے انھیں پردوش کیا تھا۔ آج۔ اس بوجم جتا ہیں۔ ہم آٹھ روز آسائش سے وہاں رہے۔ یہ بھی شک

ناگوار ہوا اور ظالم جٹکار نے ایک اور ستم ڈھایا۔ اوجھل رات کے وقت ان کو نواب صاحب نے بکرایا وہ وہاں گئے۔ ایک گھنٹے بعد میں آئے اسیا بدیہ آئے۔ میں نے کہا۔ ماموں غیر ہے۔ فرمایا: بھائی کیا پوچھتے ہو۔ جس بلا میں تم مبتلا ہو کر یہاں آئے ہو وہ بلا کتنی بانی یہاں بھی نازل ہو گئی اور انگریزی فوج یہاں بھی آ پہنچی۔ اب تم ایک کام کرو۔ یہاں سے سیدھے پانی پت براہ سونی پت اور باؤ۔ تھامو سے والدہ اور خالائیں اور سارا کنبہ پانی پت پہنچ گیا ہے۔ مجھے خبر آگئی ہے۔ غرضیکہ پہلی تیار ہوئی اور ہم سارے ہو کر کوٹ پت گئے۔ یہاں میرے نانکے جیتی بھائیوں کے مکان تھے۔ انھوں نے مجھے روکا کہ اب تم غدنک یہاں رہو۔ کہیں نہ جاؤ۔ میں نے میرے والدہ والدہ بھائی بہن بیوی سب برسط میں میری خالہ کے ہاں میں۔ میں روانہ ہو کر وقت شب برسط پہنچا اور میں نے زدی کو دروازہ کھولا، دروازہ کھلا اور میں نے جا کر والدہ کے قدم لیے۔ انھوں نے سجدہ تنکرا دیا۔ وہاں سے پانچ چار روپے ہم پانی پت پہنچ گئے اور وہاں سکونت اختیار کی۔ پانچ ماہ تک ذرا اس واسطی رہی کہ یکایک آسمان سے رنگ حوادث برسے۔ یعنی دہلی سے دہلی نوزی جی صاحب گامی بلائے ناگمانی کی طرح پانی پت میں نازل ہوا اور دلی والے گرفتار ہونے منزع ہو گئے مگر میں مردان پانی پت پر، وہ مسافر نوازی فرمائی کہ باپ بیٹے کے ساتھ یہ سلوک نہ کرے گا۔ قلعہ مخمر میں ایک دن دو گھڑی اچھلے سے اپنی بیوی کے مکان پر گیا۔ میں نے دیکھا۔ بہت سے آدمی اس گلی میں چلے آتے ہیں اور آگے قلعہ دار ہے۔ میں نے پا۔ اب جو تو اٹھا پھر کر جاتا ہے تو یہ گھر میں جا کر گرفتار کر لیں گے۔ میں سیدھا یہ کہتا ہوا ان کے سامنے سے چلا گیا۔ بھی ان دلی کے سبب ہم لوگ بھی مصیبت میں آ گئے۔ انھوں نے مجھے نہ پہچانا۔ وہ آدمی اسی مکان میں گئے جس میں سے میں بھاڑ ہوا تھا۔ دار نے میرے پیر اور میرے بھائی اور بہنوئی کو گرفتار کیا اور میرے آگے سے لے گیا۔ میں اپنی خوشدامن کے مکان پر اور یہ حقیقت بیان کی اور کہا کہ اب میرا یہاں سے نکل جانا بہتر ہے۔ ورنہ گرفتار ہو جاؤں گا۔ چنانچہ انھوں نے ایک شخص کو اور کہا کہ بھائی تو مجھ پر ایک احسان کر کہ میرے دو بچوں کو یہاں سے نکال کر بچا اور کسی حفاظت کی جا پہنچا دے۔ وہ مجھے بسف سلطان کو لے کر چلا۔ ہم آٹھ کوں پر ایک گاؤں شیخ زادوں کا تھا وہاں پہنچے۔ گاؤں والوں کو اس نے جٹا کر ساری ست نادی۔ وہ لوگ نہایت مرد آدمی اور مسافر نواز تھے۔ انھوں نے میری بہت خاطر مدارات کی۔ پھر میں نے بولی سے کہا کی اب تم میرے بھائی اور میرے والد کو کہہ پیر جی محمد حسین کے مکان میں چھپے ہوئے ہیں۔ نکال لاؤ تو بڑا کام کرو۔ اس نے مت اچھا غرضیکہ اس دن رمانہ ہوا اور میرے دن میرے بھائی اور آغا سلطان میرے بہنوئی کو لے کر میرے پاس پہنچے اور میرے مدد ہم جتنا پارا تر کر سیدوں کی بستی میں پہنچے۔ مصطفیٰ آباد کی سادات نے ہماری بڑی خاطر مدارات کی۔ ہم یہ سب آپ کی عنایت ہے۔ اس کے عرض اور ہم پر عنایت فرمائیں اور وہ یہ ہے کہ میرا پور جا سمٹہ والوں کے ذریعے ہل گنگا پارا تر وادیں۔ انھوں نے کہا کہ کتنی بڑی بات ہے۔ ہم آپ کو خط لکھ دیتے ہیں۔ آپ وہ خط لے کر میرا طالب علی ل چلے جائیے۔ وہ آپ کو گنگا کے پارا تر وادیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ میرا طالب علی تہوار کے پاس وہ خط بھیجا مگر انھوں نے اس سے صاف انکار کیا لیکن ان کے جیسے میرا عنایت حسین نے نہایت آدمیت کی، رات کو اپنے مکان میں پوشیدہ تین مہاراجہ کی دعوت کی اس نے اپنے دیہات کے گوجروں کو بلا کر کہا کہ ساتھ آدمی ہمارے بھائی بند آ گئے ہیں ان کو کسی طرح



کھٹا جٹا پار لاندہ۔ ہنوں نے گاموں کو تو طعن نہیں مگر آئندہ شب کو ہم ایسا کر سکتے ہیں چنانچہ ایک شب ہمیں ہادی علی علیہ السلام کے پاس پہنچے۔ ہم سب کو ہراسے ہے۔ نیرودا آباد گلی تینوں کا تھا۔ وہاں پہنچ کر نیرودا صاحب کو میر خاں صاحب کا واقعہ دیا اور ہماری یہ کہہ کر واپس ہٹے۔ اس شب وہاں سے صبح کو گھر پہنچا۔ منزل منزل مراد آباد پہنچے ہوتے برقی پہنچے۔ وہاں ایک دوست آغاز میں صاحب کے مکان پر قیام کیا۔ وہاں سے بڑھنے کا ارادہ تھا کہ معلوم ہوا کہ کھنوں کی بھی وہی کیفیت تھی جو دلی کی ہوئی تھی۔

### توپ کے منہ میں

پندرہ روز برقی میں رہے۔ ایک دن کا اتفاق ہے کہ میں اور ایک شخص دلی کا باشندہ جنگ باز خاں نامی میرے بھراؤ بھائی ایک جوتے دسلے کی دکان پر ٹہمنا پھرنے کو گئے۔ میں نے جو نا اٹھا کر قیت پوچھی۔ اس نے بیان کیا سوار سپر۔ میں نے وہ جوتا نکال دیا۔ اس نے پھر مجھ سے کہا۔ لکھ کیوں دیا تم بھی تو کچھ قیت کہو۔ میں نے کہا۔ بھائی مجھ میں اس قیت کا مقصد نہیں۔ میں سستی قیت کا پوتا چاہتا ہوں۔ میں غریب تباہی لہہ ہوں۔ پھر اس نے پوچھا تم کہاں کے رہنے والے ہو۔ میں نے کہا۔ دلی کے۔ وہ بولا کہ تم لوگ بڑے نلر ہو کہ تم نے دلی توڑا دی۔ میں تو خاموش رہا مگر جنگ باز خاں نے جواب دیا۔ بیٹا تم گھبراؤ نہیں۔ چچا کے بیٹے آئے جانتے ہیں۔ جو دے کے پاجامے میں پچھتے پھر دے۔ یہ کہنا تھا کہ اس جنت خروشن نے کھڑے ہو کر ایک ہاتھ سے میرا ہاتھ پکڑا۔ دوسرے ہاتھ سے جنگ باز خاں کا اور باؤ بھتیجا کو کہا کہ کیا رو دو۔ یہ دونوں انگریزی بھری۔ یہ کہہ کر ہمارے حق میں غضب ہو گیا۔ چار طرف سے پوریے دھڑ پڑتے اس وقت بازو میں سوار پیادوں کی یہ کثرت تھی کہ کھ سے کھو اچھٹا تھا۔ بازار میں رستہ نہ تھا قحط آتے ہی پوچھا نہ گچھا ہم دونوں کی شکیں گس میں اور کہا کہ جرنیل صاحب کے پاس ملے چلو۔ نصف میل پر پہنچے تھا۔ قحط کے سامنے ڈیرے کھڑے تھے۔ وہاں ایک ڈیرے کے آگے ایک پورہ بیا پچاس پچیس برس کی عمر کا لکھے میں روٹنے کے داؤں کا کشا پینے ہوئے بیٹھا تھا۔ اس کے سامنے لے جا کر کھڑا کر دیا اور بیان کیا کہ یہ دونوں انگریزی بھری ہیں۔ ہم ان کو گرفتار کر کے گئے ہیں۔ جرنیل صاحب کا دل دھنسا ہوا تھا کہ میر خاں صاحب کے حکم سے دیا کہ توپ سے باؤ بھتیجا کو آڑا دو۔ اسی وقت ہم دونوں کو توپ کے منہ سے باؤ بھتیجا اور نواب خان بہادر خاں عالی برقی سے کھینچا گیا کہ وہ انگریزی گرفتار ہوئے ہیں۔ ان کو آڑنے کا حکم ہو جائے۔ تھوڑی دیر میں سے وہاں سے بھی ہمارے ان کو حکم نہیں پا کر ہٹا دو۔ یہ باتیں ہم ہی رہے تھے اور اسان کھنوں دیکھ رہے تھے کہ یا اٹھی کس جلتے یا گمانی میں گرفتار ہو گئے۔ ناگیاں دیکھتے کیا ہیں کہ تھکے کے دھانے میں سے کچھ پانی دھوئے ہوئے چلے آتے ہیں اور بیچکان کے ایک شخص ہنرے گھوڑے پر سوار بھری طرف آتا ہے۔ نولہو سوا نے جنگ باز کو دیکھا اور دیکھتے ہی کہا۔ ارے جنگ باز تو کہاں ہے

جنگ باز: لے گیا، کیسے ہو۔ دوسرے کو دیکھ کوں ہے؟

جب مجھے دیکھا تو فی الفور گھوڑے سے کود کر جدی تھوار سے وہ ری کاٹ دی جس سے مجھے بکرا کھٹا لہہ جنگ باز کی بھی دلی کاٹ کر ہم دونوں کو پھیر دیا۔ اب یہ بات معلوم کرنی چاہیے کہ وہ ہمارا قحطی کون تھا۔ وہ ہمارا خواجہ ساسی بادشاہی ملازم کماروں کا دلہنہ بیرغ علی تھا۔ اس واقعہ کے بعد یہ خیالی بڑا کہ یہ ہاتھ معرض خطر ہے۔ یہاں سے نکلنا چاہیے۔ سب کی رائے اس پر تیار رہائی کہ رام پو

چلو مگر طیس کو نگہ راستہ مسدود ہے اور وقت وہ ہے کہ بریلی میں سب طرف کے معزورین کا اجتماع ہے اور سب سردار مثل نانا ماڈا و با  
 و غیرہ اور دتی گھنٹہ کے آدمی جمع ہیں۔ رام پور کے تیس ہزار آدمی بریلی میں ملازم ہیں۔ قصہ مفقور اس کے دوسرے روز ہم سات آدمی جنو  
 کی جانب روانہ ہوئے اور قصبہ آٹو میں پہنچے۔ آٹو لے کے ایک دو آدمی منجم سے آکر لے اور تفتیش حال کرنے لگے۔ بروقت دریافت  
 حال دی کلمات انھوں نے بیان کئے جو جنت فروش نے کئے تھے۔ دوسرے روز وہاں سے روانہ ہو کر شاہ آباد میں پہنچے وہاں علیاد  
 نام پور کی تھی۔ اس شب کو وہیں مقیم رہے۔ صبح ہم رام پور کو چل نکلے۔ قریب شام پہنچے۔ اب یہ نگر ہوئی کہ شہر میں تو آئے۔ اب کہاں تھا  
 کر ہی۔ میر غلام جاس نے کہا کہ ایک شخص میرا برابرم علی نامی دتی کے رہنے والے یہاں رہتے ہیں۔ ان کے مکان پر چلو۔ غرض کہ ہم کو اطمینان  
 حاصل ہو گیا۔ داغ صاحب کو خبر ہوئی۔ وہ اسی روز آکر لے۔ انھوں نے یہیں سلوک کیا کہ مجھے اور میرے چھوٹے بھائی کو صاحبزادہ محمد رضا صاحب  
 والدہ نواب یوسف علی خاں صاحب بہادر مرحوم کی سرکاری دکر رکھوا دیا۔ صاحبزادہ موصوف کے مکان پر شاہ بہڑا تھا اور دیشی امیر احمد فیاضی مرحوم  
 آکر نواب کی غزل اور اپنی غزل پڑھا کرتے تھے۔ صاحبزادے محمد رضا خاں صاحب نے فرمایا کہ تم بھی غزلیں لکھو۔ ہم نے ہر چند انکار کیا  
 مگر صاحبزادے صاحب نے نیاہ تر امر اکیا۔ ناچار ہم نے غزلیں لکھ کر شاہ سے میں پڑھیں۔ جس اکی روز سے تمام رام پور میں ہمارے  
 کلام کی شہرت ہو گئی۔ ۱۸۷۳ء چار سال کے قریب ہم رام پور میں رہے۔ انھیں ایام میں ہمارے گھر کے آدمی بھی پانی پت سے رام پور پہنچ گئے  
 تو ایک سال بعد میرے گھر میں لڑکا پیدا ہوا اور ان کا نام سجاد مرزا رکھا گیا۔ وہ سات بیٹے کا تھا جب انہما روگداشت کا تھا اور دتی کا  
 میرے پاس پہنچا۔ اس خوشی میں میں رام پور سے دتی آیا تو اس خوشی میں میں رام پور سے دتی آیا تو اس زمانے میں بھلن صاحب کشر تھے  
 اس کے بعد میرے والد بزرگوار سب اہل و عیال کو ہمراہ لے کر دتی آ گئے۔ بعد سال کے میرے والد میرے چھوٹے بھائی امرات مرزا کی  
 شادی کرنے کے لیے پانی پت میں آئے اور اس کی شادی کر کے اسے پانی پت میں چھوڑ کے میرے پاس دتی چلے آئے اور تھے ہی بیا  
 ہو گئے۔ ادھر میں بیمار ہو گیا۔ اسی حالت میں باری داس خاں اپنی نے اپنے قرضے کی ناشی مجھ پر ادا میرے والد پر کر دی۔ کوئی جواب دہی  
 کرنے والا نہ تھا۔ ایک طرف ڈگری ہو گئی۔ اس اثنا میں میرے والد صاحب نے انتقال فرمایا۔ میں تین ماہ میں تندرست ہوا تو وہ اجرا  
 ڈگری ہو کر مکانات کے نیلام کا حکم چڑھ چکا تھا۔ ایک جتہ مجھے دستیاب نہ ہوا۔ اب تندرست ہوا تو فکر معاش کی ہوئی۔ تھوڑی سی تنخوا  
 کا چنگی میں نوکر ہو گیا اور اسی زمانے میں حکیم احسان اللہ خاں نے مجھ سے قصہ ممتاز لکھوایا۔ بعد سال کے میں معزول ہو کر خانہ فیضی ہوا مگر  
 انھیں دونوں میں اخبار مجلہ طہر جو چند شہر سے نکلتا تھا۔ میں اس کا ایڈیٹر ہو کر بلند شہر چلا گیا۔ اس اخبار نے بہت ترقی پائی۔ وہ ریاست اور  
 میں بھی جاتا تھا اور مہاراجہ شہنشاہ ان سنگھ والی ریاست کے علاقے سے گزرتا تھا۔ انھوں نے دریافت فرمایا کہ اس اخبار کا ایڈیٹر کون ہے  
 اتفاق سے میرے ایک دوست مرزا علی نقی صاحب تحصیلدار موجود تھے انھوں نے میرا نام بتایا۔ مہاراجہ صاحب نے فرمایا کہ اسے  
 یہاں بلاؤ۔ ہم نوکر رکھ لیں گے۔ غرض کہ انھوں نے مجھے لکھا۔ دو چار بار میں نے فذر کیے مگر ایسی صورت واقع ہوئی کہ لا محالہ میں اور علی غفر  
 مجبور ہو گیا۔ میں اسلام آباد مرزا ندو اللہ پہنچے۔ اسی عذ میں ماد میرا بھائی ملازم ہو گئے۔ جب وہیں دھشت سے بسر ہوتی تھی۔ کوئی رنج و فکر پاس  
 نہ آتا تھا۔ جس کیس میں آدمی شریف نادے زوجان خوش خو، خوش پوش پر شاگ فرما ہم ہو گئے تھے۔ باہم اتفاق تھا۔ مہاراجہ کو خوش دھم رکھتے  
 تھے۔ سہر قریب میں انعام دار کا مخلصت وغیرہ ملتے تھے۔ جب ایک صحبت و محبت فرما ہم ہوئی تھی۔ اس صحبتی ہی ریاست اللہ کا حواہ و دل لہجے



مجھ سے فرمایا۔ تم اپنی تبدیلی سالگانیر پر کراؤ۔ مجھے زیادہ تر اتفاق سالگانیر میں رہنے کا ہوتا ہے۔ میں نے عرض کی۔ یہی اختیار حضور کو ہے۔ چنانچہ کونسل میں حکم کھڑا ہو گیا تھا کہ خیر الدین حسین انصاری کو ہر تبدیلی سالگانیر میں ہر جلسے۔ پھر میں ایسا دینور خدمت ہو گیا تھا کہ بڑے بڑے مصاحبین کو رشک و حسد ہوتا تھا۔ ہر اخروی کے وقت نکلتے تھے تو سوائے ہم دو آدمیوں کے تیسرا نہ ہوتا تھا۔ ملایک اور عقیب میرا کٹن لال چلا اور میں۔ اکثر رازا ایسے ہوتے تھے کہ وہ مجھے معلوم تھے یا مہاراج کو۔ میں بہت بڑا دلچسپ ہوں اگر مہاراج دو چار برس اور زندہ رہتے تو خدا جانے میں کس پایہ اعلیٰ کو پہنچتا میری شربی طالع سے وہ کوئی تھی جیسے میں انتقال فرماتے۔ مہاراج صاحب ہمارا دواہر مہاراج نام ملے گی سری سوامی نہایت انش مند، روشی و مانع۔ بیدار مغز مدبر مصلحت اندیش۔ مودت کش۔ مدد طلبا پرورد۔ عداوت سر۔ حاصل۔ فیاض۔ بلا تعصب۔ انصاف دوست۔ حلیم الطبع۔ سلیم ہنسکر خوش تدبیر متین المراج خوش مدد خوش خو۔ جمیع حماد ذاتی و صفاتی معروف تھے۔ اس مزاج کا کوئی رئیس ہندوستان میں نہ تھا۔ عدل و انصاف کا یہ حال تھا کہ چند انصاف مہاراج صاحب کی ذات سے ایسے غم میں آئے جیسے بادشاہین سلف کے مشہور مددگار میں ساراں جملہ ایک یہ معروض بیان ہیں آئے کہ ریاست ٹنک کے چند قصاب کچھ ٹوٹی خرید کے ریاست ہے پر دے ٹنک کو لیے جاتے تھے۔ آٹا راہ میں ایک منزل پر مقیم ہوئے کچھ ٹیٹس چارہ وغیرہ خرید کر ٹوٹی کے آئے ڈال دیا۔ اس قبضے کا ایک سانڈ آیا اور اسے کھانے لگا قصابوں نے جو یہ امر دیکھا تو اس زگڈ کو کڑی سے مار بھگایا۔ پھر ٹوٹی دیر میں وہ آکر چرنے لگا۔ پھر مٹا دیا جب دو چار مرتبہ ایسا ہوتا تو ایک قصائی کو غصہ آیا اور اس نے توار کھینچ کر اس کے پاؤں پر ہاتھ مارا۔ زگڈ کا پاؤں کا قلم ہو کر مودر جاگرا۔ پھر کیا تھا۔ تمام قبضے میں قل پڑ گیا۔ بچا رے قصاب گرفتار ہوئے حتیٰ کہ مثل مقدمہ ٹنک کونسل میں پہنچی۔ مہران کونسل کی یہ رائے ہوئی۔ کہ مقدمہ منسحب ہے۔ چنانچہ دھرم شاستری جی کو بلایا گیا اور موس (فتویٰ) دیا گیا تو انھوں نے حکم تعصام کیا یعنی دہراؤل کی سزا سزا اعداد و دھرم کی سزا قطع یدین، دوجہ سوم میں دوام۔ اب اختیار سزا حکام کو ہے۔ غرض کہ منظور کی کے واسطے پیشی میں دیکھی گئی۔ مہاراج نے از ابتدا تا انتہا سب کا ایک ایک حرف سنا اور سب ٹکڑیاں کھاتے کھاتے سنی۔ پھر حکم دیا کہ شاستری جی کو بلادو۔ جب شاستری جی آئے تو ان کے (فرمایا کہ آپ نے یہ سزا بموجب اپنے مذہب کے تجویز کی ہے یا بموجب شریعت مسلمانان)۔ انھوں نے جواب دیا۔ بموجب دھرم شاستری مسلمانوں کے مذہب سے کیا کام ہے۔ مہاراج نے فرمایا کہ مجرم غیر مذہب کا آدمی ہے۔ بشرط عدالت یہی ہے کہ اس کے مذہب کے موافق سزا ہوئی تھی۔ اس مقدمے میں شریعت اہل اسلام سے فتویٰ لینا تھا۔ یہ کاروائی ناجائز ہے کہہ کر ان کے مذہب میں اس کا (گائے) کھانا دیا ہے۔ ہمارے نزدیک یہی سزا کافی ہے کہ دو دن مقدمہ کو صدمہ ڈیڑھ سال کا ہو گیا ہے۔ یہی عیاد قید کا کافی ہے۔ قہر کوہائی دی جائے۔ اسی طرح کے بہت سے انصاف مہاراج کے ہیں۔

## باجرمیاں

مہاراج نام سنگھ کی صحبت میں ہر قسم کے اغناس موجود رہتے تھے۔ دو چار درویش مصر۔ مسلمان مولیٰ الطریق۔ دو چار ہندو غیر برائی۔ مہاراج کا طریقہ صرفیہ روحانہ تھا۔ بیشتر مسائل حقوق کا ذکر کرتے رہتے۔ مدد دینا نہ مزاج رکھتے تھے۔ رہائش

میرانہ سے نفور تھے۔ جاس شاد رکھتے۔ مختلف سے برکنہ تھے۔ گھوڑے کی کڑوی بھاکر بھجایا کرتے۔ بزرگ میں عمر بیکار نہ رہے۔  
 قایت قابو ملا توڑ سے بہت رغبت تھی۔ ایک مرد پیر زینا باجو میں نام تھا۔ رفیق تھا۔ ادب شب معذرا پاس رہتا تھا۔ صبح کی دعا  
 اس کا منہ دیکھ کر بیمار بننا کرتے تھے۔ عزم کی تفریب داری کے واسطے بارہ پیرے فوج کے تھے۔ حجاج کو ہر حال میں ہمیں ہر لپیٹ  
 ناد باوج کے بیحد چھ ماہ کی رخصت عطا ہوتی تھی۔ جب ہمارا راج رام سنگھ ہی لے اٹھا۔ لڑایا ہے۔ تو رحمت احمد حال  
 فارغ اہل خزانے والا مال ملازم شاد و آباد تھے۔ تمام شہر میں تین روزہ قائم رہا ہے۔ بعد اٹھا۔ ایک انقلاب عظیم برپا ہوا  
 اور ملایا جادو ہو گیا۔ ہمارے تخت نشینی ہوئے۔ غرض کہ اس انقلاب پر اثر میں جتنے ملازم ہمارے وقت تھے سب خادہ  
 ہو گئے۔ اہل خانہ آدی روپے خرچ کر کے ذکر ہو گئے۔ ہم چار اضلاع میں چار ڈپٹی سرنڈنٹ تھے۔ چاروں ایک نظم و نیت ہو گئے  
 پودہ برس تک ہمارا نام سنگھ کی ذکری کی تین برس ہمارا جادو ہو گیا۔ گھر ریاست نے میرے حقوق قدیم افدنی پر نظر  
 کر کے میرے فرزند ہارنڈا کو قاتل وار کر دیا تھا۔ آج تک وہی نظام برقرار ہے جو بنا وہ ڈال گئے ہیں اور یہ سب تیران کی بدولت  
 لایا ہے حالانکہ ہمارا صاحب ہمارا سرور سوامی جادو ہو گیا جس کے مزاج میں کسی درجہ تعصب مذہبی نسبت فرقہ اہل اسلام  
 ہے مگر وہ عیاں ہمدی کی نظر سے حقوق سب کے برابر سمجھ جاتے ہیں جو سلوک ہندو کے ساتھ ہوتے ہیں اس سے زیادہ کچھ شکاروں  
 کے ساتھ نرمی رکھ جاتے ہیں۔

## ٹونک میں

بعد اٹھا۔ ہمارا جادو رام سنگھ کی بکنیٹ باشی تین سال تک میں ملازم ریاست جے پور رہا۔ بعد خانہ نشین ہو کر دو ڈھائی سال  
 بلے معذگار پریشان سرگرداں رہا۔ بعد نواب احمد علی خاں صاحب کی وفات میں چھ سال بسر کیے۔ اس اثنا میں شہر دہلی کا بہت  
 چرچا رہا۔ بہت سا کلام فراہم ہو گیا۔ بعد اٹھا۔ نواب احمد علی خاں صاحب نواب حافظ علی خاں صاحب امین الدولہ  
 صولت جنگ فرماں دہا سے ریاست ٹونک کی طرف سے فیر کی طلب ہوئی۔ فریکہ جب میں ٹونک پہنچا ہوں تو پہلے ایک  
 شاگرد کے مکان پر فرود کش ہوا۔ دوسرے معذمیت ہر دو صاحبان میں نواب صاحب ہمدی کی خدمت میں پہنچا۔ نذر گدائی  
 حضور بہت خوش ہوئے۔ اپنا کلام مجھے سنایا۔ دوسرے روز مشاہدے میں ایک بجوم کثیر صاحبزادگان اداکین دولت کا فریم  
 بھٹی۔ غزل خوانی شروع ہوئی۔ آدھ نواب صاحب ہمدی کی غزلیں پڑھی گئیں اور بہت سی تقریب ہوئی۔ مجھے حکم ہوا تو میں نے غزل  
 کا مطلع پڑھا۔ بس مطلع سنتے ہی مشاہدے میں شور برپا ہو گیا۔ نواب صاحب ہمدی نے تین تین چار چار بار مطلع کو پڑھوایا۔ غزلیں  
 غزل پر ہی کیفیت طاری رہی۔ نواب صاحب ہمدی نے مجھ سے اندوہ قات باکر بہت قد افزائی فرمائی۔ اسی اثنا میں نواب  
 خاقان زبانی عظیم صاحبہ ہمدی زادہ نواب کلب علی خاں صاحب مرحوم علی خاص حضور نواب صاحب ہمدی میری شاگرد ہوئی اور  
 کچھ خواہ میری وہاں سے بھی مقرر ہو گئی۔ میں خوش و خرم رہنے لگا۔ اچھی خاصی طرح بسر کرتا تھا۔ دھر میں نوکر اور ادھر میرا بیٹا  
 قندہ تھا۔ دار تھا۔ اب چرخ جنا کار دل آزار نے ایک تیر ستم تاک کر ایسا دل پر لگا یا کہ دل اور جگر کو چھوڑ کر پار چھوٹا۔

یہ ایک خط پہنچا کہ نجلی لڑکی بیمار ہو کر مرنے سے ہے پوری آئی تھی۔ اس کا انتقال ہو گیا۔ اس خط کو دیکھتے ہی طرح تن سے پرواز کر گئی۔ سو دیا بیٹا کیوں کیا  
 کر سکتا تھا سگر پڑا۔ بی بی کو دیکھا تو وہ دیرانی ہو رہی تھی۔ نجلی لڑکی پانچ ماہ کی ایک دختر نہایت خوبصورت چہرہ کر رہی تھی۔ اتنا دودھ پلانے پر کہ  
 رکھ کر پھر نوکری پر روانہ ہوا۔ برس دو بعد اس بچی کا انتقال ہو گیا۔ اس پر بھی صبر کیا۔ جنہر پہلے زخم دل کے بھرنے نہ پائے تھے کہ صدر و عظیم دانا  
 کا ہوا۔ چار بچے چھوٹے چھوٹے تھے، جوان ٹیٹی بیوہ ہوئی۔ میر جوں ملی (داملو) کے مرنے کے بعد ایک سال کے چھوٹی لڑکی کی شادی قرار پائی  
 تھی۔ مرزا جب سرائی ملا جو وہیں آئے۔ میں نوکری پر تھا۔ مجھے لکھا کہ آپ کچھ سلمان اور زور بار چار وغیرہ کا کر کے بھیجئے اور میں بھی کچھ بندہ لیت  
 کرتا ہوں۔ غرض کہ میں نے بندہ دست و پیر وغیرہ کا کر کے زور چاندی کا اور کوئی اسی روپر کا کپڑا وغیرہ خرید کر دیکھ کر پھر کا اختیار تھا اور وہ دھن  
 نکلا یا تھا کہ وہ دستیاب ہو جائے تو میں جے پوچھا جاؤں۔ وہ کم محنت سا ہو کارا یا بی بی تھا کہ روز آج کل آج کل کرتا تھا۔ اس اثنا میں مجھ سے پہلے  
 وہ (تجاہ مرزا) رخصت لے کر جے پوچھا گیا۔ وہاں جاتے ہی جزل سپرٹنڈنٹ نے اس کی تبدیلی کر دی۔ ہر چند اس نے مذر کے کمری  
 میں کی شادی ہے میں نہیں جاسکتا۔ سپرٹنڈنٹ درپے ہو گیا کہ ایک بیٹے کے واسطے چلا جا۔ پھر جے پوچھی تبدیلی ہو جائے گی۔ اس کی ماں نے  
 ہر چند سو کا کوئی جائزہ باپ اب آتے ہی شادی ہو جائے دے۔ ایک زمانہ۔ یہی کہا کہ آج ہی کے آئے میں درپے میں جب تکس ہو آؤں گا۔  
 وہ بیان سے سواد ہو کر انداز فی مقام کھنڈ پر پہنچا۔ جیسے مرزا تجاہ مرزا اور دوسرا اہلکار واسطہ جس کی تبدیلی پر یہی تھا اور بی بی کا بھائی لکھتے  
 میں آئے۔ تجاہ مرزا نے واسطہ سے کہا کہ اب تم دفتر مجھے سنبھلو اور۔ کہا آج تو نہیں سنبھلو آتا۔ کل سنبھلو اور۔ اس میں زیادہ تکرار کی تو نہ  
 پہنچی۔ تجاہ مرزا کوگوں نے خیر طور پر شہرہ کر دیا تھا کہ اس نے ڈپٹی کو زہر دے کر مارا ہے۔ اس کے منہ سے نکل گیا۔ یہی مدی طرح سے دفتر  
 سنبھلو اور۔ وہ بھٹکری بیڑی ڈال کر شہرے پور میں جوں گا۔ وہ لکھ گیا کہ اس کو خبر ہو گئی ہے ڈپٹی کے مارے جانے کی۔ آؤ اس کا کام بھی تمام کر دے  
 بس اس نے چالاک یہ کی کہ پہلے تو اس آدمی کو جو سجاد مرزا کے پاس تھا ہٹا کر نکالی دیا۔ اب یہ دو بچے گئے۔ اس دن تجاہ مرزا تو دھڑکے میں ایک  
 ڈپٹی دوسرے رہتے تھے، ان سے ملے گیا اور بشارت ہمیں گوشت بھری، دیا تھا کہ وہ واسطہ آیا اور کہا کہ پانی ڈال گوشت جلنے۔ یہ اٹھ کر پانی  
 لینے گیا اور اس غلام بے رحم نے سیکھے کی پڑیا دھجی میں ڈال دی اور بچے سے چلا دی۔ شام کو جب سجاد مرزا آیا تو اس نے پوچھا۔ بچہ راشنی  
 پکالی ہے۔ انھوں نے کہا۔ ہاں ماموں پکالی ہے۔ ان تینوں نے میڈ کر کھالی۔ بس کھاتے ہی تے اور دست لگ گئے۔ آدمی مات گئے اور اپنے  
 دست ٹھہرے میں کہ واسطہ نے پوچھا۔ اب تمھاری حیثیت کسی ہے۔ کہا دل پر صحن ہے۔ کہا سنبھلین پانی لو۔ میں لانا ہوں۔ دوبارہ پھر اندھکیا  
 سنبھلیں میں طا کر پادی۔ غرض صبح ہوئے اس کا کام تمام ہو گیا۔ قناد مار اور ٹی قانڈے آکر تجیز و نکلیں کی۔ دوسرے روز شام کو بچے گھر کئے  
 محلے میں ایک برادہ ہو گئی۔ بچے گھر میں آئے تو تمام محلے کی عورتیں جمع ہو گئیں۔ غریب بچے کے ہوئے اپنی مصیبت میں آپ گرفتار میں ادنی زبان  
 سے کچھ حقیقت بیان کی۔ بیس کو احمد مرزا خان نے مجھے خط لکھا کہ خط کو دیکھتے ہی پہلے آؤ۔ سجاد مرزا کا حال خیر ہے۔ اسی وقت سرکار میں جا کر  
 رخصت طلب کی۔ شام کو ادنی گاڑی میں جے پور روانہ ہوا۔ میری بی بی نے سب کو منع کر دیا تھا کہ کوئی ذکر نہ کرنا۔ میں گھر میں گیا تو سب  
 غور تھے۔ ہر چند پوچھا ہوں۔ کوئی نہیں بتاتا۔ یہی کہتے ہیں کہ وہ کھدیے میں ہے۔ میں نے کہا۔ خدا کے واسطے بتاؤ تو سہی۔ مہر کیا ہے میں  
 سمجھ گیا۔ جو سب خط نہ ہو سکا۔ میں نے زور سے ذہن پر ہر دے مارا کہ میرے دماغ سے خون جاری ہو گیا۔ تب جو پردوں نے میرے اٹھ چوک  
 اور کہا۔ صبر کرو۔ ہم بیان کہتے ہیں جب احمد مرزا خان نے یہ حقیقت زبانی بچوں کی بیان کی تو میں جینیں مار کر رونے لگا۔ میں اس صدمہ



تفصیل اس جہاں کی یہ حکمران تیسویں شاہ میں ملتا ہے، بغداد میں تشریف نہ لگتے تھے، شاہ عباس صفوی دہلی پہنچا، اسے عراق پر حملہ کیا اور بغداد کو فتح کر لیا۔ بغداد کو فتح کرنا کہہ کر دلی آگئے، جہاں بیگم دقت سرور آئے، سلطنت بغداد شاہ صاحب نے دلی میں تیار کر لیا اور چند سال بعد دہلی میں رجعت کی، شاہ صاحب کو تو قریب قریب ظالم گن کر کہا جاتا ہے، موری عبداللہ رسول نے دیوار شہر جہاں میں بارہا حمل کر لیا، شاہ جہاں نے سکران فتح آباد کا صفحہ ختلان کے سپرد کیا اور ضلع فرہ پور، بنگلہ، ہالگیر میں حمل کیا۔ ہالگیر حاصل کرنے کے بعد فتح خانی صاحب فرہ پور پہنچے آئے۔ یہاں ایک جنگ میں قطب صاحب کی صاحبزادی سے شادی ہوئی، جو بچہ نہ بن سکا، آباد (جہاں کے یہ تاجانی تھے) کے زمیندار کی لڑکی تھیں، شادی کے بعد فتح خانی عبداللہ رسول نے یہاں مستقل حکومت اختیار کر لی، اس کی مریت کے بعد ان کے لڑکے موری عبداللہ کو چھوڑا، فتح خانی بنگلہ چھوڑ کر فرہ پور آئے، فتح خانی عبداللہ نے فرہ پور میں خلافت کے کسی دینار کی لڑکی سے شادی کر لیا اور وہیں





میرزا خان صاحب قوی ہندوستان میں کوہ حسد یا انھوں نے اُتار دیا اور اسے کو سخت چوٹ آئی سب تو سنا بہت گھبرائے کہ خدا نے کیا اکتا چڑے۔ یہ سوچتے ہی وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے مدرسہ عالیہ کلکتہ کی عمارت قریب تھی۔ رات کا وقت تھا۔ یہ وہیں جا گئے اور یہاں کھڑے رہے۔ کتاب کے کچھ کچھ لکھنے والے تھے کہ کوش چلا آیا شروع کیا۔ اس جگہ سے طلبہ کو گھبرائے تو سناغ کے لیے یہ موقع فیض امتیازی سے وہاں سے نکل بھاگے۔ پاس ہی مولوی محمد ابراہیم صاحب ٹیٹی ٹیوشن کا مکان تھا اس میں داخل ہو گئے اور وہاں چپ چاپ ایک گوشہ بنے۔ وہ مدرسہ کی نمونہ دیر سے وہاں سے نکلے جرم کا احساس غالب تھا اس لیے گھر واپس نہ جاسکے۔ خالد کا مکان قریب تھا وہاں پہنچے۔ ٹیٹ لگے گھر اس طرح کہ صوف کھانے کے وقت گھر پر حاضر رہتے اور قیدیت اور عرصہ گھر گھر کر گزار دیتے۔ تین دن اس طرح گزر گئے۔ آخر مولوی عبداللطیف خاں صاحب عرصہ گھر سے دور رہ گئے اور ساتھ لے آئے۔ اس واقعہ کے بعد ایک تیسرے مولوی کی تجویز سے صاحب ان کے پڑھانے کو قبول فرماتے۔

مولوی صاحب سناغ کی عمر کوئی تیرہ چودہ سال کی تھی ان کو صبح ان کے بچے بھائی مولوی عبدالباری صاحب کے ہو گئے مدرسہ میں پڑھنے جاکر اور جوڑا لکھتے کے قریب ایک دو تیرہ لکھان ان لوگوں کے رہنے کو کرایہ پر لے دیا گیا۔ یہ مدرسہ اس وقت شباب پر تھا۔ مولوی کی کثرت ملی۔ لکھنا سبھی لکھتے تھے اس وقت موجود تھے مدرسہ کے مدرس بھی اچھے تھے مولوی رمضان علی اور خواجہ محمد مستقیم جو بالترتیب عربی اور فارسی پڑھاتے تھے اس وقت کے فضلاء سے مولوی صاحب سے تھے۔ خواجہ محمد مستقیم شعر بھی کہتے تھے اور سناغ کو چونکہ شعر و شاعری سے فطری لگاؤ اس لیے بہت دوسرے اساتذہ کے یہاں کی طرف زیادہ کھینچے۔ مولوی رمضان علی کے متعلق خود سناغ کا قول ہے کہ وہ شعر و شاعری پڑھانے کے لیے مثل تھے اور ان سے بہتر شرح لکھنے والے نہ آتے تھے۔ بہت سے طلبہ علم جا بجا سے شعر لکھنے کے لیے ہو گئے ہیں جانتے تھے شرح لکھنا پڑھنے کے لیے ہو گئے تھے۔ خواجہ مستقیم کی صحبت اور تعلیم نے سناغ کی شعری صلاحیت کو کافی جلا بخشی اور یہ خوب خوب شعر کہنے لگے۔ یہاں تک ایک لکھان کے شاگرد بھی ہوئے سناغ کے ان دنوں کے شاگردوں میں مولوی محمد امجد علی نامی زیادہ مشہور ہے جو ان کے شاگرد بھی تھے اور دوست بھی تھے۔

فنی شاعری میں سناغ کے سب سے پہلے بلحاظ اہمیت مولوی حبیب اللہ صاحب قاضی ضلع ہرگڑی تھے۔ مگر یہ دس بارہ ہفتوں سے زیادہ پر

روح زدہ ہو سکے۔ اسی دوران میں ان کا کام کافی مقبول ہو گیا اور لوگ اصلاح کی غرض سے ان کے پاس آنے لگے۔

سناغ کو فنی شاعری سے بھی دلچسپی تھی۔ کلکتہ میں ایک شخص کو خط لکھتے دیکھا تو بہت پسند کیا اور چاہا کہ اس کو سیکھ لیں مگر جب وہ بتانے لگا کہ میرا تو یہ خود بھی لکھنے والا میرا حال خوش دلیس ہے جو اس خط کا مہر تھا اور جس نے شخص مذکور کو یہاں سکھایا تھا دوستی بڑھائی اور لکھنا اس کے آئے جانے لگے۔ مگر جب صحت طلب کا اظہار کیا تو میرزا امیر جان نے صاف انکار کر دیا۔ یہ خاموش ہو گئے اور کلکتہ واپس لوٹ آئے۔ خط نامی سچے حاصل کیا اور اس کا مطالعہ شروع کر دیا۔ پھر آہستہ آہستہ مشق کرنے لگے یہاں تک کہ قمریہ مدرسہ میں اتنی استعداد ہوئی کہ جس کو شوقیوں کا ہاتھ لکھا ہوا خط نامی دیکھ کر بے حد اس کی تقلید کرتے تھے۔

مولوی صاحب سناغ اپنے گھرانے میں مقیم تھے۔ ایک دن مولوی عبداللطیف خاں کا خط پہنچا کہ میرزا امیر جان کی طرف سے جو خط لکھا اپنے دوستوں ایک خدمت دینے کو تیار ہو گئے ہیں تمہارا حکم ہو۔ چنانچہ میرزا امیر جان کو یہ خط پہنچا اور صاحب مذکور سے ملاقات کرنی پڑی شفقت دہرائی سے ان کے ساتھ میرزا امیر جان کے گھر گئے اور وہاں لکھنا سے لے کر وہ سناغ کی زبان میں اس طرح بتاتے ہیں کہ صاحب نے میرزا امیر جان کا حکم مانا لیکن نہیں سکتے تھے جب تک اس کے ذمہ کوئی کام نہ ہو جو کہ تم کام نہیں جانتے ہم اس لیے تم کو بڑا اچھا دیا نہیں جاسکتا

اگر دولت دہریہ کی محوری میں مقرر کیا جائے بعد میں وہ پیر میں تہا کی گئی اور حکومت کی نہیں گئی تھی کہ ان کے ہاں کلب و گلاب  
 ہونے لگا ہے کہ تہا باخروج ہماشت کریں گے لیکن ان کا بھی شریع بہت ہے اگر تہا باخروج نہ سے لیکن تو ہم تہا باخروج ہماشت  
 رہیں گے کہ جو سرشت میں کام کرنے کا حکم دیا اگر میں ہر طرح سرشت کا کام کیا کہ ہاں بلحاظ ان میں صاحبِ دولت کی کوئی ہے پھر یہی گیا  
 اور ان صفت لیا کہ خود بھی شروت نہیں ہوں گا لہذا اپنے ساتھ دوسرے کو بھی شروت لینے نہیں ہوں گا بعد صفت کیوں سرشت میں گیا اور  
 صفت ہوں سے کہہ دیا کہ میں نے اس طرح صفت لیا ہے کہ اس کے ساتھ شروت کا ذکر بھی ہو گا تو میں صاحبِ دولت سے کہہ دوں گا۔  
 قیام تھا کہ کے سلسلہ میں نتائج کا حاکم ہاں کے ہیں اسوا اذ ماہ شرفا اذ انقراض سے پہلی انھوں نے قریب قریب سب کا ہمراہی  
 سامنے ہی دے دیا ہے ایک ایسی چوڑی فہرست ہے۔

غرض وہاں کی خصوصیات کو لایا ہے چنانچہ اور مولیٰ صاحب علی صاحب مستور علی صاحب علی صاحب اور نئی دولت علی صاحب چہا  
 میرے شاگرد محمد علی اور ان میں محمد علی صاحب بڑے ہیں اور مستحق تھے انھیں دروز میں خوشی دلاور علی صاحب زمیندار و حاکم نے قدر کی  
 غول پر غول کہنے کی لڑائی کی کہ میں نے چند شعر کہے۔

اسکے خیال کا رشتہ دار ملکات و بٹل	دستِ زلفت پرست مدد شرف و بٹل
کہا شریکِ فقر کلب و اسبغ مرا	مقدار خود سازد نہیں مرغ خوشی لعل بٹل
ہر تہا گیسوئے قاتل آمد ہیں زیرِ پٹلیں	یقت لباسِ تہا کوہِ چشمال و بٹل
شادی بیاہ نکاح میں کوہا لے لے لے	ہر طفلِ شکستہ اگر در دار و ملکات و بٹل
زماہ پر نور تراجیع وطن مدد استیں	پشتر یہ مست تماشام غریب ال بٹل

۱۔ قدسی کی غزل ہے۔

مادہ لے ہا چل مدد گر مرغان و بٹل	پشندہ مولیٰ و استیں اٹھ دھڑل و بٹل
کو تا صد سے لڑ کر سے لڑتا تھا کھوش	ہر طفلِ شکستہ از وہ ام آریہ ہمدی چو بٹل
بڑے نیک محمد اگر باز مدد میں	نہی خیر گداز بکند بے قر نہیں و بٹل
برقع ز عارض برقع یکہ صوم بکامبا	گرد و فراش صبح ماز و رشت یہ بکام و بٹل
یارب ہوا ذات قدم لڑکے تھل لڑکوں	کی سر پر یہ ہوا ذات کو تیغ مرغان و بٹل
مدد قیامت ہر کہ مدد سے گیو مار	کی نیز ماضی شرم تصویر ہاں و بٹل

قدسی شادام چوں شرم سداے باطن جناب

لہذا آفرینش بخت میں جنسِ حسیاں و بٹل

کہ وہ دن بعد مرشدِ دہلی میں جگہ نکلی ہوئے نہ آئے اپنے کو مظلوم و مظلوم سے سفارش کی درخواست کی یہی نئے حکام بالاکہ پاس ان کی سفارش کر دی۔ مگر وہاں مقابلہ کا امتحان پاس کرنا پڑتا تھا اس لیے سفارش نہ چل سکی اور نہ آئے کہ امتحان میں شریک ہوا پڑا۔ کامیاب تو ہوئے مگر پڑائی کچھ نہ تھی اس لیے جگہ نہ مل سکی۔ سب اہلِ خاندان نے پڑائی کی طرف توجہ کی کہ جس کی خواہش ان کے دل میں مدتوں سے گزرتی رہی تھی۔

انہیں دلوں کلکتے میں ایک نہایت قابل فخر سبیل کا دل آیا اور اتفاقاً یہ شخص کم و بیش بارہ تیرہ زبانیں جانتا تھا بخصوصاً سنسکرت پر تو عبور کامل رکھتا تھا۔ ہندو لٹریچر میں وہ کسی بھی زبان پر پوری دستگاہ حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اور اس کے لیے اسے ایک ایسے قابل آدمی کی ضرورت تھی جو اس کی پوری عقلی سماس کرشمہ جانتے اور اس سلسلہ میں متعدد ذخیروں کو آڑ بچھٹا کر کوئی اس کے معیار پر پورا نہ آتا تھا یہاں تک کہ کالج (ورلڈ ویلم) سے بھی چند شخصی طلب کئے گئے مگر سب کے سب نفعاً اس وجہ سے لوٹا دیئے گئے کہ وہ امتحان میں پورے نہیں اترے۔ نتائج جب پہنچے تو سب عادت اس نے ان کا بھی امتحان لینا چاہا اور اپنی عمری کے کچھ کفر نے خسرو کے کوئے خسرو کا نام سن کر اسے تو یہ بیت گجراتے اس لیے کہ خسرو مذکور میں سے انھوں نے صوبہ تلے بجنور، شیریں خسرو اور رشت بہشت کو دیکھا تھا وہ بھی سرسری طور پر گزر چکا آدمی باصلاحیت تھے اس لیے زیادہ دقت نہ ہوئی۔ کاؤل نے مطلع الاقرار کے چند اشعار کی تشریح ان سے پوچھی، انھوں نے بتلادی اور ایسی کہ صاحب موصوت خوش ہوئے۔ بعد ازاں دیوان حافظ کے چند شعر پوچھے۔ ان کے معنی بھی بتلائے بعد ازاں دیوان سواد کے اس شعر کے معنی پوچھے۔

ماجب کفر ثابت ہے وہ تمھارے مسلمان

زکوٰۃ شیخ سے زکوٰۃ تبیح سیما

نساخ حساس کے معنی بھی بتلائے۔ اس پر صاحب موصوف نے کہا کہ بعض بعض شخصوں نے دوسرے معنی بتلائے ہیں۔ اس وقت میں نساخ نے ان سے کہا کہ آپ خود فیصلہ کیجئے کہ میں نے جو معنی بتلائے ہیں وہ معنی اچھے ہیں یا دوسرے معنی اچھے ہیں۔ اس پر انہوں نے دونوں معنوں کا ترجمہ انگریزی میں کر دیا اور دونوں کو دیکھتے رہے آخر مزید ہاتھ مارا اور کہا کہ آپ کے بتلائے ہوئے معنی اچھے ہیں یہ غرض اس طرح یہ امتحان میں کامیاب ہوئے اور کمال کے مسلم ہو گئے۔ مشرکہاں کو نایاب اور نادر کتابیں بھی کہنے کا بھی نہایت شوق تھا۔ نساخ کو باطنی رابطہ تاکید کر رکھی کہ اگر وہ فارسی کی نادر و نایاب کتابیں چنا سکے متیاب ہوں وہ مصروفِ شغل رہیں اور اس پر ان کو کافی کشش ہو۔ لہذا نساخ کہتے ہیں اس سے غور کرنا فائدہ ہوا:

انہیں حد درجہ کی بات ہے کہ ایک دفعہ ان کے میاں آیا کہ سعد و لعل کی سریر کو آؤں۔ وہاں میرے پید صاحب بھی ہیں ان سے ملاقات ہو جائے گی۔ جب باہلی وہاں پہنچی اور میں باہلی سے اس کے برادر پرچہ پڑھا اس وقت رسل صاحب کا چہرہ اس قدر ہلکا ہوا کہ آپ رسل صاحب سے ملاقات کیجئے۔ حلا کو خبر کہ ان سے صلح ہو چکا کہ اگر انھوں نے باوجود سفارش کے منترجی کا قہر نہ دیا نہ قہار منترجی چہرہ اس کے کہنے سے میں گیا اور چہرہ پاسی نے لمحہ کن سے لئے کہ کیا اس کی غرض یہ تھی کہ اگر میں ان سے ملاقات کر لیں تو وہ دوسرے دن اگر مجھ سے ایک روپیہ لئے جانے گا چہرہ پاسی نے صاحب کو خبر دی، صاحب نے مجھ کو بلا لیا اور سوتہ قد نظم کی کہ ایک کرسی پر کچھ کتا ہیں تھیں ان کو خود صاحب موصوف نے اپنے ہاتھ سے اسٹاکر مینا مکہ دیا۔ میں اس کرسی پر بیٹھا اور مجھ سے میرے (دشت و خزانہ کا ذکر کر چھا) پھر اصرار اور حرکتیں باتیں ہوئیں اور اس کے بعد منترجی کا کام ان کو مل گیا اس سے ان کی آمد میں کافی تاخیر ہوئی وہاں تین سو روپیہ ہمارا مکانے لگے۔ بلکہ کسی کہیں میں تو ایسا ہو کہ ہزار روپیہ تک آمدنی پہنچ گئی۔

نصائح کہتے ہیں کہ اس طرح منترجی کہتے ہیں کہ وہ صاحب سے ملنے میں غور کریں۔ کلکتہ میں لوگوں کا عجب حال ہو



نَسَاجِ ایک دینار اور عدل پسند آدمی تھے زندگی بھر کسی ثروت نہ لی۔ مگر ثروت کی بھی تمہیں عاقبت میں چنانچہ اس کی ایک قسم سے نافرمانی ہوئی۔ یہ وہ چار ہوکر رہے۔ تفصیل اس اجمال کی خود ان کے افعال میں اس طرح ہے کہ منشی ثمن الدین (ایک صدراعظم) کسی زمیندار یا تعلقہ دار کے مکان میں کھاتے تھے اور کچھ کو (نَسَاجِ) یہ نہایت نگار و معلوم ہوتا تھا۔ آخر تجرہ سے معلوم ہوا کہ بہت اچھا کرتے تھے کیونکہ امین الدین صاحب (ایک رئیس) مد زمانہ میرے واسطے کھانے کی چیزیں مثل پلاؤ، زرد کباب، میٹھا چلوں، مرہ، مٹھائی، اچار وغیرہ بھیج دیا کرتے تھے اور میں کھاتا تھا۔ قرآنیک خود مکان کا میرے پاس آیا اور مجھ کو معلوم ہوا کہ حق بھانپا ان کے نہیں ہے بلکہ ایسا معلوم ہوا کہ انھوں نے جو دست و زبانات داخل کی تھیں وہ جل ہی۔ ان کی غلط فہمی کیل سے ہر ایک کا کہہ کر کہ اس مقدمہ کی کسی عدالت سے اٹھا کے دوسری عدالت میں بھجولیں۔ لیکن ان لوگوں نے نہ مانا اور جب میں نے ہمارا کہہ کر ان کے غلات فیصل کیوں تو ہر وقت اٹھا کھا جیسا ہر پلاؤ تو وہ میرے خیال میں پھر تا تھا اور خیال آتا اگر ان کے غلات رائے دوں گا تو وہ کیا کہیں گے اور لوگ کیا کہیں گے۔ لیکن تو ایسا ہی ہوا کہ میں نے ان کے غلات فیصل کی اور انہوں نے یہی عمل کیا۔ لیکن لوگوں سے کہا کہ مجھ کو بصورت کے ہاتھ مجھ پر ظلم ہوا۔

بریل کے بیشتر قصات جیسا کہ اوپر ذکر ہوا نہایت عجیبہ اور مشکل ہوا کرتے تھے۔ بعض تو اس قدر عجیبہ ہوتے کہ معمولی فہم و فراست اور قوت فیصلہ سے ان کا فیصل کرنا نہایت مشکل ہوتا۔ ایسے حالات میں نَسَاجِ کو اپنے علم و نجوم سے کام لینا پڑتا تھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ قیام بریل میں میں نے بہت سے مقدمے ہندوہ و غیرہ فیصل کیے۔ پھر ان مقدمات میں سے ایک کا ذکر کر کے کہتے ہیں کہ ایک دن ایک مقدمہ میرے پاس آتش زندگی کا پیش ہوا۔ اس میں ایک شخص نے خود علی پر ہونی کیا تھا کہ مدعا علیہ نے سبب عدالت کے اس کے گھر میں آگ لگا دی ہے اور آٹھ ہزار روپیہ مدعی کا تباہ کر دیا۔ میں نے جو نجوم سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ مدعی کا مکان مع اسباب کے بے شک جل گیا ہے مگر مدعا علیہ نے جلا نہیں دیا۔ آپ سے آپ آگ لگ کے جل گیا ہے۔ پھر تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ بات ٹھیک تھی چنانچہ اسی مطالبہ فیصلہ ہوا۔

۱۸۵۰ء میں جب ڈھاکہ میں آسمان دینے کا وقت آیا تو نَسَاجِ کو بڑی دقت پیش آئی۔ کیونکہ تیاری خاطر خواہ نہ ہوئی تھی۔ اس لیے کامیابی مشتبہ تھی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ یہی نفل ہو گئے۔ اسی نکالی نے ان کو بڑا صدمہ پہنچایا اور عداوت مادی کھو بیٹھے۔ لیکن دوسرے سال کامیاب ہو گئے۔

ایک جلدی کے پھیل کر نے، طبیب نے علاج میں انہیں تھوڑا کر دی۔ یہ کھانے لگے۔ بیدار اچھی ہو گئی۔ مگر یہ مسلسل کھاتے رہے یہاں تک کہ مادی ہو گئے، صفات میں دھام لائی، شرکے برابر انہیں کھا کھاتے تھے پھر ٹھیک خیال ہو کر لہڑی جوڑ پھوٹ دیا جاتے۔ کہتے

نہی کی انہیں نہیں چھوڑ کر نکلے لاجور ہے کہ.... ہر ایک میں نے غیر جانچ دی۔ خدا اولیٰ خدا، شکی معلوم ہوتا دوسرے خدا اس میں  
اہل۔ تیرے دنگ نہ تھا:

شام جہاں جاتا ہے وہاں کچھ اور کسے نہ کہے کر شہر و کن کی ایک مغل ہو جاتا ہے، اس آغ کی پریشانی جب بریل کی ہوتا تو متنا  
لے کے ساتھ ساتھ شہر شہر میں جہاں رہی۔ اور شہر کی ہائے گراں شاگردوں میں صحت ایک شخص کی ملائی اور اس شخص کا نام  
اس کتاب میں ہے جس کی فزوں پر یہ اکثر اصلاح دیا کرتے تھے۔

چند سال بریل میں کام کرنے کے بعد جب ان کی انتظامی صلاحیت کا کام والا ہوا تو اس طرح ظاہر ہو گئی تو ان کی تیسری ہیرنڈ ہر نامی ایک  
یہ کوئی گئی۔ چہرہ زہرہ درج بریل میں ایک نہایت ہی خطرناک جگہ تھی۔ چوری و گنتی اور قتل و گنتی کے واردات بند ہونے کے بعد سے علاقہ میں  
امان ہو گیا۔ اس کے بعد شہر کے لگ بھگ انہیں لکھنے کے کارڈ میں واپس بلایا گیا۔

لکھنے پر پختہ ہی شوہن کی پرانی غنیمتیں پھر جتنے لگیں۔ مشاعرے آباد ہونے اور اس شاعر نے جانے لگے ایک مشاعرہ جس کی طرح تھی۔

نہ سب مست سے اپنا ظم نہیں لگاؤ کر کے کہتے ہیں کہ میں نے اس میں شرکت کی اور یہ طرہ فزل پر مسمیٰ۔

کب فیضیاب شادی و وصلت ہم نہیں کب چاک اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہم نہیں

دربار شمس کا کلی سچاں پر پا تعزیت و تہنیت ہے۔ نقش قدم نہیں

لالہ جے جودی تو جے غیر رشک سے اس بت کی دشمنی بھی محبت سے کم نہیں

کتنے ہیں غیر مال مرا دیکھ کر دیکھ کر تینا جھٹے تیری، وفا یار کم نہیں

جاں پاتے ہیں تہنیت و تہنیت میں دیکھ کر جے تہنیت، مری چشم نم نہیں

کرتا ہے قتل جو کو ترا وعدہ وصال دم باز آتیخ تیز سے کم تیسرا دم جین

آسان ہیرانی دل ہے جہاں کی ہر کم خطا ہم سے کبھی نقش درم نہیں

اس بت کے جہر میں برکتیں ہیں لکھنا لکھ چکاں سے کم میرے چشم لکھ نہیں

سیریاں جو مری ہے حاصل کتاب سے حرف کا دائرہ بھی کم از جام جسم نہیں

مل ہر گاہ ہے مسک جسد و خفید میں تیز زلف یاراے میرا غم نہیں

نثار ہے جو طرہ و مضمون کی منکر میں

شعبا تیز پر ہے، ہمساء است نہیں

ما تمام ہر نامی کا لکھنے کے گپ میں سے ایک شخص نے ان کو لکھا اور کہا۔ ذرا خود سے غصہ کھٹھرا اس کو کہتے ہیں  
مطلع شہار۔

مہلقہ بھلا آباد، حضرت سر کے اشعار تھے، یہ کلام سری، ماہر کی حد تنہا میں کاش ماس میں بریل کی شہر سے ہی لکھی تھیں۔

مرفع جب اپنی آنکھوں کا دھوپ ہو جائے گا

آسمان ایک اور زیر آسمان ہو جائے گا

نہایت گنتی ہے کہ اس مطلع کے پڑھنے ہی اہل لکھنؤ نے بڑے زور سے تعریف کی۔ میرے دوست مولوی سید مصطفیٰ اللہ خان کو ناگوار ہوا اور  
انھوں نے باوجود مخالفت پکار کے کہہ دیا کہ اس مطلع کا لہجہ مضمون خواہہ دزیر کا ہے اور خواہہ دزیر کا یہ شعر پڑھ دیا۔ دگر کتاب میں جگہ خالی ہے اور وہ  
شعر نہیں دیا گیا۔ جس پر ان لوگوں کی بڑی سخت برائی ہو چکی ہے۔ یہ وہ صبیحہ صبا ہے جس میں ایک مشاعرہ ہر اہل قلم کی  
آمد فضل بہاری کی چمن میں دھوم ہے۔

نہایت نے اس میں شرکت کی لہذا اس طرح چرچیں غزلیں کہیں۔ تیغوں کے متغیب اشعار دیکھ لیں۔

تیرے جاتے ہی غم و رنج والہم کی دھوم ہے	میلہ سوزاں ہے جگر پر درد، دلی مغموم ہے
زلف سنبھلنے سوزاں ہی سستی سوسنے لی	آمد فضل بہاری کی چمن میں دھوم ہے
نہیں صداسنتے ہیں نے دیدار ہوتا ہے نصیب	گوش میں مجھ پر چشم منتظر محروم ہے
تشنہ کا لیق کیا نہایت کی معطل میں ہو	آب خمر سے نہ ہوتا خشک وہ معلق ہے

میرے تیرے عشق کی سب مرد و زن میں دھوم ہے	لیلا شیریں دقین و کوکبن میں دھوم ہے
تیری باتیں چلیں یقی ہی وہ دل میں کہیں	اے سطر مطربان زعفران میں دھوم ہے
تیری زلف پر شہر و سار و قند و اندام کی	رنگ و سنبھل گل و سرود سن کی دھوم ہے
جلوہ گر شب کو چراوے مایہ عیش و نشاط	کس قدر نہایت کے بیت الفنون میں دھوم ہے

آمد فضل بہاری کی چمن میں دھوم ہے	بلبلوں کی بے قراری کی چمن میں دھوم ہے
آمد آمد بلبل میں ہے آج کس خوش چشم کی	نرگسوں کی منتظر کی چمن میں دھوم ہے
وہ کچھ بند دل ہمارے نہایت کی بلبل میں	آج گل کی دلفکاری کی چمن میں دھوم ہے

اللہ انھیں قصبہ ہاتھ دے جس سے قصبہ ہاتھ ہوا کہ ہم پر دھوپ کی رحمت اللہ تعالیٰ اس کا سال ولادت معلوم ہے نہایت کے شاعر ہیں ممتاز و برجہ رکھتے  
تھے۔ ہر اہل قلم اس کے قلم کی رعایت سے رکھتا تھا۔ پہلے ہر شخص کہتے تھے۔

کہ ذریعہ میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام خواجہ فقیر محمد تھا۔ ذریعہ کا سلسلہ نسب حضرت خواجہ بیاد الدین نقشبند سے ملتا ہے۔ فن شعر میں آج کی شان کا  
اتہا کی قیادت کے ساتھ کاندھ میں شہر کے جاتے تھے۔ جو ایک دوسرے شہر شاہووی فقیر محمد صاحب گویا کے استاد تھے۔ ذریعہ نے مشاعرہ میں انتقال کیا نہایت  
دقت میں مصروف تھے۔ ذریعہ کا نام تھا۔ ذریعہ کا شعر جو کبھی دیا نہیں گیا۔ غالباً یہ تھا۔

گزشتہ سے ہو گیا سید مل سنالہ بند آسمان لدا ایک اور پرتا سدا ہوا ہے گا





انصافیت میں لگاؤ نہ تھا یہی وجہ تھی کہ اس سے مخالفت تحریری کی ایک بے نقطہ شروع ہوئی ہے۔ پیراجشاہی پر پختہ خان سے پہلے کی شہرت مدلل ہو چکی تھی۔ لہذا یہی وجہ تھی کہ اس سے مخالفت برصغیر میں مولوی احمد علی خاں اپنی جوہری دست لکھ خاں رئیس راجشاہی سپرد میاں صاحب سجادہ نشین اور شاہ پرتی بلوچہ کی خاص طور پر توجہ دلائی۔ شاہ صاحب و صورت ایک صرفی منش اور دلش صفت آدمی تھے اور نساخ کو ایسے لوگوں سے فطری طور پر حسرت نیست اور گدگدگی تھی اس لیے نسبت دوسروں کے شاہ صاحب سے ان کے تعلقات زیادہ گہرے ہوئے۔ یہ ۱۸۶۲ء کے لگ بھگ کی بات ہے اس وقت نساخ کی فکر کہ پیشانی میں سال کی تھی۔ نساخ کہتے ہیں کہ دوران قیام راجشاہی میں میں نے مرزا جاتیوں بخت ابن مرزا خرم بخت ابن مرزا خان بخت معروف ہر مزاج ہاں شاہ ابن شاہ عالم بادشاہ دہلی کی دختر نیک اختر سے شادی کی؟

میں کا ذکر ہے کہ ایک دن چند برہمن گویا کی حضرات نے ان سے اسلام کے کثرت انداز کا مسئلہ مچا اور اس کے لیے عقلی دلائل مانگے نساخ ہنسی کہ میں کعبہ و لیلیں میں مولد یہ کہ کنگار سے اور نصرانی سے اور یہودی سے لڑائیاں ہوتی تھیں۔ اس میں مسلمان لوگ مارے جاتے تھے اور وحشی بیچے کھواکے اسلام میں تین چار سو ملین تین چار سو ملین مسلمان ہوتی تھیں۔ بعد ازاں کفار سے لڑائی میں چند مسلمان مرد مارے گئے اور ان کی کھوپڑیہ ہر دھڑلے سے مسلمانوں میں بکھریں اور کفار ان کو بکھڑا کرتے تھے کہ وہ عزتیں بھرن کے پاس پہنچ جائیں اور دین اسلام قبول کر دیں اب ان کو تو کھچھڑو یہ مناسب نہیں تھا اور جب ان عزتوں کو چھڑ نہیں سکتے تو ضرور ہو کہ ان کے خود و فرس کی مسخرہ کی بس ضرور بجا کہ ان عزتوں سے نکاح کر لیا جائیے۔ ایسے وقت میں ایک ایک مرد کی دو دو بیویاں ہونگیں اور اسی طرح چار تک ہاں کھلیا ہو کہ کہ تحقیق میں ایسا ہونا میرے مذہب کی کسی کتاب سے ثابت نہیں ہے لیکن آپ لوگوں کے پرچھنے پر میں نے عقلی دلیل بیان کی اور دوسری عقلی دلیل بہت معاف اور روشن یہ ہے کہ لاشہ تعلقات نے جو آدمی کو مخلوق کیا تو اس کی غرض اس سے یہ تھی کہ ابن آدم اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں یہاں ایک مرد کی اگر ایک لڑکی سے نامہ بیعیاں ہوں گی تو وہ دنا نہ ہو گی؟

۱۸۶۲ء میں نساخ کا تبادلہ جالپور رکنشہری کے ضلع بانسہ میں ہو گیا یہاں ان لوگوں سے ملاقات ہوئی ان میں شاہ فریدی صاحب شہبازی سجادہ نشین مولوی وحید الدین خان صاحب جج عدالت جالپور و دیگر مولوی اعداد علی خاں صاحب اعلیٰ مدرسہ میں حاصل کردہ قابل ذکر ہیں۔ ابھی قیام جالپور کو زیادہ عرصہ گزرا تھا کہ ایک دن ان کے گھر سے کچھ خوراک آیا۔ یہ سخت گھبرائے اور دیکھنے کی رخصت کے کہ لگاتار چلے آئے۔ یہ تو ہمیں علاج معالجہ کرنا ایسا کہ جب حسب وخواہ فائدہ نہ ہوا تو اسباب نے مشورہ دیا کہ دل چلے جاؤ۔ اس وقت دل میں حکیم مرتضیٰ خاں اور دیگر محرم و خاں مسافر لاٹھری پور تھا۔ یہ دہلی پہنچے اور دونوں صاحبوں کو کھلایا چنانچہ ان کے علاج سے مکمل فائدہ ہو گیا۔ پھر یہ پروردگار ہمہ نگہ کچھ دنوں میں سال قیام کیا جاتے اور دلی کی سیر کی جائے اس لیے کہ پہلی پہلی بار دلی آنا ہوا تھا۔ غرض کہ یہ شہر گئے اور غیب سیر کو ہندو مت کی یہاں جن معجزہ شخصیتوں سے ملاقات ہوئی اور جن کی پرہیزگار محبتوں سے یہ طہمت اخذ ہوئے ان میں مفتی مدظلہ العالی خاں آندوہہ و نائب ضیاء الدین خاں میر

۱۔ مدلل برہمن گویا ہے۔ یعنی دو لکھ چوبیس لاکھ یا چنانہ حاصل ہو۔ یہ تو جید کے قول ہوتے ہیں نہ اور جاکو مدوہہ لاشہ کے ہاتھ میں جمعیت کی اصل تسلیم ہے۔ مشہور گویا یہی ماہ جنگ شہری نام چند رومی کے سلسلہ اور شہری کہ شہری کا نام سہر خیر مت ہے۔ یہو گویا کہ برہمنوں سے غلط خطہ میں کرنا چاہیے۔ یہ اور ہیں اور وہ اور۔



یہاں سے پیشا پھر لکھنؤ میں پہلایا انسان کو ایسی گردش میں کہ ہمارے سخت پریشان ہونے سے متاثر نہ ہو بلکہ ایک واجب ایک نیا حاکم آیا تو توتو  
و مطابق دوسرے فصول کے ساتھ یہ بھی اس کی خبر برائی کے لیے اس کی کوٹلی پڑھیں۔ شامت احوال یہ ہوئی کہ یہاں گریزا انسان کو پہلے سے جانتا  
انسان سے مل بھی چکا تھا اس بنا پر اس کو توقع تھی کہ نساخ اس سے کچھ خاص طور پر ملے گا۔ اور ہر قسمی سے نساخ اس پہل ملاقات کو بالکل  
دھوکا دے چکے تھے اور اس اگر زبانی اس کا طریقہ کے ذریعے سے آہستہ آہستہ اس لیے اور اگلے طرح یہ بھی تکلف سے ملے ایک دن معائنہ میں آیا اور  
معلوم میں نقص نکالنے لگا۔ پھر کچھ فیصلے اپنے دفتر میں منگوانے اور سب میں کچھ کچھ نقص نکال نکال کر ایک سخت قسم کی رپورٹ تیار کی اور  
ہم بلا دست کے پاس بھیج دی تھی جسے ہو گئیں کہ فرد امر گھیر کا چارج واپس دے دینا چاہا اور سلبت چلا آنا پڑا اور نہایت ہی غیر صحت بخش مقام  
پر چارے نے بہت کچھ ہاتھ پاؤں مارے بہت ساری تدبیریں کیں مگر کچھ پیش نہ گئی۔

نساخ جہاں جاتے تھے ان کی وہ شخصیتیں ہوتی تھیں، ایک بحیثیت اشراف بحیثیت شاعر و چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی ہوا کہ ان کی نظری  
اشہرت خود ان کے ہونے سے پہلے یہاں پہنچ گئی اور کچھ روز بعد لوگ شاگردی اختیار کرنے پہنچنے لگے۔ اگر وہ شاگردوں میں خاص طور پر  
نمایاں نظر آتے ہیں ایک حکیم اثر علی مست اور دوسرے حاجی عبداللہ صاحب آشفتمہ مست و راصل حافظ اکرم احمد فقیر کے شاگرد تھے  
جو کہ نساخ سے بھی اچھی خاصی حقیقت تھی اس لیے ان کی شاگردی بھی اختیار کی۔

سلبت میں جن صوفیائے کرام اور بزرگان دین کے مزارات ہیں، ان میں حضرت جلال عہد دہلوی کا مزار سب سے زیادہ مزین و مزخ خلق  
ہے کہتے ہیں یہ بزرگ حضرت حسین الدین امیری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہم سفر تھے۔ بہر حال، ہمارے نساخ کو معلوم ہوا کہ ایک ایسے عالی  
ترتیب بزرگ بھی یہاں تھے جن کو اس قدیم عقیدت اور نظری گہریدگی کے سبب حیران و کھوئی ہوئی اور مدیونوں سے تھی، یہ ان کے مزار کی زیارت کے  
پہلے چلے آئے اور جب وہاں پہنچے تو صاحب مزار کے دل و جلال سے کافی متاثر ہوئے۔

۱۸۹۷ء میں ان کا تہجد و دعا کا میں ہو گیا۔ اس بار دعا کا میں جن معززین شہر سے ملاقات ہوئی ان میں شاہ ولی اللہ صاحب  
بالہوشین اعظم اور اب عبد الغنی خاں سی، ایس، آئی، قراب احسن اللہ خاں بہادر، مولوی عبد اللہ صاحب علیہ الدار و سیکر صاحب  
۱۸۹۷ء میں ایک دفعہ میں علی علیہ السلام کے ایک قصبہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی پھر مدرسہ دارالعلوم چلے آئے اور بقیہ تعلیم  
الحمد میں سے کی۔ اس کے بعد مدرسہ علیہ دعا کا میں بحیثیت مدرس داخل ہوئے اور ترقی کرتے کرتے مدرسہ کے مجدد و مہم بن گئے اور اخیر تک  
ان کے ہاتھ رہے۔ عیدی مولیٰ اور ناسی کے ایک جید عالم اور شہر و سخن کے استاد تھے۔ فکر و شہر زیادہ تر ناسی ہی میں ہوتی تھی، کبھی کبھی  
مد میں بھی آتے تھے۔ ان کا اردو و دیون جو بہت مختصر ہے ۱۸۹۷ء میں شائع ہو چکا ہے۔ کہتے ہیں اس فن میں مولوی عبد اللہ صاحب متا  
و کچھ دیو و مہرہ کے شاگرد تھے۔ درجہ شاہ بہرہ و صاحب دہلی کے شاگرد اور ملا شاہ اشیل مشہد کے ہم دوسرے تھے  
میں کے لیے دیکھا آزاد کو کہانی خود آزاد کی زبان، مدایت شیخ آدمی گرباب نصیر حسین خاں صاحب خیالی ان کو فرما دیکھم آبادی استاد شاہ کا  
لکھتا ہے۔ عیدی شہر میں بہت اچھے تھے اور تصنیفات و تالیفات کا بھی ذوق تھا۔ ان کی کتاب مضافات لادب، جو تین جلدوں میں شائع ہو کر  
نکل چکی ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی تصنیفات کے مالک تھے اور قبلی نوافل ارغوان پاک انھوں نے ایک مختصر عمر میں کوئی  
۱۸۹۷ء میں عیدی خاندان سرمدیہ کے ایک مددگار چرخ تھے۔ ۱۸۹۷ء میں دعا کا میں امتحان کیا۔ ۱۸۹۷ء

آؤ تو خاص ہیں اس مرتبہ دھوکے میں دو حضرات کے شگہ ہوئے ایک شمس الدین وافر اور دوسرے مولیٰ علیہ السلام صاحب زلف و آثار  
دوسرے معینہ دھوکے میں مدعی تھے کہ میں انتقال کیا۔ زائر کا پھر حال معلوم نہ ہو سکا کیونکہ زمانہ حجاب نساج کی شہرت بحیثیت ایک  
شاعر اور استاد کی کے رسم ہو چکی تھی اور کم از کم ارض بنگالی میں بدگولی کا حساب نہ تھا ان کے اشارہ زبانی نہ ہو سکے تھے امدان کی غزلیں  
غزلوں میں گائی جاتی تھیں۔ خواہ ایک غزل ملاحظہ ہو۔

تاریخی شہد دل میں وہ آئے ہوئے ہیں      مخوف ہے نہیں بکری ہیں مجھ سے ہوئے ہیں  
اکھنوں کو بھگائے ہوئے شرانے ہوئے ہیں      کچھ بات مرے دل کی گہرائے ہوئے ہیں  
اوتی ہ شگڑ ہے میرے مانج بھگڑ کا      جو بھول میں گزار میں دھولے ہوئے ہیں  
شاید دلہن شاق سے پھر پیچ کر ہی گئے      جیسے ترے رخسار پہ بل کھائے ہوئے ہیں  
گو یاد دل انسرہ عشاق ہیں اسے حساب لا      ہاتھوں میں ترے پھل پر کھیلنے ہوئے ہیں  
بھٹا رہا بظاہر جو ہے ماہ گزر۔ میں،      ہرے میں شاید وہ کہیں آئے ہوئے ہیں  
آہا نہ کہیں جلد خندا را نہ کرد دیر      ہم جان کو لب پر ابھی ٹھہرائے ہوئے ہیں  
ملے، ہے تسلی تو مجھے دیتے ہیں تسکین  
اب تک دل نساخ کو بھلائے ہوئے ہیں

انہیں دوزخ کا دیوانہ سرم سرم ہزار مٹاں، لہو لہجہ تاریخ جس میں صوف تاریکی طغیانی میں مرتب ہو کر شائع ہوئی اور  
انہیں نقص جو دھوکے میں میرزا میرزا قیصر کے مرثیوں پر ایک طوطا لہو لہجہ میں ہے مرتب ہوئی اور انہیں دوزخ انہوں نے دل کا قیصر اسفر کیا  
اس بار دیوانہ کی لڑکی سے ملاقات ہوئی ان میں شاہزادہ محمد الفخر العزیز نے مرزا ارشد گورگانی کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے پتہ نہ  
ملے      مولیٰ علیہ السلام صاحب آندھوت بچھا سید صاحب، شمس کے قرب دھوکے میں پیدا ہوئے، ملا دھوکا دار کا ہم سید سید علیہ السلام صاحب  
جودھا، دھوکے میں اپنا ایک خاص مرتبہ رکھتے تھے، آؤ تو ایک نظری شاعر تھے اور نہایت بنگ۔ لہو لہجہ دھوکے میں دوزخ پر کسان قدرت حاصل تھی  
ان کے کلام کا لہو لہجہ دھوکے میں انہوں نے شاعرانہ ہونے کے نام سے شائع ہو چکا ہے پہلے شیدا تھیں کرتے تھے پھر آزاد اختیار کر لیا۔ اُنہوں نے کلام میں ترس لہو لہجہ کا رنگ  
نہاں تھا، استاد کے بہت سے اشد لہو لہجہ تھے، لکھتے ہی کہ ایک دھوکے میں ابیت کے حلقہ تھے، لیکن گزرتی ہیں مسلم کے شگہ تھے حضرت  
ملے سے اسرار بچے کا ورق ہوتا تھا، وہ سلا کی عربی ہادشا نالی شمس میں دستات پاتا، دھوکے میں دوزخ ہی، سمعہ  
ملے      مرزا ارشد گورگانی، بھٹا مرزا علی بہادر اب شاہد ملا دھوکے میں حضرت ابو شہد بادشاہ دہلی ہیں، بہادر شاہ ظفر سے آپ کا رشتہ  
ہے کہ آپ دھوکے میں سلطان بک کے شقی واسے تھے جو حضرت ظفر کی بڑی شاہزادی تھیں، مرزا ارشد گورگانی تھیں اس میں پیدا ہوئے، سات  
ہس کے تھے کہ شہ کاوانہ، حبش آگیا اور تھکی سکوت تک کرتی تھی، صحت قلب صاحب میں کہ ہے اور وہی تسلیم حاصل کی، پھر روفیہ  
بہار میں ظلم ہو گئے، اس کے بعد ریاست لہو لہجہ پر چلے آئے اور فیروزہ لالی میں دھوکے کے مسلم اقل حق ہوئے، شہر میں کی گور میں  
ترے ہی تھے اس لیے اس سے شفقت کیا ہوا کہ قلب کی بات نہیں، اس لیے میں اپنے ہم مرزا دھوکے میں صاحب انھیں، صاحب سے  
اصلاحی ہوئی ضرور دل میں اپنے رت کے ایک مسلم حضرت استاد تھے، مرزا ارشد گورگانی شمس میں پیدا ہوئے اور شمس میں انتقال کیا

پہلے ساکاس مرتبہ کسی تقریب سے دلی گئے اور کتنا عرصہ وہاں قیام کیا۔ غالباً سیر و تفریح مقصود تھی اور جلد ہی پلٹ آئے۔ بہر کیف! واپسی کے فوراً سے دلی بصرہ شہر میں ان کا تبادلہ بہرحکم (مغربی جنگل) میں ہو گیا۔ یہاں کے قیام میں کوئی خاص بات قابل ذکر نہیں ہے اور پھر تقریباً سال ڈیڑھ سال بعد ان کو ہوگی بھیج دیا گیا۔ یہاں یہ پہلے (زمانہ طالب علمی میں) بھی کافی عرصہ رہ چکے تھے اور یہ کوئی نئی جگہ ان کے لیے یہی مگر مولا بکرامت علی جوہر کی موت نے یہاں کی علمی و ادبی محفلوں کو ایک گونہ ویران کر دیا تھا۔ اس لیے ہوگی کچھ اجنبی اجنبی سی گشتی تھی اس مرتبہ یہاں چھ لوگوں کے ساتھ ان کی صحتیں ہیں ان میں مولوی اشرف اللہ بن صاحب متولی ہو گیا، اما سبالتہ قابل ذکر ہیں جو مولا بکرامت علی کے جانشین تھے۔ کچھ عرصہ رہنے کے بعد ان کی صحت خراب ہوئے گی اور اکثر بیمار رہنے لگے۔ آخر تنگ آکر تبدیل کے لیے دیراستہ کی جو منظوری ہو گئی اور جون ۱۸۸۷ء میں ان کو ڈھاکہ بھیج دیا گیا۔ اس بار یہ ڈھاکہ میں کوئی تین سال کے قریب رہے۔ اس عرصہ میں ایک بار ان کی ملاقات مولوی کبیر الدین صاحب ڈیرہ آزاد و گائیڈ گلشن سے ہوئی جو کسی غرض سے گلشن سے ڈھاکہ آئے ہوئے تھے۔ مولوی کبیر الدین، نامور خاتون جمیلہ راضیہ صاحبہ زہرا مولوی خدا بخش، ہانی اور میل پبلک لائبریری ہاکی پور پٹنہ کے والد بزرگوار تھے۔

۱۸۸۷ء میں ان کا تبادلہ میدانی پور میں ہو گیا۔ مگر یہاں کی ہوا اس نہ آئی اور صحت خراب ہونے لگی۔ ایک بار سخت بیمار ہو کر تپ ہانی میں مبتلا ہو گئے اور یہ بھوت ہوا ان کے دل کے چھتے سفر کا۔ گرا بیک دلی کافی بدل چکی تھی۔ چنانچہ نساخ نے اس کو محسوس کیا لڑائی میں۔ متبل ازین عین بارہ آئی گیا۔ اس دفعہ جو دلی گیا تو دیکھا کہ وہاں کے بعض بند اور مسلمان انگریزوں کے کپڑے پہننے لگے ہیں۔ یعنی انگریزوں کا اثر و اقتدار اچھی طرح نمود گر گیا تھا۔ اس سفر میں ان کی ملاقات نواب مرزا خاں و آغا دہلوی سے ہوئی اور اچھی بے تکلف ہو گئی۔ وہاں سے واپس آنے پر دسمبر ۱۸۸۷ء میں ان کو پھر ڈھاکہ واپس بھیج دیا گیا مگر ڈھاکہ پہونچنے بعد اچھی گند سفر بھی دامن سے نہ بھڑکی تھی کہ جنوری ۱۸۸۸ء میں پھر تبدیل کی بات چیت ہونے لگی جو پھر مل کسی طرح موقوف ہو گئی اور چند روز بعد اسی مہینہ میں ان کو یہ خوشخبری ملی کہ نواب عبداللطیف خاں بہادر نساخ کے گئے بسے بھائی، کا تقریر سمجھ پال میں بحیثیت قائم مقام مذہب ریاست بھوپال ہو گیا ہے۔ یہ داستان پہنچ کر ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے دو سال بعد ۱۸۹۰ء میں نساخ کا انتقال ہو جاتا ہے، تمام تذکرہ نساخ کے اس سال وفات میں منقش ہیں۔ ان کی خود نوشت

۱۔ اشرف الدین احمد، مترجم ام ایمنہ واقعہ محلی، خلع نواب سید میر علی خان بہادر، اشرف الدین جنوری ۱۸۸۷ء کو لکھتے ہیں، پیدا ہوئے ہوگی کی متول شب سے پہلے نواب و جد علی شاہ، بادشاہ لودھ کی سرکار سے متول تھے۔ اور شرافت اللہ لودھ کا خطاب وہیں حاصل کیا تھا۔ ۱۸۸۷ء میں مولوی کرامت علی کے انتقال کے بعد حکومت نے امام بڑہ حسینہ کا ہاراج ان کے سپرد کر دیا۔ اور یہ اس کے ساتویں متول ہونے، تصنیف جمیع کاغذی مذاق تھا لہذا چند رسالے ان سے یادگار ہیں۔ (۱) تمغہ شمع اپنے آئند فارسی کلام کا مجموعہ (۲) نورق (۳) فارسی شہرہ المذکرہ (۴) جمعیۃ حسینہ (۵) کلام بڑہ حسینہ (۶) صحت نامہ (۷) مددہ خیال (۸) یادگار و غیرہ۔ نام۔

۲۔ کئی نسخہ جو ہندو غیر معلوم ہے مجھے ایٹیک سوسائٹی گلشن کے ذخائر کتب میں ۵۰۔ میں وائسرائے صاحب ایٹیک سوسائٹی کا ممنون ہوں کہ انہوں نے اس نسخہ سے چند اقتباسات لینے کی مہانت مرحمت فرمائی اور ساتھ ساتھ اپنے محترم بزرگ مولوی ضیاء الرحمن صاحب (انہماک آئندہ پٹنہ) سیکشن کا بھی حکم ہوں جنہوں نے اس مضمون کی طبعی میں میری مدد فرمائی ہے۔

سازجے ہیں کہ جو تعلیمات و تصنیفات کا بہ چہا ہے ان میں طرزِ بے مثل۔ اشعارِ رسام۔ لفظان۔ سخنِ صواب۔ لکھنوی۔ مکتوبات۔ اور انتخابِ نفسِ عالی۔ مگر ان کے مہر و ملکیت کے درجہ کو دیکھیں تو جو مزین تعلیمات کا حامل معلوم ہوتا ہے ان میں قطعاً منتخب شہرِ عشق۔ نہایت شہرت۔ قدرِ باری۔ مرطوبِ دل۔ مظهرِ صفا۔ باغِ فخر۔ ترانہِ خاتمِ لوحِ حرکتِ العاصی کے نام بھی ہیں۔ اس لحاظ سے ان کی تعلیمات کی بزرگ تعداد اور ایک بہرِ نعمتی ہے لہذا ان کی آلِ اولاد میں سب سے زیادہ مدثر نام ان کے ہوتے صاحبِ زور و عولیا اہلِ انعام جو صاحبِ انھیں پشمن کا ہے۔ ان کا بی بی نام مظهر الحق (عاشقِ شہ) تھا۔ پشمن نے باپ کی تربیت کے بعد فنِ شعری میں سب سے پہلے بہت سے اصنافِ لہجہ و نثر کے شاعر و نثری فصاحت اذ صاحبِ انھیں تھے۔ اس کے بعد داغ کی شاگردی اختیار کی شہرِ اپنے وقت کے استاد فن تھے اور ان کی چھ شاگرد پیدا کیے جن میں سلاخار و ضامن و مشت مرحوم کا نام سرِ فہرست ہے۔ پشمن نے سنہ ۱۲۵۰ھ میں انتقال کیا۔

ترتیب: سید تمیت المن



## مسیوینی

### بچپن اور جوانی

میں اسے اپنی زندگی کے ابتدائی مراحل کہوں گا۔ تقریباً عام ترکا بنیں جو میرے متعلق لکھی گئی ہیں۔ ان کے آئین سعادت پر میری ولادت کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ سب معلوم میری یادداشتوں سے حاصل کی گئی ہیں اور ان میں بھی اپنی آپ جتنی ہیں سے شروع کر رہا ہوں۔

میں ۲۹ جولائی ۱۸۷۷ء کو ویرانوڈی کو سٹا میں پیدا ہوا۔ یہ ایک مختصر قدیمی پہاڑی گاؤں ہے۔ مکانات پتھر کے ہیں جن کے در و بام پر نمودار کی شعاعیں اور سائے مختلف انواع کی رنگ آمیزی کرتے ہیں۔ جس کا نقشہ ابھی تک میرے ذہن میں محفوظ ہے۔

اقدار کے روز و شب بعد از دوپہر میں پیدا ہوا۔ اتفاق سے یہ پرانے کلیسا اور کمیٹیٹ کے گروں کے سر پرست ہتھف کے ہزار کا دن تھا جہاں تک میرے خاندان کا تعلق ہے۔ اکثر اصحاب نے میرے شجرہ نسب کی اچھی طرح تحقیق کی ہے۔ میرے حسب و نسب معلوم کرنے میں کسی قسم کی دقت پیش نہیں آئی۔ کلیسائی یا دو آشتیں اس بات کی مظہر ہیں کہ میرا تعلق ایک نہایت شریف خاندان سے ہے۔ میرے آبا و اجداد کا شغل کاری کرتے تھے اور زمین کی زرخیزی کی وجہ سے نہایت فارخ ابال تھے۔ میرے خاندان کے قدیم ترین حالات یہ بتاتے ہیں کہ مسیوینی خاندان تیرہویں صدی کے دوران میں بلونا کا ایک نہایت معزز خاندان تھا۔ بلونا میں جیروینی مسیوینی اس جگہ حلاق کا قائم تھا۔ فلیسیری پریستی ڈی کالبرولی اس حکومت میں اس کا قصہ دار تھا۔ اس کا تعلق بھی پریڈیمپو کے ایک خاندان سے تھا اور آج تک اس کا خاندان نماز خاندانوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

بچے سترہویں صدی مسیوینی کے دوران کے اپنے آبا و اجداد کے متعلق کچھ علم نہیں۔ اٹھارہویں صدی میں لندن میں مسیوینی خاندان کا ایک فرد رہتا تھا۔ انیسویں صدی کے خاندانی حالات ذرا واضح ہیں۔ میرے دادا اتوی لوج کے ایک فٹینٹ تھے اور والد ایک لومار۔ اس کے ہاتھ سمٹ و بچے اور مرنے تھے۔ ہمسائے اسے "الزینڈو" کے نام سے پکارتے۔ اس کے دل و دماغ میں ہمیشہ اشتراکی جذبات موجزن رہتے۔ وہ دلائل اور نظریوں کا دلدادہ تھا۔ اس کے پاس قومی ہی خواہوں کی آمد و رفت رہا کرتی۔

مسیوینی خاندان نے بعض مستقل یادگاریں چھوڑیں۔ بلونا میں ابھی تک ایک بازار اس کے نام سے منسوب ہے اور کچھ زیادہ سوسہ نہیں گزرا کہ وہاں ایک بئج اور قلعہ بھی اسی کے نام پر تھا۔ فوجی نشانوں کے ذخیرہ میں ابھی تک مسیوینی خاندان کا فوجی نشان



ہے۔ یہ نشان بہت خوبصورت ہے۔ ایک نغمہ میدان میں چھ سیاہ تصویریں ہیں۔ بادی ہجرات امدوت کی شکل۔  
ماؤں میں غم، خوار و ذلیل پر ابرہہ ران کی بارش کے بعد سونڈی سونڈی خوشبودار بادوں میں کسی کے پانڈ کی آہستہ  
باتیں ایسی ہیں جن سے جوت بسرے پھپھ کے فقرت میرے ذہن پر ابھرتے ہیں۔ مجھے ابھی تک وہ سنگلاخ جگہ یاد ہے  
وہیں شام کو کھیلا کرتا تھا۔

مجھے کوئی ایسا واقعہ یاد نہیں ہے جس سے میرے والدین میرے مستقبل کے متعلق پُر امید معلوم ہوتے ہوں۔ میں کوئی  
نادر لکھنا تھا۔ میں نے اپنے لفظان میں کسی قسم کا غرور انگیز ادعا پیش پیدا کیا اور نہ کسی حاجت میں اول یا جس سے میرے  
حاجت مجھ سے حد کرتے

میں کسی نکتہ دہشتا تھا۔ امد میں ابھی تک ویسا ہی ہوں۔ مجھے اس وقت اس امر کا احساس تک نہ تھا کہ کام کے لئے  
مات کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ تھکان دور کرنے کے لئے آرام کرنا میرے لیے اسی طرح لامین تھا جس طرح کو اب ہے۔  
مجھے اپنی ماں سے بہت محبت تھی۔ وہ خاموش طبع، نرم دل مگر توانا تھی۔ اس کا نام دندا تھا۔ ہماری ماں نہ صرف ہماری  
بیت کرتی بلکہ ایک ابتدائی مدرسہ میں تعلیم بھی دیتی۔ بنی فون انسان کے کارناموں کی ابتدائی قد کشناسی کا یام ہی میں میرے  
پر اس بات کا اثر تھا کہ ہماری ماں کتنی دفا کوش اور اپنے کام کے لیے کتنی مستقل مزاج ہے۔ اسے نا اہل کرنا میرے لیے سخت پڑا  
اچھا بچہ نہیں اپنی ضرارتوں اور شغیروں کے کسی نتیجے کو نبھانے کے لئے اپنی دادی امد ہمایوں کو بھی ان میں شامل کر دیتا۔ جوت تھی  
ری دیا میں سے پہلے دنیاوی عشق تھی اور میں نے افسوس شرق سے یاد کر لیا۔ کسی ماسومہ و جکی بنا پر میرے دل میں درد سے جلنے کا  
رق پیدا ہو گیا جو تقریباً دو میل دور پر ڈیچر میں واقع تھا۔ اس کا استاد میرے والد کا ایک دوست مارانی تھا۔ میں اور دھرم گوت  
اور امد میں کی پر داندی۔ پرنڈیو کے لاکوں نے ایک غیر گاؤں کے اجنبی روکے کی آہ کو برا محسوس کیا۔ انھوں نے مجھ پر پتھر پھینکے۔  
ماتے بھی ان کا جواب دیا مگر انکیلا جو نے کی وجہ سے میں اکثر پٹ جاتا۔ میں خواہ کتنا ہی کم حوصلہ تھا مگر میرا جسم بڑب کچھ بد اشت  
ریتا میں چڑوں کو اپنی ماں سے چھپا کر تاکتا رہا۔ اس دنیا کا ظلم نہ جو جس میں میں تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ شام کے کھانے پر میں دوتے  
اے روٹی کے لیے مات نکالتا کہ کہیں میری تھی کسی کلائی کا زخم اس پر عیاں نہ ہو جائے۔ کچھ عرصے کے بعد یہ سلسلہ بند ہو گیا۔ اب  
مے بہتر ہم کر دوست مل گئے تھے۔

اسکول سے فارغ ہونے کے بعد میں ایک بورڈنگ اسکول میں داخل ہو گیا۔ یہ فخران کے شہر میں تھا۔ یہاں مجھے مذہب  
شالوں کے حالات سے آگاہی حاصل کرنے کا موقع ملا۔ میرے والد میری تربیت میں کافی دلچسپی لے رہے تھے۔ میری توقع سے زیادہ  
وہ ہم خیال نہ تھے۔ جوں جوں میں جوان اور بالغ نظر ہوتا گیا۔ ہم دونوں مشترک مقاصد کے زیر اثر ایک دوسرے کے قریب تو ہو گئے۔  
مات چھاننے کی زورمندی نہیں کو پہل دفعہ دیکھ کر میں بہانہ دیتا جو میری زورمندی زندگی میں پہلی مرتبہ داخل کی جا رہی تھی۔ میں اپنے باپ  
کے ہمراہ میں سادی کا کام کھینے کے لیے پلائی امد مقبری اور علی دنیا کا ایک جزو بننے میں میں نے ایک خاص مردہ محسوس کیا۔  
لیکن اپنے باپ کی دولان پر صرف منہنی کام کرنا ہی ہم دونوں میں ایک مشترک امر نہ تھا۔ میرے نیچے یہ ضروری تھا کہ ان

اسی امد ساشری سائل سے آگاہی حاصل کروں جو اپنے ہمایوں کی گفتگو میں مجھے صرف لفظوں کی دنیا معلوم ہوتے تھے۔ رفتہ رفتہ  
جدید سیاسی تحلیلات سے مانوس ہو رہا تھا جو کچھ حصہ بعد اپنا اثر دکھانے والے تھے۔

میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ میرے ارد گرد کی مختصر سی دنیا بیقراری محسوس کر رہی ہے۔ عوام کے دلوں کی گرائیوں  
بعض کاموں کا تاریک جذبہ موجود تھا۔ سرمایہ دار طبقے کی ناجائز خواہشات عوام پر بارگراں ثابت ہو رہی تھیں۔

میں ابھی تک آغاز شباب ہی میں تھا کہ میرے والدین نے خاندانہ صلاح و مشورہ کے بعد میری زندگی کا رخ ایک نئی طرف  
بدلیا۔ میری ماں نے کہا: ”یہ کچھ نہ کچھ بنے گا۔“ اس فقرے کی گونج میرے کانوں کو ابھی تک سنائی دے رہی ہے۔

مجھے ”فورم پر پولی“ کے نامی مدرسہ میں داخل کروا دیا گیا۔ آخر کار میں نے سند حاصل کر لی اور اتادین گیا۔ لیکن اب مجھے  
اپنی ملازمت کے لئے سفارشی خطوط اور ذی اثر اصحاب کی احاطت کی ضرورت تھی مگر اتفاق سے ”دیو ایلیا“ کے صوبے میں اتاد  
۱۰۰۰۰ کے سلسلے میں امتحان ہوا جس میں میں کامیاب ہو گیا۔ میں نے ایک سال تک کام کیا۔ سال کے آخری روز میں ایک  
نمونہ لکھا جس کا عنوان مجھے اب تک یاد ہے کہ ”کامیابی کی راہ استقلال ہے“! افسران بالائے اس پر میری بہت تعریف کی  
مدرسہ بند ہو گیا۔ میں گھر واپس جانا نہیں چاہتا تھا۔ جہاں میری محدود شفقت کی ایک مختصر سی دنیا آباد تھی۔ دولت میرے پاس بالکل  
میل تھی۔ البتہ جرات میرے اندر موجود تھی۔ آخر میں نے ترک وطن کا ارادہ کر لیا اور سرحد جو در کے سوئٹزرلینڈ میں داخل ہو گیا۔  
یہاں (زندگی کے مصائب نے مجھے روحانی تقویت دی اور میرے جذبات کو استوار کر دیا اور بتلادیا کہ کس طرح زندگی بسر کرنا چاہیے۔

## مادر کشی

سوئٹزرلینڈ میں ایک مزدور کی حیثیت سے میں کام کر رہا۔ اس کے علاوہ مجھے جو بھی کام ملتا تھا لگ جانا، کر ڈالنا۔ وہاں میں  
نے پناہ گزین مہاجرین کی سیاست میں تن دہی سے حصہ لینا شروع کر دیا۔ مجھے ان دنوں شدید فائدہ کشی کا تجربہ ہوا لیکن میں نے کبھی  
زخم نہیں مانگا اور اپنے احباب یا سیاسی رفقاء سے نظر کرم کا بھی ہوا۔ میں نے اپنی ضروریات بہت ہی کم کر دیں۔ یہاں میں نے  
ساشری علوم کا بہت شوق سے مطالعہ کیا۔ میں سیاسی مجالس میں حصہ لیا کرتا اور تقریریں کیا کرتا۔ میری ورسنت کلامیاں سوئٹزرلینڈ  
کے حکام کے لئے ناگزیر ثابت ہوئیں اور مجھے لوزان اور جینوا سے نکال دیا گیا۔

میں وطن واپس آ گیا اور برنٹا گیری کی پٹن میں داخل ہو گیا۔ مجھے فوجی زندگی بہت پسند آئی۔ ایک روز کیتان بھائی  
لے گیا۔ اتنا سنجیدہ تھا کہ مجھے یہ محسوس ہوا جیسے کوئی حادثہ پیش آئے والا ہے۔ اس نے مجھے ایک تار پڑھنے کے لئے دیا۔ یہ  
میرے والد کی طرف سے تھا۔ ماں قریب مرگ تھی اور اس نے میری واپسی پر نند دیا تھا۔ میں نے سب سے پہلی گاڑی سے چلا  
لی کوشش کی مگر میں بہت دیر سے پہنچا۔

ماں بستر مرگ پر تھی۔ لیکن اس کے سر کی ایک غیر مرئی حرکت سے میں کھٹ گیا کہ اسے میری آمد کا علم ہو گیا ہے۔ میں اس کے  
لبوں پر قہم کھینچتا ہوا دیکھا۔ پھر اس کا سر آہستہ آہستہ جھکتا چلا گیا اور وہ جی بوجہ میرا خیال رکھتی تھی۔ مجھ سے صبر نہیں لی گئی۔ میری بہت

دو دن تک کھڑا کھڑا رہا۔

میں نہیں میں واپس آ گیا۔ میں نے اپنی فرقی ملازمت کے آخری ایام نہیں کر لیے اور پھر — میری زندگی کا مستقبل فریق ہو گیا۔

میں دوبارہ استاد ہو کر لو لگایا جلا گیا۔ کچھ مہینوں بعد میں اخبار "جمہور" کے ایڈیٹر سیرجہ طبعی کے ساتھ چلا گیا۔ ایک روز میں نے اس مضمون کا مقالہ لکھا کہ اطلاع کی سرحد آگاہ نہیں۔ جو اس وقت ہمارے ملک اور اسٹریٹ کے درمیان اپنی سرحد پر ایک منظر سازوں تھا۔ اس مضمون کی بنا پر مجھے دینا کی شاہی حکومت نے اسٹریٹ سے نکال دیا۔ میں جلا وطنی کا عادی ہو رہا تھا۔ پھر سیانی ہی کر لیا واپس آ گیا۔

میرے اندر صحافتی جذبہ موجود تھا۔ مجھے ایک اشتراکی اخبار کے ادارہ میں جگہ مل گئی۔ مجھے اس امر کا احساس ہو گیا تھا کہ ملاوی دنیا کی زندگی کے عقد و فسخ کی صرف تشدد ہی گر کٹائی کر سکتا ہے۔ چنانچہ میں اس تشدد کے بنیادی نظریے کا ترجمان بن گیا۔ قحطی کے مہر کے بعد مجھے ہندی اشتراکی انقلابی جماعت کا نائوس گردانا گیا۔ جنگ عظیم سے دو سال قبل "ریگرا ایڈیا" میں ۱۹۱۱ء کی کانگریس کے موقع پر جب میری عمر صرف انیس سال کی تھی۔ مجھے "آدتی" اخبار کا نگران مقرر کیا گیا۔ اشتراکی جماعت کا صرف ہی روزنامہ تھا جو "میلان" سے شائع ہوا کرتا تھا۔

## والد کی وفات

اس نئی ذمہ داری کو نبھانے کے لئے میں میلان کو چھوڑ کر میرے والد کا ستاون برس کی عمر میں انتقال ہو گیا۔ اس کے زمانہ کے بہترین سیاستمداروں سے قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے۔ وہ غریب ہو کر مر گیا۔ میرا یقین ہے کہ اس کی زندگی کی آخری غائبی یہ تھی کہ ملنے والی کی نظروں میں اپنے بیٹے کی طرح قدر و قیمت دیکھے۔

میرے والد کی وفات نے ہماری خاندانی جمیعت کا خاتمہ کر دیا۔ میلان میں "آدتی" کو نبھانے ہی میں اہم سیاسیات میں حصہ لینے لگا۔ میرا بھائی آزاد و منصف تسلیم حاصل کر رہا تھا اور وہیں اندوایلی کو ایک بہترین شہر مل گیا۔ اگرچہ ہم منتشر تھے مگر ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات موجود تھے۔

میں نے عامۃً انسان یا کسی فرد کی کبھی مدح و ستائش نہیں کی۔ میں ہمیشہ فتوحات "قربانی، محنت اور خون کی تھریکا کرتا۔ میں نہایت اعلیٰ کے ساتھ گھر پر زندگی بسر کر رہا تھا۔ میری بیوی راتیں "مصلحت اور ملحقہ شہادت خاتون" تھی جس نے میری زندگی کے تمام دولت میں نہایت ہی استقامت اور اطاعت سے میرا ساتھ دیا۔ میری بیوی "ایڈا" ہمارے لئے سرت کا سامان تھی۔ جس کی چیز کی طرح نہیں تھا۔ جنگ عظیم سے قبل کے یہ سال سیاسی چیمبروں سے سرور تھے۔ انقلاب نہایت شکل میں تھا۔ حوام کے لئے بہت سے مصائب کا سامنا تھا۔ طرح پر تائیائی کی فتح پر توقع سے زیادہ جانی اور مالی نقصان ہوا۔ گیمو میٹھی کی ایک وزارت کے دوران میں ۲۲ قتلوات ہوئے تھے اس پر غور یہ کہ ہماری سیاسی جاتوں میں بھی اندازہ حاصل کرنے کے لئے محنت متاں جاری تھا۔

میرا اس وقت بھی یہی خیال تھا اور اب بھی یہی ہے کہ ایک مشترک نوعی قربانی ہی سے اعلیٰ قوم میں اتحاد و یک جہتی پیدا ہو سکتی ہے۔ باخیزاں سی۔ شرح ہفتہ۔ ایک ہفتاد نہیں تھی بلکہ ایک غیر منظم تحریک تھی جس کا نہ کوئی رہنما تھا اور نہ کوئی لائحہ عمل۔

## ایک کتاب، ایک استاد

مجھے کتب کے مفروضہ اثر پر کچھ یقین نہیں اور نہ مجھے اس بات کا یقین ہے کہ عظیم المرتبت شخصیتوں کی زندگی یا نفسیات کا مگر مطالعہ کوئی اثر کر سکتا ہے۔

میں نے صرف ایک ہی عظیم اُستاد کتاب کا مطالعہ کیا ہے۔

اور میرا صرف ایک ہی رفیع اُستاد رہا ہے۔

وہ کتاب میری اپنی زندگی ہے اور وہ استاد میرا روزمرہ کا تجربہ ہے۔

بعض اسباب یہ جاننے کے بہت شائق نظر آتے ہیں کہ میں کن کن علوم پر حاوی ہوں۔ انہیں معلوم ہو جانا چاہئے کہ میں نے کبھی اپنے نام یا دل کو کسی خاص مدرسے سے منسوب نہیں کیا اور عیاں کہ میں پہلے کچھ چکا ہوں۔ میں کتابوں کو زندگی کا مہم اور درست زاویہ تصور نہیں کرتا۔

میں نے قدیم و جدید اعلیٰ مصنفین، مفکرین، سیاستدانوں اور بہرین فنون لطیفہ کا مطالعہ کیا ہے۔ میں نے ہمیشہ اپنے ملک کی فکر اچھائے علوم کے مختلف پہلوؤں کا مطالعہ نہایت دلچسپی سے کیا ہے۔ انیسویں صدی کے فنی اور ذہنی تضاد، کلاسزم اور رومانیت اور ان کے تقابل میں میرے لئے کافی جاذبیت رہی۔

میں نے اطالیہ کے نابیکی روز جسے رازر مجینو کہتے ہیں کی اخلاقی اور سیاسی اہمیت کا مطالعہ کیا ہے۔ میں نے مشرق سے لے کر آج تک اپنے ملک کی ذہنی ترقیوں کا جائزہ نہایت اہتمام سے کیا ہے۔ غیر ملکی مصنفین میں سے میں نے جرمن مفکرین کا بہت مطالعہ کیا ہے۔ مجھے فرانسیسی مصنفین بھی پسند آئے۔ گستاویسوں کی کتاب روح الاجتماع مجھے سب سے زیادہ پسند آئی۔ لیکن جو کہ میں نے پڑھا ہے یا پڑھ رہا ہوں وہ صرف ایک نقشہ ہے جو میری آنکھوں کے سامنے کھلا پڑا ہے۔

مگر وہ مجھ میں کسی قسم کا انقلاب پیدا کرنے سے قاصر ہے۔ میں ایک جیسا کہ اعلیٰ ہوں اور لاطینیت کا دلدادہ۔

جرمن ایٹلو ساکسن۔ سلاویک اور تمام دنیا کی تاریخ کے ناقدانہ مطالعہ سے میں ان نتائج پر پہنچا ہوں۔ میں نے دوسرے بڑے مفکرین کی تاریخ کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔

امریکی قوم کی عملی تعمیری زندگی نے مجھ پر بہت اثر کیا ہے۔ امریکی قوم صحیح راستے پر کام کرنے والی دانشمند قوم ہے۔ یہ قوم اقتصادی لحاظ سے باہر ہے جو نئے نئے علوم و فنون ایجاد کر رہی ہے۔ ہر قوم کے اودار بننا کرتے ہیں اور رہا ہوتا ہے کہ یہ سنہری دور ہے ان کے بھاننا اور متخاصم مطالعہ نہ صرف امریکہ کے لئے بلکہ تمام دنیا کے مفکر کے لئے ضروری ہے۔

## جنگ کے میدان میں

میں اس باب میں جنگ کے حالات اور اپنے تجربات و تاثرات بیان کروں گا۔  
 یہ خیال حماقت پر مبنی ہے کہ یہ جنگ دنیا میں پہلی جنگ تھی اور یہ ایک بالکل نیا تجربہ ہے۔ جنگ عظیم ۱۹۱۴ء کے اقتصاد  
 و اخلاق اس کے دو میں یکا یک شروع ہو گئی تھی۔ رجائیت پسند اشتراکی اور جمہوریت پسند حضرات آج تک یہ یقینی کرتے آئے  
 ہیں کہ یہ جنگ بربریت کی طرف اپنا چمک روج کی بنا پر تھی۔ حالانکہ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ یہ امر فراموش نہیں کیا جاسکتا کہ دوسرے  
 مسئلہ ۱۹۱۵ء میں جاپان کے ساتھ ایک طویل، خطرناک اور خونخوار جنگ لڑی تھی۔ ۱۹۱۱ء میں جنگ طرابلس پڑی۔ ۱۹۱۲ء میں  
 ۱۹۱۴ء کی بقیانی جنگوں سے تمام یورپ کی نگاہیں متواہب اقوام کے انجام پر لگ گئی تھیں۔ یہ امر واقعہ ہے کہ تمام یورپ میں جنگی  
 جذبات پیدا ہو چکے تھے۔ اس کے علاوہ آئنا مر جوتھے۔

میں پہلے اپنے مانتے سے کام لیتے ہوئے اپنے تاثرات پیش کروں گا۔ میں اپنی قوت مانتے پر زور دلاؤں گا تاکہ انسانی تاریخ  
 نے اس حد تک انتہائی برحق دور کے علاوہ دوبارہ واقعات کو اپنے اعمال و افکار کے مطابق پیش کر سکو۔  
 آسٹریا ہنگری کے ولی عہد فریڈرک فرانسس فرڈی نڈ اور اس کی اہلیہ کے سر اجود کے مقام پر الم انگریز قتل نے تمام یورپ  
 میں خوف و ہراس پیدا کر دیا۔ یہ یاد رہے کہ اس وقت ایک بین الاقوامی اشتراکی روزنامے کا مدیر تھا۔ اس حادثے سے مختلف اقوام  
 کے جذبات بھڑک اٹھے۔

فرانسس فرڈی نڈ اطالیہ کا دشمن تھا۔ میرا خیال ہے کہ وہ ہمیشہ ہماری قوم کو حادثات کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ قیصر نے ولی عہد کے  
 لڑوہ بچوں کو ہلاک کیا۔ اس سے ہمارے جذبات اب بھی متاثر ہو گئے۔

فرانسیس اور جرمن اشتراکیت کا اجتماع اور پیرس میں ہمارے قاتل ناؤی حیثیت رکھتے تھے۔ میرے نزدیک یہ جنگ عظیم کا  
 اصل محرک تھا۔

یکم اگست ۱۹۱۴ء کو جنگ شروع ہو گئی۔ اطالیہ نے کچھ عرصہ قبل بیانات اتحاد و عداوت کی تجدید کی تھی۔ یہ کسی سیاسی ضابطے  
 کے تحت جاری ہوئے تھے۔ بیانات اس بات کا منظر تھا کہ اگر کسی اتحادی حکومت پر کوئی غیر حکومتی حملہ کرے تو اس اتحادی حکومت  
 عالمی اتحاد کی جائے۔ اطالیہ نے سب سے پہلے جو قوت و حریت کا قدم اٹھایا وہ اس کو تسلیم کرنا تھا۔ اسی دوران میں روس نے سربیا کی  
 حمایت کی۔ یہ فرانس کو دعوت تھی کہ وہ آسٹریا ہنگری کے اتحادی جرمن کے خلاف میدان جنگ میں کود پڑے۔ میں انگلستان کا جواب  
 دے رہا تھا۔ وہ نہایت غور سے اس مسئلہ پر سوچ رہا تھا کہ کیا قدم اٹھائے۔ آخر کار اس نے اپنے انداز، عقائد اور بنی نوع انسان کی  
 خاطر اپنی مضبوطی و شہرہ کی حرکت دی تاکہ جرمنی کے بچے سے قدیم براعظم کو آزاد کرانے۔ مشرقی فرانس پر جرمنی حملے نے اطالیہ میں ایک  
 سسنی پیدا کر دی۔ جرمنی نے نشر و اشاعت کے علاوہ حرم پر اثر انداز ہونا شروع کر دیا جس سے ہماری قوم کے جذبات بھڑک اٹھے۔  
 میں متاثر ہو گیا۔ اس نشر و اشاعت کے لئے ایک چارٹر برائے "پرنس دی بورڈ" بھیجا گیا تھا جو اطالیہ اور روس کے اہم طرح آشنا تھا۔

اس کا مقصد اطالیہ کے غیر جانبدارانہ رویہ کو مفید ظاہر کرنا تھا۔

لیکن ہماری قوم جنگ کی طرحت رجوع کر رہی تھی۔ میں اس کا حامی تھا۔ دانش مند اور اصول پرست مٹھی بھر افراد اس بات پر غور کرنے لگے کہ قیصر جرجی کے سیاسی مقاصد کی اعادہ اطالیہ اور ڈونیا کے مستقبل کے لئے کہاں تک مفید ثابت ہوگی۔ میں نے خود بھی یہی سوال جریدہ "آدنٹی" میں کیا تھا۔ صرف یہی سوال سامنے مار کے ایک جبروت کو اس امر کا قائل کرنے کے لئے کافی تھا کہ ہمارا جنگ میں فرانسیز انگلتان کی اعادہ کرنا ممکن ہے۔ سیاسی اسباب و مل کے علاوہ چند جذباتی وجوہ بھی ہیں مگر رگری تھیں کہ اس جنگ عظیم میں اپنی مشرقی جہ کے متعلق اپنے پرانے رویے پر نظر ثانی کی جائے جو مشرق کی ہماری آسٹریا سے جنگ کی بنا پر جاری تھا۔

میں نے ایک اشتراک اس معنوں کا کھاکہ یہ خیال کتنا محققانہ ہے کہ اشتراکی حکومت کا قیام نسل و رنگ کے قدیم امتیازات اور تاریخی اختلافات کی جگہوں کا اندازہ کر دے گا۔ اشتراکی مجلس اعلیٰ نے میری اس روش کو دیکھتے ہوئے مجھے "آدنٹی" کی نگرانی سے ملیدہ کر دیا۔ مجھے جماعت سے خارج کر دیا گیا۔ میں نے عام اجلاس منعقد کئے۔

میں نے مضامین کا گردہ پیدا کر دیا — فوجیوں کی ایک جماعت جو اطالیہ کو زبردستی جنگ میں شریک کرنا چاہتی تھی لیکن مجھے اس امر کا احساس تھا کہ میں تب تک اپنے خیالات کا اچھی طرح اظہار نہیں کر سکتا، جب تک میرے پاس وہ جدید حربہ یعنی اخبار نہ ہو۔ میں نے گزشتہ سجدہ جد کے اپنے سیاسی رفقہ کو اکٹھا کر کے ایک "حربی مجلس" منعقد کی۔ ذوق یقین کے مالک چند جوشیلے اہل اسبیلان میں "ڈومو" کے میدان کے پاس "پارٹو اکیونو بر" کے تنگ کچر میں مختصر سے کڑوں پر مشتمل ایک بالائے شانہ پیش کر دیا۔ جس کے پاس میں ایک بیچ تھا جس کا مالک نہایت ارزاں نرخ پر ہمارا اخبار شائع کرنے پر رضامند ہو گیا۔

۱۵ دسمبر ۱۹۱۴ء کو "اطالوی جمہور کا پہلا پروجیٹ" ہوا۔ میں اس اخبار کو آج تک اپنا ناز و نعم سے بالا ہوا ہونے کا کہتا ہوں۔ یہ ۱۹۱۴ء میں جاری ہوا اور ۱۹۱۶ء تک میرے یہی پیٹ نام کا کام دیتا رہا۔ "اطالوی جمہور" کے میرے سب سے پہلے مسئلے نے تمام کے ایک وسیع حلقہ کو اس بات کا حامی بنادیا کہ انگلتان اور فرانس کی حمایت میں اطالیہ جنگ میں شامل ہو جائے۔

حک میں جذبات عام کر اُبھارا گیا۔ گیورلی کی مخالفت نے دوری فیصلہ کر دیا۔ جنگ کی حمایت میں مسلمان کے جوش و دھماکا پیدا ہوا اور پچھلے کے متسل جذبات نے ملک منظم و کڑا بینول سوم کو مجبور کر دیا کہ وہ اس وقت کے مذہب منظم گیورلی سے استعفیٰ الہب کر لے۔ بعد ازاں اس نے سلازڈرا کوئی وزارت مرتب کرنے کی دعوت دے۔

نئی وزارت نے جنگ پر آمادگی ظاہر کی۔ اطالوی جنگ ہونے ہی میں نے فوجی حکام کو ایک رضا کار کی حیثیت سے اپنی خدمات پیش کر دیں۔ انھوں نے مجھے رضا کار بھرتی کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ ایک حد تھا۔ خوش قسمتی سے میری باری جلد ہی آگئی۔ اطالیہ کے اطالوی جنگ کے صرف تیس ہی ماہ بعد یکم ستمبر کو برنا گیر میٹھی کے عام فوجی کعددی میں نے پہلی۔ مجھے بارڈی کے علاقہ میں "برسیا" کے مقام پر قواعد کے لئے بھیج دیا گیا۔ یہ جگہ برائی جگہوں سے محفوظ نہیں تھی۔

مجھے فوجی ٹیم کے پہاڑی علاقہ میں میدان جنگ میں بھیج دیا گیا جو میرے لئے خوشی کا باعث تھا۔ چند ماہ تک میں نے پہاڑی خندقوں میں سخت محنت برصطے کئے۔

جے صد دفتر کی متعدد کتب کے لیے منتخب کیا گیا مگر میں نے اس سے بالکل انکار کر دیا اور اس کی بجائے قرآن کی طرز تک  
اس سے حقا اٹھایا اور یہی خواہش داندہ تھی۔ میرے اصرار علی نے میرے متعلق کھا کر منیت مسرتی اتمام حرأت و مردا علی پیش  
لیا پیش را ہے پنا پڑ میری جگہ خدات کی بنا پر جے چند ماہ میں ہی کار پول بنا دیا گیا۔

ہماری پہلی کوہ کار سو جود ملک میں متعدد البیش کی حیثیت سے ہمارے کارروائی کے لیے بھیج دیا گیا۔ جے سپاہیوں  
ہم سے مل کر شامل کر دیا گیا جو دستی ہم اندازی میں ماہر تھے۔ ہم اپنے دشمن سے بھی کوئی بارہ گز کے فاصلے پر تھے۔  
دشمن کی طاقت کو کمزور کرنے کے لئے اطلاع دی گئی اس پر حملے کر دی گئی۔ جو مشکلات کے باوجود ہماری اطلاع میں  
ملی نظم موجود رہا۔ غلط فہمی میں ایس کے میدان میں جو حملہ کیا گیا تھا۔ اسے ہم نے فی الفور پسپا کر دیا۔ کار سو کے فوجی جی میں  
ہم بھی شامل تھے۔ سب کے سب بڑے کار معلوم ہوتے تھے۔

میرے لئے یہ لازمی ہو گیا تھا کہ دتا دتا اخبارات میں اپنے متعلق اطلاعات شائع کرانا ہوں۔ یہ سب کچھ ان افراد کو  
ملوک کی وجہ سے کے لئے تھا جو مجھے کسی جہد کا خواہاں خیال کرتے تھے اور میرے دل میں فتح کے امکان کے متعلق شبہات  
پیدا نہ ہوتے۔ میں سمجھتا تھا کہ ایک لائق ہی مقابلہ پراگیا کرنے کے لئے مضامین بھیجا کرتا۔ فوجی نظم و ضبط کی بنا پر میں نے ایک فوجی  
نام اختیار کر لیا۔ اس طرح جے دو مہینے کو بے پٹے تھے۔ ایک فوجی دشمن کا جو میرے سامنے پڑا وہ اے جے ہرے تھا اور ایک  
اس بڑے دل حریف کا جو میرے عقب میں دھکی کے اگے ہو جاتا تھا۔

۲۲ فروری ۱۹۱۵ء کی صبح کو سکٹر ملک پر دشمنوں کی خندقوں پر بمباری کے دوران ایک ایسا حادثہ پیش آیا جو خندق  
زندگی میں روزمرہ کا واقعہ بن چکا تھا۔ ہمارا اپنا ہی ایک دستی ہم باری خندق میں پھٹ گیا۔ اس میں ہم میں کے قریب فوجی تھیں  
ہم سب پر دھواں اٹھ رہا تھا۔ ہم گئے دھواں اجڑا دے جسم پھٹ گیا۔ چار لوگ ہر گے اور بعض بہت بڑی تلخ جرح کھنے  
جے زرا پائی کے ہسپتال پہنچا گیا جو دشمنوں کی خندقوں سے چند میل کے فاصلے پر تھا۔ اطباء کی استقامت اور قابلیت  
میرے جسم سے کتنی کم کے ۴۴ ٹکڑے نکلنے میں کامیاب ہو گئی۔ گوشت پھٹ گیا تھا۔ ہڈیاں شکستہ ہو چکی تھیں۔ ایک او میں ۲۴  
آپریشن کئے گئے اور ان میں سے صرف دو بے ہوش کی دوائی کی حد سے حل میں لانے گئے۔

چند ماہ کے بعد میں نے اپنے آپ کو سیلان کے ایک جنگی شفا خانے میں پایا۔ اگست میں میں نے عصا کے ہمارے  
چلنا شروع کر دیا۔ میرے اعصاب اتنے کمزور تھے کہ وہ میرے وزن کے تحمل نہیں ہو سکتے تھے۔

میں نے اپنے اخبار میں ایک منظر کی جگہ لے لی۔ نڈی قوت کی ناگفتہ بہ اور ناقابل عقین شکست نے ہم پر نئے دشمن  
عام کر دیے۔ اس پر مستزاد یہ کہ ملک میں گراہ کئی نشر و اشاعت کی جاری تھی اور اس قابل نظیر ذہر آلود تحریک کا نعرہ ایک  
اشتر کی رنگی باربان کا قابل طاقت فقرہ تھا کہ ہم آئندہ سر سے قبل خد میں چھوڑ جائیں گے۔

ان خفیہ قوتوں کا استیصال لازمی تھا جو عوام کے جذبات سے کھیل رہی تھیں۔ یحییٰ پارلیمنٹ صورت حالات اور قابل مذمت  
اشتر کی نشر و اشاعت اجماع تک تباہ کئی حالات کے لئے میدان صاف کر دی تھیں۔ مجھے اس پر تازہ ہے کہ اس سال کے مابک

ایام میں میرے اخبار نے ملک کی سیاسی زندگی کو اعلیٰ بنا دیا۔ میں نے اخیر دم تک متبادلہ کرنے کی عملی تحریک شروع کر دی اور پرنس پیرامیں مرکزی حکومت سے ان اشخاص کے خلاف شدید کارروائی کرنے کا مطالبہ کیا جو جنگ سے کترانے تھے۔ میں نے ایک لاکھ لاکھ فوج کی تنظیم کا اعلان کیا۔ اشتراکی جوائنٹ کی ضلعی پراسرار کیا۔ یہ تحریک آہستہ آہستہ اخبار میں پھر اعلان عام اور میدان جنگ کے اجتماعات میں بڑھتی گئی۔

۱۹۱۷ء میں پایا داکے مقام پر ہم ایک جانباً فوج کے ساتھ مستعد کھڑے تھے دشمن کا بہت نقصان ہوا۔ ایک لاکھ کے قریب ہنگروی پایا داکے میدان میں مارے گئے۔ اس سے بوڑا پسٹ میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔

موسم سرما گزر گیا اور اکتوبر ۱۹۱۷ء میں ہماری اعلیٰ کمان نے اکاون اعلیٰ ڈویژنوں کے ساتھ آسٹریا کی سرحد پر آخری اور فیصلہ کن جھڑپ کا تہیہ کر دیا۔ آسٹریا ہنگری کی بڑی فوج کو شکست ہو گئی۔ اس کی بھری طاقت کو نقصان عظیم پہنچا۔ ہم نے ٹریسٹی قبضہ کر لیا اور ٹریسٹ حاصل کر لیا (ان دونوں مقامات پر آسٹریا ہنگری کا ناجائز قبضہ تھا)

اطالیہ پر فاتحانہ غزوات اطمینان کی کیفیت طاری تھی۔ جنگ نے ہماری توقع سے زیادہ طویل کھینچا تھا۔ ہماری دولت میں کمی پیدا کر دی تھی اور ہمارا مستقبل کمزور کر دیا تھا۔ تاہم فتح نے ہمارے غلبہ و جذبات کو سرد گرم رکھا۔ جنگ نے اپنے ناگزیر صدمات کے علاوہ ہماری زندگی میں شہریت کا عین جذبہ پیدا کر دیا تھا۔ کوئی شخص مجھ سے زیادہ اس کو محسوس نہ کرتا تھا اور نہ کسی شخص نے مجھ سے زیادہ اس میں حسرت کیا تھا۔

## آخری چٹکاریاں

جنگ کا شدہ روشن ہوا اور بجھ گیا!

لیکن جنگ کے بعد کے ۱۹۱۹ء اور ۱۹۲۰ء کے سال بھر اعلیٰ زندگی کے پُرچہ و تار یک ایام دکھائی دیتے تھے۔ اکتوبر ۱۹۱۸ء کی نمایاں کامیابی کے بعد ہم فوجی اور بحری بیرون کش خواب دیکھا کرتے تھے کہ ہم ملک میں اتحاد و یک جہتی کی خوبصورت عمارت تعمیر کریں گے مگر اب یہ خواب خرمندہ تعبیر ہوتا دکھائی نہیں دیتا تھا۔

اگرچہ اشتراکیوں کو دوران جنگ میں ذرا دبا دیا گیا تھا مگر ابھی تک جیتا جا ستارہ کی سیاسی جی خشک نہیں ہوئی تھی کہ انھوں نے جنوری ۱۹۱۹ء میں باخیا نہ سرگرمیاں شروع کر دیں۔ ہر جماعت کے دل کی گرائیوں میں مخرب کا جذبہ سرائت کر گیا تھا۔ کمزوری کے اس طوفان کو روکنے میں مرکزی حکومت یقیناً ناکام رہی تھی۔

۲۲ مارچ ۱۹۱۹ء کو میں نے میلان کے مقام پر اعلیٰ منطائی جنگی لائحہ عمل کے اساسی اصولوں کی بنیاد رکھی۔ اعلیٰ جنگی منطائیں کا پہلا جلسہ میلان کے مقام پر ہوا کہ "ایس سپیریور" چوک میں ایک ہال کے اندر منعقد ہوا۔ دونوں کے بحث و مباحثہ کے بعد صرف چوتن افراد نے ہمارے لائحہ عمل پر دستخط کئے اور ہماری تحریک کے اساسی اصولوں پر پابند ہونے کا حلف اٹھایا۔ صحن حضرات ایسے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ وہ منطائی مفاد نہیں سمجھتے اور چند اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ منطائیت بغیر کسی



کی کوششیں خود بخود ہی پیاہٹ گئی ہیں۔ مجھے اس وقت اس امر کا کھل احساس تھا کہ جدید ٹیکنیک کا ایک غیر ہم فرسودہ ڈھنگ لا رہا ہے۔  
 کرنا چاہیے اس لئے میں نے قومی تہذیب و تربیت کی سب سے پہلی پیادہ  
 ان فرزندِ آبِ اطالیہ کی خدمت میں جو وطن کی محنت کی خاطر افسانہ آلودی عالم کے لئے شہید ہوئے۔ ان سب کی خدمت میں  
 ۲۳ مارچ کا یہ اجتماع اپنی دلی عقیدت و تعظیم کا ہم ہمیشہ کرتا رہے۔  
 دوسرے اعلان کے ذریعہ سے جلی فضا میں کو یہ صفت دلایا گیا کہ وہ ہر اس غیر ملکی ملکیت کا مقابلہ کریں گے جو اطالیہ کے  
 کے لئے خطرناک ثابت ہو رہی ہو۔

تیسری تجویز میں مستقبل کے نئے انتخابات کے متعلق کہا گیا۔ سب سے آخر میں ہم نے تنظیم کا اعلان کیا۔ یہ خیال میرے لئے دلچسپی  
 کا موجب ہے کہ یہ جلسہ مخالفین کی نظروں سے بچا رہا۔  
 اطالوی معادلات اور عمل کے لئے اطالویوں کوئی شخص بھی اتنا نقصان دہ ثابت نہیں ہوا تھا جتنا کہ نئی۔ جو اب برسرِ اقتدار  
 آیا تھا۔ مستقبل کے اطالوی جمہوریہ کی صدارت کے خواب دیکھ رہا تھا۔  
 جون ۱۹۱۹ء میں جرمنی کے ساتھ میثاقِ صلح کو دوسیلہ کے مقام پر مکمل کیا گیا۔ اس واقعہ سے یورپ کے بھیاںک خواب کا  
 خاتمہ ہو گیا۔

۱۹ نومبر کے انتخابات ہو گئے اور نظائرِ یوں کو شکست ہوئی۔ ہمارے ابتدائے باب بہت بڑھ چکے تھے۔ حوام کے قلوب کی تڑپ  
 میں ایک انسان کا باطل تخیل پرورش پا رہا تھا۔ اس کے دلوں میں باشریت کی آمد کی بھیاںک امید مرقع تھی۔

غیرت کی خیانت میں اشتراکِ امالیکیں پارلیامانی کا ایک وفد پری پورا۔ میلان کے گورنر کے دفتر میں میری اور منٹانی اکا  
 کی گرفتاری کا مطالبہ کر گیا۔ انتہائی عجیب نے ہماری مجلسِ مرکزیہ توڑ دی۔ ہم میں سے اکثر گرفتار کر لئے گئے اور کئی دیگر جنسیں دھکیلاں دی  
 گئی تھیں وہ غائب ہو گئے۔ دندہ دندہ سکوی قائم ہو گیا اور میں نے "اطالوی جمہوریت" کے ذریعہ سے اپنے مقصد کی دوبارہ نشر و اشاعت  
 شروع کر دی اور اپنی تنظیم دوبارہ قائم کرنے کی کوشش کی۔ مشکلات اور دوائی کی لایا بی کی ذرہ برابر پروا نہ کرتے ہوئے میں اپنے انجاء کو  
 زندہ رکھنے میں کامیاب ہو گیا۔ طریت کے سولے سولے اقدیر کا ٹکڑا ٹکڑا رہے تھے۔ میں انجاء کو بچ سکا تھا لیکن میں اسے چھوڑا۔ یہ بات  
 خطاطی کے ماسخ اور خدائے کے مقابلے سے قاصر رہا۔

انتخابات کے دوسرے ہی روز بچے میلان کے صدر ڈاک خانے میں ڈاک کے قوانین کے مطابق ایکسپریٹ آرڈر وصول کرنے  
 کے لئے جانا پڑا۔ باشریت کلرک نے ایک دریاں طرے کے ساتھ کہا کہ میں اپنی واقعیت کا ڈن کیونکہ کسی سرکاری کو نہیں جانتا۔ اس  
 بحث کو ڈاک خانے کے ایک روزے کلرک نے بڑھنے سے روک دیا۔ اُس نے کہا: یہ سنی آرڈر لوگوں کو دے دے۔ اسی وقت ہی سولہ ایک ایسٹام  
 کا مالک ہے جس سے نہ صرف ہم واقف ہیں بلکہ ایک دی تمام دنیا اسے جانتی ہوگی اور اس کی صحیح تصدیق ضرورت معلوم کی گئی۔

فرسودہ نظامِ جمہوریت کی جان کنی اشتراکِ فخر کے خلاف اب خاندانہ آئندہ ظاہر رہے تھے۔ اشتراکِ یوں کی اکثریت تھی

وہ حکومت کے لئے مسلسل پریشانی کا باعث تھے۔ فسطائی لائیکر علی برہمن کی فٹاک کے مطابق تھا۔ ہم نے مزدوروں اور ملازمین کی ان تمام جماعتوں کو برقی ہدیہ تہنیت بھیجا جو ان تمام سیاسی جماعتوں کی قیادت کے آگے تسلیم غم کرنے پر تیار نہیں تھے جو عوام کو غریب و مفلک کر کے اور انہیں دفاع سے کراہی تھوڑا ہیں اور مدح و ستائش حاصل کرنے کے لئے کوشاں تھے۔

(مختلف مقامات پر جلسے منعقد کرنے سے فسطائیت کو فروغ ہوا) جلسے صلح، اتحاد اور عدائے کی پیش کش کی گئی۔ میں نے ہر قسم کے عدنانوں کو ٹھکرا دیا اور اس خیال کو کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی تسلیم نہ کیا کہ ان اشخاص کے ساتھ صلح کی جائے۔ جنہوں نے اٹالیہ کو دوران جنگ میں ٹھکرا دیا تھا اور اب اس اسی کے زمانہ میں غداری کر رہے تھے۔ اکثر حضرات مجھے نہ سمجھ سکے۔ یہاں تک کہ وہ بھی جو میرے قریب تھے۔ میرے اخبار "اطالوی جمہور" کے "مدیریوں نے علیحدگی کی درخواست دے دی۔" انہوں نے مجھ پر یہ الزام لگایا کہ اطالوی جمہور کے ذریعہ جو چند فیوم کے مصیبت زدگان کے لئے اکٹھا کیا گیا تھا۔ اسے میں نے اپنی انتخابی جنگ میں خرچ کیا ہے۔ اسی اشارہ میں اس واقعہ کی بنا پر اشتراکینیں اور پارٹیوں کی ہر دلعزیز جماعت نے میرے خلاف انتہائی غیظ و غضب ظاہر کیا۔ میری زندگی کی پچان میں کے لئے جاسوس بھیجے گئے۔ سپاہیوں اور فوجیوں کو رشوت دی گئی۔ مگر وہ کچھ بھی نہ کر سکے۔ تحقیقات کے طول و عرض اور نتیجہ و فراہم میں میرے خلاف کچھ بھی برآمد نہ ہو سکا۔ میں نے اپنے اخبار میں دستاویزات اور تصدیقات شائع کیں جنہیں کبھی بھی تو جھٹلایا نہیں جاسکتا۔

مجھے اس امر پر ناز ہے کہ کچھ پر کسی قسم کا شبہ نہیں کیا جاتا۔ یہاں تک کہ میں خود بھی اپنے پر شبہ نہیں کرتا۔ اور میری اندرونی اخلاقی قوت ناقابلِ تسخیر ہے۔

فسطائیت بڑی اور وسیع کے کمر اور بحر بکراں اور تاریک تھیں کے درمیان جدوجہد میں مصروف تھی۔ نئی کی حکومت کا میں نشانہ بنا ہوا تھا۔ اس نے میرے پیچھے اپنے شکاری کتے چھوڑ دئے تھے۔ اشتراکینیں جو میری اخلاقی و سیاسی قوت سے آگاہ تھے۔ میرے خلاف انتہائی جذبات رکھتے تھے اور مجھے جلادیں کرنا چاہتے تھے۔ جن دنوں نیلوان نے اصولِ آزاد کے رحم پر تھا۔ میں نے ایک شام کے وقت لبارڈی کے دارالافتادہ کے صدر میں ڈی ڈو کے چوک کے قہوہ خانہ میں اپنے آپ کو تنہا گھرا ہوا پایا۔ جب کہ میں جائے بی رہا تھا ایک صدر کے قریب اشتراکی خند سے قہوہ خانہ پر چڑھ آئے اور گالیاں اور مختلف شرور کر دیں۔ مجھے پہچان دیا گیا تھا۔ جھوم بڑھا اور شعل بڑھا چلا گیا۔ اس لئے قہوہ خانہ کا مالک اور خرابی خاتون جلدی سے جا کر دروازے بند کر آئے اس خاتون نے ان بدامنی کے دنوں کے دوران کے مطابق مجھے باہر نکل جانے کو کہا۔ کیونکہ میں ان کے مفاد کے لیے مزدور میں ثابت ہو رہا تھا۔ میں نے اسے دوبارہ یہ کہنے کا موقع ہی نہ دیا۔ میں نے رہنمایان کی طرف دیکھ کر کہا: "آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟ مجھ کو بیٹا بہت خوب۔ آئیے! لیکن اپنی مخالفت کا خیال نہ کریجئے۔ کیونکہ آپ کے ہاتھوں میری بے عتقی، اسباب کے ایک ایک گھونٹنے کے لئے آپ کو گراں معاوضہ دینا پڑے گا۔ وہ واپس پلے گئے اور کچھ ناسلے پر جا کر تفری مریجیاں دینے لگے۔

مجھے احساس تھا کہ ہر انسان المیات کی ایک جھلک دیکھ سکتا ہے جو کسی انقلاب کا پیش خیمہ تھے۔ کون سا انقلاب؟ میں نے میلان میں فسطائی تحریک کے دفتر دار زعماد، پروادی، بالائی اٹالیہ، نقابات اور دیہات کے عناصر کو طلب کیا۔

میں نے انہیں بھیجا کہ انہاری نشر و اشاعت یا شاہوں سے ہم کوئی نمایاں فتح حاصل نہیں کر سکتے۔ یہ فکری فتاکہ قشتہ دشمنی کو مذمہ گاہ قشتہ ہی میں شکست دی جائے۔

## چغتستان فسطائیبت

ہمارے ملک میں کوئی بھی معتد جہالت موجود نہیں تھی۔ اعتدال پسند جماعتیں سب کچھ اشتراکیوں کے سپرد کر دیا تھا۔ (۱۹۲۱ء میں) قشتہ کا ہم ضرورت قبل ازین تسلیم کی جا چکی تھی۔ میں نے اپنی عقل سے کام لیتے ہوئے جنگی ماسوں اور دستوں کو جس طرح ترتیب دی وہ اب پائیدگی کیلئے کوشش کی جاتی تھی۔ انھوں نے منظم کا قدم اٹھایا اور جارجاز کا ردوائی شروع کر دی۔ عملی جتنوں نے شہر کے محلات میں کڑی شہر شروع کر دی جہاں پر اشتراکیوں اور اشتراکیوں کا قبضہ تھا۔ فسطائین کے فیصلہ کن اقدام نے علی اس کے مخالفین کو ان کے گھروں سے نکال کر اڑنے پر مجبور کر دیا۔ مجھے بہت زیادہ کام کرنا پڑا۔ اطالوی جہوز کا انتظام میرے ذمہ تھا۔ امدادیں برص کھڑے میکانیکل قومی سیاست سے بیدار اٹھانے کے ہر اہم مقام کو سیاسی درس دیتا۔

جس دن دیا میں قتل و غارت گری بڑی ساس دن انارکھوں نے ایک شخص ماسی نامی مجھے قتل کرنے کے لئے میکانیکل بھیجا۔ وہ میرے مکان پر آیا، گھنٹی بجائی اور دیدہ ویری سے نیچے پرچھ گیا۔ میری بی بی اچانک سے دروازہ کھولا۔ اس نامعلوم آدمی نے میرے متعلق پوچھا۔ اُسے اطالوی جہوز کے ذخیرے میں بھیجا گیا کہ وہ نیچے جا کر فوجیوں کو پالٹ کے چوستے پر میرا انتظار کرنے لگا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ پہلے تیز قدموں سے امداد پر آہستہ آہستہ میری طرف بڑھا۔ وہ لڑہ بڑا نام تھا۔ اُس نے مجھ سے شکستہ آواز میں پوچھا کہ آیا میں ہی پروفیسر سرسینی ہوں جب میں نے اثبات میں سر ہلایا تو اس نے کہا کہ وہ مجھ سے گفتگو کرنا چاہتا ہے۔ اس کا انداز اتنا عجیب و غریب تھا کہ میں نے اسے اپنا مذاہن بڑی خوشی سے مکمل طور پر بیان کرنے کو کہا۔

کچھ پس و پیش کے بعد اس نے مجھے بتایا کہ وہ فسطائی سے اس امر کے لئے بذریعہ قرضہ اندازی منتخب ہوا ہے کہ برٹیا کے ہسپتال سے مجھے نایت بے ملے کی ساتھ قتل کر دے۔ اُف! اکثر میرے جواز کا امداد کر رہے تھے۔

سیاسی افق پر فسطائی ستارہ طلوع ہو چکا تھا۔ اس امر کے زیراثر اس وقت کے صدر کوئل نے پارلیمانی رائے شماری سے جہالت کی قوت کا اندازہ کرنا مناسب سمجھا اور اس میں انتخاب کا اعلان کر دیا۔ نومبر ۱۹۱۹ء میں میں چار ہزار سے زائد رائے حاصل کر سکا تھا۔ محرم ۱۹۱۹ء میں میری رائے سب سے زیادہ مین ایک لاکھ اسی ہزار تھیں۔ اطالوی ایوان میں میرے منتخب ہونے پر میرے احباب رخصانہ مبارک میں زندگی بخش سرت دوز گئی۔

## فاتحانہ اقدام

اطالوی سکون کے بلکے سترخانے ہماری کڑی دیریاں داغ کر دیں۔ سرمایہ داری کی مخالفت جماعتوں میں جنگ شروع ہوئی جس سے سترخانہ احوال طبقہ میں حسد و ناہنجاری کی پیدا ہو گئی۔ لیکن اگر تو اس اپنے ماہرین دیانت کی آنکھوں سے ہماری مالی بد حالی کا مطالعہ

کو رہی تھیں۔

اطالیہ اپنے کمزور مادی و دیہاتی بکوں 'حد سے زیادہ قابلِ تفریق قناعت اور فیاضی کے ساتھ صرف ایسے خادم کی حیثیت اختیار کر چکا تھا جو قریہ اٹھائے ہیں الا قوامی کانفرنسوں میں دوسروں کے منہ پونچھنے پر متبعین جو۔ لیکن منطائیت کی مضبوط مشینری قبل ازیں حرکت میں آچکی تھی۔ کوئی بھی شخص اس کی ترقی کو روک نہیں سکتا تھا کیونکہ یہ لاوی حکومت کے قیام کے مقصد و حید کی خاطر سرگرم عمل تھی۔

انھیں ایام میں منطائیت کو علیحدہ رکھنے کے لئے چند کوششیں کی گئیں۔ میں نے انھیں قلم کی چند حرکات اور انضباطی کاندوائیوں سے ناکام کر دیا۔

۱۹ جولائی ۱۹۱۹ء کو میں نے پارلیمنٹ میں ایک تقریر کی جس میں یہ اعلان کر دیا کہ منطائی جماعت حکومت سے اپنا اتحاد منقطع کرتی ہے۔ میں نے اشتراکین کی دوڑیوں کو ظاہر کر دیا کہ وہ کس طرح نا جائز فائدہ اٹھانے کے لئے حکومت سے تعاون کرنا چاہتے ہیں۔ اسی دن کئی وزارت کو شکست ہوئی اور فوراً ہی اس کے جانشین کی تلاش شروع ہو گئی مگر اندیش حالات کی بجائے ہی وزارت کی ذمہ داری اٹھانے کو تیار نہ تھا۔

دست چپ کی تمام جماعتوں نے اطالیہ میں ایک عام اشتراک کر دی۔ یہ اشتراک منطائیت کے خلاف ایک طرح کا مظاہر تھا۔ ان مخالف منطائیت کی اشتعال انگیزوں کے جواب میں میں نے اطالوی نفل و حرکت کا دوبارہ حکم دے دیا۔ میلان کے منطائین نے "آؤ نئی" کے دفاع پر حملہ کر کے انھیں جلا دیا۔ جنس مخالفین کی جانے بیاہ خیال کیا جاتا تھا۔ خد کی لاریوں پر قبضہ کر لیا گیا اور اشتراک کے اعلان کے باوجود انھوں نے خدمت عامہ کا کام زیادہ تندہی کے ساتھ شروع کر دیا۔

مجھے خبر دیا جا رہا تھا کہ وزارت میں ایک عہدہ سے لوں مگر یہ کتنا افسانہ خیال تھا۔ نظرتا مجھے اس اتحادی وزارت سے علیحدہ رہنا چاہئے تھا تاکہ میں وزارت پر بھی طرح کتہ چینی کر سکوں۔ میں نے اپنے اخبار کے مقالوں میں حقیقت پر مبنی واقعات کی تکذیب کرنے والوں کا ذکر کرتے ہوئے کھانا منطائیت کا شروع مسیح کی طرح یہ پہلا دور ہے اور منتریب ہی سینٹ پال والا دور بھی شروع ہونے والا ہے۔

میرا اخبار اطالوی جمہور اگرچہ اختیار اور مخالفین کے لئے کسی قسم کی کشش کا باعث نہ تھا مگر اب وہ روما کی طرف روانگی کے لئے روحانی اور مادی تیاریوں کا مرکز بن گیا۔

میں نے "منطائی مجلسِ ملی"۔ بجلی جماعت — کا اجلاس طلب کیا اور ہم متفقہ طور پر ایک لائحہ عمل مرتب کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ جس کے مطابق سیاہ پتروں کو روما کی طرف ہسنے والی مقدس سڑکوں پر نہایت کامیابی کے ساتھ گامزن ہونا تھا۔

## فتح روما

اب ہم غیر فانی شہر کی طرف تیار بنی لینا کرنے والے تھے۔

جو نئی مصلحتی حق و حرکت اور جد کا فیصلہ کیا گیا، عمل کارروائی شروع کر دی گئی۔ مارشل لا اور مضبوطی کے شدید تقاضوں اور ان کے علاوہ حرام پر بھی نافذ کئے گئے۔

بارکون اور ڈاک ناؤں پر مصلحتی محوں کے تجربہ کے بعد پر دو دن طرف سے گولیوں کی بارش ہوئی۔ اس نے شہر میں خانہ جنگی کا کریمہ منظر پیش کیا۔ میں نے اپنے اخبار کے دفاتر میں ہر قسم کے مداخلتہ نہایت قیام کر لئے تھے۔ میں جانتا تھا کہ حکومت اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنے کے لیے سب سے پہلا تشدد محرطہ اعلیٰ کو ہی جھڑکے دفتر پر کرے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

گولیاں میرے کان کے پاس سے سن سن کر تھیں گزری تھیں۔ شاہی دستے کے میرے آخر کار صلح کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ منقرضی ابتدائی بات چیت کے بعد بیٹے پایا کہ شاہی دستہ دوسروں میں پرے ہٹ جائے۔ اس عارضی معاہدہ کے ساتھ ہم ایک بار کا آغاز ہوا۔ ایوان زیریں اور ایوان اعلیٰ کے اراکین اکٹھے ہو کر رات کے وقت "اعلای جمہور" کے دفتر میں میرے پاس اس جگہ کو ختم کر دینے کے لئے آئے۔

میں نے ان پارلیمانی شخصیتوں کی طرف متعین نگاہوں سے دیکھا اور انہیں مندرجہ ذیل الفاظ میں جواب دیا:

"بندہ پرورد! کسی جزدی یا فنی انقلاب کا سوال نہیں اور نہ ایک وزارت کی جگہ دوسری وزارت مرتب ہونے کا سوال ہے۔ اعلان جنگ ہو چکا ہے۔ میں اپنے ملک کی مداخلت کو برقرار رکھوں گا۔ کسی قسم کی صلح نہیں ہو سکتی۔"

۲۹ مئی کو روم سے کوئٹہ میں میرے ساتھ ٹیلیفون پر ایک نہایت اہم گفتگو کی۔ ملک معظم کے ایڈیٹر ملک بھڑلہ نے مجھ سے درخواست کی تھی کہ میں براہ برہانی و ماآئل کی طرح بادشاہ نے صورت حال کا اندازہ آنے سے پہلے ہی سے وزارت تہ تکنے کی غائبی خبر کی تھی۔ اگرچہ یہ فتح نہیں تھی مگر ایک اہم ترقی تھی۔ میں نے "پیر و گیا" کے مرکز اور میلان کے مختلف سیاہ پوش رہنماؤں سے براہ راست تبادلات کیا۔ میں نے حکمنامے کی خبر کو "اعلای جمہور" کی ایک غیر معمولی اشاعت کے ذریعہ منتشر کیا۔

۳۱ اکتوبر ۱۹۴۷ء کی رات کو میں نے "اعلای جمہور" کی تحریکی ترک کر دی اور اپنے اس خبر پیشہ اخبار کو اپنے بھائی آرٹھوڈکس سپروڈ کر دیا۔

بعض جوشیے حضرات کا خیال تھا کہ میں بادشاہ سے ملاقات کے لیے روم ایک امپیشل ٹری میں جاؤں۔ میں نے ان سے کہا یہ سچے نام کاڑھی ہی کا ایک ڈبہ کافی ہے۔ انجن اور کوئٹے فضول ضائع نہیں کرنے چاہئیں۔ اس سفر کے دوران دونوں کے معمولی واقعات قابل ذکر نہیں ہیں۔

چند چند وجوہات کی بنا پر میں صرف اتنا کہوں گا کہ یہ ملاقات محبت کے جذبات سے معمور تھی۔ میں اپنا اسباب سولانے ہوئی میں اٹھا لایا اور کام شروع کر دیا۔

ہمارے کام کا جائزہ لینے کے بعد میں نے قومی اسمبلیوں پر وزارت کرنے کا فیصلہ کیا اور اس وقت یہ محسوس کر لیا تھا کہ مستقبل میں میرے وزارت کو پاک و صاف کرنا ضروری ہو جائے گا۔ مگر میں اس بات کو ترجیح دیتا تھا کہ یہ چیز خود بخود آئینہ اثرات کے ماتحت وقوع پذیر ہو جائے۔ لیکن یہ امری مریض تھا کہ میں نے پرانی اعلیٰ جماعتوں اور سیاسیوں کو دعوت دی۔

مقدمات و زرائع میں اور حکومت کے مستحقین یا قوت میں پندرہ فسطائی، تین قوم پرست، تین اعتدال پسند جماعت راست کے امالیکیں، اچھے مرد معزز (خدا ہی جماعت) اور تین جمہوریت پسند اشتراکی تھے۔

## بیخالیہ دور حکومت

میں نے اپنی تمام تر توجہ مکمل طور پر تعمیری کاموں کی طرف منطقت کرادی۔ آج بھی میرے اس طرز عمل میں کوئی تبدیلی نہیں ہیں۔ ہر قسم کی تفریبات ترک کر دی ہیں۔ صرف کھیل اس امر سے مستثنیٰ ہیں جو میرے قومی اجماعی کو پھر تیز اور مستعد بنا دیتے ہیں اور پھر یہ عمدہ زندگی میں کچھ تفریح طبع کا سامان بہم پہنچا دیتے ہیں۔ میں ہر قسم کے کھیلوں کو پسند کرتا ہوں اور ایک ماہر موڈران ہوں۔ میں نے نہایت تیز رفتاری سے سفر طے کئے ہیں جو صرف میرے احباب کے لئے بلکہ بزرگ کار موڈرانوں کی بھی حیرت کا باعث تھے۔ بننے ہوئی جہاز سے اُس ہے اور لا تعداد مرتبہ میں نے پرواز کی ہے۔ جب میں حکومت کی ذمہ داریوں کے تفکرات میں غوطہ کھاتا ہوں یا بازی کی اجازت حاصل کرنے کے لئے صرف چنداں باقی رہ گئے تھے۔ ایک دفعہ میں پچاس بیٹر کی بندی سے گر پڑا مگر اس نے میری ہوا بازی کے سلسلے کو منقطع نہیں کیا۔ ایک عالی شان سُرخِ مائل عبور سے رنگ کے گھوڑے کی سواری میرے لئے دلچسپ تفریح طبع کا باعث بنتے ہیں موسیقی کے پُرکون لمحات میں مربوط بجایا کرتا ہوں۔ میں بڑے بڑے شعراء مثلاً دانستے اور شہرہ آفاق نلیسوف مثلاً افلاطون کی شاعری اور افکار کا مطالعہ اکثر اوقات کیا کرتا ہوں۔

اس کے علاوہ اور کوئی بھی چیز میرے لیے تفریح طبع کا باعث نہیں ہے۔ میں نہ شراب پیتا ہوں اور نہ ٹیگٹ اور نہ ناش یا جو بے چارے پی لیتا ہوں بلکہ مجھے ان لوگوں کی حالت پر رحم آتا ہے جو تفریح اوقات دزر کرتے ہیں۔

میں لذت اور بیش قیمت کھانوں کا عراج بھی نہیں ہوں اور نہ ان کی ضرورت محسوس کرتا ہوں۔ گزشتہ سالوں سے میرا طعام ایک محتاج کی طرح بالکل سادہ ہوتا ہے۔ زندگی کے ہر لمحہ میں روحانی قوت میری رہنمائی کرتی ہے۔

اس اثنا میں مخالفین فسطائیت کے حملے اور سازشیں جاری رہیں۔ مطلع کمر آؤ تھا۔ اسے معائب کے سلجھانے کا سال اردیا جاسکتا ہے۔ جب پارلیمنٹ نے اہم قانونی سوالات حل کر دیئے تو میں نے ایوان کی برطرفی کا فیصلہ کر لیا اور تمام اختیارات اصل کر کے ۶ اپریل ۱۹۲۳ء کو نئے انتخابات کا اعلان کر دیا۔

۶ اپریل کی راتے شماری کے نتیجے میں قوم پرستوں کو نمایاں موقع اور کل اکثریت حاصل ہو گئی۔

اپریل ۱۹۲۳ء میں جب میں نے "بین الاقوامی اہلکار گھر" کا افتتاح کیا تھا۔ ایک مضبوط الحواس، مزید ذوق، منتحب لڑچاقوں نے میری منزل کے نزدیک اگر مجھ پر گولی چلا دی جو میری ناک کے تختوں میں دھنس گئی۔ صرف ایک سنٹی میٹر کا فرق وہ اٹھا۔ ورنہ یہ فائر طاقت آفریں ثابت ہوتا۔

دوسری سازش جو خطرناک ثابت ہو سکتی تھی ایک نرہی "یوٹی" نامی نے کی۔ وہ آٹھ دن تک روم میں نہایت خطرناک بم پھرتا رہا۔ جب میں چاند چلی جا رہا تھا، تو اس نے میری ناک کو چھان دیا اور اسے دیکھتے ہی مجھ پر بم پھینکا جو کار کے ایک چوڑے

مک کر واپس زمین پر گر گیا اور میرے گلہ جلنے کے بعد بچھ گیا۔

دوسری کوشش رائیگاں گئی۔ اشتعال حد سے زیادہ بڑھ چکا تھا۔ میں بکھتا تھا کہ اب غاصبین کی ان قابلِ نفیر حرکات کے سلسلے کا قیام قیام کر دیا جائے۔

وقت کے مظاہر کی سخت ضرورت تھی۔ میں نے وزارت داخلہ اپنے اختیار میں لے لی اور حکومت کی طرف سے انسدادی قومی بنادے، ایسے قوانین جو کسی منہ توہیت کے بنیادی اصولوں میں سے ہوتے ہیں۔ میں نے ان حالت مطابق کا استعمال کر دیا، جس کا کام صرف اشتعال انگیزی تھا۔

### تجدیدِ نظام

یہ خیال کرنا غور ہے کہ میری زندگی پر سے موجود اور گزشتہ احوال سے علیحدہ کی جاسکتی ہے۔ نظامی حکومت کا قیام اور بھوک کے لمحات کا طوب آفتاب سے مات کی گئیں گہرائیوں تک پہنچا اور پھر نئی صبح کی امید پر نئی منت و منت کے لئے کمر بستہ ہوا۔ یہ سب ایسے اُمید ہیں جو علیحدہ نہیں کئے جاسکتے۔ میں اسی سلسلے میں منسلک ہوں۔ یہ اود میں دوڑوں ایک ہی رشتے میں پروئے ہوئے ہیں۔ دیگر اشخاص شام پر چتر کے شرم میں مدماؤں پہناں پا سکتے ہوں لیکن میں خواہ کچھ ہی ہوں۔ میرے خشن اور منت نے مجھے ایسا بنایا ہے کہ میری آنکھیں کان، نام حواس، جملہ خفیات، تمام وقت اور تمام قرب و دہنی خارجی زندگی کے بھر کے تنے پر کھڑی ہوئی جاسیے۔ میری زندگی کا ترانہ تعمیری ترانہ بن گیا ہے۔ میری زندگی کے مدماؤں اقدامات و حکمت عملی اور حکومت کے مستقبل کے ردماں بن گئے ہیں۔ میرے لئے ان سب میں تشبیل پاشی اور جھلک موجود ہے۔ اسی لئے جب کبھی میں اپنی پھر سالہ قیادت پر نگاہ ڈالتا ہوں تو ہم مسئلہ کا حل میری اور میرے وطن کی زندگی کا ایک باب معلوم ہوتا ہے۔

میں اس امر سے آگاہ تھا کہ میرا غرض و وقار کا جدید جذبہ جو میری وزارت کے ہر عمل میں موجود تھا۔ یہ افول پھیلا دے گا کہ میں بین الاقوامی سیاسی روایات، تعلیم اور رشتوں کو کلیتہً ختم کر دینا چاہتا ہوں۔

کتنی سخت غلطی تھی! ثابتِ تدی کا مطلب میں الاقوامی معاملات میں انقلاب پیدا کرنا نہیں ہوتا۔ ہمارا یہ مطالبہ تھا کہ جاری وسیع اہل مضبوط قوم کے اسکانات کا صحیح اندازہ لگاتے ہوئے اطالیہ کو بہتر درجہ دیا جائے تاکہ ہماری حقیقی حیثیت برقرار ہو جائے۔ میری خارجی حکمت عملی میں الاقوامی اقتصادی حالات کے زیر اثر ہوتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے ۱۹۲۳ء میں اکثر اقوام کے ساتھ سیاسی مصلحتوں کے ماتحت کئی اقتصادی وعدے کئے۔ یہ امر دلچسپ ہے خالی نہیں کہ اسی اور پر سکون بین الاقوامی صفحہ کے لئے ہمارے موافقت اور جاری سماجی کے باوجود مجھے غائب اسی کا جانتا ہے۔

دنیا میں اطالیہ کی پر سکون حیثیت کی دوبارہ تعمیر کئے اور ہمارے اقتصادی مسائل کو سمجھنے کے لئے ہر قسم کے قربانیاتی کا کو کا احتیاطی ترقی دینے کے لئے میں نے مسلسل شبانہ روز نہایت تنہا ہی سے محنت کی ہے۔ لیکن یہ خیال غور ہے کہ میری زندگی اتنی تنہا ہی کہ صرف میں الاقوامی اور اقتصادی مسائل تک محدود رہی۔

حکومت کی اقتصادی اور مالی حالت کو بہتر بنانے کے بعد میں نے انفرادی پیداوار کو بڑھانے کی کوشش کی۔ میں نے قانونی وراثت ایسے اکثر بنیادی حقوق قائم رکھے۔

## فسطائی حکومت اور مستقبل

ہم نصیبت سے بچ نکلے تھے۔

جدید فسطائی تہذیب کی جدتیں اور تجربات تمام دنیا کے لئے دل چسپی کا باعث ہیں اور فسطائیت اب سرکاری جماعت کی حیثیت رکھتی ہے۔

روسی اشتالی یہ خواب دیکھا کرتے ہیں کہ سرمایہ کو دنیا سے یکسر خارج کر دیا جائے مگر ہم نے ایسا نہیں کیا بلکہ ہم اسے پیداوار کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔

میں نے اپنی کوششوں کو صرف اس حد تک محدود نہیں رکھا کہ اطالوی زندگی کو ظاہری زیب و زینت سے آراستہ کروں میں چاہتا تھا کہ اطالوی زندگی کی گہرائیوں تک اثر ڈالوں۔

مدارس کے مجد ارتقائی مدارج کا مطالعہ کر کے میں نے ان کی اذیت خیز تعلیم کا اصلاحی کام کیا۔

حکومت کی مسلح فوجوں کی حالت ۲۱-۲۰-۱۹۱۹ء میں ابتر ہو گئی تھی۔ حالات یہاں تک خراب ہو گئے تھے کہ ان انقلاب پسند دونوں میں وزیر جنگ نے ایک حکم نامہ صادر کر دیا کہ کوئی فوجی انفرادی باس پن کر سیکے میں نہ آئے اور مسلح رہنے سے اجتناب کرے تاکہ خنڈوں اور بازاری شوریدہ سرفراز کا تختہ مشق نہ بنے۔

یہ بہتر تھا کہ ملک کی خاطر اس قسم کو جلدی دور کر دیا جائے۔ چنانچہ فسطائیت اس معاملہ میں نجات دہندہ ثابت ہوئی۔ آج حکومت کی مسلح قوتوں کو یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ حقیقی طور پر قوم کی محافظ و نگہبان ہیں اور قوم کے لئے قابل فخر ہیں۔ بحری طاقت کے سلسلے میں بھی یہی کچھ کہا جاسکتا ہے۔ اس کی دوبارہ تعلیم کی گئی۔

۱۹۲۲ء میں میں نے جماعت کا واحد بند کر دیا اور اس کے بعد نہایت احتیاط کے ساتھ نوجوانوں کو تعلیم دی اور ان میں سے انتخاب کیا۔ اس لامحالہ عمل سے عہدیم انتہی نتائج نکلے اور جماعت کو کبھی بھی کسی خطرناک بحران کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

میں یہ امر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ کلیسا کے اعلیٰ طبقات نے میرے کام کو کبھی نہیں سراہا جس کی وجہ غالباً سیاسی وجوہات ہیں۔ میرا کام کچھ آسان اور سہل نہ تھا۔ ہماری استقامت نے مذہب کے خلاف ایک پیچیدہ جال پھیل دیا تھا۔ اس نے خیالات پرانے کیا، اور طباعت، مدارس، محکمہ جات انصاف اور عہدیں ہم فوجی قوتوں پر بھی اپنا اثر کیا۔

صرف یہی ایک واضح مثال یہ ظاہر کرے گی کہ حالات کہاں تک پہنچ چکے تھے۔ فسطائی انقلاب کے بعد ۲۱ نومبر ۱۹۲۲ء میں ہم کو میں نے پارلیمنٹ میں جو تقریر کی تھی اس کے اخیر میں میں نے اپنے مشکل کام کے لئے خدا سے مدد کی دعا کی تھی۔ یہ فقرہ اس وقت کے حالات کے تحت ایک نامزدوں فقو تھا کیونکہ اطالوی پارلیمنٹ جو اطالوی استقامت کا میدان عمل بنی ہوئی تھی۔ وہاں خدا کا نام لیتا



ایک طویل حصے سے عزت و فخر۔ یہاں تک کہ ہر دھڑ بڑ جانتا کہ جو کچھ تک جماعت ہونے کی وجہ سے تھی۔ اسے بھی کبھی خدا کا ذکر کرنے کا خیال نہ کیا تھا۔ اس قسم کا دلیرانہ انقلاب میرے ہی حصے میں تھا اور وہ بھی انقلاب کے ایک نازک دور میں! صداقت کیا ہے؟ ہر ایک ایسی قید کو ملاحظہ کرنا وقت کی ایک علامت ہے۔

مذہبی جذبہ ایک دفعہ پیدا ہو گیا ہے۔ اگرچہ میں لوگ ہر حق و درجہ جانتے ہیں اور مذہبی رہبروں کی بھرپور عزت کی جاتی ہے۔ فطانت نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے اور کر رہی ہے۔

## سمر رہے

بعض تاریخی کام میری سوانح عمری کے ان لواحق کو شاید میری زندگی کی مکمل داستان سمجھیں مگر ان کا یہ خیال غلطی پر مبنی ہے۔ ایک جٹ خیال ہے کہ کوئی شخص ۵۴ برس کی عمر میں اپنی عمر کہ آنا زندگی کو ختم کر سکتا ہے۔ میں ۳۹ برس کی عمر میں بناوٹ کا رہناؤ حکومت کا افسر اعلیٰ تھا۔ میرا خیال ہے کہ اپنے فرائض کو سرانجام دینا تو کہا میں نے ان کا آغاز ہی نہیں کیا۔

میری زندگی کا بہترین دور اب مٹوچ ہوا ہے۔ میں اس بات پر نازاں ہوں کہ میں نے فطانت کو مضبوط بنادوں پر استوار کر دیا ہے۔ میری خواہش ہے کہ اعلیٰ جو جس کے ساتھ ہماری قوم گزشتہ ساٹھ سالوں بلکہ گزشتہ صدی کے نقصانات کی تلافی کرے۔ ہماری محافظ ہماری جماعت ہے۔

میں نے اپنے دل میں خود پسندی کا ہر جذبہ ختم کر ڈالا ہے۔ میں دیگر بھی خواہاں دہلی کی طرح اطالیہ کی خدمت کو مقدم رکھتا ہوں اور اپنے آپ کو ایک خادم سمجھتا ہوں۔ مجھے اس چیز کا احساس ہے کہ تمام اطالیہ مجھے اچھی طرح جانتا ہے اور مجھ سے محبت کرتا ہے اور میں اس اسے بھی آگاہ ہوں کہ صرف انہیں اشخاص سے محبت کی جاتی ہے جو بغیر کسی کمزوری یا غلطی کے بے غرض اور بے لال سے رہنا ہی کہتے ہیں۔

(تخلص: نیم جاسی)



## انعامی بونڈ

انعامی بونڈ سال میں چار مرتبہ جنوری، اپریل، جولائی اور اکتوبر کی  
۱۵ تاریخ کو معقول انعامات حاصل کرنا کا موقعہ دیتے ہیں۔  
ہر سلسلہ میں ۱۳۶ نقد انعامات۔ بیس ہزار سے لے کر سو روپے تک  
— پیش کئے جاتے ہیں۔

ہر سلسلہ کے انعامی بونڈ حشرید سیئے!  
اپنے بونڈ اپنے پاس رکھیئے۔ اور قسمت آزمائیئے!  
یا معلوم اب کے آپ انعام جیت لیں!

تمام منظور شدہ جگہ اور سیٹا اور سب پوسٹ آفس انعامی بونڈ فروخت کرتے ہیں  
انعامی رقم پر انکم ٹیکس معاف!



کنہہ کیلئے بچائیئے • قوم کیلئے بچائیئے

# اعلا قسم بہترین ذائقہ



مینگو اسکوتش  
لیمن اسکوتش  
اورنج اسکوتش  
لایم جاس کارڈنیل  
ہنگنڈ

F.P.I.



فوڈ پروسیسنگ انڈسٹریز لمیٹڈ  
ضلع بہاول

ایجنسی

- (۱) برائے مغربی پاکستان: میرزہ محبوب ٹریڈرز-۲۲ یاروئنگ روڈ-نیل گنبد سہیل
- (۲) برائے کراچی: میرزا ایم صادق اینڈ کو-۱۰۱۰ پوسٹ آفس حدود کراچی
- (۳) برائے مشرقی پاکستان: میرزہ دی پاک بے کمپنی لمیٹڈ-۱۰۱۰ پوسٹ آفس ماری-ڈھاکہ
- (۴) برائے انگلستان: میرزہ رگھو مالہ امپورٹ اینڈ ایکسپورٹ (این۔سی) لمیٹڈ-ایکس پیج بزنس-کولمبیا سائیڈ  
نیوکیمس-اپان ٹائیس-۱-انگلینڈ



حالات حاضرہ،  
بین الاقوامی،  
ملکی اور ملی مسائل،  
تاریخ اسلام سے  
روشن اسباق،  
اساتذہ اور شعرا حوالہ کا کلام،  
مشرقی اقدار کے حامل  
افسانوں کے لیے

باقاعدہ مطالعہ کیجئے۔ قنديل ہي ايک ايسا ہفت روزہ  
ہے جسے خاندان کے تمام افراد بلا جھجک پڑھ سکتے ہیں۔

**”قنديل“**  
ہفت روزہ

۳۔ اے شاہ دینے بلڈنگ

مال روڈ۔ لاہور

بدل اشتراک

سالانہ ۱۰ روپے  
ششماہی: چھ روپے  
نہ کاپی، پچیس پیسہ

## ایم۔کے۔مک مددگار ثابت ہوتی ہیں

### کتاب برائے جماعت نہم و دہم

۴/۷۵	ناوٹی انگلش گرامر اینڈ کمپوزیشن
۲/۷۵	ناوٹی انگلش ٹرانسیشن بورڈ کے نوٹس کے مطابق
۱/۷۵	مک فارسی گرامر
۲/۲۵	کلید ترجمہ فارسی
۱/۲۵	کلید مصادر فارسی
۲/۵۰	دستور اردو گرامر کمپوزیشن
۲/۵۰	کلید انش پر داری
۳/-	رفیق اردو قواعد معہ انش پر داری
۲/-	رفیق فارسی قواعد
۱/۲۵	رفیق نقشہ کشی برائے جماعت نہم
۲/-	رفیق ملی کیا و طبیعات برائے جماعت نہم و دہم
۲/-	قریبا لوی نوٹ بک
۱/۵۰	ازاد القواعد عربی گرامر
۱/-	ازاد القواعد عربی
۱/۷۵	پاک پرشین کمپوزیشن برائے ہائی کلاسز

### حاجی فرمان علی اینڈ سنز

تاجران کتب

اردو بازار - لاہور

۱/۵۰	ماور الفرجہ
۱/-	پاک فارسی گرامر ترجمہ مولوی محمد عبداللہ
۱/-	پاک فارسی ترجمہ
۱/۵۰	رفیق اردو قواعد و ترجمہ
۱/۵۰	رفیق اردو قواعد معہ انش پر داری برائے جماعت ششم
۱/۵۰	ہفتم
۲/۲۵	ہشتم
۱/۲۵	رفیق نقشہ کشی برائے جماعت ششم
۱/۵۰	ہفتم
۱/۵۰	ہشتم
۱/۷۵	ناوٹی انگلش ٹرانسیشن برائے جماعت ششم
۱/-	ہفتم
۱/۲۵	ہشتم
۱/۲۵	ناوٹی انگلش گرامر اینڈ کمپوزیشن برائے جماعت ششم
۱/۵۰	ہفتم
۱/۷۵	ہشتم
۱/۲۵	القواعد فارسی

# لالہ سری رام دہلوی

ولادت ۱- ۳ دسمبر ۱۸۴۵ء

وفات ۱- ۲۵ مارچ ۱۹۲۰ء

جب میں ابتدائی تعلیم کے بچے سے چھوٹا اور کالج میں داخل ہوا۔ تو ادھر مذاق سخن دامگیر ہوا۔ ادھر تعلیم کی مشکلیں گونگیز غرض ایک طرف کلام اور اہل کلام کی واقفیت کا عشق تمام تھا۔ دوسری جانب دینی و صندل اور خاندانی حصولِ علم اور تقاضائے صبح و شام نہ اسے بھروسے بنی تھی اور نہ اس سے مزبور سے سرتی تھی۔

یہ از خود رفتہ جزوِ میاں تک بڑھا کہ گھر کے مطالعہ کو طاق پر اور اوقات کالج کو زبردستی سر پر رکھا اساتذہ سلف و حال کی غرض کلامی کو نرس اور ان کے حالات کو اپنا وظیفہ قرار دیا اور دل میں ٹھہرایا کہ جلد اساتذہ و دلدادگان سخن کی ایک مجلس منعقد ہو اور ان کے کلام کا بلب لباب کجائی صورت میں ہیا کیا جائے۔

اس خیال سے مختلف تذکروں کی فراہمی اور مطالعہ شروع کیا۔ مگر افسوس ان میں سے کوئی بھی دل میں نہ کھپا۔ آبِ حیات جو تلاش و تحقیق کی مانند تنقید حسنہ کا قابلِ قدر نمونہ اور ادب و ذہان کی خدمت میں ایثار کے ساتھ ضاحت و بلاغت اور اسطے انشا پر دازی کا ایک بے مثال مرقع ہے۔ اس کی نسبت شروع سے میرا یہ خیال تھا کہ نہ تو تنقید زبان و شائق عروض اور خاص کر شائع انشا پر مادی کے حق میں خصمیہ ہو گا اور نہ آبِ حیات کا کام دے گا۔ مگر جب تجرّبہ لبِ سخن کی ان اصول سے پیاس نہ گئی دوسرے سرشہر کی تلاش ہوئی تو کس کس کے جامع نے اولیٰ قواس میں خاص الخاص چند شاعرِ شعرا کے حال اور برائے نام کلام کے سوا دیگر شائقِ سخن سے غرض نہیں رکھی دوسرے کلام بھی لیا تو بطورِ فرد ہی لیا۔ انتخاب کا حظ نہ اُٹے دیا۔ گوانسوں سے گھبرا کر یہ امر اختیار کیا۔ در نہ ہمارے دور کیا۔ وہ ایک دوسرے کے شاعر بھی نہ تھے مگر اس سے وہ بہت جلدی جس سے اپنی طبیعت کھلتی اور ان اہلِ دور کا میلان میں معلوم ہوتا۔ خدا بھوت نہ بلائے تو جبید و قدیم ہیوں تذکرے دیکھ ڈالے۔ پیکرِ دلِ بیاضیں و قہقہہ کردی۔ لیکن افسوس صد افسوس جلد تذکرہ دل کو کام اور ہر گز باوانِ مدہوں نے رطب و یابس۔ عام و خاص بلکہ غمِ انسان میں بھی کچھ تیز نہ رکھی۔ یہاں تک کہ بعض تذکرے تو حامیانہ دوسرے پر پہنچ گئے۔ بھرتی کے شاعر دل اور ان کے کلام کی وہ بھرمار دیکھی کہ ان سے طبیعت پھر گئی اس طرف سے تیزی میں تو نگلے لے لے ہر قسم کے سوا بھرتی تھے جنہیں تافیکِ خبر۔ نہ روایف کی سند۔ عربی مفسرین سے بحث نہ موزونیت سے لینا۔

ہاں گشتِ سخن گشتِ بنیاد اس سے مشتے ہیں بددلی تذکرے مجھے پسند آئے اور دل سے پسند آئے۔ اور ان تذکرہ نویسی سے لالہ۔ نقادِ پندہ سے اپنے حذوئی کا کل دکھا رہے تھے۔ لیکن گشتِ سخن نے جس کی تدوین مولانا ام بخش مصباحی نے کی اور مذاق و درخشِ صابر نے اپنے ہم سے چھپوایا۔ وہی سے آگے قدم نہ اٹھانے کا رہنما۔ لفظِ صابر کی رعایت سے اس نے شامِ جانی شہنشاہ کے اندر کی زمیں کو زمینِ اداس کے اوپر کے آسمان کو آسمان ہا۔ مرثیہ و قدانِ وہی سے کام رکھا۔ باہر کے ملہاتے برائے شادانوں کو وہی کا دہیں کھراہنے دیا۔ البتہ

# سکولوں کے لئے

ہماری بھیجی ہوئی کتابیں انشاء اللہ ایم۔ ایس۔ تک مددگار ثابت ہوتی ہیں

## کتاب برائے جماعت نهم و دهم

۲/۴۵	پچھلے	ناوٹی انگلش گرامر اینڈ کمپوزیشن
۲/۴۵		ناوٹی انگلش ٹرانسلیشن بورڈنگ ہاؤس کے پرنسپل کی جانب سے
۱/۴۵		دستور قاری گرامر
۲/۲۵		کلید ترجمہ فارسی
-۱/۲۵		کلید مصداق فارسی
۲/۵۰		دستور اردو گرامر اینڈ کمپوزیشن
۲/۵۰		کلید انشا پروازی
۲/-		رفیق اردو قواعد مصداق انشا پروازی
۲/-		رفیق فارسی قواعد
۱/۲۵		رفیق نقشہ کشی برائے جماعت نهم
۲/-		رفیق علمی کیسا و طبعیات برائے جماعت نهم و دهم
۲/-		فزیالوجی فوٹ بک
۱/۵۰		ازاد القواعد عربی گرامر
۱/-		ازاد القواعد عربی
۱/۴۵		پاک پرشین کمپوزیشن برائے ہائی کلاسز

## کتاب برائے مڈل

۱/۲۵	پچھلے	پاک اردو گرامر حصہ اول برائے جماعت ششم
۲/۱۲		پاک اردو گرامر فصاحت و بلاغہ برائے جماعت ششم و ہفتم
-۱/۲۵		کلید مصداق فارسی
-۱/۵۰		ناوٹ ترجمہ
۱/-		پاک فارسی گرامر تہ مولوی محمد جواد اللہ
۱/-		پاک فارسی ترجمہ
۱/۵۰		رفیق اردو قواعد و ترجمہ
۱/۵۰		رفیق اردو قواعد مصداق انشا پروازی برائے جماعت ششم
۱/۵۰		رفیق فارسی قواعد
۲/۲۵		رفیق نقشہ کشی برائے جماعت ششم
۱/۲۵		رفیق علمی کیسا و طبعیات برائے جماعت ششم و ہفتم
۱/۵۰		فزیالوجی فوٹ بک
۱/۵۰		ازاد القواعد عربی گرامر
-۱/۴۵		ازاد القواعد عربی
۱/-		پاک پرشین کمپوزیشن برائے ہائی کلاسز
۱/۲۵		پاک اردو گرامر اینڈ کمپوزیشن برائے جماعت ششم
۱/۵۰		پاک اردو گرامر فصاحت و بلاغہ برائے جماعت ششم و ہفتم
۱/۴۵		پاک اردو گرامر مصداق فارسی

حاجی فرمان علی اینڈ سنز

تاجران کتب

اردو بازار - لاہور

# لالہ سری رام دہلوی

ولادت: ۱-۴ دسمبر ۱۸۴۵ء

وفات: ۱-۲۵ مارچ ۱۹۲۰ء

جب میں ابتدائی تعلیم کے بچے سے چھڑا اور کالج میں داخل ہوا۔ تو ادھر مذاق سخن دامگیر ہوا۔ ادھر تعلیم کی مشکلیں گونگیر۔ غرض ایک طرت کلام اور مالی کلام کی واقفیت کا عیش تمام تھا۔ دوسری جانب دہلوی دھندوں اور خاندانی حصولِ علم اور تقاضائے صبح و شام نہ اسے چھوڑے بغیر تھی اور اس سے مزہ مڑے سرتی تھی۔

یہ اندر خود رفتہ جہیز بیاں تک بڑھا کہ گھر کے مطالعہ کو طاق پر اور اوقات کالج کو زبردستی سر پر دکھا اساتذہ سلف و حال کی خوش کلامی کو مرنس اوصاف کے حالات کو اپنا وظیفہ قرار دیا اور دل میں ٹھہرایا کہ جلد اساتذہ و دلدادگان سخن کی ایک مجلس منعقد ہو اور ان کے کلام کا باب باب کجائی صورت میں بیا کیا جائے۔

اس خیال سے مختلف تذکروں کی فراہمی اور مطالعہ شروع کیا۔ مگر افسوس الٰہی میں سے کوئی بھی دل میں نہ کھپا۔ اب حیات جو تلاش و تحقیق کی انتہا، تنقید حسنہ کا قابلِ قدر نوز اور ادب و زبان کی خدمت میں ایثار کے ساتھ فصاحت و بلاغت اور اعلیٰ انشا پر دازی کا ایک بے مثال مرقع ہے۔ اس کی نسبت شروع سے میرا یہ خیال تھا کہ یہ تذکرہ تعقبات زبان و مشاقان عروض اور خاص کر مشاقان انشا پر دازی کے حق میں خضر ماہ ہو گا اور اب میرا اس کا کام دے گا۔ مگر جب مجھ کو تشنہ لب سخن کی ان اوسوں سے پیاس نہ بھی تو کسی دوسرے سرچشمہ کی تلاش ہوئی تو کھاس کے جامع نے اول تو اس میں خاص الخاص چند شاعر مشرق کے حال اور برائے نام کلام کے سوا دیگر مشاقان سخن سے غرض نہیں رکھی دوسرے کلام بھی لیا تو بطور نرنہ ہی دیا۔ انتخاب کا حقد نہ آئے دیا۔ گو انہوں نے مجھ پر ایہ امر اختیار کیا۔ وہ نہ چارہ دور کیا۔ وہ ایک دوسرے شاعر بھی نہ لکھ سکتے مگر اس سے وہ بات نہ مٹی جس سے اپنی طبیعت کھلتی اور ان اہل دور کا میلان طبع معلوم ہوتا۔ خدا بھڑت نہ بلائے تو صبیحہ و قدیم میری تذکرے دیکھ ڈالے۔ یہ کچھ دلی بیاضی و حق نظر کر دی۔ لیکن افسوس صد افسوس جلد تذکروں کو کام اور ہر گیز پاوان حریفوں نے رطب و یابس۔ عام و خاص بلکہ قوم انسان میں بھی کچھ تیز نہ رکھی۔ بیاں تک کہ بعض تذکرے تو حامیانہ دوسرے پر پہنچ گئے۔ بھرتی کے شاعر دل اور ان کے کلام کی وہ بھر مار دیکھی کہ ان سے طبیعت پھر گئی۔ اس طرف سے بے تیزی میں تو نگاہ سے کھسے ہر قسم کے سوا بھرتی تھے جنہیں تانہ کی خبر۔ نہ بدلیف کی سدھ۔ غرضی مضمون سے بحث نہ عمد و نیت سے لینا۔

ان گستاخی کی گھون بیدار اس سے مٹنے نہیں۔ بد و فتنہ تذکرے مجھے پسند آئے اور دل سے پسند آئے۔ ارکان تذکرہ نویسی سے لاعلم۔ اقتصاد پابندی سے اپنے حقدوں کا کمال دکھا رہے تھے۔ لیکن گستاخی سخن نے جس کی حدیں مولا نام بخش مہمانی نے کی اور مزہ مذاق و خوش صابر نے اپنے نام سے چھپایا۔ وہی سے آگے دم نہ بھانے کہہ رہا تھا۔ لفظ صابر کی رعایت سے اس نے شاہجہانی شہرناہ کے اندر کی زمین کو زمین اور اس کے اوپر کے کھلی کر آسمان جانا۔ صرت مرد و قدان وہی سے کام نہ لیا۔ باہر کے لہلاہے ہوئے شمشادوں کو دھیں کا دھیں کھڑا ہے دیا۔ البتہ



غرض اصرار کوئی دلچسپہ مجروح کام دستیاب نہ ہوا اور صاحبنا شروع کر دیا کہ اس کی تدریس اور ترتیب کا باعث ہوا اور یہاں تک ذخیرہ بڑھا کہ اس مذکورہ ہزار داستان کو پانچ جلدوں میں تقسیم کئے بغیر کوئی اور صورت نظر نہ آئی۔

اس تذکرہ کی پہلی جلد پیش نظر ہے۔ اس وقت کو جب میں نے دھڑکنے والے دل اور کانپنے والے ہاتھ سے اس کا اول جزد گھما تھا۔ آج پورے سترہ برس ہو گئے۔ گو سترہ برس گننے میں دو لفظ اور سننے میں ایک بات ہے مگر اس برق رفتار زمانے میں کسی کام کا انجام تک پہنچانا درحقیقت نسیانیت و شراوکام ہے بغیر کی نگاہ۔ استقامت کی تیاری۔ لازمت کی پابندی۔ خانہ دانی سخاوت تفکرات و کمزوریات اور دوائی مریض رہنے کے باعث یہ تذکرہ اس عرصہ تک تفریق اور اتنا سے اشاعت میں چلا رہا۔ مگر پھر بھی اس کا پکڑنا کچھ کام بہر نامی رہا۔ میرے دل کی کسی ہی حالت کیوں نہ ہو۔ نا پسند واقعات زندگی کے گنتا ہی مجبور کیوں نہ کیجئے مختلف بیماریوں نے کیسا ہی کیوں نہ ٹھیکرا۔ گرم دھڑکنے والے ہاتھوں کی سرور و دماغ بیکار کیوں نہ کیا۔ لیکن اس تذکرے کی تکمیل کا بھی میرے سر سے نہ اترا اور اس کی اشاعت کی دھن چاشنی دھن دھن کیوں نہ ہو۔ ہمارے خدا خدا کر کے جناب ہدی کے فضل و کرم سے آج یہ دلی نصیب ہوا کہ اباب خاقان کے حضور میں یہ دل شکنہ کرنے والا گدستہ جو مجھ جی کے کچھ لوگوں، گھنٹن گھنٹن کی پیوں۔ ذیل ذال اور پات پات کی لکیریں سے جی جی کو موزوں براہے پیش کش کرنے سے ان کے دلی شکستگی اور قبولیت کا فخر حاصل کروں۔ جس طرح گدستہ کی تہ جھٹنے کے واسطے طرح طرح کی بنیاں اور اس کے ولادیز بنانے کے لئے رنگ برنگ کے پھول قرینے سے لٹائے جاتے ہیں اس طرح آپ اس محروم کلام و طبع اہل کلام میں مختلف خاقان، مختلف خیال، مختلف انماز پائیں گے۔ کہیں طرز جدید۔ کہیں طرز قدیم کے کئی بھوں سے ملاقات فرمائیں گے۔ یہ وہ مصل ہے کہ اس میں سلطان ابی السلطان، خاقان ابن الخاقان، امیر سے امیر اور غریب سے غریب موزوں طبع، فصیح الکلام کا پسورد بابت نظر آئیں گے۔ اگرچہ میں اس بات کو دل سے اتنا اور انصاف سے جانتا ہوں کہ تاریخ نویسی کی نسبت تذکرہ نگاری ایک بڑے دماغ، بڑی فاضل، طبع نفاذ و روزی و تھار کا کام ہے مگر بشر کے ماضی و حال کا تنہا حال نگار کیا بقید ولایت و سکونت کیا بغیر نصیحت استاد و اداوت و محبت و محنت و شمار و سر ہے اور خاص کر گدستہ خالق کی شاعری کو طوائف الملک سے کم درج نہیں رکھتی اور ہر شخص بزم خرم خدا استاد ہے۔ ایسی صورت میں شاعر نے حال کا صبر و محنت سے تھا۔ استاد نے بہت سے تذکرے لکھے اور کھینچے۔ لیکن ہر شخص کا حق جدا۔ کوئی بال بال کمال کہنیں پسند کرتا۔ کوئی گنتہ میز کا اپنا فرض جانتا ہے۔ کوئی دلی نظری پر گرا ہوا ہے۔ کوئی مصلہ بندی پر چمکا ہوا ہے۔ کوئی عمارت بندی کا دلدادہ ہے۔ کوئی روز و زور پر زینت کسی کو سامنے پسند ہے۔ کوئی کوئی ماضی، کوئی ماضیات و مہمات ماضی کا پابند ہے کسی کی تائید و تائید کا دلہن پسند ہے۔ کوئی فصاحت طلب۔ گرمیں اور دیوانہ کا دیکھنے والا ہے۔ میرے نزدیک جس کلام سے دل پر چڑھ گئے جس بات سے سر ہوا چمکا پڑے۔ جو نصیحت دل میں گھر کرے۔ جو ذکر و تدبیر کا سینہ دے۔ جو حقائق شکست سے بچاویں۔ وہی خدائے روح اور جلال نفس ہے۔ لیکن ہمیں پھر بھی اس تذکرہ کی خوش سگو میں پرنا زہر بیا نہیں۔ جس طرح ہر گز کے ساتھ خدا لازم اور ہر ایک چنگیزی کے ساتھ

کچھ دیکھ کر خوش منہم ہے۔ پس لکھی ہے کہ اس مجموعہ میں بعض مستدرجات نقادان سخن اور متبعان کلام جدید و کس کی نظروں میں کھنکیں۔ مگر ان کی ذات باریکات سے اُمید ہے کہ وہ میری اس حالت پر جس کا ذکر اوپر آچکا ہے منصفانہ نظر فرمائیں اور کو تاہوں کو راقم کی کم مائی پر محمول فرما کر طبع ثانی کے موقع تک اُن نقائص سے آگاہ فرمائیں گے تاکہ اس کا دوسرا ایڈیشن حسبِ دلخواہ ہو سکے۔ کیونکہ میں نے اس تذکرہ کے لکھنے میں ہم رسائی حالاتِ قریبی کلامِ گمشدہ اور یاد رفتہ سے ہی سترہ برس تک سروکار نہیں رکھا۔ بلکہ جہاں تک بنا ہے ان ڈالوں ڈول طبیعتوں کو الجھا دیا جو جو وہ زمانہ کی تیز رفتاری سے فوکر کر چکا کر رہی تھیں۔ ان انسرود اور فحشے ہونے والی گرگ بایہے جو زمانہ کی سرد مری اور ناگزیر صدیوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر گر جاتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ دم واپس سے کشمکش کرنے والوں۔ بسترِ مرگ پر دم توڑنے والوں کے سر ہانے جا کر بیٹھا۔ تذکرہ کا ذکر عجیب و گراپی طعنِ مخالف کیا۔ جن پر بنیاب کے اُن کے ساتھ دفن ہو جانے میں ذرا شبہ نہ تھا۔ دم و لاسا دے کر اُن کے سینوں کے گھنبدوں سے اکثر ایسے بے با صل اور درشاہِ برجن کی چمک کے آگے چاند ماہِ درآفتاب بے آب و تاب تھا۔ نکال کر لایا۔ اکثر سخن سنجوں کو یہ سمجھایا کہ اس سے تمہاری زندگی ہمیشہ قائم رہے گی۔ لوگ گھروں میں رہتے ہیں۔ تم دلوں میں رہو گے۔ سخن تمہارے اشارے سے حظ اٹھائیں گے اور ہمیشہ دعا سے خیر سے یاد رکھیں گے۔ مگر ذہن نے کامِ اوقات نے انہیں خاک میں ملا رکھا تھا اور انہوں نے مجھ کو گشڑا کو کسات پر دوں میں چھپا رکھا تھا۔ لیکن اس خوش بختی اور بابِ سخن نے ہم پہنچا کر انکھوں سے دھویا۔ پکڑی سے برش کیا اور بصرِ ان سخن کو دکھایا۔ جنہوں نے اس تلاش و جستجو کی داو دی۔ اور کچھ قدر دانی سے حوصلہ بڑھایا۔

یہ اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ مجھ اکیلے کا انتخاب۔ ذاتی پسند شخص مذاق اس قابل ہو کہ ہر رنگ میں اپنا رنگ پیدا کر دے اور سب کو اپنا سنا دے۔ لہذا اس کے انتخاب اور اقتباس میں التزام رکھا کہ متقدمین کا کلام بڑا متاخرین کا۔ طرزِ قدیم کے وابستہ ہوں یا طرزِ جدید کے براخوہ۔ ان کی طبیعتوں کا اصلی میلان۔ ان کے دلوں کا رجحان۔ بلند پروازیوں کا رنگ جوں کا توں قائم ہے۔

زویں شاعر کو شعرا کے کسی زیرہ میں شامل ہو کر دھڑے بندی یا طعن داری سے کام رکھوں۔ یا عرفیہ ذل آذاری سے اپنا دل ٹھنڈا کر دوں۔ ذہن کسی خاص ملک کی شریکیت کا گرفتار نہ ہو کہ ہر طرح سے اس کو ترجیح دینے لگے۔ مجھے اپنے وطن اور غیر وطن کی تفصیص منظور نہیں۔ فرما آبادی و دیر پر ہونا ہر۔ چمکے کھرے روپے سے کام ہے وہ ہے پوری برا خواہ جو وہ پور کا۔ میں یہ نہیں کتا کہ کن استادوں کے نام لیا میں اور کن شعروں کے بسا۔ میں ایک اصلے سا خوش کاموں کے کلام کا جامع اور اُن کی مختلف طوائف کا حراج ہوں۔ حسد میرے پاس ذہنی حسد کا روشنائی۔ جو کہ کچھ بھی شاعر کلائے کا استحقاق رکھتے تھے۔ انہیں کو ہر داستان کے مشاعرہ میں جگہ دی اور انہیں کے آگے شمعِ مشاعرہ نے نئے پھرائی بندوں سے علاوہ زانی کے کلام سے اس مجلسِ مشاعرہ کو بھرا کس لئے کہ تنگ بندی کا نام شاعری نہیں۔ اور ہمارے تذکرے کو دوسرے شاعروں سے واسطہ نہیں۔ بہت سے اصحاب صرف تذکرہ کے شاعر ہیں۔ مگر اشارہ رکھنے کے شاعری نہیں۔ میں فرست کو طوالت دینا مقصود نہیں۔ اس انتخاب کی حالت میں بھی جراتِ سوسنوں کی اصل جلدِ ناظرین باتیں کی پیش نظر ہے۔ گویا اس نمونہ جادو کے پانچ دوروں میں سے ایک دور۔ پانچ کنڑوں میں سے ایک سا فر ہے۔ اس سے صاحبِ نظر معلوم کر سکتے ہیں کہ اس کے مردوں نے ناک مزاجی یا استخراج و تخریج سے واسطہ نہیں رکھا۔ ہاں بعض جگہ سوزی شعرا کے بعض اشعار کی غزلی نے جو ہمارے نزدیک کسی حالت میں بھی مستطاب شہرت استادوں کے کلام سے گرسے چنے نہ تھے۔ جیسے غم کو نہیں دکھا۔



آگے میں غیب سے یہ مضامین خیال میں

غالب سر پر عام نوائے سرودش ہے

مہنے ساتھ ہی اس بات کا بھی خیال لکھا ہے کہ جن کے دیوان ابھی تک نہیں چھپے۔ ان کا کلام زیادہ لیا ہے تاکہ ان کو اپنی جو عمر غنائی کا موقع اور سرفرازی ملے اور توفیقِ مانت ہو سکے۔

استادانِ دہلی میں اکثر کے کلام رتوان کے خاندان والوں نے جمع کرانے اور دہلی لوگوں کے ہاتھ دست بردار سے لگے انہیں یہ بات گوارا تھی۔ مگر میری نظر سے وہ گزرے ان کا انتخاب کیا اور بہت سا کلام ایسے لوگوں کے عزیزوں سے سن کر لکھا۔ جب مختلف لوگوں سے بھی اسکی تصدیق ہو گئی۔ جو درجہ تذکرہ کید مشہور مستند شعرا کے شاگردوں اور رشید تعلیمزدوں کے حالات سے بھی پہلو تکی نہیں کی۔ بلکہ کوئی تاریخی واقعہ ان سے متعلق ہوا تو اسے بھی بخوشی تذکرہ میں جگہ دی۔

زمانہ جس عاشقانہ روش پر چل رہا ہے اس سے کوئی بے خبر نہیں۔ بچے بچے کے دل میں عشق و محبت کا بیج بڑھتا چلا جاتا ہے۔ مرزونی طبع اور جمک بندی گھٹن میں پڑ گئی ہے۔ سہلی آواز ہویا نہ ہو مگر تحسینزدوں کی نئے آواز گویا بنا دیا ہے۔ جو گاتے گاتے ایک دن کلاؤت ضرور ہو جائے گا۔ پس ان ہندو اسکولوں کا تو زمانہ اور انہیں مایوس کر دینا میری طبیعت نے گوارا نہ کیا۔ جس طرح مجھے اپنے ذاتی سخن کا خیال رہا۔ اسی طرح میں نے پابندی کے ساتھ اس امر کا بھی لحاظ رکھا کہ شعرائے قدیم و جدید کے نتائج کار جنہیں انہوں نے خرب جگر کھا کر بلبک کی تفریح و دل بھگی کے واسطے تیار کیا تھا۔ بقائے نام و یاد نگار و دوام کے واسطے قائم و برقرار رکھوں۔

گو کسی تذکرہ نویس نے اس فن کو شاخ و برگ قرار نہیں دیا۔ بطور بیاض یا کچھول جس طرح چاہا۔ ان کے حالات اور کلام کو لکھ لیا لیکن اس وقت کہ زبانِ اردو و ہندو عمارتیں غلطے کا رہی ہے۔ یہ بھی بسا غصت ہوا کہ کچھلے حالات کی جستجو کے لیے بنیاد پڑ گئی۔ اور آئندہ کے لیے اساس اٹھانے کی کس بندھی۔ ہمارا تذکرہ اس حالت میں بھی ایسے لوگوں کا سنوں اور ان کا خوشہ چیں ہے۔ گو انہوں نے بیاس حسد یا جملہ رشک پچے حالات لکھنے سے گریز کی۔ یا اپنے کمال کے آگے اور دلوں کے کمال کی حقیقت نہ سمجھی۔ البتہ عبادتِ آرائی میں آسمان زمین کے قلابے ملا دیئے۔ کلمے کو سول کے پہنے والے۔ فرائض کے باشندے گا دی سی۔ ڈی۔ جیسی نے فرائض میں بیٹھے ہوئے انہیں تذکرہ کر دلوں اور اپنے ایکیشوں کی تحقیقات سے فریج زبان میں ایسا با اصول تذکرہ لکھا کہ ہر ایک ملک والے کو پسند آوے اور ان کی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہوا۔

مجھے اندس ہے تو میں کا کہم لوگ اپنے ملک میں رہ کر وہ کام نہیں کر سکتے۔ جو ہزاروں کوس کے پہنے والے سے بہتر اور صحیح کر گزرتے ہیں۔ پس تذکرہ کو آئندہ نسلوں کے واسطے ایک ذخیرہ سمجھ کر ناظرین کے سامنے پیش کرتا ہوں اور بشرطِ حیات مستعار آئندہ بھی اضافہ کے ساتھ طبع کرنا ہوں گا۔

ہم مل چکے ہیں کہ خدا تعالیٰ کسی کی محنت دانیگاں نہیں کرتا۔ پس میری محنت بھی ٹھکانے لگی اور ایسی صورت سے ٹھکانے لگی کہ اس کا فخر مجھ کو میرے خاندان کو۔ میرے احباب کو۔ ہر ہر دستاں کے تمام موجودہ و ناموجودہ رشتہ داروں۔ جیسوں۔ ہمنشینوں کو تا قیام تذکرہ نہ شرف و افتخار حاصل ہو گا، جس کی تمام لوگ غریب گناہیتہ ہیں اور میر نہیں ہوتا۔ بجلادہ کو نہا فر ہے وہ بھی فخر ہے کہ ہمارے ہندوستان کی شاہی زبان کے حامی۔ اردو کے پسندے۔ ہر سر پرست۔ اہل سخن کے قدردان۔ سخن سنج۔ سخن گو۔ سخن شناس۔ سخن فہم۔ اعلیٰ حضرت۔ والا شرکت بنگال

عالی مثال پر ملاحظہ ہو۔ فتح جنگ، فرانس میں میر محبوب علی خاں بھادر نظام الملک، آصف جاہ، سادس بی۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ بی۔ سی۔ بی۔ شاہ۔  
دکن غلام احمد گھنٹہ سلاطنت نے اپنی کمال قدر دانی و جوش و شہاسی سے اپنے ہم نائی کے ساتھ اس کا منصوبہ بننا منظور فرمایا جنہیں نہیں جگہ دیگر پانچویں  
اردو کا دل بڑھایا۔

آخر میں ان دونوں کا شکریہ ادا کئے بغیر نہیں رہ سکتا جنہوں نے ترتیب تذکرہ میں شرکاء کے حالات اور کلام کی فراہمی سے امداد کی۔  
ان میں سب سے اول میر بادشاہی کے خدائی انداز کے استقلال و قیام پر اپنی فکر کا جزا حصہ صرف کرنے والے مفتی سید احمد دہلوی، مفتی  
فتح جنگ، آصفیہ و فیض خاں نظام قابل تذکرہ ہیں۔ مفتی صاحب مدد نے جلد اول کے ابتدائی اجزاء کی نظر ثانی کی اور ضروری مشوروں سے امداد دی۔  
ان کے بعد صاحب عالم مرزا تاج الدین گدگانی جنہیں اب مرحوم اور منظور رکھتے محنت افسوس بہت ہے۔ آپ نے اکثر حضرات خاندان  
شاہی دہلی کے حالات اور انصاف مرزا ارشد کے سوانح نامہ نگار بہ قہر و جہاد قیام فرمائے اور ہمیشہ اس کام سے دلچسپی ظاہر کرتے رہے۔ آپ نے  
ایک چند روزہ حالات کے بعد میں منظم اشاعت تذکرہ میں انتقال کیا۔ صاحب عالم منظور آخری تاجدار ہند بھادر شاہ کے نیرہ اور مرزا منٹ  
مرحوم کے فرزند تھے۔

مشتفی دکنی شیخ عبدالقادر صاحب پیر شریٹ و کوہی ہمیشہ اس علمی خدمت سے خاص دلچسپی لیا اور اس کی اشاعت کے متعلق  
دقتاؤں و ضروری مشوروں سے راقم کی امداد کرتے رہے۔

اسی طرح میرے سب سے زیادہ مخلص با وفا سیٹھ کبیر دسراب جی ہر پارسی نژاد ہونے کے باوصف بھاری مادی زبان سے ایک خاص  
مذاق رکھتے ہیں۔ میرے دل شکریہ کے مستحق ہیں انہوں نے اس تذکرہ کی تالیف و ترتیب میں غیر معمولی دلچسپی ظاہر کی۔ ان کی اس عنایت کا ذکر صرف مجھے  
بلکہ تمام ہوا خواہان اردو کے شکر گزار ہونا چاہیے۔

نئی پندت بمعہ میری وقار پر لکھی دہلی میں بھی ہمیشہ تذکرہ کی حامی ترتیب اور انتظام اشاعت میں مشغول امداد دیتے رہے۔

آخر میں اپنے قریب صادق اور مخلص گرامی زب ذوالفقار علی خاں صاحب زمیں مالیر کو تذکرہ کا خاص طور پر تمغی ہون جنہوں نے دورانی  
اشاعت تذکرہ میں اتنا درجہ کے خلوص اور فداوش کا اظہار فرمایا اور اس علمی کام کی نہایت اعلیٰ پسندیدگی سے راقم کا حوصلہ بڑھایا۔ فقط

لاہور ۱۵ مارچ ۱۹۷۰ء۔ خادم انعام گرام سری رام دہلوی (مقدمہ و ختم و جلدوں)

تصانیف : غم خانہ جاوید حصہ اول، حصہ دوم، حصہ سوم، حصہ چہارم، شہزادے اردو کا تذکرہ (مطبوعہ)

غم خانہ جاوید حصہ پنجم، حصہ ششم، حصہ ہفتم، شہزادے اردو کا تذکرہ (غیر مطبوعہ)

لاہوری رام نے سند رجوع ذیل دو ہی بھی شائع کئے :

۱۔ دیوان الود

۲۔ منساب داغ

۳۔ ضمیر یادگار داغ

## چند مشاہیر

زمانہ کے دہنے ۱۹۱۸ء میں ملک کے بعض مشہور مصنفین سے ان کے علمی کارناموں کے متعلق چند سوالات کئے تھے۔ سوالات یہ تھے:

- (۱) اردو فارسی کی کتابوں میں آپ اس قدر تصنیف و تالیف اور غور و مطالعہ کے بعد کہیں کن تصانیف کو بہترین خیال فرماتے ہیں؟
  - (۲) ادنیٰ عمر میں کن کتابوں کے مطالعہ نے آپ کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچایا اور غفلت کیا؟
  - (۳) کیا کسی کتاب یا کتابوں کو آپ کی علمی زندگی کے آغاز سے کوئی خاص تعلق ہے یعنی کسی خاص کتاب کو پڑھ کر آپ کی طبیعت تصنیف و تالیف کی طرف متوجہ ہوئی تھی؟
  - (۴) کیا کسی کتاب کے مطالعہ کا آپ کی زندگی پر کوئی خاص اثر پڑا ہے؟
  - (۵) آپ کی سب سے پہلی تصنیف کا کیا نام ہے اور اس کی ملک نے کیسی قدر کی تھی؟
  - (۶) اپنے تصانیف میں آپ سب سے بہتری کس کو سمجھتے ہیں؟
- بہت سے بزرگوں اور مشہور دانشور و ادوں نے ان سوالات کے تفصیلی جوابات مکلفے جن سے ان کی سرگذشت حیات کے کئی پلو روشنی میں آئے۔ ہر اگرچہ مکمل آپ بتیائیں نہیں۔ لیکن ان سے کم از کم ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت، ذوق مطالعہ اور علمی کارناموں کا کچھ حال تو معلوم ہو ہی جاتا ہے۔ یہ دلچسپ معلومات کئی لحاظ سے مفید بھی ہیں۔ ان سے کئی قسم کی غلط فہمیاں رفع ہوتی ہیں اور ان سے بہت سے سبق اخذ کیئے جاسکتے ہیں۔

میں نے جہاں تک ممکن ہو سکا ہے ان مصنفین کی تاریخ ولادت و وفات اور ان کی تصانیف کی فہرست کا اپنی طرف سے اضافہ کر دیا ہے۔

(محمد عبداللہ قریشی)

## شبلی نعمانی

ولادت ۱۸ نومبر ۱۹۱۳ء

- ۱۔ فارسی شہزادہ علم میں بے شمار کتابیں ہیں۔ کس کس کا نام لیں؟ مختلف مضامین میں جو کتابیں بہترین تصانیف ہیں، ان میں سے بعض کتابوں کے نام لکھتے ہیں:

شاہ نامہ۔ یہ ایشیا کا ایٹھواں، عربی میں آٹھواں، ایشیا کا تیسرا نمبر ہے۔ اور اس کی پخت اور نکات کو مائیں میں نہایت تفصیل سے لکھا ہے۔ یہ میرے پیش نظر ہے۔ اگر اس سے کچھ رائے قائم ہو سکتی ہے تو میری برائیت سے شاہ نامہ کو اس سے جدا کر دیا جائے گا۔ شاہ نامہ کی قویاں میں نے شراہم حصہ کے لیے انکار کر رکھی ہیں۔ اب تفصیل سے لکھ رہا ہوں۔ غرض میں مایہ کا جواب نہیں۔

نثر میں گستاخ اور غنیمت شاعری میں مراد عدم اور سالی کریم سب سے زیادہ پسند کرتا ہوں۔

۲۔ اردو میں حیات مصلیٰ، اکب حیات بعض تصانیف سرسید، قرینہ الفصح، دیوانی قلاب، دیوانی کرمی دل سے پسند کرتا ہوں۔

۳۔ تصنیفات کا شرق ابتداً لکھ کر ان بعد کی تصنیفات کے دیکھنے سے ہما تھا جو لہجہ میں ایک موقع لکھ کر بہت سی کچھ لکھی ہیں۔ جن کو میں نے پسند نہیں دیکھا تھا۔

۴۔ میری سب سے پہلی تصنیف عربی زبان میں ایک چھڑا سا رسائل نکات المستفیہ نام ہے۔ لیکن وہ چونکہ عربی زبان میں تھا اور ایک چھٹی مسئلہ تھا، اس لیے وہ چنداں شائع نہیں ہوا۔ اس کے بعد سب سے پہلی تصنیف مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم ہے۔ وہ بہت سی کچھ لکھی ہیں۔ اپنی تصنیفات میں الفاروق کو سب سے زیادہ پسند کرتا ہوں۔

مگر کی مراد کی عباسیوں کی داستان کھی  
لجے چنداں تہم آستیں غیر ہوتا تھا  
مگر اب لکھ رہا ہوں میری بہترین خستہ  
خدا کا شکر ہے یوں خاترہ بالآخر ہوتا تھا

مشہور تصنیفات

(۱) المامون (۲) کتب خازن اسکندریہ (۳) سیرۃ النبی (۴) سوانح مولانا دوم (۵) المنزلی (۶) الکلام (۷) علم الکلام (۸) مرازدانیس و دیگر (۹) شرواح (۱۰) الفاروق (۱۱) سیرۃ النبی (۱۲) دست مغل (۱۳) مجموعہ کلام شیلی (اردو) (۱۴) مقالات (آٹھ حصے) (۱۵) سفر نامہ دوم و شام و مصر (۱۶) مکاتیب (۱۷) مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم (۱۸) اورنگ زیب عالمگیر پر ایک فکر وغیرہ۔

محمد عبدالحلیم شرر

ولادت ۱۸۶۹ء۔ وفات ۲۴ دسمبر ۱۹۲۶ء

۱۔ اردو میں سرسید مرحوم، مولانا حالی، مولانا آزاد مرحوم، مولانا شبلی نعمانی کی تصانیف میرے مذاق میں بہترین تصانیف ہیں۔ فارسی میں زیادہ کتابیں لکھی ہیں۔ میری تیار کرنے کے لیے وقت چاہیے۔

۲۔ لکھے زیادہ فارسی عربی کتابوں کے مطالعہ سے پہنچا اور انہیں سے میری نظر پڑی ہوتی ہے۔ مگر اردو میں سرسید کی تصانیف اور مولانا آزاد کی کتاب آج حیات اور نیرنگ خیال نے مجھے بہت بڑا اثر ڈالا۔ اور نیز لکھ بہت زیادہ مسدوس حالت میں تھے۔

۳۔ انہیں کتابوں نے مجھے کچھ لکھنے کی جانب مائل کیا۔ لیکن زیادہ فکر یہ بات ہوئی کہ مجھے انگریزی لکھنے کی شایہ اور عربی مصنفین کی

تحقیق اہل علم کے ذرا ہم کیے ہوئے مواد سے اس جانب مائل کیا کر دی سے حاصل کیے ہوئے خیالات اور واقعات کو انگریزی مذاق کا لباس پہناؤں اور حاصل میرے لیے محرک بھی خیال تھا۔

۴۔ ایسی بہت سی کتابیں ہیں کسی خاص کتاب کا نام نہیں لے سکتا۔

۵۔ میری سب سے پہلی تصنیف ”موسمِ شہر“ ہے۔ مگر جس رنگ کے تاریخی ناول میں اب لکھتا ہوں، ان کا آغاز ”حک العزیز ورجنا“ سے ہوا۔ لیکن ان تصانیف سے پہلے میں نے اودھ اخبار اور رسالہ ”شہر“ میں بہت سے تاریخی، خیالی اور محققانہ مضامین لکھے جو ملک میں بہت مشہور ہوئے اور پسند کیے گئے۔ ان کتابوں کی شاعت سے پہلے میں پبلک میں ایک خاص شہرت حاصل کر چکا تھا جو ان کتابوں کی اشاعت میں مصیبت ہوئی۔

حک نے میری کتابوں کی ٹرٹا بہت قدر کی اور چونکہ میں حیدر آباد چلا گیا تھا اور ان کتابوں سے متبع ہونے کا خیال نہ تھا، اس لیے بہت سے مطالب نے میری کتابیں چھاپ لیں اور میں نے ان کو ابتدا نہیں روکا۔ جس کی وجہ سے میرے پہلے تصانیف ہر جگہ چھپ کر شائع ہوئے اور عوام بہت پسند کیے گئے آج تک پبلک میں ان کی بے حد قدر ہے۔

۶۔ یہ بہت مشکل سوال ہے۔ ناولوں میں فردوس بریں، حک العزیز ورجنا، فلورا فلورنڈا، فتح آندلس، ایام عرب کو میں بہترین سمجھتا ہوں اور تاریخوں میں تاریخِ سندھ۔

**تصانیف** (۱) دلچسپ (۲) دلکش (۳) بدر النساء کی مصیبت (۴) فلورا فلورنڈا (۵) حک العزیز ورجنا (۶) حسن انجلینا (۷) دیبا حرام پر (۸) الفانس (۹) فردوس بریں (۱۰) قیس دُلینا (۱۱) لعلت چمن (۱۲) تاریخِ سندھ (۱۳) تاریخِ عقدِ قدیم۔ (۱۴) جویائے حق (۱۵) تاریخِ لاہور (۱۶) غیب دانِ دلہن (۱۷) حسن بن صباح (۱۸) ابو کبیر شہل (۱۹) جیندہ بند ادی (۲۰) مشرقی تمدن کا آخری نمود (۲۱) مضامین شہر (آٹھ جلد) (۲۲) قدیم سیتیت (۲۳) منظر و مہنہ۔

## محمد عزیز مرزا بی اے۔ ایم آر۔ اکائیس

ولادت ۱۲۸۰ھ۔ وفات ۲۶ فروری ۱۹۱۱ء

۱۔ غازی کتابوں میں میرے نزدیک تصانیف شیخ صدیقی، خٹمی مولانا رام، دیوان حافظہ اور انظارِ سبلی بہترین کتابیں ہیں۔ ان کے علاوہ فہرہ نظامی، شہد نامہ اور اکثر مسلم ائمہ کے دواہن بھی ایک اب علمی ذخیرہ ہیں جن کا جواب کسی دوسری زبان کے مترجم میں مشکل سے مل سکتا ہے۔

اندو نثر میں غالب کی ”اردوئے معلیٰ“ سرسید احمد خاں کی تصانیف خاص کر خطباتِ حمیدہ اور تہذیب الاخلاق کے مضامین اور کچھ مصنفانہ شہل کی تاریخی تصنیفات اور مولانا خازم الطاف حسین حالی کی حیاتِ صدیقی اور حیاتِ جاوید اور مولوی محمد حسین آزاد کی آبِ حیات میری ناقص رائے میں بہترین تصانیف ہیں۔

ظہر میں نیمائیر اور غالب کے کام کا سب سے زیادہ دلدادہ ہوں اور موجودہ زمانے کے شاعروں میں مضامین اور خدمتِ خیال



شاہ نامہ۔ یہ ایسا کالیڈ ہے، عربی میں آج کل ایسا کاروبار چھپا ہے اللہ اس کی جگہ امتداد نکات کو کراچی میں نہایت تفصیل سے لکھا ہے۔ یہ میرے پیش نظر ہے۔ اگر اس سے کچھ رائے قائم ہو سکتی ہے تو میں برصغیر سے شاہ نامہ کو اس سے بڑھ کر پڑا ہوں۔ شاہ نامہ کی غلطیاں میں نے شعرا کرام حصہ ہر کے لیے انکار کی تھیں۔ سب تفصیل سے لکھا ہوں۔ غزلوں میں مانتا کا جواب نہیں۔

نثر میں گھنٹن اور غنیا د شامی میں مولا عدم اللہ سہیلہ کوئی سب سے زیادہ پسند کرتا ہوں۔

- ۲۔ اردو میں حیات سہی، آب حیات بعض تصانیف سرسید، توبہ النصوح، دیلیں غالب، دیو سہیلہ کوئی دل سے پسند کرتا ہوں۔
- ۳۔ تصنیفات کا شرق ابتدا کچھ کہیں تصنیفات کے دیکھنے سے ہوا تھا جو ایرپ میں بھی میاں اللہ ایک مرتبہ کچھ کہتے ہیں کچھ نہیں۔ جن کو میں نے پسند نہیں دیکھا تھا۔

۴۔ میری سب سے پہلی تصنیف عربی زبان میں ایک چھوٹا سا رسالہ مسکات المصنوعات نام ہے۔ لیکن وہ چونکہ عربی زبان میں تھا اور ایک جتنی سلا تھا اس لیے وہ چنداں شائع نہیں ہوا۔ اس کے بعد سب سے پہلی تصنیف مسلمانوں کی گزشتہ قیلم ہے۔ وہ بہت سی اصل احباب بلوچ ہیں اپنی تصنیفات میں الفادق کو سب سے زیادہ پسند کرتا ہوں۔

مجموعی طرح کی عبا سہیلہ کی داستان کھسی  
مجھے چنداں متیم آستین غیر ہوتا تھا  
مگر اب کھدرا ہوں میرتہ پینر خاتم  
خدا کا شکر ہے یوں خاتمہ بالخیر ہوتا تھا

مشہور تصنیفات | (۱) الامون (۲) کتب خازن اسکندریہ (۳) سیرۃ النبی (۴) سوانح مولانا دوم (۵) المنزلی (۶) الکلام (۷) علم الکلام (۸) مرازد انیس دویر (۹) شروک (۱۰) جلد الفادق (۱۱) سیرۃ النبی (۱۲) دست مہر (۱۳) کجروہ کلام شیلی (۱۴) مقالات (۱۵) حصہ (۱۶) سفر نامہ دوم و شام و مصر (۱۷) مکاتیب (۱۸) مسلمانوں کی گزشتہ قیلم (۱۹) ادنگ نیب عالمگیر پر ایک لکھنؤ وغیرہ۔

محمد عبدالحمید شمس

ولادت ۱۸۹۹ء۔ وفات ۲۴ دسمبر ۱۹۲۶ء

- ۱۔ اردو میں سرسید مرحوم، مولانا حالی، مولانا آزاد مرحوم، مولانا شبلی نعمانی کی تصانیف میرے خاق میں بہترین تصانیف ہیں۔ فارسی میں زیادہ کتابیں مجھے پسند ہیں جن کی فرصت تیار کرنے کے لیے وقت چاہیے۔
- ۲۔ مجھے زیادہ فائدہ عربی کتابوں کے مطالعہ سے پہنچا اور انہیں سے میں لکھنا بھی ہوتا رہا۔ مگر اردو میں سرسید کی تصانیف اور مولانا آزاد کی کتاب آب حیات اور نیرنگ خیال نے مجھ پر بہت بڑا اثر ڈالا۔ اور نیرنگ بہت زیادہ مسدس سالی نے۔
- ۳۔ انہیں کتابوں نے مجھے کچھ کھسکی جانب مائل کیا۔ لیکن زیادہ محرک یہ بات ہوئی کہ مجھے انگریزی لکھنے کی شوق اور عربی مصنفین کی

تحقیق امدادی کے فراہم کیے ہوئے مواد سے جانب مائل کیا کر مری سے حاصل کیے ہوئے خیالات اور واقعات کو انگریزی مذاق کا لباس پہناؤں اور حاصل میر سے لیے محرک ہی خیال تھا۔

۴۔ ایسی بہت سی کتابیں ہیں کسی خاص کتاب کا نام نہیں لے سکتا۔

۵۔ میری سب سے پہلی تصنیف ”مرد و سب“ ہے۔ مگر جس رنگ کے تاریخی ناول میں اب لکھتا ہوں، ان کا آغاز ”حک العزیز و درجنائے ہما“ لیکن ان تصانیف سے پہلے میں نے اودھ اخبار اور رسالہ ”مشرقیہ“ سے تاریخی، خیالی اور حقیقتاً مضامین لکھے جو ملک میں بہت مشہور ہونے اور پسند کیے گئے۔ ان کتابوں کی شاعت سے پہلے میں بنگلہ میں ایک خاص شہرت حاصل کر چکا تھا جو ان کتابوں کی اثبات میں مصیبت ہوئی۔

حک نے میری کتابوں کی طو بہت قدر کی اور چونکہ میں حیدر آباد چلا گیا تھا اور ان کتابوں سے متعلق ہونے کا خیال نہ تھا، اس لیے بہت سے مطبع نے میری کتابیں چھاپ لیں اور میں نے ان کو ابتداً نہیں روکا۔ جس کی وجہ سے میرے پہلے تصانیف ہر جگہ چھپ کر شائع ہوئے اور عموماً بہت پسند کیے گئے آج تک بنگلہ میں ان کی بے حد قدر ہے۔

۶۔ یہ بہت مشکل سوال ہے۔ ناولوں میں فردوس بریں، حک العزیز و درجنائے ہما، غلور غلور نندا، فوج آندلس، ایام عرب کو میں بہترین سمجھتا ہوں اور تاریخی میں تارخ سندھ۔

**تصانیف** (۱) دلچسپ (۲) دلکش (۳) بدرالمناد کی مصیبت (۴) غلور غلور نندا (۵) حک العزیز و درجنائے ہما (۶) حسن انجلینا (۷) دیبا (۸) قلم پر (۹) الفانسو (۱۰) فردوس بریں (۱۱) قیس و لبنا (۱۲) لببت چیں (۱۳) تاریخ سندھ (۱۴) تاریخ محمد قدیم۔ (۱۵) جویائے حق (۱۶) تارخ یسود (۱۷) غیب دانی و لکھن (۱۸) حسن بن صباح (۱۹) ابو کبر شیل (۲۰) جہینہ بغدادی (۲۱) مشرقی تمدن کا آفری (۲۲) مضمایں شہر (۲۳) آٹھ جلد (۲۴) قدیم سیت (۲۵) سفر و مہما۔

## محمد عزیز مرزائی اے۔ ایم آر۔ اسکا لیس

دودت ۱۸۸۰ء۔ وفات ۲۶ فروری ۱۹۱۱ء

۱۔ فارسی کتابوں میں میر سے نزدیک تصانیف شیخ صدیقی، ثنی مولانا دودم، دیوان حافظ اور انارکلی بہتر کتابیں ہیں۔ ان کے علاوہ غمر نظامی، شہ نامہ اور اکثر مسلم اہل سنت اس دودم کے دیوان بھی ایک اب علمی ذخیرہ ہیں جن کا جواب کسی دوسری زبان کے مترجم میں مشکل سے مل سکتا ہے۔

اودھ شریں غالب کی ”دو دوئے سنی“ سرسید احمد خاں کی تصانیف خاص کر خطبات احمدیہ اور تمذیب الاخلاق کے مضامین اور کچھ مرقعہ شامی کی تاریخی تصنیفات اور مولانا خراجہ الطاف حسین حالی کی حیات صدی اودھ حیات جاوید اور مولوی محمد حسین آزاد کی آب حیات میری ناقص رائے میں بہترین تصانیف ہیں۔

ظہر میں نئی تیر اور غالب کے کام کا سب سے زیادہ مدعا یہ ہیں اور موجودہ زمانے کے شاعروں میں مضامین اور خدمت خیال

کے لئے اس کا اور زبان دانی کے لئے اسے مدح و سب پر ترجیح دیتا ہوں۔

۲۔ بچپن میں سب میں نے کھانا چھنا شروع کیا تو میرے استاد جو مجھے دوش خیال نامی تحفہ ملازمت کے وقت شروع ملاقات کرتے تھے۔ اس سے میرے دل پر بڑا گہرا اثر پڑا اور اسی وقت سے مدح کا شوق ہو گیا جس وقت تک ہائی کلاس کے بعد قائب کے مقامات اور تہذیب الاخلاق کے مضامین سے بھی بہت فائدہ ہوا اور تیسرا مرتبہ اور قائب اور فوق کے کام سے اکثر تحفہ ہر کار اور حاکم کی منسی نے ایک عجیب طرح کی ٹانگ دل میں لگا دی جو ابھی تک چنانچہ نہیں مل سک رہی ہے۔

۳۔ پروفیسر ایڈورڈ ڈاؤڈن کی لائف آف ساؤتھی (LIFE OF SOUTHEY) اور قائب کس الملک کے کچھ سے جو مسلمانوں کی حق ترقیوں پر ہے اور مولانا شبلی کے مضمون ”مسلمانوں کی گزشتہ تعلیم“ اور مولانا غلام الطاف حسین حالی کی حیات سعدی کے مطالعہ سے میری طبیعت تالیف و تصنیف کی طرف مائل ہوئی۔

۴۔ فروع واقعی اور پروفیسر ایڈورڈ ڈاؤڈن کی لائف آف دی ساؤتھی اور مضامین تہذیب الاخلاق اور سعدی حالی نے خاص اثر میری زندگی پر ڈالا ہے اور انیس کے مطالعہ سے مجھے ابتدا سے قری اور علمی طرقات کا شوق ہوا ہے۔

۵۔ میں نے سب سے پہلے قائب سعدی مسیح فرخ فرائیڈنگ مروج کے سفر نامہ پر سب کا ترجمہ گلشن فرنگ نامے کے نام سے چھپوایا۔ انہوں نے اگرچہ ترجمہ کی بہت داد دی مگر دوسروں سے زیادہ فروخت نہ ہو سکیں اور تقریباً تین سو جلدیں مفت تقسیم ہوئیں۔

اگرچہ میں بڑی جانتا ہوں کہ میں نے ابھی تک کئی ایسی علمی خدمت نہیں کی ہے کہ نصف مصنفین میں بیٹھنے کے قابل ہوں مگر محض یہ کچھ ادا شدہ علم و کتابوں کو میرے خیال میں ”سیرۃ المود“ کو میری تصانیف میں سب پر ترجیح ہے۔

تصنیفات (۱) گلشن فرنگ (۲) سیرۃ المود۔  
(۳) دکر ماردی (۴) خیالات عزیز۔

## احمد علی شوق قدوائی

ولادت: ۱۸۶۶ء۔ وفات: ۲۷ اپریل ۱۹۲۵ء

۱۔ اردو کا خزانہ تصنیف و تالیف مود ترجمے کے ذریعہ سے اب سمجھ ہوتا ہے۔ اچھی اچھی کتابیں نکل رہی ہیں۔ لیکن میری رائے میں یہ فیصلہ ابھی تک نہیں کر سکتے کہ کون سا سب سے اچھی ہے۔

فارسی نثر میں گلستان، از میر تقی میر، فردوسی کا شہ ناس، بزمی میں نظای کا فہرہ، رامعلی میں غرناہ کی رامعلی، انکسار میں بابکچہ کے قصے، قصائد میں انیس کے قصیدے، یہ میری رائے میں بہترین تصنیفات ہیں۔

۲۔ ادنیٰ عمر میں اردو کی کتابوں کو تو میں نے اس قدر دیکھا کہ وہ دیکھتا دیکھتے میں داخل ہے۔ غزلوں کے دلیلوں سے مجھے کبھی کبھی نہیں جوتی۔ میری مشن سن کا ابتدائی زمانہ فرد غزل سنانی ہی سے شروع ہوا مگر مشق کے جلوہ جانے پر یہ دلی غزل کی جانب سے ہٹ گیا۔ ابتدا فارسی کی کتابیں میں نے ایسی کثرت سے دیکھیں جن کا شمار تو درکنہ اب وہ خیال میں ہی نہیں ہیں۔ ایک معزز شخص کا وعدہ کتب خانہ مجھے دیکھنے

کو لگایا تھا۔ ہذا میں نے نہیں کہہ سکتا کہ ان کی کتابوں نے مجھے خاص فائدہ پہنچایا۔

- ۴۔ میری طبیعت کسی خاص کتاب کو کچھ کر نکلم یا تصنیف اور تالیف کی طرف نہیں متوجہ ہوتی تھی۔ میں بدایوں کے لانی اسکول میں چڑھ رہا تھا۔ وہاں شاعری کا چرچا کچھ کر دل اس طرف اٹک گیا تھا۔ کچھ دنوں بعد میں اپنے وطن (اردو) کو آیا، مکتبہ میں تدبیر الدرد حضرت اسیر مرحوم کا شاگرد ہوا۔ شوق کے ساتھ مشق درجہ کی تھی۔ شوق کے بندھے پر اس وقت کا ذاق دیکھ کر میں نے ایک مثنوی تصنیف کی جس کا نام ”تراذ شوق“ ہے۔
- ۵۔ میری خاص کتاب کے مطالعے سے میری ذہنی ہرکئی خاص اثر نہیں پڑا ہے۔ جو اثر پڑا ہے یہ کتب بینی کی کثرت سے پڑا ہے۔
- ۵۔ میری سب سے پہلی تصنیف ”تراذ شوق“ ہے۔ میری تصنیفات میں یہ ایک کتاب ایشیائی مذاق اور اردو شاعری کے کچھ رنگ کی ہے۔ اس کے بعد کی جتنی تصنیفات ہیں، سب نے خالق اور نئی شاعری کی ہیں۔ میری کچھ یہ ملک نے تراذ شوق کی اچھی تدریک۔

- ۶۔ آپ کے چچے سوال کا جواب دینے سے پہلے میں ذرا تفصیل لکھنا چاہتا ہوں تاکہ صحیح اندازہ قائم ہو سکے۔
- میں نے تراذ شوق کے بعد ایک تاریخی اور قوی مستند ”بیل وندہ“ لکھا۔ اس کو مرید مرحوم نے مجھ سے لے لیا تھا اور علی گڑھ کالج ہی سے چھپا۔ پھر میں نے ایک مثنوی ”حسی“ لکھی۔ اس میں اکثر بیکنی اور اسکین وغیرہ کھانکی طعناں بہتوں کا اخذ ہے جو بیرونی (حسی) پرانوں کے کی ہیں اس کو پہلے مثنوی کا جیسے صاحب، ملک اور دھڑپنے نے کتاب کی شکل میں چھاپا تھا اور اب میری نظر ثانی کے بعد وہی سے غزلیں میں پوری شائع ہوئی ہے۔
- پھر میں نے ایک مثنوی کہی جس کا نام ”قاسم اور زہرہ“ ہے۔ یہ چھپے کر گئی ہے۔ اچھی شائع نہیں ہوئی۔
- میری ایک نظم ”وقیم“ میرے سرزد دوست مثنوی محمد امین صاحب قصہ داہرہ سے کتاب کی شکل میں طبع کر اسے ہیں۔
- پھر میں نے اپنے سرزد دوست سر محمد سلیمان پیر مرثاٹ لاہور کی فرائض سے ایک مستقل نظم کہی جس کا نام سائنس اینڈ ریلیجن (SCIENCE AND RELIGION) ”علم طبیعات اور مذہب“ ہے۔ یہ اہم مسائل کی طرح دقتیں کے ساتھ ہے۔ اچھی چھپی نہیں تیار ہے۔
- ان مستقل کتابوں اور نظموں کے علاوہ اور بہت سی مثنوی نظمیں میں نے کہیں جوفرونی اور انظار میں شائع ہوئیں۔
- میں اپنی تصانیف میں سب سے بہتر ”قاسم اور زہرہ“ کو سمجھتا ہوں۔ غالباً اردو کی نظموں میں یہ اپنے رنگ کی پہلی کتاب ہو۔ انگریزی قصوں کی طرح کا ایک اور نثری قصہ ہے۔ فطری حالتوں سے باہر قصے کا کوئی حصہ نہیں۔ ایسا واقعہ ہے جو ہو سکتا ہے۔ پرانے مذاق کے استعارات وغیرہ سے پاک ہے۔ مستحق قصہ (مثل ڈرامے کے) اپنی اپنی زبان سے خود اپنی اپنی حالت بیان کرتے ہیں۔ وسط میں شوق اور دلچسپ، آخر میں تفریحی یعنی درد انگیز ہے۔ سوانیرہ سنا شعور سے زیادہ ہیں۔ اول سے آخر تک اصناف کہیں نہیں ہے۔ سیدھی سادی اردو ہے جس کو لکھج، باقاعدہ اور دلچسپ بنانے کے واسطے میں نے اپنی ذہنی ادبیاتی شاعری کی قوت بہت صرف کر دی ہے۔ میں اس کی پوری خوبیاں لکھ نہیں سکتا۔ دیکھنے ہی سے ان کا تعلق ہے۔ نچے امید ہے کہ ملک اس کی اتنی ہی قدر کرے گا جتنی میں نے اس کے دلکش بنانے میں محنت کی ہے۔

## مرزا محمد ہادی رسوا لکھنوی

ولادت: ۱۸۵۸ء - وفات: ۲۱ اکتوبر ۱۹۳۱ء

۱۔ انھوں کا مہربی مکت عمل میں، اوصاف الامراض تصوف میں، دانش نامہ فیاض منہ، قدیم لکھنؤ میں، فارسی شریح تجرید علم کلام میں مجموعہ مراد



(۲۵) غزوی، حمید ویم (۲۶) کلیات اردو، تصانیف غزویات، غزلیات کا ایک کافی ذخیرہ تھا جس کا پتہ نہیں۔

## پیارے لال آشوب دہلوی

ولادت ۱۲۳۵ھ - وفات ۱۲۹۱ھ

میں نے اپنے تئیں کبھی مصنف کی فہرست میں نہیں شمار کیا۔ کیونکہ میری تالیفات کا تعلق زیادہ تر ترجمے سے رہا ہے اور ترجمہ اور مصنف میں فرق ظاہر ہے۔ لیکن چونکہ بعض اہل قلم مترجموں کو بھی مصنفوں کے سلسلے میں شمار کر لیتے ہیں اس نظر سے آپ کے سوالوں کے جواب بہ ترتیب حسب ذیل عرض کیے جاتے ہیں۔

۱۔ اردو تصانیف میں میرے نزدیک اردوئے معلیٰ، آب حیات اور فرائد جاوید نہایت عمدہ کتابیں ہیں۔ تیئوں کو بالوں کو میں بہت دعت کی نظر سے دیکھتا ہوں۔

۲۔ اوائل میں میری محنت تعلیم کا زیادہ حصہ پرانے دہلی کالج میں گزرا ہے جو در ۱۸۵۵ء سے پیشتر اس شہر میں قائم تھا اس کالج میں انگریزی زبان جماعتوں کے طلبہ کو اردو کی تعلیم ہوتی تھی اور یہ کتابیں داخل درس تھیں۔ گستان ترجمہ منشی فیض پادشا، باغ و بہار، قصہ گل بکاؤلی، انوار سبیل وغیرہ اور سب سے اعلیٰ جماعت کے طالب علموں کو ایک کتاب پڑھائی جاتی تھی جس میں اردو کے مشہور مشہور شاعروں کا منتخب کلام درج تھا۔ اس کتاب کے پڑھنے سے مجھے کسی قدر شرمگنی کا شوق پیدا ہوا اور میں نے چند غزلیں بھی کہیں اور شاعروں میں پڑھیں۔ اس فن میں مولوی عبد الکریم سورتی خلف الرشید مولوی امام بخش مسکن مرحوم میر سے مستوحہ تھے مگر یہ شوق چند ہی روز رہا اور انگریزی کی تفصیل کے شوق نے اس کی طرف سے توجہ ہٹا دی۔ آپ کے ترجمے سے سوال کا جواب بھی اسی میں آگیا۔

۳۔ جب بعد از خدمت میں گورنر سکول میں ریٹائر ہو کر باقی عمر میں استادوں نے انگریزی سے اردو ترجمہ کرنے کا اختیار کر رکھا تھا مجھے پسند نہ آیا۔ اس ترجمہ سے خاص طلبہ کو بہت کم فائدہ پہنچتا تھا اور جس فقرے کو وہ پڑھتے تھے یہ نہیں سمجھتے تھے کہ اس کا مفہوم کیا ہے۔ حکام سرور شہر تعلیم نے اس نقص کے رفع کرنے کے لیے پہلے ہی انگریزی کے ترجمہ کا حوالہ دیا اور کہا کہ اس میں بھی ایک نقص رہا۔ وہ یہ کہ طلبہ کو انگریزی کے لفظوں کے یا محاوروں کے معنی و معنی نہیں معلوم ہوتے تھے۔ آخر ان دونوں نقصوں کے دور کرنے کے لیے میں نے ترجمہ کو وہ طریق اختیار کیا جس کو سلیوینم سسٹم کہتے ہیں۔ اس طرح ترجمہ کرنے سے طلبہ کو اچھا فائدہ ترجمہ کرنا بھی آجاتا ہے اور کوئی لفظ یا انگریزی محاورہ ایسا نہیں رہ جاتا جس کو لڑکے سمجھ نہ سکیں۔ یہ طریق انگریزی سرور شہر تعلیم کو بہت پسند آیا اور میں نے انگریزی کی پہلی کتاب کا ترجمہ اسی طرح کر کے طبع کر دیا اور انگریزی سرور شہر تعلیم نے اس کی قدر دانی اور میری قدر افزائی کی اور اس کے سلسلے میں گورنمنٹ صاحب سے مجھے انعام بھی عطا ہوا۔

۴۔ ترجمہ کسی قدر میری شہرت کا باعث ہوا چنانچہ ۱۲۸۵ھ میں جب فوج کے انگریزی افسروں کے استحقاق کے لیے کتابیں تجویز کرنے کو گورنمنٹ ہٹا دینے ایک کمیشن متروک کیا اور کوئی دہلی ایڈمنسٹریٹر صاحب جو اس وقت مدرسہ اہل علم کے انسپکٹر تھے اس کمیشن کے ممبر ہوئے اور ان کی کمیشن کی تائید شروع ہوئی تو صاحب مدرسہ نے شمس المظاہرین بیاد مولوی ضیاء الدین مرحوم کو اور مجھ کو تالیف کے کام میں اپنا شریک کیا۔ سب سے پہلی کتاب کرنل صاحب نے فوجی افسروں کے استحقاق کے لیے رسوم ہند تالیف کی۔ اس کتاب کے بانچہ باب ہیں۔ پہلے میں ہندوؤں

کے ذہنی اصل کا کتبہ ہندو سے اذیت ہے باب میں دو قصے ہیں جس سے اس دہشت کے خوف میں سکھ ہندو کا حال خوب ظور منظر  
 کیا گیا ہے۔ چنانچہ باب خاص میں یہ بیان ہے کہ وہ اور وہاں کے سکھ لیت کہنے میں کہی اور وہاں سے مدعی کی تھی۔ آخر کے دو باب میں اس  
 مروج کی تصنیف ہے۔ جن میں سے ایک میں سکھوں کے عجیب و غریب عقائد اور عقیدوں کے حالات درج ہیں اور دوسرے میں جو کتب کا نام ہے وہ باب  
 ہے ایک قصہ اس طرز کا جیسا دوسرے اذیت ہے باب میں ہے لکھا گیا ہے۔ اس کتاب کے سرانگزی صاحب نے اور کتاب کی تصنیف میں  
 بھی اہم دو نون سے مدعی۔ چنانچہ ایک کتب کے دیباچے میں جس کا نام ہندوستانی میلایا کی توسل دیا ہے اور دوسرا ہے اس اعداد کا احراز کیا  
 ہے اور وہ حالات تیسری میں ہیں جسے یہاں اس کے شکر گزار ہیں۔

ان کتابوں کی تائید سے صاحب ہندو کے مدعی میں یہی ثابت کا قرض ہم گیا اور ڈاکٹر جی ہندو ہی انہوں نے یہ کہ انگریزوں کی کتابوں کا ترجمہ  
 کرنے پر نہیں کر دیا صاحب ڈاکٹر کے مردہ سے ایک اخبار میں کا نام سرکاری اخبار تھا ہمارا یہی تھا کہ تھا۔ اس میں مردہ شری قسطنطین کی خبریں درج ہوا  
 کرتی تھیں۔ صاحب ہندو نے اس اخبار کو مردہ کے لیے کچھ مفید نہ پایا۔ اس نظر سے کہ کتب کے مطالعہ سے فائدہ پہنچے، لہذا اس کا نتیجہ  
 اور شری قسطنطین کی خبریں آئے اور مروج کو سب ایڈیٹر مقرر کیا۔ اس اخبار کے نام لکھ کر کی جیل انڈیا اور داخل مساباں انگریز میں تھے جو آریٹیکل  
 وہ لکھتے تھے، ہمارے پاس کہتے تھے اہم اس کو ترجمہ کر کے اور اپنے طبع پر درست کر کے اخبار میں درج کر دیتے تھے اور خود بھی اکثر مفید  
 مضمون لکھا کرتے تھے۔

اس اخبار کی دھاک ایسی بڑھی کہ پنجاب کے کئی مشہور اہل علم و کلام اور پنجابی اخباریچ لکھنے اور نوشت میں حرفت کی کاس ہر کاری  
 اخبار کے کئی طرز پر جاری کہنے سے ہماری سراسر کساد بازاری ہوئی ہے اور آسانی مدعی انتہائی آگیا ہے سرکار نے ان کے حال پر رحم فرمایا اور یہ  
 مناسب سمجھا کہ جو کام سرکاری مداخلت بغیر ہو رہا ہے اس کو تقریب دینی چاہیے۔ چنانچہ وہ اخبار بند کر دیا گیا اور اس کے بجائے ایک ماہر اہل علم  
 جس میں مضامین علمی کے اور اور کچھ نہ تھا جاری کیا۔ اس کا نام اناجین پنجاب رکھا گیا۔ جب تک میں ڈاکٹر صاحب کے دفتری ترجمے کے  
 کام پر رہا اس دہشت کا انجام کرتا رہا اور نیز یہ کتابیں بھی لکھیں:

”اردو کی تیسری کتاب۔ قصص ہندو حصہ اول۔ تاریخ انگلستان۔ تاریخ زمانہ قدیم۔ جغرافیہ جیسی وغیرہ۔“

اس کے بعد ترجمے کے حصے سے میری ترقی پر دینی کے حصے پر ہو گئی۔ ان ایام میں میں نے اپنے فرض منصبی کے ساتھ تاریخ ہند  
 قیسری کا ترجمہ کیا اور ترجمے میں دی اور لکھا کہ ترجمے میں انگریزی عبارت سب ماہر جائیں مگر عبارت میں انگریزی کی فونہ ہما اور صاف ہو سکیں۔  
 ۶۔ میری تاریخات جیسی ہیں سب یکساں ہیں۔ ان میں کسی کو کسی پر کوئی فرقت نہیں۔ میری بیانات سب ۱۸۸۸ء سے پہلے کی ہیں۔ ۱۸۸۸ء  
 سے چودہ سال تک میں انگریز رہا۔ اس حصے میں کثرت کا وہ کہ سب سے تعلیمات کا شروع نہ ہو سکا اور اب وقت سے خلافتیں ہوں۔

## بیج ناتھ راج پشستر

میں نے اردو فارسی کلمہ جیسی ہے لیکن جس قدر فارسی چھی اس میں شیخ سودا کی تصنیفات مثل لغتیں و کربا کا اخلاق میں اور شری مولانا  
 رام کو تصرف میں بہت اچھا پایا۔ اردو میں کام نظیر کو بہت اچھا خیال کرتا ہوں مگر ان جملہ کتابوں میں جو اخلاق یا تصرف ہے وہ ہمارے ہیں

کے ادبشنہ دل، رمانی و ملیکی، مباحثات اور منو فرہ کے گیان اور نئی سے کسی طرح پر فائق نہیں ہے۔ میں نے اپنا وقت بیشتر سنسکرت کے پڑھنے میں صرف کیا ہے اور وہ میری زندگی کا آدھا حصہ ہے۔ یہی خیال کرتے ہوں کہ جو شخص اس دنیا میں سکھ اور آئندہ کے ساتھ زندگی بسر کرنا چاہے اسے چاہیے کہ نالکی رمانی اور مباحثات کو اپنا اتھار بنائے اس سے اس کا یہاں کلیان ہوگا اور عاقبت بھی سدھر جائے گی۔ بھگوت گیتا اور ادبشنہ دل کا گیان ان لوگوں کے لیے جو اس زندگی کو ناچیز خیال کر کے آتم گیان ہی کو ذریعہ سہودی خیال کیستے ہیں، دنیا کے تمام اخلاقی اور تصرف پر فائق ہے اور یہ صرف میرا تجربہ ہے بلکہ فرحک کے لوگوں کا بھی ہے۔ اردو کا علم ادب ابھی بن رہا ہے۔ پرانا علم ادب زمانہ حال میں زیادہ کا ناقد نہیں۔ اس میں بنیاد میں طبعی ہی میں کچھ اچھی دوسری کتابیں سرشتہ تعلیم کی طرف سے شائع ہوئی ہیں۔ میں مدرسہ عالی اور نصایف مولوی نذیر احمد کو اردو کی اچھی کتابیں خیال کرتا ہوں۔ ہندی کا علم ادب بھی بن رہا ہے اور اس میں روز بروز ترقی ہے۔ کچھ شاعروں میں مہارت سندھ اور بلوچش چند رہنماؤں کے اور پچھلے صدیوں میں نالک، کبیر، سرور داس، تپسی داس، سندھ داس بڑے کھنے والے ہوئے ہیں۔ میرے ادب پر کچھ شخص پرتیس داس کے کلام کا اثر پڑے گا۔ ہندو زبان جب تک ہے تب تک کسی داس کی رمانی اور سنے پڑا رہی گی۔

۲-۲۔ مجھ کو اردو کی تصنیف کی طرف کسی خاص کتاب کے پڑھنے سے رغبت نہیں ہوئی۔ ہندی کھنے میں ان تمام کتابوں کا جن کا ذکر اوپر کیا ہے کم و بیش اثر ہوا۔ اردو کی تحریر میں میں نے وہ طرز تحریر اختیار کیا جو سر سید احمد خاں صاحب کے وقت میں جاری ہوا۔

۳۔ اردو فارسی کی کسی خاص کتاب کا میری زندگی پر اثر نہیں ہوا۔ سنسکرت میں مباحثات کا بہت بڑا اثر ہوا۔ اس نے میری زندگی کی حالت کو تبدیل کر دیا اور اس اخیر وقت میں وہی میرا سارا ہے۔

۵۔ اردو میں سب سے پہلی کتاب مسائل قانون ۱۸۵۸ء میں لکھی۔ وہ خوب چلی۔ پھر ۱۸۶۸ء میں ہندو سوشل ریفارم لکھی۔ وہ بھی خوب چلی۔ پھر ۱۸۶۸ء میں انگلینڈ اور انڈیا لکھی۔ وہ ان دونوں کے بھی زیادہ چلی۔ بہت سے لوگ اب تک اس کے شائق ہیں اور میرا نام اس کے ساتھ مشہور ہو گیا۔ پھر ۱۸۷۸ء میں ہندوستان گذشتہ و حال لکھی۔ وہ بھی اچھی گزرتی نہیں۔ ہندی میں دھرم و جاو غوب چلا اور بہت پسند آیا کتاب دھرم سکشا جواب لکھی ہے وہ بھی بہت پسند آئی۔ شاستر وک اپان شکل برتنے کی وجہ سے کم جیتی ہے۔

## شیو برت لال ورم

۱۔ ہندی سنسکرت کی کتابوں میں گوسوامی تپسی داس کی رمانی اور دانتے سالک رام صاحب کے سنت سنگرہ کو بہترین خیال کرتا ہوں۔

۲-۳-۴۔ رمانی و سنت سنگرہ حصہ ایک نے مجھے سب سے زیادہ فائدہ پہنچایا اور انہیں کے مطالعہ کا مجھ پر خاص اثر ہوا۔

۵۔ میری سب سے پہلی تصنیف راجستان ہے جو تین ہزار چھپی تھی۔ اب ایک کاپی بھی نہیں۔

۶۔ میں نے دوسو کتابیں قریب قریب لکھیں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ کون کون کون بڑی ہیں۔ بہت سی ہزار چھپی ہیں۔

باجیو بہت لال ورم ایم۔ اے رسالہ سادھو لالہ کے ایڈیٹر تھے۔ یہ رسالہ شوشلی اور مذہبی مضامین شائع کرتا تھا ۱۱-۱۲ء میں جاری تھا۔



## اصول امام اثر

طاعت و تقویٰ و نیت

۱۔ میں نام قدسی تصنیفات میں فردوسی کے شاہنامہ، مسعودی کی گوستان و بستان، حنفیہ کا دراج، مولانا دکن کی شری اور حکیم سائے کے حلیہ کرکڑی عظمت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ بے شک یہ ایسی کتابیں ہیں جو اسلامی ممالک کے بزرگ تصنیف نہیں ہو سکتی تھیں۔

اسی طرح اردو میں کامیاب ترین، شہنی میر حسن اور مرثیہ میر انیس قابلِ ترقی ہیں۔ میر حسن نے نظم میں ان پر گہر دیا اور کئی مضامین لکھا اور سید سے تفریق کرنے لگے۔ جن حضرات کو لڑکچہ کا صحیح خالق حاصل ہے، الاریب ان فارسی اور اردو کے استاد دکن کی ضرورت قدر فرماتے ہیں۔ میں سرگزشت غوری اور لہذا جانب کے مذاکرہ پر سے بے جا فحاشی مکتا ہوں۔ ہر چیز میں اس کا سحر نہ ہوں کہ لڑکچہ اور الاریب غوری اور صاحب علی سرور بڑے قابلِ فہم ہوتے تھے۔

۲۔ طلبِ علمی کے نام میں مصنفین، ادا کے حلال کچھ قصائد مہذبہ مصنف، ہرگز کی ایلیٹ، ٹیکسٹ پر (PLAYS) شاد کلاک کی اصلاح دلیلی، ماضی اور دوس کی تعلیمات کے ساتھ بڑی دلچسپی اور آئی جی ہے۔

۳۔ یوں لکھے عربی اور فارسی کی دوسری کتابیں کوئی شک و شبہ نہ ہے اور ہر فن میں کچھ وہ کتابیں ہیں جو گروہ مصنفین بالاک تصنیفات کا اثر بیش و کم دور پر فردوسی کی طبیعت پر ڈال گیا ہے۔ ظاہراً ایسا نہیں معلوم ہوتا کہ کسی خاص کتاب کے اثر سے کچھ تصنیف کی ترقی ہوئی ہو بلکہ لغتِ علم کی تفصیل نے کچھ اس کام کی طرف راغب کر دیا۔

۴۔ یہ اسباب کا ہر چیز پر کسی خاص کتاب کے مطالعہ کا اثر نہیں پڑا ہے۔ بلکہ ہر چیز قدرِ تسکیر کا اثر پڑا ہے۔ انتہائی ہر مسم کا اردو اسی طرح جس قدر ہر اور دلیلی کا اسی قدر شہاد اور میر انیس کا۔

۵۔ میری سب سے پہلی تصنیف کا نام مرآۃ الکملہ ہے۔ یہ کتاب علمِ فلسفہ میں ہے اور تاریخِ فلسفہ کی بھی حیثیت رکھتی ہے۔ ثابیت لیلی (THALES OF MILETUS) کے وقت سے لے کر جملہ جان لی (JOHN MILL) تک کے فلسفہ سے اس کتاب میں بحث کی گئی ہے۔ میری اس کتاب کی کوئی قدر میرے ملک نے نہیں کی۔ عرب اس کے قدما و ان ذکور نیز صاحبِ نگار۔ یہ صاحب ایک وقت میں مرثیہ قلمِ عجب کے ذکور تھے۔ سر سید احمد خاں صاحب نے اہلہ آستانہ لکھا کہ یہ کتاب ہندوستان میں بہت قبل از وقت لکھی گئی ہے۔

ماٹھ وانا ایہ را جملہ۔ اب یہ کتاب غریبہ و غلیظاں میں پڑی ہوئی ہے۔

۶۔ میری تصنیفات سے جو کوئی طرح نصیب ہوا ہے وہ مرآۃ الکملہ کے علاوہ کتاب ہزراعت، کتاب الاثار، میاں راجی اور دلیلی اثر ہے۔ آخر میں جو کتاب فلسفہ شامری میں لکھی ہے چار جلدوں میں ہے۔ اس کے چھپرے لکھے کی لکھی ہیں۔ میر سے بڑے تصنیف و تالیف کا کام بہت کی نقصان کا سبب ہوا ہے۔ اسی وجہ سے میری اور بہت سی تصنیفات شائع نہیں ہو سکیں۔ میں اپنی تصنیفات سے کسی کو بہترین تصنیف کہیں دی تجویز سے ابڑے۔ جن کتابیں لکھی گئی ہیں مختلف فنون سے قطع رکھتی ہیں۔ پہلی ان کا مواد دیکھو۔ دیکھو۔ میری، الاری کتاب دینی ہے۔

اش میں آپ کے قریب ہوتا، تاکہ آپ کو کچھ اس کے اجنا پڑھ کر سکتا۔

## علی حیدر نظم طباطبائی لکھنوی

ولادت ۱۲۸۳ھ وفات ۱۳۳۳ھ

فارسی میں حافظ، خسرو، بیدل کی غزلیں مجھے بہت پسند ہیں۔ قافیا آئی ایران میں مجب شاعر گردا ہے لیکن انہماک فحش کو ہے۔ اس کے دیوان کا انتخاب کیا ہے تو کام کا جو۔ اردو شعاعوں میں سرودا کا مثل نہیں۔ لیکن زبان اس زمانہ کی اب ابھی نہیں معلوم ہوتی۔ میر نے غزلیں مجب انداز کی کہی ہیں یکساں دود کی غزلیں کچھ اور ہی شایں رکھتی ہیں۔ سید انشاؤں کے ہزل گو ہیں اور ٹھنڈی کہتے ہیں۔ سعادت علی خاں سے مراد مہذب ایر کا ان سے متفق ہو جائے۔ شاعر نے لکھنؤ میں نواب اکھتار علی اور نواب فتح علی خاں کے ہاں رہا۔ جو پہلے اور اختلاط کی شاعری جو رقت کا نرالا طرز ہے۔ داستان نے ان کا تتبع کیا مگر کسی قدر اس رنگ میں اصلاح کی۔ تاج نے فارسی ترکیبوں سے احتراز کیا ہے اور ایک دی اپنے شاگردوں کو کہیں کہیں کہ عارض دیکھو و بنا گوش دابر و دہن و ذوق وغیرہ اور دوسرے محاورہ دہلی میں کہاں داخل ہیں جو شعر میں بے تکلف اس کا استعمال جائز رکھا جائے اور یہ مصرع پر ملاحظہ

میں نہ کہ دم شاعر کہنید

غالب نے اس کے برعکس اردو کو بالکل فارسی بنا دیا ہے بلکہ فارسی کا مادہ اردو میں ترجمہ کر لینا بھی ان کے آگے کوئی بات نہ تھی مگر پھر بھی چند شعر ایسے صحت صفت لکھے کہ ان کا جواب نہیں۔ سوئی گز بہت جلتے ہیں مگر چمن شمع ان کے بھی نہایت دلکش ہیں۔ امیر سہا برہن اور محقق اردو میں نہیں ہوا۔ جس رنگ میں وہ شعر کہتے ہیں اس میں اکثر شعر کہتے تو ہیں مگر جوش ان کے رنگ میں پورے اترتے ہیں وہ بے مثل ہیں۔ امیر اپنے استاد کے قدم قدم چلتے ہیں مگر لفظوں سے بچے رہتے۔ انہوں نے اور مجال نے کچھ دہلی کے رنگ سے بھی اپنے کلام کو رنگ دیا۔ دود کی شمع صفت زمانہ سے تھے۔ حالی کی غزلیں بہت مہذب ہیں۔ میر سے خیال میں اکثر ان کی اخلاقی نظموں سے غزلوں کا پایہ بلند ہے۔ انش و رفت و متباد و تکرر و گریا کے دیوان میں متعلیٰ خلاق بر گئے ہیں۔ بار بار چھپا کرتے ہیں۔ یہ سب لوگ غزل گو ہیں۔ اصل میں واقعہ نگاری کا سلیقہ ہونا جزا یا نظم شعر ہے جو غزل میں نہیں ظاہر ہوتا اور اس اعتبار سے میر حسن و نسیم لکھنوی و فراب مرزا شوق بڑے واقعہ نگار تھے مگر اخلاق پر ان کی شہزادیوں کا اثر اچھا نہیں پڑا تھا۔ میر انیس کا کلام خصوصاً ان کی آخری طر کے مرثیے جو آغا جوا صاحب کی مجلس میں پڑھے جاتے ہیں اور ان کے بعد سلیس انیس مرثیوں کو پڑھائے اردو میں عجیب چیز ہیں لکھنؤ کی خاص ذہین جو ہر طرح کے خوش نامیزش سے پاک ہے اس سے سیکھنا چاہیے اور مردانگی و صیت و ثابت قدمی و شجاعت و استقامت و وفا کا سبق اس سے لینا چاہیے لیکن لکھنؤ میں تنقید شعر کے جو اصول مقرر ہوئے ہیں اور خود میر صاحب بھی ان اصول کو تسلیم کر چکے ہیں ان کا کلام اس معیار پر پورا نہیں اترتا اور اس میں بھی شک نہیں کہ وہ اہل زبان ہوئے اور اپنے کا استعمال صحیح طور سے کر سکتے ہیں ان سب میں میر انیس خاص ہیں۔

نثر فارسی میں اہل افضل کی دقیقہ نگاری ایک کارنامہ ہے۔ لیکن وہ شخص اپنے دست و قلم کو زبان کا مالک سمجھتا ہے اور اس سبب سے تصرف سے جا بہت کر جاتا ہے جسے اہل زبان نہ مانیں گے۔ ناخ استعارہ کا طرز بیان قابل تہنیت ہے۔ اردو میں غالب کی نثر عادی کا جواب نہیں مرید کے مضامین بھی بے مثل ہیں۔ آزاد کی غرض بیان میں شک نہیں لیکن وہ تنے کے استعمال میں نعلی کرتے ہیں۔ اردو بھی کی ابتدائی جلدیں زبان

اورد کا زیور ہیں۔ خصوصاً خزانہ بھر بیگ کی تحریر میں کھنڈی دہلی کا سردار ہے کہ اب بدلتے ہیں اور شرفی بیگ کی ہے بھی کرتی ہے شرفی  
نے خوب اس کا تعین کیا ہے۔ شرفی نے جلد لکھا وہ جاگیر ہو گیا اور اب اکثر دی گئی ہے۔ مگر وہ عروس دایہ قدرت و فرشتہ انھوں نے اس سے  
کتابیں ہیں۔ مصنف نے خدا سے کٹ کٹ کر بھر دی ہے۔ حلقہ دیکھی کہ شرفی نے دی ہے۔ دہلی میں جو لکے کے محل استعمال کر کے بناتے  
ہیں مگر ناصری کا بیان وہ بھی منظم ہو گا رہے۔

ادب سے اسے جو اردو میں لکھے ہیں ان میں نظم کا حصہ بہت کچھ نکلی جاتا ہے۔ مگر نظمیں ہاں شاعری سے گئی ہوئی ہوتی ہیں۔ حبیبی  
شاعر، ہر دسی مکتولہ نامہ مکتولہ میں تو اسے اتنا دیکھا ہے۔ عربی و انگریزی کی کسی قدر داخل جو ہو گیا ہے۔ تو اردو کی کتابیں میں دیکھا  
اس میں بڑی جگہ ہے۔ بہت سے اردو میں تصنیفات ہونے اور یہ ہے جس کی تجھے خبر نہیں۔ میں اس عالم میں نہیں ہوں۔ یہ جانتا ہوں کہ اردو  
کے ایسے رسائل کی بہت ضرورت ہے جو اردو کے نثری جدید نا اہلانات حمید کہ انگریزی رسائل کی طرح وقت فوقتاً شائع کرتے ہیں۔ بڑی بڑی ترجمہ خود  
سمجھتا اور در فضیلتی ترجمہ دیکھا کچھ نہیں۔

میری اہل علم حال آپ کی پچھتے ہیں۔ فساد حجاب و زبرد عشق نئی شائع ہوئی تھیں اس نظم و نثر نے طبقہ اردو میں وہ زلزلہ ڈال دیا  
تھا کہ مجھ پر کیا موقوف ہے اس زمانہ کے لوگوں میں کوئی اس کے کسے اثر سے نہیں غفلت را جس کے چہرے آج تک نہ مندل ہوئے۔ مولا ادبیر مرحوم  
دیر مونس مسطور کے نئے سرخیوں کی مجلسیں بھی یاد گو زمانہ بدلتی ہیں۔ مگر ہر کام ہمارا اور اب کچھ نہیں۔ اس کا ایک جیب مگر لا شرفی تھا۔ اس  
زمانہ میں کچھ اردو کی شرفی شروع ہوئی مگر ان کی عمل سے اخبار کا نام بھی شائع ہونے لگا۔ والد مرحوم کے ساتھ میرا کلکتہ جانا ہو گیا وہاں جا کر معلوم ہوا  
کہ بادشاہ نے بھی اردو میں خط و کتابت شروع کی ہے۔ اور صبح عبارت بہت پسند کرتے ہیں۔ بعض تحریریں میرے بھی حلقہ سے گزریں اور کچھ  
فقرہ جو میرے لیے سرمایہ کاوش ہے ارشاد ہوا۔

”تمہاری عبارت پسند خاطر ہے دیکھتے تھے طرح ہے“

ایک دن نواب تاج محل کی کماری میرے پاس آئی اور کہنے لگی کہ جہاں پناہ نے ہمارے حصار کے لیے ایک غزل کہہ کر بھیجی ہے۔ حضور  
فرماتی ہیں کہ اس غزل کا جواب کچھ دیجئے۔ پہلے تو میں حیران ہوا کہ بادشاہ کی غزل کا جواب اردو میں یہ کیسی فرمائش ہے۔ پھر اس کے اقد سے غزل لے  
کر دیکھی تو معلوم ہوا کہ خاص سماں محل کی طرح میں وہ غزل ہے۔ طرح اسے سماں بیگم اور عیار ہے تا بان بیگم۔ یہ دیکھ کر جواب میرے ذہن میں نہ آ گیا کہ

زلف مشکیں میں گرفتار ہے تا بان بیگم  
کشتہ ابروئے غم دار ہے سماں بیگم

ماری غزل اسی وقت لکھ کر دے دی اور حضرت کے حلقہ میں گزر گئی بہت پسند فرمائی۔ بادشاہ کی غزل تو اس کے کسی دیوانہ میں غالباً  
موجود ہے لیکن میں نے کچھ لکھ دیا تھا حسب ضابطہ اس کی نقل بیت الاظہار کے دفتر میں ضرور ہو گی مگر میں اپنے پاس مسودہ نہ رکھتا تھا۔ میں چیزوں  
کی میری فکر میں کچھ نہ تھی۔ وہ دفتر میں تیار ہو گیا۔ بیگم میں نہ جانے وہ سب جگہ کی چند ہی کے لکھ گئی جس میں بہت ناموں کی نقیصہ دی تھیں۔  
یہ شرفی بادشاہ کے رفعت اور درجہ میں تھے اور مگر انگریزی میں جو بہت سے بادشاہ کی طرف سے ہلاتے تھے وہ حسب ضابطہ اور عظمت خودی  
نہا کرتے تھے۔ اس مرقم کی جہت تحریر و من و درہا اچھے سے کسی طرح کم نہ تھی۔ شاید وہ سب تحریریں ان کے صاحبزادوں کے پاس ابھی تک

کھنڈی مرید ہوئی جو خوشی صاحب کے قلم سے نکلیں۔ یہ خدمت تو انہیں کے موضوع تھی مگر مجھے بھی ایک مرتبہ بادشاہ کی طرف سے فائز ہونے کو  
محبت نامہ لکھنے کا اتفاق ہوا ہے اور اودھ پہنچ میں اس عزائم سے چھاپا بھی تھا کہ  
راؤ دروہن پرودہ نرنگاں مست پور

کئی ہزار روپے لے کر ایک کونسل نے اس کا مسودہ انگریزی میں کیا تھا۔ مولوی محمد حیدر دہنا صاحب جو بافضل مشایرج میں اس امام ہاڑہ  
کے متعلق ہیں جس میں بادشاہ حریف ہیں انگریزی کا مطلب مجھے اودھ میں بھاتے بھاتے تھے کہ میں اس زمانہ میں انگریزی نہ جانتا تھا اودھ میں ہر ہر فقرہ  
کو فارسی میں لکھتا ہانا تھا ساس کا اخبار میں شائع کرنا بھی تری مصلحت تھا اور دوسرے تحریریں صیغہ راہیں پیشہ ہوا کرتی تھیں۔

شر کی طرف رجحان ہونے کے اسباب یہ ہیں کہ مولوی محمد ہمدی صاحب ادیب کھنڈہ اودھ میں آئے ان کے والد تعلق کے شاگرد ہوئے اور  
اشرف آباد میں برکھٹ کے مشاعرے انہوں نے شروع کیے۔ میں اس زمانے میں پرانے حیدر گنج میں تھا۔ بسبب قرب کے اور ان مرحوم کے اہل  
سے ہر مشاعرہ میں شریک ہونے لگا۔ فارسی میں قرنی و ظہری و قطرہ وغیرہ پڑھ چکا تھا۔ ان کتابوں کے مضامین اردو کی شاعری کا ہیرو ہو گئے۔ اس  
زمانہ میں تمام شاعر کا مذاق ہی تھا کہ شکر کو معراج کمال سمجھتے تھے۔ میں بھی کچھ کہنے لگا۔ جب مشایرج میں رہنا ہوا تو دہن عامر علی مرزا ولی محمد مرحوم نے  
مشاعرے شروع کیے۔ ہر مینہ کی گلدھویں تاریخ شام ہوتی کہ شاعروں کے مکانوں پر چوہا در موجود کر بیٹھے صاحب عالم یا دفتر دار ہے ہیں۔ میری زبان  
پر فارسی عربی پڑھنے کا بڑا اثر پڑا تھا کہ تصنیف کا حس تو بالکل جاتا ہی رہا تھا اودھ میں آمیزش کو اچھا نہ سمجھتا تھا۔ اس وجہ سے شعر کہنے کو جی نہ جانتا تھا اور  
بہت کم لکھتا تھا۔ اس شانیں غالب کا دیوان پہلے کھنڈہ سے چھپ کر نکلا اور اس بات کا فیصلہ ہو گیا کہ اردو کو فارسی سے چاہہ نہیں۔ میرا قلم بھی چل  
نکلا۔ غالب مرحوم کے دیوان کا انگریزی بہت پیلا مگر خاص طبقہ میں رہا۔ دہلی میں نے جیسا کہ لکھا تھا وہ اثر میں نے کسی کتاب کی اشاعت میں نہ دیکھا۔

شعر و سخن کے ذوق نے اکثر لوگوں کی دہزنی کی ہے کہ تحصیل علم کو چھوڑ کر تمام عمر کیسے اسی فن کے ہوسے۔ میرے بے شعر رہے ہو گیا۔ میں نے  
دیکھا کہ طالبان فی صدائق البلاغ و صیاد الاسرار کو ہر کے پڑھتے ہیں اور پھر نہیں سمجھتے۔ سکا ہی دہلی میں رہا تھا ان کی کتابیں دہلی عربی کے قفل میں  
اور معقولات کے صدار میں بند پڑی ہیں۔ حلا کے طبقہ میں ہر لوگ ہیں انہوں نے شعر العالی کے چند سٹکے پڑھ لیے تو کیا وہ شاعر نہیں ہیں، میں نے  
اس بغت خوان میں قدم دکھا۔ پھر شعر لکھا۔ ادھر یہ قیامت ہوئی کہ مرزا ولی محمد مرحوم نے اور جہاں مر گئے۔ مشایرج نامہ کدہ ہو گیا۔ شعر کہنے کی طرف  
سے اکثر لوگوں کی طبیعت افسردہ ہو گئی۔ میں نے ایک قلم کھر شر ترک کی۔ میرے ہم خیال وہم خاق مولوی محمد ہمدی مرحوم نکلے۔ حق کے مرنے کے بعد  
وہ بھی مشایرج میں چھپے آئے تھے۔ میں نے انہوں نے شریک ہو کر مینڈی کے طبیعات و الہیات پڑھے تھے۔ انہوں نے تو پھر اودھ میں شعر نہیں  
لکھا تحصیل علم سے فارغ ہو کر کھنڈ میں عربی تصانیف میں فصاحت و بلاغت کا علم بند کیا۔ مجھے فلسفہ کا ذوق ایسا ہو گیا کہ شعر کہنے میں پھر جی نہ لگا۔  
میرے دیوان میں جتنی غزلیں ہیں یا تصانیف میں سب طرح مشاعرہ میں ہیں یا کسی کی فرائضی زمین میں ٹھکر کی ہے۔ دوسری تصنیفوں کا بھی یہی حال ہے۔  
کوئی محرم تمام عظم نے حرکت کی نہیں تو رحمت بے جا بھی۔ خدا مغفرت کرے مولوی میر بافضل حسین صاحب میر مجلس صداقت حایر کی شہی شہید  
انہوں نے مجھ سے کھسوا دی اور خدا بھلا کرے نواب عوام ملک بہادر کا کہ دیوان غالب کی شرح محض ان کی فرائض سے میں نے کھی اور کوئی ہوتا  
تو اس کام کو اپنے شاہ کے خلاف سمجھتا۔ میری کسی تصنیف کی ملک نے قدر دی۔ احباب کی قد شناسی کے طیش میں کچھ کلام دیوان کی صورت میں جمع  
ہو گیا اور ملک کی نشانی کے سبب سے تصنیف و تالیف کی بہت آغوش کا حق ہو گیا۔

## تعميمات والبيانات

ولادت ۱۳۵۷ھ۔ ولادت ۱۳ جولائی ۱۹۳۸ء

والف ای غازی کے دادی می سے حافظہ، ستوری، مصائب، طغی اندھاقت کہ پسند کرتا ہوں اور با محبت حضرت خاتم، شہزی مولانا  
 روم علیہ الرحمۃ، ایات مولانا ہائی، برستی، کر یا۔

۱۔ امدوداؤ اللہ علیہ کے دیوانی غالب، دیوانی سودا، دیوانی تیز و دیوانی دانا، دیوانی حبیب، کام آقبال، کام حضرت اکبرؑ آبادی کام حضرت ربیع، کام حضرت مظفر، کام حضرت جلیل، کام جلال، کام بہشتی شمس زماں تبرکھنوی، کام حضرت عالی، مولانا آزاد مرحوم۔

۲۔ تشریح سے کام لے کر مولانا عبدالحلیم ناولست، مولانا سید احمد صاحب مرحوم، ادبی رنگ میں توبہ انصوح مولوی نذیر احمد صاحب تصنیف مولوی عبدالحلیم صاحب شہزادہ، تصنیف بذات سرشار صاحب کھنڑی، ہر تقریر پر پشت تک بست، کام مولوی ظفر علی ٹکلی بی اے (ہیک)، ڈاک رسالہ جناب ریلوی ضمیمہ شیخ عبدالغفار یار عزیز قریب جناب، سید ناصر علی صاحب غازی بک سلاٹے حام دہلی، تنقیدات رسالہ لادن مہدی پتہ پتہ رسالہ ان ظفر کھنڑی۔

اوپر جس قدر حملے دیکھ گئے ہیں یا مستقرانی ہیں اور ان کا نام یا قتلہ جیسا گاؤں دنگوں کے لایا گیا ہے۔ اس سے یہ مولد نہیں کہوں میں اجلا نہیں ہو سکتا اور جو بھی ملک ہے کہ کوئی اور صاحبان میں کچھ لایا کر سکیں۔ جس نے ان کا نام بطور ایک فقیر کے لایا ہے۔

۲۔ اوائلی غرض مجھے میسر نہ ہو سکی تھی۔ لیکن یہ کتاب اردو تصنیف یا تالیف پسندوں کی فہم میں حقیقت اور سادہ پرورش کی گئی ہے۔ جو نوجوان تصنیف اور تالیف پسندوں میں ساری دلچسپی اور رنگ کی قصائیں اور کہیں نہ زیادہ پسند کر رہا ہوں۔ غرضی رنگ کی کتابیں اردو تصانیف میں مجھے شروع سے ایک خاص

قسم کا شوق راہ اور یہ سلسلہ مجھے سب سے زیادہ پسند بھی آیا ہے اور یہی رنگ مجھے زیادہ ملاحظہ کرنے کا ذریعہ ہے۔ دو ادبی اور اشعار میں سے میں وہ سلسلہ پسند کرتا ہوں کہ جس میں سوز و گداز ہر ادبی میں شامل کرنے کی حقیقت ظاہر کی ہو۔ ان کا ایک مصرعہ بھی میرے دل پر خاص اثر کرتا اور مجھے ایک خاص حلقہ بنتا ہے۔ اسی طرح غزلوں میں رنگ کی کشش اور صوفیانہ رنگ کی تصانیف سے میں ایک خاص غرض کا احساس کرتا ہوں۔ بعض دفعہ مجھے ساری کتاب تاپسند ہوئی۔ کبھی اس کا ایک جملہ جتنا پسند آیا کہ کتاب کے میرے لیے ایک خوش کن ذخیرہ ثابت ہوا۔ ایک دفعہ مجھے ہندی دوروں کی ایک کتاب ملی۔ میرے دل پر ای دو ہونے لگا۔ اتنا اثر کیا کہ میں کبھی کبھی اکیلا ہرگز نہیں بد بار پڑھتا تھا۔ اس وقت میرے دل سے ایک جوش اٹھتا تھا اور میں اپنے دل میں ایک خاص قسم کا سرور محسوس کرتا تھا۔ بعض دفعہ ایک شعر نے وہ حالت کی ہے کہ ہزاروں شعر سے بھی وہ سال میں پیدا ہوا۔ ایک دفعہ ایک پنجابی فقیر صبح

ای صبح پنجابی زبان میں یہ گارہ تھا کہ

”جو ت ایک دفعہ اپنی شاخ سے گر جاتا ہے وہ پھر کبھی اس شاخ پر نہیں لگ سکتا“

میں نے دیکھا کہ ایک اچھا بڑھا کھٹا آدمی بس کرنا رزادہ داتا تھا اور اس کی حالت واقعی کسی اور رنگ پر تھی۔

میرے مطالعہ کی ترقی اور وسعت کا باعث اس قسم کی کتابیں اور مضامین ہوتے ہیں۔ اب مجھے یہاں تک خط ہے کہ میں ایسے ہی مضامین یا اشعار فقرات۔ جملوں کی تلاش میں مصروف رہتا ہوں۔ اگر ایک ہزار مصرعوں کی کتاب سے ایک فقرہ بھی میرے مذاق کے مطابق آتا تو میں مجھ لیتا ہوں کہ کتاب کی قیمت وصول ہوگئی اور میرا وقت و مبالغہ نہیں گیا۔

مجھے کسی کتاب نے اتنا فائدہ نہیں پہنچایا اور نہ ملاحظہ کیا جس قدر اس قسم کے فقرات اور مضامین نے فائدہ پہنچایا اور ملاحظہ کیا۔

میری رائے میں ہر کسی کتاب کا ایک فقرہ بھی دل پر اثر کرتا ہے اور خیالات میں توجہ اور جوش پیدا کرنے کی قابلیت رکھتا ہے۔ قرآن کتاب کی جان کتاب کی کفالت ہے اور وہ کتاب لائق انتخاب ہے۔

(۳) میں کوئی خاص ایس کتاب بیان نہیں کر سکتا کہ جس نے میری علمی زندگی میں کوئی خصوصیت پیدا کی ہو اور میں اس خصوصیت کی وجہ تصنیف یا تالیف کی طرف متوجہ ہوا ہوں۔ میں نے اپنے ارد گرد ایک لمبی چوڑی کتاب لکھی دکھی اور اسے دلچسپ پایا۔ ایک ایک لفظ اور ایک ایک فقرہ نے میرے خیالات میں خاص توجہ پیدا کیا۔ بعض دفعہ ایک ہی فقرہ اور ایک ہی بیت نے مجھ پر وہ اثر کیا کہ میں بیٹھے بیٹھے صد بار صنفی کھ گیا۔ ذرا تھک کے سے روکا اور نہ قلم رکھتا ہے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میں ایک اعلیٰ پایہ کی کتاب کوئی اڑھائی سو صفحہ تک پڑھ گیا لیکن میرے دل کو لگا ہر کوئی خاص اثر نہ ہوا میں جب کسی مضمون کے کھینے پر غم اٹھاتا تو ایک دو سطروں کھ کر دیکھ دیکھ جاتا تھا۔ میں قریباً اکتا گیا۔ دیوان صائب پاس پڑھا۔ اٹھا کر پڑھنے لگا۔ میں نے مندرجہ ذیل شعر خیر پڑھے ہوں گے کہ دل و دماغ میں اس قسم کا بندہ ہوا کہ میں سات کے ایک بجے تک کھتا رہا اور نئے نئے مضامین بھی نہیں پڑھنے لگے۔

ہر چہ دیریم دوریں باغ نہ دیدل ہر بود	ہر گھٹے تازہ کہ چہ دیریم نہ چیدل ہر بود
ہر کجا مستفل آدم تقصدہ کہ دیریم	چوں نفس راست نمودیم دیدل ہر بود
ہر متع کہ دیریم ہر اوقات عزیم	ہر دگر وصف صبری نہ دیدل ہر بود

اس کا باعث کیا تھا کہ ان مصنفین نے دل و دماغ پر اثر کیا اور جنبِ مصنفین کی طاقت خود بخود پیدا ہو گئی تھی جس سے تاثیر میری دماغ میں مسلط تھی اور تب تک کہ واسطے کسی بڑے مسائل کی ضرورت نہیں صرف چند ڈھڑ بھڑبھڑ کی ضرورت ہے۔  
(۴) جو کہ میں حقیقی واقعات اور ملاحظہ اور پرکھی گئی ہیں۔ جو میری ذاتی رنگ و باطنیاد طرز میں بحث کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ نکلنے میری زندگی اور میرے ضمیر پر خاص اثر کیا ہے۔ کتاب میری حروف نہیں دیکھے ڈھڑبھڑبھڑ کی زندگی اور میرے دل و دماغ پر اثر کیا ہے۔  
پڑھ کر ہی نہیں بلکہ کسی بہت متاثر ہوا ہوں۔ خوش منقسم خوش صدا کا مجھ پر ایک خاص اثر ہوتا ہے اور ان حالات میں میرے دل میں بہت سی باتیں کا توجہ ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص یا کسی خوش الحانی سے بہار اور اور اگر کوئی شہد شنبہ میرے دل و دماغ میں مصنفین جدید کا ایک خاص نمونہ پیدا ہوتا ہے اور کھنکھنے میں کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ ہر قسم کی خوش گواہی میری اثر کرتی ہے۔ کبھی کسی لڑکی اور اداسی کا بھی میری زندگی پر اثر ہوتا ہے۔  
ایک دفعہ طبیعت گنہ گار ہی تھی۔ بسیدہا اگر کچھ کھلیں یا کچھ مکمل کر طبیعت کھنکھنے میں دانی۔ یہاں حضرت میناں اٹھایا کھڑے ہی میں شہر پر نظر پڑی ہے۔

ہر جام میں ہے جلوہ مستاد کسی کا

میکاد ہاں ہے جلوہ اند کسی کا

نہیں معلوم اس بزرگ شاعر کے اس شعر میں کیا کچھ اثر ہے اور کیا طبیعت پڑھنے ہی مکمل گئی اور نظم خود بخود عرصہ قسط میں پڑا۔  
(۵) میں نے سب سے پہلے پہل پنجابی زبان میں مولوی غلام رسول صاحب مرحوم کی بحر میں سستی پنہل کی داستان لکھی۔ تاہم میرے سب سے بہت پسند کیا اور میں بھی ایک حد تک اسے پسند کرتا تھا کیونکہ وہ ایک درد کی کہانی تھی۔ اس سے میری طبیعت مصنفین نے کسی پرستہ ہوئی اس کے بعد دوسرے بزرگ کتاب (مرآۃ الانیال) مثل خلافت پر لکھی گئی۔

(۶) یہ کہ کسی قدر مشکل ہے کہ کوئی کتاب میری تصنیفات میں سے میری کے درجہ میں ہے۔ کے بہتر کہوں اور کے ناقص اور جو جدید میں شاید میری دماغ میں کوئی بہتر اور دوسروں کے خیال میں مجھ سے ناقص۔ جس میں اپنی اپنی پسند کتاب و مضامین اپنی اپنی پسند ۱۲۱ اتنا کہوں گا کہ میں جیوں نہ ماؤں نہ جاتا ہے اور بیک فرمائز تو ہرے کرتے کرتے بڑھتا ہوتا ہے پہلے خیالات میں سے بعض خیالات قابلِ ترمیم یا قابلِ تشریح ضرور معلوم دیتے ہیں۔

پہلے سال نے شاعری پر ایک چھوٹا سا رسالہ جو لکھا ہے وہ میری اور چند مصنفین کی دماغ میں ایک ایسے پیرا میں کھلا گیا ہے۔ اب ایک کتاب کو سات سو صفحہ کی موسوم بہ اساس اخلاق میں دیکھیں ہندو تہذیب میں لکھی ہے۔ میری دماغ میں اس رنگ میں اور دو زبان میں بہت کم لکھی کھی گئی ہیں۔ اس کتاب میں خاص اصولوں کی پابندی سے اساس اخلاق پر بحث کی گئی ہے۔ اگر کتاب ای کھنکھنے سے پسند کیا تو میری دماغ میں میری چالیس چالیس تصانیف میں سے یہ کتاب بہتر ہے بڑی اور شاید بعض کی نظروں میں یہ کتاب بہتر ہے میں سے شاعر پر کیر کیر ایک کا مذاق جہاں ہے۔ اگر سب نہیں تو فقرے دو فقرے شاید اچھے نکل آئیں۔

(۱) اساس اخلاق (۲) قوت اور حکمت (۳) اور جہد (۴) جہد و خرد (۵) تہذیب (۶) مرآۃ الانیال (۷) اصول الم -

(۸) سید (۹) اصول (۱۰) سستی پنہل (پنجابی) (۱۱) اخلاق احمدی (۱۲) دماغی اخلاق (۱۳) سراج اخلاق -

تصنیفات

(۱۴) رفیق الاضواء (۱۵) فرحت (۱۶) عصاف (۱۷) امثال (۱۸) دل نواز (۱۹) دلسوز (۲۰) ایک اعلیٰ ہستی (۲۱) بزم خیال (۲۲) زمیندار  
(۲۳) بک (۲۴) نظم خیال (۲۵) الفت (۲۶) راز الفت (۲۷) فن شاعری (۲۸) شیر باطل (۲۹) نبوت (۳۰) الصلوة (۳۱) انصاف -  
(۳۲) حیات صادقہ (۳۳) نثار المؤمنین (۳۴) خیالات (۳۵) یاد و سر (۳۶) یادگار حسین (۳۷) انثار حسین (۳۸) علوم القرآن -  
(۳۹) وقت (۴۰) انتظار (۴۱) فنون لطیفہ و چند نظمیں (۴۲) زندگی (۴۳) درس بخودی (۴۴) طلاق و کثرت ازدواج (۴۵) تنقید بر خنوی مولانا  
قدوائی (۴۶) ذبح گائے (۴۷) فلسفہ (۴۸) صفات باری (۴۹) سفرنامہ (۵۰) مجموعہ مضامین (بارہ جلد) وغیرہ

## محبوب عالم ایڈیٹر پیسہ اخبار

دلاوت شاہ - وفات ۲۷ مئی ۱۹۳۳ء

(۱) اگر آپ کا قدیم اور مستند فارسی کتب کی طرف اشارہ ہے تو میں گلستان سعدی، دیوان حافظ اور کیلئے سعادت امام غزالی کو بہترین  
سمجھتا ہوں۔ اسی کے بعد خنوی مولانا دردم، غریب اور ابن یسین وغیرہ کو بلا لحاظ تقدیم و تاخیر۔

(۲) سعدی، آبی اور نظامی کی کتابوں نے۔

(۳) گلستان سے مجھے بہت دلچسپی ہے اور میرا دیوان حافظ سے۔

(۴) اس انگریزی کتاب آؤ میا گرنلی آف انجینئرنگ کے عنوان شباب میں مطالعہ کرنے سے میری زندگی پر اس سے بہت اثر پڑا اور  
میں ہر ایک ہندوستانی نوجوان کو انگریزی یاد دہیں اس سلف میڈ امریکن غلامی و مدبر کے دلچسپ حالات زندگی مطالعہ کرنے کی صلاح دوں گا۔ میں  
نے اس کتاب کا اردو میں بھی ترجمہ کر لیا تھا۔

اس کے بعد امریکہ کے ڈاکٹر بارنہی ایسی ایٹل کتابوں کے مطالعہ سے بھی میری زندگی پر اثر پڑا ہے۔

(۵) میں نے گزشتہ تین سال کی اخبار نویسی کے زمانہ میں کئی چھوٹی موٹی کتابیں مرتب کی ہیں۔ میرے سیاحت نامہ یورپ و ترکی وغیرہ کی خاص،  
قدیم و نئی، گل پرستی، ایک لوکل کالج کے پروفیسر نے جو تین سال سے اہم اے اے کے کتا کو مجھے تمنا سفر نامہ اس قدر پسند آیا ہے کہ میں اس  
کے بعض حصے دوبارہ بارہ چندہ دہوں۔

(۶) درحقیقت میری مستقل تصنیفات کوئی نہیں ہیں تاہم جو کچھ ہیں ان میں سفر نامہ یورپ خاصا ہے۔

(۱) محبوب الاضواء (۲) تھار اور غریب

(۳) سفر نامہ یورپ (۴) سفر نامہ عراق وغیرہ۔

تصانیف





## چودھری افضل حق

بچپن کی بھول بھٹی گزریں کر یاد کرنے کوئی جیسے تو شاید ہی کسی کو ادیب کے دوش اور ماں کے خوش کا کوئی واقعہ یاد ہو۔ میرے بچپن کی کہانی استاد کی ماہیت سے شروع ہوتی ہے۔ زندگی کا پہلا واقعہ یوں یاد ہے کہ تعلیم کے ابتدائی دور میں داخلے کا پہلا دن تھا۔ پیشاب جو ٹٹا میں جماعت سے باہر چلا گیا۔ فارغ ہو کر واپس آیا تو خلیفہ جی سے آزار بند باندھنے کی فرمائش کی۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ خلیفہ جی کون ہیں کے آزار بند باندھنے سے پڑ ہے۔ پہلے ہی دن مجھ پر پٹری وقت آن پڑا۔ خلیفہ جی کا خندہ ان کی عقل اور دُش سے زیادہ تھا۔ آزار بند باندھنے کے بجائے مجھے پٹے کے رستے سے باندھ کر مارنا شروع کیا۔ اس بدسلوکی کا سزا داریں ہی نہ تھا۔ بلکہ خلیفہ جی ایک ماہیتاب پہلے ہی خاک کھچے تھے۔ غرض پہلا سبق جو استاد نے پڑھایا اور جسے میں عمر بھر نہ بھولا وہ یہ تھا۔ مدرسہ میں پیشاب نہ کرو۔

اس طرح پتے چماتے ہاتھیں جماعت میں پہنچے۔ یہاں کے ماسٹر صاحب کی ایک آنکھ تھی۔ مگر خلیفہ صاحب سے غصہ دوگنا تھا۔ وہ جماعت میں گنتی سے پانچ منٹ پہلے ہی آجیتا۔ میں اور ہندو کے سکول سے گھر دوڑ بولنے کے باعث ایک آدھ منٹ بعد پہنچے۔ ماسٹر صاحب نے نہایت اطمینان سے فرمایا۔ کان پکڑو۔ ہم ٹانگوں کے نیچے سے ہاتھ ڈال کان پکڑا۔ آسمان اور زمین کے متوازی ہو گئے۔ اس پر بس نہیں کی بلکہ اس نے تھوڑی دیر کے بعد اسی حالت میں کتابیں کھول کر پڑھنے کا حکم دیا۔ قیاس کر دو کہ کان یوں پکڑے ہوئے کوئی سبق کیا پڑھے گا۔ ہم تھک چکے تھے۔ اتنا آرام نصبت ہو گیا کہ ہم نے کتابیں ہستے سے آہستہ آہستہ نکالیں۔ سامنے کھول کر رکھیں اور ٹیوں کی جان کھکھچہ کانوں کو اسی طرح پکڑ لیا۔ سر نہ بچا بولنے کے باعث آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ ایک ایک کے دس دس حوت نظر آنے لگے۔ مانگیں جسم کا بوجھ برداشت نہ کریں، آنکھوں سے کچھ نکل نہ آئے۔ ایسے معلوموں سے کوئی پرچے کر یہ کیا تعلیم کا طریقہ ہے؟

چھٹی جماعت میں پہنچ کر تھوڑے اطمینان کا سانس نصیب ہوا۔ مارپیٹ کا قاعدہ تو یہاں بھی جاری تھا لیکن ایک دن کے تصور پر مبنی نہ رہا۔ سزا ملنے لگی تھی۔ یہ سزا ملنے کے واقعات ہیں۔ اسی سن میں صبح کے وقت کا گھر کا قیامت خیز زلزلہ آیا جس سے پنجاب بھر کو غائب غفلت سے بیدار کر دیا۔ کچھ عرصہ تو میں نے سمجھا کہ قیامت آگئی۔ مائیں بچوں کو گھروں میں چھوڑ کر جان بچانے کھل بلکہ کی طرت بھاگیں تاکہ عمارتوں میں دب کر نہ جائیں۔ نفسا نفسی کا یہ عالم تھا کہ بھڑپائی جان کے کسی کو کسی کا خیال نہ رہا۔ اس واقعہ کے بعد قیامت اور اس کی تفصیلات پر مجھے کبھی شبہ نہیں ہوا۔

یہ زمانہ دنیائے اسلام پر بدترین ابتلا کا سبب تھا۔ دوس اور انگلستان کی پالیسی ایشیا کی آزاد مسلم سلطنتوں کا خاتمہ کرنے پر موصوفی۔ دوس کی نسبت انگلستان کے اقدامات اسلام کی ذلت کا زیادہ باعث بن رہے تھے۔ انگلستان کے ارباب ہنست و کشادہ ہندوستانی مسلمان کی حیات سے بے پرواہ ہو کر کشتہ خور میں وہ باتیں کہہ دیتے تھے جسے ہندوستان کا آزاد خیال مسلمان آج سننے کا تحمل نہیں۔ قہر حکومت اسلامی کی اینٹ سے اینٹ بجتی دیکھ کر کہیں میں میرا عقدہ جوان ہو گیا۔ اس وقت میں اپنی طبیعت کو انگریزی حکومت سے تعاون پر آمادہ نہیں کر سکا۔

گھر بھر کے مذہبی رجحانات کے باعث مجھے بھی کہیں میں عبادت کا شوق ہو گیا۔ اس زمانہ میں شاید ہی کوئی نماز قضا ہوئی ہو۔ فرض چھوڑ کر نماز میں بھی رغبت زیادہ تھی۔ اُس زمانہ میں اس زمانہ کی نسبت لوگوں کی مذہبی سیرت زیادہ بہتر تھی۔ اس زمانہ میں بعض ایسے مذہبی علماء بھی تھے جو گرتی عبادت میں مصروف تھے مگر انگریزی سلطنت کے اثر و سرور سے بے پروا تھے۔ مجھ پر ان کی سیرت کا بے حد اثر تھا۔ میں محلہ کی مسجد میں گھنٹوں تنہا رہا تھا۔ ایک روز مجھ پر عرب کیفیت طاری ہوئی۔ ایک ایک طبیعت میں ایلیان بڑھنا شروع ہوا۔ اپنے آپ کو ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگا۔ اس وقت پانی میں گھلی کی طرح آسرا تھا۔ میرے من کا ذائقہ ایسا خوشوار ہو گیا کہ زندگی بھر میں کسی خوش ذائقہ پھل سے وہ حلاوت نصیب نہیں ہوئی۔ ذائقہ کی یہ سیرت خاصی دیر قائم رہی۔ فرصت قلب کئی گھنٹے جاری رہی۔

کئی دن کے بعد ہمارے دنیاویات کے استاد جو شب زندہ دار اور پُرسہ رہنے کا رستے فرمانے لگے کہ بعض اوقات خدا انسان پر مہربان ہو کر اس کی زبان کا ذائقہ ایسا بدل دیتا ہے کہ باوہ ہشت کے پھلوں سے لذت اندوز ہو رہا ہے میں خوش خوش پھر مسجد میں گیا کہ خدا کی مہربانی کا پھل کھاؤں۔ طبیعت کو یک سو کرنے کی بڑی کوشش کی، کچھ مزانہ آیا۔ ناکام اٹھا تو معلوم ہوا کہ کوئی میزاج اٹھا کر لے گیا ہے۔ اب تو پہلا مزاجیں کر کر اہو گیا۔ ندامت سے گھر پہنچا تو جتنا کھو جلد سے پرست فہمائش ہوئی۔ میں پھر زبان کا نرا ڈھونڈنے کے ارادے سے مسجد میں نہیں گیا۔

باد جو دوزخانی صحت کے انٹرنس اسلامیکول اترتسوس پاس کر کے ہوا اسلامیکالچی میں داخل ہوا۔ یہاں آکر معلوم ہو گیا کہ صحت تعلیم کا ساتھ نہ دے سکے گی۔ تاہم کوشش جاری رکھی۔ غلطی سے سانس اور حساب دونوں بے نتیجہ یہ ہوا کہ کالچی میں کامیابی کی امید مشتبہ ہو گئی۔ میں اس سال (۱۹۱۷ء) الین اسے میں ٹیل ہو گیا اور دوسرے سال دیال سنگھ کالچی میں داخل ہو گیا۔ یہاں پہلی دفعہ غیر مسلم شات سے واسطہ پڑا۔ یہاں کے پروفیسر اسلامیکالچی کے پروفیسروں سے ہزار درجہ قربانی، علم اور علم میں بہتر تھے۔

ایک دن دیال سنگھ کالچی کے پروفیسر کے۔ ایم، حترالے فارسی پڑھتے ہوئے برسپیل مذکورہ کہا کہ ہجرت کے کئی سو سال بعد مسلمانوں نے تصوف کو غیر مسلموں سے لیا۔ اس کی یہ بات میرے اوپر کل بن کر گری۔ تصوف میرا ڈھنکا بچونا ہو چکا تھا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی چیز کا حاصل کرنا علم کہلانے کا مستحق ہے۔ مذہب کا بزد کہلانے کا مستحق نہیں۔ اس لیے مذہبی دلوں نے کی طرح پروفیسر تر اکو ثاٹ دیا کہ آپ ابھی اسلام سے واقف نہیں۔ پروفیسر نے میری

طوفانِ تہمت سے دیکھا۔ مسلمان طالب علموں نے میری جرأت کی داد دی۔ جو دس شرمندہ ساتھ لڑکے اس میں بیٹھا رہا۔ تمام مسلمان طالب علموں کا میرے ساتھ اتفاق تھا کہ تصوف مذہب اسلام کا ضروری جزو ہے۔

دوسرے روز بروز میری طبیعت سسکتا چلا گیا۔ حوالے پر حوالہ دینا شروع کیا کہ قرآنِ اولیٰ میں تصوف کا کوئی نام نہ جانتا تھا۔ خانقاہ اور تکبیر کا نام غیر اسلامی، تصوف کا لفظ قرآنِ مجید میں نہیں، رسولِ عرب سے مذہم کشتی ثابت، نہ قلب پر ضربات لگانے کی سنت کا کہیں ذکر یہ علم صاف طور پر غیر اسلامی ہے اور اسلام میں چوتھی صدی ہجری کی پہلی آواز ہے جب مسلمان پرانی اور ہندوستانی فلسفہ مذہب سے دوچار ہوئے تو انہوں نے تصوف کا یہ خدا سلام میں لگا دیا۔

بروز میرے کما جاتا تصوف اور شریعت کے کسی عالم کے پاس پہنچ کر پہلی تین صدیوں میں مسلمانوں میں تصوف کی موجودگی کا مستند حوالہ دہی قائل ہو جاؤں گا۔ علم میں ضد جہالت ہے۔ علم، علم کے معیار پر مبنی اور اسے تسلیم ہے۔ جہاد کا مقصد اور اس کے ہونے کے لیے سند نہیں۔

میں نے کلمہ بر فیض صاحب! اگر مسلمان علماء اور صوفیائے کمال یہ سند نہ جوتی تو یہ خانقاہیں اور عینے نہ ہوتے۔ ذکر شعل جاری نہ رکھتے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی چیز کو داخل عبادت و دین سمجھنا بدعت ہے۔ بروز فیض، اور یہ بھی کہو کہ بدعت گمراہی ہے۔

ہیں۔ ہاں! بدعت گمراہی ہے کیونکہ دین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کمال ہو چکا تھا۔ بروز فیض تو تم استدلال کرتے ہوئے کہ تصوف کی داغ بیل ضرور رسولِ عربی نے ڈالی۔ یا کم از کم اس کی اجازت ہی فعل کو الجھنوں میں کیوں ڈالتے ہو۔ قرآن اور حدیث سے کوئی سند آؤ معاملہ ختم ہو جائے گا۔ لاہور کے علماء سے میری واقفیت نہ تھی۔ اس لیے امر تشریف ایک استاد کے پاس گیا۔ وہ قرآن کے مکمل ہونے پر پیشہ زور دیتے تھے۔ بعد میں یہ بزرگ اہل قرآن شہر ہوئے۔ انہوں نے نہایت رازداری سے پاکیزہ زبان میں مجھ سے باک جو تصوف کو قرآن میں ڈھونڈتا ہے وہ خدا اور رسول پر بہتان باندھتا ہے۔

میں شرمندہ سا ہو کر چلا آیا۔ ایک اور اہل حدیث بزرگ کے پاس گیا۔ ان کا علم اور زہد اب بھی زبانِ زوہد و خلق ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بیعت کی سند ہے۔ تصوف کی باتیں غیر مستند ہیں۔ سیدھے اسلام پر چڑھو۔ تصوف پر عمل کر کے ہو کر کھانا جاؤ گے۔ کتاب اور سنت پر اکتفا رکھو۔ یہی کامل ہدایت ہے۔ اس بات میں تہذیب اور دینسہ ہمتی ہے۔

ان کی زبان اور بیان میں بڑی نرمی تھی لیکن میرے لیے کوئی بات باعث تسلی نہ ہوئی۔ یہاں سے اٹھا اور ماگ پک کر اپنے پیڑ بھائی کے پاس پہنچا۔ وہ شریعت اور طریقت کے شاہسوار مانے جاتے تھے۔ انہوں نے فرمایا نقل نہ تو تسلی بخش نہیں مگر یہ علم سینہ پر سینہ پہنچا ہے۔ ہر شخص اس علم کا اہل نہیں۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خاص کو رازدار بنایا۔ اس طرح یہ طریقہ ہم تک پہنچا۔

یہ بات ڈوبتے ہوئے کو تنگے کا سہارا ہو گئی۔ بروز فیض کو آخری بات کہی۔ اس نے حقارت سے میری طرف دیکھا۔

اور کہا کہ مجھ کو جھٹلانے کی کوشش میں اپنے بغیر پر بھی بیتان باندھنے لگے پیغمبر کو خدا کا حکم ہو کہ میرے احکام کھول کھول کر بیان کرو اور وہ سینہ بہ سینہ بیان کرے۔

میری آنکھ کے ٹنگے اندھیرا سا لگیا۔ میں نے گردن جھکالی۔ میرے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔ مجھ سے بڑا بھائی تپ دق میں مبتلا ہو کر فوت ہو گیا تھا۔ مجھے خود کھانسی کی شدت ہو گئی۔ اس لیے سلسلہ میں خرابی صحت کی بنا پر کالج کی تعلیم کو ختم کرنا پڑا۔

میری طبیعت کے رجحانات انگریزی کی طرف مائل نہ تھے۔ تاہم وقت کے رواج کے مطابق سلسلہ ملازمت میں خشک ہو کر حلقہ بکوش انگریز ہو گیا۔ سلسلہ میں بطور سب انسپکٹر پولیس بھرتی ہو گیا۔ انگریز پرستی نے مسلمانوں کی شیا ڈبوی تو سب مسلمانوں کے ساتھ میری بھی آنکھوں سے غفلت کی ہٹی کھلنا شروع ہوئی۔

جنگا کار جنرل ڈائر کے ہاتھوں ۱۳ اپریل ۱۹۱۵ء کو بلیا لوالہ باغ کا خونچکان واقعہ پیش آیا۔ گاندھی، موتی لعل نہرو باب میں ڈیرے ڈال دیئے۔ مرہہ ہندوستان میں یہاں آگئی۔ یہ پہلا موقع تھا جب ہندوستانیوں نے مظالم کے خلاف آواز بلند کرنا دیکھا۔ ہندوؤں کے لیڈروں کے اس اقدام سے مسلمانوں نے بھی کروٹ لی اور انہیں بھی خلافت کے منہ پر غلیف یاد آیا اور اسلامی سلطنتوں کی ڈوبتی کشتی کو بچانے کے لیے ہندوستان میں خلافت کیٹیوں کا نظام استوار کرنے کی سرعہیں۔

اگرچہ میں بالآخر نہ تھا تاہم انگریزی ملازمت کی ایک ایک ساعت میرے لیے ناقابل برداشت تھی۔ استعفا دیا۔ توجہ ہٹا دیا۔ میں ان دنوں لدھیانہ تھا۔ صدر میں تعینات تھا۔ اسی جگہ میرا کامیاب لیکچر ہوا جب ہاتھ ٹھکانا گھبراہٹ کاؤں کے لوگوں نے میری وکٹ پر تعجب کیا۔ کچھ لوگوں نے میرے اچانک استعفا کو میرے بے وقوفی پر محمول کیا۔ اس آگ کا علم نہ تھا جو مدت سے میرے سینے میں سٹھکتی تھی۔

اس واقعہ کے بعد میں نے پھر سے جوش سے دیہات میں کام کرنا شروع کر دیا۔ میرے کام میں کوئی ہاتھ بٹانے والا نہ تھا۔ جلسہ عام کرنے کا خیال ہوا مگر نادی کرن کرے، ناچار خود ہی کنستریل کر اپنی صدارت میں اپنی تقریر کا اعلان کرنا پڑا۔ میں خود ہی دریاں سر پر اٹھاتا اور دسی میز پر کرسی لگاتا۔ اب لوگوں کا انتظار کرنے لگا۔ میں نے دیکھا کہ اول تو بیت کم لوگ یہ تماشا دیکھنے آئے اور جو آئے وہ دسی پر بیٹھنے کے بجائے آس پاس کی توہیوں میں گھس کر پابند ہر وہ بیسیوں کی طرح دروازے کے درازوں میں سے دیکھنے لگے کہ کیا ہوتا ہے۔ سامعین میں سے کوئی سامنے نہ ہونے کے باوجود میں نے گورنمنٹ کے خطرات آپ شناسپ کبنا شروع کر دیا۔

جس آہستہ آہستہ لوگوں کی عزت کام کرنا بننے لگا۔ باوجودیکہ خالص اسلامی نکتہ نگاہ پیش کرتا تھا تاہم ہندوؤں اور سکھوں نے زیادہ اثر قبول کیا اور مسلمان خائف اور لرزاں رہے۔ اتنا ضرور تھا کہ ان کا بھی کچھ نہ کچھ مجھ سے تعلق پیدا ہو گیا۔ حکام ضلع میرے بڑھتے ہوئے اثر و سرور سے خائف ہونے لگے۔ گڑھ شکر و حکام کے نزدیک ایسی پیش کا بدترین مرکز بن گیا خود کنستریل حالات کا ہاتھ لینے آیا اور مجھے ملاقات کے لیے بلایا۔ میں نے کہا مجھ پر بغیر وارنٹ کے کسی افسر کی ملاقات منظور

نہیں کر سکتا۔ ان کا خیال تھا کہ یہ عوام ہمارے ہی گھرانے کی کشتی ہیں۔ اس حقیقت کو لوگوں سے زیادہ میں خود سمجھتا تھا۔  
تعلیم پھیلنے کے ایک ہم مدرس اور ہم مجلس سب انسپکٹر میس کے ہاتھوں کام سرانجام کھینچا جو ان دنوں تھانہ کراچی  
کا افسرانہ جامع تھا۔ تھانہ کراچی میں نے وائٹ ریکھنا چاہا تا کہ افسر ہو اکنڈ، اتار بج و مقام، مساحت محدود رہا پتہ چل سکے۔  
مگر میرے دوست سب انسپکٹر نے حق دوستی و قانونی فرض جواب صاف سے ادا کر کے مجھے دہاں داخل کیا جہاں میں  
اپنی قوت فیصلہ کو کام میں لا کر خوب زنداں سے ہراساں و لرزاں انسانوں کو بند کر دینے کا خود حکم دیا کرتا تھا۔

۱۶ فروری ۱۹۲۲ء کو عدالت میں عدول کی تاشاگری ہوئی تھی تاہم عدول کی جھڑپوں میں پولیس مجھے جیل سے لے  
کر روانہ ہوئی۔ اس غیر معمولی کارروائی سے گمان گزرا کہ شاید اندھیرے ہی اندھیرے میں مجسٹریٹ عدالت کی کرسی کو اذیت  
دے کر اندھیر مگر چوہا راج کا ثبوت پیش کرے گا مگر نہیں مجھے دفتر میں ہی جھٹکا کر دو کر کے دروازے بند کر دینے  
گئے۔ سورج انصاف کو دی کی روشنی میں اپنے لیے نکلا ہی تھا کہ سر مجسٹریٹ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس مدو میرا فریاد لے کر  
باوردی نافذ آئے۔ کمرے میری طرف دیکھتے رہے اور چلے گئے۔ ٹھیک تیار رہے عدول کا لٹا اعدالت میں کھینچ گیا۔ مجسٹریٹ صاف  
لے ماہ قید کا حکم دیا۔ اب میں طرم سے مجرم بن گیا تھا۔ لباس جیل سے بندہ کو بند رہنے کی کسریا تھی۔ دن بعد بڑے ہوشیار پرور

پہنٹ شامی داس صاحب و عزیز پٹیل دو گدا داس اسسٹنٹ سیکرٹری ڈسٹرکٹ کاغرس کشی کی گرفتاری عمل میں آئی۔ مجھے پھر  
میرے ساتھی کو ہوشیار پٹیل سے انہماں جیل منتقل کر دیا گیا۔ ہمارے پیچھے سے پہلے دوسرے قریب سیاسی قیدی آچکے تھے۔ دن  
معدرات شب بات بر کر گزری تھی۔ ہاں ایک نادر شوگر بات سننے میں آئی کہ چند رضا کاروں کو دھیمانہ زور کو بک کے قید تہائی  
میں ڈالا جاتا ہے۔ ہوشیار پرور جیل کی نسبت یہ جیل نہایت خستہ و خراب تھی۔ کچھ گھروں کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ بول و براز کے برتنوں کو دیکھ  
کر ہما اندھا ہاں سکتا تھا کہ قہر زبات بند لے آؤں مگر ایسا ننگانہ کے زیر استعمال رہ چکے ہوں گے۔

اس کوٹھری میں جہاں ماہ ضلعا پاش کی زورانی کرنش اکثر مداخلت سے محروم تھیں۔ افسانہ جیل کا شکار ہو کر لڑے پانچ ماہ  
کاٹنے پڑے۔ جہان جب جہانہ کی جہاد روئے زمین پر ڈالتا تو بے اختیار باہر نکل کر نگاہ شوق سے حسن کائنات دیکھنے کو ہی چاہتا  
مگر ہما بن کر کس طرح سلاخوں سے ٹکا جاتا۔ وہاں آسمان کے ایک گوشہ یا کوٹھری کے مختصر صحن کے سر پہ نظر نہ آتا تھا۔ کوٹھری  
کی اونچی دیوار میں خواہش نگارہ کو مسترد کرتی تھیں۔ کئی قسم کے درخت میری کوٹھری کے آگے تھے۔ شبنم ان کے پتوں پر پڑتی تھی جہانہ  
جی ایسی رو پہلی جھلک مار آئے کو جنت الفردوس کا نقشہ آنکھوں کے سامنے کھینچ جاتا۔ سخت گرمی کا موسم اور کوٹھری میں بسا وقات کے  
تصویرے بدن کا پٹا اٹھتا ہے کہیں اس طرح خارستان کو گھستان بناتا رہا۔ خوش غری سے فکر کو پاس نہ آتے دیتا۔

میرے اس غریب خانے میں بکثرت موش خانے تھے۔ اس مختصر گھر میں ہمیشہ چھ موشاں بیاں کھاتے۔ کبھی ایسی بے  
تکلفی رہتے کہ چھاتی پر پڑ جاتے کہ ایسے نڈر کہ بیل اٹھا کر گوریں آؤ پھلتے۔ آنرہانتے تھے کہ قیدی ہے کیا کرے گا۔ ان کی شرمی  
ایسی بڑی کہ بڑیاں توچنے کی تربت، آئی ایک مات میں ہاتھ سولہ چٹائی تھی کہ انکی کاٹ کھائی۔ سانپ سنبھلنے کے شبہ  
میں دھڑ دھڑا کر اٹھا۔ ہاتھ میں جو تالا اور ستر کیل الٹا سیدھا کیا۔ دلائل فراتر دیکھا کہیں بڑی باجے مگر ٹوڑدے کہ اس ہمارے

کو کھدا تو میرا نکل۔ جان میں جان آئی۔ مجھے وہ پہر قیلو کی عادت تھی۔ شاید آنکھ لگی پر گھبری آنکھ لگائے رہتی کہ پلک جلتے ہی میرے چہرے کی مابل کھوٹے کٹ کٹ کر تو نیر تو نیر کر دیتی۔ یہ جھڑپھاڑ کئی دن جاری رہی۔ میں عدم تشدد کا حامی ہونے کی وجہ سے ہاتھ نہ اٹھاتا مگر گھبر سے میرا کمر میں دم کر دیا۔ جنگ آمد بہ جنگ آمد۔ ایک دن جھوٹ مرٹ ہاتھ میں جوتا لے کر سو گیا۔ گھبری دبلے پاؤں آئی اور کارستانی شروع کر دی۔ میں نے آنکھ کھلی کہ جوتا اٹھا لایا۔ پہلے تو رٹ رٹ ہو گئی، پھر چڑچڑاتی بھاگی۔ ایک کھاکر بھڑخا اور دھڑکا نہ کیا مگر چو اس جیل میں پھر میرے گناہوں سے بھی زیادہ تھے۔ خدا کی عنایت کہ وہ پھر چروں کی نظر کرم کہ میرے جسم کو انہوں نے خوان فیض نہیں بنایا۔ بناتے بھی کیا۔ نہ میری ٹی نہ لوٹی نہ جسم میں قطروہ خون۔ تہائی میں ڈالے ہوئے قیدی پر ایک پٹیکے کی مہربانی سہارا سے ہوتی ہے۔ ہمارا کٹھڑی میں قسمت سے پہنچتی ہے۔ ساری رات ہائے دلہے کرتے اور پٹیکھا کتے کٹتی ہے۔

قیدی پولیس افسر کی درگت جیل میں ہوتی ہے اس کو خدا ہی جانتا ہے۔ کون قیدی ہے جس کا افسر پولیس کی شکل دیکھ کر ہاتھ نہیں کھلاتا اور بے چارے کی چند ہی پرچیت نہیں جاتا۔ گالیوں کا تو ذکر ہی کیا۔ گال مار مار کے لال کیے جاتے ہیں۔ دانوں کی بوریاں اٹھوائی جاتی ہیں۔ بوجھ برداشت سے زیادہ ہوتا ہے۔ پوری کر جاتی ہے۔ نگران کار قیدی جوتا مارا کہ دھڑا دھڑا سونگتا ہے۔ جب نانو سے پہنچتا ہے تو جان بوجھ کر گلتی بھول جاتا ہے۔ پھر ایک دو سے گنتی شروع کر دیتا ہے جس سے پہنچ کر میٹ بڑھا جاتا اس پر لائیں مار مار کہتے ہیں کہ اس میں ہمارے تمام گاؤں کے مرے جمع ہیں۔

خدا کا احسان ہے کہ میں جیل میں دوسرے رنگ میں موجود تھا، ورنہ کیا جانے کیا بیٹھی۔ ایک روز انہاں جیل میں میں بھی غلطی کا شکار ہونے لگا تھا۔ فیروز پور جیل سے ایک چالی قیدیوں کی آئی ان کے کان میں کہیں بھنگ پڑی کہ ایک تھا نیدار میاں قید ہے ان کی صلاح ہوئی کہ چل چل کر دستور پورا کریں۔ کسی پرلنے قیدی کو خبر تھی تو اس نے ہوا کا کہ وہ اب سرکاری تھا نیدار نہیں رہا۔ اب ہمارا تھا نیدار ہے۔ یہ خبر پا کر سب میرے پاس آئے اور پاؤں پھوڑے کہ اگر معاملہ کا پتہ نہ لگ جاتا تو آج بے ادبی ہو جاتی۔ (تخلص از محمد عبداللہ قریشی)



## مرزا فرحت اللہ بیگ کی زندگی

ہر قدم پر ہوتی ہے بے عمل حوادث پائے برس  
یہ ہماری زندگی ہے جس پر یہ کچھ ناز ہے

جب سے یہ دنیا قائم ہوئی ہے سب ہی کہتے آئے ہیں کہ یہ ایک جیل خانہ ہے اور کہتے بھی سچ ہیں۔ پہلے ہر آنے والا ان کے پیٹ میں قید رہتا ہے۔ پھر بڑے بوڑھوں کی قید میں رہتا ہے۔ اس کے بعد مدرسہ کی قید میں رہتا ہے۔ بعد ازاں فوج کی قید میں رہتا ہے اور آخر جیل چلا کر ہمیشہ کے لیے قید ہو جاتا ہے۔ میں بھی سوائے اس آخری قید کے بقیہ ساری قیدیں جگت چکا ہوں اور اللہ کے فضل سے اس آخری قید کا زمانہ بھی قریب آگیا ہے۔ اس سے پہلے کہ اس آخری قید کی میعاد شروع ہو جائے میں چاہتا ہوں کہ اپنی جہنم ٹائم کے کچھ حالات لکھ دوں تاکہ "داشستہ آید کار" ہو سکیں۔

سبھوں کی طرح میرا پہلا جیل خانہ ان کا پیٹ تھا۔ جہاں تک میرا علم ہے اس جیل خانہ کی قید کا حال بہت کم لوگ جانتے ہیں۔ ڈاکٹروں، عیسوں اور ویدوں نے اس کے متعلق کچھ اٹکل ہو جو غیر منقولہ باتیں ضرور کہی ہیں، لیکن اس کا لکھری "میں قید تنہائی کے کس طرح نوچنے گزرتے ہیں۔ اس کا حال کچھ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ ایسی صورت میں جھوٹی سچی باتیں بنانے کی بجائے خاموش رہنا ہی بہتر ہے۔ لیکن ہے کہ آئندہ زمانہ میں انسانی ترقی اس جیل خانہ کے حالات کو بھی منظر عام پر لاسکے۔ اور وہاں کے قیدیوں کے افعال کو بھی کی روشنی میں دکھایا جاسکے۔

پیدا ہونے کے بعد بڑے بوڑھوں کی قید میں بچوں کی جس طرح گزرتی ہے وہ ناقابل اظہار ہے۔ یہ بزرگ سمجھتے ہیں کہ بچے ہمارے دست نگر ہیں۔ اور بجز ہماری مدد کے بھی نہیں سکتے۔ اس لیے ہم کو حق حاصل ہے کہ جس طرح چاہیں ان کو جلائیں ان کو روکیں اور جس کام کو چاہیں انہیں کرنے دیں۔ یہ اختیارات استعمال ہو رہے ہیں یا نہیں۔ اس کی ایک مثال ملاحظہ ہو۔ فرض کیجئے کہ ایک

(اُدو کے مشور مزاج نگار مرزا فرحت اللہ بیگ مرحوم نے "میری داستان" — یعنی چونتیس برس کی قید باشت کے کچھ حالات و واقعات "کے نام سے مرحوم ریاست حیدر آباد میں اپنی ملازمت کی داستان لکھی ہے۔ یہ کتاب چند در چند وجوہ کی بنا پر ابھی تک شائع نہیں ہو سکی۔ مرزا صاحب مرحوم کے ہاتھ کا لکھا ہوا اس کتاب کا قطعی نسخہ مرحوم کے فرزند نذیر گیسو شرافت اللہ بیگ صاحب، اسسٹنٹ کمشنر، گلبرگ (ریاست میسور بھارت) کے پاس موجود ہے۔ موصوف کی اجازت سے اس داستان کا پہلا باب پیش کیا جا رہا ہے۔ ان کی اس کرم کستری کے لیے میں ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ مبارکبادیں و نعمت)

بچہ ہے۔ وہ ماں کے گھر کئے پر خفا ہو کر بھاگتا ہے اور کوئی ایسا کام کرنا چاہتا ہے جس کو اس کے بزرگ پسند نہیں کرتے۔ وہ اس کو اپنی طاقت کے زور پر اس کو یہ کام کرنے سے روک دیتے ہیں۔ اب آپ خود ہی ارشاد فرمائیے کہ کیا یہ اس بچہ کی آزادی پر جبر نہیں ہے اور کیا یہ اس کی آزادی خیال اور آزادی افعال کے گرد ایک گھیرا نہیں ہے۔ ہے اور ضرور ہے۔ یہ کیوں ہوتا ہے؟ یہ اس لیے ہوتا ہے کہ یہ بزرگ ایک طرح اپنے آپ کو خالق اور بچے کو مخلوق سمجھتے ہیں۔ مگر حقیقی بات منہ سے نہیں نکالتے۔ بلکہ اس کے بجائے یہ کہتے ہیں کہ کیا کریں ہم کو بچوں سے محبت ہے۔ لیکن ہے کہ ہو مگر بغیر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ محبت نہیں ضرورت ہے اور آپ کہتے ہیں کہ جہاں محبت کے ساتھ غرض کا دم چھلکے لگ جاتا ہے تو وہ محبت نہیں رہتی ضرورت ہوجاتی ہے۔ آپ اس مسئلہ کو ایک مثال سے سمجھ لیجئے۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا کوئی شخص بطور تعین طبع چوری کرتا ہے؟ سرگز نہیں۔ چنانچہ اس اصول کو نظیر اکبر آبادی نے یوں بیان کیا ہے کہ

نٹ کھٹ اچکے چور، دغا باز راہ مار      قیام، جیب کترے، نظر باز، ہوشیار  
سب اپنے اپنے پیٹ کے کرتے ہیں کاروبار      کوئی خدا کے واسطے کرتا نہیں شکار  
بتی بھی مارتی ہے چو باپیت کے لیے

جس طبع بتی اپنے پیٹ کے لیے چو مارتی ہے اسی طرح ہمارے بزرگ اپنے دل خوش کرنے کے لیے بچوں سے محبت کرتے ہیں اور ”کوئی خدا کے واسطے کرتا نہیں پیار“ خیر یہ تو فلسفہ کا ایک برا اگر مسئلہ ہے۔ اس کو چھوڑ دیے اور اصل مطلب میں آئیے۔ یعنی یہ کہ پیدا ہونے کے بعد ہر بچہ کسی نہ کسی طرح بزرگوں کی قید میں رہتا ہے۔ لیکن مزاق یہ ہے کہ بعد میں بھی ان بزرگوں کے خلاف کچھ نہیں کھتا اور شاید اس لیے نہیں کھتا کہ ایک دن اس کو خود بڑا بننا اور اس خطرناک مقولہ کی تائید کرنا ہے کہ

”خطائے بزرگان گرفتیں خطاست“

میں نے اپنے اس بچپن کی قید اور مدرسہ کی قید کے بہت سے واقعات اپنے ایک مضمون ”یاد آیام عشرتِ خانی“ میں لکھے ہیں۔ اب ان کا یہاں دہرانا بے ضرورت اور بے موقع ہے۔ چوتھی قید یعنی ملازمت کے حالات لکھنے کو بہت جی چاہتا تھا کیونکہ یہ وہ قید با مشقت ہے جو سب سے زیادہ سخت اور سب سے زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے اور جس میں دم نہ مارو شکر گزار ہو۔ کا وغیرہ پڑھنے پڑھتے عمر کا سب سے بڑا اور سب سے اچھا حصہ بیت جاتا ہے۔ مگر مشکل یہ تھی اور رہ رہ کر یہ خیال آتا تھا کہ اول تو میری باتوں پر شاید سوسوں سے دو چار صاحب ہی اعتبار کریں گے اور دوسرے یہ کہ سچی بات سننا اور سننا بتوں سمجھنے ”کار سے دار“ آخر خدا خدا کر کے اس قید کا زمانہ ختم ہوا۔ کچھ کچھ آزادی کی ہوا لگی۔ اور اس وقت خیال آیا کہ یہاں جو کچھ لکھنا ہے وہ جلد ہی لکھ کر ختم کر دو۔ سب سے لمبی قید کا زمانہ سامنے آ گیا ہے۔ بستر ہے کہ اس قید کی مینار شروع ہونے سے پہلے کچھ کچھ کر چھڑ جائے تاکہ منہ نہ رہے اور بوقت ضرورت کام آئے۔

یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ ہر قوم اور ملت کو اپنی ”روایات و حکایات“ جمع کرنے کا شوق ہے اور رہا ہے کیونکہ یہی چیزیں ان کی تاریخ ہیں۔ لیکن افسوس تو اس کا ہے کہ کوئی اللہ کا بندہ اپنے افسردہ اور بالادستوں کے کارنامے اور ان کے سچے



حالات اور واقعات خوش ذاتی کی پاشنی سے کر نہیں سکتا۔ کیونکہ بے ہادہ شدت ہے کہ اگر کچھ بیجا فزوق کی جائے گی اور فزوقی  
 گئی تو ہر آقا بندہ ہر جگہ سے یہی کیا کوئی کسر رہ جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ اب تک ہمارے کسی مضمون نگار صاحب نے اس  
 عقیدہ صحت و با مشقت کے متعلق کچھ لکھنے پر غم نہیں اٹھایا ہے اور یہ روایات و حکایات "میدنہ بیسنہ" اور زبان و زبان  
 باپ سے بیٹے اور بیٹے سے پرے پر منتقل ہوتی چلی جاتی ہیں۔ کیونکہ ہر شخص ڈرتا اور دعا کرتا ہے کہ "یا اللہ! بچا مجھ کو اس  
 مصیبت سے جو فوجاری اعدائوں میں شریفوں پر نازل ہوتی ہے۔ میں بہت کر کے یہ مضمون لکھ چکا ہوں، مگر تعزیرات کی دفعہ  
 ۲۲۵ ہر وقت پیش نظر ہے۔ پھر بھی مجھے یقین کامل ہے کہ ایک حوصلہ منک فوجاری کام کرنے کی وجہ سے میری تحریر کا ہر نکتہ  
 دفعہ حور بہانہ کے مستثنیٰ اول میں داخل ہو سکے گا یا داخل کیا جائے گا۔ اب رہا امر کہ میری اس تحریر پر اکتفا کیا جائے گا یا  
 نہیں تو اس کے متعلق میں صرف یہ عرض کرنا کافی سمجھتا ہوں کہ میرے تمام دوست اور احباب اس وقت تک مجھے ایک بڑا سہا  
 آدمی سمجھتے ہوئے آئے ہیں۔ اب آپ شریفوں کی بات کا یقین نہ فرمائیں تو اس کا میرے پاس کوئی علاج نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ہی  
 میں یہ ضرور کہے دیتا ہوں کہ جو حالات اور واقعات میں نے دوسروں کی زبانی کہے ہیں ان کے سچے یا جھوٹے ہونے کا میں  
 کسی طرح اندازہ نہیں ہوں۔ براہ کرم دروغ پر کدوی ماویٰ کی مثل مجھ سے متعلق نہ کی جائے۔ البتہ جو کچھ اپنی آنکھوں دیکھا میں نے  
 لکھا ہے اس کے متعلق یقین مانے کہ اس کا ایک ایک حرف صحیح ہے اور اللہ میاں کے سامنے ہی ان واقعات کی حریف  
 اس مضمون کو سننے کے لیے میں بالکل تیار ہوں۔ اور میں باور کرنے کی وجہ رکھتا ہوں کہ اگر کرنا کا تبہیں کی تحریر بھی میرے  
 جیسی ہے تو یقیناً ان حالات سے متعلق میری اس تحریر اور میرے نام اعمال کی تحریریں رتی بھر فرق نہ ہوگا۔ تو پھر

پہلے دے غامد بسم اللہ!

تعلیم کے جرم کی تکمیل کرنے کے بعد نظر ہوتا ہے کہ کسی بڑے جبل خانہ کی تلاش کی جائے تاکہ وہاں سزا کی میعاد پوری کی جائے۔  
 اس کے لیے سب سے پہلے تحریر "اقبال جرم" کیا جاتا ہے اور بتایا جاتا ہے کہ ہم نے تعلیم پانے کا جرم کتنا، کہاں، کس طرح اور  
 کس غریب سے کیا ہے۔ اس تحریر کو خوب عام میں درخواست طاعت کہتے ہیں اور اس کے ساتھ ملکر تعلیمات کے مجسٹریٹوں کے  
 فیصلے بغرض تصدیق شامل کیے جاتے ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ اکثر و بیشتر ساری کاروائی اکارت جاتی ہے اور ہر جگہ سے  
 یہی جواب ملتا ہے کہ اس جیل خانہ میں گنجائش اتنی نہیں ہے کہ آپ کے لیے کوئی کونہ نکل سکے کسی دوسرے جیل خانہ کی  
 تلاش کی جائے۔ آخر جب خدا تک نیست پائے مرا تک نیست کا خیال لکے دوسری جگہ اپنی قیمت کا روتا رہا جاتا ہے۔  
 اور وہاں سے بھی ملے گا کہ واپس ہوتا ہے۔ وہ جو شل ہے کہ خدا شکر خور سے کو شکر دیتا ہے آخر کسی نہ کسی جگہ تقدیر پڑھی  
 جاتی ہے اور حکم ہو جاتا ہے کہ اس شخص کو کم سے کم ۲۵ برس کے لیے اس جیل خانہ میں باہر زنجیر قید با مشقت میں رکھا جائے  
 اس حکم کے ہوتے ہی کہہ لیا جاتا ہے کہ چور مشکل آسان ہوئی۔ اب سولے اپنے عمدہ دار کے دیے اور دنیا میں کہیں بھی کسی سے  
 ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور ہمارے رزق کا تعلق اللہ میاں سے متعلق ہو کہ جیل کے دار و ذمہ صاحب القابم سے  
 ہو گیا ہے۔

ہے یہ کہ خدمت کی یہ قید بھی ایک عجیب قید ہے۔ نہ یہاں اقبال جرم کا کام دیتا ہے اور نہ مجسٹریٹ تسلیم کا کوئی فیصلہ۔ اور مگر وہ بیشتر اس وقت تک کوئی شخص جیل خانہ میں داخل نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ مالکان اور قابضان جیل خانہ کے پاس کسی زبردست شخص کی سفارش نہ پہنچے۔ ہم کو بھی یہی مصیبت پیش آئی اور سفارش کے لیے کسی بڑے آدمی کی تلاش کرنی پڑی۔ پھرتے پھرتے ہماری نظر نرانی نس سراجیرالقی خان فواب لود پر پڑی۔ خدا مغفرت کرے یہ فواب صاحب درجہ میں تو بڑے تھے۔ مگر ذرا غ دانا میں بڑے نہیں تھے۔ ہمارے رشتہ دار بھی تھے اور گورنمنٹ میں بااثر بھی۔ اس لیے شش ماہ میں ہی اسے اور شروع سلسلہ میں لے کر لے کر پھرنے کے بعد ہم لغنٹ گورنر آبا د کے نام سفارشی خط لینے کے لیے ان کے پاس گئے۔ انھوں نے دو خط دیے۔ ایک لغنٹ گورنر کے نام اور دوسرا ہرنانی نس فواب صاحب رام پور کے نام۔ لغنٹ گورنر اس زمانہ میں نئی نالی میں تھے اور فواب صاحب اپنے دارالحکومت رام پور میں۔ خیال آیا کہ چلو، پہلے فواب صاحب ہی سے مل لیں۔ ان کا مالک متحدہ کی گورنمنٹ میں بہت اثر ہے۔ ضرور کام نکل جائے گا۔ اسباب و سباب بانڈھ، رام پور پہنچے۔ پہلے میدے فواب عبدالصمد خاں صاحب کے پاس گئے جو فواب صاحب لودار کے عزیز اور فواب صاحب رام پور کے وزیر تھے۔ یہ بہت ہرمانی سے پیش آئے۔ مگر مشکل یہ آئی کہ فواب صاحب اس زمانہ میں رام گنگا کے اس پار مقیم تھے۔ دریا چڑھاؤ پڑھا۔ اس لیے کشتی میں پار ہونے کا موقع نہ تھا۔ کئی روز تک رام پور میں بیٹھے۔ مگر دریا کو ہم سے کچھ ایسی مخالفت ہو گئی تھی کہ نہ اس کو اترنا تھا اور نہ اترنا۔ انتظار کرتے کرتے حکم ملے چو کو کالی سے نئے نئے نکلے تھے اور دنیا کے اس رنگ سے ناواقف تھے اس لیے سب سے بڑے بیٹے۔ فواب عبدالصمد خاں صاحب نے کہا بھی کہ خط لکھ کر دے دو۔ میں سفارشی چھیٹھا دیتا ہوں۔ لیکن ہم نے صاف انکار کر دیا اور اس لیے انکار کر دیا کہ وہاں کے بعض لوگوں نے کہا کہ دریا کے چڑھاؤ کا بہانہ ہے۔ دراصل تم کو جی میں بھیجنے سے پہلو تھی کی جا رہی ہے۔ جلا کوئی تعلیم یافتہ آدمی ایسی بات سے اور اس کو آؤ نہ آجائے ہم کو بھی تاؤ کیا اور ہم ایک دن بغیر کچھ کے نئے۔ سمان خانہ سے بھاگ کر میدے پیش پہنچے اور وہی تشریف لے آئے۔ فواب لودار دھسے۔ انھوں نے واقعات دریافت کیے۔ ان کے پاس فواب عبدالصمد خاں صاحب کا بھی خط آ گیا تھا۔ اس میں ہماری فردی کے واقعات سے اطلاع دی گئی تھی۔ فواب صاحب نے ہمارے جڑا مذاق اڑایا۔ اور کہا کہ تم دو چار روز اور ٹھہر جاتے یا فواب صاحب رام پور کو میرا خط بھجوا دیتے تو سفارشی چھیٹ مل جاتی۔ تم نے یہ کیا غضب کیا کہ اطلاع ہونے کے بعد بغیرے چلے آئے۔ اب پھر جاؤ اور جب تک ٹھانا رام پور ہی میں ٹھہرے رہو۔ تم نے کیا فواب صاحب رام پور کو بھی فواب صاحب لودار بھجھ لیا ہے۔ میں نے کہا: معاف فرمائیے، میں مر بھی جاؤں گا تو رام پور نہ جاؤں گا۔ خدا کی قسم وہاں بعض وقت تو خود کشتی کہنے کو بھی جا رہا تھا۔ کہنے لگے: یہ کیوں؟ میں نے کہا: یہ اس لیے کہ کئی کرے ٹھہرنے کو لے تھے۔ لیکن ذکر وں کی یہ بات تھی کہ ہم نے گھنٹی بجائی کوئی نوکرایا۔ اس سے کام کو کہا۔ اس نے وہ کام پورا کیا اور چلا گیا۔ جانتا تھا کہ فواب صاحب کے عزیز ہیں۔ ان سے بات کرنا غلامانہ خطہ نہیں ہے۔ اس کے بعد بھیجے ہر جہم ہیں اور وہی خالی کرے۔ اتنے دنوں تک کوئی ایک آدمی بھی قوبات کہنے کو نہیں ملا۔ فواب عبدالصمد خاں صاحب کی یہ حالت تھی کہ ان کو کام سے فرستہ ہی نہیں تھی۔ ان کی نئی کو بھی بن رہی تھی اس کو دیکھنے دن میں ایک دفعہ آتے تھے۔ اس وقت کچھ بات ہو جاتی تھی۔ ورنہ ہم تھے اور قید تھنا۔ بعض وقت تو یہ بھی

چاہتا تھا کہ وہ ایک ایسے مکان میں کچھ گھر نہ کھد چکت پر سے کوڑھوں۔ اب آپ فرما کی یا اور کوئی کہے میں تو مام چاہنے لگا  
آپ کا خط لکھنے صاحب کے پاس جاتا ہوں۔ نوکری تو لی۔ نہیں تو جانے جہنم میں۔ نواب صاحب بہت ہنسے اور کہنے  
لگے۔ میں ان رخصت، ابھی تم نے دنیا کی شکر کریں نہیں کھا لی۔ داغ میں خرابی کے خیالات بھروسے میں۔ میں یہ دیکھتا ہوں یہاں ہی  
بھروسے ہو پس کر خاک ہو جاتا ہے۔ میں نے کہا۔ آگے جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ ابھی تو میں اپنی خود داری کھونٹے کو آمادہ  
نہیں ہوں۔ غرض اس گفتگو کے بعد یہ تصدیق ہمارا سر ہمیں لاؤش لکھنے گورہ نکال کر تھوڑے سے لی لیا جائے۔ آگے یا قیمت  
یا نصیب۔

اس تصدیق کے بعد پھر اسباب بندھا اور سفر وسیلہ نظر پر عمل ہونے لگا۔ ہماری اس جگہ دوڑ میں لغت گورہ بلا  
کے دورہ کا زمانہ شروع ہو گیا۔ اب آگے آگے وہ ہیں اور کچھ بچے ہم۔ جہاں جاتے ہیں وہاں ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سے  
کیسے آئے گی۔ کھنڈن تو ان سے مگر ہستہ ہستہ رہ گئی۔ آخر خدا خدا کہے اور آباد میں ہماری ان کی ساری ایک ساتھ آتری۔  
وہ گرنٹ ڈوس ہیں گئے اور ہم اپنے بھائی میں رحمت اللہ بیک کے ساتھ ان کے خالو عبدالعزیز خان کے ہاں گئے جو فوج میں پیڑ  
لوک لگے۔ ان کا مکان کنٹرول میں لگتا کہ کڑے پر قلعہ اور آباد کے قریب تھا۔ جاتے ہی لغت گورہ صاحب کے سرکریٹری  
کو اپنی تشریف آوری کی اطلاع دی اور یہ بھی لکھا کہ ہم نواب صاحب کو بار کا خط لکھنے ہی، عیالات کا وقت مقرر کر دیا جائے  
تو ہم خود آکر یہ خط پیش کریں گے۔ جواب آنے میں کئی دن لگے۔ لیکن اور آباد میں دل نہیں گھرایا اور کیوں گھبراتا۔ میں رحمت موجود  
تھے۔ ان کے خالو کے بچے موجود تھے اور سب سے زیادہ یہ کہ لگتا مان موجود ہیں۔ سچ لکھنا، ناشکیا، لگتا کے کارے گئے کشتی میں  
بیٹھے اس پار پہنچے۔ وہاں مرنٹ کی۔ گیارہ بجے وہاں آئے۔ کھانا کھایا۔ کچھ دیر سوئے تھوڑے پر کوٹھے شہر چلے گئے۔ رات کو  
آئے۔ کھانا کھایا۔ سو رہے۔ شہر میں برسے ایک بیٹے کے دوست اجمار حسین بھی رہتے تھے۔ ان کی صحبت میں وقت معلوم ہی نہیں  
ہوتا تھا کہ کب کب کر گیا اور کیسے گرا۔ غرض اس صبح وہاں رہتے رہتے کوئی ایک ہفتہ ہو گیا۔ ایک روز جو شہر کے چکر سے واپس  
آئے تو یہ بڑی لال ہر کا ایک خط ملا۔ لکھا تھا کہ آپ کل صبح آٹھ بج کر پینتالیس منٹ پر آسکتے ہیں۔ یہ کارڈ ساتھ دیا جائے۔ چلو  
مشکل بھی آسان ہو گئی۔

دوسرے روز صبح ہی آٹھ، اٹھ، تھوڑے دھوپ پڑنے پہلے سبز چول دارا طس کی شیر دانی اور گرسے سرخ رنگ کی توکی توکی  
پہن کر گرنٹ ڈوس پہنچے۔ میں رحمت ساتھ تھے۔ وہاں ہلکے دیکھنے ہیں کہ برآمدہ میں اس سرے سے اس سرے تک آدمی  
ہی آدمی بیٹھے ہیں۔ ایک صاحب بار بار دیکھا۔ ایک اور کرسی پر ہم کو حلقہ لکایا۔ غلام ہے کہ جب آدمی کسی نئی جگہ  
ہلکا بیٹھا ہے تو ادھر ادھر نظری ضرور دوڑاتا ہے۔ ہم نے بھی یہی کیا۔ جو صاحب ہمارے برابر بیٹھے تھے وہ گھر میں گھر میں ہنکاؤ  
لکھتے تھے، ہنستے تھے، لکھتے تھے اور ہر چیز میں رک جیسے تھے۔ بچے بڑی نظر کوئی کی یا شہر، کدو تو ان کا بھی ایسا ہی ہے جیسے میرے  
پر آفریہ ہنستے کیا ہیں اور سکاتے کیوں ہیں۔ آخر نہ رہا گیا اور جب انہوں نے کوئی سیوی دھرا اپنا کارڈ نکالا تو میں نے لکھا کہ یہاں آپ  
کا کارڈ دیکھ سکتا ہوں؟ انہوں نے کھنڈنہ انکار سے کہا۔ جی ہاں ادا حق سے۔ میں نے کارڈ نکال دیا۔ اس کی جانت بھی تھی

جو میرے کارڈ کی قی، ہاں وقت ملاقات بجائے ۴۵-۸ کے ۵۰-۸ لکھا تھا۔ یہ دیکھ کر مجھے بڑی الجھن ہوئی۔ گویا اس کے یہی ہونے کہ ہماری ملاقات کا وقت صرت پانچ منٹ ہے۔ بھلا اس پانچ منٹ میں کیا بات ہو سکے گی۔ میں نے ان صاحب سے کہا کہ ”ذرا اپنے برابر والے صاحب کے کارڈ کو تو دیکھئے۔ ان کے ہاں وقت ملاقات کیا لکھا ہے؟“ کارڈ دیکھا گیا تو وقت ملاقات ۵۵-۸ نکلا۔ اب کیا تھا۔ سب بیٹھے والوں نے اپنے اپنے کارڈ نکال کر وقت ملاقات شروع کیا۔ معلوم ہوا کہ کسی کو بھی پانچ منٹ سے زیادہ ملنے کا وقت نہیں دیا گیا ہے۔ میرے برابر جو صاحب بیٹھے تھے کہنے لگے: ”اسے صفت، غضب، خدا کا، ملنے کا وقت اور پانچ منٹ۔ آپ کی جان کی قسم پانچ منٹ میں تو مزاج پرسی ہی نہ ہو سکے گی“ میں نے کہا: ”آپ مزاج پرسی کیوں کرتے ہیں۔ جاتے ہی مطلب کی باتیں شروع کر دیجئے۔“ کہنے لگے: ”اے جناب، آپ کیا فرماتے ہیں۔ لغت گور صاحب ہمارے ملنے جاؤں اور ان کی اور ان کے بال بچوں کی غیریت بھی نہ چھوؤں۔ ہم پرانے زمانے کے لوگ ہیں۔ اپنے پرانے ادب آداب کے طریقے کبھی چھوڑ سکتے ہیں؟ کام ہو نہ ہو، صاحب کی غیریت تو معلوم ہو جانے کی!“

ابھی ہم دونوں میں یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک ہمارے آکر آواز لگائی: ”مرزا فرحت اللہ بیگ، شرم اٹھے۔ ذرا شیروانی دست کی اور نہایت ٹھاٹھ سے کرے میں داخل ہونے۔ ہمارا کمرے میں داخل ہونا تھا کہ سامنے سے ایک بڑے بے رنگے صاحب ہمارے فٹ کلاس شوٹ پہنچے ہوئے آئے۔ بہت مسکرا کر معافہ کے لیے ہاتھ بڑھایا اور کہا: ”آپ ہی مرزا فرحت اللہ بیگ ہیں؟“ میں سمجھا لاٹ صاحب یہی ہیں۔ نہایت فیشن سے انگریزی طریقہ پر گردن کو جھکا کر کہا: ”یور آؤ میں ہی فرحت اللہ بیگ ہوں“ میرے اس کہنے پر ان صاحب نے کہا: ”معاف فرمائیے گا، آپ کو کچھ غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں لغت گور نہیں ہوں، ان کا سکرٹری ہوں۔ اس کے بعد آپ کچھ بیچے کہ مجھے کتنا پسینہ آیا ہوگا۔ وقت کم تھا۔ اس لیے سکرٹری صاحب نے بھی اس غلط فہمی کو طول دیا تھا۔ نہ مجھے، نہ اسے، نہ بڑے سامنے والا دروازہ کھولا اور کہا: ”مرزا فرحت اللہ بیگ!“ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بڑی سی میز کے سامنے فرنگ فیشن کی فادھی والے ایک بڑے میاں بیٹھے ہیں۔ پہلو میں ایک چھوٹی سی میز ہے۔ اس پر ایک چوکھٹہ رکھا ہے اور چوکھٹے کے اندر جو کاغذ ہے اس پر نہایت خوبصورت حرفوں میں ”سرتے بے لافوش“ لغت گور لکھا ہوا ہے۔ یہ معاملہ ٹھیک تھا۔ اور یہاں کسی غلط فہمی کا اندیشہ نہیں تھا۔ اس لیے بے تکان ہم آگے بڑھے۔ لاٹ صاحب بھی کسی سے اٹھے۔ میز پر پہلو میں جو کسی بھی ہوئی تھی اس پر بیٹھے کاغذوں نے اشارہ کیا ہم جیتے گئے۔ انھوں نے نوب صاحب کی غیریت پوچھی اور کہا: ”کیا آپ ان کا کوئی خط لائے ہیں؟“ میں نے کہا: ”جی ہاں“ کہنے لگے: ”بہتر ہوتا کہ آپ یہ خط پہلے سے میرے سکرٹری کے پاس بھیج دیتے کیونکہ سکرٹری طریقہ یہ ہے:“ میں نے نہایت قناعت سے جواب دیا: ”اور جو یہ خط آپ کے سکرٹری صاحب کیس کھودیتے تو:“ یہ سن کر وہ مسکرائے اور خط لینے کو ہاتھ بڑھایا میں نے خط دیا۔ انھوں نے خط لیا اور پڑھنا شروع کیا۔ معلوم نہیں نوب صاحب لوہار دے اس خط میں کونسی امیر حمزہ کی داستان کھنکھناتی کہ خدا جھوٹ نہ بھرائے تو کوئی نوسٹے ہو گئے تھے۔ وٹ صاحب خط پڑھتے رہے اور ہم سامنے والی گھڑی کی طرف دیکھتے رہے۔ پانچ منٹ ہوتے ہی کیا ہیں، انھوں نے خط اٹھی ختم ہی نہیں کیا تھا کہ میں اٹھ کھڑا ہوا اور کہا: ”اب میں اجازت چاہتا ہوں“ کہنے لگے: ”کیوں؟“ میں نے کہا کہ ”اس لیے ۵۰-۸ سے ایک دوسرے صاحب کو ملاقات کا وقت دیا گیا ہے“

یہ سہ کر وہ ہے اختیار نہیں ہے اور کہنے کے وہ کوں صاحب ہیں؟ میں نے کہا میں اب کاہم تو نہیں ہوتا، لیکن وہ فرما دے کہ لکھنا تو بہت کہہ ہے کہ وہ وقت کے ہانچے منٹ شاید صاحب کے خاندان کی غیرت معلوم کہ میں کر جائیں گے اور سچ کی اور حق و قات کے لیے آتا ہوں۔ کہنے کے : تمہاری جماعت میں مذاق بہت ہے : میں نے کہا : اس میں مذاق کی کوئی بات ہے۔ آپ ۵۰-۵۰ والے صاحب کو جہاں کر چھ بیٹھے کر وہ آپ کے سارے خاندان کی خیر و یافت کا فروری کہتے ہیں یا مطلب کی بات کرتا : کہنے کے : تم بیٹھے رہو یہ جتنے لوگ آئے ہیں سب اسی قسم کے ہیں۔ ہر مہنت کرنے والے آئے ہیں اور میرا اور اپنا وقت ضائع کرتے ہیں : عرض ہم الیہنا سے جوڑتے اب ہر ایک منٹ کے بعد سیکرٹری صاحب کو بھی بھلے بیٹھے ہیں کہ جب نہیں ملتا تو میرا کا منٹ ہر ایک صاحب ہلے دھت کہہ رہے ہوتے۔ ہت صاحب سے ہماری جو باتیں ہمیں سننے کے تالی ہیں۔ اگر یہ یہ فیصلوں اور فیصلوں کو ہر کسی اپنے اپنے انداز کی محنت میں رہتے رہتے مل لکل گیا تھا اور کچھ نہ کہنے کے کہ ہم میں کوئی ہی جماعت میں مذاق تھا اس کو کوئی دلچسپ بات دل میں آتی تھی تو اس کے صحت صحت کہنے میں ہانک نہیں تھا اور یہ خیال تک نہیں رہتا تھا کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں اور کہاں کہہ رہے ہیں۔ ملاحظہ حال تھا اور ہر ایک جانیدہ خوش خلق ہر ایک ہنسے ہنسے تھے۔ سمجھتے ہیں کہ اس پر قوت کی باتیں ہی تھیں تو اب میری امان کی جو لنگھو ہونی وہ ذرا حور سے سینے

لاٹ صاحب : تو آپ اس طرح میں بحیثیت ڈپٹی کلرک منتخب ہوتا پاتے ہیں؟

میں : جی ہاں، اگر یہ نہ ہوتا تو میں اتنی دور سے آتا ہی کیوں؟

لاٹ صاحب : مرزا صاحب، آپ کو یہاں کا قانون معلوم ہے؟

میں : جی نہیں!

لاٹ صاحب : قانون یہ ہے کہ جب تک اس ملازم کی کوئی چھ سال تک نہ رہا ہو۔ اس وقت تک اس کا انتخاب

نہیں ہو سکتا۔ کیا آپ یہاں چھ سال تک رہے ہیں؟

میں : جی نہیں!

لاٹ صاحب : تو پھر میں کچھ ریموں۔ قانون تو قانون ہی ہے۔

میں : کیا میں آپ سے ایک سوال کر سکتا ہوں؟

لاٹ صاحب : ضرور

میں : جناب داد! آپ کے ملازم میرے خاندانی حقوق میں جانتا دے گی۔ مگر میں خود یہاں چھ سال نہیں رہا ہوں۔ اس لیے

مجھے آپ کے ملازم کی نوکری نہیں مل سکتی۔ ملازم جناب میں میری سکونت رہی ہے۔ مگر وہاں میرے خاندانی حقوق ہیں اور نہ جانیدہ اس لیے

وہاں میرا انتخاب کسی نہ مت پر نہیں ہو سکتا۔ اب ہم ہندوستان کے دوسرے اضلاع اور علاقے تو رہاں میں بھی رہا ہوں نہ وہاں میری کوئی جائیداد

ہے اور نہ وہاں میرے خاندانی حقوق۔ اس لیے وہاں بھی مجھے کوئی جگہ نہیں مل سکتی تو گرایں کچھ لوگ کہ ہم پر سارے ہندوستان میں قانون

کا دروازہ بند ہے؟

یہ سچ کہہ کر صاحب نے بڑے زور کا قہقہہ مارا اور کہا :

لاٹ صاحب : میان صاحبزادے تم بڑے دلچسپ آدمی ہو، دیکھو میں تم سے ایک بات پوچھتا ہوں۔ تم کہتے ہو کہ اس علاقے میں تمہاری جائیداد بھی ہے اور تمہارے کچھ عزیز بھی برسرِ خدمت ہیں۔ تم کبھی کبھی اپنی جائیداد دیکھنے یا عزیزوں سے ملنے تو ضرور یہاں آتے ہو گے۔ کیا یہ سب مدتِ دل کا کچھ سال نہیں ہو گئی ہو گی؟

میں : میں نے اس کا کوئی حساب تو نہیں دیکھا۔ ممکن ہے کہ ہو گئی ہو، ممکن ہے کہ نہ ہوئی ہو۔

لاٹ صاحب : نہیں بھی ہوئی ہو تو تکمیلِ ضابطہ کے لیے تم کدو دکھائی ہو۔

میں : یہ میری زندگی میں پہلا موقع ہے کہ ایک اتنا بڑا آدمی مجھے جھوٹ بولنے کی تلقین کر رہا ہے۔ خیر آپ کی خاطر کے دیتا ہوں کہ کچھ برس ہو چکے ہیں۔

یہ سن کر انھوں نے میری درخواست پر کچھ لکھا اور کہا :

لاٹ صاحب : مشکل یہ آئی پڑی ہے کہ میں اب مختربِ پیش پر جا رہا ہوں۔ اس سال کے انتخاب ہو چکے ہیں۔ اس لیے فی الحال تو میں کچھ کر نہیں سکتا، ان تمہاری درخواست کے جو مشکل مرحلے ہیں وہ طے کیے دیتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ آئندہ سال اس وقت کی منظوری میں کوئی وقت پیش نہ آئے گی۔ مگر میں پوچھتا ہوں کہ تم فیسی تالی میں اگر کچھ سے کیوں نہیں ملے۔ میرے پاس آگئے ہوتے تو جب ہی انتخاب ہو جاتا۔

میں نے اس پر دم پور کر کے سارے واقعات بیان کر دیئے اور یہ بھی کہا کہ آپ کے دورہ کی جو سب سے زیادہ معلوم کیاں کیاں بھانٹا پڑا ہے۔ یہ سن کر وہ بہت ہنسے اور کہنے لگے :

لاٹ صاحب : میں پیش پر تو ہٹ رہا ہوں۔ مگر میرا خیال ہے کہ اپنے جانشین کے ساتھ مجھے کچھ دنوں اور اس لیے کام کرنا ہو گا کہ امیر کا بل آرہے ہیں اور شاید ہم دونوں کو ان کی خدمت میں رہنا پڑے۔ میں جنوری خشتہ میں آگاہ میں ہوں گا میرے جانشین سر جان ہیوٹ بھی وہیں ہوں گے اور نواب صاحب لوہار بھی وہیں ہوں گے۔ ممکن ہے کہ وہیں تمہارے انتخاب کا فیصلہ ہو جائے۔ مگر اسی قسم کی گفتگو میں کوئی پون گھنٹہ لگ گیا۔ یہ سوچ کر کہ اس وقت تک لاٹ صاحب سے ملنے والے نوٹس آدمی غصت برپا کر رہے ہیں اور خدا معلوم مجھے دل میں کیا کچھ برا بھلا کہہ گئے ہوں گے اور جو بیٹھے ہیں وہ کیا کچھ برا بھلا کہہ رہے ہوں گے میں نے اجازت طلب کی۔ لاٹ صاحب نے اٹھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ گھنٹی بجانی۔ سکرٹری صاحب نے دروازہ کھولا۔ ہم سلام کر کے مسکراتے ہوئے باہر نکلے۔ سکرٹری صاحب نے پہلے سے کہیں زیادہ جھاری آؤ جھکت کی۔ ہم برآمدہ میں آئے۔ ایک دوسرے پاکی منٹ والے صاحب اندر آئے۔ ہم اور میان رحمت ناگھریں بیٹھے اور گھر واپس آئے۔ گھر پر آکر سارا انتہہ اپنے میزبان عبدالجبار خان کے سامنے دہرایا۔ وہ بہت ہنسے اور کہنے لگے کہ ایسی گفتگو لاٹ صاحب سے شاید ہی کسی نے کی ہو تو کی ہو۔ وہ تو کوکر بڑا شریف انگریز ہے جو جس کو کھانا کھانے سے سحرے ہی کی باتیں سنایا۔ کوئی سربراہ انگریز ہوتا تو تھوکر سے خبر لیتا۔

میں نے کہا : جی ہاں، تھوکر سے خبر لیتا۔ مجھے تو کوکر ایسا بڑے باپ کا بیٹا نظر نہیں آتا جو ایک مارے اور دونوں کاٹے۔

کہنے لگے : مرزا صاحب، کیوں خفا ہوتے ہو؟ ابھی تم نے دنیا نہیں دیکھی ہے جو ایسی باتیں کر رہے ہو۔ کچھ دن تو کی میں گزار لوں۔ اس

کے بعد وہیں کے کسب کیا اور شادی ہوتا ہے۔

مٹ صاحب کی وفات کے بعد دم و دینی روزانہ آبادی رہے اور پھر وہی آگئے۔ فواب صاحب نے اور وہی ہی رہے۔ ان سے تمام واقعات سے کم و کاست بیان کر دئے۔ وہ بڑے جہاں رہے۔ فاضل تھے اور نانا کی چاہوں کو خوب سمجھتے تھے۔ کہنے لگے کہ میری دانسی میں تمہارا نسخہ ہی میرے خط سے کہیں زیادہ کام کر گیا ہے۔ میں نے جب سے پوچھا۔ جناب والا، میں نے کوئی سامان نہ کیا۔ جو کچھ بات تھی وہ صاف صاف کہی۔ کہنے لگے تم نہیں جانتے۔ ایسے بڑے لوگوں کے سامنے اس طرح کوئی صاف صاف بات نہیں کیا۔ اور خاص کر ایسی کوئی بات زبان سے نہیں نکالتا جس سے ان کا مذاق اڑتا ہو اور اس کا کوئی ایسی باتیں کرتا ہے تو وہ دیوانہ سمجھا جاتا ہے یا مسخرا۔ جیل خانہ کی تحریک یہ بدستور تھا جو ہم کو اس روز تک کہ دونوں کے بعد لاٹ صاحب کا خط فواب صاحب کے پاس آیا۔ وہ انھوں نے میرے پاس لکھا اور اپنے خط دیکھ کر دل خوش ہو گیا اور معلوم ہوا کہ واقعی شریف آدمی اس کو کہتے ہیں۔ خط میں وہ تمام واقعات لکھ کر لکھے تھے جو اس سبب رنگ کی حقائق میں گزرے تھے۔ میری زندہ دلی اور صاف گوئی کی بہت تعریف کی تھی۔ میرے انتخاب کے متعلق اپنی تحریک کا ذکر کیا تھا۔ اور آخر میں اشارہ کیا تھا کہ اپنے صاحب کے یہ ضرور سمجھا دیجئے کہ صاف گوئی اچھی ہے۔ بشرطیکہ موقع و محل سے جو۔ اور خوش ذاتی خدا کی ایک دین ہے بشرطیکہ اس کا استعمال مناسب موقع پر کیا جائے۔ فواب صاحب نے یہ خط لے کر بلا واسطہ لکھ کر رکھے کو بھیجا تھا۔ میں سمجھا کہ شاید دیکھنے کو بھیجا ہے۔ پڑھ کر وہیں کر دیا۔ دو چار روز کے بعد ہمارا پوچھا تو پتہ چلا کہ کہیں کھو گیا۔

شروع مشن میں ہم آگے پہنچے۔ وہاں امیر صیب اللہ خان شاہ کابل بھی آئے۔ سر جان ہیوٹ بھی آئے۔ فواب صاحب نے اور وہی آئے۔ نہیں آئے تو سر جس کا خوش معلوم ہوا کہ حبیبیت خواب ہو گئی تھی اس لیے وہایت چلے گئے یہاں فواب صاحب نے فواب صاحب کے سرکاری سے ہماری درخواست کے متعلق پوچھا۔ انھوں نے کہا۔ کاؤٹ صاحب اس درخواست پر ایسا فٹ کر گئے ہیں کہ اس کا کوئی منظر رہی کبھی۔ اس سال ڈپٹی کلکٹر کی جو انتخاب ہو گا اس میں مرزا فرحت اللہ بیک کا نام ضرور آجائے گا۔ ظاہر ہے کہ اس کے بعد کسی طرح کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ اس لیے امیر کابلی کے کسب کو اپنا گھر بنایا اور وہاں قوتی اور تماشوں کا معلق اٹھایا اور خوب اٹھایا۔

دیکھا جائے تو انسان کی قسمت بھی ایک تاثیر ہے۔ کبھی جڑتی ہے تو کبھی ڈھلتی ہے اور کبھی ٹوٹتی ہے تو کبھی جڑتی ہے۔ ہماری شادی عہد الجید خواجہ کی بیٹی سے ٹھہری تھی۔ وہ بھاری ایک دفعہ ہی چل بسی۔ اب دوسری بھڑکی خوش ہوئی اور آخری بھاری نسبت اپنے ایک چچا مرزا ساجد بیک صاحب کی بڑی لڑکی سے ٹھہر گئی۔ میں یہاں یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہمارا مادر اخیان حیدر آباد میں تھا اور یہ سب کے سب ابھی خد متون پر تھے۔ میرے والد صاحب بھی حیدر آباد میں رہتے تھے البتہ میں دلی میں اس وجہ سے رہتا تھا کہ میری چھوٹی صاحب نے بھوکھٹا بنایا تھا۔ کیونکہ میری والدہ کا انتقال اس زمانہ میں ہو گیا تھا۔ صاحب میں قوتی دن کا تھا۔ مرزا ساجد بیک صاحب حیدر آباد میں ناظم ضلع (ڈسٹرکٹ جج) تھے۔ اپنی طبیعت کو میں نے دیکھا

ضرورت تھا۔ مگر یہ دیکھنا نہ دیکھنے کے برابر تھا کیونکہ اس وقت اس کی عمر چار سال کی تھی اور میری ذہنی فہم کی نسبت پھر نے کے بعد یہ وحشت ہوئی کہ کسی طرح حیدر آباد پہلو لود اپنی ہونے والی بیوی کو دیکھو۔ ایک روز میں اور میرے عزیز دوست میاں دانی سہ پیر کے وقت پریڈ کے میدان میں سے ہو کر کالج گراؤنڈ جا رہے تھے کہ یہی ذکر نکلا۔ انھوں نے کہا کہ "میرا دل بھی حیدر آباد دیکھنے کو بہت چاہتا ہے۔ تم یہ کہہ کر وہاں جاؤ کہ فوکر کی تلاش میں جاتا ہوں۔ میں بھی کسی نہ کسی ترکیب سے وہاں آ جاؤں گا۔" صلاح بہت اچھی تھی۔ دل کو تک گئی۔ بجائے کالج جانے کے ہم گھر واپس آئے۔ پھر بھی صاحبہ کو ان سید صاحبہ سے کچھ سمجھایا۔ وہ بے چاری ان پکڑوں کو کیا کچھ سکتی تھیں۔ راضی ہو گئیں۔ دوسرے ہی دن میں اور میرے ماموں زاد بھائی مرزا سلیم بیگ ریل سے روانہ ہو کر بھوانی پہنچے۔ بھوانی سے لوہار کوئی (۱۵) کوس ہے۔ پہلے سے اپنے آنے کی اطلاع نہیں دی تھی۔ اس لیے ریاست سے سواری کا کوئی انتظام نہیں ہوا تھا۔ جتنا راستہ تھا سب کا سب ریتلا تھا۔ بھوانی سے لہو اونٹ کرایہ پر لیا اور چل دئے۔ راستے میں بڑے زور کا میٹھ برسا۔ مگر مزاق یہ تھا کہ ہم دونوں کا صرف ایک ہی پہلو بھینکا اور دوسرا بالکل خشک رہا۔ لیکن ہے کہ اونٹ کی بلندی کی وجہ سے ایسا ہوا ہو۔ مگر یہ امر واقع ہے کہ جب ہم دونوں جوئی پہنچے تو ایک طرف سے بیگ کچڑی ہو گئے تھے اور دوسری طرف پانی کی ایک پھینٹ بھی نہیں پڑی تھی۔ رات جوئی میں گزار دی۔ وہاں کے پھردن اور کھٹوں نے ہماری جس طرح خبر لی اس کی شکایت۔ اب حال ہے۔ غرض صبح آٹھ بجے پھر اونٹ پر سوار ہوئے اور لوہار و پہنچ گئے۔ خواب صاحب سے ملے اور کہا کہ سفارشی خط لکھ دیجئے۔ یہ سن کر وہ ذرا خفا ہوئے اور کہا کہ "ملازمت کا جب ایک جگہ انتظام ہو گیا ہے تو اب بے ضرورت حیدر آباد کیوں جاتے ہو؟" لیکن جب ہم نے حیدر آباد جانے کی اصل غرض کا اظہار کیا تو وہ مسکرائے اور دو خط لکھ دئے۔ ایک بھلی صاحب رزیدنٹ حیدر آباد کے نام تھا اور دوسرا سرکس واکر مسین المام نیناس کے نام۔ یہ دونوں خط لینے کے بعد ہم کوئی دن تک لوہار و میں رہے اور بڑے مزے سے رہے، مومن سلیم بیگ (مرحوم) نے پستے بادام کھلا کھلا کر معدہ خراب کر دیا اور ماموں شفیق بیگ (مرحوم) نے شاہنامہ سناتا کر داغ پڑھنا کر دیا۔

آخر لوہار و سے نکلے اور بڑے ٹھانڈے سے نکلے۔ کوئی سا بدینیاں ساتھ تھیں۔ ایک پرین اور سلیم بیگ تھے۔ دوسرے پر شاہ رخ مرزا فرزند نواب صاحب لوہار و اور ان کے ایک دوست تھے۔ تیسری پران کے دو صاحب اور جو تھی پر پولیس کے دو جوان تھے۔ رات کے کوئی دو بجے ہوں گے کہ ہم نے لوہار و چھوڑا۔ ریت میں قدم رکھتے ہی ساڈنیاں ریل ہو گئیں۔ گردن بس کی کے جو قدم بڑھانے شروع کیے تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ دریا میں کشتی بھی جا رہی ہے۔ کوئی دس بجے ہوں گے کہ ایک طرف سے دو اور ساڈنیاں آتی ہوئی دکھائی دیں۔ شاہ رخ مرزا نے آواز دے کر ان کو روکا ان دو ساڈنیوں پر دو ٹھاکر اور ان کے دو نوکر سوار تھے۔ چوچھا "کہاں جاتے ہو؟" جواب ملا "شکار کے لیے"۔ بعد میں معلوم ہوا کہ شکار کو جانے کے معنی ہیں ڈاکہ ڈالنے کے لیے۔ اور ان کا یہ کمال بھی معلوم ہوا کہ یہ لوگ اپنی ساڈنیوں پر پچاس ساڈن میل جاتے ہیں۔ ڈاکہ ڈالتے ہیں اور صبح سے پہلے گھر واپس آ جاتے ہیں۔ غرض وہ تو شکار کے لیے چلے گئے اور ہم آگے بڑھے۔ چاندنی خوب ٹھہل ہوئی تھی شاہ رخ مرزا نے اپنی ساڈنی بڑھائی۔ سلیم بیگ اور ہم بھلا ان کا کیا ساتھ دے سکتے تھے۔ تھوڑی دیر میں وہ انھوں سے غائب ہو گئے۔ اب



ہماری حالت نادر کا نقشہ غلط ہو۔ جنگل بیا بان کت دست میدان ہے۔ مانتہ کا نام دشت نہیں۔ کچھ اونٹنی کے پاؤں کے نشا  
ہیں۔ مگر ان نشاؤں نے ایک دوسرے کو اس طرح کاٹا ہے خاصہ بھول بھلیوں کا ناقابلِ عمل نقشہ ہی کیا ہے۔ ہم دو دو شخص ہی  
اور اونٹ کی پیڑھے۔ نیچے دیت ہے اور چاندنی اور آسمان کے آہر اندہ بیان۔ جب ساڈنی کو بگٹانے بگٹانے شکستہ اندہ کی جا  
نہ لا تو وہ پار پھیر گئے۔ مشورے ہوئے۔ خار کیا گیا اور اندہ کا نام لے کر ساڈنی کی ڈوری دھسلی کے اس کو اجانت شے دی گئی کہ  
تیلو جان ہی چاہے لے لی۔ ساڈنی نے فوٹے بھرنے اور ہم نے اس کے اوپر چھلے کاٹے شروع کیے۔ رات کے کوئی دو بجے ہوں گے  
کہ دوسرے چاندنی میں دو اونٹ کھڑے نظر آئے۔ ڈر ہوا کہ کہیں یہ وہ "شکاری" ہی نہ ہوں۔ لیکن کیا کیا جاتا۔ ساڈنی کے ٹوکے ٹوکے  
نہیں لیٹتی تھی۔ آخر ان اونٹوں کے پاس پہنچ گئے۔ اس وقت معلوم ہوا کہ شکار رخ درخا اور ان کے ساتھی آرام فرما رہے ہیں۔ وہاں ہم  
بھی اترے۔ تھوڑی دیر آرام کیا اور چل کھڑے ہوئے۔ جوئی کے پاس تھوڑا سا پاڈی تھا اور خاصا اچھا اندہ ہے اس جگہ بھلی  
ساڈنی نے نظر کر کاٹی۔ میان بلم بیگ نے ڈوری زور سے گھسیٹی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ڈوری چٹ سے ٹوٹ گئی۔ وہ تو کوکر ساڈنی  
اس گھسیٹ گھسٹ سے سنبھل چکی تھی جو سیدی کھڑی ہو گئی۔ ورنہ ہم دونوں کو ختم ہو جانے میں کوئی کسر نہیں رہی تھی۔ چنے وقت  
مگر بیٹک کے ایک بڑے سے ٹپتہ میں کوئی ڈیڑھ سو پاں لے کر چلے گئے۔ یہ ڈیڑھ سو پاں سے پاس تھا۔ میں نے راستے میں شیش تھائی "اس تو کلا  
سے کیا کہ بڑی پہنچے پہنچے یہ دیسی خاصہ صحت مندی کے دل کی طرح صحت ہو گیا۔ ساڈنی کے سنبھلنے کے بعد میان بلم نے پاں  
اٹکا۔ بجلا اب پاں کاں دھرا تھا۔ یہ شیش کڑیوں بہت آؤنگیا۔ مگر یہ کچھ کر کہ اونٹ پر میڈ کر خسر کر آیا اندہ پاؤں ہلا تا خالی از خبر  
نہیں ہے، چپ ہو گئے۔ سچ ہم بھوانی پہنچے اور مہنگے "داخل دلا" ہو گئے۔

اب کیا تھا۔ حیدر آباد جانے کی تیاریاں شروع ہو گئیں اور ہم نے تیسرے ہی روز دہلی چھوڑ دی۔ یہ بھلی اس لیے گئی تھی  
تھی کہ کہیں حیدر آباد جانے کی اصلی وجہ نہ کھل جانے اور ساری کی کرائی محنت برباد ہو جائے۔ ۱۸ اگست شکار کو صبح کے  
۸ بجے پنجاب میں سے روانہ ہوئے۔ دوسرے دن بارہ بجے کے قریب منار پہنچے۔ ایک بجے چھوٹی لائیں سے منار چھوڑا۔  
اس زمانے میں لاہور کے ایشیائی پرنٹیفین تھا۔ اس سے ڈر گیا تھا۔ کیونکہ سنا تھا کہ مسافروں کو زبردستی یہاں اتار کر کئی ہفتہ  
بند رکھتے ہیں۔ لیکن ہماری تو یہاں صحت بخش دیکھی گئی اور ایک حکم نامہ دے دیا گیا کہ فاضل گنج ہسپتال میں جا کر روزانہ ۸ دن تک  
معائنہ کیا جاوے۔ چہ چارے دے دے سوم کے مسافروں پر صحبت آئی۔ سب کے سب اُتارے گئے اور ساری گاڑی خالی ہو گئی۔  
اور ملک آباد کے ایشیائی پر بھائی حیدر جیوں بیگ نے جو میان ناظم ضلع (ڈسٹرکٹ جج) تھے۔ یہاں سے نکل کر جو گاڑی سنبھوں  
کی چال چلی شروع کی تو طبیعت بے زار ہو گئی۔ دوسرے دن شام کے ۵ بجے حیدر آباد پہنچے۔ منار سے تار دے دیا تھا  
اس لیے ایشیائی پر ملا صاحب قبلہ اور بھائی مرزا حسین احمد بیگ اور مرزا رفیع بیگ کے چلے گئے۔ ان کے ساتھ حاجی دکان سے  
ہوتے ہوئے اور ریڈیفنس کے پہلو سے گزرتے ہوئے چنبل گڑھ پہنچے اور بھائی خواجہ امیر المصطفیٰ (مروم) کے ہاں جاتے۔  
یعنی ایک مشکل آسان ہو گئی۔

"دوسرے دن عزیزوں سے ملنے کے لیے نکلے۔ سب سے پہلے مولوی عزیز مرزا (مروم) کے ہاں گئے۔ ان سے میری

خلاصہ یہ تھا۔ اور یہ خود جہاں ہوم سکریٹری تھے۔ جمعہ کا دن تھا۔ دربار لگا ہوا تھا۔ گوشہ محل کے تالاب کے سامنے ان کا مکان تھا۔ ان کے دولہے احمد مرزا اور ابوسعید مرزا تو مجھ سے دہلی میں مل چکے تھے۔ مگر خود مولوی عزیز مرزا صاحب (مرحوم) کو میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ والد صاحب میرے ساتھ تھے۔ ان کو دیکھ کر یہ محسوس ہوا کہ یہ میرے آئے۔ والد صاحب سے ملے۔ انھوں نے بے اعتداف کرایا۔ جس محبت سے مولوی عزیز مرزا (مرحوم) نے مجھے لگایا وہ تمام عمر مجھے یاد رہے گا۔ اس کے بعد ہم بھی اسی مجلس میں جا بیٹھے۔ اس وقت وہاں ڈاکٹر سرلی الحسن (نواب سراج یار جنگ) عہدہ تعلیم صاحب مقرر (مرحوم) تھے۔ علی خان صاحب، مولوی عبدالحق صاحب اور بہت سے لوگ بیٹھے تھے۔ مولوی عزیز مرزا صاحب نے کہا: ”کو بھائی کیسے آنا ہوا اور کب آئے؟“ میں نے کہا: ”کل آیا ہوں اور صرف میری عرض سے آیا ہوں۔“ کہنے لگے: ”یہاں نوکری کیوں نہیں کر لیتے؟ تمہارا سارا خاندان یہیں ہے۔“ آخر پردیس میں اکیلے پڑے رہنے سے خائف؟“ میں نے کہا: ”میرا نام ڈپٹی کلکٹر کی لیے کیا ہوا ہے۔ ایسی خدمت یہاں ملنی مشکل ہے۔“ اس پر انھوں نے کہا: ”کیوں مشکل ہے۔ ہم سب مل کر اس سے کہیں اچھی خدمت تم کو دلا سکتے ہیں۔“ میں تو خاموش ہو گیا، مگر والد صاحب کو مجھے حیدر آباد میں روکنے کا موقع مل گیا۔ انھوں نے کہا: ”ہاں، آپ اس کو کہیں کہیں انکا دیکھئے۔ اگر ہندوستان (یہ پہلا موقع تھا جو مجھے معلوم ہوا کہ یہاں کی اصطلاح میں حیدر آباد ہندوستان سے خارج ہے اور ہندوستان کے مفہوم اور معنی میں صرف شمالی ہند داخل ہے) میں رہا تو پھر ہم لوگوں کا اس سے ملنا مشکل ہوگا۔“ اس کی تائید وہاں کے تمام حاشیہ نشینوں نے کی۔ اور اب بحث یہ چلی کہ اس شخص کو ذکر رکھا جائے تو کہاں ذکر رکھا جائے آخر مجھے سرخ کر خود مولوی عزیز مرزا صاحب نے کہا: ”ہاں بھائی، خوب یاد آیا۔ اس وقت فینانس میں ایک تین سو روپے کی جگہ خالی ہے۔ میں نے کئی موقعوں پر وہاں کے سکریٹری نند لال سیل کی مدد کی ہے۔ وہ پرسوں ہی کہہ رہے تھے کہ آپ کا کوئی آدمی ہر تو مجھے دیکھئے۔ تو میں ان کو خط لکھے دیتا ہوں۔ کل ہی ان کا تقرر وہاں ہو جاتا ہے۔“

اس کی سب نے تائید کی اور وہیں نند لال سیل کے نام خط لکھ کر ہمارے حوالے کیا اور ہدایت کر دی گئی کہ کل ہی مکان جا کر ان سے مل لینا۔ یہاں سے نکل کر ہم نواب سر بلند جنگ (مرحوم) جمعیت حبش کے ان گئے جو ایشیئن نام پلی کے سامنے ایک قلعہ میں رہتے تھے۔ ان سے ایک تو میری چچا زاد بہن سوب تھیں۔ دوسرے ان کے والد مولوی سیح اللہ خان (مرحوم) مجھ کو اپنے بچوں کی طرح سمجھتے تھے۔ خود سر بلند جنگ بہادر بھی مجھے اچھی طرح جانتے تھے۔ ان کے گھر پر جو سچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ یہاں بھی دربار لگا ہوا ہے۔ مجھ کو دیکھ کر وہ کچھ پریشان سے ہو گئے کہ آخر یہ شخص ایک دفعہ ہی یہاں کیسے آگیا۔ فوراً دربار برخاست کیا اور میرے والد صاحب اور مجھ کو لے کر اوپر زنانہ میں لے گئے۔ وہاں جاتے ہی میرے والد صاحب سے پہچان ہو گئی۔ آفران حضرت کو یہاں کیوں بلوایا؟“ والد صاحب نے کہا: ”یہ خود آگیا ہے اور اب اس کی نوکری کی بھی کچھ صورت نکل آئی ہے۔“ اس کے ساتھ جو گنگو مولوی عزیز مرزا صاحب کے ہاں ہوتی تھی وہ بھی بیان کی اور نند لال سیل کو خط بھی دکھایا۔ یہ سن کر وہ ہنسے اور مجھ سے کہنے لگے: ”میاں فرحت تم حیدر آباد کی نوکری کے جھگڑوں میں نہ پڑو۔ یہ بڑی خطرناک جگہ ہے۔ میں افسر جنگ بہادر کو کچھ کر شک نما اور گونگندے کے پاس مگھائے دیتا ہوں۔ انھیں جاکر دیکھو۔ حسین مار کے کٹنے کی سیر کر دو۔ شہر کی عمارتیں

دیکھو اور دلی صاحب چاہے ہاں نہ ہاں کہہ گا اور کیا تو یاد رکھتا کہ قصاری زندگی پر ہر دم جسنے کی ضرورت ہو رہی ہو جائے گا؟  
 اس کی یہ باتیں سن کر مجھے برا لگا تو آپ بھلا میں نے اس سے کہا کہ کیا تو کوئی دوسرا اور جو اس طرح دینی کٹنے کی کوشش کر رہا ہے میں نے  
 فرمایا کہ کیا۔۔۔ جہاں صاحب بھی وہی نہیں آپ سے کوئی تو کریں انہوں میں سے ہر ایک اس وقت تک کہ اس کو نہ کرے تو خود بخود بخیر  
 میرا آباد میں رہنے سے آپ کا کیا نقصان ہوتا ہے؟ کہنے لگے: میں انہوں میں سے ہونے لگتا ہوں تو خدا سے ہی بچنے کی کتاب میں بھی  
 چاہے ماری ہو چاہے نہ مارے، آپ صاحب بھی ایسی بہت بڑی ہیں۔ مگر میں باقیوں کا ان پر کیا اثر ہو سکتا۔ رہنے اور نہیں کہنے لگے: میرا جب  
 بنے کی تو خود معلوم چاہئے گا؟ یہاں سے نکل کر ہم دوسرے حروف کے گمان لگے اور شام کو گھر واپس ہوئے جب ہمارے حروفوں نے  
 یہ سنا کہ وہی کا ایک اور آواز پر نہ میرا آواز کے پھر سے میں نہیں رہا ہے تو سب نے مبارک باد دی اور ہمارے بڑے لکڑی کے ارادے  
 میں بھی کچھ زلزلہ پیدا ہونے لگا۔

دوسرے دن بھی کے فوجی ہم ماہر مہتمم شاہ (مردم) کے ساتھ ندوای ہل کے علاقے پر پہنچے۔ خط دیکھ کر تو اس شخص کی  
 یہ حالت ہوئی کہ بیان نہیں کی جا سکتی۔ معلوم ہوتا تھا کہ ماری دنیا کی دوست اس کو لٹی ہے۔ بار بار یہی الفاظ زبان پھرتے کہ: آج خدا  
 خدا کے مولوی عزیز مرزا صاحب کے احسانوں کا بدلہ دینے کے قابل ہوا ہوں: میری تعلیم کی حالت پر بھی اور تجربے کا۔ یہاں پر  
 بڑے قصاری ہے۔ کل یا پھر اس تک قصاری ہے کہ ہر حکم پہنچ جائے گا۔ میں نے کہا کہ: میں سرکسوں کا کہ نام فواب صاحب وارا کا بھی  
 خط لکھا ہوں۔ ان دونوں میں بڑے گہرے تعلقات ہیں۔ کہو تو صاحب سے بھی مل لوں گا۔ کہا: نہیں، اس کی کیا ضرورت ہے۔ جب  
 میں یہ کام کر سکتا ہوں تو صاحب کو تکلیف دینے سے فائدہ؟ غرضی کئی دس بجے ہم وہاں سے نکلے اور بہت خوش خوش نکلے۔  
 اور آتے آتے راستے میں ماری کیفیت مولوی عزیز مرزا صاحب سے کہ آئے۔

دو تین دن تک حکم کا انتظار کیا۔ جب نہیں آیا تو ایک دن ہم پھر ندوای ہل سیل کے پاس گئے۔ انہوں نے ویسی ہی آؤ بٹ  
 کی جیسی پہلے کی تھی اور کہا: آج کل صاحب کو فرصت نہیں ہے۔ اس لیے تھوڑے حکم پر دستخط نہیں ہو سکے۔ آج میں تو لکھنا  
 دستخط لے لوں گا۔ اس لفظ کو جب کئی دن اور گزر گئے تو پھر ہم سیل صاحب کے پاس پہنچے۔ وہ کہنے لگے: کیا کون ایسے تم سے  
 اور خاص کر مولوی عزیز مرزا صاحب سے کیسی شرمندگی ہے۔ میں کہا تھا کہ مولوی صاحب کی غائبیوں کا کچھ بدلہ خدا سے تقو  
 سے اتار سکوں گا۔ مگر ایسے معلوم نہ تھا کہ ہمارے صاحب ایک دوسرے شخص کو معذور کرنے کی سوجھ بچھے ہیں۔ میں نے قصارا  
 نام پیش کیا۔ بہت کچھ تعریف بھی کی۔ مگر انہوں نے ایک زبانی اور اعلیٰ صاحب کا نام لکھ دیا۔ خیر کیا ہے۔ اب کئی اور بڑے  
 نکلے کی تو پھر کوشش کروں گا۔ سیل صاحب کی گفتگو کا انداز ایسا تھا کہ میں کہہ گیا کہ جو سزا اس والی میں کہہ گا خود ہے۔ میں نے  
 کہا: خیر کیا ہوتا ہے۔ آپ آؤ دیکھ لے کوشش کیجئے۔ میں دیکھ صاحب کو فواب صاحب وارا کی جیٹی تو سے آتا ہوں۔ کہنے لگے  
 اس کی کیا ضرورت ہے۔ اب کوئی بڑا خالی تو ہے نہیں۔ جب خالی ہوگی تو میں کلا بھجوں گا۔ اس وقت لی بیٹا۔ میں نے کہہ لیا  
 یہاں تو کوئی کئی ہی نہیں ہے۔ اس لیے آپ میری فکر نہ کیجئے۔ یہ کہہ میں وہاں سے چلا آیا۔ اس قدر گفتگو کی کہ بیان نہیں کر سکتا  
 تمام واقعہ شام کو جا کر مولوی عزیز مرزا صاحب سے بیان کیا۔ ان کو بھی تاؤ تو ضرور آیا۔ مگر کہنے لگے کہ: بیٹی بات یہ ہے کہ

مہرے غلطی ہوئی۔ اگر وہ اگر صاحب سے بھی مل بیٹے تو اچھا تھا: میں نے کہا: صاحب، میں خود ملنا چاہتا تھا۔ مگر آپ کے سیل صاحب نے روک دیا۔ یہی کسی کردہ کئے۔ اگر یہ بات ہے تو اس میں ہمارے سیل صاحب نے بھی کچھ گڑبڑ ضرور کی ہے۔ تم ذرا داکر صاحب سے مل کر تو دیکھو کہ اصل معاملہ کیا ہے؟

غرض دوسرے دن ہم داکر صاحب کے بنگلہ پر پہنچے۔ کار ڈبھجوا یا۔ انھوں نے اذہر بلایا۔ اس وقت وہاں جنکین صاحب انگریز برقی پمپس بھی بیٹھے تھے۔ میں نے فراب صاحب کا خدو داکر صاحب کو دیا۔ انھوں نے پڑھ کر کہا۔ "اب تک تم مجھ سے کیوں نہیں ملے؟ اس وقت تو میرے ہاں کوئی جائیداد خالی نہیں ہے۔ دو تین روزی ہوئے جب میں نے ایک خلیہ جائیداد کا انتظام کر دیا تھا۔ میں نے کہا۔" اسی جائیداد کے لیے سیل صاحب نے میرا نام لکھا تھا۔ وہ آپ نے کات کر دوسرے کا نام لکھ دیا۔" داکر صاحب پہلے کچھ سوچ میں پڑ گئے اور اس کے بعد کہنے لگے۔ "تھار نام تو پیش نہیں ہوا تھا، ہاں سیل نے مجھ سے یہ ضرور کہا تھا کہ اس جائیداد پر عزیز مرزا نے ایک لافٹ آدمی کو ٹھونسنا چاہتے ہیں۔ آپ اس جائیداد کا جلد انتظام کر دیجئے۔ اور جس شخص کا تقرر ہوتا ہے اس کا نام بھی انھوں ہی سے پیش کیا تھا۔" یہ سن کر مجھے اتنا غصہ آیا کہ بیان نہیں کر سکتا۔ اور میں نے شروع سے لے کر آخر تک سارا قصہ بیان کر دیا۔ اور یہ بھی کہ داکر سیل صاحب نے مجھے آپ سے ملنے سے روکا تھا۔ یہ سن کر جنکین صاحب اچھل پڑے اور کہنے لگے۔ "واہ رے سیل، عزیز مرزا پر کیا اچھا لڑھکا رہا ہے!"

اس کے بعد ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ لیکن میری طبیعت ایسی چلی ہوئی تھی کہ بات کرنے کو ہی نہیں چاہتا تھا۔ تھوڑی دیر میں وہاں سے رخصت ہو کر سید حاسل صاحب کے مکان پر پہنچا۔ اور وہ کچھ ان سے دل کھول کر عرض کیا کہ اگر لائی مجھ سے پوچھا جائے تو میں یقیناً کہوں گا کہ مجھ پر آزادانہ حیثیت دینی کا جرم پوری طرح مایہ ہو گیا تھا۔ مگر وہاں سے میرے سیل۔ ذرا جو اکھ میں میل یا مٹے پر لٹکی آئی ہو۔ معلوم ہوتا تھا کہ جو کچھ عرض کیا جا رہا ہے وہ ان سے متعلق ہی نہیں ہے۔ آپ فرماتے تھے تو یہی فرماتے تھے۔ نہیں صاحب آپ کو کچھ غلط فہمی ہو گئی ہے یا داکر صاحب ہی معاملہ کو نہیں سمجھے۔ ورنہ دیکھنے ناکی میں بھلا عزیز مرزا صاحب کے عزیز کو نقصان پہنچاتا ہی کے سینکڑوں احسان مجھ پر ہیں؟" آپ یقین ماننے کہ جس طرح ان حضرت نے ہتھیار مٹھا کر مجھ سے باتیں کیں اس سے تو مجھے شبہ ہونے لگا تھا کہ داکر صاحب جھوٹے ہیں اور یہ شخص سچا ہے۔ مگر جب حیدر آباد میں کچھ عرصہ رہا مہر سیل کا دلکھ دیکھا تو اس وقت معلوم ہوا کہ دنیا اس طرح چلتی جاتی ہے۔ اور کچھ جھوٹ اور جھوٹ کو کچھ بنانے کے لیے کتنا بڑی کجی کجی ضرورت ہوتی ہے۔

اس کے بعد عروسی عزیز مرزا (معلوم) نے ہمارے متعلق دوسری تقریر کی یعنی مجھ کو ایک فراب صاحب کے صاحبزادے صاحب کا اٹالین بنا کر بھیجنا چاہا۔ مگر وہ دار ہی خالی لگی۔ یہ واقعات مضامین فرحت محمد دوم میں مزاحمت سے درج ہیں یہ کار دنیا میں ہی وہی قضی کہ ایک دفعہ ہی پرچہ لگا کر مرزا صاحب بیگ صاحب کا تالہ داخل آباد سے ٹھہر گئے شریف جے۔ مادودہ دور و زمین اپنے بال بچوں کے ساتھ سکند آباد پر سے گزریں گے۔ لیکن حیدر آباد نہیں ٹھہریں گے۔ اعلیٰان ہوا چو جس کام کے لیے آئے تھے وہ تو پورا پورا چلا۔ اب یہی فوری تو اس کی کچھ پروا نہیں ہے۔ کیوں نہ کیوں ہی جاسے ٹیڑھی

یہ نازک ساریا یک مقدمہ ہم جیسا آبادی دستہ ڈانڈہ بڑے شہر کے شیعہ مافیہ پیشی ہو گا کی گئے تھے ایک شیعہ  
پیشی ہی پہنچے گئے بدلی ڈائی۔ مرزا ساجد بیگ صاحب آئے۔ ان کا سا راخانہ آیا۔ گرم کوہ جو جی کسی نے نہیں پایا کیا  
گیا کہ پردہ ہے۔ اس وقت میں موسم ہوا کہ ہمارا جید آباد آتا ہی سراسر بیوقوفی پر مبنی تھا۔ جو خود کہنے کہ کہیں کوئی پختہ  
اپنے ہونے والے شوہر کے سامنے آتی ہے؟ خواہ وہ اس کا چچا نا د بھائی ہی کیوں نہ ہو۔ یہ قافہ قہر گزشتہ سارا نہ گیا  
ہم شرمندہ شکل واپس گھر آئے۔ اسی گاڑی میں بیوسے پچھوٹی ناد بھائی نصیح المری اچھوٹے آئے تھے۔ جن نے تو دلی بھائی  
چاہا۔ گھانٹوں نے ناگ بچلائی۔ دوسرے ان ہی دونوں میں مولوی عزیز مرزا کے بڑے فرزند احمد مرزا کی شادی ہونے لگی  
تھی۔ اس لیے شہر نا پڑا۔ اسی زمانے میں ڈاکٹر مرزا اچھی دعوہم، ناظم قیامات سر جو گئے کہ میرے سر و دستہ میں تو کری کرلو۔  
اس وقت تو ذرا کم خواہ کی جگہ ہے۔ مگر میں وعدہ کرتا ہوں کہ کچھ لینے کے اندر ڈھائی سو کی جگہ دے دوں گا۔ احمد مرزا کی  
شادی میں شریک ہونے کے لیے مرزا ساجد بیگ اور ان کے چچے بھائی مرزا ساجد بیگ صاحب بھی آ گئے تھے۔ انھوں نے  
میں بھی سامنے دی۔ مولوی عزیز مرزا صاحب نے بھی زور دیا۔ اور کہا: تو کری چھوڑنا تمہارے اختیار میں ہے۔ مگر ڈیپ ٹھیکر  
میں نام منظور ہوا تو جگہ چھوڑ کر چلے جاتا: غرض سوسے سر بند جب بارود کے جتنے حوزے میان تھے، سب نے تو کری کہنے پر زور  
کیا۔ ہم نے بھی سوچا کہ چلو خالی سے بیگا ریل۔ راضی ہو گئے۔ اور باتح، اردمیر شہزادہ ہمارا تقدیر چادر گٹ آئی ان کو  
کہ وہ گار دوم انگریز پر ہو گیا۔

میں نے مدرسہ میں جو کہ اودھم مچایا ہے اس کی کچھ نہ بچو۔ تھوڑے ہی دنوں میں مدرسہ میں خوشی لائی ہوئی اور جتنے مشرقیوں نے چھائی۔ سر ملنا ختم ہے بیٹا سڑتے۔ وہ مجھ سے کہنے لگے اور چھوٹوں سے لے کر بڑے لڑکوں تک سب میری محبت کا دم چرختے گئے۔ آخر یہ کیوں ہوا؟ اس لیے ہوا کہ پڑھائی کے وقت تک میں استاذ تھا اور وہ شاگرد۔ اور پڑھائی کے بعد میں اور وہ ایک تھے۔ سب سے پہلے تو میں نے یہاں کرکٹ جاری کیا۔ اس کے بعد دوسرے کھیلوں کو بڑھایا۔ اور آخر میں ایٹمی پڑکھوں کو (جو تیلی میاں والد کے) اکر لپھایا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ میاں کے طالب علم ہمیشہ پر آنے جون۔ بڑے زور کی دعوت ہوئی۔ بڑے بڑے عمدہ فارم جمع ہوئے۔ مولوی عزیز مرزا صاحب نے بڑے زور کی ایٹمی دی۔ ڈاکٹر سراج الحق کو بہت کچھ جوڑ دیا۔ ڈیانا ختم ہوا اور ہمدانی ہر دلعزیزی کے پرانہ پر ہر طرف گئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مدرسہ میں ہم سب کچھ ہو گئے۔ اور بقید سڑک پڑے۔ لڑکوں کی یہ حالت تھی کہ ہر بات میں مجھ سے اجازت لیتے اور میں جو کچھ کہتا اس پر عمل کرتے سبے چارے بیٹا سڑک تو یہ شک ایک عضو متصل سمجھنے لگے تھے۔

یہی اس حکومت خود اختیاری کا ایک نمونہ غلط ہے۔ صبح کا مدرسہ تھا۔ میں جو اپنی مائیکل پر مدرسہ ہینچا توڑی  
 کو کوئی پچیس تیس دن کے مدرسے چھانک پر کھڑے ہیں۔ بچے دیکھتے ہی انھوں نے غل جھایا۔ "ماسٹر صاحب! آپ سے کچھ کہنا"  
 میں مائیکل سے اُڑنڈا۔ ادھر چھا کہ آؤ میں کسی بات سے جو دروازہ پر بچے روکا ہوا ہے۔ انھوں نے کہا۔ "ماسٹر صاحب  
 آگے بڑھ کر یہاں کا دھبہ ہے، چھٹی دوا دیجئے۔" بیٹا "ماسٹر صاحب راجائیں گے مگر چھٹی نہیں دیں گے۔ میں نے کہا۔ "تو یہاں

سے پوچھنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ تم سب گھروں کو چل دو۔ جب مدرسہ میں کوئی نہ ہوگا تو خود ہی بند ہو جائے گا۔" میرا یہ کہنا تھا کہ سب نے غل جھاد یا کہ مہتر سے مہتر ہے، ماسٹر صاحب نے مدرسہ کو چھٹی دے دی۔ "میرے اثر کا اندازہ کریجئے کہ پانچ منٹ کے اندر ہی احمد سارا مدرسہ خالی ہو گیا۔ ہیڈ ماسٹر صاحب کو خبر ہوئی۔ وہ دل میں بہت اونٹے۔ مگر کیا کر سکتے تھے۔ ایک سر پھرے سے واسطہ تھا۔ رپورٹ کی۔ مگر وہ بھی نظر انداز ہو گئی۔ اس کے بعد سوائے اس کے رہ ہی کیا گیا تھا کہ تمام ماسٹر میرے ساتھ ہو جائیں اور تعلیم کے وقفے بعد اپنی شاہی تر کر کے رکھ دیں۔ ایک بہت کالے ماضی ماسٹر تھے۔ وہ کچھ دغوں ذرا اکٹھے رہے۔ مگر آخر ان کو بھی اس جھڑپاؤں میں شریک ہونا پڑا۔

یہ سب کچھ تھا۔ مگر میں پڑھانے میں بڑا مست تھا۔ رعایت کا نام نہیں جانتا تھا۔ پھل سے اڑتا تھا۔ اور بڑی طبع اڑتا تھا۔ شاید آپ تعجب کریں کہ پھل سے مار پڑ ہی کیا سکتی ہے؟ تو میں آپ کو بتا ہوں کہ جسے مارنا ہو اس سے کہو کہ ہاتھ اٹکے بڑھاؤ اس کے ہاتھ کی انگلیاں پکڑ کر ذرا کھینچو اور پھل اٹھا کر چٹ سے "انگلیوں کی پشت پر مارو۔ اگر ہلکا نہ جائے تو میرا ذمہ۔ مگر میں یقین دلاتا ہوں کہ جو ماسٹر انھوں سے محبت کرتا ہے اس کی مار کا بھی یہ رشک بڑا نہیں مانتے۔ اور سمجھتے ہیں کہ ہمارا ہی یہ عملیاتی جو مار پڑی۔ میں پڑھانے میں مارنے کا مخالف ہوں۔ لیکن نہ اتنا کہ اس "پٹھا پھٹ" کو بالکل بیکار ہی سمجھ لوں۔ بچوں سے محبت کرو۔ کھیل کود میں ان کا ساتھ دو۔ ان سے اس طرح ملو جیسے ان کے بزرگ ملتے ہیں۔ پڑھانے میں پوری محنت کرو۔ جو ایک دفعہ نہ کہجے اس کو دوبارہ دیکھا ڈاؤن پھر کھھاؤ۔ اگر اس کے بعد بھی کوئی حضرت اپنا رنگ نہ بدلیں تو یقیناً مارو۔ اور بہت بڑی طبع مارو۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ یہ طالب علم مدرسہ چھوڑ کر چلا جائے گا۔ جانے دو۔ جس کم جہاں پاک۔ ایسے نالافتوں کے مدرسہ میں ڈکر مدرسہ کو بدنام کرنے سے کہیں بہتر ہے کہ یہ دفع ہوں۔ اور اپنے مرض سے دوسروں کو متاثر نہ کریں۔

جہ کہ مدرسہ میں آکر پورے چار مہینے ہوئے تھے کہ ایک بڑا دلچسپ اور عجیب واقعہ پیش آیا۔ جس کی وجہ سے ہماری یہ مدرسہ کی زندگی کی کشتی جیتے جیتے ایک دوسرے ساحل پر جا گئی۔

گرمیوں کا زمانہ تھا۔ صبح کا مدرسہ تھا۔ ایک روز جو بارہ بجے میں مدرسہ سے گھر آیا تو بابا اختر سلطان کا خط ملا کہ تمہارے بھائی نے تم کو بلا لیا تھا دیکھتے ہی آجاؤ۔ بڑی فکر ہوئی کہ آخر بھائی صاحب نے بلا لیا کیوں۔ اور اگر بلا نا ہی تھا تو ایسے وقت کیوں بلایا ہے۔ دو میل جانا تو کہا اس دھوپ میں ایک قدم چلنا بھی مشکل ہے۔ لیکن صاحب کیا کیا جانتے۔ بڑوں کی بات مانی بھی تو نہیں ہا سکتی۔ آخر اوپر تلے کھانا کھا یا بیسکل سنبھالا اور نام ہی آئینہ پہنچے۔ بھائی سر بلند جنگ کو دیکھا کہ کھانا کھا کر پیٹھے کے نیچے بیٹے کروٹیں بدل رہے ہیں۔ میں نے ہا کر سلام کیا۔ کہنے لگے: "تعلیم تو نہیں ہونی؟" میں نے کہا: "جی نہیں کوئی ضروری کام ہوگا، جو آپ نے اس وقت یاد کیا ہے؟" کہنے لگے: "انی کوٹ میں ترقی سے آتے ہو؟" میں نے کہا: "ہیں اس کا کیا جواب دوں؟ جو کچھ مناسب سمجھنے کہجئے؟" کہنے لگے: "میرے ان ایک ڈیڑھ سوردہ پیر کی جگہ خالی ہوئی ہے۔ اگر تم چاہتے ہو تو کل ہی اس پر تقرر کیے دیتا ہوں۔ مگر دیکھو بھئی تمہارا فقر و غریب مرزا صاحب نے کیا ہے۔ ترقی کا بھی انھوں نے ٹھیکہ لیا ہے۔ پہلے ان سے اجازت لے لو۔ یہ دیکھا نہیں معلوم ہوتا کہ ان کے آدمی کو میں چھپیں لوں۔ آج شام کو ان سے لک کر پوچھ لو۔ اور کل دوپہر کو اگر مجھ سے

ذکیں و ذکیں۔ اگرچہ کہ یہ ہے پر یہ نہ کہ:

مرزا صاحب نے کہا۔ مگر ایسی صورت میں کم سے کم یہی کہ جس طرح ماضی میں ہیں کہ وقت کی وجہ سے آپ کے  
استحقاق ہو۔ پہلی ہی اس قدر ہے انکار کریں گے۔ ترقی پاتا پاتا نہ اس کے اختیار میں ہے چنانچہ کوئی ہی صورت تہنیت سے  
اس کی ترقی کو حاصل کیا ہے۔ مگر مرزا صاحب نے کہا۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ میری وجہ سے وقت کو فدا بھی نقصان پہنچے یہی  
نورالنبی اللہ کے لیے اور کوئی صورت پیدا کر لوں گا۔ اور ہمارا ہر بار سے بھی کہ جس کا روائی ختم کر دوں گا آپ وقت کو  
حکم کے آتے ہی کافی کر سٹیج دیجئے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر اس سال میں فدا بھی میں نے کیا تھا تو سربلذت جنگ کے فو  
تاریخ کے اور کہیں گے، دیکھئے، میں نے اجازت لینے کے بعد تقرر کیا اور جب تقرر ہو گیا تو میں نے مخالفت کی جا رہی ہے اور ساتھ  
ہی ہر ایک سے کہا جاتا ہے کہ وقت کے لیے کہہ کر وقت کے لیے کہہ کر وقت کے لیے کہہ کر وقت کے لیے کہہ کر وقت کے لیے کہہ کر  
جنگل میں دینے و تم اپنی ترقی سے فرض رکھو۔ اور یہ یقینی تاؤ کہ میری طرف سے تم کو انٹ و انٹ فائدہ ہی پہنچے گا۔  
اب بالکل میں اس کے کوئی کیا نہ کئے۔ ہم دونوں ٹھہر رہے ہیں اس وقت تک ٹھہر رہے ہیں اس وقت تک ٹھہر رہے ہیں اس وقت تک  
کھینچے بیٹھے تھے۔ اس سے تمام واقعات بیان کیے گئے۔ اور آخر یہ دیکھنے کا قائل ہوئی کہ مجازہ لے لیا جائے۔ اگر کوئی لاؤ تو یہی تو نہیں  
سے زادہ میں جہاں کہ نہ مت جاتی رہے گی۔ جاتی رہے۔ اللہ کوئی اور صورت نکال دے گا۔

میں آٹھ کروڑ خواتین اور تجویزاتی کورٹ میں بیچ دی گئی۔ اور ہم ہر دسہ قریبات کی ترقی سے فائدہ حاصل کرنے کے لیے چار لکھ ا سکول کا جائزہ دے کر بتایا ۲۸ اپریل ۱۹۷۱ء کو ا سکول کا جائزہ لینے کا زمانہ چھوٹا۔ فیصلہ کنی کے پل پر پہنچے تو کیا دیکھا کہ تقریباً سارے کا سارا مدرسہ اسے استقبال کے لیے کھڑا ہے۔ ہم سائیکل پر سے اترے۔ سب سے اقد طے۔ تھوڑی سی کچھ دی۔ ان کے اس طرح اسکول چھوڑ کر آنے کی مذمت کر دی اور پھر ان سب کے ساتھ چلتے چلتے اسکول پہنچ گئے۔ اسکول پتھر تھی میں اس جگہ قصاصاں اب علاج حیوانات کا اسپتال ہے۔ یہاں جا کر مشناس ہیڈ ماسٹر سے ملے۔ جائزہ لیا۔ گھر سب سے یہ کہ دیا کہ یہاں ہم پڑھائیں گے کیونکہ کچھ اور تقررہ تھی کورٹ کی تقررہ پر چو گیا ہے۔ عرض دو روز یہاں ہو جاؤ گا میں گوارے۔ ۲۹ اپریل ۱۹۷۱ء کو ا سکول کا ماسٹر آگیا۔ اور ۳۰ اپریل ۱۹۷۱ء کو صبح کو ہم نے تھی کورٹ کی تقررہ حاصل کر لیا اور اب ہم اس جیل خانہ میں داخل ہو گئے جہاں جاری عمر کا بہت بڑا حصہ گزریا اور جہاں سے ہم نے اسی تھوڑے دن جو سہ را تھی پائی ہے۔





# شہاد عظیم آبادی

ولادت :- نوزدیم محرم ۱۲۶۲ھ (۱۸۴۶ء)

وفات :- ۲۱ جنوری ۱۹۲۶ء

میں نے اپنی سوانح حیات میں جن میں لکھا ہے کہ ایک قابل شاگرد کو سپرد کر دی ہے اور وصیت کر دی ہے کہ میرے مرنے کے بعد ضرور چھپوا کر میرے لئے شہر کرنا۔ (۲۱ اپریل ۱۹۲۶ء)

## سنہ ولادت و خاندان

سید علی محمد نام، شخص شاد، محض طب بہ خان بہادر، نوزدیم محرم ۱۲۶۲ھ مطابق جنوری ۱۸۴۶ء کو شہر عظیم آباد چٹنہ محلہ بہار دوروازہ اپنے نانیہال میں پیدا ہوئے۔ حسن اتفاق یہ کہ اس زمانہ جبکہ پانچ برس بعد تک اکثر بزرگ اس خاندان میں ایسے موجود تھے جو باپیت اور دہلی کے خاص خاص امراء و اہل علم میں سے تھے۔ مردوں پر منحصر نہیں مگر زین بھی تعلیم یافتہ تھیں جن کی اس خاندان کے ساتھ جو شاگرد پیشہ یہاں اگر تھیں ہو گئے تھے وہ سب بھی وہیں کے تھے۔ اس اعتبار سے یہ محلہ دہلی کا ایک چھوٹا سا محلہ ہو رہا تھا۔ پانچ سال کی عمر تک سید صاحب اپنے نانیہال ہی میں رہے اور انہیں لوگوں میں پرورش پائی۔ زبان یا کسی اور خوبیوں یہاں کی عام تعلیم کا اثر نہ ہونے پایا۔ پانچ سال کے کچھ پہلے کتب ہوا۔ چونکہ سید صاحب کی ولوسیال میں بھی مامرت و خوش حالی تھی اور یہ خاندان وہ بھی عظیم آباد میں معزز و ممتاز تھا۔ یہاں بھی علمی چیرے و ابرار تھے۔ اس زمانہ میں مسلمانوں میں تہمت کا شغل تھا۔ وہ وقت سے بڑے بڑے تہمت کا حملہ دہلی میں طغی ہو گیا کہ یہ خاندان از بسکہ حقیق وہاں نوازا تھا۔ شاید اس لیے محلہ حاجی گنج میں سکونت کے زمانہ و زمانہ مکانات نہایت وسیع اور ان میں متعدد مکانات تھے۔ ذی مرتبہ تھا دہلی میں یہاں و قریب رہتے۔ ان میں اکثر بڑے اہلیات و صحبت دینہ ہوا کرتے۔ خصوصاً عرب و عجم۔ شام سے گیارہ بجے شب تک عیب پاکیزہ علمی صحبت رچی تھی۔ شہر کے جدید و قدامت الیٰ آ یا کرتے تھے۔

اتفاق سے میرید محمد فیض آبادی بھی کسی وجہ سے ترک وطن کر کے یہیں مقیم تھے۔ انیس برس کا ل ہیں وہ گئے سید صاحب کا قیام بھی تسلسل طوع سے ہیں ہوا۔

سید صاحب کے چند بزرگ کا نام سید عباس مرزا اور دلو کا نام سید فیض علی خان تھا اور دہلی کے باب کا نام سید بادشاہ علی خاں

۱۔ یہ خود دست سوانح حیات جو حضرت شاد نے "الحال مر" کے نام سے سینہ غائب میں لکھے تھے پہلے طبع ہوئے عظیم آبادی نے شادی کی کافی شادی زبانی کے نام سے شائع کر دیے ہیں





بہت جلد فارسی زبان میں سید صاحب کو محبت گاہ ہو چلی۔ چونکہ سیاق و رسم و طرز تحریر مکتوبات سے بھی واقف ہو گئے تھے۔ اکثر اہل  
 لہجہ اپنی حدیم انصاری کے سبب سے خطوط کے مضامین زبانی بتا دیتے تھے اور انہیں کے موافق ان کو خطوط لکھ دیا کرتے تھے۔  
 وزیر کی عمر میں سید صاحب کو عربی شروع کرنا ہی چھوٹا ہی صرف دیکھ کر مولوی سید فرحت حسین صاحب سے پوچھا  
 مولوی شیخ آغا حامی مرحوم پر مولوی شیخ علی آقا زاد مولوی سید عبداللہ شاہ صاحب فاضل کشمیر تعلیم کے لئے مقرر کئے گئے سید صاحب  
 م بہت تیزی سے شاہ صاحب سے اور فارسی مولوی صاحب سے پڑھنے لگے۔ شاہ صاحب سے شعر طبعی و میزان منقول تک پڑھی۔  
 اور مولوی صاحب سے ابرو فاضل، مینا بانو، پہلی رتھ، ظہوری وغیرہ پڑھی۔ یہاں تک کہ نذر سلسلہ کا بیٹا ہو چلا آیا۔ بعد کو سید صاحب  
 نے مولوی صحت علی صاحب سے پڑھنا شروع کیا۔ یہ بزرگ فرنگی محل سے تازہ تحصیل کر کے آئے تھے۔ پھر نثر و مسلم مولوی محمد اعظم صاحب  
 فاضل پھولواوی اور مہیندی اور دوسری کتابیں حکیم مولوی گزدار علی مرحوم اور دیانت کی کتابیں مولوی سید مہدی شاہ مرحوم سے پڑھیں جب  
 میں موزع حکیم شیخ محمد علی مرحوم کھنوی سے اور دیانت دین سمن دیان وغیرہ مولوی شیخ آغا جان مرحوم سے حاصل کئے۔

### شاعری کی ابتدا

سید صاحب پہلی ہی برس کے تھے کہ طبیعت رنگ دکھانے لگی۔ اکثر اردو کے شعراء کہتے تھے اور بڑے تعلق سے اس کو پڑھا  
 کرتے تھے۔ ان کی طبع مہندوں کی ایک نقل یہ ہے کہ ان کے والد کی محبت میں ایک شعر کسی صاحب نے طبع تاریخ کے آخر کا پڑھا اردو کے  
 صاحب نے اس کے پہلے مصرع کو نامزد کیا۔ دونوں صاحب کے آپس میں جھگڑا ہوا۔ اس وقت وہاں کوئی شاعر موجود تھا کہ  
 تفسیر کر دیتا۔ ناظر دیر ہی مہتر سے پوچھنے پر مصرعہ روا دی نصف قرآن پائے۔ بات کا وقت تھا۔ سید صاحب کی چھ برس کی عمر تھی۔ مگر یہی  
 سب سے بڑے ان کے والد نے پوچھا کہ دونوں مصرعے پڑھ کر پوچھا کہ بتاؤ دونوں مصرعے درست ہیں یا نہیں؟ وہ شعر یہ تھا۔

دشک گفت مصرع تاریخ او بخوابید در رواق حسین

انہوں نے دھندلے مصرعوں کو سب کر کہا کہ "دشک ہاں گفت مصرع تاریخ" البتہ ہو سکتا ہے۔ دوسرے دن بھتی صاحب  
 نے کھڑکھیا کہ مصرع اول نامزد ہے۔ یوں ہونا چاہیے۔

دشک گفت مصرع تاریخ

ایک دھندلے مصرع کی عمر یہ آپ نے تھک پڑا پناہ شعر مہندوں کے کھاس

جو کوئی اس تھک کو روئے گرہے اقداروں روئے

شیخ برکت اللہ صاحب اپنے وقت میں پنڈے کے بہت اثر بزرگوں میں تھے قریب اسی برس کی عمر تھی۔ خود نہایت ذی علم و موقر  
 اور اگے امر کی جیتیں دیکھ کر ہنسے تھے۔ کبھی کبھی کتب کے طالب علموں کو ہمارا اپنے سامنے بیٹھ جلی کر داتے تھے۔ بیٹھ شیخ اسی گدہ کی کہتی  
 تھی جو سید صاحب بہتے تھے۔ اکثر شعر مہندوں کے جواب دیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ کسی بھڑیا صاحب الم نے پنڈ خراسیہ یاد کئے ہوں کے  
 آخر میں یہی کہ جواب میں سید صاحب عدالت کے مانتوں کو جو شعر میں کے یاد تھے دیئے۔ لیکن اس نے پھر نہیں ہی پڑھنا سید صاحب

نے زوراً غرضت کے لئے کہا۔

خسرو کے زیری باتوں پر      دینے صاحب دہاتوں پر  
اس نے ہم نہیں پتا۔ پورا نہیں نے صاحب کی کا۔  
نہ سے دیکھتے ہیں کی طرف      دیکھتے ہیں صاحب صدف کی طرف  
یکہ دھاس نہ دے لے بندی پر فخر تو را۔ اس سے کہ دبی ڈی سی شرمندوں کو کہہ کر خدا  
نہا۔ چور پر سے پس پاؤ      ڈٹ گئیں وہ گیس پر پڑے پاؤ  
اگر یہ صبر دوم ہی "ہرے" کی آفتاب سے لگ ہے کہ اس عمر میں یہاں نیست نہ

یہ صاحب کے حالانکہ دوسرے ہزاروں کو یہ صاحب کا یہ فرق نہ نہ تھا ہرگز نہ چاہتے تھے کہ یہ شاعر نہیں بلکہ وہی وہاں کی  
کہ یہ شاعر ہاں وہ چکے تھے کہ وہاں سے خارغا تھیں کہ نہ کے بعد دنیا سے پڑے کو مران درم بیکہ صدف جانی۔ اساتذہ پر تائید کی تھی کہ  
کسی طرف سے، لائق اس سے چڑا ایا ہے۔ اگر یہ صاحب اپنے شوق سے بھر تھے چھپ چھپ کر شرم ظلم کرنا کرتے تھے۔ جس دن شری  
نما ہاں نہ تھے جس سالوں کی بٹ کر اوروں میں تکرر کیا۔

اتفاق سے صاحب کو حسن خلد مرحوم من محمد صاحب غفرلہ عالم ہزار گار قاب سید محمد صالح صاحب مرگ پڑنے ہزاروں  
کے جواں گلا گئے۔ چو کہ یہ صاحب کے ہم عمر آتا ہیں میں صحت اللہ عزت تریہ حق انہوں نے لکھتے سے یہ صاحب کو ایک نظم کہ  
کہ یہ صاحب۔ چو کہ یہ صاحب نے اس کے باب میں دو باتیں منکوم خطوط بھیجے۔ وہ خطوط پڑے میں لاکر بیکے صاحب نے اپنے استاد  
حضرت جرنی کو لکھائے۔ اتفاق سے سید بہی قاب مرحوم نے مرزا علی مرحوم کے نام بازو میں صحت شاعرہ قرار دی۔ یہ تذکرہ ۱۳۵۵ھ  
۱۳۵۶ھ۔ جبکہ یہ صاحب کی عمر اسی تیرہ برس سے زیادہ نہ تھی۔ مشاعرہ کی خبرت میں ان کا بھی عام لکھا گیا۔ طرح بقی۔

ماننے تقریر کے حاجت نہیں تقریر کی

یہ صاحب نے بھی غزل کی اور بھی غزل مستقل طرح سے کہی۔

اسی زمانہ میں جناب سید شاہ اخت میں صاحب فریاد تھیں کہ ایک نئی گرای صاحب کال اور علی آباد کے خانہ میں  
تھے چالیس برس بعد چند بیٹوں کے لئے لکھتے سے پڑے لکھتے لکھ کر بہ لکھ کر بلطیم اسی گھر میں تشریف رکھتے تھے۔ یہ صاحب نے  
اوتے اوتے اپنے ہم بزرگوار سید محمد حسن کی خدمت میں ایک مثنوی لکھ کر پیش کی کہ لکھ کر جانت ہو کہ مشاعرہ میں جا کر اپنی غزل پڑھیں  
ہوئے والی بات۔ انہوں نے منظوم کر لیا اور غزل لکھ کر خط کی اور جناب فریاد کے سامنے لکھ کر کہا کہ اس لکھنے نے یہ غزل  
کہی ہے۔ آپ اس طرح دے دیں۔ شاہ صاحب نے غزل دیکھ کر کتاب میں دکھلا اور کہا کہ اس طرح دے کہ مدوں گا۔ جب سید  
صاحب سامنے سے لگ بھٹے تو ان کے دامن اور پکڑے مخاطب ہو کر کہا کہ اگر پانچ برس اور میں اور یہ لکھا لکھ رہا تھا تو یہ بھی  
نئی جہی بیکل ہو جائے گا۔ غزل کہ شاعر صاحب نے دوسرے خط میں مشاعرے کا وہ قیاس ۱۱۰۰ ص ۱۱۰۰ دے کر غزل مرحمت  
کی جس کا مطلع ہے۔

عجب سے اس ابد نے پیدا تیغ مالگیر کی  
 اُردو جاتی رہی آب دم ششیر کی ،  
 شاد نکلیں بھی جناب مدوح نے تجویر کیا۔ پہلے مشاعرہ میں تو کسی نے چند اس اقتداء کی۔ پندرہویں دن ہر مشاعرہ تھا اور  
 طرح پر تھی۔ ۵

بھلا کیا فائدہ سر پر جڑوں امان و نواں کے  
 انہوں نے بھی خوں بھی عجب مشاعرہ میری شہر پر چاہے  
 کئے تمشیر چنگیزی نے ایک عالم کے قریب سے  
 ذرا جو ہر قراب تو بھی دکھا ششیر برآں کے  
 تو میری مرحوم نے بچا کر کہا کہ بھائی آپ کیا حضرت فردا کے شاگرد ہیں ! تب اہل مشاعرہ کو خبر ہوئی۔ اس دفعہ خوں پر  
 اسی توفیق پر ملی کہ مشقوں کی منزل سے زیادہ چمک ملی۔  
 فرح مند ہی مشاعروں میں سید صاحب کا اس شہرت اور بزرگوں کی تعریف نے ہم ہر شعر اور ان کے دوستوں کے  
 دلوں میں دلچسپی پیدا کر دیا۔ طرح طرح کے اعتراضات شعروں پر ہونے لگے مگر وہ بزرگوار ہاشمی کے فن سے ماہر تھے ذہن  
 تھے کسی کے بتائے کچھ نہ بنی۔ سید صاحب نے ششیر حسن و نقیب طلم کو نہ چھوڑا۔ صبح سے چار بجے شام تک تو دوسری کتابیں لکھے استاد کی  
 خدمت میں حاضر رہتے۔ چار بجے شام اپنی خاص نشست گاہ میں آکر بیٹھتے۔ شائقین و فوجان جمع رہتے۔ دو تین گھنٹے تک شعر  
 خوانیاں رہتیں۔ سر شام کھانا کھا کر سو رہتے۔ بارہ بجے شب کو اترنا اُٹھ بیٹھتے۔ اس وقت شاعری شروع ہوتی۔ کبھی احوال فی کی  
 کتابیں دیکھتے، کبھی اساتذہ کے دیوان کا مطالعہ کرتے۔ یہاں تک کہ صبح ہو جاتی۔ صبح سے پھر دوسیاں میں مشغول ہوتے۔ خواجہ طغیانی  
 مثنوی میں لکھتے دوزخ سیاہ کوفٹے۔ اُطراس منت منت اور شب بیداری سے ضعف اہم و معلق قلب میں صحت گرفتار ہوئے شب  
 کی فضا کا جھم ہونا موقوف ہو گیا۔ دھنا نہ سچا کو خدا کمال ڈانا پڑتی۔ رنہ رنہ بہ زبنت پہنچ گئی کہ فضا میں جھم ہونا موقوف ہو گئی ان محاوروں نے  
 ان کو کھن جڑوں کا ڈھانچہ بنادیا۔

## مرزا دبیر و میر انیس

ششیر کے عزم میں مرزا دبیر و میر انیس اس شہر میں وارد ہوئے۔ جو حکم مرزا صاحب سے اور اس خاندان سے بذریعہ  
 واسطت پہلے سے رسم تھی۔ مرزا صاحب کے دو بزرگوں کے دوسرے ہی دن بہ حقوق تمام اپنے ہم بزرگوار کے ہمراہ سید صاحب  
 بھی دعوت کے لئے مرزا صاحب کے پاس پہنچے۔ ششیر نے ششیر سے پیش آئے۔ سید صاحب سے ان کے اشتغال کو پوچھا جب معلوم  
 ہوا کہ علمی اشتغال کے ساتھ شہر گزری کا بھی مشغول ہے تو بطور بزرگوار ذہنیات کے فرمایا کہ آپ مرثیہ لکھتے تو بہتر ہے۔ سید صاحب  
 نے بھی مکرر کہہ دیا کہ میں بھی بندہ فوجی کی تہذیب کے علم کے اپنے ہم بزرگوار کو دکھائے۔ وہ عرض ہو کر مرزا صاحب کے پاس چلے گئے



ترغیب دینے، اسلوب بتانے اور اندہ پر کام چلنے کے ناول سنانے پر سید صاحب نے بھی مشغول ہوئے۔ ایک ناول لکھا، ناول پڑھنا ہوا مگر آخر فوج کا جو گینہ یہی پہلا ناول اردو زبان میں ہے، سید صاحب کے قلم سے نکلا۔ دوستوں کی صلاح سے ناول کو پھیرا دیا۔ اس ناول نے بڑی شہرت پکڑ لی۔ ڈاکٹر سرمد شہید تعلیم بنگلہ و پنجاب و ملک متحدہ نے بہت جلد ہی خریدیں۔ اس شہرت و رشک کے سبب سے بعض حسدات کھڑے ہو گئے جو مدعی ہوئے کہ ناول میرا ہے۔ اصلاح کے لئے میں نے لکھا۔ سید صاحب نے اپنے نام سے چھپوا دیا۔ سید صاحب اور ان کے دوستوں نے کہا کہ ہنوز قصہ ناتمام ہے اگر آپ کا ناول ہے تو دوسرا حصہ چھپوا دیجئے یا قطعاً آگے کا قصہ ہی بیان کر دیجئے چنانچہ پھر دوسرے بعد سید صاحب نے دوسرا حصہ لکھا اور چھپوا دیا۔ اس کے تین برس بعد تیسرا حصہ لکھ کر چھپوا دیا گیا۔

## ملک و قومی خدمات

۱۹۰۷ء شامی و تقیضات کے اگر سید صاحب کے پیشک و قومی و مذہبی خدمات پر نظر کیا جائے تو وہ بھی کم نہیں۔ ابتدا میں مکر یونیورسٹی کی عمر دس بارہ برس سے زیادہ نہ تھی اور یونیورسٹی کے ممبر گزشتہ کی طرف سے منظور ہوا کرتے تھے، سید صاحب مال اسلامی کے ادارہ ممبر مقرر ہوئے۔ چچا کو نہایت ہوشیاری سے اس کام کو انجام دیا تھا، مکتبہ صاحب کے ایام سے صاحب کلکٹر نے چھ ہی بیٹے میں یونیورسٹی کٹر مقرر کر دیا۔ کیٹیوں میں برکات دوسرے چند دستاویزوں کے نہایت آزادی سے رائے دیتے تھے۔

۱۹۱۵ء میں مجھے صادق مصطفیٰ سے انصار نسیم کو اردو زبان میں ہفتہ وار سات برس نکھار ہا جس کے انگریزی ایڈیٹر سید صاحب تھے۔ انصار کو فروغ بہت ہوا کسی وجہ سے سید صاحب نے اس میں لکھنا چھوڑ دیا۔ اس لئے بہت جلد وہ انصار بند ہو گیا۔ ۱۹۱۷ء میں سید صاحب نے ایک کمیٹی کی اور شہر کے اندر ایک ابتدائی مدرسہ کے جاری کئے جانے کی تحریک کی اور یہ اس کے وی کہ اس مدرسہ میں اہل شہر کے لڑکوں کو اردو فارسی اور انٹرنش ٹیک تعلیم دی جائے۔ دوسرا شہر کے چند سے یہ مدرسہ بنام ذبہ المدارس کو کھولا جس کے انگریزی سیکرٹری براہ سید صاحب رتبہ سات برس تک یہ مدرسہ بے فروغ پر رہا مگر چندہ کے موقوفہ جو جانے کے سبب سے آخر تک اٹکنا نہ دیا پڑا۔

۱۹۱۸ء میں آپ انگریزی مکتبہ منتخب ہوئے۔ سر کلک کلکٹر نے آپ کی کامیابی دیکھ کر دوسرے دو مکتبہ کے اختیارات اور تنہا خدمات تجویز کرنے کا حق کو رشتہ سے دلایا۔ آپ نے بہت مقدمات ایسے ایسے چھپو اور تاجبیت کے ساتھ کیے کہ باوجود سزا دینے کے وہی وہاں سب خوش رہے۔ بہت کم آپ کے فیصلہ کا اوّل ہوا۔

## مذہب

سید صاحب کا دلہ خیالی خاندان شیعہ مذہب اور ناہال میں شیعہ دینی دونوں ہیں۔ پانی پت میں آپ کے عزیز قریب ذاب انیر احمد خاں صاحب و خدیجہ سب اہل سنت جو مت ہیں۔ اس خاندان میں مگر سہا یک اپنے اپنے مذہب میں انی شیعہ انکرتہ ہے مگر آپس میں کسی قسم کا ظہر و باطن تصعب و تفاق نہیں۔ سید صاحب شیعہ مذہب رکھتے ہیں مگر ان کے برتاؤ اور سنی معافیت سے



صوبۃ الخیال، ناول، قصہ، میں حسب ایسے منشی سہی مرحوم مسلم شہری لکھا گیا۔ یہ ناول تین جلدوں میں ہے۔ پہلی جلد کا نام صوبۃ الخیال، دوسری کا ہیئتہ الکمال، تیسری کا طلیہ، اکمال ہے۔ پانچ دفعہ چھپ گیا ہے۔ کتاب فرائض و محرم بہار کے لوگوں کی زبان تحریری و تقریری درست کرنے کے خیال سے سید صاحب نے چھپا کر شائع کی یہ وہی کتاب ہے جس نے مصنف پر مخالفت کا طوفان عظیم برپا کر دیا۔

نصاب تعلیم اور دوسری دہائی کی چھ کتابیں ہیں جو سید صاحب نے سہولت تعلیم کے خیال سے تصنیف کی ہیں۔ ذخیرۃ القلوب میں نئی خارجی مذاہب ان کے حلقہ بارہ مجددہ الہاب ہیں۔ مگر یا نئی مثنوی دریاں و فصاحت و بلاغت و عروض و زبانی و دگر مضامین کا ذخیرہ ہے اور جدت یہ کہ سب کو نہایت سہولت سے اور دلکش طریقوں سے بیان کیا ہے۔ کھول میں مختلف علماء، شہداء و مصنفین کی کتابوں سے لطائف و ظرائف طبع و شعر پر چلی کر جمع کئے ہیں۔ کتاب ترجمۃ الاساطیر میں سید صاحب نے حسب ایسے جناب سر اسٹوڈنٹ ییل صاحب بہادر اپنے خاندان کے بیان میں لکھی ہے۔

کتاب مردم دیدہ اسم با سنی ہے۔ جس میں نامی گرامی و غیر زبانی بالکاموں یا حام مشرفا کو مصنف نے دیکھا ہے یا ان سے ملاقاتیں رہی ہیں۔ سب کے مختصر مختصر حالات بعد اپنے علم کے اس کتاب میں لکھ دیئے ہیں۔ اب تک قریب سات سو مشرفا کا ذکر اس میں لکھا جا چکا ہے۔ یہ کتاب کئی جلدوں میں ہے۔

مجموعہ کتب تصبیح تاریخ مذہب میں خان بہادر نواب سر فزاد حسین خاں صاحب کے دولت خانہ پرورش شدہ کو ایک صحبت ہوا کرتی تھی جس میں سید صاحب تاریخی مضامین کے پھر دیا کرتے تھے۔ پندرہ سولہ جلد ہوئے۔ جن میں ابتدا سے لے کر ہجرات اور اس کے بعد کے ملاحوں کے حالات بطور دیکھ بیان کئے گئے۔

دستاویز میں مختلف اصحاب مذہب شیعہ کو نہایت فصیح عربی میں لکھا گیا ہے۔ لیکن ہے ان کے علاوہ اور بھی تصنیفیں ہیں۔

کافی جلدوں میں جوانی میں نے      تا عمر بہت کہی کہانی میں نے  
تقدیر نامے تری ہوا ہے کہے      افراط و تفریط ہے ثانی میں نے





میرزا ابوظالب خاں اصفہانی

یہیں کہو کہ عالمِ عربیہ میں اہلِ اقلیتوں کی ایک بڑی جماعت ہے کہ وہ سب کو دانت دھو گناہگار قرار دینا پسند نہیں کرتے۔ یہی قیامِ قرآن و شریعت ہے۔  
اسی ایک سترہ صوفیوں کی ایک جماعت ہے جس کی وجہ سے تجربات کی نگاہ سے حیاتِ بشری حاصل نہ ہو سکا اور اہلِ اقلیت کو خوش بر  
ہیستہ و اہلِ اقلیت کی فضا اگر مصلحت منظر ہو گئی کہ نہ تو کیا حاصل ہو سکا نہ اس کی نگاہ سے دنیا پر مبنیہ بدھ مت پر ترقی کے اسی سفر میں  
نہیں ہو سکا۔ ان کے حجابات و تورات نام جملہ ہی کے اہلِ اقلیتوں کی ہے۔ انکشت عملی ہے جو بدھ نام کے حیاتِ بشری کو  
راہِ خود کار اور حلالہ میں کی ترقی کے تحت ایسے سفر پر نظر سام کر بعدت کے لگاتے میں عالمِ ہوا میں مسیحت کا فلسفہ سترہ کیا اور  
اس کو نام مسیحیہ میں ہی جو دافریخی ترکی۔

اب اپنے اخبارات کو اس سرحد تک اٹھائے گا کہ اس کے خلاف جہاد ہو گا اس کے بعد اس کے خلاف جہاد ہو گا۔

[illegible]

محراب فتح آن خسته در  
 شکتی چون پیشتر برین ازیر عالم  
 قوچ این غم غزل بادل انگه را  
 هزار کسود جسته در دایره سلطنت

که هر دے شوق از فضل و کمالات صاحب  
 از کف قش افتاد و ملایم صاحب  
 چو بود از سینه مجید سر لایع صاحب  
 جود داشت بلباس ملایم رنج و تعب

نہ، خوف بہشت پر ہی عدم تسخیر

نند و مردم و قبیله آغا زلم مرگ

یہ کتاب اس کی ایک نئی و ترقی پزیر شہر ان ملک کے جو کہ اس کی صفحہ پر آئی ہے

ہر وقت کے امور دینی و تہذیبی کے بغیر عزیمت دل لگی سے غارت خیزی میں بسر کر دی۔ سعادت اس ہے سعادت کی آخرت<sup>۱۱۳</sup> شہر لکھنؤ میں ہوئی بعد  
مہاجرت والد کے زہد شہزاد احمد علی کے متعلق اسے اتحاد قری میرا دوسری کتب مقرر کیا اور تعلیم و تربیت میں کوشش فرماتے رہے۔  
چار برس کے بعد سبب طلب جناب والد کے متعلق میں مرشد آباد کو خدمت کیا یہ میرا پہلا سفر تھا جو چودہ برس کی عمر میں ہوا۔ مادر مظلہ  
حجیم آباد تک پہنچی اور ساری کشتی طے ہوا۔ مرشد آباد پہنچ کر صرف ذریعہ سال تک خدمت پائی نصیب ہوئی تھی کہ ملک کو بکارت نے مصیبت  
پیش کی جس میں سب کا اور کفالت خدمات فرج و گدگ اور کٹاکش اور غارت داری میں گرفتار کر دیا۔

تفصیل ظمردان نقوش اور ایک والد عشق بڑی طبیعت فرست غلام دار  
چھٹا ایک لڑکی فرماتے زہد خان خاں میاں و ظفر بیگ سے حقیر کے تلمذ و مولیٰ تھی۔ اس لیے کئی سال زہد علی بیگ خدمت میں بسر  
کئے۔ آخرت میں جہانگیر سبب زہد علی بیگ خدمت میں سبب طلب جناب والد وراثت ثابت جبکہ دوسری مرتبہ وطن مملکت ہنگو علی داری  
آئندہ و ظمردان مملکت میں دو اب پر مورخا۔ یہ تمام سفر کشتی پر نہالے گئے کاکہ بیک اور وہاں سے لیٹن آباد تک دریائے گنگا کے کنارے میں نہایت تکلیف  
سے ہوا۔ چونکہ طول مملکت حلقہ دہلی کا لاہور سے ایک شہر تک دو ہفتہ کی راہ ہے۔ پھر سے دو سال اس ولایت کے دورہ میں بسر ہوئے۔ بعد  
یہ سبب انصاف میری ایک کالی کے کہ قتلہ والد کے نائب مقرر ہوا تھا۔ مورخوں نے کہ ایک سال لکھنؤ میں رہا۔

اس زمانہ میں مملکت گورکھ پور کرنل الگنڈر سے حلقہ ہونے اور کرنل موسون نے اپنی مدد گاری کے واسطے ذریعے اجانت لے کر کچھ کو ہوا  
لایا۔ یہ ولایت بھی طویل پندہ روز کی راہ ہے۔ لہذا تین سال کامل یہاں تک کہ برسات بھی سڑ میں بسر ہوئی۔ بہر گاہ میں میرے واسطے چھوٹے  
مکان بنائے جاتے تھے اور ہر سال میں ایک چھوٹی تھی۔ بعد ازاں ہوا کرنل کے معزول ہو کر ایک سال لکھنؤ میں غارت خیزی رہا۔

اس زمانے میں حیدر بیگ اور گماشتگان کچھ مسٹرڈ لٹن و مسٹر جانسن کے درمیان نزاع پیدا ہوئی اور حیدر بیگ نے ان سے دغا بازی  
شروع کی اس سبب سے عام ملک کا انتظام خراب ہو گیا۔ ہر سال مال گزاری میں کمی ہونے لگی اور زمینداروں نے دود کے محاللات کو تاجا چکانا شروع  
کیا۔ جنملا ان کے کھولے ہوئے سنگھ جو کہ تمام صوبہ دھاک داشت کلا علی اور میرٹھی ذریعہ کرتا تھا اور ایک کھڑا چھوٹوں کی فوج اس کے مطیع  
تھی۔ بہت زیادہ جہالت اور غارت خیزی نے لکھنؤ میں نہایت کچھ بھاری کی تھی۔ بہار کی فوجیں اس کی سرکوبی کے واسطے تین تین ہجرتیں لیکن سبب تفرور عاقلان  
حیدر بیگ کے کئی تجربہ ور تہذیب ہوا۔ مسٹرڈ لٹن نے کہ نہ چٹنن کے ساتھ سے لکھنؤ اس انتظام کی ترمیم و ترقیب دی۔ چونکہ میں جانا تھا اس  
بڑھی کا اصرار حیدر بیگ سے لکھنؤ اس کام میں میری کوشش اس کے باطل مخالفت اور اس کی عدالت میری غارت خیزی کا باعث ہو گیا۔ ہر چند  
کیا لیکن غرض مند بہو ہوتا ہے۔ کچھ کچھ کے کھار و لاندن نے میری ایک نہ سنی اور خیر امداد سے میری مخالفت کا وعدہ کہ یہ فضل خیر میرے سپرد کیا  
دو سال اس ہم کہ لکھنؤ میں صوبہ دار کے طویل حوزہ کا وعدہ کیا گیا اور اجڑا سطر سے متعلق انہیں ہوئی۔ آخر کار گچہ اس مخالفت  
کا نتیجہ میں حیدر علی لکھنؤ کے مذہب باطل صلت ہو گیا اور نقشب علی کی راہ بھی بند ہوئی۔ صوبہ کا انتظام بھی دغا بانی میں آیا لیکن ساتھ ہی  
اس کے میری تہذیبی اور غارت خیزی کے مصلحت میں مرتب ہو گئے۔ لکھنؤ میں موسون جنھوں نے میری حمایت کا وعدہ کیا تھا معزول ہونے اور  
گورنر جنٹل صاحب ولایت کو مل دینے سے حکام کلکتہ میں تشویش طے لگنے لگا۔ تمام جہاد اقوال میری حمایت اور مدد گاری کے پانے ہو گئے۔ لکھنؤ  
میں حیدر بیگ نے جہاد و لکھنؤ کے شہر اور لکھنؤ سے اپنے آپ کو صحت اندیش اور خیر خواہ ظاہر کیا کہ کتنا مقدار حاصل کیا اور چند سال کے





[illegible]

ذکر کستان بیکر  
انجمن دینایک اور کچھ بیکر کجنگ نام ملہ غلام وسط میں موضع ریبہ پر میرے دشمن جسے قتل کیا تھا ان پر جو اس  
کے دوست تھے غمناک ملاری وفات کر آئے اس نے ملاں پر کہ ایک بار شہر سے چادریں کے گنا سٹے ہواب دینے والے  
ہا کر صیانت کی وہ سٹھ خٹلے بان اور لمبی جلدت اور ہر کام کے واسطے عیود و عیود مکران کا ہوا اور پیروں کے کہنے کا انتظام نہاس کا بھتی  
خانہ اور برقی دھوئے کا کرو اور برتنوں کے کہنے کے موقع کو کہ کر نہایت محضہ ہوا ہادی غلامیں بھی گلوں کے ذریعہ سے کام یا جا آقا ایک  
لکھنپ کو کہ کر گشت پلے ملکی تھی اور گشت پلے یاد کر تھی اور اوستہ کوئی تھی کچھ بیکر کچھ اس بار تھی تھوڑی میں اس حالت  
مستمر کیا کہ بعض سے مل کر کاغذ بعض سے بیروں اور تھوڑا کچھ اور بعض سے مرغان کا رانہ غلام کی چالی بن کا دھوا اور کھیں اور گشت پلے  
کاغذ اس کے ہادی غلامیں کو تہہ سے حاصل ہوتی ہے۔

نہجلاس کے گنگو والوں کے درویشوں کی کہیں کہیں تھی۔ ایک ملازم الیہ اللہ کے نام پر دوسری میں جانتا دوست میں نظیر میں گنتی بہت سے جہان شہر کا کہ اس کے کھلب کھوی گئے خود میں خود غوغائی میں ایسی سرشار ہے کہ ابھی تک کسی سے نہ ملنے میں بہت ہی مقصود پر کیا خدائی سر چند نغزوں میں ہر ایک کے کھلب کھوی پر موجود کہ اپنی پسند آج سے میری ہمارے ہی میں مصروف حتیٰ کہ میں نے جو کلاس سے چلے ہیں میں خود کو کیا اتالی خود سرشت کے نشانے بھلی میں ہوتی چشم پر کہ بیت نہ ایدل کا پرستار تھا۔

چون نیکوئی است ای پسران خدای است ای

مگر کار لڑکھ است بی که آتش ده فرنگ بخت

ہر مکانے کے اس رنگ ہی نے چاہتے ہوئے کو دی اور اس کی طعاس کی نسبت حیانت کیا اور کہا کہ جو کو یہ خیال ہے کہ شیعی

کاموں پر ماموروں کی کارکردگی سے نہایت اظہار ہے اس پر غور کی

ملقات دین محمدؐ خاندانِ کین ذکر و سحر و سحر نام ایک شخص اچھے مرشد آوارہ جو کہ ہمارے کپتان پیر اس کا کہن سے  
بد تحصیل علم کے شوق و ملک سے ایک شخص کی تھی کہ جو کہ کون و جہاں میں نہیں ہے اور اس حد میں تحصیل علم کی تھی کہ جو کہ ہمارے کپتان پیر اس کا کہن سے  
کے بعد جو کہ ملک میں تالیف اس کے کئی لکھ ہیں۔ بیت بھی ہمارے ایک علیحدہ مکان میں میری خاص سے بسر کرتا ہے۔ ایک کتاب اپنے حالات اور  
مضامین و مسائل کی رسموں میں لکھ کر اس ملک میں شائع ہے۔

[illegible]

دوسرے صنف پہنچنے کو کل نے ملا کار نکاس کو علاج دی اور مروج نے نہایت خوش ہو کر رقت طاقت میں کیا بعد طاقت کے نہایت مردانی بعد جوانی سے اپنے آدمی کو حکم دیا کہ مجھ کو جس چیز کی ضرورت ہو فوراً بھیجا کریں اس کا بھی علاج شہکار بہت کرانیں جب تک کہ میں وہاں رہتا ہوں ایک مرتبہ اس سے ملنا ضرور ہر تہ لطف تانہ اور عنایت ہے اندازہ سے ملاحظہ ہوتا تھا چنانچہ قلیل وقت میں فراموشی سے گویا کفایت فرما دینا تھا سب چھوٹے بڑے ہر مقام اور ہر وقت میری مدد میں مشغول رہتے تھے میری میں گھوڑے باہر نکلتا میرے چالوں طرے مجرم جاتا اور ہر شخص میرے باب میں کہہ نہ کہہ سکتا۔

بعد مفتوحہ کہت ہادی شروع ہوئی تمام جہتیں اور دیواروں کی مشدیں میں سفید ہو گئیں۔ شہر کے کچے چاندی کی نہروں  
برفت باری کے ساتھ ہواؤں کی دھنیں غل بانی کی نہروں کے جس کے، دونوں طرف سبز و نار ہو نہایت خوشنما اور دلپذیر معلوم ہونے  
لگیں۔ چکر اس سے تیل میں نے تمام حروف کا ساں ہیں دیکھا فاسد تماشا اس قدر معطر ہو جا کر بیان میں نہیں آ سکتا تو یہ انداز کے بعد  
تمام چکر اور مصلو اور پیاز بیل تک کو فخر جاسکتی تھی سفید ہو کر بعد ایک گز کے ذریعہ بہت بند ہو گئی اور علاقہ اعلیٰ کے بن اشیا اسفروان  
صدق آنے لگا۔

ہر گن کے سعادہ پر اس نشان بہت گراں قدر قیمت زمین و دامن بہت

مانند فیضان کعبه چشید شد نهی ابرام کن است نهان میان بهن

میرے مزاج میں اس ملک کے جائیداد کی کشت و زحمت سے زیادہ مہم افغان تعلقانوں کو اس قدر تقویت اور طبیعت کو قدرت حاصل ہوئی تھی کہ پچھلے پھر نہیں، کالی باندھ لگا کر لاشوں تک بھی نہ لایا جاتا تھا ہندوستان میں بھگت کے کا کبر و کرتہ دین میں ہر جھکنا تھا اور آدھ لک



مشرقی ہندو ایک عرصہ تک گھٹس میں انگریزوں کی طرف سے مقتدر رہا راجستھن کے دکن کے دکن اس کا بہانہ ملائیتمش میں ایک لطیفہ بہانہ کے مگر گراش پاش برکھا اور موگنر زفا کے تباہ ہاک ہوا کہتے ہیں کہ مش اس کا گوشت کباب کے کھا گئے اس کی ہڈی اس ہوزی نہ وہ دانت ہونے کے سبب سے مشر مشکان کے گھر میں ہوا ہر گز ان کی پستی سے ہے پور دیش پانی اس کے سن و جمل کا مشہور سندھ ہے ایک ہندو مشر مشکان مذکر کے باغ میں بونٹوں سے بھرے میل ہے میں جہاں تھا۔ بعد طعام کے سب داغ کی سیر کرنے لگے جو نگہ گر می ملازم تھا ایک جنتی کے سایہ میں جہاں حیث ان کا نشست ہوتی تھی چاہے اور تھوہ کی میز لگا کر اس کے گروہ بیٹھ گئے مس مشکان نے میر علی علی متوجہ ہو کر عرض کیا کہ یہ وقت اس قسم کے دکن سے ہے جہاں میں پچھلے ہیں ان کی سوج نہیں ہوتے اس کا بلند ہوا تعجبات سے ہے میں نے کھانہ کوئی تعجب نہیں مگر میں بھی بن دو گئی کی طرح اس ہوزی کے پھیلے میں ہوا تو اس دشت سے بھی زیادہ بلند ہو جاتا۔ حاضرین اس فقرے سے غروب متعجب رہے اس لطیفہ کو لاس کی راوی۔

ہندوستان اور ایران کی تصویریں اور پھرنے کے واسطے میرے یہاں آیا اور مجھ کو اپنے مکان پہنچ گیا یہاں میں نے ہندوستان اور ایرانی مسعود کے ہاتھ کی تصویریں جملہ سہ ہندک تہاویں میں منتا فرقت انگریزوں کے ہاتھ آن میں ایسی جمعہ دیکھیں جو ہندوستان کی تصویر نامی سے جیسی ہوتی تھیں۔

ایک نرسہ نظامی نہایت خوش خطا تصور تھا جس کی پشت پر زاب شیر جنگ مرحوم کی مہر لگی ہوئی تھی اور میں نے اس کتاب کو اس مرحوم کے پاس دیکھا تھا کہ ملان کی طرح معزز دیکھتا تھا۔ کبھی اپنے پاس سے جدا کر دیتا تھا۔ دوسرا شبنامہ کہ وہ بھی اسی سرکار کا تھا۔ وہ دونوں کتابیں مولانا ایران کی گذرگ تھیں۔ مولانا ہی طرح کے اکثر تھے۔ اور حضرت جوشاذ واد ہندوستان میں نظر آتے تھے، بیشتر ہشتاد و ستر فرگر کہ ایمان کے ملاح میں اور بعض دوسرے حکامات میں دیوانی پڑا۔ وید اور کھنوں میں کٹر تشریح کر کہتے تھے۔ غافغانی۔

کسری در غیبت ز پیر و زاده دریں  
بر باد شد و کبریا زاد شد و یکساں

ملکہ ازبک نے اس کتب خانہ بادشاہ میں بہت سی کتابیں مصروف ایرانی و ہندوستانی کی تصانیف کی دیکھیں۔ ایک دن میں سے شاہ جہان نامہ  
تھا کہ جس میں مصنفان شاہی نے شاہ جہان کی قصہ ہندو مذہم و رسم نہایت صحیح اور عمدہ لکھی ہیں۔ یہ کتاب نہایت ہی دلکش و صاف و عمدہ لکھی گئی تھی اور وہ  
اس کے بڑے قلم سے اپنی پاس رکھتا تھا۔ سر جان شہر گز درج بالا نے اس سے لے کر بادشاہ اٹھنے تک لکھی تھی۔

مسٹر فانیل مسو جس نے نصف صدی کے بعد کی تصویریت سر پیش اور دیگر حاضرین کے کہنی تکی جو بے طعنے آباد اپنے یہاں دھوکہ دہا کے ملک پہناج محل اور ہندوستان کی کٹر شہید علامہ تورو کی تصویریں دکھیں اور ہندوستان نندن کو جو کسی اس ملک میں نہیں تھے اور یہاں کے حال سے فاضل ہو کر بیگین کرتے ہیں کہ ہندوستان میں کوئی چیز ایسی اور قابل قدر نہیں ہے جہاں دکھائیں مسٹر فانیل نے سیاہ ترنم تصویر کا کارخانہ مفصل طور سے لہجہ کرکھیا اور میرے سامنے کامی کیا۔

**محیط و صورتِ تانہ** : تصویر کا ایک معزز ناظر نے مغل تصویر کشی کا قریب میں کچھ کر تو دیکھا جس میں صورت پر منہ کا شکوہ نہیں ملا تھا۔





## نواب سرالملک آغامرزا دہلوی

کون ششہ کانی میری اور پیرودہ بھائی زبانی میری

صبح کلافت بدو شنبہ ماہ ذالحجہ ۱۲۶۲ھ مطابق ششہ ۱۸۴۳ء میری پیدائش کی تاریخ ہے۔ میرے والدین مرحومین ولادت میری چوپڑی کے ساتھ فراشی خانہ (دہلی) کے محلہ میں رہتے تھے۔ انھوں نے میرا نام آغامرزا رکھا۔ یہ مکان جس میں میں پیدا ہوا دو منزلہ تھا۔ نیچے دالان دلدالان کے دائیں بائیں کونٹھریاں۔ صحن جانب مقابل باورچی خانہ وغیرہ۔ بائیں طرف دیوڑھی اور سامنے اُس کے منظر چھیاں تھیں۔ اوپر کی منزل پر تیسرے صحن ایک دالان، جانبیں کونٹھریاں تھیں۔ اس مکان کی تفصیل اس واسطے لکھتا ہوں کہ میری ولادت سے متعلق ایک عجیب حکایت میں نے والدہ مرحومہ سے سنی ہے۔ والدہ مخمورہ میری نہایت مایہ ناز اور محرومی سائل دینی سے واقف تھیں اور قرآن مجید ترجمہ تفسیر شاہ عبدالقادر پڑھی ہوئی تھیں۔ استاد اُن کے تیس دن بہنوئی سرسید احمد خاں مرحوم کے تھے۔ اُن صاحب نے اپنے رشتے کی کئی مستورات کو قرآن مجید اور مسائل دین پڑھائے تھے جتا شاہ صاحب کے اصل مسودہ ترجمہ قرآن مجید کی نقل والدہ مرحومہ کے پاس تھی اور اسی مسودہ میں والدہ ماجدہ نے مجھ کو بھی قرآن مجید پڑھایا تھا۔

ایک جتنی بزرگ انحضرت والدہ ماجدہ نے جو حکایت بیان فرمائی وہ یہ ہے کہ اس مکان کی اوپر کی منزل پر ایک کونٹھری میں کوئی جتنی بزرگ بانٹا جادات گزارہ رہتے تھے۔ میری چوپڑی صاحب اُن کو بھائی پکارا کرتی تھیں۔ کوئی پر ہر شخص کو نہ جانے دیتی تھیں اور نہایت پاک و صاف رکھتی تھیں۔ وہ بزرگ بھی اکثر وقت ضرورت اُن کے ساتھ سلوک کرتے تھے چنانچہ والدہ صاحبہ نے ایک نقل بیان فرمائی کہ ایک شب کو چوپڑی ناز عشاق کے واسطے کھڑی ہوئیں۔ اتنے میں لٹدیوں واسطے آواز دی چوپڑی صاحبہ نے کہا کہ افسوس ہے اس وقت میرے پاس پیسے نہیں ہیں ورنہ میں لٹدیریاں لیتی۔ اسی وقت اُن کے پاؤں

ملے۔ حاتم ملت علی بابا دہلی کی امراء و خوش باش خواتین میں سوسہ اور تیرہ بھری مکیاں ناشتہ کرتے تھے۔ سوسہ دایاں صبح کے تھکے ہر گھر میں پہنچ جایا کرتی تھیں۔ دوسرے سیر کو برف میں جی ہوتی ٹائی کی تھلیاں اور ہر قسم کے ترسیوہ جات اور رات کو لٹدیری ملنے لگی کوچوں میں آواز دیتے پھرتے تھے اور سوتے وقت آبرو سے گرم گرم دودھ کے پیا کرتے تھے۔ حوام لوگ صبح کو چنے پر مل کر ماگرم فروٹ کھاتے تھے۔ جاڑوں میں خاری تھے پائے تھوری پر اسطے حوام کا اور شیرمال و باقر خانی امراء اور خوش حال لوگوں کا ناشتہ تھا۔ چائے تھوہ کے نام سے بھی کوئی واقف تھا۔

اختصار میری قدرت تریب پہنچی۔ پھر پی صاحب نے سوا تاشا درخیش الدین کو گناہ چھوڑا اور کہا کہ آپ کو خطے پر جانے نکل  
 کو خری میں ایک بزرگ پہنچے ہیں جو کہیں کہتے ہیں۔ میرا سلام اُن سے کہئے اور کہئے کہ میرے ہاں زنجی خانہ برائے حال ہے۔ مگر  
 نہیں کو کسی قسم کی خدمت کا انتظام ہو سکے۔ پس آپ کو گناہ داخل ہو تو میں دوسرے مکان میں آئے جاؤں۔ ورنہ اسی مکان میں رہا  
 زنجی لا کر لیں۔ چنانچہ شاہ صاحب کو خطے پہنچے اور پیام پہنچا صاحب کا پہنچا۔ اُن بزرگ نے جواب دیا کہ ہرگز دوسرے مکان  
 میں نہ جائیں۔ میں خود اس محلہ کی حفاظت کروں گا۔ صرف اس قدر احتیاط کریں کہ کوئی حمت مرد یا بچہ کھسے پر نہ آنے پائے۔ اگر  
 والدہ ماجدہ نے فرمایا کہ جب میں پیدا ہوا تو جب کبھی میں مات کو پاؤں مار کر کہتا تھا تو وہ بزرگ فرما ارحامہ یا کرتے تھے  
 یا کبھی انطاوی غفلت میں مبتلا ہوتی اور میں دودھ کے واسطے دو تافروہ انا کو کھادیتے۔ جب چلے گا وہی قریب آیا تو پھر صوفی صفا  
 نے شاہ درخیش الدین صاحب کو طلب کر کے پیام بھیجا کہ اب میرے یہاں ہماذاری ہے اور کل مسخورات اُن کے بچے اور ماہا  
 انا و غیوہ طاز میں جمع ہوں گے۔ اُس وقت کوئی انتظام احتیاط کا مجھ سے نہ ہو سکے گا۔ لہذا میں دوسرے مکان میں ہماذاری کے  
 واسطے آگئی جاتی ہوں۔ وہ بزرگ راضی دہرے اور کہا کہ ہم بھی اسی خوشی میں شریک ہوا جاتے ہیں۔ چنانچہ وہ دن تقریب کا آیا  
 اور اسی جمع ہونے۔ جس میں صاحب خود کو خطے پر گئیں اور پکار کر کہا کہ جانی صاحب۔ میرے یہ صافی آپ کے دودھ سے ملا تھیں۔ ہماذاری  
 کی کسی حرکت سے ڈر جائیں تو میری ہماذاری ستیاناس ہو جائے گی۔ اُس جگہ سے جواب آیا کہ تم خاطر جمع رکھو۔ تمہارے صافی جاد  
 صافی ہیں۔ اُن کی خاطر داری یہ ہے کہ وہ۔ دوسرے روز جب سب صافی جمع ہوئے تو اُن بزرگ نے نئی طرح سے اُس خوشی میں  
 شرکت کی صافی بیویوں کے زور و باس وغیرہ پر اسے شروع کر دیئے۔ ایک جھگڑا برپا ہو گیا۔ کوئی بی بی کہتی تھی کہ میرا اور کوئی چرا  
 لے گیا۔ کسی کا منہ قہ غائب ہو گیا۔ کوئی اپنا دشاہ ڈھونڈتی پھرتی تھی۔ ایک بی بی دوسری بی بی کے حلازمین پر چوری لگا گئی۔  
 چوٹی صاحب نہایت غضب اندختے میں اوپر گئیں اور اُن بزرگ کو خوب برا بھلا کہا اور کہا کہ سب چیزیں فرما واپس کیجئے ورنہ  
 میری شوخی تبدیل ہو جائے گی اور میری ہماذاری برباد ہو جاتی ہے۔ آواز اُن کی کہ آپ بچے بچے دوسرے چیزیں بچے جاتی ہیں۔ چوٹی صاحب  
 بچے اُتر آئیں۔ اُس وقت دسترخوان بچا ہوا تھا اور کل صافی کھانے پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک بچہ کھیت کی طرف سے چوچر کی آواز  
 آئی۔ بھون نے سر اٹھا کر دیکھا کہ کسی کا دشاہ لٹکا ہوا آتا ہے۔ کسی کی پانچ بھٹی آ رہی ہے۔ یہ تاشا دیکھ کر سب بیبا  
 ہو گئیں۔ مار مار کر اُدھر جاگ کھڑی ہوئیں۔ ایک قیامت برپا ہو گئی۔ کسی کو بھاڑ ہو گیا۔ کوئی بیوی شوچر پر گری۔ اتنا دھیرا اُن کی کھانہ  
 جاگ نکلے۔ جسے اندھوت سب دھیم دھیم گئی۔ حالہ صاحبہ بھی تھیں کوئی شرمندہ بیبا ہو گئی اور حالت جھڑپ کی پہنچی۔ حالہ صاحبہ بھی  
 ہر صوفی ایک دھیرا جاگ کھڑی ہوئیں۔ اس حوالہ پر کوئی کھڑی ہوئی۔ کوئی شرمندہ بیبا ہو گئی۔ حالہ صاحبہ بھی تھیں کوئی شرمندہ بیبا ہو گئی۔ حالہ صاحبہ بھی

شہر لوی سے کما: ذرہ نہیں میں وہی ہوں کہ قمار سے بچنے کی نگرانی کرتا تھا اور میرے مکان میں وہ بچہ پیدا ہوا تھا۔ میں اس کو بہت عزیز رکھتا ہوں۔ والدہ ماجدہ خوف زدہ اسکی وقت وہاں سے واپس چلی آئیں۔

۱۸۵۷ء شہرہ ذمک میں اسی مکان میں رہا۔ قدر کے زمانے میں مجھ کو ہوش ابھی طرح ہو گئے تھے۔ بہت سی باتیں اب تک یاد ہیں۔ اُس زمانہ میں اگر کسی یورپین سیاحی کی صورت نظر آتی تھی تو بچے تالیاں بجاتے اور ٹوکوں کے لنگڑا دیتے تھے۔ جب باقی لوگ شہر میں آتے تو ہمارے مکانوں میں خوب ہرجا کی کا اختتام کر دیا گیا تھا۔ مجھ کو خوب یاد ہے کہ جس روز کالے شہر میں گئے ہیں اس ویسٹیم کش خٹکار کے ساتھ بلائی ٹیک کے کوچ میں اپنی عمارت ساحر کے پاس جا رہا تھا۔ جب درمیان میں پہنچا تو دیکھا کہ خلعت پریشان ہا ہر طرف جاتی پھرتی ہے۔ درجہ کن کوئی آدمی تھا۔ مجھ کو بعد ی سے اپنی بیڑ پر اٹھا کر لے جھاگا جس وقت ہم خانہ مہر کے مکان پر پہنچے دروازہ چھانک کا بند ہو رہا تھا۔ درجہ کن و حکماء کے کراس زور سے گھسا کہ ہم دونوں دروازہ کے اندر گر پڑے اور خوب چوٹ آئی۔ ایک دور در کے بعد یہ خوف دونوں سے جانا رہا اور پھر میرے مکان پر اطمینان واپس آئے۔

شہر میں باقی اور بیادیں رہی راگر زخمینا چھ ماہ تک رشتے تھے۔ گریوں کے دن تھے۔ ہم ہر شہر توپ کے گولوں کو چکھتے ہوئے دیکھتے تھے اور آتش بازی کیگتے تھے۔ ایک دن ایک کولہ ٹوٹے پر بھرت چھا کر دالان میں اس وقت گرا جب ہم سب کانا کھا رہے تھے۔ ٹوٹے اتارے دوڑ کر بہت سا پانی اُس پر انڈیل دیا۔ میں ایک ولایتی مولوی صاحب سے پڑھا کرتا تھا۔ ولایتی لوگوں کو کہتے تھے جو سرحد افغانستان سے جنگل طاب علم یا پیرہ ذوقن آیا کرتے تھے۔ یہ مولوی صاحب قوی میلک رئیس دواں دہر کے مال تاجر تھے وہ بھی اور عبادت گزار تھے۔ ایک دروزہ والد مرحوم کے پاس آئے اور کہا کہ ایک نعمت عظمیٰ ہم کو خداوند تعالیٰ نے اس زمانہ میں عطا فرمائی ہے۔ جیت ہے کہ ہم اُس رحمت سے محروم رہیں۔ والد نے پوچھا کہ وہ کیا نعمت ہے۔ جواب دیا کہ جہاد اور شہادت۔ والد مرحوم نے بہت کچھ اُن کو کھایا مگر اُن کے سر پر شوق شہادت سوار ہو چکا تھا۔ گچڑی سر پر اور تلوار کہیں باندھ کر بندوق ہاتھ میں لے کر جہاد ہو گئے اور والد مرحوم کے کنا جو کچھ رقم میری خواہ کی آپ کی طرف ہو وہ امانتا اپنے پاس بہنے دیجئے۔ یہ کہ کردہ روزہ بھگنے۔ عرضہ روزہ تک غائب رہے۔ والد مرحوم یہ بگھے کہ مولوی کو نعمت شہادت نصیب ہوگئی۔ اُن کی رقم سے چلا وغیرہ کرایا۔ جب میرے کردہ والد صاحب فاکر دینے کے لئے کھڑے ہوئے۔ مولوی صاحب جی آپہنے اور اپنی فاکر کا پلا خوب کھایا اور پھر اسی وقت جانے کو مستعد ہو گئے۔ والد نے اُن سے کہا کہ یہ فاکر صبتہ لکھ ہے۔ آپ اپنی خواہ لیتے جائیے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ اول تو میں اس رقم کا مستحق نہیں ہوں اور اگر آپ دیتے ہیں تو اپنے پاس بہنے دیجئے۔ شاید میری فاکر کے آئے۔ والد نے کہا کہ آپ زندہ ہو کر اپنی فاکر آپ کھایا کہتے ہیں۔ یہ دل ٹکی ابھی نہیں ہے۔ یہ رقم آپ لیتے جائیے مگر مولوی صاحب نے رقم نہ لی اور پیٹے گئے اور پھر واپس نہ آئے۔ والد نے چند روز بعد اُن کی فاکر کر دی۔

۱۸۵۷ء یہ عجیب ترین تجربہ ہے کہ چھ ماہ کی گود باری میں دل دہلی کو کچھ جی نقصان نہیں پہنچا۔ من ایک منہ جو چاندنی چوک میں ہانی ہوا جلی پر لٹے ہمارا قتلہ والد اُس کا بل اڈ گیا۔

اس جنگ میں باہر سے لائے جانے والے بڑا نام پیدا کیا اور خوب نام کی کڑی پالی پر گئے پرستے۔ پرہیزگار  
مال تھا کہ ہر طرف سے تیس خود نما بیکہ بادشاہ گھناہنا حق کو اور ظہر ہمد شاہ سے بھی گستاخیاں کرتے تھے اور مٹانے لگے تھے  
کہ "بادشاہ بادشاہوں کا جس کے عزیز پر ہم حجاز کہہ دیں قوی ہو بادشاہ جو کہے" (بادشاہ بادشاہ کا ہے کامی کے سر پر ہم  
جونا کہہ دیں وہی بادشاہ ہو جائے)

**مرزا عاشور بیگ کی مہر کارائی**  
کہ انامیہ پاس فوج کہاں ہے جو کسی کو دے۔ اتنی برس کی میری عمر ہو گئی۔ اسناد سب بیکار ہو گئے۔ یہ جنگ میری لڑائی  
نہیں میری خود مہر فوج لڑ رہی ہے۔ اگر تم کو شوق جنگ ہے تو اس فوج کے اندر سے سارا کرو۔ چنانچہ میری بڑائی  
بیشی کے لئے وہ شہر کے باہر نکلے۔ بالک پت پر گردن سے مقابلہ ہوا اور کئی ٹکڑے قیمت کے نوٹ حضرت مرحوم مہر پاس  
آئے اور باہر کے جلاخانہ کے جہاز میں وہ سب قیمت منتقل کر دی۔ دوسرے روز انصاری فوج ان کے پاس آئے اور کہا کہ میرزا  
صاحب یہ قیمت تقسیم کر دیں۔ حضرت نے فرمایا کہ تم لوگ اس کے مستحق نہیں ہو۔ بے کام ذریعہ، والی داؤدیش دو ہیں دو  
ہر چند ان سب نے اند مال مرحوم سے ان کو لکھا یا کہ یہ تم کا مناسب نہیں تمام فوج بکڑ جائے گی مگر بڑے آباؤں کسی کی نہ گنا  
اور وہ لوگ یہ کہہ کر چلے گئے کہ تم میں گئے۔ دوسرے دن یہ خبر ملی کہ وہ لوگ مع ایک جمعیت مسلح مسجد بغداد آ رہے ہیں۔  
یہاں بھی لڑائی کی تیاری کر لی گئی۔ نواب ضیاء اللہ نے اپنے حاذی کے اپنے ہتھیار کی مدد کو آئے۔ چاہک بند کر دیا گیا۔ ملازمین  
جستہ منعمات مناسبہ پر بندوق قرار دے کر کھڑے کر کے لگے۔ بڑے آباؤں کے نزدیک اکبر اور احمد اور انعام میں مشور  
لگے۔ والد مرحوم اور نواب ضیاء اللہ دسے فرصت پا کر یہ مشور کیا کہ جس طرح جو کچھ صلح کر لی جائے۔ باہم مشورہ کر کے دونوں نے  
بڑے آباؤں کے کتاب مع ہند حاذی کے دیوان خانہ کی پھت پر جائیں تاکہ آپ کو اچھی طرح موقع بندوق ملے گا۔ والد مرحوم یہاں  
چاہک پر ان کو روکنے میں چنانچہ خود کو کھڑے پر گئے اور نواب ضیاء اللہ نے زین کا دھندلہ بند کے قتل لگا دیا اور خود  
چاہک پر مع والد مرحوم جا کر دو بار کھول دیا۔ اس میں انصاری فوج مع جمعیت کے قریب آ گئے۔ نواب ضیاء اللہ اور بہادر  
والد مرحوم ان کے پاس گئے اور گفتگو صلح کی شروع کر دی۔ انہوں نے کہا کہ میرزا صاحب تاقی خد کرتے ہیں۔ اگر ہم خاموش  
رہ جائیں تو یہ جمعیت کس طرح خاموش نہ ملتی ہے۔ خطہ صراہی کہ قرار پایا کہ جمعیت نقد کھڑی رہے۔ انصاری فوج ہراہ اگر مال قیمت  
کو دیکھ میں۔ اس کے بعد تقسیم کر لی جائے۔ چنانچہ جہازوں کے قتل کھڑے گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ جہازوں میں لڑائی کرتیاں ہو رہی تھیں  
اور ڈپیاں بھری ہوئی ہیں۔ انہوں نے جب دیکھا کہ اس ہی مال پر مرزا صاحب ہم سے لڑتے تھے۔ الغرض انہوں نے چاہا  
کہ بڑا کر مال دیکھا دیا۔ جسوں نے یہ کہا کہ یہ مال مرزا صاحب کو مبارک رہے اور باجا بجائے ہوئے واپس چلے گئے۔ اور بڑے  
آباؤں کے (زندان) حاذی کے گئے با بعد سے حیا منتظر تھے کہ جمعیت نہ پائے تو کھد کر دیا جائے۔ نواب ضیاء اللہ  
نے خبر اسی طرح منتقل کر دیا اور زین کا دھندلہ کھول کر اپنے ہتھیار کو کھب کیا اور اطلاع کر دی کہ غائبین کی غائبی کر دی گئی۔ آپ

کوئی خدشہ نہیں رہا۔

جس دن انگریز شہر پر حملہ آور ہوئے اور کشمیری دودلاڑہ پرتاجن ہوئے۔ اہل شہر متحش اور سرسید شہر سے نکل کر چلے گئے۔ اس وقت نواب ضیاء الدین اپنے ملازمین اور جوان فرزندوں کے خابنی کے کوچ میں چلے آئے کہ سب ایک جگہ جمع ہو جائیں اور تقدیر الہی کے منتظر رہیں۔ والد مرحوم اور نواب ضیاء الدولہ بہادر نے ہر چند چاہا کہ سب ستورات، بیگیاں، ملازمین، ذکر و اثاثہ اس وقت فرصت میں کہ ہنوز انگریز شہر میں داخل نہیں ہوئے ہیں۔ شہر و علاقہ کے کسی طرف نکل جائیں۔ مگر بڑے آباراضی نہ ہوئے و جہ اس کی یہ تھی کہ حضرت کو علم نجوم و دل میں بڑا دخل تھا اور یہ حکم لگا رکھا تھا کہ انگریزوں کو شکست ہوگی۔ میرزا احمد بیگ نے بھی کہ ان فنون میں شاعر اپنے والد کے تھے۔ باجائز اپنے والد کے قرعہ ڈالا تھا اور یہ حکم لگا دیا تھا کہ فلاں روز انگریز شہر میں داخل ہوں گے۔ اس حکم پر بڑے آباغیاں براؤ فرما ہوئے اور بیٹے سے کہا کہ انوس ہے تو ان فنون میں اب تک نالافانی رہا۔ انفسہ والد مرحوم انوس کٹان دہلی دروازہ واپس آئے تاکہ سب گھر والوں کو اور کچھ ضروری سامان لے کے خابنی کے کوچ سے واپس جائیں اور شرکت کریں مگر اس میں ناظم رہے مینی شہر میں یکایک قیامت برپا ہو گئی۔

شہر پر انگریزوں کا قبضہ اور کشت و خون ہر گاہ کوپے میں دست بدست لڑائی شروع ہو گئی۔ راستے سب کے نشہ میں ہرٹ رٹ پر ٹوٹ پڑے۔ زن و بچہ، ضعیف و جوان میں فرق نہ کرتے تھے۔ خون کی ندیاں بہہ نکلیں۔ زاناؤں میں ٹھس ٹھس کر فارت گری شروع کر دی۔ وہ بیسیاں کہ بقول فردوسی:

برہنہ نہ دیدہ تنم آفتاب

کی صداقت تھی۔ مگر چھوڑ کر اپنے مردوں کے حالات سے بے خبر ہو کر اٹھا بھاگ رہی تھیں۔ ہمارے مکان سے شہر کا دروازہ قریب تھا۔ والد مرحوم اور امیوں کے معاصر اہم غاں مع ہم سب اہل و عیال و ملازمین کے آفتان و خیراں شہر کے باہر نکل گئے اور حضرت سید حس رسول فنا کی دنگاہ میں پہنچ کر وہاں کے کھنڈروں میں پناہ گزیں ہوئے۔ یہاں رحیم بخش اور غلام رسول و قدیم ملازمین بھی ہتھیار بستہ پہنچ گئے۔ ان کی زبانی معلوم ہوا کہ میں دار دیگر کے دن بڑے آبا اور نواب ضیاء الدولہ مع اعوان و ملازمین مع ٹھہرے نکلے۔ ان کا بچہ کہیں کاسے نکلتا سے مقابلہ ہو گیا۔ وہیں سب مرد شہید ہو گئے۔ عورتوں و بچوں کا حال معلوم نہیں کہ کہہ سکے۔ جو صدر مساجین کے دلوں پر گزرا۔ وہ قابل بیان نہیں مگر خود اپنی مصیبت بھی کم نہ تھی۔ دونوں فریقوں سے طوفان جان و مال تھا۔ باقی ایک طرف اور خاکی و غیرہ انگریزی نوع دوسری طرف۔ گریا و شرابانڈے ہوئے تھے کہ کون خون خناتہ ٹوٹ مار زیادہ کرے۔ ایک دن کا واقعہ یہ کہ یاد ہے کہ میں اور دوسرے ہم سن بچے درگاہ شریف کے باہر اہل کے درخت کے نیچے کھیل رہے تھے اور ایک لڑکا اہلی پر چڑھ کر کٹا سے پیچک رہا تھا کہ دُور سے خاکی دکھائی دیے بکھ ایک خاکی تیغ بکھت ہماری طرف متوجہ ہوا۔ ہم سب بچے کھنڈروں کی طرف خاکی آگئے۔ خاکی آگئے۔ کہتے ہوئے بھاگے۔ موت مرد سب یہ آواز سنی کہ کھنڈروں سے نکل کر ہر طرف بھاگے گئے۔ ہمارے وہ خاکی چند قدم چل کر پھر اپنی ٹکڑی میں جا ملا۔ تب سب کی جان میری

آئی خود پاسے دونوں غمناک و مہمناک دھڑک دھڑک مچ جاتے اور شیریں کے ساتھ ہی کہ جس وغیرہ کھانے کی چیزیں رکھ  
 لے لے اور ایک گھڑ پانی سے بھر چھوڑ دیتا تھا۔ اس میں غلغلے جاتے حال چاندی بگڑتے، گڑبگڑتے، گڑبگڑتے  
 سب اس میں لڑکھاتے تھے۔ جس کو جو کہ گھڑی سے پہلے پہلے پاؤں گھڑی سے پاس چلا آتا اور پانچ پٹ بھر کر پھر کسی دور اور منڈیر کی آؤں  
 چپ۔ جتا۔ اس کی دگر بند نے خبر دی کہ خاں صاحبہ اس کی ساتھ دوسرے شیشہ دار مرو اور صحت یافتہ خانہ میں مقیم ہیں۔  
 سب گرتے پڑتے برن خانہ پہنچے، وہاں دیکھا۔ ہر حرف پر اچھی ہے اور سب رنگ الیسیان سے ملے خوف اور فراغت ہو کر  
 رہے ہیں۔ سلیم بڑا کہ خاں اپنے والد سے جمعیت اور ساریاں اونٹ پھکڑے، ریش، ہیلیاں، پانکیاں اور گھڑی پر اسنے  
 ماہداری اور خندہ کثیر رقم بھی ہے۔ نواب امین اللہ خاں حرف نشی اترا جان ریاست اور سکندر اعظم تھے اور میری جتنی خاک  
 شہر تھے۔ یہاں دوسرے رشتہ دار بھی رفتہ رفتہ جمع ہوئے تھے۔ نواب نے خوج صاحب اور چوٹے خوج صاحب (مترجم ہندی  
 خیالی) کو میرے رشتے کے چچا تھے اور بڑے آبا کا بھٹا فرزند مرزا محمود بیگ اور صحت مند میرا خواجہ آجی آٹھ ماہ پرانہ  
 خاں سے اور دوا دہے۔ ماسے میں چند منزل بعد نواب محمد ظلم فرزند الدین خاں مع الی خیالی ایک چکر شہ میں سے  
 ملے۔ ظلم فرزند الدین خاں میری چچی اور جو محمود امانی خانم کے کھاتے بیٹے اور نواب دیر الملک اسد اللہ خاں خاں کے منگ  
 پیارے بیٹے والد تھے جس کی تعلیم کے واسطے خاں نے ماہ نیم ماہ۔ دو پنج آجک وغیرہ کتابیں تصنیف کی تھیں۔ یہ لوگ بھی  
 ہمارے ساتھ رہ گئے۔ چند روز یہاں آرام سے گزرے تھے کہ پھر ننگ شہید باز نیا رنگ ویا۔ شاہر کھدیر سنگھ صفی بھائی صاحب  
 کا بااثر نہیں تھا۔ ایک شمس نے خدادت کردی اور اوتوں رات ہمارے گھروں پر جمعیت کثیر شاہکوں اور خیریں کی لے کر ملک کو بڑا  
 کچھشت و غوغا کے بدینے مکان میں گھس آئے۔ ان میں نے پیٹ بھر کر ہم سب کو خوب لڑا۔ ان میں ہم بیٹوں کے دست بڑ  
 کے منظور ایک تباہی کی حالت میں ہاں سے نکلے گئے۔ ماسے میں ایک ندی پڑتی ہے جس کا نام ساربی ہے۔ ہمیشہ خشک رہتی ہے  
 شاید بڑا نکالی جری رہتی ہوگی۔ یہی کہی کہی غور ہو کہ جس کی دہ سے اس میں لکایک پانی آجاتا ہے اور اس ندر سے آتا ہے کہ اسی ہی  
 اگر ماسے ہو رہا ہے جانے اور جب پانی سب بہ جاتا ہے تو پھر خشک ہو جاتی ہے۔ ہمارا جو حال ہوا قابل بیان نہیں۔ پانی کے  
 دھکے کا صدر ڈوب جانے کا خوف سر سے پاؤں تک پانی میں ڈوبے ہوئے۔ خندہ خندہ ہوا وہ بھی میدان اور جنگل کی فحش  
 جانیں نکالیں۔ اسی کو قسمت کھینچے۔ کھانا وغیرہ اور کی جس جو ساتھ تھی وہ سب ستیاناس ہو گئی۔ دلے یہ قرار پائی کہ کسی حالت میں  
 جس میں ہر کے منزل ہم کوئی جانے ٹر چکی کے چکیاں جھگڑا لے کے مال اسباب دکھاؤ۔ یہاں تک کہ مارکٹائی پر فریسی تیار ہو گئے  
 والد نے کچھ خنداں کے حوالے کیا۔ تب ہم سب جب حالت بچاؤ میں تھے۔ معاذ ہوئے اور منزل منزل شہید پید ایک قصبہ بڑ  
 والے کے باہر چاڑی پر حاد وہاں پہنچے۔

لے مرزا و خاں نے ہمارا شاہ ظفر کی رمانش پر بھی قیصری آجک کی کے خطوط کا جواب دیا۔ اس کا دوسرا حصہ تھا۔ اس کے  
 بھیجے کی وقت ہی نہیں آئی۔ یہاں قریب صحت نہیں ہے کہ یہ کہی خاں نے غلام فرزند الدین خاں کے لئے لکھی تھیں۔

**شیدی پوری میں قیام** یہاں ہمارے جد چچا مرزا میرن بیگ خاں کے ہوتے مرزا عبداللہ بیگ عرف مرزا دولہا بیگ مع اہل و عیال و اطفال مقیم تھے۔ ہم سب ان کے پاس آکر رہے۔ یہاں بڑی آناں مع اپنے دونوں لڑکوں خدا دل بیگ و رفیع الدین بیگ اور دختر آبادی بیکر بیگی انگلیں اور محصل عالی شیدوں کا سنایا۔ یعنی کہ بڑے آبا مرزا عاشور بیگ مع اپنے فرزند اکبر مرزا احمد بیگ و دیگر عیال و ملازمین اور خواب فیاض الدولہ مع اہل و عیال و ملازمین سب ہتھیار بندہ کر بستہ باندنی چونکہ میں آگے بڑھے تھے کہ سامنے سے گوردوں کی جمعیت نظر آئی۔ آگے آگے ان کے سر قیاس شکاف چلا آتا تھا۔ اس کو اہل شہر کا زور امتکاف اس واسطے کہتے تھے کہ وہ ایک آنکھ پر شیشہ لگاتا تھا اور بادشاہ کے دربار میں ریڈیٹ یا کونٹ تھا اس ظالم نے فوراً سب کو گھیر لیا۔ مرزا احمد بیگ نے قوامیایں سے نکالی حکمران کے والد نے ان کو روک دیا اور کہا کہ میں اب شہادت کے لئے تیار ہر جاؤ اور کھڑے قہقارہ درود کرو۔ سر قیاس نے حردوں اور جہر نے بچوں کو آنکھ کھڑا کر دیا اور مردوں کی ریں بستہ تھا رکھ دی کر دی اور حکم صادر کیا۔ خدا کی قدرت و کیم کہ اسی وقت ایک آنکھ پر شیشہ لگایا۔ الدولہ کا ہاتھ پکڑ کر اس زور سے نکھینا کہ یہ کیم تھیم آدمی مینا پر گر پڑے۔ اور دوسری ہتھ تھارشل مرغان مذبح روٹنے لگے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ خواب فیاض الدولہ حردوں اور بچوں کو لے کر شہنت گئے اور وہاں سے شیدی پور آگئے۔

افرض شیدی پوری میں ہم لوگ چند روز مقیم رہے۔ شہر کے دروازہ پر گوردوں کا پہرہ تھا۔ بلا ٹکٹ آمد و رفت مسدود تھی بجائی علی مرزا بیگ جن کا انتقال حال میں ہوا ہے۔ اسی کو ضرورت شہر میں جانے کی تھی۔ میں بھی ساتھ ہوا وہ کپتان کے جگہ پر ٹکٹ کے واسطے گئے کپتان اتفاقاً باہر کھڑا ہوا تھا۔ میں نے پہلی بار آنکھ کی صورت دیکھی۔ میں نہایت گویا چاؤ اور فرہ تھا۔ میرے سر پہ اس نے ہاتھ پیر اور بکٹ دے دیا۔ شیدی پوری میں چچا مرزا عباس بیگ کا خداداد کے نام آیا کہ تم عاشور بیگ شید کے اہل و عیال سمیت فوراً میرے پاس چلے آؤ۔

مرزا عباس بیگ مینا پور ملک ادھ میں یکسر اسسٹنٹ کمشنر تھے اور خیر خواہی سرکار میں لاؤٹننٹ نے ان کو جاگیر علاؤ بڑا گاؤں حطاک تھی اور علاؤ اس کے پیر سرور پیر بابو راہی کو دے دیے تھے جو اس زمانہ میں ہندوستانیوں کو بہت کم ملتے تھے علاؤ خاں کے چچا صاحب نے خرچہ ماہ اور پردہ انداز جاری بھی ہو دیا تھا۔ چچا مرزا دولہا نے اپنے بھتیجے فرزند علی مرزا بیگ کا نکاح بڑے آبا شید کی منجلی لڑکی آبادی علیچ سے بشورہ والد ماجد کو دیا اور ہم سب جوگ مینا پور روانہ ہو گئے۔ شیدی پوری کے قیام میں کوئی بات قابلِ تحریر نہیں ہے۔ اس کے کہ ہر عہد کی سرپرست شیدی گوہر کے باغ میں عبداللہ خاں داستان گوامیر جڑہ کی داستان کہا کرتے تھے باوجودیکہ ابی دہلی کی ایسی سیم حیات تھی کہ گھر بار سب ٹٹ گیا۔ خانہ بدوش ہو گئے مگر چندہ کر کے داستان ضرور سنا کرتے تھے۔ والد مرحوم کو مرزا خان تھا اور شدت مرحوم میں ایسی دہشت جنوں کی پہنچی تھی کہ ان کو ذرہ فرہ نہ جاتے تھے۔ اس مرض میں مبتلا ہونے کی وجہ بھی عجیب و غریب تھی۔ مادا صاحب مرحوم (مرزا اکبر بیگ) سیاح آدمی تھے۔ علی فارسی میں فرور فرید تھے اور طورہ ریاضیات بحیثیت و ہندسہ و طیرہ کے علاوہ فنی علوم و ریل میں یہ طولی رکھتے تھے اور ان علوم کی تکمیل کی غرض سے دور دراز محاکا میں یہ سفر کیا۔ مینی کہ اس زمانہ میں حج بیت اللہ کی نعمت حاصل کرتے ہوئے براہ معر ملک اطالیہ پہنچے اور وہاں عمل ریاضیات









کب حلال نادی ہے۔ مشر وراثت (WHITE) ہنس پڑے اور کہا۔ مگر انگریزی بڑی وسیع زبان ہے۔ ہر قسم کے مطالب نظم و نثر اس میں ادا ہو سکتے ہیں مثلاً اردو میں بلیک درس (نظم بے قافیہ) یا ڈراما (نٹک) نامکمل ہے۔ میں نے پھر کتنا خاندان جواب دیا کہ ڈرامے کے بدلے بارہ ہاں کشمیری نعتیہ اور جاندہ نعتیں کرتے ہیں۔ ہمارے شاعر نے قوجہ نہیں کی مگر بلند پروازی اور مثنوی میں انگریزی شاعر سے اگر زیادہ تسلیم نہ کئے جائیں تو کم بھی نہیں ہیں اگر اجازت ہو تو میں ایک دو مثالیں پیش کروں۔ مشر وراثت نے کہا کہ ہم بھی نہیں۔ میں نے کہا کہ شیکسپیر نے رومیوں کی زبان سے یہ مضمون بہ طرز دل کش باندھا ہے کہ:

”اگر میں تیرا (جو لیلے کا) دستا نہ ہوتا تو تیرے گال کو سس کرتا۔“ ذوق نے یہ مضمون اس طرح باندھا ہے

گر سید بہت ہی ہونا تھا نصیبوں میں مرے

زلف ہوتا ترے رخسار پہ یا تلی ہوتا

اس کے بعد میں نے کہا کہ اور شیخے۔ یگ (YOUNG) ایک شاعر چند مصرعوں میں بہت اعلیٰ مضمون نہایت پراثر الفاظ میں باندھ گیا ہے۔ وہی مضمون مرزا غالب نے دو مصرعوں میں باندھ لیا ہے۔

خوش مر گر چہ ہنگام کمال اچھا ہے

اس سے میرا بہ خورشید جمال اچھا ہے

مشر وراثت اس کا ترجمہ سن کر بہت خوش ہوئے مگر ڈراما کی بابت ضد کرتے رہے۔

اسی زمانہ میں سید حسین بگڑی (نواب علاؤ الملک) کالج میں اور بابو کی شب چند رو بابو کار کمری دیلی درجوں کے لیے مقرر ہوئے۔ چونکہ اس وقت تک مسلمانوں میں بی۔ اے پاس بہت کم تھے۔ سید حسین صاحب کی قدر میرے چچا مرزا جاس بلیک بہت کرتے تھے۔ بالخصوص اس وجہ سے بھی کہ ان کے والد اور ماں کے چچا زمانہ قدر سے قبل نواب مبارک الدین خان و قلات امین الدین خاں و شمس الدین خاں پسران نواب احمد بخش خاں (والی ریاست لودھرو و فیروز پور جھکرا) کی تعلیم کے لیے ایک ہی جگہ حاکم تھے۔

ماتر چند میرے بڑے بھائی مرزا عاشق بلیک شہید بہت حسین و جمیل آدمی تھے نہایت

گورے بلکہ جیو کا رنگ، آنکھیں ہنسی مائل کر تھیں۔ ریش و بدوت و مہرے سرگورے

ہو رہے اور سترے تھے۔ قد نہایت بلند بالا۔ دھبہ زخم کسرتی، سانپ کے میں ڈھلا ہوا۔ عربی، فارسی، ہندیت و نجوم و ہندو میں

مثل اپنے والد کے شہرہ آفاق تھے۔ بھختان کے کھراج میں کمال مدبجہ تھا۔ کل اہل خاندان سوائے دادا مرزا نوشہ، ان سے

مرورب تھے۔ ہر دو فن علوم کچھ ذہنی حیرت کی ملک بھی تھی جس چیز کا شوق کرتے تھے اُس میں خود ہو جلتے تھے اور ان کا کام اس کو

پہناتے تھے۔ ادویہ کا شوق ہوا تو مساجد، اجارشات، جوہر وغیرہ شیشوں میں بھری طاووس پر دھری ہتھیاریں اور یہ سب

بدست خود تیار کرتے تھے۔ کیا کا شوق ہوا تو ہجوم کیا ساندوں کا بہرہ دیوان خانے میں شب و روز جمع رہتا تھا اور یہ سب خود تیار

چاڑ، کباب، حلوسے، مہرے وغیرہ مزے مزے کے کھانے چکھا کرتے تھے۔ ہر قسم کے ست اور کشتے تیار ہوا کرتے تھے۔ ایک صبح

کوڑے آجاتے تھے۔ اس کے بعد اس کے والد بزرگوار نے اس کے والد بزرگوار کے ایک چھوٹے بھائی کو بلا کر کہا کہ میں نے بتایا ہے  
اس پانڈی سے ایک شخص کو کھانا کھانے کے لیے لے گیا۔ یہ شخص میرے گھر میں بھی جاتا تھا۔ یہی شخص وہی ہے جو  
میں نے شیش گری کا شوق لیا تو ہر قسم کے خوف بنا ڈالا۔ شاہ ولی اللہ کے نزدیک جو اسے تو تمام بات بڑھتی کے لیے لے گیا  
ہوئے۔ مرتبہ شہادت اُن کو ملا ہے اُن کی مغفرت میں شک نہیں۔

**نواب ضیاء الدولہ** اللہ فرزند حکیم نواب دکن اللہ وزیر وقت تھے۔ حکیم و شہید، میاں نور محمد، محمد  
دین و بدعت دوسرے سرسید، دکنیہ اکثر اللہ و۔ نہایت خوش مزاج، وسیع الافاق اور  
کثیر الاحکام تھے۔ بجز یہ بات اُن کے والد مرحوم کی دہلی میں مشہور تھی کہ میں نے دولت کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی ہیں۔ یہی  
نہ میں تمام گھر ان کا دھڑنے سے ٹٹا۔ خاکیں اور لشکریں اور گورنر نے شکاک دیکھ کر دھڑا۔ احکام اور بادشاہ کی یہ حالت ہوئی  
کہ اُن پر مشہد جنات کا قائم ہو کر کل ہند اور گھر میں ضبط ہو گئی اور فاقہ کشی کی ذلت پہنچی۔ باوجود کھنوں میں بامید آمد اور چھا  
مرزا جس بیک مرحوم اپنی ہمیشہ دینی میری بڑی گچی کے پاس چلے آئے اور چند سال یہاں مقیم رہے۔ اُن کی حکایت بھی جو  
دقابل بیان ہے۔ میں جب یہاں کا رہاؤں کی خبر ہوئی تو میری دعا پس چلے گئے۔ اس زمانے میں شاہ عبدالعزیز صرف بچے  
حافظ ہی اور خود بھی عقیدہ حیات تھے۔ تمام شہر گاہ کی ذات بابرکات سے فائدہ خیر پہنچا رہا تھا۔ ہر شخص جی دیکھنے لگا  
دو شاہ صاحب کے استاد اور کاتا اور فائدہ اٹھاتا۔ نواب ضیاء الدولہ ایک روز تنگ دستی سے حاضر ہو کر شاہ صاحب کی  
خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ اب تو یہ غربت پہنچی ہے کہ آپ کی مسجد میں آؤں۔ اور میں حق تسلیم کروں۔ شاہ صاحب  
یہ سن کر بہت گھبرائے اور کہا کہ نواب صاحب، آپ کل قسطنطنیہ لائیے۔ الغرض دوسرے روز نواب صاحب پھر پہنچے اور  
کھلے اور جان دینے کے الفاظ زبانی پر لائے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ نواب صاحب آپ لاہور جائیے۔ میں کہ کمال لگتا  
ہو گیا کہ نواب صاحب نے کہا کہ انوس آپ بھی مجھ سے سنی کرتے ہیں۔ اسے صاحب میں ان شبہ تک کا تو محتاج ہوں  
یہ دور دراز سفر کس طرح کروں۔ وہاں قیام کس طرح کروں اگر وہاں آشنائیاں ملتی ہوں تو وقت کار نہیں کہاں اتروں کہیں  
میں استدعا کروں۔ غربت اور اس پر تنگ دستی۔ اب میں آپ کی مسجد میں آؤں تو ہوں۔ شاہ صاحب ٹپ رہے اور بعد  
مراقبہ یہ کہا کہ آپ صبر کا قصد کر لیجئے اللہ صبر آسان کر دے گا۔ نواب صاحب مایوس و محزون وہاں سے گھر واپس  
آئے۔ اب اللہ کی قدرت کا ناشاد بھی کہ ایک صاحب کا قدیم نواب صاحب کے پاس بھی بھی آیا کرتا تھا۔ اتفاقاً اس دن  
بھی آیا اور نواب صاحب کو معزوم دیکھ کر اس نے کہا کہ انوس آپ کی احکام ناسخ ضبط ہوئیں۔ آپ کیوں نہیں کوشش فرماتے  
جس کو کرتے۔ نواب صاحب نے بے مزہ ہو کر جواب دیا کہ میں کھلنے کو نہیں ہے جس کو کس طرح ہو گئی ہے۔ اس نے کہا کہ  
نواب صاحب میں آپ کے لئے فائدہ مند ہوں۔ آپ کے گھر سے صاحب کا رہاؤں ہوں۔ آپ مستعد ہو جائیے جو طرح ہو گا  
میں دوں گا۔ خطا میری کہ وہ پر چھپے سے جب اطمینان ہو گیا تو نواب صاحب نے اپنے فرزند نواب شیر الدین احمد خاں لاہور  
پہنچے۔ وہ یہاں کے بعد شہر میں داخل ہوئے اور یہاں سے فرار پانی کہ چلے سیدھے گھر کی طرف پہنچے کہ وہاں حالات بد گوار

دریافت کرو۔ پھر قیام کا ٹکڑی کر گئے۔ ان مرضی دریافت کرتے کرتے یہ سیدھے چیت کورٹ میں اس وقت پہنچے کہ کچہری رست  
 ہوئی تھی اور صدر حاکم اپنی کھجی پر سوار ہو رہا تھا۔ فراب صاحب بھی اپنی گاڑی سے اتر کر اس خیال سے کھڑے ہو گئے تھے کہ کسی  
 سے کچھ حالات دریافت کریں۔ صدر حاکم کی گاڑی کے پاس جا کر بہت ادب سے جھک کر اس کو سلام کیا۔ اول تو انگریز خواہ مخواہ  
 رو آدھی۔ علاوہ اس کے آخر فراب تھے، پھر وہ سے شاق و شوکت، شرافت و نجابت برس رہی تھی۔ صدر حاکم یکایک ان کی طرف  
 غائب ہو گیا اور کہا کہ ”زل تم کچھ کہتا ہے“ فراب صاحب کے منہ سے نکلا کہ جی ہاں! دو ایک اور ضروری مرض کو کرنا چاہتا  
 ہوں۔ صدر حاکم اٹھاپنے کمرے میں چلا گیا اور ان کو بٹلایا۔ جب انھوں نے اپنی رام کمانی سنائی تو وہ بولا: ”زل یہ مقدمہ کسی  
 جیل کے پاس لے جاؤ۔“ فراب صاحب نے پچھڑ پچھڑ کر کہا کہ ”میں غریب اوطن ہوں۔ یہاں کسی کو نہیں جانتا۔“ صدر حاکم نے چڑچڑ  
 کر بولا کہ ”کہہ دو“ دیکھو ریٹھی (RETI GON) صاحب ہے تو ہمارا اسلام برو“ ریٹھی گئی صاحب فوراً اچھے آئے۔ معلوم نہیں صدر  
 حاکم نے انگریز کی یہ کیا کیا۔ وہ تو چلا گیا۔ برسر صاحب ان کا ہاتھ پکڑ کر باہر آئے اور کہا کہ چیت بیج صاحب نے آپ کی معاشی  
 لے لے۔ اس اپنی نشست گاہ میں جا کر ان کا حال سنا اور کہا: ”ہم تمہارا مقدمہ لڑے گا۔ تم جب جیت جاؤ گے گا، تب ہمارے  
 سے دینا۔“ ان مرضی مقدمہ چلا اور یہ اس میں جیتے۔ جائداد اہلک سب ان کے ہاتھ گئیں۔ وہی میں پھر امیر دولت مند بن گئے۔  
 یہ بھی مر گئے۔ خود بھی کا وصال ہو گیا۔ حکایت باقی رہ گئی۔

دہلی اس وقت یعنی قبل غدر و بآباد تھی کہ بادشاہت برائے نام رہی تھی اور ڈھنڈوری میں یہ الفاظ پکارتے پکارتے  
 تھے: ”خلفی خدا کی، ملک بادشاہ کا، حکم کہنی بہادر کا۔“ تاہم بادشاہ کا وہم نہایت سمجھا جاتا تھا۔ درباری وادہ کہتے، وقت کے  
 بے تک ہادی تھے۔ بہادر شاہ کو فخریہ لاکھ روپیہ ماہوار میں جانب کہنی ملتے تھے۔ شاہزادگان و سلاطین نادوں کے وظیفے  
 ملی امتیاز ملے تھے اور شاہی کارخانجات کے اغراجات ادا ہوتے۔ چوب دار، خواص، باری دار، رفیعہ ملازمین کی خواہ  
 فہم ہوتی تھی۔ حکیم حسن اللہ خاں وزیر تھے۔ منشی غلیل اللہ خاں کے بعد منشی سعد الدین خاں ان کے شاگرد منشی شہر تھے۔ اس  
 لاکھ روپیہ میں سے اہل شہر کو وظیفے اور تنخواہیں ملتی تھیں۔ کچھ ایسی برکت اس لاکھ روپیہ میں تھی کہ دلی داروں کو تلاش معاش کے  
 واسطے باہر جانے کی ضرورت نہ تھی چنانچہ میاں ذوق کہتے ہیں:۔

ہے دلی میں ای دنوں گرچہ بہت قدر سن

کون جائے ذوق پروائی کی ٹیکس بھڑک

اہل حرفت و صنعت سے لے کر شہر اور غلام، و شاخ ایسے جمع ہو گئے تھے کہ دوردور ملک تک اپنا جواب نہ رکھتے تھے  
 شہنشاہ میں شاہ، رفیع الدین، و شاہ عبدالقادر، غفر اللہ، میں میاں خاں، رحیم اللہ، رسول شاہی، شاہ عبدالعزیز اور پھر نے حافظہ جی معروف،  
 انور جی، غلام، میں منشی صدر الدین خاں، مولانا فضل حق خیر آبادی، مولانا صبا، شہا، میں شیخ ابوالحسن، ذوق، حکیم حسن خاں، رحیم،  
 ۱) نجم الدین، و میر ملک، مرزا، سعد اللہ خاں، غالب، معصوم، مرزا، فرشتہ، معصوم، رحیم، میں مرزا، کے کوچہ، صوفی، لکھنؤ، بدایا،  
 دہلی، و معصوم، رحیم، میں مرزا، و ملک، لکھنؤ، گندھی، و ملک، داروں میں پھر تھے مرزا، و مرزا، میں شہادت، ملک، و مرزا، و مرزا،

علی بیگ۔ یہاں پیش میں صالح یا غلام در سالار میرزاخان۔ اعراض اس وقت دہلی میں ہوئی اور ہرگز ہرگز کے لوگ جا بگدا  
 نامدار جو دیکھ کر ہلکے تھے۔ بانہوں میں ایسی رونق تھی کہ شہر دھس بنا ہوا تھا یہ سوسے پھر کو پانچویں چمک میں ہر دم کے لوگوں کا  
 مجمع ہوتا تھا۔ ہر دم کوڑے کی جھکاؤ شنائی دیتی تھی۔ شام کے وقت حاج سجد کی سیر میسوں پر گھڑی باز اور تھا تھا جہاں سوا  
 بھی آکر گرم کباب کھا یا کرتے تھے۔ اخلاق اہل شہر کس زمانے میں بسے نہ گئے جانتے ہوں گے۔ منڈیوں کی بڑی تعداد تھی۔  
 سرائے کا، مشایخ کے باقی امرا، اشرفا خوش باش کم ایسے تھے جو منڈیوں سے میل جول نہ رکھتے ہوں۔ جندو بھائی بھی منہب  
 راجہ پیرلی اور ماجہ نوڈرل پر قائم سلائی جہانوں سے بتولی نبی ماجہ چول داس کا ساتھ رکھتے تھے۔ اس زمانے میں ٹولی کا دلای  
 کم اور بگڑائی کا صاف زیادہ تھا۔ باہم بگڑی بدھا کرتے تھے اور اس کو بگڑی بدل بھائی کہا کرتے تھے اور یہ رسم اب کے زمانے سے  
 جاری تھی۔ چنانچہ ماجہ چول، فیضی، ماجہ نوڈرل اور ابوالفضل ومارا جیسے پر مغضب پیرزادہ اور ابوالغاب، خانہ خاں بگڑی بدل  
 بھائی تھے۔ منڈا، دستار، گھنڈا میں کوئی فرق نہ تھا۔ اب کے زمانے کا ماجہ نوڈرل ترک ہو گیا تھا اور چول دارا گھر کے بھی ترک ہو جاتے  
 تھے۔ ان کی بگڑی بچے اگر کھے بغیر چول کے پچے جاتے تھے۔ سلائی سیدھی دلت اور ہندو اٹنی طرف پردہ رکھتے تھے۔ میں بھی منڈی تیر  
 دوز میں لکھا گیا تھا۔ وہ پٹے مگر خدا کتابت و تصنیف و تالیف فارسی زبان میں جاری تھی اور اس میں ہندو سلاؤں سے دعویٰ  
 بسمیہ رکھتے تھے چنانچہ ان کے دھرم رام اور مینا بازار دھرم سلاؤں کے کتبوں میں بھی جاری تھیں۔ بولی، دوسرہ، دوالی، عزیز بگڑ  
 میں باہم حائل و دھاس میں شریک رہتے تھے۔ خدا سے پہلے دھرم یا بھول کے ایام میں خیمہ داری کے عزم میں ایک جلسہ ہوتا تھا جس کا نام  
 گڑ بگڑی تھا۔ ایک شخص میں پہلی پٹنی پرانی بنوی بھی کوڑی چھوٹی بیٹے سر پر رکھ کر گڑا، رزیدنت بنتا تھا۔ میز پر  
 تمام دات کاغذ اور خود کوئی پر مینا تھا۔ باقی حضرات کوئی سوشت دار کوئی مرادہ چیز کی وغیرہ پر عمل پگڑی کا بنا تھا۔ خشت  
 دل کی کے دائرہ ہوتے تھے خیمہ دھرم دھام سے نکلتے تھے۔ راکیاں گنگریاں نکالتی تھیں۔ ان ایام میں غلام رسول خاں ایک  
 سنگ دل جاہل آدمی کو توڑال شرف تھا۔ ٹیٹو نکالنے والوں نے اس کے نام پر بزم جوڑی تھی۔ ایک بول اس کا بگڑا دھرم  
 ہائے خیمہ نے کھائی تھی بول اس میں سے نکلا غلام بول

اس بزم بندی کو بانی کہتے ہیں۔ اس وقت کے انگریزی حکام بھی بے تکلف ملتے جلتے تھے۔ رزیدنت شب کو کالی  
 جندو کو دار ڈی سر پر چڑھا، سینوں کا کرتا، خوار و مار پانچا پر پہن کر سنبھڑتا تھا۔ چوای سامنے ٹھہرتا تھا۔ اس کے شریعہ  
 تھے باہم حمت و حکایات، شہر دھاری اور سب سے زیادہ شہر کا بازی ہوتی تھی۔ سلاطین میں مرزا کرامت شاہ اپنے زلف میر

ملے ایک اور انصاف قابل جان و بے کول باشندہ گج شہر کے مال کاوی ونگ رکھتے تھے۔ باغیچہ، علاقہ شاخ جو حسن بنکر رکھتے تھے اور  
 اگرچہ میر کوٹہ دیا کرتے تھے۔ ہمارے زمانے میں بڑی بلی و دپ سب کے بال شامی کڑ سے نہ کھتے جلتے ہیں۔ اسی طرح دھرمی شہر دھاریت  
 شہر دھاریت اندر ہم کی بات بھی ہوتی تھی۔ غلام وضع یہ تھی کہ دھرمی چوٹائی بانی تھی اور ہمیں اس میں رکھتے تھے جیسے دو چتر ونگ والے بیٹے جو سنا  
 ہیں۔ اس زمانے میں دھرمی شہر دھاریت جاتی ہے اور ہمیں اس طرح بانی بانی میں کوٹہ یا دھرمی ہے۔ دھرمی بھٹے ہوئے ہیں۔

فردوزید شاعر تھے۔ اہل شہر انگریزی حکام سے ہمہری کے ساتھ ملتے تھے۔ میٹر فطریہ پیرکٹ FITZ PETRICK جو رتہ رتہ سرڈنس فطر پیرکٹ ہوئے۔ خد سے پہلے کسی علاقہ پر مقرر تھے۔ اکثر ادقات نواب امین الدین خاں و نواب منیا الدین خاں و ایاب ریاست وادو کے ہاں انگریزوں کو کھلا کرتے تھے۔ یہ صاحب چند روز کے واسطے حیدر آباد دکن میں رزیدنٹ رہے تھے۔ یہ لچہ بہت مہربان تھے۔ پھر ملک پنجاب کے نصرت گور زبوں نے اور وہاں نواب نوادہ وصال کے ساتھ بڑے بڑے سلوک کئے۔ انگریز ہر فرقہ میں باہم معاشرت بے تکلفانہ قائم تھی۔ ایک انگریزی حاکم نے ایک میوانی (سروں) کے ساتھ نکاح کیا تھا۔ اس کا بھی گیت بہت گایا جاتا تھا۔ سروں کا بھائی دہلی کے بازاروں میں خوب اکڑ کر چلا کرتا تھا۔

پھولی دالوں کی سیر تمام ہمدلی مزار حضرت قطب عالم سید السادات قطب الدین بختیار کاکی پر دھوم دھام سے ہوتی تھی۔ پکھا شان و شوکت سے چڑھتا تھا۔ بادشاہ بھی مجلس رونق افزہ ہوتے تھے۔ عوامنس بڑوکان دین و ادویا دانشہ قابل دید ہوتے تھے۔ ہمدی حضرت سلطان اللہ غریب نواز اعلائے رسول حبیب اللہ حضرت خواجہ مصیب الدین چشتی ثم اجیری مجلس کے ساتھ اجیر شریف ہوا ہوتی تھی۔ شہر میں روزانہ بعد عصر ایسا مجمع کثیر عوام و خواص کا ہوتا تھا کہ شادی شادائی کی قرب آتی تھی۔ گھوڑے گاڑی میں بھی، فتن وغیرہ کا رواج نہ تھا۔ امرا و خورش مال گھوڑوں، ہاتھیں، انگوٹوں پر یا ہوادار، تمام جام سینس و پاکی پر سوار ہوتے۔ میں نے کسی یورپی مسیحا کی تصنیف میں پڑھا ہے کہ چاندنی چوک لاشل اور دلی کے انگر کے کی نظیر بڑے بڑے پائے تخت بنے یورپ میں بھی نہ تھی۔ مغرب کے وقت جامع مسجد کی میڑھیوں پر گڈی بازار نکال کر آتا تھا۔ مٹی کے کباب چٹنے مرنے دار اور سونے کے پانی کے مرنے، مثل بچے، آکا لوگ انگوٹے سر پر باندھے مرنے دلی کا انگر کھا زیب بدن، بلکہ دیہرت بیلے مانس بھی چکھا کرتے تھے۔ یہ جون والا شہر تھا مگر بغول ٹھکے سے

غبر نہیں کہ اسے کھا گئی نظر کس کی ؟

قلعہ دالوں کے اخلاق نہایت بد تھے۔ سولنے بادشاہ باقی کل شاہزادے و شاہزادیوں سلاطین حرام و حلال کے احکام سے ناواقف تھے اور بیشتر ان میں سے جاہل مطلق تھے۔ ابتہ زبان آمد و قلعہ کی مستند تھی۔ عیدیں شہر میں دھوم دھام سے ہوا کرتی تھیں۔ بادشاہ مولا بخش نام باقی پر حیدر گاہ برائے نماز جایا کرتے تھے۔ یہ باقی بیٹہ مست و ہنسا تھا۔ کتھے میں کہ حضرت نامہ لودروالی قلعہ کی نے نذر گزارنا تھا۔ کتھے اس سے نکلی لانا کھیلنا کرتے تھے کہ جب بادشاہ کو انگریز دلی سے لے گئے مولا بخش نے کھانا پینا ترک کر دیا تھا اور بالآخر جھکا پیا سا گر گیا۔ انگریز دلی ایسی آباد تھی کہ امرا و خوش حال، علماء و فقہاء، حازست پیش و اہل معرفت اپنی اپنی حالت میں نہایت بے فکر و آسودہ ذہنی بسر کرتے تھے۔

ایک گروہ اس زمانہ میں حبیب پایا جاتا تھا جس کو "آکا" یا مثل بچے کہا کرتے تھے۔ یہ ٹوک مثل بچے تھیں امرا کی اولاد نہ پر مے نہ کتھے کابلی کی وہ سے کسی پیشہ یا نوکری کے قابل نہ تھے مگر جو بجا افت خاندان پر صحبت، ہم مثل و مجلس میں باہیاب تھے بعد اہل مقصدت کی فیاضی پر زندگی کی گردان تھی۔ خوش رو، خوش جسم، خوش وضع، خوش رفتار، خوش تغذی، لطیف گو، باعزت و آبادنا، گرم مزاج، نود و بخ، یہ ان کے صفات تھے۔ انہوں میں گروہ و غلو و بوٹیاں۔ صرف ایک فرد انہیں اس پر مستحق



لکھنؤ آئی، کھانا، ہادیم کو کرام اللہ خاں مرحوم اس کے خبر گیری تھے۔ یہاں پر ایک حکایت یہ کہ یاد آئی۔ بادشاہ کی آنکھیں کوشق کی دنیا میں دھمکیاں گئیں۔ اس کی والدہ نے دم کثیر زندگی۔ آکا چوک میں کھڑے ہو گئے اور یہ آئندہ دھمکے لگے تھے۔ دو گونے ہو چکا کہ آکا یہ کیا بات ہے۔ فرمایا کہ بیٹا اللہ کو جا رہے ہیں۔ بعد چند روز کے آکا پھر شہر میں کھائی گئے۔ دیانت حال پادشاہ دفرمایا کہ بھی ہم تو جیتے تھے مگر دانت کا درد نے ہم سے کہا کہ کبھی شریف میں صلی بخون کا کوئی مصیبت ہی نہیں ہے۔ خلاصہ یہ کہ ان کی والدہ ان سے ناراض ہو گئیں اور روز بروز ان کو دیا کرتی تھیں وہ بند کر دیا۔ آکا نے اپنے ایک عینی بادشاہ کو کھلی کہ "اصل مرغی جو روزانہ ڈال دیا کرتی تھی۔ اب گڑبگ ہو گئی۔" بادشاہ نے خود دیر مذکور کیا۔ ایک آکا نے چار خوجاں مرحوم کے ہاں رہتے تھے۔ ایک روز سہ پہر کے وقت اپنے حجرے کے باہر بیٹھے ہوئے تھے۔ کادام نگار ہے تھے۔ بیٹا سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ روزوں جنگ کے نشہ میں چڑھتے اور ہم سب جہاز سے پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آکا نے بیٹے سے کہا کہ جان پر آئی جی چاہتا ہے کہ چلی ہو میں۔ بیٹے نے کہا کہ جو حکم۔ آکا نے کہا کہ (اے کم و کما) بیٹے نے جواب دیا کہ (بیوی بچہ کما)۔ آکا بہت خفا ہوئے اور کہا کہ لو تلافی آنا اور کم تو دو لفظ عربی کے ہیں۔ یہ بیوی بچہ کو سنا لفظ عربی ہے۔ ان کا کیکہ کلام چنانچہ تھا اور کیکہ قدر سے قیل غار کی بھی پڑھے ہوئے تھے۔ غار سے بولنے کا بڑا شوق تھا۔ ماہ رمضان میں ایک روز ان پر روزہ رکھنے کی فرمائش کی گئی۔ دوسرے دن صبح کو دیکھا کہ آکا اپنے حجرے کے آگے بیٹھا گھومتا رہے ہیں اور بیٹے کا دم نگاہ ہے ہیں اور حجرہ میں سے گاؤں گاؤں کی آواز آرہی ہے۔ دو گونے لگا کہ آکا آج تو تم روزہ سے ہو۔ یہ جنگ کیوں کھٹ رہی ہے۔ فرمایا کہ کھائی چانچ میں نے سات کو نیت روزہ کی باندھی مگر میری سحری چنانچہ یہ کتنا کھا گیا۔ چنانچہ میں نے اس کو چھت پر لٹا دیا توں باندھ کر لٹا دیا کہ تو نے چنانچہ سحری کھائی تو ہی چنانچہ بندہ ہی رکھ۔ انھوں نے دہلی والے بچے مگر سے زندگی بسر کرتے تھے اور حق یہ ہے کہ بعد عالمگیر کے شہر دہلی میں کسی بادشاہ کے وقت میں ایسا بھیج اہل علم دہلی کمال کا نہ ہوا ہو گا۔ جیسے اب اگر بڑے وقت تھا جس طرح چار بجتے وقت بھوکا اٹھتا ہے دہلی میں اپنی آخری مددنی دے کر خاموش ہو گئی۔

**زمانہ غدر کے حالات** زمانہ غدر کے حالات ناقابل بیان ہیں۔ جب میرٹھ کی فوج شہر میں گھسی اور قلعہ اندونو انگریزوں کو مار کر شہر پرستہ ہونے تو فوجوں سے زیادہ خود سر اور بے باک تھے۔ حتیٰ کہ بادشاہ کو بھی بڑھنوی سلام لکھا کرتے تھے۔ امرا اور شہزادے گھر سے باہر نکلتا چھوڑ دیا تھا۔ انھوں نے فوج ابستہ زیادہ باخلاق تھے مگر وہ بھی یہ کہتے تھے کہ یہ چور ہے ہمارے قابو کے نہیں ہیں۔ اس فوج نے مرزا ابوبکر و مرزا منگل وغیرہ جو ان جوان خوب صورت، خوش و متع شاہزادوں کو اپنا انتر بنایا تھا۔ شاید اس خیال پر کہ عام جلدی ان کے ساتھ ہو جائے۔ ان پر چوں

لے تہمیر جنگ کا بہت مددگار تھا۔ ان دنوں شراب سے عام تک نفرت رکھتے تھے۔ سوائے ہزاروں شاہی مریدان یاں خدا میں جنہوں نے یہ زیادہ ضرر اقام کیا تھا۔ سرور اڑھی، موٹے و بھوین سب صفا چٹ نشہ میں پوریا ہو کر دم لگاتے تھے۔

و عشقوں کی گستاخوں سے پہنچنے کے خیال سے افسری قبول کر لی گو ایک روز بھی پہاڑی پرڑنے کو نہیں گئے۔

ایک دفعہ کافر کے والد مرحوم جو نہایت شریف و سفید بھروسے ہالی اکبری آنکھ، دراز قد، درزنی جسم کے آدمی تھے، کسی منوروی کام کے واسطے باہر نکلے دربروں سے فوٹا گرفتار کر لیا اور قلعہ میں لے گئے۔ اہل قرابت بھی کریں باندھ کر گڑ پان سر پر رکھ کر ہتھیا ر بند بادشاہ کے پاس پہنچے۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ میری کون منسا ہے۔ افسران فوج کے پاس جاؤ، افسر فوج نے جواب دیا کہ فوج کو قیدی ہو گیا ہے کہ اس فرنگی کو آپ صاحبوں نے اپنے گھر میں چھپا رکھا تھا بہت کچھ گوث نہرونی اور مرزا ابوبکر وغیرہ شاہزادگان تک فوت ہو چکی اور بالآخر پاسرو پر یہ نقدے لے گئے تو ان کو چھوڑا۔

**مرزا عباس بیگ** مرزا عباس بیگ کے حالات زندگی قابل بیان ہیں۔ وہ میرے والد مرحوم سے بڑے اور مرزا عاشر سے چھوٹے تھے۔ نہایت سین اور خوب صورت، کمال شریف و سفید جسم سا چھپے میں ڈھلا ہوا دروازہ

تند اور طاقت خداداد رکھتے تھے۔ جوانی میں جیاش طبع، رئیس مزاج اور اعجاب پرست تھے۔ اگرچہ پڑھنے لکھنے کا شوق کم تھا مگر عجیب ترائی کہ اس زمانہ میں ان کو انگریزی پڑھنے کا شوق ہوا اور اس قدر پڑھ لی کہ تحریر و تقریر کر سکتے تھے۔ فارسی میں مولیٰ یافت تھی اور مولیٰ سے ناواقف تھے۔ ماسٹر رام چند اس زمانہ میں میسائی ہو گئے تھے۔ مرزا بھی ان کے شاگرد ہو گئے۔ مرزا اگرچہ بہت جناب اور رئیس مزاج تھے مگر شہر کوئی تو ایک طرف شہر صبح بھی نہ پڑھ سکتے تھے۔ مرزا عباس بیگ نے انگریزی تحریر و تقریر کی یافت فی الجملہ حاصل کر لی تھی اور اپنی بلدیہ ہی کے واسطے میدان وسیع کی تلاش میں تھے۔ وہ مروجہ ان کو خوش قسمتی سے مل گیا یعنی ان کے حقیقی چچا مرزا افضل بیگ، مخاطب بہ جواد الدولہ وکیل مملکت بھڑنہ ضلع چنڈا ام اور واسطہ اس کے پاس کلکتہ بھی گئے۔ چونکہ کلکتہ میں اس امر کی بابت دشواریاں پیدا ہوئیں، انھوں نے اپنی طرف سے راجہ رام موہن رائے کو مخاطب کیا، انھیں مدد مانگے اور خود وہاں سے اپنے ساتھ ایک جٹان ماہ قمار لے کر واپس آئے مگر مذہبی نے وفاداری اور جلد انتہا کیا۔ یہ جوہر مرزا کے خُص و جمال پر حاشیہ ہوئی۔ اور وہ ان کے والد ماجد ان کی رفتار سے ناراض ہو گئے۔ یہ اسباب ہوئے کہ یہ اس وقت کو لے کر مکمل کھڑے ہوئے اور چھاپی ایک راجہ کے ہاں ملازم ہوئے۔ چونکہ قوی سیکل وجہ اور جیل تھے۔ راجہ نے ان کو کچھ مصاحبت خاص بھی رکھا۔ یہ امر دیگر مصاحبین کو شاق کر رہا اور راجہ سے مروجہ پاکر عرض کیا کہ آپ کی مہربانی مرزا کی طرف بہت راجح ہے۔ راجہ نے ایک شب ان کو خوب شراب پلائی اور رندہ کی حکم دیا کہ ان کے گھر سے میں جانے۔ مرزا نشے میں چور تھے مگر پھر اس کی ناک کاٹنے کے واسطے کھڑے ہو گئے۔ وہ رندہ جات نکلی۔ راجہ یہ سب تماشا خود دیکھ رہا تھا۔ اپنے بھائی بہن بہن خاں بہن اور مرزا کی شرافت کا معرفت ہو گیا مگر مرزا اس کو راجہ کے پاس لے کر لیا کہ خانہ آباد دولت زیادہ، آپ سے میرے ساتھ وہ کام کیا ہو کر رہیں اپنے ملازم کے ساتھ نہ کرنا۔ مگر چند اچھے ہندو مت کی گریہ تو کی پھر وہ کراہو چلے گئے اور کوٹوالی شہر مقدر ہو گئے۔

چچا مرحوم بیان کرتے ہیں کہ میں اس زمانہ میں اس قدر دشواریاں کا آٹھ آٹھ لے جی دھمڑا تھا اور بہت اندویش و غم میں تھی جس میں کرنا تھا مگر باوجود اس دوستی کے اہل خانہ ان میں پناہیت سے باہر تھا۔ مرزا نے وہ روز مرہ اور معمولی سا جہد و خوراک

کوئی دوسرا ان سے ملتا تھا۔ مگر اس وجہ کے جو اوپر بیان کی گئی۔ ایک وجہ بہت بڑی ہے جس کی کوئی مثال دنیا کی بدست  
خانہاں سے نکال گئی تھی اور جو عدم ثبوت و اختلاف اسناد سرکار میں مضبوط ہو گئی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنا مذہب تبدیل  
کیا اور مذہب تبدیل یہ بیان کرتے تھے کہ ایک شب انہوں نے خواب میں دیکھا کہ ایک چھینکے میں ایک سرسبز بریدہ رکھا ہوا ہے  
انسان سے کہتا ہے کہ تم اہل بیت علیہم السلام سے محبت رکھو۔ چنانچہ میں ایک فقیر نے ان کو ایک قتل دست خیم کے بننا  
اور ان کا قول قمار کا کل دینا دیکھا یا ان کو اس قتل کی بدست حاصل ہوتی تازا دانات یہ قتل وہ بعد نماز ظہر تک  
کرتے تھے۔

ایک مرتبہ میرے والد مرحوم اسی طرحی صاحب ان سے ملنے کے واسطے فیروز پور گئے ہوئے تھے کہ ایک دوسرا نانا اپنی  
پکری میں تھے اور والد مرحوم باہر دیوان خانہ میں مسائل دیاضیات حل کر رہے تھے کہ ایک عسائیہ ایک چھوڑی کو لایا اور کہ آپ  
اس چھوڑی کو لے لیجئے میں باہر جاتا ہوں۔ وہیں مذہبی مالہاؤں کا اپنی چھوڑی کو لے جاؤں گا۔ والد مرحوم نے مجھے کہنا یہ  
بھائی کا درست ہے جو اس طرح بے تکلف آیا۔ چھوڑی کو اٹھدنا میں مجبور ہوا۔ وہ شخص تو حل دیا مگر پوس کی دھڑائی بھی  
چھوڑی کو کھڑے گئے۔ ڈپٹی کسٹرن کو قلع کا خطر تھا۔ اس نے مقدمہ بردہ فروشی یا یوں کہو کہ نوڈی خریدنے کا مرزا پر قائم کر کے  
مصلحت کر دیا۔ چار مرحوم کہتے تھے کہ اس مقدمہ کا اس حد۔ طول ہوا کہ کل جمع دو بجی خراب ہو گئی اور ذہن فاقہ نشی کی پہلی ڈپٹی کسٹرن  
نے حادثہ گرفتاری جاری کر دیا۔

یہیں بدل کر اوٹ کر لیا کہ کے خان میں اتناں خیراں مات کر ستر کرتے ہوئے اور دن کو پھٹے ہوئے جنرل ایبٹ  
(۱۸۵۵ء) کے پاس اس وقت شب کو پہنچے کہ وہ مات کا کھانا کھا کر صبح اپنی زوجہ کے قہر وغیرہ پلے رہا تھا۔ مرزا سفاوت سے  
گود کر جس کر میں روشنی ابھی رہا کا زور دہا کہ وہ دھکا دیا اور مائدہ شمس گئے۔ عیسیم بیچارہ تو اٹے کے کے بیروں ہو گئی۔ جنرل فرما  
چھپنے کے کہ ان کی طرف رجھا۔ خلاصہ اس کہ بعد جان پہچان شناخت نام دشمنی جنرل نے کل حالی سنا اور دونوں ایک ایک چھپنے  
لے کر ڈاک گاڑی میں جانب لاہور معاذ ہوئے۔ راستہ فیروہا جنت سے گورا۔ لاہور پہنچ کر جنرل سید جان کو سرسہری کے پاس  
لے گیا۔ سرسہری (۱۸۵۸ء) اپنی پکری میں تھا۔ مرزا نے کہا۔ یہاں مجھ کو پوس پر لے گی۔ جنرل نے کہا تم فرما چھپنے مار دینا  
یہ کہ کہ وہ خود تو سرسہری کے پاس گیا۔ مرزا گاڑی میں دودانہ بند بیٹھے رہے۔ خود ڈی ویر بعد جنرل صاحب آیا اور مرزا سے کہا  
پوس سے مت ڈرنا اور میرے ساتھ چلو۔ سرسہری نے جیایا ہے۔ الغرض سرسہری نے شکایت کی کہ تم ہمارے پاس کہیں  
نہیں آیا ہو خان گیا۔ اور تمام حال میں کمارنٹ کی غرضی کا حکم جاری کر دیا اور پہلی صاحب کے حکم بند بہت میں خدمت عطا  
کر دی۔ بعد ملک اور وہیں وہ سرسہری کے ساتھ چلے آئے۔ ایام قدر میں طاہر کے تحصیلدار تھے۔ اسیوں نے تحصیل پر چوکیا  
تو انہوں نے کمال جو انڈوی خزانہ کو پکا کر جنرل اور رام کے پاس معاذ کر دیا اور خود پایا وہ جیس بدل کر جنگل جنگل چھپتے  
ہوئے جگمگام پہنچے۔ اہل جگمگام نے ان کو اپنے ان پر شہید رکھا۔ یہاں پہلے گرا انہوں نے انگریز حکام سے خود دانات ترموع  
کر دی اور باغیوں کی حرکات و سکنات سے اطلاع دیتے رہے۔ پھر فرخ آباد بھیجے گئے۔ یہاں جی ایک حبیب دھندہ ہوا

یعنی فواب غزع آباد کے اسباب غبط شدہ میں ایک تنواگم ہو گئی جس کا قبضہ اور میان کئی لاکھ لاکھ گراں قیمت تھا چننا گریز مسلمان کی پڑتال کو نہ کو مقرر تھے۔ اس میں سے ایک انگریز نے جس کا نام قبول کیا۔ مرزا سے کلام تم اس کا ذرہ دار ہے۔ مرزا نے فوراً چننا اس پر جھجک دیا۔ ننذری صاحب نے کمال تعجب مرزا کے اقد پر لفظ مارا۔ گولی زمین پر گری۔ یہ نال پکڑ کر کندی سے اس کا سر چھوڑنے کو پہلے۔ انگریزوں نے ان کو پکڑ لیا اور اس انگریز کو دوسرے کمرہ میں کر دیا۔

غزع آباد سے یہ سینا پور میں ڈپٹی کلکٹر درجہ اول باموار شش صد روپیہ مقرر ہوئے  
**قائمی مجلس تعلقہ داران اودھ** اور جاگیر راکاؤں انعام میں ان کو عطا ہوئی۔ کھنڈ میں جب ان کا قیام ہوا تو جنرل ایل بیرد چیف کشر یعنی امیر ملک اودھ اور ہمارا جہان سنگھ قائم جنگ صدر الصد و تعلقہ داران اودھ تھے۔ ان تینوں کی رائے سے کیننگ کالج اور دنگل تعلیم کا مہیاں تعلقہ داران موسوم بہ دارالسنی ٹیوشن قائم ہوا۔ مگر بڑا کام ان سے یہ ہوا کہ جس تعلقہ داران اودھ قائم کی گئی جس کے صدر و کرسی نشین ہمارا جہان سنگھ قائم جنگ قرار پائے اور باوجود کھانا بنج معتمدی پکڑ کر نامزد ہوئے جب مرزا نے وظیفہ معنی پنشن لی تو جہاں باوجود کھانا بنج یہ خود پکڑ کر بیٹے گئے۔ یہاں پر بھی ایک واقعہ قابل تحریر کر رہے ہیں کالج قائم ہونے وقت تعلقہ داران کا ایک جلسہ شوری منعقد ہوا جس کے صدر جانیشین خود کشر اودھ اور نائب الصد ہمارا جہاں اور معتمد مرزا تھے۔ اس جلسہ میں ابتدائی امور طے ہوئے۔ مگر ان کے اس امر پر بھی بحث ہوئی کہ مدرسہ قرار پائے یا کالج اور ابتدا ہیڈ ماسٹر مقرر ہو یا پرنسپل۔ ہمارا جہاں کے رائے اتفاق راجہ قمل حسین خاں وغیرہ تعلقہ داران حاضرین یہی کہ ابتدا میں زیادہ فضا ماننا سب سے لہذا ہیڈ ماسٹر مقرر کیا جائے۔ جنرل بیرد اور مرزا نے رائے پرنسپل کی دی۔ ہمارا جہاں نے رائے طنز کیا کہ میں مرزا صاحب آپ کے بچے اس میں پڑھتے ہیں۔ اس واسطے آپ نے رائے دی ہے۔ مرزا کو ناک پہ کھنی نہ بیٹھے دیتے تھے یکایک جلسے سے باہر ہو گئے اور جواب دیا کہ ”تو ایک دعوتی بند سورا سکر ہوئے والا تو معاملہ تعلیم و تربیت کو کیا کہے؟ ہمارا جہاں اس مرتبہ کے آدمی تھے کہ تمام تعلقہ داران اودھ کیا ہند کیا مسلمان ہمارا جہاں کو جا کرتے تھے۔ یہ اعلیٰ کرسی کو رنگ روئے اور جنرل بیرد نے انگریزی میں بات شدہ کہا کہ مرزا کیپ یور پلر (KEEP YOUR TEMPER) یعنی اپنے مزاج کو تاباں رہو۔ یہ سن کر حضرت نے کل کا فذاں جنرل کے سامنے پھینک دینا اور یہ کہہ کر کہ آپ دوسرا معتمد بنائے۔ کرسی پر سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ جلسہ درجہ برہم ہو گیا۔ مرزا اس ہی حالت غیظ و غضب میں گھر واپس گئے اور امیر خاں دارودہ پر غصہ آتا ہے ہوئے اند کو شعی میں چلے گئے۔ یہ پکڑے اتار ہی ہے تھے کہ سامنے سے ہمارا جہاں کی سواری نمودار ہوئی جس نے وعدہ کر چکا کو اطلاع دی وہ اسی طرح صحت کرتے پچھے باہر چلے آئے۔ جب طرح کی ملاقات ہوئی۔ مرزا تو آدم و شرمندہ صورت سر جھکانے ہوئے بیٹھے رہے۔ ہمارا جہاں ایک درخت کے بعد متہم کناں گویا ہونے کو مرزا صاحب! میں ایک امر خاص کی بابت آپ کا شکریہ ادا کرنے آیا ہوں۔ مرزا نے کہا: ہمارا جہاں اب آپ زیادہ مجھ کو شرمندہ نہ کیجئے۔ میں ایک جاہل مزاج سپاہی پیشیا آدمی ہوں۔ مجھ سے آج نہایت جاہلانہ خطا سرزد ہوئی جس کی میں معافی مانگا ہوں۔ ہمارا جہاں نے مرزا کو دھمکایا: نہیں مرزا صاحب میں معتمد کہتا ہوں کہ میں واقعی آپ کا شکریہ ادا کرنے آیا ہوں اس واسطے

کہاں تعلق دادوں نے حضرت علامہ حاج ذبیحہ القاب سے کہ مجھ کو بلا استحقاق واجب التحقیم بنا دیا تھا۔ آج آپ نے مجھ کو بے یار کیا۔

سفر حیدرآباد دکن میں پہلے تحریر کر چکا ہوں کہ مدرسہ کی تعلیم دہدی گتا ہوں پر میرا دل نہیں گھٹا تھا۔ مجھ کو خود حیرت سفر حیدرآباد دکن ہے کہ میں نے انٹرنش کا امتحان مجددہ اول کیونکر پاس کیا۔ بہر حال فرسٹ آرٹس کے امتحان میں نالاہیاب۔ ہاں اسکالرشپ سے ایسا ہر دانشمند غافل ہو گیا کہ بارہم امتحان دینے کے واسطے کسی طرح دل نہ چاہا اور نہ دیکھیے کہ برقی کیمیا جو ہم پر اپنا جوہر ڈالنا چاہیے۔ اتفاقاً مجھ میں اندر میری جی میں بے سزگی بھی پیدا ہو گئی اور میں نے کسی طرف تلاش دوز گار نہ کی بلکہ کاغذ مصمم کر دیا۔ یہی زمین صاحب بھگوانی نے میرے اس خیال کی تائید کی۔ خلاصہ یہ کہ چار حرم نے بھی مجھ کو اہانت عطا فرمادی اور بالآخر حیدرآباد دکن کا سفر جو جہ چند قرار پایا۔

حیدرآباد کے قصد سے قبل ایک عجیب واقعہ ہوا جس میں جب کالج سے گھر آیا تو ایک برہمن مغلوں کے محل میں دوا نہ پر کھڑا ہوا تھا۔ برقی جل میں دلی ہوئی تھی۔ اس کے سوال پر میں نے کہا کہ کیوں جھوٹی باتیں بنا کر حرام کھاتا ہے۔ کہیں زکری کئے ابھی تو جہان ندرت ہے۔ اس نے جھٹکا کر کہا۔ میں نے ذرا میٹھا جاؤ اور اپنا ہاتھ دکھاؤ۔ میں بھی جھٹکا گیا۔ اس نے اول ہاتھ دیکھا اور بعد پوچھی خوب بچارہ کر بولا کہ نکل دیں تم دکن مدعا ہو جاؤ گے۔ میں جس پڑا اور کہا کہ دو جاؤ اور اپنا راستہ لو۔ پوچھا کہ برقی کا حال معلوم ہو گیا۔ اس نے کہا کہ میں نکل دیں میں پھر لوں گا۔ اگر تم یہاں رہے تو تمہارے سامنے میں برقی کو پیسک دوں گا۔ دہ پلٹے وقت کسی کو جو تمہارا جی پا ہے میرے واسطے دیتے جانا۔ انہیں سے کہ پلٹتے وقت کچھ بھیج دینا قبول کیا اور واقعی اسی دن روانہ ہوا۔

جہاں صاحب نے پلٹتے وقت ایک خط مجھ کو دیا تھا اس کے مفاد پر لکھا ہوا تھا۔ بلکہ حیدرآباد محلہ مستعد پر دوا نزد برادر حکیم علی رضا برسد۔ میں سیدھا دوا یافت کرتا ہوا مستعد پورے پہنچا اور حکیم صاحب کے دروازے پر آواز دی ایک فوجی، گندم رنگ میاں تھوٹا نکلے ہاتھ سے جوئے کالا سا دوا مال سر پر پہنچے جوئے باہر نکلے۔ بعد سلام علیک کے دوا خط میں نے ان کو دیا۔ انہوں نے خط پڑھ کر کہا کہ جانی صاحب سید علی رضا کاؤں گئے ہوتے ہیں۔ میں محمد صادق کا ہوا خورد ہوں۔ حال مکان سکونہ خالی ہے۔ آپ تشریف لائیے۔ ابتر ان کے آنے کے بعد دوسرے مکان کی نگر کی جانے لگی میں مکان مذکور اس کو قیمت لکھا اور اس مکان میں اتر پڑا۔ کھنوسے چل کر میں حیدرآباد دوا دس ماہ بعد پہنچا۔ مئی ۱۹۳۵ء میں حضرت خیر زادہ ادریشیہ کے انتقال میں حیدرآباد پہنچا۔

کوشش برائے باریابی و ربابہ وزارت  
اس زمانہ میں فرما دین شاہ قادری ساکن پنجاب و شاہ دکن کے پیرو مشہور تھے اور شاہ دکن کو جس میں اس قدر اعتقاد ان شاہ صاحب سے تھا کہ زور و جہاں نوکر سے جہر شاہ صاحب کو بھیجا کرتے تھے اور مشہور تھا کہ ایک بار اپنا خاص اہل حق میں زندہ عماری صاحب کو بھلا گیا۔ وزیر خزانہ ملک نے شاہ صاحب کو اطلاع دی کہ ہم زور و عماری کے نوکر ہیں آپ کے سلام کو

حاضر ہوتے ہیں۔ شاہ صاحب نے باقی عاری فوراً واپس کر دی۔ اس میں ذیشان کے جہد میں ہر قسم کے نفراء شرم میں کثرت  
وجود جو گئے تھے۔ شاہ ولی شاہ لہر کی شاہ اور اسی طرح کے عجیب و غریب مصحف اسما کے نفراء بے فکری سے پیش کر رہے  
تھے اور ان کی طرف سے وکلاء ڈیوڑھی مبارک میں حاضر رہتے تھے اور یہ وکلاء امیر دولت مند بن گئے مگر سب سے زیادہ  
رئیس حضرت نور الدین شاہ قادری کو تھا۔ حضرت کا سن شریف اسی سے زیادہ تجاوز کر گیا تھا۔

میں نے دو تین روز تو سفر کی تکان کے باعث آرام لیا۔ بعد اُنھیں کیڑے ہیں کر مضر وغیرہ لگا کر طعنان کے ساتھ  
کنداسامی کے پاس پہنچا۔ شخص ابتداً ٹھکرتا تھا اور توڑ کا لٹکا، دراز قد، سیاہ رنگ، کہ مٹی بھی اُسے لکھ کر  
شرا جاتے۔ مرنے مرنے ہونٹ ابھے بے کان اس میں بھونے بھونے پھٹے پڑے ہوئے۔ مصحف صورت، کج رخ، غفار  
مکرور، بات پر میر صاحب خاص تھا۔ وہ یہ بھی کہ اس پر صاحب عالیشان یعنی رزیدنٹ کی خاص توجہ مبذول تھی اور وزیر اعظم  
لوحی ایسے شخص انگریزی داں کی ضرورت تھی کہ جس میں زیادہ قابلیت اور بندہ حوصلگی اور سازش و نسلط بیانی کا مادہ نہ ہوا  
ماہین رزیدنٹ اور دارالہمام سیدھی ملوی وکالت کرے اور خود غرضی و ذاتی نفع کی تدابیر نہ سوجھے۔

کنداسامی انگریزی سے بقدر ضرورت واقف اردو و فارسی و عربی سے بے بہرہ، ٹنگی وغیرہ اسلندہ کن میں مشاق تھا  
بدصورت ایسا کہ شام کو سامنے آجئے تو رسم بھی توڑ جائے مگر رزیدنٹ کا لاڈ لاختار الملک کا بکا رآمد تھا، انفرم صبح کے  
وقت پایادہ ان کے قصر عالی شان کا پڑ پڑ چھتا ہوا ان کی خدمت میں پہنچا، واقعی مکان ان کا قصر عالیشان تھا۔ نہایت  
سرسبز و شاداب باغ، اس میں اپنی کرسی کی دو سبز، لکڑی فرش فروش میز کرسی سے آراستہ، شیش آلات سے چمکتی ہوئی  
بہت چمکتے، گھوڑے سیر حیوں کے پاس جمع جس سے معلوم ہوا کہ یہی وقت ان کے دربار کا ہے۔ میں بھی بلا پرسش اور  
چڑھ گیا۔ ایک کمرے میں ایک کوئی پروردت ماجہ کنداسامی شل نہاد پر جلوہ فرماتے اور بدبو کرسیوں پر ابل دربار ٹنگن تھے  
میں بھی مٹھے پر ہاتھ رکھ کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ پوچھا آپ کہاں سے آئے ہیں۔ میں نے ان کو کچھ عام حرم کا خط ان کے ہاتھ  
رکھ دیا اور عرض کیا کہ میں ایک خط نواب صاحب کے نام بھی لایا ہوں۔ فرمایا کہ کسی موقع پر میں آپ کا ذکر کروں گا مگر نواب  
کو آج کل فرصت بہت کم ہے۔ میں ان کا سوکھا سا کھاجا بھن کر مایوسانہ واپس چلا آیا مگر بغضہ عشرہ میں کئی بار ان کا  
دربار جاری کرتا رہا۔

ایک روز دیوان خانہ میں فال دیکھی۔ یہ شعر برآمد ہوا ہے

گر دیوان غزل صد شینم چہ عجب

سالمہ بندی صاحب دیوان کردم

اس شعر کو پڑھ کر ذرا دل کو تسکین ہوئی۔ میں اکثر بعد نماز عصر مکان کے دروازے کے باہر ایک بچہ پر ہم راہ جا بیٹھا  
کرتا تھا۔ اس وقت تھک کی حالت سے ایک بزرگ ٹنگی بند ایک ڈنڈا ہاتھ میں لئے ہوئے کودتے، اچھلتے، دھکی چال شکر کھڑ  
بایا کرتے تھے اور بہت جلد پانے پل سے سینہ می شراب میں سرشار زباں نکلتی ہوئی واپس آتے تھے۔ کسی بات چیت و کثر

تھے۔ اور وہ کسی سے مدد پر چہرہ قبول کرتے تھے۔ مرکز کے دروں کی طرح اُن کے جڑ میں دھنچکی۔ ایک دی جو وہ چلی تھے وہاں سے تو سید سے میری حوت کئے اور براحتہ چھین کر ایک جامہ لگایا اور آسان کی طرف دھواں پھیلتے ہوئے کوڑے بجھتے جڑوں کی طرف سے اُن کے ہاتھ لگے۔ میں نے اُدکا کو آواز دے کر حق کی مثال دھلائی۔ جب اُنہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا تو میں نے اندر دروازہ کے نشست اختیار کی۔ وہ دروازہ کے اندر بھی گھس گئے اور حق چھین کر معمولی دم لگا کر میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولے کہ تم کو بلا ہے، اور تو نہیں جانتا۔ یہ کہتے ہوئے وہ تو چل دیئے۔ میں نے دروازہ کے اندر باہر چھا دیا کوئی نہ تھا۔ دوسرے روز بھی یہی اتفاق ہوا۔ اس شب کو میں از مد فکر نہ تھا۔ آخر میں نے حضرت حافظ سے مشورہ لیا۔ یہ شعر نکلا۔

دو چو حافظا نرم رہ زیباں بیوں ہجرہ کو کہ آصف دُورماں بردم  
اس کو پڑھ کر اس قدر بہت ہوئی کہ میں نے محنت آزمائی کا قسم یادہ کر لیا۔ نکلے ہوئے جاڑے تھے۔ علی الصباح کوئی چار بجے اُٹھ کر نہایا اور ناز پڑھ کر کپڑے بچنے۔ چڑھی بانڈی، سرکسی اور سے مغز چوفا پٹنا یا دو پر سوار ہوا (گھڑا) بچ ڈالا تھا، جڑوں ہی دروازہ سے نکلا، نمرانی بھاڑ دیتی ہوئی دکھائی دی۔ دل اور مضبوط ہوا۔ قبل طلوع آفتاب دو دنات پر پہنچ گیا اور بے ساختہ اندر گھس گیا۔ پہرہ دار نے لہجہ کو دھکا۔ سلسلے والا دکھائی دیا۔ میں وہاں پہنچا، الاں کے مائٹا میں چند رنگ ملے باندھے ہوئے تھے کام لگا رہے تھے۔ میں بھی اُس طبقہ میں ادا کروں بیٹھ گیا۔ حق گردش کرنا ہوا میری طرف بھی آیا۔ میں نے جی دم لگایا۔ اس وقت میرے نزدیک ہم نشین نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کون ہیں، میں نے اپنا قصہ دیا۔ کیا۔ اُس پچھلے مائٹا نے اب لہجہ کو فور سے دیکھا اور کہا تعجب ہے کہ آپ کو کسی نے نہیں دھکا اور یہ کونسا وقت ملاقات یا سلام کا ہے۔ ہم لوگ کہ پیر سے کے سارا ہیں۔ اس وقت ذرا روشنی زیادہ ہو جائے تو وہ دیکھو اور پردہ پڑا ہوا ہے۔ نواب صاحب ہمارا سلام لے لیں گے۔ میری دانے یہ ہے کہ آپ ہٹ جائیں بلکہ اس وقت آپ چلے جائیں اور کسی وقت آکر کوشش کیجئے۔ میں وہاں سے اُٹھ آیا ادب روشنی بھی خامی ہو گئی۔ اتنے میں ایک شخص دستار دہ کر بتہ ہجرے میں سے نکلا۔ لہجہ کو دیکھ کر ترش روئی لگا کہ تم کون ہو اور اس وقت یہاں کیوں آئے ہو۔ میں نے کہا کہ میں فرسٹ اسٹینٹ ورنیٹ کا فرستادہ ہوں۔ اس نے تعجب سے کہا کہ یہ کس کا نام ہے اور کہہ کر پردہ کے درپردہ جا کھڑا ہوا۔ وہ سب سارا بھی اُٹھ کر کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ شاید نواب کو پر باد ہوئے ہوں گے۔ میں ایک ستون کی آڑ میں کھڑا ہو گیا۔ اس دم میں کئی چو جا رہی تھیں اُنکے اور لہجہ کو خوب گھوما۔ اس سوار مذکورہ بالہ نے میرے پاس آکر دوستی کی راہ سے کہا کہ آپ یہاں سے چلے جائیں۔ ورنہ یہ چوب دار آپ کو جبریاں سے نکل دیں گے یا کچھ دھڑ کر لیجئے کھڑا رہنے دیں۔ میں نے اُس سے کہا کہ تم ایک چوب دار کو میرے پاس لے آؤ۔ اضر عرض چو جا رہے جو ایک کلہاڑ مدد پر محسوس کیا۔ لہجہ سے کہا کہ نہ یہ وقت سلام کا ہے نہ یہ وقت باریابی کا ہے۔ آپ یہاں تشریف لاکر بیٹھ جائیں۔ جہاں سے حق محمد آتے ہیں۔ شاید وہ کوئی مشورہ آپ کو دیں۔ باریابی کے واسطے تو بہت دست و پیر در کا ہے۔ میں اس ملاقی میں ایک طرف بیٹھ گیا اور دو گوں کی آمد و رفت کا تماشا

دیکھتا رہا۔ بڑی دیر بعد میری دو چار میر سے ملنے آیا اور کہا کہ بغیر محمد تو آج تشریف نہیں لانے کے بیٹے آئے ہیں۔ آپ کی مل بیٹے۔ انصرض میں ان سے ملے اور فرید صاحب کا خاؤن کو دکھایا۔ وہ ترش رو ہو کر بولے کہ ہم چتہ رساں نہیں ہیں۔ آپ کی وصل جاتی رہی ہے۔ کسی اہل دہ بار کا ذریعہ ڈھونڈ لیے۔ میں نے کہا کہ اگر آپ یہ خط پہنچا دیں تو میں آپ کی خدمت کرنے کو موجود ہوں۔ یہ سنی کا چیلے پر سے اوپر چھا کر کیا دے گئے۔ میں نے پیاس کا نام دیا۔ وہ خالے کر کھڑے ہو گئے اور کہا۔ بیٹھے ہیں ابھی آتا ہوں۔ یہ کہ کر اوپر چلے گئے۔ میں کوئی دوس نکے تک ان کا منتظر رہا۔ بالآخر میں نے اُسی چوہدار سے کہا یعنی وغیرہ صاحب کہاں چلے گئے۔ کچھ تو خبر لاؤ میں دس روپیہ تمہاری بھی ذکر کروں گا۔ دو بیٹیں کر اوپر پہنچا اور وغیرہ صاحب کو پکڑ لایا۔ انھوں نے کہا کہ آپ کا خط نواب صاحب نے پڑھ کر آپ کو ایک بکے حاضر ہونے کا حکم دیا ہے۔ لائے میرے روپے۔ میں نے کہا کہ پھر گھٹی تک چلیے پڑ پڑ مروج دیں۔ کہا کہ اسی چوہدار کو لے جائیں۔ انصرض میں دیم بخش کی دوکان پر آیا۔ کہا کہ پیاس روپیہ فراہم جہاں سے بے فوراً لاؤ۔ وہ رقم لے آیا۔ اُسی چوہدار سے اپنا تعاضد کیا۔ میں نے کہا کہ ایک بکے پھر آتا ہوں۔ اُس نے کہا کہ وہ خدمت دوسری ہوگی۔ میں نے کہا میں یہ اور وہ دونوں یاد رکھوں گا۔ وہ خوش خوش روز بچا۔ میں نے بازار سے منٹا کر کچھ کھالیا اور ایک بکے تک اسی دوکان پر بعد ازاں اعلان اس کے امداد وقت کے جوس کا قاشا کھیتا رہا۔ ایک بکے پھر اُسی دکان میں پہنچا۔ وہ چوہدار وغیرہ صاحب کو پکڑ لایا۔ میں ان کے ساتھ آکر گیا۔ کرہ صاف فرس درج پانڈی سے آراستہ تھا۔ اور ایک مسند صند مقام پر بھی ہوئی تھی مگر مسند پوش ڈا ہوا تھا۔ اس کمرے سے وہ دوسرے کمرے میں لے گیا۔ وہاں چند لوگ منتظر باہر بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ کو بھی وہاں بٹھا دیا اور خود ایک اور اندر کے کمرے میں چھو گیا اور فوراً واپس آکر کہا کہ چلو یا دفرمایا ہے۔ جوں ہی میں کمرے کے اندر گیا۔ سامنے چند قدم کے فاصلہ پر مسند بھی ہوئی تھی اور نواب صاحب کمال شان و شوکت مسند آرائے نشست حالت میں قد بلند بالا چوٹا سینہ گورا رنگ جاسوہ اور کی شیر والی درہنگلاہ زریں برسر بہت سے کاغذ مسند کے پاس اور کی کاغذ اور منسل ہاتھ میں لئے بیٹھے تھے کہ چوہدار نے آواز دی۔ آداب بجا لاؤ۔ ادب سے قاعدہ سے۔ میں فوراً جھک گیا اور ہندوستان آداب بجا لایا۔ چوہدار میرا ہاتھ پکڑ کر مسند تک لے گیا۔ میں نے پانچ روپیہ بد مال پر کچھ نذر گزرائی، بجنہ پیشانی مدبریاٹھالیے اور حکم چیلے گا دیا۔ ہاتھ کے کاغذ ایک جوت رکھ دیئے اور مخاطب ہو کر میرا نام و نشان وغیرہ دریاٹ فرمایا۔ میں نے اُٹھ کر مسند مروج کا خط پیش کر دیا۔ اُس کو پڑھ کر ایک نظر مرانی کی کچھ پڑائی اور پوچھا کہ کب سے آپ یہاں آئے ہیں۔ میرا بیان سن کر فرمایا۔ کیوں آپ نے دیر لگائی۔ میرے دوبار میں کسی کو ممانعت نہیں ہے۔ خیر آپ بے تکلف آئے رہیئے۔ اس کے بعد چاروں کے حالات اور میری بیات کی بابت معاللات کہتے رہے۔ کوئی دس پندرہ منٹ گفتگو رہی۔ چھ پروردار نے حضور دان میر سے

لے، پریم و مجرمانے عظام کی خلعتیں میری ذاتی اویہ اشاہ برناست کا تھا۔ شمس لامراد امیر کبر عیۃ الملک کی خلعت میں برناست کا اشارہ صفت مسند کے پہلو کے نیچے بٹھاتے۔ میر کر شمس لامراد مشیدالہدی خاں دتار لامراد کے دان کوئی اشارہ ختم خلعت نہ تھا۔ دہ بار شاہی میں ابھی صرف مسند کے نیچے بٹھ جاتے تھے۔ ابتر مذہب کسے دہار میں ایک کشک کشک میں پان ار اور صحت کشک کشک ہوتی تھی۔ مذہبٹ اداس کے ہوا صاحبان اگر چہ کوئی جاتی تھی۔ یہ علامت برناست کی تھی۔



ملنے لگا۔ میں نے کمر بکھڑا کر کھڑے پاؤں کو سنے کے باہر خوش خوش گل کیا۔ میان وغیرہ صاحب نے کتاب آپ کی بارگاہی حال سے میں بہت گھبرایا۔ اس نے کہا کہ بیان سلام دے گا وہی مقرر ہے۔ آپ کے واسطے گزارشاد نہیں ہوا۔ میں نے پچاس کا وہ آئینہ لکھا۔ وہ اندر پہنچا اور وہیں آکر کہا کہ آپ کے واسطے چار شہنشاہ کا وہ آئینہ ہے جس کا وقت مقرر ہوا اور کہ مبارکباد دی کہ وہ امر اور ہندوستان عالی کی ڈیوٹی سے تسلی رکھتے ہیں۔ ان کے ساتھ آپ کا سلام مقرر ہوا۔

اس وقت قراب قمار الملک شجاع الدولہ سالار جنگ میر تواب علی گاہ مختصر حالات امراء و اہلکاران ریاست ہند کی حکومت اپنی بارگاہی۔ اوقات شریف ان کے رہتے کہ حاجی و غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر صبح کی نماز پڑھتے اور خدمت گار، شاگرد پیشہ اور پیرہ دار اور درگاہی نشست کا حکم اس طرح پیتے کہ خود اور پرآہد ہوتے اور پیچہ والوں میں حاضر باش صفا بستہ کھڑے ہوتے۔ پردہ آٹھتے ہی چوب دارا نماز دیتے یہ سب رنگ جھک جاتے اور یہی تسلیات بجالاتے۔ وہاں سے خانہ باغ میں آتے۔ یہ سرخان وغیرہ چاک ساراں چند گشت خاص کے اور چند کوئی نئے ہونے حاضر رہتے۔ اس وقت صرف مخصوص صاحبین دستار و کمر بستہ ہونے لگے۔ دکنی چیمبر کے آگے کے اور مداحی ابھی پہنچے ہونے موجود رہتے۔ کبھی کبھی پردہ صاحب زندگان بھی کمر کاب ہوتے اور اگر منت و امیدار کسی صاحب کے ذریعے سے پہنچ جاتا تو اس کی مرضی بھی ملے جیتے اور گاہ گاہ شکر کے باہر سرور و گرو فیو کی جانب بھی جاتے۔ بہر حال مسخ نکلے جاتے تھیں۔ یہی مندر پر عبور از روز ہوتا۔ باس نہایت سادہ، ٹخنوں سے اوچی، گھٹنوں سے نیچی مختلف رنگ کی جاہر مار کی شوالی وہ پیری زبیر اور گھڑی۔ زیب صد کلاہ ندی، جھک بنامانی یا کمر بندی برسر، پانچا مریشتر سینہ اگر شہ کلاہ آگے جھکا ہوا اور نہایت کشیدہ سینہ ہونے سے تر شاہید، ڈاڑھی موٹی بھٹی، موچہ بڑھی ہوئی، نہایت صاف گندی رنگ، چرو پر کمال و بھر مدنی و صبر حکومت۔ باہر جاتے ہوئے یا میڈیٹنٹ یا دیگر امراء کے ہمراہ جاتے وقت دستار و نہایت برسر ڈیوٹی مبارک تانہ شاہی حاضر ہوتے وقت چاندیمہ دوبرا گھڑی و شاگ و انگریزی و منج سے گریزاں۔ اہل دربار سب کے سب دکنی پر شاکیا ہند کی بنا ہندوستانی طرز میں شیر دانیان پہنے ہوئے اپنے اوقات و ایام مقررہ پر حاضر۔ سلام کا طریقہ یہ کہ سلام کے واسطے طہنہ و تہات میں کمر مقرر اور صبح سے رات کے بارہ بجے تک سلام و عہد راجی فوج و اہلکاران و دہان و منصب داران و امید داران و فضل و کرم و خوش باشان ہندو طرز میں طہنہ و اختراع مقررہ دن اور مقررہ اوقات پر حاضر رہتے تھے۔ خلاف مذکور خطاب وقت اگر کوئی آتا تو یہاں غیر کمر کو بارگاہ نہ ہونے دیتے۔ انتظام ریاست میں اس مندر بہرے چند اصول کی پابندی کو اپنے طور پر لازم کر دیتا تھا۔

اسلامی امور پر شاہ کوئی یورپی یا نیم یورپی حکم ریاست سے لوانا نہ دیتے تھے۔ بارگاہ نہ ہونے پاسے۔ لہذا اہل ایسے طرز میں اس کے اضرب فوج ننگے سر کھد بہت تھکتے آتا کہ بارگاہ بہت تھکتے تھے کہ ہر یورپی و ہندو یورپی نہ سکتا تھا کہ کمر سے حوض سرور کی کہ پدا ہانا تھا اور نہ ذات پناہ ان کے کسی انگریزی میں گھنڈ نہ کرتے تھے۔ خزانے کے انگریزی بہت

میں ملے ڈنٹ نہ بدست رہتا ہے اور اُنہوں میں اُس پر حاوی رہتا ہوں۔ جب سے میں نے یہ سنا۔ میں خود بھی انگریزوں سے اُنڈ  
میں ٹھنک کر کیا کتابوں اور صاحبان انگریز بھی میری نیچی واڑھی اور قدیم وضع پوشاک لباس دیکھ کر کھج کو انگریزی داں نہیں سمجھتے بلکہ مغر  
کلی میر محبوب علی خاں کو جس میں نے یہ نصیحت کی تھی اور یہی مشورہ دیا تھا کہ ہر اہم معاملہ میں صرف یہ ارشاد فرما دیا کریں کہ ”بادولت و اقبال  
اس امر پر خود کر کے تم کو تحریر اظہار دیں گے۔“

یہ عجیب بات ہے کہ کل حیدر آباد چر ہندو پر مسلمان فطرتا اپنے آقا کے ولی نعمت پر حاضر و غائب جان نثار کرنے کو رُو  
تھے۔ مگر اب خدا اور رسول کے اپنے نام کی پوجا کرتے تھے اور امر اور ملامت میں، ہندو تو اپنا دوتا اوتار سمجھتے تھے کسی پر کیا  
مدد ملی، پارسی، انگریز، ہندوستانی کی مجال نہ تھی کہ بے ادب از اسم مبارک اعلیٰ حضرت زبان پر لاسکے۔

یہ مختصر حالات تو امرائے وقت کے تھے اب جلدہ اور اہل جلدہ کے حالات بھی بدینہ ناظرین کے غالی از لطف نہیں  
ہیں۔ کل شہر شاہ راہ و گلیاں بجز پتھر گشتی تاحسدر دروازہ دیوڑھی مبارک چڑھے چڑھے سنگ خاراسے سنگ بستہ قاف  
گلیاں تنگ اور نہایت گندی حالت میں تھیں۔ حتیٰ کہ وہ گلی جو گاڑی خانہ، شاہی کوجانی علی موسوم بہ ”نمرتزی“ گلی تھی۔ صرف صد  
دروازہ دیوڑھی سے لے کر تا دیوڑھی دیوانی دروازہ چادر کھاٹ پتھر سڑک گھوڑا گاڑی کے قابل تھی۔ شہر کی گدی کی بابت  
حکایت مشہور تھی کہ وزارت پناہنے انتظام صفائی شہر کرنا چاہا مگر مخالفین وزارت نے جس میں نام مولوی محمود اکبر علی شہر کیب  
تھا اور جو اب وقاما لاراشید الدین خاں کی زبردست پناہ میں تھے۔ حضرت افضل الدین دلائی آرام گاہ سے عرض کیا کہ یہ  
دیوانی تنگ حرام جلدہ کے مانتے اس نیت سے صاف کرنا ہے کہ انگریزوں کی آمد و رفت اندرون جلدہ جاری ہو جائے۔

نہ یہ عجیب باتیں نے دیکھی کہ ہندو مسلمان شہر و شکر شے تھے۔ جتنے آدمی صلیع ہندو ہر ملاقات ویرانی دپانے گا، صرف غلطی و نام  
میں جمعہ آئے جلدہ و صاحب دہائیات پر سروراز تھے۔ اسی طرح سلاخی صلی ملاقات میں کاری و دیکر لے لے ہندو شہر راہ شیوراج وغیرہ میں ملازم تھے اور  
ہندو کے تہادوں اور سلاخیوں کی حیدوں و دیوڑھی باہم مطلق شرکت کرتے تھے۔ خود کھج کو بھی پاندی ان واسم کی کرنی پڑی تھی۔ مگر راہ زہر  
جب مسند وزارت پر تھیں جوئے قویہ ہم کھج کو بھی لدا کیلے پڑے اور بعض امرائے ہندو تو خود دینا لای عالی حضور پر نور سے برابری کا دعویٰ رکھتے  
تھے شہر راہ زہر صاحب ہر کاب سعادت جوتے تھے تو اپنا اعلیٰ اور ملاری صلیعی اعلیٰ کے برابر رکھتے تھے اور باہم طینی تعارف۔ یہ تھا دلاہر  
ماؤ اعلیٰ پر لدا رکھتے تھے اور ہندو کا جہت پشیانی بارک پر لدا رکھ کر ان کا سلام قبول دیتے تھے۔ دیگر امرائے ہندو دس دس لاکھ کی مالیت  
سے ممتاز تھے امرائے اسلام اپنے اپنے علاقہ کے غلام تھے۔ مگر جہد وزارت آسمان جہاد ہندو دس سووی شتائی میں نے امرائے ہندو صلیع ہندو  
چیکا پردست دہازی کی حق کر مرے زمانے میں محفوظ رہے۔ مگر ہندو اپنے ہم وطنوں کے ساتھ دینا صلیع سلوک کرنے دے اور خیر صلیع  
دلاہر کو اعلیٰ دہائے تقیم مجھے ہے کہ میں نے اپنے ہندو جانوں کے ساتھ بھی اس سلوک میں کب نہیں کیا تھا کیا نیند ویرا ملازم مغالی تھا اور  
مہلو مہر گران و خیر جہد ہندو انکو رانہ شاہ بدو جی، سرو جی نائید و مراد میں، نام کو راج فرانسواں مند ہے اور ایک دو ڈاکٹر لاری کے سنائی  
انھیں جیسے تھے کھج خود ڈاکٹر مہگونا کہ کہ عالم بھر لدا خیر شہر کو لدا دے مسلمان تھے۔ بروی سید میں صاحب نے ان کو سر شہر تقیم ہے  
مروت کر دیا تھا اور ہر شہر صاحب مدد ہی ان کے معاون تھے۔ میں نے پھر ان کو لدا دے۔ سلم رو پر ہر خیر کر دیا۔

ہیں حکم اقدس ہائے ماضیت صفائی شہر دہلی کی مانتہ جاری ہو گیا۔

میں ایک روز کوئی فردس ہنگ کو مدد میں طلبا کو درس سے رہا تھا کہ ایک شاگرد پیش میرے پاس آیا اور کہا، چلیے وفات پنا منے یاد فرمائیے۔ میں مولیٰ باس پہنچے درس میں مشغول تھا۔ شاگرد پیش کو جواب دیا کہ میری طرف سے تسلیم عرض کرو اور کہہ کہ میں مولیٰ باس پہنچے ہوئے ہوں۔ اگر علت عطا ہو تو بعد ختم درس کر بستہ حاضر ہوں گا۔ وہ شاگرد پیش حیرت سے میری طرف دیکھنے لگا میں نے اس سے اس کی خاموشی اور صبر کا سبب پوچھا۔ وہ بولا۔ آپ کو کیا معلوم کس مزدت کی وجہ سے یاد ہوئی ہے۔ حکم کی تعمیل مندرجہ ہے۔ میں درس کو چھوڑ کر گھر گیا تھا۔ اس نے مجھ کو گھباری میں جاکر اطلاع کی غصا بھائی گیا و زامت ناہ ایک کوٹھے سے تھکے ہوئے بہت سے کاغذ چھاتی پر پھیل بات میں نے مدنی افزہ دتے اور بے کافذات کے پینے کوٹھے کے کچے ہوئے تھے۔ ایک کڑی پرچہ کو چھینے کا اشارہ ہوا اور کافذات اٹھ کے کر میری طرف مخاطب ہوئے۔ پہلے اپنے صاحبزادوں کی بابت گفتگو شروع کی۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ کتنا جان لاکر آپ سے آندہ پڑھنا چاہتے ہیں۔ آپ اپنی سے تھے اور اپنا وقت نکال کر ان کے پاس جاتے رہتے۔ مگر کوڑاؤں کو بھی کوئی فائدہ نہیں ہے۔ میں نے حکایت سے وہ دفعہ پیش کئے۔ ایک یہ کہ صاحبزادگان کے درس میں بہت غفل پڑے گا عدم ایک بڑھوں کے پڑھانے کی میں بوقت نہیں رکھتا۔ یہی فریاد کرتا تھا صاحب جس پڑے امدد سے سختی دل کر دیا کہ آپ کا ذہن کتنا تیز ہے اور آپ سکھنا شروع ہیں۔ یہ کیا بات ہے۔ میں نے جواب دیا۔ تمام خاندان میں صرف وہ ایک خواب کی وجہ سے تھکے ہوئے کہ ایک کتاب بڑا سر بھیجے کہہ کیا ہوا یہ کتب ہے کہ تم کو اہل بیت عیسائے اسلام سے محبت رکھنی چاہیے۔ سائل نے سنا کہ بعد جب وہ پنجاب سے کھنڈ سے تو دیکھا کہ ہر شہر میں شکل مرزا ویر تھا چہرہ فرمایا کہ مرزا خانبی جی تو تھکے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ یہ تھکے تھے۔ محبت اہل بیت تھے مگر ذہن بختیار نہیں کیا تھا۔ اس کے بعد ایک بھلا فاذ لہ کہ حکایا اور فرمایا کہ آپ سر پر کہہ میں نہایتے۔ کتنا صاحب کو بیخود بنا دیکھے۔ میں وہ خاندان کے کھڑا ہوا تو پھر فرمایا کہ دنیا جیٹ جاؤ کیا آپ کو شاہنشاہی دہلی سے بھی تعلق ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میری والدہ ماجدہ شاہ عالم کی نواسی ہیں۔ وہ نہ ہم لوگ ملازمت پر مشغول ہیں۔ چنانچہ میرے پردہ امرنا جیوں بیگ خاں لداخ کے جاکر اشرف الدہ درزا اثرت بیگ خاں فی شاہ کے سردار تھے۔ چہرہ فرمایا کہ آپ کے چچا مرزا جاس بیگ بھی تو امداد میں جاگیر دار ہیں اور گورنمنٹ کے خیر خواہ ہیں۔ عرض میں اسی باتوں کا امداد سولات ہے کل کا کچھ مطلب نہ گھبا امداد میں نے اپنے خیال کو نوہر مصروف کیا۔ وہاں سے پھر وہ حاضر اس سرگرمی کے کہ چلا آیا کہ میں بیٹے کوٹھے کو کیا پڑھاؤں گا۔ بہر حال تعمیل حکم میں کتنا صاحب کی خدمت میں پہنچا۔ وہ باہر براخوری کو جانے کا تیار ہی کر رہے تھے۔ مجھ کو فوراً بلا دیا اور ناب صاحب کا خط پڑھ کر بڑے خوش سے لکھ لایا اور کہا میں اس وقت باہر جاتا ہوں۔ آپ کل صبح کو میرے پاس آئے اور کئی کتاب امداد کی ساتھ بیٹے آئیے۔ میں نے کہا صبح کو کچھ امداد سے خدمت نہیں ہے۔ اسی وقت بیٹے نے امداد کو ناب صاحب کے نام خط لکھ کر لے دیا۔ میں جانے لگا تو مجھ کو روک لیا چند منٹ امداد کے اور دھر کر انہی کے رخصت کر دیا۔ چلتے وقت میں نے کہا کہ اگر وہ پیر کا آپ بچے ہائیں تو میں امینا سے آسکتا ہوں۔ ملا صاحب کی یہ قرار پایا کہ جب لہ کو زحمت ہو آیا کروں۔ سو دوسرے مدد دہ سے کما کر لہ کو لے کر چھ گیا۔

بڑی خاطر داری سے مجھ سے ملے اور کہا کہ میں حضور میں جانے والا ہوں۔ دو تین چھلے مجھ کو روں میں کھدو میں یا کروں گا اور اللہ علیہ  
 اود میرے واسطے لیتے آنا۔ وہ میں پڑھوں گا۔ اس کے بعد اپنی بی بی سے ملاقات کرائی۔ معلوم ہوا کہ وہ مشرباؤنگس <sup>DRUNK</sup>  
 کی جوہ ہیں اور ان سے نکاح نہائی ہوا ہے۔ نہایت ذی علم اور شامہ ہیں۔ غرض ہر روز وہ مجھ سے اورو کے جلے کھولتے تھے  
 اللہ یزد کا صرت تر جو مجھ سے سنا کہتے تھے۔ ایک سطر اورو پڑھتا تھا اور اُن کو سننا تھا۔ مدد عا شہدہ محرم الحرام میں سہ ہر کو  
 اسی کے پاس گیا تو مجھ سے محترم کے حالات کھنے کی فرمائش کی۔ میں نے کہا۔ یہ تاریخی واقعہ ہے۔ کہا کہ کتابیں کون پڑھے۔ تم مختصر  
 حالات کھ کر لاؤ اور کل علی الصباح میرے پاس آؤ۔ میں گھر میں واپس آیا اور کوئی آدمی رات گئے تک قلم فرمائی کرتے کرتے وہیں  
 سرگیا صبح کو وہ غیر مکمل اداق گھسیٹم خط لے کر ان کے پاس گیا اور وہ بدخط اداق دکھا کر نظر ثانی اور خصاصات کھنے کے حذر سے  
 واپس لینے چاہے۔ انھوں نے وہ اداق مجھ سے لے لئے اور کہا کچھ مضائقہ نہیں میں پڑھوں گا اور کل صبح کو آپ میرے  
 پاس آئیے۔ میں نال اللہ بن بنے مکر دیاں سے چلا آیا۔ دوسرے روز صبح کو میں گیا تو وہ ہوا خوری کو گئے ہوئے تھے اور وہ کاغذ  
 میز پر رکھے ہوئے تھے۔ میں نے نظر ثانی کے خیال سے وہ کاغذ اٹھا لیئے۔ اس کے ایک گوشہ پر کپتان صاحب کی تحریر قلمی کہیں نے  
 تقریباً تحریر ثواب امتحان کر لیا۔ آدمی نان اور میرے کام کے ہیں۔ اس بی کے نیچے ثواب صاحب کی تحریر قلمی کہیں نے بھی خاص کی  
 دوسرے ان کا انتخاب کر کے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ یہ تحریریں پڑھ کر میں نے وہ کاغذات میز پر رکھ دیئے۔ اتنے میں کپتان صاحب  
 ہوا آمدی سے واپس آئے اور بڑے تپاک سے ہنر ڈورڈ (Now do you do) ہوئی۔ بیٹھے ہی مجھ سے یہ کہا کہ آپ ثواب جتا  
 سکتے تھے یا نہیں انصافوں نے آپ سے کچھ کیا یا نہیں۔ میں نے جواب دیا کہ میں اب تک ملا اور نہ کوئی گنگو ہوئی۔ یہ سن کر  
 انھوں نے چند سطر لکھ کر دیں اور کہا آپ ابھی ثواب صاحب سے بیٹے۔ میں وہ خط لے کر گزرا بوقت دود و مقرر تھا۔ میدان  
 در دولت و نارت پر حاضر ہوا۔ ثواب صاحب نے اُسی وقت مجھ کو طلب کر لیا۔ اول ادھر ادھر کی دوا میں باتیں کر کے مجھ سے  
 ارشاد کیا کہ کپتان صاحب آپ سے بہت خوش ہیں۔ میں نے دست بستہ عرض کیا کہ مجھ کو سزا کی خوشی مطلوب ہے۔ ان سے  
 کیا عرض۔ ملا وہ اس کے اندر کچھ پڑھتے ہیں۔ باتوں میں وقت خراب ہو جاتا ہے۔ معلوم نہیں انھوں نے میرا جواب سنایا یا نہیں۔  
 چند منٹ خاموش رہ کر فرمایا۔ آپ سے کچھ ضروری اُمور کہنے ہیں۔ اس وقت فرصت نہیں ہے۔ پانچ بجے آپ آئیے۔ میں سلام کر  
 گھر چلا آیا۔ یہاں میں نے دیکھا کہ والدہ ماجدہ دوا میں تھان کپڑوں کے لئے ہوئے جھلی ہوئی ہیں اور شجاعت بیگم آپ کی انا کاؤ بند  
 تھی خیالی میں بے شل کتر بونت کر رہی ہے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیا کپڑے ہیں۔ فرمایا کہ تم نے ہی تو کھلا بھیجا تھا تو بعد عا شہدہ تیار کر لاؤ  
 کل حضور میں جاتا ہوں۔ میں نے حیرت سے انکا کیا تو ساجد بیگم اور واجد بیگم جن کی عمر اس وقت پانچ پانچ چھ برس کی تھیں  
 بول اٹھے واہ جانی واہی تو ایک شخص باقی پر سوار ادھر سے نکلا اور کہا کہ جاؤ تمہارے جانی کل حضور میں جاتے ہیں۔ یہ سہوڑا  
 انضر میں پانچ بجے پھر ڈورڈ می پر حاضر ہوا۔ گھنٹوں تک ادب کی اپھن پھنے ہوئے تھا۔ گڑا می سر پر کر بندھی ہوئی تھی۔ ثواب صاحب  
 مجھ کو دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا کہ کپتان صاحب نے آپ کو اپنی مدد گاری کے واسطے پسند کیا ہے۔ آپ ان کے ساتھ  
 ڈورڈ می مبارک میں جایا کیجئے۔ میں یہ سن کر سنسنے میں رہ گیا اور دست بستہ عرض کیا کہ مجھ سے ایسی نہ کیا ہوئی ہے کہ اس

ان دوست سے فیصلہ کر کے ایک انگریز کی خوش گری اور توجہ نگاری پر سنبھالنا ہوا۔ بہت انگریزی حال سرکھ میں سرحد میں اسی  
 سے کرنی پڑی صاحب کے پاس متفق کر دیا جہتے۔ میں نے جو صاحب اور ان کے ساتھ محنت کی وہ برباد نہ کر دیئے خواب  
 ماخض نے یہ نئی کجیرت سے ڈرایا کہ آپ کی محنت جاتی رہے۔ یہ وہ محنت ہے کہ کجیرت آپ کی نیری سفارشی حصہ نہ ہوتے  
 رہیں گے۔ بہر حال آپ ابھی میرے بارے سے غلط فہمی اور وہاں سے پھر میرے پاس واپس آئیے۔ اس کے بعد نہیں کر فرمایا کہ آپ  
 نے پاس کیا ساری ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میرے پاس صرف ایک یا دو سونو سوا ڈالو ہے۔ ڈرایا۔ یہ کہ نہیں اور ایک شاگرد  
 کو روڈ مار کر خود یا کہ خانہ ماں سے کو کہ آپ کے کدے ایک پاکی ابھی تیار کئے اور وہ ہر کار سے ہی ساتھ جاتیں اور شگہ راؤ کو طلب  
 فرما کر حکم دیا کہ تم پہلے جا کر ذاب صاحب کو اطلاع کرو۔ ان احکام کے بعد پھر میری طرف غائب ہوئے اور فرمایا کہ کجیرت صاحب  
 میں پہلی ہی بار ڈر زخمی ہوا کہ میں جانیں گے۔ آپ کو بھی وہاں حاضر ہونا چاہیے گھاس باس میں نہیں بگھنڈاری ہاس میں۔ ایک سی  
 میں تیار ہو سکتا ہے۔ کل آپ بھی کر میرے پاس آئیے۔ جو کہ میں خالی اندیشہ آیا تھا۔ لہذا خود پانچ دوپہر بھی برائے خواب میرے کمر  
 حاضر فرمائے اور اس کو قرض کے نام سے نامزد فرمایا۔

**ملاقات نواب امیر کبیر** انگریز میں بڑے تکلف پسین میں بیٹھا ہوا دو ہر کار سے جلوس دھرتے ہوئے خود منگابینیں کانڈا  
 ملاقات نواب امیر کبیر پہنچے ہوئے اس شانہ شرکت سے ان بازووں میں سے گزرا جہاں میں تہا پاؤں بدل  
 بتاؤں روڈ کار پڑا پھر تھوڑے وقت تک تھا کہ میں ان کی ڈیوڑھی میں پہنچا۔ جلوس میں پہلے کو جوئی میں نے پاکی سے قدم باہر  
 نکالا۔ ایک مرد اولیٰ آباد، دو ہر جسم، بیش سینہ و راز۔ استاد شاگرد چنگی برسر۔ کرپوٹی دنی بارہ گز کا کپڑا پہنے ہوئے کاس  
 میں پیش قبض اُسے ہوئے تھوڑے لمحے میں اسے اٹھارے ہوئے اور محنت آواز سے کہہ کر کہا کہ کیا انسانیت ہے کہ نواب صاحب  
 (نواب محنت ملک امیر کبیر شرفاء شریک نائب اسطفت) کو تم نے اتنا غصہ رکھا۔ میں نے دل میں کہا کہ

سایکے گھوسٹ از بسا رش پیدا

میں نے بلاوجہ چند الفاظ غصہ کے کہ دیئے۔ وہ پھر کہ ایک سدری کی طرف سے گئے۔ دو دو دلی میں ہوا سے پڑے ہوئے تھے  
 جسے سدری میں جو میں نے قدم دکھا ایک ہر گز نہ سال نہایت شیعہ مشعلی مریض دستار بر سر بارہ و نہایت فوانی چوہ میں پر وجہ  
 امارت و دشمنان بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے جھک کر سلام کیا۔ مجھے پیشانی آتے مالتے پر دکھ یا اور سکڑاتے ہوئے غز و قبول فرما کر سند  
 کے قریب بیٹھے کا استاد کیا وہ سدری نہایت متضرع تھی۔ صرف درمی چاندی کچی بونٹی تھی اور ایک چھوٹی سی الماری سند کے نیچے لٹکی  
 ہوئی تھی۔ وہ صاحب جو میرے ساتھ آئے تھے وہ بھی سلام کے کہنے گئے اور زنگہ راؤ بھی حسب اعصاب حاضر ہو گئے۔ اس کے بعد  
 میرا نام دریافت فرمایا۔ میں نے کہا کہ اٹھ کر آخرا نہ کتے ہیں۔ یہ نئی کجیرت گھاس راؤ سے فرمایا کہ آخرا نہ کتوں غلط بڑے خاندان کا  
 پتا دیتے ہیں۔ اس کے بعد میری تعلیم اور تربیت کا حال پوچھا کہ فرمایا کہ آپ لائیں بھی جانتے ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ لائیں گا مگر اس  
 درمیان میں ہے۔ پھر پوچھا۔ لائیں بھی جانتے ہو۔ میں نے کہا کہ جہت نہوت۔ کہا اس کے پاس میں نے عرض کیا کہ جس قصہ خانی کے  
 واسطے خدمت پہنچی۔ یہ نئی کجیرت دیوڑھی پہنے ہوئے۔ پھر میرا مذہب دریافت فرما کر کہ آپ کو تو یہاں لوگ جانتے بھی ہوں گے

میں نے عرض کیا۔ مولے مولیٰ میں اللہ میں خاں اور کوئی مجھ سے واقف نہیں۔ وہی میرا مذہب بھی جانتے ہیں۔ فرمایا کہ گواہی شادی کی خدمت نہیں آپ کا بیان کافی ہے۔ یہ کہہ کر دستک راؤ سے ارشاد فرمایا کہ مختار الملک سے کہہ دو کہ میں ان صاحب کو پسند کرتا ہوں اور میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ اللہ تبارک آپ کو یہ خدمت مبارک فرمائے۔ دستک راؤ نے میری طرف تشریف دیا کہ اٹھ اٹھ کر میری جیب خالی تھی۔ اس نے اپنا رومال معرق میری طرف کھسکا دیا۔ یہ نذر بھی میری مسکرا کر قبول فرمائی اور کہا کہ ذرا بیٹھاؤ۔ ادا وہ خود بھی سیدھے بیٹھ گئے۔ پھر خوب خود سے میری طرف دیکھ کر فرمایا کہ تم مجھے کو تم کو کس ذمہ داری کی خدمت پر مقرر کیا ہے۔ میں بعد مشرق کو پکڑوں گا۔ اگر کچھ بھی بندگان مالی کے خیالات مذہبی یا ماسٹرٹی میں فرق آیا۔ میں نے دست بستہ جواب دیا کہ یہ ذمہ داری اس احترام و کثرت کی طرف حائل نہیں ہو سکتی ہے۔ میں ایک ادنیٰ ملازم مجبور و محکوم سرکار اور ذرا ب وزارت پناہ کا ہوں اور صرف قلیل حکم میرا فرض ہے۔ ورنہ اختیار بدست مختار ہے۔ میرے اس جواب پر ایک دو آنسو ان مبارک و مقرر آنکھوں سے ٹپک پڑے اور فرمایا کہ میں ابھی سے دیکھتا ہوں کہ انقلاب عظیم ہونے والا ہے۔ میں چند روز کا ممان ہوں۔ میں کہاں اور حضور پر نور کی عہد حکومت و فتاری کی کچھ کہاں۔ علاوہ اس کے حاضر باشان در دولت کو جو موقع عرض معروض کا ہے وہ ہم کو نصیب نہیں۔ صرف تم لوگ نگران حال رہو گے۔ معلوم نہیں کہ انگریز کا تقرر تعلیم پر اور انگریزی تعلیم کیا اثر دکھلائے۔ مختار الملک بہت دانا اور دراندیش آدمی ہیں اور قبول ناصح و لدلہ کے ایک جواہر پارہ اور میرے کانگڑا ہمارے دانہ لگا ہے مگر انگریزیت کا یہ املا مثل سیلاب کن کن ہے اور نئی امت جو ہمارے جد کسے دال ہے۔ ہماری وضع ہمارے مراسم سے بے خبر۔ نہیں معلوم کیا شطرنج بچھائے۔ ہر حال اس قدر ضرور ہے کہ مذہبی خیالات قائم رہیں اور آداب شاہی میں فرق نہ آئے پاسے اور شل تقویم پارہ یا اساطیر لاؤ لین مٹم اور میں سے نظر انداز نہ کئے جائیں۔ یہ لڑاکو حاکم کا حکم دیا اور پہلو کے تکیہ بدل دیئے۔ یہ اشارہ تھا کہ برخاست۔

دوسرے روز سر پر کہ حسب الطلب میں بطور خاص معنی جامہ نیر و دستار و کمر اول وزارت پناہ کی خدمت میری پہلی باریابی میں پہنچا۔ مجھ کو اس لباس میں دیکھ کر بہت خندہ زن ہوئے مگر مجھے اسے قطع دربار اور اس کے بندوں کا ناپسند فرمایا۔ جہہ دہاں سے سید حادر دولت شاہی پر حاضر ہوا۔ باہر کے جلوخانہ میں میانہ چھوڑا اور پایادہ جیسے کوٹھیلے ہوئے کی جلوخانے کے کھٹ میں پہنچا۔ وہاں پر وہ صاحب معنی تعینت بارالدولہ و سکیم جنگ میرے منتظر تھے۔ اول ہم سب نے نماز عصر پڑھی۔ بعد تعینت یا مالہ لہ ایک چھوٹا سا مکان تھا جس کا نام مدنی دنگ تھا وہاں چلے گئے۔ کچھ عرصے کے بعد جب حضور پرورد بآد ہونے کو انھوں نے مجھ کو طلب کیا چھوٹا سا دالان چھوٹی سی آگنی و دالان میں منہ بھیجی ہوئی اس پر حضور پرورد کلاہنگ برسر آکر کھا دیکھی تھوڑی لمبی چوٹیاں تباہ کر، حرثیت کوئی آٹھ برس کی، جلوہ افزہ تھے۔ دو تین اماں سفید مثل بہت دوپٹوں میں پٹی ہوئیں پس پشت استلو، ہٹے میاں اور ان کے بیٹے دست بستہ دروڑے منڈکھڑے ہوئے۔ اول لفظ جو حضور پرورد نے ارشاد فرمایا۔ یہ تھا کہ انگریزی بولی کسی ہوتی ہے۔ سنناؤ: میں نے انگریزی میں عرض کیا کہ I PRAY FOR YOUR

روز اول درس مبارک۔ صبح میں صبح قرار و در دولت ننگ رفت شاہی پر حاضر ہوا اور کچھ خانہ سے

اگر کوئی کلاک ہو تو اس وقت ہر کام سے خودی کرکشان صاحب چار دینار تک آچنگہ منجم جنگ استقبال کے واسطے رہا  
پر جا کھڑے ہوئے۔ کجیت یا والدہ نے جو بار کو منجم دیا کہ محل میں اصلاح کردہ جلد حضور پرورد ہا مد کے جائیں۔ اس پر میر  
کلاک صاحب بھی آگئے۔ مجھ سے ہاتھ ملایا۔ سب کو یہ خیال تھا کہ حضور پرورد پہلی بار انگریز سے ملے تھے۔ بادامد عجب ہر جا  
مگر میں نے اب وفات پناہ کا اطمینان کر دیا تھا اعدا ب حضور پرورد بھی بسواری بہادار سدنی ازود ہوئے چند ماہ میں چھپے  
پچھے تھیں۔ کجیت صاحب نے استقبال کرنا چاہا میں نے اُسی کو مدد دیا۔ غصہ میں کہ دانیس باب کے وہ میں گول میز او  
کر میں پہلے سے رکھی گئی تھیں۔ میں اور کلاک صاحب خطر جنگ اور منجم جنگ کریوں پر بیٹھے باقی کل حاضر باشان  
ماہ میں وغیرہ ملازمی سلسلے سے بٹ گئے۔ حضور پرورد کے چہرہ مبارک سے خوف تو ظاہر تھا مگر متحیر تھے کہ میں نے جیوں پر  
سے دینی تھا ویر خوش جنگ نکالیں اور دس سلسلے کے کہ ان کی نسبت باتیں بنانے لگا۔ یہاں تک کہ خطر جنگ اور حضور پرورد  
ہنس پڑے۔ اس وقت باجائز کجیت صاحب میں نے کہا کہ اب حضور تشریف لے جائیں۔

ایک میں ہی استاد حضور پرورد کا ہوں کہ دس کی ابتدا میرے ہاتھ پر ہوئی اور ختم بھی میرے ہاتھ پر ہوا۔ دوسرے استاد  
میں شریک ہوئے یا قبل ختم غائب ہو گئے اور ایک میں ہی خوش قسمت ہوں کہ پراہرورد خطاب شاہی رہا۔ اپنا رعب قائم رکھا  
کے لیے ایک قدیم انگریز تہذیب میرے ذہن میں آئی جس کو وہ جنگ برائے کہتے ہیں۔ تو ناگھن تھا کہ میں ہر وقت خطر جنگ  
دھمکتا رہتا۔ اس واسطے کہ بعد ذات با بکات حضور پرورد جملہ امر میں ان کا مرتبہ اعلیٰ تھا اور سزا دینی تو دھکی سے زیادہ ناگھ  
تھی۔ پس تجویز یہ قرار پائی کہ چند منصب داران کا ب سعادت کہنے چہ بھی حاضر رہیں اور ان کو طبعہ دس دیا جائے گو یا ایک  
کتب مختصر میری نگرانی میں قائم کیا جائے اور ان کی دس دس کے واسطے میں نے مزار فیض الدینی جگ کو اپنی پیش دہنی میں  
ان میں سے صرف مزار علی کا نام یاد رہ گیا۔ جواب ب خطاب مزار یا۔ جنگ اسرار الملک بہادار کی دامادی سے متاثر ہیں۔  
بچوں کو میں روزانہ دھمکتا اور اکثر دینی بیڈ بھی لگا دیا کرتا تھا۔

ہمارے شہزادہ آخر صغر کے معنی میں سات چھتے چاندی اور سونے کے راجہ گرد حاری پڑا  
دعوت عام بطریق قدیم جنسی راجہ نے مجھ کو اور گیارہ چھتے اسکا کام الدو کہ مستقل جنگ جان کلاک خان  
بمنصب ہفت ہزاری پتی ہزار سوار کر لے۔ یہ سترہ قدیم بھی شان دہلی کا تھا اور جب میں کوٹڈس کی دعوت بھی بندوبست  
مذکور میرے پاس آئی۔ جد مغرب میں غلوت مبارک میں حاضر ہوا۔ نام غلوت اند باہر اور پس و پیش تمام وسیع صحنہ کے  
سے جہرے ہوئے تھے۔ سوائے امرائے عظام باقی شرف نامہ و خوش باش لوگوں میں سے کوئی ایسا ہی بد قسمت ہو گا جو اس  
سے محروم رہ گیا ہو۔ غلوت کے اندر قاتیں گھیری گئی تھیں۔ بالا منزل شہنشی پر حضور پرورد مع چند مصاحبین مسند شاہی  
تھے۔ نیچے دالافوں میں دستبر خوان بچے ہوئے اور اس پر بڑی بڑی ناندیں رکھی ہوئی اور دستبر خوان پر غالی صحنیں حتیٰ جو نہیں  
کے غول ہان باہر سے آتے اور بریانی کھا کر پائیں زینہ شاہنشی کے پاس آکر ادب بہا کر چلے جاتے جو موسم دواہ  
شالان دلی حضرت آصفت جاہ کے وقت سے چلے آتے ہیں ان میں کوئی فرق نہ آنے پائے۔



جب وزارت پناہ سفر یورپ سے واپس آئے تو اپنے ساتھ کپتان کلاڈ کلاڈک برادر بزرگ کپتان جان کلاڈک کو اس کی جگہ پر مقرر کر کے بیٹے آئے۔ پہلی ہی ملاقات میں کپتان صاحب مجھ سے کشیدگی کے ساتھ ملے اور قیام حیدر آباد مجھ سے کشیدہ خاطر رہے۔ خود فوجی آدمی تھے اور کسی وجہ سے ایک ٹانگ ان کی اذکار رفتہ تھی اور شانے کے مرض میں دائم المرض تھے۔ ذہن بنی تعلیم سے واقف نہ عدم صحت کی وجہ سے کسی کام کے لائق، ہر وقت یہ وہم کہ مبادا مجھ سے لوگ زبان دھاری کریں۔ یہ وہی صاحب کی یاقوت کے سامنے میری کم یاقوتی کا خیال، بلا تخریب ولایت ہی میں بھائے خود فائدہ کر کے آئے ہی لفظ استاد سے آکار کیا اور اپنے تئیں لفظ سپرنٹنڈنٹ SUPERINTENDENT یعنی مشتم تعلیم سے غلط کیا اور ذرا ب وزارت پناہ سے باصرہ فرمائش کی کوئی انگریز فن تعلیم کا تجربہ ان کی مددگاری میں مقرر کیا جسے چنانچہ ایک مسٹر ڈیوڈن Davidson نامی جوان عراس خدمت پر مقرر کر دیئے گئے۔ وہ ایک کھیل کود کا آدمی تھا۔ اس نے ہی تمام کام مجھ پر چھوڑ دیا اور محض خوش قسمتی سے میرا بارہن گیا مگر اس کی بھی عمر نے وفاداری اور چند ہی ماہ کے بعد رلہی ملک عدم ہوا۔

اس کے بعد مولوی نذیر احمد نے کپتان صاحب سے راہ و رسم پیدا کی۔ یہ صاحب دہلی کے قریب کے قصبہ ڈیپٹی نذیر احمد کے رہنے والے انگریزی سرکار میں سر مشتم تعلیم کے اعلیٰ ائمہ دار صاحب تصانیف کثیر پیش لے کر حیدر آباد میں بھیمہ صد و لفظ اداری سر فرما رہے تھے۔ اس رعبہ نہایت مست و چالاک کپتان صاحب کو بہت جلد گوندے پر لگایا اور خوش خط کلمی رسالہ اصطلاحات حیضہ سال و ضوابط مال گزاری صاف سیدھے اندوز زبان میں خود تصانیف کر کے کپتان صاحب کو دیتے اور یہ قرار پایا کہ دوس انگریزی کے ساتھ ملکی انتظام کی بھی تعلیم دی جائے۔ ادھر وزیڈنٹ کو خود وزارت پناہ پر اعتراضات تھے اور مولوی صاحب حلقہ و ہر سرکار انگریزی کے پیش یافتہ قابل اعتماد۔ وہ ہمارا کپتان کلاڈ کلاڈک ہوا۔ خواہ مخواہ امیر کویر کو ہراہ وزیڈنٹ ہونا پڑا۔ گو حق بات یہ ہے کہ شاہری نے نہایت کوشش کی کہ وزیڈنٹ کی رائے کو بدلے اور فیض اب وزارت پناہ کو مجبور ہی یہ نظر منظور کرنا پڑا اور میں جب حسب معمول ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو کمال شفقت سے آئسو پر کھینچنے کے واسطے ارشاد فرمایا کہ مولوی فاتحہ رنہ ہو گیا مگر آپ کا کوئی نقصان نہ ہو گا۔ کلاڈک صاحب اوقات درس تقسیم کر دیا کریں گے۔ میں نے جواب دیا کہ مجھ کو سرکار کی خدمت گزاری سے عرض ہے جو کام مجھ کو سپرد کیا جائے بسوچم حاضر ہوں۔ ادھر کپتان صاحب نے مجھ سے کہا کہ کل مولوی صاحب اپنا کام شروع کر دیں گے۔ آپ امداد مل کر تقسیم اوقات کریں۔ مولوی صاحب کے ان یہ حال تھا کہ تقریر سے ایک روز قبل ہی تمام خدمات ڈیوڈن صاحب کو نام بنام اپنے دستاویز اور ہوا خواہوں میں بابت پچھتے تھے اور سوائے مولوی امین الدین خاں و حمایت الرحمن خاں کوئی ہندوستانی انسان نہ تھا کہ مولوی صاحب کی خوشامد مبارکبادی کے واسطے نہ لگتا۔ ایک دوبارہ عظیم الشان ان کے ان قائم ہو گیا۔

اب حکایت عجیب یہ سنئے کہ ایک بزرگ نہایت ہی سیدہ کسی طرف سے حیدر آباد میں وارد ہوئے اور میرے مکان میں چند ماہ کے مقیم تھے۔ باوجود کہ سن، ماست قات، چست و چالاک، گندم رنگ، اکبر اسم، میانہ قد، لباس نرکی درو گنبد و ملا، دریش معید کو تارہ نما، از زبان سے نما و اتق اندری زبان میں کمال درجہ فصیح، مسائل صرفہ جس وقت بیان کرتے



ڈگر پانڈ سے شہر چھوڑتے۔ بعد میں اکثر لوگات حفظ فرماتے اور صاحبین کو اپنا شہید کر لیتے ہیں اس دن نواب صاحب کے پاس سے اگر ان کے پاس چلیا جاتا تھا اور چلنے خودی ہو رہی تھی کہ ایک شخص وہی کے میر رحمت علی نامی جو سے شے آئے اور باؤد بندہ سے کہا کہ مرگ ز مبارک ہو۔ اب تھا ماڈیڑوسی مبارک میں کھانا حال ہے۔ وہاں تو کا دھانجات تقسیم ہو گئے شاہ صاحب نے نقد "مرگ" شے کو حیرت سے جو سے پوچھا کہ "ایں چری گریڈ" میر رحمت علی نے تمام حال ان سے بیان کر دیا۔ شاہ صاحب کو کمال حیرت ہوا اور کچھ دیر خاموشی و سکت رہ کر اپنی ڈیڑوسی بکڑی اور جو سے کہا کہ "مرزا تمام خاطر مع رکھو۔ وہ ڈیڑوسی میں دس لے پائے گا۔" اس پر میر رحمت علی جسن پڑے۔ شاہ صاحب نے حالت غضب میں یہ کہا کہ "والہ اگر نذیر امن کی ڈیڑوسی میں آیا تو میں یہ ڈیڑوسی منہ کھاؤں گا۔" شاہ صاحب کو غصے میں دیکھ کر میر رحمت علی چپ ہو گئے۔

فوس نگے رات تک شاہ صاحب کے تورو دے رہے ادھ ایک حالت سکوت میں رہے۔ غلامہ این کہ علی اصباح میں سب سے پہلے ڈیڑوسی مبارک میں پہنچا اور مستحکم جنگ کو حیرت پر نہ کہے کے باد کو نے کے واسطے بھیجا۔ کیتان کارک اور مولوی نذیر احمد کا انتظار کرتا رہا۔ اب درس کا وقت بھی آگیا۔ حضور پڑ بھی بنا دہو نے غلظت ملک بہادر بھی آئے گرد و دونوں صاحب نہ کہنے۔ میں نے اس خیال سے کہ درس بیکار نہ جائے دس شروع کر دیا۔ عرضہ دماز کے بعد کیتان صاحب کا خط آیا کہ آپ درس ختم کے بعد میر سے پاس آئیے۔ دس کا وقت بھی ختم ہو گیا تھا۔ خاشا مان نے دوپہر کے غاصے کے واسطے میر جی تیار کر لیا تھا۔ حضور پڑ نہ اور غلظت جنگ بہادر میر پر تشریف لائے۔ میں اور مستحکم جنگ شریک خاصہ ہوئے۔

بدستقل خاصہ مستحکم جنگ نے جو سے کہا کہ مولوی بیچ انہاں خاں تو دنیا کی بات تھے اب دنیا کا باپ آتا ہے مگر عقب ہے کہ اب تک نہیں آیا۔ میں بھی دریا لے میرت میں فرق کیتان صاحب کے پاس پہنچا۔ وہ غیظ و غضب کی حالت میں پریشان حال جو سے ملنے ہی دے کہ "امیر کیر نے جو کو بڑا دھوکا دیا اور عارضہ خلائی میں جو کو کڑوا کیا۔ یہ خطہ نذیر اعظم کا بڑھو۔ اس کی کھٹا تھا کہ "نواب امیر کیر بہادر نے فقرہ مولوی نذیر احمد کا مستحکم فرمایا۔ آپ ان کو ڈیڑوسی مبارک میں نہ سے جائیے۔" اس کے بعد جو سے کہا کہ "میں نذیر احمد کے پاس بھی گیا تھا۔ کل تک وہ میر سے مدد معادوں تھے۔ آج جو ہی ریٹ پڑے کہ اند کا کہ تم لوگ آپس میں لڑ کر جو کو ستاتے ہو کیا۔ ضرورت ہے کہ ایک پدیسی آدمی خطہ عرضی نواب امیر کیر ڈیڑوسی مبارک میں مقرر کیا جائے۔ لہذا یہ میر استخفا نواب صاحب کو لے جا کر دے دو اور کدو کا گز نذیر احمد ڈیڑوسی میں نہ آئے گا تو میں خدمت سے دست بردار ہوں۔" میں نے کہا کہ "جو کو اس جھگڑے میں نہ ڈالیے۔ ناسق بدنام ہو جاؤں گا۔ مگر ان کے امراد سے جبروتا اب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ نواب صاحب نہایت خندہ پیشانی سے ملے اور فرمایا: "سیدہ نوبہ چائے دے لے کر گزشتہ نواب امیر کیر بہادر کو یہ حرکت نذیر احمد کی لکھلا رک صاحب کی بھی بہت اور خدا ناسق ہے۔" کل ملک کو حیدر علیہ ان کا وکیل میر سے پاس آیا اور کہا کہ نواب صاحب فرماتے ہیں کہ "اگر نذیر احمد صبح کو ڈیڑوسی میں گیا تو میں شرمچہ ڈر کر باہر نکل جوں گا۔" اس کے بعد سرچرڈ میڈ کا خاکیا کو نذیر احمد ڈیڑوسی میں نہ جانے پائے۔ وہاں سے میں مکان پر آیا۔ شاہ صاحب ہر ایک پریشانی احمد سے کدو حیدر علی میں مل رہے تھے۔ جو کو دیکھتے ہی بولے کہ میری مدد کی گئی ہے

نڈی ۹ میں نے تمام حال اُن سے بیان کیا۔ وہ اُسی وقت مجدد شکر بجالائے اور مجھ سے کہا: مرزا خوش باش، حافظِ حقیقی ستار  
کعبان است۔

**عہد ناصر الدولہ** اس مقام پر حضرت ناصر الدولہ کے عہد کے معاشرتی حالات جو میں نے متواتر معتبر ذرائع سے سنے  
قابلِ بیان ہیں، حضرت ناصر الدولہ نے خطابِ ہزمبشی سے صاف انکار کر دیا۔ اس بادشاہِ دی جاہ  
کو کمالِ درجہ فقط انگریزوں اور انگریزیت سے کوفت تھی بلکہ کل بیرونی باشندگانِ مش اہلِ بیہوش و پونا و ہند اس دوران کی معاشر  
باس و رفتار سے بھی کلی نفرت تھی۔ البتہ اگر کوئی ہندوستانی بالخصوص اہلِ دہلی میں سے جیسا بادشاہِ نواس کی تدفین دانتے تھے۔  
جب سے کہ سرکارِ کپنی ہمارے خطابِ ہزمبشی کی غلطی صادر ہوئی۔ اُس وقت سے حکمِ عام ہو گیا تھا کہ امرائے عظام میں سے  
کوئی بلا اجازت و دعاۃ یا درگھاٹ سے باہر نہ ہلے بلکہ ہر روزانہ پر ہر کار سے مقرر کئے گئے کہ آئندہ روز کی اطلاع ہوتی رہے  
اور یہی حکم تھا کہ کوئی انگریزی چیز استعمال نہ کی جائے بلکہ اپنے ملک کی ساختہ شے استعمال کی جائے۔ دفاتر و محکومات میں  
کاغذی گھوڑے کا ساختہ کاغذ استعمال کیا جاتا تھا۔ ناظرین کے سیلوں کے جامے اور نیچے پہنے جاتے تھے۔ ایک نواب  
دہلوی کی جو شامت آئی، کسی بیٹی کے سوا اگر سے تن زیب یا محل وغیرہ انگریزی ساختہ کا کپڑا لے کر جامد بنا کر دربار میں  
آئے۔ بندگانِ عالی نے وہ کپڑا دیکھ کر پوچھا کہ یہ کپڑا کہاں سے لائے۔ شامتِ زور نے سکندر آباد کا نام لیا۔ فرمایا: تمھارے  
پاس مفت کاروبار جمع ہو گیا ہے۔ لہذا اس قدر جرمانہ داخل کرو اور تا حکمِ ثانی خانہ نشین رہو۔ یہ بھی عجیب بات میں نے خود  
وزارتِ پناہ سے سنی کہ حیدر پور اکثر اپنے آقا یعنی بادشاہِ دہلی کی تدبیرِ ہوس کی آرزو ظاہر فرمایا کرتے تھے۔

**وزارتِ پناہ کا انتقال** اب یہاں اللہ تبارک و تعالیٰ جل جلالہ جل شانہ کی قدرتِ کاملہ کا قاشا دیکھنے کے قابل  
ہے کہ ایک شب کو قریب ایک بجے یا دو بجے میرے پاس سرین لال پنڈت آیا۔ اس  
پنڈت کو مسافر دیش کر کے میں نے ملازم رکھا یا تھا۔ نواب وزارتِ پناہ مش دگر مشاہیر عالمِ عربی میں تھے شاہِ سناس اور نجوم و دل کے  
مستعد تھے اور جن سالِ مشِ گلاب شاہ و طیبہ پنجابی و اکثر جو تھی پنڈت ملازم سرکار وزارت تھے اور حسب دستور ان کے سلام  
کے واسطے بھی ایام و اوقات مقرر تھے۔ اس شب کو اُس کے سلام کی باری تھی۔ بیانی ماما ماؤ کا سب کے کاغذات پر  
دستخط فرما کر اور مراسلاتِ مذنیہ منسی و دیگر احکامِ ضروری جاری فرما کر گویا اُس روز کا کام ختم کر کے پنڈت کو باریابی سے مشر  
فرمایا اور حکمِ کشیدنا پتھر کا دیا۔ پنڈت نے جیسا کہ دستور اُس قوم کا ہوتا ہے۔ بچے چڑھے احکامِ ترقی اقبال و کامیابی دارین  
کے ٹکائے، تہنم فرما کر پانچ اس سے لے کر خود ملا حنفہ فرمایا اور دیکھ کر کہا کہ پنڈت ہی خانہ نصیحت تو غالی ہے۔ یا کچھ اپنے  
ہی لفظ کے۔ پنڈت نے دفع و دل کی کوشش کی۔ اس حرم میں وزارتِ پناہ نے آواز دی۔ شاہ گد چشہ حاضر ہوا۔ چونکہ پناہ  
دیکھنے کا حکم دیا اور پنڈت کو رخصت کر دیا۔ وہ سیدھا دھڑا ہوا میرے پاس آیا اور یہ واقعہ بیان کیا۔ میں نے غصے میں اُس  
سے کہا کہ یہ تیری کیا نامعقول حرکت تھی کہ کھن اتنی سی بات کہنے کے واسطے تو نے میری عینِ خطاب کی۔ اُس نے کہا خدا کرے  
میرا نا پتہ جھوٹا ہو۔ اعراضِ محسب محمول پرانی چلی گئی۔ اسی وقت بہن کاراک صاحبہ لورسٹر کہان بھی آگئے جنھوں نے پور

ہنوز تمام میں تھے اور مشہور جامی جو کے کی گرد چٹک نہشت تھی کہ اتنے میں میرخان خستہ حال پریشان بال، چشم گریان رب گھو  
 فغاں دور کرنا ہوا آیا اور کہا کہ حضور کو جلد بیدار کرو۔ اُن کا ٹنگ حلال، باوفا، ہاں نثار و دیر تصدی ہوا۔ کلاڑک صاحب  
 نے گھبرا کر کہہ دیا۔ میں نے میرخان کا اتھ بچا اور کہا۔ سانس درست کرو اور دعا قہر بیان کرو۔ وہ پھوٹ کر وہ پڑا اور بیدار  
 جلد حضور کو اطلاع کر دیں۔ وہ حضور کو بیدار کیا۔ بندگان اقدس انھیں ملے ہوئے تشریف لائے۔ میرخان نے تمام  
 حال شب کا بیان کیا اور کہا کہ اگر حکیم سب حاضر نہ کسی کی کچھ نہ ملی۔ حضور پرورد نے ارشاد فرمایا کہ حضرت آپ جانیے لوئے کی  
 کیفیت لائیے۔ کلاڑک صاحب کی گاڑی موجود تھی۔ میں سوار ہو کر دروہت و نہایت پرہیزا، جو ملی میں نے کر کے میں قدم رکھا۔  
 حکیم باقر علی خاں رستے ہوئے باہر نکلے۔ میرے سوال پر انھوں نے کہا۔ تم خود جا کر دیکھو۔ کم بہت ڈاکٹر نے کام تمام کر دیا۔  
 اتھ بچے پڑتے منع کرتے کرتے ظلم نے یحییٰ چا دی۔ میں اند گیا۔ وزیر بادیر چنگ پرورد تھے۔ میں اُن کی شکل دیکھنے ہی  
 جھک کر پیچھے ہٹ گیا۔ ہر دو فرزند خان اسے بابا، اسے بابا، پکار رہے تھے۔ تمام ڈیڑھی میں اند باہر اوپر نیچے ایک تہا  
 برپا ہو گئی۔ میں نے صاحبزادگان کی تشفی کرنی چاہی۔ مجھے وقت تعلق کا کہاں تھا۔ میں پھر ڈیڑھی مبارک پر واپس آیا۔ اس وقت  
 پکتان کلاڑک اور مشرکدن بھی رو پڑے اور چشم مبارک حضور پرورد سے بھی آنسو ٹپک پڑے۔ پکتان کلاڑک اور مشرکدن تودہ آم  
 ہوئے۔ مولوی سیح الزماں خاں اور امرا نے عظام سرخو رشید جاہ و سامان، وقار الامراء و مہابا بر پیشکاری ہی بھی معزز دولت  
 ملک رخصت ہوئے۔ یہاں تو ایک حالت سکوت تھی مگر وہ سری طرف میرگاہ و پکتان کلاڑک و مسید جیسی صاحب بھڑائی  
 مشرکدن کے پاس پہنچے کہ آپ فرما اعلان کیجئے کہ ذاب لائق علی خاں فرزند کلاں مرحوم و مغفور بھائے اپنے والد کے  
 بالاعتناق حاشیش کیے گئے۔ وہ زندہ میں فساد کا بڑا اندیشہ ہے۔ مشرکدن یکن کر نہایت پرہیز ہوئے اور کہا کہ یہ تو ہندوستانی  
 پر دوسری ہی ہے اور ہم ایک دوسرے کی نفی ہو اور ہم ایک معتمد ہو۔ تم لوگوں کو معاملات ملے سے کیا خلق ہے اور بھلے سے ان معاملات  
 میں گفتگو کرنے کا کیا حق ہے۔ جاؤ اپنا راستہ۔ اگر میں نے سنا کہ تم لوگوں نے کوئی سازش قائم کی تو تمہارے حق میں اچھا  
 ہو گا۔ پکتان کلاڑک سے کہا کہ بحیثیت ملکی تم کو درس دے دے میں سے خلق ہے۔ اگر اس کے خلاف میں نے سنا تو میں تم کو سفل  
 کر دوں گا۔ تینوں صاحب شہزادہ وہاں سے چلے آئے۔ مشرکدن اقل تو خا تو خا و فرزند صاحب الامراء مرحوم کے پاس  
 پھر سادینے کو دروہت وزارت پہنچے اور وہاں سے یہاں پرانی حلیٰ آکر نہایت مددناک انعام میں ہزارائیں کو اُن کے  
 جان نثار و وفادار خاندان وزیر بادیر کا کچھ سادیا اور بعد مہابا بر پیشکاری کو سن رسیدہ، کرمیدہ، شریک خدمت و دیگر  
 ملے۔ ہمدار امرا و اہل بلوہ و انتظام ریاست کا کیا۔ یہ معاملہ حل رہا تھا کہ میں حسب و تہذیب و معتمد پر مشرکدن سے خط کیا  
 تو نہایت قرش نہ ہو کر مجھ سے کہا کہ استادوں کو کیا حق مداخلت امیرانہ نظامی میں ہے۔ پکتان کلاڑک کو میں نے چکادیا تو  
 مولوی سیح الزماں خاں میرے پاس سر اسامی جاہ وقار الامراء کی طرف سے آئے تھے۔ اب تم کس کی طرف سے آئے ہو؟  
 میں نے کہا کہ حسب معمول حاضر ہوا ہوں۔ تو پھر کہا کہ اگر میں نے سنا کہ کسی استاد نے ای معاملات میں دخل دیا تو میں اس کو  
 نکال دوں گا۔ (۱۔ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

**اردو کا نفاذ** اول جو بڑا تیز اور انقلاب عظیم نواب لائق علی خاں نے کیا یہ تھا کہ اس وقت تک زبان ریاست فارسی تھی اور وزیر حال نے زبان ریاست اردو کر دی۔ اس جگہ جگے یاد آتا ہے کہ ایک روز میں سپہ سالار کے وقت مذلت پناہ مرحوم (سلاطین جنگ اول) کی خدمت میں حاضر تھا۔ اتفاقاً اٹانے گنگو میں لہ سے ارشد فرمایا کہ آج مولوی مشتاق حسین نے ایک نئی بات لہ سے کہی کہ فارسی زبان کے عوض کل دفاتر و محکمات ریاست میں اردو زبان جاری کر دی جائے۔ میں نے حیات سے ۶۰ فیصد کہ مولوی صاحب کی رائے تو معقول ہے۔ یہ سنتے ہی یا تو سند سے بیکہ لگائے بیٹھے تھے یا سیدھے اٹھ بیٹھے اور فرمایا: "خدا نہ کرے" خدا کے اہل کو اتنا بڑھایا کریں گھر اٹھا اور کھانا کھاتے تھے غلطی ہوئی۔ اس کے بعد فرمایا کہ تم ہندوستانی فارسی تحریر و تقریر میں مشتاق نہیں ہو۔ فارسی زبان میں بل اسلام کے فتح مندی کی علامت ہے کہ ہم بھی قوم فاتح ہیں اور یہ ملک ہم نے روند شیر خر کیا۔ اپنے ملک میں تو تم لوگ یہ نشانی شاہچکے۔ اب یہاں بھی یہ اندھیر کیا جاتے ہو۔ جب تک میں زندہ ہوں فارسی بھی زندہ ہے گی۔

**سازش** ابکاران ریاست نے میری مخالفت پر کمر بستہ مضبوط بازو ڈھلی اور ان کو مدد و ترغیب مل گیا کہ ایک شب میرے کمرے میں ایک کٹی نامی نے شراب پی اور اس کے نشہ میں وہ میرے کمرے کے یاہر پر سوار ہو کر اُسے سرور و نگر دو لٹا تا ہوا گیا اور ایسا کر اس کا شوق ہو گیا۔ میرا خدمت نگار امیر نامی یاہر اور کوچران دونوں کو لے آیا۔ باہر دروازہ پر میری اور کوچران

(ماہر صفحہ ۱۱۱) جس بعد نواب مختار الملک کا انتقال ہوا۔ اس روز مشیر برکٹ خاص مہر گرو منت آف انڈیا جو بعد ازاں بمطاب دار کو در مصر میں کار گزار رہے تھے اور ایک یورپی پرنس حیدر اہلویں نواب وزیر کے مہمان تھے۔ انتقال کے ایک دو قبل بعد برکٹ نواب صاحب اپنے تمام معاونوں کو تاحیر عالم اپنے ساتھ لے گئے۔ جہاں نہایت پر تکلف و محبت کا انتظام ہوا تھا جب سب مالک سے واپس ہوئے تو نواب صاحب نہایت مسرور و تندہ دست ہو کر مبارک آئے حضور پروردگان میں تھے اور میں تنہا اھل محل کے مہر توڑ سے پر کھڑا تھا میں نے عرض کیا کہ اگر عبادت جو حضور پروردگار کو اطلاع کی جائے۔ فرمایا کہ حضور پروردگار کو تکلیف دینا نہیں چاہتا اور چند نہایت عمدہ میزوں کی طرف اشارہ فرمایا کہ تم ان میزوں کو میری خدمت سے بعد نذر گزراؤ دینا۔ شب کو نواب صاحب نے اپنے معاونوں کے ساتھ ڈنر تناول فرمایا۔ ڈنر کے بعد میں نے سنا کہ زمانہ سے کوئی کھانا پیش ہوا جو ان کو نہایت محبوب تھا اس کو تناول فرمایا۔ اس کے بعد ہی سوئے ہضم کی شکایت محسوس ہوئی جو بالآخر باعث موت ہوئی۔ اس حادثہ عظیم کے متعلق جو تفصیل مشرینٹ نے بھرا دیلیم گینا (MADemoiselle GAINA) نواب صاحب کی فرانسیسی نرس اپنی کتاب "انڈیا انڈر رپ" (INDIA UNDER RIPON) میں صفحہ ۲۰۰ و ۲۰۱ پر تحریر کی ہے۔ اس کا مادہ اس تمام پرزاستا نہ ہو گا۔ نرس نے بیان کیا کہ سلاطین جنگ بہترین انسان اور بڑے اولو علم آدمی تھے۔ کبھی کسی نے ان کی زبان سے سخت لفظ نہیں سنا۔ نواب امیر کبیر و شیدائیں خاں نے مرض الموت کی حالت میں ان کو بلایا اور اپنے بچوں کو ان کے سپرد کیا۔ نرس مذکورہ کا بیان بھی یہ ہے کہ نواب صاحب کو زہر دیا گیا۔

کہ ہر دو کی ملائی ہوئی۔ خلاصہ اس کہ جس کی حمد اس کو ڈاکٹر جاسنی ایک ایسی جیسا کہ پاس جو کہ قوال کے شاخا خانہ کا بکتر  
تھا نے گئی اور وہ وہاں مر گیا۔ میں صبح کی نماز چڑھ رہا تھا کہ ایک عجم سید علی جن کو میں نے نوکر رکھا دیا تھا۔ میرے پاس آئے  
اور کہا کہ آپ کس خواب غفلت میں ہیں۔ کہ قوال اب ہر جگہ آپ پر گرجا رہے ہیں کہ خون کا مقدر قائم کر رہا ہے۔ میں نے کہا کہ قوال کی  
عمل لایہ کی گئی ہے۔ میں ابھی دفتر اس کو اصل حالات کا لکھتا ہوں۔ سید علی نے کہا کہ ایسی عملی دکرہ۔ متنے میں ایک قلعہ خاں  
آیا اور اس نے میری نشست کے مکان کے نقشہ کی اہانت مانگی میں نے اجازت دے دی۔ سید علی نے کہا کہ جلدی سولی  
سرجن کو بٹا کر اس کا پرست مارنم کر اور وہ لگا دیا جائے گا تو صوف کہ قوالی کے ڈاکٹر کی شہادت رہ جائے گی۔ میں نے ڈاکٹر  
لادی کو رفقہ کھا۔ وہ لدا چلے آئے اور کل حال مجھ سے سن کر کہ قوالی شاخا خانہ کے اور بعد باقاعدہ کا لائی میرے پاس آئے اور  
کہا کہ مقدمہ بالکل صاف ہے۔ میں نے یادداشت کھ لی ہے اور میز میرا پاسو رہ رہا ہے۔ وہ مجھ اور۔ اب مقدمہ بھر پور  
شور سے بن گیا اور اس بارہ گراڈا چشم دید گویا دس بجے رات کو میرے گھر میں گھس کر میرے پاس کھڑے تھے جمع کر کے چلے گئے  
ڈاکٹر جاسنی سے پورٹ کھوٹائی گئی کہ میں نے پاسو رہ پیدائش کو بطور دثرت بیچے تھے۔ فراب وزیر (دوٹی ملی خاں) نے صوف  
داخل کیا کہ سرور جنگ پر عجم خون کا ثابت ہو چکا ہے۔ مسٹر لائی کی کہ واپس آگئے تھے۔ اُنہوں نے کھا کہ سرور جنگ اپنی  
ذات سے پیروی میں مقدمہ کریں۔ کچھ دیر شرطیں لیں کہ ان کو اجازت ددی جائے۔ علاوہ خون کے مقدر کے سولی سرجن کو پاسو رہ  
دثرت دیکھے ہیں۔ یہ جرم بھی اُن پر لٹایا جائے۔ اعراض میری گولڈن ندن کا پڑا سامانی کر دیا گیا۔ کوچان کی جود کو سب سے  
بڑی گواہ تھی اس پر کہ قوال اب ہر جگہ نے قبضہ کر کے خوب اس کو کھٹا یا پھسایا اور کوشش کی کہ گئی کہ میں باہر بھر عدالت  
فرجی میں بھیجا جاؤں۔ اس میں فراب وزیر اور رنڈینٹ سے لے کر کل اہلکاران ریاست بلکہ ایک دو صاحب محل پورگی  
مہاراج کے بھی شریک تھے۔ میں نے جی جی جی حشر پڑوڑ کو دی کہ برائے خدا حضور میری طرفاری نہ فرمائیں۔ ورنہ تباہ ہو جائیگا  
ابنہ لہر کہ عدالت میں نہ بھیجیں اور ایک کمیشن جس کو فراب وزیر اور رنڈینٹ جی پسند کریں برائے تحقیقات مقرر کر دیا جائے۔  
میری زبان کو کو نہیں لے گئی ہے حضور ملاحظہ فرمائیں گے کہ ان ناخواتر لوگوں کی کیا گت بنا تا ہوں۔ چنانچہ ایک  
کمیشن قائم کیا گیا اور اجلاس اس کا پرانی حویلی میں مقرر ہوا۔ کمیشن میں کمپبل (CHAPBELL) رنڈینٹ کی طرف سے سردار عبدالحق  
فراب وزیر کی جانب سے اور قدر جنگ بہادر دربار شاہی کی طرف سے مقرر ہوئے۔ کہ قوال اب ہر جگہ انگریزی طرح کا آدمی تھا  
مسٹر ٹونڈی مدکار اول رنڈینٹ مسٹر ساٹھ۔ اس کا خاص مانعہ تھا اور سید حسین صاحب بکراہی کی توجہ سے فراب لائی ملی تھا  
کی ابتدائی وزارت میں خدمت کو قوالی جلعہ پر سر فراز ہو گیا تھا۔

آدم بر سر خطب ازل شہادت الہی ثابت ہوئی اور ساختہ و معنوی گواہوں نے دو صوم حام سے گواہی دی۔ گویا  
اُس وقت یہ پہلے کثیر بار جو دیکھ ب و علی غول کے پیر سے میرے دروازے پر نصیحت تھے۔ میرے گھر کے اندر دیوان خانہ میں  
گھس آئے تھے اس کے بعد کہ قوال پیر وکادی جانب سے کراہنے خوف نہ جات میں پکلا پکلا کر اپنا بیان کھوایا۔ اب  
نوبت اہل گواہین کوچان کی جود کی آئی۔ یہ ناخوش صورت تھی اور کہ قوال سے غلطی نہ ہوئی کہ اُس نے شراب چاکر پیش کیا

کہ خوب دوسے محرم تبریکس ہوا۔ سرحد ویر جنگ نے اٹھ کر اس کے منہ کو سونگھا اور سر کھیلنے لگا کہ مقدہ خواب گیا۔ اب صرف ڈاکٹر دھری کا بیان لے لیا جائے۔ چنانچہ دوسرے روز ڈاکٹر لاری نے آکر کئی ماحات اور اپنی یادداشت کا قریب بیان کر دیا اور میری شکایت کی کہ میں نے ان کی نہیں دی۔ یہ نہیں حالات دلو اسے۔ میں نے اسی وقت پانسو روپے کی پیشی حدائق کی میز پر رکھ دی۔ ڈاکٹر صاحب تو قبل من میں مار کر چیت ہوئے اور ارکان کیشن نے مشورہ دیا۔ سر کھیلنے لگا کہ مقدہ ثابت ہے۔ میں فیصلہ کھتا ہوں۔ اس پر سرور عبدالحق اور نذیر جنگ بہادر نے کہا کہ مقدہ کیا تھا۔ جینی کھیل تھا۔ ہم اپنے فیصلے اٹھ کھیں گے۔ چنانچہ مجھ سے کہا گیا کہ کل فیصلہ سنایا جائے گا۔ میں نے کہا کہ میری طرف کی صفائی ابھی نہیں لی گئی۔ اس کا کسی نے کچھ جواب نہ دیا۔ سر کھیل دہاں سے اٹھ کر سید سے ذاب دزیر اور سرکار ڈی کے پاس گئے۔ خلاصا میں کہہ دوں کہ کنوں نے بافتفاق فیصلہ سنایا کہ مقدہ خارج اور سرور جنگ کی الزامات سے بری ہیں۔ میں دودھ کا دھوا ہند کا ہنایا گھر کو واپس آیا اور نظر کر کے تیار کی بیکار گئی۔ سرکار ڈی نے ایک خط حضور پُر نور کو لکھا کہ سرور جنگ کی الزامات سے بری ہیں۔ مگر ایک الزام ان پر یہ عائد ہوتا ہے کہ وہ اس قدر نادان ہیں کہ اپنے گھر کا انتظام نہ کر سکے اور ایک آدمی کی جان ہفت میں ضائع ہوئی۔ لہذا وہ اس قوم میں چھ جیسے نمک خاندن نہیں کروئے جائیں اور ان کو فہمائش کی جائے کہ آئندہ وہ اپنے گھر کا انتظام عقلمندی کے ساتھ کریں۔ حضور پُر نور نے بھوکہ یہ خط دکھایا۔ میں نے عرض کیا کہ حضور نے جب ندوی کو ابتدا میں یاد دلا تھا۔ ندوی اسی وقت انجام اپنا کھ گئی تھا۔

ہے فاسے خود سیر نہایت دیدار ششما

ی فرد شد خویش را اول خریدار ششما

اب اپنے نمک خندان اور جان نثاروں پر دم فرمائیے اور ان جگہوں کو ختم فرما دیجئے۔ اس کی دہی صورت میں ایک یہ کہ ندوی فائق علی خاں کو لے آتا ہے۔ اس کا تصور معاف فرمائیے اور ایسی شرطوں سے ان کے ہاتھ بکڑ دیجئے کہ پھر وہ سر نہ اٹھا سکیں اور سر کی شکل یہ ہے کہ اپنے شاہی اقتدار سے اس کو معزول کر دیجئے اور کسی دوسرے خانہ زاد کو یہ عزت عطا فرما دیجئے ورنہ ہم جان نثاروں کی مٹی تک برباد ہو جائے گی۔ فرمایا دوسرا شخص کون تجویز کیا جائے۔ میں نے عرض کیا کہ قبل ازیں کہ ندوی اپنی رائے ظاہر کرے۔ ندوی ایک تاریکی و اتر عرض کرتا ہے کہ لاٹھ ڈھنڈی نے سر جان لاٹس سے مشورہ کیا کہ ملک پنجاب کے انتظام کے واسطے فائق ترین شخص کون ای کے ذہن میں ہے۔ سر جان نے جواب دیا کہ اگر گھر پر بدگمانی نہ کی جائے تو میں اپنے علم و حقیقت سے کہہ سکتا ہوں کہ اس کام کے واسطے میرے بھائی سر بھنڑی لارنس سے لائق تر آپ کو کوئی آدمی نہ ملے گا۔ لاٹھ ڈھنڈی نے فورا انتظام پنجاب ان کے سپرد کر دیا۔ ذاب ایر کبیر کی ادھر کی دوستی مشہور ہے اور نہ خود فضل اپنے بھائی کے کچھتے ہیں۔ ندوی کے نزدیک ان سے بہتر ذرا آپ کو نہ ملے گا۔ یہ سن کر فرمایا کہ یہ امر غرض طلب ہے اسباب تو واسطے آ رہے ہیں۔

واسطے رائے کی آمد اب واسطے رائے کی عاذا دی کا انتظام بھی شروع ہو گیا۔ اب ان دیوانی نے رزیدنسی کی طرف

دہندہ شروع کر دی اور لے چوڑے شہر سے مشرک لڑائی سے ہوتے رہے۔ تاکہ لٹڈ ڈفرن جیڈا باد میں داخل ہوئے۔ دہندہ  
 اودڈ نر اود پائیز وغیرہ کی تحصیل طول ہے جا ہے۔ خلاصہ میں کہ صدر مرید ار اہم جیڈا دہندہ کی میں تین طاقتیں ہیں لٹڈ  
 لٹڈ ڈفرن نے خوب حضور پرنڈ کو شول لیا۔ مشرک لڑائی سے اب تمام قوت کے ساتھ لٹڈ ڈفرن کو پور کرنا چاہا کہ باہم  
 شاہ واد میں صلح کیا دیں مگر لٹڈ ڈفرن اپنے زمانہ کے مشورہ زبان پر یہی شمار کیے جاتے تھے۔ ان پر کسی کا انہوں نے  
 چل سکا۔ قاب امیر کبیر کے قصہ دولت پر شہنشاہی قرار پایا۔ ایک کوچی پر حضور پرنڈ اود قاب حاشر اٹھے اود ہمد کرسی  
 پر قاب امیر کبیر چلتے ہوئے اود لہ کو حکم ہوا کہ میں پس پشت حضور پرنڈ آستان ہوں۔ لٹڈ ڈفرن نے تازہ زبان ناکہ لگائی  
 شروع کی تھی۔ پس گفتگو کیا اس میں شروع کی۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اب حضور پرنڈ کی فارسی حافی کا پرہاؤ ناش ہو تا ہے  
 جرات کے کہ۔ یہاں کھینسیاں فارسی کھنے والے (غیر لوگ) بہت ہیں۔ بہتر ہے کہ انگریزی میں گفتگو کی جائے۔ اس وقت لٹڈ  
 ڈفرن نے نڈر لڑکے کو خوب غر سے دیکھا اور کہا: دیری دی (۱۷۸۶) اب وہ انگریزی میں حضور پرنڈ سے گفتگو کر  
 گئے۔ خلاصہ میں کہ قاب آپ بدل سالار جنگ سے ناما من نہیں ہیں اود یہ تو میں اب بھی کون لاکر اس سے کوئی ایسا قصہ سناؤ  
 نہیں ہوا کہ اس کو اتنی بڑی مراد دی جائے مگر اب لہ کو معلوم ہو گیا کہ کسی خاص وجہ سے آپ اس سے بیزار ہو گئے ہیں تو آپ  
 اس کو معذول کر دیجئے اود یہ انتخاب بھی بلکہ پسند ہے۔ سرخورد جہاد پر میر نوبل اور من رسیدہ اود ذی یاقوت میں گریز و آہش  
 یہ ہے کہ میر سے ملکتے پہلے تک آپ تاقی کریں اور کار باریا ست میں حرم چل رہی ہے چلتے دیں اود میر سے فیصلہ کا انظار کریں  
 اس کے بعد وہ قاب امیر کبیر کی طرف مخاطب ہوئے جس میں اود میں ترجمہ کرتا گیا کہ آپ کسی رسیدہ اود بقرہ کا وہی یقین  
 ہے کہ ہزائیش کو آپ خوش نہ کہراؤ مشرک میں ترقی کریں گے اود دوزوں سرکاروں کی باہم دوستی کو مضبوط کریں گے  
 یہ تو سب کچھ ہوا مگر مولوی لدی علی نے اپنی دانائی اور مشکل کشا عقلی سے چشم زدہ میں ہماری تمام کارستانی  
 اور طویل منت کو بردار کر دیا۔ اس شخص کو اللہ تعالیٰ نے ایسا دماغ عطا فرمایا تھا کہ اگر یہ یورپ میں پیدا ہوتا تو ہمارا  
 اور اڈر دلی بھی اس کے آگے کا نہیں ہوتا۔ واقعہ یہ ہے کہ ہزادہ ڈفرن دواؤں سے لے کر اور کل صبح کو جلنے والے تھے  
 اتفاقاً حضور پرنڈ میر ڈھیل کے پاس تخت پر جلوہ افروز تھے اور صاحبین دست بستہ گردن تخت کے کمرے ہوئے تھے  
 ماقم بھی حاضر تھا اود قاب وزیر ترماں دلہاں دور والان کے کنارے پر کمرے ہوئے تھے۔ حضور پرنڈ نے حسیب  
 ہم سب حاضرین کو علی قدر مراتب پای عطا فرمائے۔ اس وقت شاید اُن کو حقیر کرنے کے واسطے دو پاؤں دست مبارک  
 میں سے کر اُن کی طرف دیکھا انہوں نے دوز کر آداب بجا لاکر وہ پای لے لیے۔ اس ادا بات کا بڑا جھگڑا ہوا گیا۔  
 یہی کوئی دس بجے رات کو لٹڈ ڈفرن کا خط آیا کہ یہ نہیں کہ آپ نے سالار جنگ کی خطا صاف فرمادی۔ بہت خوش ہوا اود  
 میں کل صبح کو ایمان کے ساتھ رہا ہوتا ہوں۔ یہ خط پڑھا کہ حضور پرنڈ نہایت پریشانی ہو گئے اود میں دیرانے حیرت میں غرق  
 ہو گیا کہ انہی نے کیا جاودا ہکا راہ دیوانی نے کیا اود طمس کس طرح توڑا جائے کہ یکا یک باہا و بھی میر سے مذہبی انتہا کیا  
 میں نے عرض کیا کہ حضور نے دو پاؤں علی خاں کو عطا فرمائے۔ اس پر ماضی سامری فن نے یہ جاودہ کی عادت کھڑی



کی۔ اس کا ڈھانچا کیا شکل ہے۔ فرما جاو بہت فرما دیا جائے۔ فرمایا کہ کھینچ لیا جواب دیا جائے۔ میں نے فلم برداشتہ دکھا۔ چونکہ میری اصحاب کی تفتیش ہو چکی تھی میں نے آج فطر کو رخصت نامہ بان عطا کر دیئے اور یہ رسم میرے دربار کی کا ڈری صاحب کو معلوم ہے۔

جب سے کہ انہوں نے آپ کو مطلع نہیں کیا مگر میں جو آپ سے وعدہ کر چکا ہوں اس پر منتقل ہوں یعنی جب تک گلکتہ جا کر مجھ کو آپ دیکھیں گے میں اپنے دل پر جو کسکے فطر سے کام لیتا رہوں گا۔ اس خدا کو چڑھ کر حضور پر نور کا چہرہ مبارک بکاش ہو گیا اور دستھا کر کھینچ لیا کہ حضرت آپ خود اس خط کو لے جائیے۔ میں اذہ پریشانی بڑا کمات کا ایک سنج چکا تھا۔ اول تو ستر کا ڈری سے ملاقات ناممکن۔ دوم دوسلوم وہ مجھ سے کس طرح پیش آئیں اور کیا میری گت بنائیں۔ خوف زدہ خدا کو لے کر زیدہ منی پہنچا۔ سب خواب خرگوش ہیں مبتلا تھے۔ میں نے چراسی کو بلا کر خدا سے کہنا کہ جب کا ڈری صاحب انہیں تو یہ خط ان کو دے دینا کہ لاڈ صاحب کو پہنچا دیں۔

قیاساً گزشتہ کو اس پھوڑا یا تاکہ اپنے سلسلے وہ خدا پہنچا دے۔ بعد اس کے میں نے حضور پر نور سے عرض کیا کہ نقصان تو کچھ نہیں بڑا مگر ستر کا ڈری کو صاف کر طویل دینے کا موقع مل گیا۔

اب یہ سنئے کہ اچھارانی دیوانی امیر کبیر کے نام زد ہونے کی خبر سن کر اذہ پریشان ہو گئے۔ اذہ حاضر باشان درود شابی میں بھی کمال درجہ کھلبلی پڑ گئی اور ہر جانب سے ان پر کئے شروں ہو گئے۔ یہاں تک کہ حضور پر نور بھی ان سے ملگو کر دیئے گئے۔ نواب بشیر الدلہ آسمان جاہ امیر کبیر اس زمانہ میں انگلینڈ گئے ہوئے تھے حضور پر نور نے اس میوہ دل میں بکائے نواب امیر کبیر نام آسمان جاہ کا لکھوا دیا۔ جب وہ میوہ دل تیار ہوا تو اس کو صاف کرانے کی ضرورت پڑی۔ افسر جنگ کا آگہریزی خط بہت اچھا تھا اور وہ دندہ نویس تھے۔ باوجودیکہ میں ان حضرات کی بے وفائی کے مزے کچھ چکا تھا اور ان کی اہل بنی مزیدہ سے واقف تھا مگر آذہ مراد آذہ وہ دل جل است۔ کامصداق بن گیا اور وہ میوہ دل ان سے صاف کرایا۔ انہوں نے اپنی حالت کے مطابق فائدہ عظیم اٹھایا۔ سر آسمانی جاہ کو فرمایا کہ اسے کرایا منوں بنایا کہ گویا ان ہی کی سفارش سے وزیر ہونے لگے اور اپنا ماتہ گورنمنٹ میں کھلا۔ کھا اور فوجی حارج میں بھی ترقی کر سکتے تھے۔

نواب آسمانی جاہ دوسرے ہونے انگلینڈ سے آئے اور ولعت و منارت سے سرفراز

**آسمان جاہ کا عہد وزارت**

ہونے اور نواب وزیر (ملی خاں) چونہ میں جا کر تعین ہوئے اور وہیں انتقال کیا۔ جس وقت نواب امیر کبیر نے ان کے انتقال کی خبر سنی۔ آنکھوں میں آنسو بھر لانے اور فرمایا:

ایں ماتم سخت است کہ گو سینہ جو ان مرد

جب تمت اہل پنپے کی تھی جن لوگوں نے اس سے فائدہ اٹھائے۔ انہیں لوگوں نے اس کو برباد کیا۔ نواب امیر کبیر کا قول صرف ایک حد تک صحیح ہے یعنی اہل سازش جو نواب وزیر کے گرد جمع ہوتے تھے۔ ان میں صرف دو صاحبوں نے مستقل اور دعائی فائدہ اٹھایا کہ عہد امر سے دینہ تو ایک طرف امر نے عظام سے ہی دولت و حکومت و جاہ و جلال میں بہت سے گئے اور نواب آسمان جاہ کو سیر بھی بنا کر قدم قدم با قدم چڑھتے رہے اور جب آسمان جاہ کی معزولی کا وقت آیا تو وہاں سے اذہ نواب تھا مالا مال کی چھتری پر جا بیٹھے۔ ماتم کا حال یہ ہوا کہ با حینان تمام اپنی چھوٹی سی حیثیت و عزت لے کر چڑھ گئی



اختیار رکھ کر صاحب مستی اور مشاق حضرت تیدہ پاشا صاحب بخاری کے دست حق پرست پر حجاب پر دستگیر ہو کر غریب و نیاز کی فطرت میں داخل ہو کر زیادہ اپنے ملکات پہنچے پروردگار کے ہمدردی کی خدمت میں ہرگز نہ ملے گا اور سعادت کے لیے قبول ہو گا  
رکتی ۔

ایک ہم بی کو بوسہ دینے پہنچاں کو بس ایک وہ بی کو جن میں چاہے کے اسی میں گئے  
قطع قیاس کر دیا۔ ایک روز میں نماز صبح سے خاندان ہو کر باہر نکلا تو دیکھا کہ مولوی شائق حسین پر سے مکان کا مسجد کے کھتہ تین بیڑ  
کر رہے ہیں مولوی صاحب نے قرآن مجید کو پڑھ دیا اور لہجہ سے بہت نپاک سے لے۔ مولوی صاحب امتناع میں مصدقاً  
نہایت متذکرین اور کچھ غیر خواہر دست اور کمال درجہ جاکش اور کارگر اور ہر سازش سے پاک و صاف اور عربی فارسی میں دستگاہ کمال  
کہتے تھے اور ذاب آسمانی چاہ کے شیر خاص تھے۔ لہجہ سے کہنے لگے کہ تم باقی کر نشین بنے ہو۔ میرے ساتھ جو۔ میں ذاب صاحب  
سے تھادی مضارث و مضانی کرادوں گا۔ میں نے ہر چند مذکورہ لکھ کر دیکھا کہ کڑے لگے۔ ذاب آسمانی چاہ نہایت متعلی مزاج اور کڑے دانا  
اور ادا حکم کن تھے۔ لہجہ سے بلند پیشانی تھے مگر آستانے گنگو میں ذکر ذاب خود مشید چاہ ایر کر کا آگیا۔ لہجہ سے فرمایا کہ آپ اکثر  
ان کے پاس جایا کرتے ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ میری اسی کی قدیم راہ درم ہے اور ان کے فرزند میرے شاگرد ہیں۔ یہی کہ وہ بیڑ  
ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد روانہ ہو کر باہر لے آئے اور کہا کہ آپ نے فطرت کی جو یہ جواب دیا۔ مگر میں سمجھاں لوں گا۔ اب اصل مطلب جو  
ذاب صاحب کا حال تم خود جانتے ہو۔ چوتروں کے ایر میں ادب اہل سازش سے جلی تم خوب واقف ہو۔ ذاب صاحب نے کئی  
صورتیں حضور پر فرمایاں و اصل کیے کہ امتناع سے لے کر کجا کر کہنے پاس دیکھیں مگر اب تک کوئی جواب معانین ہوا۔ اگر آپ کچھ غیر خواہ  
ریاست کے جس امر یہ چاہتے ہیں کہ وہ دارہ سازش کا بند ہو اور کا بدیاست میں خلل نہ واقع ہو تو آپ میرے پاس سے میں مزید کوشش  
کیجئے۔ میں نے ان سے کہا کہ تم روات کا فائدہ لیجئے۔ میں آپ کے مدبر و ممدود تھا ہوں ادب ہی داخل کرادیجئے۔ چنانچہ میں نے  
فصلیہ صورتہ یہ لکھا کہ مراد علی حسن نے آسمانی چاہ ہلار کو اس خدمت پر سر فراز فرمایا ہے تو فرزند ہے کہ ان کو ان کی ہند کے بھلائی  
وہ ذاب قائل علی خاں کے وقت کی ہنگام آرائی قائم رہے گی اور مولوی شائق حسین پر ان کو کمال اعتبار رہی ہے۔ غدی نے ہرات  
صورتہ کی صورت براہ غیر فرامی کی ہے۔ یہ کہہ کر میں چلے آیا۔ چند روز بعد میں نے سنا کہ مرادنا دست ماست بلکہ حسلے پیری ذاب  
آسمان چاہ کے ہو گئے اور کل مل و حشر ریاست ان کے قبضہ میں ہو گیا اس شخص نے فرد بی صاحب کو مراسلات انگریزی کے لکھ  
اپنا پیش دست اسٹیم ٹرین کی مشرقی راہ بنایا اور مدی جس فرخ داز جنگ کو اپنا شریک خدمت کر کے مولوی مدی علی کو خانہ نشین کر دیا  
یہ مدی جس فرخ داز جنگ چند روز پہنچے جہاں عید میں کے ساتھ ہمارے قسیم خاں و تربیت خاں واقع تھیں بارخ کھنوس میں سے ساتھ چلی  
جسے سے گر کر حاصل کیا اب سوز ہی میں قرار تھے۔ جہاں ملک خود میں خط ہوئے۔ ایک دفعہ میں کو مگر میں ڈال کر پدہ نشین کر دیا  
تھا اس کی سے کچھ انگریزی کر پدہ و تکریر حاصل کر لی تھی۔ ذہیب و ما پاپا تھا ایک کچھ میں کچھ میں ڈال تھی۔ سرسید احمد خاں سے بیت  
کر کے ان کی سندش بنام وزارت پندہ ہوئے تھے۔ مگر ان کا اختصار چکا تھا اور بارخ کا محدود نہات تھا۔ مولوی شائق حسین ان کو  
اپنے ساتھ میرے پاس لے گئے۔ میں نے عینہ صاف میں خدمت رکھا دیا تھا مگر چند روز ذاب دذیر میں انھوں نے اساتذہ کی کم

سے فواب وزیر کی محبت میں کمال نمودار حاصل کیا اور جب وہ معزول ہو گئے تو بادشاہ مولوی شقائق حسین صاحب و شیر خاص فواب آسمان جا۔  
 جس گئے گھر محو فواب آسمان جا، سید سیدہ اور قدیم تہذیب کے پابند تھے۔ عیم صاحبہ کی دال دیاں نہ لگی۔

مختصر پر فزنی گئی اختیارات حق و محدود و ذات پناہ میں ماریج و فواب وزیر کو حاصل تھے فواب آسمان جا، کو عطا  
 فرما کر فواب کی زیادت ابدیت کا دریا۔ صرف اہم معاملات میں ضروری معروضات مع اپنی رائے اور تجویز کے فواب صاحب کی نظر  
 سے امدان کے نام اوردہ تختہ سے مولوی شقائق حسین صاحب داخل کر دیا کرتے تھے۔ گویا دھقیقت وزیر اعظم جناب مولانا اور ان  
 کے شریک خراج واز جنگ بہادر تھے۔ فواب صاحب فقط و تختہ کے مالک تھے۔ مولوی شقائق میں سر لائے فدا اور بٹ کے اور کوئی  
 عیب نہ خد ریاست کے خیر خواہ و ذات خواہ نہ تین شوق و پر میر کا رہ گشت و جاگشت میں تکی کا پیل شب و روز قلم و ذات کا فز سے  
 سودا کار محو چوک نہ سے مولوی تھے۔ بند پروازی میں کبھی ایک منزل کو گھنے سے زیادہ دوڑاؤ سکتے تھے۔ انگریزی معاشرت اور انگریزی  
 خیالات سے ناواقف تھے۔ لہذا انھوں نے جس طرح پنے ہوئے باقی کو جنگلی اہلیوں کے پرنے کے واسطے چھوڑا دیئے ہیں۔ ستر  
 فودہ جی بیجے ادیب اور انگریزی معاشرت کے واقف کار، انگریزوں کو رام کرنے کے واسطے متین کر رکھا تھا۔ اور خراج واز جنگ  
 مددی حسن کو کہ جب موقع کذب و صدق میں ہے ہاک تھے۔ اہل سازش کی سرکوبی کے واسطے اپنا شریک خدمت بنایا تھا۔ خود حیدر  
 کی خوشنودی حاصل اندام رکھنے کے واسطے سید حسین صاحب بگڑا لیا کاٹی تھے۔ علاوہ ان کے اسر جنگ پٹیل ہی سے اثر مہا چکے تھے  
 رہ گیا ہیں۔ سو سبھوں کی دوست میں کرنل مارشل میرا کام تمام کر چکے تھے۔ اب تین وزیر عید آباد میں ہو گئے ایک وزیر اعظم برائے تختہ  
 اور دو وزیر کو جنگ برائے انتظام ریاست اور انگشت ششم میں کرنل مارشل مع اسر جنگ۔ مگر معزول اسر جنگ ایک بیانیہ سپاہی  
 کو برائے معاملات میں مداخلت کی خدمت کماں ہو سکتی ہے صرف مدد بولے بجائی بن گئے تھے اور جب کرنل صاحب کو اول درجہ کا  
 محکمہ دیا جا کر پیل زمین سے روانہ کر دیا۔ تو یہ وزیرانے کو جنگ کی برادری میں شریک ہو گئے۔

مولوں مددی ملی کی بابت کچھ رعایت برہمنی اور کچھ یہ خیال کہ فرد بھی کو ان سے جدا کہے ان کو پر تیجی کر دیا گیا لہذا ان  
 وزراء نے ان کو تہیم و خانہ نشین کر کے چھوڑ دیا اور یہ کچھ کر کہ ہر طرف سے سازش کا سبب باب ہو گیا۔ ریاست کی گاڑی کو دیل گاڑی  
 کی رفتار پر دھوم دھام سے چلنے لگے۔

واب مددی ملی خاں، خیر فواز جنگ جس الملک ایسے آدمی نہ تھے کہ وہ بی بی بن کر چوں سے کان کر دے۔ اب فابا  
 میں جیسے چوڑے معنایں لکھنے شروع ہوئے۔ وزیرین نے شرف فواب امیر کبیر پر کیا۔ ایک روز میں پرائی جوبلی حاضر تھا۔ وہ سجھے  
 وزیر حسین شقائق حسین جی کچھ مزدوری کا فزات مدخل موجود تھے۔ میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ "اب تو خوب اخبار نویسی کی مشق  
 ہو رہی ہے۔ آج کی باریابی میں حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ میں نے جواب دیا کہ اگر یہ خطاب غیر طرف ہے تو چشم مار دین دل با شاد  
 اگر میری طرف ہے تو آپ کے رماخ میں نعل ہو گیا ہے۔ میں وہ فواہوں کو آدمی کے صلق میں ایک پایا کرتا ہوں۔ مولانا تو یہ نہیں سب  
 رہ گئے مگر فواب و قار احمد، بہادر کو حین، گیارا اور فرمایا۔ بہت اچھا دیکھ دیا جائے گا۔"

ہمیرے کا مقدمہ اور دلیڈی وقار فواز کا معاملہ۔ اب نیچے کو امیر یو ڈانڈ (پیر سے) کا مقدمہ مکہ اور گیارا اور

اس قدر طول اس کو کہ ان تمام ہندوستان میں لٹ گیا اور بہتوب جنگ مہاراجے نے حضور پروردگار کی شہادت اس عرض سے کرائی کہ شہادت پیش برگی دھڑے کو طول ہو گا مگر مولیٰ شائق حسین خاں بہادر قنار الملک اپنی خدمت پر قائم رہا اور حضور کو ہوا کہ کے آخر حضور پروردگار کو کیش میں طلب کر کے انھار ان کا حکم بندہ کرایا۔ اور مدبر کو یک مدد میں خاں نغ ناز جنگ میں اپنی ہم صاحبہ انگینڈ پنے اندیشیت دیندیا ست جہاد دلی مذہب کو کھٹے معطر کے دربار میں پیش کرایا اور انھار ملا برسر لکے پتا پتہ محمدی صاحب انیسٹر اور مولیٰ صاحب جگر آئی اور میں الملک بہادر ای تیزوں نے ایک شخص تھرا نامی بنگالی منور کا لال سے ایک رسالہ نواب نغ ناز جنگ اور ان کی سیم کی بابت چھپو ادیا جس میں ان کے اوائل عمر کے حالات مذکور تھے۔ نڈ پٹ نے اس بنا پر باز پرس کی کہ اس عہد سے مذہب بارنگہ مسلک کی جنگ کی ہے۔ لہذا نغ ناز جنگ کو لازم ہے کہ اس رسالہ کی نگار میں ثبوت پیش کریں۔ تیسرے چوتھے روز مولیٰ میرا قبال علی رکن گروہ و وزارت میرے پاس تشریف لائے اور مجھ سے کہا کہ تارا الملک اور نغ ناز جنگ کا حکم ہے کہ آپ کو ہم اپنا گواہ رائے نگذیب رسالہ پیش کریں۔ میرا قبال علی کے بعد وزیر اعظم نے مجھ کو طلب کیا اور پوچھا کہ آپ نغ ناز جنگ کی تدبیر سے واقف ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ اگر یہ جہاد یافت حرما یا جائے تو کتنے؟ اس کا نام میں ڈالنا تھا۔ میرے ہم دس دہم مکتب اس کے حالات سے واقف ہیں۔ میرے پاس جواب پر ہر گز نہ آستینیں چڑھائیں اور اب صاحب کا چہرہ صبر ہو گیا اور ارشاد فرمایا کہ معلوم ہوا کہ آپ ہی اس رسالہ کے مصنف ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ میں اس کا مصنف نہ ہوں کہ اس کی اشاعت کا علم۔ میں نے عرض کیا کہ اگر یہ مقدمہ چلا گیا اور میں مجبور پیش کیا گیا تو یہ وزارت قائم نہ ہے گی اور سلام علیک کے کے نہایت متروہ اور پریشانی گھس رہا میں آیا۔

اس شب کو میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا میں ایک زندہ شکار گاڑی اور نہایت خوب صورت و بلند قد جوڑی پر سوار ہوا ایک اپنے طاقانی کے مولیٰ مشتاق حسین کے مکان پر گیا ہوں اور وہاں پہلے کپڑے و دربار اور علی کپڑی برسر بہت سکاقتا اور میں میری گاڑی کے پاس تیسے اور دو کا فزات میرے سپرد کہ مجھے چرن گاڑی اور جوڑی لکھے لے گاڑی اور نہایت بلند ہو گئی اور جلدی پر پہنچ کر اٹھنی ہو گئی اور وہ اٹھی گویا ہوا پر پڑاں لہجہ کی سیلون جیرہ کو لے گیا اور وہاں کے بڑے ہوئی کی میز پر اترتا۔ چہر میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے یہ خواب حضرت پیر و مرشد سے دوسرے روز بیان کیا۔ اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ تم کو یہ خواب بارگہ کرانے اور انجام بخیر ہو۔

دوسرے روز کو میری حکم و نہایت لہجہ کو پہنچا کہ فوراً میں اپنا بیان لکھ کر داخل کون۔ اب میں نے خیال کیا کہ تمھاری پوری شہادت تھی۔ میرا کہ بہتہ و ستارہ سرد دولت ملک رخصت شاہی پر پہنچا۔ جب اتفاق ہوا کہ میری اطلاع ہوئے ہی خود بہتہ اقبال بہادر ہو گئے اور اپنے کمرہ نشست گاہ میں فوراً مجھ کو بلا دیا میں ہوا ہمارک دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ انھیں لہجہ بہار بھارتین چہرہ بالکل سفید میں ایک ہونہ میں خوشی کی زحقی۔ میری آنکھوں میں آنسو جھرنکے۔ میری پورسٹہ زنج کے جو اب میں دریا کو اپنا حال تم سے کون گا۔ پہلے یہ بتاؤ کہ تم اس وقت کیوں حاضر ہو گئے۔ میں قہر کو خود چھٹے ماہ تھا۔ میں نے ٹکی ماہات منتقل عرض

کر دیئے۔ فرمایا: "آپ کو تو ڈیرہ سی مبارک اور لہجہ سے قتل ہے۔" اسان جاہ کا کیا حق ہے کہ بے میری اطلاع و اجازت آپ سے پیام و سلام کرتے۔ میں بہت خوش ہوا کہ آپ نے جواب ترکی بہ ترکی دیا۔" یہ فرما کر عرضداشت وزیر اعظم کی تعلیم و دانشمندی میں خاص صاحب مز پر ہے آشکار کہ لہجہ کو عادت کی۔ خلاصہ اس کا یہ تھا کہ سرور جنگ پر مقدمہ قائم کرنا چاہئے۔ اس کے بعد فرمایا کہ آپ کچھ اندیشہ نہ کیجئے جو واقعات آپ کو معلوم ہیں بے تکلف کھہہ بیجئے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ اب آپ میری سنئے، شائق حسین صدی حسن اسٹنڈنٹ نے لہجہ کو عادت نہ تو نے کے سننے ناسخ خیر کیا زبردستی ایک ادنیٰ میرے کے واسطے میرا بیان کھہرایا اور کوئی تاخیر نہ ہوا۔ مسائل اب تک چل رہا ہے۔ اس صدر نے میرا یہ حال کر دیا۔ میں نے عرض کیا کہ اگر حکم ہو تو ندوی اس معاملہ کو ختم کر دے۔ اس وقت یعقوب بیگ صاحب کو بھی بیان آیا ہوا ہے اس کو بجا کہ آپ کے قدموں پر گرا دیتا ہوں۔ آپ اس کی خطا معاف فرما دیجئے۔ پھر اغراض میں داخل کر دیجئے۔ یہ سب منہ دیکھ کر وہ جائیں گے۔ فرمایا جو کچھ کرنا ہو۔ جلدی کر دیجئے چنانچہ یہی ہوا اور مقدمہ ختم ہو گیا۔

ادھر حضور پورہ نے لہجہ کو شب دروز عائنہ باشی کا حکم فرمایا اور گل حرمند شیشی جو وقتاً فوقتاً وزرائے کو چمک بہ دستخط وزیر اعظم بھیجا کرتے تھے۔ لہجہ ناچیز کے پیر و فرما کر ان کے مضار و مفاد کی تسبیح کا حکم دیا اور اب احکام شاہی برد و تدبیر جاری ہونے شروع ہو گئے۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ آنحضرت بدلت و اقبال نے تقدہ نصرت کل محل وقتہ اپنے دست مبارک میں لیئے لاکر لیا اور اب امیر کبیر سرور مشید جاہی آنحضرت کو رائے دینے میں مستعد ہو گئے۔ نواب فرما ملک نے بھی مثل فرمایا۔ امیر کبیر باور با غلوس نیت معاملات کو سمجھانے کی کوشش کی۔ اب وہ زمانہ آگیا کہ "قانونہ مبارک" کے تالیف کرنے کی ضرورت پڑی اور لہجہ ناچیز بیکہ ان کو حکم دیا کہ ایک نظم سیاسی ریاست کا بہت جلد مرتب کیا جائے تاکہ آئندہ کوئی اندیشہ نہ آوے۔ "حمد و دارا" اپنے فرائض منصبی کو کچھ کر دائرہ محدود سے قدم باہر نہ نکال سکے۔

چنانچہ حصار اول قانونہ مبارک منظور باقدس ہو کر واسطے طبع کے بھیجا گیا۔ اس وقت اتفاقاً ایک میرے دوست کا گھر سنے بے میری اطلاع ایک معمولی قانونی فقرہ اس میں شامل کر دیا۔ وہ فقرہ گویا جاہدار میں کس کا پیرہن معلوم ہونے لگا۔ میں نے عرض کیا کہ اب تو گل سنئے اس کے چمپ ٹکے۔ میری غفلت معاف فرمائی جائے۔ یہ قانونہ مبارک ہے۔ اب صرف ایک شکل پیش ہوئی وہ کہ باوقات عذارت پناہ منیہ نسی کا ڈربہ لڑائی کے سڑوں میں اہل سازش کے واسطے کھل گیا تھا اور جس نے پہلے مذکورہ کے کاڑی پر قبضہ کیا وہ ہی بازی لے جاتا تھا۔ اس وقت تک تو یہ سب مسئلے کو چمک کی توڑ پھوڑ کی طرف متوجہ تھے مگر کاروبار مبارک کے بعد سب کی توجہ میری طرف مبذول ہوئی اور آپس میں سرگوشیاں ہوئیں کہ اگر خلاف و رادہ قدم ضرور پورہ سنئے عین حکمت اپنے دست قدرت میں ہی اور دوائت کی خود مختاری کا خاتمہ کیا تو پھر ہم لوگ تو محض شطرنج کے پادیسہ وہ جائیں گے اور یہ وقار و اعتبار جو ہم نے انگینڈہ تک حاصل کیا ہے۔ یہ ظالم سرور جنگ مع

اما ازین گیاہ ضعیف این گشاں نبود

مثل تاج حکومت ایک ہی ہاتھ میں نیست و نابود کر دے گا۔ چنانچہ دیر میں محمد دارشل ڈنلاپ (DUNLOP) کو مسز نیل

(NAVAL) کے جنرل ملیر بھی تھے جو انہیں حضرت کی سفارش سے عظیم ریاست میں تھے وہ بھی شریک رہے اپنے ہم وطنوں کے ہر گئے اب اپنے معانی انبار میں لکھے شروع ہو گئے اور پرنٹ پر عظیم پالیسی کے قائم رکھنے کے واسطے لکھ دیا۔ لہٰذا کہ ہر اپنی صفات کی فکر کرنی تھی۔

فی الحال جبکہ ان حضرات نے دیکھا کہ ان کا سنس بھر پر لاگو نہ تھا تو مروی حدیث علی خاں حسن الملک کو اپنی رائے اور مشورے میں شریک کیا۔ جناب سلطان نے میرے بیان و حمل سے زیادہ امداد و رفت شروع کی اور میرے مکان کے فریاد و حالات دیکھ کر کہ درجہ ۲۱ سے اندر داخل ہوئے۔ نہ غم نہ مزہ نہ ذکر کی کوئی بہت۔ سنس و دہندہ دی میری کم استطاعتی و عصبے بطنی پر غماز کی اور ہر صفات میں میری معمولی حالت پر امداد کثرت اور ادا کی بابت گفتگو کیا کہ اے ادا فرجک بھادو کی مثال دیا کرتے کہ کس طرح انہوں نے اپنی دنیا کو بھٹایا ہے۔ انفرنز ایک مذہب کے ہیں۔ وہ دقت میں مبتلا ہیں یا فرسٹی حاکم کو دہشت میں لینے کی حالت نہتی مرزا خضر بیگ جو رازدار و وفائے تھے میرے پاس آئے۔ اس وقت مسٹر پالمر (PALMER) بریٹر میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے مرزا صاحب نے اسے کہا کہ تم سے تنہائی میں ملنا چاہتا ہوں۔ مسٹر پالمر نے سن کر باہر چلے گئے۔ مرزا صاحب نے اول ہر طرف کے دھانڈے کر کے بند کیئے اور میرے پاس بیٹھ کر ایک پوٹلی لال پیر سے میں پوٹلی جب سے نکال کر میرے سامنے رکھ دیا میں نے کہا۔ جی۔ یہ کیا سادہ ہے کہ وہ دھانڈے بند کئے اور پوٹلی کیس ہے۔ فرمایا کھول کر دیکھ لیجئے۔ باوجودیکہ میرا ہاتھ بوجھ نہ تھا میں نے بھٹل پوٹلی کھولی، اس میں بہت سے گھٹے ڈون کے بندے ہوئے تھے۔ میں دیکھ کر حیران رہ گیا اور ان کی صورت دیکھنے لگا۔ وہ بڑے کمزور لگنے لگے اور کہا ہے کہ آپ کی حالت حد سے گزر گئی۔ آپ کی حالت سن کر ذرا آپ آسان جاوے کو بہت سنس ہوا۔ اس کو مرثت دیکھنے بلکہ دو تانہ کھینچ لیئے اور اپنے بچوں کی تعلیم پر مصروف کیئے۔ ذرا صاحب کا یہ عطیہ ہے فرماتا ہے۔ یہ دیکھنے کہ وہ کوئی کام آپ سے نکالنا چاہتے ہیں۔ وہ اور آپ اور ہم سب غیر خواہ جاننا نہ خود پُرورد کے ہیں جو آتا آپ چل رہے ہیں۔ اگر یہ ریاست کے واسطے بہتر ہے تو ہم سب آپ شریک اور ہمیں امداد و دھار دینے کو مستعد ہیں۔ ہم سب کی غرض ایک ہوتی چاہئے اور وہ نفس و ریاست کی بہتری و فیر خواہی ہے۔

[illegible]

حکمتِ امر کی طرہ سے آپ نے فرمایا وہ جانا لگا دیا کہ اس کا دھرتا میری قدرت سے باہر ہے۔ اب بسم اللہ آپ تشریف لے جائیے اور یہ کہتے ہوئے کہ واقعی عرفان کا قول صحیح ہے کہ آپ کا نام دفترِ عقاد میں منبرِ اول پر درج کیا جائے۔ میں نے پاور صاحب کو اندھ کجایا۔ وہ کوئی درخواست نہ کی تھی۔ میں نے وہ درخواست اسی وقت بھجوا دی اور پھر ان سے کل حال بیان کر دیا اور پڑی بھی ان کو دکھائی۔ ان کا رنگ زرد چڑھیا اور کہا کہ مرگ زومبار کہا۔ اب تم کسی طرح نہیں نکال سکتے۔ تم کو تو ہاتھ تک نہ لگا تھا اور سرستادہ کو گھر سے باہر نکلا دینا چاہیے تھا۔ میں نے ان سے اپنا نشان بیان کیا اور کہا کہ میری حالت ذرا سنبھل جیسے تو میں یہ تم کو پڑھ کر فائدہ دے کر دیتا ہوں۔ وہ میرے بہترین گواہ ہو جائیں گے۔ انھوں نے کہا کہ واقعی خوب تھا راز جن رٹا لنگر دانا جہود اور ایک سنت کی دیر نہ کر دے۔ مگر اس روز جان نہ ہوا۔ دوسرے روز صبح کو میں نے خیال کیا کہ جس طرح ہی سکے۔ یہ جاسر پر سے مارا۔ موت اس زندگی سے بہتر ہے۔ اصرار مصری خاں نے فرعون کے لہو کو اٹھا کر باگی میں ڈال دیا۔ دیوڑھی مبارک پہنچ کر ملازمین نے لہو کو کس پر ملادیا۔ اس عرصہ میں حضرت پڑھ کر آدھ ہوئے۔ میرا حال زار دیکھ کر انہوں نے فرمایا۔ اس کے بعد میں نے اپنا منہ دیکھ کر ابا اور بھائی دست بستہ نذر گزرائی فرمایا۔ یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کی۔ میری نذر قبول فرمائی جائے اس کو کھول کر ملاحظہ فرمائیے۔ حضرت پڑھ کر اس کو کھول کر ٹوٹ گئے گئے اور لہو کو دیکھتے گئے۔ میں نے عرض کیا کہ یہ اتنی بڑا اسکے ڈٹ لہو کہ آسمان جاہ بہادر دیرِ اعظم نے بعد از انعام عطا کیے ہیں جو کہ میں اس کا مستحق نہیں ہوں۔ حضرت پڑھ کر نذر گزرائے جہود اور تمام و کمال تقصیر میں نے عرض کیا۔ سنئے ہی جو مبارک شریخ ہو گیا اور عابد کو حکم دیا کہ ٹیلیفون سے آسمان جاہ کو ابھی بلاؤ۔ میں نے قدم پکڑ لیے اور عرض کیا کہ میرے حال پر دم فرمائیے اور میری عرض قبول فرمائیے۔ آسمان جاہ اس وقت فقط دیرِ اعظم کی نہیں بلکہ کسی اعظم ریاست آصفیہ اور شہ دار شاہی ہیں۔ اس وقت اپنی حوت بچانے کے واسطے ان کو کسی جس حکم کو پہنچ کر دینا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ علاوہ اس کے میں تنہا اس اصرار ایک گرد و زخم مستعد بیکار چیت و چالاک فرمایا پھر کیا کیا جائے۔ میں نے عرض کیا کہ یہ رقم ایک خاص غرض سے دی گئی ہے مین ندوی کشش کر کے حضور میں اور آسمان جاہ میں اتنا قالم کرامتے تا کش سابق نامہ دہی اسدا جہانے تا نو پیر مبارک بیکار ہو جائے۔ اگر حضور پڑھ کر ایک حمایت نامہ آسمان جاہ کے نام لکھنا ملاحظہ فرمائیے کہ یہ کل حضرت خوابِ غفلت میں پڑ کر جو حال لہو پڑا ہے اس میں خود پیش جانیں گے۔ ان حضرات کی چال یہ ہے کہ کسی خیال سے کہندوی نے رشتہ قبول کر لی ہے۔ چند روز میں اپنے کل کام صوبہ لخواہ ندوی کے ذریعہ سے پختہ کر کے پھر ندوی پر جرم و ثروت لگا کر ندوی کا خاتمہ کریں۔ ندوی ستر پلاؤں کو بھی اس ماز میں شریک کرنا چاہتا ہے۔ ماں سے رخصت ہو کر اسی حالت میں دہلی میں پہنچا۔ وہ تمام کام کئی ان کو بھی سنائی۔ وہ نہی کہ ایک مرتبہ گڑی پر سے جیاب ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ انھوں نے کہا کہ لہو کو لازم ہے کہ میں نہ اٹھوں، اس کو رو بہ رشتہ کر دوں اور ہزارائیں زور آسمان جاہ سے جواب طلب کریں۔ میں نے کہا کہ یہ لوگ خود اپنے بھلو بھاگ کر وہ لہو پر رشتہ سنان کی تحت لگائیں گے۔ لہو حال ہی میں جانیں گے۔ دوسرے دن بدگامی عالی اور دہلی نٹ کے باکم شہر میں ہی مائے تربیتی کوئی احوال غامض رہنا پائے۔ میں نے بھی چند مصروفیات کی ملاحظہ یاں حاصل کر کے ان کو گمان بار دہیدہ کو پورا چھین دیا کہ میں یہ رقم جہم کر بیٹھا ہوں۔ فتح ناز جنگ نے بنیں بجاتی کہ اب لہو کو کون نکال سکتا ہے اور بے میری کی حالت میں کیا بیک سر پلاؤں کو خط لکھ کر کہہ دیا کہ میں نے جب لکھا تو ڈال کر ایک لاکھ دیر سزا سمان جاہ سے وصول کیا ہے۔ سر پلاؤں نے

شاہد و وزیر و دیگر بزرگ و قریب کا کہ سود جگ سے درنا جو اب غلب کیا ہونے اور جو گ اس شرمگ سلا میں شریک ہوں  
ان کا بھی بیان تم بند کہ کے میرے پاس بھیجا جائے۔

مروری مدی علی پریشان حال میرے پاس آئے اور کہا کہ تم سات انکار کردہ میں نے کہا کہ میں اسان فراموش  
نہیں ہوں۔ اب صاحب نے کہا کہ یہ رقم میرے بچ کی تعلیم کے واسطے عنایت فرمائی۔ میں طائفہ اس کا شکریہ ادا کرنا  
چاہتا ہوں بلکہ فائدہ دیر میں سے جو میں ہزار کم ہی۔ میں وہ بھی وصول کرنا چاہتا ہوں۔ وہ دوسرے ایک سید کا غریب تاقی تھا  
گرمی پر مرگا۔ میں نے کہا کہ سو روپوں گا۔ میں نے کہا کہ سید تو نانا علی مرطقی میرا اسلام کے وقت سے مظلوم شہید ہوتے چلے  
آئے ہیں۔ یہ تو آپ کا ورثہ ہے جس میں تو آپ جو کہ لکھا کہ تم کو جی تو بھی ہے اور میرا کام تمام ہو رہا ہے۔ میں نے کہا۔ وہ فانی ہو گیا  
نہ کروں گا۔ وہ کل عداقت کھدیجوں گا۔

اس کے بعد مروری مدی علی دکن رکین گروہ خائف میرے پاس آئے اور کہا کہ تم کو فاب و کارا لہو نے بٹایا ہے  
میرے ساتھ چل۔ فاب وزیر اعظم بھی بوجہ ہیں۔ میں نے بددیہی علی بن حسنہ پڑنے سے اجازت حاصل کی اور اس کے ساتھ ہوا  
وہاں ایک ہنگامہ دھم دھند ہوا۔ فاب و کارا لہو کو ایک کمرہ میں ٹھہرا دیا۔ اس نے کہا کہ آپ کو کچھ دیر مروری  
مدی علی نے دیئے ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ مروری مدی علی نے کہا کہ ایک کوڑی بھی نہیں دی۔ البتہ مرزا خضر علی بیگ ممتاز  
شاہ عبدالرحیم نے کہا کہ فاب آسمان جاہ کی طرف سے اتنی ہزا کے (ٹٹائی) فٹ ہزار دیر دیئے ہیں۔ اس پر مروری مدی علی  
نے قبضہ مارا اور کہا کہ میں ہزار جواب کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا کہ اگر میرا حق ہے کہ لکھا چاہیے۔ جب فاب صاحب کے دفتر میں  
میرے نام ایک لاکھ دواج برائے ہیں تو باقی میں ہزار عنایت دے کے جائیں۔ فاب و کارا لہو نے فرمایا کہ آپ کے ساتھ ہم کو  
بہت کچھ مل سکے دے دے ہیں۔ لاکھ میں ہزار کیا اصل ہے۔ فاب و کارا لہو اور مروری مدی علی نے قرار پایا کہ میں ہزار روپیہ  
مروری مدی علی سے واپس لے کر لے کر دیتے جائیں۔ اس شرط پر کہ میں شرط ڈون کے جواب میں سات انکار کروں۔ میں نے کہا کہ میں  
ہرگز انکار کروں گا۔ یہ سب غلطی میں نے پیر برقت ابراہیمی حسنہ پڑنے سے عرض کر دی۔ ارشاد فرمایا کہ آپ کچھ پیرا نہ کیجئے اور عنایت کئے  
دیجئے۔ پس حکم قدس نام وزیر اعظم شرف صدر پایا۔ اس کے ساتھ وہ کار و کارا لہو نے فاب میں الملک مدی علی خان ہلد کے اور کچھ  
و اس باختر ہو گئے۔ لیکن اس شیر پٹہ حضرت وانا نے ایسا جواب لکھا کہ اگر اصل واقعات چند ماہ پیشتر صدر پڑنے اور شرط ڈون کو  
معلوم ہو جاتے تو لہر کہیں نہ دیکھنے کو جگ نہ رہتی۔ جب سب کے بیانات داخل ہو گئے تو صدر پڑنے نے شرط ڈون کو طلب کیا۔  
میں تو بری کر دیا گیا۔ وہاں ناگوار ملک ہو رہا تھا۔ (سلاست) نکل جانے کا حکم ہوا۔ مدی علی نے فرما دیا کہ یہ حال دیکھ کر  
میں صاحب کو روڈ پر لے کر مروری شانت حسین شہر بدر کے لئے۔ مرزا کا جاہ ہے گناہ مذمت ذنات سے معزول ہو گئے۔ یہ نتیجہ  
اس ذنات کا ہوا کہ راجہ راجہ پیرا کہ تیرم پامی برٹش گورنمنٹ کی جلی گئی۔

عقلمند کی درخواست اب میں کان تک اس حقے کو تفصیل کے ساتھ لکھوں۔ میں نے باراب جو کہ عرض کیا کہ میری  
وہ میرے شرط ڈون ان عنایت اب اخیال کے رنگ ہو رہے ہیں جو خودی دیکھ نہیں سکتا۔

ملا۔ لایں خود شہر اس کے شیر خود مختار رہنا چاہتے ہیں۔ لہذا اس وقت خدی کی طبلہ کی مناسب ہے۔ فرمایا کہ حضرت اگر آپ  
 آجکے برجے تو میں گریباختی سے اتر گیا۔ میں نے عرض کیا کہ میں کب ان تھکوں سے جدا ہوتا ہوں۔ لیکن مصلحت یہ ہے کہ یہ  
 وقت شدید کمال رہنا چاہیے۔ وہ اب میرے گہر ہاتھ کے کوسے میں حاضر تھے۔ ان کو طلب فرما کر مشورہ فرمایا اور فرمایا کہ کیا یہ ممکن نہیں  
 کہ آپ چند روزہ بیٹھ کر عہدہ بھائی قائم رہیں۔ میں نے عرض کیا کہ اس وقت تو میری آبرو کی میں بچتی ہے۔ چنانچہ دوسرے یا میرے  
 مدد وہ اب خورشید جاہ نے بلکہ کو اطلاع دی کہ آپ کی رائے منظور تھیں۔ برائے شش ماہ آپ جاسکتے ہیں۔ بعد نماز جمع میں  
 اسٹیشن پر پہنچا۔ میری عیادت بار جگہ ملازمت سرکاری کی زندگی اسی پر ختم ہو گئی۔ باقی زندگی میں عام دلچسپی کی کوئی بات نظر نہیں آئی۔



محمد دین فوق

پیدائش: ۱۹۴۷ء - وفات: ۱۴ ستمبر ۱۹۹۹ء

[illegible]

اسی تمہید میں ملازکہ کا راج کے ایک بہت بڑے گاؤں ہرود شیمہ کا ایک سرکردہ زمیندار جس قدر بھی شغل تھا اس کا تمام  
عرف ہتھکڑا وہ اپنے گاؤں میں رکھتا تھا۔ آدمی تھا۔ حاکم نے مرلی اسانی حکم کر فرمایا اور اسے ات ات پر میاں تک تنگ  
کیا کہ اس نے چند تم رسید کر لی ایک جماعت نکال کر کہ ترک وطن کا ارادہ کر لیا۔ جس قدر کہ اس وقت قریباً ۱۲۰۰ سال تھی اور وہ  
ایک پورے باپ بھی تھا جس کا نام رجب اللہ تھا اسی طرح دوسرے لوگ بھی مہول دار تھے۔ یہ سب لوگ ۱۳۳۳ھ میں  
جبکہ ظہیر خان کشر کا حاکم اور محمود شاہ دہلوی افغانستان کشر کا اداشاہ تھا۔ پنج وافر جس کے ساتھ اپنی جائیدادیں اور وسیع زمینداریاں چھوڑ کر  
وطن سے اہر گئے۔

اس فائدہ سے کہ لوگ کا وضع جسم میں رہ گئے۔ کہہ مذہب آباد کہ گرباناز اور اید کہ لاجو پہلے گئے مگر حسن ڈارانی مانفہ جماعت کے ساتھ کوئی تفصیل ڈسکہ میں اکثر تہم پر گیا۔ مگر جب یہیں کوئی حدود دی دی تو وہ مرض گھڑی میں، جو اسی تحصیل میں گرجہ کے متصل ایک مشہور قصبہ ہے چلا آیا۔

میں نے اس کے دو فرزندوں میں سے جب ڈار بڑا تھا اور چھوٹا انور کا۔ جب ڈار کے اس چھوٹے اور دیہی بھائی نے یہی ہٹکے اور تین لوگوں کو سب ڈال دیا تھا، یہاں پر نہ خانوں کے شہنشاہ، یہاں نہ خانوں کے خلیفہ، نہ کسی غلام کو نہ کسی غلام۔

میں امر افزہ دہلی میں ۱۸۳۳ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۳۳ء میں ان کی پرزائی (دزیز) ساکھٹ (پیرا اہم) - چوگر والد صاحب (دشتی لڑکا) نے ان کو از دست کیسی ساکھٹ (کیسی پنچ) کیسی جس راکر تھے۔ اس لیے ہم سب اپنے ہمیا میں بڑھ چکے تھے پاس ہی رہتے تھے جو کئی پرزائی میں پیدا ہوئے تھے۔

میرے والد، تایا اور چچا خوش غلام محمد قائم کے نذر میں گھڑوں میں ابھی درود قائم نہیں ہوا تھا انہوں نے مسجدوں کا دورس گا بھی

مکرمی عربی تدریس کی تعلیم پائی۔ ایک عرصہ اس سے کچھ قبل کے ایام میں محرق میں پرائمری مدرسہ کھل چکا تھا۔ اس سلسلے میں اس مدرسہ میں داخل کیا گیا۔ اس زمانہ میں استاد اوقات مدرسہ کے علاوہ اپنی خوشی سے گھر پر بھی پڑھا دیا کرتے تھے۔ وہ صرف اپنی نیک نامی اور اپنے مدرسہ کی شہرت کے غرور میں تھے۔ ٹیوشن یا اس قسم کی برتوں کا اس زمانہ میں رواج نہ تھا۔ حکام تعلیم میں لوگوں کو امتحانات میں ہشیار دیکھتے، کتابیں انعام میں دیا کرتے۔ فیس اعلیٰ صاف ہوتی تھی۔ بہتہ چند ہسول کے بعد غالباً عرصہ دریا شاہ میں جماعت دار فیس مقرر ہو گئی۔ یعنی جماعت اول کی ایک آدمی اور دوم کی دو آدمی اسی طرح پانچویں کی پانچ آدمی۔

پرائمری اسکول محرق میں کچھ دو تین مہاشات یا دہریں جو میری آئندہ زندگی کا مقدسہ الجیش ثابت ہوئے۔ میں شاید دوسری یا تیسری جماعت میں تھا۔ درمیان کے بھائی کے ساتھ جو پہلی اشار پڑھا کرتے تھے وہ میں پیل سے کاغذ پر لکھ دیا کرتا تھا۔ میں پانچویں جماعت میں تھا ایک مرتبہ کافی تعلیم میں کثرت سے تمام طلباء کو سوالات ملے۔ میں نے اپنے تمام حل کئے ہوئے سوالات کی کاپی کو خوشنڈ لکھا اور اس کا نام اپنے ہم پڑھ صاحب "لکھا اور اس کا سرورق پڑا تو بے حد تائید بنا۔ جب مولوی دوسری خان لے میرے ہم جماعتوں کی کاپیوں کے ساتھ میری کاپی دیکھی جس کے سرورق پر لکھا ہوا تھا "محمد صاحب مصنفہ محمد دین طالب علم جماعت پنجم مدرسہ محرق۔" تو بے حد تعجب سے دیکھ کر میری طرف دیکھتے رہے۔

اس عرصہ میں میں انگریزی تعلیم کے لیے ڈل اسکول جا کے صنیع ساکھٹ میں داخل ہوا، جواب دہی اسکول ہے۔ ہمارے ہنگامہ برس کے دو پلپ مہاشات کا بی ذکر ہے۔ ایک مدت تمام ہندوؤں نے ایک تماشہ کیا۔ کوئی استاد نہ تھا، کوئی شاگرد۔ سب کس طرح غلط سنا جاتا ہے۔ ایک صاحب علم دوسرے صاحب علم کو کس طرح پوچھتا ہے کس انداز سے اس چیز کی شکایت ماسٹر کے پاس کی جاتی ہے۔ گھر دل میں جا کر کس طرح جھڑپے ہانے یا کر مزہ فرج طلب کیا جاتا ہے۔ ماسٹر کا کچھ پر کھڑا کرنا، اجڑا کرنا، مزاد دینا اور مزے نام خارج کرنے کی دھمکی دینا ہمارے بیڈ ماسٹر اور کشاں ہنسے سیدھے سادے دندلیں صفت استاد تھے۔ ان کی تسکین کر کے میرے پڑا گیس دوا کرنا، سپرنٹنڈنٹ بورڈنگ بن کر بورڈنگ کا مسازہ کرنا اور ماسٹر کی مدد میں دیکھنا۔ فرض یہ تماشہ میری رہا تھا کہ حافظہ اللہ بخش سپرنٹنڈنٹ بورڈنگ اور مولوی غلام علی الدین بیڈ پڑھنے لکھنے لگے۔ اب جس طرح ہمارے آئے ہی پھر یا لا حول پڑھتے ہی شیاطین غالب ہو جاتے ہیں، استادوں کی تسکین دیکھتے ہی لڑکے تتر بتر ہو گئے۔

میں اسکول کی چھت پر جا بیٹھا۔ جوڑے تھام گئے ان کہتے ہوئے دیکھتا رہا اور میں ہنسنے کے بغیر چھت پر بیٹھا کا ہتھارہ۔ صبح میری بھی صافری ہوئی۔ مولوی غلام علی الدین چھتری لے کر صف میں لے دتھ جوڑ کر کہا۔ گومات کو مار نہیں پڑی لیکن خدا کی قسم میں کار پڑی ان سے زیادہ نادم ہیں اور ان سے زیادہ درد محسوس کر کے دوتا رہا ہوں۔ مولوی صاحب نے فرمایا تم کو مادی نہیں پڑی تو رو تا کس طرح آیا؟ میں نے کہا۔ آپ ہی نے تو گھستائی میں پڑھا لیا ہے۔

بنی آدم افسانے یک دلیانہ کو مد آفریش دیک جو براند

چھ صوفے برد و آدمہ مندگار و گر حضور ارا خسانہ قرار

مولوی صاحب ہنس چڑھے اور مجھے سزا سے نہات لی گئی۔ بچہ کما سوتا حال نے ہے

نہایت کی دعا کی لئے کر کوئی جملہ سے کچھ کی دعا میں  
 وہ تمام تھے کہ کمال کا شکر تھی دولت حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ کہا جاتا تھا بلکہ اس کے متعلق مشہور قصہ ہے  
 کمال اپنے شادمانی بعد کمال حاصل زندگی بعد

لیکن میں اس زمانہ کے میں "بائے شادمانی" بلکہ حاصل زندگی سے بھی محروم رہا۔ میری تعلیم کے ابتدائی مدارج میں اگر ختم ہو گئے  
 میرا اور اس وقت لڑائی، قادیان اور انگریزی پڑھنے کا تھا لیکن میرے والد اور بھائی مجھے پڑھنے کا کام نہ لٹا دیتے تھے جو ایک قسم کا پابندی  
 اور پستی کا کام تھا۔ آخر مجھے شادی کی گزری میں ساکھٹ ہوتا تھا جہاں میرے بچا سوئی تھی اور یہی صدمہ کوٹھرتے۔ ان کے فدیے میں بچا  
 کا کام نہ لٹا رہا۔ میرے والد صاحب قدامت میں رہتے تھے ان کے ہم تھے اور ان کے بچے تھے ان کے تھے اور ان کے بچے تھے ان کے تھے اور ان کے بچے تھے  
 میں، کاروانہ تھے اور میری بیوی میری صاحبہ تھی میں ان کا تمام تھا۔ ان کے انت میں میرا چھوٹا بھائی میرا ہی مروجہ کام تھا۔  
 ۱۹۱۹ء میں انھوں نے مجھے بھی جیل میں ڈالیا۔

ساکھٹ میں جب تک میں رہا، منشی رحیم بخش، رتو مروجہ اور منشی محمد اسماعیل خیر مروجہ کے دم سے شروع ہو کر چار بار۔ جہاں  
 میں منشی ذوالسبب خیر اور منشی خیر علی جاکل کا گزری اس جہاں میں میرے ساتھ شامل تھے۔ خیر مروجہ بہت اچھا لکھتے تھے۔ فیکٹ میں نائب  
 تحصیل داری تک پہنچے تھے کہ میں شہاب میں استعمال کر گئے۔ منشی خیر علی شہید قتل ہو گئے تھے۔ ان کی وجہ سے مروجہ کے ایام میں مجھے بھی دوچار  
 مرتبہ "موسیقی" کی مجلس میں جا کر شہید ٹھانی گئی تھی۔

پہنڈہ دھل کے بعد (۱۹۲۱ء میں) اچھا اخبار لاہور کے دفتر میں، جہاں میرے دو صاحب میں جماعت شائق مروجہ ملازم تھے  
 میرا تعلق ہو گیا۔ اس تعلق کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مولیٰ محبوب عالم صاحب ملک پیر خند کے دو چھوٹے بھائی منشی عبدالحکیم اور منشی عبدالحق میرے  
 ہم جماعت تھے۔ میرا اخبار کے ملک مولیٰ محبوب عالم مروجہ ذاتی اپنے بڑے گئے۔ ان کے اکثر کارندوں اور ایڈیٹروں نے یہاں کافی تجربے  
 حاصل کرنے کے بعد اپنے جہاد خند جہاں کر کے، راتم الحروف نے بھی فوراً شہر میں پھر فرود آمد کے ہم سے اپنا اظہار جاری کیا۔  
 اخبار میری قریبی سے زیادہ مقبول ہوا جہاں تک کہ اس کے فرچہ داروں میں ہندوؤں کی تعداد مسلمانوں سے کم تھی بلکہ کچھ  
 یا اس سے کہ زیادہ جہاں خیر جاری تھے۔ اخبارات نے اس پر بہت اچھے ردی لکھے۔ ذاب فیج الملک ہمارا روزانہ آغاز دہلی نے  
 یہ اشارہ کیے تھے

ہم اسے پڑھ فرود جاری	خبر آمد نیا اخبار دیکھو
جب لڑائی کی گلی کا رول سے	بنا اخبار یہ گھڑا دیکھو
نئی خبر بہت جی میں گی	جو کہ طالب دیدار دیکھو
خبر چھوٹے گر ایل نظر کی	پھر اس کی گزری بازار دیکھو
یہی پڑ پڑ پڑا ہے دل کو	دیکھو اس سے دل پر دیکھو
اشارہ دیکھ کے سرور بد اس کو	اگر دیکھو تو سرور بار دیکھو

سندھ صریح کا تاریخ سے دلائل  
یہ لو اخبار جبر واد دیکھو

۱۹۰۱ء

لیکن ۱۹۰۱ء میں بعض اہل سنت کے ساتھ اخبار کو ایک ایسا صدر پہنچا جس سے یہ جہاں بڑا ہوسکا۔ آخر میں نے جولائی یا اگست ۱۹۰۱ء میں صلیح پور، لاہور اور اخبار پور، لاہور میں بند کر دیئے۔ اسی زمانہ کا ایک شعر ہے یہ  
اخبار بند ہونے سے کہتے ہیں ناز نہیں  
اسے فوق اب وہ پور، لاہور کیا ہوا

ہندوستان میں دہلی نہیں کے اخبار ملنے اور ریاستوں کی آغوش میں آنکھ کھولی اور سرکار پرستی کے دامن میں پرورش پائی چنانچہ ہندوستان اور بالخصوص پنجاب اخبارات کا ابتدائی دور بتاتا ہے کہ ان اخبارات میں یا تو دایان ریاست کی صرح سرائی اور صید خوانی برقی قومی حکومت اگرچہ کی برکت کا ذکر ہوا کرتا تھا۔ خبریں مولیٰ برقی قومی اور ان میں بھی کوئی خاص بات نہ ہوا کرتی تھی پنجاب میں غالباً یہ اخبار سب سے پہلے اخبار تھا جس نے عام خدوں کے علاوہ اخبار میں خاص دہلی پیدا کی اور سیاسی مسائیل اور حکومت کے بعض کاموں پر بھی ہلکی ٹھہر چینی بھی شروع کی۔

جب میں نے ۱۹۰۱ء میں اپنا اخبار جاری کیا تو اس زمانے میں بھی ایسے اخبار موجود تھے جو دایان ریاست کی صرح سرائی کر کے دیا ستوں کا دورہ کیا کرتے تھے۔ چند ایڈیٹروں نے جہاں اپنے اخبار کبھی سب ضرورت چھاپ لیا کرتے تھے مجھے بھی دیا ستوں کے سبز باغ دکھائے ۱۹۰۱ء کی پہلی سہ ماہی میں سارا مہ دیا بندھیل کھنڈا کے ولی محمد کی شادی تھی سارا اخبارات کے ایڈیٹروں نے کئی دن ریاستی دوروں کے فوائد سنا کر مجھے بھی اس سفر پر آمادہ کر دیا اس سفر میں دتیا، ستھر، ناگڑہ، بھتر اور بندھیل کھنڈا کی سب سے بڑی ریاست دیواں ملک پہنچے۔ اس ریاست میں ہکا دلی فائدہ تو درہم براہیہ اکثر اہل علم اور شعراء حضرات سے شناسائی ہو گئی جو آئندہ اخبار کے لیے بہت مفید ثابت ہوئی۔

بندھیل کھنڈا گیا اور دیکھیں کھنڈا کی جگہ سنڑل، انڈیا اور سیانی ملک میں رہنے دیکھا کہ ایک تو مسلمانوں کی آبادی کم ہے اور پھر برقی قومی ہے اس کا کثیر حصہ جہت اور بے عملی کے علاوہ منہسی اور غارتگری میں مبتلا ہے۔ ان کی دنیا کا حال یہ ہے کہ شاید ہی کوئی مسلمان کسی اعلیٰ عہدے پر ہو۔ خصوصاً ان علاقوں کی ریاستوں میں جو جہول، اڈلی، لاہور، باسودہ اور مالہ کی ایک دو اور چھوٹی ریاستوں کے علاوہ سب کی سب ہندو ہیں اور جو مسلمان لازم تھے بھی ان کی ہندوئی کی تہذیب نے انہوں سے نفرت دایان کے لباس میں اور ہندوؤں کے لباس میں بظاہر کوئی فرق نہیں۔ بلکہ فرنگی کوئی حق تیر نہیں کر سکتا کہ ان میں ہندو کون ہے اور مسلمان کون؟ جس طرح ہندو گھنٹوں تک دھوتی پہنتا ہے اسی طرح مسلمان بھی پہنتا ہے۔ جو بولنے والی ہندو کے سر پہ ہے وہی مسلمان کے سر پر دیکھی گئی مسجدیں اول تربت کم میں اور جہاں اکثر مقامات پر غیر آباد دیکھی گئیں۔ بہت سے مسلمان اچھی اچھی طرح کے ایسے دیکھے گئے ہیں کہ کوئی تک نہیں آتا تھا۔ ہندوؤں کو توڑوں چھوڑتی تھی لیکن ان علاقوں کے مسلمان بھی چھوڑتے کے فائل پائے گئے۔ بندھیل کھنڈا میں پتا ایک اچھی خاصی ریاست ہے۔ وہاں ہمیں ابے گٹھ سے سنا بتاتے ہوئے ایک مرتبہ رات کو کیا کہنا تھا۔ وہاں کوئی سوسے ذمہ اور زکوٰۃ دانت تھا۔ بڑی مشکل سے تلاش کے بعد ایک مسلمان کا گھر ملا۔ وہاں بھی ہندو

[illegible]

ہیں اس کے اس جام سے رنگ تو پہنائیں گے مگر کونسا جو کہ نقصان دہاں تھا اس لیے خاموش رہا ہے۔ آخر کیونکہ  
 لائے تھے انڈی نڈل کی جس شکل سے اس نے اپنے ہتھوں میں سائی تیر کر لیا اور بارے ش کی کھوپیاں میں لاپہ سے دھلے ہاتھ کر  
 اس میں گلاب جیسے کوئی گلاب جوت ہوا ہے۔

بیگار کا یہ ریاستوں میں بہت رواج تھا۔ یہاں تک کہ کرمیوں کو بھی پتھر میں پکڑ لیا جاتا تھا اور دس دس اور بارہ میل تک ان کو پیادہ اسباب اٹھا کر لے جاتا تھا۔ ظاہر رہتا ہے کہ اندر تمام کی جگہ ان کی جو حرکت یعنی قہر و عجزہ تھی۔ عدس اس ریاستوں میں بہت کم تھے۔ مگر وہ ایک فرقہ۔ میر۔ سہاواں۔ کوٹلی۔ دیالپور۔ پٹنہ۔ ستر وغیرہ ریاستوں میں صرف دیالپور میں ایک ایسی ریاست تھی جہاں اتنی اسکول تھا۔ ان ریاستوں میں اس زمانہ میں  $\frac{1}{10}$  لاکھ سے زائد لوگ تھے۔ جو ان کی تسلیم کرتے تو ان کا شمار تین تک میں ہوتا تھا۔ ان ریاستوں کے لوگ کھیت نہ مل سکتے تھے اور پھر ریاست کے کسی سیاسی و اقتصادی مسئلے پر گفتگو کرنا اپنی مصیبت کا پیشی غیر سمجھتے تھے۔ ان دنوں ریاستوں میں آزادی اور آزادی خیالی کا نام لیا جیو جرم سمجھا جاتا تھا۔ آج (۱۹۴۷ء) میں اس حالت بہت کم ہے۔ جہاں پہلے جیو جیو اور آزادی کے نام سے جیتے رہتے تھے۔ ان دنوں جہاں طرحی طرحی چیزیں منظر پر آ رہی تھیں اب وہاں سے اپنا اور یا بستر یا جہاد رہی ہے۔ جس طرح جہاد جہاد و جہاد میں جہاد کی طرح جہاد رہی ہے۔ دی خیال اب ریاستوں میں بھی نہیں رہا۔ اور جہاد آزادی کا پتہ پانی قیام حق اور انسانی کو انصاف و عدل کا جہاد ہے۔

جب میں نے پنج روزہ سلسلہ میں ہادی کیا تو اس میں بھی کثیر جملہ اور بچہ کے واقعات درج کیے جاتے تھے لیکن انہی الام میں کثیری گزشتہ اس کے بعد سلسلہ میں کثیری سیکڑا ہوا سلسلہ میں اخبار کثیری تو بالکل راستی حالات کے لیے وقف ہو گئے اور اس اخبار کی ترکیب سے دوسرے اخباروں میں کثیری کے مشق پر خاص خاص واقعات درج ہوتے تھے ان سے ہندوستان میں الہی کثیری کے حالات سے کثیری گزشتہ گئے اور عظیم کثیریوں کے مشق میں ہر ہندو اداسپرت کے جذبات پیدا ہو گئے۔ اخبار کثیری ہی نے یہاں سلسلہ درندہ و غریبوں سے کثیری کا سفر کیا کہ وہ قاتل کیا ہو سکا ہے یہ راست جگہ مگر اقوام کی بیداری کے لیے نصیب غیر مرتقب ثابت ہوئی۔ اس اخبار نے اپنے محدود افراض اور ایک خاص ملک و قوم سے وابستہ ہونے کے باوجود خاصی ترقی کی۔ میرے اخبار میں جو دھری رحمت علی بی اے (جو بعد میں افغانستان جا کر پکتیا کا نام اچھاتے رہے) انڈس جہانی۔ ملک متقبل احمد (جو بعد میں فرنی جرنل ہو گیا) جو سائنس میں کثیری ہوئے) سید حبیب (ایک اخبار سیاست خیرہ) میر نیا ز کا کثیری میں شریک تھے) قمار محمد (ضعیف الہی) جو بعد میں علی وینا۔ نیزنگ خیال اور اخبار سیاست کے علاوہ امت میں شریک ہوئے) اور ذوالخوش مسلم۔ باجو محمد علی بی اے۔ ستر شید محمد علی وینا۔ دیگر اصحاب کام کر چکے ہیں۔

مسئلہ دس فاکٹر سرگرمی انہل کی تحریک سے ہی نے تصور کا واسطہ دینت جانی یکا جہاں پانچ سال تک رہا پھر جسیر لکھنؤ

مخلد دلی جید آباد کوئی مملکت ولسیہ کا خطاب مسلمانوں کی طرف سے ملا تو بعض اصحاب کی تحریک سے رسالہ انعام جاری کیا جس میں سید غلام یزدانی کاظم فکر آئندہ قریب اور ہندو سرکش پر شاہی قلم اعلیٰ دیتے رہے۔ چونکہ میں ہر سال چند بیسے کشمیری لکھتا تھا، اس لیے میری فریاد جاری میں سے لکھ کر میری پالیسی کو قائم رکھ سکتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ اس غیر سامتری کا اثر اشاعت پر پڑتا تھا۔ اہل اڑھائی سال کے بعد نظام بند ہو گیا۔

۱۹۲۳ء و ۱۹۲۴ء میں خاص سری نگر کشمیر سے میں نے ”کثیر جدید“ کے نام سے اخبار جاری کیا۔ لیکن اس کا بھی یہی حال رہا کہ دمبر کے آتے ہی میں لاہور آجاتا تھا اور اخبار بھی ساتھ ہی بند ہو جاتا تھا۔

کثیر الکی ٹیشی (۱۹۲۵ء) کے زمانہ سے میں نے کشمیری اخبار میں بھی دلچسپی لینی کم کر دی۔ ۱۹۲۵ء میں اس سے ایڈیٹر بن کر دہلی منتقل کر لیا۔ ۱۹۲۵ء میں اس کا چارج رشید صہبائی کو دیا اور ۱۹۲۶ء میں یہ اخبار جہ ۲ سال تک اہل ملک کی خدمات بجا لاتا رہا اور جس کی خدمات کا احترام کشمیری کانفرنس کے تمام پریذیڈنٹوں نے کیے بعد دیگرے اپنے اپنے صدقاتی خطبوں میں کیا، میری عدم فہمی اور بعض دیگر جہ سے بند ہو گیا۔ کشمیری تحریک حریت کے نفاذ اور ہندو لیڈر میں اور کشمیر جموں بلکہ پونچھ کے اخبارات کے جوائنٹرز میں وہ کشمیری بیگزین کے نفاذ میں سکولوں کی ابتدائی محنتوں میں پڑھا کرتے تھے۔

ایک ہفتہ دہلی اخبار کے علاوہ دہلی اور صوفیہ اور ادلی رسائل کی ادارت ایک تن واحد ہی سے وابستہ تھی۔ جس کو اس کے منہی جسم امداد کی بیماریوں کی وجہ سے خواہر حسن نظامی نے ایک مرتبہ صحیح طور پر متحرک ہسپتال کما تھا۔ لیکن ان اخبارات و رسائل کے علاوہ تصنیف نہایت کا شغل بھی تھا اور مجھے شکر کے ساتھ احترام کرتا رہا۔ مجھے اخبار نویس اور تالیفات کا شغل اور اپنا ذاتی کتب خانہ قائم کرنے کا مذاق اپنے استاد مولوی محبوب عالم پریسہ اخبار سے ملا۔

میں ابھی پریسہ اخبار میں تھا کہ میں نے ایک چھوٹا سا رسالہ تاریخ شالامہ باغ کے نام سے لکھا جو بیس یا چوبیس صفحوں کا تھا۔ چونکہ بالکل نئی چیز تھی اور عوام کو اس کی اطلاع امداد کے تفصیلی حالات سے کوئی علم نہ تھا۔ اس لیے یہ رسالہ ۱۰۰۰ کی تعداد میں چھاپا گیا تھا۔ امداد بیس کے اندر ہی فروخت ہو گیا۔ اس سال کے ہر ایڈیشن میں بعد ازاں اضافہ ہوتا رہا۔ چنانچہ آخری ایڈیشن جس میں کشمیر کے شالامہ باغ کا تفصیلی ذکر ہے سو صفحوں سے زیادہ لمبہ ہے۔

اس کے بعد انارکلی ناول لکھا اور جو کیفیت انگریزی میں لکھی کے مشفق درج فعلی وہ سب نقل کر کے لے آیا۔ یہ ناول بھی کوئی نہ چھپ چکا ہے لیکن بعد کی تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ یہ بعض افسانہ تراشا گیا ہے۔ حمدا کبریٰ اور حمد جاگیر کی کسی تاریخ میں اس واقعہ ذکر تک نہیں۔ بعد ازاں چند عام امداد آفتاب پنجاب والوں نے چند ایک کتابیں لکھوائیں۔ جب اخبار اور پریس جاری کیا تو خود کتابیں اپنی شروعات کیں۔

ناولوں کا شروع امداد نوید از ننگ شروع کرنے سے پہلے ہی ختم ہو چکا تھا۔ نئی تاریخ میں زیادہ کتابیں لکھیں، کشمیر اور پونچھ کے نئی ناس قدیمہ نئی تاریخ کوئی صحت میں کیا گیا کہ امداد وہاں میری تصنیفات سے قبل اس قسم کے مزید چرے بالکل غالی تھی میری تصنیفات تصدیق کے قریب ہے جن میں خاص طور پر حسب ذیل مشہور ہیں :-



# شیدا گجراتی

مجموعہ سے میری پہلی محنت تھی۔ میں مولد اس زمانہ میں وہ میری کی خود مول جی پہلی جورا کا تبریری کے نام تھے۔ اور میں  
پانی کی پینڈا صحت تھی۔

پانچویں سید صحت میں ایک کتاب فروش کی حیثیت سے ہمیں وہ سکھاس مرحوم کرس دس مول کی مکاتلیف انجیل مذہب ان  
انجیل کی سیرا لے کر ماہر ہوا تھا۔

وہ کے گھر پہنچے ہیں سو سزا دہا میں ایک شاذ شخصیت کو دیکھ رہے تھے کہیں اس وقت مختصر تو نہ ہوا لیکن سناٹا ضرور ہو رہا  
میں بہتر تقریریں تو ہوں گی کہ وہ اس وقت بھی حاجی محمد کبار صاحب شخصیت کا تصور مجھے تیرے ہوئے ہے۔  
مرحوم حاجی محمد نے مجھے اپنے نام پر یہ کہہ کر جھیلایا کہ میری بہت شیریں باب و بوجہ کے ساتھ لکھ کر مشہور کیا ہے۔  
کچھ کیسے آئے؟

میں نے کتاب دکھاتے ہوئے کہا: یہ کتاب کیا ہے؟ اور کتاب ان کے ہاتھ میں دیدی۔

مرحوم صاحب سے کتاب کو دیکھ کر بولے: کیا پیچھے گا؟

میں ان کے تبریری میں دیکھ کر بولی اور یوں کہہ کر کچھ میں مصروف تھا میں نے کہا: جو آپ کا دل چاہے۔ دیدیجئے: جنہوں نے مجھے  
میرا نام کے نام پندہ دے کر لکھا ان کی یہ خط لے دے۔

کتاب کے اس وقت بدہ روپ تھا۔ اس کا حال پر جانے کے دم سے اس کے دو نسخہ میں من شکل تھے۔ آئی پڑی کہ پڑ کر میں سکتے ہیں  
اگرچہ وہ میری کچھ نہیں لیکر وہ پندہ دے کر کتاب کی قیمت دینی ہو کہ وہ اس کے قابل مصنف کی روح کے پندہ مان: حضرت خاندن مرحوم حاجی محمد  
میں طرح ایک نام کی تصویر کناہاتے تھے اسی طرح اس کے روح کی بھی عزت کرتے تھے۔ کتاب میں تو مصنف کی روح ہی جوتی ہے۔  
وہ کتاب خط و رسم میں شائع ہوئی تھی۔

وہ پندہ روپ کمریری وضع جو ہوئی۔ اب میں مولانا دہی حاجی صاحب کے یہاں حاضری دینے لگا۔ میں شامی بھی کرتا تھا۔  
گاہ گاہ میری غلطی: بنی سماج میں پہنچ کر محمد علی تھیں۔

ایک دفعہ میں نے حاجی صاحب سے بہت جھگڑے ہوئے کہا: میں بھی شعر کہتا ہوں ان کی عظیمی میری طرف اطمینان کی خاطر میں  
ایک رقم کا روپہ جوں جوں وہ میرے چہرے سے جیسے میرے جذبات کا اندازہ لگدے تھے۔ میرے مخالف سے انہیں خوشی ہوئی اور  
انہوں نے مجھ کو کہہ دیا کہ انہیں نہیں لانے کو کہ: مجھے اندیشہ تھا کہ یہاں خوشی کے بارے میں ذکر کیا گیا۔ دوسرے روز میں نہایت شوق



وہاں کی کئی کئی کھیتیں تھیں۔





رکھ کر اپنی مرضی پہ عمل کر لیں مگر آتے اور کسی بھی دھرم پر صریح ملوہ افروز دکھائی دیتے۔ وہ سب کے سب ان سے مل کر مسرت کے جذبات سے بھر جاتے۔ مگر اوت کے مشہور مصور دانی صاحب نے قیامت اس مدعی محسوس کی ہے کہ حقیقت کے طور پر ہر موصوفی محسوس کی یاد نگار میں نہیں کے ہم سے ایک مریدہ گجراتی میں نکلا ہے۔

”میریں صریح کوٹھایا خواہ جانے کے لیے جو جوتیا یاں دساکھیں سب ہر ہی تھیں۔ ہندی اور گجراتی کے ایسے ہی ادا و گدازک  
نظر آئے۔ ایسے اس وقت کے سورت کے کلکٹر ایچ۔ ایف۔ روست، سبک دانت، حامی صاحب نے حاصل کی۔ تصویریں تیار ہونے  
گئیں، صریح تیار ہوا اور چھپنے کے لیے اجڑ گیا۔ پتا خوش دروز کی محنت اور مہنٹوں کے بعد میریں مارچ کو ”میریں صریح“  
کا پہلا شمارہ نکلا۔

یہ کہتا ہوں: جو ملکہ میسر ہو صرفی کے دعوے کے بعد یہ گجراتی لوہ پیدا ہوا۔ اس سے پہلے آرٹ کیا ہے، تصویر کشی کے کہتے ہیں۔ حسن کسٹے کا نام ہے، باتیں بہت ہی کم لوگ جانتے تھے۔

مجازی ذہن کی حیثیت میں تو اس وقت بھی موجود تھی لیکن اس کا سامان آرائش نہ تھا۔ اس کے حسن میں دل کشی نہ تھی۔ مرموم حاجی محمد نے اس کی آرائش کے لیے تمام تر کوششیں کیں۔ انھوں نے تیسویں صدی کے ذریعہ گرجی کو اس طرح سنوارا کہ دیکھنے والے حیران رہ گئے۔ اس کھرمہ دار دل میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا گیا۔ بہت سے لوگ آرمیگی رام کے ذریعہ حیران رہے۔ ہندوستان بھر میں کوئی ماہنامہ اس رفیعہ سے مقبول نہ ہوا ہوگا۔

دارچ ۱۵۰۰ء میں قیوسی صدی کی محریک سال ہو گئی۔ ایک ہجری سال میں اس نے کئی سال کے برابر ترقی کر لی۔ قاریوں کو اس ماہنامے نے دیوانہ بنایا۔ بیکنہ وہ دیوانے کیا جاتے تھے کہ ان کے مجرب رسالہ بیسویں صدی کے قابل درک کو کس قدر دیا صحت کا تاثر تھی ہے دیوانے کے شہر کے ساتھ درمیانی دیوانہ ہو گیا۔ بیسویں صدی کا وہ سال شہر کا ہوا۔

اس دوسرے سال میں حاجی صاحب نے قیوں مری کرچے سے زیادہ وکٹس اداس میں شائع ہونے والے مواد کو لوہی میٹری  
نہانے کی مہم شروع کر دی۔ پہلے انہوں نے اس میں ایک حمد و قلم کا ناول تعلقہ شائع کرنے کا منصوبہ بنایا اور اس کام کے لیے ان کی فکر  
اتحاد کنبیوں کو بلکھاں منشی پر پڑی۔

جانب کے خیال منشی نے مرحوم حاجی صاحب سے اپنی بیل حقائق کا ذکر اس طرح کیا۔۔۔ مرحوم یہاں حاجی عمر سے میرا اقتدار  
جناب جہد شکر شہید کے زہر ہر اس اس وقت وہ اپنے بیویاں صرۃ طاعت کے برسوں پرانے خواب کو پورا کرنے کا کوشش میں لگے ہوئے  
تھے بعد میں اس کا کوشش میں سارا گروانی میں کہ نہیں لکھتے چھ برس نہیں، کیونکہ گروانی میں کہنے کے معنی تھے کہ موت کا وہ کچھ نہ کھاؤ۔

جس وقت حاجی صاحب نے ان سے میرا تعارف کرایا اس وقت جناب کنہیا لال منشی کا نام بھی بگوالی میں کوئی نہیں جانتا تھا۔ وہاں گفتگو میں اس کے یہ خرورجانے پہچانے تھے۔ حاجی صاحب نے ان کو قطب ستارہ کی طرح چمکایا۔ اور آج وہ قطب ستارہ اسی جگہ پر کھڑا ہے۔

دو طرفہ ۱۹۳۵ء جناب کنہیا لال منشی کا نام زبان زد خواص و عام ہے۔ کیس کی گھنٹاؤں کشش کا شرف ہے؟ صرف اہل معرفت حاجی کو گواہ۔ حاجی صاحب سلطان تھے وہ کنہیا لال منشی پر جسے اس کے لیے کتاب اہل دل سنت ہوگا ایک مسلمان نے ایک ہر جہنم کو آدمی سے دیوتا بنادیا۔

[illegible][illegible][illegible]

میرے پاس بچے بھارتی کے حوالہ سے ایک نظم تیار تھی۔ ان سے گفتگو کرنے کے بعد یہی نظمیں برکلی اور میں نے وہ نظم لکھنے کے لئے کر دی۔ انہوں نے جلیاتِ اہلستان کے ساتھ ساتھ نیکو کامیابی لکھوائی۔ میں ہر کچھ دن دل جمعی کے ساتھ لکھتا رہتا ہوں۔ انہوں نے جتنے جتنے سے اپنا نوکر لے آئے کہ کہ میں ان کی اس بات کو غور کیا۔ لیکن میری دلچسپی میں ہرگز کمی نہیں ہوئی۔ یہاں یہ نوکر اور نوکر لکھنا ضرور اس کا کردار ملے گا۔ افسوس کہ اس سے بہت سی کوفت ہوئی۔ لیکن.....

یہ کہہ چکی کے شمار یہ انہیں انکسار و کفر کے پہلے مسطورہ کی کہ جسے بہت حیرت ہوئی۔ میں حاجی صاحب کے لکھنے پر خوش و غم ہوئی کے واسطے میں گروہ ذات کے اسی دور میں نے جیسے تیشی مترجمیت کے بندی کی کتاب - جہاں سے ہدی - دی -

میں نے پوچھا۔ اس کا کیا کہیں؟

انہوں نے جواب دیا: اسی کی طرف مبرا۔





دلیلا بتایا۔

جانب چر میں سستری اپنے طم کی کیفیت انٹسٹی " میں اس طرح بیان کرتے ہیں۔  
 " میری تصنیف بیوہ ہے۔ میں نے ایک طرح اس کو حاجی محمد سے بیاہ دیا تھا۔ حاجی محمد گجراتی ادب کے لئے پیکر ہیں۔ میں نے بھی اپنے پائے کی پرغاہ کیے بغیر اس کے ساتھ اس کا بیاہ کر دیا۔ مگر بیاہ ہوئی رہا تھا کہ وہ مر گیا۔ اس نے اس کی ایک ایک سطر پر تصویر بنوانے کی تیاریاں کی تھیں۔ ایک مقررہ روپ چند تصویریں بنائے لیا بھی تھا لیکن وہ اس نے پسند نہ کر کے واپس کر دیں۔ اس نے کہا۔۔۔ مصنف جو بات کہہ نہیں سکتا، اسے مقررہ تصویر کے ذریعہ بیان کرتا ہے۔ جو اس میں کامیاب ہو، وہی مصنف ہے۔

اچانک اس کا انتقال ہو گیا۔ ادب کی قسمت بھوٹ گئی۔ اب اس کتاب کے لیے کون سا ذریعہ مناسب ہوگا۔  
 اس کتاب میں کچھ کچھ گئی۔ کچھ نئے مضامین کا اضافہ کرنا تھا، کچھ ترمیم کرنا تھی مگر حاجی محمد کے سانچہ اہل سے کچھ دل سا جبہ گیا میں نے بہت بار کوشش کی لیکن نہ اٹھے کو کچھ دکھا سکا اور نہ پچھلے میں ترمیم و اصلاح ہو سکی۔ طبیعت ہی رنگی :

————— چتر میں شاستری

پڈت جردی تا قد بحث نے " شادوا " (ہندی ماہنامہ) میں اپنے دلی جذبات کا اظہار یوں کیا تھا۔  
 " حاجی محمد کے انتقال سے صوبہ گجرات کو تو نقصان غیر ہنس چکی ہے مگر ہندی دافوں کا بھی بہت نقصان ہوا ہے۔  
 بہت سے باہر رہنے والے ان کے ادب کے شوقین دوستوں کو تو ان کے بغیر بستی خاؤ ہے جہاں معلوم ہوتی ہے۔

————— جردی ناتھ

میں یادوں کو ختم کرتے ہوئے استعد کھ دینا کافی مگر ہندوستان میں کسی بھی زبان میں کوئی ماہنامہ نہ چلنے والے کو مرحوم حاجی محمد کے " بیوی صدی " کی فائوں کو دیکھ لینا بہت محرومی ہے۔ بیوی صدی کی فائوں کی تعداد تو ہے، لیکن ان فائوں میں کتاب و ادب و حرفت کا جو مقام ہے، اس کو " بیوی صدی " یقیناً رہنما کام دے گا۔ اس وقت گجراتی میں چلنے والے ماہنامے " کد " " حقیقت " " شادوا " اور " گجرات " وغیرہ " بیوی صدی " کی خاک سے پیدا ہونے میں اور " بیگمڑی " مری کی جرم ہلت ہار ہزار لاپرواہی مکتی جیتے جی بیوی صدی " کا اثر ہے۔ " بیوی صدی " نہ ہوتا تو یہ بھی نہ ہوتا اور میں نہ ہوتا تو " بیگمڑی " مری " بھی کہاں سے آتی ؟

وایک اہم باتیں رہی جردی میں انہیں بھی کہاں لکھتا ضروری ہے۔ مرحوم حاجی صاحب بڑے عجیب طریقے سے تجھے نظم لکھواتے تھے ایک بار میں نے انہیں غصہ کیا۔

دیر اٹھاؤ سنتے مگر کیسیسریاں

بیس تھے مندرجہ سب سے جہاں



۱۔ کہ بہارِ مدظلِ اعلیٰ کے لیے سب سے بڑا نفع کے اوس میں ان کی ترقی و ترقی کے ساتھ ہی بہار  
یہ شرط ہے کہ ان کے لئے سب سے بڑا نفع کے اوس میں ان کی ترقی و ترقی کے ساتھ ہی بہار  
ان کے لئے تھے۔ ان کے لئے سب سے بڑا نفع کے اوس میں ان کی ترقی و ترقی کے ساتھ ہی بہار  
یہ لئے اس کے آخری و شہر تھے۔

کھس کھس کھس کھس ہمارے گنڈو بڑی  
 اے سے دماغ کھری غور تا جتنی  
 دیر ہاتھ کھری کھنڈ کھنڈ کھنڈ کھنڈ  
 دلدلی ناکھ سر ڈوبتی نرتی !!  
 چھوٹے تے لیبر ! ہر تے بیبا !  
 دیر اٹھو ! دیکھو دھوکے کی کیریاں

جب تھامے پر چڑھی تھی تو اس کی گھٹکھ سے دل میں اسی پلیدی کے جذبات اٹھ اٹھ اٹھے جیسا کہ وہ جب بیمار کے  
اتھ میں کر کے محسوس ہوا کہ یہ سب کچھ کیا تھا تو اس نے اپنے اندر کی حالت کو انا کی زندگی میں محسوس کیا کہ  
بہترین شہداء (۱۰)

ایسا اصرار کرنے والا اس قدر محبت کرنے والا گجراتی ادب میں کون ہے ؟

ایک ۲۰۰ میں نے اپنی کھانی سڑی لی کہتے "ان کو دکھائی۔ اس کے اس مجھے پر سنا نے۔" جیسے ہم کا خالق  
 رہی جرتہ وہ پہل پہلے تھے۔ ایک باب ۱

مرم و مایہ کی مرثیہ شکر کی نیو بی صدف کا تھے رہے۔ اس خط میں دو جگہ سے جہت کھل کر بت جیت کیا کرتے تھے  
 لیکھ اس کے اور جو دین نے من سے کہہ یہ ڈاکو اپنی بیوی صدف کے ذریعہ کالی آمدنی کریتے ہیں لیکھ ہر مہر سے بیکار چھپاتے ہیں  
 ہر کوئی کہتا ہے اس میں ایک لکھ کا ڈھنچا تھا اس میں نے اٹھارہ سو سے سر پہرے دانا سو سو بہن کا اور سو ان کے دل کی محبت ہمار  
 اٹھی۔ وہ بہت بے چہرہ ہو گئے اور دو بیگ کرانے کے لیے لہنے بچے کے ہونہ لکھنا لکھ کے بیوی بچہ کو یہاں قیوم کے ساتھ کتا  
 بول کر ایک نوٹہ ماننے کے حوالہ نہیں سو ڈیروں کی بہار دیکھنے کا وہ کچھ بھرا گیا یہی پڑا شہت و جسے کچھ دل میں دوس کے  
 داس ہے ! وہ تو نہیں کے داس تھی۔ ات !

ترجمہ: - نسیم عباس

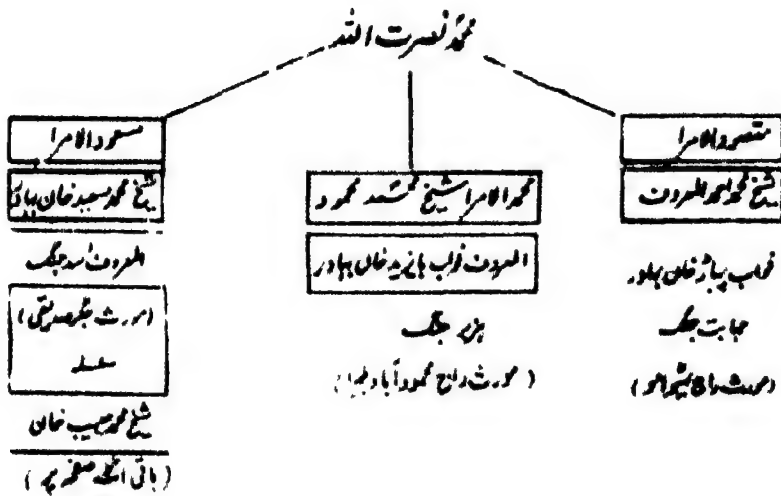
# جگر بسوانی

مکہ ہم سے سنیوٹ کے مکہ ہم کو سناؤ  
حالی دل ناسا دج سنا ہے تو آؤ

۱۲۸۹ھ مطابق ۱۸۷۲ء بمقام قصبہ بسوان ضلع سیٹلہ ریویا ہوئے۔ آبائی سلسلہ حضرت سیدنا و مولانا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ اول سے ملتا ہے۔

اجداد کرام جو ہندوستان تشریف لائے شاہان سابقہ فراروایان ہند کے مقابل میں فاتحانِ حرب کے نام سے مشہور ہوئے ہیں کے آخری جانشین شاہان اسلام تاجدارانِ ہند کا دست راست رہے اور غازیادے کا خطاب سلطنت کی جانب سے عطا ہوا۔ شجرہ خاندانی حسب ذیل ہے:

جد بزرگوار سیدنا و مولانا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ اول شیخ محمد شیخ محمد شمس شیخ محمد جلیل شیخ محمد تقی شیخ محمد عبد الجید شیخ محمد حمزہ شیخ محمد عبد اللک شیخ محمد جمال الدین شیخ محمد شمس الدین شیخ محمد احمد الدین شیخ محمد نظام الدین شیخ محمد نصیر اللہ شیخ محمد ابو شیخ محمد عالم و فاضل قاضی القضاۃ حافظ محمد نصرت اللہ قاضی دیبا ر دہلی۔



شیخ نور محمد خاں  
شیخ نور محمد خاں  
شیخ نور محمد خاں  
شیخ نور محمد خاں  
شیخ نور محمد خاں  
شیخ نور محمد خاں  
شیخ نور محمد خاں

محمد محمد علی خاں  
محمد علی خاں  
محمد علی خاں  
محمد علی خاں  
محمد علی خاں  
محمد علی خاں  
محمد علی خاں

نہی کی گئی کہ ہر ہم سکونہ خض کے لیے جیسے کے بعض نقاب بندہ شکر و شکر کی طرح تھے نہی کا  
نہی کے لیے ہر ہم سکونہ خض کے لیے جیسے کے بعض نقاب بندہ شکر و شکر کی طرح تھے نہی کا  
نہی کے لیے ہر ہم سکونہ خض کے لیے جیسے کے بعض نقاب بندہ شکر و شکر کی طرح تھے نہی کا

میں وہی انہیں بنیاد رکھ دیا کرتا ہے

نہی کے لیے ہر ہم سکونہ خض کے لیے جیسے کے بعض نقاب بندہ شکر و شکر کی طرح تھے نہی کا

نہی کے لیے ہر ہم سکونہ خض کے لیے جیسے کے بعض نقاب بندہ شکر و شکر کی طرح تھے نہی کا  
نہی کے لیے ہر ہم سکونہ خض کے لیے جیسے کے بعض نقاب بندہ شکر و شکر کی طرح تھے نہی کا  
نہی کے لیے ہر ہم سکونہ خض کے لیے جیسے کے بعض نقاب بندہ شکر و شکر کی طرح تھے نہی کا

نہی کے لیے ہر ہم سکونہ خض کے لیے جیسے کے بعض نقاب بندہ شکر و شکر کی طرح تھے نہی کا

نہی کے لیے ہر ہم سکونہ خض کے لیے جیسے کے بعض نقاب بندہ شکر و شکر کی طرح تھے نہی کا

نہی کے لیے ہر ہم سکونہ خض کے لیے جیسے کے بعض نقاب بندہ شکر و شکر کی طرح تھے نہی کا  
نہی کے لیے ہر ہم سکونہ خض کے لیے جیسے کے بعض نقاب بندہ شکر و شکر کی طرح تھے نہی کا  
نہی کے لیے ہر ہم سکونہ خض کے لیے جیسے کے بعض نقاب بندہ شکر و شکر کی طرح تھے نہی کا

نہی کے لیے ہر ہم سکونہ خض کے لیے جیسے کے بعض نقاب بندہ شکر و شکر کی طرح تھے نہی کا

اس مرتبہ جگہ سے دیکھ کر بھائی کو غمیل اور غمیل غمیل، موم غمیل اور غمیل غمیل، نیز ایک شاعر و محقق اور تہذیبی ہمارے ساتھ  
 اس سال دہائے ۷۰ کے شروع ہونے سے ہم نے بھی سے نقل کر قبضہ باز وہ میں قیام کیا اس زمانے میں ہمارے شاعر دشمنی  
 محمد اسماعیل کو کتبہ مرحوم بیات مرحوم جیو کے اسکول میں پرشین شیر تھے ایک ماہ کی رخصت کے کر ہم سب کو اپنے وطن ناسک  
 کے لئے گئے۔ رخصت کا زمانہ ختم ہونے پر کتبہ ہمارے منتظر تھے کہ وہ وہیں پہنچے کہ گئے یہاں دو منٹہ بعد آرام سے رہے بہت  
 سے معزین سے ملنے کا موقع ملا جن میں بیٹی کے مشہور خاندان مفتی کے چند جوان لوگ تھے یہاں کے زمانہ قیام میں ہمارے با اثر  
 ناول دو جلد کا آغاز نے خیالات کی دماغیں شورشیں، دل کی دنیا میں ایک انقلاب عظیم کا طوفان مارتے دم تک نہ بھرے۔  
 راجہ نوشاد ملی خاں مرحوم نے پھر زبردستی ہم کو اپنی طرف کھینچا ہم کھنکھاتے آئے۔ دیکھا کہ راجہ مرحوم کی صحبت میں شاعری کا  
 دھڑلہ بے شکے بھی نہ پائے تھے کہ مرحوم نے ذوق کے شریعہ سے نکلنے کی فرمائش کی۔

وہ مول پیتے ہیں جس دن کوئی نئی تھرا

فلتے پہنچے پر ہیں استسا کے لیے

جوان کا زمانہ، دل میں جوش، ہوشی سخن زندوں پر ایک منٹ کی ٹکر میں مصرعے سنا دیے جو راجہ صاحب مرحوم کو قیام

مہر نہیں بھولے۔

یہ اشقی ہے خدا جانے یا ہے اُن کا لہجہ غیر مجھ کو ستائے انہیں نہیں ہے قرار

ہونے آدمی آتا ہے وہ ذکر سربار وہ مول پیتے ہیں جس دن کوئی نئی تھرا

فلتے پہنچے پر ہیں استسا کے لیے

مستند میں ہم نے تہمت کی قانون اختیار کی۔ رسول حق، حضرت گنج کھنکھ میں اب جگہ باراد، یعنی کے نام سے ٹیٹی  
 ادنیٰ کپڑوں اور مشرق سامان کے کا دہ بار کا بڑا کاغذ اعلیٰ پایا۔ پر کھوا، خضائے برتکی تائید سے کئی۔ اس تک کھنکھ نفع کے ساتھ  
 کام چاہیوں سے واکوں وہ ہے کالیں دین ہو گیا لیکن روز بروز ناخوار ہوتے گئے۔ اور کا دہ بار کو ہماری لاپرواہیوں سے  
 قصاصی پہنچا رہا اس لیے ہم نے کھنکھ کا دہ بار بند کر دیا۔

مستند میں مستقل طور پر پہنچیں قیام کرنے کی نیت سے ہم گئے، کا دہ بار میں ہر قسم کی کامیابی اور سرسبزی کے غلاب  
 نظر آنے لگے۔ لیکن غنی دل، تانے طبیعت، گوشہ نشینی کو خولے تنہا کی بل غصہ و کنا شرع کر دی اور ہم ایسے ہو کر مستند میں  
 ہمیشہ کے لیے وطن چلے آئے۔

ایک مرتبہ قیام کھنکھ کے زمانہ میں دلی انگار نے کچھ اس طرح بے خود کیا کہ شوق سخن نے ساتھ چھوڑ دیا، اسی مصد میں  
 ایک شاعرہ تھا، اجاب بگڑا زکے ہمارے سے غزل کہنے بیٹھے تو ہم کی دنیا آنکھوں میں تائیک تھی جھوٹی بھلی مشن، تو نا  
 محمول، کی بھلی طبیعت، غریب کہ جانتے تھے نظم کچھ بڑا تھا، دو جلد کھنکھ کی منت میں کچھ شاعر نے بیان ہنسیاں کہتے تھے  
 کے کوئی صبح نہیں پہنچا، جی مل گیا، مسودہ گریاں میری طرح جان کڑا و شائد سے توخ باد کہ کبر شام ہی سے پر کر۔

سید ہے۔ خواب میں عجیب و غریب واقعات نظر آتے ہیں کہ استاد مراد علی صاحب نے ایک شعر لکھا کہ دکنش تمام  
مصدقہ فوٹو میں شاعرین میں شمع سخن کے گدے ہزاروں کا بحر ہے خاتم ہو گا گدے ہزاروں ہے۔ جس نے کمال فوٹو میں سے سکا  
کر لیا ہے کیا آپ نے شاعری کا شوق بہت کم کر دیا خلق سخن کے تو یہ سن میں ہندو شعر کیسے لکھ گھٹے کے جواس ہمارے تاج و تاج  
نہا کر لی دلی ایسا نہیں گزرا جس میں شعر نہ کہے ہوں۔

ہمارے ہاں پورے شیعہ شملہ کے فے کارخانہ کی ایک بڑی رقم ہائی تھی وصول کرنے کے لیے ہم ہاں پہنچے۔ وہاں کے حکام کے  
کام سے سرسبز یادوں کے آخر میں یہ نہایت خوشنما ہستی ہے جس نے ہاں دل سے راجہ دہانی کے مناظروں کو جیسی کاہر فوٹو کی جانب  
ہے ایک دن شام کا وقت تھا آفتاب کو ہستانی خواب گاہ کی طرف جا رہا تھا ایک باغ میں ہزاروں گل لڑے لڑے ہوا تھا چند دوستوں کے  
ساتھ تھیلے بٹے بیت سی خواہیں مل سراسے نکلیں ہم کو دیکھ کر پہلے تو ان لوگوں کو دشت ہوئی لیکن آخر کار وہ ہمیں بھی میں  
نبی رہیں۔ ان کے گلاب و خاراں کے رنگیں لباس دیکھ کر ہم ان کو گلاب و خاراں کے بہترین پھول سمجھتے تھے۔ ایک دوست نے فراموش  
کی کہ کوئی مسہب حال شعر نظم کیا جائے ہم نے یہ مطلع اسی وقت کہہ کر رکھا ہے

حشر جہاں کا میں بیمار ہوں سودا کی بھی  
بیار کرتے ہیں مجھے آجوتے سحرانی بھی

۱۹۱۲ء میں ہم کلکتہ گئے تین سال تک تجارتی کاروبار میں کوشش کرتے رہے۔ دھرم تلوار داھا بازار اور فوجداری  
بالا خانے پر کپڑے کی دوکان رہی، لیکن وہ ترقی نہ کھنڑیں حاصل ہوئی تھی نظر نہ آئی اس لیے یازن کھنڈ پھر زردستی کھنڈ کھنڈ  
آغاز شباب سے شاعری کا شوق ہے۔ جملہ کلام دلیرانہ غزلیات، تصانیف، قطعات، مفردات و شریات اور تفریق نکلیں  
تین حصوں میں جدید فاضلین کام ہو گا۔ بابین رنگیں خال و بحر سے شمعہ سخن لیتے ہیں۔ اکثر طبع، صاحب مشق و اداس فنی کے دلدادہ  
ہیں۔ جی میں ماشر سید باطل صاحب باطلہ زندار بسوان سکے شری بزم جگر، فشی محمد سرفرد خاں صاحب تہ روز میندار بستی  
فران مالہ صغیاب، فشی محمد فیل الرمن صاحب فقیل، زیدار بسوان راہ و خرد و حق، قاضی فکیر الرحمن صاحب فکیر بسوان، تحصیلدار  
ملاست محمد آباد کوئی محمد فیکر صاحب وائی بسوانی، لاہور کے شاد صاحب شاد صاحب و زیدار بسوانی، سیٹھ بدھو محل  
صاحب تہ روز رئیس کا پند، فشی فشی فشی فانی صاحب اثر بسوانی، مرثا عبد الرحیم خاں صاحب ناز بیڈا شری اثری اسکول  
بسوانی، ماشر بکت بہادر صاحب فشاہ تسلیم اثرنس کلاس بسوانی، ماشر بدی فانی صاحب حسین محمد آبادی، سیٹھ محمد  
صاحب و قاجار بیٹی، فشی زین العین صاحب تہ بانی، فشی محمد علی صاحب شرر دہلی، سید فاضل حسین صاحب تہ بانی  
سیٹھ احمد صاحب و فشی بیٹی، فشی سید علی صاحب سید قادری پور جگہ فشی بیٹی، سیٹھ عبد اللہ صاحب فشی بیٹی، فشی فیل حسین صاحب  
جسٹم فکیر فشی ابوالحسن صاحب شیم بہاری، ملک محمد فشی صاحب سوا سوا کٹی سید محمد مصطفیٰ صاحب مصطفیٰ آبر محلہ کاندہری۔  
فشی فیل بہاری محل صاحب فکیر محمد آبادی، ماشر محمد فکیر صاحب فیکر ڈانگ، ماشر سیٹھ فندہ مال ابائی اسکول ماشر ام سید  
صاحب پکر کرک میر پال ابائی اسکول، زمیندار کا پور، فشی احمد علی صاحب ناصر گرامی، فشی عبد الفتاح خاں صاحب شہر بہاری۔

عشقی غلام رسول صاحب مہر کا کوسوائی، مشر رام سرور، عشق متوکل، انور کلاس، عشقی گلکار، عشق صاحب پیش فتح پوری، مولانا محمد خاں صاحب قحوص، شیخ عبدالحمید خاں صاحب بڑیاں، عزیز دار بالو، عشقی شبیر حسین صاحب شیر فتح پوری، عشقی بیکس محل صاحب شگفتہ اورنگ آبادی، عشقی شہزاد علی صاحب رتن اورنگ آبادی، عشقی عبدالحمید خاں صاحب حمید ڈگری رائٹر بہرائچ، عشقی نظیر احمد صاحب نقیر بسوانی، عشقی محمد رضا خاں صاحب رافت بہرائچ، جناب پنڈت رام دوار سے صاحب رام بسوانی، عشقی فرزند علی صاحب راز بسوانی، عشقی محمد رفیع صاحب منظر بسوانی، عشقی کدو راتھ صاحب جگر بسوانی، پنڈت بیسی دھر صاحب شہنم بسوانی، عشقی اوندکار راتھ صاحب ماہر شاہ آبادی، عزیز اور بہت سے اصحاب مشق سخن کی منزل طے کر چکے ہیں۔ خدا سے دعا ہے کہ سب کے دلہان میری زندگی میں شائع ہو کر میری ولی مسرت کا باعث ہوں۔

## جگر بسوانی

وفات: ۱۱ مئی ۱۹۵۵ء کو واقع ہوئی اور بسوانی ضلع سیٹاپور (ری۔ پی) میں سپرد خاک ہوئے۔

تصانیف:-

- |     |              |                                   |
|-----|--------------|-----------------------------------|
| (۱) | دیوانی جگر   | حصہ اول                           |
| (۲) | دیوانی جگر   | حصہ دوم                           |
| (۳) | درد جگر      | ناول                              |
| (۴) | مکاتیب جگر   | غیر مطبوعہ                        |
| (۵) | تذکرۃ الشعرا | یہ تذکرہ بہ اقساء و سالہ تصانیف   |
|     | موسوم بہ     | حیدر آباد دکن میں چھپتا رہا ہے    |
|     | دردِ عشق     | کتابی صورت میں ابھی طبع نہیں ہوا۔ |



# اکبر پوڑی

وفات : ۲۵ - فروری ۱۹۵۵ء

دلاوت : ۳ - اکتوبر ۱۸۶۲ء

نام تہ معشوق حسین تنہا اکبر والد ماجد کا نام تہ امراؤ علی صاحب ابن شاد اللہ عابد شب زندہ دار۔ پرہیزگار متقی  
پابند شریعت باخدا بزرگ بچے۔ وطن قصبہ پاپوڑ (ضلع میرٹھ)

میں ۱۰ شعبان المعظم ۱۲۸۵ھ مطابق ۳ اکتوبر ۱۸۶۲ء بروز جمعہ بعد نماز عصر پاپوڑ میں پیدا ہوا

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ

۳ ۷ ۶ ۸ ۱

سے میری ولادت مکمل تاریخ نکلتی ہے۔ میری عمر بارہ سال کی تھی کہ والد ماجد نے عالم قدس کی طرقت و ملت فرمائی۔ اس کے بعد میں اپنے  
دادا بزرگ کاٹن مٹھی سید اشفاق حسین ڈوچی میرٹھ، ڈوچی کلکٹر کے سایہ داری میں حافظت میں تعلیم و تربیت سے بہرہ یاب ہوا۔

ذائقہ سخن و شہرہ سی سے طبیعت میں ہے۔ چودہ پندرہ سال کی عمر سے شعر کہنے لگا تھا۔ مولوی قمر الدین قمر سوروں ضلع اٹلی  
کے باشندے میری فارسی تعلیم کے لیے مہذب تھے۔ مولوی صاحب شاعر بھی تھے اور نعت میں غزل کہتے تھے۔ مولوی صاحب نے اس  
زمانہ میں ایک غزل نعت میں کہی جس کا مطلع تھا۔

کشش میں کاش کہ تیری دلا اتنا اثر ہوتا

تو مجھ پر مہرباں ہر دم مراد شک قمر ہوتا

مولوی صاحب کی عادت تھی کہ جو نئی غزل فرماتے۔ اس کو ہفتوں ٹھکانا یا کرتے۔ مجھے سنتے سنتے وہ تمام غزل یاد ہو گئی۔

ایک دن خود بخود طبیعت میں مرا پیدا ہوئی اور یہ مطلع سوزوں ہو گیا۔

اڑمشتی لہڑا دل میں میرے جسود گر ہوتا

تو ہرگز خار و حییاں سے نہ پڑ باغ جسگر ہوتا

اس کے بعد چار شعر اور کہہ کر غزل کو با مقفل تمام کیا اور مولوی صاحب کو غزل اصلاح کے لیے دکھائی۔ مولوی صاحب نے اصلاح نہیں  
دی اور شعر کہنے سے منع فرمایا۔ اس طرح یہ پہلی غزل نعت میں موزوں ہوئی۔ تحقیق شعری کا شوق حضرت بقال کھنوی اور مولوی  
غلام حسن شوق نیرو کے باہمی مجاہدے کی کتابیں دیکھ کر پیدا ہوا۔

زمانہ قیام لاہور میں حضرت اصطفائی کا قلم اختیار کیا۔ حضرت اصطفائی بڑے فاضل اور حاضر طبع شاعر تھے۔ تین سال انفرادہ  
(حاشیہ نگار ص ۶)

فرمایا۔ اُردو میں کسی سے اصلاح نہیں لی۔

۱۸۹۷ء و ۱۸۹۸ء میں جین پوری میں رہنے کا اتفاق ہوا۔ وہاں مولوی محمد منن صاحب کا کوری مرحوم سے اکثر ملاقات ہوئی۔ وہیں منشی طاہر علی طاہر فرخ آبادی اور منشی حیات بخش صاحب رستاقیہ حضرت داغ مرحوم سے خاص دوستانہ مراسم تھے۔ ۱۸۹۷ء سے ۱۸۹۹ء تک علی گڑھ میں قیام رہا۔ جہاں میرے برادر گلان سید اشفاق حسین صاحب ڈپٹی کلکٹر تھے۔ اس زمانے میں عاتق مرحوم حیات جاوید کی تکمیل کے لیے علی گڑھ میں رونق افروز تھے اور علامہ شبلی علی گڑھ میں پروفیسر تھے۔ اس وجہ سے مولانا عاتق و مولانا شبلی مرحوم کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع ملا۔ نومبر ۱۸۹۷ء میں رام پور جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں ملک اشعرا حضرت امیر مینائی کی خدمت میں شرفِ نیاز حاصل کیا۔ منشی صاحب مرحوم کا کلام خود ان کی زبانِ مبارک سے سُنا اور اپنا کلام بھی ان کی خدمت میں پیش کیا۔

اظہر یہ وہ غزل ہے مری مجھ کو جس کی داد

ہر شعر پر ملی ہے جناب امیر سے

دسمبر ۱۸۹۷ء میں دربارِ دہلی کے موقع پر نصیح الملک حضرت داغ مرحوم سے آفاشِ عدو دہلی کے ساتھ ایک مرتبہ ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔

میں ۱۸۹۷ء سے ۱۸۹۸ء تک دکالت کرتا رہا۔ اس زمانے میں جناب جلال لکھنوی مرحوم سے بعض الفاظ اور بعض رسائلِ شعری پر گونا گونہ گفتگو ہوئی اور مقامی اخبارات میں مضامین بھی نکلے۔ منشی امیر اللہ تسلیم سے اکثر صحبت رہی اور ان سے خصوصیت کے ساتھ مراسم بڑھ گئے۔

۱۸۹۷ء سے ۱۸۹۸ء تک گوالیار میں دیکل رہا اور اعتبار الملک حضرت مقصود خیر آبادی مرحوم کے مشاعروں میں شریک ہوا اور اکثر ان سے دوستانہ اختلاف رہا۔

۱۸۹۸ء میں جے پور چلا گیا۔ ۱۹۱۵ء سے ۱۹۲۳ء تک جے پور میں مصروف رہا۔ فرقہ دارانہ وجوہ کی بنا پر استغفار کے ٹونک چھو آئے۔

۱۹۲۳ء میں نے اُردو کی حمایت میں "ہندی پر پانی" مسحا کے مقابلے میں "اُردو ڈیفنس کمیٹی" قائم کی۔ اس کے زیرِ نگرانی کی حیثیت سے اُردو کی خدمات انجام دیں۔

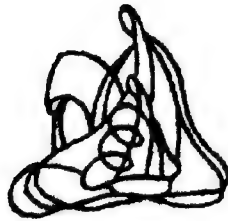
۱۔ اس بحث میں مولوی حمید الحسن شوق نمبر ۱ کا رسالہ اصلاح مع اصلاح شروع اصلاح داذاحتہ الافلاط مطبوعہ اردو پریس علی گڑھ ۲۔ خط فرمائیے

۳۔ افتخار اشعرا اعتبار الملک اقتدار جنگ منشی سید افتخار حسین مقصود خیر آبادی حضرت امیر مینائی کے ارشد تلامذہ ہیں سے تھے۔ انی ٹونک کے استاد تھے۔ ۱۹۲۳ء رمضان ۱۲۰۲ھ مطابق ۱۹۲۵ء کو وفات پائی۔ بابا چھٹا شاہ میں مدفون ہوئے۔



میری چند تصانیف مندرجہ ذیل ہیں :-

- (۱) اردو کے تین دیوان (۲) مجموعہ قصائد اردو (۳) مجموعہ قصائد و نظمیں فارسی (۴) رسالہ تحقیقات الفاظ (۵) قطعات تاریخ - مرثی و سلام (۶) رسالہ اصحاح عروض زیر تصنیف (۷) مکتوبات شعری - (۸) رسالہ جدید عروض و قرانی (۹) اظفار اللغات - اس کے دو حصے ہیں - ایک حصے میں وہ فارسی الفاظ ہیں جو کہ ہندوستانی فارسی نہیں کہتے ہیں ان کی تحقیق میں وہ فارسی نہیں کہتے اور شبہ کہتے ہیں - دوسرے حصے میں وہ الفاظ ہیں جو کہ ہندوستانی فارسی کہتے ہیں ان کی تحقیق میں وہ فارسی نہیں کہتے اور شبہ کہتے ہیں - ہر لفظ کی سند فرہنگ نامری سے دی گئی ہے - اور دوسرا حصہ محاکمہ ہے جو برابری قافیہ اور مرزا غالب کی قافیہ برابری کے متعلق ہے - اس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ مرزا غالب کی رائے برابری قافیہ کی نسبت اکثر غلط ہے اور اس کی تائید فرہنگ نامری سے نہیں ہوتی - فرہنگ نامری کا ثلث ایرانی ہے - اس کی رائے برابری قافیہ اور قافیہ برابری دونوں سے زیادہ مستند ہو سکتی ہے -



# شاہ محمد حسین الہ آبادی

ولادت ۱- ۶۱۸۵۳

وفات ۱- ۸ رجب ۱۲۲۲ھ / ۶۱۹۰۴

مہر علی کی نمود و ہوا جدا سے ایسے خاندان میں ہوتی جو مدت دراز سے علوم حقیقت اور فنون تصوف میں مشہور تھا۔ پہلے پہل انھیں کلیں تو جمال صوفیہ پر، ایں سینیں تو وہی توحید و حقائق کی، خود میرے خاندان میں اتنے لوگ تھے کہ اگر کوئی لٹے آتا اور پندرہ پندرہ منٹ بھی ایک شخص کے پاس بیٹھتا تو قریب قریب پورا دن صرف ہو جاتا۔ وہ سب ایک خیال کے لوگ تھے۔ ان کی صحبت میں مجھ اس کے کہ حقائق و معارف کی باتیں ہوں، ذوق و شوق کا ذکر ہو، اولیائے کرام کے تذکرے ہوں اور کوئی چہرہ اہی نہیں تھا۔ خانقاہ میں مسجد میں اور ہر ایک مکان میں باہر کے فقراء بھی بکثرت آتے جاتے تھے۔ راتوں کو تمام محلہ ذکر کی آواز سے گونجتا رہتا تھا۔ لوگوں سے جو انہیں کی صحبت رہی تو اسی وقت سے اہل اللہ کے لئے کا شوق رہا۔ اور ان کی صحبت کے فیضان سے دل آداب صحبت فقرا سے انتہا درجہ باادب رہا۔ اس وجہ سے اس ناچیز کو اہل اللہ کی خدمت میں حاضری کے وقت ہمیشہ تتبع عادات کا خیال رہا۔ تعلیم غرق طاعت کا۔ ان کوئی کرامت یا غرق عادات بلا اختیار پیش آتی تو آتنا و صدقنا کہ کے ان لیا۔

طبرم فتم ز جہاں جان جہانے کہ پھر کس  
جاں نشاندم بسر آفت جانے کہ پھر کس  
دے آچے کہ سکندر جہاں جت و نیافت  
ما فتم از دم شیر و سنائے کہ پھر کس  
داسع برداغم انساں ملا ہذا سے کہ کھو  
پا بہ گلی ہستم ازاں سرور دانے کہ پھر کس

ماند پیکان خد نکت بد جان دشمن  
یا فتم بہر سپاس تو ز بانے کہ پھر کس

لب مجمل کو اگر سودا نوک نشتر ہو تو نہم کے خار صحرے بڑھ کر نہیں۔ چشم و ابق کو سرمد کی حاجت ہو تو نہما  
کوئے ہزار سے بہر نہیں۔ درد مند این الفت کو روا کی پروا نہیں۔ خاک باہ محبوب ان کے لئے سزا پتہ شفا ہے۔ جاں دا دگان محبوب کو  
کسی بیت ہما ز ناک حاجت نہیں۔ ہولے کوئے جانیں ان کے حق میں دم میں ہے۔ اس راہ کے صدقے جس کی انتہا کوچہ ماناں تک ہے۔

ملہ مکتوب بنام مولانا اشرف مل قلاوی

ملہ مکتوب بنام مولانا محمد لایت سیما صاحب

اس کی نسبت سیدنا سیدناں وہاں تک ہو۔ اس شہر کا سودا آنکھوں میں نور اور دل میں سوسپائیاں کر رہے تو کم ہے۔ جو سایہ پرورد حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اس مرکز شہد و شہدہ ناکاوی نے مدعوں کو کہہ کر لکھ کر کہ اپنے آگے باز گامزن الہام کے ساتھ فیض کاشاد کی جہ رسائی کرے مگر ہمارائی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا۔

آخر خدا نے وہ دن دکھایا کہ ناچیز آپ لوگوں سے رخصت ہو کر کچھ جیل پور پہنچا۔ جیل ہاؤس کے مسلمانوں نے میرے دن ہجرت کے قیام کے لئے انیشین پر غیور و غیرہ کا انتظام کیا تا مگر آئے گا وقت حقیقی طور پر معلوم نہ تھا۔ اس لئے وہ انتظام ناقص رہا۔ دن میں شیش بج رہا تھا۔ وہاں سے روانہ ہو کر دوسرے دن عصر کے وقت ہائی کلب کے انیشین پر میرے خدوم محمد صدیق پیشہ لے آئے کہنے لگے کہ یہی میں اور لوگ بھی آپ کے منتظر ہوں مگر الفضل للقدم۔ آپ میرے جہان ہو چکے۔ میں نے خیال کیا کہ میرے قدیم دوست مولوی محمد صدیق ہیں وہ اگر مرزا فراتیں کے نوین مجبور ہو جاؤں گا۔ وہ میرے ساتھ پوری ہندوستان تک آئے۔ یہاں مولوی محمد صدیق احمد صاحب اور ایک جہات مسلمانوں کی میری منتظر تھی اور سواری کے لئے گاڑیاں بھرت موجود تھیں۔ مولوی صاحب کی لائی ہوئی گاڑیوں پر سوار ہو کر اتفاقاً صدیق آلا بلڈنگ میں ٹھہرے۔ . . . . . جہتی کی مرکز شہد اس پہرچ کے آخر میں انکوں کا بھی کچھ ضروری باتیں انکوں کا۔

میری طبیعت خطرہ کہ ایسی واقعہ ہوتی ہے کہ دنیا کے رخ و راحت بخش اسباب سے بہت کم متاثر ہوتی ہے۔ کسی دوست کے قہر و ہند کا اثر میرے قلب پر بہت کم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ مجھے ہر امر متین مثل مشہود کے ہے کہ ہر وصل کی انتہا فصل ہر جمع کا انجام تفریق ہے بقول شاعر۔

### ہر جمع کا انجام تفریق ہے

مگر اس مرتبہ جو فطرت کے فاعلی و باطنی حجاب نے میرے قلب کو اس طرح کشاکش میں ڈالا کہ اگر قبلہ عالم سرکار و لا اقدار آتے نامداں جہاں پناہ رومی خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ بوسی کا شوق دل پر غالب نہ ہوتا تو یقیناً دل کی ایسی حالت ہونے لگی تھی کہ دامن شکیبائی کا قہر سے جاتا رہتا۔ مجھے یہ تو یقین ہے کہ میرے ہم وطن سب نہیں تو اکثر دل محبت رکھتے ہوں گے۔ اس لئے کہ میں نے جس تک محبت اور اس کے اسباب میں غور کیا تو یوں سمجھ میں آیا کہ اصل محبت تو ہر شخص کو اپنی ذات کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس کے بعد جس کو اس کی ذات کے ساتھ جس قدر قرب ہے اسی قدر محبت کم و بیش ہوتی ہے۔ اور اور وجوہات کی محبت کا تفاوت اس تفاوت مراتب قرب پر مبنی ہے۔ مگر قرب دو ہیں۔ ایک قرب زمانی و مکانی۔ دوسرے قرب باطنی جس طرح طلاق اور مزاج آپس میں متضاد ہوتے ہیں، ہاں میں طرح قرب زمانی اور مکانی میں زمان اور مکان کا تشدد ہوتا نا ملحوظ ہے، قرب باطنی میں بھی کسی کا مشترک ہو ضروری ہے۔ اسی کا مشترک اتحاد باطنی یا اتحاد معدن کہتے ہیں۔ مہر حال اپنے ساتھ اولیٰ درجہ کی محبت ہوتی ہے۔ دوسرے درجہ کی محبت قریبوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ غرض کہ قربت کو محبت لازم ہے۔ قربت نسبی کی خواست دیکھتے تو وہ بھی مشترک معدن کی ایک فرق معلوم ہوتی ہے۔ جس لئے کہ ہر ذات اپنے نفع پوری اس کے اصل کے ساتھ کسی مخلوق اور ایک معدن میں تھے۔ پیدا ہونے کے بعد اگر قرب کے اور وجہ پیدا ہو جائیں تو محبت میں اور ترقی ہو جاتی ہے۔ ہاں کہیں باوجود اتحاد معدن :

وطن کے جانے محبت کے عداوت نظر آتی ہے۔ تو اس کا منشاء یہ ہوتا ہے کہ ایک دوسرے قسم کی محبت جو اس کے معارض میں ہے غالب آتی ہے۔

معدن دو طور کے ہوتے ہیں۔ ایک حقیقی دوسرا غیر حقیقی۔ معدن حقیقی سے ہماری مراد کسی وصفت انضمامی میں شرکت و اتحاد ہے۔ جس طرح دو فرد انسانیت یا اوصاف ذاتی میں متحد ہیں اور معدن غیر حقیقی سے مراد وصفت انضمامی میں شرکت ہے جسے کسی یا حقیقی ہونے میں شرکت۔ غرض کہ غور سے دیکھا گیا تو اتحاد معدن موجب محبت ہے۔ ہاں کہیں باوجود اتحاد معدن حقیقی باوجود غرضی کے وہ محبت نہیں ہوتی جو دور کے رہنے والوں میں یا متحد المذہب والا علاقہ میں ہوتی ہے تو اس کا منشاء یہی معلوم ہوتا ہے کہ قربت نبی میں اتحاد معدن غیر حقیقی ہے۔ اس لئے کہ نطفہ سے اگر پیدا ہوتا ہے تو جسم پیدا ہوتا ہے نہ روح۔ اور بدن روح کے حق میں ایسا ہے جیسا مکان کے حق میں مکان اور اخلاق اور امور مذہبی کا تعلق بالذات روح کے ساتھ ہے اور اتحاد مکانی میں معدن غیر حقیقی کا اتحاد ہے اور اوصاف روحانی کا اتحاد معدن حقیقی کا اتحاد ہے اور حقیقی غیر حقیقی پر غالب ہے۔ بہر حال مجھے اپنے ہمنظروں سے چونکہ اتحاد معدن کسی ایک وجہ سے کسی وجہ حاصل تھا اس لئے خیال محبت راجح اور اس کا مخالف خیال تیری نظریں وجہ معلوم ہوتا ہے۔ اسی بنا پر اہل وطنی کے ان برتاؤں کو جو خلاف محبت تھے نہایت حیرت کی نگاہ سے دیکھتا۔

میرے وطنی بھائیوں نے ایک زمانے تک مجھے دہلی بنایا اور محض اپنے وہم و گمان کے موافق دہلیہ کے سارے عقائد کا۔ اچھے اہل یائری، واقع میں وہ میرے عقائد ہوں یا نہ ہوں مجھے معتقد ٹھہرایا۔ اس کا منشاء اسی قدر تھا کہ نو دہلیہ کے مافیل میں ذکر ولادت کے وقت بالخصوص حسب رواج قیام (جس وقت ولادت کا بیان میلاد شریف میں ہوتا ہے) وقت کھڑے ہونے کو قیام میلاد کہتے ہیں) نہ کرتا تھا تو قیام کو حرام نہ جانتا تھا اور قیام کرنے والوں کو مجرمانہ سمجھتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی قیام مخصوص کو فرض یا واجب یا رکھنا یا ماننا نہ جانتا تھا۔ جیسا کہ اب بھی نہیں جانتا۔ جہاں اور لوگ قیام کہتے وہاں میں بھی قیام کر لیتا۔ میرے استاد محترم جناب مولانا عبدالحق صاحب کے حیات کا زمانہ تھا۔ ان کی بھی یہی روش تھی کہ جہاں لوگ قیام کرتے خود بھی فرماتے۔ خود مزوری نہ جانتے۔ قیام کو بدعت، قیام کرنے والوں کو مبتدع نہ ٹھہراتے۔ میری بھی وہی روش تھی۔ فقط اتنی ذرا سی بات پر میں دہلی بنا۔ بدعتیہ کہلا یا اور دہلیہ کے سلسلے عقائد میرے ذمہ لگتے گئے۔ گو خدا کے فضل و کرم سے ان سارے عقائد سے دور تھا۔ طرہ یہ ہے کہ جو اصل قیام کے قائل تھے یا جن، وہ بھی وضیت یا وجوب کے قائل نہیں۔ مگر ترک پر اس قدر شور و غضب ہوا کہ کسی فرض یا واجب کے ترک پر نہ دیکھا نہ کسی حرام کے ارتکاب پر سننا۔ غرض ایک زمانہ تک میں ان کے گمان میں دہلی بنا رہا۔

اس دور میں دہلی مجھ سے خوش اور ان کے مقابل ناخوش رہے۔ دہلیہوں نے اپنی خلد نفی سے یہ سمجھا کہ جو من کل الوجہ "بٹنا" ہیں اور ان کے مقابل نے خیال کیا کہ "ہمنہم" ہیں۔ حالانکہ میں من کل الوجہ نہ ان میں تھا نہ ان میں سے

ہر کے ازمن خود شد یا رمن و درون من نہ جنت ام رمن

یہ پہلا دور تھا۔ اب دوسرا دور شروع ہوا۔ یہ پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ قیام میرے نزدیک معصیت یا فہیج کہیں نہ تھا اور خدا تعالیٰ اس کی حقیقت بھی استہباب اور استہسان علماء سے زائد نہیں۔ اہل محبت اپنے ذوق و شوق میں اس کو مقام شہود میں کچھ نہیں

وہ احادیث ہے۔ اب میں نے عقلی بنیاد پر مشروط قیام بہ اعتدال مقرر کیا۔ اس دور کے انقلاب عقلی سے پہلے انقلاب اولیٰ ہوا کہ وہ اپنے دور کے زمرہ میں پہلے طبقے میں شامل ہوا۔ اولیٰ ان کے مخالفین کے زمرہ میں آئے۔ پہلے وہ قدیم جو مجھے بتا رہا ہے میں سمجھنے لگے۔ انہیں میں نے سمجھنے لگے اور منہم والے دنگ۔ اب وہ میری طرف سے جتنے عقائد ان کے مخالفین کے تھے وہ میرے سر پہنچے۔ مگر ان کے مخالفین کی جانب سے وہ ساری تہمتیں جو پہلے وہ میرے ذمہ لگائی تھیں ان میں سے ایک قلم دور کر دی گئیں۔ پہلے دور میں میں فرقہ کے نزدیک قابل نہیں رہا۔ ان فرقوں میں اس کے نزدیک قابل نظر نہیں بنا۔ ان دونوں فرقوں کے تبدیل و تغیر خیالات کی وجہ سے مجھے علم حاصل ہوا کہ اسے اسلئے حلال کر دیا گیا۔ اولیٰ، بدعتی سنی، ہم کو طالب علم ہیں پہلا مطلب کہیں نہیں گیا۔ ہم ہر حال اس میں بھی ان کے شکر گزار ہیں۔

دو دوسری نعمتیں ہوا۔ اب میرا دور شروع ہوا۔ میری طبیعت میں فطرتاً سوز و گداز رکھا گیا ہے اور کلام موزوں اور صوت موسیقی کے ساتھ خلقت مجھے ایک فطری مناسبت ہے۔ اس کے ساتھ ہی مجھے ذاتی اور نفسی تعلق خواجہ گاجو حشف سے ہے۔ ان حضرات سے دل پرست سے مشرف خلائی حاصل ہے۔ اس نسبت نسبی اور ذاتی کے غلبہ نے میری طبیعت کو سماع و نغم اور استماع زیر و بم پر مہمور کیا اور ہم لوگ باطنی بے سماع و غنا میں ہوتے بیانی نہیں کر سکتا۔ جو لحن و طبع دوست و دشمن کے سننے میں آئے اس کو میرا دل ہی مانتا ہے۔ سب و شتم کے خطوط لکھ کر بھیجے۔ پہلے دونوں دور کے اکثر موافق مخالف ہوئے۔ بقول شخصے بیل نہ کودا کو دی گون۔ ایسے صلیب جھلا منہ آئے نہیں لطف بے اور شے شبیر میں فرق نہیں معلوم ہوتا۔ ہمارے اوپر ان کی طعن آلودیا وہ گویوں کا اثر بھی نہ ہوا جتنا مکتبی یا پھر کی بھینٹا ہوا کی آواز کان میں آنے سے ہوتا ہے۔ . . . الہ آباد اہل علم سے خالی ہے۔ کوئی کچھ بکے ہلاری نظر میں یہ معاملہ حادرات کی آواز اور حیوانات کے صوت و صدا سے بھی زیادہ بے معنی ہیں۔ اس لئے ہم نے ایسی ویسی تحریر و تقریر برہی نہ دیکھا نہ سنا۔ ہم کو اپنے کام سے کام ہے۔

### خلق بطعن و محنت گوماشوق بنا خوش خلق

مگر سنئے ہیں کہ ایسے کلمات (ان لوگوں نے) لکھے جو سے ہمارے دوستوں کو دل رنک پہنچا۔ ہمیں تو کچھ ان باتوں کا خیال ہی نہیں ہوا کیوں کہ مجاہدیب کی زبان سے کہنے اس سے بڑھ کر کلمات نہ۔ دوسرے میری ذات خاص کے اوصاف و صیرہ میں تعدد لکھیں اور اٹھ پر جناب میں آئے طاعت کریں، ان ذمہ سبب دجا کہ ہیں جن کا پورا میری ذات میں مجھے عین ایضیں کے درجہ پر پہنچا ہوا ہے۔ وہ ساری ملائیں جن کا اپنے انکل سے مجھے متعلق تھے ہیں بہ نسبت ان ملائیں کے جن کا میں اپنے علم میں فی الواقع متعلق ہوں بہت ہی قلیل ہیں۔ بہر حال اس دور میں میرا لقب موسیقی و عارف، فاسق و فاجر، یا کافر ہوا۔ معلوم ہوا کہ میرے یہ بھی اسماء ہیں جن کا اب ہمیں علم ہوا۔

اسلئے مختلفہ کی تشییس اشخاص مختلفہ سے شہود و آثار کے اختلاف پر مبنی ہے۔ جس نے جن اثرات مشاہدہ میری ذات میں کیا اس کے موافق مجھے خطاب دیا۔ مشاہدہ کا اختلاف مشاہدہ (مشاہدہ کہنے والا) کے استہد او مناسبت پر مبنی ہے اور نہ صرف مشاہدہ کا وہاں بھی۔ جبکہ اسلئے کہ اگر خیریت سے جیون مالک ملائے ہو۔ اب وہ میرے مشہدہ طیف کہلاتے ہیں۔

ایک کار کا نظور ملے یا یعنی تجلیات اسکا، صفاتی اور واقعاتی کی نیز نیچوں کا مقتضایہ ہے۔ جن اسماء کی تجلیات علمی یا یعنی کے جامدہ سکا ہ  
انے کا پیشتر ہمیں علم نہ تھا۔ اسی دور میں معلوم ہوا کہ ان کے میں ہم کسی نہ کسی طور کے منظر ہیں۔ واقع میں یا کسی کے علم میں گو وہ غیر واقعی ہی کیوں نہ  
ہو مگر ایک قسم کی حقیقت دہنی سے خالی نہیں۔ دلدادہ الفت کے لئے یہ کیا کہ ہے کہ محبوب کے کسی علم یا صفت کا منظر ہو۔ عاشق کے لئے محبوب کی  
ہوا اور انفرج ہے۔

سے نشوونما و ترقی دیکھ کر کہ شکر و ہلاک تیغ  
ہم بہر حال شکر گزار ہیں کہ ع

مرد شود سبب خیر گر خدا خواهد

ہمارے حضرات کے نزدیک ہر مخلوق کا حضرت حق سے دو طور پر تعلق ہے ایک بواسطہ دوسرے بلا واسطہ۔ تعلق بواسطہ میں تو مقام ہمارے موافق ہیں مگر تعلق بلا واسطہ میں خالف۔ لیکن کتاب و سنت اس کے ساتھ ناواقف ہے۔ تعلق بلا واسطہ کو صوفیہ عالمیہ کی اصطلاح میں وجہ خاص کہتے ہیں۔ وجہ خاص ہر شخص کے لئے مبادیاً فیاض سے فیوض مخصوصہ کے پہنچنے کا واسطہ ہوتا ہے۔ جو سکتا ہے کہ ان نام رکھنے والوں کو بواسطہ وجہ خاص میری ذات میں ایسے آثار کے ظہور ہو دی کا اضافہ ہوا جو جس کا مجھے علم نہیں اور وہ ان کے لئے ان اسماء کے ساتھ میرے سخی بنانے کا ذریعہ ہو۔ میں گمان برکدوں کروں۔ میں تو یہی سمجھوں گا کہ ان کا علم میرے لئے اس علم کا ذریعہ ہوا کہ میں ان اسماء کا بھی مظہر ہوں۔ ان یہ بھی یاد رہے کہ میں نے جو اوپر ہر حاد و حیوان کی آواز کو تمثیل ذکر کیا وہ باعتبار عموم کے ہے جو حاد و حیوان کو بے علم و ادراک اور بے نطق سمجھتے ہیں۔ البتہ کث کے نزدیک سب ذی علم اور ذی نطق ہیں۔ آیہ کریمہ انطقنا اللہ الذی انطق کل شئی۔ ہر چیز کو ناطق بناتا ہے اور آیت کریمہ وان منعا لہم کھبط من خشیتہ اللہ اعجاز کو ذی علم ظہرانی ہے۔ اس لئے کہ خشیت ہے علم کے نام کی ہے۔ قال اللہ تعالیٰ انما یخشى اللہ من عباده العاقلون اسی بنا پر سنگریلوں کی تسبیح میں وجہ اعجاز تسبیح نہیں کیوں کہ وہ مادہ تسبیح کرتے ہیں وان من شئی الا یسبح بحمدہ۔ وجہ اعجاز ان لوگوں کو تسبیح سنانا تسبیح جو مادہ نہ سنتے تھے۔

یہ تین دور جو اپنی عمر کے جس نے ذکر کئے ان میں لوگوں کی بدگمانی پر مجھے سرسری نظر کے اعتبار سے عجب ہوا مگر بعد غور کے معلوم ہوا کہ عجب کامل نہیں۔ میرے ساتھ بدی کو گمان رکھنے والے دو قسم کے لوگ تھے۔ ایک راستباز جو بہ تقاضائے حسب ایمانی ان عقائد کو جو ان کی نظریں باطل ہیں بخوش رکھتے تھے اور اس کے لازم میں سے ہے کہ ان عقائد کا معتقد ہونا بخوش مانا جائے تو گو اتحاد وطنی موجب الفت تھا مگر تبادلہ اعتقادی باعث نفرت تھا۔ موصض ان ہی کے علم میں اس کا تعلق روح کے ساتھ تھا اور اس کا جسم کے ساتھ۔ اور حکمِ روی حکمِ جہی پر غالب ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ میں ایسے لوگوں کا بھی شکر گزار ہوں کیوں کہ حسب ایمانی ان کی دوستی و دشمنی کا سراپا ہے۔ ایسے لوگوں کی دوستی و دشمنی بہ تغیر خیال یا بہ تبدل احوال تغیر پذیر ہے۔ دوسرے وہ لوگ تھے جنہوں نے میسر کسی قدر ارتفاع کو کسی اپنے انخفاض کا ذریعہ سمجھا گو یہ خیال ان کا محض ان کی محکمندی پر مبنی ہے یا بلا مدح میرا ارتفاع ان کی نظر میں کشاکش۔ لوگ ہمیشہ ہر دور میں اپنی کاش قلبی میں مبتلا رہے۔ اس لئے کہ یہاں خدا کے فضل سے کچھ نہ کچھ ہر دور میں عظمت ظاہری رہی۔ ہم ان کے حق میں بھی دستِ بدعا ہیں کہ اللہ ان کو ان کے مرض سے بھلائے۔ ہم ان کو بھی معذور سمجھتے ہیں۔



ہوتا کرتے ہیں۔ جناب مولوی محمد علی صاحب اور سردار عزیز مولوی مظہر حسین صاحب اور نوریدہ حافظ ولایت حسین صاحب بچائے میرے انجمن کا کام انجام دینگے۔ کوئی مصروف انجمن کا بجز معمولی خرچ کے بلا مشورہ تمام اراکین کے نہ ہوگا اور کوئی اہم ہالشان کام انجمن کا جس تقرری ممبران وغیرہ کے بغیر اتفاقاً مجلس عام کے نہ ہونا چاہیے۔ انجمن کا کوئی مصروف کسی ذالی کام یا کسی ایسے کام میں نہ ہونا چاہیے جو طریق اہل سنت کے خلاف ہو۔ بظاہر قویں نے انجمن کو مسلمانوں اور اہل سنتوں کے بہرہ و کیا مگر فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔

یہ انجمن کچھ میرے ذاتی غرض کے لئے نہیں۔ خدا خوب جانتا ہے کہ انجمن کے سرمایہ سے یا اس کی کسی چیز سے قلیل ہو یا اکثر میں کبھی ہرگز متعلق نہیں ہونا چاہئے میرے لئے سرمایہ عزت یا فخر یا معیشت ہے۔ میں بمصدق داہانہ تہ ربک فہم بطور تہذیب نعمائے الہی اپنے اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ وہ میری مجلس احمدیہ اور افہامی و باطنی ابتدائے سن شعور سے آج تک برابر فرماتا ہے کہ مجھے انجام روزگار میں کسی کی منت کشی کا نیاز مند نہیں کیا۔ اس شہر میں اور ہندوستان کے دیگر بلاد میں بہت سے صاحب دولت میرے دوست ہیں مگر کبھی خدا کی ہرانی سے کسی متعلق سے مجھے اپنے ذاتی غرض میں التجا کرنی یا ان کی دولت یا عزت پر طمع اور آرزو کی نگاہ سے نظر ڈالنے کی نوبت نہیں آتی۔ ہاں کبھی فوری معاملات میں بعض معاملہ فہم لوگوں سے اعانت طلب کرنے کی ضرورت ہوتی۔ اس میں چند ہی لوگ ایسے ہوں گے جنہوں نے مدد دی ورنہ اکثر لوگوں نے تو بے توجہی سے کام لیا اور اگر توجہ بھی کی تو بعض آدمی بالکل غلطی دیکھتے تھے کہ ایک مجلس کے بعد میرا اس توجہ کا اثر نہ رہا۔ یہ اعانت طلبی نہ اس وجہ سے تھی کہ میں ان کو حقوق تعالیٰ کے اس وجہ سے تھی کہ معاملات کے بحیثیت برتاؤ کی وجہ سے ان کا تجربہ زیادہ تھا۔ ایک شخص قوی البصر ہے۔ اس کی بینائی کی قوت بہت قوی ہے۔ مگر گھر سے بھی اس کو باہر جانے کا اتفاق نہیں ہوا اور دوسرا شخص ضعیف البصر ہے مگر اکثر سفر میں رہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ بصیرت کے صورت میں اس کے فرائض علم میں آتے ہیں گے۔ مگر نفس قوت ہمارے میں وہ شخص اولیٰ کا ہم پلہ نہیں ہو سکتا۔ اسی سبب حضور کا ارشاد ہے کہ اتم اعلم بامور دنیا کم الی دنیا دار و اتم اپنے دنیاوی معاملات کو بہتر سمجھتے ہیں۔ میں اپنے خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے ایسے علوم عربیہ سے بہرہ یاب فرمایا ہے کہ شاید بیشتر اذہان اہل علم اس سے خالی ہوں گے اور وہ علوم بعض اس کے کرم کا نتیجہ ہیں نہ میری سعی و کوشش کا۔ صد ہا باریک ساسات جن کے حال میں پیشتر حلقہ کے عقول جو حیرت میں مہلک فیاض نے پہلے صفت علمی نہایت سہولت سے مجھ پر اس کی حقیقت مشکف کر دی۔ مثلاً حقیقت نفس کیا ہے اور اس کے اثبات پر کیا دلیل ہے اور تہجد و بقاء پر کیا برہان ہے۔ ہیکل انسانی کی تدبیر اس سے کیسے ہو سکتی ہے اور کیا ممکن ہے کہ بعض نفوس انسانی ایسے ہوں کہ ترقی کمال علمی و عمل سے ان کو ایسا کمال حاصل ہو جس سے ایک وقت میں چند ہیکل انسانی اور صورت جسمانی کی تدبیر ان سے ہو سکے۔ جس طرح عقل فعال سے باوجود تہجد کے لسان کی تدبیر حکماء کی مانی ہوئی حقیقت ہے اور آیا نفس انسانی کا وجود مزاج کے بعد ہے یا قبل مزاج اور آیا نفس انسانی کو بدن کے ساتھ کسی امر کے قیام سے ارتباط حاصل ہے جو جسم اور نفس دونوں میں مشترک اور دونوں کے مع وجود مناسب ہے یا نہیں۔ اس لئے کہ سبب تا مگر سبب تام کے مباحث ہیں اور ہر دو شرکی تاثر دوسرے میں بدلی مناسبت اور ارتباط کے ناممکن ہے۔ اگر مناسب ہے تو مزاج مرکب اور نفسی سبب میں کونو مناسبت ہے اور ان کی حقیقت کیا ہے اور آیا ممکن ہے کہ نفس اس ارتباط سے کلیتہً الگ ہو جائے اور اس کو کسی صورت سبب یا مرکب سے کسی قسم کا تعلق باقی نہ رہے۔ یا یہ امر ناممکن ہے۔ مگر ممکن ہے کہ تو آیا اس علم میں ممکن ہے باوجود بقاء ملاقات تدبیر کے۔ یا ناممکن۔ وہ فیض جو ہر ملو فیاض سے ہوا کیا ہے اور اس کے صدور کی کلیت اور قوایں تک اس کے اصول کی حقیقت کیوں کہ ہے۔ یہی قابل غمت نہ صورت۔



ہو مطلقاً محض کہ کسی اور چیز پر پیدا ہو اور اجتماع کے اور اجتماع یعنی ایک نسبت اعتبار کیا ہے جس کے لئے کوئی تحقیق فی حد و حد نہیں ہے۔ الا نسبت کسی ایسے امر کی جس کے لئے وجود حقیقی ہو۔ اور تحقیق ہے کہ کوئی جو مگر کسی کیفیت کے باطن ہونے سے باطن نہیں ہوتا مگر اصلیت اگر تالیف سے باطن ہو تو صورت تالیف سے باطن ہوتا ہے۔ ہر حال ایسی اور اس کے احوال ہزاروں مسائل اور صدیوں مشکل ہیں جو میں عقلاً و تفتیش کثیر کے بعد کچھ غلطی اور غلطی علم ہوتا ہے اور وہ کچھ اجماع سے خالی نہیں۔ حقیقت حق نے اپنے کرم سے مجھ پر تالیف کو دیا اور حقیقت یہ ہے کہ ہر اخلاق کے لئے متعارف ہے۔ کسی کے لئے ایک کسی کے لئے متعدد و متفاوٹ کا انحصار عقل آلات و مدد پر یا شام نفسیہ میں نہیں۔ بسل وہ امور میں جو بواسطہ نظر و فکر عقل ادراک کئے جاتے ہیں اور بعض ایسے امور میں جو بحواس سے معلوم ہوں نہ عقل سے۔ جس طرح ذات و صفات حق یا ان امور کا علم جو استخراج قوی مزاجیہ طبیعیہ یا اختلاط قوی فکریہ یا قہیات فکریہ یا تالیفات نفوس بشریہ اور قوی طبیعہ مطبیعہ کے نتائج ہیں یا طبقات عالم کی ترتیب کے اسرار اور ای کے احکام اور خواص کلہ۔ اور برعکس اور نوع اور صلیح کا حد و خاص اور اوقات خصوص کے ساتھ مخصوص ہونا اور ہر ایک نوع اور صفت کا باوجود اشعار کے بعض بعض امور میں ظاہر ہوتا۔ ظاہر انقیاس جو ہر عالم کی ایجاد کی حلت خاتمہ و غیرہ ایسے امور میں عقل و حواس ان کے ادراک سے عاجز ہیں۔ ہاں اگر کسی کو ان امور کا علم ہو تو اس کے علم کا ذریعہ عقل و حواس نہیں بلکہ اس کی متعارف کچھ اور ہے جس پر وہ امور کھلے نہیں۔ اس کے اعتبار سے غیبی ہے اور جس پر کھل گئے اس کے لئے شہادت ہے۔ حق کے اعتبار سے سب شہادت ہیں کوئی طیب نہیں۔ غیب اپنے اعتبار سے فی حد و حد دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جس کا علم ہے مگر اس کے لئے وجود نہیں جس طرح حالات۔ مثلاً اجتماع صندریں یا اجتماع نقیضین یا الجسم لا یکن بکاین والا لکن لا یکن قبل الوجود اور سبب اپنے سبب سے بیشتر نہیں ہوتا۔ مثلاً نسبت و اعتبار پر سب چیزیں معلوم ہیں مگر ان کے لئے وجود نہیں۔ ان کے لئے متعارف غیبی نہیں متعارف عقلی ضرور ہے۔ دوسرے وہ معلوم ہی ہیں اور موجود ہیں مگر بعض وجوہ سے معلوم ہیں اور بعض وجوہ سے غیر معلوم۔ اس کے لئے متعارف کی ضرورت ہے۔ پھر بعض غیب ایسے ہیں کہ تمام ادراک میں نہیں آسکتے۔ اگرچہ فی حد و حد قابل ادراک ہیں۔ دوسرے وہ جو ہرگز ادراک میں آ ہی نہیں سکتے اس کی ایک قسم طیب مطلق ہے جس کی شان میں وارد ہوا ہے کہ عند ذلک مضایم الغیب لا یصلھا الا اللہ۔ الف لام شمول منسی کے لئے ہیں۔

ہر ایک اخلاق کے متفاوٹ مخصوص ہیں۔ وہ میرے خاق میں با قیاس و خاص ہر ایک شخص کے لئے جدا گانہ ہیں۔ حد و حد ہے ہر ایک وجہ و حدود اور سب متفاوٹ قادر مطلق کے یہ قدرت ہے۔

اگر اس ناچیز کو بعض وقایع سر بہتہ کی متفاوٹ خزانہ غیب سے عنایت ہو جائیں تو سب بعد نہیں۔ میں نے کبر و عجب کی راہ سے یہ مضامین نہیں لکھے بلکہ محض خود شناسی و انحصار الہیہ لکھے ہیں۔ ہاں اس کا اس قدر راست ہے کہ بہت سے علوم بہت سے وقت اتنی فنونی کا خدا کے فضل سے میسر ہو سینگے۔ نہ کوئی طالب ہو اور نہ میں نے اس کی شامت کی۔ طالب کمال تو ظاہر ہے کہ اور شہروں میں عموماً اور اہل آبادی میں خصوصاً علم کے طالب قلیل بلکہ ناپید ہیں۔ دنیا کے طالب تو جاہ کے خواہاں بیشتر دوچار تین علم کی سمجھ بھلہ ہیں۔ کس لیے یا چند روز کی وقت گردانی سے ذرا غلط صبح کاں۔ یوں کے مصنف نے نزدیک سمجھ لگے۔ فاضل، فاضل گرہیں گئے اور خود میں نفس کا سطح شامت نہیں کی کہ جو معلوم کا ہر نا اہل سے گنتاں کرنا مناسب ہے۔

ہادی گوتید اسرار عشق مستی      تاجہ خبر میر و دور در خود پرستی

امام زہد العابدی کی جانب ایک قول منسوب ہے جس کے معنی ہیں کہ میں اپنے جواہر علوم کو اس لئے نہیں ظاہر کرتا کہ جاہلی بنائیں اسے نہ نہ۔ مغلہ نعمت الہی کے اللہ کا کرم ہے کہ ان جزئی مسائل میں جو شریعت میں نہایت اہم اور درجہ کی ہیں اور اہمیت زمانہ اپنے مبلغ استعداد کا ان میں روز و شب صرف کرنا منتہائے حلو و صحت اور غایت معرفت کمال سمجھے ہیں۔ میں نے ان کی طرف توجہ نہیں کی۔ ہاں اگر تحریر کی نوبت آئے تو بیشتر علوم کے واقفین میں اور کبھی کبھی ایسے امور میں جو تمام مسلمانوں کے لئے نفع بخش ہیں مثلاً الواحد لا یصلہ عنہ الا الواحد اس کی تحقیق میں ایک خبر لطیف ہے۔ تلاویح کے مقدمات اربعہ کی طرح واحد میں ایک مجتہد مانہ تحریر ہے۔ علماء الدولہ سنائی اور عبدالرزاق کلانی جو نزاع و نفرت الانس میں لگی ہے اس میں ایک منصفانہ فیصلہ ہے۔ مقولات عشر کی تحقیق میں ایک نفیس تحریر ہے۔ ایک لطیف رسالہ ہے جس میں وجوہ مشراف انسانی و اخلاق حمیدہ کی تعلیم بعض قرآن شریف سے لگی گئی ہے۔ وجود عقلی بیان کر کے استنباط قرآنی مذکور ہے۔ ایک رسالہ کے مسائل اور اسرار عقل و کشفی اور ملاخظات کے بیان میں ہے۔ حقوق دوائی کے رسالہ روزگار کی ایک شرح ہے جس میں نفس کا حال اور معروضین کے خدمات کا جواب کافی دیا گیا ہے ایک نو و نوثرین کا رسالہ ہے جس میں مولد کی ضرورت اثبات نبوت عام پر اثبات نبوت خاص۔ نبوت کی نشانیاں۔ معجزات کا امکان اور اس کا وقوع وجود عقلی و نقلی بیان ہوا ہے۔ قیامت کا مسئلہ ایک نہایت حیرت انگیز واقعہ ہے۔ انبیاء کی اس میں تحریر اولیا اس کے علم سے عاجز۔ اشیاء میں کچھ تو اس کے منکر کہ اس کے امکان کے مقرر مع بعض خیالی ہول کے قائل۔ غرض محبوب اور مجرب دونوں کو اس کے حال میں حیرت ہے۔ ہاں اہل ایمان و اہل معرفت و یقین کو اس کے قطعی الوقوع ہونے میں کسی قسم کا شک نہیں۔ زمانہ وقوع معلوم ہو کہ نہ ہو بلکہ ان کو اس کے آنے کا ہر دم انتظار مگر نہ دسایا مہیا فطرت شاعروں کا شعابہ ہے کہ اس کے وقوع کا تو انتظار مگر استفسار وقت وقوع میں امر اربعون متقی هذا الوعد ان کنتمہ ہلا قین یسلونک عن اساعہ ایدان ہر ہلہا۔ اہل معرفت ہر نفس کو قریب جانتے اور اس کے لئے سامان ہتیا کرنے کی ہر دم فکر رکھتے ہیں یستعجلون بحال الذین لا یومنون بحال الذین امنوا یعلمون انھا الحق انھم یرونہ وانما ارادہ قریباً اور فی الحقیقت کفار کا یہ کہنا کہ معنی هذا الوعد بالکل یجادعنا۔ اس لئے معنی کے سوال کا تعلق ان امور سے ہے جو زمان یا زانیات میں سے ہیں اور قیامت تو محض آتی ہے کہ چم زون بلکہ اس سے بھی کم و الاصلاحۃ الہامیج البصوا و ہوا قریب جس طرح ایک اندھا مادر زاد جس نے کبھی مبصر اور مری نہ دیکھا ہو کبھی رنگ و روپ کا حال سن کر یوں کہے کہ رنگ کیوں کر سونچا جاسکتا ہے۔ اس کا جواب بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ رنگ کا جاننا باصو کا کام نہ شام کا۔ ایسے ہی ان حقیقت نا آشنا کی کو جواب ہے کہ علم باعند اللہ ہوا شد کے پاس ہو وہ جانے۔ فی الحقیقت ایک مہر عظیم ہے کہ انبیاء مرسلین نے بھی اس کے وقت وقوع کو کھول کر نہیں بیان کیا اور بات یہ تھی کہ انبیاء بیان مشرائع کے لئے تشریف لاتے تھے اور مشرائع کا تعلق اس زمانہ سے ہے جس میں عمل ہے جزا نہیں اور قیامت کا تعلق اس وقت سے ہے جس میں جزا ہے عمل نہیں۔ بہر حال میں نے قیامت کے متعلق ایک تحریر نفیس لکھی ہے جس میں آیات قرآنی سے کہیں کہیں امارت مجسمہ سے قیامت کا حال لکھ کر اس کے اسرار بطور مذاق اہل کشف اور اس کی حقیقت وجود عقلی ایسے عنوان شائستہ سے بیان کی ہے کہ عقلیوں میں شائد اس کے ماننے سے حذر رکھیں اور منکرین قیامت کو بھی شاید دیکھنے کے بعد انکار کرنے میں تامل ہو۔

یہ تحریر کچھ تو تمام میں اور کچھ نہ تمام۔ اس قسم کا وہ بھی تحریرات ہیں۔ غرض یہ ہے کہ خدا کی عنایت سے جہیست کی توجہ بیشتر

علوم و فنون اور طب و تہذیب کی طرف مریضہ صفت خطابیات اور خلیات کی جانب۔ اس بیان میں اور البتہ متاع اخروی ہے بالکل خالی ہے اور اس کے سر پر پہنے کے سامنے اپنے حل و قلوب سے باہر ہیں۔ سرگرد و لا افسار آگاہ تہذیب کے احاطہ کی کامیابی کا حرام اس فرض سے بلند ہے کہ ان کی ایک مظلوم ایسے ناقص الاستعداد لوگوں کے کامل الاستعداد ہوا ہے تو کالی ہے۔

میں ان دونوں کو ایسا بدحواس و گم کردہ ہوں۔ خدا جانے کیا کہتا تھا کیا کہنے لگا۔ میری یہ تحریر بالکل طرز جنونانہ رکش ہے۔ اب مجھے لگنے ہی لگا گیا۔ بانی حالات انشاء اللہ مجھے ہی کے قریب لے آئے اور جہاز کے کاموں سے نکھیں گا اور اگر نہ نکھیں گا یا وہاں سے ایسے کا بوقی نہ مل سکا تو انشاء اللہ پہنچ کر نکھوں گا۔ اس تحریر میں میں نے لکھنے کے احسانات یہاں کئے ہیں۔ یہ تحریر ایسی ناقص نام ہے۔ اس کے بعد اس کا تسلسلہ بھی ہوں گا۔ اس میں اپنی تفصیلات کی تشریح کروں گا جو ان امور انوں کے احوالے شکریں مجھ سے ظہور میں آئیں۔



# عبدالمجید سالک

ولادت: ۲۴ دسمبر ۱۸۹۳ء

وفات: ۲۴ ستمبر ۱۹۵۹ء

جب میں نے پرش کی، کچھ کھول، تو بزرگوں سے معلوم ہوا کہ میرے پردادا کے والد مرحوم کوٹ زنداوا (ضلع گودا سپور) میں رہتے تھے۔ چوٹی سی زمینداری تھی۔ ششم ششم گزراں ہو رہی تھی۔ انہی دنوں خدا جانے کیا جوگ پڑا کہ زمینداری ختم ہو گئی۔ میرے پردادا بیار میں آئے، اور کچھ زمینوں کی اس گلی میں جو باقی دروازہ میں محلہ پاں کے نام سے مشہور ہے ایک چھوٹا سا مکان بنا کر مقیم ہو گئے اور صاحبان ساری کا ایک چھوٹا سا کارخانہ قائم کر لیا۔ گھر یا زیدیہ معاش ذرا عنت سے صنعت کی عرت منتقل ہو گیا۔ پردادا کے متعلق سنا کہ وہ نہایت متقی، پرہیزگار، تہجد گزار بزرگ تھے۔ اور سارا امدان کا ادب کرتا تھا۔ ان کے متعدد بیٹے ہوئے جن میں سے بعض کا تو بچہ ہی میں انتقال ہو گیا۔ چار بڑے ہوئے۔ دین محمد، میاں محمد، میر محمد، سلطان محمد۔ حضرت میاں میر محمد میرے دادا تھے۔ ان کے ابا چار لڑکے ہوئے۔ ایک بچہ میں مر گیا۔ تین لڑکے عبد العزیز، غلام قادر، محمد افضل صاحب اولاد ہوئے۔ ان تینوں میں سے غلام قادر میرے والد تھے جو چٹا گوشت کی میسپل کیشی کے محرم نظر رہے اور سیکرٹری کے مہر پر پہنچ کر سکندرخ ہوئے۔

میرے دادا میاں میر محمد نہایت صالح، متقی، تہجد گزار بزرگ تھے۔ ساری عمر تعلیم و تدرب کے شغف میں مصروف رہے غرض ایک دریا سے فیض تھا کہ رواں تھا اور بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ بلا دادا اس کے زامی علاقے میں ان سے فیض یاب ہونے والا کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی تھی۔ علم و فضل کے علاوہ خطا تانا پاکیزہ تھا کہ کوئی بڑے سے بڑا پیشہ و خوش نویس بھی ان کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ خیر بھی کہتے تھے اور دب میں بھی خاصی دستگاہ رکھتے تھے۔ اگرچہ کبھی مطلب یہ کیا مگر معمولی مریضوں کا علاج نہایت کامیابی سے کر لیا کرتے تھے اور ان کے کتب خانے میں طب کی کتابیں خاصی تعداد میں موجود تھیں۔ چونکہ دلوئی کا انتقال ہو چکا تھا اور دادا کے بیٹے اپنے اپنے مقام پر حصول معاش میں مصروف تھے اس لیے دادا نے خیر میں بنا کر کا قیام زیادہ تر ترک کر دیا تھا اور اکثر میرے والد کے ہاں چٹا گوشتی میں رہتے تھے۔

والد عالم تر نہ تھے لیکن فارسی ادب میں درخوردانی رکھتے تھے اور تقریبات جدیدہ سے ان کی دلچسپی بہت بڑھی ہوئی تھی میں نے تین قسم کے کتب و جرائد ان کے پاس اکثر دیکھے۔ ایک تو سنگتے نئی سوشل ریفارمرز ماہوار رسالہ ان کے پاس ہمیشہ آتا تھا اور وہ لکھنے پڑھنے کی تعلیمی و علمی کانفرنس میں شریک ہوا کرتے تھے۔ دوسرے جی نے جوامعدی پرچکے تھے اپنے بڑے بھائی کو مرزا صاحب کی کچھ کتابیں بھیج دی تھیں اور اخبار البدان کے نام جاری کر رکھے تھے۔ تیسرے انہیں انجمن حمایت اسلام سے گہرا تعلق تھا۔ انجمن کا رسالہ اس کے سالانہ جلسوں کی رودلوں میں، بعض بڑے شعرا کے دیوان، سرسید، فیضی اور آزاد کی کتابیں ہمارے گھر میں، اکثر موجود رہیں۔ مجھے پہلی سے پڑھنے کا ہوا تھا۔ اس لیے جو چیز سامنے آجاتی اس کو پڑھے بیڑہ درجہ۔ میرے ہم چھوٹے

میرے تعلق میں نہایت بے غرضانہ تعلیم، اطلاعات تھے۔ انھوں نے شوق مطالعہ کی قدر کرتے اور نئی نئی کتابیں پڑھنے کو یاد کرتے تھے۔ انھوں نے پیار پیار میں فارسی کی چار ہجرتی کتابیں سکول کی تعلیم کے علاوہ پڑھا دیں اور کیا، گجراتی، ہندوستانی اور اردو کی تک پہنچا دیا۔ اس کے بعد ایک زمانہ ایسا آیا کہ انھوں نے ستر طبعی مثنوی شروع کرادی لیکن میں اس قدر تھک چکا ہوں کہ ہرگز اس کی ایک ہی مصرعہ پڑھنے کے بعد بھاگ گیا۔ اس کے بعد ستر طبعی کا سبق ملنے لگا میں نے مجھے خاصی دلچسپی دی۔

اس زمانہ میں نووی محبوب عالم و ہر سے پیار، اخبار، اقاب، اجواب، شریعت نامی علیحدہ کیوں کا اخبار ملنے لگے تھے اور مروی، انشاء اللہ، اخبار کا بھی میں خاصا منظور تھا۔ یہ اخبارات چارستان کر دیتے تھے لیکن والد کے بعض دوستوں کے ہاں جاکر ان میں سے بعض اخبار پڑھ کر آتا تھا اور تیسرے دیکھنے سے تو مجھے گہرا اور خاص لگاؤ تھا۔

خانامیری فریادہ بارہ برس کی ہوئی کہ مجھے دھارنے پر آمادہ کیا۔ اس وقت اسلام کے سالانہ اجلاس میں سے گئے۔ مجھے یہاں سے کس سالانہ اجلاس میں ملنا تھا اور میرا نا اشد گردگانی بھی تشریف لے گئے تھے۔ مولانا حالی کی مقدس اور پاکیزہ صورت اب تک میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ مولانا حالی نے اپنا کلام سنایا اور لوگوں نے اس پر راجحی کی کہ اتنی روشنی کو بھی قیمت سمجھا، غرض میں کہ درسی کتابوں میں حالی کی تعلیم پڑھا کرتا تھا حضرت کی زبان سے ان کلام میں کہ بالکل ہی مست ہو گیا۔

اس کے بعد جب والد صاحب مجھے دوسری دفعہ انجمن کے جلسہ میں لائے تو وہ غالباً انگریزوں سالانہ جلسہ تھا اس کے واقعات مجھے اچھی طرح یاد ہیں۔

حضرت میں کہ میری عمر بالکل چودہ سال ہوئی، شکر گنا شروع کیا اور چار گوشہ دار کے شاعروں میں غزلیں پڑھیں۔ میں نے مولانا حالی کی خدمت میں قند کے پتے دکھائے۔ آپ نے اپنی ضمیمہ کا صدر چل کر کے ڈاکٹر اتھال کا نام تجویز کیا۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کو ایک خط لکھا جس میں قند کے پتے درخواست کی اور ایک غزل بطور نمونہ بھیجی۔ ڈاکٹر صاحب نے مجھے خط لکھا کہ "آپ کے اشعار اچھے ہیں اگر حقوق کا قہر آپ بہت اچھے شاعر ہوں گے۔ یاد رکھیے طبیعت انسانی کو آسان سے ملتی ہے اور زبان زمین سے۔ اگر آپ کی طبیعت شاعرانہ ہے تو آپ خود بخود شعر گوئی پر مجبور ہوں گے۔ باقی رہی زبان تو اس میں میں موزوں ہوتا ہوں نہیں ہو سکتا۔" خوشی حیات بخش رستا را پیوری با سید محمد حسن مارچوی میں سے کسی سے رجوع کیجئے۔ اس کے بعد ان منہج الشعراء اور سالانہ تذکرہ تالیف (جلاتی) اور ایک آدھ موزن کی کتب پڑھیں۔

اس کے بعد میں نے رستا صاحب کو خط لکھا اور جواب با صواب آنے پر ان کو خطیں بغرض اصلاح بھیجیں۔ زبان اردو میں کے فنون عروضی باتیں تو کتابوں میں مل سکتی ہیں لیکن اپنے کلام پر کسی کا دل انہی کی صلاح سے جو قافیا پہنچتا ہے وہ میرے نزدیک کتابوں سے نہیں پہنچ سکتا۔ میں نے صرف دو پڑھ سال رستا صاحب سے اصلاح لی اس کے بعد انھوں نے کھردہ پاک "اب اصلاح کی ضرورت نہیں ہے اور آپ جن اصناف میں فکر سخن کر رہے ہیں ان میں اصلاح دینا میل منصب بھی نہیں۔ میری توقع غزل کی اصلاح کا سکتا تھا۔ مسئلہ کے آغاز میں رستا صاحب کا انتقال ہو گیا۔

چار گوشہ میں سکول مل گیا تھا وہ میں نے مسئلہ میں کہ میری عمر اڑھائی سال کی تھی اس لئے اس کو یاد نہیں ہے۔

کی تعلیم کے لیے بنا دیا۔ دیگاہ، مشن سکول (چھ دن تیلی دروازہ)، میں داخل ہوا اور پوسٹل میں رہنے لگا۔ سالانہ امتحان کا سترہواں سترہویں نمبر تھا۔ اس کے بعد وہی امتحان دیا اور سکول کو غیر آباد کر چکا۔ پوسٹل چھو گیا۔ دو تین مہینے کے بعد تیرہ نکلا۔ ۲۷ جون ۱۹۲۰ء کو لندن میں شہنشاہ جارج پنجم کی تاج پوشی ہوئی۔ اس دن ہندوستان میں بھی جلسے ہوئے۔ مجھے یاد ہے کہ ۲۲ جون ہی کو میرے پاس ہونے کا آواز آیا۔ اسی دن جلسہ تاج پوشی تھا اور میں نے تحصیل دار کی فرمائش پر اس جلسے میں ایک نظم بھی پڑھی تھی۔

اس کے بعد مجھانے والد سے کہا کہ ساکت کو چند ماہ کے لیے میرے پاس واپس لے جائیے۔ وہاں اس کی عارضی ملازمت کا بندوبست بھی ہو جائے گا۔ چنانچہ میں دوسری چٹا کوٹ سے چل کر دیریا خاں، وہاں کئیوں کے چل پر سے ڈیرہ اسماعیل خاں اور ڈیرہ اسماعیل خاں سے ٹانگر پر ٹانگر پہنچا۔ جہاں پولیسک سرانے میں چلا اور ان کے دفتر کا مکہ خدمت پر تم تھا۔ پولیسک مکہ خدمت وزیرستان کی سنت سروی سے پہنچنے کے لیے ٹانگر میں مقیم تھا اور چند بھٹے کے اندر دانا بٹنے والا تھا۔ چند بھٹے کے بعد ہم وزیرستان روانہ ہوئے، اور ٹانگر، مرگھل، نیل کچہ، کجوری کچہ، تانائی ہونے پر تے داتا پہنچے۔ یہ سلسلہ کوہ سلیمان تھا۔ خشک اور خشک پہاڑ، دشت اور گڑا دوسرے چھوٹی سڑک۔ رستے میں ایک جگہ بہت ادھکے پہاڑ نظر آتے جو دیوار کی طرح سیدے کھڑے تھے۔ اندر دیریا میں ایک چھوٹا سا درہ تھا۔ چھانے بتایا کہ یہ درہ گول ہے جہاں سے گورو غزنوی اور دوسرے حملہ آور ہندوستان میں داخل ہوئے۔

اس کے بعد میرے دین واپس جانے کا وقت قریب آ گیا۔ والد نے چاکر کو لکھا کہ ساکت کی شادی کی تاریخ ۲۵ مئی ۱۹۲۰ء مقرر ہوئی ہے۔ آپ اس کو ساتھ لے کر تاریخ مقررہ سے پہلے پہنچ جائیے۔ چنانچہ ہماری روانگی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ سالانہ ٹانگر ٹانگر سے ڈیرہ اسماعیل خاں وہاں سے دیریا خاں پہنچے۔ اس درہ پر کچھ موسم گرما تھا اس لیے ایک پرکشتیوں کا پلی بنی۔ رہا تھا۔ سٹیج پر چلتا تھا۔ جیسے جہاز میں بیٹھے ہیں۔ اس جہاز میں سوار کچھ کاک کہ پاریا اور، مس سٹیشنر کو پالہ پہنچ گیا۔ ۱۰ مئی کو شادی ہو گئی۔ اس وقت میری عمر ۱۵ سال تھی۔

چند مہینے ہی مرنے اور بے کاری دے ٹکری میں بسر کیا اور اس کے بعد ٹکری کی تلاش ہوئی۔ چنانچہ ایک دن میں نے سا ان بانہا اور تین برتن دیریا کو لے کر نکلا۔ چند روز کی کوشش کے بعد دیریا سے اکاؤنٹس آفس میں جس روپے ماہانہ کی ایک لکھ کی مل اور ہم بفضل خدا کو رکھ گئے۔

گھر کے ڈوڑیا میں رہتے اور ماما پختیاں کھانے کی عادت تھی۔ یہاں کوٹریوں میں رہنا اور بازار سے کھانا کھانا پانا تو چند ہی مہینوں میں طبیعت صاف ہو گئی اور صحت برباد۔ لیکن انہار زہیندار کی خبر ہوئی اور بروہی نفر عمل خاں کی تقریروں نے طبع بدلتا تھا آئے دن موچی دوڑانے کے باہر باغ میں غنیمت شان جلسے ہونے، طرابلس و تھانی کے حوا میں نے مسافروں کے تلوپ میں سب سے اچھے سیاست اسلامی کے خطبے بھگوانکے تھے۔ لادہ برف زنگی اور حرارت و صہیت کے آثار نظر آ رہے تھے۔ ۱۰ مئی آخر ہوا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد تشریف لے گئے۔ ان کی بے مثال تقریر ہوئی۔ آغا حشر نے ان کی تقریر پر کہی۔ انجمن حمایت اسلام کا جلسہ ہوا۔ علامہ اقبال کی تھیں ٹکڑ، جہاں ٹکڑ، شمع و شمع تھیں مجلسوں میں نہیں۔

میرا دیریا کی ٹکڑ صرف صحت اچھے کرنا تھا کہ صحت باطل خواب ہو گئی اور آشوب منہم کا عارضہ بھی دھن ہو گیا۔ ناچار



ایزیز منقور ہو گئے تھے۔

اب میری شاعری انشا پر مادی کی شہرت دہقانوں پر بری تھی۔ کیونکہ متفقہ رسالوں میں مقالات اور افسانے شائع ہو رہے تھے۔ کچھ سال گزر چکے تھے۔ ادب کے شعلوں میں میری خطیں خاص طور پر دو تئیں حاصل کر رہی تھیں۔ شیخ عبد القادر، ذوالفقار علی خان، میاں شاہ دیں۔ حکیم فقیر محمد شتی کا میاں دوسرے معززین شہر کے اس کٹر جانا ہوتا تھا۔ ان کے اکر اقبال سے تو روز بروز تعلقات بڑھ رہے تھے۔ اچھے کہ ان کے علاوہ غلام قادر گراتی سے تناسف کا احساس دور آخر میں فارسی کے عظیم المثل شاعر نغہ۔ لاچر کے اکابر صافت یعنی مولوی محبوب مام (پسہ اخبار) مولوی انشا اللہ خاں (وطن)، اور منشی محمد دین فوق کی خدمت میں مجھے خاص نیاز حاصل تھا۔ ایک دو دفعہ مولوی مرم علی پشتی سے بھی ملاقات ہوئی۔ لیکن ان کی ملاقات کا عمومی اثر کچھ ایسا نہ محسوس ہوا۔ انہی دنوں آغا حقیر کا شیریں لہجہ میں آگئے اور حکیم فقیر محمد شتی کی رسالت سے مجھے محنت کی حد سستی کا فربہ حاصل ہوا۔

مجھے متاثر کاری کے علاوہ انگریزی سے اس قدر ترجمہ کرنے کا شوق بھی بڑھ گیا تھا۔ اپنا لٹریچر عبدالعزیز نے جو کبھی ہندو کے ایڈیٹر تھے اور اب جنگی بستی کے مسئلے میں سرکاری اخبار "حق" شائع کرنے لگے تھے اور پس بریل کے اخبار "راج" بھی تھے، ان کے ساتھ میرے دوستوں اور غلام قادر کے دوستوں اور دولت کینٹن لہریٹ اٹھا کر مجھے بھیج دیں اور کہا کہ بڑے بڑے لی لے، ایم لے مجھے ہوئے تھے مگر وہ انگریزی جانتے ہیں نہ اور۔ صرف آپ کا ترجمہ مجھے پسند آیا۔ اس لیے سا کام آپ ہی کیجئے۔ میری تنخواہ کم تھی اور گزراں مشکل سے ہوتی تھی۔ میں نے لگ بھگ پت کر کے ترجمہ ایک ہفتے میں ختم کر دیا اور ڈھائی سو روپے بطور معاوضہ وصول کیا جو میری آخری تحفے کی خواہش سے بھی زیادہ تھا۔

ایک دن ایک بھائی نے کہا "سنا نامک پڑھا" "جی ہاں" اس کے ساتھ ساتھ سالہن دہلی میں اس کے ترجمے کی ایک قسط بھی نظر پڑی۔ یہ ترجمہ مشرّف علی نے کیا تھا۔ نہایت عربی آمیز، محسوس اور بے جان۔ مجھے غصہ ہوا تو دو دن کے اندر اس نامک کا نہایت عمدہ طبع، سادہ، شیریں اور دھواں ترجمہ کر کے الایہود ستروں نے بے حد پسند کیا۔ اور خواجہ حسن نظامی تو اس پر ایسے ٹوہنے کر خود خواہش بلا کر کہ اس پر مزے کا ایک دیا چو کھ دیا۔ بعد میں بہتر ادارہ انشا صفت میں صہب کر سٹالغ ہو گیا۔ اس ترجمے کو گاندھی جی اور دیگر گور نے بھی پسند کیا۔

میں نے اس سے عجیب مصیبتوں کا نشانہ شروع ہوا۔ جنگ عظیم تو ختم ہو گئی لیکن انگریزوں کی دبا اس زور شدت سے چلی کہ ساری دنیا اسی الامان پر ماضی۔ حکومت ہند نے ایک ہی دائرے کے امیر کی کنسل میں کمیشن کیا جس کی بنیاد رولٹ کیٹیجی مپورٹ پر رکھی گئی تھی اس کو رولٹ بل کہتے تھے۔ اس میں پولیس کی انتہائی اختیارات دے دیئے گئے تھے جس کی وجہ سے کسی کی آزادی محفوظ نہ رہی تھی۔ ہندوستانی اخیان اور سیاسی جاتوں نے اس کے خلاف بڑا شور مچایا لیکن حکومت نے سرکاری نامہ دھنکر کی مدد سے اس بل کو پاس کر کے عدالت وکٹ "بنادیا۔ تمام ملک میں شدید ناراضگی کی لہر دوڑ گئی۔ جہاں گاندھی نے دو تین پمفلٹ شائع کیے اور کہا کہ ملک بھر میں ناراضگی کے اخبار کے لیے بڑے بڑے جلسے اس بڑے بل کا پیلووی۔ سرکار نے سٹیشن پر مقرر کیا گیا۔ دوسروں نے اپریل تھا۔ پہلے دن تمام ہندوستان کے گوشے گوشے میں کل بڑا آواز ہوئی۔ ایسی بڑا آواز جس کی مثال اس سے قبل ملک کی تاریخ میں موجود نہ تھی۔

اگرچہ اس کے خلاف دیکھو۔ میں دفتر تہذیب انساں میں بیٹھا تھا کہ کسی نے تباہ کر گاندھی جی گرفتار ہو گئے۔ سب بھر میں شدید ہو گیا۔



[illegible]

مدرس قائم پڑھنے کے بعد گامی جی کر بھی بنیاد ڈانے کی اجازت مل گئی۔ چنانچہ ایک سو رو آٹھ پانچے ستر تک میں تانگوں کے اڈے کے اُس پڑوس نام بھیجت دیل کر کر مل تھی۔ "بڑے کا گریس تھے اور دیگروں کی جان بھی سرفروشی ای کی پری تھی جہاں تا جی بھی اس کو مل بھی ٹھہرے سو گریں پہا بک خفت جاری تھا اس لیے وہ کوئی بنا سٹا ہرود کے کے ایک ہی گامی جی سے غلے دلوں کا ہرود تھا جاتا تھا بندھا رہتا تھا۔ میں اس پر بھنسنے مل خاس جاتا تھا گامی جی سے مل کاتے غریبوں کے کہا ہوا تو تم میں پڑھتا تھا۔

اہلی عشق! میں جب میں زمین و آسمان کا بیڑ مقرر ہوا، اس وقت مولا خضر علی خاں کے علاوہ دوسرے بزرگ علم و ادب میں کام لیتے تھے۔ ایک مولا کے بھائی محمد صری فہم بہرہ خاں دوسرے سعید بیگ۔ جب مولا خضر علی خاں نے چند روز میرا کام دیکھا اور انہیں اس میں ہونیکا کہیں ملے کہ جسے آسانی اور ادب کی ذمہ داری اٹھانا پڑے تو انہوں نے اخبار میرے سر ہو گیا اور بعض ہو کر اپنے تقریریں لکھنے لگا۔ دوسرے علاؤ ہو گئے۔ مولا اور دو تین تین بیٹے باہر راجی میں کبھی کسی بہادر دہاروں کے لیے آتے۔ میرے معاش میں بچ کر کے چھتے ہاتھ میں سے تو ملتا تھا ان کے لئے۔ دوس میں دوسرے انعام کے طور پر ملتی تھی کے لیے دیتے اور میرا کام سے علاؤ ہو جاتے۔

لیا ہوا تھا۔ منشا کا ذکر ہے کہ بیٹ آباد میں ایک فری گرو کے چلو گشت نے ایک جاہل صاحب اللہ خاں کو بدعتی سے تشبیہ کر دیا۔ اس پر بڑا ہنگامہ اٹھ گیا۔ بیٹ آباد میں کانگرس کا خاص اجلاس ہوا جس میں میرزا صاحب کے دوسرے لوگوں کے علاوہ مولانا خضر علی خاں، آغا نور محمد، احمد انور کھوکھر بھی گئے تھے۔ ہمارا بیٹ منشا کا ذکر ہے مولانا خضر علی خاں کا تارا کیوں میں ہمارا کہ ہم کو وہاں بیٹھنے سے گزند پہنچا۔ ہم سے ملنے کے لیے آؤ خضر علی خاں اور میں دیر سے میٹھن پر گئے۔ فری گرو آئی، مولانا، آغا صاحب، احمد انور صاحب اتارے، جھگڑا کرنے لگے، اسی حالت میں خضر علی خاں پہنچے تھے، میں نے مولانا کو غیر شرعی اور بدعتی کہہ دیا، پر سب انکار دیا، مولانا نے یہ بتایا کہ ہم مذہبی کی طرح سے بیٹ آباد جا رہے ہیں، جہاں پر چلو گشت کا گشت درشل ہوتا ہے۔ ہم اس کو نہ بدعتی کہہ سکتے تھے کہ آیا ان حضرات کا منشا ہوتا ہوا ہے یا نہیں، اتنے میں کہہ دیتا ہوں کہ ایک طرف سربراہان اسٹیبلشمنٹ میں کون سے ہیں، شاہ سے لے کر جی ایل اور دیگر۔ مجھے بے حد ہنسوس





وہ قدتِ حق میں صرف ڈھائی فٹ کے بونے واقع ہوئے تھے۔ لیکن عام بوڑوں کے برعکس ان کے جسم کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں نہایت دلاوریتا سب تھا اسدہ ہادی النظر میں ہونے نہیں بھر دس سال کے لڑکے معلوم ہوتے تھے حالانکہ ان کی عمر چالیس سال سے کم تھی، مولانا سہا آگے آگے تھے۔ میں سجاد حکیم صاحب کے صاحبزادے ہیں۔ میں نے مولانا کے شانے کو چھوٹا کر اور چمکا کر کہا۔ ”بیٹے! میں جاکر دیکھنے کے پاس بیٹھ جاؤ۔“ مولانا نے اپنا چھوٹا سا دلخیز چہرہ اٹھا کر ہر ایک کو سی نگاہ ڈالی۔ اور حکیم صاحب نے فوراً فرمایا۔ ”ساکت صاحب! اس سے بچے۔ مولانا سہا حیدر ہادی نہایت بلند پایہ شاعر اور ادیب ہیں اور کچھ مدت سے انہوں نے لاہور کو اور لاہور میں میر سے قریب فائدہ کو مشرت کر رکھا ہے۔ میں شرم و ندامت سے کٹ گیا۔ مولانا سے مصافحہ کر کے معذرت چاہی لیکن مولانا خاموش رہے۔ اور میں بدستور نادم رہا۔ جب مکانے کے بعد مولانا سہا نے اپنی ایک غزلی ارشاد فرمائی اس وقت معلوم ہوا کہ آپ ہم لوگوں کی سطح سے کھٹے اونچے ہیں۔

کچھ مدت کے بعد سید احمد شاہ بخاری مزین نقیضی علم کے لیے انگلستان جا کر کیمبرج کے لائبریری لایج میں داخل ہو گئے۔ سید حامد حسین بیدل بھی لاہور چھوڑ گئے۔ لیکن اکادمیٹ منزل کے دفتر میں ٹکر ہو گئے اور وہ گئے سالک و تاج۔ مرن مصل بہتہ دہلی ہو گئی۔ لیکن بیدل صاحب کے جانے سے پہلے مسنہ لاہور سے تیرہ میل دور کاشانہ کا کو کے قریب نالرو ایک میں پھل کے شکار کا پروگرام بنایا اور مرن چارونفہ اس پروگرام پر عمل بھی کیا۔ اتوار کے دن علی الصباح ہم سب شکاری کٹڑیوں میں کپڑے لگا، ڈودیاں باندھ پھر ٹی تمام لایک کے کٹنے بیٹھ جاتے اسدہ لغویات اور لغوانات بکھے کر شیلان بھی ہوا، اگلے پھل پکڑنے کا تو مصں بہانہ تھا قصور تو نقطہ تھا کہ تھے بھر کی خاست و سبیل کے داخل میں جو چھوڑ دی سی گ چلی غمی وہ اتر جائے۔ اسدہ نہایت کی زندگی کوئی عمارت سے شویا کیا جائے۔

۱۹۶۵ء کا ذکر ہے کہ کو مفر اور مدینہ منورہ پر مسطر ہونے کے بعد لاہور نے بہت سے عزامات کے تہ توڑ دیے، اور جنت البقیع اور جنت معلیٰ کی بعض اوپلی قبروں کو مصاف کیا۔ حالت المسلمین کے جذبات بواجفہ ہو گئے اور ہندوستان بھر میں بدعتی موروپوں نے ایک شور مچا کر پکڑ دیا۔ اتنے میں کسی نے خبر لا دی کہ وہاں میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر پر غلطی کی ہے پھر کیا تھا سارا ملک ایک سر سے دوسرے سر تک جذبات کا شعلہ زار بن گیا۔ آخر مجلس خلافت مکرانی نے ایک وفد جو مولانا محمد عرفان، مولانا فخر علی خاں، مولانا سید سلیمان عوی اور شعیب قریشی پر مشتمل قندرب کر کے مجاز بھیجا۔ ہر آدمی قبر صاحب بھی اس کے ساتھ گئے۔ اسدہ سیدنا کسا راکم محمد اکیلے کے کندھوں پر آن پڑا۔ ان معزات نے مدینہ منورہ جا کر نہایت احتیاط سے مسجد نبوی اور گنبد خضہ کا معائنہ کیا اور اس مبارک شہر کی ترویج کی عیب کہیں جا کر جذبات کا عرفان تھا۔

جب وفد الہ آباد عوی فخر علی خاں اور لاہور چھوڑنے کو میرے اصحاب نے داخل ہی جواب دے دیا۔ میں نے نووی فخر علی خاں سے چہرہ کی رخصت طلب کی۔ جس پر وہ بہت پریشانی ہوئے۔ آخر ناچار عوی صاحب کو میری رخصت منظور کئی پڑی۔ میں زمیندار سے جانی چھڑا کر جا بیٹھ اور منت و نقوش کے بعد اس سکون و آرام سے خوب تمتع ہوا۔ کوئی ایک ہفتہ گزرا ہوا کہ سید امتیاز علی آقہ مرحوم گئے کہ دادا خواست کو سکون کی لاہور لایا کے لیے گتا بوں کی ضرورت ہے آپ آجمل خانہ میں ہمدست کتا میں کھٹکے۔ آخر میں نے قبل کیا اسدہ گرہی، ایباجت، مانیان زرگ، سیاہوں کی کہانیاں و قدیم تہذیبیں، آجین عکس مت بند، مانیان لکھی گئی ہیں۔

یہ پوپ صاحب کرمی و صاحب کرمی دو بیٹے کے پوتے تھے۔ مولوی غفر علی صاحب نے اپنے والد صاحب کے وقت میں کتب خانہ  
کا سرفراز بن کر صاحب کرمی کے بیٹے کے ساتھ تھے۔ سرفراز صاحب نے کتب خانہ اور کتب خانہ کے مال کے ساتھ کرمی  
میتھ سے کام لیا۔ کرمی کے بیٹے کے وقت میں پوپ صاحب نے کتب خانہ کے مال کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ  
کے بارے میں دیکھا تھا۔ اس وقت کے پوپ صاحب نے کتب خانہ کے مال کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ  
غفر علی صاحب اور سرفراز صاحب کے بیٹے کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ  
۱۵ ایسی سو کے خلاف پوپ صاحب نے کرمی کے بیٹے کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ  
ذہب کے خلاف پوپ صاحب نے کرمی کے بیٹے کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ  
کی۔ اس پر ہم نے فیصلہ کیا کہ اگر سرفراز صاحب کے بیٹے کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ  
ذہب کے خلاف پوپ صاحب نے کرمی کے بیٹے کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ  
مولانا صاحب نے کرمی کے بیٹے کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ

زمیندار کی مالی حالت طے پڑی تھی۔ پوپ صاحب کے آقا زبیر نے کرمی کے بیٹے کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ  
پوپ صاحب کے خلاف لڑائی تھی۔ پوپ صاحب کے بیٹے کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ  
تقریباً پوپ صاحب کے خلاف لڑائی تھی۔ پوپ صاحب کے بیٹے کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ  
کی فیصلہ ہو گئی۔ ایک زمیندار کو زمیندار کا اگر سرفراز صاحب کے بیٹے کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ  
۱۰۔ پوپ صاحب کے خلاف لڑائی تھی۔ پوپ صاحب کے بیٹے کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ  
کر لڑنے کا واسطہ تھا۔ پوپ صاحب کے خلاف لڑائی تھی۔ پوپ صاحب کے بیٹے کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ  
کئے گئے۔ پوپ صاحب کے خلاف لڑائی تھی۔ پوپ صاحب کے بیٹے کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ  
زمیندار کے خلاف لڑائی تھی۔ پوپ صاحب کے بیٹے کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ

ابھی انقلاب کی جہلی ہوئے موت دس ماہ گزرے تھے کہ دفعتاً انقلاب زمیندار میں لڑائی شروع ہو گئی اور سرفراز صاحب نے  
صوبہ حکومت کے پوپ صاحب کے خلاف لڑائی تھی۔ پوپ صاحب کے بیٹے کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ  
اور بڑی بڑی لڑائی تھی۔ پوپ صاحب کے خلاف لڑائی تھی۔ پوپ صاحب کے بیٹے کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ  
کر دیا اور پوپ صاحب کے خلاف لڑائی تھی۔ پوپ صاحب کے بیٹے کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ

پوپ صاحب ابھی دوسری گولہ باری کا نظریہ کے لیے ڈاکٹر اتھال کے پورا علاقہ میں جئے گئے کہ کم دنوں سے ہمدردی مکان  
پانے کا ارادہ کیا۔ پوپ صاحب نے پوپ صاحب کے خلاف لڑائی تھی۔ پوپ صاحب کے بیٹے کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ  
شاہ صاحب سے میں نے اور پوپ صاحب نے پوپ صاحب کے خلاف لڑائی تھی۔ پوپ صاحب کے بیٹے کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ  
اور پوپ صاحب کے خلاف لڑائی تھی۔ پوپ صاحب کے بیٹے کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ کرمی کے بیٹے کے ساتھ

اپنی سسٹم میں میری بعض شک و حیدہ بلکہ کساد خیال عبدالکریم عظیم شاہ عبداللہ (سوداگر چینی و نیشاوات اترسرا) کے ساتھ ہوئے۔

جو بھائی سسٹم کے کڑا ملازم تھا اور میں بال بچوں میں بیٹا جیسا تھا اور چھٹا کڑا کڑا چٹا کڑا سے ایک تار بکلی کی طرح اٹک کر ہوا اور وہ صاحب ملک و سحر و جرم نے اطلاع دی تھی کہ تاج مسیح و لاد قسرم و خیر "حرکت قلب بندہ بر جانے سے انتقال کر گئے ہیں۔"

دہلی ریفریجیو ایمر احمد شاہ بخاری اور سیدہ و مطلقہ علی بخاری کی شبانہ روز خدمت کی وجہ سے بے حد کباب اور سرور و عزت پر رہا تھا۔ ایک دن اس دینی کی خدمت سے مجھے مدد قریب دہلی کی دعوت دی گئی اور دیکھا گیا کہ اس کے لیے دہلی آنا پڑے گا۔ چنانچہ میں دہلی گیا اور احمد شاہ بخاری کے دلائل کے پر مٹاؤ اور دوسرے دن صبح ناشتے سے فارغ ہوا تو بخاری صاحب نے کہا کہ کسی دوست سے ملاقات کو جانا ہو تو میری خدمت سے چلے جائیے میں تمام ادب و احترام میں بخاری صاحب کے پاس پہنچے تاکہ سے ملے وہاں اس وقت کرنل قریب علی قریب دہلی پہلے ہی موجود تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سے چلے۔ خواجہ صاحب کے گھر سے ایک فریڈ پر چڑھ کر جب دوسری طرف اترے تو ایک معمری سا مکان تھا۔ خواجہ صاحب نے فرمایا "یہ ایمان خانہ ہے۔" میں نے کہا اس پر کیا موقوف ہے۔ اس مکان کے تو جس مکان "ایمان خانہ" ہیں اور ہم جہاں سے ان کو لائے ہیں کیا وہ "ایمان خانہ" تھا بہت ہلکے کھٹے گٹے آپ "انکار" کہتے ہی نہیں برتتے ہیں۔

اس کے بعد کہ میں چند طاق مکانات جن میں سے کسی پر تمام ابراہیم ہند کسی پر تمام آدم گھا ہوا تھا۔ ایک طاق خالی تھا میں نے کہا یہ کیا ہے؟ کہنے لگے۔ یہ طاق میں نے اپنے لیے مخصوص کر رکھا ہے۔ میں نے کہا تو پھر اس پر تمام مفوض "کلمہ دیکھئے۔" بے اختیار ہنس پڑے۔ پھر ہم ملکہ حضرت خواجہ نظام الدین اویاد رحمۃ اللہ علیہ میں داخل ہوئے۔ بذلہ سبلی ختم ہوئی شائع ہوئی۔ وہاں سے نکل کر مضافات کی کبریہ حاضر ہوئے جو کہ "ابن سخن اور قبلا ادب و ذوق ہے۔ اس پر کافی دیر قریب کیا آخر قریب پر کھڑے رہیں آئے۔

تمام کو گایا دیکھا کہ بخاری صاحب کی کوٹھی کے منبر و فاد پر بیٹھے بڑے تخت اداں پہلے چاروں طرف سے تالین بچھائے جا رہے ہیں معلوم ہوا کہ میرے اعزاز میں دعوت طعام دی گئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہی کے ابا و شعراء ادا بخاریوں کا خاصا مجمع ہو گیا میرا مضافاتی مرزا محمد سعید، خواجہ حسن نظامی، مولانا منظر الدینی، علامہ ابراہیم، جوش ملیح آبادی، مرزا دیوان سنگھ مفتون، شاہراہ احمد، عبدالرزاق الہیری، جعفری (مدیریت)، بلال احمد پوری، شوکت علی فہمی اور متعدد دوسرے حضرات موجود تھے۔ لطیف گوئی، بذلہ سبلی اور شعر خوانی کا بازار گرم تھا۔ میں خواجہ حسن نظامی اور مولانا منظر الدین کے درمیان بیٹھا تھا کہ دفعہ جوش ملیح آبادی اپنی جگہ سے اٹھا کر میرے پاس آئے۔ مجھے باندھ کر کھڑا کر دیا کہ آپ بھی کئی دنگوں کے پاس آئیے جن سے کافر و کفر کی بکواتی ہے۔ میں نے کہا شک یہ ہے کہ آپ سے

بھی بکواتی ہے۔ اس پر کہنے لگے۔

وہ میری جگہ کے لیے جو جہیں بہشت خرچ

سوائے باد و گلستان گلستان کیس ہے

تین دن کے جرم میں رہیں اور ہوا گیا۔

اور بعد ازاں کتبہ میرے دو لوگوں عبدالرشید اور شہاد محمد اسلام شہید کی شاہاں ہوئیں۔ ہاتھوں میں اور دعوت دیر





# سید عطار اللہ شاہ بخاری

ولادت : یکم ربیع الاول ۱۳۱۵ھ (۱۸۹۷ء)  
وفات : ۲۱ اگست ۱۹۶۱ء

## میراثہ نسب

میں ان علمائے حق کا پرچم لیے پرتابوں جو شہادت میں فرنگیوں کی تیغ بے نیام کا شکار ہوئے تھے۔ رب ذوالجلال کی قسم! مجھے اس کی کچھ پروا نہیں کہ کون میرے بارے میں کیا سوچتے ہیں — لوگوں نے پہلے ہی کب کسی سرزدوش کے بارے میں راست بازی سے سوچا ہے۔ وہ شروع ہی سے ناشادیکھنے کے عالمی ہیں اس سرزمین میں مجدد الف ثانیؒ کا سپاہی ہوں، شاہ ولی اللہؒ اور ان کے خاندان کا قریبی ہوں، سید احمد شہیدؒ کی غیرت کا نام لیرا اور شاہ آغلیں شہیدؒ کی جزات کا پانی دیرا ہوں۔ میں ان پانچ مقدمہ ہائے سازش کے پابز بفر صلحانے امت کے لشکر کا ایک خدمت گزار ہوں جنہیں حق کی پاداش میں عرقید ادموت کی سزائیں دی گئیں۔ [۱] مولانا یحییٰ علی صادق پوری (۲) مولانا عبدالرحیم صادق پوری (۳) قاضی میاں جان۔ (۴) میاں عبدالغفار (۵) مولانا محمد جعفر خٹاوی سرری کو شہادت میں سزا دے موت کا حکم سنا کر صرف اس لیے عرقید میں تبدیل کر دیا گیا کہ چٹائی کو عزیز جانتے تھے [۱] : ہاں! میں انہی کی نشانی ہوں، انہی کی صدائے بازگشت ہوں۔ میری رگوں میں خون نہیں آگ دوڑتی ہے۔ میں علی الاعلان کہتا ہوں کہ میں قاسم نانوتویؒ کا غم لے کر نکلا ہوں۔ میں نے شیخ الہند کے نقش قدم پر چلنے کی قسم کھا رکھی ہے۔ میں زندگی بھر اسی راہ پر چلتا رہا ہوں اور چلتا رہوں گا — میرا اس کے سوا کوئی موقف نہیں۔ میرا ایک ہی نصب العین ہے اور وہ برطانوی سلطنت کی لاش کو کھٹانا یا دفنانا ہے۔

ہر شخص اپنا شجرہ نسب ساتھ رکھتا ہے۔ میرا یہی شجرہ نسب ہے۔ میں سراوچا کر کے غم کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ میں آپ خاندان کا ایک فرد ہوں۔

## میرا عقیدہ

میں دنیا میں ایک چیز سے محبت کرتا ہوں اور وہ ہے قرآن۔ مجھے صرف ایک چیز سے نفرت ہے اور وہ ہے انگریز۔ میں کہتا ہوں کہ زندگی کے تجربوں اور مشاہدوں نے میرے ان دو جذبوں میں جلا کی شدت اور حرارت پیدا کر دی ہے۔



جنت اور نعمت کے یہ دونوں نواہے ایسے ہی کرم و مافوق ہیں ان کا سرا ہے ان کے لیے باہر چند مثالیں ہیں غارت  
 زندگی کے سڑک کا یہ نواہ ہے، جہاں بھی طلب کے خیال سے رکنا چڑتا ہے، کہیں زمین کی کٹکٹ سے آتی ہے اور کہیں جوتے سڑک کا  
 تھا پناہ دیتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ اس جہاں نواہ کی آہیں اور ہوسوں نے پیش رفتی شروعات کی ہوئی ہے اور  
 جو بلکہ کیش کے لئے دھڑکتے ہوئے ہیں

لیکن مسئلہ کی ترکیب خلافت کے زمانہ حید طلب پر خود کرتا ہوں تو نگاہوں میں ایک تصویر کی کچھ جاتی ہے۔ میاں دال  
 ڈسٹرکٹ میں ایک صاحب کی ایک یادگار بزم، سب اہل ذوق، اہل دل اور اہل علم جمع تھے۔ مولانا احمد سعید دہلوی حدیث پڑھایا کرتے۔  
 عبدالمجید ساکت و دہرا اکبری کا سبق دیتے۔ مولوی قناداش کی نئی نئی باتیں شکر میں دس پیدا کرتیں۔ مولوی اقبال پانی پتی کے اشنے نوا  
 پناہ، عبدالحق چڑی دالے کی ٹکالی گامیاں ترک کی طرح تقسیم تھیں اور آصف علی کھٹے ترچہ پڑوں کے تختے بچر جاتے۔ جی خوش کرنے  
 کے لیے مشاعروں کا بھی اہتمام ہوتا۔ شاعر طری وغیر طری کلام سناتے۔ کہیں ساکت صد ہوتا، کہیں آصف اور کبھی

قرۃ قال بسم ام دیوانہ زوند  
 اختر علی خاں نے ایک دھڑکے کو کی غزل سنائی۔ سب لوٹ لوٹ ہو گئے۔ یہ امانقا ششکا۔ کچھ یاد سا آگیا۔ میں نے اختر  
 سے کہا۔ میاں متعلیٰ کمر۔ وہ کسی قدر بھیڑیا۔ میں نے کہا۔ تو دھڑکے سے منور۔ متعلیٰ قناداش  
 جو سے کشتی سے ہر فرست تو دھڑکی کو پڑو

امیر مسجد جامع میں آج امام نہیں  
 سب ششدر رہ گئے۔ اسے امیر مینائی کی غزل اڑائی۔ سوالات کی ایک بوچھاڑ ہونے لگی۔ اختر علی خاں متعلیٰ کے ساتھ ہی بزم سے غائب  
 ہو گئے۔ دو دو دھڑکے سے تیسرے دھڑکے کی شکل ماضی کیا گیا۔ امیر مینائی کا دیوانہ ان کے تکیے سے رکھا تھا۔ میں نے اٹھایا تو غزل کا  
 صفحہ ہی پٹا ہوا تھا۔

جب طبیعت دما اور شگفتہ ہوتی تو مولانا ڈھوک بجاتے، مثنوی مرحوم تالی پٹیا، داؤد غزنوی حال کھینچے، کہیں اختر کا  
 کہیں ساکت، کہیں حاجو اور کبھی تینوں۔ وہ رنگ بندھتا کہ دو دو دیوار چھوئے اور کائنات بھی جھک کر گوش برآمد ہو جاتی ہے

اب کہاں کہیں وہ رنگ۔ نگ بزم آنا بیاں  
 یعنی سب نقش و نگار طاق سنیاں ہو گئیں  
 ہم سے کوئی راہرتا تو سب بچوں کی طرح روئے، کھٹے ادب ابدل ناخواستہ اوداع کئے، مولانا احمد سعید راہرتے گئے  
 بڑاں کی ٹکلی بندھ گئی، آنسوؤں کے تادوں سے نرہ جذباتی ٹھوٹا رہا تھا۔

اس قید کے علاوہ اند بھی کئی دفعہ قید ہوئے لیکن وہ رنگ کہیں پیدا نہ ہوا۔ پنجاب کی تو تقریباً سب جلیں کہیں بھالی ہیں لیکن  
 مسئلہ میں ڈم ڈم جیل کی بھی زیادت ہو گئی۔ وہاں آنسوؤں سے ایسی ٹکلی کہ دانی تک اکھاڑہ جا رہا۔ دھت زندان صائب  
 سنانے میں لذت محسوس کرتے ہیں اور میں عجیب۔ یہ اپنا اپنا ذمہ نظر ہے۔ میں اسی عیسویوں کو رسا کرتے گا ہادی نہیں۔ میرے لیے

جیل خانہ صرف نقل مکانی ہے۔ اپنے گرد و پیش بلخ و بہار فراہم کر لیا ہوں اور قیدیوں کو گزر جاتی ہے جیسے حوروں سے بادل۔  
 ایک شب جیل خانے میں سورہ یوسف کی تلاوت کر رہا تھا۔ چودھویں رات کا چاند آسمان پر چٹک رہا تھا۔ مجھے محسوس ہوا کہ  
 وہ قرأت کی تاثیر میں ڈوب کر ٹھہر گیا ہے۔ ایک گھنٹہ اسی تلاوت میں گزر گیا۔ اتنے میں پنڈت رام جی لال پیر منڈنٹ جیل نے پیچھے  
 پکارا۔ دیکھا تو وہ کمر لپکے اور رخسار اس کے آنسوؤں سے تر ہیں۔ کہنے لگا۔ شاہ جی! خدا کے لیے بس کرو۔ میرا دل قابو سے باہر  
 ہو گیا ہے۔ اب مجھ میں مدد کی سکت نہیں ہے۔ اللہ اللہ! یہ قرآن کی تلاوت کا اعجاز تھا۔  
 ایک دن گورنمنٹ آف انڈیا کا برطانوی نژاد ہوم ممبر ملنے کے لیے آہنچا۔ میں بیٹا بڑا کتاب دیکھ رہا تھا۔ مجھ سے  
 مخاطب ہو کر بولا:

”کچھ شادی! آپ آپتے ہیں؟“

میں نے کہا،

”خدا کا شکر ہے۔“

دوبارہ پوچھا۔

”کوئی سوال؟“

”میں اللہ سے سوال کیا کرتا ہوں۔“ یہ میرا جواب تھا۔ وہ فوراً بولا:

”نہیں میں آپ کی کوئی خدمت کر سکتا ہوں؟“

”جی ہاں۔ آپ میرا ملک چھوڑ کر چلے جائیے۔“

وہ فوراً ٹوٹ گیا۔ اس واقعے کو پچیس برس گزر چکے ہیں اور اب صدی کے بعد اگر یہ خود کشد ہے کہ وہ جا رہا ہے۔ جب

وہ یہاں رہنے پر مصر تھا، تو جندستان جیل خانہ تھا۔ اب وہ جانے کا اعلان کر رہا ہے تو ہندوستان آتش کدہ ہے۔

کوہم نے انقلاب چرخ گرداں یوں بھی دیکھے ہیں

میرے عقیدے میں اب دو ہی چیزیں ہیں:

قرآن کی محبت اور اگر بڑے نصرت!

## ترجمہ و تفسیر

”اللہ اللہ“ کے معنی میں مجھے ہمیشہ تردد رہا کہ ”اللہ بے نیاز ہے۔“ بس تو نہیں دل کو تسکین نہ ہوتی جیل ہی کا واقعہ ہے کہ شاہ

جہاندار صاحب دہلوی کا مترجم قرآن پاک دیکھ رہا تھا کہ اچانک اس کا خیال آیا کہ دیکھیں شاہ صاحب کیا لکھتے ہیں۔ جب وہ جہاندار

مکالی تو حضرت نے ترجمہ فرمایا: ”اللہ زیادہ صاف ہے۔“ میں کہی اسے زیادہ صاف کہیں کچھ۔ آخر اپنے جیل ہی کے ایک ماسٹی پندت

شکی رام شرما کے پاس جی جہت فاضل آدمی تھا اس سے پوچھا کہ یہ لفظ کیا ہے؟ وہ دیکھتے ہی مجھ سے لگا اور دادا کے فونے بند

کونے شہر میں کیے۔ میں نے چند لمحہ غفلت کرنے کے بعد کہا کیا عجیب آدمی ہے آپ۔ میں انتظار میں رہا تھا آپ اپنے آپ  
 لطف سے رہیں۔ مجھے بھی تو علم ہو گیا کہ معنی میں۔ اس کے بعد اس نے بتایا کہ مسکرت کا لفظ ہے۔ زوردار احمد اس کی شکل پر  
 پروہاتا ہے جس کا کام کسی ہی نہ اسے سادہ سمجھ لے کسی کا کام رہنے۔ تب مجھے تسکین ہوئی اور یوں مسرور ہوا جیسے کوئی گم شدہ سار  
 مل گئی۔ یہ میری زندگی پر کئی نئی کھینچے بیان کیا۔  
 ایسے ہی احمد الصراط المستقیم۔ وہ انصاف کے معنی میں ہی مجھے تسکین دیتی تھی کیونکہ وہ عام معنی میں وہ کام کر  
 راہ میدی۔ راہ ان لوگوں کی بھی پڑنے انعام کیا۔ نہ ان کی بھی پتیرا غضب ہو اور وہ گمراہ نہ بنے۔ لیکن جب حضرت شمس  
 کا ترجمہ پڑھا تو بالکل وضاحت ہو گئی اور وہی میں مطابق معنی میں۔ وہ فرماتے ہیں:

• چاہے ہم کو راہ میدی۔ راہ ان کی بھی پتیرا انعام ہوا (اور) نہ ان پر تیرا غضب اور نہ وہ گمراہ ہوئے۔  
 ظاہر ہے جو بات اس میں ہے وہ اس عام ترجمہ میں نہیں۔ یہ دونوں ترجمے ایک دوسرے کے برعکس ہیں۔ ایک میں تو  
 احمد کے معنی دکھانے کے لیے گئے ہیں جو اس کی ذات وحدۃ لا شریک لہ کے معنی میں ہے۔ جہاں کانٹے ہی کانٹے ہوں وہاں کچھ  
 چھوڑ دینا ہوا اور ساتھ ساتھ ایسا ہے جیسے باپ بچے کو انگلی پر کر کے ساتھ چلاتا ہے اور اس کے دشواریاں حل کر دیتا ہے پانی پھونک  
 حفاظت میں چلانا یا اس بارگاہ کی میں شان ہے۔

### میرے مخاطب

✓ میں نے چار ایسے برس لوگوں کو قرآن سنایا۔ پہاڑوں کو سنا تا کہ جب نہ تھا کہ ان کی تسکین کے دل چھوٹ جاتے۔  
 فاضل سے ہم کلام ہوتا۔ تو خود مٹ گئے۔ چنانچہ ان کو مجھ پر دانا تو چھنے لگتے۔ مسندوں سے مخاطب ہوتا تو ہمیشہ کے یہودی  
 بند ہوجاتے۔ دعوتوں کو پکارتا تو وہ دھڑکنے لگتے۔ کنکریوں سے کتا، تو وہ بیک کہہ لیتے۔ سر سے گویا ہوتا تو وہ صبا  
 ہوجاتی۔ دھرتی کو سنا تا کہ اس کے سینے میں بڑے بڑے سنگ پڑ جاتے۔ جنگ لڑاتے گئے۔ محراب سے ہر جاتے مگر میں نے ان لوگوں  
 کو خطاب کیا۔ جس کی زمینیں بھر ہوئی ہیں جن کے دل و دماغ کا قضا ہے۔ جن کے ضمیر عاجز آچکے ہیں جو ہر کی طرح غصے  
 ہیں۔ جن کی پستیاں انتہائی خطرناک ہیں، جن میں ٹھنڈا لٹاک اور جی سے گزر جانا خطرناک ہے، جن کے سب سے بڑے  
 مہر و گناہ طاقت ہے۔ (۱۹۴۵ء)

### اذانِ بستکہ

اللہ کی کتاب کی بلاغت کے قرائن جانے۔ خود دیتی ہے کہ میں مسند پر آ رہی ہوں۔ باور و گواہ اس کی تسکین کیا  
 کرو، اس کو پڑھا کرو۔ تیرا شہید اور شاہ خیل کی طرح نہ کسی قبائل کی طرح پڑھا کرو۔ دیکھا اس نے قرآن کو ڈوب کر پڑھا  
 تو مغرب کی دھندلی پر تیرا بول دیا کہ اس نے قرآن کے سوا کچھ دیکھا ہی نہیں۔ وہ تمہارے جگہ سے میں اللہ کی کتاب میں (۱۹۴۶ء)

## پاکستان کی حفاظت

میں ان لوگوں میں سے نہیں جو یہ صدا دیتے ہیں کہ میں تو نہ روغاداری کچھ پیرتا ہوں۔ میری انگلی پکڑ کر اپنے ساتھ لے چلاؤ  
 جس منزل میں چاہو۔ مجھے ذرا کدو۔ ایسا کبھی نہیں ہوگا، اگر گزشتہ نہیں ہوگا۔ میں خوش ہوں۔ میری خوش بکیراں ہے کہ اس ملک سے  
 اگر یہ نکل گیا، میدانیہ کے کسی حصے میں بھی سامراج کو نہیں دیکھ سکتا۔ میں اس کو ترک ان اداسلام کے خلاف سمجھتا ہوں۔  
 تم میری رائے کو خود دوشی کا نام نہ دو۔ میری رائے مارگنی اور اس کمائی کو نہیں ختم کرو۔ اب پاکستان عجیب ہی بگڑا  
 مارٹہ ہلہ میں اس کے ذریعے دوسرے کی حفاظت کر دیا گا۔ مجھے یہ اتنا ہی عزیز ہے جتنا کوئی اور دعویٰ کر سکتا ہے۔ میں توں کا  
 نہیں، حل کا آدمی ہوں۔ اس طرف کسی نے آکر اٹھائی تودہ مجھ کو دی جانے لگی۔ کسی نے لاکھ اٹھایا تودہ کاٹ دیا جائے گا۔  
 میں اس وطن اور اس کی عزت کے مقابلے میں اپنی جان عزیز رکھتا ہوں نہ اولاد۔ میرا خون پیلے ہی تھا لاکھ اور اب بھی تھا  
 ہے۔ (۱۹۵۲ء)

## مراجعت

میں دماں چا جاؤں گا جہاں سے وٹ کر کوئی نہیں آیا۔ پیر تم مجھے پیارو گے مگر تمہاری پیار تمہارے کانوں سے کھانگے  
 تیس بکان کر دے گی حد تم مجھے نہ پاؤ گے۔ (منشیہ)

(مرتب : محمد عبداللہ قریشی)



# (سرخ) عبدالقادر

ولادت : ۱۸۶۲ء

وفات : ۱۹۵۷ء

یادش بجز پیرس نے ایک دفعہ لاہور کا ہجڑا لیا تھا اور طنزاً یہ کہا تھا کہ جبرائیل لاہور میں آب و ہوا کا باب نہیں کھریکھا اور میں آب و ہوا ہی نہیں۔ اسی طرح میرے بچپن کی تاریخ انوکھی ہے۔ اس میں بچپن کا باب ہی نہیں جانتی بچپن کا زمانہ آیا اور گزرا۔ بچپن کا زمانہ جب بے ٹکری کا زمانہ ہوتا ہے جو لوگ اسے بادشاہی کا زمانہ کہتے ہیں، بچا کہتے ہیں۔ باب، ہنریش اور قریب سب بچے کی خبر گیری کہتے ہیں اور اسے خوش رکھنے اور بھانے رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

بچپن کا اہل عطف اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب پتہ چلنے لگتا ہے اور کھیل کود کا وقت شروع ہوتا ہے۔ مجھے خدا نے زندگی کی بہت سی نعمتیں بخشیں مگر بچپن کی نعمت ذرا اور صوفی کی رہی۔ میں بچتے ہی باب کی آخری لاف تھا اور ان کے برعکس میں پیدا ہوا تھا اس لیے گھر میں سب مجھ سے بڑے تھے اور میں اکیلا بڑا تھا۔ میرے والد مرحوم اس وقت پستلہ ملازمت لاجپور میں رہتے تھے اور ہارنگائی مٹر کے بیڑی میں ایک ایسے محلے میں خاص کے قریب ہماری طرز کے لوگ نہیں رہتے تھے۔ اس لیے نہ کسی ہمسائے کے گھر جا سکتے تھے نہ آنا جانا تھا اور نہ وہ لوگ یا ان کی عورتیں ہمارے گھر آتے تھے۔ وہ میں جب میرے والد کام پر چلے جاتے تھے اور میری والدہ مرور گھر کے کام کاج میں لگ جاتی تھیں تو میرے ساتھ کچھنے والا یا بچہ سے بات چیت کرنے والا کوئی نہ ہر تھانہ میری دہلیا ہی ہوتی کہیں گھر میں نہیں مگر ان میں سے ایک مجھ سے کوئی میں برس بڑی تھی اور دوسری کوئی پندرہ برس یا اس سے سولہ اس کے کہ کوئی وقت اور حد کرتے جلتے میرے سر پر ہاتھ پیر جاتیں، انھیں اپنے کام رہتے تھے، میں گھر کے صحن میں کسی ایک طرف بیٹھا اپنا دل بہلاتا رہتا تھا۔ خیالی طور پر سوچتا تھا کہ میں بڑا ہو گیا ہوں اور میرے بہت سے دوست ہیں اور کبھی ان میں سے کوئی اور کبھی کوئی میرے ہاں بلور بھان آتے ہیں۔ کوئی گھر سے پر، کوئی گاڑی پر، اور میں ان کے ٹھہرنے انسان کے ٹھہرنے سے گاڑی کو جگہ ملانے میں مصروف ہوں یا کوئی اور اسی طرح کے خیالی پائر کا رہتا تھا۔

جب میں چار برس چار لیتے اور چار دن کا ہوا تو میری بڑی بہن نے مجھے بھلائی کا لہو پڑھانا شروع کیا۔ میں چند دنوں میں یہی حرفت شامیں پڑھ گیا اور مجھے ایک بروی صاحب کے ہاں قرآن مجید پڑھنے کے لیے بھیجا جانے لگا۔ میرا حق قدر سے معروف ہونا شروع ہوا اور تنہا لکھنے کی جگہ بروی صاحب کے گھر میں جانا اور وہاں سے کچھ پیراپس مانے کا ایک شوق سا بھی لگ گیا۔ میں نے پچھلے پیراؤں پر توجہ دینا شروع کیا۔ اس کے ختم کے بعد ہر گز کے ابتدائی مدد سے میں داخل ہو گیا۔ ان دنوں میں میں کئیوں کا تلامذہ کا وقت پڑھنے میں ہی تھا۔ اس کے

میرا خیر ہی ہر سال کو کہ میرے چلا گیا اور اس کے ہمراہ گھر آ گیا۔ اس لیے یہی میں جو کھیل کود کی مصروفیات اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ باہر میں۔ ان سے میری ابتدائی زندگی خالی ہی نہ گئی۔ کھیلنے کے وقت آئی۔ کسی سے مار کھائی نہ کسی کو مارا۔ اس سبب سے جسمانی ترقی اس زمانے میں خاطر خواہ ہو سکی۔ البتہ یہ ضرور ہوا کہ بڑوں کو زیادہ دیکھنے اور بڑوں سے ملنے کے مواقع مجھے یہیں میں ہی ملے۔

میرے والد مرحوم اپنے وقت فرصت میں مجھے اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ شام کو وہ میری کھیلنے والے ساتھ لے جاتے اور کھیلے باتیں کرتے جاتے۔ سنا میں آتے تھے تو میں ان کی تلافی دینے کے لیے ذرا ان کے پاؤں دبا تھا اور ان سے رعایت تھا کہ میں وہ صبح کو بھی باہر نکلتے تھے اور اپنی والدہ کی قبر پر جا کر کھڑے ہوتے تھے۔ ان کی اس سعادت مندانہ ادا اور ان کے مذہبی جذبات کا گہرا اثر اس زمانہ میں میرے قلب پر چھلکا اور اس کا پھر بقیہ اب تک برقرار ہے۔

جب اتفاق سے کہ گھر میں بڑوں کی صحبت ملی تھی تو باہر بھی ایک قسم کا سلسلہ رہا۔ شہر کے مشہور آدمی مرتبہ لوگوں میں والد صاحب کی ملاقات بہت تھی۔ لودھیانہ، کابل سے آئے ہر کے ایک پناہ گزین شاہی خاندان کے قیام کی جگہ تھی۔ افغانستان کے شاہ شجاع کی اولاد وہاں جا گزری تھی۔ ان میں شاہ زادہ شاپور بہت و جہاد شاہدار تھے۔ ان کا جنگل اور اس کے گرد کا باغ بہت خوبصورت اور پھولوں سے آراستہ تھا۔ میں کبھی کبھی اپنے باپ کی کے ساتھ شہزادہ صاحب کی خدمت میں جاتا تھا اور وہ مجھے پاس بٹھاتے اور رہائی کرتے تھے۔ میرے دل میں اس خیال سے کہ ایک والی ملک کی اولاد اور اب بے وطن ہیں اور اس امید میں بیٹھے ہیں کہ شاید وہ زمانہ ایسا بھی آجائے کہ وہ دوبارہ اپنا گھر یا بہت پائیں، ان سے بہت بھاری پیدا ہوتی تھی۔ ان کی زبان سے فارسی بولی کسی کچھ فرحت ہوتی تھی۔ کیونکہ میرے گھر میں بھی فارسی الفاظ سے آشنائے۔ میرے والد کمالی فارسی خوب جانتے تھے اور مجھ سے فرمایا کرتے تھے کہ مدرسہ کے وقت کے بعد میں ۱۱ سے فارسی سیکھ لیا کروں، کسی وقت کام آئے گی اور گویا فارسی میں نے ان سے بعد میں کبھی گران کی زبان سے فارسی افسانہ کچھ ہی میں سننے کا موقع ملا۔

افغان شہزادوں کے خاندان کے علاوہ لودھیانہ میں دہلی اور نواح دہلی کے کچھ مشرفانہ معین نواب پناہ گزین بھی آباد تھے۔ ان کے گھر ایسے آراستہ تو نہیں تھے جیسے کابل کے شہزادوں میں دو تین جیسے شہزادوں کے تھے مگر پھر بھی ان کی رہائش بہت اعلیٰ تھی۔ گھر کے باہر ایک چھوٹا سا باغیچہ ہر ایک نے لگا رکھا تھا۔ اس میں ایک تخت پوش پر سفید چادر بچھی ہوتی تھی اور گاؤں ٹیکہ لگا ہوتا تھا۔ صاحب خان شام کے قرب باہر نکل کر بیٹھتے تھے اور اپنے دوستوں سے خوش گپ کرتے یا کبھی کبھی اکیلے بیٹھے سنا جاتے رہتے تھے۔ ان کے گھر کے قریب جہم جب کبھی گزرتے۔ مجھے یہ منظر بہت ہی دلچسپ معلوم ہوتا تھا۔ یہ محلہ گویا آدھ والوں کا خاص گھر تھا۔

اس کے سوا ایک اندھا جہم جس کے بہت سے اراکین اور افراد لودھیانہ میں حکومت رکھتے تھے۔ خطہ کشمیر کے رہنے والوں کی تھی۔ ان کے تین بیٹے اس شہر میں آباد تھے کچھ حضرات خواجہ کے لقب سے ممتاز تھے۔ تجارت میں فروغ پا کر اپنے امیر ہو گئے تھے اور بہت آرام کی زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کے ایک گروہ کے ہاں میرے والد اکثر جاتے تھے اور میں ان کے ہمراہ ہوتا تھا اور باتیں میں ان کی اصناف کے خاندان ہر کی مصروفیت اور ان کی خوش حالی دیکھ کر مجھے خوشی ہوتی تھی۔ وہ سب آدھ اور پناہ میں ہی رہتے تھے مگر میں کشمیر



۱۹۰۱ء میں ماہنامہ فرنس نکالا۔

۱۹۰۳ء میں برسرِ شریک کے لیے لندن گئے۔ ۱۹۰۷ء میں واپس آگئی میں پرنٹس شروع کی اور ۱۹۰۹ء میں لاہور چلے آئے۔ ۱۹۱۶ء میں لاہور میں سرکاری وکیل مقرر ہوئے اور آخر سال تک یہ کام کرتے رہے۔

۱۹۲۱ء میں لاہور ہائی کورٹ کے جج مقرر ہوئے۔

۱۹۲۲ء میں پنجاب لیجلیٹو کونسل کے صدر بنے۔

۱۹۲۵ء میں قائم مقام وزیر تعلیم بنے۔

۱۹۲۶ء میں لیگ آف نیشنس میں ہندوستان کے نمائندہ ہو کر جینا گئے۔

۱۹۲۶ء میں مسلم لیگ کے امپلاس دہلی کی صدارت کی۔

۱۹۲۷ء میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی مدد اس میں صدارت کی۔

۱۹۲۸ء میں پنجاب ایگزیکٹو کونسل کے قائم مقام رکن بنے اور سر کا خطاب پایا۔

۱۹۲۹ء میں پیپک سرویس کمیشن کے رکن ہوئے۔

۱۹۳۰ء میں لاہور ہائی کورٹ کے ایڈیشنل جج ہوئے۔

۱۹۳۳ء میں انڈیا کونسل لندن کے ممبر ہوئے اور پانچ سال تک لندن میں رہے۔ جہاں سے ۱۹۳۹ء میں وطن واپس آئے۔

اسی سال داسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے قائم مقام ممبر ہوئے۔

۱۹۴۲ء میں ہاول پور ہائی کورٹ کے چیف جج بنے۔ جہاں سے ۱۹۴۵ء میں واپس آکر لاہور میں مقیم ہوئے۔ یہ

۹ فروری ۱۹۵۰ء کو سپردِ خاک ہوئے ]

## رکشی اور طوفان

دو دردمانک نغمہ مشکل سے بھولے گا جب میں نے ایک دیکھتی اداس کی ساریوں کو ساحل کے قریب ہزار ہا لوگوں پریش نظر، طوفان کی لہروں کے زبردست چھیروں سے عاجز آکر ڈوبتے دیکھا۔

فرائض کا شمالی ساحل تھا اور آوار کاوی ہزاروں تماشائی دن و درم ساحل کے قریب اپنے بند پر بیٹھے طوفان اور عالم کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ لیکن وقت تو سمندر کے منظر کو دکھانے میں شاید کسی کو بھی کلام نہ ہو۔ لیکن عالم کے وقت کا خطرہ ایک پُر شوکت دلچسپی سے غافل نہیں۔ بشرطیکہ آپ بکسارا ہی ساحل میں ہوں مگر یہ دلچسپی اسی وقت تک ہے کہ سامنے سمندر ہی سمندر ہو کہیں انسان کی جان یا کبھی رشتی کی سمت طوفان کے پہلے میں نہ ہو۔ روزِ سخت سے سخت دل روم بہنے لگتے ہیں اور دونوں سے دعا ہے بے اختیار ملتی ہیں کہ اللہ! اسی جانوں کی خیر ہو اس پُر شوکت حالت میں تو کل بعد اپنی میں نا ڈوٹا لے ہوئے ہیں۔

جس دن کا میں ذکر کرتا ہوں، اس دن سمندر زبردستی پر تھا۔ جہاں جہاں تھیں اور کبھی کسی پانی ساحل کی ساری خشکی



کے بندے اگر ان کا نام اس طرح نہ جانتا تھا کہ بندہ کدو کی زمین تیرہ جاتی تھی اور رنگ ماں بچے ہر رنگ تھے اس کے کدو  
بیکج جاتے تھے کدو کی فصل کا دن، فراغت کا زمانہ سمندر کی بہا تھا ادا لای تھی یہ مکمل پہاڑی تھیں۔ کس عہد کے وہ ایک  
اگر سمند پناہ دست گشت بڑھا تھا تو کئی اور شائق ہاتھ پکڑنے لگتے تھے اور پتھر کی کڑیوں سے کدو پتے تھے اور صحت بہت  
بڑی عمر لگاتی تھی۔ اگر کسی موکا ماں آب شہر سے ترہو جاتا تھا تو عمر بڑی تالی بجاتی تھیں اور وہ کدو پتے پٹتے تھے کہ ادا ماں اور لگ  
بیچتے تھے اور پدا دکتے تھے کوئی اپنی جگہ سے ٹکا تھا۔

ایک طرف باجری کا راقا تھا اور دیگر طرف اس کے گرد بیچ تھے اور جو دوسرے اور بھی اس کی مٹریں حدوں کے نرے  
رہے تھے کہ ہاچاک ایک توپ کی آواز کی تھی۔ چار بیک کے قریب توپ کیوں ملی؟ سب جہاز پر کدو اور دیکھتے تھے۔ جاننے والے  
ہاں گئے کوئی جادو یا کشتی خطرے میں ہے اور یہ توپ بند لگاؤ کے اس دینار سے چلی ہے جہاں ایک بڑے کار بھری افسر اس گشت  
پر متنب رہتا ہے کہ زار بندریں اگر کوئی ایسا حادثہ ہو تو فرما اس کی اطلاع دے۔ نگاہیں سمندر کی طرف دھڑکیں اور ایک بادبان پر  
پڑی جو اپنے کام سے طاری ہو چکا تھا اس سے ایک متول پر آئیں جو سرنگوں پر تاجا جاتا تھا۔ کشتی کا ایک سوا پانی میں تھا۔ دوسرا پانی  
کے اوپر تھا اس طرف متول سے مضطربانہ پٹے پٹے دے آوی نظر آتے تھے۔ بیکر کی دھندلے در دھندلے قراری کے ساتھ بندر سے پہنچے  
اتر کر پانی کے قریب پہنچے تھے اور مصل پر اک پکڑے اناکر پانی میں گڑے کر کشتی تک پہنچ کر اس کی مدد کریں۔

نکوڑی دیر میں دو کشتیاں پانی میں ڈال گئیں جہاں دھڑکیں پوچھ کر ایک ایسی سوسائٹی کے ملازم تھے جس کا کام ڈوبنے  
کی جانیں بچانا ہے اور جو کدو سمندر کے کنارے پھرتے رہتے ہیں کہ اگر کوئی ناواقف دندنگ نہاتا ہوا چلا جائے اور غلطے کھائے گئے  
یا اور کوئی واقعہ ہو تو وہ کدو پہنچیں مگر جہاں کی یہ حالت تھی کہ دونوں کشتیوں میں سے ایک بھی وہاں تک نہ پہنچی تھی جہاں کشتی ڈوب رہی  
تھی۔ یہ لوگ بہت کم کے اس طرف کو بڑھتے تھے مگر ایک ہی سوج ایسی آتی تھی کہ اگر کدو پیچھا دیتی تھی۔ اس نے قدم بڑھنے نہیں پاتے  
تھے جتنے کچھ پہنچ سکتے تھے۔ اگر سمندر زبان موج سے ان پر قاب کرتا ہوا کرتا تھا۔ اور انسانی ضعیف کے بے ادب ہوا تھا  
بطور اپنی سہا سے بڑھنے کی جرات نہ کر۔ یہ کشتی ہوا سے کی سوا یاں میرا شکا رہی اور کس کی بال ہے کہ میرا شکا لہر سے پھینچے اور  
میں کیا ہوں؟ میں بھی ننگ اہل کا ایک تہیوں۔ اس ننگ کا فالو اب تھا سے ہاتھ کیوں کر اٹکتا ہے؟

اسی طرح وہ دو اور اور بد پیر اک جوتا دگا گود پڑے تھے طرہ سوج سے عاجز آکر کنارے پر کھڑے بے بسی سے یہ نوناک  
کی شاد پھر رہے تھے کشتی بان کے کئی بار دوست جان پہچان و لہو میں کنارے پر موجود تھے اور اٹھل رہے تھے۔ مگر کیا ہوا تھا کشتی  
وہ چارہ ضروری اور ابجری۔ آخر صرمت بادبان کا ایک حصہ پانی کے اوپر تھا اور باقی سب پانی کے نیچے۔ نہادیر میں وہ بادبان بھی  
نظروں سے اوجھل ہو گیا اور کشتی تھوڑی دیر میں گر گئی۔

اس صرمت ناکی میں کدو دیکھنے والی کے چہرے اس وقت دیکھنے کے لائق تھے۔ ایک ایسی تھی جو سب چہروں پر بھائی بڑی  
تھی ایک رنگی قابو سب میں پرست تھا۔ ایک پریشانی تھی جو سب طرف آنکھ مارتی تھی۔ یہی مٹریوں میں بنی نوج انسان کی وہ باکی  
والہاں لگے ثابت رہتی ہے جس سے کیا اثنا میں کیا اتمام کا سیاہی کے نشے اور عدالت کا نے کی جہر و جہد میں چشم پوشی کرتی ہیں۔

ہاں جیانی می تھے اور بیرونی می۔ انگریز می تھے اور فرانسیسی می، پرائسٹ می تھے اور کتا مک می۔ چند سیاہ فام جی تھے اور چند  
لندم گون مصری۔ سرائی امداد ہزار کے کئی ہجرا پی مرغ ڈیاں پسے کھڑے تھے اور میں ایک ہندی بھی۔ اسی گروہ کا جو قریل تھا  
نہ ہر ایک نہیں ایک دن فار پڑتی۔ حرم ایک نہیں تھی۔ ایک دوسرے سے پوچھتا تھا کہ مرنے والے کون تھے، کہاں سے آئے تھے؟  
پہلے تو جتنے تھے اتنی زبانیں۔ کوئی کچھ کتا تھا کوئی کچھ۔ آخر ایک شخص سے جس نے اس کشتی کو روانہ ہوتے دیکھا تھا معلوم  
ہوا کہ کشتی میں چھ آدمی تھے۔ ایک کشتی بان اور دو اس کے بچے۔ ایک چودہ سال کا جو کشتی چلانے میں مدد دیتا تھا اور دوسرا آٹھ نو سال کا  
جس کو وہ ایک گھر میں نہیں چھوڑ سکتا تھا کیونکہ اس کی ماں مر چکی تھی۔ شخص کشتی سے کنا سے پر بیٹھا تھا کہ میں مسافر آئے۔ دو مرد اور ایک عورت  
انہوں نے کہا ہم سمندر کی سیر کرنا چاہتے ہیں۔ ایک دو اکشتی والوں نے انکار کیا کہ آج طوفان آ رہا ہے۔ اس حالت میں کشتی دریا میں نہیں  
ڈال جاسکتی۔ وہ دایوس ہوتے اور کئے گئے کہ ہمیں پھر اور موقع نہیں ہے۔ کل واپس جانا ہے۔ یہ کشتی باں دیر تھا۔ اس نے کہا: آؤ۔ میں سے  
چلتا ہوں۔ وہ ہنستے ہوئے سوار ہو گئے اور کشتی چلی۔ آدمی تھا کارگیر۔ خاصی دیر تک باوجود طوفان کے چلتا رہا۔ مگر اس کی دیر ہی انسان کے  
اس شوق کی آڑ میں موت نکار کھیل رہی تھی۔ ایک تھوڑا ایسے زور کا آیا کہ کشتی اس کے قابو میں نہ رہی اور الٹ گئی۔ بس پھر کیا تھا۔ بڑبیس  
ٹھکانا ٹھکانا تھا۔ لگا۔

اب اُن آفت رسیدوں کی کہانی سنو۔ جو سیر کرنے نکلے۔ دتے ایک میاں ایک بی بی اور ایک میاں کا بھائی۔ میاں بی بی  
میں کچھ عرصے عشق صادق تھا اور دو نوں نکاح پر متفق ہو گئے تھے۔ تو اراک کا یہ حادثہ ہے اور ہفتہ کے دن ان کا یہ ہوا تھا۔ دونوں  
کے ماں باپ زندہ تھے اور یہاں ہوتے ہی یہی خوشی رخصت ہوئے تھے کہ تو اراکوں کا دن کاٹ کر پیر کو گھر گھاس گئے۔ بھنے کو جب پاری  
ان کے ساتھ ملا کر ان کو دھارے رہا ہوگا تو اسے کیا معلوم ہوگا کہ وہ نکاح آسمان کے بیسے باندھ رہا ہے اور زمین پر اس نکاح کی مدت پچیس  
گھنٹے سے زیادہ نہیں مگر وہ چوبیس گھنٹے ایسے تھے کہ ان پر چوبیس سال کی خوشی قربان کر دینی چاہئے کیونکہ ان کا جو انجام ہوا وہ ہر چند بُرود  
اور غمناک ہے مگر ایسا انجام ہے کہ کوئی طالب و مطلوب اس سے جھک کر آرزو نہیں کر سکتے۔ دونوں ڈوبے تو کٹھے ڈوبے۔ شب بھر بول  
کے سامنے کٹھے سینہ پر رہے اور جب دینا بھرنے یہ سمجھ لیا کہ قہر سمندر میں جہاں لاکھوں بندگان خدا کی بے نشان قبریں بنتی ہیں ان کا بھی نما  
بن چکا، تو اچانک سمندر کے جی میں یہ آئی کہ ان کا عشق صادق کم از کم عجز اور شکر کمزاد کا مستحق ہے۔ چلو، ان کی لاشیں اُٹل دو۔ باقی  
سب کو تو جہنم کر گیا لیکن ان دونوں کو پیر کے روز ماحل پر بھیج دیا۔

پیر کو دریا کسوں دیکھ کر تعجب ہوتا تھا کہ کل نہیں اس زور کا طوفان تھا اور جہاں کشتی ڈوبی تھی، اس جگہ کے قریب خشکی ہوئی  
تھی۔ وہاں دو عزم کی تصویریں پڑی تھیں۔ بڑی اپنے بانی نثار شہر سے لپٹی ہوئی۔ بال چہرے پر پریشان۔ مگر صورت سے ایسا معلوم ہوتا  
تھا جیسے سوری ہے۔ میاں کے چہرے پر یہ سکون نہ تھا۔ جس سے یہ نتیجہ نکلتا تھا کہ جو افراد نے موجوں سے لڑتے لڑتے جان دی ہے  
اندہ بدر جہد کا نقش چہرے پر یادگار رہ گیا ہے۔

شادان محبت تو سیکڑوں میں مگر

جڑوب جائے وہ پتا ہے آشنائی کا

## استنبول

دست سے آئندہ کی کراہیوں۔ آخر پوری کراہی سب سے ہوتی ہے۔ میں ہوں استنبول کی گلیاں۔ نندہ خرم ہوتی ہیں نہ میل  
شرق میں بچے اکثریتوں نے کھائے کہ یہ شہر وہاں ہے۔ گھر اس کی گلیاں خواب ہیں۔ گلیوں میں صفائی کا استعمال ٹھیک نہیں۔ ان کے  
مذہب آتی ہے۔ ان میں عدم قدم پر کھٹے بیٹے رہتے ہیں۔ یہ سب کچھ کسی دیکھ کر انھیں اس شہر کی بے انتہا پیچیدگی کی شناخت کے لیے  
انھیں دی گئی ہوگی۔ تو وہ ان میں سے تعلق نظر کر کے اس کے حاسن کو دیکھتے اور سب سے اچھے انداز میں اس کی قد شناسی میں انھوں نے بے حد داد دی  
ہے۔ یہ عجیب عارضہ ہے۔ یہ نہ نسبت سابق بہت کم ہو گئے ہیں اور امید ہے کہ دن بدن صفائی میں ترقی اور سڑکوں اور استوں کی مدد سے پورے  
شہر بہتر ہوتی جائے گی۔

دیکھنے کی وجہ سے اس شہر میں وہ رہے کہ اس کے باغیوں نے اس کے لیے ایسا مقررہ ٹھکانہ ہے جس نے اسے ملے جاتا  
کا انتخاب بنا دیا ہے۔ ایک طرف ایشیا اپنی قرات کو نبھانے کھڑا ہے اور دوسری جانب یورپ اپنی جدت طرازی پر اتارا ہے  
اور دیکھنا ہی استنبول ہے۔ گویا ایشیا کا یورپ سے ٹکراؤ اظہار ہے۔ ایک طرف سے استنبول یورپ کی اقوام مختلفہ کا مہج ہے اور  
دوسری طرف سے ایشیا کی قومیں اس کی طرف کھینچی آتی ہیں۔ خصوصاً ایشیا کی مسلمان اقوام کے لیے اس مقام کی تعلیمی غریبوں اور اس کے  
جہانگیرانہ کے سوا یہاں مذہبی کشش بھی ہے۔ مزید باریں خود ملک کے اندر ہی مختلف مذاہب اور اقوام کی کمی نہیں رہتی ہے کہ  
جگہ ہے اس میں ترک و فارس و روم و زنگ کا  
یہی گلدستہ ہے اک گلستانے رنگ و رنگ کا

## نصائح و فائیدہ

بچے استنبول کے سفر میں جو صحبتیں نصیب ہوئیں ان میں سے کچھ گراں فتنہ دل پاس بزم منقر نے چھوڑا جو مولانا ابوالدین سراجی نے  
دفاعی کے ہاں دیکھی تھی۔ یہ بزرگ تہی حال سے مغربی بارگاہ سلطانی میں ہیں اور دنیا کا نند و مال ہر وقت ان کے لیے حاضر ہے اس  
قراضع اور منہ بن کاغذ میں اودھ و مات سولے یا دہائی اور قطعی شریع کے کوئی شغل نہیں رکھتے۔ ان کے دیکھتے دیکھتے کئی مجلسیں نہیں  
اور کئی جگہیں کئی نوٹ بڑے اور کئی گئے۔ مگر انھیں کسی سے سروکار نہ رہا اور نہ ہے  
رہتے ہیں دنیا میں سب کے دریاں سب سے الگ

ایک دن انھوں نے مجھے ایک چھوٹا سا رسالہ آئندہ میں کھا ہوا احاطہ فرمایا جس میں طریقہ مبارک و راجہ کے سب سے بڑے سرتاج  
حضرت سید احمد اکبر رحمۃ اللہ علیہ کے ایک سواقرال کسی نے عربی سے ترجمہ کئے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ اس نعمت سے اکیلا مستفید ہوں۔  
اس لیے ارادہ رکھتا ہوں کہ اس مسئلے کو شائع کر دوں۔ پیشتر اس کے کہ وہ رسالہ عظیمہ و چھپے اور لوگ اس کے فیوض سے بہرہ مند ہوں  
اسی نصاب میں سے ہیں، جو ہر مذہب و ملت کے اصحاب کے لیے یکساں دلچسپ ہیں، یہاں نقل کر دیتا ہوں کہ اہل نظر دیکھیں کہ مکت

کے پیسے کچے دفتر ان مختصر فقرہ میں بند کئے گئے ہیں :

- ۱۔ ہمارا طریق ہے نہ انگلیں نہ پیر دیں اور نہ جج رکھیں۔
- ۲۔ دعویٰ تکبر کا نتیجہ ہے۔ دل اس کی برداشت نہیں کر سکتا اور اسے زبان کی طرف پھینک دیتا ہے۔ احمق زبان اسے کہہ بیٹھتی ہے۔

- ۳۔ فقوڑا ادب اچھا ہے۔ اس علم و عمل سے جس کے ساتھ ادب نہ ہو۔
- ۴۔ تیرا بھائی دوست ہے کو تیرا نفس اس پر بھروسہ کرے اور تیرے دل کو اس سے آرام ہو اور بھگہ کو خدا سے باز نہ رکھے۔
- ۵۔ اللہ کے ساتھ نہ بصورت محافلت، خلق کے ساتھ نہ بغیر خواہی۔ لیکن نفس کے ساتھ برسہا برس پر غاش رہو۔
- ۶۔ اُمید کو تازہ کرنا زہد ہے نہ کہ کلی پہننا اور مرنا کھانا۔
- ۷۔ جس نے صبر کی زبردہ پسئی، شتاب کاری کے تیروں سے بچ گیا۔
- ۸۔ حق خاص و عام کے دلوں میں پوشیدہ ہے خواہ وہ حق پر ہوں خواہ باطل پر۔
- ۹۔ اعمال کے محرابوں کی حرکت خیال کے باختر سے نہیں ہو سکتی۔
- ۱۰۔ بندہ ذرہ خدا کا بندہ ہو سکتا ہے نہ خلق خدا کا دوست۔
- ۱۱۔ مروت کے معنی یہ ہیں کہ اپنے نفس پر اس کی طاقت سے بڑھ کر بوجھ ڈالے۔
- ۱۲۔ جب سلم کسی راہ میں منزل بناتا ہے تو بھل کو دہاں سے کوچ کرنا پڑتا ہے۔
- ۱۳۔ خوش خلقی فائدہ مند تجارت ہے، قناعت غراں ہے۔ دنیا کی محبت میں گرفتار نہ رہنا آبرو ہے۔ توکل پناہ ہے اور فصل کشتی نجات۔

۱۴۔ مذہب کی طعن گناہ کی شیرینی کو بھلا دیتی ہے

۱۵۔ دانش مند کا ہیرا کبھی گل نہیں ہوتا اور نہ اس کی آبدی پر وہ دری ہوتی ہے۔

## چند گھنٹے اور پول ہیں

سفرِ ترکی میں جے شاما صاحب نے مجھ سے یہ سوال کیا کہ میں نے انگلستان میں شیخ عبد اللہ کوٹلیم (شیخ الاسلام جبرائیل طائیہ) سے بھی ملاقات کی یا نہیں اور اگر کی تو میری رائے ان کی نسبت کیا قائم ہوئی؟ یہی سوال جب سے میں ہندوستان آیا ہوں وہرا یا گیا ہے۔ اس لیے اس مختصر سی ملاقات کا حال جو مجھے شیخ مدوح سے ایک بہتہ نصیب ہوئی غالباً اڑیسہ ہی ہو گا۔

میں نے لندن سے بعض معاملات کے متعلق شیخ عبد اللہ کوٹلیم سے خط و کتابت کی تھی اور انھوں نے مجھے دعوت دی تھی کہ وہ پول باکرا کی کہ ان ٹھہروں۔ لیکن اس کا موقع نہ ملا۔ ایک دفعہ میں اتفاق سے ماہِ شری میں مقیم تھا کہ ایک دن فرصت کا نکل آیا اور یہ معلوم ہوا کہ وہ پول دہاں سے قریب ہے اور گاڑیاں بکثرت جاتی ہیں۔ اس موقع کو نصیبت جان کر میں روانہ ہو پول ہوا۔ اتنا تاقل نہ درختا

کہہ اظہار جاتا ہوں خدا ہائے شیخ نمودار دہاں ہوں یا نہ ہوں یا انہیں فرصت عذاکت ہر یا دہر یکنی چونکہ دوسرے روز کا  
خیریتین تھا، ہاں ہی مناسب کجا خوش قسمتی سے شیخ تبدیل نہیں تھے اسلئے دفتر میں مل گئے اور جس مقامی سے باہر کم تر کھٹکا  
باہر کسی طاقی کی آدھے نیے تیار نہ ہونے کے مد پیش آئے، اس کا ایک گونا نقش میرے دل پہ ہے۔

مجھے ان کے کاہد باری دفتر کا پتہ معلوم تھا جہاں وہ ماسٹر کا کام کرتے ہیں۔ شکر کے کامیاب ماسٹروں میں ای کا شمار ہے اور  
کے وقت کا بیشتر حصہ اسی کام میں صرف ہوتا ہے۔ میں جب گیا تو وہ ابھی دفتر میں تفریق نہیں لائے تھے۔ ان کے آدھے نے مجھے دیا  
بٹھایا اور کہا کہ ابھی آتے ہیں تھوڑی دیر میں وہ تشریف لے آئے اور میرا کارڈ دیکھتے ہی مجھے بلایا۔ خوش ہو کر تپاک کے ساتھ ملے گھرنا  
کی کہیں نے انہیں پہلے سے مطلع کیا کہ نہیں کیا۔ میں نے ان سے کہا کہ میرا آگاہی ہو گیا اور میں بت تھوڑے وقت کے لیے آیا ہوں۔  
اُسے اُس نے یہی صوبہ دیکھا ہائے جس کا وہ تھا۔ اس پر وہ بہت خوش آئے اور کہنے لگے کہ میں اس وقت بھی غیر متقدم کتا ہوں  
اور پھر آپ آئیں گے تو پھر کون گا۔ اور میری خوشی یہ ہے کہ آپ کم از کم دو تین دن کے لیے آئیں اور کوئی دلی تعلیل کا در بیان ہر تو  
آپ کو جو یہ میں نے چوں جہاں میرا گھر ہے اور جہاں اب اور پول کا دفتر سلاطی حد سے یہ قلم خانہ بھی بفرق صورت منتقل کر دیا گیا۔  
میں خود اکثر دہاں چلا جاتا ہوں۔ وہ جگہ اعتبار صحت بخش آب و ہوا کے اس کا رفاؤں سے بھرے ہوئے اور دھڑکیں سے گھرے اور  
پر تزیین رکھتی ہے۔

میں نے بھی جڑ بہہ دیکھنے کا شوق ظاہر کیا اور کہا کہ میں کوشش کروں گا کہ پھر آؤں اور دہاں کی سیر کروں بیکی آج یہاں وہ  
سے آیا تھا۔ ایک آپ کی طاقات، اس کا حاصل ہو گئی۔ دوسرے آپ کے اسلامی عشق کے کام کا جو حصہ یہاں نظر آ سکتا ہے اسے یا آپ  
صیت میں دیکھنا یا آپ کے کسی ممبر کے ساتھ جا کر دیکھنا۔ انہوں نے کہا کہ جو کچہ یہاں موجود ہے وہ میں خود ساتھ چل کر آپ کو دکھلاؤں  
اب یہاں صرف ہمارے مسلم انٹیلیٹ کی حارت ہے۔ اس میں ایک بڑا گروہ ہے جو گجروں کے لیے مال کا کام دیتا ہے اور جمعہ کے  
مسجد کا کام۔ اگر آپ جمعہ کے دن تشریف لائیں تو پچاس ساتھ نازیوں کی جماعت آپ کو ملے گی۔ ہمارے جیشوں پر فوسلوں کا  
کئی سوئگ پہنچ چکی ہے مگر ان میں سے بعض رت ہو گئے۔ جن کہیں دوسرے گھروں میں چلے گئے۔ اب بھی کوئی تین سو کے قریب انگو  
ور پہلی اساس کے گرد و نواح میں بیٹے ہیں جو ہماری جماعت میں شامل ہیں۔ ان میں سے جو جمعہ کے دن شہر میں ہوتے ہیں وہ غار بھری  
ہو جاتے ہیں جو کچھ کاوی قرار کا ہے۔ اس دن زیادہ جمع ہوتا ہے انہی گروں کے سننے کے لیے عیسائی بھی آتے ہیں اور بار بار یہ ہوتا ہے  
وہ گروں سے متاثر ہو کر زندہ نہ مائی۔ اسلام ہو گئے ہیں۔

میں نے سوال کیا کہ یہ تو فرمائیے کہ آپ جب اشاعت اسلام کہتے ہیں یا فرائض اسلام ادا کرتے ہیں تو اب بھی لوگ  
اینٹ پتھر پھینکتے ہیں یا نہیں جیسے پچھلے دنوں میں کیا کرتے تھے۔

جواب دیا کہ اب وہ ذہن نہیں۔ لیکن چرچا ابھی ایسا ہو جاتا ہے۔ لوگ کا تعصب ابھی دور نہیں ہوا۔ مگر ابلاہم  
جرم ہوتا تھا اور جراتیں جس دی جاتی تھیں۔ ان سے نسبتاً کم ہے۔ میں بھی حق الراجح اختیار حکام میں ہوں اور انہیں خواہ مخواہ  
کا مرتع نہیں دیتا (اپنی انگریزی ٹی کی طرف اشارہ کر کے) دیکھتے ہیں مگر انہیں ٹی اور دھتکا جوں اور ذرا ان کا گھروں انگریزوں میں  
م

جاتا ہوں جو شہر کے کچرہ بازار میں پھرتے ہیں اور جن سے کوئی تعرض نہیں کرتا۔ کون جانتا ہے کہ یہ کوٹلم جارا ہے اور بہت سے کوٹلم جانتے  
واسے دیے بھی ہوں گے جو یہ نہیں جانتے کہ یہ عبداللہ کوٹلم ہے۔ ابتدا میں لوگوں نے میرے کام میں غل ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ یہ کہہ کر  
کہ اس شخص کے حواس میں غل آگیا ہے جو اپنے آپ کو سلطان بتاتا ہے۔ جب میں نے کوشش اور محنت سے یہ ثابت کر دکھایا کہ سائبر  
کے کام کے لیے میں وہی کوٹلم ہوں جو اسلام قبول کرنے سے پہلے قاتوکار و بارکی پہلے کی کسی حالت قائم ہوئی۔ اب میں اپنی اسلامی دردی و روت  
جھد کے دی پختا ہوں اور باقی دنوں میں مش اور دوگوں کے رہتا ہوں۔

دور پول جانے سے پہلے میں نے شیخ کی ایک تصویر ترکی طیار کے باس میں دیکھی تھی اور یہی ان کی وقت نماز کی دردی ہے۔ شاید  
اس لیے اور کھلے باس کی وجہ سے ہر گا کہ وہ خد سے غذا اور معلوم ہوتے تھے مگر دیکھنے پر معلوم ہوا کہ آپ کا تھوچہ نا ہے۔ ان کی صورت زیادہ  
تیزی کا پتہ نہیں دیتی کچھ انھوں سے ذانت نکلتی ہے۔ ان کا روزمرہ کا لباس انگریزی مذاق کے اعتبار سے بہت سادہ ہے اور وہ  
باوجود خوشالی کے قریب قریب درویشانہ زندگی بسر کرتے معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی گفتار میں بھی وہ بات نہیں جو ان کی تحریروں میں  
پائی جاتی ہے۔ مگر طلاق زبان معمولی گفتگو میں بھی موجود ہے۔ ان کا تعلق اور لبر اس طلاق کے تلفظ اور لہجے سے مختلف ہے پھر پھر پھر  
دور پول و فیرو میں ایسے افراد کو جس میں حوت باطن پڑھا جاتا ہے، بالعموم کہتے ہیں۔ مثلاً کہ (پیارے) کوہ کہ "اور فن (مہنی۔ تماشہ)  
کوہ فن" کہتے ہیں اور ہمارے شیخ کوٹلم بھی اس تلفظ کے حامی ہیں۔

دفر میں کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد شیخ مجھے ایک ہوٹل میں کھانا کھلانے لے گئے۔ کھانے پر مختلف اسلامی مضامین کے متعلق  
باتیں ہوتی رہیں جس سے میں نے یہ اندازہ لگا لیا کہ شیخ کا دل حقیقت میں فوراً اسلام سے منور ہے۔ وہ جو خدمت اسلام کی وقتاً فوقتاً کرتے  
رہتے ہیں، خصوص سے کہتے ہیں۔ اگر ان کو سلطان ترکی کے ہاں سے کچھ امداد ملتی ہے یا وہاں ان کی خدمات کی تمدد کی گئی ہے تو یہ ان کی  
خوش قسمتی اور سلطان کی بیدار مغزی ہے مگر میرے نزدیک یہ امداد یا قدر دانی ان کی مساعی کا باعث نہیں ہے بلکہ ان کی مساعی ان کے دل  
حمید کا نتیجہ ہیں اور یہی وہ ملے قوی جو میں نے ان لوگوں کو دی جنہوں نے جابجا شیخ کی نسبت مجھ سے استفسار کیا۔ یہ بھی بیان کیا کہ شیخ  
عبداللہ کوٹلم کے بچے سلطان ہونے کی ایک اور شہادت بھی مجھے ملی ہے جو قابل ذکر ہے۔ وہ یہ کہ مجھے لندن میں ان کے چھوٹے صاحبزادے  
مسٹر طلال کوٹلم سے ملنے کا اتفاق ہوا جو باپ کے پٹنے کی سند حاصل کرنے کے لیے لندن میں پڑھتے ہیں۔ اول تو اس نام سے ہی میرا اسلام  
کی محبت نکلتی ہے۔ دوسرے ان کی تقریر جو اسلام کے متعلق سنی توحی غرض ہو گیا اور معلوم ہوا کہ باپ نے خاص توجہ سے بیٹے کو اپنے  
مذہب سے آگاہ کیا ہے اور یہ بات میرے مخصوص کے ممکن نہیں۔

کھانے سے فارغ ہو کر ہم پہلے مسلمانان مہول کی قبر دیکھنے گئے۔ کوئی پچیس تیس قبریں ہوں گی جو وہاں کے عیسائی قبرستان کے  
ایک گوشے میں بنی ہوئی ہیں اور غیر قبر سے الگ نظر آ رہی ہیں کیونکہ قبلہ کے لحاظ کی وجہ سے ذرا آڑی بنی ہیں اور دوسری قبروں کی سیہ می  
نہیں۔ شیخ نے سنا یا کہ وہاں مسلمانوں کو دفن کرنے کے متعلق بہت جد جد کا سامنا ہوا تھا اور بہت جھگڑے کے بعد وہ زمین جس میں  
انھیں دفنانے کے ان آدمی مسلمانوں کی قبریں بنی ہیں مسلمانوں نے بولی تھی۔ یہ یاد رکھنا ہے کہ شیخ کی آنکھیں پُر آب ہو گئیں۔ یہ کہہ کر ان سونے  
مالوں میں سے بہت سہانے کے رفیق مدرس تھے جنہوں نے ابتدائی تکالیف کے مقابلہ میں ان کا ساتھ دیا تھا۔ آخر ہم نے فائز

کے لیے اٹھائے گئے کہ ان ہمارے امداد پر دست فرماتے۔

قبرستان سے ہم انٹی ٹریٹ کی طرف آئے۔ تقریبی حالت ہے جو موجودہ ضروریات کے لیے کافی ہے۔ اس حالت کا ایک صدر مندرجہ ذیل ہے۔ داخل ہوتے ہی دفتر کا کمرہ ہے۔ اس کے آگے ال کابل کو۔ ڈال میں کوئی تصویریں یا دیگر آرائش نہیں۔ صرف ایک چھترہ خیر کے لیے بنا ہے اور نیچے کرسیاں رکھی ہیں۔ غازی کے وقت کرسیاں اٹھادی جاتی ہیں۔ چھترہ کے ساتھ کی دیوار پر جی عودت میں امیر عبدالرحمن خاں مرحوم کے گراں باعلیہ کا ذکر ہے جو پرنس خیر اللہ خاں کے لڑکے اور پیل کی اسلامی جماعت کو دیا گیا تھا۔ اُس پر کے کمرے کا وقت خالی چسے ہیں یا ان میں نہیں کرسیاں وغیرہ رکھی ہیں۔ چلے واپس مدرسہ کی چاقیتیں ہیں۔ ادایک کوہ امام مسجد کو کھاتا تھا جو وہیں رہتا تھا۔ کچھ مدرسہ تک جیل انگریزی دان ہندوستانی مسلمان اس خدمت پر مامور رہے مگر آج کل کوئی آدمی اس منصب کے لیے مقرر نہیں۔ انٹی ٹریٹ دیکھنے کے بعد میں شیش سے وضعت ہونے کو تھا مگر ان کی عورت نے اجازت نہ دی۔ اُنھوں نے کہا کہ چاندنٹ امداد کی نسبت میں گراؤ سکتا ہوں۔ یہ کہہ کر میرے ساتھ دیل تک پہنچائے آئے۔ راستہ میں وہ پیل کا بڑا بازار اور ٹائون ڈال میں اُنھوں نے مجھے دکھایا اور اس کے بعد پھر وہ پیل آئے امداد کے ہمراہ ان کے مکان پر پہنچنے کی تاکید کر کے وضعت ہوئے۔

(مرتب : محمد عبداللہ قریشی)



# ظفر علی خاں

ولادت : ۱۲۹۰ھ (۱۸۷۰ء)

وفات : ۲۷ نومبر ۱۹۵۶ء

خاکِ درِ رسول کے ذروں سے جا کے پوچھ لو  
گر ہر سراجِ دھندِ ناتم کو کسے مکان کا  
ہے عربی حسبِ مرا اور عجی نسبِ مرا  
اس سے زیادہ فخر کیا ہو میرے خاندان کا

## طالب علمی کا زمانہ

میں جی دونوں پٹیار میں نویں جماعت میں پڑھتا تھا تو ایک زمینی مزاج اُستاد سکھ لال نامی مجھے پڑھایا کرتے تھے۔ یہ استاد صاحب اپنی تھے امد باری باری رکھوں سے انیم کی چکی بنا کرتے تھے۔ ہر دو گھنٹہ اپنی باری آسنے پر دو آنے کی فیم لادیتا تھا۔ ایک دی سکھ لال صاحب انیم کی چکی لے کر عجیب ترنگ میں آئے۔ فرماتے تھے : دیکھو رکھو! میں ایک مصرع بولتا ہوں جو رکھو دوسرا مصرع کہہ کر شرفدار کر دے گا۔ اسے ایک چکی معاف ہوگی۔

مصرع یہ تھا۔

دواہ رے بنے نظیر سکھ لال کیا زباں میں تری طاقت ہے  
رکھے خاموش تھے، اچانک میرے منہ سے نکلا ہے

ایڑیاں بھی میں تیری لمبی ٹنگڑیوں میں بھی تیری طاقت ہے

تو تو ہوتا کہیں کا چیرا سی یاں پڑھنا تیری طاقت ہے

کہہ دے دے آتھوں سے گونج اٹھا۔ سکھ لال زندہ دل آدمی تھا۔ اس کے مصرع کے جواب میں دو مصرعے حاضر تھے۔

خوش ہما امد بولا :

ظفر علی کسی روز بٹاشا بنے گا۔ بس دو چکیاں معاف :



میں نے پہلی ہی گفتگو میں تعلیم پائی۔ پانچویں صدی میں جماعت علی گڑھ میں پاس کی، آخر میں جنرل آئی اے میں پاس کیا۔  
میرے والد سراج الدین خاں کشمیر کے محکمہ ڈاک میں ایک اچھے عہدے پر کام کرتے تھے۔ بعد میں وعیاست کے پوسٹل جنرل بھی رہے ہیں۔

محکمہ ڈاک کا دفتر ہے۔ ایک ایس ڈاک خانہ کے باہر ایک بچی پر میٹھا تھا کہ ایک انگریز کیپٹن محمڈ سے پرسرارہاں آیا، ان کے سامنے وہ محمڈ سے پستے اڑا اور بچہ کہنے لگا،  
”نہ چھو کر! اس کا لگام پکڑو۔ ہم اچھی آتا ہے۔“

میں نے تھک کر جواب دیا،

”میں تمہارا بال گیر نہیں جو لگام پکڑ کر کھڑا ہوں۔“

کیپٹن بہت کال پیلا پڑا اور اس نے ریاست کے انگریز ریڈیوٹ سے شکایت کی کہ ڈاک خانہ میں نظر علی نامی لڑکے نے میری توہین کی ہے۔ محمڈ کو والد صاحب نے کہہ کر حاضر رخصت کر دیا۔

ڈاکٹر ضیاء الدین مرحوم میرے ہم جماعت تھے۔ مولانا شوکت علی جی سے ایک جماعت آئے تھے اور مولانا محمد علی ایک جماعت پیچھے۔

میری شادی بارہ برس کی عمر میں ہوئی تھی۔ جب میری گھر میں آئی تو میں ایک مدت تک یہی سمجھتا رہا کہ یہ کوئی عیال کی لڑکی ہے۔ کم عمری میں والد صاحب کے ساتھ کشمیر کے دورے پر جایا کرتا تھا تو ناز کے وقت ہر تھوڑے اس سے وضو کر دیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ رات باہر میں ایک مہمان کے رٹکے نے ایک صندوق میں چھپا لگا دی۔ وہ کالا رٹ سونا چاہتا تھا اور اس کو والدین نے ہوا کہ نہیں دیتے تھے۔ میں نے آؤ کھا نہ آؤ اسے بھانپنے کے لیے گھوٹیں میں گڑ پڑا۔ لوگ جمع ہوئے اور ایک رتہ نکال دیا گیا۔ پسے لے لے کر پھینچنے لگے۔ ابھی میں نصف گڑ پچائی پر آیا ہی تھا کہ رتہ ٹوٹ گیا اور میں دھڑام سے نیچے گر گیا اور سخت چوٹیں آئیں۔ پھرتے سے رتہ ڈال کر ہم دونوں کو نکالا گیا۔

پچھن میں مجھے کبڈی اور کرکٹ کا بہت شوق تھا لیکن یہ شوق بچپن کے ساتھ ہی ختم ہو گیا۔

ایک دفعہ ہم دو چار جماعتی علی گڑھ سے آگے جا رہے تھے کہ ہمارے ٹیپے میں ایک مادو لڑی سیٹھ سوار ہو گیا۔ رات کا وقت تھا۔ اوپر کی سیٹ پر چڑھ کر سوار ہوئے لیکن وہ تھیں وحشت مآلود جی میں آیا کہ جگادیں۔ دیکھا کہ ایک ٹوکر میں جس میں لٹو ہیں اس کی برتھ کے نیچے کی حرکت رکھ رہی ہے۔ نیچے کے برتھ پر میرا بستر تھا۔ شوکت علی لڑکی سے ہاتھ بڑھا کر لٹو نکالنے شروع کئے۔ خراج غلام شفیقین اور میر حسن خاں علی دباؤ بی ہم جا رہے تھے۔ آپن واحد میں ٹوکر کی چٹ کر دی اور سونگے۔ دن چڑھے آگے آگیا۔ سیرٹھ صاحب ابھی تک برتھ پر دوا کرتے تھے۔ ہم نے جلدی جلدی سامی لیٹا اور لمبے لمبے ڈنگ بھرنے ہوئے باہر نکل گئے۔ کئی دفعہ پیچھے مڑ کر دیکھا کہ سیٹھ صاحب تو نہیں کر رہا۔ لیکن خیریت گھنڈی۔ اب شوکت علی لٹے ہیں تو اس واقعہ کا یاد دلاتے اور کہتے ہیں

کہ بھائی عمر علی خاں لڈو کھلاؤ گے ؟

### مصائب کا ہجوم

آج سال کا پہلا دن ہے اور ہر شخص اپنے اپنے مقدر اور اپنے اپنے نصیب کے لحاظ سے منسلک ہے۔ آج کا دن ان کے لیے روزِ عید ہے۔ پچھلے سال جس کی زندگی کا دورِ کلِ شام کو ختم ہو گیا، جو لوگ منہم روزگار سے فارغ رہے، آج کا دن ان کے لیے روزِ عید ہے کہ نہیں۔ وہ صبح سویرے نئی آٹکوں اور نئے دونوں کے ساتھ بسترِ خواب سے اُٹھے اور امیدوں کا ایک لہلہانا ہوا سرخوار منہ نگاہ تک اپنے منہ سے پھیلا ہوا پا کر نئے سال کی منزل کو راحت و اطمینان سے طے کرنے کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ لیکن ایک طبقہ ایسے برگشتہ بخت لوگوں کا بھی ہے جن کے لیے ملکِ ازل نے منسلک کی لوح پر بجز مصائب و فوائب کی توغوفی اور انکار و اقوم کی گونا گونی کے اند کوئی نصیب نہ کھینچا تھا جن کے واسطے اگر ایک طرف فکرِ معاش سو جانِ روح ہو رہی تھی تو دوسری طرف اعزاء و اقربا کی دائمی مفارقت و داغِ بگر بن رہی تھی۔ غرض جن کے مال، جان، عزت، آبرو سبھی پر پے بہ پے آفتیں آتی رہیں۔

جام سے و خون دل ہر ایک بہ کے دادند  
در دایرہ قسمت اوضاع چنین باشد

### حیدر آباد سے اخراج

ہمارا شمار طبقہ ثانی الذکر کے لوگوں میں ہے۔ پریشانی و مصیبت اور علمِ دالم کا کوئی ایسا پتھر نہ تھا جس سے منسلک کے غلام نے ہیں زخمی نہ کیا ہو۔ ۹ اکتوبر ۱۹۱۷ء کو ہماری قسمت نے دفعۃً چٹا کھایا جیسی طغیت ایزدی قبابِ سلطانی کی شکل میں ظاہر ہوئی اور ہم اپنے آقا کے دلِ نعمتِ حمزہ آصف جاہ سادس خلد اللہ ملکہ و افاض علی العالمین برہ و اسناد کے فرمانِ واجب الامعان کو ورثۃً نقد پر گھم کو دل میں بہت سے ارمان اور حسرتیں لئے ہوئے اس مزد میں سے رخصت ہوئے جسے تیرہ سال سے ہم نے اپنا وطنِ ثانی سمجھ رکھا تھا۔ جس کے دمدیوار سے ہمیں ہونے ہو وقتِ آتی تھی اور جس کی اُفت کا سودا اس وقت تک سر میں ایسا سمایا ہوا ہے کہ رتے دم تک نہ نکلے گا۔ حیدر آباد کوں کو خیر باد کہتے وقت جو کیفیت ہمارے قلب پر جاری ہوئی۔ اس کا اندازہ ناخن اس قوت رکھتا ہے جب وہ گوشت سے مٹا ہو رہا ہو۔ تیرہ سال کا بننا یا گھر آن کی آن میں اُجڑ گیا۔ ویرینہ محبتوں کی مدِ شمع جسے ایک ٹکڑا ہوا فروغ مانے روشن کیا تھا۔ بابر حوادث کے ایک جھونکے سے بجھ گئی۔

جیت و چشمِ زدن محبت یارِ آخر مُشد  
رفیع گلِ میر نہ دیدیم و ہمارِ آخر مُشد

لیکن ہم صی ان تنکو ہوا شیشاد ہو خیر لکھو کے ارشادِ پاک کس افتاد کو کلی بجھ کر جو ہم پر پڑی تھی او  
بداندیشوں کے معاصم کو جس کی معاذانہ دماغازیوں سے ہم اس حال کو پہنچے تھے، ان کے مقتضائے طبیعت پر معمول کر کے

اس توشیح کے ساتھ جو ہمارے خیر کی ہے لکھی ہے ہمارے ہر اہل قضاہ پر کرم فرما کہ جس آگے جہاں سے چلے وہ جہاں سے اپنی عورت کے لیے لذت کا اگر ایک میدانہ زندہ کھا ہے تو ہزار دہانے کھول رکھے ہیں، اگرچہ ہماری مدد کی تکمیل تک نہیں ہمارے آگے وہی نعمت ہے جس کی نقل الہی کی یہ سب سے بڑی دلیل ہے کہ اپنے غلاموں کو، خواہ ان کی خطا کتنی ہی بڑی کیوں دہر، فائدہ کش کی سزا کبھی نہیں دیتے، ہم کو بھی اپنے فیضان عام سے محروم نہ کرنا اور ہر گھر کے لیے ہمارا مقبول و خیر مقرر کرنا باقی رہی ہماری گنجائی یا بے گنجائی، سراسر کاغذ ایک دیکھ دوں لذت خود کرے گا۔ اس لیے کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ عملی احسن میر محبوب علی خان سندھ لکھم کے خیر میر سے کوئی بات زیادہ تکتی ہے پر شیدہ نہیں رہ سکتی ہے۔

داد خواہے سا کر می خواہد سلطان داد خود

انتظار با امداد یاری باید کشید

حیدر آباد کسی کو الوداع کہنے امداد گناؤں زیر باریوں کے بدداشت کرنے کے بعد جنہوں نے ہمارا اور انکال دیا ہم یہ سمجھتے تھے کہ ہماری پریشانیوں اور مصیبتوں کا دوزخ ہم ہو گیا ہمارا جو اب ہیں اپنی کتاب زندگی کا ایک نیا دوق الشکر ایک ایسی سرزمین میں جو باوجود نیکو دہرے کے پھر بھی ایک طرح بیگانہ مٹی، دنیا میں عزت و آبرو کے ساتھ زندہ رہنے کے لیے از سر نو جو دھندلکی پڑے گی۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد ہم اطمینان قلب اور جمعیت خاطر کے ساتھ ان مشاغل میں مصروف ہو گئے جس سے ہماری طبیعت کو مناسبیت تھی۔ بزرگواروں نے ہمارے آنے پر جس حوصلہ افزا طریقے سے اپنی حمایت کا اظہار کیا، وہ ہماری امیدوں سے بہت بڑھ کر تھا اور قوی خدمت گزاری کے جس میدان کو ہم نے اپنے سامنے پھیلا ہوا پایا اس کی وسعت ہماری کوششوں اور قابلیتوں کی حدود سے بہت زیادہ تجاوز تھی۔ اسی لیے ہم نے ظہور میں طرح اقامت ڈالی اور بہت سے عملی منصوبے ذہن میں قائم کرنے شروع کئے۔ پنجاب کے ایک کالج نے پرنسپل کی خدمت میں دینی چاہی۔ دوسرے ریاستہ دار اور کثیر الاشاعت اخبارات کے مالکوں نے اپنے اخبارات کا اہتمام ایک گراں قدر شاہو پر ہمارے نام تفویض کرنا چاہا۔ ریاست اندور میں ایک معزز خدمت ہمارے لیے تجویز ہوئی مگر ہم نے یہ صوبہ کر کے شخص ایک دفعہ آصف جاہ سادس کی ملکیت میں منسلک ہو چکا ہوا اسے صوبہ خلیفہ خدای کی خدمت گزاری زیب دے سکتی ہے۔ ان تمام حمایت آمیز دعوؤں کو شکرتہ کے ساتھ مدد کر دیا اور اپنے منصوبوں کو بروئے کار لانے کی کوششیں میں لگ گئے۔ لیکن ہمیں یہ معلوم نہ تھا کہ ہماری مصیبتوں کا پایہ ابھی بڑھ رہا تھا کہ ہمیں اور ہم د جانتے تھے کہ امتیاز الہی ابھی ختم نہیں ہوا ہے۔

فریدی ماگر دشش آیام نہ دارد

دعنے کہ یہ شد سحر دشام نہ دارد

## والد کا انتقال

ہر دہرہ ہر روز کا صبح ہمارے لیے صبح قیامت ہی کے طلوع ہوئی۔ میں قبلہ و کعبہ جناب مولوی سراج الدین صاحب

کامیاب ہمارے سر سے ہمیشہ کے لیے اٹھ گیا۔ مال کا نقصان ہماری جیبوں کی طاقت برداشت سے بڑھ کر ہر چکا تھا۔ آبرو پر بھی اس حد تک جو غصہ لگے ذلت تھی، جوت اچکا تھا۔ اب لے دے کر ایک جانب حزیں باقی رہ گئی تھی، اس کے خوس پر بھی نقصان کی بجلی گر کر رہی اور شخص جس کا دم و دم کے ایک بہت بڑے طبقہ کے لیے آریہ لطف و رحمت اور ملک کے ایک بہت بڑے حصہ کے لیے دلیل غیرو برکت جو سنے کے علاوہ ہماری آوازوں اور فارغ البالیوں کا کفیل اعظم تھا، مٹی میں جا ملا۔

من میمان و چسدرخ سید کامہ میندان

دردی عور بلا کم و غما بہ نوشش یاسس

جن خاندانی اور قومی و مردادیوں کا بوجھ یک بہ یک اس جان نر سارا سار نے جس کے لیے ہم تیار تھے، ہمارے کندھوں پر لڑا لہے، وہ گراں وزنی میں اس بار امانت سے کسی طرح کم نہیں جس کی تاب ارض و سما جی نہ لاسکے تھے۔ خدا ہی ہے جو ہم اس کے حق برداشت سے پوری طرح عمدہ برآبرو کیس :

### زمیندار کی نشاۃ الثانیہ

جاری خاندانی و مردادیوں سے تو غیر بیرونی دنیا کو چندان پس نہ ہو سکتی ہے اور نہ ہونی چاہیے لیکن جو قومی و مرداد باں ہونا نے ذکر کے طہ پر ہمارے لیے چھوڑی ہیں۔ ان میں اخبار زمیندار کا جاری رکھنا اہمیت کے بہت سے پہلوئے ہوئے ہے۔ اس لیے اس اخبار کی بقا کے ساتھ اس تحریک کی نشرو نواں بستہ ہے جو مرحوم کی ہفت سالہ شانہ روزہ کوششوں نے قوم کے سب سے زیادہ زبردست گمراہی سب سے زیادہ بے زبان اور کس پر س طبقہ کے دلوں میں پیدا کر دی تھی۔ جان آفریں کو جاں سوچنے سے پہلے مرحوم نے اپنے چند باقی ماندہ انھاس اگر کسی خواہش کی ذرہ کئے تو وہ خواہش یہ تھی کہ جس پر وہ کڑا ہوں نے اپنے خون جگر سے سینا تھا نہ بگا نہ پاسے۔ جی زمیندار اسی کے بعد ہی اپنے قومی اور وطنی فرائض کی بکا آوری میں مشغول رہے۔ اس آخری وقت میں جب کہ ہمیں مرحوم کی خطائی کی وہ مسلمات جیسر ہوئی جو زور بازو سے کہیں حاصل نہیں ہو سکتی اور جس کے لیے ہم خدا سے بخشہ دل و توفیق و تائید کے میں اسکا ہی مرحوم نے اگرچہ یہ جی فرمایا کہ اگر خود زمیندار کی ایڈیٹری نہ کر سکو تو کسی دوسرے شخص کے سپرد اس کام کو کر دینا جس کے دل میں قوم کا درد موجود ہو اور جو زمینداروں کی خدمت گزاری کو اپنا نصب العین بنائے ہوئے ہو۔ لیکن ان کی حسرت زدہ نگاہ ان کے دل کی ترجمانی اس طرح کر رہی تھی کہ وہ

باخاں چوں من زیں جا گزدم حرامت باد

گر بجائے من سروے غیر دوست بشانی

اسی لیے ہم آج سے زمیندار کا اتہام اپنے ذمے لیتے ہیں اور اگرچہ ششہ ششہ لگتی جیسے زور تباہیوں کا لالہ بادل گیا۔ ایک ہمارے سر پر چھایا ہوا ہے کہیں اس گٹھا ٹوپ میں لا تعظوا من رحمۃ اللہ کی دل افزو شامیں میں رہ رہ کر اپنی جھلک دکھا رہی ہیں۔ جناب باری کے اس رحمت آفریں اور شاہ کے علاوہ ان بے شمار احباب اور معادین وہی خواہ ان زمیندار کی غم گسار نہ



نیکو زیندار جاری کرنے سے جو اصولی مقصد مرحوم کے پیش نظر تھا وہ بڑی حد تک پورا ہو گیا اور وہ یہ صحت اپنے ساتھ نہیں لے گئے تھے۔ ان کی کوششیں باوجود نہیں ہوئیں۔ زینداروں میں ان کی خدمت گزاری کے لیے مرحوم نے اپنی فکر آخری حد تک وقف کر رکھا تھا۔ بانٹے ٹھک کے دوسرے طبقوں کی طرح بیداری کے آثار پیدا ہو چکے ہیں اور وہ محسوس کرنے لگے ہیں کہ ملک کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ ہونے کے اعتبار سے انھیں بھی بعض حقوق حاصل ہیں جو انھیں ملنے چاہئیں اور جن کے مطالبہ کے لیے انھیں ایک شخص اور عادل گورنمنٹ کے دعوئے پر دستک دینی چاہیے۔ یہ احساس ایک بہت بڑی حد تک مرحوم ہی کا پیدا کیا ہوا ہے۔

گزشتہ شام و سحر شکر کے صنایع خلعت

نظرہ باران اوگو ہر یکب دانہ شد

اگر مرحوم کی قومی خدمات اس قابل ہیں کہ ان کے علاوہ سے مرحوم کی یادگار قائم کی جائے۔ اگر اس یادگار کی بہترین شکل نہ صرف مرحوم کی روح کے لیے سرمایہ اطمینان کا جادوئی ہم ہونے بلکہ ایک بہت بڑی قومی ضرورت پورا کرنے کے خیال سے یہ ہو سکتی ہے کہ اخبار زیندا کو قائم اور جاری رکھا جائے تو کیا ہم ان حضرات سے جنھیں اس تجویز سے اتفاق ہو (اور ہم جانتے ہیں کہ ایسے اصحاب کی تعداد بہت بڑی ہے) یہ توقع رکھ سکتے ہیں کہ وہ ہمیں اس پاک یادگار کے قائم کرنے اور اسے برقرار رکھنے میں مدد دیں گے۔ یہ توقع صرف اسی صورت میں پوری ہو سکتی ہے جبکہ صحافی کرام اس اخبار کو اپنی ذاتی ملکیت سمجھیں اور ہمیں اپنا ایک ادنیٰ خادم تصور نہ فرما کر جس کے سپرد من اس کا انتظام کیا گیا ہے اس کی بقا اور ترقی کے لیے اسی طرح سعی ہوں گے کہ گویا وہ خود انھیں کا اخبار ہے۔

عزائم

ہم اپنی طرف سے کوشش کریں گے کہ ان تمام کوششوں کو جو اس کے اجرا کے عمل آویں تھیں۔ زیندار کو اس شان کے ساتھ چلائیں کہ وہ ہر مذاق کے نظریے کے لیے موجب افادہ و تفریح ہونے کے علاوہ اپنے آپ کو گورنمنٹ کا ایک وفادار اور مفصل مشیر اور رعایا کی خواہشوں اور آرزوؤں کا ایک صحیح ترجمان اور ملک و ملت کے حقوق کی حمایت و حفاظت کا ایک مضبوط ذریعہ ثابت کرے۔ ہماری یہ کوشش ہو گی کہ اس اخبار کی حیثیت منس ایک معامی اخبار کی نہ ہو بلکہ یہ ہندوستان کا ایک ہر گیر اخبار ہو جس میں صوبہ پنجاب کے اغراض و مقاصد کی حفاظت کا خصوصییت کے ساتھ علاوہ رکھنے کے علاوہ جو ایک تمدنی بات ہے۔ ہندوستان کے دوسرے حصوں کی ضروریات سے بھی بحث ہو۔ ہندوستان کی مختلف قوموں اور فرقوں کے مابین اتحاد قائم رکھنے کا اصول ہمیشہ ہمارا نصب العین ہو گا۔ ہمارے کالم ہر قسم کے تمدنی معارف و معانی، اخلاقی و علمی مضامین نظم و نثر کے لیے لکھے رہیں گے۔ ہم ملک کے مشاہیر اہل علم کے رشحات ادب سے اس اخبار کے صفحات کو سیراب کرنے میں ہر وہ کوشش جو ممکن ہوگی، عمل میں لائیں گے اور طول و عرض ملک میں یا تو خود دوہار کے یا کسی ایسے شخص کو اس خدمت پر مامور کر کے جس کی قابلیت اور اہلیت پر ہمیں پورا جہ و سربو۔ نہ صرف ہر حصہ کے حالات میں شخص سے کام لیں گے اور زیندار کے مصلحتاً اشوک وسیع کرنے میں سامعی ہوں گے بلکہ نظم و انضباط و انشا پردازوں اور کلمہ سنجوں کی خدمت میں استغاثا و اعتماد حاضر ہوں گے۔ اخبار کا زیور پابندی وقت ہے۔ غلے جاتا تو زیندار ٹھیک وقت پر ناظرین کی خدمت میں حاضر ہوا کرے گا اور اگر وہ مضبوطی پورے ہو گئے ہوں گے

اس کی ترقی کے حصول کے لیے میں تمام کر سکے ہیں تو جب نہیں کہ بہت جلد و انتہاء پہنچنے میں چاروں طرف کی بجائے آٹھ طرف کی سہولت کے ساتھ  
 شرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اگر نہ تھا کھٹل شامل حال رہا اور ہماری اور ہمارے ناظرین کی سہولت کے پیش میں ہماری ایسی توجہ  
 دے رہے ہیں کہ ہم اور وہ مل کر قافلوں کے پیشگوئیں ترانے گاتے ہوئے نئے جائیں گے۔

بیاتاقی برافشا نیم دے در ساغوا اندازیم  
 خلک راستف بشگ نیم و طرح نور اندازیم  
 اگر غم شکر انگیزد کہ خوب عاشقان ضد  
 من و ساقی ہم سازیم و بنیادش بر اندازیم

(نیزندار جلدہ نبراکیم جلدی سلسلہ)

## سلطان ترکی کی خدمت میں باریابی

عمر کی رقم اور کھانے کے لیے محتاج ہندوستانی مجلس نوآبادی کے ممبرین کے صدر نشین ڈاکٹر احمد پاشا، جو شاہی طبیب  
 بھی ہیں مقرر تھے۔ ٹیک تین بجے ہم ڈاکٹر احمد پاشا کے ساتھ جلدی کوٹنگ میں پہنچے اور ڈاکٹر پاشا باجی جی (اولیٰ پیر پاشا) خالد نور پور  
 کے کمرے میں کچھ دیر انتظار کرتے رہے۔ یعنی بے سابقہ پاشا باجی جی جو انگریزی نہایت روانی بول سکتے ہیں، اسی دلی ویرپے  
 روٹے تھے اور انھیں ہماری ترجمانی کا اہتمام تھا۔ کوئی نصف ساعت کے انتظار کے بعد ہماری طبی بروٹی اور متعدد شای و دار و دل آویز اراوت  
 کھاتے کرتے ہوئے ہم ڈاکٹر احمد پاشا اور اعلیٰ بے کے ہمراہ ایک دس کمرے کے دروازے پر پہنچے جہاں کی بہترین آرائش اس کی دل بہانہ  
 حال سادگی تھی۔

کمرہ کے وسط میں تیس کروڑ مسلمانانِ عظمیٰ کے غیظ، خادم الحرمین الشریفین، امیر المؤمنین محمد بن خاسم جو اسلام کے آخری پیغمبر  
 امیر ہیں کمرے تھے۔ محمد علی اور سلیمان قانوی کے اس مجلسِ اقدس بائیں کو دیکھتے ہی جو خیالات ہمارے دماغ میں اور جو کیفیات ہمارے  
 دل میں برقی طرح دوڑ گئیں۔ اسی کی شرح کا یہ وقت نہیں۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کے لیے یہ خیالات اور کیفیات شرح سے مستفی ہیں۔ ہم اور  
 ہمارے دونوں ساتھی دو روزہ پرشارِ اسلامی کو بے نظر رکھتے ہوئے، اب بجا ہونے لگے آگے بڑھے۔ اعلیٰ حضرت نے تین قدم کھائے تھے کہ  
 بغیر پیشانی ہمارے سلام کو جواب دیا۔ کمرے میں چار کرسیاں کھینچیں۔ اعلیٰ حضرت کی کرسی کے قریب ایک تہائی پر دو نفر کی کرسی ایک چوہدار  
 کے فاکر کھادی جس میں ہماری باری تھی۔

اعلیٰ بے اگرچہ ترجمانی کے لیے موجود تھے لیکن ایسی حالت میں جبکہ اعلیٰ حضرت زبانی فارسی کہہ اور بول سکتے تھے ہم نے اعلیٰ  
 کی راحت مناسب نہ لگی اور شکر برابر غلامی بولتی رہی۔

امیر المؤمنین کی ذرا فوری خاطر ہو کہ ہمارے ساتھ ڈاکٹر بے ہوئے کو کرسی کا ڈھکنا اپنے دستِ خاص سے کھلے دے تاکہ ہم وہ  
 جیزی بہ آسانی نکال سکیں۔ اعلیٰ حضرت کی ذرا صبر اور فروتنی دیکھ کر بے اختیار ہمارے من سے یہ لفظ نکل گئے کہ مسلمانوں کا امیر یا پیامبر بنا

چاہیے۔ اعلیٰ حضرت نے ہماری نذر قبول کر کے فرمایا،

”ہم اس چیز کو کاغذ پر لکھ کر دیں گے۔“

میں نے عرض کیا کہ جس زبان (اُردو) میں یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ وہ حضور کے ساتھ سات کروڑ دھاکوؤں کی زبان ہے اس لیے یقیناً اس زبان کا حضور پر بہت بڑا حق ہے۔“

کتاب کے بعد زیندارانہ کاغذ پر لکھا گیا کہ اعلیٰ حضرت نے ہماری درخواست پر ازراہ غایت لطف کرممت اجازت بخشی کہ یہ اخبار باقاعدہ طور پر لکھا جائے اور اعلیٰ کے پاس پہنچا رہے۔ یہ ایک ایسا بڑا اثر ہے جس کے لحاظ سے ہم اُردو اخبار نویسی کو عموماً اورد زیندار اورد اس کے بے شمار ناظرین کو خصوصاً مبارک باد پیش کرتے ہیں۔

فقرتی کشتی جس میں ہم نے ملنا اقبال کی بانگ دعا اور روزنامہ زیندار کا خاص نمبر لکھ کر پیش کیا تھا۔ پیرس (فرانس) کی ساخت تھی۔ اگرچہ بادشاہوں کے لائق تو نہ تھی۔ اس لیے کہ اس کی قیمت صرف چھ پاؤنڈ بیسی پندرہ رقم تھی۔ لیکن اعلیٰ حضرت کے خدائی سلیم نے صحن ہماری دلدی کے لیے اسے قبول فرماتے وقت ارشاد کیا کہ ان تعلقات کی کیا ضرورت تھی۔ یہ فرما کر اعلیٰ حضرت گُرسی زندگی پر تشریف فرما ہوئے اور ہم لوگوں کو بیٹھے کا حکم فرمایا۔ ہم نے اعلیٰ حضرت کی اجازت سے حضور انور کے سع مبارک تک مسلمان ہند کا حسب ذیل پیغام پہنچایا:

”جہاں پناہ، سارے سات کروڑ مسلمان ہند کی طرف سے، جنہیں اسلام کی سیرۂ صد روایات نے حضور کے تحت فتح کے ساتھ وابستہ کر رکھا ہے۔ کمرہ حقور کی خدمت بابرکت میں محبت، آمیز ارادت و محبت کی ناپذیر نذر پیش کرنے کی حوت حاصل کر رہے حضور اس الفت، اس محبت، اس ارادت کا اندازہ نہیں فرما سکتے جو مسلمان عالم کو ملتا اور مسلمان ہند کو خصوصاً حضور کی ذات مبارک کے ساتھ ہے، جو حرمین الشریفین کے خادم اور اسلامیوں کی کشتی کے ناخدا ہیں۔ ہندوستان میں ہمارے دو بادشاہ ہیں۔ ایک جارج خاص اور دوسرے محمد خاص۔ جارج خاص ہماری جاکج ملک میں لیکن محمد خاص کا قبضہ ہمارے دونوں پہ ہے اور ہماری دلی تائید ہے کہ دونوں مابعدوں کے تعلقات برادرانہ رہیں تاکہ ہماری جان و جزیں ہمارے دلی ناشاد سے اُبھرنے نہ پڑے۔“

ہماری ان پانچیز گز ارشادات کو اعلیٰ حضرت کمال وقار سے سن رہے اور جب ہماری گزارش ختم ہو چکی تو فرمایا،

”ہم مسلمان ہند کا، جنہیں انوث اسلامی کے رشتے نے ہمارا جانی بنا رکھا ہے، بدل و جان منون ہیں۔ انھوں نے آؤ دقت پر ہمارا لاکھ بایا امد مصیبت کے وقت ہمارے کام آئے۔ ہمارا دل ٹکریا۔ ان کی محبت آمیز ہمدی کے لحاظ سے ان تک پہنچاؤ۔ ہم خدا کو کرم سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اپنی رحمت اور برکتیں ہندوستانی مسلمانوں پر نازل فرمائے۔ آمین ثم آمین۔“

اعلیٰ حضرت نے یہ اٹھوا بیسے وقت آمیز لہجہ میں ارشاد فرمائے کہ ہمارا دل جھڑپا اور آنکھوں سے بے اختیار آنسو ڈھنڈپا آئے۔ ہم نے مدد باز عرض کیا کہ جہاں پناہ، مگر اجازت ملنا فرمائیں تو کمرہ حقور کی طرف سے حضور کے دست اقدس کو بوسہ دینے کا حق حاصل کرے۔



۹۱ حضرت نے فرمایا کہ حق کی مہانت نہیں۔ بہت سبب حضور فرما رہے ہیں کہ اس طرح کو تو غلطی کے ساتھ فرمایا ہے۔ یہ کہ حضرت  
اپنا دست ہانک چکا اور مصافحہ کے پہلی لمحہ ملا ہے جس کی حوت کو دبا دیا۔

آخر میں حضور نے ارشاد کیا کہ میں آپ سے مل کر نہایت خوشی ہوئی لوں آپ کے خیالات سے ہم نہایت متاثر ہوئے۔ یہ کوشش  
فرما کر حضور نے طعنی بے کو فرمایا۔

وہ اہیں سے جا کر تھوڑا دیر

در اصل یہ نصحت کا اشارہ تھا۔ یہ فرما کر اعلیٰ حضرت مل میں تشریف لے گئے۔ اندہ ہم بہت سی دل پذیر و دل آویز یادگاروں کو دل میں جا  
جسے شربت لافورہ غور کی کچھ یادیں کو شک سے نصحت ہوئے۔

## نظر بندی ۱۹۲۰ء

کرم آباد کو سرنائیکل سے بنایا ہے مری علی حوالہ  
اگر اس وقت میں آزاد ہوتا دکھا سکتا نہ شاید یہ کالات  
نہ ہوتی تبھی کی لمحہ کو فرصت کتابوں میں نہ لکھے میرے خیالات  
نہ ہوتا نصحت ہی کا سر میں سودا نہ دل ہی سے نکل سکتی منکبات  
پرو سکتا نہ موتی روز ایسے چمکے جس کی ہیں شرم قمرات  
گزارنا شاید سپنے وقت کو میں دلائی شرم لمحہ کو میری اوقات  
عسی ان تھک ہو شیشیا کی تاویل  
بھاتے یوں نہ قرآن کے اشارات

## مہمان فرنگ (سرجان سینی کے کشتگان ناز)

پیتے ہی جیل میں پکی اسیران فرنگ آئیلے گردش دوران ہے زندان فرنگ  
جود دے ان کو ضمانت قید کا نئے تین سال کیوں نہ ہر تہیت ہی مہمرا جو ایمان فرنگ  
پانوں میں پڑی لمحہ میں تنہی اندہ استوں میں دلخ اُمت مرحوم پر کیا کیا ہیں احباب فرنگ  
آیا کا دستہ محبت مسلفہ جولاں ویل اپنی سلفی پر ہیں نازان نکتہ سہان فرنگ

میں کو گوجی کے فضل شام کو اُبی سُر  
ہم سید بہتوں کو دین میں ملا ہو کر سیاہ  
نرخ گندم نے ہمیں اولاد آدم کر دیا  
چہ چٹانک آئے میں مٹی بھر تو ہو ٹکڑ کی جمل

ہم رہے اس شان سے سوں ہی جہاں فرنگ  
کیونکر رہے روغن کی ندی حقہ خوان فرنگ  
ورنہ کھاتے تھے پینے ہم مثل گاوان فرنگ  
ورنہ کیا یاد آئے گا اندازہ نان فرنگ

## جرنیل نادور خاں کی خدمت میں

پشاور۔ ۲۶۔ فروری ۱۹۲۹ء۔ آج ہمارا وفد نوبکے مسج جرنیل نادور خاں کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جرنیل مدوح تہذبات الحبث کے دیرینہ اثرات نے نقابت ملدی کر رکھی تھی اور خاں عبدالغفار خاں کے جانی پستان خاں نے جو مجلس ہلال امر افغانستان کے قائد منتخب ہوئے ہیں ان کا طبی معائنہ کرنے کے بعد اسے ظاہر کی تھی کہ وہ جہاں تک ہو کم کنگو کریں اور کم سے کم دس پندرہ دن تک زحمت سفر گزار کر نے کا خیال ہی دل میں نہ لائیں لیکن مسئلہ افغانستان کی نزاکت انھیں اس مشورہ پر حرج و مرجت کا بندہ ہونے کی اجازت نہ دے سکتی تھی۔ اس لیے انھوں نے ہمارے وفد کی گزارشات سننے اور اپنا مافی الضمیر سامنے کے لیے بجا ماوگی تمام وقت نکال لیا۔ وفد کے اراد افکار کے ترجمان ہونے کی حیثیت سے میں نے سلسلہ کلام شروع کیا اور مسلمانوں کی خواہشوں اور تمناؤں سے انھیں با تفصیل آگاہ کیا۔ ان گزارشات کا مفاد حسب ذیل تھا:

”ہم آپ کے جہاں پاس گزار ہیں کہ آپ نے باوصف ناما مذہبی طبع ہیں ان تو قعات کی تشریح کی اجازت دی جس سے ہماری طرح نہ صرف سارا صوبہ سرحد بلکہ ہندوستان کی تمام اسلامی آبادی بلکہ سارے ہندوستان کا دل بھر پڑے۔ آپ افغانستان کے ایک مہر و فرزند ہیں اپنے ملک کے مصالح کو ہم سے بہتر جاننے کا دھڑی کر سکتے ہیں اور آپ کی توجہات پر ہمارا حق اس سے زیادہ نہیں کہ آپ ہی اسی برگزیدہ رسول کا کلمہ پڑھتے ہیں جس کا سرمدی ملحقہ ہمارے کانوں میں بھی بڑا ہوا ہے۔ لیکن یہ دورشتہ ہے جس نے ہمارے اور آپ کے درمیان حجاب غیریت اٹھا رکھا ہے اور اس لیے ہماری یہ امید ہے جانے ہوگی کہ آپ اپنے سات کو روڈ دینی بھائیوں کی درد مندانه اور بے غرضانہ اہتماموں سے بے نیاز نہ ہوں گے۔“

افغانستان کی اسلامی سلطنت جس کی حریت کاملہ کا باسلطوت علم آپ نے آج سے دس سال قبل۔ مٹن کی بندیوں پر نصب کیا تھا اس وقت اندرونی فتنہ پرانوں کی جا بلا نہ خیرہ سری اور بیرونی حملوں کی معاندانہ قیاری کی ابھی آویزش و ساز باز سے پارہ پارہ ہو رہی ہے اور اس کے گوشے گوشے میں جنگ کا دھڑکنہ سنا رہا ہے۔ اس کا جو سال شریار۔ آپ کا آٹھائے نامدار امان اللہ خاں غازی کا بل چھوڑ کر تھکا چلا گیا ہے۔ آپ لاہور میں ہیں اور اس کے بعد علی الرئوس الاشداد اعلان کر چکے ہیں کہ جب تک بادشاہ کا زائل شدہ خسرانہ اقتدار کمال نہ کر لیں گے آپ کو چھٹی نہ آئے گندھ لے تدوس اس جذبہ و فدا نوا دی کا آپ کو موزوں صلہ دے۔ لیکن وقت کا سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ آپ کو اپنے جہاد کی مقاصد کی تکمیل کے لیے کونسی راہ عمل اختیار کرنی چاہیے۔ کیا انجارج مرام کی سبیل یہ ہے کہ آپ مت مشرقی میں جا کر اس قوم مذہبہ، فدا کو ذکر، ذکا، اسی زمانہ اور شریار غازی کے لیے میدان کو حریفان امن کے جھوٹے پاک کر دیں یا سیدھے قہار چلے

ہائیں اور خود مدوح کے دست و پاؤں پر کہ شاپ مکت فتن کے خلاف سید پروردگار ہیں۔  
 مسلمانانِ ہند کی خدمت میں دوسرا ملک اقرب الی العراب ہے۔ آپ سے بھر اس تہمت کا شٹا سا اندکون پرکتا  
 کہ لیل سے ڈر تک آج ساما طر طاہرت کی گرفت میں ہے۔ بجز مقہر یا قہے شہبازا کوئی بھی سلوت و سلامیکہ غائضہ نہیں  
 ہے بجز کھنڈہ پتیاں ہیں جو مغربی استعمار کے کار پر تاج رہی ہیں۔ بے شمار ای اندک و دامانی یا دوسرے جہیں قبائل، قزاق  
 کے سب یا تو اس بد بخت گروہ سے متعلق ہیں جو اپنا ایمان چند چاندی کی ٹکلیوں کے عوض بیچ ڈالنے کے غرور میں یا اس بد بخت ترک  
 کے ازاد ہیں جس کے جاہل اور ان ابن الفلوس غلوں کی تجارت کے گراں مالہ تریں تاج ہیں۔ آپ کا اس بے سرو سامانی میں بجز  
 آپ کے پاس دہ پر ہے، دوزخ، سمت مشرقی کا رخ کرنا خصوصاً ایسی مات میں جبکہ آپ کی طرف سے غازی امان اللہ خاں کی حمایت  
 کا اعلان ہو چکا ہے غصہ سے خالی نہیں۔ آپ کا خیال ہے جیسا کہ آپ نے مجھ سے دورانِ سفر ادا فرمایا کہ آپ شوریہ سر سفر کر  
 دعوتِ صلح دی گئی اور اس طور پر ترقی کر فتنہ و تاج سے دست برداری پر مجبور کر کے امان اللہ خاں غازی کے راجت فرمائی کا بل  
 ہم سے لے سازگار فضا پیدا کر دیں گے لیکن یہ سب قیاسات محل نظر ہیں۔ کیا وہ جماعت جو کھر کا فتنی عامل کر کے امان اللہ خاں  
 کو کا فر ادا خالق از اسلام قرار دے چکی ہے۔ آپ کے چند در غفلت سے ماہِ ماست پر اہلے گی؟ اور پھر آپ نے ان بولہبی نظر  
 رکھنے والے اشتیاق کا علاج کیا سہا ہے جن پر پیغمبر خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقت سے لے کر اب تک کوئی نصیحت کارگر نہیں  
 ہو سکی ۹

آخری عرض ایک یہ ہے کہ خدائے مقرب المستولب نے سارے ہندوستان کا دل آپ کی طرف پھیر دیا ہے۔ اس نعمت کا  
 قدر فرمائیے۔ ذالک فضل اللہ بیوتیدہ من یشاء واللقہ ذو الفضل العظیم۔ یہ نعمت آپ کو محض اس لیے  
 حاصل ہوئی ہے کہ آپ نے غازی امان اللہ خاں کی حمایت کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اس نعمت کی قدر فرمائیے اور اسی طرح مقرب القو  
 رہیے۔ ہماری دعا ہے کہ ہندوستان کی رائے عام بدلنے نہ پائے۔ کیونکہ عالم متغیر ہے اور فتنہ کی رائے کو بھی بدلنے دینا نہیں چاہیے۔

### جرنیل نادر خاں کا جواب

جب میں نے سلسلہ گفتگو ختم کیا تو جرنیل نادر خاں نے میری تمام باتوں کو غور سے سننے کے بعد یوں جواب دیا:  
 ”مسلمانانِ ہند نے مسئلہ افغانستان میں جس حقیقی و پس کا اظہار کیا ہے، میں ان کا دل سے شکریہ گزار ہوں اور خود میرے  
 ساتھ جس برادرانہ محبت کا سلوک ان کی طرف سے ہوا ہے اس کے لیے میں بجاں دول کا امت گزار ہوں اور آپ حضرات کو قہر و  
 وقار ہوں کہ میں اپنے رویہ سے خود کو اس اہم و اہل ثابت کردوں جو مجھ پر کیا گیا ہے۔ میری مذلتی رائے میں سمت مشرقی جا کر میں غازی  
 امان اللہ خاں کے زیادہ کام آسکتا ہوں۔ میرا ادناپ کا نصب اس میں ایک ہے۔ آپ بھی امان اللہ خاں کے غرضانہ اعتماد کی بحالی کے  
 متعلق ہیں اور میں بھی اسی ایک مقصد کے لیے جاری سے اٹھ کر فرانس سے سیدھا اپنے وطن جا رہا ہوں۔ فرق صرف حرفی کا رہا ہے یہی  
 مسلمانانِ ہند کی رائے سے سرکاری کرنے کا اصول اپنے میں نہیں پاتا۔ لیکن بھے اتنی اجازت دیجئے کہ میں اپنے ہم قوم جانیوں سے مشورت

کروں۔ شام کے پانچ بجے آپ حضرات انوکھم پیر تشریف لائیں۔ جس نتیجہ پر اس مشورت کے بعد میں پہنچاں گا۔ اس سے آپ کو آگاہ کر دوں گا۔

جوزیل نامہ خاں کا جواب سننے کے بعد دس بجے دن ہم اپنے عالی منزلت مخاطب اور ان کے گرامی قند بھائیوں کا فکریہ ادا کر کے مجلس خلافت کے دفتر کی جانب روانہ ہوئے کیونکہ سرحد کی ساری آبادی کا پھر اس ہتم باشان جلسہ کی شرکت کے لیے ہشاد میں جمع تھا جو شاہی باغ میں تین بجے دن منعقد ہونے والا تھا اور ہمیں اس کا اہتمام کرنا تھا۔

(۲۶ فروری ۱۹۱۹ء کی ڈائری کا ایک ورق)

### ہنگامہ آرا زندگی کا حرفِ آخر

ہمارا تادم منزل مقصود تک پہنچ چکا ہے۔ اس کے بعد تمنائے راہ پیمائی تو ہے مگر قوت راہ پیمائی نہیں کہیں ہم تماشائی تھے اور دُنیا تماشا۔ اب ہم تماشائیں اور دُنیا تماشا ہے۔ جہاں چڑھتے ہوئے سورج کی پوجا ہوتی ہو، وہاں ڈوبتے ہوئے آفتاب کو کون پوچھتا ہے؟ اور ہم تو ڈوبتے ہوئے ستاروں کی طرح دُنیا پر نظر ڈال رہے ہیں۔

مرتب: (محمد عبداللہ قریشی)



راقم نام ملک دہلی خواجہ غلام الحسین دہلوی خواجہ غلام عباس اہی خواجہ غلام علی اہی خواجہ ابوالفضل انصاری کی ولادت دسمبر ۱۸۷۵ء کے قریب بھٹام  
نسیب پانی پت ہوئی۔ اس قبیلے میں کہہ کر سات سو برس سے قوم انصاری کی ایک شاخ جس سے راقم کو تعلق ہے بتا دی جاتی ہے یہ لوگ ایرانی انصاری یعنی حضرت  
ابو القیوب انصاری رضی اللہ عنہ سے صحابی رسول کی اولاد میں ہیں۔ ساتویں صدی ہجری ہلاوت تیرہویں صدی ہجری میں بہت سلسلہ غیاث الدین بھٹی بنی جو پانی  
انصاری کی اولاد میں سے ایک بزرگ خواجہ ملک علی بہار سے ہندوستان آئے جس کا سلسلہ نسب ۲۰ واسطے سے حضرت ابو القیوب انصاری تک اٹھارہ واسطے  
کے نتیجے میں اسلام آباد اور دس واسطے سے ملک محمد شاہ آجری مقبہ آتی خواجہ ملک جو خونی دور میں فارس و کرمانی حراق کج کاروں اور انتہا چمکتے  
پانی پت میں جو ایک محلہ انصار پیل کا اب ملک راجہ دے دہ خواجہ ملک بھٹی کی اولاد سے منسوب ہے میں والد کی عزت سے اسی شاخ انصاری  
قلمی رکھتا ہوں۔ میری والدہ جعفری سادات کے ایک معزز گھر لکھنے کی بلی تھیں جو یہاں سادات شہداد پور کے نام سے مشہور ہیں۔

بارہ سال کی عمر تک پانی پت میں رہا اس عرصے میں قرآن مجید ختم کیا فارسی کی ابتدائی کتابیں اور گفتگو جو تین صدی کا انتخاب چھ ماہ تک لکھا ہوا ہے۔ اس کی کسی تفسیر نہیں ہے۔ سید محمد حسین صاحب مرحوم سے حاصل کی جو فارسی کے اچھے ادیب اور فارسی درسیات میں یرموان رکھتے تھے۔ ملاحظہ  
فہرست کے حوالہ خوں فرم تھے۔ عربی صحت و نحو کی کتابیں ہیثیت الخواص اور تفسیر فارسی کے چند ابتدائی رسائل مولیٰ شیخ احمد علی مرحوم ساکی روضہ  
پرست طبع کے نکلے سے پڑھے جو کہنے کے فارسی تفصیل مندرجہ ذیل کلام کے ماہر تھے۔ اس کے علاوہ تھانی و دیگر ٹول سکول کی جو تہی جماعت کا  
استحقاق پاس کیا۔

مستثنیٰ کے قریب امر تشریح کیا گیا جس میں اپنے پھر پچا حاجی خواجہ ابراہیم حبیبی سے، جو سلطان اسلام آباد میں صاحب قبلہ کے ارشد تھانہ میں سے تھے، اسب عربی کی کچھ ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ مشنریوں نے اقبال اور شرع تہذیب قدامی اور بروی سید احمد کبیر صاحب ساکن موضع جھنڈا، اضلع بجنور سے پاریٹ میں عربی کی تعلیم دی۔ پھر گورنمنٹ الہی سکول سے نئی پندرہ بیٹھنے میں جماعت چہارم کا امتحان دے کر جماعت پنجم میں ترقی حاصل کر لی۔ مرنہ: سعد نے مشنریوں میں تعلیم اور عربی شرع و فہائی شرع کرانی تعلیم مگر چند ہی سہتہ ڈھننے پایا تھا کہ پانی پت ماہیں آکا پڑا۔ یہ سب اٹھ بیٹھنے کی تعبیر تھی۔

اس کے بعد کچھ عرصہ نہاکی کی خدمت میں رہی یہاں لایا۔ اینٹو مگر ایک اسکول دہلی سے جماعت پنجم پڑھانے کے بعد تلیف کر گیا اور ڈی ٹی الی کے اینٹو فیکٹر ملل احتیاج میں سال کی جگہ دو سال کی پڑھائی اسکول کا اسٹارٹ اپ حاصل کے گورنمنٹ الہی سکول دہلی میں داخل ہوا اور دو سال تعلیم پاکر مرنہ میں داخلہ ملل کی عمر میں انٹرنس پڑھ گیا۔ فارسی اور عربی کی تعلیم اینٹو مگر ایک اسکول میں مرنہ محالی ہی سے حاصل کی۔ جو وہاں اسلئے شروع کر کے مدرس اول تھے۔

مستند میں گرفتہ شدہ نیکو کار کا ہر حصے سے استحقاق ہے اسے دی ورجہ عقل میں پاس کیا مٹاؤں میں ظاہر کی نہایت دانی اور علم ادب کا

انگریزی، محکمہ تعلیم، اندرونِ زبان و ادب، علمِ کتب سے بڑا استعانت بھی مستثنیٰ میں درجہ اول میں پاس کیا ہے۔ مطالعہ کا بہت شوق تھا۔ اصحابِ عربی کی کتابیں، حماسہ، تہذیب، تعلقات و حیرت کے بعض حصے فطرت، شرواح کی دوسرے حاصل کیے۔ فارسی و درسیات کی خاص کتابیں، سنہ ۱۹۰۷ء، وقائع، قسمتِ ثانی، علی، ابو الفضل، تنویر، جہول، ذخیرہ، مطالعہ کیا۔ انگریزی میں عموم، فلسفہ، مذہب اور فلسفہ تعلیم، طریقہ تعلیم کی کتابیں زیر مطالعہ رہیں۔ مذہب، اسلام کے ساتھ جبر و خالف کا مطالعہ بھی جاری رہا۔

میری خدمت کا تقریباً تمام زمانہ زانی پت میں گزارا اور خوش قسمتی سے مولانا خواجہ ابراہیم حسین اور مولانا علی گیسو اس زمانے میں اپنی اپنی ملازمت سے بخارج ہو گئے تھے۔ چنانچہ مجھ تک دونوں زندگ دھند رہے اسی علمی، دینی فیض برابر حاصل کرتا رہا۔ مولانا ابراہیم حسین کا انتقال سنہ ۱۹۱۰ء میں اور مولانا علی کا سنہ ۱۹۱۱ء میں ہوا۔

میرا سب سے دلچسپ شغل قرآن مجید کا مطالعہ ہے۔ جس کے مضامین میرے والد خواجہ غلام عباس مرحوم پچھپی ہی سے میرے اور میرے بھائی بھائی کے کان میں جاتے رہتے تھے مگر میں ہر وقت اپنی گفتگو اور مقالہ و مقالہ اور سن کے ذکر سے رہتے تھے مابقی کی سادہ معاشرت ہمارے لیے بہت اچھا نعرہ تھا۔ سادہ گفتگو کے مدد سے مسلمانوں کو کام سے لگانے اور ان کی کرباوت کرنے کا اہل نظر نہ پائی پت میں سب سے پہلے انھوں نے پیش کیا اور ایک کپڑے کی دوکان چلے پلنے پر کھڑا کر کے میرے منجھے جانے والے غلام التیس مرحوم نے اصلاح دین و معاشرت کے جو خیالات عصر جدید کے انداز سے ملک میں پھیلانے وہ وہ دور مرحوم ہی کے خیالات کا پرت تھا۔ میرے چھوٹے بھائی خواجہ غلام البیہی نے کاروبار کفایت اور دیانت سے انجام دینے کا سبق ان ہی مرحوم سے سیکھا ہے۔

اس کے علاوہ حضرت مولانا شیخ عبدالحی علیؒ کے عظیم ترانی سنہ و قضاوتاً فیضیاب ہوا۔ ان دھمت جیسے قرآنِ فذوق میں روز بروز ترقی ہوئی رہی۔ علامہ محمد رفیع قرآن مجید اور فلسفہ اسلام کے بے مثل عالم تھے، مولانا حالی نے ان کے براۓت کے شعلوں کو لایا تھا کہ منہ مت افرم کہیں ایسے دخل نہیں سنے تھے۔

یہ پانچ تعلیم ہادی رکھنے کا بہت خواہشمند تھا اگر اپنے والد کے بارے میں کسی قدر جھگڑا کرنے کے خیال سے ملازمت اختیار کی کیوں کہ ان کی سات  
ملاؤں میں سب سے بڑا میں تھا اور چھ بھائی بہن زیر تعلیم تھے زرعی جائیداد کی آمدنی نامیاتی تھی اور ان کے حصے کے مطابق تمام مصارف کو پورا نہیں  
کر سکتی تھی لہذا میں نے اپنے تعلیمی مصارف کا ہر مرقعہ اپنا پر ڈھانے کے بجائے یہی مناسب سمجھا کہ ان کی کچھ نہ کچھ مالی خدمت بجا لاؤں۔ میں اگلے تعلیم حاصل نہ  
کر سکا مگر میرے والدوں بھائی کی عمر بڑھ گئی ہوئی۔

ابھرتے ہیں کرنال میں امیدوار ہوا۔ دس دن پہلے بعد سر ڈرمنڈ (DRUMMOND) ڈومنگس کی پیشی میں چندہ دینے کے ایک اسامی لکھ گچھ میں پڑوس میں یہ نام کی صاحب لے وقت نصحت گیری درواست کے من کارڈاری کا سرٹیفیکٹ ضمانت کیا  
دفتری لڑکی جے پسند نہیں تھی۔ اس لیے کوشش کر کے نوہر ہشتہ میں یرنپل بورڈنگ ہال پت کی سینکڑا سٹری پر تبدیلی کرائی جس کی  
تکو اس وقت نہیں روپے تھی میرے دل میں آجائے کی وجہ سے بجائی بنوں کی تعمیر میں بہت آسانی پیدا ہوگئی۔ میں دودان ملازم رہی میں اس  
پینے کے لیے خرچہ کو بیگ لاہر میں داخل ہوا۔ وہ دانی ہشتہ میں تعمیر سے فارغ ہو کر اپنی ملازمت پر آہیں آئے۔ اس کے بعد ہائی سکول کرنال کی تبدیلی  
ہوئی۔ جہاں پہلی سیکشن سے ۱۲ جن ۱۹۵۶ تک دوسرا رہا ہوا۔ پھر وہ کوشش کر کے اپنی اسامی پر آہیں آگئی



لغۃ تعلیم عربی	ایک نئی
سیرت النبی	حالات کمر
الطوق حسینی	حضرت سید الشہداء کا انشراح
یادگار حسینی	امیرزا سلطان احمد صاحب رئیس تادیات کی تصنیف جو یریری ترمیم و ترمیم سے شائع ہوا
ترجمہ انشادیں	درویش شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے عربی رسالے سید الشاہدین کا ترجمہ
حقیقۃ الجہاد	درویش چراغ علی کی انگریزی کتاب کا ترجمہ
تنقید لیلیٰ برخیات عربیہ	اعلیٰ محو کا لکے ایک سابق پروفیسر کے دہریہ و عمداً خیالات کی مکمل تردید
اسلام وحدت	ISLAM AND THE DIVINE UNITY (انگریزی زبان)
تعلیم حصار	احمد علیک نمبر ۱ کا نمبر میں یریری تقریریں منقذہ ۱۹۱۹ء
تعلیم ہندوئی	دسمبر ۱۹۲۰ء کے ایس ایس سی انگریزی کا نمبر میں لکھا
نمبر ۱۱۱	نمبر ۱۱۱ میں اس کے علی طریقے دسمبر ۱۹۲۰ء کے ایس ایس سی انگریزی کا نمبر میں لکھا
تقریریں القرآن	انہی تقریریں کے اعتراضات کا جواب
حدیث امام	خواجہ غلام اشرفی دہلوی کے منافی و یریری نظریاتی اور ترجمہ کے بدشائع جوئے
کشف الحق	ایضاح کی مکمل تفسیر
مواذیمیت الاسلام	
وید مت اور قرآنی	اسلامی دین کی تحریریں سے گھسٹیل و خیرہ کی قرآنی اور گشت لوری کا ثبوت
منہ فیہ کمال	ویدوں کے ذمے میں ان کی قرآنی کائنات اور سماجی بنی کے اس قائل کی توحید کو ویدوں میں کوئی قدر کا نہیں ہے
ہندو دھرم پرست لکچر	اسلامی دین کی تحریریں سے اس بات کا ثبوت کہ جند و دھرم کی حرارت صحت ذاتوں کے امتیاز نہ قائم ہے
حق و الہی	
حرمہ العذاب فی منقلب الی الیاب	
احسن العذاب فی ما ترمیمی الی الیاب	
احسن الی الیاب فی انصاف الی الیاب	
خدا کی ہستی	
خدا کی توحید	
وعدہ و نفا	انجیل کا ترجمہ



میرزا فتح

سہی دبا نہ دلا کی تسمیہ انہوں نے اس کہ بندہ کرنے کی تہاں خوشی کی مگر حکام ہے، مولا بیگم کی تسمیہ لاسی پوری نے اس کا نام  
 دیا ہر جی مصری شایع کیا جو اسے مصر میں بہت مقبول ہوا۔

میرزا فتح

ان کتابوں کے علاوہ میں نے حاصل کی الجوان الکمال کا اردو ترجمہ تفسیر فی ملت اور نام اجماع کے ساتھ کھنڈ خروار کی قلم کتاب اسفل  
 اور کتاب الترمذیہ کے قلم کتاب الجوان کا ترجمہ شروع کیا تھا ایک سال پیش آیا، میں میرٹھ کے پیشے سے میرے کل مرعات پر تمام کتاب و رسائل کے  
 گم ہو گئے۔ اس شخص نے ایسا درد پہنچا کہ بہت اڑٹ لگی یہ سب کچھ کا داتا ہے۔ میں نے اپنی کتابوں سے مال غنما بھی نہیں اٹھایا بلکہ چاروں کتابت میں  
 ملت تھیں۔

یہ امان حوائج میں وہ کچھ نہ بھی خدمت کرنے کا تھا۔ چنانچہ میرزا ابی شہرستان کی سرپرستی میں ایک عربی رسالہ میں کا نام مولانا نے  
 شمس الشریفہ تجرید درویش تھا، ہادی کے لئے کا پڑا انتظام ہو چکا تھا اور حضرت آقا میرزا علی اسفندی کی سرپرستی میں اسناد و خزانہ بھائیوں کے تعلق میں کام کرنے کا  
 خیال تھا اور ایک تہائی متاخر ہونے فارسی طور پر مولانا کی خدمت میں پیش کر دیا تھا بندہ کیا گیا مگر نوات ترقی ایسے اسباب پیش نہ کرے جیسے تہاں آتا پڑا۔

(تخلیص)





# گویا

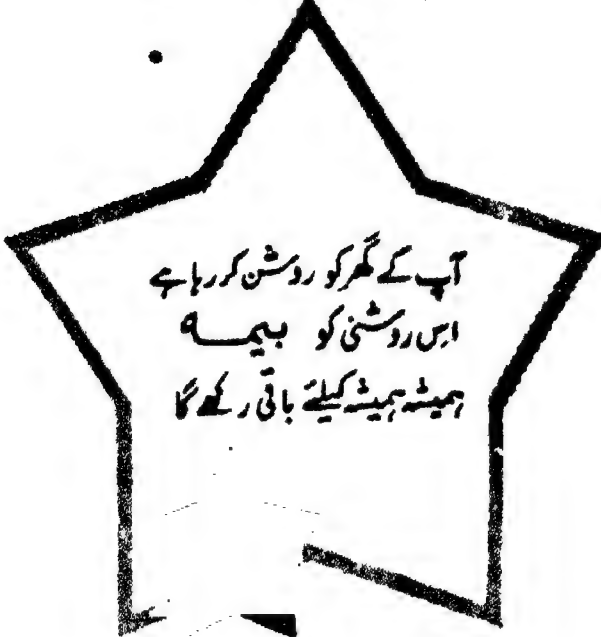
## نکھت گل اور روح چمن

نہیں ہاس اور خوبصورت زبورات کے بغیر عورت کی زندگی  
ادھوری ہے انکا فیشن اور ڈیزائن ہمیشہ بدلتا رہتا ہے  
اور نیا دلچسپ دکھانا ہے لیکن خوشبو تسکین روح کا سامان  
جس کا کام نہایت کامیاب و جگہ آوار دل کو بٹھانا ہے  
وہ بھی نہیں بدلتی۔

عورتوں کی زمین طبع اور میعاد پسندی کی کیلئے  
گویا کا نام انکے لئے محبوب کا درجہ رکھتی ہے۔

آپ کے لئے گویا کی چھ محبوب اور اہم خوشبویات  
ایٹالس - پاسپورٹ - گارڈینیا -  
بلیک روز - نووا فیر - گویا نمبر  
گویا سندھ - پیڈس - بیو بارک

- ایٹالس شلکم
- ایٹالس پرفیوم
- پاسپورٹ کولون
- بلیک روز شیمپو
- نووا فیر شلکم
- گارڈینیا کولون



آپ کے گھر کو روشن کر رہا ہے  
اس روشنی کو ہمیشہ  
ہمیشہ ہمیشہ کیلئے باقی رکھ گا

آپ کی  
آنکھوں  
کا  
تارا

ایسٹرن فیڈرل یونین انشورنس کمپنی لمیٹڈ

دلفریب اور دیدہ زیب پارچہ جات

خوش رنگ  
اور  
خوش وضع

کالونی

ٹیکسٹائل مائز میٹڈ

(مٹاں) اسماعیل بی. اے

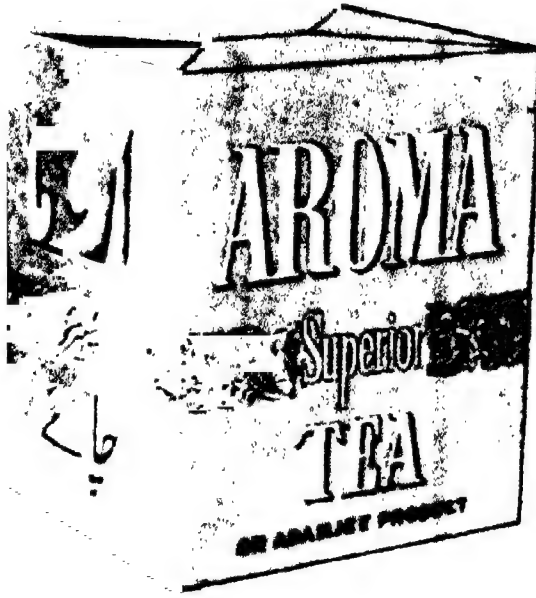
کالونی سیلرز ڈپو

۳۳ بی ایڈورڈ روڈ محمد رینڈی

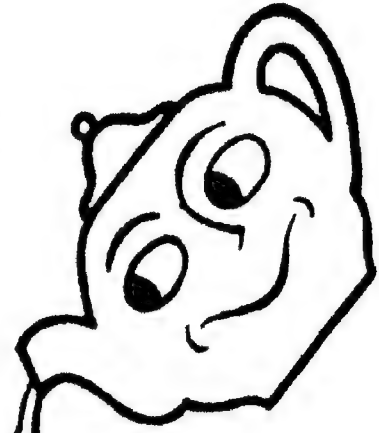
۳۶ دی مال - الامپور -

شادی اور شہرت کی حامل

# اروما چائے



پاکستان اور سیلون کی  
اصلی چائے کی پتیوں کی آمیزش



آدم جی  
کی پیسٹ

## ناطق کھنوی

پیدائش \_\_\_\_\_ منشیہ کھنر  
وفات \_\_\_\_\_ ۱۰ اکتوبر ۱۹۵۷ء پانڈم

عربی نصاب میں معانی و بیان اور نظم و شعر کی کتابیں اتنی ہیں کہ ان کا پڑھنے والا شعر و شاعری سے ناواقف نہیں رہ سکتا۔ اس کے علاوہ  
بیسے عالمہ جدید عربیہ بصیر حضور انش کے شاگرد تھے۔ ان سے اصلاح لینے والے اکثر شعراء آتے تھے۔ وہ اصلاً میں دیکھنا سنتا تھا۔ وہ چھپتا  
نکلتا تھا۔ وہ فطری میں اپنا شوق نکالتے تھے۔ کئی ہندو شعراء شالہ کے لیے ان کو یاد تھے۔ نہ خود ان کے تہذیبیہ افکار ان کے معانی کے لیے  
استعمال کرتے تھے، جس کے لیے اسی باجہ کے اہل زبان استعمال نہیں کرتے۔ جیسے شائقِ جبرائیل، تنقیدِ انکسور، مغرب و عزیز۔ وہ فرماتے تھے کہ یہ الفاظ  
معد میں جو مختلف مصالحت، امتداد، متحرک و مستحسن ہر سکتے ہیں۔ اس وجہ سے ہر شعر و ادب کے فاضل معلوم ہر جگہ تھے۔ دہلی و کھنور کے پس  
پچیس شعراء مثلاً کے کے ہائی اکثر شاعروں کے خیالات و مضامین اور الفاظ و معانی میں ابتداء اور بے اعتیادوں کا مداح و مدافعتیوں تھا۔ کئی رعایت  
نقل کا مدعا، کئی باہر و قریب میں خوب مرثیہ کا مادہ، کسی کو معنی جانے پر فرزند، کئی مضحک مبالغہ کو مبالغہ کمال سمجھتا تھا۔ کسی نے یہ طے کر لیا  
تھا کہ شعر میں مدنیہ، موت، اگر غربیاں کے مناظر، مشرق و فلک کے نازک کے ہرے مصائب و نظام کے بیانی میں اثر محدود ہے۔ جب تک  
یہ مضامین نہ ہوں شریعتیں ہر سکتہ ہو جو اس سے جبر و شاعری کا عام سطح پر قنارہ، چاہتے تھے، وہ تھوڑا سا الفاظ اور خیالات نظم کے  
اپنی علمی قابلیت کا مظاہرہ کرتے تھے۔ شاعری کے اصل مقصد علم و کیفیت شری سے کوئی غرض نہ تھی۔ مثلاً یہ شعر

جیغہ خاں کو مزہ ہے قہر تپاک کا      کیا دہن ان کا دہن ہے کینہ فداک کا

ابن ارقم کی شاعری میں انصاف، مہیا کرنے کی دُعا میرے دل و دماغ میں بیدار ہو کر مجھے منبسط و خاموشی پر مجبور نہ کر سکی اور پہلے تو میری غائب کہہ چلا وہ خود ہی تنقیدی مضامین لکھنا شروع کیے۔ پھر انہیں زندہ دل اور معیارِ زندگی نظر میں لے کر اشار و شعرا پر اعتراضات کا ایک مستقل سلسلہ قائم کر دیا۔ مگر خاص طور پر ان کے اپنے اسلوب کے کسی کی رعایت نہیں کی اور ادب کو ایک ہی میدان میں لے آیا۔ میرے تمام اعتراضات کی نوعیت اس اصول پر تھی کہ خود انہی کے مسلِ حمل سے جو غلطیاں ان سے نکلنا یا معزنی ہوئی تھیں ان پر میں کتہہ چینی کرنا تھا تا کہ ان کے ادعا اب میں بے اصولی نہ پیدا ہو۔ اب ہمایہ اگر کج فہمی حیثیت سے خاقان شاعری کا باب، اصلاح اور ایک سخت انصاف کا قیام تھا اس کے لیے میرے طبع پر مضامین لکھنا اور مجلسوں میں تقریر کرنا اور نیا نیا موضوع کی میرے خیالات کا حاصل یہ تھا کہ شعرا کا سید ایا ہو کر کہ پب میٹروں اور سیاسی



مہمانت اور مزبہ اش کی کیفیت کیا کرتے تھے کیوں کر یہ اپنی گفتگو میں نہیں اور عا در سے زیادہ استعمال کرتی تھیں اور ان کا خاندان باغی سو برس تک  
کھڑا رہا تھا اور اب بھی ہے۔ اس لیے ان کی زبان سب سے زیادہ مستند اور خالص اردو تھی۔ اسی زمانہ میں امیر اہلسنات کی تائیت شروع ہوئی  
تھی۔ اور ہر صاحب کا اور ہر حضرت کا ارشاد اردو شاعری کے لیے سامان و سرمایہ اپنے دماغ میں مہیا اور جمع کرنے لگا۔ اور مزنا چھوٹیک صاحب  
کے کشادہ دل میں سب بہ نظر استفادہ ہا کر دوں کی غرض نہایت جلد دھڑے سننے لگا۔ ایک مرتبہ شیخ فضل احمد کیف شاگرد آتش کا یہ مصرع طرح  
دیا گیا تھا

میں تیری زنجیر کھینچوں تو تیری زنجیر کھینچے

اس پہلو کا مصرع وہی اس صنف کا قہار گزشتہ سے طاقت ہر توں اس سے کورہ میں تیری زنجیر کھینچوں تو تیری زنجیر کھینچے۔ میں نے خیال کیا کہ تیں  
اب کس دس گز سے ہستے صد سال گز گئے ہیں جس نے قوی، سکتا تدبیر کا شاعری میں تاسیہ و جزائے کو کا دل ہے گماں یہ اس حقیقت سے مزور بید  
ہے نہ تو مجھ سے طاقت ہوگی نہ ریح آنے کا۔ لہذا مصرع بیکار ہو جائے گا۔ میرے ذہن میں ایک مصرع آیا جس کو میں نے نظم کر لیا اور میں یہ پہلا مصرع تھا۔  
میری ہمت دلچسپ کن ہوں اپنے گھر سے میں تیری زنجیر کھینچوں تو مری زنجیر کھینچے

اس منہ لگے یہ بھی معلوم ہوا کہ شاعر کے دل میں شکر کئے کے بعد سامنے کا بھی دوا ہوتا ہے۔ کچھ تو میرے دل میں انداز خیال کا جذبہ کچھ مزاحیہ  
کا ہوا۔ کچھ دھڑکی ہی حال نہ دیشہ، غرضی اور ترمیم پچ زبانی کر دیتا رہا۔ اس مصرع پر اس قدر شرد و دل ہوا کہ اس جادو جادو میں شرکت تک  
کچکے تھے۔ ممکن سے بہر تشریف آئے۔ جب ان سے مزاحیہ نے یہ کہ میرے جھینے نے مزاح پر ایسا مصرع لکھا ہے جو کیف کے مصرع سے بہتر  
ہے تو وہ ۱۹۷۸ء میں کے دہس گئے۔ کیوں کہ آتش کے بعد انھوں نے کیف سے بھی شروہ کیا تھا۔ گھر میں جگہ میری مانی ہے جس کے کوئی بیاد تھا اور  
کچھ پانا فرزند بتایا تھا کہ آپ کے بعد اقبل نصیر سے فراغت پانچے جب طالب علم کو کسی ادب بات کا شوق پیدا ہوتا ہے پھر وہ نہیں پڑھتا، قصور مشاعر  
جو کہ ہر وقت ایک انجیل کی حد تک ہیں رہتا ہے۔ اور انہوں تو پھرت سکتی ہے۔ مگر دوسرے انجیل میں اس زلزلہ کو تعریف کر کے آقا پڑھاتے ہیں کہ پیشہ  
لکھی تریا ہی جس جگہ دند انھوں ہوتا ہے۔ میں نے ہا کر اب انگریزی کی تعلیم ہو کر یہ نام لکھ کر گیا۔

غزلیوں میں نے درد شاعری شروع کر دی اور ہر سو جا کا مالدین شاعری کے خدات ہیں اور حضرت امیر خیالی نام پر میں رہتے ہیں۔ اصلاح کیوں کر  
ہوگی۔ ایک حد تک سب شولے کدیم پر قہ نام پر نام چھ کر اس زمین میں جس کی روایت "دل میں" اور قافزہ "اگر گیسر" چند شگفتہ قافزے انھیں کس کے ہر  
ایک میں دس دس اشعار کے لیے کے مضامین مختلف تھے ان میں سے ایک ایک درد و شکر کہیے آؤ تنف کر بیٹے۔ ان کے مات سے صبح تک میں اس میں  
مصون نہ رہا۔ صبح کو سب سنی گئے آقا آہستہ انہوں نے چہرہ دیکھ کر کہا کہ تم نے بات طراں کر لی۔ تمہارا چہرہ زرد ہو گیا ہے۔ سناؤ کیا کہ ہے۔ میں نے کہا۔ چار  
دن کے بعد طراں نکلی کہ اس کو قہیک تھا کہ کون گا۔ پھر سناؤں گا گماں بابت میری یہ رلے ہے۔ کہیں کبھی آقا شریفیں کر سکتا۔ انھوں نے میری رائے  
کو فطرت بتایا۔

چند سال تک میرا ہی صحبت اداسی، اشعار میں رہا۔ چندہ میں خوبس کس گرشا سے سے پہلے جاب مفتی امیر میانی کی خدمت میں اصلاح  
کے لیے پہنچے۔ مفتی کیوں کہ انھوں نے وقت تک ٹکڑا رہنا تھا اور چاہتا تھا کہ ہر دو کم مشقی اپنے سابقہ سے زیادہ پیچھے نہ رہوں۔ ۱۹۹۳ء میں  
ایک مشاعرہ کانپور کے خضر اسٹدیہ کیا۔ جس میں ہم لوگ جگہ جگہ سے میں وہاں گیا تو خلد زراں کے لیے امیر سید خان بن عبدالرحمن خاں ملک صاحب نظامی  
نے کچھ چند شکر کی خدمت پہنچی۔ میں اس خدمت کو کچھ حرج انجام فرمادہ اور شاعر میں بھی شرکت کرتا رہا۔ شاعر امیر سید میر کے اشعار





آخر میں ہمارے ملائے مجھ سے کیا کہ تم اصل مصنف یعنی مولوی صیادوں سے بات چیت کیوں نہیں کرتے۔ میں نے کہا کہ وہ مجھ سے علم میں ہیں۔ وہ چوبیس کر میں ہیں۔ منکرہ نہیں کر سکتے۔ لڑکھانے کی کہ تحریری مباحثہ ہو سکتا ہے۔ میں نے کہا کہ میں ساتھ نہیں لایا ہوں۔ سب نے کہا کہ کیا میں ہم کو بھیج دیتا ہوں۔ میں نے ایک دفعہ مصنف صاحب کو لکھا کہ آپ کی کتاب کے متعلق چند باتیں آپ سے دریافت کرتا ہوں مگر آپ جواب دینے کا قصد کیا تو مجھے مطلع فرمائیے تاکہ میں وہ سہولت تم بند کروں انھوں نے جواب تحریری میں ارسال کیا۔ میں نے بارہ سوال دیے تھے کہ اگر غلط جواب دیں تو اس کی خطی اطلاع اس شخص پر اور اگر صحیح جواب دیں تو اس کی کتاب غلط ثابت ہو۔

مولوی صاحب صرف حدیث و فقہ جانتے تھے، نہ تو منطق و فلسفہ سے مس تھا نہ دماغ معقولات سے مناسبت نظری رکھتا تھا۔ اس کا نتیجہ تھا کہ سال بھر جواب کچھ۔ شافعی جیز متعلق پیدا ہوتی جاتی تھیں کہ سننی یا کسی دوسرے انھیں یہ باہمی نہ رہتا تھا کہ وہ اپنی کتاب یا میرے جواب میں پہلے کیا لکھ گئے ہیں اور کیا لکھ رہے ہیں۔ حلی کہ میں نے بارہ سوال کیے اور انھوں نے جواب گیارہ کے دینے میں رات بھر لکھوں کا مطالبہ کیا اور ان کا جواب الجواب لکھتا تھا۔ تقریباً ایک سال یہ مسلسل رہا۔ اس کا اختتام بہت افسوسناک ہوا۔ وہ اس طرح کتاب کو مولوی صیاد صاحب میرے احقران کا جواب لکھنے کے لیے اُٹھے اور اُن کو صیاد صاحب سے روایات کے شغلے اس قدر بڑھے کہ دونوں ہوش اور ذہن ناقص ہو گئے۔ مولوی صیاد صاحب نے اگر مجھ سے یہ اٹھاکا حادثہ رو کر بیان کیا اور کہا کہ تمہاری تحریروں کا جواب نہ وہ خود لکھ سکتے ہیں نہ ہرگز کے بل ہانے سے لکھا سکتے ہیں۔ مجھ کو اس واقعہ سے سخت صدمہ پہنچا۔ کیوں کہ میں اس مباحثہ کو شروع کرتا نہ وہ جواب لکھنے کے لیے صیاد صاحب سے زیادہ مدد نہ دے جاتا۔ جن علماء نے مجھ کو کتابیں بھیجیں میں نے انھیں داپس کیوں دیا۔ مادنا طبع کی صفت تمام بیان کر دی۔

دکن میں فتویٰ شاعری عام اور کامیاب نہ تھا مگر حضرت داغ ادراہی کے نادرہ موجود تھے ان کے ساتھ ایک مشائخہ میں شریک ہوا تھا۔ طبع میں

برخول میں ملنے پڑھی تھی اس کا مطلع یہ ہے۔

وقتِ خلعت چلتے چلتے کہ گئے اب جواراں رہ گئے سروہ گئے

اس کے علاوہ کئی غزل کمال میں نے دہاں نہیں کہی۔ کیوں کہ مختلف علوم و فنون میں وہاں کئی سال لگا دیے۔ چنانچہ حکیم مصباح الدین خاں صاحب سے شب شروع کی، دہلی و کوہ شاد جاکر عازق الملک حکیم عبدالمجید خاں صاحب کے بیان غزل کی جو ذریعہ مسافہ ہوئے کی وجہ سے اب تک میرے ساتھ ہے۔

کچھ روز گھنٹہ میں کہ سسران میں حضرت حسن جان صاحب سے ملنے گیا جو ایک درویش کاہل اور صاحبِ علم مدنی تھے۔ وہاں وعدۃ الوجود ماستر و پگنٹ شروع ہو گئے مادہ تقریباً ایک ہفتہ یہ مسلسل بحث رہا جس کے سنے کے لیے سسران کے بعض علماء بھی آئے تھے۔ اس بحث میں مجھ کو شکست ہوئی اور جب میں وعدۃ الوجود کو حق سمجھتا ہوں۔ وہاں حسن جان صاحب نے مجھ سے باتِ عامہ معب شروع کر دیا اور ادراہی کی فوج خاص سے دہلی و دکن مرشد کو قافہ پہنچا۔

ہمارے چیت کے بعد میں کا پندرہ ایک اہلِ مطلب کرنے لگا۔ یہاں پھر شورشاعری کا مسلہ شروع ہوا جو حیدرآباد و اردو سسران میں تھوڑا سا تھا۔ کانپور سے کھنڈر جاکر اکثر شاعریوں میں شرکت کرتا رہا۔ ہمارا یہاں ہرگز برسن اور میٹوں ایک غزل بھی لکھنے کی قربت نہیں آئی خواہ کسی علم و فن میں معرود ہونے کے باوجود اسے کسی تعینت و مامیت سے فرصت نہ ملی۔ اس لیے غزل لکھتا تھا تو یہ کیفیت ہوتی تھی کہ جیسے آج ہی شاعری کی ابتدا ہوئی ہے۔ اس وجہ سے غزلت



دعا کرتے ہیں کہ کسی حقیقت کا انکشاف یا طبعی شے کے پائے میں کسی مسئلہ کا حل یا حسن تعلیل کا مفردی اور اہم مظاہر ہو۔  
 اور میں نے کسی بے قبیلہ بات پر جو محقق شاعری اور خیال پر کسی شعر کی محاسن نہیں کھڑی کی ہے اور بات کا جھگڑا نہیں بنایا۔  
 وہی میں نے باوقار اور شاندار الفاظ سے شعر کو بھری بھر کر نہیں بنایا ہے بلکہ معنی کو وسیع انداز الفاظ کو سادہ مگر بھل استعمال کرنے کی کوشش کی ہے  
 رہا شخصی مقام مصداق زبان کے مفروض سادہ سے زیادہ استعمال نہیں کیے ہیں۔ کیوں کر ایسی زبان کی فکر کرتی ہے اور اپنے قیاس کے موافق انما  
 خیالی کے لیے ایسی زبان رکھنے کو کئی صدیوں کے بعد بھی باوجود قدیم سانیاتی تیزات کے ناقابل فہم اور بے لطف نہ ہو۔  
 ہمارے حوصلے ممکن کوشش کی ہے کہ جو اہم کے مضامین نظم کرنے میں فہم کو اور زبان کی طرف سے بے پروائی کرنا پڑی ہے، میں اس  
 قسم کے بیک وقت غلطیات بتروے بہترین اور صحت و سادہ الفاظ و محبت میں نظم کہوں اور اردو زبان میں ایسے غلطیات کا اضافہ کروں جن کی جگہ ہند  
 ظاہر ہے اور جن کی کمی کے بعد سے اردو ادب فارسی ادب سے پیچھے ہے۔  
 سادہ الفاظ شعرا کی طرح میں لیا ہوا نہیں طلب اور شہرت پسندی میں اس وجہ سے کہ میں اردو کی ہر تریہ واقف ہے کہ شعر کہنے کے لیے بھی مجھ کو  
 یہ حقد نہیں ہو کہ جو محبت حاضر نہیں ہے مگر بڑھنے کے لیے صدمہ مرتبہ دیا ہوا ہے کہ جو محبت حاضر نہیں ہوئی اور نہیں پڑھ سکا مگر لوگوں نے بہت عجز کیا تو  
 کرنا کرنا نہایت بڑی سے تیرے چار شعر پڑھ دیئے اب وہی شہرت ملی تو اس کی بابت صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ ہندوستان بھوکے شعرا میں جن حضرات نے  
 اپنے کام کو رسالوں میں شائع کرنے سے پہنچا لیا ہے اس میں سے ایک میں بھی ہوں۔



## جانب دہوی

انگریزوں کی ہندوستان میں پہلے آمد کو دیکھ کر ایک کوئی وقت ہو یا جو کچھ انہیں پتہ ہو کہ ان کی فرائض و فرائض کے جملہ کام  
 کچھ اس سے اخذ ہوں گے کہ کوئی شخص خدا سے اس کا کچھ اندازہ لگا سکے کہ ان کے اوقات نے اس کا کتنا کام کوئی مستقل ہو یا نہ ہو  
 اسے وہ بتایا ہے جو وہ اس وقت ہے تاہم یہاں تک میری یادداشت کا کہہ سکتی ہے کہ میری یادداشت سے قبل کے سالوں کے انداز میں یہ میری  
 پس موجود نہیں ہیں اور ان کا شخص جو ہیں جو وہ جس سے میری طرف سے کی تصدیق کر سکیں ان کا گزشتہ زمانہ ایک سرکاری دفتر میں  
 ان اوقات کو لاختم لکھنے کی کوشش کروں گا میں سے میرے جبر نہ ہو کہ وہ اس وقت تک دیکھ سکیں کہ میرے جبر نہ ہو کہ ان کی فرائض کو کچھ  
 جملہ اس میں مشغول ہے اور ان کے خیال میں ان کے مشغول نہیں ہو سکتے کہ ان کے فرائض میں ان کے مشغول نہ ہو سکتے ہیں کہ وہ ان کے فرائض کے  
 مذمت نامہ کے فرائض و اوقات میں مشغول ہیں یا نہیں چھپنے کے لیے صحت دین۔

چہ گویم از مرد سلمان خود عمریست چوں کاکل

سید مجتبیٰ پریشان روزگارم، غصہ بردوشم

انسانی حالات کے متعلق میں صرف اتنا سمجھتا ہوں کہ میری پیدائش محض اس کی تیسری سہ ماہی میں قدیم و املاطیہ کے درجہ کی ایک خاندان میں واقع ہوئی جہاں نے مجھ کو نسب سے سید نفیضی ظاہر ہوتا ہے اور عند پخت اور بعض ایسے ماس میں نظر آتے ہیں جن کے تذکرے اور حوالے کتب سیرتاریخ میں ملتے ہیں۔ یہ خاندان جو کہ ہندوستان میں پہنچنے کے بعد ان کے الطور غنیہ شان و ولہ کے واسطے دولت سے وابہ ہو گیا تھا ماس کے مابین معزز و مجتہدوں پر سرفراز رہے۔ اس لیے نذر و نصیب کا اس پر بھی سخت تباہی خیر اثر نہ ہوا اور ملکات سے بچ رہے تھے انہوں نے امن میں بسر کرنے کے وقت خود کو صرف وسیلہ معاش بلکہ مکان اور خاد داری کے سامان سے بھی محروم پایا اور بصداقت انکسب حسب ہند میرے والد ماجد نے صنعت غالی وندی کو اپنا واسطہ متعلقہ کی چشم پرودی کا زیور بنایا۔ جس کے ساتھ بعد میں جماعت کا

میں میری شہادت علیٰ جانب دہلوی نے اہمیتی کیے اور ذاتی غلطیوں میں تو مجرم کا کفو نہیں ہوتا۔ میں سمجھتے تھے کہ عدالتوں کے نظریہ میں مجرمین  
کا جرم کہ بیوقوفانہ جرات انکو ہوتا ہے۔ میں شائع کرتے۔ اس کی تہدید بہت ساری تھی جو صرف ایک کاکی ہے۔ (محمد عبدالقادر قریشی)  
میں صاحب مرحوم کے حقیقی دادا امیر احمد خان غازی صاحب شرف علی کی سرکلا میں وارد ہوئے تھے جس پر سنا کہ تھے جو ایک حبیبیادہ کی صاحبزادی  
حبیبہ دلی کی بیگم تھیں۔

سے جالب مرقوم کے دلائل کا نام میرٹھ پر علی تھا۔

### شعبہ علمی برومی شمال کرلیا۔

میر صاحب کی زندگی کے وقت یہ غریب و جزو فاقہ ہوا کسی قدر غریب الہالی کا موجب تھا۔ لیکن ڈیڑھ دو سال بعد ہی ایک انقلاب آیا جو ملک و سرزمین کو اپنے ساتھ لے گیا۔ گندے کاغذ و توانا نے میر کی تربیت و تعلیم کی ایک یہ صورت پیدا کر دی تھی کہ جناب صاحب عالم میرزا مفتوح صاحب علیہ الرحمہ نے اپنے تئیں جیسے بہت ہی خدمت کبر شہ ثانی کی وجہ سے حیثیت ایک رکن خاندان تیموریہ کے سرکاری خطیہ خواں اور میرے والد کے مونس و نگہدار تھے، پیدائش کے وقت ہی سے میرے حال پر خاص التفات ہوا اور ان کی زور و محنت نے میں کو میں اساتذہ کی ہمارا کرتا تھا، اولاد کی طرح میری پرورش و تربیت کا ذمہ لیا۔ اس طرح گویا دو سو اوروں کی عمر ہی میں، میں بغرض تعلیم استاد کے ہاں چلا گیا اور میرے پردہ روحانی کی شفقت نے حالت شیرعلی سے نکلے ہی مجھے پڑھنا شروع کر دیا تھا۔

شیرعلی کے ہاں کس پرورش و تربیت نے میری زبان و اخلاق پر بہت زبردست اثر ڈالا اور قرامت پرستی کا ایک گہرا رنگ جمیت پر چڑھا۔ میر صاحب عالم بہادر نے قاعدہ بغدادی و ہمارے علم پڑھانے کے بعد مجھے اردو شروع کر لوی تھی اور جب دقت میں نے پڑائی اور دو کی پہلی قسم کو اسی وقت دوسری، دوسری کے وقت تیسری اور نصف چوتھی اور تیسری کے وقت نصف چوتھی اور تہائی باغ و بہار مجھے قریب قریب حفظ ہو گئی تھی۔ کیونکہ اسی گھر میں ایک اور مجھ سے بڑی عمر والا لڑکا ان کتابوں کو پڑھنا تھا اور میں اس کے سبق کو غور سے سننے کے باعث اپنے ذہن و دماغ میں محفوظ پاتا تھا۔

پھر صاحب عالم نے قدیم قرطیہ پر قدسی شروع کرائی اور دستور العیان رقم کرانے کے بعد مجھے عربی سکول کی شاخ اور اس کے اٹھانے پر کلاں محل کے سکول میں جہاں مارل کے ساتھ تین ماڈل کلاسیں تھیں پڑھنے بھیجا اور پھر اردو فارسی جلنے اور تحریر کی شوق رکھنے کے ہیں ایک دم سے تیسری اور کلاس میں داخل کیا گیا اور اُس وقت نو بیسے کی پڑھائی کے بعد میں نے جماعت سوم کا امتحان پاس کر لیا جس کے بعد میں نے تعلیم کی دہائی سکول میں داخل ہوا اور سال بھر ترقی کر کے چودہ سال کی عمر میں میں نے پنجاب یونیورسٹی کا امتحان اول و جنوری مستند اور سولہ سال کی عمر میں انٹرنس دہریہ غلطی میں پاس کر لیا جس کی جماعتیں اسی وقت سے عربی سکول میں کھول گئی تھیں۔

عربی سکول کی تعلیم کے دوران میں مجھے جماعت اول و ثانیہ سے جماعت پنجم دہائی تک بہادر خطیہ ممتاز و ہادو علاوہ دیگر اساتذہ کے جناب شمس العلماء مولانا علی ظہیر و رفیعان بہادر زمرہ تصدق حسین صاحب حج عالت مطالبہ خفیہ دہلی سے نہ صرف سکول میں بلکہ پابلیش

مولانا حالی اس وقت شمس العلماء نے تیرے خطبہ انیس سو لاکھ میں ملا۔

سے سولہ سالہ میں میری عمر ایک سکول دہلی کی فاضل سے مستغنی ہو گئی تھی۔ میری قریب عزیز خواجہ تصدق حسین کو سفر کرادیا اور ترقی کر کے چھ ماہ میں میری عمر تیرہ سال ہو گئی تھی۔ میری خان بہادر دہلی کے ملازمین نے میرے لئے خطبہ ہدایت دیا۔ انہی کے متعلق خواجہ ابوالکلام آزاد نے انہماک پیچھے تھیں میری عمر چھ ماہ میں خان بہادر تصدق حسین کے ہاں جاکر مقبرہ خواجہ مولانا حالی کے مڑے تھے۔ حالانکہ یہ خطبہ سولہ سالہ کے صرف دہائی کے نووی خواجہ اخلاق حسین اندر خواجہ سجاد حسین ڈاکٹر عثمانیہ جو پستان کو مڑے تھے۔ تیسرا کوئی دہائی نہیں تھا۔

(دعوت جہاد قریشی)



دو چوں مفہوم سے بھی تعلیم و استفادہ کا موقع ملتا ہے۔ اس کا میری اخبار نویسی پر کچھ نہ کچھ اثر پڑا ہے۔

جناب صاحب نے بیس سالہ اخبار نویسی کی سب سے پہلے روشناسدہ صلیح کلی میں بحیثیت ایڈیٹر کام کیا۔ پھر اعلیٰ اخبار  
ہندوستان کی ریلوے سربراہیہ اخبار ہندو ترجمان، ہمدرد، دکن گزٹ، شریں، ہمدرد، رسالت وغیرہ میں کام کرتے رہے کلکتہ سے  
مکمل پنچلوک، اخبار صبح، کوئی تیرہ سالہ ہمدرد، کلکتہ کے ایڈیٹر رہے اور فیروز پور میں وہیں سے سکونت پزیر ہوئے۔ ہمدرد چھ سو کو اپنے  
ملائے اخبار صبحیت کا پہلا نمبر ۱۹۱۳ء میں رمارچ سے اسے باقاعدہ جاری کر دیا۔ اس اخبار کو ابتدائی مالی مشکلات سے  
جھگڑنے کی خاطر سید صاحب نے سیراۓ سالانی ہی بڑی محنت و جفاکشی سے کام کیا جس سے آپ کے قویٰ گوشت و پوست پٹھا۔ یہاں تک  
کہ ہمدرد کی حالت کی شام کے چھ بجے آپ دنیا سے صحافت سے من موڑ کر اور اسلامی تہذیب و دانشمندی کے ساتھ اردو ادب کو رونما چھوڑ  
کر منوں مٹی کے پے تو اس سے سو گئے۔ آپ کو تقریر و تقریر پر یکساں قدرت حاصل تھی یہی وجہ ہے کہ آپ قلم و صحافت پر عمر بھر کی کوشش کے  
ساتھ تعلیم و پر بھی حکومت کرتے تھے اور ہر خیال کے لوگ آپ کو سرانگھوں پر جگہ دیتے تھے۔

(محمد عبداللہ قریشی)



مولوی میمن پر شاہ

(THIRD IMPRESSION)

پس کے ایک تہائی حصے پر۔

[illegible]

میں نے شریک مسند و محروس کی سوانح عمری میں پڑھا تھا کہ گھوڑے کی سولی میں ٹیکہ ڈالنے کے کارن آئی سی ایس کی جگہ سے غورمہ مانگے تھے، مگر خدا کے فضل سے انہیں آج حیرت حاصل ہے وہ ظاہر آئی سی ایس ہونے پر ہوتی۔ یہ اچھا نہیں ہیں جانے کو چاہتا ہوں تھا۔ لہذا رگے جانے کے بعد میں نے اگلے سال جانے کا پتہ کر لیا۔ عربی پڑھنے کی طرف جھکا خدا کے فضل سے آج میں صحت میں ہوں وہ قابلِ طبیعت ہے۔ جو لوگ پہلے کہتے تھے کہ میں پڑیس میں نہیں گیا، وہ بھی آج کہتے ہیں کہ پڑیس کی لکڑی سے آپ جبریب اچھا صحت بنا لی۔

اور ہمارے پنجاب پر غریبوں کی عمر زیادہ ہے اور اس کا بدبختی کا کچھ پنجاب میں سب سے پرانا ہے۔ مولوی عالم دہلوی کے  
تقریبات میں سے کسی ایک یا دو دن کو آج تک کسی نے اس کا کچھ سے پاس نہیں کیا۔ <sup>۱۹۷۹</sup> میں جب اس کا کچھ میں داخل ہوا تو <sup>۱۹۷۹</sup> کے  
تحتوی فاضل میں یونیورسٹی میں ۳۶ میں سے صرف ۳ پاس ہوئے تھے۔ کچھ لوگ میرے بارے میں کہتے تھے کہ یہ ایک ہندو ہے جو عربی  
پڑھنے آتا ہے۔ جبکہ سہ ماہی کے بھی بڑی طرح کا حکم ہوتے ہیں۔ خدا کا کٹ کر <sup>۱۹۷۹</sup> کے استحقاق عالم میں یونیورسٹی میں  
نہ کرنے کا خیال نہ ہوا

جسے سترہ سالہ عالم کے استیصال میں پڑنا تھا۔ بہت مشکل تھا۔ میں گھبرا نہیں۔ کسی کسی وقت یہ خیال ضرور آتا تھا کہ اگر میں نہیں  
جنگل میں گھس گیا ہوں تو میرے پاس یہ ہے نہ ہوگا بلکہ جانی کا سبکی بھی ہوگی۔ لیکن میرے یہ آخر کے الفاظ مجھے دھارس دیتے تھے کہ بیشوا ملک ہے  
جو کہ ہمارا ہی ہے۔ اگر اس نے کسی کو زبردستی کی یہاں تک کہ میرے ہاں ہیں اور مجھ سے میرے استاد بھی متاثر ہوئے۔ لاہور کی شاہی مسجد،  
شاہجہان مسجد اور گلاسٹون میں بھی جانے اور وہاں کے استادوں اور طالب علموں سے غلغلہ اٹھانے کا یہی موقع ملا۔ آخر میں تیجویہ ہرگز عالم و  
فاضل کے استیصال کے چھ سو جنموں سے بااثر تیب ۱۲۶۹ اور ۱۲۷۲ کے بعد مجھے ملے۔ جتنی خوشی ان دونوں ماحولوں میں پاس ہونے سے  
ہوئی تھی۔ عمر میں بھی کسی کی بات سے نہیں ہوتی۔

۳

مولوی عالم فاضل ہونے کے بعد کچھ ہندی کلمے کا سہرا میرے لیے کئی درجہ سے بہت اہم تھا۔ اس سلسلے میں میری دلی خواہش  
تھی کہ میرا نام بھی ہے کہ اگر پانچ سو سال کے مطابق معمولی طور سے ہندی فنی ہے تو اپنا سادہ وقت ہندی میں مسلمانوں کے ادب تاریخ و مذہب  
وغیرہ موضوعات کی کتابیں لکھنے لکھنے ہی میں زندگی بسر کروں۔ مگر میرے کچھ دوستوں نے کہا کہ ابھی ہندی میں کتابیں ادیان ہیں۔ آپ کا قابل ایمان  
مولوی پانچ سو سال کا بدست کرنے کے بعد لکھنے لکھنے کا جھنجھٹ اپنے سر پہ لینا چاہیے۔ مدنا نثاروں کے جبر سے وہ کرنا ہوگا  
انتخاب ہے گا۔

بہت محنت طور سے کبر نہ اٹھاتا ہوں، کہ میں جو کچھ کرنا چاہتا ہوں اس کے سلسلے میں پہلے دو چار دوستوں سے مشورہ کرتا ہوں  
پھر کچھ عرصے تک اس میں غور کے اصول تسلیم کرتا ہوں اور پھر جو کچھ حلال لیتا ہوں اسے کر کے چھوڑتا ہوں۔ آخر میں نے یہ طے کیا کہ کتابیں  
لکھنے لکھنے والی نوکری کروں گا۔ یا کم سے کم کسی انٹریٹ کا کچھ لکری کروں گا۔  
میرے قلم بہت بے باک پر رشاد و دیر کی جی نے میرے لیے ایک جگہ تجویز کی وہ کتابوں ہی سے متعلق تھی، مگر معاملہ نہ ہو سکا۔ کیونکہ  
مجھے صرف پانچ سو سال میں روپے بیس ہی ملتا تھا۔ ادین نے کم سے کم چار سو سالے تھے۔ یہاں تک کہ ۱۹۰۹ء میں ہندوستان کے الائی بھی پھیلنے  
کے خلاف منظم نہیں تھے۔

اس کے سوا کئی اسکولوں کی ملازمت کی طرف میں نے دھیان نہیں دیا۔ یا ان کے لیے اٹھارہ یا دیکھ اسباب سے مجھے تعینات  
تعمین سے متعلق ایک اور نوکری کا بھی خیال کرنا پڑا۔ آخر تک جنگ رو بیٹھے تک مجھے کوئی نوکری میری منشا کے مطابق نہیں ملی اور اس زمانے  
میں نے جو کچھ کیا وہ میری دہکتا ہوں سے ملتا رہنے والا کام تھا۔ جن کے لیے مجھے تھوڑا بہت معاوضہ ملا، گو کچھ زمانے کے بعد ملا۔  
پچانوے کے بعد میرے دادا نے اور اصولی لائیو میری سیداد خیال سے کہیں اچھا ہوا۔ کوئی انٹریٹ کا کچھ تو دور رہا مجھے  
براہ راست ہندو یونیورسٹی میں جگہ دی میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور میرے ایک عزیز دوست نے لاہور سے لکھا کہ آپ نے جو عیادت ہوگی  
عالم فاضل کے لیے کی تھی اسی کا پل ہے جو آپ کو ابھی بگڑی ہے۔ آخر مجھے ہندوستانی یونیورسٹی کی جگہ ملی تھی اسی لیے دوسری  
دوستوں میں معاملات طے نہیں ہوئے تھے۔

اس موقع پر ایک لایف بھی لکھنے کے قابل ہے۔ یونیورسٹی میں میرا تقرر جہانے پر ایک دن میرے ایک دوست نے پوچھا



## سرمز اسماعیل

میں نے سنیہ ایرانیوں ۱۸۸۳ء میں بنیام بنگورہ پر اپنا میرے والد افغانی، علی مکر شیرازی کے بیٹے تھے۔ میرے بھائی اور دادا وہ دونوں شیراز سے آئے تھے۔ میرے بھائی مشہور کاظم ایک دولت مند تاجر تھے اور میری میں مقیم ہو گئے تھے۔ ان کے بھائی شہیدی حسین نے بمبئی میں بنیہ نفسیہ شیعہ مسجد بنوائی تھی اس مسجد کی تعمیر کے لیے وہ خاص طور پر ایران سے مسلمانوں کو لائے تھے۔ یہ مسجد ایک زبردست وفد کی مال بھی ہے آج کل اس کی دکان بھائی ہندو روپے کے گج جگ ہے بد قسمتی کے شیعہ جتنے کے نامی کاموں میں مرث کی جاتی ہے۔

میرے دادا علی مکر اپنے بڑے بھائی کے ساتھ ۱۸۴۳ء میں شیراز سے بنگورہ آئے۔ اس وقت ان کی عمر مشکل سے سولہ سال تھی۔ بیٹوں بھائی اپنے ساتھ عرب اور ملحق فارس سے بہترین گھوڑے لائے تھے۔ انہوں نے ایک ایسے زمانے میں جب کہ چند سالوں میں شریک گھوڑوں سے نکاح تھا گھوڑے وہ آہر کرنے والے تاجروں کی حیثیت سے اپنا کامیاب قائم کر لیا۔ یہ دونوں سی ماؤنٹ ڈوہ ہمارے کامیاب اور بنگورہ میں مسکن گھروں کے لیے گھوڑے فراہم کرتے رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ایرانی شاہوں کا دوبارہ بھی چلاتے تھے۔

بنگورہ کے کچھ بھائیوں اور میرے دادا علی مکر کے بڑے بھائی اپنے گھوڑوں کے ساتھ شنگورہ سے واپس آتے ہوئے وہاں کے گاؤں میں روک کر گئے۔ ان دونوں بھائیوں کے مزار شنگورہ کے قریب لائنس کے وکٹس ایرانی قبرستان میں ایک دوسرے کے پاس پاس موجود ہیں علی مکر کو بنگورہ کے اس کی ایک دو ہا آٹھ زیادہ پسوانی کہ انہوں نے اپنے متعلق قیام کے لیے ہند کے لیے ہمارے گھر لے کر کسی ایران سے گئے علی مکر کے لائے میں شہر ایک خاص طور پر شہر تھا بنگورہ کوہ حقہ بڑا کی کوڑنڈ کہا جاتا ہے اور بنگورہ کا سب سے اچھا اور سہما ہوتا ہے اس میں علی مکر نے بہت سے مکانات بنوائے۔ وہ مکانات میں میں میں ہیں، بہت دیر سے ہے اس کے ساتھ ہی ایک بڑا زمین کا کھنڈ ہے یہ مکانات میرے دادا کا مکان تھا اور اس میں کچھ واقع ہے چاہا ان کے ہم پر علی مکر کوڑنڈ کہا جاتا ہے۔ میں جب ایران کے ہند سے سیکندرشہر پر اس مکان میں رہنے لگا۔

علی مکر کا مکان میں میں چڑھ آ رہی تھی۔ لیکن قدرت نے انہیں زبردست فہم مارا اور اسی خصوصیات سے نوازا تھا کہ وہ زندگی میں بہت کامیاب رہے۔ وہ سال کی عمر پہلا جنہوں نے وہ اگست ۱۸۹۱ء کو انتقال کیا۔ بحیثیت بھائی ان کی زندگی بڑی خوشگوار گزری۔ تست نے انہیں دل کو مل کر زور لادہ زندگی میں سب سے خوشگوار جو انہیں پہلا بڑا راکن کے سب سے بڑے بیٹے ایک ملازم میں جانی جوتی ہو گئے۔ انہیں بکریں پر باکس احمد زندہ اس کے مرنے کے بعد وہ بیٹہ شہر پہنچا وہ ہر در کرتے تھے۔ انہوں نے اپنا تمام سرمایہ مکانات بنانے میں لگا دیا۔ ایک دانش مند فضل تھیں ان کے عدالت اس کی تھی جس سے وہ کریں کہ اس کے مکانات سے متعلق ہو رہے ہیں۔ ان کے زمانے سے کے کتاب تک کی جاکر ان کی فیصلہ جتہ گئی ہے اور میں مسئلہ میں اس میں میں گناہ غلط ہو گیا ہے۔ وہ نہیں دیکھ سکتے تھے کہ وہ سولہ فرما حلقے میں سب سے بڑے صاحب جاکر ان تھے۔ ان کا سہارہ ہے وہ وہاں کی بڑی گورنمنٹ کے باغیچہ شہر ہو گئے تھے۔





تھے تو ان کے لیے سمجھ کر ان صاحب کا سر پرست اور حامی ہوں۔ اس کی وجہ سے مجھے بھی کافی کچھ اچھا لگا۔ انہوں نے ملک کی صورت حال پر  
گہرا غور کیا ہے۔ انہوں نے دنیا کی دیگر ممالک کے حالات سے بھی آگاہی دی ہے۔ ان کے خیالات اس کے علاوہ بھی بہت زیادہ ہیں۔ وہ  
کس نے ہی کا نو قلم لکھا۔ ان کے خیالات کی سلسلے میں اس معاملہ میں کافی دلچسپی کا اظہار کیا۔ اور سنسنی خیز داستانیں شائع کیں جو ہم سے بے پناہ  
میں لکھی ہیں۔

ان پریشان کن دلوں میں ہمارے نے مجھے ایک خاصہ اس خط سے ان کی فحش اور پندہ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ کسی معاملہ میں  
جب وہ ایک سائے کا تم کرتے ہیں تو پھر کوئی چیز انہیں اس سے پسند نہیں آتی تھی۔ جو ان کا دماغ پروردہ بھی اس سے انہماک سے لگا کر کرتے  
تھے۔ انہوں نے مجھے کھانا

میں یہ چند سوچیں تھیں۔ یہ نہیں رہ سکتا۔ مجھے امید ہے کہ تم یہ خیال ذکر کر کے تم سے اور تمہارے ان دلوں سے  
جب کہ تم ہر طرف سے پریشانوں میں گھرے ہوئے تھے، غافل رہا۔ میری دعا ہے کہ ان مشکل حالات کے باوجود میں  
تمہاری صحت کا رازدہ بنے پائے۔

مجھے جس کام میں کامیابی حاصل ہوئی ہمارا خوش ہوتے تھے۔ ایک بار غرض مند جماعتوں نے ہمارا دلوں کا میں بہت جلد اپنے  
مہرے سے انکس کیا جانے والا ہوا۔ اس کے جواب میں ہمارا نے ۱۹۳۵ء میں اپنے اس فیصلے کا اعلان کیا کہ میرے مہرے کی عیسائیوں میں ہر  
پانچ سال کی ترمیم کر دی جائے۔ اس اعلان کا پچوش میرے مقدم ہوا۔ ۱۹۳۵ء کو کل باغ میں بنکھور کے شہروں نے ایک خبر پر دست  
استقبال کی تقریب میرے اعزاز میں منعقد کی اس تقریب میں برطانوی ریزڈنٹ میرے بازو پیچھے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہندوستان  
کی کسی بھی دینی سیاست میں کوئی بھی فرق نہیں رہا۔ اپنے دیوان کے اعزاز میں ایسے حوالیہ اظہار سے کی اجازت نہیں دیتا۔

ہندوستان میں گھٹنے کے تحفظ کے مسئلے سے گہری دلچسپی لی جاتی رہی ہے۔ ایک بار مجھے دہلی سے جمعیت المسلمین ہند کے محترم  
وصول ہوا۔ اس دن میں گھٹنے کے مسئلے پر میری رائے دریافت کی گئی تھی۔ میں نے جواب دیا کہ گائے کی قربانی کی اجازت دیتے ہوئے اسلام  
اپنے فعل سے انتہا کی بلایت کرتا ہے جس سے دوسروں کا دل دکھے اس کے علاوہ اس مسئلے کو میں خاص یا بڑی حوصلہ دہی مسئلہ نہیں سمجھتا بلکہ  
اس مسئلہ کی معاشی اہمیت پر زور دیتا ہوں۔ بڑی حد تک یہ معاشی اسباب ہیں جسے جن کی بنا پر سیاست مسود کو گائے کے تحفظ کا قانون  
نافذ کر کے میں پڑا ہوں۔ اسی طرح ایسا قانون دوسری بہت سی سیاستوں سے نافذ کر رکھا تھا۔ اس سیاست میں ہر عہد کے موقع پر کہیں بھی گائے  
کی قربانی نہیں دی جاتی۔ میں نے جواب دیا کہ مذہبی اختلافات پر زور دے کر انہیں ہوا دیتا ہے پسند نہیں اور خاص طور پر  
ایسے زمانے میں تو بالکل ہی نہیں۔ حکومت میرے اس مسئلہ پر مشورہ دینے کے لیے بالکل ہندوؤں پر مشتمل ایک خصوصی کمیٹی  
قائم کی تھی۔ کمیٹی نے مسئلہ کو حل کرنے کے لیے کسی قسم کی تحریک متروک کرنے کی مخالفت کی۔ کمیٹی کی رائے بڑی حد تک معاشی  
بنیادوں پر قائم ہوئی تھی۔ ہندوستان کی تقسیم کے بعد مسودہ کا انگریزوں نے حکومت نے مجلس قانون ساز کے ذریعہ دیکھ کر پرتشدد  
کا قانون نافذ کر دیا۔ ایک اس کی عہد حکومت عداس نے ایسا نہیں کیا۔ راجہ گاندھی نے دیکھ کر اس کی عہد حکومت دہلی۔ اور گاندھی میں ہمارا  
کی حکومت کے دوران میں گائے کو نہ کھانے والے کو قتل کی سزا دی جاتی تھی۔ گاندھی میں گائے کے گوشت کی کسی بھی صورت میں نہ کھانے



پورے ہندوستان میں متبادر ہندوؤں نے فریو گاؤں پر مکمل انتہاء کی جو لگاؤ ہم چلا رکھی ہے اس کا اصل محرک سیاسی ہے۔ اس معاملہ میں کانگریس زیادہ — سمجھدار ہو کر مخلص ہے جو گائے کی بہتری اور بھلائی چاہتی ہے۔

میسرے جی میں ایک اہم واقعہ برطانوی حکومت کو ریاست کے ہندو خاندان میں منتقل کرنے کے لیے ریاست پر عائد کردہ (۲۵) لاکھ روپے سالانہ اخراج میں دس لاکھ روپے کا کمی ہے۔ یہ واقعہ ۱۹۲۸ء میں پیش آیا جب کہ لارڈ ڈارلن ہندوستان کے وائسرائے تھے۔ اس موقع پر ہندوستانی مسخ اور اہم رحمت مجھے لکھا تھا۔

”۲۵ جب کہ اخراج میں کمی کے لیے ہماری ہتھکنڈیں سال کو شش کی کامیابی پر ہمارے قلوب سرت سے لرز رہیں مجھے عین سب معلوم ہوتا ہے کہ تم نے اس معاملے کی یکسوئی کے لیے جو کامیاب کوشش کی ہے اس میں اس طرح سے میسر ہو رہا جو احسان کیا ہے اس کا اعتراف کروں۔ ہر ایک ایسی وائسرائے نے میں بتایا ہے کہ اس اخراج میں کمی کا اصلی مقصد حکومت ہند کے پاس اچھی حکومت کا انعام ہے۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ریاست کے مطالبات منوانے میں ہندوستانی وکالت کو بڑا نکل رہا ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ یہ یقین اس میں شامل ہے کہ ہمارے ہاتھوں میں یہ رقم میسر نہ نکالنا دھبہ و دے کے لیے بہترین طریقے پر غور ہو گیا۔ یہ جان کر نہیں سرت ہو گیا کہ مجھے سب سے مقصد تحقیقت نے بتلایا ہے کہ اس سلسلہ میں ریاست کی دیکھائی نہیں ہوتی سب سے زیادہ مسنون احصائی ہے۔“

۱۹۳۶ء میں ہمارا مہاجر کے سفر کو روپ میں میں ان کے ساتھ ہوا۔ وہ اس سفر سے بہت خوش رہے۔ انہیں ہر جہ سے دلچسپی تھی۔ تعمیر کاری موسیقی، سیاسیات، شاعری، قدرت، موٹر وائی، ٹھوڑے اور چڑیا گھر و خوردان کے پاس ہندوستان میں سب سے اچھا چڑیا گھر تھا، ان کے اس سفر میں ہند کی میر جی شال تھی۔ جن حکومت نے سرکاری طور پر ان کا استقبال کرنا چاہا۔ لیکن انہوں نے اس دعوت کو قبول نہ کیا۔

نومبر ۱۹۳۸ء میں لارڈ ونگٹن وائسرائے ہند کی حیثیت سے میسر آئے۔ اسی ریاست سے وہ بھی گمزداروں کی حیثیت سے وائف تھے اور ایک دو بار وہ اس کے گمزدار کی حیثیت سے اس ریاست میں تھے۔ لارڈ ایلیڈی ونگٹن ہمارا حیران کن کی دوا کے گہرے دوست تھے۔ اور دونوں میسر میں جانے پہچانے اور مقبول تھے۔ جب ہم جوس میں سب سے بڑے دھان خانے لٹ محل جا رہے تھے تو میڈی ونگٹن نے مجھ سے بیان کیا کہ ہر ایک ایسی جگہ سے بہت خفا میں اور مجھ پر برسے ملے ہیں۔ میں ان کی بات سن کر سسکا لیا اور جواب دیا کہ ہر ایک ایسی جگہ ہے مجھے کتنا ہی ڈانسیں میں اس کا براہ مانوں گا کیونکہ میں ان سے بڑی محبت رکھتا ہوں اور دل سے ان کی عزت کرتا ہوں۔

دوسرے دن میری طبیعت برکت وائسرائے نے اپنی ملتی خوش فہمی سے کام لیتے ہوئے کہا تو مجھ پر زور کیا کہ وہ سب ہو چکا ہوں نے کہا ہر ایک گمزدار نے انہیں میسر کے ایوان خانہ میں میری حالیہ تقریر پر اعتراض لکھ بھیجا ہے۔ مجھے اس پر حیرت ہوئی اور میں نے کہا کہ ہمارا مقصد مسخ طبع ہوتا ہے چھٹا لکھا اس کا اس پر مسخر ہونا میری سمجھ میں نہیں آتا۔ میں نے اس کا بھی ذکر کیا کہ کسی حد تک تو فیہ پر یہ ایک بیان ان کے پیش رو لارڈ ڈارلن سے فراہم نہیں حاصل کر چکا ہے۔ میں نے بھی کہا کہ ہر ایک مقصد سب سے لگاؤ سانی پلان کا اتحاد انہوں نے صبر کے ساتھ میری بات سنی اور صرف اتنا کہا۔ ”میں عرض کرتا ہوں کہ یہ کام ہرگز نہ ہو گا۔ میں نے وعدہ کیا کہ میں پھر یہاں نہ آؤں گا کیونکہ میں انہیں نامزد کرنا نہ چاہتا تھا۔“

میسرے جی میں سچے پر لارڈ ونگٹن کو بتایا گیا کہ ہمارا جیبر و جیبر احمدان کی بہانہ داری سے غارت ہوئے تھے، اب سنہ لارڈ می



۱۹۴۳ء میں سرحدوں کے قریب مسافر جانے کے ساتھ اپنی صحت کی بحالی کے لیے بنگور آئے۔ وہ ایک جتنی تک غری و ملکی سیاست کے مہر کی حیثیت سے مقیم ہے یہ مقام بنگور کے کوئی ۲۵ میل شمال ایک صحت بخش پہاڑی مقام ہے۔ ستر کا زخم نے بھی ۱۹۶۶ء میں اس کی تیار کیا تھا۔

وہ گلوں پر مشتمل گھوڑا سیر کر رہی تھی وہاں میں ہندوؤں کے استعمال کے لیے مصل بنانے کے لیے جگہ دی گئی تھی یہ ایک ایسے مصل پر مشتمل گھوڑا سیر کرنے کی خاطر رقم قرض کرنے کا حامی نہ تھا جو ہمارے ملک کے بہت کام آئے گا تاکہ کچھ دھڑلے سے لڑنا ہو رہی جانتے تھے۔ پھر اس کی نگہداشت پر ملاحظہ ہو دست خرچہ آتا۔ لوگ اسے استعمال کرنے کی درخواستیں کر کے ملک تک کہتے۔ ہم اس کو بہت ہی بڑے طریقے پر خود دوست میں دینا کہتے تھے ہمارے ملک کی بہت سی ضروریات کی تکمیل کی جا سکتی تھی۔ اس طرح تو وہاں میں مصل بنانے کا فیصلہ کر دیا گیا۔ احمد بن حکومت جبکہ روایتی کر دی گئی۔

دو جہ کی حیثیت سے میرے ہندوہ سالاریہ متی نظم و نسق کے دوران میں میں نے کوئی پچیس مقلدہ صنعتیں جاری کیں یا ان کے اجراء میں مدد دی۔ اس میں بعض اہم مصنوعات میں فولاد کی تیاری، اسٹیل، کاغذ، شکر، کیسیائی کھاد، ہوائی جہاز سازی، گلاس، پورسلین، زراعتی آلات، مصنوعی ریشم، ہلکے بھاری کے فولاد کے پائپ ہیں۔

پالی کثرت سے چلنے والے دو نئے برقی قوت محرکہ میرے دور میں بنے شروع ہوئے۔ ایک ششما کے آبشار پر اور دوسرا مشہور جمگ آبشار پر۔

ہندوستان میں صحرانظم و نسق نے وہ کیل کاہر، اپنے شہروں کے خوبصورت بنانے کی طرف کمر ہی توہم کی ہے۔ دیہاتوں کا تو ذکر ہی کیا؟ انجمنیں کا ہندوستان سے مقابلہ کیجیے تو کیا زمین و آسمان کا فرق نظر آتا ہے۔ حمان صفری بہترین سرکاری، انیس باغات، عمدہ ترشی ہوئی باڑیں انہیں دیکھ کر کسی خوشی ہوتی ہے۔ آبادی سے بھرپور لندن اور پیرس کے کھلے وسیع میدانوں کو دیکھتے۔ ہندوستان میں کتنے شہر ایسے پارکوں پر فخر کر سکتے ہیں؟ جہاں بے پناہ تو جھوٹے چھوٹے پارک بھی نہیں جہاں شہری تھوڑی دیر سٹا سکیں۔ انہی آمدنی کا ایک حصہ اپنے شہر کو پہنچانے اور غیروں کے لیے دلکش بنانے پر صرف کرنے میں ذرا بھی زچہ کھانا چاہیے۔ گندے گلیوں کو چوں اور رنگ و تازگی کے مکانات کے علاقوں کو نرم کرنے کے ساتھ ساتھ غریبوں کے لیے مکانات کی تعمیر کا کام ساتھ ساتھ برنا چاہیے۔

میوہ میں ہمارا بھی ایک شکل سے درچار تھے انہیں اس نئے کے مل پر دشواری پیش آرہی تھی کہ میوہ کے قلعہ کے اندر جو بیشتر مکانات ان کے عزیزوں کی ملکیت تھے وہ باقی رکھے جائیں یا انہیں حاصل کر کے زمین کے برابر کر دیا جائے۔ میں چاہتا تھا کہ مکانات لمبہ در انہیں توڑ دیا جائے۔ آخر میں ہمارا جو نے بھی مکانات کو حاصل کر کے زمین کے برابر کر دینے کا فیصلہ کیا۔

ہندوستان میں میوہ پہلی ویسی سیاست ہے جس نے قریبی علاقے میں برقی قوت فراہم کی۔ شہریوں کے تمام کے لیے میں نے بس اسٹیشن بنوانے شروع کیے۔ آپ رسائی کا سہو بھی چھینے ہوئے شہریوں کے لیے درہم برنا ہوا ہے (میرے ہی زمانے میں بلجیئم کے شہریوں کے لیے پانی کی فراہمی کے لیے چار ماہ کا لڈو اور تیار کیا گیا تھا۔)

دیس کے ہمارا جو سرری کشادہ دیا آج بھی، آپکے ہندو تھے۔ اور اپنی روزمرہ زندگی میں مذہب کا بہت خیال رکھتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی ہندوئی مذہب کو دوسرے مذاہب کے لوگوں کو اپنی مذہبی عبادتوں میں مدد دے کر ملی مسرت ہوتی تھی۔ مجھے مذہب آدمی صدی تک ان سے گہرے رابطہ کا اثر حاصل رہا ہے۔ اس پوری مدت میں کبھی ایسا نہ ہوا کہ انہوں نے مجھ پر بے اعتنائی کا اظہار کیا ہو یا مجھ سے اور طرح سلوک کیا ہو کہ میں دوسرے مذاہب کا پیر تھا۔ ۱۹۳۰ء میں انہوں نے وفات پائی اور پوری سیاست ان کے علم میں قائم بن گئی۔ میں کی موت میری زندگی کا سب سے بڑا درد رہا۔

ان طریق باتوں میں جس کے نتیجے کے طور پر ۱۹۲۵ء کا اثابا ایکٹ بنا، میوہ میں نہیں بلکہ دیگر ہندوستانی میں ریاستوں کی نافذگی کی ذمہ داری بھی رہی۔ لندن میں جو سب کی گولی میرا کافر بن گئی اس میں میں نے جنوبی ہند کی ریاستوں میں ٹراڈنگ کو چھین اور ٹھکانا کا بھی نافذگی کی۔ دوسری کافر بن میں میں راہبیت کی ریاستوں میں ہے ہمارا اور ہمارا کافر بن رہا۔ تیسری کافر بن میں میں ہندوستانی وفد میں شامل تھا۔ وہ جانتا پانی مشرق کی کیشی کی مدد کر رہا تھا جس نے شہادتیں قلم بند کیں اور جی حد تک اس تجویز کا مسودہ تیار کیا جس نے ۱۹۲۵ء میں

اشیاء ایک خاصیت اختیار کی۔ اس طرح کتبہ پھر پھر خود بخود یہی خود ہی ہر طوائف بشر کے ساتھ میرا چند سنی ہو رہا ہے۔  
لے آئیں گے کہ وہ۔

۱۹۴۲ء سے لے کر ۱۹۴۷ء تک چار عرض نمایاں اور دو نجیب سالہ بے پیر کے وزیر اعظم کی حیثیت سے ایک سو دس روزوں کا کلاں  
 کے تحت گزرے جس نے اپنے دور کے مطابق میری پوری حوصلہ کا - بے پیر میں جو بات مجھے سب سے لیوا رہنا اُردو کا کلاں  
 ساز غور سمجھنا پاک تھا۔ ہزاروں کی بھی تمہا سازش کو میں کا تعلق جتنا اپنا کرو چہرہ دکھانے کی اجازت دیتے تھے۔ عرض سنو، کے  
 شر سے ہٹا کر وہ اپنا مانے آپ خود قائم کرتے تھے اسی کے مطابق عمل کرتے تھے

مجموع میں اور دہلی کے پولیسکل ڈپارٹمنٹ میں پہلے پائے لگانے میں متعلقہ ہیں، ان کے بارے میں اس وقت کوئی اطلاع نہیں ہے کہ اس حکم کے عہدہ داروں نے  
تھے اور نہ ہی ان کا سلسلہ کرتے تھے۔ وہ انتظام پسند تھے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ کسی پراعتماد کرنے میں محبت سے کام لیتے تھے لیکن کوئی  
بھی نہ کرتے تھے۔ اور تھی ایک نکتہ آجائے کہ ہر بھی انتظام دیتے تھے۔ مجھے یہاں کرتے ہوئے حقیقی خوش محسوس ہوتا ہے کہ میں سرکاری  
مداخلت میں انگریز عہدہ داروں کے بعض صفات حسن کو بڑے احترام کی نظر سے دیکھتا تھا۔ تاہم یہی طرز عمل کے بعض استثنائی مثالیں ہیں  
ایک بار ہمارے پولیسکل ایجنٹ اسکول آف آرٹس کالہ تھیں کہ ہے تھے۔ ایک شاگرد نے انہیں ناظم تعلیمات کچھ کران پر حکم کر کے انہیں  
رہی کر دیا۔ خوش قسمتی سے زخم گہرے نہ تھے۔ اور جلد ہی ہی مندرجہ ہوئے۔ پولیسکل ایجنٹ کو شہر ہمارا اس پر عمل میں میا بھی ہوتا ہے۔ مدد  
مسلمان تھا۔ لیکن مجھے اس کے وجود کی بالکل ہی خبر نہ تھی۔ میڈیکل ڈپارٹمنٹ کے ناظم نے جو ایک ولیفذاب انگریز عہدہ دار تھا، مجھے مدد  
مزم ضرور دیا کہ یہ حادثہ اس لیے پیش آیا کہ یہاں تھے ہیں جو مسائروں کی بہت افزائی کی جاتی ہے۔ پولیس کے ناظم کا بھی یہ خیال تھا اور  
وہ بھی حکومت ہند کا ایک ولیفذاب انگریز تھا۔ لازم کو ڈاکٹر نے سات سال کی سزا کے ہاشقت سنائی۔ اس پر بھی پولیسکل ایجنٹ کو تشفی  
نہ ہوئی اور انہیں یہاں تک شہر ہمارا کہیں کے لیے یہ سزا دینے کے لیے ڈاکٹر کو ترغیب دی ہے جو ان کے خیال میں بہت کم تھی انہوں نے عدالت  
کے فیصلے کی ایک نقل تفتیش کے لیے دہلی کے حکمرانوں کو بھیجی۔ میں نے بے ہودہ کے چیف جسٹس سرسرت گھوش سے عرض کیا کہ وہ پولیسکل ایجنٹ  
کو سمجھائیں کہ میں نے اس مقدمہ کے سلسلے میں ان سے ایک لفظ بھی نہیں کہا ہے۔ پولیسکل ایجنٹ کو اس سے بھی اطمینان نہ تھا میں نے خود ان سے  
اس مسئلہ پر بات کرنا پسند نہیں کیا۔ لیکن میں نے دہلی کے پولیسکل سکریٹری کو مہرہ کے چیف جسٹس سرسرت کی اس تقریر کی نقل بھیجی دیا جو انہوں نے  
میرے عہدہ پر لائی تھی۔ اس تقریر میں انہوں نے اس بات کو سراہا تھا کہ مہرہ میں حاکم مدد کی طرح بھی انفرادیت نہیں ہوتا، حکومت ہند  
نے پولیسکل سکریٹری نے جواب میں مجھے لکھا کہ انہوں نے اس خط اور تقریر کی نقل پولیسکل اور فائزرنگ ڈاکٹر کو ان دنوں نے میرے طرز عمل کو پسند کیا  
اس کے بعد میں نے چیرس واقعہ کے بارے میں کچھ نہیں سنا۔

حکومت ہند کا پرنسپل ڈپارٹمنٹ جے پور کے بارے میں کچھ ملحقین نہ تھے اور میں وہاں جو کچھ کر رہا تھا اسے بھرتہ کرتا تھا۔ چنانچہ تمام معاملات پہلے کے طرح چلتے رہیں۔ ڈاکٹر کی ترقی پر اور اس کی کوششیت کا موقع ملے اس کا خیال تھا کہ میں بہت زیادہ ورنہ صرف کر رہا تھا۔ بہت سے تبدیلیاں لگ رہی تھیں۔ ان کے ابتداء ہی میں اپنا نقطہ نظر بدلنا جو پورا شرح کر دیا تھا کہ میں صرف اس داماں کا بلکہ کھنے کے لیے نہیں تھا بلکہ کہ دوسرا چیزوں کو میں جن کا تعلق نہ بنے وہ۔ ہر ہائی شس نے بڑی جدت سے کام لے کر ہر وقت سری حکومت کی۔ ہمارا کہہ ہی نہ سکتے

مجھے چاہیے کہ انہیں کاؤجنگ پر غفلت کا موقع دیا جائے، وائسرائے نے انہیں لکھا کہ یہ اسی وقت ممکن ہو سکے گا جب کہ بعض معاملات کا پوری طرح تصفیہ ہو جائے۔ یہ میرے انتظامات کی طرف واضح اشارہ تھا۔ ہمارا جسے ہنر کسی بھی کو یقین دلاتے ہوئے لکھ کر وہ بہت کے تمام معاملات کی آپ خود نگرانی کرتے ہیں اور قدرتی صورت حال کے سوا اور یہ مسئلہ تو پورے ہندوستان میں موجود ہے، ریاست کو کسی ایسے دستور کو سامنا نہیں چوکی حیثیت سے بھی پیش کرنا ہو۔

شہر جے پور میں جس تیزی کے ساتھ ترقیاتی کام ہو رہے تھے، نیویارک ٹائمز کا ناظر نگار جواہر داس نے لکھا تھا، ان سے بہت متاثر ہوا۔ اس نے اپنے اخبار کو اس کی ایک شاندار رپورٹ بھیجی۔ لیکن اس سے پولیٹیکل ڈپارٹمنٹ کے کان کھڑے ہو گئے۔ اس نے خیال کیا شہر کی بہتری کے لیے بہت زیادہ روپیہ خرچ کیا جا رہا ہے جب کہ ایک ایک پالیسی حکومت ہند کے کمالات میں لگنے کی ضرورت تھی۔ خود وائسرائے نے ہمارا جو کچھ لکھا انہیں شرمندہ دیا کہ وہ اس تیز رفتاری سے آگے نہ بڑھیں۔ ظاہر ہے کہ ان کے ذہن میں میں ہی غیر مصلحتیہ میں نے پولیٹیکل ڈپارٹمنٹ پر یہ بات واضح کر دی کہ میں عوامی مدد پر متاع نہیں کر رہا تھا میں جو کون کے پیش بھرنے کی کوشش کر رہا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ شہر کی صفائی بھی جو بہت بری حالت میں تھا میں نے اس سے اتفاق کیا کہ جہاں تک ہر سکے اپنی رفتار کو تیز نہ ہونے دو گا تاہم میں اپنے منصوبے کے مطابق کام کرتا رہا۔ لیکن نسبتاً دیر سے امداد قیام کے ساتھ۔

میں نے جے پور کے دیوان کا عہدہ ابتداء میں ایک سال کے لیے قبول کیا تھا۔ بعد میں میں نے اس میں دو سال کی توسیع قبول کی اور اس کے بعد مزید ایک ہر سال کی۔ اس طرح میں نے اس خوبصورت ریاست میں ایک نہایت جہاں اور قدر دان حکمران کے تخت چار سال گزارے۔

جے پور میں بھی دوسری دہائی کی ریاستوں کی طرح کوئی دستہ نہ تھا۔ ہمارا جو ریاست کا نظم و نسق ایک کونسل کی مدد سے چلاتے تھے جو وزیراعظم اور تین وزیروں پر مشتمل ہوتی تھی۔ وزیروں کا تقرر ہمارا جو کرتے تھے اور جب تک ہمارا جو ہائے اپنے عہدے پر برقرار رہتے۔ کونسل کی صلاحیت خود ہمارا جو کرتے اور ان کے ؟ میں وزیراعظم۔ مجھے یہ بات غیر دانش مندانہ معلوم ہوئی کہ ہمارا جو کونسل کی صلاحیت کریں اور نظم و نسق سے اپنے آپ کو اس درجہ وابستہ رکھیں۔ کیونکہ جب کبھی بھی حکومت کے کسی عمل سے چپک کر اختلاف ہوتا تو لوگ اپنی تعہد میں ان کا نام لے لیتے۔ ہمارا جو نے میرے دماغ سے اتفاق کیا، اور کونسل کے صدر کے اختیارات وزیراعظم کو سونپ دیئے۔

ریاست جے پور میں عوامی نمائندوں پر مشتمل کوئی دستہ ساز جماعت تھی جو حکومت کی پالیسی کو تنقید کر رہے تھے۔ میری کوشش سے ہمارا جو نے ۱۹۳۴ء میں سیاسی اصلاحات کا اعلان کیا اور جے پور میں بھی عوامی نمائندوں کے دیوان بنادیئے گئے جو کہ متنازعاً جے پور کے بارے میں نہایت خوش گوار تاثرات اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ اس لیے اس نے ایک خوش گوار نفاذ پیدا کر دیا اور اس نفاذ نے میرے کاموں کی تکمیل میں بھی مدد دی۔ تاہم اس کے بعض ضمیمہ کو غرض مندوں کی طرف سے میری مخالفت بالکل نہیں ہوئی۔ مثال کے طور پر ہندو باسما کسی نہ کسی طرح مجھے تھنی جلدی ہو سکے جے پور سے ٹھکانے پر تھی۔ یہ اس کے عہدے کے خلاف بات تھی کہ ایک ہندو ریاست میں ایک مسلمان آئی انچی جگہ پر ٹھکانا ہے۔ ہندو باسما اس وقت بھی ایسی ہی کوشش کی تھی جب میں میسور کا پیرا ہی تھا۔ لیکن وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکی۔ جے پور میں اس کی کوشش زیادہ منظم رہی اس کا سب سے بڑا الزام میرے خلاف

[illegible]

ہے پور میں مجھ ایک بنایت در رنگ ماثور سے دو پار ہر بنا چڑا۔ حلقہ قاتا غیر معمولی تھا کہ اس کا بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے ایک صبح جب میں اپنے دفتر کی میز پر کام میں مصروف تھا، ایک سکھ نوجوان نے مجھ سے ملنے کی خواہش کی۔ میری عدالت تھی کہ میں کسی سے کچھ ملنے سے انکار کر دیتا تھا۔ سکھ نوجوان اندھا لگ گیا اس نے بٹے سے سکون کے ساتھ آنچہ اور کی فرس و نایت بتائی۔ اس نے کہا کہ وہ ایک لڑکے سے محبت کرتا ہے لیکن لڑکی کا باپ ان دونوں کی شادی کی اجازت نہیں دیتا تھا کہ اس نوجوان کی کوئی حیثیت نہ تھی اس لیے اس نے درخواست کی کہ میں اس کی مدد کروں اور اسے پھر سول سروس میں بھی کر دے دوں کہ میں جی اس کی امید کا آخری سہارا تھا۔ میں نے اسے باطنی واضح خود پر عبور کا کے ساتھ سمجھا لیا کہ اس مسئلہ میں میرے بچے کو کوئی مدد کرنا ممکن نہیں خواہ وہ مجھے ملتی بھی کیوں نہ ہو تاہم اس حالیکہ وہ بچہ پوری بھی نہ تھا۔ اس نے کہا کہ اگر میں اس کی مدد نہ کروں تو وہ بیس ہاں دے دے گا۔ میں ایک لمحہ کے لیے بھی متصدّر نہ کر سکا وہ جو کچھ کہہ رہا تھا اسے سچ سمجھ کر دیکھتا تھا۔ میں اسے سمجھتا ہوں کہ میں نے اس سے کہا کہ وہ بے وقت و بے نذا صبر سے کام لے لو کہ کسی وجہ سے جا کر ملازمت نہ دھونے وہ ایم۔ اے تھا اور کافی وجہ تھا۔ اور کہیں بھی اپنے مقصد میں کامیاب رہتا ہوں دیکھ کر میں اس کی مدد پر آمادہ نہیں تھا اس نے ایک بار وہ مسئلہ اور اپنی بات تہی چھوڑ رکھی۔ قدرتی طور پر میں مجبور لگا ہوں اس سے درخواست کی کہ وہ اور کسی عقائد کو مت ذکر کرے۔ میرے لیے اس کے ہاتھ سے جعید جینٹل مین تھا کہ ایک چھوٹا سیرم دونوں کے درمیان مائی تھا لیکن کہا کہ وہ بچے نہیں میں آپ کو کرنی گزرنے پہنچاؤں گا۔ یہ کہہ کر بنایت اطمینان کے ساتھ اس نے اپنے آپ کو گولی مار لی۔ گولی اس کی کمر بڑی کر چیرتی ہوئی تھی لیکن وہ بے حس نہ تھا۔ وہ اپنے آپ کو گولی مارنے سے پہلے نہایت آسانی کے ساتھ مجھے بتا دیتا تھا کہ میں لڑکے سے ملے محبت تھی اس کی تصویر میں اس کی جب سے نکلیں۔ مجھے خوشی ہے کہ

یہاں تک کہ وہ لوگ جو ان کے ساتھ تھے، ان کے لئے ایک اور عزم کی بات کرتے۔

[illegible]

میں نے اس وقت تک اس کی خدمت میں نہ جانا کہ اس کا شمار سال پہلے ہی میں ہوا۔ اس کے بعد وہ ایک سرور میں ملا گیا۔

میں نے یہ تمام کام اس وقت ہی میں ہی منظر اعلیٰ تھے۔ لیکن موت فطری حیثیت سے یہ کوئی نظم و نسق کی ذمہ داری کی کوئی تکلیف کی نسل پر تمام اس کو اس میں عذابا عظمیٰ تھا جس کا مقصد وہ وراثت کے شروع سے اور اس کی منظر ہی سے کرتے تھے۔ کرشل میں چھ نام تھے لیکن بہت تھے۔ لیکن کرشل کے فیصلے کے خلاف نہیں جا سکتے تھے۔ ایک بار جب میں نے نظام سے یہ کہہ کر جواب میں لوگوں سے کہتا ہوں کہ یہ کہہ کر ان کو اذیت نہ پہنچاؤں۔ سب سے زیادہ وہ منظر ہی میں توڑ کر میری بات پر پیش نہیں کرتے۔ یہ سن کر وہ خوب ہنسے، واقعہ یہ کہ اگر نظام بیکر کیس کرشل کے فیصلے کے خلاف جاتا تو منظر اس میں مداخلت کرتا۔

ظہار میں بیعت کی غریبیاں ہیں اور اس کے ساتھ عجیب و غریب بھی۔ وہ بڑی سیدھی سادی زندگی بسر کرتے ہیں۔ انہیں غم و غمش سے بالکل بے خبر رہنا ہوتا ہے۔ ان کی زندگی میں سادہ ترین غذا کھاتے ہیں اور وہ بھی بہت تھوڑی۔ وہ ایک پرانی اور کراستوال کی کھاتے تھے۔ یہ سادہ زندگی ان کی جڑوں میں گہری ہے۔ ان کی زندگی میں کوئی شادی نہیں ہوئی تھی اور ان کی زندگی میں کوئی شادی نہیں ہوئی تھی۔

کونسی حکومت کی بادشاہت انہوں نے اپنا بیجا کھڑے کر دیا۔ قریب قریب ہندو کی دولت ان کے گھڑے ٹھکانے بن گئی۔ بیٹیوں اور دوسروں میں بادشاہ کی  
جہ ان کے بیٹوں نے شادی پر بیڑہ اٹھ کر تین سو کروڑ روپے دیئے تھے۔ ان کے گھڑوں کی ایک ٹولہ ان کا قتل ہے اور سب کے کہ ان کے بیٹے کو گولہ کر  
دیا اور وہ بیڑہ پر بیٹھ کر گئے تھے۔ لیکن انہوں نے اپنا بیڑہ بھی کے انہار کے لیے کوئی نہ نکالا یا کا دعائی نہیں کی۔ ہر گز نہ کرنے والی بڑی  
سورجی بادشاہت پر جس میں ان کا بیڑہ قتل قابل ستائش ہے۔ شہیت نے اس سے سخت اور بہت سخت سلوک کیا۔ انہوں نے کیا کچھ نہیں  
کھیا ہے۔

میں نے یہ سب کچھ دیکھا ہے، لیکن میں نے اسے اس کی جگہ پر نہیں لایا ہے۔  
میں نے اسے اس کی جگہ پر نہیں لایا ہے۔

[illegible]









وہ کہتا ہے کہ میں نے اس کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے  
مذہب کے لوگوں کو بتاتا ہے کہ وہ اپنے  
مذہب کے لوگوں کو بتاتا ہے کہ وہ اپنے

مذہب کے لوگوں کو بتاتا ہے کہ وہ اپنے  
مذہب کے لوگوں کو بتاتا ہے کہ وہ اپنے

مذہب کے لوگوں کو بتاتا ہے کہ وہ اپنے  
مذہب کے لوگوں کو بتاتا ہے کہ وہ اپنے

مذہب کے لوگوں کو بتاتا ہے کہ وہ اپنے  
مذہب کے لوگوں کو بتاتا ہے کہ وہ اپنے  
مذہب کے لوگوں کو بتاتا ہے کہ وہ اپنے  
مذہب کے لوگوں کو بتاتا ہے کہ وہ اپنے

مذہب کے لوگوں کو بتاتا ہے کہ وہ اپنے  
مذہب کے لوگوں کو بتاتا ہے کہ وہ اپنے  
مذہب کے لوگوں کو بتاتا ہے کہ وہ اپنے  
مذہب کے لوگوں کو بتاتا ہے کہ وہ اپنے

مذہب کے لوگوں کو بتاتا ہے کہ وہ اپنے  
مذہب کے لوگوں کو بتاتا ہے کہ وہ اپنے  
مذہب کے لوگوں کو بتاتا ہے کہ وہ اپنے  
مذہب کے لوگوں کو بتاتا ہے کہ وہ اپنے



...  
 ...  
 ...

میں نے حضرت سید تقی شاہ پندہ دہلویؒ کو اس پر زیارت میں اپنے مقیم دوست مولانا فیض شیرازی کا جہان روم، جبرجی شاہ ایران نے بھیجے حضرت پدائی جہاں دہلویؒ سے صاف صاف باتیں کیں۔ انہوں نے ایک زبردست محب وطن کی حیثیت سے مجھے بہت متاثر کیا۔

فرہان سے ۱۱ ستمبر ۱۹۵۲ء میں بغداد گیا۔ اس سفر کا اصل مقصد کربلا، نجف اور کائنیں کی زیارت تھی مجھے یہ دیکھ کر انفس جو کہ کربلا کی حالت و ماحول انفس کے نزدیک مقدس ہیں، حکومت کی نظر قریب سے کسی درجہ محروم ہیں۔ حالانکہ یہاں کی حکومت نہ صرف ان مقدس زیارات کا ہر پرکاشی رقم صرف کر سکتی ہے بلکہ ان مقامات کو بہتر پر بھی کافی خرچ کرنے پر قادر ہے۔ یہ مقامات تمدن دنیا کی مہر زیارات سے بھی محروم نہ ہو سکتے۔ یہ جتنے تک کوئی متحرک نہیں حالانکہ ان دہلاؤں کے درمیان صرف چالیس میل کا فاصلہ ہے۔

مختلفہ گروہ کے ایک جبرہ صاحب سے پوچھا کہ کیا بات ہے کہ اسلامی ممالک اتنے زیادہ پسماندہ کیوں ہیں اور ان کا نظم و نسق اس درجہ مستحکم کیوں ہے؟ ان گروہوں کے باشندے عیسائی بھتیجیوں کو آٹھارے بیڑ نہیں آسانی کے ساتھ دودھ کیا جاسکتا ہے۔ کیا اسلام اس کا نذرہ دے رہا ہے؟ اس خیال کے چند تردید کی گئی۔ انہوں نے کہا کہ اس کے برعکس ان ممالک میں اس لیے ان ملکوں کی یہ درست فہمی ہے کہ وہ اسلام کی بنیادی باتوں پر عمل نہیں کریں۔ جب میں نے یہ بات غلط فہمی سے کہی تو انہوں نے تصحیح کی کہ "مسلم ملک نہ کہیں بلکہ انسانی ملک کہیں" خواہ بات کچھ بھی ہو، لیکن یہ واقعہ ہے کہ ان سے بیشتر ملکوں کا نظم و نسق غیر ترقی پذیر ہے اور یہی ان کی سب سے بڑی خرابی ہے۔ مثال کے طور پر انڈیا کو بھیجیے۔ یہاں کا نظم و نسق بدلتی کہانی ہے۔ مثلاً یہی ہے اور اس بدلتی کہانی کو بدتر بنانے کی کوئی سنجیدہ کوشش بھی یہاں نہیں ہوتی۔ عراق کا نظم و نسق شاید لتا بڑا ہے۔ لیکن وہ بھی کافی بڑا ہے۔ یہی حال مصر، ایران، اردن، اور دوسرے ملکوں کا ہے۔ پاکستان کے نظم و نسق میں کافی ترقی پھیل چکی ہے جس کے سبب بدستور ان میں نظم و نسق کا سلیبس اس سے بڑھتا جا رہا ہے۔ عراقی مصروف بڑی تیزی سے ترقی کر رہا ہے۔ یہی جس کی وجہ سے ہماری حاصل مانگ کر تھک رہا ہے۔ اس کے نتیجے کے طور پر لوگ ملکیت اتھارے بھی اور ہر طرف بدلتی پھیل رہی ہے۔ یہ کہنا کچھ مبائعہ نہیں کہ مشرق وسطیٰ میں اس بے چارے کے اعتماد اور احترام سے غور میں جن کی وہ خدمت کر رہی ہیں ہمارے ملک بنائیت آسانی کے ساتھ پیش رو سیاست دانوں کی جنت بن رہے ہیں۔



## محمد علی جوہر

جس خان نے مجھے مار دیا اگر ۱۹۵۹ء کو بہادر بنایا تھا اس کا شکوک تھا کہ اس کا بیٹا ۱۹۵۵ء کی طرح ۱۹۵۹ء میں نے اپنی عمر کے پچاس سال پر سے کیے۔ اس پندہ مدت پر فکر کرتا ہوں تو عجیب و غریب خیالات دماغ میں پیدا ہوتے ہیں۔ ۱۹۹۰ء کو میرے والد نے بدھ مت پیغمبر کوئی ۳۰-۳۲ سال کی عمر میں وفات پائی۔ اس وقت میری والدہ مرحومہ کی عمر ۲۰-۲۵ سال کی تھی۔ میرا بچپن کے کچھ دن بچا تھا۔ اس کی مدد سے خود اردو کاچھی اسکول میں پڑھنے کی استعداد پیدا ہوئی تھی۔ والد نے مجھے تیسری پڑوسی قرضہ چھوڑا تھا اور باقی رشکے اور ایک بڑی۔ جو میں سب سے بڑے کی عمر ۱۲ سال کی تھی۔ جیتی جیتی ہی اس کی عمر بڑھ کر ۱۵ سال ہو گئی۔ اس وقت سب سے چھوٹا خود میں تھا جس کی عمر اس وقت پڑنے دو سال تھی۔ مجھے اپنے والد مرحوم باپ کی یاد نہیں۔ مگر والدہ مرحومہ کو کبھی نہیں بھول سکتا۔ وہ وہ اس فیملی گراں پایہ کے جو شوکت صاحب کی بہت انگلی اور ترقیب و تقریب کی بدولت مجھے نصیب ہوا ہے میں جو کچھ ہوں اور جو کچھ میرے پاس ہے وہ خداوند کریم نے مجھے اس مرحومہ کے ذریعے سے پہنچایا ہے۔ والدہ مرحومہ کی وفات کے دس سے خود گھر کی پڑوسی ماٹوں کا سادہ اور ستا باس پنا اور انھیں کی طرح روکھی کھا کر گزری۔ مگر ہمارا کوئی سوال رو نہیں کیا اور ہمیں اس پیش و آہام میں رکھا، پالا اور بڑا کیا، جو ہمارے ان چاؤں کی اولاد کے پیش قارام سے کسی طرح کم نہ تھا، مگر کچھ ناممکن تھا، جو چند تالی وادہ مرحومہ کی وفات کے وقت نہ سلامت تھے۔ میں کی ہاتھوں میں پر قرضہ کاں بوجھو تھا جو ہمارے کسی قرضہ کا جیلاست راہمید ہوں اور جس کے بعد میں پر ہاتھ نہ تھے۔ ان سب سے پہلے میں کو گھر سے نکال کر بیوی اسکی میں تسلیم کے لیے والدہ مرحومہ نے بھیجا اور وہ تو سب اسکول چھوڑ کر گھر پہنچے تھے مگر بہاری میں تسلیم ہدی رہی اور شوکت صاحب جس طرح ریاست راہمید کے باشندہ ہیں غالباً سب سے پہلے کسی ہندوستانی پرنسپل کے گھر میں رہتے۔ اس طرح ان میں سب سے پہلے انگریز لائیکر بیٹے میں تھا۔ میرے سب سے بڑے چچا جو ہماری جائیداد کا انتظام فرمایا کرتے تھے اور ریاست میں ایک بہت بڑے امیر سے پرستار تھے اس وقت زندہ تھے۔ جب میں ان کے سب سے چھوٹے مرحومہ جانی کا سب سے چھوٹا لاکا اور ایک بیوی کا پردہش کر رہا اس ریاست میں ان سے گھر میں سے پرستار کیا گیا تھا انہوں نے اس امر پر ہلکے لگے لگایا اور پیار کیا۔

ریاست راہمید میں بدھ مت میں اپنے خاندانے بعد میں بدھ مت کے خاندانے اور جو بدھ مت میں تھے ان میں میں ایک سنائی کے ساتھ ساتھ نے چند اور دیانتوں میں ان سے بھی امتلا بعد کے دیکھنے کے گھر میں بدھ مت کے قبل ذکر کئے کے بعد میں نے دیانتہ میں قدم رکھا اور ملک دفت کی خدمت کے لیے اس وقت تک میں نے اپنی ذاتی برائے تھی یہ کہنا مشکل ہے کہ اس خدمات کی انجام دہی میں کیا حاصل کی یا نہ کی۔ لیکن غالباً یہ آج بھی نہ کہ جانتے لگا لگا رہا۔ سولہ بیگ سب سے پہلے فائدہ میں جس میں میں مسلم بیگ کی ۱۹۰۰ء

میں دنیا جانی اور ۱۹۱۱ء میں اس کا مسند منتخب ہوا۔ گو قید فرنگ کی بدولت کمری صدارت پر بری تصویر ہی ”بلوہ افزہ“ ہوتی جس صحت  
افزونی کے باعث وہی تھکا آج تک حکمرانوں کے گرو میں نظر میں جو اس کی حقیقت تھی وہ اس زمانے کے اس شعر سے واضح ہوتی ہے۔

یہ مسد و طبعی ہو بلبل کہ قیں جو حشر  
لیکن صلا مدقہ جسنا اللہ کی کچھ ہے

پانچ سال کی نظربندی اور قید سے روانی پر ۱۹۲۰ء میں جمعیت خلافت کی طرف سے ایک وفد کا سرکردہ ہو کر یورپ جانا اور  
وہاں بڑے بڑے فرانس واطالیہ وپاپائے روم سے ملنا پڑا۔ پھر وہ سال کی قید سخت کی سزا جتنی پڑی۔ اور اس کے بعد ۱۹۲۲ء  
میں ہندوستان کی سب سے بڑی نمائندہ سیاسی انجمن انڈین نیشنل کانگریس کی صدارت کے لیے با اتفاق رائے انتخاب ہوا۔ ۱۹۲۶ء  
میں سب سے پہلے عالم اسلام کی مقرر کیے گئے مسلمانین ہندوستان کی نمائندگی کے لیے جمعیت خلافت کی طرف سے منتخب ہوا۔

زہے سعادت آں بندہ کہ در منزل  
کھے بہ بیت خدا و گئے بہ بیت رسولؐ

گو مقرر کا اجلاس دوم حج کے موقع پر مکہ معظمہ میں منعقد نہیں کیا گیا تھا، لیکن مقرر کی شاخ ہند کی طرف سے اس کے لیے پہلی اختلاف  
منتخب ہوا۔ ان صاحب کے متعلق جو فرض تھے انھیں نیک نامی سے انجام دیا یا بدنامی نصیب ہوئی۔ یہ نہیں کہہ سکتا۔ مگر قینا کلام نہیں ہوا  
لیکن یہ بیان کا نام مطلوب ہے اور نہ بیان کی نیک نامی۔ جو کچھ مطلوب ہے وہ وہی صلا مدقہ و بلبل ہوا جس کا ۱۹۱۷ء کے انتخاب  
صلافت کے بعد کے شعر میں ذکر ہے۔ دیکھو وہاں کیا ہوا ہے۔ خود خدا شاہد ہے کہ جب سے جوش بھلا ہے اس پر اور اس کے رسول پر ایمان  
ہے۔ لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ بد بختی سے اچھے

اُن کو مانا ہے اپہ کہنا نہیں مانا اُن کا

ہزاروں گناہ کچھ ہیں۔ فرض مذہبی کی ادائیگی میں لاکھوں کتابیاں ہوتی ہیں۔ تاہم اس پریم و کریم کا شک ہے کہ اسلام کے  
صحاب بھی شریک کہے آئیں گے کھول دیں اور اپنے گناہ بندے کو ماہ راست پر لایا۔ لیکن ہے کہ اب بھی یہ دوسرے شیطان ہی ہوا اور  
برای اللہ ہی عالم ہوجس کے متعلق ثابت ہے کہ ہے کہ حج

ہیں خواب میں ہنر جو جگہ ہیں خواب میں

لیکن ولی تو کہتا ہے کہ جس کے نام نامی پر میرے والدین نے پیر نام رکھا تھا اس کے فضل میں مجھ پر بھی کرم ہو اور مجھ سے بھی  
اس ثابت گامی وصل اللہ میرے دستم لکھا ہے وہاں فرما رہا ہے :

اَنْتُمْ بِحَبْلٍ لَا يَبْتَدِي فَاَوْعَا وَ وَجَدَ لَهٗ خَلَا فَاَقْدَمَ وَ وَجَدَ لَهٗ خَلَا فَاَقْدَمَ

جتنے سچا ہوں وہی حقیقت معلوم ہوتی ہے جو حالت نظربندی چھند دارے میں ان اشعار میں ظاہر کی گئی تھی :

یہ نظربندی تو کئی روز مسد  
دیدہ آئے شوق اب جا کر کھلے



ابن علیؑ نے فرمایا کہ میں نے  
 ان کے لئے دعا کی کہ وہ  
 جہنم سے محفوظ رہیں  
 اور ان کے لئے دعا کی کہ وہ

جہنم سے محفوظ رہیں اور ان کے لئے دعا کی کہ وہ جہنم سے محفوظ رہیں  
 اور ان کے لئے دعا کی کہ وہ جہنم سے محفوظ رہیں اور ان کے لئے دعا کی کہ وہ  
 جہنم سے محفوظ رہیں اور ان کے لئے دعا کی کہ وہ جہنم سے محفوظ رہیں  
 اور ان کے لئے دعا کی کہ وہ جہنم سے محفوظ رہیں اور ان کے لئے دعا کی کہ وہ

جب میں دس بارہ برس کا لڑکا تھا تو خیال کیا کرتا تھا کہ پچاس برس کا آدمی بڑھا ہوا ہوتا ہے اور بڑھا ہے میں اٹھ بیٹھے ہوں  
 پہلے اٹھانے بیٹھے، میں دوسروں کی مدد دیتا پڑتا ہے اور دوسروں کا دست بٹا دیتا ہے۔ اس بے میری آنسو دیکھ کر خدا کے پاس  
 سال کی عمر سے پہلے ہی موت آجائے تاکہ سسک سسک کر اور ہلکے پر ہلکے پڑے۔ آج پچاس سال کا ہو گیا مگر  
 اب تک موت نہ آئی۔ حالانکہ میں سال سے میدان صحافت میں قدم رکھا ہے ذرا بیس جیسے موزی اور ملک مرض میں مبتلا ہوں اور  
 جراثیم یا آدام سکھ دے لکھی اس کا مقابلہ کرنے کے لیے درکار ہیں وہ مفلح وہ ہیں۔ اس وقت تک جتنی عمر ہوتی ہے اس کا آخری  
 تہائی حصہ اس مرض میں گزرا ہے۔ اعصاب اب کثرت پاتی نہیں ہے۔ حاکم بے درغوب ہو گیا ہے۔ لیکن بھلا شباب تک دوسروں کا  
 دست بٹا کر ہونا نہیں پڑا۔ اٹھ بیٹھے، پہلے پہلے اٹھانے بیٹھے میں ابھی دوسروں سے مدد لینے کی ضرورت نہیں پڑی اور اگر سال کرشتہ  
 میں چار ماہ تک صاحب فراش رہا تب بھی ملک وقت کے کاموں میں شرکت کی اور بیٹھے بیٹھے جگہ بیٹھے بیٹھے وہ خدمات انجام  
 دیتا رہا جو کافر اور خلافت کے سلسلے میں مجھ سے متعلق تھیں۔ اسی حالت میں حج و زیارت کا شرف بھی نصیب ہوا۔ اور اگر اسی دن  
 جس دن مرقع عالم اسلام نے دہلی افتخار کے بعد اپنا اصلی کام شروع کیا۔ آدھے مہر میں بے بسی پیدا ہو گئی اور وہ بھی قہر دلائے  
 آدھے حصے میں۔ اور میں سمجھا کہ انداموں نے اپنے گھر بلا کر ہمیشہ ہی کے لیے مہمان فزائی فرمائی۔ مگر موت نصیب ہو کر جنت المادوں  
 میں سونا میسر نہ ہوا۔ دوسرے ہی دن سے موت کے ہر جیسے میں خریک ہوا اور جو کچھ ہو سکا، کیا۔ اس کے ختم ہونے ہی ذیارت  
 دوسرے دنوں کے لیے چار دراستے میں ذیل نکل آیا جس سے خیال ہوا کہ شاید ہی سوراخ سے ملک الموت تشریف لائے داسے ہیں  
 اور جنت المادوں کی جگہ جنت البقیع میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مہمان فزائی کا سامان کر دیا جائے گا۔ مگر جو موت کو منظر میں نصیب  
 نہ ہوئی تھی وہ مدینہ منورہ میں ہی میسر نہ آئی۔ بہتر جب کہ وہی ثناء اللہ صاحب نے بندھا ہوا لاکھ مدینہ منورہ سے واپس پر دیکھ کر  
 پوچھا تو خائب کے غیر ملبور کلام میں سے یہ شعر سنا پڑا ہے

موت اُن کی ہے جو میں مر کے وہیں دفن ہوئے  
 زندگی اُن کی جو اس کو چے سے ٹھٹھکی آئے

معلوم ہمارے قبر و قبر شکنہ بھائی اس موت کے قائل ہیں یا نہیں، جو صفت انہیں کا حصہ ہے (جو میں مرے وہیں دفن ہوتے) لیکن میں تو اس قبر و قبر شکنہ پر بھی اس کا قائل ہوں، نیز اس زندگی کا جو ان کے حق میں ہے (جو اس کو چے سے گھائل آئے) میں کو بھلائے اس سے گھائل ہو کر آیا ہوں، باوجود روز افزوں ملکی و قلعی ذاتی مصائب کے آج ۵ ارب ۵۰ لاکھ ۱۳۵ تک اس زندگی کا لطف اٹھا رہا ہوں جو اس کو چے سے گھائل آنے والوں کو عنایت ہوتی ہے۔ اور اس کو چے کی خاکروبی کی خدمت جہاں تک ہو سکتا ہے اس دور افتادگی کی حالت میں بھی کرتا ہی رہتا ہوں۔ چاہے کسی اور بھائی کو جو وہاں سے گھائل ہو کر نہیں آیا ہے پسند آئے یا نہ آئے۔ جس کے حنین میں یہ زندگی نصیب ہوئی، اُسی کے طفیل اس ذات پاک سے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، التجا ہے کہ اگر اس کو چے ہی میں ایک مشتبہ استخوان کے لیے دو مشت خاک پاک نصیب ہو جائے تو بڑا کرم ہو گا۔ لیکن اگر اس سمادت سے محروم رہوں تب بھی یہ تو آج حکم ہو جائے کہ جن بندے کا نام محمدؐ اور علیؑ کے اسمائے گرامی پر آج سے پچاس سال پیشتر ہم نے رکھ دیا تھا اس کو اب جتنے دن اور جینا ہے، محمدؐ اور علیؑ جی کے دین کی خدمت کے لیے بھلا یا جائے تاکہ ہر روز روزِ عید اور ہر شب شبِ برات ہو کیونکہ

وہی دن ہے ہماری عید کا دن

جو تری یاد میں گزرتا ہے

اور جہاں کہیں بھی موت آئے اسی راستے میں آئے جس میں محمدؐ اور علیؑ کو آتی تھی تاکہ ہمارے اس بندے کے پر سب

شریح نکلیں :

تفاس کو نہیں آتی ہے، یوں تو سب ہی مرتے ہیں

پر اس مرحوم کی بوسے کفن کچھ اور کستی ہے

دو حیات آئے گا قاتلِ قضا کے بعد

ہے ابتدا ہماری تری انتہا کے بعد

تم یوں ہی سمجھنا کہ فتنہ میرے لیے ہے	پر غیب سے سامانِ بقا میرے لیے ہے
پیغامِ طعنا تھا جو حسینؑ ابی علیؑ کو	خوش ہوں وہی پیغامِ قضا میرے لیے ہے
کیوں ایسے بزمِ ہر نہ خدا ہوں کہ جو فرمائے	اچھے تو بھی کے ہیں بُرا میرے لیے ہے

جس کو دنیا نے نامراد کہا

میرے رنگِ کفن کی شوخی دیکھو

وہی ناکام کام کرتا ہے

یوں ہی عاشقِ ترا سوزتا ہے





## چٹخوف

پرنڈنٹ نے پوچھا کہ "میں نے نہیں اس لیے رکھ چڑا ہے کہ مجھے تمہارے باپ کا لحاظ ہے۔ دور نہ تمہیں بھی کاڑا دیا جوتا۔"  
میں نے جواب دیا "یہ آپ کا حق نہیں ہے ورنہ بندہ کہاں اڑ سکتا ہے۔"  
اور پھر میں نے اسے کہتے سنا "سے جاؤ اسے یہ تو میرے سر پر سوار ہو رہا ہے۔"  
دو دن کے بعد مجھے نوکری سے جواب مل گیا۔ یہ کوئی نئی بات نہ تھی، اس سے پہلے کچھ اسی طرح مجھے آٹھ مختلف جگہوں سے جواب مل چکا تھا۔

اس دفعہ جب میں گھر پہنچا تو میرا باپ آنکھیں بند کیئے ایک آرام کرسی پر لیٹا ہوا تھا۔ اس کا سونکا ہوا بے گوشت چہرہ تقسیم ورمنا کا حزن تھا۔ آنکھیں کھولے یا سہم کا جواب دیے بغیر اس نے کہا "اگر آج تمہاری ماں زندہ ہوتی تو تم اس کی جان کا روگ بنے ہوتے۔" اس کی بے وقت موت میں بھی خدا کی کتنی حکمت نظر آ رہی ہے۔ اور پھر اس نے آنکھیں کھول کر کہا "بد نصیب لڑکے، بتا اب میں کیا کروں؟" جب میں چھوٹا تھا تو میرے رشتہ دار اور دوست کوئی نہ کوئی راہ دکھایا کرتے تھے۔ بعض فوج میں بھرتی ہو جانے کی صلاح دیا کرتے، بعض کسی دواخانہ میں ملازمت کر لینے کا مشورہ دیتے اور بعض تارکے ٹکڑے میں نوکری کی نصیحت کیا کرتے اور اب جب میں ۲۵ سال کا چھوٹا ہوں، کنپٹیوں کے بال سفید ہونا شروع ہو گئے ہیں اور فوج، دواخانہ اور تارو وغیرہ سب ٹکڑوں میں کام کر چکا ہوں۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے دنیا کی تمام ممکن چیزیں ختم ہو گئی ہیں۔ لوگوں نے اب نصیحت کرنا اور مشورہ دینا بند کر دیا ہے۔ اب وہ شخص آہ بھرتے ہیں اور خاموشی سے سر ہلا دیتے ہیں۔

"تمہنے بھی اپنے متعلق ہی سوچا ہے" میرے باپ نے بات کو جاری رکھا۔ "تمہاری عمر کے لوگ سماج میں ایک باعزت حیثیت کے مالک ہوتے ہیں۔ لیکن تم کیا ہو؟ ایک ٹپ پوچی، ایک فقیر، اپنے باپ پر بوجھ۔ اور پھر وہ سب معمول کتا چلا گیا۔ آج کل کے نوجوان اپنی بے دینی، مادہ پرستی اور نخوت کی وجہ سے میرے جہنم کی راہ پر جا رہے ہیں۔ دیکھو کل میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔ تم پرنڈنٹ سے معافی مانگو اور دل کی کام کرنے کا وعدہ کرو۔" اس نے فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔ "تمہیں ایک دن بھی سماج کے اندر ایک مستقل حیثیت کے بغیر نہیں رہنا پڑے۔"

"آپ میری بات تو نہیں۔ میں نے آذر دلی سے کہا۔ آپ جس چیز کو سماج میں ایک حیثیت سمجھتے ہیں، وہ تو محض علم اور پیسے کی رعایت ہے۔ وہ جس کے پاس نہ علم ہے نہ پیسہ وہ تو افسے ہی کام کر کے روٹی کھاتے ہیں اور میں مجھ نہیں سکتا کہ میں اس اصول سے کس طرح ششٹی ہو سکتا ہوں۔"

محبتم غنت ازودی کی بات کرتے ہو تو کتنے حق علوم ہوتے ہو؟ میرے باپ نے مجھ کو کہا کہ: "میرا بھی طریقہ ہے کہ لوگوں سے  
لیفت جہاں کسی کے علاوہ تمہارے اند ایک آسمانی قوت ایک مقدس آگ کا شعہ بھی ہے۔ جو تمہیں گودے اور کیرے کوٹھے سے  
نمایاں طور پر نماز کرتا ہے اور خدا کے زیادہ قریب لاتا ہے۔ یہ آگ ہزار ہا سال کی بسترین کو خشوں کا پیل ہے۔ تمہارا پودا پھانسی  
لہو و خون کے مقام پر جہنم کی جہنم سے لڑا۔ تمہارا دارا ایک شاعر، ایک خلیب اور امیر الامراء تھا۔ تمہارا چچا ایک سکول ماسٹر تھا اور  
پھر مجھے دیکھو میں میری حالت ہوں۔ کیا پلازینٹ کے خاندان نے اس مقدس آگ کی اسی بے حفاظت کی حق کو تم اسے بجا دو؟  
ایک بند کدو میں بیڑا کر میں نے کتنا شروع کیا؟ نقل کرتے رہنا اور ناپ پراٹھیاں چھتے رہنا میری عمر کے آدمی کے لئے مرن  
شرمنگ ہی نہیں بلکہ محنت ذلت ہے مقدس آگ کا اس سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟

"لیکن یہ پھر بھی ایک ذہنی کام ہے؟ میرے باپ نے کہا۔ "مخیر بات کو منکر کرو۔ میں تم سے کہہ دیتا ہوں کہ اگر تم واپس اپنے  
کام پر نہ گئے اور انہیں بے سودہ خیالات کے پیچھے چسے رہے تو یاد رکھو میں اور میری بیٹی تمہیں اپنے دل سے نکال دیں گے۔ تم جاس  
خدا سے زندہ کی میں تمہیں اپنی جان واد سے محروم کر دوں گا؟

میں نے کہا: "جائزہ دو سال میرے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ میں اسے آپ کے کچے بغیر بھی چھوڑ سکتا ہوں؟

"پاچی اب تمہیں یہ بھی جرات ہو گئی ہے؟ میں نے ایک تیز باریک آواز کو گرجتے سنا۔ "حق کہیں کا؟

اور تیزی و جوش سے جس کی علت میں داخل ہو چکی تھی۔ اس نے زانو سے مجھے دو تپڑ رسید کیے۔ "تم بھول رہے ہو کہ

تم کون ہو؟

لیکن میرا ارادہ ٹل نہیں سکتا تھا۔ میں اب دوبارہ اس نوکری پر جانا نہیں چاہتا تھا بلکہ مشقت کی زندگی بسر کرنا چاہتا تھا۔ سوچنا  
صرف یہ تھا کہ کونسا کام کروں۔ ذہنی لذتوں مثلاً ٹانگہ دیکھنے یا مطالعہ کرنے کا تو مجھے بے حد شوق تھا لیکن میں یہ نہیں جانتا تھا کہ میں  
کوئی ذہنی تعلق بھی کر سکتا تھا یا نہیں۔ سکول میں مجھے یونانی زبان سے اعتماد رہے کی نفرت تھی اور ابھی میں چوتھی جماعت میں ہی تھا کہ  
مجھے سکول سے اٹھایا گیا۔ مدت تک استادوں کی مدد سے پانچویں جماعت کی تیاری کرتا رہا۔ لیکن بے سود۔ پھر میں نے کئی حلقہ مرکوز  
دفتر میں کام کیا۔ جہاں دن کا بیشتر حصہ یونیورسٹی گزارنا تھا۔ لوگوں کی نفروں میں یہ ذہنی کام تھا۔

رات ہو گئی۔ ہم وفراٹس بازار میں رہتے تھے۔ شہر کا یہ صدر بازار تھا۔ نفیس مزاج لوگ اپنی شاہیں بیس گزرتے تھے۔ میں بارہ  
کے دروازے پر کھڑا آئے تھا کہ میں جی پاس ہی کھڑا ہوں۔ کیونکہ میرا لباس غریبانہ اور چھانی وضع کا تھا۔ اس کے علاوہ شہر میں میری  
جہاں کوئی اچھی نہ تھی کیونکہ میں صحاح میں کسی عمدہ حیثیت کا مالک نہ تھا۔ اکثر عامیانہ ہونٹوں میں میری ڈیکھلا کر تھا اور پھر شاید اس لیے  
مجھے کہ مجھے دو دفعہ پولیس کے سامنے مشتبہ حیثیت میں پیش ہونا پڑا تھا، اگرچہ میں بالکل بے قصور تھا۔

سامنے کی شاندار محارت میں دل ڈی کوٹ کے بیاں کوئی پیاؤ بھارا تھا۔ اندھیرا چھوٹا قلعہ سا تھا جسے جگہ جگہ لگے تھے۔ اتنے میں  
میرا آپ ایک پرانی بند مڑے جوئے کھانے والی بیٹ پٹھن میری ہن کے اندھ میں اندھیلے لوگوں کے سلام کا جواب دیتا جاتا ہے۔

اس سے گزرا۔

اس کا ذہنی ترقی ہمہ گیر ہو گیا تھا۔ جس میں کوئی وسعت اور صفائی نہ تھی۔ میرے باپ نے میری ہی کی زندگی بھی کچھ اسی رنگ میں رنگ دی تھی۔ اول تو اس کا نام ہی طور پر رکھا تھا۔ جس طرح میرا نام سائیل، ابھی وہ بچی ہی تھی کہ وہ اسے ستاروں، پہلے زمانے کے رشیوں اور باپ دادا کی باتیں سنا کر پریشان کر دیتا۔ پھر زندگی اور اس کے فرائض پر لمبی چوڑی بحث کیا کرتا۔ اب وہ پچیس سال کی تھی لیکن ابھی تک اس کی عادتیں نہیں بدلی تھیں۔

مکان میں میرا کمرہ الگ تھا۔ لیکن میں ایک اور ہی کونٹری میں رہا کرتا تھا جو کسی وقت غالباً گھوڑوں کا ساز و سامان رکھنے کے لیے بنائی گئی تھی۔ یہاں رہنے سے میں اپنے باپ اور اس کے ملاقاتیوں کی نظروں میں آنے سے بچا رہتا۔

میری بہن میرا اعتقاد کر رہی تھی۔ باپ کی نظر بچا کر وہ میرے لیے کچھ کھانے کو لے آتی۔ روٹی کا ایک ٹکڑا اور چند بڑے گوشت کا ایک قلم۔ جیسے گھر میں زیادہ تر کچھ اس قسم کے مقولے رائج تھے "جو بیج گیا سو بیج"۔ تم پیسوں کا خیال رکھو رو پیے خود بخود ہو جائی گے۔ میری بہن ان مقولوں کو بہت انتہائی تھی۔ وہ ہمیشہ خرچ گھسانے کی طرح میں لگی رہتی۔ بیٹھ کو میز پر رکھ کر وہ میرے بستر پر بیٹھ لگتی اور رونے لگی۔ "تم نے پھر کوئی چھوڑ دی ہے؟" اس نے سسکیاں بھرتے ہوئے کہا۔ "آہ کتنی بڑی بات ہے؟" لیکن بہن تم بات سمجھو تو "میں نے کہا اور مجھ پر مایوسی کا عالم چھا گیا۔ وہ زار زار رو رہی تھی۔

میں نے اتفاق سے میرے چھوٹے بیپ کا تیل ختم ہو گیا۔ جتنی سے دھواں اٹھنے لگا اور لیپ بجھ جانے لگا۔ دیواروں کے پرانے اک آئینہ لگی سے دیکھنے لگے۔

میری بہن کتنی گھٹی؟ اچھا اگر تم اس افسر کے ماتحت نہیں رہ سکتے تو نہ سہی۔ کسی اور جگہ کے لیے کوشش کرو۔ مثلاً تم ریوس میں کیوں نوکری نہیں چاہتے۔ میں نے ابھی ابھی اتنا بے گارڈ سے بات کی تھی، اسے یقین ہے کہ تم ضرور ملے لیے جاؤ گے۔ اس نے ہنسنے پر غصہ کر کے یوں کوشش کرنے کا وعدہ بھی کر لیا ہے۔ خدا کے لیے سائیل ذرا سوچو تو۔ ذرا سوچو تو۔ میں تم سے انکار کرتی ہوں؟

ہم نے تھوڑی دیر تک اور باتیں کیں اور آخر کار میں مان گیا۔ میں نے کہا۔ "اگر تم چاہتی ہو تو میں قسمت آزمائی کے لیے تیار ہوں۔ ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے دھوشتی سے مسکرائی اور اس نے میرے ہاتھ کو زور سے مردار۔ لیکن جب میں باورچی خانے میں ہوتا سا تیل لینے کے لیے گیا تو وہ پھر رونے لگی۔ یہ اس کے بس کی بات نہ تھی۔

خیرانی کاموں کے لیے چندہ اکٹھا کرنے میں ازہر کن خانہ ان ہمیشہ پیش پیش رہتا تھا۔ یہ لوگ ہلک اور ناچ گانے کی نصیحت قائم کرنے میں بہت دلچسپی لیتے تھے۔ مجھے ان ناچگوں سے بہت دلچسپی تھی۔ ان لوگوں کے انتخاب یا پارٹ کی تقسیم میں میرا کوئی حصہ نہ تھا۔ میرا کام صرف پس پردہ ہوتا تھا۔ مثلاً سینریاں بنانا۔ ایکٹروں کے پارٹ نقل کرنا، انھیں نقد دینا یا روپ دھارنے میں ان کی مدد کرنا یا بعض اوقات مختلف اثرات پیدا کرنا۔ مثلاً بادل کی گرج۔ بلبوں کا گانا وغیرہ میرے سپرد تھا۔

اپنی بہن سے بات چیت کرنے کے ایک دن بعد میں ازہر کن کے یہاں جمع سے شام تک سینریاں بنانا۔ شام سات بجے دیر ہو گئی تھی۔ ریپرسل کے شروع ہونے سے ایک گھنٹہ قبل سب اداکار بڑے کمرے میں جمع ہو گئے۔

میرے قدم چنے کے لیے کوئی ایسی اٹھانی ہی تھی کہ میری ہمت اٹھتی۔ وہ میرے پاس آئی اور کہنے لگی۔ وہاں میرے ساتھ تو میں اس کے ساتھ چلا۔ آج تو مجھے گاؤں میں اور سیاہ نقاب پہنے دروازے پر پہنچوں کے لیے کھڑی تھی۔ وہ گورنر کے محفل میں صبح کی بیٹی تھی۔ وہ ریل کے مقررین پر بھی صحت کسی ضروری کام کے لیے ہی آئی تھی۔ ظاہر ہے اب بھی وہ بچی ایک لفظ کے لیے ہی آئی تھی۔

”میرے اپنے تمامے متعلق کیا تھا؟“ اس نے کہا۔ ”میری طرف دیکھ بغیر شرتے ہوئے کہا۔ دل زلی کوٹ نے تمامے لیے دیکھتے دانی پر ڈگری کا دھڑکا لیا ہے۔ کل اس سے ملو۔ وہ گھر پر ہی ہوگا۔“

دوسرے دن بارہ بجے اور ایک بجے کے درمیان میں دل زلی کوٹ کے یہاں گیا۔ ذکر کے لیے ایک خوبصورت کمرے میں لے گیا۔ انجینئر کی بیٹی کہنے کی میز پر بیٹھی اخبار پڑھ رہی تھی۔ ”آپ آبا جی سے ملے کر آئے ہیں؟“ اس نے پوچھا۔ ”وہ ذرا ہمارے ہیں۔ آپ تشریف رکھیں۔ وہ یہاں سے ہیں؟“ انہیں گئے۔ میں بیٹھ گیا۔

”آپ اس سانسے والے مکان میں رہتے ہیں نا؟“ اس نے تھوڑی سی خاموشی کے بعد پوچھا۔

”جی ہاں“

”اسے میں دل زلی کوٹ لگیا۔ وہ ایک تالیف سے اپنی گردن مل رہا تھا۔“

”پاپا یہ ہیں مریو پلازینٹ“

”ہاں ہاں بچے گاؤں نے مجھ سے ذکر کیا تھا۔ وہ تیزی سے بغیر رات بڑھائے میری طرف ٹھرا۔“ لیکن میں نہیں کس قسم کا کام دے سکتا ہوں۔ میرے پاس کون سی آسامیاں خالی ہیں۔ تم لوگ بھی عجیب ہو۔ ہر روز تمہارے جیسے جیسوں میرے پاس آتے ہیں۔ دوست میں ریل کی چٹری بنا رہا ہوں۔ میرے پاس تو سخت محنت کا کام ہے۔ تم سب کوک چو۔

”تم کیا کر سکتے ہو؟“ وہ بولنا چلا گیا۔ ”تم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ مجھے دیکھو میں ایک انجینئر ہوں۔ ایک معزز اور بلند تہہ کا آدمی۔ لیکن ریل کی چٹریاں بنانے سے پہلے میں برسوں ادنیٰ کام کرتا رہا ہوں۔ میرے عزیز تم خود ہی بتاؤ، میں نہیں کس قسم کا کام دے سکتا ہوں۔ کیا تم کسی طرح تار کا کام کر سکتے ہو؟“ اس نے کچھ سوجھ کر پوچھا۔

”ہاں میں تار کوک دھچکا ہوں“

”ہوں..... اچھا..... دیکھیں گے..... فی الحال تم ڈوکی نیا چلے جاؤ۔ وہاں ایک آدمی تو ہے لیکن جنت بکھا۔“

”وہاں مجھے کیا کچھ کرنا ہوگا؟“ میں نے پوچھا۔

”دیکھا جائے گا۔ تم وہاں چلے جاؤ۔ میں کوئی نہ کوئی انتظام کروں گا۔“

بغیر سہانے اس نے منہ موڑ لیا۔ میں نے جبک کر اسے اور اس کی بیٹی کو سلام کیا اور چلا آیا۔

دوسری صبح سورج چڑھنے ہی میں ڈوکی نیا چلا گیا۔ ڈوکی نیا جو پٹا ایشی تھا، شہر کے کوئی بارہ میں وعدہ تھا۔ میں چلا گیا۔

آج کے کھیت صبح کی سنہری کرفوں میں منار کھلا رہے تھے۔ میدان ہموار اور سہرا ہوا تھا۔ کھلی فضا کتنی جلی قشقی اور پھر مجھے آزادی کے احساس کی کتنی زبردست خواہش تھی۔ کاش اس صبح — صرف اس صبح — میں یہ نہ سوچتا کہ شہر میں کیا کچھ ہو رہا ہے۔ مجھے کس کس چیز کی ضرورت ہے اور کاش مجھے ہلکے ہو کر نہ لگتی۔

دو ٹکے نیامیں اشیش کا اندرونی حصہ پستر کیا جا رہا تھا۔ بے کے ڈھیروں میں میں یونہی بیٹھ کر جانے بوجھے پھرتے گا۔ جب میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ جلی گراف کی تاریخیں تو اشیش سے وائیں ہاتھ مڑ کر کوئی میل ڈیڑھ میل دور ایک سفید دیوار کے پاس جا کر ختم ہوتی ہیں۔ اب میں سمجھا کہ مجھے تو وہاں جانا تھا۔

یہ ایک سپر مارت یا دکان تھا۔ دروازہ کھلا پڑا تھا میں اندر چلا گیا۔ میز پر ایک آدی ٹیلیکراف کی مشین کے سامنے بیٹھا تھا۔ سرسید تھا اور وہ بابان کے کپڑے کا بنا ہوا کوٹ پہنے تھا۔ اس نے کچھ نظروں سے مجھے جھانک کر دیکھا اور پھر وہ فوراً مسکرا اٹھا اور بولا: آغاہ میاں نکلتے۔ اسے تم کہاں؟

یہ آئی دن چیرا کوٹ میز پرانا ہم جماعت تھا۔ ہم باتوں میں مشغول ہو گئے۔ مجھے پتہ چلا کہ وہ زمین جہاں ہم کھڑے تھے کچھ عرصہ پہلے چیرا کوٹ کی ہی تھی اور صرف پہلی خزاں میں دل زری کوٹ کے قبضے میں آئی تھی۔ پھر وہ مجھے کھانے پر لے گیا اور زور سے کریم فیو کر دیا کہ مجھے اس کے ساتھ ہی رہوں اور انھیں کے ہاں کھانا کھایا کروں۔

میرزا نیلام شروع ہو گیا۔ میں تاریخیں وصول کرتا اور آگے بیچ دیتا۔ دن کا زیادہ حصہ کمرے میں ابھر اُدھر ٹپٹنے اور تالوں کا انتظار کرنے میں گزار دیتا یا کبھی باہر باغ کی سیر کو نکل جاتا۔ کھانا مادام چیرا کوٹ کے ہاں کھایا کرتا تھا۔

چونکہ گھر پر کام زیادہ نہیں ہوتا تھا۔ چیرا کوٹ کچھ بھی نہ کرتا بس سویا رہتا یا بند وقت کے کتاب میں بیلوں کا شمار کرنے چلا جاتا۔ ایک دن کھانا کھانے کے بعد وہ اپنا ہوا اندر آیا اور بولا: چلو تمہاری بہن تم سے ملنے آئی ہے؟

میری بہن ایڑتالے گاؤں اور ایک فوجی جوان کے ساتھ آئی تھی۔ نزدیک جا کر میں نے پہچان لیا۔ یہ ایڑتالے گاؤں کا بھائی تھا۔ جو فوج میں ڈاکٹر تھا۔ ہم باغ میں چلے گئے۔ ڈاکٹر آگے آگے جا رہا تھا اور بڑے جوش سے کہہ رہا تھا: کیا کھل ہوا ہے۔ مقدس ہاں کیا کھل ہوا ہے؟ وہ کہیں فوج میں نوکر تھا اور چھٹی منانے کے لیے گھر آیا تھا اور کہہ رہا تھا کہ خزاں کے موسم میں ایم۔ ڈی کا امتحان دینے اسے پیڑس برگ جانا ہے۔ اس کی شادی ہو چکی تھی اور تین بچے بھی تھے۔

جب وہ تمام جاچکے اور تمام آوازیں گم ہو گئیں۔ مجھے یاد آیا کہ ایڑتالے گاؤں نے سارا دن ایک لفٹنگ نہیں کھا تھا۔ وہ چیرا کوٹ کی ہے، میں نے سوچا، حیرت انگیز۔

ایک دن شام کے وقت جب راوش بھی کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ اچانک دل زری کوٹ کمرے میں داخل ہوا۔ وہ اشیش سے اڑ کر سیدھا چھانچے پاس ہی آ گیا تھا۔ یہ کیا اوٹ پٹانگ ہے؟ اس نے یادداشت کی کتاب پر نظر دوڑاتے ہوئے کہا: میں پندرہ دن کے اندر اندر دفتر کو اشیش پر لے جا رہا ہوں اور میرے دوستو مجھے پتہ نہیں چلتا کہ میں تمہارا کیا کروں؟

ایڑتالے گاؤں سے آگئے اور جب اس نے خدا کا فضل کہا تو ہمیں یہ خوشخبری سنائی کہ وہ ہم دونوں کو پندرہ دن کے اندر اندر

نکال دے گا۔

ایندری آئی داغ میں نے مادوش سے کہا۔ تم مجھے اپنے ہاتھ کام میں شریک کرو۔  
بہت اچھا۔ اور ہم دونوں شریک طرہ روزانہ ہونگے۔

مادوش کوئی عملی آدمی نہ تھا۔ وہ مختلف کام کرنے کا ٹھیکہ دیا کرتا تھا۔ مثلاً دیواروں کو رنگنے چکانے، ان پر کاغذ لگانے  
حنی کرچھت کے اوپر پس لگانے کا۔ اگر اس کے دل میں برقیتم ملک یا ٹھیکہ دہ کو لوانے کی خواہش نہ ہوتی تو وہ یقیناً بہت  
مالدار ہوتا۔ وہ اعلیٰ درجہ کا کاریگر تھا اور ایک ایک دن میں دس دس روپے بھی کماتا تھا۔ اب میں ان لوگوں میں رہتا تھا جو  
محنت کرنے پر مجبور تھے اور جنہیں کبھی کے ٹھکانوں کی طرح کام کرنا پڑتا تھا۔ آہستہ آہستہ مجھ میں بھی اس مجبور محنت کا احساس رہتا  
گیا۔ اس کے بغیر کوئی چارہ نہ تھا اس لیے میری زندگی کو آسان بنا دیا اور میں رفتہ رفتہ ہر قسم کے شک و شبہ سے آزاد ہو گیا۔  
جب میں کام سے فارغ ہو کر گھر جاتا تو دروازوں کے پاس پہنچ کر بیٹھے ہوتے تمام لوگ، تمام دوکاندار، نوکر اور ان کے  
مالک مجھ پر فخر کرتے اور چہنچاہتا مانتے۔ پہلے پہل تو میں بہت پریشان ہوتا اور مجھے محدود جبر تکلیف ہوتی تھی۔

دھنکی ٹکٹا مکان رنگنے والا؟ مجھے ہر طرف سے یہی آوازیں سنائی دیتی۔ ایک دفعہ میرے بازار میں جب میں ایک لوہار کی  
دکان کے پاس سے گزرا تھا تو مجھ پر گندہ پانی پھینکا گیا، جیسے اتفاق سے گر گیا ہو اور پھر ایک دفعہ ایک اور آدمی نے  
مجھے چھڑی سے مارنے کی کوشش کی تھی۔ ایک بوڑھے ٹھیکے والے نے ایک دفعہ میرا راستہ روک لیا اور غصے سے میری طرف دیکھتے  
ہوتے بولا۔ "اچھا! مجھے تمہارا افسوس نہیں۔ مجھے تو تمہارے باپ کی حالت پر رحم آتا ہے۔"

ایک دن میں دفرانکی بازار کی ایک ٹھلی میں اینٹوتا بے کاف سے ملا۔ میں کام پر جا رہا تھا۔ میرے ہاتھ میں دو بے بے برتن  
اور رنگ کاٹھیں تھیں۔ مجھے پہچان کر اینٹوتا بے کاف کے پرے پر سرخی پھیل گئی۔

مہربانی کر کے مجھے براندار سلام نہ کیجئے؟ اس نے گھبرا کر لاپنتی ہوتی زردکی آوازیں کہا اور مصافحہ کے لیے ہاتھ ملک  
ڈبھایا۔ یک لخت اس کی آنکھوں میں آنسو پھیلنے لگے۔ "اگر تمہارے خیال میں یہ واقعی ضروری ہے تو غیر..... یعنی سنی ٹیکہ میری  
درخواست ہے کہ مجھے نہ ٹھیکے۔"

اب میں دفرانکی بازار میں نہیں رہتا تھا۔ بلکہ شہر کے پاس ہی ایک بستی میں اپنی بوڑھی مایہ کلا پورنا کے ان رہتا تھا جو  
بڑے اچھے خراج کی ایک غزدہ بوڑھی عورت تھی۔ اس کا ایک بے پالک تھا پر کوئی بے تربیت و گناہ نرل، سرخ سر اور کڑی جوتی  
موتھیں۔ میں کوئی تیس کے قریب وہ قصائیوں کا کام کرتا تھا اور اس کے ساتھ ہی رہا کرتا تھا۔

میں اپنے عزیزوں سے ملنے کے لیے گھر کبھی نہیں جاتا تھا۔ جب میں کام سے واپس آتا تو اکثر شخص کی اضطراب آمیز روتے  
بیز پر پڑے پاتا۔ جو باپ کے متعلق میری کسی کھ کر بھیجی تھی۔ مثلاً کچھ وہ کھانے کے وقت خاص طور پر کھو یا کھو یا تھا۔ تب  
اس نے کچھ نہیں کھا یا۔ آج سارا دن اس کا سر جھکاتا رہا۔ آج اس نے کوسے کو اندر سے سلا لگایا اور دیر تک باہر نہ آیا۔ وغیرہ وغیرہ  
اس قسم کی خبریں مجھے تکلیف دیتی۔ میں سو نہیں سکتا تھا اور کبھی کبھی رات کے وقت پتے پھرتے دفرانکی بازار میں بے پالک تک

بچ جانے تک کھڑکوں کو دیکھتا اور گھروں کی غیرت کا اندازہ لگانے کی کوشش کرتا۔ اتوار کو میری بہن مجھے ملنے آئی۔ لیکن چھپ چھپ کر گویا مجھے نہیں بلکہ بڑی دیا کھلے آتی ہے۔

ایک دن اچانک ڈاکٹر بچے کا فوٹا لیا۔ میں تمیں ملنے کے لیے آیا ہوں۔ اس نے میرے ہاتھ کو ایک طالب علم کی طرح جھٹکے ہوتے کہا۔ میں بھی کچھ اداس تھا اور بڑی دیر سے چاہتا تھا کہ کسی سے باتیں کروں۔ لیکن رنگ ساز سے نہیں۔ بچے کا فوٹا لے کر گئی سے میرے ساتھ بحث کرتا رہا۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی نظر آ رہا تھا کہ کوئی غیر متعلق سوال اسے سنا رہا تھا۔ میرا خیال ہے کہ تمہاری بہن اب نہیں آئے گی۔

میری بہن آپہنچی۔ وہ ڈاکٹر کو دیکھ کر پریشان سی ہو گئی اور تھوڑی دیر کے بعد ہی لکھنے لگی۔ ”اب گھر جانے کا وقت ہو گیا ہے۔“

”تقریباً ایکس نا“ بچے کا فوٹا دو دنوں ہاتھوں سے دل کو دباتے ہو کر مجھ سے کہا۔ ”اگر تم ٹھری دو ٹھری ہمارے پاس بیٹھا جاؤ تو خدا نہ کرے تمہارے باپ کو کچھ ہو تو نہیں جائے گا۔“

کچھ دیر سوچ میں ڈوب کر میری بہن نہیں چڑی اور پھر ایک نکتہ وہ خوش خوش نظر آنے لگی۔ ہم باہر نکل گئے اور گھاس پر لیٹ کر باتیں کرتے اور شہر کو دیکھتے رہے۔

اس دن کے بعد جس دن میری بہن مجھے ملنے آئی۔ ڈاکٹر بھی آنکھٹا اور وہ دو دنوں ایک دوسرے سے اس طرح دیکھ دیکھ کر کہتے گویا میرے کمرے میں ان کی ملاقات اتفاقی تھی۔

انگست میں رادش نے ہمیں ریٹوسے لائن پر جانے کا حکم دے دیا۔ میں ریٹوسے لائن پر کام کرتا رہا۔ انگست کا سارا مہینہ بارش ہوتی رہی۔ ہم جو کچھ کرنا چاہتے بارش اس کا ستیاناس کر دیتی۔ ہمیں ریٹوسے کی عمارتوں میں رہنے یا سونے کی اجازت نہ تھی۔ ہم مٹا کی کچی جھونپڑیوں میں پناہ لینے پر مجبور تھے۔ جو بڑی کندی اور دم دار تھیں۔

خزاں کا موسم آگیا۔ بارشیں، کیچڑ، اندھیرا ہر چیز اٹھ آئی۔ بیکاری کا زمانہ شروع ہو گیا اور میں اکثر تین تین دن تک گھر میں بیٹھا رہتا۔ بہت ہوتا تو کوئی چھوٹا موٹا کام کر لیتا۔ رنکے کا کام نہیں۔ بلکہ ٹوکرے وغیرہ اٹھانے کا اور دن بھر میں چار پانچ آنے کا لیتا۔

جن دنوں میں کلب میں دارالطالعہ کے ساتھ واسے کرے میں کاغذ لگا رہا تھا ایک شام جب میں واپس گھر آنے کی تیاری کر رہا تھا۔ دل زلی کوٹ بخیر کی بیٹی چند کتابیں منل میں دے گئی۔ میں نے کلب کو سلام کیا۔

”اتحاد تم ہو۔ کہو مزاج تو اچھے ہیں؟“ اس نے فوراً مجھے پہچانتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر کہا۔ تم سے مل کر بہت خوشی ملی۔

میرے اس طرح دیکھنے کو معاف کرنا؟ اس نے کہا۔ میں نے تمہارے متعلق بہت کچھ سنا ہے۔ ڈاکٹر بچے کا فوٹا تم سے خاص طور پر افس ہے۔ تمہاری بہن بھی اب میری واقف ہے۔ کتنی پیاری لڑکی ہے۔ لیکن میں اسے کبھی منانیں سکی کہ تمہارے اس طرح کام کرنے میں کوئی ہرج نہیں۔ بلکہ تم تو شہر بھر میں سب سے زیادہ دلچسپ آدمی بن گئے ہو۔ اگر تم کسی وقت گھر آؤ۔



تو مجھے یہ حد خوشی ہوئی۔ میرا تم سے باتیں کرنے کو جی چاہتا ہے۔ مجھے تنگ کی طاقت نہیں۔ اس نے اپنا ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "مجھے امید ہے کہ میرے پاس آنے میں تمہیں کوئی جھجک نہیں ہوگی۔ پاپا یہاں نہیں ہیں۔ وہ پیڑس برگ گئے ہوئے ہیں۔ وہ سایہ کو لہراتی جوتی مارا مطالعہ میں چلا گئی اور میں گھر چلا آیا۔ رات دیر تک مجھے نیند نہ آئی۔

اُس بے کین خیال میں کوئی مردانہ روح بظاہر میری زندگی کو بند کرنے کے لیے آئے دن پہلے بیہوش بلکٹ یا مٹنا ہی شکار بھیج دیتی اور پتا مجھے بتاتی کہ ایک سپاہی یہ چیزیں لایا کرتا ہے۔ لیکن کہاں سے اس کا کوئی پتہ نہیں۔ سپاہی پوچھ کر آتا کہ آیا میں تندرست تو ہوں؟ میرے پاس گرم کپڑے تو ہیں وغیرہ وغیرہ۔ جب جاؤں پڑنے لگا تو اس طرح سپاہی کے ہاتھ میری غیر حاضری میں مجھے ایک جھدہ نرم اُون کا بُنا ہوا ٹکوبند بھیج دیا۔ اس سے ایک دھڑب دھڑب آ رہی تھی۔ اور میں نے اندازہ لگایا کہ یہ میری ٹیک پری کون ہے؟ ٹکوبند سے کنول کے حلقے خوشبو آ رہی تھی۔ یہ ایند تاجے کا فولاد پسند حلقہ تھا۔

بڑے دن سے ایک ہفتہ پہلے ڈاکٹر نے کافور اپنیا۔ اور پھر ہم رات کو باؤ بڑھ گئے یا بھٹ تھیں کہتے۔ میری بس مجھے شے کے پے پھر آنے لگی اور پھر دونوں ہر بار ایک دوسرے کو اٹکھٹے پڑ جیت کا اظہار کیا کرتے۔ لیکن اب اس کے سرور دیکھ کر مجرم جرم سے صاف ظاہر ہو جاتا کہ یہ دو تاقین محض اتفاقی نہ تھیں۔ ایک شام جب ہم جیڑ ڈھکیل رہے تھے تو ڈاکٹر نے مجھ سے کہا: میں نے کہا ایک تم میں دل زہی کوٹ کوٹنے نہیں جانتے؟ میں نے اسے بتایا کہ کس طرح ہمارے کوسم میں اس کا باپ مجھ کو کاٹتا۔

• ہر قوت نہ بنو۔ ڈاکٹر نہیں پڑا۔ انھیں اور ہے۔ اس کی بیٹی اور ہے۔ میرے بھائی بدھ کی پیدائش کر دے کبھی کبھی اس سے ملنے جایا کر۔

ہو کل شام طبع۔ کیا خیال ہے؟

اس نے مجھے منایا۔ دوسرے دن شام کو میں نے سرچ کی پتلون پہنی اور کچھ مضطرب سا ہو کر میں میں دل زہی کوٹ کے ان چل پلا۔ ماریا د کترافا میرا انتظار کر رہی تھی۔ وہ مجھ سے اس طرح ملی جیسے برسوں سے جان پہچان تھی۔ اس نے ایک خوبصورت دما زوں والی مین کھوئی اور کہا۔ یہ میری کھیتی باڑی کی لاہریری ہے۔ یہ میری خواہش ہے کہ جو منی مارچ شروع ہو دوں گے نیا جاؤں۔ دما کی دنیا نہایت دھڑب دھڑب ہے۔ جے نا؟ پہلے سال تو ادھر ادھر ہر کچھ چیزوں کو کھوں اور اگلے سال خود کام شروع کر دوں۔ پاپا نے وعدہ کر لیا ہے کہ وہ ڈوٹوئی کی جاکر مجھے دے دیں گے اور میں جو جاہلوں کی کروں گی۔ کس کس کے دھم لے مار یا د کترافا کے یہاں کانا کھایا اور تمام پھٹیاں تقریباً ہر روز اس کے یہاں جایا کرتے۔

اب ہم ملکر چاکرتے۔ بعض دفعہ دن میں دو دو بار بھی۔ کانا کھانے کے بعد وہ ہر روز پچا ناخہ قبرستان آ جایا کرتی اور میرے انتظار میں صلیبوں کے نیچے پڑھا کرتی۔ بعض دفعہ وہ گر جا کے اندر آ جاتی اور میرے پاس کھڑی ہو کر مجھے کام کرتے ہوئے دیکھا کرتی۔ جب میں اس سے ملنے جاتا تو میرے کپڑوں سے رنگوں اور تارہیں کے تیل کی بو آتی۔ میرے ہاتھوں پر دھتے پڑے جوتے اور وہ انھیں پسند کرتی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ میں اسی لباس میں اس کے پاس آؤں لیکن اس کے ڈرائنگ روم میں مجھے اپنے اس قسم کے لباس سے گھن آتی۔ میں پریشاں ہو جاتا۔ اس لیے میں ہمیشہ اس کے یہاں جاتے ہوئے سرچ کی نئی پتلون پہن لیتا۔ وہ اس بات کو پسند نہیں کرتی تھی۔ روزے آگئے۔ دکر آئی وہ مجھے جسے میں قریب قریب بھول چکا تھا۔ پیڑس برگ سے واپس آ گیا۔ شام کو حسب معمول جب میں وہاں

نیا تو وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھتے ہوئے کوئی دلچسپ واقعہ سنا رہا تھا جب میں نے انجینئر کو دیکھا تو میرے پاؤں خود بخود رک گئے۔ لیکن اس نے دونوں ہاتھ میری طرف پھیلا دیے اور مسکرا کر کہا۔ ”وہ آگیا، وہ آگیا۔“ میں ان کے اشارے سے لی کر بہت خوش ہوئی۔ مانتا تھا کہ میرے متعلق مجھے سب کچھ بتا دیا ہے۔ یہ تو تمہارے کئی گاتی رہی ہے۔ میں بہت اچھی طرح سمجھتا ہوں اور پسند کرتا ہوں۔ وہ میرا بازو پکڑ کر کہتا چلا گیا۔ ”ایک اچھا مزدور بننا اس بات سے کئی درجہ بہتر ہے کہ آدمی سرکاری کارخانہ کی طرف سے کام کرے اور سر پر ہینڈل ڈال دی ہو۔“ میں خود انھیں ہاتھوں سے جیسر میں کام کیا کرتا تھا۔“

ایک شام انجینئر کے ساتھ کھانا کھاتے ہوئے ہم جین کا پھل کی ایک سالم نوکری کھائے۔ کھر وہاں آتے ہوئے مجھے یاد آیا کہ انجینئر نے آج مجھے دو دفعہ ”میرے عزیز“ کہہ کر پکارا تھا۔ میں نے یہ محسوس کیا کہ ان کی یہ شفقت ایسی ہے جیسے وہ کسی ایسے شخص کی پیٹھ پیٹتا رہے ہوں جسے مالک نے ار مار کر کھڑے نکال دیا ہو۔ میں سمجھنے لگا کہ وہ مجھ سے کھیل رہے ہیں۔ اور جب ان کا بھی بھر جانے کا قریب ہی مجھے باہر نکال دیں گے۔ اس خیال سے مجھے بہت شرم آیا اور اتنا دکھ ہوا کہ میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ جیسے میری قویں کی ٹہنی ہو۔ میں نے آسمان کی طرف نظریں اٹھائیں اور حمد کر دیا کہ اس تمام کھیل کا خاتمہ کر دوں گا۔ دوسرے دہائی میں دل زری کوٹ کے ہاں نہ گیا۔

(ایک ہفتہ بعد) ایک شام بڑی طرح برف پڑنے لگی اور شمال سے سرد ہوا چلنے لگی تو سردی پھر ٹیٹ آئی ہے جب میں کام سے فارغ ہو کر گھر لوٹا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ماریا کو کتنا میرے کمرے میں بیٹھی ہوئی ہے۔ وہ ذرا ٹھنڈے ہونے لگی اور اس کے دونوں ہاتھ اونٹنی دستانوں میں تھے۔

”تم مجھے طے کیوں نہیں آتے؟“ اس نے اپنی شوخ اور چمکدار آنکھیں اٹھا کر دیکھتے ہوئے پوچھا۔ میں خوشی کے مارے بخود ہو گیا۔

”تم مجھے طے کیوں نہیں آتے؟“ اس نے اپنا سوال دہرایا۔ ”اگر تم مجھے طے نہیں آتے تو نہ سہی۔ دیکھ لو میں خود قصیدے لکھتی ہوں۔“ وہ کھڑکی ہو گئی اور میرے پاس آگئی۔ ”مجھ سے دور نہ رہو۔“ وہ روٹے لک پڑی۔ میں تنہا ہوں۔ میری زندگی سخت عذاب میں ہے۔ سخت عذاب میں! اور ساری دنیا میں تمہارے سوا میرا کوئی نہیں۔ مجھے دماغ دو! آنسو پونچھنے کے لیے رومال تلاش کتے ہوئے وہ مسکرا پڑی۔ ہم دونوں تھوڑی دیر تک خاموش کھڑے رہے اور پھر میں نے اپنے بازو اس کی گردن میں گھائی کر دیے۔ اسے چوم لیا اور چومتا رہا۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے اس طرح باتیں کرنے لگے گویا مدتوں سے ہم نہایت پیارا اور محبت سے رہ رہے تھے۔

دونوں بعد اس نے مجھے دو ٹیچا بھیج دیا۔ میں اتنا خوش تھا کہ بیان نہیں کر سکتا۔ ماشا جی میں آیا کرتی۔ آزاد اور بے پروا ہو کر یا شام کے غروب ہونے تک ماشا کا انتظار کرنے کے بعد میں جب بے چین اور اداس ہو کر واپس چلا جاتا اور جیون ہوتا کہ ماشا کیوں نہیں آئی تو دروازے پر باغ میں ایک پیارا غیر متوقع لطیف سایہ نظر آ جاتا۔ یہ ماشا ہوتی۔ سینٹ ٹامس کے ہفتہ کے فوراً بعد ہی دو ٹیچا نیا سے دو میں پہلے کری لٹکا کے گاؤں میں ہماری شادی ہو گئی۔ اب

وہ ہر وقت میرے پاس تھی۔ بڑے مکان کے تینوں کمروں میں ہم دونوں اکٹھے رہتے۔ میں پوچھنے کی آواز کھڑا ہوتا اور کسی نہ کسی کام میں لگ جاتا۔ مثلاً گاڑیوں کی مرمت کرنے، باغ کی روئیں ٹھیک کرنے، پھولوں کے تھے بنانے، مکان کی چھتوں کو دھونے وغیرہ وغیرہ میں۔ ڈاکٹر بے کا وہیں ملنے کے لیے سائیکل پر آنے جلنے لگا۔ میری سہیلی بھی اکثر آنا شروع کر دیا۔ پھر وہی ہاتھ کی محنت اتنی ہوا کسی پراسرار اچھے زمانے کی باتیں ہونے لگیں۔

اکٹا اکڑ چکی پر جایا کرتی اور بظاہر سہیلی (چکی پر کام کرنے والا شخص) کی باتوں میں بڑی دلچسپی لیتی۔ سہیلی بڑے زور شور سے کسانوں کو لگایاں دیتا اور ماشا اس کی محنت کچھنی جاتی۔

میری سہیلی بھی دوسری زندگی بسر کر رہی تھی۔ وہ نہایت احتیاط سے ہر چیز مجھ سے چھپا جاتی، اور اکڑاٹاشا کے ساتھ کھسکھس کر کرتی نظر آتی۔

ایک دن اسکول کی عمارت سے واپس آتے ہوئے میں چپ چاپ باغ میں سے گزر رہا تھا۔ اندھیرا ہو چکا تھا۔ میرے قدموں کی آہٹ نے بغیر میری سہیلی کے ایک پٹا نے پھیلے ہوئے سیب کے درخت کی طرف بڑھ رہی تھی۔ بالکل چپ چاپ، دم سادھے گویا کئی عزت یا سایہ ہو۔ اس کا لباس سیاہ تھا اور وہ زمین پر نظریں گاڑے اسی جگہ آگے پیچھے تیزی سے چل پھر رہی تھی۔ درخت سے ایک سیب گرا۔ وہ چوکنی ہو گئی اور خاموش کھڑی ہو کر ہاتھوں سے کپٹیوں کو دبائے ملی۔ اس وقت میں آگے بڑھا۔ کھجکت جیسے اپنی ماں اور اپنا بھائی یاد آگیا۔ جذبات کا ایک طوفان میرے دل میں اُمنٹا آیا۔ میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور میں نے اس کی گردن میں ہاتھیں ڈال کر اسے چوم لیا۔ کیا بات ہے؟ میں نے پوچھا۔ تم خوش نہیں۔ میں بڑی دیر سے دیکھ رہا تھا۔ مجھے بتاؤ تمہیں کیا تکلیف ہے؟

میں بتا دوں گی۔ میں بتا دوں گی۔ میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گی۔ تم سے چھپانا سخت مشکل اور تکلیف دہ ہے مسائل! وہ دہی بھاگ میں بولتی تھی۔ مجھے اس سے محبت ہے، مجھے اس سے محبت ہے۔ میں خوش ہوں لیکن یہ نہیں کیوں ڈرتی ہوں؟ قدموں کی آہٹ سنانی دی۔ درختوں کے سایہ میں ڈاکٹر بے کا آواز دھانی دیا۔ ظاہر ہے کہ انھوں نے سیب کے درخت کے پاس ملنے کا بندوبست کر رکھا تھا اسے دیکھ کر وہ جذبات کی رو میں بہہ گئی اور اس کی طرف دوڑی۔ اس نے ایک دروناک چرخ ماری گویا وہ اس سے چھپنا چاہتا رہا ہو۔ ڈاکٹر پریشان ہو گیا۔ لیکن جلد ہی ہی اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ اور پھر اس کے بالوں کو تھپتھپاتے ہوئے وہ کہنے لگا۔ دیکھو دیکھو اتنی پریشان کیوں ہو؟ دیکھ لو میں آگیا ہوں؟

پچھلے تو ہم خاموش کھڑے پریشانی میں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے اور پھر تینوں چل پڑے۔ معلوم نہیں کیوں مجھے اس بات کا یقین نہ آتا تھا کہ میری سہیلی کو محبت ہو گئی ہے۔ اور وہ ایک انجینی کے بازو میں بازو ڈالے میرے ساتھ ساتھ چل رہی ہے۔ میری سہیلی یہ پریشان خوف زدہ کھلی اور جکڑی ہوئی مخلوق ایک ایسے آدمی سے محبت کر رہی ہے جس کی شادی ہو چکی ہے۔ جس کے بیوی بچے ہیں۔

میں اور ماشا اسکول کھلنے کی رسم ادا کرنے جا رہے تھے۔

مغزاں.... مغزاں.... مغزاں! اتنا نے دور دیکھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ کوئی پرندہ نہیں۔ کوئی ہری بھری

شے نہیں۔ ہاں بیدار کے درخت ہیں۔

مگر یہ جاہلی ہے۔ مانتا ہے کہ اب تم اور میں اپنا اپنا جائزہ لے سکتے ہیں۔ ہم نے بہت کام کیا ہے اور بہت سوچا ہے۔ ہم اپنے آپ کو بہتر بنانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ لیکن کیا ہماری کامیابی کا ہمارے ماحول پر کوئی اثر ہوا ہے۔ کیا اس سے کسی کو فائدہ ہوا ہے؟ نہیں۔ جماعت، جسمانی گندگی، شراب نوشی، بچوں کا زیادہ تعداد میں مرنا۔ ہر چیز اسی طرح ہے۔ تمہارے ہل چلانے اور بونے سے اور میرے کتابیں پڑھنے اور روپیہ خرچ کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

اس کی یہ دلیل بازی مجھے پریشان کر رہی تھی۔ ہم شروع سے آخر تک غلط رہے ہیں۔ میں نے کہا۔ اور اگر کوئی آدمی غلط ہے تو وہ سچا ہے۔

اس پر کسے اعتراض ہے۔ ہم غلط تھے۔ لیکن جس چیز میں غلط تھے۔ ہم اسے ٹھیک ٹھیک حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے۔

جب ہم کوری نوفا پہنچے۔ موسم سہانا اور خوشگوار تھا۔ آس پاس اناج کوٹنا جا رہا تھا اور بٹی کی پیال کی خوشبو آرہی تھی۔ ایک کوسے میں جمادات کی دھم ادا ہو رہی تھی۔ جمادات کے بعد کوری نوفا کے کسان مانتا کے پاس شمع دان لائے اور گوجنیا کے کسان نے اسے ایک جڑانان اور گھٹ کی ایک نمکدانی پیش کی۔ ماشا سسکیاں بھرنے لگی۔

اگر ہم نے کوئی ایسی بات کہہ ڈالی ہے۔ جو نہیں کہنی چاہیے تھی۔ یا ہم کوئی ایسا کام کر بیٹھے ہیں جو نہیں کرنا چاہیے تھا تو ہمیں معاف کر دو۔

ایک بوڑھے آدمی نے کہا اور اس نے ہم دونوں کو جھک کر سلام کیا۔  
جب ہم واپس لوٹے تو مانتا مدرہ کو اسکول کو دکھیتی رہی۔ اور مجھے ایسا محسوس ہوا کہ مانتا کی نظریں اسے ہمیشہ کے لیے نیچا دیکھ رہی ہیں۔

شام کے وقت وہ شہر جانے کے لیے تیار ہو گئی۔ دیر سے اس کی عادت ہو گئی تھی کہ وہ اکثر شہر جاتی اور کئی دفعہ رات کو بھی وہیں ٹھہر جاتی۔ دوسرے دن شام کے قریب مانتا شہر سے واپس آگئی۔ وہ کسی بات سے ناخوش تھی۔ لیکن وہ چھپائی اور اس نے صراحت نہ کی۔ یہ تمام کھڑکیاں کیوں بند کر دی ہیں؟ میں نے دو کھڑکیاں کھول دیں اگرچہ جھوک نہیں لگی تھی۔ پھر بھی ہم کھانا کھانے بیٹھ گئے۔ "جاؤ اور اچھ دھو کر آؤ" میری بیوی نے کہا۔ "ان میں سے سے کسی کی بو آرہی ہے۔"

وہ بازار سے کچھ نئے مصدقہ رسالے خرید لائی تھی۔ کھانا کھانے کے بعد ہم دیر تک اکٹھے بیٹھے تصویریں دیکھتے رہے۔ اس میں فیشتی کے چند نمونے بھی تھے۔ وہ سو گئی اور میں بیٹھا کوئی ایک گھنٹہ تک تصویریں دیکھتا رہا۔

ہمارا ملتا، ہماری شادی اس عورت کی زندگی جیسے قدرت نے بڑی فیاضی سے فرازا تھا ایک حادثہ سے زیادہ نہ تھا۔ دنیا کی ہر بہترین چیز اس کے قدموں میں تھی۔ وقت کی ہر ذہنی تحریک اور ہر نظریہ اس کے لیے تفریح طبع کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ اب میری ضرورت نہ تھی۔ اب وہ اڑ جانے کو تھی اور میں تنہا، بالکل تنہا رہ جانے والا تھا۔

مجھ ہوتے ہی وہ چلی گئی۔ میں نے تین دن تک اس کا انتظار کیا اور پھر نام سامان ایک کمرے میں بند کمرے خدیجہ شہر کو لایا۔ نام چرچا مٹی۔ و فرانسکی بازار کی شمعیں جل رہی تھیں۔ پاول نے مجھے بتایا کہ گھر پر کوئی بھی نہیں۔ و گھر کی مٹی پیرس برگ باجکا ہے اور مار یا کٹر آفا غائب از ہوئی کے ہاں ریبرنل پر گئی ہوئی ہے۔ مجھے یاد ہے کہ میں کی جذبات کے ساتھ آڑ ہوئی۔

و تم آگئے۔ اس نے اپنا داہنا ہاتھ دیتے ہوئے کہا۔ بہت اچھا ہوا تم آگئے۔ میں آج رات چند دفن کے لیے پیرس برگ جا رہی ہوں۔ اجازت ہے نا؟

آدھی رات کے وقت میں اس کے ساتھ اسٹیشن پر گیا۔ وہ مجھے گٹ گٹ کر لی۔ غائبانہ طور گزار مٹی کو میں نے فیروز دی سواں سے اسے پریشان نہیں کیا۔ اس نے وعدہ کیا کہ وہ مجھے خط لکھے گی۔ میں دیر تک اس کا ہاتھ تھامے کھڑا رہا۔ اسے جو تار اور شکل سے اپنے آنسوؤں کو روک سکا۔ میں نے ایک لفظ تک نہ کہا۔

وہ چلی گئی لیکن میں وہیں کھڑا روشنی کو غائب ہوتے دیکھتا رہا اور تصور میں ہی اسے پیادہ کرتا رہا۔

میں نے رات کا رپوٹنگ کے ہاں گزار دی۔ دوسرے دن میں رادوش کے ساتھ مل کر ایک امیر سوداگر کا سامان مرمت کروا تھا۔ اوار کو کھانا کھا کچنے کے بعد میری بہن آئی اس نے میرے ساتھ ہی چائے پی۔

ماتج کل میں بہت زیادہ پڑھتی ہوں۔ اس نے مجھے وہ کتابیں دکھاتے ہوئے کہا جو آتے ہوئے وہ جگہ لائبریری لیتی آتی تھی۔ تمہاری بیوی اور غلامی میرا شکریہ۔ انھوں نے مجھے خواب سے جگا دیا ہے۔ مجھے بھی محسوس ہونے لگا ہے کہ میں انسان ہوں۔ پہلے راتوں کو لیٹی رہتی اور مختلف فکر وں میں کھوئی رہتی تھی اور سوچا کرتی تھی کہ اس ہفتہ میں کتنی کھانا نہ ختم ہوئی ہے۔ یا ڈرتی کہیں کبیرے نکلیں نہ ہو جائیں۔ اب میرے فکر مختلف ہیں۔ مجھے اپنے ماضی سے نفرت ہے اور اب تو میں اپنے باپ کو اپنا دشمن سمجھتی ہوں۔

یہ تو بہت بڑی بات ہے کہ تم رات کو سو نہیں سکتیں؟ میں نے کہا۔

”کیا تمہارا خیال ہے میں بیمار ہوں..... بالکل نہیں..... لیکن آخر صحت کوئی اتنی ضروری چیز تو نہیں۔ بتاؤ ایک میں ٹھیک کمرہ رہی ہوں؟“

صاف ظاہر ہے اسے اخلاقی اعداد کی ضرورت تھی۔ مانتا جا چکی تھی۔ ڈاکٹر نے کافر پیرس برگ میں تھا اور شہر میں اب میرے سما کوئی اسے تسلی دینے والا نہ تھا کہ جہاں وہ بالکل ٹھیک ہے۔ مجھے ہر وقت اس کا دھیان رکھنا پڑتا اور وہ جب بھی پوچھتی میں فوراً کہتا۔ ”ہاں تم بالکل ٹھیک ہو۔“

و کیا تم جانتے ہو۔ اب کے مجھے آڑ ہوئی کے ہاں ایک پارٹ بھی دیا گیا ہے۔ میں اسے ایسج کرنا چاہتی ہوں۔ پارٹ صرف دس سطروں کا ہے لیکن پھر بھی یہ صحن میں پانچ مرتبہ چائے پانے اور یہ دیکھنے سے کہ باورچی زیادہ تو نہیں کھا گئی کئی درجہ اچھا ہے۔

دو دو کے بعد وہ انہوں نے ہاں پر سر ہل کے لیے آئی۔ تیسرے ایکٹ تک اس کا کوئی کام نہ تھا۔ آخر کار اس کی باری آگئی۔  
 • تو پھر ایکسی نا! اب تمہاری باری ہے! شیخ بیخبر نہ کیا۔  
 وہ سامنے شیخ پر آگئی۔ اس کے چہرے پر ہوا سیاں اڑ رہی تھیں۔ وہ اپنا پارٹ ادا کر کے ناقابلِ حق۔ میں صاف یہ کہہ  
 رہا تھا کہ وہ کانپ رہی ہے۔ میں اُس کے بڑھ کر اس سے کچھ کہنے ہی والا تھا کہ وہ بے محنت دھڑام سے گر پڑی اور زور زور سے  
 سسکیاں بھرنے لگی۔

اتنے میں مادام ازہون چھوٹی آستینوں والی صدی پہنے سینے پر سگریٹ کی راکھ بکھیرے، دہلی تہی جلدی جلدی میرے  
 پاس آگئی۔

میں یہ تو غضب ہو گیا۔ تمہاری بہن کی حالت تو بہت خراب ہے — وہ ماں بننے والی ہے۔۔۔۔۔ خدا کے لیے  
 اسے جلدی یہاں سے لے جاؤ۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم بہن بھائی ایک ٹہلی میں جا رہے تھے۔ ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ اب شرم میں رہنا مشکل ہے۔ اس لیے  
 جرنی میں کچھ پونجی جمع کر لوں۔ کسی اور جگہ چلے جانا چاہیے۔ میں اسے کار پونٹا کے یہاں لے گیا۔ اس طرح ہم نے ایک ساتھ  
 زندگی شروع کر دی۔ وہ ہر وقت گاتی رہتی اور کہا کرتی کہ وہ نہایت مسرور ہے۔

(کچھ عرصہ بعد) میں تم سے کہنا چاہتا ہوں۔ پر کوئی (کار پونٹا کا لے پاک) کہنے لگا۔ یہ بات اب زیادہ دیر تک  
 نہیں چل سکتی۔ کیونکہ تم سمجھتے ہی ہو کہ اس علم کی وادی میں دنیا ہمارے اور تمہارے متعلق کیا کہتی ہے۔ ماں تو رحم دل ہے۔  
 وہ تو نہیں کہے گی کہ تم بھی اپنی بہن کی وجہ سے مکان چھوڑ جاؤ۔ لیکن میں اسے برداشت نہیں کر سکتا۔ میں اس کے رویہ کو سخت  
 پسند کرتا ہوں۔

میں اس کی بات کو سمجھ گیا۔ اسی دن میں اپنی بہن کو لے کر رادش کے ہاں چلا گیا۔

(کافی عرصہ بعد) آخر کار راشا کا خط آگیا۔ لکھا تھا:۔

• میرے اچھے مسائل۔ بقول بوڑھے رنگساز کے ہمارے اچھے فرشتے خدا حافظ! — میں باپا کے ساتھ امریکہ نائش  
 پر جا رہی ہوں — چند دنوں میں میں سنہرے پر ہوں گی — دور ڈونگیا سے بہت دور — میں چاہتی ہوں کہ وہاں آزادی  
 سے سانس لوں — میں کامران ہوں — دیوانی ہوں — تم دیکھتے ہو۔ خط کے الفاظ کہتے بے ربط ہیں۔ میرے پیارے مجھے آؤنگا  
 بخش دو۔ جلدی سے یہ رشتہ توڑ دو۔ جو ابھی تک ہم دونوں کو باندھے ہوئے ہے۔ میرا تمہیں ملنا اور جانا ایک آسانی رکھنی کی کرن  
 تھا۔ جس نے میری تمام ہستی کو پُر نور کر دیا۔ لیکن تمہاری شریک حیات بننا میری فطرت تھی۔ تم سمجھتے ہی ہو۔ فطرت کا یہ احساس مجھے سخت  
 اذیت دے رہا ہے۔ میں تم سے الٹا کرتی ہوں۔ تمہارے پاؤں پڑتی ہوں۔ میرے فیاض دوست، جلدی — بہت جلدی۔  
 میرے جہاز پر سوار ہونے سے پہلے — مجھے تار دو کہ تمہیں اس باہمی فطرت کی اصلاح منظور ہے۔ میرے پردوں سے یہ آخری بوجھ  
 بھی اتار دو۔ پاپا باقی انتظام خود کریں گے۔ وہ وعدہ کرتے ہیں کہ وہ تمہیں دیکھ کر دایوں کے لیے پریشان نہیں ہونے دیں گے۔

اور پھر — پھر یہ دنیا وہی جہاں چاہوں اُترتی ہوں۔ — ہاں تو ہے۔ — خوش رہو۔ — خدائیں خوش رکے۔ — مجھ کو کار کو سات  
کر دو۔

”میں خوش ہوں۔ دولت اُڑ رہی ہوں۔ ہر قسم کے لغو کام کر رہی ہوں اور خدا کا شکوہ ادا کرتی ہوں کہ مجھ میں یہی گونہ  
کی کوئی اور نہیں۔ میں گاتی ہوں اور شاد کام ہوں۔ لیکن یہ حقیقت نہیں یہ میری جنت ہے۔ میری آرام گاہ، داد و دے کا ہی ایک  
انگوٹھی حق جس کے مجھ پر یہ نقش کدہ تھا۔ ”کل شئی فانی“ (ہر شے فانی ہے) جب آدمی غلبے پر تو یہ الفاظ افسانہ کو مسرت  
بٹھتے ہیں اور جب انسان سرور پر تو یہ الفاظ اسے غلبے کرتے ہیں۔ میں نے بھی ایک ویسی ہی انگوٹھی بنوائی ہے۔ جس کے مجھ پر جبرانی  
ذہان میں نقش کدہ ہے۔ یہ نقش مجھے میری حالتوں سے روکتا ہے۔ ہر شے فانی ہے۔ جب زندگی بھی فانی ہے تو کسی شے کی ضرورت  
نہیں۔ ہاں سوائے آزادی کے احساس کے۔ کیونکہ جب انسان آزاد ہو تو وہ کچھ نہیں چاہتا..... کچھ نہیں..... کچھ نہیں.....  
یہ رشتہ توڑ دو۔ تمہیں اور تمہاری بہن کو محبت بھرا پیار..... اپنی مائیں کو سات کر دو اور بھولی جاؤ۔“

میں نے خط کو ایک دفعہ اور پڑھا۔ میں اس وقت باہر ہی خانہ میں ایک سپاہی داخل ہوا جو ہمارے لیے ہفتہ دو دفعہ  
معلوم کہاں سے چائے کے ڈبے، فرانسیسی نان اور شکار وغیرہ لایا کرتا تھا۔ میں نے اپنی بہن کو سپاہی سے باتیں کرتے سنا۔ اس  
نے ہیرلیٹ کر ٹھوڑا سا فرانسیسی نان کھایا اور مجھ سے کہا۔

”جب تم فوری چھوڑ کر رنگ سازبی گئے تھے تو اینتا بچے کا فواد میں شروع سے ہی تمہیں سچا مانتا تھا۔ لیکن کہتے ہوئے  
اُترتی تھیں۔ وہ کوئی طاقت ہے جو ہمیں جو کچھ سوچتے ہیں کہہ ڈالنے سے روکتی ہے۔ اینتا بچے کا فواد کی مثال ہی لے لو۔ وہ تم سے  
محبت کرتی ہے۔ تمہاری پرستش کرتی ہے۔ لیکن کوئی طاقت اسے یہاں آنے سے روکتی ہے۔ وہ ہم سے کڑی ہے۔ ڈرتی ہے۔  
میرا ہی نے اپنے ہاتھ سینے پر رکھ لیے اور بڑی دلسوزی سے کہا۔ ”وہ تم سے شدید محبت کرتی ہے۔ کاش تم جان سکتے۔ اس نے  
سوائے میرے اور کسی کے سامنے محبت کا احترام نہیں کیا۔ تم دیکھو گے وہ ساری حرشادی نہیں کرے گی۔ کیونکہ اسے تم سے  
محبت ہے۔ تمہیں اس بات کا افسوس ہے نا؟“

”ہاں ہے۔“

”یہ نان اسی نے بھیجا ہے۔ وہ کچھ بیوقوف ہے۔ بھلا آتا چھپنے کا کیا فائدہ۔ میں بھی اس کی طرح بیوقوف اور  
احتمالی۔ لیکن اب میں کسی سے نہیں ڈرتی۔ اب میں جو چاہتی ہوں کہہ ڈالتی ہوں۔“

اتنے میں ڈاکٹر بچے کا فواد پہنچا۔ وہ ڈاکٹری کی ڈگری لے چکا تھا اور اپنے باپ کے پاس شہر میں ٹھہرا ہوا تھا۔  
وہ چھٹی منار ہاتھ اور کہہ رہا تھا کہ دوبارہ جلد ہی ہی پیرس برگ چلا جائے گا۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ اپنی تعلیم کو پورا کرنے  
کے لیے باہر جائے اور پھر آکر پروفیسر ہو جائے۔

آہستہ آہستہ اس کی نگاہ کے موطع بدلتے گئے۔ وہ مائیں اور پھر اپنے مضمون کے متعلق باتیں کرنے لگا۔ جو پیرس برگ میں  
پسند کیا گیا تھا۔ میری بہن، اس کے دکھ یا میرے متعلق اس نے کوئی بات نہ کی۔ اس کے لیے زندگی اراٹوں اور دلچسپیوں سے

بھری تھی۔ میں نے سوچا۔ ماشا کو امریکہ اپنی انگوٹھی اور اس کے نقش کا خیال ہے۔ ڈاکٹر اپنی ڈگری اور پروفیسر کے چیمے پڑا ہے۔ صرف میں اور میری بہن ہی دنیاوی چیزوں کے بیے رہ گئے ہیں۔

دو فرانسیکی بازار میں ہمارے گھر میں بالکل اندھیرا تھا۔ میں نے بار کو پھلانگا اور جس طرح پہلے کیا کرتا تھا پھلے دروازے سے باورچی خانے میں گیا۔ میرا باپ کلب سے واپس آ گیا تھا۔

”اچھے آبا سلام“ میں نے کہا۔

”تم کیا چاہتے ہو؟“ اس نے تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد پوچھا۔

”میں آپ کو یہ بتانے آیا ہوں کہ میری بہن سخت بیمار ہے۔ وہ اب زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکے گی۔“ یہ کہتے کتے

میری آواز بھرا گئی۔

”خیر“ میرے باپ نے عینک اتار کر میز پر رکھ دی اور ایک لمبا سانس لیتے ہوئے کہا۔ ”جیسی کرنی ویسی بھرنی۔

آج سے دو سال پہلے اسی جگہ میں نے تم سے انتہائی تھی کہ تم اپنی اصلاح کرو۔ تم اپنی ضد پر اڑے رہے اور سب سے بری بات

یہ کہ تم نے اپنی بہن کو بھی بھٹکا دیا۔ تمہاری وجہ سے اس کے ناموس پر ہڑنگا۔ اب تم دونوں بگڑ چکے ہو۔ خیر جیسی کرنی ویسی بھرنی۔

”میں بھی آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ اسی جگہ کھڑے ہو کر میں نے انتہائی تھی کہ میری بات سنی جائے۔ آپ نے باپ دادا

کی باتیں چھڑ دیں۔ میرے دادا کی جو نظیں لکھا کرتا تھا۔ اور اب جب میں بتا رہا ہوں کہ آپ کی جیٹی موت کے دروازے پر کھڑی

دم توڑ رہی ہے تو آپ پھر باپ دادا کے قصے اور ان کے کارنامے چھیڑ رہے ہیں۔ یہ نکلی باتیں اور اس زمانے میں جب سوکے

مسائے آپ کے سر پر منڈھارے ہیں اور زندگی دس پانچ سال سے زیادہ نہیں۔“

”تم یہاں کیا لینے آئے ہو؟ میرے باپ نے سختی سے پوچھا۔

”میں نہیں جانتا مجھے آپ سے محبت ہے۔ مجھے آپ سے دور رہنے کا حد سے زیادہ افسوس ہے اور اسی لیے میں آ گیا

ہوں۔ مجھے ابھی تک آپ سے محبت ہے لیکن میری بہن آپ کے ساتھ تمام رشتے توڑ چکی ہے۔ وہ آپ کو معاف نہیں کر سکتی

آپ کا نام لیتے ہی اسے اپنی گزری ہوئی زندگی سے نفرت ہونے لگتی ہے۔“

اور یہ کس کی غلطی ہے؟ ”میرا باپ چلایا۔“ یہ تمہاری غلطی ہے باجی۔“ میرے باپ نے میز سے اپنا دلر اٹھایا۔ ”تم

نشتے میں ہو۔ تمہیں اس حالت میں یہاں آنے کی جرأت کس طرح ہوئی۔ میں تم سے آخری دفعہ کہے دیتا ہوں اور اپنی آواز دہن

سے بھی کہہ دیتا کہ تم میں سے کسی کو بھی کچھ نہیں ملے گا۔ میں نے اپنی نافرمان اولاد کو اپنے دل سے نکال دیا ہے۔ تم یہاں چا ہو۔۔۔

فارت ہو سکتے ہو۔ خدا کی یہی مرضی تھی کہ مجھے تمہارا مذاہب دے دے کہ پاک کیا جائے لیکن میں اس آزمائش میں پورا اتر دیا

اور یعقوب کی طرح دکھ درد بھینٹنے میں تسکین حاصل کروں گا۔“

میں نے مایوس ہو کر اپنا اٹھٹھ ہلایا اور چلا آیا۔ مجھے یاد نہیں کہ اس کے بعد اگلی رات اور اگلے دن محمد پر کیا نڈری۔

کہا جاتا ہے کہ میں گلیوں میں نکلے پاؤں اور نکلے سر لٹھڑاتا اور گاتا ہوا بھرتا رہا اور بچوں کا ایک ٹولہ میرے پیچھے پیچھے نکلتا تھا۔“



کے آواز سے کتا رہا۔

اگر میں اپنے لیے ایک انگوٹھی بنواؤں تو اس کے بچنے پر نقش کندہ ہوگا۔ لاشی قان (کوئی شے فانی نہیں) میرا ایمان ہے کہ کوئی شے اپنا نشان چھوڑے بغیر نہیں جاتی۔ اور ہر قدم جو ہم اٹھاتے ہیں۔ خواہ کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو۔ ہمارے حال اور مستقبل پر ضرور اثر ڈالتا ہے۔

میں جی جی منوں سے گزرا ہوں۔ بیکار نہیں گئیں۔ میرے دکھ درد اور میرے صبر کا لوگوں پر اثر ہوا ہے۔ اب وہ بچے دیکھتا، نہیں کہتے۔ اگرچہ میں اعلیٰ خاندان کا ہوں۔ لیکن اب وہ بچے مزدور دیکھنے کے عادی ہو گئے ہیں۔ اور اب انھیں میرے رنگ کا برش اور برتن اٹھاتے پھرنے اور کھڑکیاں لگانے پر تعجب نہیں ہوتا۔ بلکہ اب وہ لوگ بچے کام دے کر خوش ہوتے ہیں۔ میں اولیٰ درجہ کا کاریگر سمجھا جاتا ہوں۔ اور اب میں خود ایک ٹیکسٹ کار ہوں۔

میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔ سنجیدہ اور خاموش رہتا ہوں۔ بہت کم ہنستا ہوں۔ ماریا وکٹرافنا میری بیوی اب کہیں کندھا دہتی ہے۔ ڈاکٹر بے گافو بھی سمندر پار ہے۔ میرا باپ اب بہت بوڑھا ہو چکا ہے۔ اس کی کمر جھک گئی ہے۔ میں اس سے کبھی ملنے نہیں گیا۔

عام طور پر صبح سے شام تک کام میں لگا رہتا ہوں۔ اچھے موسم میں اپنی ننھی بھانجی کو ساتھ لے کر قبرستان نکل جاتا ہوں! وہاں دیر تک کھڑا بیٹھا اس قبر کو دیکھتا رہتا ہوں جو مجھے بہت پیاری ہے اور بچی کو بتاتا ہوں کہ تمھاری امی یہاں سوتا پڑی ہے۔

بعض دفعہ قبر کے پاس مجھے اینو تابلے کا قول جاتی ہے۔ ہم ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں اور پھر چپ چاپ کھڑے رہتے ہیں یا قلو بطرہ اس کی بچی اور دنیا کے دکھ درد کی باتیں کرتے ہیں۔ قبرستان سے نکل کر ہم خاموشی سے چل دیتے ہیں۔ اور وہ آہستہ آہستہ جان بوجھ کر اپنی رفتار کم کر دیتی ہے تاکہ تھوڑی دیر تک میرے ساتھ چل سکے۔ جب شہر آ جاتا ہے تو اینو تابلے کا کوجہرا کر خدا حافظ کہتی ہے اور آگے بڑھ جاتی ہے۔ اسے دیکھ کر کوئی بھی نہیں کہہ سکتا کہ وہ ابھی ابھی میرے ساتھ چل رہی اور بچی کو پیار کر رہی تھی۔

”نفیس، نسیم جاسی“

## امجد حیدر آبادی

ہم غفلت میں ہی غصہ مں رہے ہم رنگ و بود میں ہی مہم رہے  
 ہم ہم کیا ہے خدا کا ایک حکم حکم لیکن اسے حکم ہے کہ مسکوم رہے  
 ہم اذختم میں طرح ہم تافذ میں اس طرح ہم معنی میں ہیں۔ تب اس کے کہ ہم اس اپنے دو حرفی ہم کی تفسیر کریں ہم کراچی دونوں اہل بیت میں والدین کے لئے صرفاً  
 بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

ہماری والدہ

ہمارے والد

- ۱۔ جسم طویل القامت، موٹے سے شکم سے بھی کسی قدر بزرگی کا ۔ سارا رنگ، دہلیز، کسی قدر پست قامت، پیٹ پیٹ  
 اٹھارہ ہوتا تھا۔
- ۲۔ قدیم وضع کے مووی
- ۳۔ نماز کے سنی سے پابند بکثرت صایم
- ۴۔ بے حد نازک مزاج
- ۵۔ بے حد حسد اپنے ہاتھ سے کوئی کام نہ کرتے
- ۶۔ خوش خوراک خوش پوش
- ۷۔ بہت بولنے والے
- ۸۔ بہت خاموش

ابھی جنوں لے ہم کو دیکھا ہے وہ تو سمجھ سکتے ہیں کہ والدین کے ان صفات سے جو سے قاعدت نے ہم کو ورثہ کیا کیا چیزیں دی ہیں۔ جنہوں نے ہم کو  
 نہیں دیکھا ہے ان کے لیے ہم کسی قدر تخیل کرتے ہیں۔

- ۱۔ صورت اور جسم تو ہم ماں اور باپ دونوں کے درمیان ہیں کھادھر سے طابے کچھ اور کچھ لیکن کچھ ماں باپ دونوں کے یہاں یہاں کچھ
- ۲۔ علم و جہالت کی کمی درمیانی حالت ہے صوم ہوا بھی واجبی واجبی ہے مگر حضرت والد کی کثرت صیام کا اثر ہے کہ ہم کو دن بھر صوم بہت کم  
 لگتی ہے مگر رات دو دفعہ بھی کھانے میں تاثر نہیں ہوتا۔
- ۳۔ نازک مزاجی میں باکل باپ کے بیٹے ہیں۔ ۵۔ لکھ کا ۶۔ لباس و خوراک کے تعلقات سے بے بسی۔ ۷۔ لکھ کوئی میں باکل اپنی ماں کے  
 قدم بہ قدم جی ان تینوں لمبروں باپ سے کچھ حصہ نہیں لیا۔
- اب ہم ان دونوں کی صورت و سیرت کی یاد لگا رہا ہوں حسین امجد کے نام سے اس عدم تیز عالم میں بظہر موجود ہیں دیکھتے تک نہیں

ہم نے اپنی والدہ صوفیہ مرحومہ سے تھا کہ زب سلاہ جنگ اول کی وفات تسلیم کے پہلے یا بعد سال بعد عید آباد دکن میں، جب کو قریب بیس روزہ دوشنبہ ہماری خوش قسمت گستاخا علیہ السلام میں غم پیدا ہوا۔ صبح تازہ دسندہ کو بھی معلوم نہیں۔

ہمارے والدہ حضرت صوفیہ سیدہ رحمہ علیہ مرحومہ کا ہماری والدہ سے عقد کے تین سال بعد بیس سالہ عید کے دن مرگ گئے۔ ان کا ناٹا انتقال ہو گیا۔ بچوں کی عمریں پہلاں سے بھاریاں ہو رہی تھیں۔ ہم کو یہ ہو گیا کہ پانچواں بچہ کے نہانے کے لیے گرم کیا گیا تھا۔ قاضی بیت کے کام آیا۔ بندہ اقبال کی والدہ اقبال کا یہ پہلا کرشمہ تھا۔ ابھی اور دیکھتے جائیے۔

یہ بھی عجیب بات ہے کہ حضرت مرحوم نے اس واقعہ سے دو روز قبل تندرستی میں اپنا فیہ تیار کر دالی تھی

اس وقت بیماری ہی برت کر ہم لوگوں میں منتقلہ قبر خنہ کے قریب ہی دن ملا فہرے واپس آئے۔ ہونے دل پر ناچ کا اثر ہوا۔ گھڑنے آنکھ گرنے اپنی طرف سے کہنے لیا۔ بچے کے شوق میں کھل مورتی تھیں۔ تیر کی مٹی سے بند ہو گئیں۔ بندوق تیار کی۔

دھونڈتے کیا برت کے سبب - مر گئے مرگ ناہسانی سے

دور جانے کی کیا ضرورت تھی - مستہرید اسے زندگان سے

دنیا سے فصاحت برتے ہوئے ہماری والدہ سے کہتے تھے۔ ہمارا فہم نہ کرنا پڑے۔ جی کا لیتا تھا ہاں یہ بچہ کا لہو کہ ہو کر جیے گا۔ ہماری والدہ قصہ میں آزاد مصافحات عید آباد کی رہنے والی تھیں۔ ہمارے والد کا مولد کسی سے اونگہ آباؤ سنا گیا ہے کسی نے میرٹھ بیان کیا ہے۔ والدہ اس وقت قید تھیں۔ اسی طرح نام بھی بعض نے رحیم میں ابن کریم حسین کہا ہے۔ اور بعض نے رحیم علی۔ لیکن آخر لاکر نام جو کہ ہم نے اپنی ماں سے سنا ہے اس لیے ہم سے باس یہی زیادہ قابل وثوق ہے۔

والدہ کے کسب معاش کے ابتدائی حالات سے ہم تو کیا ہماری والدہ بھی بے خبر ہیں مگر آخری زندگی میں کسی مسدک امامت کرتے تھے ان کی اذان میں بھی خاص اثر تھا۔

ہمارے والدہ کی جگہ دیگر جگہوں سے آئیں۔ بچے ہوئے۔ میں مر کر اکیسویں ہجری پیدا ہوئے۔ ایک کے آئیں ہو کر پھر ایک کا ایک عیدہ گیا۔ دادی دادا۔

کملات امجد اب دنیا کے اس بچے کو کتنے کہ لطف تلاشے نئے نئے کلمات بغیر کسی گفت کے ہنسی مضحکہ کے ملاحظہ کرتے جانے۔

بکرم ہل کی گد میں آنے سے پہلے بھی ماں کے پیٹ میں تھے کہ عرم کا مہینہ آگیا۔ بیوی دہاری والدہ، اسے اپنے شوہر (ہمارے والد) سے عرم کے تعزینے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ نیکی کے دم میں تھے ہاں کہہ دیا۔ بیوی تماشہ دیکھنے کی چلی

## قول فعل مرواں

میں گھر کا تمام کام کلا جلد جلد ختم کر میں اندر کر مغرب تک باطل تیار ہو گئیں شوہر روزانہ ملکوت کے حلقہ میں مغرب کے بعد آنے کی جگہ ملازمت کے بعد تشریف لاتے تماشہ کی دیوانی بیوی نے جست پٹ و ستر خوان بچھا ہاتھ دھوا کھانا کھا کر سامنے رکھ دیا آپ کھانی اُٹھ کر کمر تشریف لے گئے

بیوی نے کہا کیا تعزینے دیکھنے نہ چلو گے میں نہ ہاں سے دن کی روشنی میں لایا تھا اب سات کی تاریکی میں نکلے یا اور شوہر تشریف لے چلے ہاں جا کر اوپر دو دروازے کو قفل لگا رہے تھے اور بیوی تعزینہ نہ دیکھنے کے غم میں اندر ہی اندر دو دروازے کی دہلی تھیں۔ شوہر کے گھر سے نکلے

کے گئیں نکل نہ پئے۔ تمام دن ٹھکانا کھا کر صاف ہو گیا؟

**قلب مائیت** جلد سے پیدا ہونے سے پہلے ہماری والدہ کی ایک بڑی مہنگی قمیجیں کاٹم ہماری والدہ کے دل و دگر میں لائن کی طرح کھلتا رہتا تھا اس لیے والد صاحب کے مسئلہ کے بعد اپنی بڑی کی یادگار میں کچھ دنوں کے لیے ہم بھی بڑی کی یاد دینے گئے ہمارے کانوں میں جھپاں لگیں ملاؤ ملی گئی۔ مدتنا نہ ہندے ہاں میں کنگھی کر کے چون ڈال جاتی آنکھوں میں لالہ ہوتا۔ خونوں پر سی جوتی ہم تنہی ہی عمر میں سولہ گھنٹہ کے میں نکلتے، ابھی پڑ کانے ادرے سے ادرے اٹھایا کرتے۔

**بالائی چھوڑیں** ایک دن چھوڑیں دودھ کی کوٹھالی آگ پر پڑی برقی قمیجیں کھول کر دودھ کا بہت سا ساندہ بالائی بن چکا تھا دیکھتے ہی وال ٹپک پڑی۔ بے رحمی سے ہمیں اتنا صبر کہہ کر ہاں آئے اندھ لکڑی سے ادرے سے ادرے یہ یقین کہ نہ روہ دیں گے۔ دیں یا نہ دیں۔ آؤ دیکھنا تاہ۔ بالائی کے لیے گرم گرم دودھ میں باجھوٹاں دیا۔ بالائی نکال توئی مگر تھیل میں اٹھا جلدی سے نہ میں ڈال لی۔ مز میں آگ پڑ گئی۔ گرم پیر نکلی نہیں جاتی۔ بالائی اگلی نہیں جاتی۔ جیلا کو چغ اُٹھے آواز کے ساتھ ہی والدہ دودھی برقی آئیں۔ صابن ادرہ کو دیکھا اور جب نشان میں رکھا تو میں بالائی بھرے منہ کھول کھول کر چلا رہے ہیں چو کی چوری اور خود ہی اطلاع دی کہ کھل کھلا کر نہیں پڑیں۔ اضحٹ اللہ سنا ہاں الخیر

راحت، زحمت فرا ہے معلوم نہ تھا اس قسم میں سمجھا سے معلوم نہ تھا

سبے ٹیج میں یہ رنج خبر تھی کس کو بالائی میں یہ جاب سے معلوم نہ تھا

**حماقت میں کرامت** ایک دفعہ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ گرمی کے موسم میں ہم باڈل پر پہنچے۔ باڈی میں ایک بھگتا ہوا ہوا تھا۔ میسز آدنی چھوٹے بڑے کو درہے تھے تیر رہے تھے، نہار تھے، غوطے نکارتے تھے۔ یہ تاننا نہ دیکھتے دیکھتے ہم کو بھی جوش آگیا۔ اپنے سے باہر ہو کر کہنے لگاؤ۔ ہر سے قریب ایک صاحب پر اسکا استاد بیٹھے برے تھے برے ان سے پوچھا کہ ہم بھی کوہ جانی انہوں نے یہ کچھ کرنا ہم تیرا ہانتے ہیں چھکے دیا۔ ہم باہر فن کی حق دھم سے پانی میں کود گئے۔ کرہ کرہ ادا ہو گئے۔ ڈوب کر پھر اُبھرے۔ اُبھر کر ڈوب گئے۔ پھر اُبھرے۔ پھر ڈوبنے کی کوشش کرتے ہوئے صاحب نے دیکھ لیا۔ اتنا دقت کہاں تھا کہ کہنے سے اتار کھینچے کہڑوں بہت پانی میں کر کہم کو سنبھال لیا اور کنارے سے لاکر چھوڑ دیا اور ہمدی اس حماقت پر بہت حلاوت کی اس میں شک نہیں کہ حماقت ضرور ہوئی تھا اس تالیج سے ہم کو تیرنا آگیا۔

نک نہیں سکتی کبھی پڑھنے سے یہ وہ سبیل ہے

کھیل جانا جان پر بھون کا ادا نے کھیل ہے

یاد رہے مقیم معلوم نہیں حادثہ کو درست یہ معلوم نہیں

سبحانک الاحمد لہنا پتہ ہے کوئی مجھے اسے میر معلوم نہیں

**علم انسانی**

**تعلیم امجد** جہاں دن کے تیر بچے کو پاتے پوتے تبصر دلاتے ہیں ایک بے کس ہے یا نہ دیکھو۔ نے جو مصیبتیں اٹھائیں ناقابل بیان ہیں۔ ایسا تعلیم امجد ہر اک بچے کو تمام تمام دن کھانا۔ صابن لائی۔ دس دس دیا گیا۔

اکٹرا ایسا ہر بچے کے ساتھ سب نے دے دیا کہ کڑی کے ساتھ بچے کی زبان توڑ دیں نہ بھٹ گیا۔ جسے پڑوں کی چلا مانہ آئی۔ ہاں اپنے اعلیٰ لالہ۔ حال آنکھوں سے دیکھ رہی ہے۔ اندر ہاں اندر خون شگرت لہ رہی ہے تو کیا یہاں اُت تو کرے۔ اُت بھی تو کرے۔ اسکا بہت نہ پڑھاتے ہیں جہاں نے کچھ کہا نہیں! انہوں نے بھڑک دیا نہیں بھڑک۔ بہت بھڑک بھڑک۔

دشمن کا پرانی تیز نصاب لکھ چکے ہوتے جانتے تھک کر ہار رہے اے ملذذات آہستہ چل چکی ہیں، دینا اکیا کر دیں خود بھی مجھ سے ملے  
ملی کی طرح بر تو میراں است نام کی جوت سدا ہاں است  
ایک دھندلے پاؤں میں دھنسی لکھتے تھک کر کڑیوں میں اٹھ کھڑے ہو گئے۔ مٹی مٹی زمین سے ملنا لگا دھواں مٹا دیا، ہمارے منہ سے  
گت جاری ہو گیا۔ بٹ لکھا ہوا جسم بے حس ہو کر ڈھل چکا گیا۔

مارنے والے کو مرنے والے کی کیا خبر لایا۔ صحت میں ہمارا لگا ہوا اپنے کام میں لگے ہوئے تھے تھکے مارے مارے تھے، تو رہے کہ  
داد دین کی لاپرواہی تھا ہمارے دل کے سامنے ہی ہوا۔ اتنا ہم تو پہلی خطیں لکھیں، ہنکے کے عالم پہنچ دیں خدا تک پہنچے تھے اب ہر کچھ  
میں رحمت میں ہی رہی تھی وہ اسی کل لکھوں سے دیکھنے والی کا ہتھ پتی۔

پیکر میں جیسے ہو گیا، دیکھ کر ایک سرورہ مجھ پر ہو گیا، زندہ ہو  
اگرچہ ہماری والدہ کے مورخہ کا سب سب مر چکے تھے شہر کا سایہ بھی سر پہ نہ رہا تھا۔ سب بچے مار گئے تھے، مار گئے تھے، تو رہے کہ  
ہمدی اس مٹی میں تسلیم لا شرق کہاں سے اور کس طرح پیدا ہو گیا تھا کہ ہم سے بد المراتب چٹا کر چھوڑ کر چھوڑ دینا ہوتی ہے کہ مر جاؤ  
ہاں علم کی والدہ، ہم کھیل پر آمادہ، ان کو علم سے محبت ہم کو پڑھنے سے دشت، ہم دھرت میں پڑھ لیتے تو یہ ماں یہ بھینس کو بڑی دلت مال  
ہو گئی۔ ہم جس قدر کھیل لیتے تھے کہ زندگی کا مقصد حاصل ہو گیا۔

کسی پر سایہ خیل کی پائل ملتا کوئی قابل کا دلدار کوئی بل کا ٹول تھا  
دلت جب کسی ہم پڑھنے کے لیے بٹھائے جاتے وہ چار منٹ کچھ ٹرنی ٹرنی بڑا کر کتب بند کر بھٹ پٹ اٹھ کھڑے ہوتے  
عالم تمام ماتی والدہ نے دلفانہ کی کیفیت دیکھ کر کہا، میں نہیں تم میرے سامنے پڑھا کر کہ کتب کی ہر سطح پر انگلی رکھ دیتی ہو کچھ کہہ کر پڑھنا  
جانتی ہیں۔ اس خوف سے بیکسر تنقب و تصرف کے ایسا غاری کے ساتھ ہمارے پڑھانے بہت قریب میں مار کر جب سے ماز کھلا کر مال پڑھنا لکھنا  
کچھ بھی نہیں جانتی جیسا ہمیں آتی تھی تو ہم اپنی اوقات ضائع کر لے پر بہت اندوس ہوا۔ کھینچے پڑھنے کی جگہ اتنا دقت میں کھیل کر دیں صرف ہر جگہ اتنا دقت  
زندگی کے معنی سمجھ کر جاتے۔ انھا الحیوة الدنیا لعب ولعب۔

ہر کھڑے شہزادے وہ زمانہ میں ہم  
جودت کے بعد وہ دوران میں ہم  
ہر کھڑے نہیں لوگ ہر ان کر کے  
قیام مدد کے آخری لمحہ میں ہم نے پڑھا کھنا مائل چھوڑ دیا تھا، غش و غور دن دو کی مصلد خوب از بختہ تھو بہتر صاحبہ  
گروہش پر کار کو بھی ہمدی ہے ہمدی کی خبر ہو گئی اگرچہ مدد کے قاعدہ کے اقتبلہ ہمارا قصد فر ایدہ ہر جگہ چاہیے تھا، مگر بہتر متا  
ہمدے مدد ہمدے کی میدان کی دواں ہمدے ہے، انویک دن مدد کے لیے ال کے سامنے ہم کر دھک کر پوچھی بیٹھے کہ تم نے پڑھا کھیں چھوڑ دیا  
ہم نے کہہ کس سے پڑھیں۔

بہتر صاحب نے کہا کیا تمہارے پڑھانے کے لیے اس نہیں ہیں؟

ہم نے کہا۔ معمول استادوں سے تو ہم نہیں پڑھ سکتے۔

بہتم صاحب نے کہا پھر کس سے چھو گئے؟  
 ہم نے کہا مولوی عبدالوہاب صاحب بہارنی سے  
 بہتم صاحب نے کہا تمہارے لیے اتنی بڑی مہوار کا استاذ تو نہیں رکھا جاسکتا۔  
 ہم نے کہا تو پھر ہم نہیں پڑھ سکتے۔

ہمدرد صاحب جواب سے بہتم صاحب کو سخت غصہ آگیا اور جھلا کر ہم کو کڑھانے اور مارنے کے لیے پکے یہ واقعہ جس ہال کے سامنے ہو رہا تھا اس کے  
 متعدد دروازے تھے ہم جھٹ سے ایک دروازے میں گھس گئے بہتم صاحب نے بھی ہمارا پھیلایا ہم دوسرے دروازے سے نکل پڑے ماسی طرح تھوڑی دیر  
 تک اٹھ کر چلی کھینٹے ہوئے اپنے ساتھ بہتم صاحب کو بھی در بدر پھراتے رہے۔

ہمدرد دوست طلبہ بڑے تاشہ دیکھتے رہے پھر جو نکلے تیر کی طرح دھڑکے باہر سڑک پر پہنچ گئے حضرت صاحب نے بھی پھیلانہ پھوڑا اشارہ  
 عام پر ایک طالب علم اور ایک بہتم مرد دھڑکے چلے جا رہے تھے، اسی جگہ دھڑ میں بہتم صاحب کی ایک جوتی پاؤں سے نکل کر بد رو میں جا پڑی جو حضرت  
 نے اس کا بھی خیال نہ کیا ایک ہی جوتی پہنے ہوئے باہر تھاقب میں مصروف رہے ہمارا یہ حال تھا کہ دس قدم بھاگتے ہیں پھر مڑ کر دیکھتے ہیں حضرت کو آتا دیکھ کر پھر  
 دس قدم آگے چل جاتے ہیں۔ ایک شریف لڑکے کا یکہ چوڑا آخر غریب ہار مان کر خفک گئے اور ہم سے ہاتھ دھو کر براہ راست  
 ایک ہی جوتی پہنے ہوئے قدیم مرام کے اعتبار سے ہماری والدہ کے پاس جا پہنچے۔ ہمارے کلاؤں سے دور ہماری والدہ کے سامنے ہم کو خوب ہی سواتیں  
 ساق میں والدہ نے کہا آپ نے اس کر کوڑ کر مارا کیوں ہیں۔ بہتم صاحب نے کہا بھلا دے کو کون پڑ سکتا ہے۔ کہ بہت جتنا دہلیں ہے اتنا ہی شرم ہے۔  
 اس انشائیں (معلماء کی آمد سے بے خبر) امر لانا کو دیکھ کر دم ہی تو چل گیا۔ نہ معلوم کیا بات تھی کہ پھر بھاگنے کی جی بہت نہ ہونی، بھگتی ہی بنے جھٹے جی  
 کھڑے وہ گئے۔ اور حشرین ماں، اور حشرین تہران سر جھکائے اکھیں نیچی کینے سے اور بہت کچھ سنے۔ اس وقت ہماری حالت اس غلام کی سی تھی  
 جو اپنے مالک کے گھر سے بھاگ کر ایک کنوئیں میں کود پڑا تھا اور کنوئیں سے سڑگ لٹکا ہوا پھر جو نکلتا ہے تو اس اپنے مالک کے گھر میں، واہ جی واہ  
 تقدیر سے کہتے ہیں۔

توہ سے بھاگ کر کہاں جاؤں گا تو سامنے آئے تھابھال جاؤں گا

امید لیے بعد ہراس آیا ہوں تجھ سے ڈد کر میں تیرے پاس کیا ہوں

تھیاریض و سما کی معلوم نہیں قسمت و مست تفاس کی معلوم نہیں

ہر کام میں ہاں ہے اپنی مرضی کیلئے کیا مرضی ہے حسد کی معلوم نہیں

## شادی اور آزادی

بہتم تقریباً ۱۹۳۱ء میں مدرسہ نظامیہ تعلیم کے وظیفہ خواروں میں شریک ہوئے۔ وہاں تعلیم تک تعلیم پر مہوار چھوڑ دیا اس وقت سخت گرائی کا  
 کاغذ تھا تا جب تک والد مرحوم کے پس انداز اور ان کے چھوٹے برائے مکانات پنج پین کر نہ خٹکلی بسر کرتے رہے تو وہ کئے زمانہ میں بہت مصیبت آ  
 پڑی۔ دو روپے ہمارا پر ایک لوگ کو چھوٹے چھوٹے کے لیے چار میل جا کر تھے جسے ہمارا اور جس آمد رفت پر ایک مہرہ دودن مشکل تھا پہلے مدرسہ  
 کی مصروفیت میں اس کو اسانہ کر دیا۔ سترہ اخبار سال کی عمر میں شیخ میزاں صاحب کی لڑکی سے پہلی شادی ہوئی جن سے ایک لڑکی اعظم النساء پیدا ہوئی  
 اسی کے بعد سال بعد کسی خانگی وجہ سے ملائے بڑا کر ہم بھڑکے گئے۔

ہمارا پہلا استاد وان  
میں اگر چند میٹروں کے بعد مولوی حویز مرزا صاحب لیا، اسے کئی قدم والی کٹ شہرت سن کر ایک ہی آنکھ سے دیکھ کر  
پہنچ گئے۔ مولوی صاحب اس وقت باہر ہی تھے ہم نے سلام کر کے باجیٹ اٹھ کر ایک جگہ بیٹھ کر دی۔  
مولوی صاحب نے کتاب ہاتھ میں لے کر فرمایا کیا مولوی صاحب نے بھی ہے۔

ہم نے ملکر اگر عرض کیا ہی ہاں! یہ کتاب بھی انگریزی بھی ہے اور پیش کرنے والا بھی انگریزی ہے۔ مولوی صاحب ہماری صورت و لہجہ بہت خیر و فخر پر مچا، کیا یہ دیباچہ ان ہی کے متعلق مولانا حالی نے لکھا ہے کہ تقیب ہے کہ خطاب ملی کے زمانے میں جو منافی شعرو سخن ہے۔ ایسا عمدہ اور اعلیٰ مذاق شاعری لاکھوں کر سدا ہوا۔

اس ذکر کے بعد ایک مہینہ بھی گزرا۔ مگر ہر ملک مکان ہر شہر گزرا۔ ہر ملک کا ۱۳۲۶ھ میں دہر مونی کی طغیانی کا ماحصلہ پیش آیا۔

طغیانی اور مونی

باد صحر سے آٹیاں گرتا ہے      اب لشکر عیش کا شاں گرتا ہے  
 اب باؤں کے دھڑکے پڑ رہے ہیں      پھٹتی ہے زمین آسمان گرتا ہے

۱۷۔ یکنہ شمی پرس نگر میں مغرباب خاں کے اہتمام سے ۱۹۳۹ء میں شائع ہوئی تھی۔

یہاں ہم نے پہلے ہی ملا کے اکثر لنگ پتہ لینے کے لیے آگئے تھے۔ ہم مکان کے دیوان خانہ میں ٹھہر گئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد قبلہ رخ کی دیوارش ہرنی کوسے کے آل میں پانی دنا آہٹا لگا ہم اصر سے جاگ کر دوسری طرف جا بیٹھے اور بھی ہم لینے پلنے تھے کہ من کا پانی دروازہ کے راستہ چڑھتا ہوا اوپر آگیا اور ایک تختہ بیچ میں ٹٹل کر ہم سب اس پر بیٹھ گئے۔

ہم اس وقت آٹھ گھنٹے بعد کے دلوں ہاتھ سے سوکڑے چھت گئے اور رونے کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس تمام طوفانی حادثہ میں بڑے وقت ہمارے لیے کمال کہ کب کا وقت تھا اس اضطراب میں نکایک ایک ہرک اٹھی جی میں آئی جب مرنا ہی چھوڑتے کہ نیچے وہ کراہت مچا چڑا ہو کر گریں مری۔ میدان میں ٹٹل کر کیوں نہ جان دیں۔

خیال نے موم، موم نے فضیلت کی صورت اختیار کر لی۔ ذرا ماں کا ہاتھ پکڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے ماں کے ساتھ بیوی، بیوی کی گود میں بھی چل کر سرکھٹ نما جین کا قافہ شقی شدہ دیوار کی دند سے بلند سر کی ٹکی میں اترنے کے لیے تیار ہو گیا۔ میرے قافلہ نے پہلے قدم رکھا اور یہ سو کر کہ پانی میں آئینہ ہیں مگر ایسا نہیں ہوا، بلکہ ہمارا قافلہ ایک گرسے ہوئے مکان کے طہ پر پڑا۔ ہمارے بعد والدہ اور بیوی بھی مکان سے باہر بیٹھ پکڑی ہو گئیں اور ہر ہم باہر ہونے اور حرکت بیٹھ گئی نگہا کر آگے بڑھ گئے۔ خدا کی قدرت، صد ہا مکانوں کے گرنے سے جیسے کے بڑے بڑے پتے قائم ہو گئے تھے جو پہاڑی میں ان مکانوں کے برابر تھے جو بھی گرسے تھے اندھیری رات میں پانی کے اندھ ہی اندھ پاؤں سے سستہ ٹٹلے متنبوں پر پاؤں رکھتے کودتے بھانڈے جانب جنوب ایک مشقت وضع ہوئے حکم پہنچ گئے۔

اب آگے کوئی طہ پاشہ نہ ملا وہیں خشک کر رہ گئے۔ اس وقت نہ ہی بیویں اچھل رہی تھیں۔ پانی لفظ بھلا بڑھتا ہی جا رہا تھا چاؤں حوت اندھیر گھپ چھا ہوا تھا بڑا طہا لہر برس رہا موموں کے ٹٹو دار گرتے ہوئے مکانوں کے دھماکے سے جرمی بھی کی کرک، کبھی تو پوں کی گرسے سے مشابہ تھا، دل سیز میں دل دل کر رہ جاتا تھا۔

جب ہم اس جہیز سے پر آئے تھے پانی اس کی منڈ سے نیچے تھا لیکن جوں جوں ندی چڑھی گئی جہیز سے پانی اونچا ہوتا چلا رات کے دو بجے تک تو پانی چہرے سے چڑھتا ہوا پاؤں سے ٹھنڈی ٹھنڈی سے پندلیوں، پندلیوں سے ٹھنڈی ٹھنڈی سے کمر کرے لگے تک آہٹا ہوا ہم لوگ اس خیال سے کہ ہمیں تو ایک ساتھ ہیں، دوویں تو ایک ساتھ ڈوبیں۔ ایک دوسرے کے ہاتھ مضبوطی سے تھام کر ڈوبنے سے بچنے کے لیے جہیز سے آگے بڑھ کر جہیز سے آگے نہ بھاڑنا تھا کہ سب کے سب غرق اب تے پانی میں ڈوب گئے ڈر کر کھانی سے جا پڑے خندقی ہیں۔

ہم ایک طرف ان، ایک طرف بیوی، ایک طرف بی بی ایک طرف جمع حاضر اور بد منتظر تھے۔ اس جگہ ہی قدرت کا کرشمہ دیکھنے کے قابل ہے۔ ہمارا قدم ڈھکنے کے بعد زمین کی سطح کی جگہ گھاس کے چھپر پر جا پڑا۔ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔ یہاں تو لاکھوں ٹکوں کا ایک پھاڑا چھپر مل گیا۔ ہم چھپر کے ذریعہ خود بخود چھپر سطح آب پر آباد ہو گئے۔ والدہ بیوی، بی بی پہلے سے قریب ہی غوطے کھاری تھیں۔ کچے بعد دیگرے ہر ایک کو پانی سے نکال نکال کر چھپر پر چڑھایا۔ چھپر جامد امیل کے بوجھ پر بھی سطح آب پر برابر قافلہ ہوا۔ ہم بھی جو حیثیت ناک حمل سے ہمارے ساتھ متنبوں کو رہداشت کھٹے میں شکر تھی، جو نادر اسی بہت پر بعد والی آج بالکل ساکت و صامت تھی۔ لاندھے پڑلے ہوئے آلے دالے وقت کا انتظار کر رہے تھے۔ اس حرکت کچھ وقت اسی چھپر پر بھی گزرتا تھا مگر کس طرح گزرا۔

مینہ بٹھا تو اگر طاقت و دین داری



یہاں تک کہ جی کا نسب نمود ہوئی۔ بعد اس کے بعد اس کے والد گرامی کی اولاد آئے گی۔

ہم کہہ کر اصرار سے دعوت تو جوں توں کرتی گئی اب سوچ سہجی ہے دن کے اجاڑے میں کوئی نہ کوئی پہلو کی صورت نکل ہی آئے گی نہ کہ  
کوئی نہ کوئی شے اسات کی حالت کے لئے ضرور قائم ثابت ہوگی۔

اسی طرح ایک دیکھ کر اسے حالت کا تشریح خواب ہی قسمت رہے گا۔ جیسے صبح کے وقت ندی کی زد سے فصیل شہر کا ایک حصہ گڑھا  
ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا سنا ہوا دودھ دھو بیٹل کر ہماری طرف بھی منتقل ہو گیا اب تک پانی میں صحت و جڑ حلاوت کا پہلو نہ تھا مگر تفصیل  
گرنے کے بعد پانی کی اصلیت (یعنی دلدلی) ہی آگیا اور ہوا پھر جس پر ہم اب تک جان نہیں میں لیے بیٹھے ہوئے تھے طوفانی طبع کی طرح ڈانگنے  
کا بھی آبا آبا کہ کر کے سے پسٹ گئی ہم نے اس کام سے کیا بیٹھ نہیں سو جا ہمیشہ کے لیے سو جا ہمیشہ ہوش و اس صحت بھی نکالی تو یقین تھا کہ ہم  
نہی کی سے ہم صحت کو الایا اور دن کے قدروں پر رہی ہلاک اپنی گزشتہ نافرمانیوں وغیرہ کی صفائی مانگ ل۔ اب پھر اہستہ آہستہ دھارے کے ساتھ سنا  
آپ پر بیٹھے گا۔ جانیں جنوں سے نکلنے کے قریب ہو گئیں۔ ماں نے گہرا کر پوچھا بیٹا اب کیا کرنا چاہئے۔ ہم نے کہا اگر کوئی ڈراوند چڑا تو دل جاتا تو اس پر  
بیٹو کر کیے ہوئے چلے جاتے۔ پھر آگے جو پیش آئے۔ اس کہنے کے ساتھ ہی والدہ نے ایک تختے کی طرف اشارہ کیا جو بیٹا ہماری طرف آ رہا تھا جب  
بالکل ہی قریب آگیا۔ ہم تختے کے شوق میں بغیر اس خیال کے کہ یہی لاندھے پر چڑھی ہوئی ہے پانی میں گر پڑے۔ والدہ نے بھی کوئی تر فرما اٹھا لیا۔ ہم تختے کی  
طرف بڑھے مچے تختے لٹانے کو چلے گئے پانی کا دھارا ہم کو بہا لے چلا۔

تقدیر میں جب تک ماں بیوی کا ساتھ دینا لکھا تھا وہ چکے۔ اب ماں دیکھ رہی ہے بیٹا بھلا چلا مارا ہے اور ماں بھی کھیلے کڑی کمال سے تیر  
نکلے ہے۔ یہاں تک کہ بچہ بچتا ایک درخت کے قریب پہنچ کر اس کی جھکی ہوئی ڈال پر لڑا اور ساتھ ہی پٹ کر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ ہم اس  
وقت اپنے ساتھیوں سے تقریباً سو گز دور ہو گئے تھے۔ ہم نے وہیں سے چلا کر آؤ لڑکی کو بھی کسی جتنے ہوئے صندوق میں بند کر کے بہاد۔ مگر پتہ  
میں اس طرف سے نکال لوں گا اور تم بھی کسی تنہا دھڑ کا سہارا لے کر اپنے آپ کو دیا کی مریوں کے حوالے کر دو۔

صحت کی لیکوں کے کٹاٹے دیکھتے جاتے۔ اس کہنے کے بعد ہی والدہ کے سامنے مختلف سامانوں کے ساتھ تین کا ایک بڑا صندوق بھی بہت  
ہوا آگیا۔ والدہ نے اس کو کھڑکھڑایا اور پاؤں کی طرف بھی کو صندوق میں بند کر کے بہادریں کر قسمت کی بات صندوق متصل نکلا والدہ نے ٹھوکی  
کے ساتھ پھر لچھے پکار کر کہا بیٹا صندوق کو نقل دے گا ہے۔ پھر صندوق کو چھڑک کر ایک بڑی شہیر کھڑا ل اور اپنی بیوی کو اس کے تمام لینے کی ہدایت  
کر کے اپنے آپ کو دیا کے حوالے کر دیا۔ یہ ہونا تک ماسرہ چند قدم ہی طے ہوا تھا کہ بیوی کے ہاتھ سے شہیر نکل گئی پھر تہہ نہ چلا کر کیا ہو میں۔

تھوڑی دیر کے بعد والدہ بھی نہ سنبھل سکیں شہیر سے مدد چاہی کی کمی ڈوٹی میں بھی اچھی تھی کمی صحت سر کے بل نظر آتے تھے کمی زور  
کے اُبھرتی ہیں تو کہ صورت بھی انحراف جاتی ہے گر لپک چھپکے تک پھر ڈوب جاتی ہیں۔ آہ! آہ! ان تمام طوفانی منظر میں یہ منظر بھی تھا اس  
کا اندازہ ہمارے سرائے شاید ہی کوئی کر سکے۔

ہم درخت سے یہ سب حالات دیکھ رہے تھے ہر وقت صندوق ہے کہ پانی میں گر پڑوں۔ مگر ہم پہنچ جلاؤں مگر دھارے کی  
نصائح سمیت کچھ زور نہیں پہل سکتا۔

خدا کی قدرت والا خود بخود ہستی ایک درخت کے قریب پہنچ گئیں جو ہم سے تھوڑے ہی فاصلے پر قائم ہے فوراً آواز دی۔ ماں!

تم دھڑک دھڑک پیٹ گئی ہو تب اسے سر پر ڈالیں لیکن مدنی بھی فوراً اسی ڈالی کو کڑو دو۔ ماں نے ٹیٹے کی آواز سن لی، اسی عالم بدحراسی میں ہاتھ بڑھا کر لالکے ہتھیاری ڈالی پر کڑی لڑو بھاری طوط دیکھ کر کہا۔ اسے بیٹا ابیر سے دونوں چاند ڈوب گئے (یعنی بہو اور پوتی) ہم نے کہا خیر جو ہمارا ہم اس قسم کی طرے کی جاؤ۔ ماں نے کہا۔ بچی کمرے نہ گئی ہے جو پانی میں ٹھک گئی ہے جس کی وجہ سے میں اور پراچہ نہیں سکتی۔ ہماری والدہ کی بھی ایک آخری بات تھی جو ہماری لائونگ کیمپ میں اب معلوم ہوا کہ والدہ نے اپنا دوپٹہ نکال کر نصف اپنی اور نصف بچی کی کمرے باندھ لیا تھا کہ بچی کہیں ہاتھ سے نہ جھوٹ جائے انہوں نے بچی کی جان بچانی چاہی تھی پھر بچی کو ان کو ڈوب رہی ہے۔ اب تک تو وہ بچی کو نہیں چھوڑنا چاہتے تھے اب بچی ان کو نہیں چھوڑنا چاہتی بھاری شان میں اس وقت تعزیر لینے کے قابل تھی۔

جس وقت پر ہم چھڑے ہوئے تھے اس کو ایک لمبی دلی کے سوانے جو بہت اُوچی چلی گئی تھی کوئی اور شہنی یا ڈالی نہ تھی۔ جس کے ہماری طرح کئی سانپ اور کچھ بھوسے پٹے ہوئے تھے ہم اس وقت اس ڈالی پر کچھ کینے ہوئے اپنی ماں سے گفتگو کر رہے تھے والدہ کی مذکورہ بعد رات ہی بت سننے کے بعد وہ ڈالی پر ہمدی پشت بان تھی تو اسے ڈٹ گئی ہم ان کو پانی میں گمے لگا کر پھر جو ابھرے بے ساختہ ہماری زبان سے نکل گیا۔ اماں میں تو چلا کاش ہمدی زبان بند ہو جاتی۔ ہمارا حلق بندھ جاتا تو یہ کہ اس کو اڑ کے ساتھ ہی گھبرا کر انہوں نے ہماری طرف دیکھا اور وہ پتلی سی ڈالی بھی ہاتھ سے جھڑکتی ملی کے دو چاند کی طرح ہمارا ایک چاند بھی پانی میں ہمیشہ کے لیے ڈوب گیا۔ (اللہ۔

طاقت نہیں دست دیا میں بے زور ہوں میں پامال زمانہ صورت مورہا میں

اماں! نہ سمجھنا کہ جہاں میں خوش قسمت ہوں تم ہوئے گور زعم و گور ہوں میں

ہم ننگ خاندان۔ خاندان کو ڈھکرو و بتے تیرے ندی کے زبردست دھار سے میں پیہ چھ ماہ تھے۔ درست اس قسم کی دو دھاریں نظر آئیں۔ سیدھے خط کی زبردست دھار بجھنا مستقیم نہ پل میں پیہیں کر رہے تھے والے کو شیک موت کے گھاٹ اتار دیتی تھی دوسری کمانی شکل کی کوڑو دھار زنا دہشتال کے جنوبی جانب سے ہوتی ہوئی نئے پل تک جا رہی تھی۔ ہم بہتہ بہتہ ان دونوں دھاروں کو دیکھتے اور سوچتے جا رہے تھے اگر سیدھے خط میں جا چڑیں تو شیک موت کے منہ میں پہنچ جائیں گے اگر دوسری کمانی دھار سے گذرتے ہیں تو کچھ نہ کچھ بچنے کی امید ہو سکتی ہے۔ کوڑو پل صورتیں اپنے اختیار سے باہر لورا مکان سے دور نہیں بلکہ گھٹنے پانی میں رہتے رہتے غوطے کھاتے کھاتے ہاتھ پاؤں تل ہو گئے تھے جسم کی تمام طاقت بھی نہ دیا ہو گئی تھی اسی سوچ سوچ میں کئی کہہ قرار سے محل تقاطع لائن پہنچ گئے اور وہی جواں کا کھٹکا کھٹکا ہوا غماض میں سیدھی دھار بہتے چلے۔ موت کا قیام قطعی ہو گیا تھا (اللہ کہہ کر اکھیں بند کر لیں ایسے وقت میں خیال آیا کہ نہ معلوم ہماری لاش کدھر رہے کہاں ملے۔ کون نکالے ہمارے ولیست کرٹ کی جیب میں پاکٹ ہے۔ پاکٹ میں کچھ روپیہ ہے ہم سے ملے والے کو روپیہ جیب میں رکھ کر زنا بڑی زشتانگ باتیں لوگ ہمدی جیب تو لیں گے روپیہ نکالیں گے ہمدی شہست پر غفرت کے ساتھ من من کر کے یہ خیال غفلتوں میں بہت دیر میں اراکیا کیا تو غصہ میں ایک کھلی کی پک سے زیادہ وقفہ نہ ہما انہیل کے ساتھ ہی جیب کی طرف ہاتھ بڑھایا پاکٹ میں کچھ جیب سے نکل ہوئی گویا نکلے کو تیار ہو چکی ہوئی تھی فوراً ہاتھ اٹگی جھپٹتی سی سیاہ پوش پاکٹ کو ہاتھ میں لے کر اس زور اور زلفت سے پانی میں پیہیں کھس طرح کڑی ہوئی جہت کو سہکتا ہوا پھلنے والا پاکٹ اخلاقی کی آڑ میں سب کچھ کر گیا۔ بظاہر ہم اپنے اسی زور کی زور سے اس خوفناک دھار سے نکل کر دوسری کو دھار میں پہنچے۔ لورای دھار میں کچھ ڈوبنے اور زنا دہشتال کے غماز میں منے کے بعد پتال کی میاں بوریوں نے ڈبٹے کو کھایا۔ دہشت کی دہشت کر بات چہڑی۔

اے کہ کھلتے ہیں سے کہو کچھ نہ سے پہلی طرح سے وہاں پہلے نہ سے سوالات کی جگہ ہے۔ حد کو نہ نیک پہلے نہ سے کسی کی عیال  
تھا۔ معلوم ہم میں کیا سرخاب کا پہلے تھا کہ وہ پہلی زندگی کی جگہ کی محسوس تھی کہ وہاں وہ پہلے نہ سے تھا اس لیے سے پہلے۔

ہر آق حیات ایک نئی پڑتی ہے جو پڑتی ہے جان پر کوئی پڑتی ہے

جو میں کھاتا ہے شیشہ دل دن رات جیسے گھسنے پہ سو گری پڑتی ہے

پہ خیل کا دُور ننگ غاغان غاغان کو ڈوکر، مز بندوں کو کھو کر ننگے دھڑکے۔ بیابان صورت، ڈیڑا پتھر ملے جل مانس بنے ہسٹے پیر  
تاسے تو گھٹ گئے۔ بسنے والے بہر گئے۔ ڈوبنے والے ڈوب گئے گئے اور ایسے گئے کہ لاشوں تک کا پتہ نہ چلا۔

یہ ب میں جہم زار گویا خس تھا غرقاب محیط علم کس و ناس تھا

اتنے دھیا میں بھی نہ ڈوبا بھسہ غیرت ڈالے کو ایک پلو بس تھا

اب کا وہ قہر ہوا، ماں کا یہ حال، ایسے بر خودار کی بلند اقبالی میں کس کو کام ہو سکتا ہے۔

کس وقت دل غمزہ معسوم نہیں رونے دھونے کی کس گھڑی دھوم نہیں

قبہ اور تو خیر کی ہی نہ سکی لیکن گور پدر بھی معسوم نہیں

### معتبرِ ثانی

دو دل اک جوں تو نکل جاں چلتا ہے دل گو دیں حسن و عشق کی پتا ہے

اجملہ! بکلی کی روشنی کے اسند دو تار سے زینت کا دیا جلتا ہے

اس غمزدہ حیات ناک خانہ بہادی کے بعد برسوں شادی کا خیال تک نہ تھا۔ مدد سے کی گئی تھی ورنہ سید اللہ علی صاحب دوا ایک بن پڑتے  
لی کے دن بسر کرتے تھے..... اس تہا کی چھ سال بعد..... ان کی بیوی صاحبزادی جمال الف سے ۲۵ جمادی الثانی ۱۳۳۷ھ کو عقد ہو گیا۔ جن  
صہابہم ہم نے سلی کر رکھا تھا۔ مولیٰ صاحبہ کوئی اس راکی سے خاص محبت تھی اس لیے ان کی تعلیم میں خاص طور پر توجہ کی گئی تھی۔ مولیٰ صاحبہ کی والدہ صاحبہ نے  
ہم سے دو دو سوئی سے ڈوب کر نکھانے اور موت کا تلخ مزا کھنے کے بعد یہ جہد کر لیا تھا کہ جب تک زندہ ہیں اس موت کا ماز معلوم  
نے میں بسر کریں گے اور موت دمس کی جاں فرما تلخیت سے ابھی ابھی واقف ہو چکے ہیں کے آسان ہونے کی ٹھکر میں لگے رہیں گے..... اپنی  
ن بہت کچھ کوشش کرتے، دعا تلف پڑھتے، زائل پڑھتے ہر بندے سے خدا کی راہ دریافت کر لے جو کہتا ہی کہتا ہے۔

ہر نیاں باد اور دند و رفتند تہی غم خانہ پاک دند و رفتند

اس میل و بہار میں ایک دفعہ ہم اور سلی چلے کے پاس بیٹھے ہم نے یہی اپنی کچھری پکھا ہے تھے۔ سالن چلے پر چھاننا بیچنا آگے مل  
ا تھی۔ ہم دونوں گفتگو میں مورتے یہاں تک کہ ہم کو ایک کیفیت سی طاری ہوئی کہ ہم کہتے کہتے چپ ہو گئے اور اسی خاموشی میں بچوں کی طرح کو کھلے  
پھر دیا رہ پڑ گئے تھے اس وقت سلی کسی کام سے یہاں آگئی تھیں اس کیفیت سے اندر بخ ہو کر ہم بھی وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور کمرے  
چپ چاپ بیٹھ رہے۔ سلی سالن کی خبر لینے پھر چلے گئے کہ کس گئیں۔

سالن کی جگہ دیکھ پھر پڑی کوئی کھیر دل کو خود سے کھرا، کھیروں میں حروف۔ حروف میں الفاظ، الفاظ میں مصرعہ نظر آئے۔ ابھی

اصنام ولبان سے یہ کہتے ہیں  
راک چشمِ زون میں کیا سے کیا ہو تلے

**تاریخی رات** یوں تو سلی کی حالت میں کیفیت میں طبیعت میں روزانہ کوئی نہ کوئی ترقی جاتی رہتی لیکن اوسطاً ۳۲ سالہ کی رات ہمارے تمام زندگی کی تاریخی رات ہے۔ اس رات بہت دیر تک حسن و عشق پر لنگر ہوئی رہی تھی جن انزل کے کرشموں کے ساتھ عاشقانِ حقیقی کا بھی تذکرہ جو رہا تھا۔ سینوں میں حیرت انگیز جذبات کا قحط تھا ہر ایک ہوش و حواس رکھتے ہوئے اپنی لذت اور کیفیت میں گم تھا۔ ہم ملا تصدوار ادھ من و عشق میں ڈوبی ہوئی رہا عیاں کہتے جاتے تھے اور وہی جاتی تھیں۔ سننے سننے میں ہر کورسین تقریباً چھ گھنٹے بعد میر جو بیدار ہوئیں سنبھلتا شکل ہو گیا۔ اور اوضاع و اطوار میں فرق آگیا۔ گہری نیند نے مجھ کو ذرا خراب غفلت سے جگا دیا۔ سوئی تھیں بنی اشیں بجلاں بلال لاظہر بنی ہوش تھا ابچہ، نیم باز اکھیں، آنکھوں میں آنسوؤں پر تبسم جا رہی کچھ تھیں کہتی تھیں۔ سننے نے لفظ عجیب عجیب ترکیبیں، مثلاً ۔  
شخص چالاک کا وہ زوہ بے تاب ہوں میں      کرسی باغ میں ہوں اور کبھی نایاب ہوں میں

کبھی حسن ہے تو کبھی عشق ہے تو کبھی کھینچتا ہے کبھی کیسپی رہا ہے

ایک مدت سے پڑی ہے مری نگری سرنی اپنی بستی مری بستی میں بسا لے آہا

نشاں را میں، کایں نشاں بے نشان است  
مکہاں صد سزا و مکہاں لامکان است

یہ کیفیت دیکھ یہ استعداد من کر تھوڑی دیر کے لیے تہہ سے حواس بھی غائب ہو گئے۔ سہم سہم گئے۔ لہذا زلزلے، گرج، جھڑپیں، ہوشیاری کا کہ  
مجھ کی انھوں نے کہا تھوڑا بہت فدا ہو گیا لیکن حرثاؤ خانا انھوں نے کیا کیا ہم نے کیا کیا سنا یہاں ہیں آسکتے ہیں۔ دریاں پر نہ ہو گی۔ یہ کہ مات گئی آت  
گئی۔ جس کی بات اس کے ساتھ گئی۔ اس تانتے کے بعد کئی دسلی ہی نہیں۔ میں جن کو ہم سبھا پڑھا یا کرتے تھے اب تو وہیں کو سمجھانے اور پڑھانے کیلئے  
تیار ہیں۔ ہم اگلا اکا کر پڑھا کرتے۔ دو مجو مجو کر جواب دیا کرتیں۔ مادیت، روحانیت سے۔ روحانیت صوبہ، بعض غرضی غرضی سے تبدیل ہو گیا  
دو از انھوں نے تھی حقیقت لاجبال من زتن بیروں شدم او از خیال

## الکال مقتر الزوال

جہاں سنی مسلمانوں میں ہمہ سے ساتھ مذہبیت کے بعد اندیشہ ہی تمام سفر عمل اور سعادت سفر کی رو سے مسلسل چلتی رہے گی۔ اسی حالت میں مذہبیت کی سعادت حاصل کر کے نہ ختم ہونے والی عالمی برائیوں کے سد بینہ میں داخل ہو کر عمل کی مثال ایک سیر میں ملے گی۔ لیکن وہ چاروں دنیا میں کچھ لے کر ہی رہے گا۔ اور ان کے اس کو گروہ سے الگ کر کے قبر کے آغوش میں دیدار یا پھر کچھ کی صداقت کے وہ چاروں جہد و ہرج و مرج الاوّل و الآخر وقتِ نبوت محمدؐ سفر زندگی کے تیسرے منزل پر لگے کسی چپ چاپ آنے والے کے غیر تمام غرض کے بدلے کی حساب لایک اظہار کی گئی ہوئی ترقی و ترقی کا سفر جہاں ہم کھتے وقت بعض سبب پہنچتے تھے کہ اس میں نہ لیا آئیے تفصیل حالات میں جسے تحریر ضرور ہوگی۔ ساتھ کے سامان کے عمل کا ختم ہو گا۔ شاعری اور دعوت پر تبصرہ ہو گا۔ یہ ہو گا کہ اس بیان سرائے کے جواب میں ہم سید احمد حسین صاحب نے جو سید احمد صاحب نے لکھا ہے (۱۳۸۱ھ) اس میں سید عظیم علی مرزا کا بیان سید احمد حسین صاحب کی حاکمیت بلکہ دیتے ہیں اس بات پر کہ ....

حکیم صاحب ہمارے گندمی ہے، گندم جس کی بدولت با با کو مہنت سے دنیا میں اور ہمارے با با دنیا سے جنت ہی بھیجے گئے۔ تو دیکھو اسے دیکھنا کم۔ سر لہ استری کا آواز حاضر منساغ ویشانی، بھول، آکھ، کان، متوسط نہ بچنے چھوٹے۔ خدا کی قسم وہ جسے تحریریں اور شریعت کی توفیق سید احمد صاحب سے ملے گی کہ ہم مرزا نہ ہو، مذہب بین ناک قوی ابتدائی جوانی سے اب تک ایک حال پر بال و پر فرق نہیں اس کا ثبوت یہ کہ جو پھر ہے اس وقت نہیں ہاں کہ صاحب کی اس طرح نہیں ہو سکتا۔

تعلیم اور اساتذہ - اہل، ہے قرآن مجید محمدی میں ختم کیا ہے وہ یہ در سند میں ختم کیا ہے اور جس تک معنادار دلائل حاصل کھاتے اور ہفتہ جاری گوشت کی ایک ایک کوئی کھاتے جو سے مولوی سید الدین صاحب سہارن پوری اور مولوی عبدالوہاب صاحب بہاری سے ملا جلا تک تعلیم ان چند مذہب اہل سے بہت مولوی مولانا صاحب دہلوی سے مولانا کے پہاڑ (جوشہرے) میں ملے ہیں جگہ جگہ آفاقی شریعت صاحب سے شایہ تفریق میں وغیرہ بھی پڑھتے رہے۔ مرزا محبوب علی بیگ صاحب سے کچھ فارسی بھی پڑھی۔ انہی دنوں میں وہ پنجاب کے محافل میں بھی شریک ہوئے۔ اسی زمانہ میں کمال افلاک کے نام سے افلاک جلالی کے لاسرہم کا ترجما کیا۔ شاعری کے جواب میں مولانا کا چرچا لا جواب کیلئے کہی مولانا میں ایک مضمون دلت تو کہہ سکتی تھیں تمام نے اسی مضمون پر تمام شائقین کھٹے میں علاوہ نشر کے کہیں یہاں شاعر کو لے جن میں میں شاعر جو زبان قلم سے ادا ہوئے تھے اب تک یاد ہیں۔

مزم کہ ہفت گشت حضرت باری  
مزم کہ ہفت طر زلف بتان آتاری  
مزم کہ پودا غنہ فی دارم  
مزم کہ پودا غنہ فی دارم  
مزم کہ چوں الفانہ بہت تامل  
مزم کہ چوں الفانہ بہت تامل

آخری زمانہ میں مولوی سید الدین صاحب سے عداوت تک لگا رہی تھیں۔

شاعری کا شعور ہندو سولہ سال کی عمر میں پیدا ہوا اور اقدار ہر اک حد سے نمایاں میں کہیں سے شیخ آج کلادین ہاتھ لگا گیا۔ مگر وہی شاعری دین کو غالباً بغیر کسی بڑے سے ہے۔ پڑھتے پڑھتے کچھ کوی لائی۔ کچھ بچے آخر ایک ایک شعر میں بھی کہہ دیا جو یہ ہے۔

نہیں تو کہیں دیکھ کر گیا ہے آسمان اپنا  
گرا بے نہ ہو تاہم ہاں وہ جہاں اپنا  
پھر اردو سے فارسی پر جانے تو فارسی میں سوائے لکھن کے اور کوئی صاحب ہاتھ نہ لائی۔ اسی کو پڑھتے رہے پڑھتے تھے تحریکِ فارسی شہر نہاں پر ایسی لیا جویں ہے۔

بسان سایہ نصف ہمارا مژ پافتہ

اکٹور رشید پشرا انظر بردار غما فافتہ

ہمدی پہلی نظم جو تقریباً بیس یا تیس سال کی عمر میں لکھی گئی وہ نیا انسان ہے اور پہلی نعین ان نسلت یا لربح العبا پر ہوئی۔ فارسی کی چند غزلیں مہدی ترکی صاحب کو اور بعد کی چند غزلیں حبیب صاحب کستوری کو دکھائیں۔ .... بیعت۔ بیعت میں ہمارا سلسلہ حضرت شمس الدین فیض دہلوی علیہ الرحمۃ سے ملتا ہے اور یہ بھی بکھن کی دلت ہے جو ان میں زن مرید ہوئے۔ اب نہ وہ جوانی ہے نہ وہ پیر ہے۔ نہ عبادت ہے نہ ذکر ہے۔ اب تو صوفی جلد اور ایلیان پر مرنے کی فکر ہے۔



گوری

ایک تنگ و تنگ کر میں لکڑی کے کپاس میں لپ پڑ میں پر شہر ہوا تھا۔ وہ ایک بہت لمبی خیمہ پور لٹھ سے جو نے خدا اس کے گھگھے پاؤں کی گھٹیاں عجیب طریقے سے چپل لگائی تھیں۔ ہاتھ سینے پر بے حرکت پڑے تھے۔ وہاں کی گھٹیاں میسر میں لگئی تھیں اس کی اسکاڑا ہوئی ان گھٹیاں تانے کے ڈاکٹر مل کے بارے میں تھیں۔ چہرے کا نور ڈھکی ستارہ وہ میں چھوٹا ڈھنگ سے اپنے دانت دکھاتا تھا اس سے مجھے دشت ہوئے تھے۔ ایک سو سالہ سے پہنچا نیم ڈھنگ کے ہونے میری دل دوزخ میں لگتی تھی۔ وہ بلا کے نرم لٹا پاؤں کو اس کی گھٹیا سے بوجھانے لگی تھی۔ میں تیرنے کے چھکے تار نے کاہم تھا۔ وہ اپنا ہوائی ہوئی دھیمی آواز میں گنگتہ بڑھاتی جاتی تھی۔ وہ معلوم ہوا تھا کہ آنسو کی موسلا دھار جھڑی اس کی سر ہوئی آنکھوں کو رہا ہے جانے لگی۔

**رگ جاں سے قریب** میری نانی میرا ہاتھ تھامے ہوئے تھی اس کا سر ٹٹا اور گول تھا۔ آنکھیں پھیلی پھیلی اور ناک چھلی چھلی تھی اس نے بڑیا کی ٹھیکیت بھجھ بھجھ تھوڑی دھڑکی رہی تھی اس کا کمر میری ماں کے غم کے کسی حراج کم تھا۔ کلاںچہ پرتے ہاتھوں سے ایک بار اس نے مجھے بابا کی طرف دھکیل دیا۔ لیکن خوف نہ اس کے ماں سے میں اس کے چچے چھپ گیا اس سے پہلے میں نے عمر سیدہ کو لکھی رو تہ نہ دیکھا تھا وہ لفظ میری سمجھ اس آئے جنہیں میری نانی بابا بددعائی جانتی تھی۔

”بابا کو خط حافظ کہ ہے! اب تو اُسے کبھی نہ دیکھے گا..... وہ مر گیا۔“ اتنے کیسے ناروا ہو گیا!

عاقبت نے پوچھا: "کروڑا کیوں نہیں؟" تجھے رونا پڑا ہے۔

میں نے جواب دیا: تمیں رونے کی وجہ سے:

اس پرانی نے نرمی سے جواب دیا: تیری مرضی نہیں تو نہ ہو:

مجھے تب برا بکیر لگا کہ بہت کم روزنا تھا اور روزانہ بھی تھا تو خُصے میں دو کھور دیں نہیں۔

اس سے ملنے سے پہلے میں گیا سیاحراہ اور تنگی سے گھات میں چھپا ہوا تھا لیکن جب وہ آئی تو اس نے مجھے جھپکایا اور دل کے اعلان میں ہاتھ کر لیا۔ میرے ہاتھات کو اس نے پکڑ لیا میں ہمدیا اور انہیں زخمی کی طرح میں گوندھا اس طرح وہ بیٹھ کے یہ میری غمزدگی کو میری رنگ جہاں سے قریب ہے اور اس کی یاد مجھے دنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہے کہ گھات کے لیے اس کی بے غرضی مجھ نے میری شخصیت کو نکال دیا کہ اللہ مجھے وہ قوت بخشی جو ایک غمزدگی کے لیے نہیں ضروری ہے۔

مجھے نانی کی وہ عطا کردہ سرت بزمیاد ہے جو بخوبی گوارہ کر اسے بری تھی۔ ۱۰۔ آخر چڑا کر اس نے مجھے آغوش میں گھنٹے یا ہندو پیچ کر کہا: دیکھ وہ کس قدر خوبصورت ہے یہ بچہ بخوبی ہے۔ ایک بہت قد بلبلہ پوش بڑا سا جس کی ناک موڑنے کی سی آنکھیں ہری ہری اور دوسری کچھ گولیاں کچھ سنہری تھیں۔

دوسروں کو دیکھتے جیسے ہمدی طرف رجسٹا: اباجائی ڈنڈی آواز میں کہتی ہوئی میری ماں اس کے گلے سے چبٹ گئی۔

اب حیرت ناک مرحمت سے ایک چنگار نیرنگ لگا لنگ زندگی کا دھارواں ہوتا ہے۔ دت دمان کے بعد آج جو میں ماسٹی کی دونی گردانی کرتا ہوں تو یقین نہیں آتا کہ حقیقت یہی ہے اور بارہوی چاہتا ہے کہ میں اس کی تردید یا تاویل کروں۔ ایک بے جا نئے رشتہ دار کی زندگی وہ سوانہ روز ہے جس کا خیال تک تعلیم دہے بلکہ حقیقت رحم سے زیادہ قوی ہے اور مجھ میں آپ جی نہیں کھڑا ہوں بلکہ اس تنگ و تاریک ماحول کا رقیق پیش کردہ پھل میں اس بیجے کا ایک عام روسی رہتا تھا اور اب بھی رہتا ہے۔

میرے نام کے گھر میں باہمی عقابت اور کدورت کا بازار گرم رہتا تھا۔ بڑے سیانے جی نہیں بلکہ بچے بھی اس مرض میں مبتلا رہتے تھے۔ اتفاقاً سے نانی کی ذاتی پیچک میرے کلاس کے کسی کمری میں جس دن آئی اسی روز سے اس کے کبائروں نے نانا سے جانفاد کے ثبوت کے کاغذ بد کیا۔ ماں کی ایک کس سے انہیں ایک چاہنا تھا۔ آپ کو کدو ڈسے کہ کہیں ماں اپنا جینز مانگے جو نانا نے اس پر نہیں دیا تھا کہ اس نے ان کی مرضی کے خلاف عجیب شادی کر لی تھی۔ میرے ماحول میں تھے کہ جینز ان سب میں ہاٹ دیا جائے۔ طارہ بریں رہ آہیں میں اس بات پر غصے سے زربت تھے کہ نہریا غلے گاڑی ہیں ان میں سے کون نیا کا زمانہ قائم کرے گا۔

شرعی ممانی تانیا روسی آواز سے مجھے پڑھایا کرتی تھی۔ وہ بڑی نرمی سے کہتی تھی: بہت برا..... آپ کہہ سانی **آسانی باپ** آپ تیرے نام کی تقدیر باقی رہے یا اگر میں پوچھتا تھا کہ تم کی تقدیر کیا چیز ہے؟ تو وہ سہم کر آواز دہاڑا دیکھتی اور مجھے ذاتی وجوہ نہیں کیا کرتے ایگناہ ہے۔

اس بات سے مجھے حیرت ہوتی تھی۔ سوال پوچھنا کہ کیوں ہے؟ نام کی تقدیر..... یہ الفاظ میرے ذہن میں کسی پراسرار منتر کی طرہ قلم گئے اور میں موقع بہ موقع ان کا غلط استعمال کرنے لگا۔

ایک روز نانا نے پوچھا: اور لینا آج تو کیا کرتا رہا ہے؟ کھیل؟ تیرے ماتے کی چوٹ تو ہی ظاہر کرتی ہے۔ چوٹ لگانا شکل نہیں اور آسانی **باپ** کیا برا؟ تنہا سے یاد کیا؟

مانی نے آہستہ سے کہا: "اس کا درد داشت بہت خراب ہے۔"

یہ سکرنا کی باجیں کھلیں اور ناک بھری پڑھا کر بولے: "اس سے کیا اس کا واحد علاج یہ ہے؟"

پھر مجھ سے مخاطب ہو کر پوچھا: "کبھی تیرے آپ نے تجھے تھوکتا تھا؟"

میری کچھ مہمیں نہ کیا کہ اس کا کیا مطلب ہے۔ اس لیے میں خاموش رہا۔ لیکن میری ماں نے جواب دیا: "انہیں میکس نے اسے کبھی ہاتھ نہیں

لگایا اور نہ مجھے اس کی اجازت دی۔"

ننانے مجھے اتنا چنا کر سب سے بڑا ہو گیا۔ میں کئی روز بیمار رہا اور ایک چوڑے پٹنگ پراؤنڈ چارٹر انکرڈ میں مبتلا رہا۔ اس غم آگیز زمانے

نے میری زندگی کا ایک ایسا لمحہ دیا۔ میری طبیعت میں ایک عجیب انقلاب ہو گیا اور میں اپنے میں خود ایک جیتندہ انگیزہ متغیر محسوس کرنے لگا۔ میرے دل

میں دوسروں کی ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوا تھا۔ وہ میں اپنے ادا ان کے دکھ و دکھانا خیال کرنے لگا تھا۔ ایسے دن کو چیر کر کسی نے اس میں سوز و غم کا

جہی بدایا ہے۔





میں بہت مصروف تھا۔ میں نے اپنے فریضے کا فیصلہ کر لیا۔ گھنٹی والی دھڑکی اور اس کے لیے تعلیم از میں ضروری تھی۔ جب میں نے سنا تو کہ بات بتائی  
زود ہی کو بیچ پلہ کے بعد میں اہم خیال ہو گیا۔

اس واقعہ کے دوسرے دن میں ٹیڈ سے جاگتا تو میرے جسم میں لال چٹیاں ابھرنے لگی تھیں۔ یہ جھپک لال غارتھا۔ جب پھر اسے کی کوٹری  
میں ڈال دیا گیا۔ نالی کے سوا کوئی میرے پاس نہ آتا تھا۔

**دوسری نالی** رفتہ رفتہ میں بحال ہونے لگا ایک شام کو میں نالی کی آمد کا انتظار کر رہا تھا۔ اچانک اس پر میری نظر پڑی وہ مدھنکے پہر زمین پر  
ان کے کپڑے کی ہوتی تھی میں یوں بڑبڑا کر باہر آئیں جس پر نالی میں گودا کی سر سے ہاتھ پاؤں پیٹنے سے کٹ گئے۔ اس  
روز ماں کے یہاں بہت سے مہمان آئے ہوئے تھے کسی نے کھڑکی کوٹنے کی آواز نہ سنی۔ جسم میں کالچ کی کرپیں آگئی تھیں ہلانگس بھی بیکہ ہوئی  
تھیں چوتھیں بیٹھ گئی تھیں ہوا کی تھکنا بھڑاں ریلوے حرکت پڑے پڑے میں محسوس کر رہا تھا کہ کالچاں بھڑاں رہتا ہے۔ یہ معلوم ہوتا کہ آنے جانے والوں  
سلسلہ ختم نہیں ہوتا اور دروازے سے جھپٹتے بند ہوتے رہتے تھے۔ اماں شاز واد دھڑکے کو آتی تھی اور یہ بھی چند ساعت کے لیے وہ ایسی ہڑا  
سے ہوتی تھی کہ گریبا جلدی میں ہو۔

ایک مرتبہ دن کے تیسرے پر میری آنکھ کھل گئی جب میں جاگتا تو ایک محسوس ہوا کہ میری دونوں ٹانگیں بھی جھک گئی ہیں۔ یہ اندیشہ پڑتا  
کہ مجھے ہونے لگیوں کہ میں اپنی ماں کے کمرے میں جا بیٹھا ہوں وہاں کسی اجنبی موجود تھے اور ان میں ایک سوئی سا کھلی ہوا پریشانی سے کھٹکے آواز میں کہہ  
پہلے عرق پڑا کہ اس کا سر ٹھک دو۔

سہر کر میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟

نانا نے ٹھک آواز میں کہا: یہ تیری دوسری نالی ہے:

اہل ہنسی ہوئی پر میں نیکسٹ کو میرے پاس لائی آؤ۔ یہ تہا رے ابا ہیں:

**گائے کہیں کی!** کتنی خالی آواز اٹھائی کسی پچھلے صبر کے مانند گزرتے۔ سنائی دے لگا کہ میں چلی گئی تھی اور محسوس ہوا کہ عالم تھا۔  
نانا کی بات چیت اب میرے لیے بالکل غیر دلچسپ ہو گئی تھی۔ ایام برسات میں اس نے مکان بیچ دیا۔ اب نانا نے  
ایک بیٹے کے لیے کسی دیوانوسی مکان کے تہ خانے میں دو دروازے کمرے کر کے کرانے پر بیٹھے۔ یہاں تہ سولہ ماہ کے ایک نئے مکان میں کہیں منتقل  
ہوئے اس سلسلے کے واقعات اب میں سمجھ گیا ہوں۔ مجھے باہر جانے کی اجازت اکثر نہ ملتی اور میں باہر سے بیٹھ کر خود غور وہاں آتا تھا۔ جوتھا؟  
مجھے سختی پہتا تھا۔ اماں سے اس کے جھگڑنے جڑنے تھے۔ ایک دی وہیہ ٹپک کر چلا آتا تھا۔ جو کہ تہا رانی صحت کی وجہ سے گامین ہوئی تھی کہیں کی بار  
دوست کو گھر نہیں آ سکتا تھے کہیں کی:

بعد میں ہی ماں نے مجھے اسکول دوا کیا۔ لڑکوں سے چل میری دوستی ہو گئی مگر ماں اور پارٹی کو میں اہم مان: نہ ہایا۔ اس کے  
باوجود کو میں ذہنی اور سختی تھا۔ مجھے پھر صدمہ ہی نہ کہہ کر کسی گھسیٹو: وہ روی کے جرم میں اس اسکول سے نکال دیا جاؤں گا۔ یہ کیوں کر میرے  
چھکے جھوٹے لڑکھا کا انجام میرے سامنے تھا۔ اماں کی بددعا مانی روز بروز برصق ہو رہی تھی۔ اور وہ مجھے بری طرح پیٹا کرتی تھی۔  
شام کھانے کے وقت میں گھسے ہوئے ہوا کہ باورچی خانے میں داخل ہوا ہوا تھا کہ اماں کی زحمت آواز سنی: یہ صبحا تہا رے

ہاں ہوتی ہوں۔

سوئیے باپ نے گھر کی گاہ: ایک بکند کردہ

”یکہ میں جاتی ہوں کہ تم اس صورت سے ملنے جا رہے ہو۔“

”اں کر کیا ہوا؟“

میں نے صاف متاثر اس سے۔ ”بہر دار کیا۔ میں نے میرے وہ چھری اضافی جو میرے مرحوم باپ کی تنہا دلا کر تھی اور میں سے روٹی کاٹنے کا کام لیا جاتا تھا۔ اور پوری طاقت سے سوئیے باپ کی پسلی میں گھسٹ رہی۔ تو کئی تست کہ ماں نے اسے گھسیٹ لیا اور چھری اس کی کھال سے اچھل کر اوڑھ کر کوٹ کو بھاڑ کر رہ گئی۔“

ایک مرتبہ پھر میں نے اپنے کھانا کے گھر میں پیا گھر کے عرصہ کا پیسا وصول اور ہمہ جہت ایک دو زانی لپٹے پیوٹل سٹوکر کھانا پکا کر اور دوسرے صاف ناک کی باری آئی۔ میں بھی چند پیسے کاٹنے لگا۔ چھٹی کے دن صبح سویرے میں لوگراتے ہوئے نکل جاتا اور شرکوں اور گھیروں میں کترن اور جہاں کیسوں وغیرہ چکر لگا۔ اور میں لوہے کا فڈر کترن کے لیے کھانا بچھ چھٹی اور آدمی بڑی کے لیے دو روٹی دیتا۔ کورا کرکٹ جڈ نے سے زیادہ مفید مشق نہ کی کندے ساگوں کے تختوں اور تہیہ روں کی حمدی تھی۔ ہمارے گاؤں میں حمدی کا شمار کی جرم میں نہ ہوتا۔ یہ ایک دیم عام تھی اور ضرب دیہتوں کے لیے اس کے سواروٹی کھانے کا ذریعہ تھا جی نہیں۔

میرا سرتلا پتھر تھیں بچنے کے جرم میں لوگری سے برطرت کر دیا گیا اور دوبارہ غائب ہو گیا۔ اماں لپٹے چھوٹے بیٹے غولائی کر رہے ہوئے تانے کے گھر آئی۔ دوپہر کو کھرکلی سے سرتلا کرنا آواز لگاتا: ”کھانا تیار ہے۔“ چند ذلے کھلا کر تانا اس بچے کے چھوٹے ہوئے پیٹ کو انجلی سے ٹوٹا اور اپنے آپ سے پرچھے لگتا:

”بس کروں یا چند ذلے اور کھلاؤں؟“

انہی میں لعل پھند میرے کونے سے پکار کر کہتی: ”دیکھئے وہ روٹی کے لیے ہاتھ پھیلا رہا ہے۔“

”الو کا بچا! اسے اپنے پیٹ کا حال کیسے معلوم ہو جاتا ہے؟“ میری وہ لکھوائی کے منہ میں کچھ اور بھر دیتا۔

ایک دن ہاتھری میں کوئی چیز اہلی رہی تھی۔ جلدی میں اس نے کر دنی اس زور سے کہیں کی کھرکلی جو کھٹے سے اڑ گئی۔ اس پر بڑا خضے اپنی راہ سے چلا اٹھا۔ اس کے باہر جاتے ہی میں نے پھر سے سے کر دنی کی موٹھ کاٹ دی۔ اماں نے مجھے نصیحت کی: ”تیسوں کے مسالوں میں دخل دینے کی ضرورت کیا؟“ اگست کے بیٹے میں کسی اتوار کی دوپہر اس کلام نکلا۔ اماں کی تجویز و کف کے چند روز بعد تانے لے کہا تیاں ہمیں اب میں تہا بار نہیں اٹھا سکتا میرے گھر میں تمہارے لیے جگہ نہیں۔ دنیا میں جاؤ اور اپنی ماہ کاٹش کرو۔“

اسی دن میں دنیا میں اپنی ماہ دھوٹے میں لگا۔ شہر کے صوبہ دار میں جوتوں کی ایک طرح دلا دلاں پر جھے شاگردیہ کی بکڑی گئی۔ مجھے پر کھانا گرم کر کے دقت ہے بے نیالی میں بنٹیا میرے استوں پھاٹ پڑی۔ ڈاکٹر نے کمریہ سے پھر لیں کی مریم بی کی اور ان کی اسی میں میں نے اپنے کونائی کے ساتھ گھر کو لکھوڑی پر سارا شہر کے لکھوڑوں میں چکر لیاں بھرتے ہوئے دیکھا۔

جب میں گھر سے نکلا تو کئی بڑی غریب سنے میں آئیں۔ یہ اطلاع دیتے ہوئے یہاں ہم کو سترم نے خضے سے کہا: ”لوگوں ہی کو جلدی

آتی ہے

”یہ دیکھو ایک دیا غریب تو مر رہا ہے“

”اب تو تہہ درے اٹھ میں نے کر لیا دارا گئے ہیں۔ گھر کا لونا تو آؤ اٹھا کچھ بول ہی سا ہے۔ اس کی دوسریس میں ایک تو ابھی بچا ہے دوسری گھر ہے بیابان کے کر چھتہ ہے گھر زنی تو بصدت ہے۔“

لڑکا کی ماں کو پستیہ کی ایک دکان میں کام مل گیا اور صبح سویرے وہ گھر سے چلی جانے لگی۔ اس کی بہن اسکی کی راہ پر پڑی اور سہائی کھٹا کارہ کرتا۔ بارش کے دنوں میں لڑکا کے پہاں جاتا، چوبے پکی میں اس کا ہاتھ جاتا اور کمروں کی جھاڑ پونچھ کر دیتا۔ وہ ہنسی ہنسی میں کہتی: ”ہم دونوں تو میاں بیوی کی طرح ساتھ رہتے ہیں بلکہ ان سے بھی بہتر زندگی گزارتے ہیں چونکہ شہر پرانی پوری کی دودک کرتا ہے۔“

میرا بھائی کو یہ سترہ صبح کی طرح دیکھتے ہی دیکھتے آنکھ سے اوجھل ہو گیا۔ شام کو سر راہ میں نے لڑکا کو یہ دکھائی سنائی لیکن اس پر کوئی خاص اثر نہ ہوا۔ دنیا دار عورتوں کی طرح وہ بھی بڑی سیاسی نگاہوں سے اس شہر سے میرا دل اس سے اچاٹ ہو گیا۔

از سر نو مجھے لگتا کہ اس اختیار کا پڑا۔ جس گھر میں مجھے رہنا نصیب ہوا وہ دوسرا اور سفید تھا اور اس پر کسی ایسے تابوت کا گمان نہ تھا جس میں سدا کتبہ دفن ہونے والا ہو۔ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ جیٹھی کے اوقات کس طرح گزاروں۔ اس محلے میں دھوپ کا کوئی سامان نہ تھا۔ دل کہتا کہ کسی ایسی جگہ پیچھے چل لوگ کم ہوتے ہوں، کم جھگڑے ہوتے ہوں، دن رات اللہ میاں سے شکوے شکایت نہ کرتے ہوں اور دوسرے کے میوہ پر لکھ چینی نہ کرتے ہوں۔

ایسر کے بعد دے سچو کو ایک مشہور خانقاہ سے مریم کا بیت جہاں شہر میں مہمان آیا۔ مریم مجھے جی جان سے پسند تھی۔ جب بت کو سلام کرنے کا وقت آیا تو یہ دیکھے بغیر کہ بڑے کیا کر رہے ہیں، میں نے بت کے ہونٹوں اور گالوں کو چوم لیا۔

بہار کا دوا دہل ہی گیا اور میں گھر سے جنگ نکلا۔ دو تین دن تو میں ندی کنارے پہلے تھکی کرتا رہا، نیک دل تھی مجھے مدد ملی اور سامانی میں سونے کے پیسے مل گئے۔ دے دینے؟ آخر کار میں سے ایک نے مجھے کہا: ”اے کے یوں نامک ٹوئیاں مانے سے کیا حاصل نیکی نامی اکھ ہوتی میں جا۔ وہاں ایک شہیلی کی ضرورت ہے۔“

ہر گھنٹہ پیرا تھ آٹھ دس دس کے خول سامان سے لہے چھندے نیچے اتر جاتے اور ان کی جگہ پینے کے لیے انہیں کی جینے کا آغاز آتش کے آدمی ہٹ پر سوار ہو جاتے۔ لیکن اس آوا جائی کا بھدی زندگی پر کوئی اثر نہ ہوتا۔ آنے والوں کی ٹھٹھکے کے صرغ بھی وہی ہوتے ہو جاتے والوں کے تھے۔ زمین، مزدوری، خدا، عودت اور اسی قسم کی چیزیں اور ان کے بیان کا آغاز بد صاحبہ صایا ہوتا۔ شیش میز دی ہے کہ ہم مصائب برداشت کریں۔ میرٹھو کے سرا کوئی پانہ نہیں۔ اپنی اپنی قسمت ہے۔“

ابھی تاہم سن کر مجھے برا بھلا گھبراہٹ ہوئی آند مجھے ہر دم کی گندگی سے نفرت تھی اور اسی طرح اپنی ذلت یا تو یہ کہیں ہرگز برداشت نہ کر سکتا تھا۔ کئی مونسے آئے جب میرے ہذبات بھر شغل ہوئے اند مجھ میں نہ آیا کہ لوگ اچھے ہیں یا برے، شریف ہیں یا شریر۔ میں یہ بھی نہ سمجھ سکا کہ وہ کس وجہ سے اتنے بے مہربانی اور کسی پر بربانی کرتے انہیں شرم کیوں آتی ہے۔

مجا چاہتا کہ جہاز بھیض حرکت میں رہے اور میرے دندنے شہر والے اند سنو گوں کا تھنا شہر۔ لیکن یہ زندگی زیادہ عرصے نہ چل سکتی تھی۔



جے کہ صبح کے وقت تم دکان کے کام کا میں ہاتھ دیا کر سیکھنے سکھانے کا کام شام کے بعد بھی ہو سکتا ہے ۔  
 اسی نے مجھے ایک فرجوان پتہ قد و کان دار کے سپرد کر دیا جو مصنوعی رنگ و روغن سے اپنے چہرے کو خوبصورت بنائے رکھتا تھا  
 مورتوں کی قبتیں مختلف قد و قامت، وضع قطع اور غائبی ٹیپ ٹاپ کے اعتبار سے تفریق میں اور وہ بہت جلدیر سے ذہنی تبدیلیاں لیتیں۔ لیکن  
 یہ یاد رکھنا کہ زندگی کی خصوصیت ہے ایک امر حال قیام سے ہے اس سے بھی زیادہ سنے کام کو کون کوئی ناخدا، وہ مکر وہ شکل کی رنگ پرنگی  
 مود میں مود مجھے بھی معلوم نہ ہوتی تھی مگر اس لیے میرا دل نہیں چاہتا تھا کہ ان کو فروخت کروں۔  
 شام کو جب چٹھہ ہوتی تو میں کلرنگوں کو اپنے اوپر اتارے تھے سنایا کرتا۔ میں ہمیشہ کتابوں کی تلاش میں سرگرداں رہتا اور تقریباً ہر شام کو بھاری  
 مجلس لگتی۔ میری زندگی میں یہ وقت یادگار ہے۔

**مستقل قہقہہ** ————— میں جی جانتا تھا کہ دکاندار مجھ سے کتنی کھینچتا رہتا ہے بلکہ یوں کہتا ہے کہ اس کو مجھ سے نفرت ہو گئی تھی۔ دکان تو دکان مگر  
 چار دیواری میں بھی مگر کسی کو مجھ سے دشمنی تھی۔ تو یہ ذات شریف دکاندار کی منظور نظر تھی۔ مجھے اپنی فطرت کی اس قسم کی  
 سچائی بار بار شاہد تھا اس کی ضرورت سے زیادہ مجھے بے شرمی سے نفرت تھی اور وہ بھی معلوم ہوتا تھا جب اس نے عیس کی کہ مجھ اس کے  
 عشرے اور عشرے ایک آنکھ بھی نہیں جانتے تو مجھے پھانسنے کے لئے اس نے تریا چرتوں سے کام لینا شروع کیا۔

روز بروز جیسے کسی خواہش میرے دل دریاغ پر زیادہ مادی ہوتی چلی گئی کہ میں جی بھر کسوزہ بن کروں۔ لوگوں سے اس طرح دل چلی  
 کہ کھانے کو وہ خوشی سے تاپتا نہیں۔ یہاں تک کہ ان کی زندگی ایک مستقل قہقہہ بن جائے یہی اس خواہش کی تکمیل میں کامیاب رہا۔

عورت ذات کا خیال میرے دل میں ضرورت سے زیادہ جاگزیں رہنے لگا۔ ہمارا میں نے اپنے من سے پوچھا کہ کیا تو بھی اگلی چٹھی کے دل  
 اس جگہ جانا چاہتا ہے جہاں جا کر سب اپنا دل بھلاتے ہیں، یہ کسی انسانی خواہش کے ماتحت نہ تھا۔ میں بالکل تندرست اور طاقتور تھا۔ لیکن کبھی کبھی  
 یہ آندھ مجھے دیوانہ بنا دیتی تھی کسی ایسی جہتی کے سینے سے پٹھاؤں جہاں کی طرح نرم و نازک و نرم دل دکھ سکھ کر کھینچنے والی اور پر غلوں ہوتا کہ یہاں  
 سے کہہ سکیں کہ میری روح ہر وقت بہت مضطرب اور بے چین رہتی ہے۔ میں تھا کہ خوشی کا بڑی طرح مادی تھا۔ اس کے نئے سے میرے پریشان  
 خیالات اور مضطرب جذبات میں سکھ پھیرا جاتا تھا۔ وہی شراب سولے پاؤں مجھے بڑی کوفت ہوتی تھی کیونکہ اس کی بدبو سے میرے ذوق لطیف کو  
 صدمہ پہنچتا تھا۔

موسم بیاہ نے شرور جو کر رہا تھا ہلکا ہلکا کر دیا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ دوبارہ جہاز پر ملازمت کروں اور اسٹریٹن پیو ایران کی  
 طرف چلاؤں۔ اتھنا تھکا کے قہقہہ نوس مجھے سے ملاقات ہو گئی جس کے یہاں پہلے میں ملازم رہ چکا تھا۔

اس کے چھوٹے اس خیالی کو۔ اس نے تم کا سفید گی سے کہا: اب بہتر ہے جے بیگموت اکثر دوبارہ دہیرے پاس چھ آؤ۔ تبیں معلوم  
 ہوتا چاہیے کہ میں نے اس سال ٹیڈ کیٹ کے جذبہ خلیعے سے لیے ہیں۔ تمہا تک نگوں کے فرائض بھی طرح انجام دے سکتے ہو۔

میں اپنے ایک لے ساتھ کئی میں بیٹھا تھا کئی بار کے جہوں پچان سکھانے کے قریب سے گزر رہی تھی میں دوسری منزل تک تلی  
 دھرنے کو جگہ نہیں تھی۔ اس نے پتے پتے وہ جگہ دکھائی جہاں پانی تر جانے کے بعد تعمیر کا کام شروع کرنا تھا۔

کری

سورۃ یحییٰ سال میں

تمام کو باز سے لے

پتہ بھول گئے ہیں

محرم الحرام میں سے پہلے

تاریخی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اس دوران میری

ابن محمد خانے میں طلبہ کا آنا جانا بہت کم ہو گیا۔ اس سے مجھے یہ وقت ہو گئی کہ دورانِ مطالعہ میں جو مشکل آ جاتی اسے سمجھانے والا کوئی نہ رہا۔  
پہلے اس قسم کے کھسک سہلات میں ایک کاپی میں نوٹ کرنے لگا۔ ایک مرتبہ کھتے کھتے میں تنک کر ہو گیا اور تان بانی کو اسے کھول کر پڑھنے کا موقع مل گیا۔ مجھے  
کے بارے اس نے میری کاپی کا کڑے کی ڈگری میں چیک دی۔

”بہت خوبصورت عورتوں کو بادشاہت کے خانے کا خط سوجھا ہے۔ عجیب بات ہے۔ ان خرافات کو چھوڑو۔ میں پولیس پوتی تم میں کی کم  
دیکھی جاتی ہے جو بادشاہت کی مخالفت کا سراسر میں سیاست ہے“

اور صرف جتنی تیزی سے ترقی کر رہا تھا میرے حالات بد سے بدتر ہو رہے تھے۔ تصور کے کام دھندلے کے علاوہ مجھے جا بجا روٹیاں پانی  
ہوتی تھیں، ان میں زہیں زادوں کا بوردنگ ڈاؤن بھی تھا۔ نوکری سے روٹیاں نکالتے ہوئے وہ میرے ہاتھ میں پرچیاں تھاتی تھیں۔ میں یہ مٹانے  
کی کوشش کرتا کہ ان میں وہ کون ہے جو فیر بھی ہو جھے ایسی شرمناک پرچیاں کھ لکھ کر مجھے دبا کرتی ہے۔ خود بخود کھ لکھ کر خیال آتا اور میں اپنے آپ  
سے پوچھا کہ کیا کوئی غیر رتی ذخیرہ چلا گھروں کو اس قسم کے بوردنگ ڈاؤن سے وابستہ کرتی ہے۔

میری ساری محنت کا کچھ حاصل نہ تھا۔ بے چارہ دیری نکوت افسوس سے کہتا: ”ہمارا دیر لادخل جاتے گا“ اور اس کا غنا  
دوستی ہی سی تاجا ہی کے منہ میں جا رہا تھا۔ اس کے باپ پر ذہب بھرت کی طرح سوار ہو گیا۔ چھوٹا بھائی شراب نوشی اور مشق بازی میں مگن تھا  
بہن بچی محبت میں ناکام ہو کر کھوٹی کھوٹی سی رہنے لگی۔ مجھے محسوس ہوا کہ میں اس پر متا ہوں۔ یہی نہیں بلکہ انجی رکان کی مالک زراہی فدا ہوں۔ بچہ تو یہ  
ہے کہ میں ساری جنس لطیف کا عاشق نار بن بیچہ مجھ پر شہوت کا غلبہ دیر سے ہوا لیکن زوروں پر ہوا۔ عمر افتاد طبع اور ماحول کا تقاضا تھا کہ عورتوں  
سے چنگ بڑھائے۔ ہم بہتری کا شہرت حاصل ہوئے تو دوستی ہی سی۔

میں سماج کا جتنا مشاہدہ کرتا اس قدر تلخ حقیقت واضح ہوتی جاتی کہ اس میں انسانی ہمدردی کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ نہ سخی چیزوں کی ملکیت  
کے لیے مسلسل کوشش کا نام زندگی ہی تھا۔ جب تک میری ذات کا تعلق تھا کتابوں کے علاوہ اور سب چیزیں میرے لیے بیکار اور غیر ضروری تھیں۔ مجھے  
روحانی دروازہ لگا کا احساس ہوا۔ میں نے دیکھا کہ ہر مذکر کے قلب میں ہی نہیں جذبات میں بھی تھا۔ میں نے اپنے آپ کو اسی تضاد کا شکار پایا۔  
میں کتابیں دہانتا نہ تھیں۔

لیکن تھوڑے ہی عرصے میں حالات کی کاپیا پٹت ہوئی۔ آغا بہار کی کسی شہم کا ذکر ہے۔ میں دکان میں داخل ہو ہی تھا کہ عورتوں پر نظر پڑی  
نہایت عجیبہ و غریب لہجے میں وہ کہنے لگا:

”تم میرے پاس کیوں نہ آ جاؤ۔ میں دو لکھ کے کنارے یہاں سے پینٹا میس یل دو ایک گاؤں میں۔ تہا ہوں۔ گاؤں کا نام تانکا س  
نے دہایت کی کہ جو کہ شام کو گھٹا شہر جا کر فلاں سات کی کشتی پر بیٹھ جاتا۔

خود کشتی کی ناکام کوشش کے بعد میں اپنی نظروں میں ذیل ہو گیا تھا اس مذکورہ سے بے فربہ ہو گئی تھی۔ نزلوں نے یقیناً میری روحانی  
الجھن کو محسوس کیا اور اپنی ذہنی میں مجھے داخل کر کے ازمد نو کا زہ دم کیا۔

وہ بہت کی زندگی میری نظریں سے جھگ اور بے سنی تھی۔ پہلے میں اکثر سنا کرتا تھا کہ وہ بہت کم کی زندگی فطرت کو صحت کے قریب  
ہوتی ہے۔ لیکن کھنوں کو میں نے بہت ان تک محنت اور فطرت کے بارے دہا ہوا یا ان میں سے کسی کو سرت کی ہوا بھی۔ مٹی تھی





دیو سے شیش پرچم ماہ گزارنے کے بعد دل باطل اچاٹ ہو گیا اور یہاں کی زندگی دہاں چھٹی کیوں کر میں شیش ماسٹر کی اور سب سے باہمی چل رہا تھا۔ ملاوہ بریہ اس کی یاد میں نے میرا جینا اجیرن کر دیا تھا۔ جب کوئی میں نہ چلا تو میں نے دیو کے کلمے کو غور میں در خواست کھی مجھ میں مریتا کے علم کی داستان کھی تھی، بار سے یہ درخواست منظور ہوئی اور میرا توال ایک بڑے دیو سے شیش کے ال دفتر میں ہو گیا۔

وہاں کی پڑھ کھڑا ایک ایسی جماعت سے میری ملاقات ہو گئی جو سب جہل کی ہوا کھا چکے تھے۔ شام کی صحنوں میں دیو ایوب اور عالم اشاروں اشاروں میں حسن رکھی ہوئی عورتوں کو پرچانے کی کوشش کرتے تھے ان صحنوں میں شیش ماسٹر کی مصلیٰ یاد آتی تھی۔ چلنا میرا پڑا تپا دل کیں اور ہو گیا۔

انہوں میں زندگی کے جس من کا ذکر ہوتا ہے اس سے مخلوق ہونے کو میں رستا تھا۔ میں کسی ایسی شے کی تذکرہ تھا جو مجھ میں طاقت اور مسترت پیدا کر دے۔ مجھے اس خیال سے تباہ کہ ہوتا تھا کہ زندگی کے ایسے گھٹنے ادا جیسا کہ پہلوؤں سے دوچار ہونے کے لیے میں کیوں مجبور ہوتا ہوں۔

اب قسمت نے تعلیم کی تکمیل کے لیے مجھے پہلی محنت کا راستہ دکھایا۔ خدا جاب نے دیوائے اوکا میں کشتی رانی کا تہذیب اور مجھ سے کہا کہ صاحب اداں کی تعلیم کو جیسے میں شرکت کی دعوت دے آؤ یہ دونوں حال ہی میں فرائض سے لڑتے تھے اور اب مجھے ان سے ملاقات کا ثمر حاصل نہ ہوتا تھا چنانچہ ایک روز شام کو میں ان سے مل گیا۔

دوسرے دن ہم دیوائے اوکا کی سیر کر رہے تھے۔ یہاں بیوی کی سب لوگ اتنی تعریف کرنے لگے کہ میرا دل ان کی محبت سے لبریز ہو گیا۔ ہمارا لکھنؤ چند روز میں بہت گہرا ہو گیا اس عورت کے لیے یہ بین فطری امر تھا جیسے پہل مرتبہ ایک دلچسپ جالند سے ماسط تھا جالند اس نوجوان کے لیے جیسے آغوش یار کے سما اور کہیں آرام نہ تھا جو۔

چند روز بعد ہم دونوں ایک کھیت کی ٹھہر پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے صاف صاف الفاظ میں بھلا کہا ہمارے عمر میں بڑا فرق ہے تمہیں بہت کچھ سیکھنا ہے لہذا بھی اس قابل نہیں کہ ایک عورت ادا جیسے میں اس کی ہڈی کا ڈرے سکون۔ پیار و محبت کی کچھ باتیں کر کے وہ رخصت ہوئی۔ اور میں خود غور اس کے غلام کا ذکر کرتا رہا۔ جب وہ آنکھوں سے اچھل کر گئی تو یکے بعد دیگرے دوسرا صفا کیری پہلی محبت کا کلمہ رہے گی۔

یہ دوسرا صبح ثابت ہوا۔

اس ہلاکی نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔ دشت نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔ دشت کے مارے میں نے اس شہر کو خیر ہاؤکھ اور دوسرا کھمد سے دوس کی خاک چھینا رہا۔ دوسرا ہمد عورتوں کے موسم میں جامک لڑیاں مارتے ہوئے میں غفلت جانیہ ہاؤکھ میں لکھنؤ میں کی سیر کر کے اس شہر میں آئی ہوئی ہے۔ سچ بتا رہا تھا کہ اس نے مجھے جالند جالند کراس نے خود حسن و حسن کے توسط سے مجھے یاد فرمایا۔

جاڑوں کے موسم میں دونوں ماں بیباں میرے پاس زنی ملی آنجہ کسی ہادی کے باغ میں ایک فصل نماز تھا جسے ہم نے تمہد ہے ہاؤکھ پرے گیا اس محبت کو ایسے سڑے ہوئے ٹھہر میں رکھتے ہوئے میرا دل چھٹا تھا۔ میرا غفلت کی یہ انتہا تھی کہ لڑکھائے کو کھانے کے لیے

خوش نصیب کا تھکانا اس کا تصور تھا کہ پے کے پے کوئی کلون ہوگا۔

اس دن اس نے میں میں ایک کھوکھلی کی ٹوری کرنا تھا۔ فرصت کے اوقات میں وہ پیسے فی لائن کے حساب سے ایک ٹکائی بنا

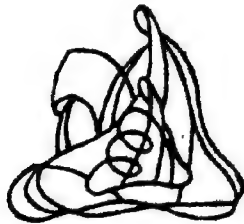
روپیے فی لائن کے لیے اضافے کی سیٹ دیا کرتا تھا۔ جب ہمارے چند روپے جمع ہوئے تو دوستوں کو دعوت دیتے تھے۔ میری عمر تھی کہ میری عمر تھی جو بیک وقت میرے لیے ماں اور محبوبہ تھی مجھے کسی ایسے اہل سے مرشد کرے گی جو میری تحقیق

وقتوں کو سب سے زیادہ دیکھا۔  
میری خاموشی زندگی کے متعلق احباب پریشان کن دلائل بیان کرنے لگے۔ میری چوری نے کہا،  
”تم ایک عمدہ تو نہیں کہنے لگے؟“

مجھ میں جمالی کی خواہش تھی کہ زیادہ بھاری کر ٹیک کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔  
یہ دوسرے بھی تھے لگا لگا اس قسم کی زندگی کہیں مجھے اپنے سے دور نہ لے جائے۔ ادب کے سارا دنیا میں میرے لیے کوئی جگہ تھی کہ  
موجودہ حالات میں میرے لیے کام کرنا ناممکن تھا۔ ”خوش نصیب“ نے اپنی چوری سے کہا۔  
”مگر میں یہاں سے چلا جاؤں تو مناسب ہو گا؟“

کچھ سوچ کر وہ بولی: ”ہاں مجھے خود بھی احساس ہے کہ یہ حاملہ ہمارے لیے موزوں نہیں ہے۔  
کچھ دیر بعد ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے ہم اس انداز میں بیٹھے رہے چند روز بعد میں نے اس شہر کو خیر باد کہا۔ وہ کسی  
تھک مٹھلی میں شامل ہو گئی۔

پہلی محنت نے میری زندگی کے ایک رشتہ کو دشمن کیا لیکن ہم دونوں کے زوق میں اتنا اعتماد تھا کہ میں دل ہی دل میں کڑھنے  
لگا۔ اسے مصائب کے ذکر تک سے نفرت تھی۔ دم و کرم کے تصور سے بھی وہ نا آشنا تھی اور اسے صرف وہ لوگ پسند تھے جو ہنسنا جانتے  
تھے۔ زندگی کے مسائل کو وہ تماشائی کے نقطہ نظر سے دیکھتی تھی مجھے یقین ہے کہ مرے دم بھی اسے امید ہوگی کہ موت کی حیثیت کسی  
شعبہ سے زیادہ نہیں اور اس میں بھی دلچسپی کا کوئی نہ کوئی پہلو ضرور مضمر ہو گا۔  
”خوش نصیب“ نے فریادیں اٹھیں



## ہمدرد کی آپ بیتی

میر انام محمد وہ ہے اور کام مجددی، خلق خدا کی خدمت میرا فرض اور طب مشرق کی ترقی میرا مشن۔ میں مسئلہ میں دینی میں عالم وجود میں آیا۔ میرے بانی تھے شہید فن حکیم حافظ عبدالجید مرحوم۔ انہوں نے مجھے بنایا تو ان کے سامنے یہ مقاصد تھے۔

- ۱۔ عوام کی طبی خدمت اور اچھی و سستی دواؤں کی فراہمی۔
- ۲۔ طب مشرق کی حفاظت اور ترقی۔
- ۳۔ ویسی دواؤں کا معیار بڑھانا۔
- ۴۔ صحت کے اصولوں کی اشاعت۔

انہوں نے ان مقاصد کے لئے رات دن انتہک محنت شروع کر دی اور پورے خلوص کے ساتھ میری ترقی کے لئے کام کرتے رہے، لیکن انہوں نے ان کی عمر نے وفات کی۔ ان کے بعد ان کے صاحبزادوں حکیم عبدالحمید دہلوی اور حکیم حافظ محمد سعید دہلوی نے میری باگ ڈور سنبھالی اور اپنے والد محترم کے منشا کے مطابق میری ترقی کے لئے کام کرنے میں مصروف ہو گئے۔ دونوں دانش مند اور محنت پسند بھائیوں کے اتحاد و فکر و عمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت جلد میری شہرت عام ہو گئی، میرا بنایا ہوا شربت دوح افزا ہزاروں لاکھوں آدمی پینے لگے۔ میرے کارکنوں کی تعداد بڑھنے لگی اور لاکھوں مددگار میری دوا سے شفا پانے لگے۔ میری طرف سے شائع ہونے والا رسالہ ہمدرد صحت لوگوں کو صحت و تندرستی کے اصول سکھانے لگا اور روز بروز اس کی مقبولیت بڑھتی گئی۔

۴۴ء میں ملک آزاد ہو گیا اور ۴۸ء میں حکیم حافظ محمد سعید دہلوی پاکستان آ گئے۔ یہاں افغانی کا عالم تھا کہ کوئی سازدہماں تھا نہ مال و دولت، صرف حکیم صاحب کا خلوص تھا اور خدمت کی لگن۔

پچاس روپے عینہ کر یا کر کے لے کر اور بارہ روپے ماہانہ کر یا کر فریوے کر میرا دفتر قائم کر دیا اور حکیم صاحب اور ان کے ساتھی شب و روز کام کرنے لگے۔ یہ محنت کا جیل ہی ہے کہ کچھ ہی عرصہ میں میرا نام روشن ہو گیا اور میرا کام پھیلنے لگا۔ گواہی کے بعد لاہور میں، لاہور کے بعد ڈھاکہ اور جالنگام میں میری شاخیں قائم ہو گئیں۔ اس کے علاوہ ملک کے ہر شہر اور قصبہ میں میری ایجنسیاں اور اشاعت مقرر ہو گئے جو میری دوا بھی عوام کو پہنچا کر سکھ پچاتے ہیں۔ میری جانب سے بڑے بڑے شہروں میں مطب قائم ہیں جہاں عوام کو بلا معاوضہ طبی مشورے دے دیتے جاتے ہیں۔

میرے کارکنوں کی تعداد کم بیش سات سو ہے، جن کو ہر عینہ میرے ذریعہ سے ایک لاکھ سے اوپر تنخواہ ملتی ہے۔

میری جانب سے براہِ پنج رسالے شائع ہوتے ہیں۔ ہمدرد نون سالہ مجوز کا محبوب ساتھی، اخبار الطب (طب و اطباء کا ہمدرد صحت و تعلیم و صحت کا نقیب)، ہمدرد نون سالہ مجوز کا محبوب ساتھی، اخبار الطب (طب و اطباء کا ترجمان)، ہمدرد میڈیکل ڈائجسٹ (دیرونی مالک میں طب مشرق کا علمبردار)، میڈیکل ٹائمز (طب مشرق کا انگریزی ترجمان) میں نے ۵۸ء میں جامعہ طبیبہ شرقیہ کے نام سے ایک اعلیٰ طبی کالج قائم کیا جو کامیابی کے ساتھ خدمات انجام دے رہا ہے۔

حکم جزوی ۶۶ء سے حکیم محمد سعید دہلوی نے ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن قائم کر دیا ہے جس کے تحت دماغی، تعلیمی، مذہبی کام انجام پائیں گے۔ فاؤنڈیشن کے تحت ادارہ صحت و تحقیق طب قائم ہو رہا ہے۔ یہ ادارہ تعلیم صحت طبی تحقیق اور ایسے پورے دیرین کے کاموں کے لئے قائم کیا گیا ہے اور اپنی نوعیت کا واحد ادارہ ہو گا۔

# مجلس ترقی ادب لاہور کی کلاسیکی مطبوعات

- ۱۔ سر دوش سخن - از فزا الدین حسین بخت ۵/۰۰
- ۲۔ بہار دانش - از مرزا جان پیش ۳/۰۰
- ۳۔ خرد افروز - ترجمہ حیدر دانش
- از شیخ حنیف الدین احمد ۴/۵۰
- ۴۔ امرا و جانان - از مرزا رسا ۵/۰۰
- مقالات سرسید (احمد خاں)
- ۵۔ حصہ اول ۲/۵۰ ۶۔ حصہ دوم ۲/۵۰
- ۷۔ حصہ سوم ۳/۰۰ ۸۔ حصہ چہارم ۵/۲۵
- ۹۔ حصہ پنجم ۲/۵۰ ۱۰۔ حصہ ششم ۲/۵۰
- ۱۱۔ حصہ ہفتم ۲/۵۰ ۱۲۔ حصہ ہشتم ۱/۷۵
- ۱۳۔ حصہ نهم ۲/۵۰ ۱۴۔ حصہ دہم ۲/۷۵
- ۱۵۔ حصہ یازدہم ۸/۰۰ ۱۶۔ حصہ دہدہم ۳/۰۰
- ۱۷۔ حصہ سیزدہم ۸/۰۰ ۱۸۔ حصہ پندرہم ۵/۰۰
- ۱۹۔ موعظہ حسنہ - از ڈپٹی نذیر احمد دہلوی ۴/۰۰
- ۲۰۔ مسافران لندن، از سرسید احمد خاں ۳/۰۰
- ۲۱۔ سوانح مولانا دم، از شبلی نعمانی ۲/۵۰
- ۲۲۔ حیات سعدی، از مولانا الطاف حسین حالی ۲/۵۰
- ۲۳۔ قصص ہند، از مولانا محمد حسین آزاد ۲/۰۰
- ۲۴۔ آرائش محفل، از میر شیر علی انیس ۸/۰۰
- ۲۵۔ ابن الوقت، از ڈپٹی نذیر احمد دہلوی ۳/۵۰
- ۲۶۔ رسوم ہند، از دانش بہادر مہر علی خاں
- آشوب دہلوی و کپتان ڈبلیو جے ہالائیڈ ۳/۵۰
- ۲۷۔ فسانہ مہبتلا، از ڈپٹی نذیر احمد دہلوی ۴/۵۰
- ۲۸۔ فردوس بریں، از مولانا عبدالمحلیم شرر ۲/۰۰
- ۲۹۔ وکرم اردو، از مہارگی کالی داس ۱/۷۵
- ۳۰۔ مرقع ملی مجنوب، از مرزا رسا، ترجمہ شبلی نعمانی ۲/۵۰
- ۳۱۔ مذہب عشق دگل بکاڈل، از جمال چند دہلوی ۲/۰۰
- ۳۲۔ نورتن، از محمد بخش مجبور ۶/۰۰
- ۳۳۔ جوہر اخلاق، از جیز کاد کرن ۷/۵۰
- ۳۴۔ جامع الکلیات ہندی، از شیخ صالح محمد عثمانی ۳/۰۰
- ۳۵۔ مہتاب داغ، از نواب مرزا خاں داغ دہلوی ۷/۵۰
- ۳۶۔ دیوان درد، از خواجہ میر درد ۳/۵۰
- ۳۷۔ تراہد زبان اردو، از علی کرشت ۲/۰۰
- ۳۸۔ یادگار غالب، از شمس العلماء الطاف حسین حالی ۹/۰۰
- ۳۹۔ اخلاق ہندی، از میر بہادر علی حسینی ۳/۰۰
- ۴۰۔ موازنہ انیس و دبیر، از شبلی نعمانی ۹/۰۰
- ۴۱۔ باغ اردو، از شیر علی انیس ۵/۰۰
- ۴۲۔ شکستہ، (کمانی)، از کاظم علی جوان ۲/۲۵
- ۴۳۔ نشر دنوں، از سہار حسین انجم ۴/۰۰
- ۴۴۔ تو تہا کمانی، از حیدر بخش حیدری ۳/۵۰

دفتر مجلس ترقی ادب - ۲ - کلب روڈ - لاہور

# پاکستان میں

اخبارات تو کئی ہیں، مگر کئی اور نکلیں گے۔ لیکن طر

”میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے“

کہ

منفرد اور دلپسند کیفیت آپ کو صرف

پاکستان میں اردو کے بہترین اخبار



میں

ہی نظر آئے گی۔ اگر آپ یہ اخبار پڑھتے ہیں تو آپ اس  
بیان کی تصدیق کریں گے۔ اگر کسی وجہ سے آپ یہ اخبار  
نہیں پڑھتے رہے تو آپ ہفتہ عشرہ تک پڑھ کر دیکھیں کہ  
یہ بات مجالہ سے کس قدر بعید اور حقیقت کے کس قدر  
قریب ہے!

پاکستان میں اردو کے بہترین اخبار



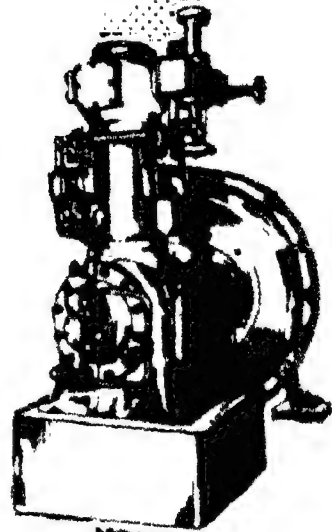
8414



معیاری مستقیم

ایمونیای کمپرسور

گیرنده و پمپ هیدرو استاتیک چارفت تا با دقت ساز  
علاوه بر این برف سرد و کولر سرد که به هر مکانی میسر می  
آید و متعلق به این کارخانه می باشد



۵۰

SHABROLL



تولید کننده

# آسٹریلک کا زمانہ مسترتوں سے بکھر پور هوتا ہے



دارالاسلام قادیان آسٹریلک رتن نماں اور غار مورک کے سرور میں آسٹریلک کی اوسان و طبعیت سے ماں بچہ اور  
 اُسے چاہنے والوں کو سب کو اُس کی اوسان و طبعیت سے ماں بچہ اور اُسے چاہنے والوں کو سب کو اُس کی اوسان و طبعیت سے  
 ہی ہیں۔ آسٹریلک کی اوسان و طبعیت سے ماں بچہ اور اُسے چاہنے والوں کو سب کو اُس کی اوسان و طبعیت سے  
 آسٹریلک کی اوسان و طبعیت سے ماں بچہ اور اُسے چاہنے والوں کو سب کو اُس کی اوسان و طبعیت سے  
 اور اُس کی اوسان و طبعیت سے ماں بچہ اور اُسے چاہنے والوں کو سب کو اُس کی اوسان و طبعیت سے  
 اوسان و طبعیت سے ماں بچہ اور اُسے چاہنے والوں کو سب کو اُس کی اوسان و طبعیت سے



## آسٹریلک ماں کے درد دھکے بھرتیں اور اُس کے

بچوں کی پرورش پر ایک مفید کتاب  
 آسٹریلک کی کتاب اور اُس کی اوسان و طبعیت سے  
 اُس کی اوسان و طبعیت سے ماں بچہ اور اُسے چاہنے والوں کو سب کو اُس کی اوسان و طبعیت سے



# NOORS

## SOHAGAI AND MOHINI SAREES



TISSUE BROCADE  
BROSSO GLASSO  
TISSUE SATIN

NOOR & COMPANY  
21, Gurdhadas Market  
Karachi Phone 32033

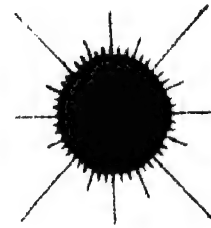
**NOOR SILK MILLS**  
S.I.E. Karachi Phone 79151



ایک دوا

اللہ

دعائے قاضی



ڈاکٹر گلبرگ

قیمت ۵۰/۷

دوہری تاثیر رکھنے والی "ڈائمنڈ پیلمز" ایک طرف معدے کی اصلاح کر کے قلت خون، اعصابی کمزوری اور دماغی ضعف کی  
بیچ گئی کرتی ہے تو دوسری طرف اس کے خصوصی اجزاء قوت جراثیم (مروان طاقت) میں نمایاں اضافہ کر کے مہم اور دماغ کو شب کی تازگی اور  
جوانی سے پرزور کر دیتے ہیں۔ مہم چند روزہ استعمال آپ میں جراثیم نیکو تہ پیدا کر دیتا

سن ٹریڈنگ کارپوریشن

برود افروزش سے صلب کچلے بارہ راست مہم سے جراثیم

دریافت میسر از جن ایر کارپوریشن ۲۹ حسن علی آفندی روڈ راجی فون ۲۲۲۲۲

چیلوئی بروئی دھوپ جو یا قبر کی سسوی  
مترل کی نشان دہی کیے ہمیشہ معذرت کا ہے

جسٹریٹ شری رام

اوس عزیز میں سیم و قصور کا فائدہ  
اوس بزرگ پیداوار کی ترقی میں

میکم  
ڈیزل انجن

پیش پیش ہے

## محرم انجیئرنگ کارپوریشن

۱۱/۳- فیروز پور روڈ، لاہور

انڈسٹریل ایریا بیرون مرہٹے سلطان لاہور

## GRAND MAHENG

شعبه

پیشہ دوست

۹۵۲۴



M.F.C. 3/64

# آپ کے موافق



جمنوری	کارنت	نئی	نیلہ	ستمبر	دسمبر
فوری	کیم	ہون	نونی	اکتوبر	ستمبر
مارچ	نرسا	جولائی	یاقوت	نومبر	اپریل
اپریل	میتھ	ست	نیلہ	دسمبر	مئی

فرحت علی جیولرز  
لاہور

آپ سفوف ہوں یا خستہ میں  
کیا کیا رہا ہے چنے ہوئے پھولوں کا ٹھوسہ

# سیارہ ڈائجسٹ

کے مطالعہ

آپ کے لمحات کو خوش گوار اور رنگین بنائے گا  
ہر شاخے میں ادبیات، تعلیمات، انسانیات، عجائبات، حیوانیات، شکایات، طنز و مزاح، شخصیات، طبیعت  
تاریخ انسانی، نئی نئی ایجادات، شہر و ممالک اور اقوام عالم پر معلوماتی مضامین ہوتے ہیں۔

سالانہ خریداریوں کے لیے خاص رعایت

۱۲ شماروں کی قیمت ۸ روپیہ ہے۔ مگر آپ صرف ۵ روپیہ میں حاصل کر سکتے ہیں۔ آج ہی ذیل کا  
کوپن پُر کر کے حوالہ ڈاک کیجئے۔ اگلے شمارہ سے آپ کو پرچہ ہمارا مفت شروع ہو جائے گا۔

پیراڈائز سبسکرپشن ایجنسی ۳۰ - بولنس روڈ، کراچی ۷۴

براہ کرم آپ میرا نام سیارہ ڈائجسٹ کے مستقل خریداریوں میں شامل کر دیجئے۔ میں اس  
کوپن کے ہمراہ ۵ روپیہ بذریعہ منی آرڈر چیک برڈرافٹ / پوسٹل آرڈر روانہ کرتا ہوں۔

نام

پتہ



